



ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

**DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY**

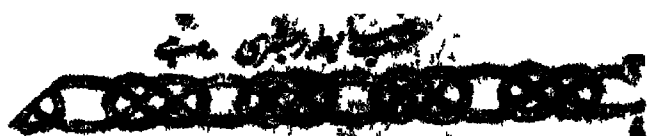
JAMIA MILLIA ISLAMIA  
JAMIA NAGAR

**NEW DELHI**

Please examine the book before  
taking it out. You will be res-  
ponsible for damages to the book  
discovered while returning it.







جلد اول

۱۲۷

# تہذیب الاخلاق

(۱۸۶)

مینی

معالی جناب نواب محترم ملک مولوی سید مہدی علی خان صاحب  
بہادری کے تمام مضامین انابتہ اے مشتمل ہجری ثانیہ  
۱۲۹۳ھ کی سند سے تہذیب الاخلاق

مرتب

۱۸۶

لیتھو گرافک پریس، لاہور

۱۸۶۹

شتر

کتاب خانہ  
میں کتاب  
کتاب خانہ  
کتاب خانہ

کتاب خانہ



# فہرست مضامین کتاب تہذیب الاخلاق جلد اول یعنی مضامین نواب محسن الملک لوی شہید مہدی صاحب دہلی

نام مضمون	صفحہ	نام مضمون	صفحہ
عزت -	۲۴۸	ریاضیہ -	۱۳۶
میرزا محمد سلیم و تربیت کی شہید -	۲۵۶	کلام -	۱۳۷
لیکچر مقام مرزا پور نشیونٹ -	۲۶۱	عزت الاسلام خدائی -	۲۰
طعام اہل کتاب -	۳۰۳	بانی تحفہ -	۳۴
نظام مع جواب -	۳۰۳	یہ اور عمل بحديث -	۴۲
سوال جواب ۱۷۱ -	۳۱۵	اسیر بالرائے -	۱۲۴
استغنا -	۳۵۲	داسمان -	۱۲۵
خط خطبہ الحق مع جواب -	۳۵۵	بیوقوف منقول باسحقوں -	۱۳۳
سجد میں جوتا پہنے نہ پڑھنا -	۳۶۲	مقول و منقول -	۱۳۷
التماس بخیریت حضرت کاشف الغطاء -	۳۶۶	کشف العلوم -	۱۵۰
و کشف حقیقت -	۳۶۶	سیر -	۱۵۶
اہل کتاب کے ساتھ کھانا شہید -	۳۷۶	ایمان -	۱۸۶
کی روایت سے -	۳۷۶	ریویو تاریخ ابن خلدون پر -	۱۹۰
مراسلہ مہدی بنام ماجد علی -	۳۷۳	ارباب و تاریخ ابن خلدون پر -	۲۱۵
نعت اللہ علیہ الکاذبین -	۳۸۰	شتر -	۲۲۳
کتاب الرحلت -	۳۸۳	چاندی امید -	۲۲۶
اشتہارات کتب -	۳۹۹	ہماری سکول مرزا پور -	۲۲۹
		نہیں کتاب بینی حکاک لوی شہید -	۲۳۹
		کتاب طعام اہل کتاب و دامن کے -	۲۳۹
		کتاب امداد لاصحاب -	۲۳۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## تہذیبِ لائق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب خلیہ الحاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے  
تہذیب خلاق کیا کتاب ہے، اور حکماء کے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں یہ کس عزت اور غرور  
نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اتفاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، ہم ان کو  
دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو برس پیشتر ترکستان کے شہر تہران میں جو ایک حکیم و فاضل اور  
کامل ابوعلی مسکویہ تہران رازی گڑا ہے یہی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مسکویہ  
عہد کی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی۔ سادگی کی وجہ سے یہ محض قبول محسوس کیا تھا کہ خواجہ نصیر الدین  
جو اپنے زمانہ کا ایک مرد عالم اور مشہور فاضل تھا جب ترکستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبدالاحد  
کتاب خلاق ناصری مرتب کی تو فوراً خلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی  
کے تصنیف کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

جس نے ہمیں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔  
 فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اس قدر ترقی پانچ کا درجہ پہنچتی تھی کہ حکام اپنی سلطنت کی زیر دست  
 تھکرتے تھے۔ اور تو اور صرف باعلی سینا اور ابوریحان بیرونی جس حکیم کے معصروں میں وہ  
 مہرگز ہے جس کا نام ایشیا اور افریض کی اسلامی قوموں میں عمرو اور یوسف کے تہذیب یافتہ  
 خصوصاً اہل بیت عت و اودقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فرخ اور فتح قوم کی  
 معاشرت۔ علوم و فنون۔ حروف و دستت میں کئی قسم کی بغایت نہ تھی۔ اسلئے جلد کو۔  
 کافی سمجھا کہ دہائی کتاب میں فی نفس اظہر کی صفات سے بحث کرے اور اس کے فضائل اور  
 سامان سے اس کو مکمل کرے۔ لیکن اگر باعلی سینا سے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فرخ اور فتح قوم  
 اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن و معاشرت کا  
 علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقیہ و یارینہ

ہیں چاقو پھینچی۔ بلکہ سونے کی گولہ بوسہ کرتے

محتاج نہ ہو کیا حالت تھی۔ جس قدر کہ وہ علماء و مفکرین قوم کے ایسے مضامین میں ذکر کرتا جو قوم کو تاریکی و جاہلیت  
میں سے نکال کر ترقی کے لئے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے۔

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب  
پیشوا مولوی کو پیدا کر دیا۔ جو صوفی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے زمانہ کی نقار سے  
آواز دے سکتا تھا اور اس کے اصلاحی تجاویز سے ایسا ہی گام بہ جوا یک صلیح قوم اور بھی خواہ ملک کو ہونا  
پڑے۔ وہ دونوں: **آزادی کی آواز** اور **سرسید احمد خاں** کے سی۔ ایس آئی۔ ایل۔

کی دلی مسرت و دلالت ہے۔ دنیا وی زندگی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھ کر  
کاروبار کیا کہ یہی قوم جس کے ایک نام میں علم و فضل - حرفت و صنعت - تجارت و حکمرانی ترقی کے اعلیٰ  
پہنچ چکی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اس سے ایسی تیاریت ہے جو ایمان کو کفر سے - یا نور کو  
سے - یا باطن کو ویران سے - توانا حالت سے اس کا جی بھڑایا - اور ہر ترقی پسندی کی حیل شکست میں صرف

لیا اور کچھ ہوسکتا تھا۔ ہوسوں سپر سوچا کیا۔ دل مدعا سے فکر و زبان سے ڈال اور زبان سے جو  
دل بکنے لگی تھی وہاں ہی سپر صرف دسی۔ اور خود کو ایک ستی نہ دی۔ انہیں رجائی کیا۔ علی کہن بونے رجمہ  
اور شایع کئے۔ مگر جب اس کے عرصہ تجربہ سے سکھام ہو گیا کہ یہ تدبیریں جو حالات کے لحاظ سے غیر متعلق  
ہیں کافی بدترین نتائج قوم سے عروج و افق زندگی کے لئے ضروری تھے کوئی لندن تک سفر اختیار کیا۔ اس کے  
مذاہم و عادت لئے بھیجا۔ اس کی ترقی کے سبب کو بچا۔ چونکہ سب سے پہلے ہمارے اپنی قوم کے حالات سے کیا اور اس

پہلے سے خیر کا نتیجہ بنا کر جو قوم دوسری قوم کے ماتحت دیکر ترقی کرنا چاہے عزت  
اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو غیر قوموں کے سامنے  
ہو لو اور ان کی زبان اور ان علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں  
اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو آخر وقت کے انصرام کا کفیل ہو۔

جس میں اس نے ہندوستان میں پس اگر چاہے جو تجارتی ممالک اس کے چاروں طرف ہیں اور ان کے  
میں سے لگا کرے مگر قوم کو دیکھا کہ تو ہی سلطنت کا ساتھ ملنے سے علم و فنون کی تحصیل ہو رہی تھی اس کے

دیار چھایا ہے۔ غرضت میں نہیں آتا۔ ہندو ہی ہے۔ نہ سرری کے لئے اس کی تھکتی ہے۔ نہ بھلی جنور کے کو  
تھی ہے۔ تب ایک شیریں لہجہ و آواز سن تھا طبیعت کو استہین کیا۔ اس کی ہر مایہ میں غضب کی طاقت تھی

کہ جس میں کسی جادوئی طرح اثر کر گئی جس گھر میں پہنچے مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ ہوتو کی بگاڑ دیا۔ سنوں کے

ہوشیار کر دیا۔ وہ تنوں میں رُوح چھوٹ گئی۔ زندہ لوں کو رُوح القدس کا اثر دکھایا۔ فقیریں گلام  
مقدس تہذیبِ اسلام کی اشاعت کا انتظام دیکھ رہے تھے۔  
آہا!! یہ دُوبی تہذیبِ اسلام کی ہے۔

جس نے مسلمانوں کی حُریت کا پٹا اٹھایا۔

جس نے اسلامیوں کے اصلاحِ تمدن کا بارگراں اپنے ذمہ لیا۔

جس نے پاک مذہبِ رسماً کی ادا نام باطل کو دور کر دیا۔

جس نے دنیا کو بتلادیا کہ اسلام ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقیات کے لئے کوہِ دیوہ آمادہ ہے۔

جس نے غیر مذہبوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔

جس نے عالمِ مومن کو ظاہر کیا کہ مصلحتی دہم سے کبھی شریعتِ نبویؐ کی نگرانی کے بغیر تہذیبی و تمدنی اصلاحات نہیں آتی۔

جس نے دُوبی سے گراں کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا رہے تھے۔ اور یہ سب کچھ اس کے لئے تھا۔

نابینہ کر دیا اگر کہیں اتفاقی طور پر مل بھی جائے تو پھر عام نو مسلم خریدنی وغیرہ کے لئے دُوبی کے لئے تھا۔

آدمی کے لئے اس کے لئے اور یہ بھی کہ اس کی ورق کوئی کاغذ پر نہیں لکھا گیا تھا۔

اولادِ اشرار کے لئے تھی جو ان کے لئے شائع کی گئی تھیں۔ اور یہ بھی کہ اس کے لئے تھا۔

کے لئے تفصیل مضمون میں ہوگی۔

پہلے حصہ میں نیریل سرسید احمد خاں صاحب کے درمیان کے مضامین۔

دوسرے حصہ میں نیریل سرسید احمد خاں صاحب کے دُوبی کے مضامین۔

تیسرے حصہ میں نیریل سرسید احمد خاں صاحب کے دُوبی کے مضامین۔

چوتھے حصہ میں نیریل سرسید احمد خاں صاحب کے دُوبی کے مضامین۔

مولوی ذکا و اللہ مولوی مہدی حسن سرسید احمد خاں صاحب کے دُوبی کے مضامین۔

ترتیب تو اس کی مقتضی تھی کہ پہلے نیریل سرسید احمد خاں صاحب کے دُوبی کے مضامین۔

شرعی تحقیقات کے نکتہ طراز دُوبی کے مضامین کی تعریف مضامین کے دُوبی کے مضامین۔

پہلے حصہ کے دوسرے حصہ شائع ہوا ہے۔ باقی سلسلہ وار شائع ہونگے۔

قوم کا دم

فاکس آرٹس فیصل الدین تاج رجب قومی و ملائہ اخبارات

لاہور۔ بازار کشمیری



تمام متکلمین اور حکما کا قول ہے کہ حقائق الاشیا ثابۃ یعنی برجزیر کی فی ذات ایک حقیقت اور  
ت ہے اور انہیں یہ قول ہے کہ تعقیب لیاہیت محال یعنی ماہیت کا بدل جانا عقلاً  
ہے اور جو شے عقلاً محال ہو اسکا واقعہ بھی ہونا غیر ممکن ۔

پس اگر ہم کسی شے کی حقیقت کو جانتے ہوں لیکن اسکو اسکی ماہیت سے بدلا ہوا پاویں  
انہر اسکی ذاتی حقیقت اور اصل حالت تھی اُس میں فرق دیکھیں تو کھوٹا نرم ہے کہ ہم  
بہت دریافت کریں اور ان عوارض خارجی اور اسباب رضی کی تحقیقات پر متوجہ ہوں  
اہل سبب سے اُس شے کی ماہیت ہماری نظروں میں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔

بہر شے کی ماہیت ثابت اور قائم بنے کے لیے ضرور ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی  
ہے اور کوئی دوسری شے اُس میں نہ ملے ورنہ جہاں ترکیب اور اختلاط نے راہ پائی اوشیا  
مستوف ایک دوسری سے ملیں پھر کوئی شیا مختلفہ کی ماہیت کا دریافت کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور  
چاہے اسے جس نے ان چیزوں کی حالت اصلی کو بدل یا شے تعقیب ماہیت کا ہوتا ہے ۔

بہر شے فی نفسہ اپنی ماہیت اور حقیقت میں جدا جدا ہے اور کسی دو چیز کی ایک ماہیت  
انہیں ہے اس لیے کہ جب تک ماہیت دوسری نہ ہوگی تب تک وہ شے دوسری نہ کہلائیگی  
پس جب دو چیزیں کو ملا کر فی ذاتہ جدا گانہ ماہیت رکھتی ہوں گی باہر ملینگی تو ان کے اختلاط  
سے دونوں کی ماہیت ایک ہو جائیگی گو ان کی ترکیب باہمی سے ان اشیا پر مختلفہ مختلفہ کا

ایک کھدیا جائے اصل میں دونوں چیزیں اپنی جہد اگانا مہیت پر باقی رہنکی اور اس ترکیب  
 ان کی حقیقت میں کچھ فرق نہ آئیگا +

لیکن ترکیب اور اختلاط کے سبب سے ان اشیاء مختلفہ کی حیثیت ظاہری ایسی بل جامع  
 کو ان کے ہر جزاء منفردہ یعنی ہر شے جداگانہ کی حقیقت کا دریافت کرنا نہایت دشوار  
 قریب بہ محال ہوگا اور پھر جب تک کہ وہ ترکیب کسی عمدہ تدبیر سے دودہ نہ کیا ہو سے وہ  
 ہر شے اپنی اصلی حالت پر نہ لانی جاوے تب تک مہیت کا دریافت کرنا حیطہ امکان  
 خارج ہوگا +

پس اگر ہم کسی شے کی حقیقت دریافت کرنے پر مستعد ہوں تو پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ  
 اس کی حالت موجودہ پر نظر کریں کہ آیا وہ اپنی اصلی حالت تجرید پر باقی ہے یا کہ اور چیزیں  
 اُن میں ملی ہوئی ہیں اگر ہم ان چیزوں کا سیل ان میں پاویں تو وہ ہمارے کام ہمارا یہ ہوگا کہ ان  
 چیزوں کو جدا کر کے اُس سے کو ان سے علیحدہ کر کے اس کی اصلی حالت پر لے آئیے قصہ یہ  
 اُن کے چاروں سے جدا کرنا قصہ یہ تیسرا کہ ہم ان کو لہو زریں پیدا کریں جس سے وہ اختلاط کا قحہ دودہ  
 اگر ہم اپنے ان خیالوں کا موں میں غلطی نہ کریں تو ضرور اُس شے کی حقیقت دریافت کر سکیں گے۔

جب ہم کسی چیز کے من و مخرج کی تحقیقات پڑا دہ ہوں تو ہر جگہ لازم ہے کہ یہ ہم اُس  
 شے کی حقیقت جس طرح اور یہ ہم نے بیان کی ثابت کریں جدا کے اپنی رائے اُس شے کی  
 بڑائی بھلائی کی نسبت قائم کریں ورنہ اگر ہم غیب دریافت کرنے اس کی حقیقت کے کسی مرکب  
 کو جو ہر مجرد سمجھا کر اس پر اپنی رائے قائم کریں تو ہر غلطی اور دھوکا میں رہیں گے اور وہ رائے  
 ہماری نسبت اُس شے سے نہ ہوگی بلکہ نسبت ان اشیاء مختلفہ کے ہوگی جن کو اختلاط نے  
 ظاہر میں ایک کر دیا ہے۔

جب ہم موجودات خارجی میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو ہر سہری نظر میں ہو ہر شے بسیط  
 معلوم ہوتی ہے اور ہماری پہلی نگاہ اس کی ترکیب اور اختلاط پر نہیں جاتی لیکن جس قدر  
 کرتے جاتے ہیں اس قدر ہر جگہ اُس کے جزاء و مرکب کی کیفیت معلوم ہوتی جاتی ہے یہاں تک  
 کہ آخر ہو کہ یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی شے اُن میں سے جو ہر بسیط اور مجرد محض نہیں ہے اور ہر  
 اشیاء متضاد ملی ہوئی ہیں یا ہر جگہ اُس لہ اور فدیہ سے کام لینا پڑتا ہے جس سے اس ترکیب  
 چل کر کے ہر شے کو جدا جدا کریں۔

محکمیت ہم نے ایمان موجودات کی بیان کی وہی حال ہماری مدد کا تہ و معاولات اور  
 اعتقادات کا ہے کہ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اس کی  
 نسبت صحت اور سچائی کا یقین نہیں کر سکتے اور اسکو غلط اور خطا اور وہم اور شک کی  
 آمیزش سے خالی نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اسکو کسی سچے ذریعہ اور کارآمد آئینہ سے جانچ  
 نہ کریں اور اس کے اجزاء و مرکب کو علیحدہ علیحدہ کر کے نہ دیکھ لیں پس جس طرح موجودات خارجی  
 میں سے کسی شے کی حقیقت کے جاننے کا دعویٰ کرنا بغیر اس کے نہ اسکو اپنی ہی حالت  
 پر لاکر امتحان کر لیں والی ہے اسی طرح ہر کو اپنے اعتقادات میں سے کسی اعتقاد کی صحت پر  
 یقین کرنا قبل اس کے کہ ہم اسکو توہمات اور خیالات سے جدا کر دیں ٹھیک غلطی ہے۔

جیسا کہ ہر کو کسی موجودات کی حقیقت معلوم کرنے پر یقین نہیں ہو سکتا جب تک کہ  
 ہم نے خود اسکو مذکورہ تدبیروں سے نہ جانچا ہو اسی طرح ہر کو اپنے اعتقادات کی صحت پر یقین  
 کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم نے نہ اسکو اسی طرح دریافت نہ کیا ہو اور اگر ہم نے ایسا کر لیا  
 ہو تو پھر ہمارا اعتقاد بھی صحیح ہوگا اور اس پر ہر کو یقین بھی ایسا ہوگا کہ اگر ساری دنیا ہماری  
 مخالف ہو اور تمام جہان ہر کو مجنون اور دیوانہ بنا دے مگر ہم سے اس یقین اور اعتقاد میں  
 کچھ خلل نہ ہوگا۔

بغیر اسکی ذاتی تحقیقات اور جانچ کے جو کچھ ہم سمجھیں اور جو کچھ اعتقاد کریں وہ صرف سنا ہوا  
 ہوگا اور کسی غلطی کے احتمال سے محفوظ نہ رہیگا اور طینان قلبی جس شے کا نام ہے وہ کبھی  
 حاصل ہوگی ہماری مثال ٹھیک ٹھیک اندازے کی ہوگی جس کو کوئی بات پکڑتے لیے جاتا  
 ہوگا اگر قسمت سے راہ بتانے والا اچھا مل گیا خیریت گزری۔ ورنہ کسی گڑھے غاریں گر کر سٹی  
 خراب ہوتی ہے۔

تحقیق کر نیوالے کو ہر چیز کی تحقیقات کے لیے ضرور ہے کہ جو کچھ لوگوں سے اس کی  
 حقیقت کی نسبت سنا ہو یا جو کچھ اس نے خود سمجھ رکھا ہو اس سے اول اپنے دماغ کو خالی  
 کرے اور کسی کی حقیقت اور صحت پر پہلے سے یقین نہ کرے اس لیے کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو  
 یا تحقیقات کرنے پر اسکو توجہ نہ ہوگی اس لیے کہ وہ اپنے خیالات کو یقینیات سمجھ کر اپنے  
 آپ کو مستغنی سمجھ لے گا یا تحقیقات کرتے وقت اسکو توہمات اور خطرات ایسے پیدا ہونگے کہ وہ  
 اسکی تحقیق میں خلل ڈالیں گے۔



ایسی تحقیقات کرنے والیکو چاہیے کہ وہ اُن سب باتوں کو جو لوگوں سے سُنی ہیں، جو کچھ اُس کے اہل میں گزری ہوں بیشِ نظر رکھے اور بغیرِ پیداکرنے یقین کے کسی پر دھکی تحقیق بذریعہ اُس لکھ اور ذریعہ کے جو اُس کے امتحان کے لیے ہو کرے تاکہ اُسکو خود معلوم ہو وہ کچھ کیا ہے اور باطل کیا۔

تہنیک ہم بیان کرتے ہیں کہ حکمائے یونان کا قول تھا کہ عناصر چار ہیں جن کا نام اُن کی اصطلاح میں اسطیقات اور پتھ اور اِن کے جہر سبیط بمعنی پرنہر اور آدنی معتقد تھے اور ہزاروں برس سے اب تک معتقد ہیں اور اب حکمائے یورپ کا قول ہے کہ وہ مرکب ہیں پس ہم سبکی بات کو بغیرِ امتحان اور جانچ کے ماننے کے گو وہ فی نفسہ صحیح ہو مگر ہمارے جانچنے کا لینا ہی ہمارا غلطی ہے اس لیے حکمو لازم ہے کہ ہم دھنوں کے دلائل سنیں اور جڑیے اور آلات اُن کے حقایق دریافت کرنے کے دھنوں کے اُس پس ہوں لیکر خود امتحان کریں تب ہم خود یقین کر لینگے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور اگر ہم ایک کے قول کو پہلے ہی سمجھ لیں اور دوسرے کی بات تک نہ سنیں تو ہم حقیقت جاہل بلکہ جمل مرکب میں گرفتار رہے جیسے جاوید کے اور گو وہ قول جس کو ہم نے بے سوچے سمجھے مان لیا ہے درست ہی ہو لیکن ہم غلطی اور دھوکا میں پڑے ہونے سے عقلا کے نزدیک بری نہ ہونگے۔

ان تہذات کی تزیین تہبید سے مطلب ہمارا اپنی قوم کی موجودات پر غور کرنا اور انکی حقیقت اور ہمت دریافت کرنا ہے پس ہم اُس حالت موجودہ کو ایک نئے قرار دیتے ہیں جو نام سے اسلام کے مترادف ہے اور سرسری نظر میں نئے واحد بھی مانتی ہے اور بات تمام عقاید اور اعمال اور حرکات و سکنات و چال و چلن پر سکنانی کا حفظ اطلاق کیا جاتا ہے لیکر غیرِ مکرئیے بت ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں اجزاء کے کباب اور بے شمار چیزوں کا مختلط ہے اور وہ جو ہر نوعی جس کا نام اسلام ہے اور جو فی تہہ ہر بُرائی سے پاک اور ہر بُرائی سے عاف ہے اجزاء کثیف کے مل جانے سے کھد اور تاریک ہو رہا ہے اور اس کا اصلی نور اُس تکدر کے سبب سے چھپ گیا ہے۔

ہر ملک میں بسے لیکر ہند تک اور ہر قوم میں ملوات و شیوخ سے لیکر حقیر و ناباری تک، ہر مذہب میں اہلِ امت سے لیکر معتزلہ تک اور ہر فریق میں علماء سے لیکر جمہ و تکلف رانی، جو ہر کھانڈ کا نہ جلوہ دکھائی دیتا ہے اور اُس کی طبعی کامنوں ہر فرد میں ایک علیحدہ صفت

عزائم سے جس شخص سرسری نگاہ سے دیکھتا ہے وہ ان سب کو اب ہی شے جان کر اسکو سلام سے تعبیر کرتا ہے اور ہمارے عقائد اور رسمیات کو اصل اسلام سمجھ کر کے منہ فرج کر دیتا ہے۔

پس اگر ہم اس مجموعہ کو مع جمیع افراد اسلام کہیں تو یہ کہنا ہمارا محض غلط ہے اور اگر اسے قطعیۃً انکار کریں تو بھی انکار ہمارا درست ہے اس لئے ہمارے سوائے اس کے کچھ چاہتے ہیں کہ ہم انہیں مہول معذرتہ کو جو اوپر بیان کیے پیش نظر رکھ کر اسکی ترکیب اور اختلاط کے نور کر نیکی فکر کریں اور کسی نہایت سچے ذریعہ اور نفیہ تہمیر سے ہر ہر جزو کو علیحدہ علیحدہ کر کے اسلام جس شے کا نام ہے اسکو الگ کریں تب اسکی حقیقت معلوم ہونے پر یقین کر کے ان آئے مختلفہ کو جو اس مجموعہ مرکب کے منہ فرج کی نسبت ہے دیکھیں تاکہ ہمارے معلوم ہو جائے کہ ان اجزاء مختلفہ کا تعلق کس قدر اصل اسلام سے ہے اور کس قدر ان شیا غائبہ سے جو اسلام میں مختلط ہو گئی ہیں۔

غرض کہ اس کام کے لئے ہمارے کوئی سچا اور کارآمد اور کاربہ جو کہ اس کی سب کو دور کرے اور وہ سچا اور کارآمد آدہ کیا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جن کا لقب احمد مجتبیٰ اور جن کا نام محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کوئی یہ خیال کرے کہ وہ آدہ ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ بالکل صحیح و سالم ہمارے پاس تھا موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا ان کے اجزاء کا سمجھنا اور اس سے کام لینے کا طریقہ جاننا ضرور ہے۔

اس آدہ سے مراد وہ صورت شخصی نہیں ہے جس میں لوگ بھی مشابہت صوری رکھتے تھے بلکہ خاص منصب ہے جس میں کوئی کچھ مناسبت نہیں رکھتا یعنی نبوت اور ہدایت کے دو جزو ہیں ایسا سچا کسی طرح کا نہیں تھا اور شبہ نہیں ہوا ایسا کہ جس کی چائی پر کسی قدر صحت اور سند اور تحقیقات کی حاجت ہے۔ پہلے جزو سے مراد کتاب اللہ ہے۔ دوسرے جزو سے مراد حدیث ہے پس جس کے پاس یہ دونوں جزو موجود ہوں اسکے پاس ہر وقت اور ہر ساعت وہ آدہ گویا بذاتہ اور بنفسہ موجود ہے۔ مشرق میں ہندوستان مغرب میں شمال میں ہندوستان جنوب میں۔

فلح نکل ہر جا کہ روید ہم گل است + خرم ل ہر جا کہ جو شد ہم مل است

گزر مغرب برزند خورشید سر \* بین خورشید است نئے چیزے دگر  
پس یہ کہ اپنے تمام حالات کا دینی ہوں یا دنیاوی۔ اصلی ہوں یا فرعی۔ حقوق تہ  
سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے۔ امتحان کرنا لازم ہے۔ اور امتحان کا طریق یہ ہے کہ کسی  
تطبیقی کتاب اللہ اور سنت سے کہیں جس کو اُس کے مطابق پاویں سکوا سلام اور  
جسکو مخالف پاویں سکوا سلام سے خارج جانیں۔

اسلام کو ہماری ذات سے دو قسم کا تعلق ہے۔ ایک تعلق عقاید کے جسکو حکمت نامہ  
یا کمال علمی کہتے ہیں۔ دوسرے تعلق اعمال کے جسکو عقلاً قدرت فاضلہ اور کمال الٰہی سے تعبیر  
کرتے ہیں۔ پہلے امر کو جو حقیقت اصول ہے کتاب سنت نے ایسا صاف کر دیا ہے  
کہ آپ کسی دوسرے سے پوچھنے بتانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ماتب ترجید اور نبوت  
اور معاد کی کامل تشریح کر دی ہے۔ دوسرے امر کو جو حقیقت ذریعہ ہے اُسے اصول  
بجی تصدیق کے ساتھ بیان کر دیے ہیں اس لئے یہ کہ اپنی دونوں باتوں کو کتاب و سنت سے  
مطابقت پانے تب معلوم ہوگا کہ کتنی باتیں ہم میں سلام کی ہیں اور کتنی اُس سے خارج اور کون  
کون سا عمل ہمارے موقوف اُسکے ہے اور کون سا مخالف۔

ہم اسے حالات دنیوی بھی مذہب کے تعلقات سے آزاد دیکھیں جس پر معاملہ میں خواہ  
وہ سیاست من سے متعلق ہو خواہ اُسکو حکمت منزلی سے علاوہ ہو یہ کہو شریعت کی پابندی  
ہی ہمارا تمدن اور معاشرت اور برتاؤ آزادہ یعنی بلا قید شریعت کے نہیں ہو سکتا جو برتاؤ  
دنیاوی ہمارا ہوگا وہ بھی مذہبی ہوگا اور ہماری حریت اور ہر خیال اور ہر فعل اور ہر عمل میں  
جلوہ اسلام کا چمکے گا اگر وہ برتاؤ مطابق شریعت کے ہے تو وہ نور اسلام ہے اور اگر مخالف  
ہے تو وہ مانع اسلام۔

شریعت نے یہ کہو رہبانیت کی تعلیم نہیں کی۔ جوگی بونکی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا  
کلو امن الطیبات واعملوا صالحا اُس لیے اُر دل بایار اور دست بکار ہو تو عین حوا  
شریعت نے دائرہ معیشت کو تنگ نہیں کیا۔ رزیت دنیا سے ممنوع نہیں گردانا۔ ہم  
مسلمان مجرمات سے بچکر اپنی زندگی کو نہایت آرام سے بسر کر سکتے ہیں۔ اپنی اپنی اوقات کو  
اور اپنے مال کو اگر اپنے بھائیوں کی بھلائی میں صرف کریں تو کسی دبت میں اُس سے زیادہ نوبت  
مستحق نہیں ہو سکتے لیکن ہم نے اپنی بد بختی سے دین کو شرکِ بدعت کے عقیدوں سے

خواب اور دنیا کو غفلت اور جہالت کے سبب سے برباد کر رکھا ہے نہ دیکھئے۔

### بیت

گئے دونوں ہمارے کام سے ہم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے  
نہ خدا ہی مانا نہ وصال صمیم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

جب ہم خلفاء راشدین کے اصول سیاست اور طریق معاشرت اور اخلاق اور عادات اور چل چلن اور برتاؤ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے آنکھوں کے سامنے بہت سی عجیب غریب چیزیں ہر جاتی میں اور بیت سے عقد سے ہائے حل ہو جاتے ہیں جس لیے ہم کچھ مختصر سا حال خلفاء راشدین کی خلافت کا لکھتے ہیں لیکن صرف ان باتوں کو جو کہ متعلق سیاست اور معاشرت کے ہیں کہ اس سے فواید ذیل حاصل ہوں۔

اول معلوم ہوا ان کے اصول سیاست کا کہ وہ کیسے تھے اور کن قواعد پر مبنی تھے۔  
دوسرے ظاہر کرنا ان کے اخلاق و عادات کا کہ وہ کیسی صفائی اور سچائی اور راستی پر مبنی رکھتے تھے اور غیر مذہب والوں سے کس طور سے پیش آتے تھے۔

تیسرے ظاہر کرنا ان کے مختلف قواعد نظامیہ کا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موافق ضرورت وقت اور حال مانہ کے اصول سیاست اور تمدن اور معاشرت کے مقرر کرنا اور وقتاً فوقتاً ان میں اصلاح کرنا اور نئے نئے ضابطے جو پہلے جاری تھے منسبط کرنا اور امور مذہبیہ کے اجراء میں کوشش کرنا بشرطیکہ کوئی نص کتاب سنت سے اس کے منع اور حرمت پر نہ ہو ان کے نزدیک بدعت نہ تھا۔

چوتھے مخالفت ان سلاطین الممیہ کی شرمیت سے جنہوں نے اپنی حرکات و افعال خارجہ سے اپنے بے جا تعصب اور غلبہ غضب کو سلطنت کے کاموں میں دخل دیا اور ناجائز طور سے اپنے اختیارات شاہی کو برتا اور اسلام کو بٹہ لگایا۔

پانچویں قہ کرنا اپنے بھائی مسلمانوں کو ان کے پیشواؤں کے اخلاق اور عادات سے اور ان کے قواعد نظامیہ اور قوانین حکمیہ سے تاکہ ان کو معلوم ہو دے کہ وہ خود اس نظام سلطنت میں کسی استعداد رکھتے تھے اور وہ تہذیب اور شایستگی کی ترویج میں کسی سعی بلوغ کرتے تھے۔

## خلفاء راشدین کے اصول سیاست و احکام و اخلاق اور عادت کا بیان

یہ خلفاء راشدین میں سے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات لکھتا ہوں اس لیے کہ ان کا زمانہ کمال کا زمانہ تھا اور ان کی زندگی سے اصول سیاست کا استخراج ہوا اور ان کے وقت میں کچھ فتنہ و فساد بھی پیدا نہیں ہوا۔

پہلا اصول جس پر بنا خلافت مبنی اجماع تھا۔ یعنی امام و خلیفہ کا مقرر ہونا تاکہ امت اور رعیت کی مرضی پر موقوف تھا۔ قرابت اور رشتہ اور ارث کو اس میں کچھ دخل تھا چنانچہ اہل بیت و اہل فاطمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قریب ہوا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبد اللہ کو اپنا جانشین کر دیجئے حضرت نے فرمایا کہ میں کچھ حق نہیں ہے۔  
درحقیقت اس وقت کی خلافت کو سلطنت سمجھنا چاہیے جس کی خوبی اور عظمیٰ پر آج تمام شایستہ قوم یورپ کو اتفاق ہے۔

دوسرا اصول خلیفہ کو آزادی و خود مختاری کا حامل نہ ہونا۔ امام و خلیفہ اجراء احکام اور انتظام امور سلطنت میں آزاد اور خود مختار نہ تھا۔ اور اپنی خواہشات و ارادوں کو بلا قید و شرط کے پورا کرنا کیسا ظاہر بھی نہ کر سکتا تھا۔ کتاب و سنت کا پابند ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر نے جبکہ وہ خلیفہ مقرر ہوئے جو پہلا خطبہ پڑھا وہ یہ تھا کہ اے مسلمانو! میں آدمی ویسا ہی جیسے کہ تم ہو۔ نہ خطاؤں سے معصوم ہوں نہ غلطیوں سے محفوظ نہ ہوں۔ سب سے بہتر اور اچھا ہوں میں نے تم میری خبر داری کہنا۔ جو باتیں میری خدا اور اس کے رسول کے احکام کے موافق ہوں ان میں میری تجیت کرنا۔ اور جن میں مجھے نفرت کرتے ہوئے دیکھنا پسند نہ آتا۔

یہ دوسرا اصول درحقیقت پہلے اصول کا نتیجہ ہے بلکہ دونوں لازم و ملزوم میں غلط فہمی شدہ کے

۱۰ ان حالات کو ہم نے ان کتابوں سے منتخب کیا ہے۔

(۱) تاریخ یافعی۔ (۲) تاریخ خلفاء سیوطی۔ (۳) ازالۃ الغٹھا (۴) طبری +

اصول قادیانہ اور عظمت حق موروٹی ہو گیا اسی واسطے دوسرا اصول بھی ٹوٹ گیا  
بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرتے لگے اور بنیر پابندی تو ان میں شہریت اور ہجرت  
سے کیا جانی خواہشات کو پورا کر سکیے۔

خمسرا اصول عایا کو از اسی حاصل ہوا۔ سوائے شہریت کے احکام کے عایا کو  
جلی کے امام اور خلیفہ کی طرف سے پابندی نہ تھی اور خلیفہ کو کسی پر کچھ اختیار سوائے  
ن کے جو قانون شہریت سے جائز تھا حاصل تھا بلکہ ذاتی معاملات میں خلیفہ خود بھی  
مذہب و عادیہ پر قائم تھا اور کوئی مال و موصوبہ اسی اصول کی پابندی سے اپنے اختیارات کو  
باید اللہ سے مستمال میں نہیں سکتا تھا۔

ایک تہ کا اثر ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں حکم نے مجھے بے قصور شہری  
ن کو گزیت ہے جس حضرت عمرؓ نے بعد نبوت کے اُس عالم کو سزا دے جانے کا حکم دیا جو وہاں  
عاشق سوارش کی تہ جو اب یہ کہ جب پیغمبر خدا علیہ السلام نے اپنی ذات کے تقاسم اور  
حکم شہری سے نہ تھے نہیں سمجھتے تھے تو پھر میں کیا ہوں میں۔

کوئی شخص اپنی عزت اور جان و مال میں کسی کا خلیفہ نہ تھا اور سوائے ان ذریعوں کے  
جو انہیں بائز میں کسی سے خلیفہ وقت کچھ فراغت نہیں دے سکتا تھا بلکہ جو انہیں وقت سے  
خلیفہ جاری کر چاہتا اور کوئی اسکی اجازت ثابت کرتے اُس سے انکار کرتا تو خلیفہ کو سوائے  
سکوت کے کچھ چارہ نہ ہوا ایک تہ حضرت عمرؓ نے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت پر خطبہ پڑھا  
کہ ایک بڑھیا عورت نے آیت قضا لا تقنطروا پڑھ کر کہا کہ جس چیز کو خدا جائز اور مباح کرے  
نہم کیونکر منع کرتے ہو حضرت عمرؓ نے انصاف کیا اور فرمایا کہ کل الناس افقہ من امر  
حقى المحدثات۔

ازادہ کا درجہ یہاں تک پہنچا تھا کہ اگر خلیفہ کسی شخص کو شرعی جرم میں مانو کرتے  
لیکن بغیر ضابطہ معین کے تو خود مقرر کرتا اور اپنے آپ کو بچا لیتا چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو مدینہ کا گشت کرتے کرتے ایک ایسے گھر کے پاس پہنچے کہ وہاں سے  
آواز ملنے کی آتی تھی۔ وہ اُس گھر کے اندر دیوار کی بلو سے گھس گئے وہاں ایک عورت کو  
دیکھا کہ شراب پیتی ہوئی ہے اور وہ گاتی ہے حضرت عمرؓ نے اسکو پکڑا اور عورت کو  
اگر ایک جرم کیا ہے تو تم نے تین جرم کیے ہیں۔

اول۔ خدائے فریات کہ لا جستوا کہ تم تجسّس کرتے پھر دو۔ سوئے تجسّس کیا ہے۔  
 دوسرے۔ خدائے فریات میں اللہ بان تا تو البیوت من ظہور۔ ا۔ کر دیو رہے تھے۔  
 کسی مکان میں گھسنا اچھا نہیں ہے اور تم دروازہ بند پکارا بیت مکان سے داخل تھے۔  
 تیسرے۔ خدائے فریات ہے لا تذخلوا بیوتہ غیریو تکدر کہ اپنے گھر کے سوا دوسرے کے  
 گھر میں جاؤ۔ اور تم بغیر میری اجازت کے چلے آئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسکو مسموڑ دیا۔  
 حضرت عمرؓ باوجود اپنے زہاد و روح کے کہ جس سے زیادہ خیال میں نہیں ملتا مہم و لوگوں کو  
 مسابحات سے منع نہ کرتے تھے اور کھانے پینے اکر م کرنے میں دُرُودِ اُصول سے چنانچہ جب  
 حضرت ابو عبیدہؓ حجاب نے انطاکیہ شہر کو فتح کیا اور بسبب پاکستاف سوزاں شہر کے واپس  
 عہدہ چیزوں کے مسلمانوں نے وہاں چند روز ٹھہرنے کا قصد کیا تو انھوں نے سنت  
 عمرؓ کو خط لکھا کہ میں اس شہر میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو اسکی آب و ہوا  
 پسند آئے اور محبت دنیا کی ان پر غالب ہو جاوے۔ بحوالہ اس کے حضرت عمرؓ نے لکھا کہ خدائے  
 نے پاک چیزوں کو حرام نہیں کیا ہے تم کیوں حرام کرتے ہو۔

چوتھا اصول شوری۔ اسکی اصل قرآن مجید سے ہے کہ خدائے عالم نے فرمایا کہ نہ  
 فَاْلَاھِمْ فَادْعُ عَزْمَتِ غَوْکَ عَلٰی قَلْبِکَ کہ جو کام پیش آوے اُس میں صلاح و مشورہ کرنا اور  
 پھر جب تم مہم جوئے تو خدا پر بھروسہ اسکو ضرور دینا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اصول کا ہمیشہ کھانا رکھا اور نہایت خوبی سے اسکی پابندی  
 کی جب کوئی کام کرتے تو سب سے مشورہ و صلاح کرتے اور پھر سب کو میزانِ قتل میں  
 تولتے اور بعد ایک دن پر نہایت ہتھال سے قائم ہو جاتے اسی سلسلے تدبیرِ مملکت میں  
 انھوں نے اصول کا نیا یا اور ان کی سب تدبیریں مفید ہیں۔

حضرت عمرؓ کو اس اصول کا یہاں تک کھانا تھا کہ اگر کسی فوجی مسئلہ میں انھیں صبح کن  
 وسنت کی نپاتے تو وہ مشورہ کرتے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک تہہ انھوں نے اپنی آنکھ سے ایک  
 شخص کو نہا کرتے ہوئے دیکھا تو باہم مشورہ کیا کہ غلیو کو اپنی رویت پر تفریر کرنا کیا احتیاط  
 ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ نے نہ کہا کہ جب نص صریح موجود ہے کہ چار گواہ ہونے چاہئیں تو  
 کیونکہ صرف اپنی رویت پر اختیار تعویذ کا ہوگا۔

یہ چوتھا اصول بھی دوسرے اصول کا ثمر ہے اس لیے کہ جربہ و شہادہ کو از ادبی خود بخود جاری

مہولی تو لا محالہ وہ صرف اپنی مرضی سے کام نہ لے سکے گا وہ اسکو وہ مدت ان لوگوں سے پوچھنے  
جو مکی جو کہ صاحب لائے ہوں۔

یہ اصول بھی ہے جو کہ تج بہت یافتہ قوموں میں یو۔ پ کی جا رہی ہے جسکو مختلف  
ملت اور زبان کے لوگ تسلیم کرتے ہیں۔

اپنا پھر میں اصول غلیظ کو ملک کی آمدنی کا سوائے حق معین کے اپنے صرف میں لٹا۔ ملک  
کی آمدنی خواہ وہ جزیرہ کی ہو یا بیویا خراج کی یا غشہ کی وہ سب بیت المال میں جمع ہوتی۔  
خدیجہ کو کسی قدر کا اختیار مہر پر نہ تھا صرف روزینہ یا تنخواہ مغربی کے سوا وہ کچھ نہ  
لے سکتے تھے۔ بندے عہد خلافت میں حضرت صدیق اکبرؓ کو صرف کھانا پھر اختیار تھا اور  
جسٹنی زیادہ ہوتی تب روزانہ پانچ سو درہم ملنے لگے اور حضرت عمرؓ بھی اپنی ذات کی بابت  
صرف اختیار لیتے جس قدر اور مہاجرین انصار کو دیتے تھے۔

جو آمدنی ملک کی ہوتی وہ خزانہ میں جمع ہوتی اور فوج کے سرداروں اور سپاہیوں اور  
مہاجرین انصار کو اس سے مشاہرہ مقرر سی اور فقراء اور مساکین کو آذوقہ کافی دیا جاتا اور  
بر وقت ضرورت عام فائدہ کے کاموں میں ف کی جاتی جس طرح پر کو ف اور بصرہ وغیرہ شہروں  
کی بادی اور عمارت میں یا وقت یا مخطہ مدینہ کے جس کا نام مخطہ راہ ہے غلہ کے باہر سے  
منگنے میں صرف لگتی۔

ملک کی آمدنی سے جس طرح مسلمان فقراء و مساکین کو حصہ دیا جاتا اسی طرح پر اہل کتاب و غیر  
کو کچھ تقصیر مسلمانوں کی نہ تھی۔ ایک تہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بڑے اندھے  
یہودی کو ایک جگہ سول کرتے دیکھا اور وقت استفسار کے معلوم ہوا کہ جزیرہ کے مطالبہ کے  
واسطے وہ سوال کرتا ہے اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑ کر نہایت اخلاق سے اپنے گھر لائے اور کچھ سکھ  
دیا۔ جزیرہ کے تحصیل کرنے والوں کو حکم دیا کہ اس کا دوسرا قسم کے لوگوں کا خیال رکھنا۔ یہ کون  
انصاف ہے کہ اسکی جوانی کی کمائی تو ہم کھا دیں اور بڑے چلپے میں اس کو ڈیل کریں اور اسکی  
کچھ بھی خبر نہ لیں اس لیے آئندہ سے ایسے لوگوں سے مطالبہ نہ کرو اور ان کو جزیرہ سے معاف  
جاؤ اور بیت المال کے دار و نحوہ کو حکم دیا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انا الصدقات للفقراء والمساکین

لے مالوں کی تنخواہ بارہ ہزار و ستار سالہا شت ہوتی تھی اور اہل شوری کو پانچ ہزار درہم مہواری مقرر تھے۔



اور یہی سائین اہل کتاب سے میں اس لیے ان کو بھی دینا چاہیے۔  
 چھٹا اصول وقت لشکر کشی کے کسی ملک پر مہمات اور جن مہمک کا لحاظ رکھنا اور کسی  
 بیجا یا دلی نکرنا اور جہاں تک ممکن ہو نرمی سے پیش نہا۔  
 جب کسی ملک کے فتح کرنے کے لیے لشکر بھیجا جائے تو اس لشکر کے سردار کو چھوٹا  
 دے جاتے تھے ان میں اس وقت ذیل پر نہایت تاکید کی جاتی تھی۔  
 اول۔ کوئی عورت اور لڑکا اور بڑھا اور ضعیف اور جاٹ۔  
 دوسرا۔ کسی ملک کا نیا کلا جائے۔  
 تیسرے عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل کیے جو ویں اور ان۔ بدت نما نہ ہو۔  
 جاویں۔

چوتھے۔ کوئی دھرت پھل اور نہ کاٹھا جائے۔ کوئی میت نہ جدا یا جاوے۔  
 پانچویں۔ کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کی جائے۔  
 چھٹے۔ کسی نور بکری۔ ڈوٹ وغیرہ کی کوئٹھیں کاٹی جاویں۔  
 ساتویں۔ کوئی کام بغیر صلاح و مشورہ کے نہ ہوے۔  
 آٹھویں۔ ہر ایک کے ساتھ طریق انصاف اور عدل کا برتا جائے کسی پر ظلم اور جبر کیا جائے۔  
 نویں۔ جو عہد و پیمان غیر مذہبوں سے کیا جائے اس میں بیوفائی نہ کی جائے اور وہ  
 ٹھیک ٹھیک وفا کیا جائے۔

دسویں۔ جو لوگ طاعت قبول کریں اور غیر دین کی جان جان مسلمانوں کی جان مال  
 کے برابر سمجھ جائیں اور ان کے جہنموں سے ان کی حفاظت کی جائے اور تمام  
 معاملات میں ان کے احکامات مسلمانوں کے تصور کیے جائیں۔

گیلا تھو یا جب تک کہ اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعاً لڑنا نہ چاہیے۔  
 ان احکام پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ اور لشکر کشی کے وقت کسی نیکی اور رحم اور  
 نرمی کی رعایت کی جاتی تھی۔ اور خدا اور فریب اور بد عہدی پر کس قدر تہدید مہمل تھی کوئی  
 بادشاہ نیک سائیک اور رحم ساریم کیون جو لشکر کشی کے وقت اس سے زیادہ نرمی  
 نہیں کر سکتا۔

ساتواں اصول۔ صورت یا ست اور نظام سلطنت کے عمدہ نظام کے لیے لائق حمد و ثناء

اور اچھا عمل کا مقب کرنا اور اُن کو وقتِ تقرر کے ہدایت خاص کرنا ہمیشہ اُن کی نگرانی رکھنا۔

جس عامل کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر کرتے اُس کو احکامِ ذیل سناتے اور اُن کی تعمیل کی تاکید کرتے۔

۱۔ اقول۔ چوبارہ اور حاسب نہ رکھنا کسی تفتیش کو انکی روک ٹوک کا ذریعہ پیدا نہ کرنا گویا یہ حکم تھا کہ در رسالت کو ہر وقت کھلا رکھنا۔

دوسرے۔ جب کوئی استغاثہ کرے اُس کو سننا اور اُن سے گویہ عادل اور منکر سے قسم لیکر اُس کو فیصلہ کرنا۔

جس شخص پر حد شرعی جاری نہ ہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہ ہو یا اُس پر محبتِ وراثت کی قیمت نہ ہو وہ عادل سمجھا جاویگا۔

آگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جائے تو مہلت دینا۔  
تیسرے۔ مقتدراتِ جلد فیصلہ کرنا تاکہ ایسا نہ ہو کہ مدعی جیسے سببے اپنا دعویٰ چھوڑ بیٹھے۔  
چوتھے۔ باہم صلح اور رضا مندی کو منظور کرنا بشرطیکہ اُس سے تعمیلِ حرام اور تحکیمِ حلال نہ ہو۔

پانچویں۔ تنہا صمیم پر سختی اور درشتی اور غصہ نہ کرنا۔  
چھٹے۔ رقبہ کیم رکھنا مگر نہ اتنا کہ وہ منہجر بہ جبر ہو اور اخلاق و نرمی کرنا مگر نہ اس قدر کہ حکومت میں سختی اور بد رعیتی ہو۔

ساتویں۔ ہمیشہ عدل و انصاف کرنا اور حق بخود اپنے پناہ۔  
عدل و انصاف پر یہاں تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمل رہتا تھا کہ وہ مسلمان اور کافر میں کچھ تفرقہ نہ کرتے تھے چنانچہ سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک یہودی اور ایک مسلمان خاصہ کرتے ہوئے آئے اور اُن کے نزدیک حق یہودی کا ثابت ہوا۔ اسی کے حق میں فیصلہ کیا۔ وہ یہودی اہلِ عدل کو دیکھ کر مدح و ثناء کرنے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے اُن کے عاملوں کے واسطے بطورِ نظیر کے ہوتے تھے اور ہشام بن زید اور حم شامل ہوتا تھا چنانچہ کبھی شہرِ بجائے جہانی تعزیر کے مالی تعزیر کا

مکرمیت تھے جیسا کہ عبد الرحمن بن حنبل سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک کانوچو ریا  
 اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز دیا کہ اسے کی کی آخرومی سے پوچھا کہ کیا یہ ہے  
 اُس نے جارسو درم بتلائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ سو درم کا جہانہ  
 مجرم پر کر کے مدعی کو دلایا اور مجرم کو رہا کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح پرانے عاملوں کو تادیب کرتے تھے اُسی طرح پر  
 رعایا کو بھی آگاہ کر دیا کرتے تھے کہ سولے شریعت کے احکام کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ حاکم کو اگر  
 سے اونے رعیت پر کچھ اختیار نہیں ہے کہ اگر کوئی عامل کچھ کسی پر جبر و زیادتی کرے میں اُس کو  
 اُسی طرح پر مجرم سمجھوں گا جیسا کہ اونے رعیت کو سمجھتا ہوں مگر اسکو منزلوں کا سب اپنی  
 عزت اور جان و مال میں سولے احکام شریعی کے آزاد اور خود مختار ہیں اور حاکم اور رعیت  
 سب برابر ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عاملوں کو خود مختار اور آزاد نہ ہونے دیتے تھے۔ اسکی نگرانی  
 رکھتے ہمیشہ شلن کی تبدیلی کیا کرتے اُن سے اگر خطا بھجاتی تو معزول کر دیا کرتے۔ جو اب بھی  
 لئے دار الخلافہ میں طلب کرتے بعض قہوروں میں اُن پر جہاد کرتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاملوں  
 کی خواہ زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار دینار سالانہ تک تھی جو نیریدان بوسخانیہ پر مشاہد ہوتے تھے  
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کے سابق اہل کلام کا غلہ و غنہ و بچہ و بچہ کی خلافت میں نہیں  
 آتھوں اصول۔ اور ملکات کے انتظام کی نظر سے قوانین و ضوابط جدید کا جاری کرنا اور  
 وقتاً فوقتاً موقع اور صحت وقت دیکھ کر اسکی اصلاح و ترمیم کرنا بشرطیکہ کوئی نص صریح اسکی حرمت  
 پر کتاب سنت کی موجودہ موجودہ ہو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کو سنبھالنے والے  
 تو اسکو ہزاروں غزوہ و غنیمت و غنیمت سے بھرا ہوا پاتے ہیں حقیقت اُن کی رائے نہایت محدود  
 اور اُن کے کام نہایت عجیب و غریب ہوتے تھے جو کچھ انھوں نے سلطنت کے قاعدہ اور ضابطے متعین کیے  
 اُن کو دیکھا کہ حیرت ہوتی ہے۔

کچھ کل کے زمانہ میں جاسی نے کوئی نئی بات کی گو اسکی ثواب و عذاب سے اطلاع نہ ہو گو  
 بہت کہنے لگتے ہیں اور اسکو ہرم وضع بتلاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس بات کو شرع نے حرام  
 کر دیا ہے اسکو چھوڑ کر جس چیز میں اس نے کہ الاصل فی اشیاء الا باحۃ اور نہیں  
 سمجھ گمان میں ہیں جو کہ متعلق سیاست میں اور معاشرت کے ہیں جو یہ اختلاف ہر سنے اختلاف

ہوتا جتنا ہے اور ان کا ترمیم کرنا اور ان میں اصلاح دینا ضروری ہو جاتا ہے ان میں کسی قاعدہ کا  
 لحاظ کرنا چاہیے جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں کیا یعنی صحابہ کرام  
 کو مجبور نہ کریں کہ ان کو اختیار کرنے میں جو کہ ان کے زمانہ کے مناسب تھا ان میں کچھ فلاں بھی  
 آتا تھا کیا اور کسی نے اس کو بدعت نہ کہا۔

۱۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء میں کیا عموماً بدعت کے لکھے ہیں جن کا  
 نقل کرنا ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں۔

قيل اربع احدث جدد رسول الله صلى الله عليه وسلم الموائد والناخل والاشنان  
 والشبع واعلمنا ان اول فلنا الاكل على السفره اول فلنا نقول الاكل على المائدة  
 منهي عنه غي كراهته واتجهير اذ امر ثبت فيه نهى وما يقال انه ابداع بعد رسول الله  
 صلى الله عليه وسلم فليس كل ما ابداع مني ابل النهى بدعة تصاد مستندة ثابتة وقفع اهل  
 من الشرع مع بقاعه علت بل الابداع قديح في بعض الاحوال اذا تغيرت الاسباب و  
 ليس في المائدة الارتفاع الطعام عن الارض لتيسير الاكل وامثال ذلك مما  
 لا يحسنه فيه۔

(لوگ کہتے ہیں کہ بعد رسول اللہ علیہ وسلم کے یہ چار چیزیں جاری ہوئیں۔

۱) خوان پر کھانا کھانا (۲) میدہ اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی (۳) اشنان  
 (۴) پیٹ بھر کے کھانا۔

لیکن اگر یہ سب بھی کہتے ہیں کہ کھانا سفر پر بہتر ہے لیکن یہ ہمارا قول نہیں ہے کہ کھانا خوان  
 پر حرام ہے یا مکروہ ہے اس لیے کہ کوئی بھی مریخ اس باب میں نہیں ہے اور جو لوگ کہ اس کو  
 بدعت کہتے ہیں سو یہ غلط ہے اس لیے کہ جو بعد حضرت کے ہوئی ہوں بدعت نہیں ہے نہ  
 مکروہ منوع ہے بلکہ بدعت وہ ہے جو مکروہ خدا اور مخالف کسی سنت ثابتہ کے ہو اور جس سے  
 کوئی حکم شرعی باوجود موجود نہ ہو اس کی علت کے مرتفع ہونے سے بلکہ بعض حالتوں میں اور بعض  
 ضرورت کے سبب ایسی نئی بات کا کرنا جو کہ حضرت کے وقت میں تھی واجب ہو جاتا ہے  
 اور خوان میں سوائے اس کے آدھ کچھ نہیں ہے کہ کھانا بنظر آسانی کے زمین سے بلند کر کے  
 اس پر رکھا جاتا ہے اور یہ بات اور مثل اس کے وہ چیزیں ہیں جن میں کچھ کراہت شری  
 نہیں ہے) ۵

اس صنف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امور جو دنیا سے نہیں ہیں اور جن پر مشلح نے خذاب اور ثواب مقرر نہیں کیے ہیں وہ سب بات میں ہیں اُن پر طلاق بدعت کا کرنا نافی ہے اور اسکا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لائق ہوتا ہے کہ انہوں نے مؤثر حکمت میں کسی کسی آخرعات کی کہ اسکو ہم جان کرتے ہیں۔

پہلا نیا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا وہ دفتر دو کچھری کا مقرر کرنا اور شریعت اور طائروں اور وزینہ فالوں کا نام لکھا جانا اور اُن کی خواہش میں مقرر کرنا ہے قبل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو مال غنیمت کا آٹا تھا ویسا ہی تسمیر کر دیا جاتا تھا نہ مپانے والے کا نقد اداس مال کی کھٹی جاتی تھی مگر جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قاعدہ میں تسمیر کی حاجت معلوم ہوئی تب مشورہ کیا۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے یادداشت ان شام کے اُن دیکھے ہیں کہ وہ دفتر رکھتے ہیں اُس میں سب حساب کتاب تحریر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکو پسند کیا اور عقیل بن ابی طالب اور عمر بن نوفل اور جبریل علیہ السلام کو مقرر فرمایا کہ مقرر کیا اور کتب نام لکھنے کا اُن کو حکم دیا اور یہ کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلسلہ جاری محمد مہینے میں کیا۔

دوسرا کام جو انہوں نے کیا وہ تاریخ ہجری کا جاری کرنا ہے کہ اسکا پہلے اُن کے رواج تھا۔ تیسرا کام اُن کا خزانہ کا مقرر کرنا ہے جسکو ہماری اصطلاح میں بیت المال کہتے ہیں۔ چوتھا کام اُن کا تقسیم اختیارات اور عہدوں کا ہے جس سے پہلے جو کام ہوتا تھا وہ ایک ہی شخص کرتا تھا مگر بحال اس کے کہ اُس میں چند قبائلیں نظر آئیں اسکو بدایا اور تین قسم کے عہدہ دے مقرر کیے۔ ایک امیر جس کے تعلق انتظام کل امور ریاست کا ہوتا تھا اور جس سے اختیار میں فوج رہتی تھی۔ دوسرا قاضی جس کا کام انفصال خصومات اور تصفیہ حقوق تھا۔ تیسرا تحویل و جمع کی سپردگی میں خزانہ رہتا تھا اور ایک کو دوسرے کے کام سے کچھ تعلق نہ تھا۔

پانچواں کام اُن کا جو سننے والوں کو تنجب کرتا ہے مقرر کرنا تھا اور خارجہ اور محمول کا تھا۔ محمول لینے کے چند طریقے رکھے گئے تھے۔ ایک حمیہ اگر وہ بھڑماندی دینے والے کے شہر تھا تو اس میں کمی بیشی نہ ہوتی ورنہ شہر مختلف لیا جاتا مگر چار درم ماہوار سے زیادہ نہیں۔

دوسرا محمول مال تجارتی پر جبکہ شرح پتھی۔ زمینوں سے پنچ روپیہ سیکڑ اور عربوں سے دس روپیہ سیکڑ۔ لیکن محمول سالانہ ہوتا تھا اگر وہ مال مال ہر میں چند مرتبہ آوے تو پھر کمی بیشی سے

نہ کیا جاتا اور اگر کوئی تحصیل کنندہ غلطی سے لیتا تو وہ واپس کر دیتا جیسا کہ ایک عیسائی ہاجر  
کہہ پھریا گیا۔

تیسرا محصول زمین کا۔ اس محصول کے اُس وقت باقاعدہ مقرر ہونے پر لوگوں کو تعجب ہو گا کہ  
وہ فی جریب پندرہ مقرر پر بعد پیدائش راضی کے اکثر جگہ دیا جاتا تھا چنانچہ جب ملک اقی کا فتح ہوا تو  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اُس زمین کی پیدائش کی بجائے چنانچہ عثمان بن حنیف اور  
اوس غنیان بن حیان کے نام پر مقرر ہوئے۔ بعد پیدائش کے معلوم ہوا کہ کل راضی تین کروڑ ساٹھ لاکھ  
جریب ہے اس پر مبالغہ کی حیثیت پیدا ہوا اور راضی کے شرح متعوی کی گئی۔ عامر بن جحش کہتے ہیں کہ  
وہ شرح یہ تھی۔

راضی قابل زراعت پر فی جریب ..... ایک درم سالیانہ  
ترکاری کی زمین پر فی جریب ..... پانچ درم سالیانہ  
انگور اور چھوٹا رس کی زمین پر فی جریب ..... دس درم سالیانہ  
اور یہ صرف عراق میں جاری نہیں تھا بلکہ شام اور دیگر جزائر میں بھی اسی طور پر کیا گیا لیکن سب  
ممالک تہذیب میں اس کا مروج نہیں ہوئے پایا۔ محصول کے تحصیل کرنے میں نہایت آسانی کا  
حوالہ اور تکلیف جہانی دینے کی سخت ممانعت تھی چنانچہ ایک مرتبہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے وقت مراجعت نہ شام کے دیکھا کہ ایک قوم کی قوم کو تحصیل کرنے والے محصول کے تھانے  
میں پہنچے اُن کو چھوڑا دیا اور فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ دنیا میں غلبہ  
دیتے ہیں وہ قیامت میں غلبے پر کئے جاویں گے۔

جو ملک فتح کیا جاتا اور صحابہ کو کیا جاتا تو یہ شرطیں مجباً لازم داخل ہوتی ہیں۔

اول۔ مروج کی تفصیل۔

دوم۔ جو مسلمان اُن کے ملک میں گذرے اُس کی زمین روزانہ مہمانی کرنا۔

تیسرا۔ راہ بستلانا۔

چوتھی۔ دشمنوں سے سازش نہ کرنا۔

پانچویں۔ مجرم کو پناہ نہ دینا۔

یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں کے اُن کا بیان کے ساتھ کیا نکالتے تھے یا خشک سیدھا لے لیا کرتے تھے۔

تھیں کام اُن کا زمین کی آبادی میں سے کرنا حضرت عرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ جو زمین  
خیر کو نذر دے کر دے وہ زمین اسی کی ہو جائیگی۔ غرض اس حکم سے یہ جی کہ لوگ نہ اعلیٰ کرتے  
ملکیں۔

ساتواں کام اُن کا شہروں کی آبادی پہنچا حضرت عرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس جگہ پر جہاں  
اب بصرہ و مشہر آباد سے بنیاد ڈال کر کے کی ذاتی اور بعد کو آباد کیا اس لیے کہ وہ تمام ایسا تھا کہ  
جہاں حجاز اور کشتیاں عم اوہد کی سڑک تھی جس میں خطر خفاقات و ک کے دشمنوں سے اور خطر  
فائدہ تجارت کے اس شہر کو آباد کیا اور وہاں ایک کوچ کی جگہ اپنی مقبرہ کی۔

دعا کو نہ بھی آباد کیا ہوا تھا۔ اس کے ذکر سے یہ سبب ہے کہ جب سلطان شہر میں  
میں سب سے ہوئے تو وہاں کی ایک بوڑھی اور لوگ یہ دہر کے تب سلطان قاص کو عہدہ  
حکومت پیش کرنے پر مستعد کیا اور شہر کو آباد کیا۔ اس شہر میں وہ اپنی ایف کی عمارت اور پھوس  
کے چیمبر کا حکم دیا لیکن پھر اس تختہ عمارت بنانے کی اجازت دی۔  
غلامان شہروں کے شام و عصر اور چند پرانے میں شہر کو دیکھے۔

آٹھواں کام اُن کا تباہی کی آواز ہے تمام لوگوں کو بھلاؤ مذہب اور دین کے تجارت  
کرنے کی اجازت تھی بلکہ عربوں کو حکم عام تھا کہ وہ جہاں زمین کے دارالسلام میں آویں اور مسلمانوں  
سے خرید و فروخت کریں۔ پہنچ شہر کے عربوں نے درخواست کی کہ جو شہر لیکھ کے کی اجازت ہو  
چنانچہ اُن کو اجازت دی گئی۔

یہ امور جن کو ہم نے بیان کیا وہ بطور نمونہ ہیں۔ حالات تفصیل کے جاویں تو ایک بڑی  
کتاب بن جائے لیکن ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو نظر ثور سے دیکھیں و ملن اصول اور مندرجہ  
کے عمل اور وجوہ نظر کریں کہ مجاہد ضرورت اور مباحثہ حال زمانہ کے حضرت عرضی اللہ عنہ سے  
متوجع اور زہاد اور زانیہ مسرت نے کیسے کام کیے بلکہ استیجاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت  
عرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعادیہ میر شام کو جو کہ نزار وینا را ہوا رہی پاتے تھے اور ملک شام کی حکومت  
اُن کے متعلق تھی دیکھا کہ نہایت شامی شوکت اُن کے لشکر میں لائی جاتی ہے حضرت عمر  
رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب پوچھا۔ امیر شام نے جواب دیا کہ میں ایسے ملک میں ہوں جہاں دشمن کے  
جاسوس آتے ہیں اگر اس طرح نہ رہوں تو اُن کی لکھوں میں عزت نہ ہووے۔ آپ نے جواب دیا  
کہ خیر نہیں منہ کرتا ہوں غلوں کی اجازت دینا ہوں امیر شام نے کہا کہ صاف حکم دینا چاہیے تب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا کہوں! یہاں جواب تم نے دیا کہ میں بند ہو گیا تو کیا ایک بڑا  
کچے پنجیس گزار رہا ہو گیا۔

ہم اگر ان اصول اور احکام پر غور کریں تو ہزاروں نتیجے اس سے حاصل ہوتے ہیں جو سب سے پہلے  
لائے ہوئے پیشواؤں کے حالات پر غور نہیں کرتے اور ان سے واقفیت پیدا نہیں کرتے اور اپنی  
اوپر کیا ویسی قلت میں بنا پسند کرتے ہیں۔

اگر ہم وہی باتوں سے واقفیت حاصل کریں تو بھوکھ پیٹ دین و مذہب کی حقیقت معلوم ہو جاوے  
اور تمام عقربہ تر مینہ اور دنیاوی بھوکھ پیٹ ہو سکیں لیکن نفوس سے کہ اور بار نہ بھوکھ خاں کر دیا  
وہ نعمت نے بھوکھ وقت کی حالت پہنچا دیا حقیقت میں بارہا اس بارہا کوئی سبب نہیں ہے مگر  
غفلت۔ مگر غفلت۔ مگر غفلت۔

اینہرستی و بیہوشی نہ صد بارہ بورد باہر بیاں ہر چہ کرد آن کیس تہا کرد  
لیکن بھوکھ فاس نہ پتہ پتہ نہ کرنی چاہیے اس غفلت کا علاج اور اس بارہا سے نکلنے  
کی تہہ بیکر کر لی نہ ہے تاکہ ہر خودا و باہر کی حالت سے نکلیں نہ پتہ بھائیوں کو زبردستی اس سے نکلیں۔  
گرمینا یہ ہوشی مونسے کشش آرید

اس بارہا سے نکلنے کی کوئی تہہ بیکر اس سے بہتر نہیں ہے کہ اقول ہم اس امر کی منتہی کریں کہ  
کرنے کا مگر نہ کی ہو ممانعت شرعی ہے اور کس کی جائزت و کس کی بندہ سی ہمارے پیشواؤں سے  
جائزہ رکھی ہے اور کس میں ناموسی ہے بعد ہم کوئی عملی تہہ بیکر کریں کہ اس علم سے فائدہ حاصل ہو۔  
افسوس کہ بعض ہمارے دوست ہمارے ہی باتوں و دلائل تہہ بیکروں کو فوجتہ جانتے ہیں  
بلکہ سکھ مسقط اور جنوں سمجھتے ہیں لہذا یہ مضمون کے نکلنے والوں اور تہہ بیکروں کے بتانے والوں کو  
اور نکلیں کہتے ہیں اگر ہم ان کی باتوں کو سنیں اور خاموش ہو جائیں تو سوائے اسکے اور کچھ نتیجہ نہ نکلیں  
جبوترکی ایسی تحریروں و تنقیدوں سے ہوتی ہے وہ بھی ہنر و سہ۔ پس سب کے سب تہہ ممانعت  
پسکے ہوئے نہیں ہیں اور اپنی قوم کے دباؤ و ذلت کا تماشا دیکھتے ہیں مگر ہمارے دوست ہم کو  
غلطی پہنچولا ہوا جانتے ہیں ہی کوئی تہہ بیکر ہو سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ نہ وہ کچھ کرتے ہیں  
نہ کچھ کہتے ہیں نہ بتاتے ہیں بجز اس کے کہ بھوکھ جنوں اور دیوانہ اور آرمکھیہ کہہ کر اپنا دل خوش کرتے  
ہیں اور ہمارا دل جلتے ہیں۔

اس بات کا تو کوئی فکر نہیں کرتا کہ ہماری قوم مذہب و ذہن ہر بات میں خدشہ کی جاتی ہے اور



ہر لحظہ اور ہر ساعت ادب اور جہالت میں ترقی کرتی جاتی ہے پھر پھلین لوگوں کی خاموشی کو جو کچھ کر سکتے ہیں ہم سب بات پر محمول کریں۔ اگر ہم دیوانے اور مجنون ہیں غیر عرب و یمن ان کی خاموشی اور سکوت کا کیا سبب ہے۔

گیدہ کہ وقت ذبح طلبید گناہ من \* دانستہ دشت تیز ز کردن گناہ کیست  
خدا ہنسکھ اور ہائے بجا شیوں کو اس خواب غفلت سے جگا دے اور کچھ کرنے پر توجہ دلے  
دھو ولی التوفیق وما توفیق الا باللہ۔

## امام محمد باقر سلام عزالی

منجملہ ان مشہور شخصوں کے جو کہ مسلمانوں میں ہوئے ہیں امام عزالی ہیں۔ ہماری قوم میں کسے عالم کیا جاہل خدیجی ایسے لوگ ہیں گے جو ان کے نام سے واقف اور ان کے کلمات سے آگاہ نہ ہوں مگر اکثر لوگ ان کے ذاتی حالات سے اطلاع نہیں رکھتے اس لیے ہم ان کا مختصر حال لکھتے ہیں۔  
ان کا نام نہیں بلکہ ابو محمد بن محمد بن احمد ہے اور عزالہ کے رہنے والے ہیں جو کہ ایک قصبہ طوس کے قصبات سے ہے اسی سلسلے میں کو عزالی کہتے ہیں شیعہ طوس میں شیعہ جوری میں پیدا ہوئے اور ۶۰ برس کے ہو کر شیعہ جوری میں رحلت کی۔ انہوں نے اول مجلس میں احمد زنگانی سے تعلیم پائی بعدہ دیشاپور میں ہے اور امام الحرمین ابو العالی جنہی سے علم حاصل کیا۔ چونکہ وہ ان اور قتل ان کو خدا نے اعلیٰ درجہ کی ہی متی اس لیے قتل سے ہی حرمہ میں علوم معقول و منقول کے جامع اور اپنے استاد کے جیسے جی مشہور اور نامور ہو گئے اور کتابوں کا لکھنا بلکہ تصنیف کرنا شروع کیا جب ان کے استاد ابو العالی نے انتقال کیا تب وہ دیشاپور سے چلے اور وزیر نظام الملک سے ملے۔ اُس نے ان کی نہایت نخبی سیئم تکمیل کی اور اسکی مجلسوں میں کثرت علماء و محدثین سے نوبت مناظرہ کی پہنچی جب ان کے علم و کمالات کی شہرت ہو گئی تب وزیر نے ان کی قابلیت اور استعداد کو دیکھ کر مدرسہ عالیہ نظامیہ کو جو بغداد میں تھا ان کے تعلق کیا وہ ششہ ہجری میں انھوں نے نظام اور تدیس اُس مدرسہ کی اپنے دستہ کی اہتمام اہل حراق ان طرف جمع کرنے اور ان سے علوم معقول و منقول تحصیل کرنے لگے۔ چار برس تک وہ خدمت

نہیں نے اپنے تعلق کبھی ششہ پوری میں اپنے بھائی احمد غزالی کو اپنا قائم مقام کر کے اس سے  
ست کش ہوئے اور نہ اختیار کر کے بیت المقدس کو چلے گئے بعد اُس کے شام اور دمشق  
در مصر اور کندیہ کی سیاحت کی اور بیروسی جہاز کے دیدارِ غرب کی جوت گئے اور حج کر کے اپنے  
وطن میں لوٹ آئے۔

یہاں کی ایلیات و تصنیفات چار سو سے زیادہ ہیں مثلاً ان کے فہرہ کتابیں یہ ہیں فقہ  
میں وسیعہ البیان و جیزہ اصول فقہ میں مستصنیٰ منقول منقول۔ علم کلام میں تہذیبہ غلام  
محکم النظر۔ مکیا العلم۔ مقاصد مفسرین۔ جلی غیر المذکورہ لاناوار۔ مقصد سن الفضل۔ تقسیم  
میں یا قوت التاویل جس کی چالیس جلدیں ہیں۔ علم اخلاق و تصوف میں احیاء العلوم  
تسلسلہ علم الدین منہاج العابدین۔ درنا غزالی فی کشف علوم الآخرة۔ انیس فی الوحدت۔ کتاب  
المقرتہ الی اللہ۔ اخلاق الابوار و نجاة من الماشرار۔ بدایۃ الہدایۃ۔ جواہر القرآن۔ اربعینی اصول  
الدین۔ المقصد الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنى۔ میزان العمل۔ القسط السعید۔ التفرقة  
بین اسلام و الزندقہ۔ کتاب الذریعۃ لی کتاب الماشرار۔ کتاب المبادی و الخایات۔ کیا سیاحت  
تالیس المیس البصیحة الملوك۔ کتاب الاقتصا و فی الاعتقاد۔ شفاء السلیل فی التیس و التعلیل  
تسلسلہ القیاس۔ کتاب المقاصد۔ کتاب العلم العام عن علم الکلام۔ کتاب الانتصار۔ کتاب  
الماخذ۔ التعلیل الجلیل فی الرد علی من غیر الانجیل۔ کتاب المستطیری۔ کتاب الامانی۔ کتاب  
فی علم احوال الوقت و حدودہ۔ کتاب مقصد الخلفاء۔ اور ایک مجموعہ رسائل فی الرد علی السکرین فی  
بعض الفاظ احیاء علوم الدین ہے۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مجملہ مؤلفات امام غزالی کے احیاء العلوم کیا باعتبار فصاحت  
بلاغت کے اور کیا بجا مضامین اور معانی کے عمدہ ترین کتابوں سے ہے جس میں انہوں نے  
علم عام علوم عقلی کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور دلائل عقلی سے سائل شرعی کو مدلل کیا ہے  
اور منقول کو معقول سے لایا ہے۔ یہ طرز جدید انھیں سے جاری ہوا اور سرائے و نکات  
سائل شرعیہ کے بیان کرنا انھیں کی ذہانت سے شروع ہوا۔ اس کتاب کو انہوں نے نیشاپور  
میں ایک ہزار پانچ سو پچیس ن میں تالیف کیا۔ چونکہ انہوں نے احیاء العلوم میں نیا طریقہ  
اختیار کیا یعنی تعلیم کو مجموعہ مسائل و تحقیق پر مستند ہوئے اور الفاظ کے معنی اور مطالبہ اصلی  
بیان کیے اور بخلاف اُس وقت کے فقہاء کے تعلیق و حقایق ظاہر کرنے پر آمادہ ہوئے

نظر میں بہت سے متعصبین و متقلدین نے ان کی کتاب کو پسند کیا اور اس کے الفاظ و عبارات کو خلاف اپنے طریقہ کے جان کر ان پر الحاد کا الزام لگایا مگر فقہا جبال نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا اور ان کی کتاب حیا را العلوم کے دیکھنے کو حرام بتلایا اور اس کے جلا دینے کا حکم دیا اور اس امر کے استغناء، تحریری علماء و فضلاء کے پاس لٹکے چنانچہ شیخ کبیر عارف باندوڑی نے یہ فرمایا کہ انا تشہد لہ بالصدق یقینۃ العظمیٰ کہ ہم امام غزالی کی صدیقیت پر مہارت دیتے ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے ہوا اپنے وقت کے قصب تھے یہ کہا کہ من کانت لہ الی اللہ تعالیٰ حاجۃ فلیتوسل بہ الیہ بالامام احمد غزالی اور ابو العزیز اسماعیل بن محمد حضرمی کے پاس فقہا جبال نے ایک استفتاء شرعین و قبح امام غزالی کے بھیجا جس میں انہوں نے یہ لکھا تھا اہل بحوزہ قراءۃ کتب الغزالی کو یا مٹھنا غزالی کی کتابوں کا جائز ہے۔ انہوں نے یہ جواب لکھا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون الغزالی سب المصنفین علاوہ ابن خثعم جو ابوں کے اس وقت کے علماء نے منکرین امام غزالی کے اعتراضات کے تفصیلی جواب لکھے اور ان کے تصبات کو رد کیا بلکہ خود امام غزالی نے ان اعتراضات کو جو الفاظ و عبارات پر حیا را العلوم کے فقہانے کیے تھے ایک علیحدہ رسالہ لکھا۔ رد کیا مگر اب یہ لوگ انہیں اعتراض کرنے سے باز نہ آئے چنانچہ علی بن یوسف مؤلف کتاب غریب نے جو نہایت سزاور اور متشہق مشہور تھا اور جو پہلے سرے کا عابد تھا اور جس کے پاس اکثر سوائے علماء و فضلاء کے اور کوئی نہوتا تھا ستمہ ہجری میں یہ فتویٰ دیا کہ کتاب حیا را العلوم کا نام و نشان نہ ہے اور بالکل جلاوہا جائے تاکہ مسلمانوں کے عقائد میں اس سے کچھ خلل آئے۔

یہ حال چند ہی روز رہا اور نیا طریقہ دیکھ کر لوگوں کو جو اول اول متغیر ہوا آخر وہ امام غزالی کی سوانحات دیکھ کر جفاکارا اور لوگوں نے احیاء العلوم کے خلاصہ کو شائع کر کے چنانچہ ابو ذکریا بھٹی نے جو ستمہ میں مرے اور امام احمد برادر امام حجت الاسلام تہ جنہوں نے ستمہ میں وفات پائی احیاء العلوم کو مختصر کیا بعدہ آدھ لوگوں نے بھی اس سے فائدہ حاصل کیے اور ہزاروں عالموں نے اس کتاب کی تعریف میں اشعار و تصدیق کیں اور منکرین امام غزالی پر اعتراضات کیے چنانچہ شیخ الاسلام قطب الدین محمد ابن الشیخ الامام ابی العباس قسطلانی نے ایک تہی کتاب مقررین امام غزالی کے رو میں تصنیف کی اور اسمین مقررین کے اعتراضات کو بیان کر کے نجوبی باطل کیا اور ابی الہیج شیخ فقیہ اعظم الی

کی نہایت تعریف کئی اور ان کی کتابوں کو بسبب تطبیق منقول و منقول کے بہترین کتب سے  
مختصر کیا۔

انعم مسئلہ ہی پہلے شمس میں جنہوں نے یا طریقہ تطبیق منقول و منقول کا کلام  
اور مفاد اور اعمال کے اسرار و حقائق کو بیان کیا اس طریقہ کے اختیار کرنے اور اسرار  
حقائق کے بیان کرنے میں جو کچھ ان پر اعتراضات ہوئے اُسکو انہوں نے جا بجا اپنی تالیف  
میں ذکر کیا ہے اور ان متعین و متشخص فقہاء پر جو منقول میں نقل کو دخل دینا حرام جانتے  
ہیں بہت ملامت کی ہے اور جنہوں نے شریعت کو صرف ظاہر پر محمول کیا ہے اور اس کے  
اسرار و حقائق سے انکار کیا ہے ان پر نہایت افسوس فرمایا ہے چنانچہ وہ ایک مقام پر کہتے  
ہیں کہ علوم شرعی کے ظاہر و باطن پر مشتمل جوئے کوئی صاحب بعیرت اُنکا نہیں  
کر سکتا سوئے اُن کو تا وہ فہم کے جنہوں نے کوکائی میں کوئی خیر سن لیا اُس پر چم گئے  
اور مقامات عالیہ پر نہ پہنچے حالانکہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن ظاہر و باطن کا  
جامع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس ریت کی تفسیر میں جس میں ذکر سات  
آسمانوں نہیں کا ہے یہ فرمایا ہے کہ اگر میں اسکی تفسیر کروں تو لوگ مجھے شکار کر دیں یا  
کافریہ لگیں۔

امام غزالی نے اپنی تالیفات میں قلم اُن کرنے اسرار و حقائق شریعت کے ایک نہایت  
عہد بیان نسبت اختلاف شریعت کے مختصر اور باطنی کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ نا سمجھ ہیں  
وہ جب شریعت کے حقائق سننے میں توجہ نہ کران جو کچھ سمجھتے ہیں کہ اگر حقیقت خلاف شریعت ہے  
تو فرسے اور اگر موقوف اُس کے ہے تو پھر اُس میں کیا فرق ہے حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ ظاہر اور  
باطن شریعت کے اختلاف کے چند سبب ہیں اور اُسکی انہوں نے پانچ قسمیں کی ہیں۔  
پہلی قسم کہ ختم فی نفس لایسی وقت ہو کہ اکثر لوگ اُس کے سمجھنے سے عاجز ہوں اور اُس

لہ واعلم ان انقسام هذا العلوم الى خفية وجلية لا ينكرها ذو بصيرة وانما ينكرها العاصون للدين  
في اوابل العصبى شيئا وجعلنا على غير دينهم توفى الى شيئا والعلاء ومقامات العلماء والاولياء وذات طهارت  
احل الشئ قال صلى الله عليه وسلم ان القرآن ظاهر وباطن واحد ومطلقا وقال تعالى في قوله عز وجل الله  
الذي خلق سبع سموات ومن الارض سبع فذلك تفسيرا لرحمتي وفي لفظ اخر العلم انما كفر

حقیقت کے بیان کرنے سے اُن کو تو بات نفہیداموں تو یہی شے کی حقیقت بیان کرنے سے  
شائع نے اقرار کیا ہے اور اس کو ظاہر نہیں کیا مثل حقیقت مع کے۔

دوسری قسم کا اگرچہ وہ شے فی نفسہ ایسی تین نہ ہو کہ کثرت رنگا کو سمجھ نہ سکیں لیکن عام سننے  
والوں کے حق میں اُس کے سننے سے اندیشہ ضرور پیدا ہونے کا جو اُس سے اُس شے کی حقیقت  
کو شائع نے ظاہر نہیں کیا مثل مسلحہ جو قد کے۔

تیسری قسم۔ اگرچہ اُس شے کی حقیقت ظاہر کرنے سے متنازع ضرور پیدا ہو نہ کیا بھی نہ ہو لیکن متنازع  
اور فرض میں بیان کرنے سے اُسکی وقعت عام لوگوں کے دلوں میں زیادہ ہو جیسا کہ حضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اما یحشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یھول اعدا  
راسہ داس حمار کہ جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ  
خدا اُس کا سر گدے کا سا کر دے پس باعتبار صورت کے آدمی کا سر گدے کا سا ہو جاتا نہ  
ہو ہے نہ ہوگا لیکن مقصود اس سے صورت گدے کی نہیں ہے بلکہ خاصیت اُسکی ہے یعنی  
حاکمیت یا حضرت نے فرمایا ہے یتلب المؤمنین بایں اصبعین من اصابع لوزیان  
کہ مومن کا دل خدا دو انگلیوں پر لیے ہوئے ہے۔ یہ کلام بھی باعتبار ظاہر کے نہیں ہے بلکہ  
کہ اگر کسی کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کوئی دیکھے تو اب ایک انگلی کا نشان بھی نہ ملے گا تو  
یہاں بھی انگلیوں سے مراد قدرت ہے۔

چوتھی قسم۔ کو کسی شے کی اہمیت اجمالاً بیان کر دی جائے اور کسی حقیقت کی تفصیل بل  
نورق کی طبیعتوں پر چھوڑ دی جاوے کہ وہ اجمال بمنزلہ ظاہر کے اور تفصیل بمنزلہ باطن کے  
چوکی۔

پانچویں قسم۔ کو کسی شے کا بیان زبان طال کیا جاوے اور اُس سے ہر نطق و بیان و تہنیکہ  
اُسکی کیفیت و حقیقت مقصود ہو جیسا کہ خدا فرماتا ہے ثم استوی الی السماء و ہی غاف  
فقال لها والارض انتیا ملوا اوکھا قالتا انتیا طاعتین کہ غلنے آسمان و زمین سے کہا  
کہ تم دونوں خوشی سے چلے آؤ انہیں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں تو اس سے مراد  
ہم خدا اور زمین و آسمان کے گفتگو ہونا نہیں ہے بلکہ اُن کی تسخیر و اطاعت مراد ہے اور  
اسی جیل سے ہے خدا کا یہ فرمان کہ ان من شی الا یسبح بحمدہ کہ کوئی چیز نہیں ہے جو  
خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ تو اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عبادات بھی حیات اور متعلات و فانیات

کہتے ہیں اور سچان سچا بیان مقدم کرتے ہیں بلکہ موداس سے اُن کا وجود ہی ہے کہ وہ اپنے  
صانع اور پیدا کرنے والے کی پاکی پر شاہد ہیں اور اُن کی سستی ہی زبانِ ثال سے اپنے صانع  
کی قدرت بیان کر رہی ہے۔

انہم سذالی نہایت محبت پنا نسبت اُن لوگوں کے ظاہر کرتے ہیں جنہم تعلید پر  
چلتے ہیں اور خود تحقیق کو دخل نہیں دیتے اور اپنی عقل کو بیکار کر دیتے ہیں اُن کا مقولہ ہے کہ  
وہ صفت جس سے انسان انسان ہوا اور جس سے اسکو حیران سے مُدِا کر دیا ہوا الذی استفاد  
لقبول العلوم النظرية وقد بید الصناعات الخفية الفكرية وہ ایک استدلال  
قبول کرنے علوم نظریہ کی اور پیدا کرنے تدبیر صنعتوں پوشیدہ کی ہے اور اسی استدلال  
کا نام عقل ہے اور کوئی انسان نہیں ہے جسکو یہ استدلال دہی گئی ہو۔ تمام علوم اور جمیع  
فنون اُسی سے پیدا ہوتے ہیں گویا وہ سب اُس میں پوشیدہ ہیں اور صرف ایک سبب کی  
حاجت ہے جو اُن علوم کو اُس سے پیدا کرے کوئی علم اور فن نہیں ہے کہ جو اُس سے  
خارج ہو اور اُس میں پوشیدہ نہ ہو عقل کی اور علوم کی اُس میں پوشیدہ ہونے کی مثال  
بھنیہ پانی اور مٹی کی ہے کہ کوئی زمین نہیں ہے جس میں پانی نہ ہو مگر اُس کا نکالنا مصالح  
لکھو دینے اور نکالنے اور پکی مٹی کا ہے یا اسکی شکل مثل مدھن کے ہے کہ وہ ہر دودھ میں  
موجود ہے مگر اُس کا پیدا ہونا ایک تدبیرِ خاص پر متوقف ہے پس جو شخص اُس استدلال کو  
کام میں لائے اور عقل کو بیکار کرے وہ حقیقت اُس استدلال کو ضائع کرتا ہے جو خدا نے اسکو  
دی ہے اور وہ انسان ہرگز اپنے آپ کو حیران بناتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ کسی کے علم اور صناعت اور فن کے اوپر یہ یقین کرنا چاہیے کہ جو کچھ معلوم  
ہو گیا یا جو ظاہر ہو چکا ہو اسی کا کمال ہے اور اب اُس سے زیادہ لحاظ ہونا غیر ممکن ہے اور نہ  
ایسی کسی خاص قسم یا فرق یا شخص کی نکالی ہوئی بات پر یہ بھروسہ کرنا چاہیے کہ وہ اخیرِ بقیہ  
استعداد کے ظہور کا ہے بلکہ ہمیشہ اسکو ابتدائی حالت سمجھے اور اُس میں ترقی کرے اور اُس سے ترقی  
کے ظہور کے ختم ہونے کا مستعد نہ ہو ورنہ جو عقل کے خلاف ہو ورنہ اسکو کبھی نہ ملے  
اکسی شرعی مسئلہ کو مخالف عقل کے سمجھے اور اگر اُس کی سمجھ فاضلہ ہے تو اُس کے اہل راہ  
اسبابِ مابینت کو ہے اور اُس فقر کو جو الفاظ کے پوست میں چھپا ہوا ہوا ہر رنگ لے اور اُس پانی  
کو جو مٹی کے اندر موجود ہو مگر وہ کھو کر رہے۔

اُس استعداد کا کمال اور ترقی تجربہ و تحقیقات اور محنت پر موقوف ہے قسمت نے  
بلوغت میں دو قوت سب کو دی ہے جو اس کو کام میں لاتے ہیں۔ وہ اُس کی حقیقت سے  
واقف ہوتے ہیں اور اُس کے ثمرات اور نیا ج کا ٹھٹھٹے ہیں جو اس کو کام میں نہیں  
لاتے وہ اُس کی حقیقت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں اور اُس کو سوال میں لانے اور اُس کے  
فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔

امام غزالی آیت الست برکتہ: فیما یجوز کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ فرمانہ خدا کا کہ جسے  
جتنی دم ہے اپنی بربیت کا روزانہ اپنی قدر نیا اور نئے کما کر یہاں تہا لاندہ نہیں ہوں  
تو بسہوں نے اقرار کیا اسی بندہ کو کے عطا کرنے کا بیان ہے کہ انسان کو روزانہ میں جتنی  
وہ استعداد دی ہے جس سے اُن کی فائز کے سیرجی بربیت پر اُن کے حق واد کیا اس قدر  
سے ملو زبانی قرار نہیں ہے اس لیے کہ اُن کے وز و جسم تھا زبان بلکہ وہی استعداد اور او  
ہے اور اُس قرار اور حقیقت کا بھل دینا اور یہ درکنا اشارہ اسی استعداد کے کار میں لانے اور لانے  
پر ہے یعنی جو اُس استعداد سے کام نہیں لے رہے وہ میری بربیت کا اقرار کرتے ہیں اور جو اس کو  
استعمال میں نہیں لاتے خواہ تعلیم یا رواج اور اس کے سبب سے اپنی غفلت اور کمالی کے سبب سے  
وہ میری بربیت سے انکار کرتے ہیں اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ لئن سالہتم من  
خلقہم لیقولن اللہ کہ اگر تو پوچھے لوگوں سے تو سب یہی کہیں گے کہ بھو خدا نے پیدا کیا حالانکہ  
باقی اظہار کے یہ یکم صحیح نہیں ہے اس لیے کہ بعض فرستے انکار کیا کے منکر ہیں۔

نعماء ان اعتبارت احوالہم شہدت بهذا انفسہم و بواہنہم فطرۃ اللہ علیہم  
فطر الناس علیہا لعل انسان فطر علی ایمان باللہ عز وجل بل علی معرفۃ الاشیاء  
علی ما ہی علیہہ پس مطلب اس کا یہی ہے کہ اُن کی ذہن میں خدا اس کی تقریب کہ بھو خدا نے  
پیدا کیا ہے اور خدا نے ہر آدمی میں استعداد ایمان کی بلکہ تمام چیزوں کی حقیقت کا پتہ  
ہی دیا فست کرنے کی دی ہے مگر اُن کو یہی استعداد اندی پہنچی تو تکلیف ایمان کی اور اس کے  
قبول پر جہاد اٹھنے کے انکار پر ملو دینا جائز نہ ہوتا۔

امام غزالی ان آیات کو اور اس کی مانند آیات کی تفسیر بیان کر کے کہتے ہیں کہ وہ لوگ  
تعلیم سے نہیں لگتے اور اپنی اُس استعداد کو کام میں نہیں لاتے ایسی باتوں کو دیکھ کر حیران  
ہوتے ہیں اور اُس کا مطلب جب اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تو اُس عقین سے جو ہر نہا چاہیے حقیقت

میر جلتے ہیں اور اپنے نزدیکان کو بھی سمجھتے ہیں گویا ان سے اسکی تصدیق کیتے ہیں  
حقیقت میں ان کی مثال ایک ایسے آدمی کی ہے جو کہ آنکھ بند کر کے کسی علاج میں داخل ہو  
اور وہاں سب اشیائے نیت رکھا ہو اور وہ اُس سے ٹھوکر کھاوے۔ وہ نہ گتے کہ کیتے وہ نہ کہے  
انہوں نے راہ میں ہر جنوں کو رکھ دیا ہے حالانکہ وہ چیزیں سب سنی ہیں جو کہ سنی ہیں  
میں مگر یہ اُسی کا تصور ہے کہ آنکھ بند ہو کر رہے اور پھٹاس سے کام نہیں لیتا اور نہ صاحب  
چلتا ہے تو وہ کیونکر ٹھوکر کھاوے۔

وہ کہتے ہیں کہ اُسی استعداد کا نام عقل ہے اور اُسی کا خطاب بہریت ہے۔ ورنہ اُسی کا  
عقب نور سے اور اُسی کو ایمان کہتے ہیں وہ سب ایک ہی چیز سے صرف نام بدلے ہوئے ہیں  
جو شخص نے اُس کو دنیا میں استعمال کیا وہ آخرت میں بھی مینا ہے جس نے اُس سے یہاں ہم  
نہیا وہ وہاں بھی اندھا ہے اور یہی معنی میں ہے کہ اُسی کے من کاں فی حدۃ اعمی  
فہو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیل۔

وہ ایک ال لکھتے ہیں کہ جب عقل تیز ترین مخلوقات ہے تو کیوں بعض علماء نے اسکو شریعت  
کے مسائل میں دخل دینے سے منع کیا ہے اور پھر خود ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ تو وہ منع  
کرنیوالے خود بے عقل تھے اور انھوں نے اپنی عقل کو بیکار کر دیا تھا یا کہ وہ تو لوگوں کی عقل  
پر توہمات کا اطلاق کرتے پاتے تھے جیسا کہ بعض اہل کلام نے عقاید دینی میں اپنے توہمات  
اور خیالات کو دخل دیا اور اُس کا نام عقل رکھا تو صرف اُن کا نام بڑا اصل عقل کے استعمال سے  
مستحق بلکہ اُن توہمات و خیالات کے دخل دینے سے۔

انہوں نے اس شک کو کہ عقل اور وہم میں کیا فرق ہے اور اُس میں کیونکر تمیز ہو سکتی ہے  
نہایت خرابی سے منع کیا ہے اور اس شکل مسئلہ کو نہایت عمدہ تمہیدات و تعلیلات سے حل فرمایا  
ہے چنانچہ کتاب متقدم فی الضلال اور اسرار علم الدین اور شکرۃ الانوار کے دیکھنے سے کئی  
حقیقت معلوم ہوتی ہے

گروہ اپنے اس قول پر نہایت مضبوطی سے قائم رہے ہیں کہ کل قلب فہو باللفظۃ  
صالح لعرۃ الحقان لانه امر ربانی شریف فارق سائر جواهر العالم بحدۃ الخاصیۃ  
والشف والیہ الاشارة بقوله جلنا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجب  
ظلمین ان یحملنہا واشفقنہا کما جردل ہے وہ باعتبار اپنی قدرت کے صلاحیت اور



استعداد حقایق اشیاء کے دریافت کرنے کی رکھنا ہے اور ایسی صلاحیت اول استعداد کہ مراد وہ امانت ہے جو آیۃ انا عرضنا الامانة فی مذکور ہے کہ یہ استعداد آسمان میں ہے نہ زمین میں۔ نہ پہاڑ میں نہ کسی میں ہوئے انسان کے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے انسان کے دل کی لوح پر اپنے قدرت کے قلم سے حقیقت اشیاء کو لکھ دیا ہے اور اسی کی طرف اشارہ اپنی آیت میں کیا ہے کہ الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم پس جس طرح جبکہ کتاب میں لکھا ہو وہ فوری پڑھ سکتا ہے جس نے محنت اور تجربے سے اس استعداد کو ظاہر کر لیا ہو۔ اسی طرح پر حقایق اشیاء کو جو دلوں پر انسان کے قلم قدرت منقوش ہے یعنی ان کو صلاحیت اس کے سمجھنے کی ہے وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اس صلاحیت کو مشق اور تجربہ اور طریق معین سے لائق کام میں لانے کے بنالیا ہو۔ مثال اسکی بیسیں ایک پڑھے اور بے پڑھے آدمی کی ہے کہ دونوں کی آنکھیں بینائی میں برابر ہیں مگر کیا سب سے کچھ حاصل ان لکھروں کو جو سیاہی سے کاغذ وغیرہ پکھینچتی ہوئی میں سمجھ دیتا ہے اور پڑھا ہوا اسکو آند لکھروں میں کچھ تمیز نہیں کر سکتا اور وہ ان کی حقیقت پر نہیں پہنچ سکتا یہی سبب ہے کہ پڑھے ہوئے آدمی نے اپنی آنکھ کی استعداد کو جو اسے سمجھنے ان نقوش میں کے قدرت نے دی تھی ظاہر کر دیا اور بے پڑھے ہوئے نے ظاہر نہیں کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ پڑھے نادان دلوں میں جو علوم و حقایق نے دریافت کرنے میں سہی نہیں کرتے اور وہ علوم میں ہوں یا دنیاوی ان میں اوروں کی بتلائی ہوئی باتوں پر قناعت کرتے ہیں حالانکہ دین میں کسی کو سوائے نبی کی بتلائی ہوئی بات کے تو کسی پر کلمۂ احماد کرنا اور لوگوں کی بتلائی ہوئی کتابوں پر اپنے یقین کو قائم کرنا نہ چاہیے اور رسول کی بتلائی ہوئی باتوں کے اسرار و حقایق کے دریافت کی فکر کرنا لازم ہے اس لیے کہ ان لکھن بال حفظ ما یقال معان و عا ما للعلم و کلاھما۔ اگر اگر اس نے اسکی حقیقت نہ جانی تو وہ اس علم کا برتن ہوانہ عالم۔ پس کیا سبب کہ انسان باوجود ہونے استعداد حقیقت اشیاء کے دریافت سے غافل ہے اور اپنے آپکو جاہل کہے۔

وہ ان غیبی امور و ظاہر نہایت فسق کرتے ہیں جو تقلید پر قانع ہیں اور جنہوں نے صفات نفس اور حالات قلب کا علم چھوڑ کر وہ غلط اور قصہ گوئی پر قناعت کر لی ہے اور علم یقین کو چھوڑ کر خیال و ادراک و منظر میں پڑ گئے ہیں اور جنہوں نے تعصب و تعسف کو دینداروں کی بجائے

ہے وہ کہتے ہیں کہ ان علماء کے حالات بالکل مخالف صحابہ کے ہیں اور جہاد اور شہادتین  
آج کل علماء رکھنا سے جاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ تعصب کو دینداری سمجھتے ہیں وہ احمق ہیں اس لیے کہ احمق اسی کہتے  
ہیں جس کی غرض تو یہ ہے کہ اس کے حصول کا طریق غلط ہو اور جس راہ سے اس مقصود تک  
پہنچنا ممکن نہ ہو اس سے وہ منحرف ہوئے۔

یہی حال تعصب کا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میں اپنے دین میں کامل اور اپنے مذہب میں  
مضبوط اور شریعت پر قائم ہوں اور اس سے وہ درجہ عزت کا جو خدا نے کاملوں کے  
لیے مقرر کیا ہے مجھے ملے گا حالانکہ جس علم سے وہ دین اور مذہب پر چلتا ہے اور جس طرح سے  
شریعت کو لیتا ہے اس میں وہ غلطی پر ہے تعصب ہمیشہ آدمیوں کو ذلت اور حقارت کی نظر  
سے دیکھتا ہے اور لوگوں سے بغض اور عداوت رکھتا ہے جو کچھ اس کے توہمات و خیالات  
میں نہیں کہ یقیناً یہ سمجھتا ہے جو بھولے تخیلات دینی خرافات کے ل میں پیدا ہوتے ہیں  
وہ تعصب کے سبب سے اس کی آنکھوں کو سچے حقائق کی صورت پر دکھائی دیتے ہیں اور  
جو بیہودہ وسوسے اور وہابے مذہبی اس کی سمجھ کی غلطی سے اس کی خاطر میں گزرتے ہیں  
وہ اس کو خدا کے بتائے ہوئے اور نبی کے فرمائے ہوئے مسئلہ معلوم ہوتے ہیں تعصب اس کے  
دل کو غرور اور تکبر سے گھیر لیتا ہے کہ انصاف اور سچ اور سچ کی سالی بھی اس تک نہیں  
ہوتی نصیحت یا ملامت کسی کی اس کے دل کے کنارہ تک پہنچنے نہیں پاتی اس کی انجمن  
کے سامنے تعصب مثل ایک سیاہ کثیف بخار کے ہر وقت چھایا رہتا ہے جس سے وہ کسی  
چیز کی بُرائی بھلائی کو دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی نئے کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا یہ  
ہمیشہ لوگوں کو بُرا اور احمق اور فاسق سمجھتا رہتا ہے اور جس کو اپنا ساختہ اور تعصب نہیں جانتا  
اس کو دین میں ضعیف اور سُست جانتا ہے اور چونکہ غرور و تکبر انسان کی جلی عادت ہے

نہ کما قال رحمہ اللہ علیہ فصار یسعی المجادل المتکلمہ عالمًا والعاصم  
المزخرف الکلامہ بالعبارة المسیحة عالمًا هكذا اصنعنا الدین فی قرون سالفہ  
فکلیف النعم بزمانک هذا وقد انتہی الامر الی ان مظهر الانکار یرتد فی النسبة  
الی الجنون فالاولی ان یشغل الانسان بنفسه ویسکت۔

اس لیے وہ اپنے غرور کے سبب سے آویس ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ کر اصل میں اپنی  
یہی ہے جو مجھ میں ہے وہ شیطان کا کھیل ہو جاتا ہے۔ شیطان اُس کے دل میں یہ دھم  
پیدا کر دیتا ہے کہ جو میں جانتا ہوں اور جو میں سمجھتا ہوں وہی اصل دین اور عین مذہب ہے  
اور اس سے اُس کے دل میں ایک جلالت اور چاشنی پہنچتی ہے اور جسکو وہ کسی  
کسی کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتا اور اپنی اس حالت پر نہایت خوش رہتا ہے کما قال  
مرحمہ فاذا خیل الیہ الشیطان ان ذلک هو الحق وکان موافقا للطبعہ غلبت  
جلالہ علی قلبہ فاشتغل بہ بکل ہمتہ وھو بذلک فرحان مسرور وعلین  
الغیر یسعی فی الدین ووصواع فی اتباع الشیاطین۔ ہر خلاف اسکے جو شخص سمجھا رہا ہے  
ہوگا وہ بھی کسی کو ذلت سے نہ دیکھیں گے۔ کسی کی حقارت نہ کرے گا۔ ہمیشہ اپنے دل پر گروں  
کی باتوں کے سننے کے لیے کھولا رکھیں گے۔ ہر ایک کی بات پر غور کرے گا۔ ہر چیز کی حقیقت  
اور بائیت دریافت کرنے کی فکر میں رہے گا۔ ہر شے کی وجوہات اور اسباب کی تحقیق  
کرے گا۔ انصاف اور سچائی اور سستی اور محبت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں گے  
وہ اصول شریعت میں خاص خدا اور اُس کے رسول کے نواہی پر تمسک ہوگا اور اُس کے  
حقائق اور اسرار کو دریافت کریگا۔ وہ بھی اپنے آپ کو برائیوں سے پاک اور عیبوں سے  
صاف نہ سمجھیں گے۔ وہ مذہب اور شریعت کو اپنے مطالب کی تحصیل کا ذریعہ نہ گردانے گا۔ وہ  
جاہ و عروت کا مذہب کے میل سے خواہاں نہ ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو کامل نہ جانے گا۔ وہ  
سب کو شفقت کی نظر سے دیکھے گا۔ ہمیشہ اپنے دل کے کل کرنے اور اپنے نفس کے مہذب  
کرنے پر متوجہ رہے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ تم سب لوگوں نے اپنے اپنے دین اور اصلی مذہب کی غیروں کو چھپا دیا ہے  
اور برائیوں کو بھلائی اور بھلائیوں کو بُرائی سمجھ رکھا ہے۔ اگر کسی مذہب کے سامنے کوئی  
شریعت کے اسرار اور مصالح باہر نہ کرے وہ اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اُسکو محدود و موقوف  
سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک شریعت میں کوئی خوبی ہے نہ اُس میں کوئی مصلحت ہے نہ جتن  
احکام شریعت کے ہیں وہ سب جبری ہیں۔ اور خدا نے ہر ایک کی مصلحت اور سبب کے اپنے  
بندوں کو اپنے احکام کا تعین کر دیا ہے۔ اُس کے نزدیک نہ مثل ایسے جاہل بادشاہ کے  
جو با سبب اپنے نوکر کو کسی مہمہ کام کے کرنے کا حکم دے اور اُس سے صرف اُس کا

افاعت کا امتحان اُسے منظور ہو جسے حالانکہ یہ بڑی محنت خدا پر ہے کوئی حکم اور کوئی مسئلہ  
شرعیت کا علت اور سبب مصاحت سے خالی نہیں ہے۔ ہاں وہ مسئلے اور وہ باتیں جو  
لوگوں کی سیادہ و خویشتن میں اور جن کا کچھ نشان شرعیت میں نہیں ہے وہ بے شک بے فائدہ  
ہیں اور جبکہ تعصب و اپنے ننگالی ہوئی باتوں یا اپنے بزرگوں کے سنے ہوئے مسئلوں کو  
اجد کی دقت منسوب کرتے ہیں اور اُس کو بے غامضہ اور نوجوانتے ہیں اسی سے اُن کو یہ وہم  
پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ حکام خدا کے ایسے نہیں ہیں ورنہ اگر وہ انکھ کھول کر دیکھیں تو تعصب  
کے پردہ کو اپنی بصیرت قہری سے اٹھا دیں اور اپنے مسئلوں اور خدا کے حکموں کو جدا جدا  
کے اسکی حقیقت کے دریافت کرنے پر متوجہ ہوں تب اُن کو اسکی بابت معلوم  
ہو جاوے۔

اگر تعصب اپنے تعصب پر قائم رہنے کے لیے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دین مذہب  
دار تعصب پر ہے اگر تعصب کو ہم برا جانیں تو ہم محمد اور لا مذہب ہو جاویں اور اپنے عقاید  
دینی میں شک کرنے لگیں۔ اگر تعصب منع ہوتا تو اصحابِ رسول کیوں اپنے دین میں سخت  
ہوتے۔ اُن کا یہ کہنا تعصب دینداری میں اور بغیر تعصب میں مابداً امتیاز نہ سمجھنے سے ہے  
اس لیے ہم اُن کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

جو قصور اور خیالِ دل میں آئے خواہ وہ خود اُس کے دل میں پیدا ہوا ہو خواہ وہ کسی شاہو  
اسکی تہمتیں ہیں۔

آؤں۔ یہ کہ اُس کی صحت اور غلطی دل میں کہہ سی ہو۔ نہ اس کی تصدیق کو غلبہ کچھ حبیب کو  
رجحان ہوئے تو اس حالت کا نام شک ہے۔

دوسرا۔ یہ کہ اُس کی صحت اور غلطی میں سے کسی کا دل پر غلبہ ہوئے اور ایک کو دوسرے پر رجحان  
ہو و سلیک اُنکی خند و نفیض کے امکان سے انکار نہ ہو اس حالت کو ملن کہتے ہیں۔

تیسرا۔ یہ کہ اُس کی صحت اور غلطی میں سے کسی کا شبہ نہ ہو۔ پر ایسا غلبہ ہوئے کہ اسکی  
خند و نفیض کے امکان سے بھی انکار ہو۔ اس حالت کو یقین کہتے ہیں۔

پھر یقین کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگرچہ اس کے خلاف کو دل متبول نہ کرے لیکن اُس کا  
تغیر کسی اصل صحیح پر مبنی نہ ہو بلکہ وہ اسباب جس نے اُس کے دل میں اس تصور اور خیال کو مضبوط  
کر دیا ہے اور اسکو صحیح ٹھہرایا ہے غلط ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ یقین کی ہی اصل صحیح پر مبنی ہو اور وہ مرد جس نے اس کی صحت پر دل کو قوی کر دیا ہے وہ بالکل صحیح اور سچے ہوں۔

پس جو خیالات وہی کسی شخص کے دل میں پیدا ہوں اگر وہ اول قسم کے ہیں یعنی وہ جو شخص ان کی تصدیق کرے نہ تکذیب تو یہ اطلاق اعتقاد کا نہ ہو گا نہ وہ خیال کرنے والا خود ہے۔ آپ کو اس کا معتقد جانے گا۔ اور اگر وہ دوسری قسم کے ہیں یعنی تو اس کو ان کی صحت پر مبنی غالب ہوئے مگر اس کے خلاف کے ہونے سے منکر نہ ہوئے تو اس کا اعتقاد ظنی کہنا یا جاوے اور اگر وہ تیسری قسم کے ہیں یعنی ان خیالات کے صحیح ہونے پر وہ دل سے یقین کئے مگر اس کی بنا و اصول صحیح پر نہ ہو تو اس کا اعتقاد تو پکا اور مضبوط کہنا یا جاوے کیلئے غلط اور غلط صحیح۔ جو قطعی قسم وہ ہے کہ ان خیالات کی بنا و اصول صحیح پر ہو تو اس کے اعتقاد کو مضبوط اور کامل بھی کہہ سکتے اور درست بھی۔

پس تعصب اس حالت کا نام ہے جو تیسری قسم میں مذکور ہے یعنی ان خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بنا و اصول پر ہے۔ اور دیندار کی اس حالت کو کہتے ہیں سبکی ذکر جو قطعی قسم میں ہوا یعنی ان خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بنا و اصول پر ہے۔ تعصب اپنے خیالات کی صحت پر یہ گویا یقین کہتا ہے مگر اس کا یقین مثل ایک یندا کے یقین کے نہیں ہوتا اس لیے کہ تعصب کے خیالات کی بنا و اصول صحیح نہیں ہوتی اس لیے ممکن ہے کہ کبھی وہ اپنے خیالات کی بنا کے غلط ہونے پر آگاہ ہو جاوے اور تب وہ اپنے خیالات کے غلط ہونے پر متنبہ ہوئے اور یندا کے خیالات کی بنا و اصول صحیح ہونے پر یقین ہے جن میں احتمال بھی غلطی کا نہیں ہوتا اور شک و ظن کا اس میں دخل نہیں ہوتا اس لیے کہ کبھی وہ اپنے یقین سے پھر نہیں سکتا۔

تعصب طرح پر اول ہی سمجھ کی غلطی سے اپنے خیالات کے غلط اصول پر قائم کر لیتا ہے اور اخیر تک غلطی میں گرفتار رہتا ہے یعنی وہ کبھی اپنے خیالات پر غور و تامل نہیں کرتا۔ جو لوگ اس کی غلطی بیان کرتے ہیں ان کے سامنے کا تحمل نہیں ہوتا۔ اپنے مخالفوں کی آواز مخالفانہ اپنے کان میں نہ نہیں تیا اور یہی سب سے اس کو کبھی موقع اس غلطی سے نکلنے اور اس سے چھوٹنے کا نہیں ملتا۔ بخلاف ایک یندا کے کہ وہ اول ہی اپنے خیالات کی بنا و اصول پر قائم کرتا ہے اور ایک ایسے عمل کرتا ہے جو کوئی اس کے مخالف بات کہتا ہے

اسکو سنتا ہے اور سوچتا ہے جو کوئی اُس کے یقین میں شکوک پیدا کریں اور اُسکی غلطی نہ کریں وہ اُن سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اُن کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور وہ مل کر رہتا ہے اور جبکہ اُن شکوک و شبہات کو باطل غلط پاتا ہے تو وہ اپنے یقین کی صحت پر اور بھی زیادہ خوش ہوتا ہے اور اُن غلط خیال کرنے والوں کو مزید یہ اپنے یقین کے اصول پر غلط کرنے کا پیکر کرتا ہے۔

پس جو لوگ تعصب اور دینداری میں فرق نہیں کرتے اور اپنے تعصب کو دین سمجھتے ہیں اور اپنی حالت کو خدا ہی حالت سے صحابہ کی ملائے ہیں یہ غلطی اُن کی ناقصیت اور بات کی ہے۔ وہ بے شک اپنی تعبثی دینداری پر مضبوط ہونے میں صحابہ کی سچی صلابت الہیہ سے شا بہت پیدا کرتے ہوں مگر وہ شا بہت جھوٹے موتی کی سچے موتی سے ہے کہ جو حرف صورت ظاہری میں ہے نہ حقیقت باطنی میں۔

تعصب ایک ایسی بُری خصلت ہے کہ جس سے معرفت صوبہ ہی کی اثرات کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اُس کا بے اثر و سرور کی طبیعت پر پہنچتا ہے اور سادہ سچی طبیعتوں کو بھی لگا کر دیتا ہے۔ تعصب ایک زہرِ غیرِ خیر ہے کہ وہ اچھے صاف میدان سے کو بھی عبث و زری ہی دیر میں اپنا سا کر لیتا ہے اور اُس شے کو جو باعثِ زندگی انسان ہے اُسکی موت کا سبب کر دیتا ہے دین و مذہب انسان کی اُس روحانی زندگی اور چین کا ذریعہ ہے جو بعد اس جہانی حیات کے مٹنے والی ہے اور تعصب اُسی زندگی کا شائے والا ہے اور اُسی چین کا کھودینے والا ہے۔ اِس لیے کہ اُس نے باطل کو حق اور غلط کو صحیح سمجھ رکھا ہے اُسکی سختی اور رشتہ کی کسی مخالف کو متعلق اُن باتوں کے ظاہر کرنے کا نہیں دیتی جو اُن کے دلوں میں ہے اور جس کے ظاہر میں ہے اگر وہ غلط ہیں اُن کی اصلاح ممکن ہے۔ تعصب کی طیلت دیکھ کر اُس کا مخالف بھی تعصب پر مجبور ہوتا ہے اور وہ بھی اپنے خیالات کو صحیح سمجھ کر اُن کی حقیقت کا اعتقاد کرنے لگتا ہے چنانچہ تعصب ہی تمام مذاہبِ باطلہ کی بنیاد اور تمام عقایدِ فاسدہ کی جڑ ہے اور ایک جہان اسی جہنم میں مبتلا اور اسی بیاری میں گرفتار ہے اسی لیے خدا نے اور شائع نے اور تمام دینداروں کو اُن دشمنہ حکیموں سے اُسکی بڑی بیان کی ہے۔



# دین کی تحریف

ابتداءً پیدائش آدم علیہ السلام سے شیخ اسلام تک جتنے دین جاری ہوئے اور جتنی شریعتیں قائم ہوئیں اور جن کا علم ہو چکا ہے ان کی نسبت یہ سمجھنا کہ ہر ایک دین اور ہر ایک شریعت ایک زمانہ معین تک جاری اور قائم رہی اور جب اس میں تحریف نے راہ پائی اور اس میں کمال قبول کرنے والوں نے اسکو اپنی اہلی حالت پر رکھا تب خدا نے بذریعہ دوسرے پیغمبر کے دوسری شریعت قائم کی بہت سان بے سیکڑاں اسباب کا سونا چاچن سے دین میں تحریف ہوئی اور ان وجوہ کو سمجھنا جن سے شریعت اپنی اہلی حالت پر نہ رہی نہایت ہی مشکل ہے اور ان سب باتوں سے واقف ہو جانا انسان کی قدرت سے باہر ہے اسی اسلئے بہت سی صورتوں سے گزرے ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی ہو یا ان جنہوں اور علتوں کو دکھا ہو بلکہ مضمون تو ایسے اسرار اور حکمتوں میں غور کرنے ہی کو پڑا جاتا ہے اور مضمون نے اس کو قدرتِ بشری سے خارج سمجھا کر غور محض تصور کیا ہے اور مضمون نے پچھلے بزرگوں کو ایسی باتوں پر متوجہ کیا کہ اسکو بدعت خیال کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے ان باتوں پر غور کیا جاتا ہے اور نہ لغو اور بدعت ہے اور نہ بدعت ہے بلکہ وہ چیز جس سے حکیم مطلق کی کامل حکمت کا دل پر عین ہوئے اور خدا کے احکام کے مطابق مصالح ہونے پر اعتقاد ہو ورنہ وہ یہی ہے کہ اس کے احکام اور افعال پر جہاں تک انسان کی طاقت ہو غور کرے اور اس کے اسرار اور وجوہ کو سوچے اس لئے ہم اپنے مذہب کے ایک بڑے نامی محقق کے کلام سے عرض سون کو کہ ادا یاں سابقہ اور شریعت گذشتہ میں کیوں کر تحریف ہوئی اور کس ضرورت سے بدلے گئے دوسری شریعت قائم ہوئی ان ذکر کے لکھتے ہیں۔

جب ہم کسی دین اور کسی مذہب پر خیال کریں اور اسکی ترقی اور منزل اور فعال سے اسکی حال پر غور کریں تو ہم کو معلوم ہو گا کہ جب کسی پیغمبر کے ذریعہ سے خدا نے کوئی دین یا مذہب جاری کیا اور لوگوں کو اس کا مانع بنایا تو وہ طبقہ جو خاص اس پیغمبر سے تعلیم پاتا ہے اور جو ان کا دل سے اسکی باتیں سناتا ہے اور اپنے دل میں بے واسطہ اور بغیر حلقہ دوسرے کے اس کے احکام اور مسائل کو جگہ دیتا ہے تو وہ ہر طرح پر آشاعت میں اس میں سامی ہوتا ہے اور اہل





سمجھ کر اسکی حقیقت کے متقدّم ہوتے ہیں اور بجائے تحقیق اور تلاش کے بل نتیجہ ما لیتنا  
 علیہ آباؤ اجداد پر قائم ہوتے ہیں اور جہل طبع اولیٰ کے بیان والے اصلی اصحی باتوں پر  
 کی مضبوطی سے اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے پر دیندر کہلاتے اور قابلِ تفریغ سمجھے جاتے ہیں  
 اسی طرح آذربہ کے لوگ میراثی اور جمہوری باتوں پر تعلید کے سبب سے یقین رکھنے اور  
 اسکی پابندی کرنے پر تعصب و جاہل اور لائقِ مذمت تصور کیئے جاتے ہیں اور جس قدر  
 نبوت کا زمانہ دور ہو جاتا ہے اسی قدر دین و مذہب میں پیغمبر سے علاوہ چھوٹا اور  
 آدمیوں کا واسطہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جتنا زمانہ گزرتا گیا اور غرضیں بڑھتی  
 گئیں اور خواہشیں زیادہ ہوتی گئیں اور طبیعتوں میں خود پسندی اور نفسانیت کا غلبہ  
 ہوتا گیا اسی قدر ہر شخص معاف اپنی حالت اور اشتراک اور حاجت اور خواہش کے میں میں  
 تحریف و تبدیل کرنے لگتا ہے اور خدا کے کلام اور نبی کے اقوال کو اپنی خواہشوں کا  
 عرصہ بنا لیتا ہے۔ اُس کے لفظوں اور عبارت کو بدلنا یا اپنی طرف سے بنا کر اسکی طرف  
 منسوب کر دینا اگر ممکن ہو تو اُس میں بھی منہج نہیں ہوتا ورنہ اُس کے معنی و مطلب کی اپنی  
 سمجھ اور اپنی غرض کے مطابق پھیر دینے میں تو کچھ مائل ہی نہیں ہوتا اور جب تک  
 یعنی جتنے عرصہ تک خدا کو اپنے نزدیک اُس میں کافر یا رکھنا منظور ہوتا ہے تب تک  
 ایسے تغیر اور تحریف سے کم و بیش خدا اپنے علم اور ارادہ کے موافق بچاتا ہے اور اخیر ہر حالت  
 تحریف اور غیصہ اُس میں کی طالت ہو جاتی ہے کہ اپنی اصلی حالت پر کچھ بھی باقی نہیں  
 رہتا اور اگر کوئی اُس کے اول حال سے آخر حال کو ملاوے تو زمین و آسمان کا فرق دکھائی  
 دیتا ہے پیغمبر کی کتاب جس پر مذہب کا داعی ہے وہ تو بڑے نام قسم کھانے کے لئے  
 اور شتر سے طاق میں رکھنے کے لئے ہوتی ہے کوئی اُس سے اپنے دینی عقاید اور مذہبی  
 مسائل کو نہیں ملاتا۔ اپنے ہندگوں یا اپنے پیروں کے اقوال اور اعمال کو مستند سمجھ کر  
 اپنے مذہبی مسئلہ کو اسی پر متمک کر دیتے ہیں اور انہیں کو مصدوم و شل نبی کے سمجھ کر  
 اپنا پیشوا اور مادی شوشیج اور سخاوت دہندہ سمجھنے لگتے ہیں جب طبع اولیٰ کا زمانہ ہو  
 اُس وقت براہِ علم طبع پر عمل کرنے کا کچھ ذکر نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اُس کے جانی دشمن سمجھے  
 ہیں اُس لئے کہ وہ اپنی بُرائیوں اور خاندانی چال چلن کو صرف پیغمبر کی ہدایت سے چھوڑ  
 اُس کے دین میں آتے ہیں اور ان کے بھائی بند یا دوست رسوں ہی کے چھوٹے پر

اُن کو برادری سے خارج کر دیتے ہیں اور اُن کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں تو پھر کچھ نکر ممکن ہے کہ وہی طبقہ جس نے ایک خدا کے خوف سے رسول کو چھوڑا اور اپنے بھائیوں سے ملاقات نہ کیا اور صرف اپنی نجات کی امید پر پیغمبر کا تلخ ہوا ہوا وہ خود رسول پر عمل کو سیکھا اُس طبقہ میں ہوائے خدا اور رسول کے حکم کے کسی دوسری بات کو دخل ہوگا لیکن جتنا زمانہ گزرتا جاوے گا اتنی ہی آمیزش اور پیغمبروں کی ہوتی جاوے گی۔ کچھ باتیں دنیا کی زمین میں داخل ہو جاوے گی کچھ پسینہ خیر قوموں کی اُسیں خلط ملط ہو جاوے گی اور سب مجبور پر دین کا اطلاق ہوگا اور چونکہ ہر ہے کہ جب دین میراثی اور آبائی ہوگا تو دل میں وہ دینی دلولہ جو کہ پہلے طبقہ کو ہوتا ہے نہ رہیگا اور وہ ہم سب پر جوش و خروش ہے سے تعلیم پانے والوں کو ہوتا ہے۔ مثلاً پڑھاویگا تو پھر ایسی حالت میں شخص جس کو خدا نے عقل سلیم دی ہے سمجھ سکتا ہے کہ امامیہ رسم و رواج ہی پر مدار مذہب کا آ رہیگا اور قومی حال میں اور خاندانی طریقہ ہی میں سمجھا جاوے گا چنانچہ جتنے پہلے دین گند کئے اُن سب کا یہی حال ہو کہ لوگوں نے پیغمبر کی کتاب کو چھوڑ دیا اور رسم و رواج پر مدار مذہب کا ٹھہر لیا اور انا وجدنا علیہ آباءنا اور ایل تتبع ما لقینا علیہ اباؤنا کہہ کر تحقیق سے اٹھ اٹھا لیا۔ عقیدہ اُسی کو سمجھنے لگے جو آبا و اجداد سے سنا۔ حل اُسی پر کرنے لگے جو بھائی بہنوں کو کرتا ہوا دیکھا۔ خاندانی طریق پر چلنے کو سنت اور اُسکو چھوڑ کر اصلی دین کی باتوں کی تحقیق کرنے کو بدعت کہنے لگے۔

چنانچہ جب کل انکشاف ہوئی کہ دین و مذہب کے ایسے ہو گئے اور اُنھوں نے دین میں یہی تعریف اور تغیر کر دی تو جو خوبی اُس مذہب کی تھی وہ جاتی رہی اور غفلت اور پابندی رسم و رواج اور طلبِ اجداد کی بدولت اُس دین کی اصلی حالت باقی نہ رہی تب خدا نے جو اسکی اصلاح کرنے کے لیے دو مہر پیغمبر مبعوث کیا جس نے اُن خرابیوں کو دور کیا اور جو تعریف و تغیر اُس دین کے لوگوں نے اپنی غفلت اور تعلیم کے سبب کی تھی اُس کو ظاہر کیا اور رسم و رواج پر چلنے والوں کو متنبہ اور باپ دادا کے چال چلن پر سند پڑنے والوں کو ہوشیار کیا اور لوگوں کو غفلت سے نکالا اور اُن سے تعلیم کو چھوڑا لیکن غفلت خود تعلیم پر ہی اور اپنی بُرائی پر ہی کامل ہے کہ تمام انبیاء کو اپنی نبوت کے نانہیں لوگوں کی کئے لوں سے ہم و رواج کی پابندی کے مستحکم زنجیر اور غفلت اور تعلیم کی مضبوط قید کے

تورنے سے زیادہ کوئی مصیبت اور وقت نہیں ہوتی۔

کیسی ہی محبت سے اپنی قوم کو سمجھایا اور کیسے ہی نرم اور ملامت غفلتوں سے اُن کو نصیحت کی اور اُن کے دلوں کی صفائی کرتی چاہی لیکن اُس قوم کے کانوں کو کوئی اور سخت اور ہولناک اور عجیب واز ایسی معلوم نہ ہوتی تھی جیسی کہ نبی کے پاک سونہ سے رسم و رواج کی بُرائی کی آواز اور اُن کے پیچھے سے زیادہ سخت دلوں پر کسی اور چیز کا اثر نہ ہوتا تھا جتنا کہ اپنے باپ دادا کے چال چلن چھوڑنے کا۔ اسی سخت رسم و رواج کی پابندی نے اُن کو ایمان سے محروم رکھا اور جان بوجھ کر اُنھوں نے اپنے آپ کو دوزخ کا کندہ بنایا اختراعات النامہ علی الناس کہتے لیکن اپنے پُرانے طریقوں کے چھوڑنے پر جرات نہ کر سکتے اور اپنی گردنوں کو تعلید کی رسی سے باہر نہ نکالتے۔ حقیقت میں اگر رسم و رواج کی پابندی کو ایسا کامل اثر نہ ہوتا اور اُس کا چھوڑنا دوزخ میں جانے سے زیادہ سخت نہ ہوتا تو کبھی سی پیغمبر کو ہدایت کرنے میں کچھ تکلیف نہ ہوتی بلکہ اتنے پیغمبروں کی بعثت کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ ایک لاکھ اسی ہزار یا جس قدر پیغمبر آئے اور جو کچھ انہوں نے مصیبتیں اور تکلیفیں پائی وہ اسی رسم و رواج کی بدولت۔

تمام اولوالعزم پیغمبروں کے حالات پر غور کرنے سے ہمارے بقول کی تصدیق ہوتی ہے اس لیے کہ جب ہم کسی پیغمبر کی کتاب کو دیکھتے ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو نبی آیا اُس نے اول پچھلے دین کی اصلاح کی اور جو تحریف اور تغیر لوگوں نے اُس دین میں کی تھی اُسے بیان کیا اور جس قدر باتیں رسم و رواج کی لوگوں نے دین میں شامل کر دی تھیں اُن کو علیحدہ کیا۔ بعد اُن جدید احکام کو جو خدا نے اُس وقت کے مناسب دیکھے جاری کیا پس پڑا سبب دین اور مذہب کے زوال کا حقیقت میں خلعت اور تعلید ہی بنتی ہے۔ یکینیت جو دین میں خلل آئے اور مذہب کے خراب ہونے کی ہم نے بیان کی ایسی ہی پہلی ہوتی ہے۔ صاف ہے کہ کوئی مُسکرا کر انکار نہیں کر سکتا اور جو کوئی دین کی کتاب لے کر دیکھے وہ کسی تصدیق سے بے گناہ ہے کہ وہ بہت سے سبب جن سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اُن میں جو کہ خلل اور مذہب کے زوال کا باعث کہنا چاہیے وہ ایسی آتی ہیں کہ شخص انکو سمجھ نہیں سکتا اس لیے اب ہم اُن کو بیان کرتے ہیں۔

**پہلا سبب۔** بائی ملت اور عاشقیت کے اعمال ادا قوال سے چشم پوشی کرنا اور اپنے عقائد اور اعمال میں اُس کے عقائد اور اعمال سے مخالفت کرنا۔  
**دوسرا سبب۔** اعراضِ فاسدہ کا پیش آنا اور اُن کے مائل کرنے کے لیے اہل بائی کے کلام میں تاویل باطل کرنا۔

**تیسرا سبب۔** تعمقِ مبنی تکلف جیسا کہ کوئی شخص شائع کی کسی اور مبنی کی علت پر غور کرے اور بعض جوہ کو اُس کے کسی دوسری شے پر اپنے نزدیک مطابق کر کے اپنی طرف سے شائع کے اُس شے کی اور مبنی کا حکم قائم کرے یا مبنی کے تمام حال اور افعال کو جلد سمجھ کر جو کچھ انھوں نے عادتاً بھی کیا ہو اُس کو بھی فرائض و واجبات میں داخل کرے۔  
**چوتھا سبب۔** تشددِ مبنی اُن عباداتِ شاذہ کا اختیار کرنا جس کا شائع نے حکم نہ کیا ہو یا سنن اور آداب کا شل فرائض و واجبات کے التزام کرنا اور یہی وہ بیماری ہے جس میں یہود اور نصرانی گرفتار ہو گئے تھے اور جن کو رہبان کہتے تھے۔

**پانچواں سبب۔** اجماع کا اتباع کرنا یعنی اگر کسی بات پر بہت سے عالم کوڑی متفق ہو جاویں اُن کے اتفاق ہی کو اُس امر کے ثبوت کی دلیل قاطع سمجھنا۔

یہ بات یاد رہے کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ اجماع جس کا مستند کتاب و سنت یا اجماع واجب الاتباع ہے۔ دوسرا وہ اجماع جس کا مستند کتاب و سنت نہ ہو بلکہ وہ جمہور نے بہت لوگوں کو ایک بات پر جمع کر دیا ہو۔ اس اجماع سے مخالفت کرنا بعض حالات میں واجب ہے بعض صورتوں میں جائز ہے اور وہ جماع جس کی بُرائی جا بسا خاندانی اپنی کتاب میں مان فرمائی ہے اور جس کے اتباع سے لوگوں نے دینِ اسلام کو قبول نہیں کیا اور جس کے التزام کو بل نذیع ما الفینا علیہ آباءنا کہہ کر اپنے اوپر واجب بنایا ہے دوسری قسم کا اجماع تھا۔ ہندوستان میں ہمارے ہندو مذہب اجماع کی ان دونوں قسموں میں کچھ فرق نہیں کرتے اور بلا تیز ایک کا اطلاق دوسرے پر کرتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کی رسموں اور اپنی خاندانی عاداتوں کو جن کے قے پابند ہوئے ہیں اجماع کی دلیل سے واجب اہل ملتے ہیں اور اُن باتوں کو جو صحیح مخالف کتاب و سنت کے ہیں مخالفت اجماع کے دُور سے ترک نہیں کرتے۔

**چھٹواں سبب۔** غیرِ معصوم کی تقلید کرنا۔ یعنی کسی مجتہد کی یہ سمجھ کر تمام مسائل میں

اُس کا اجتہاد صحیح اور درست ہے اور جو کچھ اُس نے کتابِ سنت سے استنباد کیا ہے وہ خطا اور غلطی سے محفوظ ہے۔ ایسی تقلید کرنا کہ اگر کسی مسئلہ میں جس کا اُس نے استخراج کیا ہو اس کی غلطی ثابت ہو اور کوئی حدیث صحیح صریح مخالف اُس کے موجود ہو اُس حدیث کو چھوڑ کر اُس کے اجتہاد پر عمل کرنا۔

یہ تقلید وہ نہیں ہے جس پر اُمت کا اجماع ہے یعنی اکثر علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کرنا درست ہے بلکہ کئی حالات میں نہایت مفید اور بعض صورتوں میں نہایت ضرور ہے مگر وہ شرطوں کے ساتھ اول یہ سمجھنا کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ دوسرے نصیحت نبویؐ پر اس کو مقدم نہ کرنا یعنی اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مخالف اُس مجتہد کے اجتہاد کے مل جائے تو حدیث کا اتباع کرنا اور تقلید کا ترک کر دینا۔

بغیر ان شرائط کے غیر معصوم کی تقلید کرنا نہایت ہی نقصان دینے کا سبب ہے اور اگلے اہل کتاب ایسی ہی تقلید کرتے تھے جس کی بُرائی خدائے باری تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ **حیث قال تبارک وتعالیٰ اتخذوا حرجاً رصمہ یرہا فہم اربابا من دون اللہ** کہ اہل کتاب نے اپنے عالموں اور پیروں کو اپنا رب ٹھہرا لیا ہے اور خدا کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ کوئی اہل کتاب اپنے عالموں اور پیروں کی عبادت نہ کرتا تھا مگر اُن کو ایسا معصوم سمجھ لیا تھا کہ جس کو وہ حلال کہہ دیتے تھے اُسی کو حلال جانتے تھے جس کو وہ حرام کہتے تھے اُسی کی حرمت کے معتقد ہوجاتے تھے اور اپنے نبی کے اقوال اور احکام پر بتعاطل کرنا قولوں اور حکموں کے عمل نہ کرتے تھے۔

تساؤل سبب۔ ایک ملت کا دوسری میں خلط کرنا یعنی کسی دوسرے دین کی باتوں کو پسند کر کے کسی ضعیف جہ یا موضوع سند سے اُس کا جواز ثابت کر کے اپنے مذہب میں اس طرح داخل کر لینا کہ پھر کچھ تمیز نہ رہے کہ یہ باتیں کس مذہب کی ہیں بلکہ وہ باتیں اسلام ہی کی معلوم ہوں جس طرح بنی اسرائیل کے علوم اور یونان کی حکمت وغیرہ کو مسلمانوں نے اپنے دین مذہب میں داخل کر لیا ہے اور اپنی تفسیروں اور کلام کی کتابوں کو انہیں روایات اور مسائل سے بھر دیا ہے۔

یہ سب باتیں میں نقصان اور خلط پیدا کرنے کے جوہر نے بیان کیے ہیں میں جنہوں نے

پانے دینوں کو خراب کر دیا تھا اور جن کے سبب بہت سے اولوالعزم پیغمبر کے بعد دیگرے  
 پیغمبر گئے قطع نظر ملت حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی امت کے جس کا آب کوئی فرقہ  
 بتخصیص پند نہیں ہے دین ہوسوئی کو انہیں باتوں نے بگاڑا اور انہیں باتوں سے  
 جدا رہوئے اپنی کتابیں تشریف کی او اپنے دین کو تغیر اور تبدیل کر دیا اور دین عیسوی  
 میں بھی انہیں موجود سے نقصان آیا اور یہاں نے انہیں باتوں سے اپنے کو اصلی حالت  
 پر نہ رہنے دیا۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ کیا اس تحریف اسلام میں بھی ہوئی ہے تو اسے خود  
 اسلام کی حالت پر غور کرنا چاہیے کہ جو نور ایمان کا طبقہ اول کے شریعت کی پیشانی پر چمکتا  
 تھا اور نور دوسرے طبقہ میں نہ رہا لیکن اس کا عکس دوسرے طبقہ کے ہر شر آدمیوں کے  
 لہلہ پر پڑا اور اس طبقہ کے ہر شر آدمیوں نے اپنے عقاید و اعمال کو صحابہ کے مطابق رکھا۔  
 اس کے بعد تیسرے طبقہ میں بھی کچھ بھولے و غلطیوں نے اسلام کی بھی بکلیہ شخصوں نے اسلام کے  
 قائم رہنے کے لیے احادیث کے جمع کرنے اور اقوال رسول کے اکٹھا کر دینے سے سب پر  
 پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قول کی کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا تصدیق کرادی مگر بعد اس کے جن  
 فرقے آئے گئے ان میں فساد ہی بڑھ گیا اور جہاں اور جہاں کا زور بھی جوتا گیا مگر جس طرح  
 خدا نے جل شانہ نے حضرت موسیٰ کے دین کو رسولوں اور پیغمبروں کو ان کے بعد بھی بیکار کیا  
 عرصہ تک قائم رکھا اسی طرح پر دین محمدی کو علماء ربانی کے پیدا کرنے سے تحریف سے  
 بچایا یعنی جس کی بھی ملک میں کچھ تحریفیں گئیں اور کچھ فتنہ پیدا کیا خدا نے کسی کسی عالم کو جس کے  
 حق میں علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل صادق ہے کھڑا کر دیا اور اس نے صحیفین  
 کی تحریفات اور جہاں کی جہالتوں کو ظاہر کیا اور اصل ستہ شریعت اور دین محمدی کا  
 مکمل کیا۔

اس بات کا بیان کرنا کہ وہ تحریفات کیا ہیں جو اسلام میں لوگوں نے کیں ہم نہایت  
 ضروری سمجھتے ہیں اور ہم مفسرین کو بطور مقدمہ سے لکھتے ہیں آئندہ اس کی تصریحات  
 کریں گے شاید خدا بھلا وہ ہمارے ناز کے لوگوں کو توفیق دے اور سنت کی سیدھی راہ پر  
 چلا دے۔ و توفیقی الا بامد۔

# تقلب اور عمل بالحديث

تھوڑے دن ہوئے کہ میں نے اپنے مذہب کے ایک بڑے متفق کے کلام سے انظر  
کہ ایک مضمون میں یہ تحریف ہو چکی لکھا تھا اور وہ ایک پرچہ میں تہذیب لاطین کے  
چھاپے، اس میں جان ذکر تقلید کا تھا وہاں میں نے وعدہ کیا تھا کہ اسکو آئندہ تفصیل کے  
چنانچہ اب اسکو لکھتا ہوں۔

## اس مضمون میں بات تذکرے ہیں

اول۔ مذاہب ربوہ کے جاری ہونے سے پہلے زمانہ کا حال ہے۔  
دوسرے۔ مذاہب ربوہ کی بنیاد پڑنے کا زمانہ اور اس کا سبب۔  
تیسرے۔ ان چاروں مذہب کی پابندی کا مل طح سے کب ہوئی۔  
چوتھے۔ ان چاروں مذہبوں میں اختلاف ہونے کا باعث۔  
پانچویں۔ اجتہاد اور عمل بالحديث میں کیا فرق ہے۔  
چھٹے۔ تقلید اور عمل بالحديث پر متعدد اور غیر متعدد مسائل۔  
ساتویں۔ قول فحیل بہ نسبت تقلید اور عمل بالحديث کے۔

## مذاہب ربوہ کے جاری ہونے سے پہلے زمانہ کا حال

پیغمبر خدا علیہ السلام کے عہد کو امت مہد میں سوائے قرآن مجید کے مسائل  
شرعیہ اور احادیث اور احکام کے جمع کرنے کا کسی کتاب یا نسخہ میں رواج نہ تھا۔ پس  
اُس وقت میں نہ کسی نے کوئی معیت کی کتاب لکھی نہ فقہی مسائل یا شرعی احکام کو کسی  
صحابی نے جمع کیا نہ کسی علم کے اصول تھا حد اُس وقت مقرر ہوئے۔ اُس زمانہ میں عمل کی  
صورت تھی کہ اصحاب نبوی جیسا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہوا دیکھتے وہی ایسی نمونہ  
ارکان اور دابا ورتہ قیامات فقہی پر کچھ توجہ نہ کرتے اُن کی تعلیم کی کیفیت تھی کہ جو کچھ  
سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے یا کسی عالم میں فتویٰ یا کسی سوال کا جواب

تو اُسے حضرت کے اصحاب سنتے اور یاد رکھتے اور چونکہ آنحضرتؐ عادات و عبادات اور سنن عبادات میں اکثر ایک جی امر کے پابند نہ رہتے اور مثل فرائض کے اُن کا التزام نہ رکھتے اور نیز ہر وقت اور ہر حال میں سب اصحاب بھی خدمت میں برابر حاضر نہ رہتے اس لیے جس نے جو حضرتؐ کو کرتے ہوئے دیکھا اُسے یاد کیا یا جو کچھ ارشاد فرماتے سنا۔ اُس کی کوئی وجہ اور علت اپنے نزدیک سمجھ لی اور صرف طہینان قلبی پر نہ استدلال کے طریقوں پر بطور وسعہ کر کے اُسے ذہن نشین کیا۔ پس جو شخص صحابہ میں سے اُن باتوں کے یاد رکھنے اور اُس پر غور کرنے کا زیادہ شایق تھا وہی اُن میں زیادہ فقیہ ہوا یا جس نے پیغمبر خدا کی صحبت میں بکران باتوں کی زیادہ تعلیم پائی وہ بہت آدمیوں کے زیادہ واقف ہوا۔

جب آنحضرتؐ کا زمانہ گزرا اور اصحاب کا زمانہ آیا تب انھوں نے اپنی دیکھی سنی ہوئی باتوں پر خود عمل کیا اور اگر کوئی بات جدید پیش آئی تو آدمیوں سے پوچھ لیا۔ اگر کسی بات میں کوئی حکم صحیح کتاب سنت سے نہ ملتا تو منصوصات کتاب و سنت پر غور کیا اور اُس کی علت کو دریافت کر کے اُسی پر پیش آئے ہوئے معاملہ کو قیاس کیا اور اگر کوئی مسئلہ مشکل ہوا تو اپنے آپ میں صلح و مشورہ کر کے اُس کو حل کر لیا۔

صحابہ کے زمانہ میں جو لوگ نئے پیدا ہوئے یا نئے ایمان لائے انہوں نے صحابہ سے اُسی طور پر علم حاصل کیا جس طرح پر صحابہ نے آنحضرتؐ سے سیکھا تھا یعنی جس نے جس صحابی کو پایا اور اُسے فقیہ بنانا اُس سے مسائل شریعت کو اخذ کیا اور احادیث نبویؐ کو سیکھا اور چونکہ بعد آنحضرتؐ کے صحابہ دُور دُور ملکوں میں پھیل گئے تھے اور بجائے ایک مکہ یا مدینہ کے صد ہا کوس کے فاصلہ پر چلے گئے تھے اور ایک دوسرے سے جدا ہو کر منتشر اور متفرق شہروں میں جا بیٹھے تھے اس لیے اُس زمانہ کے لوگوں نے اپنے ہی شہر اور اپنے ہی ملک بلکہ اپنے ہی محلہ کے رہنے والے صحابی سے امور دینی کی تحقیق کی اور انہیں سے احادیث نبویؐ اور مسائل شرعی کو سیکھا۔ اور چونکہ اکثر اصحاب نبویؐ فقیہ تھے اور نامی گرامی اصحاب بھی بڑے بڑے شہروں میں موجود تھے اور ضروری مسائل بھی انکو یاد تھے اور جو بڑے فقیہ تھے ان کی باتیں بھی اُس وقت تک شروع نہ تبدیل اور نئی نئی تفہیمات اور جدیدہ جدیدہ مصطلحات کا بھی رواج نہ ہوا تھا اور علم بھی الفاظ غریبہ کی وقت اور اصطلاحات عجیبہ کی وحشت سے پاک تھا اور فقیہ ہونا بھی دلائل منطقی کے جاننے اور مہول فلسفے



واقعہ ہونے پر منحصر تھا اس لیے اُس زمانہ کے سید سے سادے پاک اور نیک لوگوں کی روزمرہ کی کارروائی اور حاجت برداری کے لیے ہر شہر میں ایک عالم موجود تھا اور بسبب نہریج ہونے مناظر اور مجاہد اور کلام کے کوئی کسی پر کسی طرح کا التزام بھی دیتا تھا۔ اور بسبب صناعی طینت اور پاکیزگی کے فضیلت، اور نفقہ کا بھی اٹھا کر کسی کو مشغول نہ تھا اس لیے تابعین میں سے جو لوگ عوام تھے وہ وقت پیش آنے ضرورت کے اپنے شہر نامی مشہور صحابی سے سند پرچہ لیا کرتے اور جو کچھ وہ کہہ دیتے اُس پر عمل کرتے اور جو لوگ علم دین کے شائق تھے وہ انہیں سے علم دین کو تحصیل اور مسائل شریعت کی تحقیق کرتے جس کے صحابہ کا زمانہ مذاق تو وہی لوگ اپنے اپنے شہر کے عالم اور محدث ہو گئے اور دینی فنی اور فقیہ مشہور ہوئے +

بعد تابعین کے ع زمانہ میں تابعین کا آیا انھوں نے بھی اسی دور سے اپنے اپنے شہر کے مشہور و نامی فقیہ سے جو تابعین میں سے تھے تعلیم پائی اور فقہ حدیث کو سیکھا پس اُس وقت میں ہر شہر کا ایک علیحدہ امام اور ہر مقام کا ایک خاص عالم اور فقیہ تھا۔ جو لوگ اُس کی باتوں کو مانتے یا اُس کے فتوؤں پر عمل کرتے یا اُس کی سند سے احادیث کو روایت کرتے وہ اُس کی طرف منسوب ہوتے اور اُس عالم کے مذہب پر چلنے والے کہلاتے۔

تابعین کے وقت تک مذہب سے صرف لغوی معنی مراد لیے جاتے تھے : اصطلاحی معنی جو آج کل لوگوں کے ذہنوں میں اُس کی تخصیص بھی کسی خاص فرقے اور گروہ پر پڑتی بلکہ شخص پر موافق اُس کی رائے اور طریقہ کے اس لفظ کا اطلاق ہوتا تھا چنانچہ مذہب فلاں کہنا سچا ہے قول یا عمل کذا کے بولا جاتا اور جو عالم نامی گرامی ہوتا وہ فقیہ اور امام کہلایا جاتا ہاں اعتبار اُس وقت میں مذہب بھی بہت سے تھے اور امام صاحب مذہب بھی بہت سے اُس وقت کے مذہبوں اور اماموں کا حال جینیہ اپنے زمانہ کے مولویوں اور اُن کے عقائد اور اعمال کے حال پر قیاس کرنا چاہیے کہ جو جس شہر میں شہر مولوی ہے اُسی سے ملک ہفتا کرتے ہیں اُسی سے علم سیکھتے ہیں اُس کی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور اُسی کے فتوؤں پر چلتے ہیں اور جس طرح آپ بکل ایک ملک کے لوگ ایک ہی شہر کے مولوی یا ایک ہی عالم کے پابند نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے شہر کے مولویوں کی راہ پر چلتے ہیں اسی طرح پائس زمانہ میں تمام عرب و عجم کے لوگ کسی ایک یا چند عجمی فقیہوں کے پابند نہ تھے بلکہ ہر شہر کے آدمی اپنے اپنے

فقہاء و مفتی اور محدث کے قول پر عمل کرتے اور اُس سے فتوے لیتے اور علم سیکھ سکتے تھے  
 جس طرح پہلے کل لکھنؤ کے مولوی امام ہیں اور دہلی کے علیحدہ اور جو پور کے جدی  
 اسی طرح اُس وقت بھی گد اور مدینہ اور بصرہ اور کوفہ کے فقیہوں کی صورت تھی چنانچہ  
 پہلے انیس ہجریہ منورہ کے فقیہ اور صاحب مذہب سعید بن مسیب اور سالم بن عبد اللہ  
 اور عروہ بن عبد اللہ کے زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمن ہوئے  
 اور مکہ میں عطاء بن ابی رباح اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی اور بصرہ میں حسن بصری اور  
 سین میں طاؤس بن کيسان اور شام میں مکحول امام اور مجتہد تھے۔ یہ صورت دوسری صدی  
 کے اوسط تک یعنی ستر سالہ جبری تک قائم رہی اور لوگوں نے مسائل شریعت میں کسی شخص  
 حدیث کی کامل یا بندی کی مگر بعد اُس کے وہ نہ شروع ہو اس میں ان مذہب اربعہ کی  
 بنیاد پڑی اور جس سے مذہب کے وہ اصطلاحی معنی قرار پائے جسے مولانا شاہ عبد العزیز  
 صاحب نے اپنی بعض تلخیصات میں لکھا ہے کہ مذہب نام راہیت کہ بعض امتیاز  
 و تفریق شریعت کشادہ شود و عقل خود چند قاعدہ قرار دہد کہ موافق آن قواعد  
 استنباط مسائل شرعیہ از ماخذ آن نماید \*

مذہب اربعہ کی بنیاد پڑنے کا زمانہ اور اُس کے

رایج ہونے کا سبب

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم و تعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین  
 کی تھی لیکن اُس وقت میں سبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جبرائے اور فساد  
 ملکہ اور عاجل ہو جانے خلفاء و وقت کے اور شایع ہونے تفسیحات اور فقرائے اوراق ہونے  
 اختلاف کے خاتمے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول و قواعد کے منضبط  
 کرنے اور ارکان اور اداب عبادات کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے  
 قاعدے ترتیب دینے پر اذغاب کیا اور اُس وقت کے نیک اور پاک لوگوں کی حدیث

فقہ کی تدوین کا شوق دیا چنانچہ دوسری جہمی کے اوسط سے جس شہر میں چنانہی فقہ کا عالم تھا اُس میں بعض نے حدیث کی تالیف پر اور فقہ کی تدوین پر مکر باندھی اور مسائل کا جمع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مکہ میں ابن جریر اور ابن قیینہ نے اور مدینہ میں امام مالک اور محمد بن عبد الرحمن ابن ابی ذہب نے اور کوفہ میں ثوری نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے اول قول حدیث میں تالیف اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے غیر نے فقہ کی تدوین شروع کی۔ سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی اس لیے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو علمائے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد دی تھی اور وہ نہ ہر دور میں بھی کامل تھے پس انھوں نے اپنے شہر کے امام و فقہ اور اہل بیت کی احادیث اور اقوال و روایات پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کی اور انہیں کے اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا چنانچہ ابو یوسف کی اس شخص پر ظاہر ہے جس نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار اور جامع عبد الرزاق اور صنف ابی بکر ابن شیبہ کو دیکھا ہے اور پھر ابو یوسف غنی کے اقوال کو امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ملایا ہے۔

غرض کہ جب امام ابو حنیفہ نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے ان کی طرف غیبت کی اور ان کے اصول و فروع کو پسند کر کے اُسے سیکھا اور فقہائے کوفہ نے ان کے اجتہاد کو قبول اور ان کے استخراجی مسائل پر عمل کیا اور جب قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما سے دوشاگردان کے ہو گئے تب پہلے شاگرد کی عملت اقتضا کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم اور تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے عراق اور خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گیا۔

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ اور مدینہ اور یزید اور اُس کے خلفاء و توت سے بھی بخوبی واقف تھے چنانچہ انھوں نے نہایت عمدتہ صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام موطا ہے۔ اُس کی قبولیت اعلیٰ وجہ پر پہنچی اور ہر دور میں اُس وقت کے اُس کی سند امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اہل علم کی اس کتاب کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ پس جہاں جہاں ان کے

صحابہ شاگرد پہنچے اور ان کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا ان کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا پھر تو ان کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے مذہب کے اصول اور دلائل کو ترتیب دیا اور ان کی کتاب کے خلاصے کیے اور ان کے کلام اور فتوؤں کی شرح کی یہاں تک کہ اثر ان کا بھی ایک جلد مذہب قرار پایا اور نواح مغرب کی طرف جہاں ان کے تلامذہ زیادہ پہنچے ممالکی مذہب پھیل گیا۔

ان دونوں مذہبوں کی بنیاد پڑ چکی تھی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے انہوں نے دونوں مذہب کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور ان کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے ان باتوں کو جو ان مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طرز سے اصول اور قواعد کو ترتیب دیا۔

امام شافعی نے سب اول ایک کتاب اصول کی تالیف کی اور اسیں احادیث مختلف کے جمع کرنے کے قاعدے ترتیب کیے اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرتے کا بغیر پائے جانے اسکی شرائط کے التزام ترک کیا چنانچہ جو کچھ انہوں نے حنفی اور مالکی مذہب کے اختلاف کیا اکثر ان باتوں میں تھا۔

اول۔ احادیث مرسل اور منقطع پر استناد نہ کرنا۔ امام شافعی نے حنفی اور مالکی مذہبوں کو بعض احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرتے ہوئے دیکھ کر یہ اصول قائم کیا کہ ایسی احادیث پر جب تک کسی شریعی یا فرائضی نہ جادیں سند نہ کی جائے اس لیے کہ طرق حدیث کے جمع کرنے سے منجملی غاہر ہو کہ بعض احادیث مرسل محض بے اصل ہیں اور بعض سند کے مخالف ہیں۔

دوسرے۔ احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے اصول قائم کرنا۔ امام شافعی سے پہلے احادیث کی وہ کثرت نہ تھی جو ان کے زمانہ میں ہوئی اس لیے کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے ہی شہر کے عالموں اور اماموں کے احادیث کو اخذ کرتے اور اسی کو روایت کرتے مگر جب بر علم کی تدوین شروع ہوئی اور لوگوں نے ایک شہر کے دوسرے شہر میں جا کر احادیث کو سیکھا اور متفرق متفرق لوگوں کو جو کچھ حدیثیں یاد تھیں ان سے مستثنیٰ احادیث کی کثرت ہو گئی اور پھر ان میں اختلاف بھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ اس اختلاف کے رفع کرنے اور احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے سے متفرک کیے جادیں چنانچہ سید سے

امام شافعیؒ نے ایک اصول کی کتاب لکھ لی۔  
 تیسرے۔ احادیث صحیحہ کے ترک کرنے سے پرہیز کرنا۔ پچھلے لوگوں نے جن جن لوگوں  
 سے فتوہ کو حاصل کیا اور جن کے اقوال پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کی ان کو اس وقت تک  
 بعض احادیث صحیحہ نہیں پہنچیں اور ان کو سبب نہ معلوم ہوئے ان احادیث کے جس  
 مسئلہ پر تصریح نکلتے تھے قیاس سے کام لینا پڑا۔ پس جبکہ امام شافعیؒ نے دیکھا کہ سنن  
 احادیث صحیحہ پر عمل کرنا پچھلے مذہبوں میں مجبوری رہ گیا ہے تو امام شافعیؒ نے اس  
 کو صاف بیان کیا کہ وقت مل جانے حدیث صحیحہ کے قیاس کو چھوڑ دینا اور حدیث صحیحہ  
 پر عمل کرنا ضرور ہے۔ اور انہوں نے ثابت کیا کہ یہی طریقہ صحابہ و تابعین کا تھا کہ کسے ہمیشہ  
 احادیث کی متحرک کرتے جب کوئی حدیث نہ ملتی تب استدلال و قیاس سے کام لیتے  
 اور اگر پہچنے ان کو حدیث پہنچ جاتی تو اسی وقت قیاس کو چھوڑ دیتے اور عمل بالحدیث  
 کرنے لگتے۔

اس بات سے کہ امام ابو حنیفہؒ یا امام مالکؒ وغیرہ کو سب احادیث پر اطلاع نہیں ہوئی  
 حقیقت ان کی باکی اور بزرگی اور علم میں کچھ الزام نہیں آتا اس لیے کہ اس وقت تک  
 مادہ احادیث کا نہ تھا جو پیچھے کر کے امام شافعیؒ کو ملا اور اس کا عذر علماء متعین ضعیفین  
 خود کیا ہے چنانچہ امام شعراوی لکھتے ہیں کہ ان عذر ابی حنیفہؒ فی کثرة اللقیات  
 عدم بلوغ الاما حادیث الصحیحة الیہ فی زمانہ۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ کا عذر کثرت  
 قیاس میں یہ ہے کہ احادیث صحیحہ ان کو ان کے وقت میں نہ پہنچیں تھیں۔ اور  
 علامہ احمد بن عبد السلام اپنی کتاب رفع الملام عن الأئمة الاعلام میں لکھتے ہیں کہ بہت سی  
 حدیثیں ایسی ہیں جو کہ خود خلفاء و اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نہیں پہنچیں اور علاوہ ان کے  
 اور اصحاب ان سے واقف نہ ہوئے پس اگر بعد ان کے کسی امام کو احادیث صحیحہ پر اطلاع  
 نہیں ہوئی تو کچھ جائے تعجب نہیں اور اس ضمن میں کو نکھر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ  
 فمن اعتقد ان کل حدیث صحیحہ قد بلغ کل واحد من الأئمة او اماما  
 معینا فهو محض خطأ فاحشاً قبیحاً۔ یعنی جس نے یہ اعتقاد کیا کہ ساری صحیح حدیثیں  
 ہر ایک امام کو پہنچ گئیں یا کوئی خاص امام ان سب سے مطلع ہو تو ایسا اعتقاد کرنے والا  
 کھلی ہوئی نہایت قبیح خطا پر ہے اور یہ بھی وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ کوئی مذہب

احادیث نبوی پر ایمان نہیں ہو سکتی تھی جبکہ احادیث کی تدوین ہو چکی تھی تو یہ بھی ہی غلطی ہے کہ ان حدیث الدواوین المشہودۃ فی السنن انما جمعت بعد انقراض الالہامۃ المتبوعین اس لئے کہ یہ کتابیں شہور بعد گزرنے ان اماموں کے مدون ہوئی ہیں جنکی لوگ تقلید کرتے ہیں اور یہ کہہ دینا متقدمین کا کہ ہر مسئلہ میں بارے امام کے پاس ایک مہلک تھی اور ایک خاص دلیل وان لم نعرفہ ولفقدہ یعنی گو ہم اسکو نہیں جانتے حقیقت میں ایسا جواب ہے جس کو منقطع محض اور جہالت قبیح کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے اور مقدمہ منہج کے باب تبری الامۃ من قولہما اذا خالف الشریعۃ میں امام شافعی نے صاف لکھ دیا ہے کہ لو عاش ابو حنیفۃ الی تصحیح الاحادیث لترك القیاس یعنی اگر امام ابو حنیفہ اتنی زندگی پائے کہ تصحیح حدیث کر سکتے تو ضرور قیاس کو چھوڑ دیتے۔

عزیزناک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسائل میں قیاس کو چھوڑا جن میں بہت بڑے حدیث کے اگلے اماموں نے اجتہاد کیا تھا اور صرف حدیث پر عمل کیا۔  
**چوتھے** اقوال صحابہ پر بوجہ مخالفت حدیث کے استدلال نہ کرنا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں صحابہ کے اقوال بھی لوگوں نے جمع کر لئے تھے اور وہ باہم مختلف تھے اور بعض بعض احادیث صحیح کے مخالف تھے اس لیے امام شافعی ان کے اقوال پر بعد پانے حدیث صحیح کے استدلال کرنے کو ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہم رجال وخن رجال کہ وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔ ان سے غلطی ہو سکتی تھی پس بعد پانے حدیث کے ان کے اجتہاد پر عمل کرنا ضرور نہیں بلکہ اس کا ترک کرنا اور حدیث پر عمل کرنا ضرور اور لازم ہے۔ مکافال شامخ سفر السعاده ابو حنیفہ و تقلید صحابی را در انچه صحابی باختیار خود گوید واجب ماند و شافعی گوید ہم رجال وخن رجال ما وایشاں در اجتہاد برابریم و ہمہ مجتہد انیم مجتہد را تقلید مجتہد دیگر نرسد +

**پانچویں**۔ رائے اور قیاس میں تمیز نہ کرنا۔ امام شافعی کے وقت میں کثیر لوگ ایسے تھے جو اجتہاد میں رائے کو دخل دیتے اور اسی کو وہ قیاس سمجھتے جو شرعاً جائز ہے لاکہ قیاس جو شرعاً جائز ہے اور جو صحابہ و تابعین میں جاری تھا وہ صرف یہ ہے کہ کسی

حکم منصوص سے اُسکی علت نکالنا اور جس میں وہ علت پائی جاوے اُسپر اُسی حکم کو قائم کرنا مثلاً خدا کی کتاب میں شراب کی حرمت مذکور ہے کسی اور سکرانہ کی تو حرمت شراب کی حکم منصوص ہے اور سکرانہ کی حرمت کی علت ہے پس جس چیز میں علت پائی جاوے یعنی سکرانہ حرمت کا حکم قائم کرنا اور اُسکی علت حرمت و علت کی علل کو کسی ترشی بیوی بات کو اصول میں قائم کرنا اور اُسکی علت حرمت و علت کی علل مثلاً منطہ حج یا مصامت عام کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا۔ پس یہ قیاس کو جو حقیقت سے لے کر امام شافعی نے ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ من استحسن فانہ اراد ان لیکن شارعاً کہ جو قیاس استحسان کو شریعت میں داخل دیتا ہے وہ دراصل اپنے آپ کو صاحب شریعت بنایا پاتا ہے۔

نہ صرف چند کھلی ہوئی اور صاف باتیں جس سے امام شافعی نے اپنے پچھلے اثر سے منکف کیا اور سچ کے ذریعے اور واسطے چھوڑ کر اصل مانڈ سے فقہ کو کیا اور کتاب سنت ہی پر مدار اپنے مذہب کا رکھا اور کسی خاص شہر کے عالم یا کسی مہن قوم کے فقہ کے اقوال اصول پر اپنے اجتہاد کی بنا قائم کی اور حقیقت میں یہ طریقہ ان کا نہایت ہی اچھا تھا لوگوں کو حد سے زیادہ پسند ہوا اور بڑے بڑے فقہاء اور محدثین نے ان کے مذہب کی تعریف کی عربی پر اقرار کیا اور اُسکو اختیار فرمایا اور اس طور سے بعد چند سے مذہب شافعی رائج ہوا۔

جو کیفیت حنفی اور مالکی اور شافعی مذہب کی بنیاد کی ہوئی قریب قریب اسی کے امام احمد بن حنبل کے مذہب کی بنیاد پڑنے کی ہے۔

اس سلسلہ مختصر بیان سے سمجھنے والے کو نہ صرف یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ بنیاد ان چاروں مذہب کی کب اور کیونکر پڑی بلکہ یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ کسی نے منجملہ ان چاروں امام کے اپنے مذہب کو لوگوں کی تقلید کے لیے نہیں بنایا اور اپنے آپ کو صاحب مذہب کہلانے کے لیے اجتہاد اور استنباط نہیں کیا بلکہ انہوں نے صرف اپنی بات کے لیے اجتہاد کیا اور اپنے دین کے شوق میں فقہ کو تدوین کیا کسی نے

اُن میں سے نہایت نہیں کی کہ ہم مقتدا بنیں اور ہم کوئی خاص مذہب بکھڑا کریں اور  
لوگوں کو اُس پر غلبہ کر کے کچھ شہرت یا عزت حاصل کریں۔ اُن بزرگوں کی نیت یہی  
کہ وہ توں سے بالکل پاک اور اُن کے لے لے ایسے خطرات سے بالکل صاف تھے اُن کو سوائے  
اپنے ذاتی فائدہ کے کوئی دوسری غرض نہ تھی اسی لئے اپنی تقلید سے منع کرتے تھے  
اور جب کوئی خلیفہ اور بادشاہ اُن کی تالیفات کو لوگوں کے عمل کرنے کے لئے شہر  
کرنا چاہتا وہ منع کر دیتے چنانچہ لوح الانوار القدس میں لکھا ہے کہ واعلم ان ما  
علمہ المجتہدون من الکتاب والسنة انما کان لافسہمہم لا الخلق ای کا  
لان کل مجتہد یوجب تقلید ففسد علی کل فرد من افراد العالم من الائمة من مبعی  
عن تقلید نفسہ و امر بتحصیل رتبة النظر:

پس وہ اثر جو اُن بزرگوں کی نیک طبیعت اور پاک طینت کا ہمارے دلوں پہ ہوتا ہے وہ  
یہی ہے کہ وہ خود متبوع اور صاحب شریعت بننے کا قصد نہ رکھتے تھے اور اپنے اجتہاد اور  
استنباط کو سوائے جہان کے لوگوں سے قبول کرانے کا شوق نہ رکھتے تھے بلکہ جہاں تک  
اُن کے اپنی ذات کی بھلائی اور لوگوں کے نفع کے واسطے ہو سکتا تھا وہ احادیث  
نبوی یا اقوال فقہاء سے مسائل کو استخراج کرتے اور لوگوں کی ضرورت اور حاجت کو رفع  
کرتے اور صاف صاف کہہ دیا کرتے کہ اگر کوئی مسئلہ اور کوئی جزئیہ ہمارا حدیث کے خلاف  
پاؤ یا کسی قیاس اور رائے کو ہمارے کتاب سنت کے برخلاف دیکھو اُسے ہرگز نہ مانو  
اور اس پر عمل کرنے کو حرام سمجھو۔

مگر خدا نے اپنے قانون قدرت میں یہ قاعدہ رکھ دیا ہے کہ ہر شے آہستہ آہستہ شروع  
ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی بڑھتی ہے جب تک ترقی پورے درجہ پر اور اپنی معین  
پر پہنچ جاتی ہے تب تک ترقی مرکب جاتی ہے اور ٹھٹھنے لگتی ہے اور پھر درجہ بدرجہ اُمیں  
خرابی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر سوائے غفلت کے کچھ حقیقت اُس شے کی باقی  
نہیں جیتی اور مجرم کے کوئی عیبی اُس میں پائی نہیں جاتی پس اسی قاعدہ کا اثر  
اُن پر ہوا کہ اول تو آہستہ آہستہ ائمہ دین نے فقہ اور حدیث کو جمع کیا اور اجتہاد  
اور استخراج کو درجہ بدرجہ کمال پہ پہنچایا اور اپنی فیتوں کو پاک اور اپنے ارادوں کو نیک  
لکھا اور پھر آخر لوگوں نے تحقیق اور تشخیص کو چھوڑ دیا اور جس امر کا دعویٰ اُن ماموں



خود نہیں کیا اسے ان کی طرف منسوب کیا اور ان کو مثل صاحب الشریعت کے صاحب مہب  
 بنادیا اور ان کو معصوم اور محفوظ عن الخطا سمجھ کر ان کی باتوں کے سامنے اہل صاحب الہی  
 کے قولوں پر تسک کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ آخر اپنے آپ کو پیغمبر سے نسبت کرنا بھی  
 زمانہ سے اٹھ گیا اور بجائے محمدی اور احمدی کے حنفی اور شافعی کچھ بزرگ مذہب کا عالم  
 آگیا اور پھر جیسا زمانہ گزر گیا اور دین میں تبدل ہوا گیا اتنی ہی یہ عربی بڑھتی اور  
 دین مذہب کی حقیقت چھٹی گئی یہاں تک کہ اب جس زمانہ میں کچھ خدا نے پیدا  
 کیا ہے اور جس میں شادناشا زندگی کے دن کاٹتے ہیں کسی امام کے مذہب کو  
 ترک کرنا یا کسی اس کے قول کو نہ ماننا اسلام سے پھرنا اور نبی کے کلام کا انکار کرنا  
 سمجھا جاتا ہے اور تحقیق کا نام لینے والا اور کتاب و سنت پر عمل کرنا الابدعتی اور متقی  
 اور دشمن اسلام کا تصور کیا جاتا ہے ۔  
 جو کہ ہم اجتہاد کی ترقی کے زمانہ کو بیان کر چکے اور مذاہب ربو کی بنیاد پڑنے کے لئے  
 اور سب کو بھی کچھ چکے اس لئے اب ہم اس کے منزل کے زمانہ کو اور اس کے مجو  
 کو لکھتے ہیں۔

چارون مہب کی پابندی کا بل طرح سے جاری ہونے

اور اجتہاد ترک کرنے کے زمانہ اور سبب کا بیان

تواریخ اور کتابوں کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ تعدید کی  
 بنیاد دوسری صدی کے اوسط سے شروع ہوئی لیکن تیسری صدی تک پوری  
 پورعی عربی نہ ہوئی اور چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک معین مذہب پر کامل تقلید لوگوں  
 نے اختیار نہ کی چنانچہ ابوطالب کی لئے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی سے  
 پہلے مذاہب ربو کی تقلید کا کامل طرح سے رواج نہ تھا اور حنفی شافعی کہلائے جانے  
 بہت زور شور نہ تھا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر لوگ مسائل شرعی کس طرح تحصیل کرتے تھے  
 اور فقہ کو کس طرح سیکھتے اور اسپر کنیز کر عمل کرتے تھے اس لئے ہم اس کا جواب یہ ہے

وقت تک جو لوگ تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے یا ذی علم تھے یا جاہل پس  
 لوگ جاہل تھے وہ اپنے گھر میں روزہ نماز وغیرہ عبادت کے سلسلے سے لپکتے اور انہیں عمل  
 کرتے۔ اگر ضرورت کسی مسئلہ کے پوچھنے یا فتویٰ کے لینے کی ہوتی تو جس عالم کو وہ افضل  
 اور بہتر جانتے اُس سے پوچھ لیتے اور اُسکی بات پر عمل کرتے بلحاظ اس کے کہ وہ عالم  
 کسکی ہوتا یا شافعی یا مجتہد۔ اور جو لوگ خود ذی علم تھے اُن کی دو صورتیں تھیں بعض  
 اہل حدیث تھے بعض صاحب ہتھاد۔ جو اہل حدیث تھے اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ  
 کتاب لکھی اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ پر عمل کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ضرورت  
 ہوتی تو کسی فقیہ کے کلام پر رجوع کرتے خواہ وہ فقیہ مدنی ہو یا مالکی۔ کوئی ہوتا یا  
 اہل حدیث۔ اور جو صاحب ہتھاد تھے وہ اجتہاد اور تخریج کرتے اور اصول اور قواعد لکھتے  
 پیش نظر رکھ کر اُسی سے فوغات کا استنباط کرتے پس اگر وہ اصول پہلے کے کسی  
 امام یا اُس کے فرقہ کے ساتھ مخصوص ہوتے تو لوگ اُس مجتہد کو بھی اُسی امام  
 کا طرف منسوب کرتے اور اس مجتہد کو بھی اُن اصول کا پابند یا کرا شافعی یا سنی سمجھتے۔  
 یہ صورت تیسری صدی کے اخیر تک قائم رہی اُس وقت تک نہ علم اہل حدیث  
 پہ کوئی طعنہ کرتا نہ اجتہاد پر الزام دیتا۔ مگر جب جاہات کا زور ہوا اور اختلاف امت میں برکھیا  
 اور طبیعتوں سے تحقیق کا منہ جاتا رہا اور صاحب شریعت تک واسطے در واسطے ہو گئے  
 تب چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور دائیں بائیں چلنا شروع کیا  
 اور سلاطین کے سامنے مناظرہ اور مجادل میں اپنے ہمسروں پر غالب ہونے کا شوق پیدا  
 ہوا۔ علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ گردانا۔ اپنی ناموری اور عزت اور شہرت کے لیے اُن  
 مسائل کو جن میں نہایت نیک نیتی کے سبب سے باہم آئمہ اربعہ کے اختلاف ہوا تھا  
 نگاہِ بد بخت کا بنایا اور اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو نہ صرف اُس جہ سے کہ حقیقت میں  
 انہیں کو صحیح اور دوسرے کو غلط جانتے تھے بلکہ کتاب سنت کے مستند گردانے لگے اس  
 لحاظ سے کہ وہ خود اُس مذہب سے منسوب تھے اور اُس امام کے مقلد کہلائے جاتے  
 تھے۔ اُن اقوال کے ثبات کو اپنی غرارت علم کے اظہار کا سبب تصور کیا تاکہ لوگوں کو  
 یہ معلوم ہو کہ یہ ایسے ٹپے مولوی اور فقیہ ہیں کہ جن باتوں پر یہ عمل کرتے ہیں اور جو لوگوں کو  
 یہ واجب العمل جانتے ہیں سچی سچ اور درست ہیں اور اُن کے پاس بہت سی دلیلیں

اُسکے اثبات پر موجود ہیں اور اس سے اُن کے علم اور تفقہ کی شہرت ہو اور سب ایسے  
 لوگوں نے اپنی اپنی تقریر اور تقریر کے زور سے اور اپنی فصاحت اور بلاغت کے بھروسے  
 پر ایک چیز کا التزام کر لیا اور اپنے ہمعصروں اُن باتوں میں مباحثہ اور مناظرہ شروع کر دیا  
 اور بڑے بادشاہوں اور امیروں کی مجلسوں میں اُس کی بحثیں ہونے لگیں تو مصنف نے  
 اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور غور کرنے اُن کے دلوں سے نیک نیتی اور صفا و لطیف  
 کو نکال لیا اپنے دل میں اپنے قول اور اپنے عقیدہ کی مناجات پر قایل ہو جتے مگر زبان  
 اقرار نہ کرتے اور اُس سے چہرے کو اپنی شک سمجھتے اور جان بوجھ کر کتاب درست کو  
 جھجھک کر اپنی بات پر قائم رہتے اور بوج دیلوں اور بیہودہ اور خرافات باتوں اور ضعیف  
 سندوں سے اُسی کے ثابت کرنے پر قائم رہتے۔ اور اسی کو استقلال اور صلابت فی الدین  
 اور وزارت علم سمجھ کر ابطال حق اور احقاق بطل کر کے بہ مقصائے آخرت النار علیٰ لہا  
 دنیا کی شرم کو عاقبت کی شرم پر اختیار کرتے چنانچہ اسی وقت میں ایک ایک عقیدہ پر  
 سو سو ورق کی کتابیں تالیف ہو گئیں اور ایک ایک فقہی مسئلہ پر ہزار ہزار صفحے سیاہ  
 ہو گئے۔ فقہ اور حکمت اور علم کی اصلی حقیقت تو جاتی رہی۔ اُس کے ناموں پر مدار  
 دین کا اُٹھایا اور مباحثات اور مناظرات کا نام استنباط و دقائق شرع رکھا گیا تا لیغات  
 اور تحریرات کی نہ کثرت ہوئی کہ ہر جاہل صاحب تالیف اور ہر عامی صاحب تصنیف  
 بن گیا اور ایک ایک دنیا طلب مولوی اپنے آپ کو عالم ربانی سمجھنے لگا فقہ کے مسئلوں  
 اور علم کلام کے فرضی عقیدوں کے اثبات کا نام اعلا کلمۃ اللہ ہو گیا یہاں تک کہ بہت  
 پہنچی کہ جو بڑا کہنے والا ہوتا اُسی کو لوگ بڑا مولوی سمجھتے جو سب زیادہ خوش گپ ہوتا  
 اُسی کو لوگ عمدہ واعلا جانتے۔ جو لڑنے جھگڑنے میں خوب مشتاق ہوتا وہی مستحق  
 کہلا یا جاتا۔ جو نہایت فضول و لغو ہوتا وہی جامع منقول سمجھا جاتا جیسا کہ نام غزالی  
 رحمۃ اللہ علیہ یاد میں فرماتے ہیں فصا رسی المجدال المتکلم عالمًا والعاقل الخرف  
 کلامہ بالعبارات المسجحة عالمًا کذا اضعف الدین فی قرون سالفۃ فکیف یظن  
 بزمانک هذا وقد انعمی کلام الی ان منظرہ لا انکار یہتد ف لسنۃ لالی  
 فالاولی ان یشغل الانسان بنفسه ویسکت مینی شخص جھگڑنے والا۔ بڑے  
 بات چیت کرنے والا ہوتا اُسی کو لوگ عالم جانتے اور جو بیہودہ فقہے کہنے والا اور خرافا

کئے والا ہوتا اُسی کو سب لوی سمجھتے۔ پس جب کچھ پچھلے ماموں میں میں ایسا ضعیف ہو گیا تو اب اس زمانہ کا حال کیا بیان کیا جاوے کہ اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ جہاں مولویوں اور عالموں کی باتوں کو نہ ماننے فہمی تیرا مست کا نشانہ ہوتا ہے اور جو حق بات زبان پر لاؤ وہی مجنوں اور دیوانہ ٹھہرتا ہے پس انسان سوائے اسکے کیا کرے کہ اپنا کام کرے اور چُپ چاپ رہے۔

نعرہ کہ اسی زمانہ میں تقلید کی جڑ مضبوط ہو گئی اور وہ چینی کی کسی حال تقلید کی جو لوگوں کے دلوں میں دوسری صدی سے شروع ہوئی تھی جو تھی صدی میں پوری ہو گئی اور سوائے چند علماء ربانی کے جبکہ دلوں میں کامل طرح سے اُس نے جگہ کر لی ہے۔ ہمارے اس بیان سے غور کرنے والے کو تقلید پر پورے طور پر عمل کرنے کا سبب تو بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے لیکن ہم اس امر کو کہ تقلید نے کتاب سنت پر استناد کرنے کا طرز پسندیدہ کیوں متروک کر دیا اور بجائے قال اللہ تم اور قال الرسول کے قال زید قال عمو کیوں پراٹھ کیا۔ چند لغتوں میں بیان کرتے ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جب علماء اور فقہاء باہم بحث کرنے لگے اور اپنی حق پروری اور نفسانیت کے سبب اوروں پر حق غلبہ پانے کے شایق ہوئے اور ایک دوسرے کو حد کی نظر سے دیکھنے لگے اور لوگ اُسی سے رجوع کرنے کے عادی ہو گئے جو کہ وقت مباحثہ کے غالب ہوتا اور اپنی طرف مقابل کو ہرا دیتا تو اُس وقت مباحثہ اور مناظرہ کی کثرت ہوئی اور سوائے شاذ و نادر ایک دو لوگوں کے ایک نے دوسرے کے کلام کی تردید شروع کی۔ یہاں تک کہ ایک عالم دوسرے کے فتوے کو روکرا اور ایک فقیہ دوسرے کی بات کو کاٹ دیتا اور چونکہ اسی کے لیے ضرورت کسی دلیل برہان کی ہوتی پس فقہ اور دین میں سوائے نقل کے صرف عقلی دلیل کافی نہ تھی اور بغیر کسی سند اور قول کے بات نہ بنتی تھی۔ پس لایل و برہان کی جستجو کرنی پڑی اور اپنی اپنی پسند نے کی حاجت ہوئی۔ جب ان لوگوں نے کتاب و سنت پر توجہ کی تو کوئی دلیل ایسی کہ جو صرف اُن کی بات کو ثابت اور دوسرے کے قول کو رد کرے نکلی تو اپنے اپنے ہندوؤں اور فقیہوں اور شیوخ کے قولوں ہی کو سند لانا شروع کیا اور صرف اپنے اپنے فرقہ کے تافنی می عالموں کے اقوال و احوال کو محبت گردانا۔ پس جب کسی ایک فریق نے کتاب سنت کو چھوڑ کر غیر محصوم کے کلام یا عقل کو دلیل میں پیش کیا تو دوسرے

فریق نے بھی ہر دُراڑا اور مضمون الکلیل بالکل اور گھماتدین و قتلان کا  
 ادا کیا اُس نے بھی اپنے قول کی سند میں عالموں و موبوں کی باتوں ہی کو پیش کیا۔  
 پس اس طرز جدید کے شروع ہونے ہی کی دیر تھی کہ مثل تیز بارت کے جس میں آتش  
 لگنے ہی کی دیر جوتی ہے نہ اُٹنے اور اُڑانے کی اُس کا اثر ساری طبیعتوں پر ہو گیا  
 اور تھوڑے ہی عرصہ میں از شرق تا غرب یہ طریقہ جاری ہو گیا۔ اس میں نہ سب کے  
 خرابے بدنام کرنے والے طریقہ کا صرف یہی بدلہ نہیں ہوا کہ لوگوں نے علماء و فقہاء کو  
 اقوال کو مستند گردانا بلکہ چند ہی روز میں اُس کا یہ بڑا نتیجہ ظاہر ہوا کہ لوگوں نے اگلے علماء  
 و فقہاء پر تہمت کرنا شروع کیا اور جو بات اُنھوں نے اپنی زبان سے نہیں نکالی اور جو چیز  
 اُن کے دل میں بھی نہیں تھی اُس کو اُن کی طرف منسوب کر دیا اور اپنی بات قائم رکھنے اور حریف  
 پر حیا ساری اور غریب سے غالب ہونے پر اقوالِ باطلہ اور سناو کا ذریعہ کا نفع کرنا شروع کیا۔  
 چنانچہ ایک مجلس میں امام احمد حنبلؒ گئے وہاں کھیا کہ ایک شخص بے قیاد اسرار ایک امر کو  
 اُن کی طرف منسوب کر رہا ہے اور عن فلان عن فلان کہہ کر خاتمہ اُس کا اُن تک کر رہا ہے  
 وہ پرسن کر غرق حیرت جوئے اور خاموش رہ گئے۔ آخر اُن سے نہ رانگیا اور اُس شخص  
 کہہ کر میں احمد حنبل ہوں میں نے یہ بات نہیں کہی۔ اُس حیار کی چال کی قابلِ توبہ کے ہے  
 کہ گستاخی تبت اپنی بات قائم رکھنے اور مجھ کو چھپانے کے لیے کہا کہ تم بُرے احمق ہو۔  
 کیا تم ہی اکیلے احمد حنبل ہو دوسرا ابنِ نام کا نہیں ہے۔ وہ احمد حنبل جس سے میں روایت  
 کرتا ہوں دوسرے ہیں۔

پس جس طرح سے اُس زمانہ میں جبکہ حدیث پر لوگوں کی نہایت تہجد اور اُرسی کی سند اور  
 دلیل لائی جاتی تھی بدیہیوں اور غیبتِ طبیعتوں نے جمہوری حدیثیں بنالیں غیور  
 احادیث کو صاحبِ شریعت کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح سے اس زمانہ میں جب علماء اور  
 فقہاء کے اقوال سندِ شریعت میں لگے اُن عالموں و فقیہوں کی طرف جمہوری یا بدیہی  
 کو منسوب کیا اور تاکہ اُس قول کی وقعت اور عزت نہ برباد ہو بقید اسرار اُس کا سنا  
 عن فلان عن فلان کہہ کر صاحبِ قول تک پہنچا دیا مگر احادیثِ وضعی کو اس سبب سے  
 احادیثِ حقیقت میں قابلِ سناو کے ہیں اور مدارِ شریعت کا اُن پر ہے چھپے محققین  
 اصلی حدیثوں سے علیحدہ کر دیں اور مضمرات کے سارے کھسک کر اُن کی غلطی اور غرور

بیان کر کے قویٰ کو ضعیف سے اور مضعف کو صحیح سے جدا کر دیا مگر علما اور فقہاء کے اقوال  
موضوعہ کو ان کے اقوال صحیحہ سے جدا کرنے پر اس طرح کسی نے توجہ نہ کی اس لیے کہ  
ان پر بحث کرنا محض فضول تھا اس لیے کہ بالفرض اگر وہ کلام انہیں کا ہوتا تو وہ  
کسی پر بحث نہیں ہو سکتا تھا اور بہ سبب مسموم ہونے ان کے اس کی غلطی فقط  
خطہ کہیدنا ہی سکا اور نہ ماننا اس کا کافی تھا لیکن سوائے چند محققین کے یہی قول اور  
سند عوام کو بڑا نقصان پہنچا اور دین میں بڑا رخنہ پڑ گیا۔ لوگوں کی طبیعتیں ایسی  
اسناد اور ستناد کی ایسی عادی ہو گئیں کہ بغیر کسی مولوی کے قول کے اور بغیر کسی عالم کی سند  
کے کتاب سنت کی باتوں کا ماننا ہی جاتا رہا اور بجائے قال اللہ اور قال الرسول کے  
قال یہ و قال عمر و پر مدار دین مذہب کا آ گیا۔

اس غرابی نے اس سے زیادہ آؤر بھی ترقی پائی کہ جو لوگ حقیقت میں لائق اسناد تھے  
بلکہ جن کے اقوال اعمال لائق اجتہاد کے تھے وہ بھی قابل اسناد کے ٹھہر گئے اور  
اہل بدعت اور منافق اور جاہل صاحب سند ہو گئے۔ اور اگر کسی شہر یا کسی فرقہ یا کسی  
خاندان میں کوئی نامور ہو اور اس کو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آ گیا اور کچھ مالینا اور تصنیف  
کرنی سے اسکی عزت بھی بڑھ گئی تو اس شہر کے رہنے والوں اور اس فرقہ اور خاندان کے  
آدمیوں نے اپنے شہر اور اپنے خاندان کی عزت اسی میں جانی کہ اسی کی بات کو مانیں اور  
اسی کے کہنے پر چلیں۔ پس ان کے دلوں میں یہ بات ایسی جم گئی کہ اس کے قول سے  
پھر ناگوار خدا کے قول سے پھر ناگوار ہے اس لیے وہ اسی کی باتوں کے مقلد ہو گئے اور قدیم  
اس کے عقیدہ پر چلنے لگے اور اسی طرح سے جب اس کے مقلد اور تابع زیادہ ہو گئے اور وہ  
معتد اور متبع کسی فرقہ اور گروہ کا ہو گیا تو پس وہ صاحب لکتاب ٹھہرایا گیا۔ اگر اس سے  
کوئی مریع غلطی ہو جاتی یا اس سے کوئی فعل مخالف کتاب سنت کے ہو جاتا تو اس کے  
مقلدین و اصحاب اس کی توجہات کرتے اور اسکی اوایات کرتے یہاں تک کہ آخر کے  
حالات اور سید میں کتابیں لکھی جاتیں اور اس کے معجزے اور کرامتیں اور زہاد اور پیرنگاری  
کی حالتوں میں فترتے دفتر سیاہ کیے جاتے اور جو کچھ جھوٹے خرافات اُنہیں تھا اس کو  
اُن کے معتقدین و مقلدین خصوص قرآنی کی طرح واجب الادعا جانتے ہیں اور خدا کی کتاب  
رسول کے کلام کو جھوٹا کر اسی کو حرج جان بناتے اور ہر مسئلہ اور ہر عقیدہ کے لیے اپنی

لال کتاب کو دیکھتے پس بجائے اس کے کہ جو کچھ اُن کے حضرت نے فرمایا ہے اور جو کچھ اُن کے پیرو مرشد نے ارشاد کیا ہے یا جو کچھ اُن کے شیخ و بزرگ نے عمل کیا ہے اُسکو کتاب و سنت پر عرض کرتے اور خدا و رسول کی کتاب کو میا رحمت بناتے۔ اُن بخیلوں نے برعکس اس کے ساری شریعت اور تمام مذہب کو اپنے ہی پیرو مرشد کی ایما اور اپنے حضرت کے ملفوظات و مکتوبات پر عرض کرنا شروع کیا پس جو کچھ اُس کے مطابق پاتے اُس پر عمل کرتے و میا ہی عقیدہ رکھتے جبکہ اُس کے برخلاف دیکھتے اُسے چھوڑ دیتے اور کتاب سنت کے امتحان کے لئے اُسی کو کسوٹی بناتے پس یہی طاعت میں جو کوچہ دین کی خرابی ہو سکتی ہے وہ ہوئی اور جو کچھ شریعت میں اُن باتوں سے خلج پیدا ہو سکتا ہے ہوا۔ اُن سپردوش بیان تک دلوں پر اثر کیا کہ اس کے برخلاف کوئی کلمہ زبان پر لانا کھٹے کلمہ سے کم سمجھا جاتا اور اُن باتوں کا مشکو خارق اجماع اور بدعتی اور ناسحق ٹھہرا پس کیا زمانہ نے انقلاب پایا کہ کتاب سنت کو لوگوں میں نسبت دال یا اور اپنے اپنے بزرگوں کے صحیفوں کو سامنے کر لیا اور پھر جس نے کتاب سنت کا نام لیا اور اُس پر طے کا قصد کیا وہ فعل اُس کا بدعت ٹھہرا اور جس نے اُن صحیفوں کو واجب العمل جانا اور اُس پر عمل کیا وہ فعل اُس کا سنت قرار پایا۔ فاصبح کل واحد منہم بياجل حظه مشغوفاً فصار یری المعروف منکر والمکر معر دفا اس خرابی کا باعث ایک بہت ہی بڑا غلط خیال ہوا جس کو شیطان لوگوں کے دلوں میں ڈالا اور جس کو تقلیدین نے قفل و ایمان کی مدد سے نہ نکالا یعنی وہ لوگ جن کی باتوں پر لوگوں نے عمل کیا نیکیا و پاک تھے اور علم اور فقہ میں کامل تھے پس اُن کے تقلیدین کے دل میں یہ خیال سما یا کہ جس جیسے نیکی اور پاک اور امان اور عالم ایسا کہہ گئے ہیں اور ایسا کرتے رہے ہیں تو ہم کہ نہ اُن کچھ نیکی ہیں و میا علم رکھتے ہیں کیونکہ اُس کے برخلاف چل سکتے ہیں حالانکہ وہ یہ سمجھے کہ وہ گونیا تو پاک تھے مگر معصوم نہ تھے۔ اور گو وہ عالم اور فقیہ تھے مگر علم لدنی کے عالم نہ تھے۔ جبریل اُن پر نازل نہیں ہوتے تھے۔ خدا بے واسطہ اُن پر وحی نہ فرماتا تھا۔ اُن کی آخرانی سمجھ جو بھہری سے کام لیتے تھے اور اپنی قدرت اور طاقت ہی کے موافق ملحق کہ جلتے تھے۔ اُن سے غلطیوں کا ہونا نہ صرف ممکن تھا بلکہ یقینی اُن سے خطا ہونے کا نہ احتمال ہی تھا بلکہ ضروری تو پھر راہ جو یہی طاعت کے اُن کی سی باتوں کو ماننا اور





بھائیوں کی سوس میں سے کسی سہم کا چھوڑنا بھی مشکل نہیں۔ دوسری باتیں جو امام غزالیؒ اور بڑے متعقین کہ گئے ہیں اگر ہم انہیں کو نقل کریں تو ابھی کافی ہوتے ہیں اور ساری برابری سے نکلے جاتے ہیں۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ دین کی بنائیں خیر پر تھیں اور کس چیز پر لگتی اور مذہب کی حقیقت کیا تھی اور اب اسکی کیا ضرورت ہو گئی۔ جب ہم کسی دوسرے دین پر افسوس کرتے ہیں تو ہمارا سب سے زیادہ افسوس اسی بات پر ہوتا ہے کہ اس دین کے لوگ اپنے اپنے بانی مذہب کی بات پر عمل نہیں کرتے اور اپنی اصلی کتاب کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنی بیچ کی بنائی ہوئی کتابوں پر چلتے ہیں تو کیسے افسوس کی بات ہے کہ جب وہی غزالیؒ میں بھی موجود ہو اور وہی نقص ہمارے دین میں بھی پڑ گیا ہو پس اگر ہم اپنے عیب کو نہ دیکھیں اور اپنے دین مذہب کو اس نقص سے پاک صاف نہ کریں تو ہمارا دوسروں پر طعنہ کرنا اور غیر حریفوں کو برا کہنا عقل اور انصاف کے خلاف ہے۔

اس زمانہ میں جب ہماری زبان سے کوئی بات خلاف کسی مشہور عالم یا نامی محدث کے نکلے تو ہم بلاست کے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور ہمارا نام منکر علماء اور دشمن فقہاء و مشاہیر ہوتا ہے۔ کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ ایک دو عالم کی مخالفت کا کیا ذکر ہے اگر سارے عالم کے علماء سے مخالفت ہو لیکن ہمارا قول یا فعل کتاب سنت کے موافق ہو تو ہم اس ثواب کے مستحق ہیں جو کہ کتاب سنت پر عمل کرنے والے کو ہو سکتا ہے۔ پس ہمکو ہمیشہ خدا اور رسول کی مخالفت کا خیال رکھنا لازم ہے نہ علماء و فقہاء کی مخالفت کا اور خدا کو قیامت کے دن اسی کی مخالفت کا جواب دینا پڑے گا نہ زید و عمرو کی مخالفت کا۔

ہاں یہ تہمات ہو سکتا ہے کہ سارے علماء اور اعلیٰ فقہاء اُمت کا کسی ایسے امر پر اجماع کرنا بچل مخالفت کتاب سنت کے ہو غیر ممکن یا معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا وہ صرف فرضی صورت ہے لیکن ہم ایک بات بھی یہ بیان پر نہ لادیں گے جس کی مخالفت کل علماء اور فقہاء سے ثابت ہو بلکہ دوسری بات کہیں جس کی مسند اور محققین کے قولوں سے ہوتی ہو مگر اس اصول کا ہمارے پاس کچھ جواب نہیں ہے جسکو فقہانے راجع اور مرجع سے تعبیر کیا ہے یعنی جس کو بہت سے مولویوں نے مانا وہ قول تو واجب التعلیل ہے اور جسکو چندہ محققین نے مانا وہ واجب الترتک ہے گو کہ یہی محمد و اچھا ہو چنانچہ اس امر کو ہم ایک علیحدہ بحث میں بیان کریں گے۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی امر کا دینی ہو یا دنیوی رسماً کامل طور پر رواج ہو جاتا ہے اور سب یا اکثر آدمی پابند اُس کے ہو جاتے ہیں تو وہ حقیقت اُس سے مخالفت کرنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اور اُس کی تردید پر گودہ امر نہایت ہی صیحیح اور مست ہو شخص آباد ہو جاتا ہے اور اُس مخالفت کی دلائل کو گودہ کیسی ہی چچی اور اچھی ہوں اچیت ضعیف سندوں سے ہر تنفس باطل کرنے پر مستعد ہوتا ہے۔

مثلاً ہم اگر تقلید کے التزام کو بُرا بتلاویں تو اول یہی اعتراض ہو گا کہ خلاف رواج ہے جب اس قول کو بھی ہم رو کر دیں اور بڑے بڑے مسوینوں اور محققوں اور اماموں کی سند لایں تو یہ جواب ہو گا کہ فلاں بزرگ تو صوفی تھے اُن کی باتوں کو کون سمجھے اور فلاں صاحب بڑے محقق تھے اُن کی اسی تحقیقات کس کو نصیب ہو اور فلاں شخص بڑے متورع اور پیرسیر گاہ تھے اُن کا سا زہد کسے جا مل ہو اور سوائے نامی گرامی لوگوں کے اور لوگ جو رہ جاویں اُن کی نسبت یہ کہہ دیا جاوے کہ وہ بدعتی اور فاسق تھے ہمارے علمائے اُن کے کلام کو رو کر دیا ہے پس صوفی تو تصوف کی برکت سے اور محققین تحقیق کے سبب اور زام اور متورع اپنے زہد کے ذریعہ سے محفوظ رہے اور اُن سے اقوال پر عمل کرنا سبب بہتوں کی مخالفت کے جائز نہ ٹھہرا پس اگر ہم ایسی حالت میں کتاب و سنت کو بے غور پر نہ اٹھالیں اور اپنے دل سے ان سب باتوں کو نکال کر نہ اور رسول کے کلام پر رجوع نہ کریں تو حقیقت میں ہم دین کو شرم کے بے غور پر نہ چھیننے والے اور خدا کو پابندی رسم و رواج کے سبب چھوڑنے والے اور اپنے دل کو نور ایمان سے خالی کرنے والے ہوں گے۔ اسی حالت کو دیکھ کر امام غزالی عرجا میں فرماتے ہیں کہ فلا یغرنک قول من یقول الفتویٰ عماد الشرح ولا یعرف عللہ الا بعلم الخلاف وانما یشغل بہ من یشغل بطلب نصیحت والجاہ فکن من شیاطین الجن فی آمان واحترزون شیاطین الانس فانهم اراحو شیاطین الجن من الناس فی الاغواء والاضلال یعنی مت مغرور ہو اس قرآن فقہاء کے کہ فتویٰ شرح کا ستون ہے اور اُس کی علتوں کا بغیر علم کلام کے جاننا دشوار ہے یہی باتوں پر جو بھی مستوجہ ہو گا جس کو دنیا کی عزت اور شہرت منظور ہوگی پس ایسے شیطانوں کے ہوتے ہوئے اصل شیطانوں سے بے خوف ہو جاؤ اور اُن کا خوف نہ رکھو

اس لیے کہ ان شیاعین الناس نے اصل شیطانوں کو سلا دیا ہے اور ان کی خدمت  
اپنے ذمہ لیکر لوگوں کو گمراہ کر کے اصل شیطانوں کو چین و بدیاہ سے کوہ و سوختے میں اور  
یہ ان کا کام کرتے ہیں۔ اور مثل اس کے اور متعین نے بھی فرمایا ہے جیسا کہ مولانا شاہ  
ولی اللہ صاحب بلوی رحمۃ اللہ علیہ حجتہ الباقہ میں لکھتے ہیں کہ فتنۃ هذا الجدل  
والخلاف والتعمق قریبۃ من الفتنۃ الاولیٰ حین تشاجر وافی الملک وکل  
کل وجہ لصاحبہ فلما عاقبت تلک ملکا عضومنا فلذلک عاقبت هذا  
جهلا واختلاطا وشکوکا ووهما مالهما من ارجاء منشآت بعد هرقون  
على التقليد الصدق لا يميزون الحق من الباطل ولا الجدل عن الاستنباط  
فالفقيه يومئذ هو اسر شاد المتشدد الذي حفظ اقوال الفقهاء قويا  
وضمهمها عن غير تمييز والمحدث من عدد الاحاديث صحيحها وسقيها  
وهذا ما كهذه الاسماء بقوة الحية ولا اقول ذالك كليا مطردا فان الله  
طائفة من عبادة لا يضرهم من خذلهم وهم حجة الله في ارضه وان قلوا  
ولم يات قرن بعد ذالك الا وهوا حثرت فتنه وافتون تقليد اشد انتزاعا  
للامانة من صدور الرجال حتى اطمشوا بترك الخوض في امر الدين بان يقولوا  
انا وجدنا آباءنا على امة وانا على اثارهم مقتدون - يعني جو فتنہ علم جدال و  
کلام کے سبب علماء نے پیدا کیا اور جو فساد ان کے تکلفات سے دین میں پھیلا وہ  
اس فتنہ سے کم نہیں ہے جو کہ ملک ریاست میں ہوا تھا جس طرح پر اس جگر کے کا یہ  
نتیجہ ہوا کہ بعد اس کے سلطنت ظلم و جبر کی قائم ہوئی اسی طرح پر اس کلام و جدال کا  
یہ نتیجہ ہوا کہ جہالت اور شکوک اور توہمات کی ایسی زیادتی ہو گئی جس کی کوئی حد نہیں اور  
پھر تو ایسا زمانہ آگیا جس میں لوگ محض تقلید پر قانع ہو گئے اور حق کو باطل سے جدا نہ  
کر سکے فقیہ وہ کہلانے لگا جو اقوال فقہاء کو یاد کر کے بیہودہ بکے اور تکلف کی باتیں کرے  
محدث وہ ٹھہرنے لگا جو احادیث صحیحہ اور غلط کو حفظ کر کے بے سمجھے بوجھے کہانیاں  
کی طرح نقل کرے اور سوائے چند شاذ آدمیوں کے جو خاص خدا کے بندے تھے اور  
جو کسی کے ذیل کرنے سے ذلیل نہیں ہو سکتے تھے بلکہ وہ خدا کی زمین میں اس کی محبت تھے  
سب کے سب ایسے ہی ہو گئے اور پھر جو زمانہ آگیا اُس میں فتنہ بڑھتا ہی گیا اور

تقلید کو زور و شور ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر کار معاملات دینی میں تحقیق کرنیکی عادت چلا جاتی رہی اور بزرگوں کی رسموں ہی پر دینداری رہ گئی۔

جو کہ میں اس مقام پر تقلید کے کمال اور تحقیق اور اجتہاد کے ترک ہونے کا حال بیان کر رہا ہوں اس لیے وہ نزلات جو علم اور تحقیق نے اس تقلید کے سبب سے پائے اس کو ایک بڑے فقیہ کے قول سے ثابت کرتا ہوں۔

محقق ابن کمالی شانے فقہاء کے طبقات کو جس طور پر ذکر کیا ہے اس میں نقل کرتا ہوں تاکہ ثابت ہو کہ تقلید میں بھی کتنے درجے اس فقیہ نے قائم کیے ہیں محقق موصوف نے فقہاء کے ساتھ طبقے بیان کیے ہیں۔

پہلے طبقہ کا نام مجتہدین فی الشرع ہے جس کا کام ہے استخراج کرنا مسائل کا کتاب سنت سے اور قائم کرنا قواعد اصول کا واسطے استخراج مسائل کے۔

اس طبقہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم داخل ہیں۔

دوسرے طبقہ کو مجتہدین فی المذہب کہتے ہیں۔ اس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو مجتہدین فی الشرع کے بنائے ہوئے اصول اور قواعد کی تقلید کرتے ہیں اور یہ تسلیم ان قواعد اور اصول کے احکام اور مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور گو کہ اس طبقہ کے لوگ مجتہدین فی الشرع سے بعض احکام فروعی میں مخالفت کرتے ہیں مگر وہ جن مجتہد اور امام کے اسوایں چلتے ہیں اسی کے مذہب میں داخل سمجھے جاتے ہیں اور عارضین فی المذہب سے علیحدہ سمجھے جاتے ہیں مثلاً قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اور دیگر باران امام ابو حنیفہ اس طبقہ کے لوگ ہیں اس لیے کہ وہ انہیں اصول سے جو امام ابو حنیفہ کے قائم کیے ہوئے ہیں استخراج مسائل کرتے ہیں اور مثل امام شافعی وغیرہ کے ان سے اصول میں مخالفت نہیں کرتے مگر مجازاً اصول مقلدان کے احکام میں ان سے مخالف ہو جاتے ہیں و

تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کہلایا جاتا ہے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو اپنے امام کی کسی شے میں مخالفت نہیں کرتے نہ اصول میں نہ فروع میں ان کا استخراج مسائل کی قدرت

نہیں ہوتی مگر مسائل کو صاحب مذہب نے صاف بیان نہیں کیا ان کو اپنے امام کے  
مقرر کیے ہوئے اصول اور قواعد کی پابندی سے استنباط کر سکتے ہیں اس طبقہ میں داخل  
ہیں خصائص اور ابو جعفر طحاوی اور ابو الحسن کرخانی اور مسند امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما  
برہدوسی اور فخر الدین قاضی خاں وغیرہ۔

چوتھا طبقہ اصحاب تخریج کہلایا جاتا ہے۔ اس طبقہ میں وہ مقلدین داخل ہیں جو کسی قسم  
کے اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ اصول اور قواعد کا جتنا اور مسائل کا استخراج کرنا  
اور پچھلے طبقہ سے مخالفت کرنا کیسا وہ کسی طرح پر اجتہاد کا نام ہی نہیں لے سکتے مگر سبب  
ضبط رکھنے اصول و قواعد کے ان کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ کسی قول محل و جہتیز  
کی تفصیل اور کسی حکم پر عمل کرنا کی تشریح کر دیں مگر وہی قول اور وہی حکم جو کہ صاحب  
سے یا ان کے صاحب سے منقول ہو اور جس میں ان کو اپنے امام کے اصول پر نظر رکھنا  
اور اسی حکم کی دوسری فرع پر قیاس کرنا اور دیگر نکات و مسائل کا خیال رکھنا ضروریات سے  
ہے اس طبقہ میں امام راضی اور شمس بن کسے اور شخص داخل ہیں اور جو ہدیہ میں لکھا ہے کہ  
لکافی تخریج الکرخانی و تخریج الرازی وہ اسی قبیل سے ہے۔

پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کہلایا جاتا ہے۔ یہ وہ مقلدین ہیں جو بعض روایات کو بعض  
ترجیح دیتے ہیں مثل ابو الحسن قدوسی اور صاحب ہدیہ وغیرہ جن کو اس کہنے کی قدرت ہے  
کہ ہذا اولیٰ ہذا اصح ہذا اوفق للناس۔

چھٹا طبقہ ان مقلدین کا ہے جو کہ قویٰ اور ضعیف کی تینوں قدرت رکھتے ہیں اور  
اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کی نقل نہیں کرتے مثل صاحب کنز اور صاحب فہرہ اور  
صاحب قایہ اور صاحب مجمع وغیرہ اہل متون کے۔

ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جو اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور مٹے بٹے میں  
کچھ بہتر نہیں کر سکتے۔

اب جو شخص ان طبقات میں سے ہو خود سوچ سکتا ہے کہ فقہ کی ابتدا کیا تھی اور اجتہاد  
کیا ہوئی زیادہ تشریح کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ اس بات پر خیال کر کے لوگوں نے تقلید کو  
اختیار کیا اور اجتہاد اور عمل بالحدیث سے ہاتھ اٹھالیا کہ جب بڑے بڑے علماء کہ جو امام  
اور مسند امام کہلاتے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مؤلف جن کی کتابوں کے پڑھنے سے

لوگ عالم اور فقیہ ہو جاتے ہیں چھٹے طبقہ اور پانچویں طبقہ میں ٹپے ہوئے ہیں تو پھر دوسرے کون ہے جو اجتہاد کر سکتا ہے یا کتاب و سنت سے مسائل کا استخراج کر سکتا ہے اور اس امر کو کہ یہ قول اُن کا صحیح ہے یا غلط ہم پیچھے بیان کرتے ہیں۔

جو کہ ہمارے اس بیان سے اجتہاد کے خاتمہ کا زمانہ اور تقلید محض پر عمل کرنے کا حال سمجھنی معلوم ہو گیا اس لیے اب ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ باہم آئمہ کے مسائل فقہی میں اختلاف کیوں ہوا۔ اگرچہ جو مختصر کیفیت بناؤ مذہب کی ہم نے اوپر بیان کی اس سے سبب اختلاف کا بھی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس اختلاف کو دیکھ کر لوگوں کو بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں اور ایک نیا اور ایک شریعت میں ایسی کثرت سے اختلاف ہونے پر شخص کو حیرت ہوتی ہے۔ کوئی پوچھتا ہے کہ جب قرآن و حدیث پر سب کا عمل ہے تو پھر کیا قرآن و حدیث میں باہم اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جب تبع تابعین کے مذہب کی بنا پر تابعین پر اور تابعین کی صحابہ پر ہے تو کیا صحابہ باہم مختلف تھے۔ اگر تھے تو باوجود سب سے ایک ہی نبی کو دیکھا اور ایک ہی پیغمبر سے دین کو لیا تو پھر آپس میں ان کے اختلاف کیونکر ہوا اور باوجود اس اختلاف کے جب لوگ یہ مانتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں اور جو اختلاف ان میں ہے وہ رحمت ہے تو انہی زیادہ محبت ہوتا ہے اور دل میں اور بھی کچھ خیال کر کے شخص ساکت ہو جاتا ہے اس لیے ہم اس اختلاف کے اسباب کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں سے شبہات دور ہوں اور وہ اس اختلاف فروعی کو اصول کا اختلاف سمجھ کر دل میں اپنے دین کی حقیت میں شک نہ کرنے لگیں۔

یہ بات تو اوپر ہم کہ چکے ہیں کہ تبع تابعین کے مذہب کی بنا پر تابعین پر اور ان کی صحابہ پر ہے تو جو اختلاف باہم صحابہ کے ہوا وہی اختلاف تبع تابعین میں چلا آیا اور جب تبع تابعین نے مذہب کی بنیاد ڈالی تو ان کے آپس میں بھی وہی اختلاف رہا اس لیے ہم اول صحابہ میں باہم اختلاف ہونے کا سبب بیان کرتے ہیں۔

پہلے اس امر کو نوٹ فرمیں کہ کیا چاہیے کہ اختلاف جو مسلمانوں میں بعد زمانہ نبوت کے ہوا وہ دو قسم کا ہے۔ ایک اختلاف عقائد و اصول میں۔ دوسرا اختلاف مسائل و فروع میں۔ اختلاف عقائد و اصول کا یہ ہے جو کسی اصول میں ہر مثل اور حدیث اور روایت اور حدیث

روزہ اور نماز اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے یا کسی عقیدہ میں عقاید دین کے ہر مثل خلافت اور  
حکومت اجماع صحابہ اور جو بہ محبت اہلبیت و اصحاب اور عدم تکفیر اہل قبلہ اور سرکشان  
کبار کی اور مثل اُس کے اور عقاید جن پر اعتقاد کرنا بظہور صریح ضروری ہے پس جو  
شخص عقاید اصول میں مخالف ہے وہ بدعتی اور اہل سنت کے گروہ سے خارج ہے مثل  
مقتزئہ اور قدریہ اور مرجئیہ اور شیعوں اور خوارج کے اور نہ صحابہ میں اور نہ تابعین میں اور نہ  
تابعین میں نہ کسی امام میں آئمہ اربعہ سے ایسا اختلاف ہوا بلکہ سب اہل اصول اور عقاید یکساں  
متفق ہیں اور انکے میں بھی ضروریات دین سے اور ایک عقیدہ میں بھی اقسام و ادوات  
اہل سنت سے باہم مختلف نہیں ہیں اس لئے چاروں مذاہب اہل سنت ہی کے کہلائے  
جاتے ہیں۔

دوسرا اختلاف مسائل و فروع میں مسائل اور فروع سے فقہ کے مسائل مراد ہیں  
اور ان پر چاروں مذاہب یا البتہ باہم مخالف نہیں اور صحابہ بھی باہم مخالف تھے اس لئے  
اس اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ صحابہ میں بعد زمانہ نبوت کے  
کیوں اختلاف ہوا۔

علامہ صحابہ کے اقوال و افعال اور احکام از مسائل کا قرآن و حدیث پر تھا اور چونکہ  
قرآن پیغمبر صاحب ہی کے سامنے جمع ہو گیا تھا اس لئے کسی ایسے مسئلے میں جو قرآن میں صاف  
موجود ہے باہم اختلاف نہیں ہوا اور احادیث پیغمبر صاحب کے رو برو جمع نہ ہوئی تھیں۔  
اس لئے جن مسائل کا استخراج حدیث پر موقوف تھا اور ہے انہیں میں اختلاف ہوا۔ اور  
اُس کے کئی سبب ہیں۔

۱۔ اختلاف سماع یعنی ایک صحابی کا کسی حدیث یا حکم نبوی کو سنا  
اور دوسرے کا نہ سنا۔ مثلاً پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کچھ فرمایا کوئی فتویٰ دیا تو جو موجود  
تھا اُس نے سنا اور دیکھا اُس نے تو اُس پر عمل کیا دوسرے صحابی نے اُسے نہ سنا نہ دیکھا  
نہ جس صحابی نے سنا اور دیکھا تھا اُس سے اُس دوسرے صحابی کو روایت پہنچی تو اُس دوسرے  
صحابی نے جب سیاسی معاملہ پیش آیا تو اُس نے دیکھا تھا یا نہیں اُس حدیث کے موافق ہوا تو

نمودنوں صحابی متفق ہوئے اور اگر اجتہاد میں خلا ہوئی تو ان میں اختلاف ہوا۔  
 دوسرے ترک اجتہاد۔ یعنی صحابی کا اپنے اجتہاد سے بھر جانا۔ مثلاً صحابی  
 نے کسی امر میں اجتہاد کیا اس سبب سے کہ کوئی حدیث اُس کو نہ پہنچی تھی اور پھر لوگوں  
 سے وہ حدیث پہنچ گئی تو اُس نے اپنے اجتہاد کو ترک کیا اور حدیث پر عمل کیا۔ لیکن جو لوگوں  
 نے پہلے اجتہاد کو صحابی کے سنا اور اُس سے رجوع کرنے کی خبر اُس نے ملی اُس نے صحابی کے  
 پہلے ہی قول پر عمل کیا۔

تیسرے اشتباہ فی الحدیث۔ یعنی حدیث کی صحت میں شک رہنا اور پھر  
 کسی صحابی کا اعلان کرنا یہ تو کوئی صحابی نہیں کر سکتا تھا کہ باوجود صحت کسی حدیث کے اُس کو  
 ترک کرتا اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتا مگر جب راوی کسی حدیث کا ضعیف اور قابلِ کامل اعتبار  
 کے نہ ہوتا تو صحابی اپنے اجتہاد پر قائم رہتے اور اُس حدیث کو صحیح نہ جان کر اُس پر عمل نہ کرتے  
 اور بعض حدیث کا نام سنتے ہی اُس پر عامل ہو جاتے اور اُس کے ضعف اور قوت کو نہ  
 دیکھتے۔

چوتھے سمجھ میں اختلاف ہونا۔ یعنی چند صحابین نے پیغمبر خدا کو ایک کام  
 کرتا ہوا دیکھا کسی نے اُس کو عبادت پر کسی نے اُس کو عادت پر کسی نے اُس کو قربت پر  
 کسی نے اُس کو اباحت پر محمول کیا اور اس سے باہم اختلاف ہوا۔  
 پانچویں سہو و نسیان۔ یعنی کسی صحابی نے گو خود پیغمبر صاحب سے کچھ سنا یا کچھ  
 کرتے دیکھا مگر اسے یاد نہ رہا اور محمول کیا۔

چھٹے اختلاف ضبط۔ یعنی پیغمبر صاحب نے کسی امر میں کچھ فرمایا یا حکم دیا اور  
 کوئی صحابی اُس کا مطلب اور یہی کچھ سمجھا جیسا کہ حضرت عمر یا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہما سے مروی ہے کہ مردہ کو اُس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے کہ اس  
 حدیث کو سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور راوی نے غلطی کی ہے بلکہ  
 حقیقت اسکی یہ ہے کہ پیغمبر صاحب ایک یہودیہ کے جنازہ پر گزرے کہ اُس کے گھر والے  
 روتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو روتے ہیں اور وہ قبر میں عذاب دی جاتی ہے پس



مطلب یہ تھا کہ یہ تو اُس کے لئے روتے ہیں اور وہ اپنے عذاب میں مبتلا ہے نہ وہ مطلب ہے جو راوی سمجھا اور جس سے عذاب کو رونے کا منحل سمجھ کر ہر مردہ کی نسبت اس حکم کو عام تصور کیا۔

ساتویں علت حکم میں اختلاف ہونا۔ یعنی پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا اور دیکھنے والوں نے اپنے نزدیک کی علت اور وجہ قائل کی اور ان میں اختلاف ہوا مثلاً پیغمبر صاحب ایک جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو کسی نے قیام کی علت تعلیم مانا تو خیال کی۔ کسی نے ہول موت اُس کی علت سمجھی اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق اُس کی تعلیم اور تخصیص اپنے قائل کی۔

آٹھویں دو مختلف حدیثوں کے جمع کرنے میں اختلاف ہونا۔ جو کرامات اور معجزات اور سنن ہیں ایک ہی امر کی پابندی حضرت کو نہ تھی اور احکام میں بھی مکمل اور اصلاح مناسب ہوتی رہتی تھی اس لئے جو قول یا فعل یا حکم مختلف ہوتا اُس کے موافق میں صحابہ میں اختلاف ہوتا۔ کوئی اباحت کو بصدیقہ و سنت کے اور نہی کو بوجہ انقضائے ضرورت کے خیال کرتا۔ کوئی ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ سمجھتا۔ اور جو صحابی صاحبِ نیازت اور صاحبِ علم تھے وہ سادات کو عبادات سے اور سنن کو وجاہات سے جدا کرتے اور ایک کو دوسرے میں ملا تے اور جو اس میں تیز نہ کرتے وہ سب کو عبادات اور وجاہات ہی خیال کر کے اختلاف عبادات کو اختلاف فی العبادات جانتے۔

جو کہ یہ اختلاف مناسب کا سبب بھی بیان کر چکے اس لئے ہم اُفرق کو بیان کرتے ہیں جو اجتہاد اور عمل بالحدیث میں ہے۔

عمل بالحدیث اور اجتہاد میں جو فرق ہے

اُس کا بیان

ہے کہ لوگ ایسے ہیں کہ جن کو عمل بالحدیث اور اجتہاد میں فرق نہیں معلوم ہوتا

لہذا وہ اپنی اس لئے پڑتی ہے کہ علت کا علت ہونا نص سے قرآن میں دیکھا جانی سمجھ سے قرار دیا۔

بلکہ جب وہ سنتے ہیں کہ جو لوگ حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اصحاب حدیث کہلائے جاتے ہیں ان مسائل کو جن کی تصحیح حدیث میں نہیں ہے اپنے قیاس سے استخراج کرتے ہیں اور جو لوگ اجتہاد کرتے ہیں اور اصحاب الرائے کہلائے جاتے ہیں وہ بھی ان مسائل میں جو تصحیح کتاب سنت میں موجود ہیں اجتہاد نہیں کرتے اور اسی پر عمل کرتے ہیں اور دونوں کا ماخذ کتاب سنت ہے اور دونوں کو قیاس سے کام لینا پڑتا ہے تو یہ دونوں میں ماہ الامتیاذ کیلئے اس لئے دونوں میں جو فرق ہے اس کو میں بیان کرتا ہوں۔

اگلے زمانہ میں معنی تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں دو قسم کے علم تھے۔ ایک نادر جواز کے اور قیاس سے بہت بچتے تھے اور فتویٰ اور استخراج سے بہت ڈرتے تھے اور سوائے اشد سنت کے استنباد کرنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ ان کی ساری بہت سحر و فہمی تھی کہ احادیث نبوی کی روایت کریں اور جہاں تک ہو سکے تمام حکام مسائل کو انھیں سے ثابت کر دیں اور وہ اسی سلسلے احادیث کے جمع کرنے میں بہت سی محنت کرتے تھے چنانچہ جب انھوں نے احادیث کو جمع کر لیا اور ضعیف اور قوی کو علیحدہ کر لیا تو انہوں نے کتاب و سنت ہی کو اصول استخراج مسائل کا ٹھہرایا اور اسی کی تصحیح اور توثیق کے لئے قواعد مقرر کیئے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی بے اصل ہے۔

پس اس طبقہ کے لوگوں کو جب ضرورت کسی مسلک کی مہتی تو وہ قرآن سے رجوع کرتے اگر اس سے بصراحت نکلے تو پھر کسی ذہن طرف توجہ نہ کرتے۔ اگر اس سے معلوم نہ ہوتا یا اس میں احتمال ہوئے تو وہ سنت پر رجوع کرتے اور جو کچھ حدیث میں پاتے اس پر عمل کرتے اور حدیث پر عمل کرنے کے لئے نہ وہ اس کا حاذ کرتے کہ نور نقیہ اسپر عمل کرتے ہیں یا نہیں اور سب لوگ سپر ملتے ہیں یا نہیں اور مجتہدین کا اجتہاد اس کے مطابق ہے یا نہیں بلکہ وہ اس کی بھی پرواہ نہ کرتے کہ صحابہ اور تابعین نے بھی اس پر عمل کیا ہے یا نہیں بلکہ اگر کوئی حدیث ایسی ہوتی کہ ایک ہی شہر کے لوگ اس سے واقف ہوتے یا ایک ہی گھر کے لوگ اس پر عامل ہوتے پس وہ اپنے عمل کی سند کے لئے اسے لے لیتے اور سوائے اس کے کہ وہ حدیث کی صحت ثابت کھیں اور کسی طرف توجہ نہ کرتے اور

کسی اصول در کسی قاعدہ کی پابندی کرتے۔

اگر حدیث سے اُس کا پتہ نہ چلتا تو وہ صحابہ اور تابعین کے اقوال پر نظر کرتے  
پس اگر اُس بات پر تہمید صحابہ اور تابعین کو مستحق پاتے تو فہما ورنہ بلا لحاظ کسی قوم اور  
کسی شہر اور کسی فرقہ کے جس کو وہ اپنے نزدیک زیادہ عالم اور فقیہ اور متقی جانتے  
اُس کے قول کو اختیار کرتے۔

اگر اس سے بھی مطلب نہ نکلتا مینی اُس مسئلہ کا اقوال صحابہ و تابعین محل معلوم  
نہ ہوتا تو وہ قیاس کے مگر اُن کا قیاس منطقی قیاس کی مانند نہ ہوتا تھا اور اُس کے لیے  
کچھ دقیق اصول در شکل تو اعد کی پابندی نہ تھی بلکہ اُن کا قیاس یہ تھا کہ وہ عموماً  
کتاب سنت اور اُس کے اشارات اور مقتضیات پر تامل کرتے اور صرف اپنے فہم  
اور لطیفان قلبی پر لحاظ کرتے۔ اُسکی علت نکال لیتے اور جس میں وہ علت پاتے تھے  
وہی حکم لگاتے اور اور مسائل کی نظیریں اور مثالیں دیکھ کر اپنا کام چلا لیتے۔

یہ طریقہ اُن کا ٹھیک ٹھیک صحابہ و اُس کا ساتھ اور یہی قاعدہ استخراج مسائل کا  
صحابہ میں جاری تھا اور اُس کے ثبوت میں ہزار ہا اقوال صحابہ کے موجود ہیں جن میں سے  
کچھ کچھ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

غرض کہ اس طور پر مسائل کے استخراج کر نیوالے اصحاب حدیث کہلانے لگے اور جو  
وہ کسی اصول در کسی قاعدہ کے پابند نہ ہوئے اُس لیے اُن کا قیاس بھی قیاس اور رائے  
میں داخل ہوا۔ چنانچہ اسی گروہ میں سے ہوئے ہیں عبدالرحمن بن جہدی اور یحییٰ بن سعید  
ادریس بن رومان اور عبد اللہ بن ابی اسحاق اور مسدد اور تہاد اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن  
راہویہ اور فضل بن کین اور علی مدنی وغیرہ کہ یہ سب اصحاب حدیث میں داخل ہیں۔

اس بات کے سننے سے بھی لوگوں کو تعجب ہو گا کہ اتنی حدیثیں کہاں سے ملی ہوگی  
جن سے سب مسائل نکل آئے ہوں اور بغیر اُس قیاس اور رائے کے جسے مجتہدین نے  
اختیار کیا اُن کا کام چلا ہو لیکن اُن کا تعجب اس سے بچ ہو سکتا ہے کہ وہ انہی کتابوں  
کو دیکھیں جو کچھ محدثین انھوں نے احادیث کے جمع کرنے میں اپنے اوپر اٹھائیں  
اُس پر خیال کریں تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ جن لوگوں نے اس قاعدہ پر فقہ کی تدوین کی ہے اُن کا  
کوئی ایسا مسئلہ جس کو انھوں نے لکھا تھا یا اُن کے وقت میں مجتہدین نے قیاس سے

استخراج کیا تھا ایسا نہ ملا جس میں کوئی حدیث مرفوع یا متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن یا  
لایق اعتبار نہ ملی ہو یا علما و راہدین کے آثار اور فقہان نامی کے اقوال سے اسکا ثبوت  
نہ ہوتا ہو یا ان کے عوالت اور اشارات سے اُس کا استنباط نہ ہو سکتا ہو بے شک یہیں  
بہ ثمری وقت تھی کہ بہت سی احادیث جمع کرنی پڑیں اور ان کی تصحیح اور تنقیح کی محنت  
ملی، ثانی پڑتی اور ان کے نسخ اور نسخ کا لحاظ رہتا اور جو مختلف حدیثیں ہوتیں ان کا  
اختلاف دور کرنا یا اُس کے وجوہات کا دریافت کرنا پڑتا۔

جو کوئی اصحاب حدیث کی فتویٰ تدوین پر غور کرتا ہے اُس کی آنکھوں کے سامنے  
بہت سی عجیب باتیں پھر جاتی ہیں اور اُس کے دل پر فنونِ احادیث پرتا مل کرنے  
سے لیک اور ہی تم کی تاثیر ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ جن مضمون کو ہم نے لکھنا شروع کیا ہے اُس کے لیے دفتر کے دفتر  
پا نہیں اور اگر مختصر طور پر بھی کچھ کچھ لکھیں تو بھی ایک بڑی کتاب ہو جائے اور چند  
صفحوں میں اُسے ختم کیا جاتے ہیں اس لیے بہت ہی مختصر طور پر اب ہم اسکو بھی جان کتے  
ہیں کہ اصحابِ حدیث نے تدوینِ فقہ کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا اور پھر اُس کے کتنے درجے اور  
طبقے ہو گئے۔ تیس پہلا طبقہ اہل حدیث کا وہ ہوا جس نے احادیث کو جمع کیا اور فقہی  
مسائل کا اُس پر مدار رکھا۔ اس طبقہ کے لوگوں کے نام اور ہم لکھ چکے ہیں۔ پھر دوسرا طبقہ  
وہ ہوا جس نے حدیث کے دوسرے فن پر توجہ کی یعنی اُن حدیثوں کو جن کی صحت پر  
بڑے بڑے اہل حدیث کا اجماع تھا علیحدہ کیا اور اُن حدیثوں کو جو متعلق فقہ کے تھیں  
جن پر شہروں کے فقیہ اور قصبوں کے عالم اپنا مذہب چلاتے تھے جدا کر کے ہر حدیث  
کو باقتدار اُس کے اقسام کے ترتیب دیا۔ اس طبقہ میں امام محمد، ابو حنیفہ، ابو یوسف اور  
ابو داؤد اور عبد بن حمید اور دارمی اور ابی ماجہ اور ابوالاعلیٰ اور ترمذی اور نسائی اور  
دارقطنی وغیرہ داخل ہیں۔

تیسرے طبقہ میں لوگ داخل ہیں جو بخاری اور مسلم کے پہلے تھے یا ان کے زمانہ میں یا

۱۰ اس کی تفصیل ہم نے ایک علیحدہ مضمون میں جو بہ نسبت کتابیں کے لکھا ہے کی ہے وہ بھی مختصر  
نشاۃِ عالی چھپے گا ۱۱

اُن کے بعد ہوئے اور جنہوں نے مسانید اور جوامع اور مصنفات کو تالیف کیا انہوں نے جو حدیث پانی اُسے جمع کر دیا۔ نہ اُس کو چھاننا نہ اُس میں قسام حدیث کو بیان کیا نہ اُسکی کچھ ترتیب سی کی کہ جس پر عمل آسانی سے ہو سکے اور پھر کچھ بھی محدثین نے اُسکی صحت اور سقم پر چنداں توجہ نہ کی چنانچہ اسی طبقہ میں ابوعلی اور طحاوی اور بیہقی اور عبد الرزاق اور ابی بکر ابن شہیرہ اور عبد بن حمید اور طحاوی اور طبرانی ہیں۔ چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے بہت عرصہ کے بعد حدیث کی کتابوں کا لکھنا شروع کیا اور جو حدیثیں پہلے اور دوسرے طبقہ میں نہ ہوئیں اور مسانید اور جوامع میں چھپی ہوئی پر پسی تھیں یا اُن اضعفوں اور نحوش گپ عالموں کو یاد تھیں جو ضعفا میں داخل تھے اور جن کی حدیث کو محدثین محققین پا رہے اعتبار سے ساقط جانتے تھے اُن کو انھیں نے جمع کر دیا اور آثار صحابہ اور تابعین کو اور احباب بنی اسرائیل کو اور کلام حکماء اور وحفاظ کو بھی اُس میں شامل کر دیا چنانچہ عمدہ حدیث اس طبقہ کی وہ ہے جو کہ ضعیفہ محتمل ہے اور موضوعات کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے چنانچہ یہی طبقہ مادہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات کا ہے۔

پانچویں طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جنہوں نے اُن باتوں کو جو فضیلتوں اور فضیلتوں اور مورخوں کی زبانوں پر تھیں اور جن کی کچھ اصل چاروں طبقات میں تھی لیکر حدیث میں داخل کر دیا اور انہیں احادیث پر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے سند کر کے اہل سنت پر اعتراضات کرنا شروع کیا اور بہت سے عالموں نے دھوکا کھایا خصوصاً اُن حدیثوں میں جن کو کلام بلخ اور فہم کے پیرائیں لوگ کیا تو ان احادیث سے سوائے بڑے محقق محدث کے ہر شخص نے دھوکا پایا جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں و منها مادسہ الماجن فی دینہ العالم بلسانہ فاتی باسناد اقوی لایمکن الجمع فیہ و کلام بلخ لایبعد صد و مرۃ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشار فی الاسلام مصیبتہ عظیمة لکن الجہا بدۃ من اهل الاحادیث یوردون مثل ذلک علی المتابعات والشواہد فتہتک الاستار ویظہر العوارض غرض کہ سوائے چوتھے اور پانچویں طبقہ کے باقی طبقات اہل حدیث کے ایسے ہیں کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُس پر عمل کرنے سے آدمی اہل حدیث ہو سکتا ہے اور اپنی فتوہ اور مسائل کا

مدار طبعہ اولیٰ اور ثانیہ کی کتابوں پر کر سکتا ہے اور جو لوگ اب تک اصحاب حدیث ہوئے اور  
ہیں ان کا اسی پر عمل تھا اور ہے۔

یہ کیفیت جو باختصار ہم نے اپنی حدیث کی بیان کی سمجھنے والے کے لئے اصحاب بیت  
کے طریق تدوین فقہ کے لئے کافی ہے اس لئے اب ہم مجتہدین اور اصحاب الرائے کے  
طریق اور ان کے اصول کو بیان کرتے ہیں۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اچھے زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو رائے  
اور قیاس سے بہرہ نہ لیتے تھے اور فتویٰ استخراج سے بہرہ ڈرتے تھے اور حدیثوں ہی کو  
جمع کر کے انہیں سے مسائل نکالتے تھے اور اس فرقہ کو اصحاب حدیث کہتے تھے پانچ  
صورتوں کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

دوسری قسم میں وہ لوگ داخل تھے جو کہ فتنہ سے اور استخراج ہی کو دین سمجھتے تھے اور  
رائے اور قیاس سے مسائل کو استخراج کرنا ہی اچھا جانتے تھے اور فقہ کو دین کی بنا کہتے  
تھے اور اسکے پھیلانے ہی کو دین کا پھیلانا سمجھتے تھے اور احادیث نبوی کا بہت لحاظ  
نہ کرتے تھے اور اُس میں کمی بیشی ہو جانے سے بہت ڈرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ ہم  
پیغمبر صاحب تک اپنے مسائل کا سلسلہ نہیں پہنچاتے بلکہ اُن سے بھیجے ہی پر ختم  
کر دینے کو پسند کرتے ہیں تاکہ جو کچھ نقصان یا زیادتی ہو وہ انہیں لوگوں کی گردن پر ہے  
ہم مواخذہ سے محفوظ رہیں چنانچہ ابراہیم نخعی کا منقولہ تھا کہ قال عبد اللہ وقال  
علقمۃ احب الینا کہ یہ کہنا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کہا عبد اللہ نے ایسا اور کہا  
علقمہ نے ویسا پس اُن لوگوں کو جب ضرورت فقہ کی تدوین کی ہوئی تو اُن کے پاس اتنی  
حدیثیں تغیر کی اور آثار صحابہ کے نہ تھے جس سے وہ اپنے مسائل کو اُن سے نکال سکیں  
اور صرف انہیں خیر آسان اصول کی پابندی سے جن سے اہل حدیث احکام نکال لیتے  
تھے اپنا کام چلا سکیں اُن کے دلوں نے اس بات کو بھی قبول یا پسند نہ کیا کہ وہ اپنے  
اپنے شہروں کے علماء اور فقہاء کے قولوں کے پابند نہ رہیں اور اُور شہروں اور تماموں  
کے فقہاء اور علماء کے اقوال کی تحقیق کر کے اُن سب کو ملاویں اور اُن سے بحث کر کے اپنا  
کام نکالیں بلکہ انھوں نے اپنے آپ کو براہ کسر نفسی اس لایق نہ جانا اور اپنے املاؤں  
استادوں کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا سمجھ کر اوروں کی طرف رجوع کرنا یا اُن کے اقوال کو تحقیق

کرنا فضل عبث تصور کیا اور اپنی اہمیت کو اپنے ہی شہروں کے علما اور اپنے ہی آدموں اور اماموں کے اقوال پر قباحت کر لینے پر ختم کر دیا چنانچہ کسی نے کہا کہ عبداللہ سے زیادہ کوئی متیقن نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ علقمرہ سے اچھا کوئی نہیں ہے۔ غرض کہ ایسے لوگوں کے پاس مادہ احادیث اور آثار کا بہت سا ذخیرہ تھا اور ان کا علم چند شخصوں ہی کے علم پر محدود تھا۔ پس جب ایسے لوگوں کو فقہ کی تدوین کی ضرورت ہوئی اور انہوں نے ان کو ذہن کی تیزی اور عقل کی چالاکی ایسی دی تھی کہ وہ اپنی فطانت اور ذہانت اور سرعت ازتعال سے تخریج مسائل کی قدرت کامل رکھتے تھے اور چند ہی اصول سے وہ بے انتہا جزئیات نکال سکتے تھے تو انہوں نے اپنے ہی اصحاب و یاروں اور شاگردوں کے اقوال اور احادیث کو مدار فقہ کا بنایا اور اُسی تھوڑے سے سرمایہ سے فقہ کی دولت کو بڑھانا چاہا تو انہوں نے فقہ کو تخریج کے قاعدہ پر ترتیب دیا اور نبراروں احادیث کے یاد کرنے اور خیال رکھنے سے اپنے میں بجایا۔

تخریج کا قاعدہ کیا تھا یہ نگاہ انہوں نے اپنے استاد یا امام جس کو قابل استناد سمجھے اُس کی کتاب اور اقوال کو پیش نظر رکھا اور مسائل تو انہیں سے استخراج کرنا شروع کیا۔ اگر کوئی مسئلہ اُس میں تبصرہ ہو تو اخیر و نہ ان کے کلام کے عموماً پر لحاظ کرتے اور اُسی صورت پر اُس مسئلہ کو نکال لیتے یا ان کے کلام کے اشارات ضمنی پر خیال کرتے اور اُس سے استنباط کرتے پس ان کے کلام کے یا اشارات اور مقتضیات ایسے ہوتے کہ اُس سے مطلب نکل آتا یا ان میں ایسے مسائل تبصرہ مذکور ہوتے کہ مثل اُس کے اور مسائل اُسی نظیر کے اُس پر محمول کہ لیے جاتے۔ اگر ان سے بھی کلام نہ ملتا تو ان کے کھولے ہوئے حکموں کی علت دریافت کرتے اور جن مسائل کی انہوں نے تصریح نہ کی تھی اُسی علت کے اتحاد سے اُس پر حکم قیام کر لیتے یا ان کے بعض کلام ایسے ہوتے کہ اگر دو کو ملا دیں تو بموجب قیاس قرائنی یا شرعی کے قیام نکل آتا اور اُس سے مسئلہ معلوم ہو جاتا یا ان کے کلام ایسے ہوتے کہ جن کا مطلب شالوں ہی میں مذکور ہوتا اور کوئی جامع مانع اُس کی نہتی تو ایسے کلام کی تحقیق کے لیے اہل زبان کی طرف رجوع کرنا پڑتا اور تحصیل ناتیات اور ترتیب تعدمات اور ضبط مقامات اور تمیز مشکلات کے لیے تعلقات علمی کرنا پڑتے یا ان کا کلام دو دو جہوں کا متشکل ہوتا تو ایک کی دوسرے پر ترجیح

کرتے یا ایسا ہوتا کہ جس کی دلائل پوشیدہ ہوتیں اُسکو صرف بیان کرتے یہاں تک کہ ایسی تخریج کرنے والوں میں سے بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اماموں ہی کے فعل اور سکوت سے مسائل میں استدلال کیا ہے اسی واسطے اُن کی کتابیں ایسے لفظوں سے بھری ہوئی ہیں جن سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً القہار الخرج لفلان کذا ویقال علی مذہب فلان او علی اصل فلان او علی قول فلان جواباً۔ المسئلة کذا وکذا۔ پس جس طرح پر اصحاب حدیث اپنے مسئلوں کو احادیث ہی سے نکالنا پسند کرتے تھے اسی طرح پر اصحاب تخریج اپنے مسائل کو اپنے ہی ائمہ کے اقوال سے نکالتے تھے اور چونکہ اصحاب حدیث کی نظر بہت سی حدیثوں پر تھی اور اُن کو اکثر مسائل میں احادیث نبوی یا آثار صحابہ سے کوئی حدیث یا اثر مل جاتے تھے اس لیے اُن کو استخراج اور استنباط کے اصول اور قواعد بنانے اور اُن سے اوصل سے کام لینے کی نوبت نہ آئی اور اصحاب تخریج چونکہ اپنے ہی ائمہ کے اقوال پر قناعت کرتے تھے اور اُسی سے سارے مسئلے نکالنا چاہتے تھے اس لیے اُن کو اُس استخراج اور استنباط کے دقیق قیود اصول اور باریک باریک قواعد سے بنائے پڑے اور اُن میں اُن سے اوصل سے کام لینا پڑا۔

پس شروع شروع زمانہ میں تو اصحاب تخریج بھی احادیث ہی پر مسند کرتے تھے۔ گو وہ حدیثیں فی جہوں جو اُن کے اُستادوں اور پیشواؤں سے انہیں پہنچی تھیں اور اسوقت میں وہ باریکیاں جو پیچھے کر کے نکلی تھیں لیکن پیچھے کر کے تو اصحاب تخریج نے قیادت ہی برپا کر دی اور فقہ کو یونانی حکمت اور فلسفہ کا مسمہ بنادیا۔ لفظوں سے معنی کا نکالنا اور عبارت سے مقصد سمجھنا بغیر اُن کے اصول مقررہ کے خیر ممکن ہو گیا بلکہ الفاظ کی طرف فزوں کی تبدیل سے مطلب میں فرق آنے لگا۔ (ف) اور (و) پر استدلال اور ظہر کی تدبیر اور تاخیر سے مطلب کا اُور ہونے لگا اور پھر جس قدر زیادہ بڑھتا گیا اور نبوت کا عہد دور اور فلسفہ اور معقولات کا مسلمانوں میں رواج ہوتا گیا اُسی قدر رائے اور قیاس کو زیادہ دخل ہوا اور معقولات میں معقولات کا ایسا خلط ہو گیا کہ بغیر منطق کے قواعد سمجھنے اور فلسفہ کے پڑھنے کے فقہ کی کتابوں کا سمجھنا مشکل ہو گیا چنانچہ اب تک ہمارے سپہین مشہور ہے کہ بغیر منطق میں کامل استعداد رکھنے کے کوئی مددایت سمجھ ہی نہیں سکتا اور بلا



واقف ہونے محاورات جدیدہ جدیدہ کے کوئی مبسوط سفری اور تبیین کا مطلب یا سنت نہیں کر سکتا یہ حقیقت میں اصحاب لائے وہی ہیں جو احادیث اور آثار کا تتبع نہیں کرتے اور تقدیر میں سے کسی کے اصول پر مسائل کی تخریج کرتے ہیں اور نظیر کو نظیر ہی پر محمول کرتے ہیں اور یہ مطلب اہل رائے سے نہیں ہے کہ جو مجہد اور عقل کو عقل دیتے ہیں اور قیاس اور استنباط سے کام لیتے ہیں اس لیے کہ اگر رائے سے مراد نفس مجہد اور عقل ہو تو کوئی اہل حدیث نہ ہو اور سب کے سب احباب آرائے کہلائے جاوے گا لاکھ ایسا نہیں ہے۔ امام احمد قبل اور اسحاق بن راہویہ مگر امام شافعی بھی اصحاب آرائے سے خارج اور اہل حدیث میں داخل سمجھے جاتے ہیں لیکن آخر وہ بھی استنباط کرتے تھے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔

غرض کہ ابالاستیازہ دونوں میں یہ ہے کہ جو کتاب سنت کو بلا یا بند کسی شخص کے اصول کے پیش نظر رکھ کر ان سے مسائل کو لے یا استنباط کرے وہ اہل حدیث ہے اور جو کتاب سنت کے عمل کو پہلوں ہی پر ختم سمجھے اور کسی شخص یا کسی فرقہ کے اصول اور کلام ہی پر مدار فقہ کا رکھے اور اسی کے متور کئے ہوئے اصول اور جملہ کے سوتے قاعدہ پر تخریج کرے وہ صاحب آرائے ہے۔

## چھٹے تقلید اور عمل کی حدیث پر ایک مقلد اور

### غیر مقلد کا مباحثہ

مقلد سائل :- حضرت خنی ہی کہ شافعی :-

غیر مقلد مجیب :- میں محمدی ہوں نہ خنی ہوں نہ شافعی۔ اس لیے کہ میں جبرئیل پر ایمان لایا اور جس کی موت کا معتقد ہوا اسی سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہوں۔ مقلد :- معلوم ہوا کہ آپ غیر مقلد ہیں اور تقلید کو آپ واجب نہیں جانتے ہیں :- غیر مقلد :- بلاشبہ میں تقلید کو واجب نہیں جانتا۔ اس لیے کہ نہ خدا کی کتاب سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ رسول خدا کی کسی حدیث سے :-

مقلد :- تقلید کا وجوب جماع سے ثابت ہے اور جماع کا اتباع واجب ہے اور اسکا

منکر کا فرسہ۔

غیر مقلد۔ اجماع کی تعریف کیا ہے؟

مقلد۔ اجماع ہونی اللغة الاتفاق وفي الشريعة اتفاق مجتہدین صالحین من اُمة محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام فی عصر واحد علی امر قولی افعلی۔  
یعنی سنت میں تو اس کے معنی میں اتفاق کے اور شریعت کی اصطلاح میں اتفاق کزنائیک اور صلاحیت رکھنے والے مجتہدین کا است محمدی سے کسی ایک زمانہ میں اور پر کسی امر قولی یا فعلی کے؟

غیر مقلد۔ مجتہدین اور صالحین کے قیود کی وجہ بیان کیجئے؟

مقلد۔ المراد بالمجتہدین جمیع المجتہدین الکائبین فی عصر من الاعصار واحترز به عن اتفاق المقلدین واحذر بقوله صالحین عن اتفاق مجتہدین ذوی ہوی او فاسقین (حاشیہ نور الانوار) وقید بالمجتہدین اذ لا عبرة باتفاق العوام وعرف بلام الاستغراق احترازا عن اتفاق بعض مجتہدین عصر ورجح واهل الاجماع من کان مجتہدا صالحا لہما یستغنی عن الرے (نور الانوار) اسی سے معلوم ہوا کہ تمام اُن مجتہدین کا اتفاق ضرور ہے جو کزنائیک اور صلاحیت رائے دینے کی رکھتے ہوں اور فاسق اور بدعتی نہ ہوں۔

غیر مقلد۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ بعد اُمیر ابو کے کتنے مجتہدین صالحین کا اجماع تقلید کے وجوب پر ہوا ہے۔ اول تو تقلید کی بدولت کسی پر تنہد کا اطلاق آپ کر ہی نہیں سکتے۔ دوسرے جو مجتہد ہوئے ہیں وہ تقلید کے عدم وجوب کے مستند رہے ہیں۔ خیر اب یہ فرمائیے کہ اجتہاد کی تعریف کیا ہے اور مجتہد ہونے کے لیے کیا شرط ہے؟

مقلد۔ والاجتہاد ہونی اللغة تحمل الجهد الی المشقة وفي الاصطلاح استغراق الفقیہ الوسع لتحصیل ظن بحکمہ شرعی ومعنی استغراق الوسع بذل تمام الطاقة بحیث یحس من نفسه العجز عن المزید علیہ وشرط الاجتہاد ان یجمع العلم بامور ثلثة الاول الکتاب والمراد بالکتاب قدر ما یتعلق بمعرفة الاحکام الثانی السنن قدر ما یتعلق بالاحکام ووجوب القیاس بشرائطها و

اقسامہا واحکامہا (تبیح) پس مجتہد کتاب اویست کو جس قدر کہ متعلق احکام کے  
ہو اور وجوہ قیاس کی جائے وہ مجتہد ہے۔

غیر مقلد :- اگر کسی اجتہاد پر ایک مانہ کے مجتہدین نے اجماع کیا ہو اور دوسرے مانہ  
کے مجتہدین کا اجماع برخلاف اُس کے ہو تو دوسرا اجماع بھی واجب الاتباع ہے نہیں؟

مقلد :- قیل بشرط للاجماع اللاحق عدم الاختلاف السابق عند ابی  
حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ولیس كذلك فی الصحیح بل الصحیح انہ یعتقد عند

اجماع متأخر ویرتفع الخلاف السابق من الاجماع اللاحق (نور الانوار) قوله انہ  
یعتقد عندہ ای عند الامام الاعظم اجماع متأخر اذا معتبرا اما صواب اتفاق

مجتہدین العصر سواء تقدم الخلاف او لا والدلائل الدالة علی حجة الاجماع  
لیست بعقبة العدم لا اختلاف السابق قوله ویرتفع الخلاف السابق لان

دلیل السابقین المخالفین لم یبق دلیلاً یعتد بہ بعد ما انعقد للاجماع علی  
خلافہ کما اذا نزل نص بعد العمل بالقیاس - (حاشیہ نور الانوار) یعنی دوسرا اجماع

خلاف اجماع سابق کے جائز ہے اور پہلا اجماع مرتفع ہو کر دوسرا اجماع کا اتباع واجب  
ہے اس لیے کہ دوسرا اجماع نے پہلے اجماع کو ایسا باطل کر دیا جس طرح کہ نص کے لگانے

سے قیاس کا حکم باطل ہو جاتا ہے۔

غیر مقلد :- حضرت نسخ میں اور میں کچھ فرق ہے ولا نسخ بعد القطع الوجدی -  
مقلد :- اجیب بجوازہ فیما یشبہ بالاجتہاد علی عینی انہ لما انقضى ذلك الحكم

فانتهت المصلحة وفق الله المجتہدین للاتفاق علی القول بالآخر ورتفع الخلاف  
وان لم یعرفوا مدة الحكم وتبدل المصلحة (تبیح) کہ ایسا نسخ ان ہمنی کر کے

جائز ہے کہ وہ حکم سبب نہ بنے مصالحت کے تمام ہو گیا تب خدا نے دوسرے زمانہ کے  
مجتہدین کو دوسرے قول پر متفق کر دیا گو وہ مدت حکم کی اور مصالحت کی تبدیل کے سوا

واقف نہیں لیکن الامتہ اذا اختلفوا فی مسئلة فی ای عصر کان علی اقوال علیان  
اجماعاً منهم علی ان ما عداها باطل ولا يجوز لاحد بعد ما احداث قول

آخر وقیل هذا فی الصحابة خاصة وهذا یسمی اجماعاً من کبار (نور الانوار) پس جب  
کسی مسئلہ میں کسی زمانہ کے لوگوں میں اختلاف ہو چکا تو ان قولوں کے سوا تیسرا قول باطل

ہے اور پھر بد آن کے آنے والے لوگوں کو نئی بات کا نکالنا جائز نہیں ہے اور بعضوں نے  
 یہ کہا ہے کہ یہ مخصوص ساتھ صحابہ کے ہے۔

غیر مقلد۔ اس اصول کے قایم کرنے سے غرض حضرات فقہاء کی یہی ہے کہ انحصار  
 نہ کریں انہیں چار میں ہر جاوے لیکن اگر اختلاف سے مراد ایک ہی زمانہ کا اختلاف  
 ہے تو وہ ان مذاہب میں بھی موجود ہے کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ دونوں معصرتھے  
 اور باہم مخالف اور اگر ایک زمانہ کے اختلاف کی خصوصیت نہیں ہے پس کہ جو کچھ ہمارا  
 اختلاف متبذیر ہوگا جس طرح کہ امام شافعی اور احمد بن حنبل ہر کا اختلاف معتبر ہو گا اور  
 ملوث اصول ماعداد باطل کے باطل نہ ٹھہرائے۔

مقلد۔ الجواب عند صاحب (نور الانوار) بیشک یہ ذرا مشکل بات ہے الا ان یقال  
 الاختلاف المعتبر هو الذي في زمان واحد والشافعي رحمه الله اذا قالوا قولاً ائنا  
 يقولان اذا جرى به سلك ابي يوسف ومحمد مع ابي حنيفة او كان اختلاف  
 بين الصحابة فاخذ ابو حنيفة بمرجئة الله بقول صحابي ومالك والشافعي  
 بقول صحابي اخر (تفسیر حموی) پس اختلاف معتبر وہی ہے جو ایک زمانہ میں ہو اور اس سے  
 نہ ہر شافعی وغیرہ کا باطل نہیں ہوتا اس لیے کہ جو کچھ انہوں نے اختلاف کیا ہے یا تو وہی  
 ہے جس میں پہلے سے امام ابو حنیفہ کے شاگرد ان سے مخالف تھے یا وہ اختلاف صحابہ  
 میں پہلے ہی ہو چکا تھا۔

غیر مقلد۔ خدا کے لیے انصاف کرو کہ کیسی بار بار دلیل ہے اور اس کا بیان کرنا عقلاء کی  
 شان سے کیسا بعید ہے کہ ایک زمانہ کا اجماع دوسرے زمانہ کے اجماع کو منسوخ کر دے اور  
 لطف الہی سمجھا جاوے اور ایک زمانہ کے دو مختلف قولوں کے بعد دوسرے زمانہ میں سے  
 قول کا نکالنا جائز نہیں ہو بلکہ باطل ٹھہرے۔

مقلد۔ یہ کیا آپ جماع کے سنکر میں؟

غیر مقلد۔ اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مستند اس کا کتاب سنت ہو۔ دوسری  
 کہ خط علماء اور فقہاء کا اتفاق ہی اتفاق ہو خواہ کسی ضرورت سے خواہ کسی صلحت پہلی صورت کا

اجماع واجب الاتباع ہے اور حقیقت کتا بے سنت کا اتباع ہے اور دوسری قسم کا اتباع نہایت ہی بُرا ہے۔

مقلد: ہماری غرض بھی اجماع سے پہلا ہی اجماع ہے لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم ہر اجماع کی نسبت ثابت کر سکیں کہ مستند اُس کا کتا بے سنت ہے۔ مگر چونکہ بے ایسے ہندو کے علماء کا اجماع کرنا محال ہے اس لیے ہر اجماع کو پہلی ہی قسم کا اجماع سمجھنا چاہیے۔

غیر مقلد: یہی آپ کی غلطی ہے۔

مقلد: دلیل اس غلطی کی یہاں کھینچے۔

غیر مقلد: سنئے خدا فرماتا ہے کہ اذ اقبل لہم امنوا بما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا۔ کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اُسی کی پیروی کرتے ہیں جو ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا پس وہ بھی اپنے بزرگوں کے اجماع کو ایسے ہی خیال سے واجب الاتباع جانتے تھے۔

دوسری آیت میں خدا فرماتا ہے کہ اتخذوا حبارہم و رہبا انہم راہا با من دون اللہ کہ یہودیوں و عیسائیوں نے اپنے احبار اور رہبانوں کو اپنا رب ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ کوئی یہودی نہ کوئی عیسائی کسی رہبان کو رب کہتا تھا بلکہ انکی نسبت ایسا خوش عقیدہ رکھتے تھے کہ جو وہ حلال کہہ دیتے اُس کو حلال مانتے جو وہ حرام کہہ دیتے اُس کو حرام سمجھتے۔

اگر خدا کی کتاب پر اطمینان نہ ہو تو فقہاء اور علماء کے اقوال سنئے۔ قال الشعبي ما نزلت ہشوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذیہ وما قالوہ براہم فالقہ فی الحشیش راز لا الخفا کہ جو لوگ پیغمبر خدا کی طرف سے کہیں اُسے قوی اور جلال پائیے سے کہیں اُسے پناہ میں ڈال دو۔

عن عبد اللہ ابن عباس وعطاء مجاہد و مالک بن انس رضی اللہ عنہم انہم کانوا یقولون ما من احد الا و هو ماخذ و من تلاہ و مرہ و علیہ الارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عبد اللہ ابن عباس اور عطاء اور مجاہد اور مالک

ابن انس ان سب کا یہ قول تھا کہ کوئی شخص نہیں ہے مگر اُس کا کلام بیا جاسکتا ہے اور کچھ بھی ہو سکتا ہے سوائے رسول مقبول سے اللہ علیہ وسلم کے ۔

قال بعض السلف ما جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلناه على الراس والعين وما جاءنا من الصحابة رضي الله عنهم فخذ منه ونترك وما جاءنا من التابعين فهو رجال ونحن رجال مگر جو کچھ پیغمبر نے فرمایا ہے وہ تو ہمارے سر پر اور ہمارے آنکھوں پر اور جو کچھ صحابہ نے کہا اور کیا ہے اُس سے ہم جیسے بھی ہیں اور جو کچھ تابعین نے کہا اور کیا ہے تو وہ بھی آدمی ہے اور ہم بھی آدمی ہیں ۔ ومنہا ان يكون اعتمادا في علومه على بصيرة وادراكه لصفا قلبه لاعلى الصحف والكتب ولا على تقليد ما يسمع من غيره وانما المقلد صاحب شمع صلوات الله عليه وسلامه ومن انكشف عن قلبه لعطاء واستار بنور الهداية صار في نفسه متبوعا مقلدا فلا ينبغي ان يقلد غيره كعالم كى صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے علوم میں اپنی بصیرت اور ادراک پر زیادہ بھروسہ کرے نہ صحیفوں اور کتابوں پر اور نہ دوسرے کی تقلید پر کیونکہ وہ شخص جس کی تقلید ضرور ہے صرف صاحب شریعت ہے پس جو شخص فی ہدایت سے اپنے دل کو روشن کرے گا وہ خود متبوع ہو گا نہ کہ مقلد تو کیونکر دوسروں کی تقلید کرنا چاہو گا ۔

ومنہا ان يكون شديدا لتوقي من محدثا لا الامور وان اتفق عليه الجمهور فلا يعرفه اطلاق المخلق على ما احدث بعد الصحابة رضي الله عنهم (امام اعظم) یعنی ہمیشہ محدثات امور سے بچتا رہے گو سب اُس پر متفق ہوں اور ہرگز اجماع عقیم پر بعد صحابہ کے فریفتہ نہ ہو اس لیے کہ یہ بڑا دہوکا ہے فان الناس لا ورايا فيما هم فيه اميل باعهم اليه ولم تسمع نفوسهم بالا اعتراف بان ذلك سبب الحرمان من الجنة فادعوا منه لا سبيل الى الجنة سواہ ۔ غرض کہ یہ اقوال و رسائل اس کے بڑا اقوال اور میں جن سے بڑائی اُس جماع کی ثابت ہوتی ہے جس کا مستند کتاب سنت نہ ہو ۔

مقلد ۔ و جو تقلید پر جو اجماع ہے وہ پہلی ہی قسم کا ہے کہ اُس کا مستند کتاب سنت ہے ۔

غیر مقلد۔ یہ آپ کی غلطی ہے تقلید پر جو اجماع ہے وہ واجب نہیں ہے جس کا  
مسند کتاب سنت ہو۔

مقلد۔ اس کو ثابت کیجئے۔

خیر مقلد۔ شیخ اجماع کو جو اہل اصول نے مثل کتاب سنت کے شرعی محبت قرار  
دیا ہے اس پر غور کرنا ضرور ہے کہ سب اس کا کیا ہے۔ پس اگر یہ کہا جاوے کہ فقط اُمت کا  
جمع ہو جانا اور سب لوگوں کا ایک بات پر اتفاق کر لینا ہی محبت شرعی مثل قرآن حدیث  
کے ہے تو عقل سلیم اس کو قبول نہ کرے گی کہ اُن لوگوں کی رائے چونکہ غیر معصوم ہیں صرف  
اتفاق کے سبب ایک معصوم کے قول خطا کے کلام کی نہ صرف برابر ہو سکتے بلکہ اس کو  
منسوخ کر دے جیسا کہ صاحب درساۃ الغیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب پی کتاب کی  
درست ثانیہ میں لکھتے ہیں ان نفس الاجماع عبارة عن اراء مجتمعة من علماء  
عصر واحد و اراء الرجال لیست من نسخ کلام المعصوم فی شئی ولیس فی نفس  
اجماع الامة منجدة عندی یوجب القطع۔ یعنی اجماع عبارت ہے کسی زمانہ کے علما  
کی رائوں کے جمع ہونے سے اور آدمیوں کی رائوں کو ایسی قوت نہیں ہو سکتی کہ کوئی  
بات کو معصوم کی منسوخ کر دے۔ پس میرے نزدیک فقط اُمت کا اجماع دلائل قطعیہ میں  
سے نہیں ہے پس جب اس قسم کا اجماع یعنی فقط اتفاق کر لینا ہی لوگوں کا قابل محبت نہ ٹھہرے  
تو ضرور ہوگا کہ اُس اجماع کی کوئی سند کتاب سنت سے ہووے یعنی کسی نیا کسی حدیث  
کے سبب اس اجماع کا ہونا پایا جاوے پس یہ حال میں درحقیقت کتاب سنت محبت  
شرعی ٹھہرے۔ نفس اجماع بلکہ اجماع صرف اُس کے مطلب اور مراد کا ظاہر کرنے والا ٹھہرے اور  
چونکہ ثبوت اجماع کے لیے ضرور ہے کہ تمام حافظان حدیث اور شایخ اور مجتہدین زمانہ کے  
اُس میں داخل ہوں اور اُن سب کا اتفاق ہو تو ایسی حالت میں اُمت محمدی کا ضلالت پر جرح کرنا

۱۔ اجماع کے معنی اتفاق جمع ہونا لوگوں کا کسی بات پر نہیں ہے یعنی اگر کوئی بات ایسی ہو کہ اس کو سب لوگ بغیر غصہ  
کے کہتے یا کرتے چلے آئے ہوں تو اسے اجماع کہا نہیں ہو سکتا بلکہ اجماع کے لیے ضرور ہے کہ اس پر بحث و تکرار ہوئی ہو  
دو اہل موافقت و مخالفت بحث میں آئے ہوں اور بعد تمام مباحث کے کسی اور اجماع ہو گیا ہو پس اگر عباس اجماع کے کوئی ہی  
دلیل مخالف کہہ جو اس اجماع میں مباحثہ میں نہیں آئی تھی تو وہ علی محبت نہیں ہوتا۔ ۲۔

محال ہے اس لیے کہ قطع نظر نقل کے قبل سلیم بھی قبول نہیں کرتی کہ سائے علماء اور فقہاء اور محدث ایسی بات پر اجماع کریں جو کہ کتاب سنت کے مخالف ہو لیکن ایسا اجماع جس کا مستند کتاب سنت ہو اور جس میں تمام محدثین اور فقہاء داخل ہوں نسبت تقلید کے نہیں ہے کہ ایک مکرر ثابت کرتے ہیں چند دلیلوں سے۔

اولاً خدا کی کتاب سے پہلی آیت اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء۔

دوسری آیت۔ فبشر ہادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه لولئلا الذین ھداهم للہ واولئک ہم اولوالباب۔۔

تیسری آیت۔ فلن تنازعنک فی شیئ فرددہ الی اللہ الرسول ان کنتم کوثر باللہ والیوم الآخر۔

ابن حزم جس کے کلام کو شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البانہ میں نقل کیا ہے یہی آیتیں حرمت تقلید کے ثبوت میں بیان کرتا ہے۔ حیث قال التقلید حرام ولا یجوز لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا برہان۔ کہ تقلید حرام ہے اور کسی کو جائز نہیں ہے کہ کسی کے قول کو سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دلیل کے قبول کرے اور ابن حزم ان روایتوں کو نقل کر کے نتیجہ نکالتا ہے کہ فلن یرد علی اللہ تعالیٰ الرد عند التنازع الی لاندہ غیر القرن والسنۃ یعنی نہیں مباح کیلئے اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنا وقت تنازع کے کسی کی طرف سوائے قرآن اور حدیث کے اور حرام کر دیا ہے اس سے رجوع کرنا کسی کہنے والے کی بات پر اس لیے کہ وہ قرآن سنت نہیں ہے۔

ثانیاً۔ احادیث نبوی۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ احادیث صحاح کے ملاحظہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ تاکید اپنی اور اپنے اصحاب کی پروردگی کی کی۔ اور وہی باتوں سے بچنے اور اپنی احادیث پر تمسک کرنے کی کی ہے اور تقلید سے سوائے اپنے امام کے اقوال کی تبعیت کے کوئی نہ حدیث پر عمل کرنا مجاز ہے نہ اقوال اعمال صحابہ پر تمسک کر سکتا ہے۔

ثالثاً۔ اقوال صحابہ و تابعین و تبع تابعین۔ عن ابن عباس اما تخافون ان



تعدوا و يخسف بكم ان تقولوا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال  
فلان ان حضرت بن عباس کہتے ہیں کہ کیا تم عذاب نازل ہونے سے نہیں ڈرتے ہو  
جو یہ کہتے ہو کہ پیغمبر خدا نے فرمایا اور فلان شخص نے یوں کہا ہے یعنی پیغمبر صاحب کے  
قول کے بعد دوسرے کے قول کو دیکھتے ہو قال بن عمر لجا بر ابن زید انک امر  
فقهائ البصرة فلا تفت الا بقرآن ناطق او سنة ماضية فانك ان فعلت  
غير ذلك هلكك واهلكك۔ کہ حضرت ابن عمر نے جابر ابن زید سے کہا کہ تم بعصرہ  
کے فقیہوں میں سے ہو اس لیے تم فتویٰ نہ دینا مجز قرآن ناطق اور حدیث صریح کے  
ورنہ خود ہلاک ہو گے اور اوروں کو ہلاک کرو گے۔

اخرج الترمذي عن ابي السائب قال كنا عند وكيع قتل الرجل ممن ينظر  
في الآثام اشعر رسول الله صلى الله عليه وسلم ويقول ابو حنيفة هو مشلة  
فقال الرجل فانه قد روى عن ابراهيم النخعي انتقال الاشعار مشلة قال  
يايت وكيعا غضب غضباً شديداً وقال اقول قال رسول الله صلى الله عليه  
وقول قال ابراهيم ما احقك بان تحبس ثم لا تخرج حتى تنزع عن قولك  
صدلاً۔ ترمذی نے ابی سائب سے روایت کی ہے کہ میں وکیع کے پاس بیٹھا ہوا تھا  
کہ انھوں نے ایک آدمی سے جو کہ صاحب لڑائے تھا کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
نے اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ وہ شدید ہے تو اُس آدمی نے کہا کہ ابراہیم نخعی  
سے ایسی ہی روایت پہنچی ہے یسُن کہ وکیع کو نہایت غصہ ہوا اور کہنے لگا میں تو  
کہتا ہوں کہ فرمایا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تو کہتا ہے کہ کہا ہے پریم نخعی  
نے پس تیری یہی سزا ہے کہ تو قید کیا جاوے اور جب تک کہ اپنے اس قول سے نہ پھرے  
تب تک جیل خانہ میں رہے۔

حدیث عبادۃ بن الصامت الانصاری النقیب صاحب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم انہ غزا مع معاویۃ ارض الروم الی قولہ فقال عبادۃ احد ثقات  
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتحدثني عن مالك ان اخرجني الله  
سبحانه لاساكنك بارض لك على فيها امرة (دراسة) عبادۃ بن الصامت  
امير معاوية سے کہا کہ یہ لوگ چاندی کے ٹکڑوں کو درجہ سے اور سونے کے ٹکڑوں کو

دینار سے فروخت کرتے ہیں یہ سود ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا تباعوا الذهب بالذهب الا مثلاً بمثل امیر معاویہ نے کہا کہ میں سکویا نہیں جانتا تو وہ غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میں تو پیغمبر خدا علیہ التیمۃ والثناء کا قول بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو اگر خدا نے مجھے اس جگہ سے نکالا تو کہیں میں وہاں نہ رہوں گا جہاں تم امیر ہو۔

قال المہر دینی و مروی عن محمد الکوفی وکان من اسلام بمکان قال راایت الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ بمسئلۃ یفتی الناس الی قوله فقال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ ما اوجبی یا اسحاق ان یکون غیرک فی موضعک فکنت امرۃ لغیرک اذنیہ اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انت تقول عطاء و طاؤس و ابراہیم و الحسن و صل لا حد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجة کہ ایک بگرام شافعی اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ جمع تھے۔ ایک مسئلہ پر امام شافعی نے حدیث نقل کی۔ اسحاق بن راہویہ نے بتقابل اس کے حسن و ابراہیم اور عطاء اور طاؤس کی رائے اور قول کو مخالف اس کے نقل کیا امام شافعی غصہ ہوئے اور کہا کہ اسحاق افسوس ہے بجائے تیرے دوسر آدمی نہ ہو ورنہ میں اس کی گوشمالی کرتا کہ میں تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتا ہوں اور تم عطاء اور طاؤس اور ابراہیم اور حسن کے قول کو نقل کرتے ہو کسی کو پیغمبر خدا کے ساتھ کچھ محبت نہیں ہے۔

قال محیی السنہ و جامع العجل الی مالک فمسئلۃ عن مسئلۃ فقال لہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا و کذا فقال الرجل ما راہیک فقال مالک فلیخدر الذین یخالعون عن امرۃ ان یرصیہم ففتۃ او یصیبہم عذاب الیم الا قوله ان التعزیر العار د علی مثل اسحاق رحمۃ اللہ علیہ مع جلالہ قدرہ من الشافعی رحمۃ اللہ علیہ لم یکن فی الزہید من التوفۃ بقول الفقہاء فی مقابلۃ الحدیث کہ ایک شخص نے امام مالک سے اگر ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے کچھ جواب دیا کہ ایسا فرمایا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس شخص نے کہا پھر تم کیا کہتے ہو۔ امام مالک بخا ہوئے اور کہا کہ تو نے تو پیغمبر خدا کی نہ جانی اب تو سوچ کہ اسحاق بن راہویہ سے جلیل القدر امام کو امام شافعی نے صرف اسی سبب قابل تعزیر

جا ناگہ انہوں نے مقابلہ میں حدیث کے فقیہ کے قول کو نقل کیا تھا پس اس قول سے  
امام مالکؒ نے اس شخص کو ڈرایا جو کہ مقابلہ حدیث کے دوسری رائے دریافت کرے۔  
قیل الشعبي لا تحضر المسجد فقال لقد بغض الى هؤلاء هذا المسجد  
حتى صار ابغض الى من كناسة داربي فقيل له من هؤلاء يا ابا عمر فقال  
اصحاب الراية كثيبي حمرانہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ مسجد میں نہیں کیا کرتے  
انہوں نے جواب دیا کہ توؤں نے مجھے مسجد کا ایسا دشمن کر دیا ہے کہ میں اس کو  
اپنے گھر کی بُری سے بُری جگہ سے بھی زیادہ بُرا جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ  
کون سی لوگ ہیں۔ نبہ انہوں نے کہا کہ اصحاب رائے۔

قالوا لاحمد مرة لم لا تصنع للناس في الفقه شيئا فقال انا اهد كلام مع  
الله تعالى وهو له صلى الله عليه وسلم کہ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے کہا کہ آپ  
فقہ میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے۔ جواب دیا کہ خدا اور رسول کے ہوتے ہوئے کسی  
کو مجال کلام کی نہیں ہے۔

غرض کہ شمس کے اُور صد اُقوال صحابہ و تابعین کے ہیں جن سے ثابت ہوتا  
ہے کہ تقلید کسی کی سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ چاہیے لیکن ہم قطع نظر  
ان اُقوال کے خاص چاروں امام کے اُقوال کو نقل کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ  
انہوں نے اپنی تقلید کامل کو جائز ہی نہیں رکھا۔

یو اُقت وجہا میں لکھا ہے کہ روی عن ابی حنیفہؒ انہ کان یقول لا  
یسنخی لمن لا یعرف دلیل ان یفتی بکلامی وکان رضی اللہ عنہ اذا  
افتی یقول ہذا رای النعمان ابن ثابت کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ جو شخص  
میری لیبوں کو نہ جانے اُسے سزاوار نہیں ہے کہ میرے کلام پر فتویٰ دے اور خود  
اُن کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ کچھ فتویٰ دیتے تو صاف یہ کہہ دیتے کہ یہ رائے نعمان  
ابن ثابت کی مبنی میری ہے۔

ملہ بر خلاف اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ تحقیق علماء فرمودہ اندر وجہ است انا بقول امام اعظمؒ  
نعمان کا لکھنا گناہ تھا کہ وہ فتاویٰ دیتے تھے بغیر حجت۔ لایع الاہام لایع الاوام۔ ۱۲

روى الحاکم والبیہقی عن الشافعی رضی اللہ عنہ انہ کان یقول اذا صح  
الحديث فهو مذهبي وفي رواية اذا ساريت كلامي يخالف الحديث فاعملوا  
بالحديث واضربوا بكلامي الخاطئ۔ کہ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رحمہ سے روایت  
کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر حدیث کی صحت ہو جاوے تو وہی مذہب میرا ہے اور  
ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر کوئی کلام میرا حدیث کے مخالف ہو تو  
حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دوار سے چٹکو۔

وقال يوما للممنن يا ابراهيم لا تقلدني في كل ما اقول وانظر في ذالك  
لنفسك فانہ دين کہ امام شافعی رحمہ اپنے شاگرد مزننی سے کہا کرتے کہ اے ابراہیم میری  
اقلید نہ کرنا ہر ایک بات میں جو کہتا ہوں بلکہ تو اپنی ذات سے بھی اسپر نظر کرنا اس لیے  
کہ یہ دین ہے اس میں اقتاد اور کسی کے قول پر نہیں چاہیے۔

وكان رضي الله عنه يقول لا حجة في قول احد دون رسول الله صلى الله  
عليه وسلم وان كنتوا لاني قياس ولا في شئ۔ کہ امام شافعی رحمہ کہا کرتے کہ کسی  
قول کسی کا قیاس اور کوئی چیز کسی امر میں کچھ محبت نہیں ہے سوائے رسول مقبول  
صلی اللہ علیہ وسلم کے اگرچہ اس قول اور قیاس پر بہت سے شخص متفق ہوں۔

وكان الامام احمد رضي الله عنه يقول ليس لاحد مع الله ورسوله كلام  
كلام محمد منبل فرماتے تھے کہ خدا اور رسول کے ساتھ کسی کو کلام نہیں ہے۔

وقال ايضا لرجل لا تقلدني ولا تقلد من مالكا ولا اولا ولا عيا ولا النخعي ولا  
غيرهم وخذ الاحكام من حيث اخذوا من الكتاب والسنة کہ امام احمد رحمہ  
نے ایک شخص سے کہا کہ تو نہ میری تقلید کر اور نہ امام مالک کی نہ اوزاعی کی نہ نخعی کی  
اور نہ کسی اور کی۔ بلکہ جہاں سے انہوں نے احکام نکالے ہیں یعنی کتاب سنت سے  
جہاں سے تو بھی نکال۔

عن ابی یوسف و زفر رحمہما اللہ علیہما انہما قالوا لایحل لاحد ان یفتی بقرآن  
مالہ یعلم من این قلنا۔ کہ امام ابو یوسف اور زفر رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ حلال  
نہیں ہے کسی کو یہ کہ فتوے دے چہاں سے قول پر جب تک کہ وہ یہ نہ جانے کہ کہا  
ہے کہا ہے۔

پس باوجود ایسی تصریحات کے جو ان ائمہ اربعہ اور ان کے خاص شاگردوں نے  
عدم تقلید پر کی ہیں اگر کوئی تقلید کو واجب اور عمل بالحدیث کو ناجائز کہے وہ حقیقت  
میں ان باتوں کا متقلد نہیں ہے بلکہ اپنی ہوا و ہوس اور رسوم و رواج کی پابندی کا۔

غرض کہ ان چند قولوں کے نقل کرنے سے ثابت ہو کہ نہ صحابہ کے زمانہ میں نہ تابعین  
کے زمانہ میں نہ تبع تابعین کے زمانہ میں تقلید جاری ہوئی۔ نہ کسی نے ان قولوں کا شر  
میں اس کو واجب مانا بلکہ جس طرح پر کج عمل لوگ عمل کرتے ہیں ایسا ہی عمل کسی کے  
قول پر بھی نہیں کیا تو باوجود اس کے پھر یہ دعویٰ کرنا کہ تقلید واجب ہے اور اس  
اُس کا گنہگار اور واجب التعمیر حقیقت میں دوسری شریعت قائم کرنا اور نیادین کچھ بگاڑ  
کرنا ہے و نعوذ باللہ منہ۔

اگر ہم ان زمانوں پر بھی خیال نہ کریں اور آئندہ آنیوالے زمانوں پر نظر کریں کہ پھر بھی  
تقلید پر اجماع ہو گیا ہو تو وہ بھی ہم نہیں پاتے اس لیے کہ بعد اُس کے جسے لوگ مانتے  
وہ یا محدث تھے یا اہل تصوف یا فقہاء یا عوام۔ پس اصلی محدث تو ہزاروں میں ایک ہی  
ایسے ہوں گے جنہوں نے تقلید کی ہو ورنہ جو لوگ اصل حدیث کے جمع کرنے والے  
اور اُس کے جاری کرنے والے ہیں وہ تقلید کے نام سے بھاگتے تھے اور اُس کو عبت  
جانتے تھے اور جو اہل تصوف تھے اُن کا بھی یہی حال ہے کہ ہمیشہ تقلید سے نفرت  
کیا کیے اور اُس کی بابت بیان کرتے رہے۔ رہ گئے فقہاء اور علماء اُن میں سے بھی  
جو یقین تھے وہ غیر متقلد رہے اور جو تحقیق اور اجتہاد کے اعلیٰ درجہ پر نہ تھے انہوں نے  
تقلید پر قناعت کی اور عوام تو کالافعام ہیں۔ اُن کا کچھ ذکر نہیں پس حقیقت میں  
اجماع جس کا نام ہے وہ کسی نام میں نسبت وجوب تقلید کے نہیں جلا۔ ہاں ایسا شکیب  
نہیں ہے کہ چوتھی صدی سے اتنا اکثر لوگ تقلید کے پابند ہو گئے اور روز بروز  
اُس کی پابندی بڑھ گئی مگر بجا بلکہ محدثین اور محققین کے اذکار لوگوں کی کثرت کچھ بھی  
لاپتہ لحاظ کے نہیں ہے ورنہ صرف کثرت پر اگر گلا ڈکھا جاوے تو ساری بدعتیں

لے چکے نامیں تقلید جاری نہ ہونے سے یہ غرض ہے کہ کوئی ایک شخص اُن میں سے ایسا نہیں بنا سکتا کہ  
جس کے سارے افعال انہوں نے مانے ہوں یا جس کی سب باتوں کو انہوں نے وہی عمل کرنا ہو۔

تغزیہ پرستی اور قبر پرستی وغیرہ سب سبسی اجماع کی دلیل سے مبادت میں داخل ہو جاویں۔ اور اُن کا ترک کرنا خرقِ اجماع کہلاوے۔ ولہ یقل بہ احد اور اجماع کی نسبت اہل اصول نے بھی یہی کہا ہے کہ اجماع مجتہدین صالحین کا اجماع ہے نہ اجماعِ متخلدین کا اور مطابق قولِ تخلدین کے مجتہد بعدِ آئمہ اربعہ کے کہ ہوئے ہیں اور جو مجتہد ہوا ہے وہ مقلد نہیں ہوا پس جس قدر اور علماء اور فقہا تقلید کے وجوب کے متعقد ہیں انکا اجماع حقیقت میں مطابق اصول کے اجماع نہیں ہے۔“

مقلد ہے آپ کے روبرو وجب ہم نے علماء فقہاء کے اقوال کو تقلید کے وجوب پر پیش کیا تب آپ نے اُن کو تسلیم نہ کیا اور پھر آپ انہیں کے اقوال کو اپنے دعویٰ عدم وجوبِ تقلید پر پیش کرتے ہیں۔“

غیر مقلد ہے درحقیقت ہم تو صرف کتابِ سنت ہی کو دلیل عدم وجوبِ تقلید کی جانتے ہیں۔ مگر جو نحو آپ اور اُس زمانہ کے کھشہ لوگ عادی اس کے ہو گئے ہیں کہ بغیر حوالہ کتاب اور سند علماء کے اقوال کے وہ کسی بات کو نہیں مانتے اس لیے ہم نے آپ کے اور اس زمانہ کے لوگوں کے سمجھانے کے لیے اُن کے قولوں کو نقل کیا اور نقل کرنے پر آمادہ ہیں ورنہ ہم اپنی ذات کے لیے اُسکی کچھ شتر نہیں سمجھتے۔ بلکہ تو خدا اور رسول کے کلام پر تسک ہے اور اس پر سیاقین ہے کہ بالفرض اگر ایک مولوی اور ایک عالم کا قول بھی ہمارے مؤلف نہ ہوتا تب بھی ہمارے عقیدہ میں کچھ خلل آتا اور خدا کی کتاب اور رسول کے اقوال کو چھوڑ کر ہم کسی کی بات پر کان بھی نہ ٹکالتے۔ علاوہ اس کے ان قولوں کے نقل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ جو بار بار آپ کی زبان سے لفظ اجماع کا نکلتا ہے اُس کا بطلان ظاہر ہو جائے اور ان بڑے بڑے متعقدین علماء اور آئمہ میں کے اقوال سے آپ کے دعویٰ کے وجوبِ تقلید کا غلط ہونا سب پر کھل جائے۔ بلکہ سخت حیرت ہوتی ہے کہ صناہ اور تابعین اور متبع تابعین اور محدثین اور مجتہدین اور محققین کا تقلید نہ کرنا اور اُس کو بُرا جاننا تو عدم وجوبِ تقلید کی دلیلِ قطعیہ ہی اور اُن کا ایک بات پر اتفاق کرنا اجماع نہ کہلاوے اور بعد قرونِ ثلثہ کے جو لوگ آئیں اور جن کے مراتب دیر و تقویٰ اور مدارجِ علم تحقیق اُن متعقدین کے برابر نہوں اور پھر وہ بھی سب کے سب ایک بات پر متفق نہوں انکا تقلید کو جائز نہ کہنا وجوبِ تقلید پر ایسی دلیل ہو جاوے کہ اُس کا منکر بدعتی اور فاسق

اور واجب نہیں ٹھہرے۔ خاعتبر دایا اولی الالباب ان هذا لشی عجاب۔  
**مقلد**۔ جو لوگ کہ تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اُن کا قول مرجوح ہے  
 اور جو لوگ اُس کو واجب اور جائز جانتے ہیں وہ بہت ہیں اور سواد اعظم وہی ہے  
 جس جانب بہت لوگ ہوں اس لیے آپ کا استناد چند ہی علماء کے اقوال پر ہے  
 اور ہمارا استناد ہزاروں کے قول پر۔

**غیر مقلد**۔ یہ دونوں دعویٰ غلط ہیں اول یہ کہنا کہ واجب العمل وہ قول ہے جس پر  
 بہت لوگ متفق ہوں اور اُس کو سواد اعظم جانتا۔ دوسرے یہ سمجھنا کہ وجوب تقلید کی طریف  
 اکثر لوگ ہیں اور جس طرف بہت لوگ ہوں اُسکی مخالفت اجماع کی مخالفت ہے۔ اول  
 دعویٰ کی غلطی پر چند قول میں نقل کرتا ہوں کہ بعض مفسرین نے آیت ان قطع اکثر  
 من فی الارض یضلوک کی تفسیر میں کہا ہے کہ فی هذا دلالة علی انه لا عجز  
 فی دین الله ومعرفه الحق بالقلّة والکثرة بجواز ان یکون الحق مع الاقل  
 کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ کچھ اعتبار نہیں ہے خدا کے دین میں اور حق کے  
 پہچاننے میں قلت اور کثرت پر اس لیے کہ جائز ہے کہ حق وہی جس طرف تھوڑے  
 لوگ ہیں۔

ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے یوسف ابن  
 اسباط سے کہا کہ اذ ابغضک عن احد بالشرق انه صاحب سنّة فابعث الیه  
 بالسلام واذا ابغضک عن آخر بالمغرب انه صاحب سنّة فابعث الیه بالسلام  
 فقد قل اهل سنّة کہ اگر شرق میں ایک اور مغرب میں دوسرا باندہ سنت کا ہو تو  
 اُس کو سلام بھیجو اس لیے کہ سنت پر چلنے والے بہت ہی کم ہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ سواد اعظم وہی ہے جو تابع کتاب یعنی  
 قرآن اور سنت کا ہو وان ماسواها لایلتفت الیہم وان امتلاء العالم منهم  
 کہ جو کتاب سنت کے سوا ہوا سپر التفات نہ کرنا چاہیے اگرچہ اُن سے جہان بھر ابو اور  
 جماعت کے معنی ہیں ایک بزرگ نے کہا ہے کہ الجماعة دالة بجماعة اهل الحق  
 وان قلوا کہ جماعت نام ہے اہل حق کے جمع ہونے کا ایک حق بات پر اگرچہ وہ بہت  
 ہی کم ہیں۔

سواد اعظم کے معنی میں لاطینی قاری شرح شنبہ اٹھریں لکھتے ہیں کہ ان فیہم من  
الصفات الموجبة المقبول ما تقوم مقام العدد الكثير من غير صمد ولذا  
سميت مثل هذا الامام امة قال الله تعالى ان ابراهيم كان امة لانه  
يجمع فيه من الصفات ما لا يوجد متفرقة الا في جماعة ولذا قال الشاعر  
ليس من الله بمستنكر - ان يجمع العالم في احد - وقد قيل في حديث  
المشهور عليكم بالسواد الاعظم اي الارباع الاسلام - پس جبکہ ایک شخص کہ  
اطلاق است کا خدا کے کلام سے ثابت ہوا اس پر یہ کہ وہ ایک ان باتوں کا جامع تھا  
جو کہ متفرق متفرق گروہوں میں علیحدہ پائی جاتیں اور خدا کا ایک شخص کو بمنہ لہ ایک جان  
بھی بنا دینا عجیب نہیں اور سواد اعظم سے مراد زیادہ پرہیزگار سے لی گئی ہو تو یہ کثرت  
عوام کو کسی مسئلہ کی صحت پر دلیل لانا بچوں کو پھسلانا اور عوام کو خوش کرنا ہے  
وگرہ بیچ -

فاضل روز بہاں کتاب ابطال الباطل میں جہاں حدیث کا نزول طائفہ من امتی  
منصورین لایضر صمد من خذل لہم حتی تقوم الساعة کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں فی اصل  
الحديث کا نزول طائفہ قلیلة من التي منصورین بالجہ والبرہان -

پس علوم ہوا کہ وہ گروہ جو ہمیشہ غالب رہے گا وہ وہی قلیل رہیوں کا گروہ ہے جو کہ  
اپنی محبت شرعی سے آوروں پر غالب ہوگا اور کوئی اس کو مغلوب نہ کر سیکے اور یہ گروہ  
وہی ہے جو کہ تابع کتاب سنت ہے کہ نہ اس کے سامنے رسم و رواج کی سند پیش جاتی ہے نہ  
برقیوں کی بوج اور یہ پورہ دلیلیں حل کستی میں نہ علماء دنیا طلب کی چکنی چکنی باتوں کی  
و حذیت اثر کرتی ہے نہ قوموں کی کثرت اور عوام کی جمعیت اور تبعیت اسکو رد کر سکتی  
ہے - خدا کی کتاب در رسول کی حدیث کے سامنے سب کو مغلوبیت پہ جاتی ہے - دیکھنا  
چاہیے کہ اس کا مصداق کون ہے - وہ فرقہ جو تقلید کرتا ہے یا وہ فرقہ جو تقلید کا مارک ہے  
دونوں کی دلیلوں کو دیکھو اور پھر خدا کی کتاب رسول کی احادیث سے ملاؤ اور تصب کی آنکھ  
تھوڑی دیر بند کر کے انصاف کرو -

صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام بالسنت میں لکھا ہے کہ لا تزال طائفة من الی طائفة  
علی الحق اور ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ہمہ اصحاب الحدیث کہ وہ لوگ



اصحاب حدیث ہیں۔  
تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ اگر مراد اس طائفہ سے اہل حدیث نہ ہو تو میں نہیں جانتا  
کہ پھر کون لگ اس سے مراد ہوں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احیاء العلوم میں ومنہا ان یکون شدید  
التوقی من محدثات الامور وان اتفق علیہ الجمہور فلا یغرنہ اطبات

الخلق علی ما احدث بعد الصحابہ  
غرض کہ کثرت اقوال پر مغرور ہونا یا کثرت اشخاص پر ذوقیت ہونا نہایت ہی ناہی  
اور خلاف حکم شریعت ہے۔ ہم مسلمانوں کو بہت اسلام کے امور دین میں صرف یہ  
دیکھنا چاہیے کہ کتاب سنت سے کیا ثابت ہوتا ہے نہ اور کچھ اور اسکو چھوڑ کر لوگوں کے  
اقوال پر نظر کرنا اور خدا کے کلام و رسول کے قول کو اور بندوں کی باتوں سے جانچنا اور  
اصل کو رفع پر عرض کرنا نشان اسلام سے بعید ہے۔

اگر کوئی مشرک یا اہل کتاب سن پاوے کہ مسلمانوں نے اپنے دین میں سوائے  
کتاب سنت کے اور لوگوں کی باتوں پر چلنا جائز رکھا ہے تو وہ اسلام کی ہر باوی کی نہایت  
عمدہ خال سمجھے اور اگر یہ خبر پاوے کہ انہوں نے اس امر کو واجب سمجھ لیا ہے اور اس کے  
خلاف سمجھنے والے کو بدعتی یا فاسق یا دشمن اسلام کہتے ہیں تب تو مارے خوشی کے  
مرہی جاوے اور اسلام کے خاتمہ پر شادیاں خوشی کے بجائے اس لیے کہ اگر خدای  
اسلام کی اسکی نظروں میں ہوتی تو اسی سے ہوتی کہ اسلام کے بانی نے کامل توحید کو  
جاری کیا اور ساری قسم کے شرک کو منہی ہوا جلی باطل کر دیا اور تمام رسوں و ربانی ہوئی  
باتوں کو توڑ دیا اور ایمان سابق کی تحریف کرنے والوں کی تحریفات کو واجب التکرار  
والانکار بتلایا۔ پس جبکہ اسی مذہب کے لوگ توحید سے پھر گئے اور شرک فی صفہ النبۃ  
ہو گئے اور رسوں کی پندہی اور اپنے بھائی بندوں کی باتوں پر نہ فافع بلکہ تمسک ہو گئے  
اور اپنے خدا کے کلام پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کے فتووں پر نظر کرنے لگے اور اپنے  
رسول کے قول پر چلنے کے لیے عالموں کے حکم کے پابند ہو گئے کہ جب تک اُن کے  
مولوی نہ کہہیں وہ نہ خلی کتاب پر عمل کر سکتے ہیں نہ رسول کی حدیث پر تو پھر ایسی الج  
پر اسلام کی جو کچھ وہ خوشی کریں وہ حق بجانب ہے اور جب وہ اس بات سے واقف ہوں

کہ یہ قول اور عمل صرف عوام ہی کا نہیں ہے کہ وہ مجبوری اُس کے قایل اور اس پر عمل ہوئے ہوں بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھوں کا جن کا علامہ اور حضرت اور قبلہ اور کعبہ کے سوا کوئی نام نہیں لیتا یہی عقیدہ ہو گیا ہے اور اگر وہ کا گروہ اُس پر قایل ہو رہا ہے اور دین اسلام کا مدار ہی اُس پر آگیا ہے تو معلوم نہیں کہ اس شکرانہ میں مشرک ماننے والوں پر کیا کچھ چڑھاویں اور نصاریٰ اپنے حضرت مسیح کی کیا کچھ اپنے حال پر عنایت سمجھیں۔

مقلد۔ خیر زبان درازی چھوڑیے اور دوسرے دعویٰ کو اپنے ثابت کیجئے۔ جو اپنے کہا ہے کہ جس طرف بہت لوگ ہوں اُس سے مخالفت کرنا اجماع کی مخالفت نہیں ہے۔

غیر مقلد۔ سنیے۔ ابو محمد علی بن احمد بن حمید بن حزم بن غالب اندلسی اپنی کتاب محلی کی کتاب الشہر میں بنسبت دعویٰ اجماع کے لکھتا ہے۔ ہذا ای دعویٰ الاجماع قول فی غایۃ الفساد لانہ یبطل علیہم جمہور اقوالہم و ینزہم عنہ ان ینزلوا زکوۃ الاحیث او حبھا الاجماع ولا فریضۃ حج او صلوۃ الاحیث صح الاجماع علی وجوبھا ولا سوء الزنا الاحیث جمعت الامۃ انہ زنا و من الزم هذا المذهب خرج عن دین الاسلام بلا شک بوجہین احدھما انہ مذهب مغتری لہما یراللہ تعالیٰ قطبان لا یتبع الا الاجماع ولا قال تعالیٰ بہ قط ولا رسوله بہ و اما امر اللہ عز وجل باتباع القرآن و سنتہ النبی واولی الامر باتباع الاجماع ولم یر اللہ تعالیٰ قط بان لا یتبع الا الاجماع ولا قال تعالیٰ قط ولا رسوله لا تاخذوا فیما اختلف فیہ الا ما اجمع علیہ و من ادعی فقد افتری علی اللہ الکذب فانی بدین ممنع مبتدع و بالاضلال المبین انما قال تعالیٰ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم و قال تعالیٰ و ما انکم الرسول فخذوه و ما نہکم عنہ فانتہوا و قال تعالیٰ فان تنازعتم فی شئ فردوه الی الاجماع فمن تردوا فودع فیہ الی الاجماع لا الی نص القرآن و السنۃ فقد عصی اللہ تعالیٰ و رسوله تنزع من الذین مالہم یا ذن یر اللہ تعالیٰ و اما نحن فننتج الاجماع فما صح انہما اجمعوا علیہ ولا ینخالفہ اصلاً و تردوا ما

فیہ الی القرآن والسنة فناخذ ما فیہا وان لم یجمع علی الاخذ بہ وبهذا امر الله تعالى ورسوله وعلیہ اجمع اهل اسلام وما فعلنا احدا قط قال لا الذی فی شیء من الدین الا ما اجمع الناس علیہ فقد صاروا بهذا لاصل متخالفین لا جماع بلا شک والوجه الثاني انه مذہب یقتضی ان لا یلقب الی القرآن والسنة اذا وجد الاختلاف فی شیء من احکامہا ولس من هذا امر دین الاسلام فی شیء مع انه فی اکثر الامور کذب علی انه قول بلا علم وایضا فانہم لا یلزمون هذا لاصل الثالث الا فی مسائل قليلة جدا وہی یبطل سائر مذہبہم بعباد علیہم وبالله التوفیق کہ اجماع کا دعویٰ کرنا ایک ایسا قول ہے جس کا فساد ظاہر ہے اس لیے کہ اس سے سارے اقوال باطل ہوتے ہیں اور ایسے دعویٰ کرنے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ نہ زکوٰۃ کو واجب جاتیں نہ حج و نماز کی ذہنیت کے قابل ہوں اور نہ مالکی قبائلی پر اعتقاد رکھیں مگر اسی وجہ سے کہ اُسپر اجماع ہے اور جو ایسا کرے وہ دین اسلام سے خارج ہے دو وجہ سے اول یہ کہ یہ بنایا ہوا مذہب ہے نہ خدا نے نہ حکم دیا ہے کہ سوائے اجماع کے اور کسی کا اتباع نہ کرنا اور نہ رسول نے ایسا فرمایا ہے بلکہ خدا نے تو قرآن سنت اور اولوالامر کے اتباع کا حکم دیا ہے یہ بھی ذرا سے نہیں کہہ کر جب کسی امر میں اختلاف ہو تو دوسری بات ماننا جب سچا ہے ہو ایسا دعویٰ کرے وہ خلیفہ تمہمت کرتا ہے اور نیا دین بنانا چاہتا ہے اس لیے کہ خدا نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جو تمہارے رب نے بھیجا اُسکی اتباع کرو۔ اور پھر فرمادیا ہے کہ جو رسول کہے اُسے لو اور جس سے منع کرے چھوڑ دو۔ اور نیز ارشاد فرماتا ہے کہ اگر کسی بات میں جھگڑا ہو تو خدا رسول سے رجوع کرو اس لیے ہم اُس امر میں اجماع کا اتباع کرتے ہیں جس میں ہکو ثابت ہو کہ سب سچے استہتر فرق ہیں اور ان کا اجماع کتاب سنت کے مخالف نہیں ہے۔ اور اگر آپس میں اختلاف ہو تو ہم قرآن وحدیث پر رجوع کرتے ہیں جس کو اُس کے مطابق پاتے ہیں اُسپر عمل کرتے ہیں گو اُسپر عام نہ ہو۔ اور بس یہی وہ طریقہ ہے جس کا حکم خدا اور رسول نے دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اجماع کے دعویٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت اختلاف میں ہکو قرآن وحدیث پر رجوع کرنا نہ چاہیے بلکہ اجماع پر کہ ہیتوں کی رائے کیا ہے تو حقیقت میں یہ بات دین

اسلام کی نہیں ہے۔

مقلد: ”سبحان اللہ آپ بڑے محقق کا کلام اپنے دعوئی کی دلیل میں لائے ابن حزم تو بدعتی تھا اور اسکو فقہار نے نکال یا تھا کہ وہ جنگل میں مر گیا۔“

غیر مقلد: ”یہ سچ ہے کہ فقہانے بدعتی کبکرنکال دیا تھا مگر اسی تصور میں کہ اُسے

فقہا کے اقوال کو بالائے طاق رکھکر خدا کی کتاب اور رسول کی اداوٹ پر رجوع کی تھی

لیکن شکر ہے کہ اُس کے کلام کی تصدیق اور علمائے بھی کی ہے چنانچہ حجۃ البالغہ پر

شاہ ولی اللہ صاحب نے اجماع کی نسبت ایسا ہی کچھ کہا ہے اور ابن حزم کے قول

مرست تعلیق کو باطل نہیں گردانا بلکہ اسکو اور پورا کر دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قول

ابن حزم کا کہ تعلیق حرام ہے اور کسی کو حلال نہیں ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ

علیہ وسلم کے بغیر دلیل کے اور کسی کے قول کو لے اس لیے کہ چند آیتوں میں اللہ جل شانہ

نے اپنے ہی اور اپنے رسول کی تعبت حکم کیا ہے اور تمام صحابہ و تابعین اور

تابع تابعین کا اول سے آخر تک اسی اجماع ہے کہ ایک انسان کو اپنے جیسے دوسرے

انسان کے سب اقوال کا لینا منع ہے پس چوتھ شخص سب اقوال کو امام ابو ضیفہ یا شافعی

وغیرہ کے لیتا ہے اور خدا کی کتاب اور رسول کی سنت پر اعتقاد نہیں کرتا وہ مخالف

تینوں نیک زمانہ کے اجماع کا ہے اور جو ایسا ہو وہ اُس پر چلتا ہے جو مسلمانوں کی

نہیں ہے پس یہ قول ابن حزم کا بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ہے مگر اس شخص کے حق میں

جو کہ طاقت اجتہاد کی رکھتا ہو اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں ہو اور یا اسکو صاف ثابت ہو جائے

کہ یہ صحیح ہے یا اسے ایسا فرمایا ہے یا اس سے منع کیا ہے اور یہ بھی اسکو معلوم ہو کہ یہ نسخ

نہیں ہے ایسا حالت میں حدیث سے مخالفت کرنے کا کوئی سبب بجز نفاق خفی یا عیانت

کلی کے نہیں ہے۔“

مقلد: ”یہ قول بھی اُس شخص کا ہے جسکو ہم غیر مقلد جانتے ہیں اور جس کے اقوال

کو ہم نہیں مانتے وہ بھی تمہاری ہی طرح سے خلاف طریقہ اور علماء کے تقلید کا تارک

تھا۔“

غیر مقلد: ”قطع نظر ان کے صد اقوال عدم وجوب تقلید پر کہو معلوم ہیں کہ بطور نتو کے

چند اقوال آپ کو سنائے ہیں۔

اول - قال شیخ عز الدین عبدالسلام ومن العجب العجیب راصل قول انما انما میں منقول ہے) یعنی سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ فقہار متعین اپنے امام کے قول کے مانع کے ضعیف ہونے سے واقف ہو جاتے ہیں اور کچھ جو ابلیس کے ضعف کا نہیں رکھتے اور یا ایمنہ اپنے امام کے قول کی تقلید نہیں چھوڑتے بلکہ بسبب تقلید کے صریح حکم کتاب سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور ظاہر کتاب سنت کے ترک کرنے کے جیسے ڈھونڈتے ہیں اور مایلات حبیبہ اور باطل قرآن حدیث میں کرتے ہیں حالانکہ اگلے لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ بغیر یا بندہ کسی مذہب کے جس عالم سے چاہے مسئلہ پوچھ لیتے مگر جسے کہ یہ مذہب ظاہر ہوئے اور متعین میں تعصب آیا تب سے یہ حال ہو گیا ہے کہ اپنے ہی امام کی تقلید کرتے ہیں اور کچھ دلیل و برہان کو نہیں دیکھتے اور اسکو مثل نبی مرسل کہ جانتے ہیں اور جو ایسا کرے وہ حق سے دور ہے۔

دوسرے - قال الامام ابو شامہ ینبی لمن اشتغل بالفقہ ان لا یتقو علی مذہب امام و یتقد فی کل مسئلۃ صحتہ ما کان اقرب الی لالہ الکتاب والسنة المحکمۃ یعنی امام ابو شامہ نے کہا ہے کہ اُس شخص کو جو تقویٰ مشغل ہو جائے کہ کسی ایک امام کے مذہب پر ضرر کرے بلکہ ہر مسئلہ میں اُس چیز کی صحت کا مستند ہو جو قریب ہو کتاب سنت سے۔

تیسرے - عبد الوہاب شہراوی مہر ان میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے حرام علی من لم یعرف دلیل ان یفتی بکلامی کہ حرام ہے اُس شخص پر جو میری دلیل کو نہ پہچانے یہ کہ فتویٰ دیوے میرے کلام پر اور شیخ یحییٰ الدین نے ابن حزمیر سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ لیس لاحد مع النسبتي صلی اللہ علیہ وسلم قول اذا صح الخبر عندہ کسی کے قول کو کچھ اعتبار نہیں ہے بمقابل رسول کے قول جبکہ صحت حدیث کی ثابت ہو جائے۔

چوتھے - امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اذا صح الحدیث فهو مذہبی و حدیث ثابت ہو جائے تو ہی میرا مذہب ہے۔

پانچویں - در اساتہ اللیب میں لکھا ہے وقد صح منه ایضا انه قال اتوا کلوا بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ لم یبدع هو ولا احد بعدہ و الحق محمدین

الاحاطة بكل قول صح من الرسول صلى الله عليه وسلم في زمانه فضلا عما  
بعد زمانه یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میرے قول کو چھوڑ دو جبکہ  
قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اس لیے کہ امام موصوف یا تو کسی مجتہد نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ  
ساری حدیثیں ان تک پہنچ گئیں۔ اُن کے زمانہ میں چہ جائے کہ وہ حدیثیں جو بعد اُن کے  
زمانہ کے معلوم ہوئیں۔

**چھٹے۔** امام شعراوی نے منہج میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ فرماتے ہیں کل شی  
خالف امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقط ولا یقوم معہ حجة ولا قیاس  
فان الله تعالى قد قطع العذر بالقوله صلی اللہ علیہ وسلم فلیس لاحد معہ  
حجة وقال ایضا اذا ثبت الخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحل تركه  
لشیء ابداً۔ یعنی متبادل قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا کلام حجت نہیں ہے  
اور بعد ثبوت حدیث کے ترک کرنا حدیث کا جائز نہیں ہے۔

ساتویں۔ امام شعراوی منہج میں امام شافعی کے اقوال میں لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے  
ہیں النظر وافی امر دینکم فان التقليد المحض مذموم وفيه عيب للبصيرة  
وكان كثیر ما یذم التقليد ویقول قبیح علی من اعطی شمعة لیستضی بها  
ان یطنقاً ویبشی فی الظلام کہ اپنے دین میں ہوشیار رہو تقلید محض پر قانع نہ ہو  
اس لیے کہ وہ بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے اور نہایت بری ہے اور امام شافعی ہر اکثر  
تقلید کی بڑی کرتے اور کہتے کہ نہایت قبیح حال اُس شخص کا کہ جب کوئی شمع روشن علی  
کرے تاکہ اُسکی روشنی پاوے اور وہ اُسے بجھاوے اور تاریکی میں چلے۔

اُن کے کتبوں کی کتاب فی النور القدر میں لکھا ہے کہ ومن شان الفقیہ المحقق  
تلك التعصب لا مامه اذا علم ضعف دليله وعلم صحة دليل مذهب الغير  
ان امامه لم یقل له قلدي في كل ما قلته لعلمه بعدم الصحة من الخطا  
في شأن فقیہ محقق کی یہ ہے کہ وہ تعصب اپنے امام کا چھوڑ دے جبکہ اُسکی دلیل کا ضعف  
معلوم ہو جاوے اس لیے کہ اُس کے امام نے یہ نہیں کہا ہے کہ ہر بات میں جو میں کہتا  
ہوں میری تقلید کرنا ابر۔ لیے کہ وہ خود جانتے تھے کہ ہم خطا سے محفوظ نہیں ہیں۔

نویں شیخ محمد الدین عربی فتوحات مکبہ کے باب ۲۲۸ معرفت نسخ و فسخ میں

کہتے ہیں ان الشیطان قد مکنتہ اللہ تعالیٰ علیٰ حضرة الخیال وجعل لہ سلطانا  
 فیہا فاذا رای الفقیہہ یبیل الی ہوی الخ۔ یعنی شیطان کو خدا نے خیال پر تسلط  
 دیا ہے پس جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقیہہ خواہش کی طرف مائل ہے تو اسکو ہیکتا ہے  
 اور یہ وسوسہ دیتا ہے کہ یہ رعایت خدا کی طرف سے ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ پچھلے نیک  
 لوگ بھی بسبب رائے کے خدا تک پہنچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہے آہ  
 ایسی ایسی باتیں اس فقیہہ کے دل میں ڈال کر اس کی خواہشات پوری کرنے کے لیے  
 اسے ایک حیلہ شرعی بتا دیتا ہے پس وہ فقیہہ حادثہ نبویہ کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے  
 اور اس کے عدم قبول پر یہ غدر کرتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یا اگر صحیح ہے تو کوئی  
 دوسری حدیث معارض اور مانع اس کی نہ ہوتی تو ضرور امام شافعی رحمہ اللہ اس پر عمل کرتے یا  
 امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس پر عمل کرتے۔ غرض کہ جو فقیہہ جس امام کا متعلق ہے وہ ترک حدیث پر  
 ایسے ہی غدر اور حیلے کرتا ہے اور حدیث پر عمل کرنے والے کو گمراہ جانتا ہے اور جو کچھ ان  
 اماموں نے کہہ دیا اس کی تقلید کو واجب جانتا ہے اگرچہ ان کے اقوال احادیث کے  
 معارض ہوں لیکن وہ کتاب سنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے پس  
 اگر ہم اس سے کہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ صاف کہہ گئے ہیں کہ اگر کوئی حدیث تمکو مخالف  
 میرے قول کے ہے تو میرے قول کو دیوار سے پٹکو اور حدیث پر عمل کرو اس لیے کہ دیا  
 مذکور ہے یہ ہے جو حدیث سے ثابت ہوا اور مثل اسی کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور  
 یہ قول انہیں کے متقلدین سے ثابت ہے پس ایسی باتوں کو مستحکم مطلق نہ ہو جاتے  
 میں اور کچھ جواب معقول نہیں دے سکتے اور ایسے مباحثہ کا مجھے کثرت اتفاق ہوا۔ غرض کہ  
 خواہشات انسانی کے سبب شریعت محمدی کو فقہاء نے منسوخ کر دیا کہ باوجودیکہ احادیث  
 صحیح کتب صحاح میں موجود ہیں اور ان کے راویوں کے نام بھی مذکور ہیں اور ان کا صحیح و  
 تبدیل بھی منقول ہے اور ان کی سندیں بلا تبدیل و تغیر کے بھی محفوظ ہیں لیکن باوجود ان  
 سب باتوں کے متقلدین ہیں سے کوئی ان پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اٹھلوں کے فتوے  
 ہی پر رجوع کرتے ہیں اور باوجود مخالفت ان صحاح حدیث کے اپنے فقیہوں کے قول  
 ترک نہیں کرتے تو کیا فرق ہے ان احادیث کے ہونے اور نہ ہونے میں اس لیے کہ جب  
 ان کا حکم ہی نہ رہا اور متقلدین کے نزدیک ان پر رجوع کرنا جائز نہ ہی نہ معتمد تو ان کے فتوے

اُن عادیث کا وجود عدم برابر ہے پس اس سے زیادہ نسخ شریعت کا اُور کیا ہوگا۔ انتہی  
 دسویں نقل عن المضمرات ان الخبر فی کونہ حجة فوق الاجتهاد فان  
 خالف الروایة الحدیث الصحیح ترک العمل بالحدیث اولی من الروایة  
 پس جو روایت مخالف حدیث کے ہو وہ چھوڑ دی جاوے گی۔

گیارہویں۔ امام شعراوی نے نیز ان میں لکھا ہے کہ فان قلت ما اصنع بالاحادیث  
 التي صحت بعد موت امامی ولما اخذ بها الجواب ینبغی لك ان تعمل بها  
 فان امامك لو طفر بها وصحت عنده ربما كان امرک بها فان الامامة اسری  
 کلهم فی بد الشریعة ومن فعل ذالک فقد حاز الخیر بکلتی یدیه یعنی اگر تو  
 پوچھے کہ پھر میں کیا کروں بہ نسبت اُن حدیثوں کے جن کی صحت بعد موت میرے امام  
 کے ثابت ہوئی اور میرے امام نے اُن کو نہیں پایا اس کا جواب یہ ہے کہ تجھے چاہیے کہ  
 تو اُس حدیث پر عمل کرے اس لیے کہ اگر تیرے امام کو یہ حدیث مل جاتی تو ضرور وہ  
 اُس پر عمل کرتے اس لیے کہ سارے امام شریعت کے ہاتھ میں ہیں اور جو ایسا کرے وہ  
 دونوں ہاتھ سے نیکی جمع کرے گا۔

بارھویں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی وصایا میں لکھتے ہیں۔ ورفرغ پیروی  
 علماء محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ وحدیث کردن ودر انجا تعریفات  
 فقیہہ بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچه موافق باشد در جیز قبول آوردن  
 و الا کالای بد بریش خاوند دادن امت را بیچ وقت از عرض مجتہدات بر  
 کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وخن متقشف فقہاراکہ قول عالمے را  
 دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نہ شنیدن و بکن التفات  
 کردن و قرب خدا بستن بہ دوری ایناں۔

تیرہویں۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں تفسیر میں حدیث  
 من لم یعرف امام زمانہ کے کہ فالمراد ان من لم یعرف امام زمانہ من الکتاب و  
 لم یعرف نسخ الکتاب السابقہ ولم یعرف ان کتب ائمتہ المذاهب لیست  
 واجبة الاتباع کما یظنہ جملة المقلدین من کل مذهب مات میتة جاہلیة یعنی  
 جو شخص نہ جانے کہ امام زمانہ کا قرآن مجید ہے امد نہ جانے اس امر کو کہ کتب سابقہ نسخ ہو گئی



میں اور نہ جانے اس بات کو کہ کتابیں مذہب کے اماموں کی واجب الاتباع نہیں ہیں  
جیسا کہ سب تقلیدین اپنے اپنے مذہب کے اماموں کی کتابوں کی نسبت گمان کرتے ہیں تو اس  
نہ جاننے والے کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

چودھویں۔ صاحب کواصع الاہام نے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک اور  
قول کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ بدائع امام ابو حنیفہؒ گفتہ است کہ حلال نہ ہونے  
کے راکہ قبول ماتمسک کنند تا آنکہ نہ داند ماخذ اس را از کتاب سنت و  
اجماع است و قیاس علی و مجتہد گاہ خطا کند و گاہ بحق رسد چوں خطا را و  
ظاہر کرد و تقلید او در خطا حرام بود۔

پندرہویں۔ ابن ابیہر الحاج نے ذخیر شرح تحریر میں لکھا ہے کہ اذا اراد القول بالخلاف  
لمذهب امامہ دلیلاً صحیحاً من الحدیث و لم یجد فی مذہب امامہ حرجاً  
قویاً عند ولا معارضاً راجحاً علیہ اذا المكلف ماموراً باتباع النبی صلی اللہ علیہ  
وسلم فیہا شرع فلا وجه لمنعه من تقلید من قال بذلك من المجتہدین محضاً فظن  
علی مذہب القزم تقلیداً۔

سولہویں۔ صاحب در اساتہ اللہیہ لکھا ہے کہ حتی لو ترک مذہب امامہ  
بقول من سہل تبع الخیصۃ لم یکن ملاماً۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے امام کے مذہب  
کو ترک کر دے اس کے کہنے پر جو کہ سبب سیاح ہونے کے کسی میں آسانی پاوے اسے از روئے  
شرعیہ کے تو اس پر کچھ ملامت نہیں ہو سکتی۔

پہلے اس سے باطل ہوا وہ قول تقلیدین کا کہ تقلید کے چھوڑنے سے آدمی آزاد ہو جاتا ہے  
اور بہت حرام چیزوں کو مباح سمجھتا ہے ایسے کہنے والوں نے حقیقت شریعت محمدی کو  
شکل کر رکھا ہے اور جو آسانی دے دے نہیں رکھی ہے اس پر عمل کرنے کو الحاحاً تصور کیا جائے لانا  
حضرت ابن عباس سے سنن ابوداؤد میں ایک حدیث منقول ہے کہ عن ابن عباس  
قال کان اہل الجاہلیۃ یا کلون اشیاء و یتربکون اشیاء تقدراً فبعث  
اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانزل کتابہ و اہل حلالہ و حرامہ  
حرامہ فما اہل فهو حلال و ما حرام فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیتہ بہت سی چیزیں کھاتے اور بہت سی ناپاک

سمجھ کر چھوڑ دیتے کہ خدانے اپنا نبی بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتلایا پس جس کو اُس نے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس کو اُس نے حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا وہ مباح ہے اور معاف۔

سنتھوں۔ ابن ابی العزیز شرح تحریر میں لکھتے ہیں کہ فلما التزم مذہباً معیناً کابی حنیفۃ والشافعی قبل یلزم وقیل لا یلزم قال الشارح وهو الاصح لان التزام غیر ملتزم اذ لا واجب الا ما اوجبه الله تعالى ورسوله ولم یوجب الله تعالى ورسوله صلی اللہ علیہ وسلم علی احد من الناس ان یتخذ ہب بمذہب رجل من الامۃ فیقلد دینہ فی کل ما یاتی وهذا غیرہ کہ ایک مذہب میں کا التزام کرنا واجب نہیں ہے اس لئے کہ واجب وہ ہے جس کو خدا اور رسول نے واجب کیا ہو۔ پس خدانے نہ رسول نے بندوں پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ مذہب کسی آدمی کا اسکی امت میں سے اختیار کریں اور خدا کے دین میں کسی کی ایسی تقلید کریں کہ کسی کی باتوں کو ماننے اور دوسروں کو چھوڑ دے۔

اکٹھا رہویں۔ ابن عثر نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ من یعصب لواحد معین غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قوله هو الصواب الذی یجب اتباعہ دون الامۃ لاخرین فهو ضال جاہل کہ شخص تعصب کرے کہ ایک ہی مذہب میں کسی تقلید لازم ہے وہ مگر غلط ہے۔

انیسویں۔ صاحب درساۃ نے لکھا ہے کہ العمل بدلیل مخالف للحديث الصحیح حرام علی المقلد کا مجتہد۔ کہ عمل کرنا ایسی دلیل پر جو کہ مخالف ہو حدیث صحیح کے حرام ہے تقلید بھی مثل مجتہد کے۔

تیسویں۔ روی الخطیب باسنادہ ان الدراکی من الشافعیۃ کان یتفتی و رہا یفتی بغیر مذہب الشافعی وابی حنیفۃ فقیل لہذا مخالف قولہما فیقول ویلکم حدث فلان من فلان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہكذا فلا یجوز بالحديث اولی من لاخذ بقولہما اذا خالفوا کہ مدد کی فقہانے شافعی کے کسی فتویٰ مخالف مذہب امام شافعی اور امام ابی حنیفہ روکے دیتے تو جب کوئی لوچھتا ہے کہ آپ کا مخالف ان دونوں اماموں کے ہے تو وہ فراتے کہ جب معلوم ہو گیا کہ یہ

قول نبیہ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو بس اس کا لینا چاہیے نہ امام شافعی اور ابوحنیفہ کے قولوں کا جبکہ اس سے مخالف ہوں۔

اکیسویں۔ ابن جزی نے لکھا کہ اذکان المعامی یسوغ کیف لایسوغ مہ لایسوغ  
بالحدیث فلوکانت سنتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایجوز العمل بما وہذا  
من البطل الباطل وقد اقام اللہ تعالیٰ الحجۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو دفع  
احاد لامتہ ولا یفرض احتمال خطاء لمن عمل بالحدیث وافتی بہ بعد فہم ان  
اضعاف مضاعفہ حاصل من افتی بتقلیدہ یعنی جبکہ عامی کو منہی کے قول پر  
عمل کرنا جائز بلکہ واجب ٹھہرا باوجود احتمال منہی کی خطا کے تو کیونکر اسکو جائز نہ ہوگا عمل  
کرنا حدیث پر پس اگر نبیہ خدا ہی کی حدیث پر عمل کرنا جائز نہ ہو تو پھر کس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔  
حالانکہ خدائے اپنی محبت صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے نہ اور کسی آدمی کو  
اور سمجھنا کہ عمل بالحدیث میں غلطی کا احتمال ہے باوجود اقرار اس امر کے کہ اس سے دوچند  
چارچند زیادہ غلطیاں منہی کے قول میں ہوتی ہیں جن کی تنبیہ واجب بھی باقی ہے بشی  
نادانی ہے۔

بائیسویں۔ مولانا شاہ عبدالمعز صاحب دلائل خلف امام کے استفسار کے  
جواب میں فرماتے ہیں کہ خواندن سورہ فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را  
نزد ابوحنیفہ منسوخ و نزد محمد ہر گاہ کہ امام حنفی بخواند جائز بلکہ اولے و  
نزد شافعی بدو خواندن فاتحہ عدم جواز صلوة و نزد فقیر ہم قول  
شافعی ارجح و اولیٰ ہے اگر بکار خطہ حدیث نیجہ لاصلوۃ الباقی تحت الکتاب  
بطلان نماز ثابت میشود و قول ابوحنیفہ نیز جائز و اراد است کہ جائز  
مذہب صحیح وارد شود و قول من خلافتی افتد قول را ترک باید نمود و بر  
حدیث عمل باید کرد الی قولہ لہذا لازم است کہ ضم فاتحہ مقتدی بہ نسبت امام  
کردہ باشد تا داخل تابعان مفسرین و محدثین خواندند و درین معنی از ترک  
فاتحہ خلاف حدیث صحیح واقع خواہد شد و یہ عجیب کہ صحت اس حدیث  
بامام ابوحنیفہ فرسیدہ باشد ہر گاہ کہ الحال از صد ہا و ہزار ہا مردم علماء  
محققین مثل امام بخاری و صاحب مسلم و غیر ہم رحمہم اللہ صحت اس ثابت

شد از ترک شش امام و مطعون خواهد شد۔

تیسویں۔ مولانا شاہ عبدالغفر صاحب بی حالت رویا میں لکھتے ہیں کہ ناگاہ جناب حضرت امیر از جناب قبلہ نمایاں شدند الی قولہ با فقیر ہم کلام شدند فقیر اُن وقت را عنایت دانستہ در چند چیز کہ در اُن وقت در ذہن حاضر شدہ عرض نمود جواب با صواب یافتہ اُسے قولہ باز عرض نمود کہ از خدا بہ فقہا کلام یک مختار و پسند جناب است۔ فرمودند کہ بیچ پسندانیت یا بطور مانیت افراط و تفریط بہ علّٰی واردہ اند۔ یہ اقوال صرف بطور نمونہ کے منے نقل کیے اور مثل اس کے صد ہزارہ اقوال ہیں جن سے حدیث پر عمل کرنا واجب نکلتا ہے۔

مقلد۔ آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حدیث کا ترک کرنا جائز نہیں ہے اور بمقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے کا قول لائق سند نہیں پس یہی بھی کہتے ہیں اور ایسا ہی ہمارا عقیدہ ہے۔ ہم بھی امام کو نبی نہیں جانتے۔ اُن کو مصوم نہیں کہتے بلکہ ہمارا اول عقیدہ مجتہدین کی نسبت یہی ہے کہ المجتہد قد یخطئ وقد یصیب کہ مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے مجتہدین رفقا ہمارے ہر ایک قول کو حدیث سے ثابت کیا ہے اور کسی میں مخالفت حدیث کی نہیں کی اور جو قول ظاہر میں مخالف حدیث کے معلوم ہوتے ہیں وہ درحقیقت مخالف نہیں ہیں بلکہ اور احادیث صحیحہ سے اُن کا ثبوت ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ کے پاس صندوق کے صندوق حدیثوں کے تھے۔ پس ہم اسی واسطے انکی تقلید کرتے ہیں اور اُن کے اقوال کتاب و سنت سے ثابت ہیں اور مخالف حدیث کے نہیں ہیں۔

غیر مقلد۔ بے شک آپ اپنی زبان سے امام کو نبی نہیں کہتے اور انکی مصومت کا اقرار نہیں کرتے مگر جو برآ و تمہارا اُن کے ساتھ ہے اُن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ تم اُن کو مصوم جانتے ہو ورنہ خیال کرو کہ یہ تمہارا کہنا کہ اُن کا کوئی قول حدیث سے معارض نہیں اور جعان کے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں تھی اس سے کسی مشعلیں ان کا اجتہاد قابل ترک کے ہو یہ کیا ایسا قول ہے کہ جس کی غلطی ثابت کرے کے لئے

کسی دلیل کی حاجت ہو اگر چاروں امام کے سب قول موافق حدیث کے ہوتے تو کیوں آپ میں اختلاف ہوتا۔ پس یا اختلاف ہی عمدہ دلیل تہا رہے قول کی غلطی کی ہے۔ ۱۰

مقلد تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک اماموں نے اپنی اپنی رائے سے کام لیا اور خلاف حدیث کے مسئلے اپنے ذہن سے تراش کر بنالیئے اور جو ایسا کرے وہ دشمن اسلام کا ہے تو یہ چاروں امام آپ کے عقیدہ کے موافق و شریع اسلام کے ٹھہرے۔ و نحو ذہابہ نہ۔ غیر مقلد۔ ہمارے قول اور عقیدہ اُن کپلاموں کی نسبت نہیں ہے بلکہ ہم تو اُن کو اس وجہ سے بھی بُرا سمجھا جانتے ہیں جس درجہ کا تم اُن کو سمجھتے ہو اور ہم اُن کی باکی اور نیکی کے متعقد ہیں اُن کا ایک بُرا احسان اپنے دیر جانتے ہیں کہ اُن کی سماعی جمیلہ سے راہ شہادت کی کشادہ ہوئی۔ خدا نے تعالیٰ اُن کے نیک کاموں کا نیک بلا سے ملگرتے سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اُن کو احادیث پہنچیں اُس پر انہوں نے عمل کیا۔ اور جن مسائل میں اُن کو حدیث نہ ملی وہاں اجتہاد کیا اور جہاں تک اُن سے بر نیکی بنتی ہو سکا اپنے آپ کو غلطی سے بچا یا۔ مگر وہ معصوم نہ تھے کہ اُن سے غلطی نہ ہوتی۔ علامہ بریلوی نے کہے کہ حدیث مل گئی سو اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور اُس سلسلہ میں اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور اسی لئے وہ ہمیشہ کہتے رہے کہ حدیث کے ملنے کے بعد ہمارے قول کو نہ ماننا اگر وہ امام اپنی رائے کو دخل دیتے اور تم لوگوں کی طرح حدیث پر اکرادہ اسکی صحت پر مطلع ہو کر چھوڑ دیتے تو بے شک اُن کی اپنی اعتراض ہوتا۔ حقیقت میں تم اُن کے متقلد نہیں ہو۔ ہم اُن کے مقلد ہیں کہ اُن کے قول پر چلتے ہیں کہ وہ صاف فرما گئے ہیں کہ حدیث پر عمل کرو اور کسی کے قول کو نہ دیکھو۔ لیکن بعد اُن کے جو اور لوگ ہوئے اور جنہوں نے تقلید میں تعصب کو دخل دیا اُن کو بے شک ہم اچھا نہیں جانتے اور نیکی باتوں پر نہیں چلتے گو تمہارے نزدیک وہ محقق ہوں یا علامہ۔ علامہ اُس کے آپ تقلید صرف ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی نہیں کرتے بلکہ اُن کے مقلدین کی تقلید کرتے تو

نہ یہاں جواب کو ہم نے مختصر کر دیا پس لیے کہ اس مضمون کے ترمیم میں نے نہایت تفصیل کے ساتھ جواب اس کا دیا ہے اور نہایت سی روایات فقہ کی مخالفت حدیث سے ثابت کی ہے۔ ۱۱

اس لیے کہ جتنے مسئلے اور احکام فقہ کی کتابوں اور فتاویٰ میں لکھے ہوئے ہیں یہ بھی تو سب اُنہیں اماموں کے نکالے ہوئے ہیں بلکہ اُن کے بعد اور عالموں اور فقیہوں نے اُن کے اصول پر نکالے ہیں اور تم سب کو مثل مسائل نکالے ہوئے اماموں کے مانتے ہو اور جب سے کہ وہ اُن کے اصول کے پابند ہیں پس اگر تم صرف اُنہیں اماموں کے نکالے ہوئے مسئلوں کی تقلید کرتے تب بھی خیر تھا اُن کی بزرگی اور پاکی کے تم کو نامناسب نہ تھا مگر جبکہ سائے مسئلے اُن کے نکالے ہوئے نہیں ہیں تو تعجب ہے کہ اُنکے اصول کی پابندی سے جو مسئلے پچھلے عالموں نے نکالے ہوں اور جس میں انھوں نے غلطیاں بھی کی ہوں بلکہ خود اپنے اماموں کے اقوال سے بعض حالات میں بوجہ فہمی غیرو کے مخالفت کی ہو اور اُن کے بعض فتوے اور مسئلے اماموں کے اصول کے مطابق فہمی نہ رہے ہوں مگر ایسا ہے اُن کو تم مانو اور جو کتب سنت کو اصول سمجھو اُس کی پابندی سے مسئلے نکالے اور واسطہ درواسطہ کو چھوڑ کر اصل ماخذ سے شرع کے احکام لے اُسکو تم پورا جانو حقیقت میں یہ ایک نہایت تعجب کی بات ہے۔

مقلد کیا سچے سمجھنے والے دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کی ہے؟  
غیر مقلد میں کیونکر اپنی زبان سے کہوں مگر میں تمہارے ہی فقہاء کے اقوال کو تمثیلًا نقل کرتا ہوں۔ ذرا کان لگا کر سنو اور تقلید کے نتیجوں پر افسوس کرو طاعن فری اپنے رسالہ میں جو اشارہ کی نسبت لکھا ہے فرماتے ہیں۔ فالجاہل بالاجہار النسبویۃ والاکثار المصطفویۃ الخ۔ کہ جو شخص اخبار نبوی و آثار مصطفوی کو نہیں جانتا جب اُس نے دیکھا کہ بعض تو سبک بختوں ہونے کے اشارہ شہیدیں کرتے ہیں اور بعض جاہل یا

دراستہ کے حاشیہ پر یہ اہل عبارت لکھی ہوئی ہے جو چاہے دیکھے۔ ہم نے بسبب طول کے چھوڑ دی ہے جو فقط ترجمہ پر قیادت کی۔ ۴

مولانا صاحب مزید صاحب فرمائیے بھی اشارہ کے جائز ہونے بلکہ سنون ہونے کی نسبت بہت کچھ فرمایا ہے چنانچہ لا اہم اُن کے قول کو اس طرح نقل کیا ہے کہ۔ ”چوں شیخ است و قول ائمہ منع کردن اخباری کتاب و سنت قیاس اجماع مخالفین اہل باشد پس غلط کرد تقلید و در خطا حرم بود الی قولہ نقل اشارت بسیار است و مختصر نہ کردے بر کے کہ ان فیض محروم باشد۔“ ۴

کسل کے سبب نہیں کرتے تو یہ کہنے لگا کہ اگر کس تک کرنا ادنیٰ ہے جدائے کے دو شخص  
 ہوا اور اس نے یہ زیادہ کیا کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے مگر کراہت سے مراد اسکی کراہت تنزیہی  
 ہے۔ پھر یہ شخص ہوا اس نے کہا کہ جو اگلے لوگ کہہ گئے ہیں کہ مکروہ ہے مراد مکروہ  
 مکروہ تعویہ ہے اس لئے اس نے فتویٰ دیا کہ اشارہ کرنا حرام ہے پس خیال کہ مکروہ  
 جہالت اور غفلت کے سنت مشہورہ اور منہیہ میں داخل ہو گئی اور فعل خمیسہ برزنا  
 علیہ التعمیہ والثناء حرام ٹھہر گیا اور حرام کی تعریف یہی ہے کہ جس کی حرمت بدیل تعلی  
 کتاب حدیث سے ثابت ہو اور یہ قواعد مقررہ سے ثابت ہے کہ سیاح کا حرام کرنا حرام  
 ہے نہ کہ یہی سنت کا جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو پس جو علامہ کیدانی نے اسکی  
 حرمت کا فتویٰ دیا ہے اسکی بڑائی پر پوری دلیل کافی ہے کراہت نے اسے اہل حدیث کی  
 امانت کی اور بدلس قول کے ملا علی قاری لکھتے ہیں ولو لاحسن الظن بالکلیہ افیہ  
 وقنا ویل کلامہ بسببہ لکان کفرہ صریحا ولہ تردد صریحا فہل یحل لمومن  
 باللہ تعالیٰ ان یحرم ما ثبت بفعلة صلی اللہ علیہ وسلم ما کاد نقلہ عن مکتون  
 متواترا کہ اگر علامہ کیدانی کے ساتھ حسن ظن نہ ہوتا اور اس کے کلام کی تاویل نہ ہو سکتی  
 تو اس کے کفر و ارتداد میں کچھ شک نہ تھا کیا جاوے ہے خدا پر ایمان لانے والے کو کہ وہ  
 حرام کر دے اس چیز کو جس کا کرنا ثابت ہوا ہو منہیہ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اور جسکی  
 نقل قریب متواتر کے ہو چو

پس جبہ تعلیہ سے یہ نوبت پہنچ گئی ہو اور احادیث نبوی سے ایسے ایسے بڑے فقہاء  
 کی خبریں کا یہ حال ہو تو اسی کو واجب جاننا اور علان الحدیث کو بدعت کہنا وہ ویسے بڑے  
 ہے جسکو کچھ عقلی مقلدین اسلام سے نہیں ہے

مقلدین کا یہ وہ خصوصیت اگر ایسی عقلی کی تو اس سے الزام سب پر عائد نہیں ہوتا تعلی  
 کے فائدوں کو دیکھو اور جو آسانی مسائل کے معلوم کرنے کی تمہارے پیادگی سے اس پر

نہ بعض علماء خفیہ نے اس کا یہ زیادہ ہے کہ اشارہ کرنا مذہب خلاف قرار دیکھنے کے ہے یہ  
 مجلس پیر صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ کہ یہ فعل اگر اس خلاف قطعہ سکینہ  
 ملنا بافتاق مجمع مومنین کا کرنا گناہ ہے

## انصاف کرو

غیر متعلق۔ آپ کو شاید اپنے مذہب کے علماء کے قولوں پر بھی اطلاع نہیں ہے۔ حضرت  
 سید الشہداء کا ایسا ہے کہ جس پر علماء اہل سنت نے مخالفت حدیث کی کی ہے اور صرف تقلید  
 کے سبب اس کا مکروہ اور حرام کہا ہے اور اس چیلنج علی قاری کے رسالہ کا جواب لکھا ہے  
 کہ صاحب اسع الالبام نے رسالہ اس کے رد میں لکھا ہے وہ ملا علی قاری کے قول  
 کی نسبت کہتے ہیں کہ آنحضرت علی قاری درجہ اربعین فعل منہی اصرار نمودہ و نہیہا گفتہ کہ  
 کہے کہ گفتہ باشد و اسنادہ ابطال مسئلہ اجتہاد و تقلید کردہ و ہر آئندہ اس  
 مخبر از خدا و عتقاد دے است۔ پس معلوم ہوا کہ جو شخص مذہبی تقلید کو چھوڑے اور  
 حدیث پر عمل کرے وہ فاسد الاعتقاد ہے۔ سبحان اللہ عجیب دین مذہب ہے کہ جس پر  
 آدمی ایمان لایا جو اس کے قول کو منشا اور سبب عمل کرنا دلیل فساد اعتقاد پر ہوئے۔

چوبیس۔ تقلید کے فائدوں و خوبیوں کو ہمارے علماء کی کتابوں میں ملاحظہ کرو اور  
 جو کچھ آپ اعتراض کرتے ہیں ان سب کا جواب دیکھو خصوصاً شرح مسالحت و تفسیر حموی  
 وغیرہ کو مطالعہ کرو تب آپ کے شبہات دور ہو جائیں۔

غیر متعلق۔ یہ ہم نے سب کو دیکھا اور خوب غور کیا پس بعضوں کی تحریر میں ان کی سادگی  
 طبیعت کا اثر پایا اور بعضوں کی تقریر پر متوالی حب ستر العقل لایا دیا۔ ان کے دشمنوں کی تو کو  
 تو صرف تعصب سے بھرا ہوا پایا مگر یہ ہم نہیں کہتے کہ سب علماء اور مفتیانے عیدہ و دانستہ  
 حدیث کی مخالفت کی ہے یا سناذ اللہ وہ سب کے سب پابند ہوا و ہوس کے تھے بلکہ  
 اکثر علماء کو نیک سادہ پاک طبع تھے اور ان کی نہایت دل سے غلبہ اور بندگی کرتے ہیں  
 بلکہ ان کی اوقاف میں ایک تو وہ جنہوں نے اپنی انکی ادب کی کے ساتھ تحقیق کو کو  
 داخل دیا اور کتاب و سنت پر شک کہے فقہاء سے اختلاف کیا اور اجتہاد کو تقلید سے  
 مسترد کیا۔ اور دوسرے وہ علماء ہیں جنہوں نے باوجود انکی ادب کی کے صرف تقلید ہی کو  
 دیا اور کتاب سنت کو یہ سمجھ کر کہ واجب الاتباع نہیں ہیں بلکہ یہ خیال کر کے جو کچھ اگلے لوگ  
 لکھ گئے ہیں انہیں متعلق کر گئے ہیں وہ کافی ہے اور مطابق کتاب سنت کے ہی اپنا تہمت  
 بنایا اور یہ تعصب بلکہ نفی اور نفرت اور نفرت سے تقلید ہی کو اچھا مانا۔ پس  
 دونوں اہل سنت ہم مذہب عمل میں کچھ بجا خیال کرتے ہیں ان کی شان میں ہم کچھ



ہیں بلکہ ہم ان کو تم سے بھی بڑھ کر نیک اور پاک مانتے ہیں۔ مگر ایسے علماء کو چھوڑ کر یہ علماء ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے تعصب ہی کو دخل دیا اور اپنے علم و فضل کے کھلاؤ اور اپنی بات کی پیروی کرنے میں دیدہ و دانستہ حق کو چھوڑا۔ اور نہ صرف نیکی۔ اور نہ فقط محبت سے اور نہ محض مصلحت کے خیال سے بلکہ اپنی نفسانیت سے کھلم کھلا حدیثوں کو پس پشت ڈالا اور تاویلات بعیدہ سے اُن پر خط کش کھینچا اور پوچھ لیلو اپنے اقوال کو ثابت کیا۔ ایسے علماء کے اگر حالات اور مشاہیر اہل نام کھسے جاویں تو ان کو دفتر کا دفتر ہوجائے لیکن یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو دینی نیک اور اچھا ہوا کسی سب باہر واجب التسلیم ہوں۔ اس لیے ہم نے مانا کہ بعض عالم نیک و بزرگ تقلید کو اچھا جانتے یا فرض کیا کہ وہ اسے واجب سمجھتے تھے مگر ہمارا اس قول کو اُن کے غلط جاننا اور انکی اس رائے کو نہ درست سمجھنا اُن کی بزرگی پر الزام لگانا نہیں ہے یہ غلطی یہی سمجھ کی ہے اور اسی سے سب کو مخالفت ہوتا ہے کہ جو آدمی نیک اور بزرگ ہے اُسکی سی باتیں ماننے کے لیے ہمیں حالانکہ یہ حق کسی کا نہیں ہے سوائے اس کے جو موصوم ہوا جسکی نسبت اہل کتاب نے فرمایا ہے کہ وہ ما یسلطون علیہ ان ہو الا وحی یوحی۔

مقلد نہایت تعجب کی بات ہے کہ آپ علماء اور فقہاء کے اقوال ماننے کو برہنہ تھے ہیں اور اُن کی باتوں کو خلاف حدیث کے جانتے ہیں آخر علماء کی توں کو تو ہم اسی لیے ماننے میں کہ وہ خدا اور رسول کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور اُس سے واقف ہیں اس وجہ سے ہم اُن کی باتوں کو مانتے ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ خدا و رسول کے مخالف باتیں کرتے ہیں اور خدا کی اور اُس کے رسول کی باتوں کو سوائے علماء کے کون سمجھ سکتا ہے سچ جس پر بہت سے علماء فقہاء جمع ہوئے اسی کو ہم خدا و رسول کے حکم کے موافق سمجھتے ہیں اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ لا یجتمع ائمتی علی الضلالة کہ میری ائمت ثلاث پر جمع نہ ہوگی اور چونکہ آپ علماء و فقہاء کے دشمن ہیں اس لیے ہم آپ کی باتوں کو خلاف خدا و رسول کے سمجھتے ہیں اور علماء کی دشمنی کو ہم نشانی اختلاف کی سمجھتے ہیں۔

غیر مقلد یہ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم تمام اُن لوگوں کو جو کہ علماء اور فقہاء

سے دیکھنا احادیث و علوم کی کتاب علم اور کتاب غرور کے ایلنے کی نسبت کیا لکھا ہے۔

پہلایے جاتے ہیں اور جن کے علم اور ولایت کے آپ متعقد ہیں انہا پر و مرشد نہیں  
 ملتے اور ان کی سب باتوں کو نہیں مانتے مگر یہ غلط ہے کہ ہم علماء فقہاء سے عداوت رکھتے  
 ہیں اور ان میں کچھ تمیز نہیں کرتے اور سب کو برابرتے ہیں یا ان کے سارے قولوں کو  
 غلط جانتے ہیں اس لیے ہم چند باتیں آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے یہ سارے  
 شبہات دور ہو جائیں سب سے پہلے اس امر کو سوچنا چاہیے کہ علماء سے محبت اور عداوت  
 کی کیا وجہ ہے اور ان کے قولوں کا ماننا نہ ماننا کس اصول پر مبنی ہے پس ان کے ساتھ  
 محبت اور عداوت کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم جس معصوم پر ایمان لائے اور جس صاحب  
 شریعت کے دین میں داخل ہوئے اس سے ہکو دینی محبت رکھنا فرض اور ایک امر  
 ضروری ہے پس جو شخص ہکو ہوائے اس محبوب تک پہنچا دے اور سکتی باتیں ہکو سکھلا دے  
 اس سے لامحالہ ہکو محبت ہوگی اور رسول کا رسول سمجھ کر ہم اس کے ساتھ خواہ مخواہ محبت  
 رکھیں گے۔ پس جن عالموں کو ہم جانتے ہیں کہ وہ نیک اور پاک تھے یا ہمیں اور سچی راہ ہمارے  
 رسول کی ہکو اور ساری امت کو بتلاتے تھے اور بتلاتے ہیں اور جن کی خات سے دین  
 کو بہت سا فائدہ ہوا ان سے ہم محبت رکھتے ہیں اور اپنی ساری جان اور دل سے ان کی  
 تعظیم کرتے ہیں اس لیے کہ علت محبت کی ان میں موجود ہے۔ اس طرح ہر جن لوگوں کو  
 ہم جانتے ہیں کہ وہ متعصب اور جاہل تھے اور جن کے تعصب اور جہالت سے دین کو نقصان  
 پہنچا اور جنہوں نے اپنی نفسانیت اور دنیا طلبی ایمانیت اور نادانی سے وہ طریقہ  
 جاری کیا جس سے ہم اپنے محبوب تک پہنچ سکیں اور سچ ہی میں سمجھتے رہاویں تو ضرور  
 ہم ان سے عداوت رکھتے ہیں اس لیے کہ وجہ محبت کی ان کی ذات سے مفقود اور علت  
 عداوت کی موجود ہے پس فقط عالم ہونا یا فقیہ ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ  
 نیک و پاک اور سستی اور صدق و یخافون لومة لائم ہونا بھی ضرور ہے پس اگر ہم  
 لوگوں کے ساتھ محبت رکھیں جو کہ رسم و رواج کے پابند تھے یا جن کے دل کو تعصب نے  
 بیاہ کر دیا تھا یا جن کی آنکھوں پر پردہ جہالت کا پڑ گیا تھا اور جنہوں نے دیدہ و دانستہ  
 امت کو اس کے پیغمبر سے چھوڑا یا اپنی پرچ و پھر باتوں سے لوگوں کو بیکار یا تو حقیقت  
 میں یہ دوستی رکھنا اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے مگر ہم علماء اور فقہاء کے دشمن ہوتے  
 و ضرور چاروں امام اور ان کے خاص ملائذہ کے دشمن ہوتے حالانکہ ہم ان کو دارش انبیا

سمجھتے ہیں اور علماء ربانی جانتے ہیں اور اپنے سارے دل و جان سے اُن کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے اُن تقلید کرنے والوں کو جنہوں نے حدیث پر عمل کرنے کو ناجائز کر دیا اور تقلید کو واجب اور فرض ٹھہرا دیا برا اور متصحبانے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جن علماء کو ہم بھی نیک اور پاک جانتے ہیں اُن کی سب باتوں کو کیوں نہیں مانتے اُس کا یہ سبب ہے کہ ہم اُن کو معصوم جانتے ہیں اور اُن کو صاحبِ الہام سمجھتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جبرئیل اُن پر نازل ہوتے تھے اور وہ فقہ اور حکام مسائل اُن کو بتلا جاتے تھے تو ضرور ہم اُن کے قول اور فعل ہی کو واجب العمل جانتے مگر جبکہ ہم کسی ٹبر سے بڑے مجتہد اور نیک سے نیک عالم اور فقیہ اور امام کے جہاد اور امت پر اعتقاد رکھیں گے تو پہلا کلمہ شیبہ ہمارے زبان سے یہ نکلے گا کہ المجتہد قد یخطئ وقد یصیب تو پھر کیونکر ہم اُس کے برخلاف اُن کو معصوم جانیں گے اور معصومیت پر اعتقاد رکھنے یا نہ رکھنے کا ثبوت نہ صرف زبان کے اقوال و انکار سے ہوتا ہے بلکہ اُس بڑا دوسے جو ہم اُن کی باتوں کی نسبت کرتے ہیں پس جس نے اُن کی سب باتوں کو مانا اور باوجود غلطی کے سمجھا کہ ضرور کچھ نہ کچھ سبب اس کا ہوگا اُسی پر عمل کیا بلا شک اُس نے اُن کو معصوم جانا گو ہر زبان سے انکار کرے اور جس نے اُنکی باتوں میں اُن باتوں کو نہ مانا جو کہ مخالف حدیث کے ہوئیں۔ اُس نے اپنے دعویٰ کو پائیدار پر پہنچایا۔

میں نہایت حیران ہوں کہ باوجودیکہ مقلدین کا دعویٰ تو یہ ہے کہ المجتہد قد غلط وقد یصیب اور پھر عمل یہ ہے کہ امام کے اجتہاد کے برخلاف کرا کسی کو جائز ہی نہی اور اُسی کی تقلید واجب ہے۔

اب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ائمہ بعد از رسول اللہ تعالیٰ علیہم السلام کے پیچھے ہم میں یا کہ اُن کے مقلدین تو ہم تجویٰ اپنے پیچھے دل سے یقین کرتے ہیں کہ پیچھے ہم میں نہ وہ لوگ جو کہ تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے کہ پیروی اُن کی وہ جھوٹا نہیں ہے جس سے وہ اُس درجہ پر پہنچے ہوئے سمجھے جاویں جس کے وہ مستحق نہیں اصل پیروی اُن کی وہ ہے کہ جو کچھ اُنہوں نے کہا ہو اُس پر عمل کیا جائے پس اگر کوئی مسلمان کہہ کر براہِ محبت یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فضل و نفع و امان

تو اُس نے آنحضرت کو اُس درجہ سے بڑھا دیا جو کہ خدا نے حضرت کو عنایت فرمایا اس لیے کہ حضرت بندہ تھے خدا اسی واسطے آپ نے کمر شہادت میں اپنی عبریت کو داخل کر دیا اور صاف صاف فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ محمد آ عبد کا و رسولہ جس نے اُس کے برخلاف کیا وہ دشمن آنحضرت کا ہے نہ پیرو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ اُمیدِ پیغمبر صوم تھے تو اُس نے اُن کو اُن کے درجہ سے بڑھا دیا اس لیے کہ وہ مجتہد تھے نہ معصوم اس لیے اُن اماموں نے صاف فرمایا کہ ہم مجتہد ہیں نہ معصوم والجتہد قد یخطئ وقد یصیب پس باوجود اُن کے اس کہہ دینے کے جس نے اُس کے برخلاف اُن کے سب قولوں کو خطا اور غلطی سے مٹوا دیا وہ اُن کا دشمن ہے نہ پیرو۔

کوئی خوف آنحضرت کو اس سے زیادہ نہ رہتا تھا کہ لوگ خدا نہ سمجھنے لگیں اسی واسطے بار بار فرماتے تھے کہ انا عبد و رسولہ وانما انا بشر مثکم اور جب کوئی ایسی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا جس سے شرکت ساتھ خدا کے نکلتی اُسی وقت رنگ چہرہ کا تغیر ہو جاتا اور خفا ہو جاتا اور فرماتے کہ جعلت فی اللہ ندا جعلت فی اللہ ندا کہ خدا کا مجھے شریک بنانا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ خدا خفا ہو جاوے کہ تم میری خدائی اور تعبد کو پھیلانے گئے تھے یا کہ اپنے آپ کو میرے شریک بنانے کو پس جیسے ان چاروں اماموں کو بھی کوئی خوف اس سے زیادہ اپنے اجتہاد میں نہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اُن کو معصوم جاننے لگیں اور اُن کے قولوں کو بمقابلِ حدیث کے واجباً عمل جان کر حدیث کو چھوڑ دیں اسی واسطے بار بار انہی پاک بانوں سے یہی نکلتا رہا کہ المجتہد قد یخطئ وقد یصیب چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ بار بار یہی کہتے رہے کہ لا یتبعی لمن لا یرف دلیلہ ان یتقی بکلامی امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا نام مرگ یہی قول تھا کہ اذا صح الحدیث فهو مذہبی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ چلا چلا کر یہ کہتے رہے کہ لا تقلدنی ولا تقلد من ماکا اور یہ خوف ان اماموں کا ایسی جہ سے تھا کہ ایسا نہ ہو کہ پیغمبر صاحب ہم سے خفا ہو جائیں کہ تم مجتہد اور امام میری شریعت کے مسائل بتلانے کے لیے ہوئے تھے یا کہ اُس کے باطل کرنے اور اپنے مذہب کے جاری کرنے کے لیے۔ تم عالم اور فقیہ میری حدیث کے اوپر عمل کرانے کے لیے ہوئے تھے یا کہ امیرِ عمل کو حرام کرنے کے لیے پس اسی واسطے یہ بزرگ خدا کیے اور لوگوں کو سمجھاتے رہے کہ جس طرح ہر کہ بعض لوگوں نے پیغمبروں کو باوجود اُن کی فہمائش کے خدا کا

شریک کر دیا اسی طرح ان مقلدین متبعین نے اماموں کو باوجود ان کی تائید اور مصافحت کے معصوم بنا دیا پس اگر وہ فرقہ اپنے پیغمبر کی ایسی جھوٹی محبت سے قابل تعریف کے ہے تو ضرور مقلدین بھی لائق طرح وصفت کے ہیں ورنہ دشمنی کا نام دوستی اور مخالفت کا نام اطاعت رکھا ہے۔

پس جبکہ خاص چاروں امام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سب اقوال کو مستحکم اُس کی جانچ خدا اور رسول کے کلام سے کرنا دلیل ایمان اور توحید فی صفۃ النبوت کی تھی پھر اور علماء کا کیا ذکر ہے اس لیے مسلمان کا کام ہے کہ وہ خدا اور رسول کے کلام کو مقدم رکھے جس کے کلام کو آپ کے مطابق پاوے اُسے صحیح جانے ورنہ کالا ہے بد بریش خاوند اُس کو قبول نہ کرے یہ کام مسلمان کا نہیں ہے کہ اندھا بن جائے اور اپنی آنکھوں کو قرین و حدیث سے بند کر لے اور اپنے کانوں تک اُن کی آوازیں آنے سے بند اور لوگوں کے قولوں کو ڈھونڈتا پھرے کہ زید نے کیا کہا ہے۔ عمرو نے کیا فرمایا ہے اور بغیر اُن کے قرآن حدیث کے بغیر جانچے اُس کے اُن کی باتوں کو مان لے اور نہ صرف ماننا بلکہ انکی سب باتوں پر ایسا تعین کر لے کہ اُس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں ہے اور باوجودیکہ خود بھی صحیح حدیث سے مخالفت اُن کے قول کی سمجھ لی مگر حدیث میں شبہ کرے لیکن اُن کے قول میں شبہ نہ کرے حدیث کو تو چھوڑ دے مگر اُن کی بات کو نہ چھوڑے پس اگر یہ شرک فی صفۃ النبوت نہیں ہے تو کیا ہے بلکہ میرے نزدیک تو شرک فی صفۃ النبوت سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ اگر نبی کو شریک اپنے امام کا رکھتے تو کبھی حدیث پر بھی عمل کرنا جائز سمجھتے حالانکہ مخالفہ کلاموں کے ایک مسئلہ میں بھی مخالفت امام کی اور عمل حدیث پر جائز نہیں ہے اور باوجود اس عقیدہ اور ایسے بڑاؤ کے کیا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ جب مقلدین کی زبان سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہم کیا اپنے امام کو معصوم جانتے ہیں معصوم نہیں کہ معصوم کے لفظ سے کیا معنی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کا یہ کہنا کہ جو لوگ حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ دشمن علماء اور فقہاء کے ہیں صرف ایک دھوکا اور مخالطہ ہے تاکہ عوام کو نفرت پیدا ہو اس لیے کہ یہ تو وہ جانتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور انہیں سے لوگ ہدایت پاتے ہیں تو جو لوگ اُن کے دشمن ہوں گے وہ ضرور دشمن اسلام کے ہونگے حالانکہ ہم تو اُن علماء کے

خاک میں جو کہ ورثۃ الانبیاء میں اور ان کی زیارت کو بھی عبادت جانتے ہیں مگر ان کے  
 کہ جو کہ امام کے مولوی اور عالم ہیں اور حقیقت میں بن کے خراب کرنے والے ان کے ہم  
 دشمن ہیں اور ہم کیا ہمارے آخری امام مہدی بھی ان کے دشمن ہیں گے جیسا عارفانہ  
 شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ اذا خرج الامام المہدی  
 علیہ السلام فلیس له عدد و مبین لا الفقهاء خاصۃ فانہم لا یبقی لہم ریاستہ  
 ولا تمیز عن العامة بل لا یبقی لہم علم محکم الا قلیلاً و یرتفع الخلاف من  
 العالم بوجود ہذا امام و لو لان السیف بیدہ لا فتی الفقهاء بقتلہ و  
 و یعتقدون فیہ اذا حکم بغیر مذہبہم انہ علی الضلالۃ فی ذالک الحکم  
 و انہم یعتقدون ان اہل الاجتہاد و زمانہ قد انقطع و ما بقی مجتہد فی  
 العالم و ان اللہ سبحانہ لا یوجد بعد الثمتہم احدا لہ درجۃ الاجتہاد  
 جس وقت امام مہدی علیہ السلام خروج کریں گے کوئی ان کا ایسا کھلا ہوا دشمن نہ ہو گا جیسا کہ  
 فقیہ اور مولوی ہوں گے اس لیے کہ ان کی ریاست جاتی رہے گی اور ان میں اور حو ام میں  
 کچھ فرق و تمیز نہ رہے گی اور ان کا حکم باقی نہ رہے گا اور اگر اس امام کے پاس تلوار نہ ہوے تو  
 خود اس کے قتل کا فتویٰ فقہاء دیدیں اور مرواؤ الیں اور جب کبھی امام مہدی موافق  
 ان چاروں اماموں کے مذہب کے فتویٰ نہ دیں گے تو وہ فقہاء سمجھیں گے کہ یہ گمراہ ہے  
 اس لیے کہ ان کے نزدیک اہل اجتہاد باقی ہی نہیں رہا اور اس کا زمانہ منقطع ہو گیا اور دنیا  
 میں کوئی مجتہد یا نہیں جاتا گویا ان کے نزدیک خدا نے بعد ان کے اماموں کے ایسے آدمی کا  
 پیدا کرنا بند کر دیا جس کو اجتہاد کا درجہ ہو۔

حقیقت میں تعلدین جس طرح پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء سمجھتے ہیں اپنے  
 سچے اماموں کو خاتم الامم جانتے ہیں اور جب امام مہدی سے امام کو ترک تعلید سے کافر اور  
 ملحد جانیں گے اور واجب قتل سمجھیں گے تو پھر ہم ایسے فرقہ سے کیا شکایت کریں اور  
 اپنی نسبت گمراہی اور ضلالت کے فتویٰ سن کر کہیں رنجیدہ ہوں حضرات کو اختیار ہے جو  
 چاہیں سو کہیں دین کو خود ہر باد کریں اور کافر اور متحق قتل ہو کر بتاویں کیا انصاف ہے۔ تو  
 مشتق ناز کو خون دو عالم میری گردن پر +  
 اب میں ان شبہات کو جو علماء کی مخالفت کے سبب پیدا ہوتے ہیں صرف ایک محقق کے

قول کو نقل کر کے دور کرتا ہوں معنی ابن قیم جس نے نہایت خوبی سے اس شبہ کو رفع کیا اور اسے خطرات کو دور کر دیا قال ابن قیم اذا جارت هذا الى الله تعالى معنی جب کہ کسی مسلمان کے نفس مطمئنہ کو اس طرف جحان ہوتا ہے کہ وہ خاص بنیہ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی خالص متابعت کرے تو نفس امارہ کی فراحت کو گوں کے قولوں اور رایوں سے اُس کے ارادہ کے طور کے لئے ہوتی ہے پس نفس امارہ ایسے شبہات ڈالتا ہے جن سے کمالی متابعت پیغمبر خدا کی آدمی نہ کر سکے وہ خدا کی قسم دلاتا ہے کہ میری غرض سوئے نیکی اور احسان اور توفیق خیر کے اور کچھ نہیں ہے حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے اور اصلی غرض اس کی یہ ہے کہ وہ نئی خواہشات کو پورا کرے اور متابعت کے جملہ غامض نہ نکلنے دے اور نفس امارہ ایسے شخص کو دھوکہ دیتا ہے کہ خالص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیت کا قصد کرنا اور آخرت کے قول کو عیب مانتا کی رایوں پر بعد تم جھگڑا یا سائے عالموں اور تمام مقیموں کی شان میں نقص لگاتا ہے اور اُن کے ساتھ بے ادبی کرنا ہے کُن میں سے کسی نے پیغمبر حب کے قول پر چل کر کیا اور سبھوں نے خود رائی کی اور یہ کیسی بدطبی ہے کہ سائے مولوی اور فاضل اور بڑے بڑے جو ہوئے وہ تو گنگا کا رہے اور غلطی پر اور ہم خواب دھوکا میں حالانکہ یہ قوت اور طاقت ہو کہ کہاں ہے کہ ہم اُن بزرگوں کے قولوں کو رد کریں اور اُن کی غلطی اور خطا نکالیں پس ان باتوں کے خطرات دل میں ڈال کر نفس امارہ قسم کھاتا ہے کہ خدا شاہد ہے کہ میری اور کچھ غرض سوئے احسان اور توفیق کے نہیں ہے کہ اسی دھوکہ بہت سے لوگ آجاتے ہیں پس اسی باتوں کو نہ ماننا اور ایسے دھوکہ میں نہ آنا چاہیے اولئذا الذین یعلمہ اللہ ما فی قلوبہم فاعرض عنہم وعظمہم وقل لهم فی انفسہم قولا علیجا۔ اور خالص متابعت کرنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ لائے ہیں اُس کے سامنے نہ کسی قول کو دیکھے نہ کسی کی رائے پر ہلکا کرے کوئی کیو بلکہ اول صرف حدیث کی محنت کی تحقیق کرے پھر اگر کسی سے صحت پہنچائے تو اس کے معنی جب تک سچی سمجھ لے تو ہرگز اس سے حدود نہ کرے کہ تمام مشرق سے دیکر مغرب تک اس سے

۱۔ ہم نے سبب لہونے کے اصل عبارت کو نقل نہیں کیا صرف ترجمہ مقتضات کی ہے  
عبارات در اسات کے صفحہ ۱۲۲ میں نقل ہے۔ ۱۲

ہوں اگرچہ ایسا کبھی ممکن نہیں ہے کہ نوزاد بتد کوئی حدیث ایسی ہو کہ اُمت محمدی میں کوئی  
اُس کا قایل اور عامل نہ ہو یا یہ ممکن ہے کہ ہر کسی کو معلوم نہ ہو کہ کون شخص اُس حدیث کا  
عامل ہوا ہے یا ہے پس نہ جانتا ایسے آدمی کا جو کہ اُس حدیث کا قایل اور اُس پر عامل ہو خدا  
کے نزدیک اس شخص کے لیے جنت نہیں ہو سکتی جو کہ حدیث کی صحت پر اطمینان کر کے اور  
اُس کے معنی سمجھ کر حدیث کو چھوڑے اور اُس پر عامل نہ ہو پس جب تو کسی شخص کو پالے تو  
مجھے چاہیے کہ اُس پر عمل کر اور یہ سمجھ لے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اور بھی اس کا قایل اور اُس پر عامل ہوگا  
تجربہ کو اُس کی سب سے نہیں ہوئی اور اس سے تو اور علماء کی محبت اور خط و مراتب میں شہ نہ کرنا سلیقے  
کہ مجتہدین اور علماء سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور اُس میں بھی اگر وہ بذمہ ہی نہ مکر میں مستحق ایک  
اجر کے ہوتے ہیں لیکن اُس سے یہ لازم نہیں ہے کہ اُن کے غلط قول کی تبعیت کی جائے  
اور صاحب شریعت کے کھلے احکام چھوڑ دیے جاویں صرف یہ خیال کر کے کہ جن علماء اور فقہاء  
نے اس قول پر عمل نہیں کیا وہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ تھے اور بھوکاں کا سامر تیر  
حاصل نہیں اس لیے کہ جن لوگوں نے اُس نص پر عمل کیا ہے وہ بھی تجربہ سے زیادہ عالم تھے  
تو تو نص پر عمل کرنے میں کیوں اُن سے موافقت نہیں کرتا اور یہ تو ممکن بھی نہیں ہے  
کہ کوئی نص موجود ہو اور کسی نے اُس پر عمل کیا ہو بسط حال نص پر عمل کرنے والا کبھی تنہا ہوگا  
اور ضرور اُس کے ساتھ اور لوگ ہونگے پس جو آدمی علماء اور فقہاء کے قولوں کو قرآن و حدیث  
سے ملاوے اور اُس سے مطابقت کرے اور جن کو مخالفانہ خصوص کے پادے اُس سے مخالفت  
کرے تو ایسی مخالفت کرنا ایسا کی نسبت پر شبہ کرنا کہ وہ اُن کا دشمن ہے یا کہ اُن کے خط و تراب  
پر خیال نہیں کرتا یا اُن کو برا جانتا ہے بڑی غلطی ہے اس لیے کہ حقیقت میں اُن کے کلام کو  
خدا اور رسول کے کلام پر عرض کرنا اور جو مخالف اُس کے ہو اُسے نہ ماننا اصل پیروی اور تہاد  
بنی آدمی کی ہے کیونکہ انہوں نے خود یہی کیا ہے اور ایسا ہی کرنے کو اُوروں کو نصیحت  
دیتی ہے نہ کسی نے مصومیت کا دعویٰ کیا نہ اپنے قول کو نصوص پر مقدم سمجھا پس اس سے  
ثابت ہوا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اکیلی یہی تقلید کرنا کسی کی کہ اُس کی سب باتیں  
ماننا اور اُس کے قول کو نہ خدا کے کلام سے جانچنا نہ رسول کی احادیث سے ملانا بلکہ اکیس صوم کے  
قول کے موافق اُسی کو قبول کر لینا دوسرے اُس کے علم اور فہم اور تفقہ سے استغناء کرنا اور  
جو چاہے علم کا اُس نے دشمن کیا اُس سے نہ لینا پس جو عقلمند ہے اور اقل قسم میں داخل وہ اُس



عالم کے قول کو باطل قبول کرتا ہے نہ اُس میں غور کرتا ہے نہ کتاب سنت کی سند سے اُس  
صحبت کی تحقیق کرتا ہے اور جو معتق ہے اور دوسری قسم میں داخل ہے وہ اُس عالم کے تو  
کو مبطلہ دلیل کے سمجھتا ہے پس اگر پہلی دلیل اُسے مل گئی تو دوسرے استدلال کی کچھ  
نہیں جس طرح پر کہ تارہ قبلہ پر دلیل ہے مگر جبکہ آدمی خود قبلہ کو دیکھ لے تو پھر ستار  
حاجت نہیں رہتی اسی طرح پر جب ہم نے کسی فقیہ یا مجتہد کے قول کو سنا تو ہمو اُ  
عمل کرنے کی ابتداء کی محبت کافی ہے مگر جب ہمو کو کوئی حدیث صحیح اُس کے موافق ملجا  
تو اُس عالم یا فقیہ کے قول پر ہمو کا مل اطمینان ہوگا اور سننے سے مرتبہ دیکھنے کا ہمو حاصل  
اور اگر اُس کا قول مطابق حدیث کے نہوایا اس سبب سے کہ وہ حدیث اُسے نہ ملی یا اس و  
سے کُاُس نے اجتہاد میں غلطی کی تو ہمو کُاُس کے چھوڑ دینے میں کچھ مائل نہوگا پس متیہ  
جو متقلدین کیا کرتے ہیں کہ جو لوگ تقلید کو واجب نہیں جانتے آخر وہ بھی فقہاء اور علماء  
کے قولوں پر عمل کرتے ہیں باطل ہوا اس لیے کہ واجب اور جائز میں بڑا فرق ہے پس  
ہمارا یہ قول نہیں ہے کہ علماء فقہاء کی باتوں کا ماننا یا اُن کے نکالے ہوئے مسطور  
عمل کرنا جائز نہیں۔ ہاں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ واجب نہیں بلکہ ہمو کو معلوم ہو جائے  
خدا کا فلاں امر میں یہ حکم ہے یا اُس کے رسول نے فلاں معاملہ کی نسبت ایسا فرمایا ہے  
تو بمقابلہ اُس کے دوسرے کا اتباع جائز نہیں اس لیے کہ خدا اور رسول کے حکم کے ساتھ  
دوسرے کا کچھ حکم نہیں۔ علاوہ بریں اُن مجتہدین اور ائمہ نے جن کے قول کے اعتبار  
کی نسبت یہ ساری محبت ہے خود بھی تو یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی حکم  
خدا اور رسول کا ہے بلکہ وہ صاف کہتے رہے ہیں کہ ہم اجتہاد کرتے ہیں ہمارے اجتہاد اور  
رائے کو جو چاہے ملے جو چاہے نہ ملے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خود یہ قول ہے  
کہ شخص میری رائے سے بہتر رائے دے میں خود اُس کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں اور نیز  
اگر اُن ائمہ و مجتہدین کا قول فی ہوتا جو کہ خدا اور رسول کا قول ہے تو اُن کے خاصا محروک  
اُن سے مخالفت کرنا جائز نہ ہوتا جس طرح پر کہ اصحاب کو پیغمبر کے قول سے مخالفت جائز نہیں  
ہے۔ نقطہ انتہی۔

یہ قول بن قیم کا جو ہم نے نقل کیا متقلدین کے سارے عیاضات کا جواب ہے اور اسے اُن کے  
کل شبہات سے مبرا کرتے ہیں پس باوجود اس کے بھی اگر کوئی تقلید کو واجب کہے اور اُس کے واجب

کہنے والے کو دشمن اسلام کا اور بدعتی جاننے اُس کے حق میں سبز اس کے کہ دعا و خیر کیجاو  
کیا کہا جاوے۔

پس بغرض محال اگر عدم وجوب تقلید پر کوئی عالم بھی جوارے ساتھ متفق نہ ہوتا  
اور سب اُس کے وجوب ہی کے معتقد ہوتے تب بھی ہمارا اُس سے انکار کرنا خرق اجماع  
نہ تھا نہ کہ اس کے عدم وجوب پر ہزار علماء کا اتفاق ہے بلکہ سارے صحابہ کرام تابعین تمام  
تابعین کا یہی عقیدہ تھا پس جو تقلیدین یہ شبہ کرتے ہیں کہ اگر تقلید کے وجوب سے انکار  
کیا جائے تو بہت سے علماء فضلاء کے اور نفوس غایہ ہوتا ہے اور اُن کی شان میں غلطی کی  
نسبت ہوتی ہے اُن کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر تقلید کا وجوب یہ کیا جاوے اور اُس کو منکر  
بدعتی اور فاسق اور گنہگار قرار دیا جاوے تو اُن محدثین اکثر اہل تصوف اور اولیاء اللہ اور  
اکثر مجتہدین و محققین کا بدعتی اور فاسق ہونا لازم آتا ہے اس لیے کہ وہ تقلید کے تارک تھے  
پس یہ ہے کہ وجوب تقلید کے نہ ماننے پر تو پریشانی کیا جاوے کہ اکثر علماء کی خطا ثابت  
ہوتی ہے اور اُس ماننے پر خیال نہ ہو کہ اکثر محدثین اور اولیاء کرام اور محققین کا گنہگار ہونا  
لازم آتا ہے پس بغرض اگر یہ ایک فرقہ کا چھوڑنا ہی لازم ہو تو اب اختیار ہے جو چاہے تقلید  
میں اخل ہو اور محدثین اور اولیاء اور اہل تصوف کو چھوڑے اور جسے منظور ہو وہ حدیث پر  
عمل کرے اور اُس زمانہ کے لوگوں کو چھوڑے جو کہ عہد نبوت سے دور ہوا گیا اور ہیں  
بدعت کا رواج بڑھتا گیا۔

مقلد۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ اجتہاد انہیں ناموں پر ختم ہو گیا مگر آج کل کس کو ایسا علم ہے کہ وہ  
امام ابوحنیفہ کے قول یہ جرح کر سکے اور کس کو اُن کا ساتھ تو لے اور بزرگی اور احتیاط ہے  
کہ اُن کے کلام کو نہ مانے اُن جو کوئی اُن کا سا علم اور ویسا تقویٰ رکھتا ہو وہ اجتہاد کرے  
یا اگر تب بھی قرب زمانہ نبوت کی فضیلت کہاں سے اب کوئی پاویگا۔

غیر مقلد۔ اس سب سے تو آپ ہی کی تقلید باطل ہوتی ہے اس لیے کہ دوسرے فرقے  
بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر ابوبھی غیر خدا علیہ التحیۃ والثناء کے اصحاب کرام کے ہم رتبہ نہ  
تھے اور مہاجرین انصار میں اخل نہ تھے پس چاہیے تھا کہ وہ بھی اصحاب کرام کے اتوار میں  
جرح و تعدیل کرتے اور کسی ایک صحابی کے سارے قولوں کو نسیم کر لیتے پس جبکہ مجتہدین نے  
اصحاب نبوی کے قولوں میں جرح و تعدیل جائز رکھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

یار غار اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے فقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عالم جن کی فضیلت میں  
 ائمہ میں بھی نزول ہوئیں اور جن کی ستان میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرمائی ہیں اور جن کی  
 ہجرت اور نصرت کی خدا نے توفیق بھی کی باوجود اس کے تیسرے طبقہ کے لوگ اس  
 امر کے مجاہدین کہ وہ ایسے اصحاب جلیل القدر کے تھیں جن سے جس کو مطابقت کتاب سنت  
 کے پیرائے میں اور جس کو مخالف پاویں اسے چھوڑ دیں اور ترک کریں اور اس سے ان کی  
 نسبت یہ شبہ نہ ہو کہ وہ اصحاب کی بزرگی کے مقصد نہ تھے جو ان کے قولوں سے انکار کرتے  
 تھے اور بعد ائمہ اربعہ کے ہونا نہ تو اسے اسی میں کوئی اُن ائمہ کے اقوال میں جرح و تعدیل  
 کرنے کا مجاز نہ ہو اور سب کو کسی ایک امام کے منجا چار اماموں کی تقلید واجب ہوئے اور  
 جو واجب بنائے اُس پر لازم لگایا جاوے کہ وہ اُن امام کی بزرگی کا منکر ہے یہ ایک نیا  
 حیرت کی بات ہے۔

مقلد اگر حدیث پر عمل کیا جاوے تو انھیں کس کو طاقت ہے کہ وہ تمام احادیث کو جمع  
 کر کے نسخ و منسخ میں تمیز دے اور قوی اور ضعیف کو جدا کرے اور اُس سے مسائل کو استخراج  
 کرے۔

غیر مقلد کیا آپ کے نزدیک احادیث کی کتابیں فقہ کی کتابوں سے بھی زیادہ مشکل  
 ہیں اور کیا اصول حدیث کے اصول فقہ سے بھی زیادہ دقیق ہیں اور کیا احادیث کو اگلے  
 لوگ جمع نہیں کر گئے اور کیا ان کے اقسام ضعیف و حسن وغیرہ کو جدا جدا نہیں کر دیا اور کیا  
 موضوعات کو صحاح سے علیحدہ نہیں کر دیا اور کیا جو اختلاف احادیث میں ہے انکی تطبیق  
 محدثین نے اب تک نہیں کی ہے حقیقت یہ ہے کہ جس قدر تحقیقات احادیث کی تحقیق  
 نے کی ہے اور جس قدر مادہ احادیث پر عمل کرنے کا اس وقت موجود ہے اور جیسی سانی اُن  
 میں ہے اُس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص فقہ بننا چاہے تو جس قدر محنت اور  
 وقت اُس کو ہوگی اتنی محنت اور وقت علم حدیث کے سیکھنے پر نہ ہوگی اس تعجب ہے کہ ہادیہ  
 اور مصبوط وغیرہ جن کا چھنا غیر اصول منطق اور قواعد فلسفہ کے دشوار ہو آپ سمجھ سکیں اور  
 روایات مختلفہ کو جمع کرنے کی فکر بھی نکالیں اور پھر باہر اختلاف مسائل فقہ کا رفع نہ ہو۔ بلکہ  
 قطع نظر اُس اختلاف کے جو چاروں مذہب میں ہے ہر مذہب میں مسائل اختلافی موجود ہوں  
 اور صاف اور کھلی ہوئی حدیثوں کا سمجھنا آپ کے نزدیک مشکل ہو اور ان کا اختلاف رفع

کرنا اور اسپر عمل کرنا آپ کے نزدیک محالات اور مستحبات سے ہو اور ساری حدیث کی  
 کتاب میں اور ان کی شرح میں اور محدثین کی تحقیقات میں عبثت ہوں اس لئے کہ ان کو نہ کوئی  
 کتاب ہے نہ اسپر عمل کر سکتا ہے پس حدیث کی کتابیں سوائے اس کے کہ واسطو تبرک  
 بروت کے دوسرے کپڑے میں خلاف کے اندر ہیں اور کبھی کسی فقہی مسئلہ میں ان پر رجوع  
 کیا جائے آپ کے کسی کام میں نہیں آسکتا و استخراج مسائل کے لئے آپ ان سے کچھ کام  
 نہیں لیتے اگر لیتے تو خود را مہربانی کر کے بتلاؤ کہ کسی فتویٰ میں خلاف اقوال فقہائے کوئی  
 مقلد حدیث کی بھی سند لایا ہے اگر لایا ہو تو پیش کر دھا تو بھانکھ ان کنتم صادقین  
 اگر آپ غور کریں اور اپنے علماء کے اقوال پر نظر کریں تب آپ کو معلوم ہو کہ فقہائے احادیث کی  
 کسی قدر دانی کی ہے۔ میں اپنے اس قول کی تائید میں صرف ایک قیہیہ کے کلام کو نقل کرتا  
 ہوں۔ وہ فرماتا ہے کہ اعلم ان اصول الفقہ فرع لعلم اصول الدین والکثر القانین  
 فی اصول الفقہ و اهل الاعتدال الخالفین لنافی الاصول و اهل الحديث الخالفین  
 لنافی الفروع ولا اعتداعل تصانیفہم یعنی اکثر تصانیف اصول فقہ کی معتزہ کی ہیں  
 جو اصول میں ہائے خلاف ہیں یا اہل حدیث کی ہیں جو فروع میں ہمارے مخالف ہیں اور  
 ان کی تصانیف پر کچھ اعتبار نہیں ہے پس مقلدین نے گویا اہل حدیث کا ایک فرقہ علیحدہ  
 تصور کیا اور ان کی تصانیف کو اعتبار کے لائق نہ جانا پس نہایت افسوس کا مقام ہے کہ  
 تقلید کی وجہ سے اہل حدیث دائرہ سنت سے خارج کر دیے جائیں اور ان کی تصنیفات پر  
 صرف اسی قصور کی فحہ حدیث پر یعنی پیہر صاحب کے قول کو مانتے ہیں اعتبار نہ کیا جائے  
 میں حیران ہوں کہ اگر اہل حدیث ہی دائرہ سنت سے خارج ہوں تو پھر دوسرا کون ہے جو  
 ہو سکے بیچ کہاہے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب قہ ابد علیہ نے اپنے ایک سالہ میں جو جواز  
 بخارہ کے لکھا ہے کہ بالجدید بطل بطل کہے مخالفت پیہر خدا کر دانی خلاف  
 ہام مذہب فتن و باوجود اں خود راستی پنداشتن جزہیل و  
 نادانی و یا نقصب نفسانی خیرے دیگر نباشد سنتی آنکہ کار سنت کنند و  
 رافضی آنکہ ترک سنت کنند۔

**مقلد**۔ پس تم بدعتی اور فاسق ہو بلکہ کافر جو تقلید کو واجب نہیں جانتے تو کفر کا فتویٰ لکھا جائے گا اور تمہارا کھانا پینا بند ہو گا تاکہ آئندہ پھر کوئی دین کو برا نہ کہے اور مذہب میں فتنہ و فساد نہ کھڑا کرے۔

**غیر مقلد**۔ من از آن حسن روز افزوں کہ یوسف داشت و نسیم کہ عشق از پر دہ عصمت بروں آ روز بخارا

منوچہر تو اسی روز سے آپ کے کفر کے فتویٰ کے منتظر ہیں جب سے ہم نے قرآن و حدیث کو اپنا تمسک بنایا اور زید و عمرو کو چھوڑا اور پابندی رحم کی ترک کی حضرت خدا کے نزدیک کافر نہ ہونا چاہیے۔ وہ اگر ہمارے کفر کا فتویٰ دے تو البتہ ہم کو نقصان ہے ورنہ اگر دنیا کے سائے بندے ہمارے کفر کا فکریں اور خدا کے ساتھ ہمارا معاملہ راست و سادہ اور اُس کے پیچھے اور اُس کے رسول کے پیچھے ہم کافر بنائے جاویں تو اس کفر پر ہمارے ہزار ایمان قربان اور ہزار اسلام صدقے ہیں اور بڑے بڑے امام اور اچھے اچھے ولی اور نامی نامی محقق ہمارے اس کفر کے شہ کی ہیں اور یہ آپ کا فرمان کہ اگر ہم ایسا نہ کر تو حق دین برباد ہو جائے موجب صد ہزار حیرت ہے کہ حدیث پر عمل کرنے میں کئی بیاد ہی کیا ہوگی اگر آپ کے نزدیک حدیث پر عمل کرنے سے دین برباد ہوگا تو وہ دین جس کا مدار سوائے قرآن و حدیث کے آؤ کسی پر ہو اُس کا برباد ہی ہونا بہتر ہے۔

## قول فصیل نسبت تقلید و عمل بالحدیث کے

بعضوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر تقلید چھوڑ دی جاوے تو حدیث پر کیونکر عمل کیا جائے اور جو اختلاف احادیث میں ہے وہ کیونکر رفع کیا جاوے۔ آخر تقلید چھوڑنے پر بھی ہمارے ہمارے دکرنا پڑے گا اور سارے خبریات مسایل کا حدیث سے نکالنا ممکن نہ ہوگا تو جو چار عمدہ اور اچھے اماموں کے مذہب کو چھوڑنا اور آپ کا مذہب کھڑا کرنا نا اہلی ہے اس پر یہ قول فصیل جو محققین علیہ السلام لکھے ہیں ہم بھی لکھتے ہیں۔

یہ خیال کرنا کہ بخلاف سبب الزام کے کسی مذہب کے مسایل پر عمل کرنا جائز نہیں ہے غلطی ہے بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ تقلید کو واجب جاننا اور اُس کی اس طرح پابندی کرنا کہ آپ امام کے مقلد کو دوسرے امام کے کسی مسئلہ پر عمل کرنا یا اپنے امام کے کسی

تھامیں اور صریح مخالف حدیث کے پکراؤں کا ترک کرنا یا کسی مسئلہ میں اجتہاد کی طاقت سکھار  
 دینا اور نہ کر سنا غلطی ہے اور یہ اگلے لوگوں کے طریق کے خلاف ہے بلکہ چاروں اماموں  
 میں سے کسی کے قول کو ماننا یا ان کے استخراج کیے ہوئے مسائل پر عمل کرنا نہایت ہی  
 مستہر ہے اور ارجحاً تو نہایت ہی مناسب ضرورت اور حاسیوں کو تو سوالئے اس کے  
 کچھ چارہ نہیں لیکن حیدر شریط ہے۔

اول۔ جائز ہونا اجتہاد کا اور ترک تقلید کا اگر کوئی شخص ایک مسئلہ میں بھی اجتہاد  
 کر سکے۔

دوسرے۔ چھوڑ دینا کسی قول کا جبکہ کسی حدیث صریح صریح سے مخالفت کی شکل بت چڑھو  
 اور اس حدیث کا منسوخ ہونا یا یہ ثبوت کو نہیجے۔

تیسرے۔ نہ اعتقاد رکھنا اس امر کا کہ ایک امام کے مقلد کو دوسرے امام کے قول  
 پٹیل کرنا ناجائز ہے۔

چوتھے۔ مقدم رکھنا احادیث اور اصول حدیث کو قیاس اور قواعد فقہیہ مولیٰ پر۔  
 پس ان چارہ طوں کے ساتھ شخص کو اختیار ہے کہ جس امام کے مذہب پر چاہے  
 چلے اور جس کے قول کو مقبول اور چاہا جائے اُس کو اختیار کرے اور یہی مطلب ہمارا ہے  
 اور یہ عرض غریبی نہیں ہے کہ کسی امام اور کسی عقیدہ اور کسی مولوی کے کسی قول کو ماننے  
 اور نہ شخص عامی ہو یا خاص عالم ہو یا جاہل ہو وہ مسئلہ میں اپنا ہی اجتہاد کرے اور سارے  
 جبریات خود ہی کتابت سنت لئے نکالے۔

پس افسوس ہے ان لوگوں پر کہ جو باوجود علم و فضل کے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ چاروں  
 مذہب میں سے کسی مذہب کی پابندی ترک کرنی اور دوسرے امام کے مذہب پر عمل  
 کرنا یا چاروں مذہب کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا یا اجتہاد کرنا جائز ہی نہیں ہے اس طرح حقیقت  
 میں یہ قول ایک نیا حکم شریعت کا ہے اور جس کا قائل اپنے آپ کو صاحب شریعت ہونے کا  
 درپردہ دعویٰ کرتا ہے طحطاوی میں ایک بڑے عقیدہ صاحب کمال کا قول لکھا ہے کہ المستقل  
 من مذہب الی مذہب با اجتہاد و برہان آثریت وجوب التعذیر قبل  
 اجتہاد و برہان اولیٰ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اجتہاد و برہان کے ایک ہنگام  
 چھوڑنا اور دوسرے مذہب کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ گنہگار ہے اور ایسا کرنے والا

واجب التذیر مگر افسوس ہے کہ اتر قول کے کہنے والے نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کو پسند کرتا ہے  
 کے دن کیا جواب دیگا اور اپنی طرف سے فہرست میں گناہوں کی ایک گناہ بڑھا دینے کا وہ بہ  
 دلیل پیش کرے گا سچ یہ ہے کہ اگر یہی سچی باتیں یہ لوگ نہ سمجھ جاتے اور ان دھمکیوں کی  
 جاہلوں کو نہ ڈراتے تو تقلید کا ایسا زور شور کیا کرتے کہ ہوتا اور حدیث پیغمبر خدا علیہ السلام و انبیاء  
 عمل کرنا کیونکر چھوڑتا۔ و ما سعادة الدارين الا بالاعتصام به

ان لم یکن فی معادی احزابیدی : فضلاء والا فضلنا زلزلة القدر  
 نہیں اسے مضمون کو غم کرتا ہوں اور سبی بحث کے متعلق اور پچھلے لکھوں گا اور ان قول  
 کو جو تعلیمین تعلیم کی نسبت بیان کرتے ہیں فیصل لکھ کر اس کا جواب دوں گا اور جو کچھ  
 شرح سفر السعادت اور تفسیر جرمی وغیرہ میں لکھا ہے اس کو جس قدر نقل کرے اس کو بہت سب کو  
 بگاڑ کر دے گا جو محدثین اور مجتہدین نے بنسبت اس کے دیا ہے اور علاوہ اس کے سارے  
 شہادت اور اعتراضات کو مقابلہ میں کے نہایت خلی سے بیان کرتے اس کی شرابی بھلائی کو  
 خلاف کر دے گا افسوس ہے کہ نہ ان بڑا اور پچھلے کیونکہ جو کچھ دل میں ہے اسے لکھوں  
 خیر اب تو اس پر نہ کرتا ہوں اور جو نہ لکھا ہے اسے دوسرے پر یہی لکھوں گا۔

مجھے اپنے بھائیوں سے امید ہے کہ وہ میری حق خدا نہ ہو جو میں اور یہ نقد ویر گالی دینا اور  
 بڑا کہن شروع نہ کریں بلکہ اول اول کو ٹھنڈا کریں اور غور سے دیکھیں اور پھر نصیب کریں سب سے  
 کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف مجتہدین و محققین کے اقوال کی نقل ہے نہ قطعاً کتاب کی رائے اور  
 وہ اقوال بھی محدث و دہنیں اور جو کچھ لکھے گئے اسی پر غور نہیں بلکہ صرف بطور نمونہ کے ہیں اور نقل  
 اس کے صدقہ قول بڑے بڑے محققوں کے اس کی تائید میں اگرچہ ہمارے ہی رائے  
 ہوتی تو ہم مستحق عتاب اور قابل ملامت کے تھے جب کہ ہم نقل کر رہے تھے اور رجح کر رہے تھے

ان کے قولوں کے ہیں تو حضرت جو کچھ ارشاد فرماویں گے اول زیروں کی ارواح پر غور کریں  
 اس کا اثر ہو گا کچھ ہمارے اوپر اور ہم تو اپنی عزت اسی میں سمجھتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول  
 کے پیچھے لوگ ہم سے دشمنی رکھیں اور بہکوالحدیث کے سبب سے کافر بنیں اور ہم بھی اپنے  
 سچے خدا اور سچے رسول سے مضمون اس مصرعہ کا۔ عالم تمام دشمن جاں شد برے تو  
 عرض کریں۔ اسے بھائیو۔ ان سب باتوں کو غور سے دیکھو اور انصاف کرو۔ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُو  
 عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ۔

# تفسیر بالرائے

مسلمان یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ اپنی عقل سے قرآن مجید کی تفسیر کرنی اور حسنی بیان کرنے میں اور اپنے اس عقائد کے ثبوت پر اس حدیث کو کہ من فسر القرآن بآرائہ فلیتوب أمقعدہ من النار پیش کرتے ہیں یعنی جس شخص نے قرآن کی تفسیر اپنی عقل سے کی تو وہ اپنی بگڑی و دوزخ کی آگ میں ٹھہرے۔

مگر جو معنی کر انہوں نے تفسیر بالرائے کے سمجھے ہیں وہ غلط محض ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر میں جو کچھ اگے منسہروں نے کہا ہے اور جو کچھ اگلی تفسیروں میں لکھا ہے اس کے سوا اور کچھ مطلب قرآن مجید کے لغزشوں سے نکالنا منع ہے پس اس کے سوا جو کوئی شخص قرآن مجید کے کسی لفظ کے اور معنی کہتا ہے یا کسی آیت کی تفسیر دوسری طرح پر کرتا ہے وہ تفسیر بالرائے کرتا ہے اور دوزخ کی آگ کا مستحق ہوتا ہے۔

یہ سمجھنا ان کی بالکل غلط ہے۔ ہر علمائے حقہ میں کے اقوال و طریقے اور مذہب کے بھی برخلاف ہے۔ امام محمد بن اسلام غزالیؒ فرماتے ہیں: "تفسیر قرآن بذاتہ یعنی یہ کہ اس کی عرض پر سمجھ میں ایک مطلب نکال بیان کرنا ہو، اور وہ اس پر قرآن کی گواہی ہو اسے اور قرآن مجید کو ایسے مطلب پر بجا دے کہ اس مطلب میں آیت کے نازل ہونے پر غلطی کے لغوی حنی دلالت کریں اور نہ کوئی نقلی روایت موجود ہو" پس بلاشبہ اس طرح پر قرآن کی تفسیر منع ہے۔

بعد اس کے امام غزالی صاحب لکھتے ہیں کہ اس بات سے یہ سمجھا جاوے کہ قرآن کی

ن  
من فسر القرآن بآرائہ هو ان یکون غرضہ روایہ تقریرام و تحقیقہ فیستجیر شعاۃ القرآن  
الیہ ویحلہ علیہ من غیر ان یشہد لتزلیلہ علیہ دلالت لغویۃ او نقلیۃ ۱۲  
لکھ ولا ینبغ ان یفہم منه انہ یجب ان لا یفسر القرآن بلا استنباط والفکران من آیات  
ما نقل فیہا عن الصحابۃ والمفسرین خمسۃ معان ومنہ وسبعۃ وعلما ان جمیعہا  
غیر مسووعۃ من النبی صلعم فانہا قد تكون متنافیۃ لا تقبل الجمع فیکون ذلک



تفسیر تہنباط سے اور غور و فکر سے بھی کرنی منع ہے کیونکہ بہت سی جہتیں ایسی ہیں  
 اُن کے پانچ پانچ چھ سات سات معنی ضماہ اور مفسرین سے نقل ہوئے ہیں  
 اُن میں سے کوئی بھی رسول خدا صلعم سے نہیں سنا اور وہ معنی آپ میں ایک دوسرے  
 برعکس بھی ہوتے ہیں اور سب سب صحیح نہیں ہو سکتے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے  
 غور اور اپنی اپنی سمجھ سے نکالے تھے اسی لیے رسول خدا صلعم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ  
 کو دعا دی تھی کہ اُتداسکو دین میں سمجھدار کرے اور اس کو قرآن کے معنی بیان کر سنے  
 سکھاوے ۱

اسی طرح ایک مجاہد فرماتے ہیں کہ فقہ بہت سے وفق معنی اور قرآن کے بھید ایسے ہیں کہ  
 غور و فکر کرنے والوں کے دل میں آتے ہیں کہ اُن سے تفسیر کی کتابیں بالکل غلطی ہیں اور  
 بڑے بڑے مفسرین کو بھی اُن کی خبر نہیں ہوئی ۲  
 غرض کہ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ خدا کی کتاب پر غور کرنا اور اُس کے الفاظ سے  
 حافی اور مطالب کی تحقیق کرنا اور صرف اگلے مفسرین کی پیروی ہی نہ کرنا بلکہ جو علوم  
 کاتب حاصل ہوئے ہیں اُن کا قرآن مجید کے الفاظ سے بانچنا سنہ نہیں ہے اور نہ ایسا  
 کرنا تفسیر پڑانے ہے اور یہ کیونکہ تفسیر پڑانے ہو سکتی ہے اس لیے کہ تفسیر پڑانے  
 ہونے میں یہ بات ضرور تھی کہ الفاظ کے لغوی معنی یا نقل و قول پر راسخ نہ کرتے ہوں اور  
 اب جو ہم تفسیر قرآن کی کرتے ہیں وہ تو اُس سے بھی زیادہ سند بخشی محتاج بق تحقیق پر  
 کرتے ہیں اور اپنی عقل یا قیاس کو مطلق دخل نہ دیتے ہیں وہ تفسیر پڑانے کیونکہ  
 ہو سکتی ہے بلکہ وہ تفسیر توفی الحقیقت تحقیق قرآن ہے جس کی روشنی خدا سب کو  
 نصیب کرے - آمین ۳



مستنبطاً بحسن الفہم وطول الفكر ولهذا قال صلى الله عليه وسلم لا بن عباس رضي الله  
 عنه اھم فقهہ فی الدین وعلمتہ التاویل - ۱۲  
 لہ فکرم من محان دھقہ من اسرار القرآن تخطو علی قلب المتجربین المذکور العکرم  
 یخلو عنہا کتب التفسیر ولا یطلع علیہا افاضل المفسرین ۱۲

# وجود آسمان

مسلمان جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے ہر ایک مسلمان کو اس بات کا اعتقاد لازم اور فرض ہے کہ آسمان ایک مجنوں کی طرح گنبد کی مانند ہے اور اُس کے چھلکے کی طرح دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور زمین مثل اُٹلے کی زردی کے اُسیں ہے اور تمام ستارے اُس میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ اور یہ اعتقاد اُن کا غلط ہے۔

مختارینہاں نے اپنی حکمت اور اپنے علمِ مہیت میں آسمان کو جسمِ کروبی مجید زمین کے اور ستاروں کا اُسیں جڑا ہوا ہونا بیان کیا تھا۔ یہودی بھی مسلمانوں کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی قرآن مجید کی آیات متشابہات پر جن میں آسمانوں اور ستاروں کا ذکر ہے بخوبی غور و فکر فرمایا کیا اور سمجھا کہ اُس زمانہ میں سوانح تھا اور جہاں تک اُس زمانہ میں ترقی علوم کی ہوئی تھی اسی کے مطابق اُن کے مبنی کہہ دیئے درہ قرآن مجید سے اس اعتقاد کا ثبوت مطلق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں آیات متشابہات کا ہونا خصوصاً اُن امور میں جو زمین و آسمان اور ستاروں اور فرشتوں اور بہشت و دوزخ سے ملحقہ رکھنے میں نہایت حکمت اور ایک عجیب قدرت کی بات سے اگر تھوڑا سا قیاسی سوجود سے کی نہ ریمہ آیات حکم قرآن مجید میں بیان کی جاتی تو تمام دنیا اُس میں حیران و پریشان ہو جاتی اور تعلیم و معانی جو اُن کی تصدیق قرآن مجید تھی غیر مقصود و جھگڑوں میں برباد ہو جاتی اس لیے ان تقاضی کا بیان بدرجہ اتم آیات متشابہات کے ہوا جن کے اندر خود مستند و مخالف علم و ادراک اُس زمانہ کے لوگوں کے نہ تھے اور اُن کے معانی محققہ حقیقت اشیاء کا یہی علیہ پر ولادت کرتے تھے اور یہ آج کے زمانہ میں ایسا عدا ہے کہ اُنجا قرآن میں شمار ہو سکتا ہے۔

پس اب ہم مسلمانوں کو یہ قضا کرنا چاہیے کہ حقیقت آسمان کوئی وجود جسم مثل گول گنبد یا چوہرے چھت کے نہیں ہے بلکہ تمام ستارے چاند اور سورج جن میں زمین بھی ایک ستارہ ہے فضا میں بیٹھے ہیں اور قدرتی ستاروں کے زریعہ سے جس کو ہم نہیں دیکھ سکتے اور جس کا نام سان شرح میں عدم غیر مرئی اور زبانِ اہل علم میں جذب ہے

اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے جو کہ ہمارے سر کے اوپر ہے اُس کا نام آسمان ہے جس طرح ہم اپنے سر پر کی چیزوں کو جو حقیقت میں امرکیہ کے رہنے والوں کے تحت قائم ہے آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح امرکیہ کے رہنے والے اپنے سر پر کی چیزوں کو جو حقیقت ہمارے تحت قدم میں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ سچہ ہمارے ہی قول نہیں ہے بلکہ اگلے مسلمان عالم بھی اس بات کے قائل ہوئے ہیں امام فخر الدین رازویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "السماء عبارة عن كل ما ارتفع عن الارض" آسمان کا لفظ ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی ہمارا کا لفظ انہی حسوں میں آیا ہے جہاں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وانزل من السماء ماء" یعنی بربسا یا خدا نے اوپر سے پانی۔ پس اس جگہ ہمارے آسمان کے لفظ سے اگلے لوگوں کے نزدیک بھی یونانی حکیموں والا آسمان مراد نہیں بلکہ صرف اوپر کی سمت مراد ہے۔

قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آسمانوں کا ایک ایسا وجود جیسا کہ یونانی حکیموں نے بیان کیا ہے نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ستاروں کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ تیرتے پھرتے ہیں پھر اگر وہ آسمان میں جڑے ہوئے ہوتے تو فیرتے نہ کیونکہ پھرتے اسی ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کوئی وجود مجسم نہیں ہے اور نہ شے کسی میں جڑے ہوئے ہیں بلکہ حلقہ میں اور خود اپنی اپنی جگہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

فلک کے معنی بھی جو مسلمانوں نے مثل آسمان کے جسم محوف کردی محیط ارض قرار دیے ہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ فلک کے معنی اُس دائرہ کے ہیں جو کسی ستارہ کی گردش سے زمین میں یا خیال میں پیدا ہو جاتا ہے جیسکہ بنی پھرتے ہیں تم نے دیکھا ہوگا کہ گول چکر بن جاتا ہے حقیقت میں وہ چکر نہیں ہے بلکہ صرف بنی کے سر میں کی گردش کرنے کا رستہ ہے جو خیال میں مثل فلک یعنی دائرہ کے دیکھا جاتا ہے جب کبھی لڑکے ڈور کے سرے میں پتھر یا گیند باندھ کر زور زور سے پھرتے ہیں تو ایک دہی حلقہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ حقیقت میں وہ حلقہ مجسم نہیں ہے بلکہ اُس پتھر یا گیند کی گردش کی راہ ہے جو ہم میں مثل فلک یعنی دائرہ کے دیکھا جاتی رہتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت سے کہ "کل فی فلك یسبحون" یعنی ہر ستارہ ایک

کھیرے میں تیرا پھرتا ہے بالکل ٹھیک ٹھیک فلک کے یہی معنی ثابت ہوتے ہیں جو ابھی ہم نے بیان کیے۔

شراح حنفیہ نے بھی لکھا ہے کہ ”ان الفلاک يطلق علی غیر المحکم ایضا کالدوائر ومحیطاتها یعنی فلک کا لفظ غیر محکم چیز پر بھی بولا جاتا ہے جیسکے دائرہ پر یا حلقہ پر۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ ”او دائرة يفعلها الكواكب جمر كرت“ یعنی فلک ایک دائرہ بھی ہو سکتا ہے جو ستارہ اپنی چال سے بناتا ہے۔

اور اس بات کے ثبوت کے لیے کہ آسمان سے صرف ستاروں کا رستہ مراد ہے ٹیجی دلیل ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن مجید میں آسمانوں کے حفظ کے لیے ستاروں کی راہ فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے ”وخلقنا فوقكم سبع طرائق“ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ ہم نے سات آسمان پیدا کیے ہیں اسی طرح اس آیت میں یہ فرمایا کہ ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں پیدا کی ہیں۔ آسمانوں کی جگہ راہیں فرمائیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان اور ستاروں کے چلنے کی راہ ایک چیز ہے اور راہ ستاروں کی ضرور نہیں کہ مجسم ہو بلکہ کرات منفق کی فضا میں بیٹھ کر حرکت ہے وہی اس کی راہ ہے۔

اب ان لفظوں سے بحث باقی رہی جن میں صفات آسمانوں کی بیان ہوئی ہے اور جس سے آسمانوں کے مجسم ہونے کا شبہ پڑتا ہے مگر حقیقت میں ان سے بھی مجسم ہونا آسمان کا ثابت نہیں ہوتا۔

اول یہ کہ ایک جگہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خلق سبع سموات طباقا یعنی سات آسمان تہہ اور اس سے سمجھا جاتا ہے کہ ایک آسمان دوسرے آسمان سے ایسا ملایا ہوا جیسا کہ پیاز کے پرٹ اور یہی مذہب حکمائے یونان کا بھی تھا کہ ایک آسمان کا متعین نیچے والا آسمان کے محدب سے ہوا مانتے تھے۔

مگر امام فخر الدین رازیؒ نے ان منوں کو تو باطل کر دیا وہ کہتے ہیں کہ لعل اللہ کو تھا طباقا کو تھا متوازنیتہ کا اٹھا متماستہ یعنی تہہ تہہ ہونے سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں شاید ان کا ایک دوسرے کے متوازی ہونا مراد ہو۔

مگر حقیقت میں یہی بھی جو امام فخر الدین رازیؒ نے یے ہیں صحیح نہیں ہیں۔  
 ہے کہ سائرین آسمان کا لفظ عربی زبان کے محاورہ میں ہر اوپر کی چیز پر جو بلا اعلیٰ  
 کے متعلق دکھائی دیتی ہو بولا جاتا ہے۔ مثلاً چاند۔ سورج۔ ستاروں پر بھی سوار  
 کا اطلاق ہوتا ہے اور اُن کی حرکت سے جو دائرہ یا گھیر و تختیل ہوتا ہے اُس پر بھی  
 کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ بادلوں پر بھی سوار کا لفظ بولا جاتا ہے اور یہ نیلی ٹالی  
 جو کھوکھو دکھائی دیتی ہے اُس پر بھی سوار کا لفظ بولا جاتا ہے اور یہ کی سمت پر بھی ج  
 بسیط ہے سوار کے لفظ اطلاق ہوتا ہے پس خلق سبع سموات طباقا  
 یعنی میں کر خلق الله تعالى هذه السموات السبع على سبع ارتفاعا و  
 طباقا ليعلمها اهل ذلك الزمان بعد ذلك مع اجرام عظام يقال  
 الكواكب السبع۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی کوسات اور سب سے بڑی  
 پیدا کیا ہے جس کو اُس زمانہ سے اُس زمانہ سے سات سات بڑے بڑے جہوں کے سبب  
 سات سات کہتے تھے۔ جو بعد از ہر بعد سمجھتے تھے۔ یہ کہ ہر ایک سطح پر قطار  
 مقرر کر کر اُس سطح واحد و صفات قرار دینے پس اس آیت سے یونانی حکیموں کے آراء  
 کا جو ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے و حنینا فوفیٰ کذباً۔ عاشر اذ  
 جعلنا سراجا وھا جاب۔ یعنی بنائیں ہم۔ نئے تمہارے۔ وہ سات اندوہ چیزیں اور  
 ہم نے ایک کو چراغ روشن سات سات میں بنائے۔ یہ سورہ یونس کا ذکر ہے ان  
 یونانی حکیموں کے سات آسمان مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ ان سات مضہ  
 چیزوں سے وہ سات سیارے مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ بھی جانتے تھے  
 جبکہ اُس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ کیا ہم نے ایک چراغ روشن جس سے علانیہ سورج و  
 جس کو لوگ ان سات میں سے ایک سمجھتے تھے تو اب کچھ شبہ نہیں رہا کہ ان سات  
 چیزوں سے یونانی حکیموں والے سات آسمان مراد نہیں ہیں بلکہ وہ سات چیزیں  
 مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ سبع سیارہ کہتے تھے۔

تیسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ الله الذي رفع السموات بغية  
 عند تروخها۔ اس آیت سے بھی یونانی حکیموں والا آسمان ثابت نہیں ہوتا بلکہ

یہ آیت بالکل اُس مطلب کو جو ہم نے بیان کیا ہے واضح کر دیتی ہے اس لیے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے اٹھا دیا اور والی چیزوں کو بغیر ستون کے جس کو تم دیکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں بکھو اور دکھائی دیتی ہیں اُن کے لیے ستون تو ہے مگر وہ ایسا ستون ہے کہ بکھو دکھائی نہیں دیتا۔ اُنہیں بکھو کہ وہ ستون کیا ہے وہی قوتِ جاہلہ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ہر ایک کرہِ خلق میں پیدا کی ہے جس کے سبب تمام اوپر کی چیزیں ہلکتی بغیر ظاہری ستون یا سہارے کے کھڑے ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے جو کچھ اس مقام پر لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ بعض تفسیرین کی یہی رائے تھی کہ خلا وغیرہ درمیں کراتِ معلق ہیں چنانچہ وہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں وعندی فیہ وجہ آخر احسن من انکل وھوان الاماد ما یعتد علیہ وقد دللنا علی ان ھذا الاجسام انما بقیت واقفہ فی الجو العالی بقدرت اللہ تعالیٰ وجینئذ یكون عملھا هو قدرۃ اللہ تعالیٰ فتنتج ان یقال انه رفع السماء بغیر عمل تروھا ای لھا عمد فی الحقیقۃ لان ذلک العمدی قدرت اللہ تعالیٰ وحفظہ وتدبیرہ وابقاؤہ ایاھا فی الجو العالی واعمد لا یرون ذلک التدبیر ولا یعرفون کیف ذلک الامثال۔ یعنی امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سب سے اچھی ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ستون اُس چیز کو کہتے ہیں جس کے سہارے سے کوئی چیز ٹھہری ہے اور ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ تمام جسم صرف خدا کی قدرت سے مستند و معین ہیں مثلاً ہمارے میں تو اب وہی خدا کی قدرت اُن کے لیے ستون ہوگی پس نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کا ہونا آسمان معنی اوپر کی چیزوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم دیکھو ٹھہرا رکھا ہے وہ خدا کی قدرت اور اُس کی مجاہدانی اور تدبیر اور اُس کا ٹھہرا رکھنا ایسی چیزوں کا ہونے کا ہے جو میں سے اور بے شک ہندے اُن تدبیروں کو نہیں دیکھتے اور ان اہلِ فکر کو نہیں بانٹتے۔

اگر اس زمانہ میں امام فخر الدین رازی نہ ہوتے تو ان کو اتنی بڑی تقریر اور شیریں سیکی باتیں نہ بنانی پڑتیں بلکہ وہ نہایت آسانی سے سمجھ بیٹھتے کہ وہ ستون جس کو ہم نہیں

دیکھتے جس سے تمام کرات ملتے تھے ہوئے ہیں وہ قوت جذب ہے جو خدا نے ہر ایک میں پیدا کی ہے۔

چوتھے یہ کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت تین لفظ آؤر آئے ہیں جن کی تفسیر میں کم غور کرنے والوں کو دقت پڑتی ہے اور وہ لفظ یہ ہیں۔ سقفا محفوظا۔  
 ما لہا من ضویج۔ والسقف المرفوع۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان تینوں لفظوں کے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان چھت کی مانند ہے اور جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور جسم ہوگا۔  
 اس خیال پر بعض مفسرین کی اور شامت آئی کہ وہ سمجھے کہ جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور جسم ہی ہوگا اور دیواروں پر ہی رکھا ہوا ہوگا۔ اس خیال اطل سے انہوں نے کہہ دیا کہ قرآن سے پایا جاتا ہے کہ آسمان چورس ہے اور بڑے اونچے اونچے پہاڑوں پر لگا ہوا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے ایک نطور پر جیسا کہ اس زمانہ کے فیسوفوں کا دستور تھا اس بیان کو رد کیا ہے مگر اصل یہ ہے کہ یہ الفاظ کچھ بھی منافی یا مخالف حقیقت کے نہیں ہیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ آسمان ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے پس یہ نیلی نیلی چیز جو ہر جگہ دکھائی دیتی ہے اور حقیقت میں مثل نشان یا ہولے محیط کے ایک جسم بھی رکھتی ہے اور ہر ارضی دنیا کے چاروں طرف محیط ہے اور دنیا کے رہنے والوں کو مثل سقف گندی کے دکھائی دیتی ہے اس پر بھی آسمان کا اطلاق ہوتا ہے مگر یہ نیلی چیز حکیموں والا آسمان نہیں ہے پس اگر اس نیلی چیز پر سقف مرفوع اور سقف محفوظ کا اطلاق ہوا تو مثل اور وقت کیا پیش آئی۔

ایک اور مصیبت مفسرین پر پڑی ہے کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت لفظ دخان بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دھواں ہے اب تو مفسرین کے ہوش گئے اور سمجھے کہ اب تو یونانی حکیموں والا آسمان بھی نرماؤشیج علی کی طرح سوتے کا گھر خاک ہو گیا ہے تو اس پر خدائے ولی اللہ صاحب جتہ البانہ میں اقام فرماتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں دھوئیں کی مانند دکھائی دے مگر اصل میں ایسا نہ تو اس پر بن مسعود کا ایک قے ایسے سند نقل کیا ہے کہ جھوک کے مارے آنکھوں میں آسمان مثل دھوئیں کے دیکھائی دیگا پھر فرماتے ہیں کہ میاں قرآن کی باتوں سے انکار کرنا منع ہے اگر سمجھیں آؤسے تو ظاہری شے کے منقول ہی پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اقل ہدایت ایمان ان کا مان لینا اور

تصدیق کر لینا ہے۔ مگر ہم دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم اہل درجات ایمان نہیں چاہتے  
ہم تو اعلیٰ درجات ایمان پر پہنچے ہوئے ہیں۔

یہ باتیں ہم نے کچھ گستاخی کی راہ سے نہیں لکھیں بلکہ جتنا کہ ہم امام رازی اور مولانا شاہ  
ولی اللہ صاحب کا ادب کرتے ہیں اور ان کو علماء محققین بانی سے سمجھتے ہیں تنا کوئی نہ کرنا  
سچو گانہ سمجھا ہوگا۔ مگر اس تحریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ بات سمجھیں کہ حقیقتاً شیخ  
روبروز زیادہ تر مشکف ہوتی جاتی ہے اور جس قدر کہ ہمارا علم ترقی پاتا ہے اسی قدر  
کلام بانی کی حقیقت زیادہ تر واضح ہوتی ہے۔ پس اقول مفسرین حق ہی پر ہکو منحصر رہنا  
نہیں چاہیے۔

ہماری دنیا کو ایکادہ رقیق سیال محیط ہے جس کا نام دُخان کہن خواہ ہوا سے محیط  
کروارض خواہ اُور کچھ اور وہی مادہ اس بات کا سبب ہے کہ ہوا یہ غلی چھت جس کو  
آسمان بھی کہتے ہیں کھائی دیتی ہے۔ پس یہ بات کہنا کہ آسمان دُخان ہے بالکل حقیقت  
کے مطابق ہے اور کچھ بھی تاویل اور رد کی حاجت نہیں ہے۔ یہ ساری غرابی ایسے  
پڑتی ہے کہ ہم نے اپنی غلطی سے ہر جگہ لغو آسمان کا مصداق یونانی صیغوں کے  
آسمان کو سمجھ رکھا ہے۔

پانچویں۔ یہ کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت فتح ابواب بھی آیا ہے جس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ آسمان ایک جسم مجسم ہے اور اس میں جو کھٹ اور کوڑ اور قبضے کڑے کھٹ  
صکے ہوئے ہیں جس کے سبب دروازے کھلتے بند ہوتے ہیں اور ضرور ستری بھی  
دروازے کھولنے بند کرنے کو کھڑے ہوں گے۔ پھر آسمان کے وجود مجسم و متحکم سے  
کیونکہ انکار کیا جاسکتا ہے مگر اس پر مکتوب بحث کرنی ضرور نہیں کیونکہ خود اگلے مفسرین  
کیونکہ رو کر چکے ہیں۔ قال اللہ امام الغزالیؒ وهو علی طریق الاستعار فان  
الظاہر ان الماء کان من السحاب وعلی هذا ضو کما یقول القایل فی المطر  
الاول جرت ہزایب السماء وفتح ابواب القرب۔ یعنی امام غزالی صاحبؒ  
فرماتے ہیں کہ شدت سے مینہ برسنے میں جو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آسمان کے  
دروازے کھل گئے تو ایسا کہنا بطور استعارہ کہ ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ مینہ  
یونانی حکیموں والے آسمان میں سے تو برستا نہیں بلکہ بادلوں میں سے برستا ہے۔ پس



آسمان کے دروازوں کا کھلنا ایسا ہے جیسے کوئی شدت کے مینہ برسنے میں یوں کہے کہ آسمان کے پرانے پٹکے اور کچالوں کے مونہ کھل گئے۔

چھٹے یہ بعضی جگہ قرآن مجید میں آسمانوں کے پیدا کرنے اور بنانے کا ذکر کیا اور چند جگہ اُن کا شق ہونا اور پھٹ جانا فرمایا ہے۔ پھر اگر روشل یونانی حکیموں کے آسمان کے مجسم نہ ہونا تو خدا تعالیٰ یہ باتیں آسمانوں کی نسبت کیونکر منسوب کرتا۔

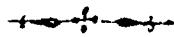
مگر سمجھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سی جگہ قرآن مجید میں غیر مجسم چیزوں پر خلق کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہے بلکہ حالات مفروضہ اور اشیاء معدومہ کی نسبت بھی ایسے لفظوں کا اطلاق ہوا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے کہ ”جعل فی السماء بروجاً“ یعنی بنائے آسمان میں برج حالانکہ کسی کے نزدیک وہ کوئی جہانی چیز نہیں ہے۔ موت اور حیات سب کے نزدیک صرف فرضی حالتیں ہیں اُن کی نسبت بھی خلق کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ ”خلق الموت والحیات“ عقل کی نسبت بھی پیدا کرنے کا لفظ آیا ہے معہذا جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اوپر کی تمام چیزوں پر آسمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اُن میں بہت سی پسین ہیں یہی کہ وجود اصلی بھی رکھتی ہیں پس یہ بات کہنی کہ اوپر کی چیزوں کو خدا نے بنایا ہے۔ خدا نے پیدا کیا ہے۔ اوپر کی چیزیں پھٹ جاؤ گی شق ہو جاویں گی۔ کچھ بھی حقیقت کے برخلاف نہیں ہے اور نہ کسی قسم کی تاویل کی حاجت ہے۔ غلطی تو جب ہی پڑتی ہے جبکہ قرآن کو چھوڑ کر یونانی حکیموں کی پیروی کر کر سمار کے لفظ سے یونانی حکیموں کا بنایا ہوا آسمان داولیا جائے۔

اب سب سموات کی بحث باقی رہی یعنی اگر طبقات آسمان کے وہ معنی لیے جاویں جو سبع سموات طباق میں بیان ہوئے تو وہ سات نہیں قرار پا سکتے بلکہ سات سے زیادہ ہیں اور وزیر فرز نکلتے چنے آتے ہیں۔ چند روز ہوئے کہ ایک ہرشل سیارہ کا طیفی شکلا تھا اور ابھی انچوں سیارہ کا ایک طبقہ نکلا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ اور کتنے نکلتے آئیں گے۔ پھر اُن کو سات میں منحصر کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اگر یہ سمجھ کر خدا نے اُن طبقوں کو سات میں منحصر کر دیا ہے غلط ہے کوئی تعداد بیان کرنے سے عذر نہ دیکر نفی لازم نہیں آتی۔ امام رازی صاحب فرماتے ہیں فان قال قائل انا اهل اهل ایل التہ سبع علی سبع سموات علی فی العدد الزائد قلنا الحق ان

تخصیص لحد وبال ذکر لایدل علی نفی الزاید۔ یعنی اگر کوئی کہے والا یہ کہے کہ کیا سات آسمانوں کی صریح تعداد بیان کرنی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس سے زیادہ مان نہیں میں تو ہم کہیں گے کہ حق یہ ہے کہ کسی عدد کو بیان کرنے میں خاص کرینا اُس سے زیادہ نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ پس صاف ظاہر ہو گیا کہ اگلے عالموں کے نزدیک بھی سات ہی میں آسمانوں کا استحصا نہیں پایا جاتا تھا۔

غرض کہ بیان مذکورہ سے ثابت ہے کہ الفاظ اور آیات قرآن مجید سے وہ آسمان جسکو یونانی حکیموں نے بنایا تھا اور جسکی حقیقت بیت قدیمہ میں بیان کی گئی ہے ثابت نہیں ہوتی اور اُس کا منکر منکر نفس قرآنی نہیں سمجھا جاسکتا اور مسئلہ ہیئت جدیدہ جس امر کی نسبت ہے وہ مخالف قرآن مجید نہیں پایا جاتا۔ فقہ ہر۔



## تطبیق منقول بالمعقول

کوئی خیال اس سے زیادہ غلط نہیں ہے کہ دین کے اصول جو خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بتلائے وہ مطابق ان اصول کے نہیں ہیں جو عقل سے ثابت ہوتے ہوں اور کوئی امر اس سے زیادہ تو مذہب پر الزام نہیں دیتا جیسا کہ یہ مسئلہ کو عقل میں عقل کو دخل دینا شرعاً ناجائز ہے اس غلط خیال کے پیدا ہونے کا کوئی سبب کیوں نہ ہو اور اس مسئلہ کے جاری کرنے والوں نے کیسا ہی کچھ فائدہ کیوں نہ سوچا ہو مگر حقیقت میں بن کے غلط اور بنائے ہوئے پر اس سے زیادہ اور کئی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ہے کہ یہ کہا جاوے کہ اُس کے اصول کو عقل سے جانچنا ناجائز ہے یا وہ عقل کے خلاف ہیں کیونکہ جو مذہب فی ذاتہ سچا اور صحیح ہے اور خاص خدا کا دیا ہوا ہے نہ انسان کا بنایا ہوا تو اس میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہ ہوگی جو عقل کے خلاف ہو اس لئے کہ جو نئے عقلا محال ہو اُس کا واقع ہونا بھی غیر ممکن ہے پس اگر کسی نے کہا کہ میں نے ایسی بات بھی جو مخالف عقل کے ہو تو حقیقت میں وہ دین و مذہب ہی سچا اور صحیح اور خدا کا دیا ہوا نہ ہوگا بلکہ انسان کا بنایا ہوا ہوگا پس جتنے دین دنیا میں جاری

ہر انسان کی صحت اور غلطی کے جانچنے کے لئے اگر خدا نے ہر کوئی آفر دیا ہے تو وہ صرف عقل سے پس اگر اسی کے استعمال کو کسی دین کے بانی نے ناجائز اور ممنوع اور حرام کر دیا ہو تو گویا اس نے پہلے ہی سے اہل عقل پر ظاہر کر دیا کہ یہ دین خدا کا دیا ہوا نہیں ہے جس سے غلطی کا ہونا غیر ممکن ہے بلکہ ایک ایسے انسان کا بنایا ہوا ہے جسکی غلطیاں بنسبت صحت کے زیادہ ہوتی ہیں اور اسی غلطی کے چھپانے کے لئے اسکے بانی نے عقل سے جانچ اور امتحان کرنے کو منع کر دیا۔ پس جو دین و مذہب ایسا ہو کہ جس کے بانی نے عقل کو بیکار کر دیا ہو اور اس سے کام لینے سے ممانعت کر دی ہو تو اس دین کو کوئی قبول نہ کرے گا مگر احمق اور جاہل کیونکہ بنا اسکی جہالت یہ ہے۔

لیکن ہم اپنے دین اسلام کی نسبت کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ خدا کا دیا ہوا نہیں ہے اور اس کے اصول عقل کے مطابق نہیں ہیں بلکہ ہم تعین کرتے ہیں کہ ہمارا دین سچا دین ہے کیونکہ جو کچھ خدا نے ہمکو بتلایا ہے وہ نفس الامر کے مطابق اور اصول عقلی کے موافق ہے اور ہمارے اس تعین کی تکمیل خدا کے کلام اور ہمارے رسول کے اقوال سے ہوتی ہے اس لئے کہ ہمارے خدا اور ہمارے رسول نے کبھی نہیں کہا کہ ہم عقل سے کام نہ لو اور جاہلوں کی طرح کسی بات کو مانو بلکہ دین کا معیار بالکل عقل پر رکھا اور سب کو عقل سے کام لینے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کی تاکید فرمائی ہمارے خدا کا پاک کلام اسی دعویٰ سے بھرا ہوا ہے کہ جس کسی کو اس دین کی حقیقت میں شک ہو وہ تمہارے اور عقل سے جانچ کرے تاکہ ہر بات کو مطابق نفس الامر کے اور موافق عقل کے پا کر اسکی حقیقت پر تعین کرے۔ کہ قال اللہ تعالیٰ "ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت فامرجع البصر هل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین یقلب الیک البصر خاسئاً وہو حسیر"

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ منقول اور معقول میں مخالفت ہے وہ حقیقت میں عقل اور دین کی حقیقت سے بے خبر ہیں اس لئے ہم دونوں کی ماہیت بیان کرتے ہیں جس سے جاننے کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ منقول اور معقول میں مخالفت ہے۔

جبئی چند خدائے اس میں پیدا کی ہیں ان کی فی ذاتہ ایک حقیقت ہے اور

انسان کو خدا نے اُن چیزوں کی حقیقتوں کے دریافت کرنے کی اہلیت اور استعداد دی ہے اُسی قوت کا نام عقل اور اس حقیقت کے اُن میں باطن میں آجانے کو علم کہتے ہیں پس علوم عقلی وہ ہیں جو بذریعہ عقل کے دریافت کیے جاسکیں خواہ وہ ضروری اور بدیہی ہوں کہ بغیر دلیل و برہان کے سمجھ میں آسکیں خواہ وہ نظری اور کسبی ہوں جو خدا و استدلال سے حاصل ہو سکتے ہوں۔ اور علوم دینی وہ ہیں جو کہ خدا نے معرفت کسی سچے پیغمبر کے ظاہر کیے ہوں خواہ وہ متعلق عقاید کے ہوں جو اہلی اصول دین کے ہیں یا متعلق اعمال کے ہوں جو عقاید کی تائید اور ظاہری تکمیل کے لیے بتلائے گئے ہوں جو فروع اُن اصول کے ہیں پس جن چیزوں کو خدا نے پیدا کیا وہ حقیقت میں اُس کا فعل ہے اور جب اسکی حقیقت کو معرفت کسی پیغمبر کے بتلادیا وہ اُس کا قول ہے پس کون احمق اور جاہل ہے جو یہ کہہ سکے کہ خدا کا قول مخالف اُس کے فعل کے ہو سکتا ہے یا قانون قدرت اُس کا تبدیل شریع اور اختلاف ادیان سے تبدیل اور مختلف ہو سکتا ہے یا حقیقت کسی چیز کی کسی دین کے بدلنے سے بدل سکتی ہے جو کوئی ایسا خیال کرے وہ دین سے بے بہرہ ہے اور عقل سے بھی بے نصیب اور جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ حقیقت اشیا کی کبھی بدل نہیں سکتی اور قانون قدرت میں کچھ ترمیم ہو نہیں سکتی پس جو علوم ایسے ہیں جن سے اشیا کی حقیقت معلوم ہو انھیں کو ہم علوم عقلی اور علوم حکمی کہتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے کہ ”ان العلم یقسم الی حکمی وغیر حکمی ووجہ الضبط انہ اما ان لا یتغیر بتغیر الامکنۃ ولا الزمان ولا یتبدل بتبدل الدول والادیان فالاول العلوم الحکمۃ وبقال لہ العلوم الحقیقیۃ ایضا ای الثابتۃ علی مرالدھور ولا انعوام“ اور جو علوم ایسے ہیں جن کو خاص خدا نے معرفت کسی رسول کے بتلایا ہو اُن کو ہم علوم دینی کہتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے ”اما العلوم الدینیۃ فی ماخوذۃ بطریق التقلید من الانبیاء صلوات اللہ علیہم وسلامہ وذلك یحصل بالتعلیم بکتاب اللہ“

”تعالیٰ ومنتہی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم و فہم معانیہما بعد السماع“

اب ہم یہ سوچنا چاہیے کہ آیا ہم علوم دینی کی حقیقت بغیر استانت عقل کے دریافت کر سکتے ہیں یا نہیں چنانچہ اسکی نیت ہمارے محققین کا اقرار ہے کہ لامیکن فہمہ

بعد سماعہ بالا بعقل نہ! غنا بالعقل من السماع ولا غنا بالسماع عن العقل فلا داعی  
 الی محض التقليد مع عزل العقل بالکلیتہ جاہل والمکتفی بمجرد العقل عن  
 انوار القرآن والمسننہ معروہ فایاک ان تكون من احدا لفريقین وکن  
 جامعاً بین الاصلین (احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۱) اور جب بغیر استغانت عقل کے علوم  
 دینی کی حقیقت کا تجھنا ہی شکل ہے تو کیونکر وہ علوم عقلی مخالف دینی علوم کے ہو گئے  
 مگر جو لوگ ظاہر میں دونوں کو مخالف بتاتے ہیں اُس کے دو مبہم ہیں۔ ایک یہ کہ جو  
 علوم حقیقت میں عقلی نہیں ہیں بلکہ دینی اور خیالی ہیں اُن کو غلطی سے عقلی علوم سمجھنا  
 دوسرے جو علوم حقیقت میں دینی نہیں ہیں یعنی جن کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے نہیں بتلایا ان کو دینی علوم تصور کرنا۔ مثلاً یہ مسئلہ حکمائے یونان کا کہ خدا  
 عالم بالبحرئیات نہیں ہے بے شک مخالف ہمارے اس دینی عقیدہ کے ہے کہ خدا  
 حسبہ نہ کو جانتا ہے۔ یا یہ قول جابلہ سلمانیوں کا کہ زمین گائے کے سینک پر ہے  
 بلاشبہ مخالف علوم عقلی کے ہے۔ پس مخالفت ارسطو کی کہ خدا عالم بالبحرئیات نہیں  
 ہے ہمارے دینی عقیدہ سے اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ قول عقل سے ثابت ہے  
 بلکہ اس وجہ سے ہے کہ حقیقت میں اس ثبوت و دلائل عقلی سے نہیں ہے بلکہ صرف  
 دہمی و خیالی دلیل سے اور یہ قول یہود کا کہ زمین گائے کے سینک پر ہے مخالف  
 علوم عقلی کے نہ اس وجہ سے ہے نہ یہ قول بتلایا ہو خدا اور رسول کا ہے بلکہ اس سبب  
 ہے کہ اُس کی کچھ نہایت دین میں نہیں ہے مگر جب دونوں باتیں اپنے اپنے اصول  
 کے مطابق ہونگی ایسی ہی علوم عقلی حقیقت میں علوم عقلی ہوں اور بلا آمیزش و ہم اور  
 خیال کے عقل سے ثابت ہوں وہ مخالف ان علوم دینی کے ہو ہی نہیں سکتے جو کہ  
 خاص خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے ہوں اور جن میں کسی نے ہمیں کچھ ملانہ دیا ہو  
 اور کسی نے اپنی غلطی سے اُن میں تحریف معنوی کی ہو اس لیے جو شخص علوم عقلی اور  
 علوم دینی کی مخالفت کا قائل ہے اسکو بھی یہی دھوکا اور یہی مضائلہ ہوا ہے ورنہ کوئی  
 انسان ایسا نہیں ہے جو یہ خیال بھی کرے کہ خدا کا قول اس کے فعل کے مخالف ہوگا  
 کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا نے زمین کو گول بنایا ہو اور نہ زمین پر پیڑ کے اُس کا طرح بنوایا  
 ہو۔ نہیں ایسا کہی نہیں ہو سکتا۔ جو قول خدا کا ہے وہ ہرگز اُس شے کی اصل حقیقت

کے مخالف نہ ہو گا اس لیے جو شخص اپنے دین کی سچائی پر خود کامل یقین رکھنا اور اسکی سچائی  
 اوروں پر ثابت کرنا چاہے اُسے ضرور ہے کہ وہ اپنے دین کے اصول کی عقلی اصول  
 سے مطابقت رکھلا دے نہ کہ بجائے اس کے اپنے دین کی حفاظت کے لیے یہ حکم  
 جاری کر دے کہ اصول میں کو عقل سے جانچنا اور منقول کو معقول سے ملانا ناجائز ہے اور  
 دونوں میں فی ذاتہ تناقض ہے ہمارے مذہب کا ایک محقق لکھتا ہے کہ جو شخص یہ  
 خیال کرتا ہے کہ علوم عقلی علوم شرعی کے مخالف ہیں اور دونوں میں موافقت غیر ممکن ہے  
 یہ خیال شتم بصیرت کے اند سے پن سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا ایسے خیال سے بچائے ایسا  
 خیال کرنے والا جبکہ بعض علوم شرعی کو بعض علوم عقلی سے مخالف پاتا ہے اور دونوں میں  
 توافق نہیں کر سکتا تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ خلاف اصل دین میں ہے۔ پس دین سے ایسا  
 نکل جاتا ہے جیسا کہ بالائے سے اور اس کا سبب یہی ہے کہ اُس کے معجزہ قصور نے اس کے  
 دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ حقیقت دین ہی میں اختلاف ہے۔ نفوس ایسے آدمی کے  
 حال پر۔

تطبیق معقول و منقول میں کثرت چنہ شبہات لوگوں کے دلوں میں گذرتے ہیں اور  
 علوم دینوں کی تخصیص واسطے تطبیق منقول کے ان کے نزدیک بے سود و ناجائز یا

لہ و ظن من یظن ان العلوم العقلیة مناقضة العلوم الشرعیة وان الجمع بینہما  
 غیر ممکن ہو ظن صادر عن عی فی عین البصیرة نعوذ باللہ منہ بل هذا القائل  
 مرہماتنا قض عندہ بعض العلوم الشرعیة لبعض فیہم عن الجمع بینہما فیظن  
 انہ تناقض فی الدین فیتحیر بہ فی نسل من الدین انسلال الشعرة من العجین انما  
 خلاف لان عجزہ فی نفسہ خیل الیہ نقصان فی الدین و مہیات و انما مثالہ مثال لاعی  
 کی دخل دہر قوم فتعثر ذہبا وانی الدار فقال لہم ما بال ہذا لا وانی ترک  
 علی الطريق لہم دالی مواضعہا فقالوا لہ ذلک لا وانی فی مواضعہا و انما  
 انت لست تہتدی الطريق لہم فالحیب منک انما لا تخیل عثرک علی  
 عمارک و انما تخیلہا علی تقصیر غیرک فہذا فنبہ العلوم الدینیة الی العلوم  
 العقلیة (احیاء)

منوع سمجھ جاتی ہے۔

## پہلا شبہ تطبیق معقول و منقول میں یہ ہے

کہ انسان کی عقل کامل نہیں ہوتی اور وہم اور شک کی آمیزش سے کوئی عقلی مسئلہ پاک نہیں ہوتا خلاف منقول کے کہ جو کچھ خدا اور اس کے رسول نے فرمایا اس میں کبھی غلطی ہوئی ہو سکتی پس اس نتیجہ پر کہ جس میں حق و باطل کی تمیز نہ ہو ایسی چیز سے ملنا جس میں غلطی کا احتمال ہی نہ ہو سوسے پریشانی طہدیت اور تحریک مادہ الحاد اور پیدا کرنے شکوک و شبہات کے قعاہد یونی پر کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شبہ کر موالے یہ نہایت عمدہ اور مضبوط دلیل بیان کرتے ہیں کہ اب تک اس دنیا میں ہزاروں حکیم اور فلسفی اور عال گدے اور صد ہا برس تک ہزاروں محقق چند عقلی مسائل کی صحت پر مقرر ہے مگر کبھی ایک ایسا زمانہ آیا کہ ان کے مسلمات، عقیدہ کی غلطی کھل گئی اور جو کچھ وہ سوچے سمجھے تھے اس کا پچھلا اصلیت پائی نہ گئی پس اگر انسان کی عقل اور اک تعاقب کے لیے کافی ہوتی اور اس کے دریافت پر بھر دوسہ ہوتا تو کیوں ایسی غلطیاں ہوتیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقل حقیقت اشیاء کے اور اک میں قاصر ہے اور جو کچھ عقلا حکمائے سوچا سمجھا وہ ظہیان کے لائق نہیں ہے تو خدا اور رسول کے کلام کو اس سے ملنا حق کو باطل سے تطبیق دینا ہے۔

یہ شبہ بے شک غور کرنے کے لائق ہے مگر ایسا تو ہی و بدل نہیں ہے کہ اس سے تطبیق منقول و معقول کی ضرورت اور جواز سے انکار کیا جاوے کیونکہ یہ بات تو یقینی معلوم ہے کہ ہر چیز کی فی نفسہ ایک حقیقت ہے اور خدا نے جو قوت دے کہ وہ کہہ دے ہے وہ ان اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے دی ہے۔ اور ان اشیاء کے

۱۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ وہ صفت جس سے انسان انسان ہو اور جس نے اس کو حیوان سے جدا کر دیا ہے ہوالذی استعبد بالقبول العلوم النظریة و تدبیر الصناعات الخفیة الفکریة۔ وہ ایک استعداد قبول کرنے علوم نظریہ کی اور پیدا کرنے تدبیر صنعتوں پر مشتمل ہے اور ایسی استعداد کا نام عقل ہے اور کوئی انسان نہیں ہے جس کو یہ استعداد نہ دی گئی ہو

حقایق دریافت کرنے کی ترغیب اور تحریص بھی اپنے کام میں جا بجا فرمائی ہے اور غور کرنے والوں اور سوچنے والوں کی بزرگی بھی بیان کی ہے تپل گرائس قوت مدد کے سے کام لینے اور عقل سے سوچنے کی ہلکا جاڑت نہ ہوتی تو نہ ہلکا عقل ہی جاتی نہ غور و فکر کی ترغیب ہوتی۔ پس ہلکا عقل کا دینا اور بتفکر و تفکر فی خلق السموات والارض کہہ کر ہلکائس کے حقایق دریافت کرنے پر براہِ گنجہ کرنا ہی اس بات کی عمدہ دلیل ہے کہ ہم حقایق اشیاء کو دریافت کر سکتے ہیں اور چونکہ ہماری عقل وہم اور خیال کی آمیزش سے پاک نہیں ہے اس لیے جو کچھ ہم سوچیں اور سمجھیں اور تحقیق کریں اس میں غلطی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے لیکن ہماری تحقیق و وقسم کی ہو سکتی ہے یا ایسی تحقیق کہ سوائے دینی دلیل کے کوئی ثبوت میں ایسا نہ ہو جس کو ہم مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے ایسا سمجھ سکیں کہ غلطی کا احتمال ہی نہ ہو یا علاوہ اُس دینی دلیل کے اُس ثبوت کا مل مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے بھی ہو۔ پس پہلی قسم کی تحقیق پر بلا شک ہم احتمال غلطی کا کر سکتے ہیں اور دوسری قسم کی تحقیق پر اُس کا

تمام علوم اور تبحر فنون اُسی سے پیدا ہوتے ہیں گویا وہ سب اُس پر مشیدہ ہیں اور صرف ایک سبب کی وجہ سے جو اُن علوم کو اُس سے پیدا کرے کوئی عدم اور فن نہیں ہے کہ جو اُس خارج ہو اور ہمیں پر مشیدہ نہ ہو عقل کے اور علوم کے اُس میں پوشیدہ ہونے کی مثال بعینہ پانی اور مٹی کی ہے کہ کوئی زمین نہیں ہے جس میں پانی نہ ہو مگر اُس کا نکلنا محتج کھودنے اور نکالنے اور پرکی مٹی کا ہے یا اُس کی تمثیل مثل روغن کے ہے کہ وہ ہر دودہ میں موجود ہے مگر اُس کا پیدا ہونا ایک تدبیرِ خاص پر موقوف ہے پس جو شخص اُس استعداد کو کام میں لائے اور عقل کو بکام لائے وہ حقیقت اُس استعداد کو ضائع کرتا ہے جو خدا نے اُس کو دی ہے اور وہ انسان ہو کر اپنے آپ کو حیوان بنا تا ہے۔ اُس استعداد کا کمال اور ترقی تجربہ اور تحقیقات اور محنت پر موقوف ہے۔ قدرت کے بدولت میں وہ قوت سب کو دی ہے جو اُس کو کام میں لاتے ہیں وہ اُس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اُس کے ثمرات اور نتائج کا لطف اٹھاتے ہیں جو اُس کو کام میں نہیں لاتے وہ اُس کی حقیقت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں اور اُس کو استعمال میں لانے اور اُس سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔



خیال نہیں کر سکتے۔ اسی سے ثابت ہوا کہ جس طرح پرہائے سب معقولات برحق اور صحیح اور مطابق واقع نہیں ہو سکتے اسی طرح ہمارے سب منقول غلط اور بوجہ باطل نہیں ہو سکتے۔

اب ہیکو چاہیے کہ ہم معقولات کا امتحان کریں اور اس کی صحت اور غلطی کو جانیں اگر ہیکو امتحان کے بعد اس کی صحت پر یقین ہو جاوے تو ہیکو اگر ہم سچے مسلمان اور یکے دیندار ہیں اور عقل اور سمجھ بھٹی۔ لکھتے ہیں اور قصبہ درجہات سے بھی پاک ہیں تو لازم ہے کہ انہیں باتوں کا اثر ان کا ذکر کچھ جائے دین میں ہو اس معقولات سے متحد اور مطابق ہونا سب پر ظاہر کر دیں اور اگر ظاہر کچھ اختلاف ہو اس کی وجہ پر غور کریں اور ایک سچے با ایمان آدمی کے موافق اس اختلاف کو حل کریں اگر ہم ایسا کریں گے تو ضرور ہم کامیاب ہوں گے اور دونوں کو ایک کر دکھادیں گے۔

خیال کرو کہ اگلے حکماء یونان جو کچھ سوچے سمجھے تھے اور جو سلع عقلی وہ بیان کرتے تھے ان کی دلیل صرف فہمی اور عقلی ہوتی تھیں اور مثال غلطی کا بلکہ من غائب خطا کا ہوتا تھا اس لیے ہم ان کو غلط کہہ سکتے تھے اور جو سلع فہمی باتیں اسان کی جاتی ہیں اگر وہ ہیں جن کا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ و دلیل ہی تحقیقات پر ہے کہ انکے دیکھی چیز سے کم نہیں تو اگر ہم ایسے اصول و مسائل کو عند کہیں اور بلا امتحان اور بغیر جانچ کے غلط اور باطل کہیں تو صرف مفاد اور زنی والی کا ظاہر کرنا ہے۔

فرض کرو کہ مسلمانوں کے مذہب میں کیا جواب کہ زمین کا قطر پانچ سو برس کی راہ ہے اور ان تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اس قطر ۶۶۶۶ میل ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس میں یہ راہ طے ہو سکتی ہے تو اس مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ زمین کا قطر پانچ سو برس کی راہ کا مانیں اور اس تحقیقات کو غلط اور بوجہ کہیں یا اس کی تحقیقات کریں۔ اگر اسلام اس تحقیقات کو غلط کہیں تو اس سے اسلام کو کیا فائدہ ہوگا۔ یہ ہوگا کہ لوگ اسلام کو مجبوعہ جہالت جانیں گے اور مسلمانوں کو حقیق اور جاہل سمجھیں گے اور زنی علم اور تربیت یافتہ لوگوں کو اسلام کی حقیت سے منکومونے کا ذریعہ پیدا کریں گے اور اگر جاہل اسلام اس تحقیقات کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور اس کی وجہ اور دلائل کو سمجھیں

اور سپر غور کریں تو اُسے کیا حاصل ہوگا۔ دو باتوں میں سے ایک فائدہ ہوگا یا یہ کہ وہ اُس تحقیقات کے اصول و دلائل کی غلطی ثابت کر دیں گے اور اپنے مذہبی قول کی صحت ظاہر کریں گے یا وہ اُس تحقیقات کی صحت کو قبول کریں گے اور ایسے بین اور ظاہری اختلاف کے دور کرنے پر متوجہ ہوں گے اور اس امر کی تحقیق کریں گے کہ یہ قول جس کو ہم مذہبی قول سمجھتے ہیں۔ خدا کا فرمایا ہوا ہے رسول کا بتلایا ہوا ہے اسکی اصل کیا ہے اس تحقیقات سے اُن کو یہ فائدہ ہوگا کہ اُس قول کا کچھ نہ چلیگا اور خدا کے کلام اور رسول کی کتاب سے اُسکی اصلیت ہی کچھ ثابت نہ ہوگی بلکہ ایک وضعی اور غلط اور بے بنیاد بات معلوم ہوگی اور جو الزام دین اسلام پر عاید ہوتا تھا وہ دفع ہو جائیگا اور اسلام کی حقیقت پر کسی متحضر کا سوچ نہ کھلیگا پس خیال کرو کہ یہ محقق دوست شریعت کا اور عاشق اسلام کا ہے یا وہ مقلد۔ نعوذ باللہ من کلمات الحق وقد کان الحق بلا اتباع الحق۔

یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ جو علوم آج کل جاری ہیں اور جن کی تحقیقات روز بروز ہوتی جاتی ہے اس کا کچھ اثر مذہب اسلام پر پہنچے گا یا نہیں اور اگر کوئی ہے گا تو اُس کا علاج کیا ہے یہ تو کوئی زبان پر لا نہیں سکتا کہ اس کا اثر مذہب اسلام پر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اکثر علوم وہ ہیں جو ہمارے مانی ہوئی مذہبی باتوں کے خلاف ہیں اور قریب اُس کا بد اثر مذہب پر پہنچنا یقینی ہے تو اُس کے دفع کرنے کی فکر ضرورت سے ہے بلکہ خود لازم دئے اصول مذہب کے فرض کفایہ ہے پس اگر ہم اُس کی تدبیر صرف یہ خیال کریں کہ اُن علوم کی تعلیم کو حرام اور منع کہیں تو وہ تدبیر کافی نہیں ہے دو وجہ سے اول یہ کہ اب مقصد بابتد خلیفہ عباسی کا عہد خلافت نہیں ہے کہ کتب فلسفہ اور عقائد پر کفر صاف اور علوم عقلی کا تعلیم کرنا ہمارے علماء کے فتویٰ سے بند ہو جاوے اور مولویوں کے ہاتھ سے ان علوم کا پڑھنا پڑھنا موقوف ہو جاوے دوسرے اگر بعض سلمان یا مکمل اہل اسلام پر اُن کا فتویٰ اثر کرے اور اُن اُن علوم و فنون سے جا مل بھی رہیں تو مستحسن کے امتیازات اور شکرین اسلام کے مشابہات کلی دفع کرنے کا کیا علاج ہے اور جو قوت اُن کے انکار کو بسبب حاصل نہ ہونے جواب شافی کے ہوگی اُسکا عذاب کس کی گردن پر ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو حالت اس زمانہ کی ہے اُس پر نظر کر کے یہ کہنا کہ معقولات کی تعلیم حرام ہے سراسر نادانی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مقام کے رہنے والے کسی لمبندی پر روشنی کے شعلے دیکھیں اور آگ لگنے کے خوف سے مضطرب ہو کر اپنے گھر سے صلاح پوچھیں اور یہ کہہ دے کہ سب اپنی آنکھیں بند کر لو اور اس آگ کو جو نمونہ ہے ہم نے دیکھو۔ پس تیرا جس کا اُس قوم کے حق میں کیا ہوگا۔ اگر وہ روشنی حقیقت میں جانے والی آگ ہے تو وہ آگ اُس قوم کے گھر بار کو جلا دیگی اور نام و نشان اُن کا نہ رکھیگی اور اگر وہ روشنی تاریکی کی دُور کرنیوالی اور گھروں کی روشن کرنیوالی ہے تو اُس سے وہ قوم محروم ہوگی پس اُس قوم کے دوست کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اُنہیں بند کر لینے اور چُپ بیٹھ رہنے کی صلاح دے بلکہ اُس قوم کے بچے اور عاقل و مستند کا کام یہ ہے کہ سب کو برآگینہ کرے اور اُسکی حقیقت دریافت کرنے کا شوق دلاوے تاکہ چھوٹے بڑے سب اُس کو غور سے دیکھیں اور حجت پر چڑھ کر اُسکی تحقیق کریں اگر وہ حقیقت وہ جہان ہے والی آگ ہو تو قبل اُس کے کہ اُن کے گھر تک پہنچے اُسے پانی سے بجھا دیں اور اگر وہ گھروں کی روشن کرنے والی قندیل ہو تو اُس سے اپنے گھروں کو بھی روشن کریں۔

ہمارے مذہب کے وہ عالم بھی معتدات تھے جنہوں نے علوم یونانیوں کی ترویج پر کہا تھا کہ ”یا معطر الخلان ان اناست نادانی بوا دی هذا الفنون انکم منها بخر او قبس لعلکم تطلون“ اور ہمارے ہی دین کے وہ بھی پیشوا تھے جنہوں نے ریاضی کے منکرین کی نسبت فرمایا تھا کہ ”قد اتخذوا القوم طہریا و ظنوا شینا ذریا“ اور اب ہمارے ہی قوم کے وہ لوگ ہیں کہ ان علوم و فنون سے ناواقف ہیں اور جاہلوں کی طرح اُس حقیقت سے منکر ہیں وہ اپنی قوم کو اُس کی تحصیل سے مانع ہیں اس سے ہماری قوم جہالت کے دیا میں غرق ہوتی جاتی ہے اور تصنیفات کے تدریک جنگل میں بھی بھرتی ہے اور اگر کوئی شالو واداس سے نکلتا ہے تو اُس کا کوئی راہ بتانے والا اور منزل مقصود کو پہنچانے والا نہیں ہے۔ فطالہوا کا الحیاری فی العماری و لا یتدرون الی منازلہ سبیلہ و لا یجدون علی حد اولہ مرشد و ولیلہ ۛ

## دوسرا شب تطبیق معقول و منقول میں

بعض جہاں کہتے ہیں کہ عقلی علوم کا مثل مہیات و ریاضی اور ہندسہ اور طبیعیات وغیرہ کے سیکھنا اور اس سے مذہبی باتوں کو ملانا جائز نہ ہو تو بے سود اور عبث ہے خدا کے کلام کی تصدیق بندوں کی باتوں سے کرنا اور رسول کے اقوال کو لوگوں کی تحقیقاتوں سے جانچنا اگر بدروہی اور الحاد بھی نہ ہو تو بے سود اور لا حاصل ضرور ہے مگر یہ غلطی ہے کیونکہ خدا نے صرف اصول و کھلی ہوئی باتیں بیان کی ہیں وہ عجیب و غریب قدرت کی باریک باتیں ظاہر نہیں کی ہیں مگر سوچنے والوں اور غور کرنے والوں کو اُسکی تحقیق کی اجازت دی ہے پس جس قدر کہ ہم اُس کی مخلوق کی حقایق سے واقف ہیں اور اُس کے ملکوت سموات و ارض کی ابدیت کی تحقیق کریں تو وہ اُس یقین کو جو اُسکی قدرت و عظمت پر ہمارے دل میں ہے اور قوت بخشے گا اور ہمارے ایمان کو مضبوط کرے گا جیسا کہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ فمن دعا الى النظر والاستدلال كان على وفق القرآن ودين الانبياء ومن دعا الى التقليد كان على خلاف القرآن وعلى وفاق دين الكفار۔ ماورائے اس کے جو دقائق حقائق قرآن مجید میں موجود ہیں ان کی تشریح تفصیل سے اُس کے اعجاز اور کلام کی تصدیق زیادہ ہوگی کہ قال ابراہیم الخلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بلی ولكن ليطمئن قلبي۔

امام محمد بن ابی اسحاق تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ ارض جہلا کا نام اس طرح اور غلط ہے کیونکہ اگر ہم کسی عالم کی کتاب پر ایمان لادیں صرف یہ سمجھ کر کہ وہ عالم درستیٰ عالم ہے تو کیا ہمارا ایمان اُس شخص کی برابر ہوگا جو کہ اُس کتاب کو پڑھے اور اُس کے قائل اور نکات اور باتوں سے واقف ہو جائے بلاتشک جو آدمی اُس کے حقائق و دقائق سے زیادہ واقف ہوگا اُسی قدر اُس کا ایمان کامل اور مضبوط ہوگا اور اُس مصنف کے جلال و عظمت پر اسکو زیادہ یقین ہوگا۔

## تیسرا شب تطبیق معقول و منقول میں

بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ جو کچھ ہمارے خدا اور رسول نے کہدیا ہے وہ سچ ہے

پھر اس کی تحقیق اور تصدیق کی کیا حاجت ہے مگر یہ غلطی سمجھ کی ہے اور دو وجہ تطبیق کی نہایت ضرورت ہے۔ اول وہ باتیں جو ان لوگوں نے خدا اور رسول کی طرف منسوب کر دی ہیں اور حقیقت میں خدا و رسول کی نہیں ہیں دین سے حرف غلط کی طرح نکل جاویں اور مذہب کی سیدھی اور عمدہ راہ میں جو کائناتیں اور کٹر کٹر پتھر لوگوں نے ڈال دیئے ہیں جس کے سبب سے چلنے والے ٹھوکریں کھاتے ہیں اور منہ کے بل گرتے ہیں وہ صاف کر دیئے جاویں دوسرے جو لوگ مذہب کی حقیقت پر صرف مخالفت معقول کی وجہ سے طعنہ کرتے ہیں ان کی زبان بند ہو جاوے اور جو شبہات ناواقفیت اور غلطی کے سبب پیدا ہوتے ہیں وہ رفع ہو جاویں۔

جو لوگ تطبیق معقول و منقول پر ایسے شبہات کرتے ہیں جو جن کے مانع میں سے بچنے اور غلط خیالات سماتے ہیں وہ تطبیق معقول و منقول کی اصلی غرض سے قطعاً نہیں ہیں وہ یہی سوچتے ہیں کہ اب تک بڑے بڑے علمائے کیوں اس طرف نہ توجہ کی اور اب تو گھر خیال سے اسکی آرزو کرتے ہیں۔ شاید ان کو یہ خیال ہے کہ خدا اور رسول کے کلام کی تصدیق کے لیے ان کے کلام کا معقولات سے ملنا ضروری شرط سمجھا گیا ہے حالانکہ غلطی سے بلکہ جب علوم معقولات کے سبب سے دینیات میں شبہات پیدا ہو گئے اور مسائل حکمیہ کے جاری ہونے سے اقوال مذہبیہ پر طعن شروع ہوئے اور فلسفہ اور حکمت کے جاننے والوں نے مذہب پر زبان طعن و دلائل کی تو ضرور اور لازم ہوگا کہ مذہبیات کی اصلی حقیقت بیان کی جائے اور جو خارجی بے اصل باتیں مذہب میں داخل ہو گئی ہیں نکال ڈالی جاویں اور منقول کا جسے اصل معقول غلط کہتے ہیں مطابق واقعہ کے ہونا ثابت کر دیا جاوے پس یہ زمانہ میں حقیقت میں مذہب سے بچنے اور نہ ناجائز ہے بلکہ ضرور اور لازم اور فرض کفار ہے جیسا کہ شاولیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "وَنَشَاءُ التَّمَسُّكَ بِالْمَعْقُولِ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمُبَاحِثِ الدِّينِيَّةِ وَظَهَرَتْ تَشْكِكَاتُ فِي الْأَصُولِ الْأَعْتَادِيَّةِ الْعِلْمِيَّةِ فَالْإِشْرَاقُ فِي أَنْ صَارَ لَنَا نَحْضُ الْأَقَامَةِ الدَّلِيلِ الْعَقْلِيَّةِ حَسَبَ نَتَوَصُّصِ النُّقْلِيَّةِ وَتَطْبِيقِ الْمَنْقُولِ بِالْمَعْقُولِ وَالْمَسْمُوحِ بِالْمَقْنُونِ نَهْرًا مَوْزِلًا لِلدِّينِ وَسَعِيًّا جَمِيلًا فِي جَمْعِ شَمْلِ الْمَسْلَمِينَ وَمَعْدُودًا مِنْ عَظَمَةِ الْقَرَابَاتِ وَبِمَا سَأَلْتُ مِنْ بَطَاعَاتِ"۔

## چوتھا شبہ تطبیق معقول و منقول میں

بعض فقہاء بھی خیال کرتے ہیں کہ اگر علوم عقلی کی تعلیم جائز کی جائے اور اقوال مذہبی کی مستحکامات سے ملائے کی اجازت دی جائے تو ان کے آیات و احادیث کی رعایت نہ رہے گی اور ترویل اور استعارہ اور تمبیہ سے آیات و احادیث کے ظاہری معنی سے اعتقاد اٹھ جاویگا اس واسطے عذر دیا جاتا ہے کہ الفاظ و عبارتوں کی نہایت رعایت کی اور استعارات اور تشبیہات سے احتیاط کرنا۔

یہ شبہ زیادہ اس سبب سے پیدا ہوا کہ کسی بات میں باطنیہ فرقہ نے تمام آیات کو ماول کر دیا اور اُس کے ظاہری معنوں سے انکار کیا مگر باطنی معنی نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو بغیر مناسبت اور رعایت الفاظ کے فرضی معنی بنائے جاسکتے اور رقم سے مراد لا اور لیس سے مراد آسے لیجا جسے تو نہ جیتق سے کیا حاصل ہوگا نہ تطبیق کو اُس حالت میں مفید ہوگی کہ بناوٹ و رنگت نہ پایا جائے اور عقل سید اُس تاویل کو تسلیم کرے لیکن جتنی پابندی ظاہری الفاظ کی بعض مفسرین نے کی ہے وہ بھی شارع کے مقصود کے برخلاف ہے۔ کیونکہ جب خدا نے بندوں سے خطاب کیا اور اُن کو ترغیب اور تنبیہ کی تو اُن کی سمجھ اور فہم اور علم کے مناسب اُن سے گفتگو کرنا اُس حکیم کی مقتضائے حکمت تھا اور جن باتوں کو وہ خوشی اور بیخ کی سمجھتے تھے اُسی پیرامیں اُن کا سمجھنا مناسب نہیں اگر خدا نے اپنی قدرت کے اظہار میں فرمایا کہ سب سامان اور زمین میرے ہی تھے کہ بنائے ہوئے ہیں اور سب آسمانوں سے اوپر عرش پر میرا مقام ہے اور میرے تخت کو بڑے بڑے فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور میں آسمانوں کو کپڑے کی طرح چاہوں گا کہ کڑواؤں گا تو خود عقل شہادت دیتی ہے کہ مراد اس سے اظہار قدرت ہے نہ بیان حقیقت پس اگر کوئی ظاہری لفظوں کی ایسی رعایت کرے کہ خدا کے ماقول سے مراد وہاں سے باہر میں اور عرش سے مراد تخت طاووس یا تخت زردگار ہے اور حاملان عرش سے سلطانی باتوں کی وردی پہنے ہوئے کہا مراد میں تو یہ اُس کی نادانی ہے اور اُس سے جو کچھ معتبر اخص شریعت پر وارد ہووے اُس کا الزام اُس نادان پر ہے نہ شریعت پر۔

تیس ظاہری الفاظ کی حد سے زیادہ رعایت کرنے سے بڑا نقصان ہوا۔ لوگ حقیقت سے دین و مذہب کی بنیاد پر ہو گئے۔ دلوں سے اصلی نور ایمان کا جاتا رہا۔ اسلام سر جو کہ روحانی لذتوں کا پہنچانے والا اور انسان کا اعلیٰ درجہ کی تہذیب و شائستگی بخشنے والا ہے ظاہری صنعتاؤں اور جسمانی لذتوں کی رہنمائی کا غلط الزام لوگوں نے لگا دیا۔ تناقض اور اختلاف دینیات میں بڑھ گیا۔ تاویلات رکیکہ کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ بارہ دینے سے ضعف دین سام کا ظاہر ہوا کہ علماء کا ملین مذہب اسلام کو قائم نہ کئے تو ان ظاہری عاملوں کی بدولت مذہب اسلام میں سوائے نام کے کچھ نہ رہتا۔ اور ہجر پست اور چھلکے کے کچھ باقی نہ رہتا مگر رحمت ہو خدا کی ان علماء پر جنہوں نے بین کو قائم رکھا اور اصول اور احکام شریعت کے تعاقب کو ظاہر کیا۔ ولنعلم ما قال الامام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ ان من یاخذ العلوم من الالفاظ المنصوصۃ المأدۃ والعمومات المحققة کان الضلال علیہ غلب مالم یبتد بنور اللہ تعالیٰ الی ادراک العلوم علی ما ہی علیہ

ظاہری الفاظ کی پابندی پر آپ اور غلطی یہ ہوئی کہ علاوہ قرآن و حدیث کے لوگوں کے اقوال بھی قابل استناد ٹھہرائے گئے اور وہ الفاظ جو کئی آدمی کی زبان سے نکلے اور وہ حرف جو کسی مشہور شخص کے قلم سے نکلے وہ بھی اسلام میں داخل کیے گئے اور ان لغظوں اور حرفوں کی بھی رعایت ضروری سمجھی گئی اُس پر حکایات کا ذبا و قصص باطلہ اور روایات ضعیفہ نے اسلام کی یکسیت کر دی کہ مذہب اسلام انھو کے لفظان ہو گیا اور دین کو لوگ کہانیوں و قصوں کا مجموعہ سمجھنے لگے۔

اگر چشمہ انصاف سے دیکھا جاوے اور تعصب اور لحاج کو دخل نہ دیا جاوے تو کیا فرق ہے ہندوؤں کے اس قول میں کہ یہ وہاٹو دنیا کا مرکز ہے اور اُس کے پہرے جواہرات کے ہیں اور اُس کی چوٹی پر زمین کی سبکینٹھ ہے اور سات سمندر وودہ اور شراب اور گنے کے رُس کے اُس کے گرد ہیں اور ہمارے اُس قول میں کہ زمین چٹنی ہے اور گنے کے سینگ پر رکھی ہے اور سات آسمان سونے۔ چاندی۔ باقوت ہے سوتی کے ہیں اور کوہ قاف مرد کا پہاڑ ہے اُس پر ستون آسمان کے کھڑے ہوئے ہیں۔ پس اگر ہم ہندوؤں کی کتابوں پر ہند میں اور اپنے اس خرافات پر غور نہ کریں

تو افسوس ہے ہماری سمجھ اور شرم پر اذالیت جلیاب الحیاء نقل ماثت فان  
من الاحیاء لا ایمان له +

اگر ایمان عقل کے نقل یا جاوے تو آج اس کے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے کہ جو کچھ اگلے فلاسفہ  
اسلام نے کیا وہ ہم کریں اور علوم و فنون میں یہ صرف کچھ تقویت دینے کے محاکم ہیں اور اس کے مقصود کو کھولیں اور  
حکایات اور باطل کو دین کی کتاب سے حاکم کریں اور جو تصویات قصوں اور بے اصل  
باتوں نے خوبصورت اور روشن چہرہ کو اسلام کے داغدار کر دیا ہے اُن داغوں کو  
مٹا دیں اور اُن سیاہ بادلوں کو جو اسلام کے روشن آفتاب کے گرد جمع ہو گئے ہیں تمہا  
میں اُن آویں تاکہ سب اس کے نور سے ہدایت پاویں نہ کہ اُس غلطی سیاہی کے سبب  
سے ٹھوکر کریں کھادیں اگر اہل ایمان کے نزدیک یہ کام اسلام کا نہیں ہے تو معلوم نہیں  
کہ اسلام کا کام کیا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جاہلوں بلکہ اکثر عالموں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ حیات  
دین سے منسوب ہو گئی ہو گو وہ واقع میں دین کی مہیا نہ ہو مگر اُس کی حمایت ہی کرنی چاہیے  
مگر یہ غلطی ہے۔ خیال کرو کہ اگر چہک اور میل اور کثافت بدن پر جمع ہو جاوے اور ہتھلا  
مات اور بے احتیاطی کے سبب وہ ایک تہ جسم کی ہو جائے تو کیا اُس کا دور کرنا جسم  
کے اصلی اجزاء کا جدا کرنا اور اُس کی بنیات اور شکل کا بدلنا ہے سہرگز نہیں بلکہ اُس جسم  
کی طبیعت کو ظاہر کرنا اور اُس کو اصلی بنیات پر لانا اور اُس کی کثافت اور میل کو چھوڑنا  
ہے پس گو کوئی جاہل غلطی سے ایسی کثافت دور کرنے والے کو دشمن جانے لگے مگر حقیقت میں  
وہ سچا دوست اور بچا خیر خواہ اُس جسم کا ہے۔

## علم معقول و منقول

گو اگلے زمانہ میں ایسے لوگ گندے ہوں جو منقول موجودہ اور منقول قدیم دونوں  
کے جامع ہوئے ہوں اور جامع معقول و منقول کہلائے ہوں۔ مگر اس نام میں منقول و  
اور منقول جدیدہ کا جامع ہونا غیر ممکن ہے اور اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اُن نے منقول



پر لحاظ کر کے کسی آدمی کا جامع معقول منقول ہونا غیر ممکن ہے۔

ہمارے اس بات پر یقینی لوگ تعجب کریں گے اور اس امر کو نہ مانیں گے لیکن ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا قول نہایت صحیح اور درست ہے کیونکہ ہماری مذہبی تعلیم ترجیح کے علوم و فنون کی تعلیم کے باطل خلاف ہے اور دونوں میں تناقض کی نسبت ہے جو ہمارے مذہبی عقائد میں انہیں کج کل کے تربیت یافتہ اور نام اور خیالات کہتے ہیں اور جو مسائل علوم و فنون جدیدہ کے ہیں انہیں ہمارے عالم ذریعہ لکھا جانتے ہیں۔ پس جب دونوں میں باہم ایسی بغض اور اختلاف ہے تو ایک دل میں دونوں قسموں کے خیالات کا آنا حقیقت میں نقیضین کا جمع ہو جاتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک طالب علم نے دونوں قسم کی تعلیم شروع کی۔ جب وہ درس سیر گیا اور اس نے جغرافیہ میں پڑھا کر میں چلتی ہے اور آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے لابی کے پاس آیا جنہوں نے پڑھا کیا کہ زمین گائے کے سینک پر لگی ہوئی ہے اور گائے چلتی پر ہے اور سورج زمین کے گرد پھر رہا ہے اور یہ بھی مولوی جی نے کہہ دیا ہے کہ یہ سچہ قید و بند کا ہے۔ اس کا نہ ماننا کفر ہے پس سوچو کہ وہ طالب علم کیا کرے گا۔ ایسی تعلیم سے کچھ فائدہ و پاسدے گا۔ یعنی نہ وہ ایک مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور نہ ہی عقل خاکی۔ بے لگی اور سرد و دونوں تعلیموں سے ایک کو چھوڑ دیتے گا۔

اگر کوئی خیال کرے کہ یہی امر پرانے معقولات کی تعلیم میں بھی پیش آیا تھا بھوکھو بکر لکھنا ہرگز نہیں تاکہ معقولات کے ساتھ اس کا مسد جا رہی رہا۔ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ حال کے معقولات کا قیاس پچھلے معقولات پر کرنا حقیقت میں قیاس مع الفارق ہے اور بڑی غلطی اور دھوکہ کی بات ہے۔ دوسرے۔ اور انہوں کے معقولات کا مدار فرضی اور وہمی لیلیوں پر تھا اور خود پرستے والے کا دل اسکی حقیقت پر کام نہیں کرتا تھا اکثر دلیلین کی بخند و شش اور مجمع تہیں اور ان پر یہ مقولہ بنا ہوا مسد علی الناسد کا صاق تھا اس لیے ان مسائل عقلی سے جن کی دلائل و براہین بخند و شش و مجمع تہیں مسائل شرعی پر کوئی نقصان صریح نہیں پہنچتا تھا اور ان معقولی مسائل کے جاننے والوں کا دل اپنے مذہبی مسائل سے پھر نہیں سکتا تھا بخلاف ان تحقیقاتوں کے جو آج کل ہوئی ہیں اور ان مسائل حکمیہ کے جن کی تعلیم ان دنوں میں ہوتی ہے کہ اس کے ہاضمے کے بعد

اُن مسائل کی حقیقت سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھیں مگر کسی چیز سے انکار کرے۔ یونانیوں کی صلت کے عمدہ مسائل مثل بطلان جزرہ لایجزری اور اشات میولی و صورت اور استحالة خلارہ اور حرکت فلک علی الاستدراہ اور بطلان غرق و انشام لوالحدہ لایصد رغنہ لالواحدہ اور کر ویا اجسام بسیطہ کیا ایسے ہیں جن کے دلائل ایکہ فرضی و دہی دلیل سے کچھ زیادہ رتبہ رکھتے ہوں یا عناصر بسیطہ اور اسطقات اربعہ اور کائنات جوگی کی تحقیقات میں ان کی اس قابل میں کہ عقلی دلیل یا تجربہ اور شاہدہ سے اس کا کامل ثبوت ہوتا ہو حقیقت میں ایک دلیل بھی ان کی ایسی قوی اور مضبوط نہیں بخلاف اس زمانہ کی تحقیقاتوں کے کہ کوئی دلیل فرضی اور دہی نہیں ہے۔ سب چیزوں کا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ پر ہے جس کے سمجھنے کے بعد کسی شخص کو اس کی حقیقت میں شبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ پس پُرانی معقولات کی تعلیم منقولات کے ساتھ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی اور پڑھنے والے کی طبیعت کو کامل پریشانی نہیں ہوتی بخلاف حال کی معقولات کے کہ اس کے سمجھنے کے بعد جو تنہم اس کے مخالف ہوگی اس کو کوئی قبول ہی نہ کرے گا۔

علاوہ اس کے پُرانی معقولات کی تعلیم کا منقولات کے ساتھ جاری رہنے کا ایک دوسرا سبب تھا کہ ہمارے قدیم عالموں نے خوب تحقیقات کر کے دونوں میں تطبیق دی اور جہاں تک ہو سکا ایک کو دوسرے سے ملا دیا یا ایک کی غلطی کو ظاہر کر دیا اسی واسطے علم کلام کی کتابیں یونانی مسئلوں سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی تطبیق یا ترمیم کی دلیلیں لکھی ہوئی ہیں بخلاف اس زمانہ کے کہ اب تک یہ کام کسی نے شروع ہی نہیں کیا اور اُن کی معقولات کے کسی مسئلہ کو اپنے دینی کسی عقیدہ سے نہ تطبیق دیا نہ اس کی ترمیم کی پس وہ جو ان معقولات جس کے مسائل کو ہزار برس تک مختلف عالم اپنے دینی مسئلوں سے متقابل کرتے آئے اور تطبیق یا ترمیم کرتے رہے کیونکہ اس معقولات سے متقابل ہو سکتا ہے جس کے لیے مسئلہ کو بھی اب تک کسی نے اپنے دینی مسئلہ سے نہیں ملایا نہ عرض کہ اب نئے علوم کی تعلیم کے ساتھ مذہب قائم رکھنے کے لیے ضرور ہے کہ مذہبی عقاید اور مذہبی نام میں تفریق کی جائے اور تخیلات و توہمات مذہب کے سچے صحیح عقیدوں سے جدی کر دیے جائیں اور لوگوں کی فرضی اور وہمی باتیں جو دین میں داخل ہو چکی ہیں اور اہلی خدا کی بتائی ہوئی باتوں سے خلط ملط ہو گئی ہیں ان سے نکال دی جاویں تب جو اصلی اور سچی باتیں ہیں

وہ حال کے علوم سے مطابق کی جاویں اور مٹی تالیفات علم کلام میں کی جاویں اور یہ بات کو بظاہر نہایت ہی شکل معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے اگر مسلمانوں کو مذہبی عقاید اور عقلی علوم دونوں کی تعلیم اپنی قوم میں جاری کرنی منظور ہے تو ان کو ایسا کرنا ضروریات سے ہے۔ ورنہ دونوں میں سے ایک چھوڑنا پڑے گا۔ ہم ان تئوں اور مشکلات سے بے خبر نہیں ہیں جو اس کام میں پیش آویں گی اور نہ اس انقلابِ عظیم سے غافل ہیں جو ہماری قدیمی سلسلہ تعلیم میں علوم جدیدہ کی تطبیق سے واقع ہوگا مگر ہم سوائے اس کے دوسرا علاج نہیں پاتے اور چاروں چاروں کو یہی کرنا چاہیے۔

## تخریفِ اذِ علوم

اس نذر میں جو علوم شرعی علوم سمجھے جاتے ہیں اور جو باتیں بڑی دینداری اور ایمان کی خیال کی جاتی ہیں جب اس کی حقیقت پر غور کیا جاتا ہے اور خدا و رسول کے کلام سے اس کی تطبیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم حقیقت میں شرعی علوم ہیں اور نہ وہ باتیں فی نفسہ دینداری اور ایمان کی ہیں بلکہ دنیا حبلی و نفسی و دنیوی اور غرور و جب جاہ کے سبب سے لوگوں نے تخریف کر کے شارع کے مقصود کے برخلاف ان علوم کی حقیقت کو چھپا کر اور اپنی بنائی ہوئی باتوں پر اطلاق دینداری اور ایمان کا کر کے لفظوں کے التباس سے لوگوں کو دھوکہ اور خالطیں ڈال دیا تاکہ اس فرسید سے وہ لوگ علما و رہبان بن گئے جاویں اور زانیب رسول اور دانشمندان بنی نہ بنیں۔

بلاشبہ وہ علوم اور وہ باتیں فی نفسہ سلف صالح اور قرن صحابہ میں شرعی علوم اور ایمان کی باتیں تھیں اور ان کے جاننے والے بڑے دیندار بلکہ زانیب رسول تھے مگر اب اسیرانِ اسی تخریف اور تبدیل و تغیر ہو گئی ہے کہ سوائے لفظوں کے ان کے معنی ہی قبیح نہیں رہے اور جو مراد ان علوم سے اس وقت لی جاتی تھی وہ بالکل فوت ہو گئی پس اب ان علوم کے جاننے والوں کا اپنے آپ کو محقق اور متقی سمجھنا اور شخصوں کی اصلاحات اور محاورات کے لفظوں کو زبان پر نہ لانا جو اعلان کی بنائی ہوئی لہجیاں نہ جانتا ہو سکو

جاہل اور دین کی باتوں سے بے خبر کہنا اور جو کوئی اُن علوم کی مذمت کرے یا انکو شرعی علوم نہ جانے اُسے مرد اور بد دین بتلانا حقیقت میں اُسی تحریف کا نتیجہ ہے پس جبکہ کہ اُن لفظوں کی اصلی حقیقت بیان کیجاوے اور جو حسی اُس کے سلف صالح اور صحابہ ائمہ جیسے ظاہر کیئے جاویں اور جو کچھ تحریف اُس میں کی گئی ہے وہ ثابت نہ کی جاوے بلکہ یہ مخالف اور دھوکہ رفع ہو ہی نہیں سکتا۔

منجملہ اُن لفظوں کے چند لفظوں کا ہم بیان کرتے ہیں۔ اول لفظ علم دوسرے لفظ فقہ تیسرے لفظ حکمت چوتھے لفظ وعظ و تذکیرہ

## اول لفظ علم

لفظ علم کا اطلاق خدا اور اُس کے رسول کے کلام میں اُن چیزوں کے جاننے پر ہے جو متعلق ذات اور صفات اور آیات اور افعال ندائے عزوجل کے ہوں اور جس سے اُس کی قدرت و عظمت اور جلال کی تاثیر دل پر ہووے مگر اس لفظ کی تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ لوگوں نے اُسے مخصوص اپنے مصطلحات اور محاورات پر کر دیا ہے اور جن باتوں کا کچھ ذکر بھی قرآن اول میں نہ تھا۔ اُن کو اصل علم قرار دیا ہے اسی واسطے جو شخص علم کلام خوب جانتا ہو اور مسائل فقہیہ میں خوب مناظرہ اور سباحۂ کرتا ہو اور لوگوں کے گھڑے ہوئے اصول سے بخوبی واقف ہو اور کتابی لفظوں کو اچھی طرح یاد رکھتا ہو وہی بڑا عالم اور علامہ سمجھا جاتا ہے اور جو فضائل علماء کے شائع نے بیان کیئے ہیں اُن کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ فضیلتیں اُن علماء کی نسبت بیان کی گئی ہیں جو کہ اشد جل شانہ کی ذات و صفات اور قدرت اور جلال کے جاننے والے ہیں۔

## دوسرا لفظ فقہ

اس لفظ میں تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ اُسے مخصوص کر دیا ہے فروع کے جاننے

لہ الفقہ فقد تصرفوا بالتقصیر بالقتل والتحويل اذ خصصوه بمعرفة الفروع  
الغریبہ فی الفتاوی والوقوف علی دقائق علما واستکثار الکلام فیہا وخطا المعانی

اور احکام کی علتوں کے، دقائق دریافت کرنے اور مشکل و عجیب مسئلوں کے یاد رکھنے اور مصطلحات اور محاورات مختصرہ کے الفاظ کے حفظ ہونے پر۔ اسی واسطے جو شخص ان قواعد سے خوب واقف ہو اور جسے ان اصطلاحوں اور اقوال سے زیادہ آگاہی ہو اور جو دقیق اور باریک مسئلوں کو مثل معنی و پہلی کے خوب حل کرتا ہو وہی بڑا فقیہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ زمانہ میں صحابہ کے اس لفظ کا اطلاق طریق آخرت کے جاننے والے اور آفات نفوس کی باریکیوں کے پہچاننے اور دنیا کی بے ثباتی پر یقین کر کے نعيم حبت کی خواہش کرنے پر کیا جاتا تھا اور اسی واسطے جو شخص خداے خالیف اور دنیا سے متنفر اور آخرت کا طالب ہوتا تھا اسکو فقیہ کہتے تھے اور یہی مراد خدا کے کلام میں اس لفظ سے ہے۔ حجت قال تبارک تعالیٰ۔ لیتفقہوا فی الدین ذاب فی رفاقہ ما راد رجوع الیہم تاکہ فقیہ ہوں میں اور وہی اپنی قوم کے لیے کہ نہیں ان میں اور ظاہر ہے کہ یہ ڈرنا اور لوگوں کو خدا کا خوف دلانا اسی مقصد سے برکتا ہے جو قرن صحابہ میں جاری تھی نہ اس نفع سے جو اب بنام فہم کے مشہور ہے کیا کوئی شخص باقی اور عنقا اور لعان اور سلم اور اجارہ کے مسائل سے کسی کو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی تئیر کا یقین نہ آئے فرمائیے یہ سب سے خدا کا خوف والا کتاب ہے بلکہ فقہ اسی میں مبتلا بننا اور انہیں باتوں کو فقہ سمجھنا آدمی کو بقی القلب اور نڈر کر دیتا ہے اور خدا کا خوف ایسے فقیہ کے لیے جاہ و ثبات جیسا کہ ہم اپنے زمانہ

المعلقة بہا من کان ابتدہ تم تافہا واکثر اشد تغلا بہا یقال ہو لا فہم  
ولقد کان اسم الفقہ فی العصر الاول منطلقا علی علم طریق الاخرہ ومعرفۃ  
دقائق افات النفوس ومفادات الاعمال وقرة الاحاطة بحجارة الدنیا وشدة  
التطلع الی نعيم الاخرۃ واستیلاء خوف علی القلب ویدل علیہ قولہ عز وجل  
لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذ رجعوا الیہم وما یحصل بہ لان الذی  
والتحولیت ہو ہذا المفتر دون تعریات الطلاق والعناق واللعان والسلام والاحیاء  
فذلک لا یحصل بل انذروا ولا تحولیت بل التجدد علی الدوام یقسی القلب ینزع  
الحشیتہ منہ کما نانا ہذا لان من المتحدین لہ وقل تعالیٰ لہم قلوب لا یفہمون  
بہا وادبہ معانی الایمان دون الفتوی (احیاء العلوم)

کے فقیہوں کا حال دیکھتے ہیں جن کے حق میں خدا کا یہ قول صادق ہے لہم قلوبنا یفقیہون  
 بھلا۔ اسی واسطے حضرت من بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے جب کہ اس نے کوئی  
 مسئلہ ان سے پوچھا اور انھوں نے کچھ جواب دیا اور اس پر چھینے والے نے کہا  
 یہ فقہا کے خلاف ہے۔ فرمایا کہ ہل رایت فقیہا بعینک انما الفقیر الزاہد فی الدنیا  
 الغیب فی الآخرۃ البصیر بدینہ المداوم علی عبادۃ ربہ المریدع الکاف نفسہ عن  
 اعراض السلیب العفیف عن اموالہم الناسم لجماعتہم کزایا تو نے کسی فقیہ کو  
 آنکھ سے بھی دیکھا ہے فقیر وہی ہے جو کہ دنیا کا مارک ہو۔ آخرت پر راغب ہو۔ اپنے  
 دین کو جانتا ہو۔ اپنے پروردگار کی عبارت پر مداومت کرتا ہو۔ پرہیزگار ہو۔ اپنے نفس  
 کو مسلمانوں کی آبرور اور ان کے ٹلوں سے بچاتا رہتا ہو۔ اور اپنے بھائیوں کو نصیحت  
 کرتا رہتا ہو۔

یہ بات فقیہ کی حضرت من بصریؒ نے بیان کیں مگر ایک لفظ بھی ایسا نافرما یا جس کا  
 معلوم ہو کہ فقیہ وہ ہے جو سب ایل فروعات کو نوب جانتا ہو۔

## تبیین لفظ حکمت

حکمت کا لفظ کثرت قرآن مجید میں اور احادیث میں واقع ہوا ہے اور جس شخص کو خدا  
 نے حکمت عسیٰ عیسیٰ کی خود ندائے بڑی سعادت کی ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے من یؤت  
 الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ مگر جو مراد خدا کی اس حکمت سے ہے وہ صرف معرفت  
 ذات صفات ربی تعالیٰ ہے۔ مگر اب یہ لفظ اس علم پر اطلاق کیا جاتا ہے جس سے  
 انسان اور گمراہ ہوتا ہے اور وہی اور خیالی باتوں میں پھنس جاتا ہے اور حکما و یونان  
 کے خیالی سکون کا بانٹنے والا ہی حکیم سمجھا جاتا ہے۔ پس جو شخص ان کے قولوں کو جانتا  
 ہے اور ان کی بیان کی ہوئی باتوں سے واقفیت رکھتا ہو اور جو لوگوں نے ان باتوں کو  
 شکل شکل لفظوں اور دقیق دقیق عبارتوں میں اپنی زبان میں کر لیا ہے اسے منجلی یاد رکھتا  
 ہو۔ وہ اس صفت سے موصوف تصور کیا جاتا ہے جو خدا نے حکمت کی کی ہے حالانکہ یہ

بڑا دھوکہ ہے +

## چوتھا لفظ وعظ و تذکیر

وعظ و تذکیر کی بڑی صفت اللہ جل شانہ کی ہے اور اس کی غنیمت میں خدا نے فرمایا ہے و ذکر فان الذکر ی تنفع المؤمنین اور حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتیمات نے بھی مجلس ذکر کی بڑی بزرگی بیان فرمائی ہے۔ لیکن اب اس زمانہ میں جس امت پر اطلاق وعظ و تذکیر کا ہوتا ہے وہ حقیقت میں تحریف ہے یعنی اس زمانہ کے

لہ فقل ذابک الی ماتری اکثر الوعاظ فی ہذا الزمان یالخبیون علیہ و ہوا لقصص و الاشعار و الشط و الطامات اما القصص فہی بدعتہ و قد ورد فی السلف عن الجلس الی القصاص و قالوا لہ لیکن ذابک فی من سئل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن ابی بکر ولا عمر رضی اللہ عنہما حتی ظہرت الفتنة و ظہر القصاص و روی ان ابن عمر رضی اللہ عنہما خرج من المسجد فقال ما اخرجنی الا القصاص و لولا انما خرجت (اصیاء)

و من الناس من یتجیز وضع الحکایات المرغبتہ فی الطامات و ینغم ان قصده فیہا دعوی الخلق الی الحق و ہذا من نزغات الشیطان فان فی الصدق مند و حتم عن الذنب و فیما ذکر اللہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیمتہ عن الاخذہ اع فی الوعظ کیف و قد کرم تکلف الجمع وعد ذابک من التصنع۔ (احیاء)

واما الاشعار فتکثیرہا فی الواعظ مذموم قال اللہ تعالیٰ و الشعراء یتبعہم الغلوون المترانہم فی کل وادیہیمون و قال تعالیٰ و ما علمناک الشعر و ما ینبغی لہ و اکثر ما اعتادہ الوعاظ من الاشعار ما یتعلق بالتواصف فی الشوق و المعشوق و روح الوصال و المہ الفراق و المجلس لا یجوز الا جلاف العوام و بواطنہم شہوتہ بالشہوات و قلوبہم غیر منفکة عن الاثبات الی الصور الملیحۃ فلا تحک الاشعار من قلوبہم الا ما ہو مستکن فیما فتشتعل فیہا نیران الشہوات فیزعقون و یتواجدون و اکثر ذلک لو کہ یرجع الی نوع فساد۔

واعظ اپنے وعظ میں قصہ کہتے ہیں جھوٹی کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ شہرت کی ترغیبیں  
 پڑھتے ہیں۔ جھوٹا مذہبی جوش دلاتی ہیں۔ عانیہیں جن کی کچھ بھی اصیت نہیں نہایت  
 خوش تقریری سے ایک عمدہ قلم خوان کی طرح نقل کرتے ہیں۔ اور دنیا اور بزرگان دین  
 نسبت بے اصل باتیں منسوب کر کے اُسے بڑی دیندار سی بلکہ فریضہ نجات سمجھتے ہیں۔ اور  
 اُن کے دلوں میں اُن بے اصل باتوں کا ایسا یقین لاتے ہیں کہ سننے والے اُسے  
 خدا و رسول کے قول کی برابر جانتے ہیں حالانکہ قصص اور حکایات کا وعظ میں بیان کو مذمت  
 ہے اور اُس کا سنا سلف صالح نہایت بُرا رہا ہے اور غصہ گوین کے پاس بیٹھنے  
 سے منع کیا ہے۔ یہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد سے نکل گئے اور  
 کہنے لگے کہ ان قلم گوین نے مجھ سے مسجد چھوڑ لی۔ اور حضرت علیؓ کہہ تھے تعالیٰ وجہ  
 نے سوائے حضرت حسن بصریؒ کے سب عظموں کی مسجد سے نکال دیا۔

جو شخص اس زمانہ کے وعظوں کی باتیں سنے وہ خود اس امر پر یقین کر سکتا ہے کہ اُن کا  
 وعظ قلمگوں کہانیوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور جھوٹی روایتوں اور بے اصل حکایتیں  
 اور لغو اور عرفات باتوں سے مملو ہوتا ہے اور حضرت واعظین اُسے ہدایت کا ذریعہ  
 سمجھتے ہیں بلکہ غیر صحیح روایتوں کا بیان کرنا وعظ و تذکیر کے لیے جائز جانتے ہیں اور سکو  
 را د حق پر پہنچنے اور دل میں سوز و گداز پیدا کرنے کا وسیلہ کہتے ہیں حالانکہ یہ وسوسہ شیطان  
 کا ہے کیونکہ کبھی حق جھوٹ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ ادھارنے سے کوئی دین کی منزل  
 پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلف اور جمع اور تصنع سے  
 اپنی امت کو منع فرمایا ہے حالانکہ اب مدار وعظ کی خوبی کا اُسی پر ہے۔ سب سے زیادہ  
 غریبی اور بزدلی دین کی اُن وعظوں کے وعظ سے ہے جو شعریں پڑھتے ہیں اور شہوت  
 انگیز اشارے پڑھتے ہیں کہ لوگوں کو وجد میں لاتے ہیں اور وصال و فراق کے مضمون بیان  
 کرتے ہیں اس شہوت کو تیز کرتے ہیں اور اُسے عشق حقیقی کا ذریعہ کہتے ہیں۔

اور اُس سے بھی زیادہ بُرائی اُن لوگوں کے بیان سے پیدا ہوتی ہے جو کڑے لہجے  
 چوڑے دعویٰ خدا کے عشق و محبت کے کرتے ہیں اور وصال و اتحاد کی حقیقت بیان  
 کر کے اپنے نزدیک لوگوں کو خدا سے ملا دینے کی راہ دکھاتے ہیں اور اُس کی خوبی بعض  
 بزرگوں کے حالات اور حکایات کی نقل کرنے سے لوگوں کے دلوں میں کا نقش ہے ابھر



بٹھا دیتے ہیں۔ اسی واسطے کثیر جاہل احمق نادان آدمی ان باتوں سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور منصور کی طرح انا احمق کہنے لگتے ہیں اور آخر کار دنیا اور دین دونوں بے نصیب ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے سرائے عظیمین خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور جو مراد خدا کی اور اُس کے رسول کی ہے اُسکو چھوڑ کر اپنے علم و فضل ظاہر کرنے اور لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے غلط معنی بیان کرتے ہیں اور اُس کو نکتہ اور بارکی کہتے ہیں اور الفاظ ظاہری کو اپنے ظاہر معنی سے پھیر کر اُس کی بجائے باطنی کرتے ہیں اور غلط تفسیریں کر کے اپنے تئیں فصیح و بلیغ اور علامہ شہر کرہ کہتے ہیں جیسا کہ بعضوں نے بیان کیا ہے بلکہ تفسیروں میں بھی لکھ دیا ہے کہ واسطے سے مراد رخسارے اور وائیل سے مراد زلفیں ہیں یا آیہ اذهب الیٰ فرعون انا طغیٰ میں مراد فرعون سے اُل ہے یا صمم بکم عجبیٰ فہم لا یرجعون سے اہل تصوف اور عاشقان خدا ہیں کہ ایسے معنی بیان کرنے والے اپنی بڑی قابلیت اور علمیت ان معنوں سے ظاہر کرتے ہیں اور سُنے والے بھی اُسے سُن کر وجہیں آجاتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا وعظ بالکل حرام ہے اور کہنے والا اُس کا دُشمن اسلام کا ہے بلکہ تہمت کرنے والا پیغمبر کا ہے۔ علیہ السلام وسلم فقد عرفت کیف صرف الشیطان دوا می الخلق من لعلوم المحمودة الیٰ المذمومة فکل ذلک من تبیس علماء السوء بتبذیل الاسامی ۵

## علم تفسیر

چند روز ہوئے کہ ہم نے ایک مختصر مضمون تفسیرِ آلرے کی تعریف میں لکھا تھا اُسے لوگوں نے بہت کچھ اعتراض کیا اور کہو منکر تفسیر اور مخالف علماء و شہداء اس لیے اب ہم تفسیر کی حقیقت اور مفسرین کے طبقات اور تفسیر کی کیفیت و نئی تحقیقات کی ضرورت بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھدار لوگ انصاف کریں کہ ہمارا قول اگلے عالموں کے ملوث ہے یا ان کے مخالف اور جس ضرورت سے ہم تحقیق کی آرزو کرتے ہیں وہ ہے یا نہیں۔

ہوئے بھائیوں کا یہ حال ہے کہ جہاں اُن کے کان تک وہ آواز پہنچی ہے انہوں نے پہلے نہ سنا ہو چو تک اٹھتے ہیں اور ماسمعا بھذا فی ابائنا الاولین کہہ کر کہنے والے کو مرتد اور کافر بتاتے ہیں۔ نہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ کہنے والا اُسی بات کو کہہ رہا ہے جسے ہم میں پہلے ہمارے دین کے پیشوا اقدام کہتے تھے نہ اسپر غور کرتے ہیں کہ یہ باتیں الگ ہیں جس کو ہمارے مذہب کے محقق اور عالم سمجھ گئے ہیں نہ اُس کی حقیقت اور اسدیت کو دیکھتے ہیں نہ اُس کے ماننے اور سبدا پر نظر فرماتے ہیں بلکہ عامیانہ طور سے کہنے والے کی طرف احوال و واردات کی نسبت کرتے لگتے ہیں اور قد تغز قد کفر کا شور مسمان تک پہنچنے سے جس حالانہ یہ بات یہی نادانی کی ہے۔ عاقل کا کام ہے کہ وہ کہنے والے کی بات کو غور سے سنے اور گو بوجہ اس کے کہ اس نے پہلے استہسا ہو اُس پر عجب ہوگا مگر حقیقت سے تساہل کر کے اُس کی حقیقت کو سوچے اگر کہنے والے کا قول حق اور صحیح ہونے والا نہ لائے بدبریش نا وند اُس کو کہنے والے کے سر پر مارے۔

اب میں اصل مطلب کو لکھتا ہوں اور اس ضمن میں کو چند بحثوں پر تہم کر تا ہوں۔ پہلی بحث علم تفسیر کی تعریف میں۔ دوسری بحث مفسرین کے طبقات کے بیان میں تیسری بحث کتب تفسیر کی حقیقت میں۔

## پہلی بحث علم تفسیر کی تعریف میں

ہمارے تقدیم علم تفسیر کی تعریف میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ علم تفسیر وہ علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے نظم قرآن سے بقدر طاقت شری کے موافق قواعد عربی کے واسطے استنباط کرنے احکام شرعی کے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ علم تفسیر وہ علم

العلم وهو علم باحث عن معنی نظم القرآن بحسب الطاقة البشرية وبحسب ما تقتضيه القواعد العربية وفائدة حصول القدرة على استنباط احكام الشريعة على وجه الصعرة۔ هذا ما ذكره ابو الخیر وابن صدر الدين۔

کہ ہو، بحث فیہ عن مراد اللہ سبحانہ و تعالیٰ من قرآن المجید۔ مولانا خطب الدین الرازی فی شرحہ للکشاف ۱۲

ہے جس میں بحث کی جاتی ہے تبدل شانہ کی مراد و مقصود سے جو قرآن مجید میں ہے اور بعض نے یہ فرماتے ہیں کہ وہ علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے الفاظ کلام اللہ سے تاکہ دلالت کرے مراد پر تبدل شانہ کی۔ ہمارے مذہب کے ایک بڑے محقق نے ان تفسیروں کو جامع مانع نہیں جانا اور یہ لکھا کہ تبدل شانہ کی مراد سے بحث کرنا علم تفسیر نہیں ہے کیونکہ تفسیر دو ہی طرح پر ہوتی ہے۔ یا روایت یا درایت۔ چونکہ اکثر روایتیں تفسیر کی ہیں اس لیے وہ مفید یقین نہیں ہو سکتیں پس از روئے روایت کے مراد خدا کی یقیناً معلوم نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا از روئے دلالت کے یعنی ملوث اپنی سمجھ کے مستحق تفسیر ہے اور بھی ظنی ہے۔ اسی واسطے تفسیروں میں ایک دوسری سے اختلاف ہے۔ پس کیونکہ اُس تفسیر میں کیا جائے کہ یہی مراد و مقصود خدا ہے پس اصل تعریف جامع مانع علم تفسیر کی یہ ہے کہ تفسیر وہ علم ہے جس سے کیفیت خدا کے کلام کی من حیث اقرائتہ اس میں دریافت کیا جاسکے کہ جس سے علم یا ظن تبدل شانہ کی مراد و مقصود کا بعد طاعت یعنی کے حاصل ہو۔

پس علم تفسیر کی تعریف میں جو اہم علماء کے اختلاف ہے اور جو تعریض الکلام اور اُس علم کی بعض محققین نے بیان کی ہے یہ اختلاف اور یہ تعریف اپنی اس ثابت پر مدللہ کرتی ہے کہ تفسیر جو کچھ لگے لوگوں نے کی ہے وہ نہ سب واجب الیقین ہے اور نہ وہ محالی جو بیان کیے گئے ہیں سب منقول خیر صادق علیہ السلام سے ہیں بلکہ جو کچھ مفسرین نے معانی اور مطالب بیان کیے ہیں اُن سب کا منقول ہونا صحابہ یا تابعین سے بھی نہیں پایا جاتا۔ پس وہ معانی جو اخبار شہرہ یا روایات صحیحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں صرف ظنی ہیں اور اگر اُن میں سے کسی کی غلطی ظاہر ہو جائے تو اُس کا انکاح لازم نہیں۔

لے شاخ تفسیر ازانی

لے فالاولی ان یقال علم التفسیر معرفة احوال کلام اللہ سبحانه وتعالی من حیث المقدار ایترو من حیث دلالتہ علی ما یعلم او یظن انہ مراد اللہ سبحانه وتعالی بقدر الطاقة للانسانیت۔ (کشف الظنون)

المبستہ تفسیر میں ایک قسم خاص ہے جس میں مولے بطریق سمیع اور نقل کے تفسیر کرنا ناجائز ہے مینی بیان کرنا اسباب نزول اور ناخ و منوخ کا (جن کے نزدیک نسخ جائز ہے) اور توجہ اور لغات اور قصص اور اخبار کا مگر مولے اس کے استنباط کرنا احکام اصلی اور فرعی کے آیات سے اور مطابقت دینا الفاظ کلام الہی کا حقیق موجودہ محققہ سے اور تفصیل کرنا سخن نکات و مہر کا جو ان لفظوں سے اجمالاً ظاہر ہوتے ہوں اور رفع کرنا ان شکوک و شبہات کا جو آیات متشابہات سے پیدا ہوتے ہوں اور جن سے ملحدین و منکرین کو اس کلام کی حقیقت پر طعنہ کرنے کا موقع ملتا ہو نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں ضروری اور واجب ہے۔

### دوسری بحث طبقات مفسرین کے بیان میں

نے مہملہ طبقہ مفسرین کا طبقہ صحابہ ہے جس میں خلفاء اربعہ اور حضرت ابن مسعودؓ ابی بکرؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ابیہتؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن ربیعؓ اور حضرت علقمہؓ اور ابو ہریرہؓ اور جابرؓ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مگر جملہ بحث کئے بڑے مفسر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ میں جن کو ترجمان قرآن کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو تفسیر منقول ہے اُس کے بہت سے سلسلے ہیں جن میں سے بعض صحیح بعض مشتبہ اور بعض بالکل غلط اور مجموعہ میں صحیح سلسلہ اتنا وہ ہے جو علی بن ابیطالبؓ ہاشمیؓ سے (جنہوں نے سلسلہ میری میں وفات پائی) منقول

لے یہ رکھنا چاہیے کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چار چیزیں کہیں ہیں کیونکہ وہ بہت چھوٹے تھے سن میں مگر ان کی مرسل روایتوں کو قبول کرنے پر بھی حجام ہے۔ (شرح اصول مذہبی)

لے قال قوم لم یسمع ابن ابی طلحہ من ابن عباسؓ لتفسیر وانما اخذہ عن صحابہ او معبد بن جابر۔ (آفاق)

قال یعقوب بن سفیان ضعیف الحدیث یسقی علی ابن اسنیہ  
طالحہ (میزان ذہبی)

ہے اور جن پر بخاری نے اعتبار کیا ہے اور سلسلہ قیس بن مسام کو فی کا جس نے  
 سلسلہ ہجری میں وفات پائی (عطار بن سائب کی روایت سے بھی صحیح ہے لیکن ایسی  
 سلسلوں میں سے ان کی تفسیر کا وہ سلسلہ ہے جو ابو نصر محمد بن سائب کلبی (جس نے  
 سلسلہ ہجری میں وفات پائی) نے ابو صالح کی روایت سے بیان کیا ہے اور اگر ہمیں  
 روایت محمد بن مردان سعدی صغیر کی (جس نے سلسلہ ہجری میں وفات پائی) ملے ہے  
 وہ سلسلہ بالکل ہی غلط اور جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح پر قتال بن سلمان بن بشیر اردش کا  
 (جس نے سلسلہ ہجری میں وفات پائی) موضوع اور جھوٹا ہے۔ اور سلسلہ ضحاک بن  
 مزاحم کو فی کا (جس نے سلسلہ ہجری میں وفات پائی) منقطع ہے کیونکہ ضحاک حضرت  
 عبداللہ بن عباس سے نہیں ملا اور اگر اس میں روایت بشیر بن عمارہ کی ملائی جائے  
 تو تو بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اور اگر روایت جریر کی ضحاک سے ہے تو بہت ہی زیادہ  
 غیر قابل اعتبار کے ہے۔

**دوسرا طبقہ۔** مفسرین کا طبقہ تاسعین ہے جس میں مجاہد بن حرملی، ابو سعید بن  
 جبیر اور عکرمہ اور طاؤس بن کسبان یانی اور عطاء بن ابی ریحان کی ہے جو اصحاب عبداللہ  
 بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہلائے جاتے ہیں۔ اور علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید اور  
 ابراہیم مخنی اور شعبی ہیں جو کہ یاران ابن مسعود ہیں اور عبد الرحمن بن زید اور ابی اسحاق بن اسحاق  
 حسن بصری اور عطاء بن ابی سلمہ اور محمد بن کعب اور ابوالعالیہ اور ضحاک ابن مزاحم اور عطیہ

لہ قال وکعب ان مقاتل ابن سلیمان کان کذا ابا وقال ابن حبان انه کان  
 یکذب بالحدیث۔ (میزان ذہبی)

ثم قال ابو بکر ابن العیاش قلت الا عثم مابال تفسیر مجاہد قال اخذھا  
 من اهل الکتاب۔ (میزان الاعتدال ذہبی)

ثم قال یحیی بن سعید الضحاک ضعیف عندنا واما روايته عن ابن  
 عباس وابی هريرة وجميع من روی عنه ففي ذلك كله نظر (میزان ذہبی)  
 الضحاک ضعیف ولم یستخرج من ابن عباس۔ کالی مصنوعة فی الاحادیث  
 الموضوعة السیوطی۔

بن حمید اور قتادہ بن دعائم اور برج بن انس ہیں مگر ان میں سے کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی تالیف نہیں کی۔

تیسرا طبقہ۔ مفسرین کا وہ ہے جنہوں نے کتابیں تفسیر کی تالیف کیں و اقوال صحابہؓ اور تابعین کو جمع کیا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ سفیان بن عیینہ۔ وکیع بن جراح۔ شعبہ بن حجاج۔ زبیر بن رون۔ عبد الرزاق۔ علی بن ابی یحییٰ۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن ماجہ۔ حاکم ابن مروویہ۔ ابن حبان۔ ابن منذر۔

چوتھا طبقہ۔ ان مفسرین کا ہے جنہوں نے تفسیریں تالیف کیں مگر سند سند کو اُڑا دیا مثل ابی ہاشم حجاج اور ابو علی غازی اور ابو بکر نقاش اور ابو جعفر نخاس۔ اور کی بن ابی طالب اور ابو العباس مہدی۔

پانچواں طبقہ۔ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بے سند قولوں کو نقل کیا اور ہر

لہ قال جریر بن عبد الحمید عن مغیرۃ عن الشعبي قال له هل رايت قتاده قال نعم رايتہ كما طاب لیل وقال سفیان بن عیینہ قال الشعبي لقادة حاطب لیل۔ ومختصر تہذیب الکمال (بہی)

لہ کان یکنذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص وسئل ابو بکر البرقانی عن النقاش فقال کل منی شتمکرو قال البرقانی وذكر تفسیر النقاش فقال لیس فیہ حدیث صحیح (النا بسمانی)

کان النقاش ینکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص۔ (زمین دہی)

النقاش صاحب لتفسیر قائم کذاب رہا حدیث الدجاجیل۔ (لسان البیڑن عتقانی)

فی حدیثہ ضالکیر یا سائد مشہور۔ ودر النقاش عند طلحہ ابن محمد ابن جعفر قتال کان ینکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص۔ قال البرقانی لیس فی تفسیر حدیث صحیح (وقیات البیان فی)

لہ علامہ سید علی اسلمہ کی نسبت کہتے ہیں کہ ثم الف فی التفسیر طائفة من المتأخرین فاقصر عن الاسانید وقطر الاقوال تبرأ فدخل من ہذا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل ثم صا کل من سئلہ قول یورده ومن خطر ہالہ من یعمدہ ثم یقل عن ذلک خلف عن سلف ظاناً ان لہ اصلاً غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح۔

کی روایات صحیح اور غلط اور ضعیف اور موضوع کو بیان کیا اور بلا تصحیح و تفسیر کے ہر قسم کی روایتوں سے اپنی تفسیروں کو بھر دیا یا جن علموں سے وہ واقف ہوئے یا جن باتوں پر ان کا میلان طبع ہوا اسی پر آیات قرآنی کو مائل کیا اور انہیں علموں اور انہیں باتوں سے درق کے ورق تفسیروں سے سیاہ کیے مثل ثعلبی اور کلینی اور فاقدی اور امام رازی اور محمود بن حنفیہ وغیرہ کے۔

## تیسری بحث کتب تفسیر کی حقیقت میں

جتنی تفسیریں آجکل مشہور ہیں ان میں کوئی ایک بھی تفسیر کی کتاب ایسی نہیں ہے جس پر صحیح اور جوہر سمیت کا یقین کیا جاوے اور جس کی ساری روایتیں اور سارے اقوال مانے جاویں اور جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو کیونکہ کوئی تفسیر نہیں ہے جو صرف احادیث صحیحہ اور اقوال خبر صادق علیہ السلام کی جامع ہو اور لوگوں کی انیس و ان کے قول ملے ہوں۔ اور کوئی تفسیر ایسی ہی نہیں ہے جو صرف اقوال صحابہ کی جامع ہو یاں ایک تفسیر ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ مگر یہ اور طبقات کی بحث میں آئے ہیں۔

لے عمومی ذکر میں تفسیر طبری کے کہتے ہیں کہ ولہ یعرف اسی الطبری لتفسیر غیر موقوف برفائد لم یبدخل فی کتابہ تفسیرا عن کتاب محمد بن السائب الکلبی ولا مقاتل بن سلیمان ولا محمد بن عمر الواقدی لانہم عندہ اطمینا۔

الکلبی فہو معروف بالتفسیر ولا احد تفسیر اطول منه ولا اشبع وبعدہ مقاتل بن سلیمان الا ان الکلبی یفضل لما فی مقاتل من المذہب الرویتہ۔ (القائم)

قال احمد بن زبیر لا حد بن حنبل یحل النظر فی تفسیر الکلبی قال لا وقال الجوزجانی وغیرہ انہ کذاب وقال الدارقطنی متروک وقال ابن حبان مذہبہ فی الدین ووضوح الکذاب فیہ اظہر من ان یتحتاج الی الاخراف فی وصفہ۔ (زمین نوہی)

قد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہ الی آخرہ کذب لا یحل النظر فیہ۔

کہ وہ تفسیر جو منسوب بہ حضرت عبداللہ بن عباس ہے اس کے کئی سلسلے ہیں اور اکثر جھوٹے اور وضعی ہیں۔ سچا سلسلہ اُن کی تفسیر کا جو ہے وہ بہت ہی قسور ہے اور اسے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فرز الکبیر کے آخری حصہ میں لکھ دیا ہے جو چاہے وہ اتنا نتیجہ لے اس میں یا الفاظ غریب قرآن مجید کے معنی میں یا مختصر تفسیر بعض آیات کی ہے مگر وہ بلبے چوٹے قصے اور کہانیاں جو اُن کی طرف منسوب کی گئی ہیں اُن کا نام نشان بھی نہیں ہے۔

غرض کہ جب ان طولانی تفسیروں میں کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے کہ جو صرف جامع احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کبار ہو تو اب ہر تفسیر کے اوپر اعتبار کر لینا اور بغیر تحقیق کے جو کچھ کسی عالم کے قلم سے نکل گیا اُس کا مان لینا اور مثل آیات قرآن مجید کے اُس کے انکار کو کفر جاننا حقیقت میں سلام کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ تقلید کا ثمرہ۔

اگرچہ ہم اُن مفسرین کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور کبشتہ کو اُن میں سے اپنا پیشوا اور امام اور مقتدا جانتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے اپنی نیک نیتی اور صفات طہینت سے نیک کو شہید کیا اُس کا شکر کرتے ہیں اور اپنے اوپر اُن کے علم اور تحقیقات اور تالیفات کا بڑا احسان سمجھتے ہیں اور اُن کی کتابوں اور تفاسیر سے بہت بڑی مدد پاتے ہیں اور کچھ بہت عمدہ اور عظیم مباحث میں اُن سے فائدہ پہنچتا ہے مگر باہنہ ہم اُن کو معصوم اور محفوظ نہیں جانتے اور اُن کی رائے اور کج اور بیان اور تالیف کو غلطی سے برابر نہیں سمجھتے اور مثل اپنے پیغمبر صلعم کے اُن کی ہر بات پر متنا و صدقہ نہیں کہتے کیونکہ ہم یقیناً صرف اُسی ایک کا جانتے ہیں جس کی شان میں ہمارے خدائے فرما ہے وما یطق عن الھوی ہن ہولاء حی یوحی۔ پس اگر دوسرے کی نسبت بھی ہم ایسا ہی اعتقاد رکھیں تو حقیقت میں ہم مشرک فی صفۃ النبوتہ ہیں۔

یہ عقیدہ یا یہ قول جہاں بھی نہیں ہے۔ تمام متقدمین اور سائے اگلے محدثین اور مجتہدین کا یہی عقیدہ اور یہی قول تھا بلکہ وہ اصحاب نبوی کی نسبت بھی کہتے تھے کہ اُن کی روایت معصوم ہے مگر اُن کی رائے معصوم نہیں ہے اور روئے اُن کے اوروں کی نسبت تو صاف کہتے تھے کہ کانوار جالہ و غن رجال و کلامر سینا و بینہم بخل۔

پس جب کسی کی رائے اور کسی قول پر طرح پر تسلیم کرنا اور اس کو کسی ہی کسلی غلطی یا غلطی



مان لینا ضروری نہ ہو تو ہر شخص کو تحقیق کرنے اور اُس کے مالہ ما علیہ کے سوچنے کی  
 عطا اور تلام اجازت ہوئی۔ پس کسی مسلمان پر جہت اسلام کے کسی تفسیر کی کتاب کا  
 بجمع الوجہ ماننا ضروری ہے نہ جائز بلکہ ہر مسلمان خصوصاً اُس پر جو اپنی ہر بات اور  
 اپنے ہر عقیدہ کا جواب دینا خدا کے رو بہو یقینی جانتا ہو ضرور ہے کہ وہ تحقیق کرے اور  
 اُن کتابوں کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے اُسکی جانچ کرے جیسے صحیح پادے اُسے سر پر آنکھوں پر  
 رکھے جسے غلط پادے اُس پر خط نسخ کھینچ دے پھر

تفسیروں میں جہاں تک نزول وغیرہ کے چند چیزیں ہیں یا احادیث رسول خدا  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اقوال صحابہ کبار و تابعین کے یا قصص اور اخبار یا واقعات نامہ  
 کے یا استنباط سائل اصول فروعی کا یا تشریح حقائق موجودات کی مطابق علوم عقلی کے

### ذکر احادیث نبوی کا جو تفسیروں میں ہیں

احادیث نبوی جو کتب تفسیر میں منقول ہیں کثرت بلا سلسلہ رواۃ اور بغیر ذکر اسناد کے

لہ کتب التفسیر التي ينقل فيها الصحيح والضعيف مثل تفسير الثعلبي الواحد  
 والبعوي وابن جرير وابن الجوزي لم يكن مجرد رواية واحد من هؤلاء ليلوا  
 على محتب اتفاق اهل العلم فانه اذا عرف ان تلك المنقولات فيها صحيح و  
 ضعيف فلا بد من بيان ان هذا المنقول من قسم الصحيح دون الضعيف (ابن حجر)  
 ١٥ ومن تلييس التلييس على علماء المحدثين رواية الحديث الموضوع من غير  
 ان يبينوا ان موضوع وهذا ما خبأته منهم على الشرع ومقصودهم تنقيح  
 احاديثهم وكثرت رواياتهم الى قوله ومن هذا النوع قد تلييسهم في الرواية  
 فتارة يقول احدهم فلان عن فلان او قال فلان عن فلان يوهما انه سمع منه  
 ولم يسمعه وهذا قبيح لانه يجعل المنقلع في مرتبة المتصل - (تلييس ليس ملازم جنبي)  
 وكان الاصح والثوري وابن عينة وابن اسحاق وغيرهم يفعلون هذا  
 النوع لي تلييس لا اسناد - (شرح اشعر نجمة الفكر كماله على قفا)

مذکور میں کچھ تفسیریں ہیں ان کی رعایت سے پس جو حدیث بے سند ہے یعنی ہمیں نہ راویوں کے نام نہ بیان کرنے والے کا ذکر نہ کرنا چاہیے اس کی تصحیح کرنا اور جو حدیث بسلسلہ رواۃ مذکور ہے اس کے رواۃ کی تحقیق کرنا محقق کا کام ہے کیونکہ جب ہمارے کچھ عالموں نے ان حدیثوں کی تحقیق کی جو تفسیروں میں بھری ہوئی ہیں تو انہوں نے تو یہ لکھا کہ تفسیر کی کتاب میں نہ صرف ضعیف اور منکر حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں بلکہ موضوع حدیثوں کا مبرور ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالرؤف فتاویٰ فیض القدر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں کہ قال ابن الکمال کتب التفسیر مشحونہ بالاحادیث الموضوعۃ۔

علامہ ہذا حدیثوں کے ضعیف اور منکر حدیثوں کا ہونا تو تفسیر میں بعض کے نزدیک ممنوع قدح نہیں ہے کیونکہ کتابت برے مامول اور محدثین نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن سے استخون احکام ہوتا ہے اور حدیثوں کی تصحیح میں ہم نے خود تسامح کیا ہے اور بعض فرقوں نے تو حدیث کا وضع کر لینا ترغیب و ترہیب کے لیے جائز تصور کیا ہے

واتم عجبت من ابی بکر ابن ابی داؤد کیف فرقہ یعنی هذا الحديث على كتابه الذي صنف في فضائل القرآن وهو يعلم انه حديث محال ولكن شرح بذلك جمهور المحدثين فان من عادتهم تنفيق حديثهم ولو بالبواطيل وهذا قبيح منهم۔ (علامہ ابن جوزی)

الرابع انهم قد يروون عنهم احاديث في الترغيب والترهيب وفضائل الانبياء والقصص واحاديث الزهد ومكاسب الاخلاق ونحو ذلك مما لا يتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحكام وهذا الضرب من الحديث يجوز عن اهل الحديث وغيرهم الساهل فيه وروايته ماسوى الموضوع فيه والعمل به لان اصول ذلك صحيحة مشرفة في الشرع معروفة عند اهل العلم وعلى كل حال فان الائمة لا يروون عن الضعفاء شيئا يحتاجون به على انفراده في الاحكام هذا شي لا يعقله امام من ائمة المحدثين ولا يحق من غيرهم من العلماء وما فعل كثير من الفقهاء واواكثرهم ذلك واعتماد فليس بمسواب بل قبيح جداً (خلاصۃ الخلاصہ)

خلاصۃ الخلاص میں لکھا ہے فذهب الکرامیۃ والطائفة المبتدعة کبعض لصیحة  
الی جواز وضع الحدیث فی الترغیب والترہیب۔

اور تفاسیر وغیرہ میں نیز صحیح حدیثوں کو عالموں نے کچھ جان بوجھ کر ہی نہیں لکھا  
بلکہ انہوں نے کچھ تحقیق کرنے پر زیادہ توجہ نہیں کی اور سوائے احکام کے اور حدیث  
کی صحت کو کچھ بہت ضروری نہیں جانا اور دوسروں کے لکھے ہوئے اور کہے ہوئے پر  
اعتبار کر لیا اور غلطی کچھ کم علم آدمیوں سے نہیں ہوئی بلکہ بڑے بڑے نامی شہوت  
سے بھی یہ ہو گیا جیسا کہ فیض ارباب فی شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ وہ سید ابن سکرکرا

لہ عبد الرؤف قاری فیض اقدس شرح جامع صغیر میں بہت ہی اجتہاد  
فی تہذیب الاحادیث الی آخر جیسا کہ ائمۃ الحدیث، من الجوامع والسنن  
والمسانید فلا عز والی شیئ منها الا بعد التفتیش عن حالہ وحال منہجہ ولا  
اکتفی بعزوہ انی من لیس من ہذا کعظماء المفسرین قال ابن الکمال کتاب التفسیر  
مشکوٰۃ بالاحادیث الموضوۃ وہا بہ بن الخفہ فان ائصالہ الاول من اشیاء  
المجتہدین لم یعتوا الی ضجر التخریج وتمشیر الصحیح من غیرہ فوقوا فی  
الجزم بنسبۃ احادیث کثرت الی النسبی صلی اللہ علیہ وسلم وفرعوا علیہا کثیرا  
من الاحکام مع ضعفہا بل زجرا عن علیہم الموضع ومن عدت علیہ فی  
ہذا الباب ہفوات وحفظت علیہ غلطات الاسد بن الاسد الکرار الغیر  
القرار الذی رجح علی جلانہ الموافق والموافق والمعادی والمخالف وطار صیحة  
فی لشرقین والمغربین الاسناد الاعظم امام الحرمین و تبعہ علیہا معارف القراء  
دھقان المعادل المعادل والمعاقل الذی اعترف بامامتہ الخاص والعام مؤلف  
حجۃ الاسلام فی کثیر من عظماء المذہب الاربعۃ و ہذا لا یقدح فی جاد لثہم  
بل فی اجتماع المجتہدین لیس فی شرط المجتہد الا احاطۃ لکل جائد فی الدنیا قال الحافظ الزین  
الدین العراقي فی خطبہ تخریک لکبیر الاحیاء وعادة المتقدمین السکوت عما ورد وامس لا یجاء  
فی تصانیفہم وعدم بیان جرحہ و بیان صحیحہ من الضعیف لا نادوا وان كانوا من ائمۃ الحدیث  
حتی جاء النوی وقصدا لا ولین ان لا یغفل الناس المنظر فی کل علم فی غلظتہ انتہی بالفظہ

غیر فرما جس کے عالم اور فضیلت پر سب متفق ہیں اور جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں ہے یعنی امام ابوہریرہ اور مولانا حجت الاسلام بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور ان کی کتابوں میں بھی موضوع حدیثیں منقول ہیں اور سب اس کا یہ ہے کہ صدر اول مجتہدین نے کچھ اعتنا ضبط نہ فرمایا اور باوجود ضعف بعض احادیث کے احکام کی تصریح ان پر کر دی بلکہ موضوع حدیثیں بھی انہوں نے غلطی سے قبول کر لیں اور حافظ زین الدین عراقی نے لکھا ہے کہ اگلے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جو حدیثیں اپنی کتاب میں نقل کرتے اس سے سکوت کر جاتے یعنی اس کے جرح کو بیان نہ کرتے اور اس کی صحت و ضعف کو ظاہر نہ کرتے یہاں تک کہ بڑے بڑے ائمہ روایت نے ایسا ہی کیا ہے یہاں تک کہ آخر امام نووی پیدا ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو اس مغلط سے نکالنا چاہا۔

پس سوائے موضوع حدیثوں کے ضعیف حدیثوں کا بھی احکام کے اور باتوں میں قبل کر لینا تو مسلمات سے ٹھہر چکا اب موضوع حدیثوں پر غور کرنا چاہیے کہ ان کتابوں میں کن کون کس طرح عالموں نے لکھ دیا اسکی تحقیق جہاں سے اگلے محققین نے کی ہے اور اس کے اسباب بیان کیئے ہیں چنانچہ دا علی قاری شرح الشرح منجبتہ الفکر میں لکھتے ہیں کہ ”حدیثوں کے وضع کرنے کا سبب یا بدینی ہے مثل زندقوں کے یا غلبہ جبل ہے مثل بعض ان لوگوں کے جو اپنے آپ کو بڑا عابد زادہ جانتے ہیں کہ انہوں نے حدیثیں فضائل میں اور رغبت دلانے کے لئے بنالیں جس طرح نصف شعبان اور لیلة الرغائب کی نونہ کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں

لہ والحمد للواضع علی الوضع اما عدم الدین کا الزام ذقہ او غلبۃ الجمل کہ بعض المتعبدین المنتسبین الی العبادۃ والزہادۃ رضوہا لا حدیث فی الفضائل والرخایب کصلوۃ لیلة نصف شعبان و لیلة الرغائب نحوہا ویستدینون بذلک فی زعمہم وجہلہم وہم اعظم الاصناف ضرر علی الفضل وغیرہم لانہم یریدون قویۃ یرجون علیہ لمثوبۃ فلا یسکن ترکہم لذلک التا یعتقدون علیم و یرکون الیہم لما سبوا الیہ من الزہد والنصلاہم ویقتدون بافعالہم ویعتنون بنقل اقوالہم حتی قد یحیی علی بعض علماء الامۃ واکابرہم ثقۃ واعتمادا علی ما نقلوہ فیقعون فیما وقعوہ۔

اور اپنی نادانی اور جہالت سے اُسے ثواب کا کام جانا اور اپنے تئیں اور دوسروں کو  
 نقصان پہنچایا اپنی ذات کو تو اس طرح نقصان پہنچایا کہ وہ اُسے ثواب جانتے اور  
 اُسپر اجر کی اُمید رکھتے۔ دوسروں کو اس طرح ضرر پہنچایا کہ لوگوں نے اُس پر متوہ کیا۔  
 اور سب اُن کے زہراورینکی اور پرہیزگارسی کے اُن کی اقتد کی اُن کے قولوں کو  
 نقل کیا۔ اُن کی باتوں کو صحیح جانا۔ یہاں تک کہ بعض بڑے بڑے عالموں سے یہ حقیقت  
 پوشیدہ رہی اور بڑے نامی گرامی علماء اس دعوے کا میں اُنکے اور اُن بزرگوں کے پوچھو  
 اور اعتماد کر کے اُن منوع حدیثوں کو نقل کر دیا اس لیے وہ بھی سب ایسے متہلک ہو گئے جس  
 اصل وضعین مستند تھے اور بیاض الاصول میں بیان حقائق مجرد میں ہر لکھا ہے کہ سب  
 باترین طبقات مجروحین یہ طبقہ ہے جس میں وہ انحراف میں پہنچے تھے اور اس حدیث  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جھوٹی حدیث کو کہہ کر کہو اُن کے لئے قویٰ ہے کہ وہ  
 شخص مجھ پر عداً جھوٹے نکات چاہتے تھے وہ اپنا انحراف میں قائم ہے۔ اور ایسے  
 جھوٹے کا از نکاب اباب ثری جوامعت نے کیا ہے جن کی باتوں حدیث بنائے۔ یہ تیس  
 مختلف تھیں۔ بعضوں نے انکار و زندہ کے ساتھ ساتھ وہ سب کی باتیں کہیں  
 کوئی اور محمد ابن عبد شامی کے اور رائے اُن کے اور رائے میں ہیں اور ان کے ساتھ  
 شک پیدا کرنے کے لوگوں کے اور میں اس کو صحیح حدیث کی شان میں بیہوش ہو گیا  
 نے افضل بن مالک سے اس حدیث کو روایت کیا کہ تم انہیں بلا ہی بعلیٰ ہلا  
 ان ایشاء اللہ۔ پس اپنے اخلاق کے سبب سے اس تشدد کو روک کر دیا۔ بعضوں  
 بسبب فساد عقیدہ کے حدیثوں کو واقعی اپنا عقیدہ کے ساتھ مانا۔ لوگ سلف میں رہیں  
 چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بعضوں نے توبہ کی اور جھوٹی حدیث بنانے کا اقرار کیا چنانچہ  
 ایک شخص نے خوارج میں سے بعد توبہ کے کہا کہ حدیثیں مغیرہ خراسانی سے تھیں وہ علم کی  
 دین میں پس دیکھو کہ اس سے تم دین لیتے ہو کیونکہ ہم نے جس حدیث کو جانا اس کے لیے ایک  
 حدیث بنائی۔ اور ابو عینانے کہا کہ میں نے اور جاحظ نے حدیث مذکور کی بنائی اور اس کو  
 بڑے بڑے شیوخ بغداد سے نقل کیا کہ سہوں نے اُسے مانا سوائے ابن شیبہ علیہ کے  
 کہ اُس نے کہا کہ اس حدیث کا آخر اول سے نہیں ملتا اور اُس کے قبول کرنے سے انکار کیا  
 سلیمان بن حرب لکھتے ہیں کہ میں ایک بزرگ کے پاس گیا اُسے رونا ہوا پایا جب میں نے

رونے کا سبب چھاتہ وہ کہنے لگا کہ میں نے چار سو حدیثیں بنا کر لوگوں میں شہور کر دی ہیں  
 اب میں نہیں سمجھتا کہ کیا علاج کروں اور مجھے اُن واضعین سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے  
 حدیثوں کو اپنے گمان میں بنظر ثواب کے وضع کیا مثل ابو عصمہ نوح ابن ابی مریم المرزوقی اور  
 محمد بن عکاشہ کرمانی اور احمد بن عبد اللہ جو یاسری وغیرہ کے چنانچہ ابو عصمہ سے کسی نے پوچھا  
 کہ روایت مالک کی عکرمہ سے اور عکرمہ کی عباس سے قرآن کی سورتوں کی فضائل میں تھے  
 کہاں سے پائی۔ اُس نے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد  
 بن اسحاق کی تاریخ پر متوجہ ہو گئے ہیں اُس لئے بنظر ثواب کے میں نے ان حدیثوں کو بنالیا  
 اور بعض اُن واضعین میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیث کو صرف بنظر تقریب پڑھا ہوا  
 رکھے وضع کیا مثل نبیات بن ابراہیم کے کہ وہ خلیفہ مہدی بن منصور کے پاس گیا۔ اُس خلیفہ  
 کو اڑنے والے کبوتروں سے شوق تھا اس لئے اُس نے ایک حدیث بنادی کہ پیغمبر خدا  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا سبق الا فی جفا او حافر او فصل او جناح خلیفہ نے اُسے  
 دس ہزار درم دیے جب چلا گیا تو خلیفہ نے اپنے نوکر سے کہا کہ کبوتروں کو بیچ کر لے چنانچہ  
 وہ بیچ کر دیئے گئے لوگوں نے پوچھا کہ یا امیر المؤمنین کبوتروں کا کیا گناہ ہے۔ کہا انہیں  
 کہے سب سے اشخص نے پیغمبر خدا کی طرف جھوٹ لگایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہادی  
 پیغمبر پر جھوٹ لگانے والا تھا۔ کبھی حضرت نے نہیں فرمایا او جناح اور امون الحج مرنوی  
 سے لوگوں نے کہا کہ دیکھو شافعی اُن کے توابعین کو کہ کس کثرت سے خراسان میں ہیں  
 اُس نے فرمایا حدیث بنادی کہ حدثنا احمد بن عبد اللہ قال حدثنا عبد اللہ بن معدان  
 المرزوقی عن اسرقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی امتی رجل یقال له  
 محمد ابن ادریس اضر علی امتی من ابلیس ویکون فی امتی رجل یقال له ابو حنیفہ  
 ہوسراج امتی۔ اور اور بعض واضعین سے وہ لوگ ہیں جو بازاروں اور مسجدوں میں بیٹھ کر  
 حدیثیں بنالیا کرتے تھے اور باسنا صحیح جو انھیں یاد تھیں اُن موضوعات کو روایات کیا کرتے  
 تھے چنانچہ جعفر بن محمد طایلیسی نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے اور احمد بن حنبل اور یحییٰ بن  
 سعید نے مسجد میں نماز پڑھی کہ ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ حدثنا احمد بن حنبل  
 یحییٰ بن سعید قال حدثنا عبد الرزاق قال حدثنا معمر بن قتادہ عن انس قال قال  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا اله الا الله یخلق الله من کل کلمۃ منھا طائراً

منتقدا من ذهب وایشمن مرجان یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا پیدا کرتا ہے خدا  
 ہر کلمہ سے اس کے ایک جانور جس کی چونچ سوئے کی اور جس کے پر سوئے کے ہوتے  
 ہیں اور اسی طرح پر وہ قصہ گو کہنے لگا اور قریب بیس ورق کے بک گیا یہ یحییٰ بن احمد بن  
 حنبل یحییٰ بن عیینہ کو اور یحییٰ بن عیینہ حنبل کو دیکھنے لگے اور ایک نے دوسرے سے  
 پوچھا کہ کیا تم نے یہ حدیث روایت کی ہے دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ جیسے  
 تو اس کو اسی وقت سنا ہے پس دونوں ٹپ ہو رہے۔ جبکہ وہ شخص فارغ ہوا تو یحییٰ نے  
 پوچھا کہ تجھ سے اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ احمد بن حنبل اور یحییٰ  
 بن عیینہ نے۔ یحییٰ نے کہا کہ میں یحییٰ بن عیینہ ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے تو کبھی اس  
 حدیث کو سنا بھی نہیں۔ تب وہ کہنے لگا کہ میں سنا تھا کہ یحییٰ بن عیینہ ثباتی تھے  
 اور اب مجھے اُس کا یقین ہو گیا۔ یحییٰ نے پوچھا۔ کیوں۔ تب اُس نے جواب دیا کہ کیا  
 دنیا میں سولے تہائے یحییٰ بن عیینہ اور احمد بن حنبل دوسرا کوئی نہیں ہے۔ میں نے تو  
 سترہ احمد بن حنبل سے سولے اس احمد بن حنبل کے روایت پائی ہے اور یہ کہہ کر اپنے منہ پر  
 آستین کھٹکتے کرتے والے کی طرح مسکبہ سے چل دیا۔ انھوں نے حمتہ بلفظہ

اور محمد بن ابی یحییٰ بن عیینہ کے جو وضع کرنے اور جھوٹ بولنے میں مشہور ہیں ابی یحییٰ بن عیینہ  
 میں اور واقعی بعد ازیں اور قتال بن سلیمان خواہ اسان ہیں اور محمد بن سعید شام میں تھا  
 حالانکہ قتال بن سلیمان کو لوگوں نے تفسیر کا امام اور باقی لوگوں کو تفسیر میں اس کا مستند  
 جانا ہے اور واقعی سے باوجود اس کے ضعف کے سندلی ہے جیسا کہ مجمع البحار میں لکھا  
 ہے محمد بن الواقعی قاضی العراق اخذ واعندہ العلم علی ضعفہ بل جمعوا علیہ خروج  
 لہ ابن ماجہ اور جریابی اور ابن عکاشہ اور محمد بن تیمذیابی کی روایتیں بھی داخل کتابوں  
 کے ہو گئی ہیں حالانکہ زیادہ دس ہزار حدیث سے انہوں نے وضع کی ہیں اور فیم بن حمار  
 سے بھی بعض تحقیقین نے روایت کی ہے حالانکہ ابن عدی نے اس کی شان میں کہا ہے

لہ اعلیٰ قمری کتاب جالب میں لکھتے ہیں وما یقولہ الناس ان من روی لہ الشیخان فقد  
 جاز القطرۃ ہذا ایضا من التجاہل فقد روی مسلم فی کتابہ عن الیث عن  
 ابی مسلم وغیرہ من الضعفاء فیقولون انما روی عنہم فی کتابہ للاعتناء

كان فعيه يضع الحديث في تقوية السنة كروست كى تقويت بين عيش بنيا كرتا  
 تھا اور منجملہ واضعین کے اسحاق بن بشر ہے جس سے بیہقی اور دارقطنی نے روایت لی  
 ہے حالانکہ ابن جوزی موضوعات میں لکھتے ہیں کہ اسحاق بن بشر حدیثیں بناتا تھا اور  
 علم بہت سے ایسے ہی جعلی حدیث کے بنائے والے گذرے ہیں جس کی تسبیح متعین نے  
 نہایت تحقیق سے کی ہے نیز ان لا ائمال نہی اور تقریب ابن حجر عسقلانی اور موضوعات  
 ابن جوزی اور ذرکتابوں سے جو تحقیق رجال میں ہیں تسبیح اس کی ہوتی ہے سفر کہ جس  
 بات پر اطلاق حدیث کا کیا گیا ہے اسے حدیث نہوی جانا بڑی غلطی ہے بلکہ مذہب  
 میں خنہ پیدا کرنے اور عقاید جو ہیں شبہ ڈالنے اور غیر مذہب والوں کی زبان لمن کھولنے  
 اور دین اسلام کو مطاعن کے تیروں کا نشانہ بنانے کا ذریعہ ہے چنانچہ میں اس تمام پر دو  
 قول اپنے مذہب کے بڑے اماموں کے نقل کرتا ہوں۔  
 امام رازحی فرماتے ہیں کہ بعضوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کو

والشواہد التابعات وهذا لا يقوى لان الحفاظ قالوا الاعتبار امور يتعرفون بها  
 حال الحديث وكتاب مسلم التزم فيه الصحة فكيف يتعرف حال الحديث الذي فيه  
 بطرق ضعيفة الى قوله وروى مسلم ايضا حديث الاسراء فيه وذلك قبل ان يجي  
 اليه وقد تكلم الحفاظ في هذه القصة وبينوا ضعفها الى قوله وقد قال الحفاظ ان  
 مسلما لما وضع كتابه اعرضه على ابي زرعة فانكر عليه وتغيظ وقال ستمتة لصحيح و  
 جعلته مسلما لاهل البدر وغيرهما انتهى والحاصل ان صحيح عی ظن مصنفه وغلبته  
 خطئه واما السهو والنسيان فمن لوازم طبع الانسان وقد ابى الله الان ان يصح كتابه  
 لقوله انما نحن نبلغنا الذكر وانا له لحافظون۔ ۱۲

۱۲ واعلم ان بعض المشوية روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ما كذب  
 ابراهيم الا ثلث كذبات فقلت الاولى ان لا يقبل مثل هذه الاخبار فقل على  
 طريق الاستنكار ان لم تقبله لزمنا تكذيب الرواة فقلت ليا مسكين ان قبلنا انما  
 حكمه بتكذيب ابراهيم عليه السلام وان ردنا لزمنا الحكم بتكذيب الرواة و  
 شكنا من ابراهيم عن الكذب الاولى من صون طائفة من اهل العلم عن الكذب



روایت کیا کہ حضرت ابراہیم نہیں جھوٹے ہوئے مگر تین مرتبہ توین نے جواب دیا کہ ایسی حدیثوں کو نہ ماننا چاہیے تو کہنے والے نے براہ انکار کہا کہ اگر ہم نہ مانیں تو راویوں کی تکذیب لازم آتی ہے اس پر میں نے جواب دیا کہ اگر ہم مانیں تو حضرت ابراہیم کی تکذیب کی پٹی ہے حالانکہ حضرت ابراہیم کو کذب کی نسبت سے سچا و بہتر ہے چند نامعتبر آدمیوں کی طرف سے جھوٹ کے منسوب ہونے سے -

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو مطیع لمخی نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اس حدیث

کتاب العالم والمتعلم میں لکھا ہے کہ قال ای ابو مطیع البانی ما قولک فی اناس رووا ان المؤمن اذا ذی خلق الایمان من لاسہ کما یخلع القميص ثم انا ما ب عبد الله  
ایمانہ انشک فی قولہم او تصدقہم فان صدقات قولہم دخلت فی قول الخوارج ولان شککت فی قولہم شککت فی قول الخوارج ورجعت عن العدل الذی وصفت وان کذبت قولہم الذی قالوا کذبت بقول النبی علیہ السلام فانہم رووا عن رجال عن شتی حتی ینتی بہ الرسول اللہ علیہ السلام قال لا ما م ای ابو حنیفہ کذب ہو لا ولا ینکون تکذیبی لہو لا ووردی علیہم تکذیب النبی علیہ السلام انما ینکون التکذیب لقول النبی علیہ السلام ان یقول الرجال انا مکذب للنبی علیہ السلام واما اذا قال انا مؤمن بکل شیء تکلم بہ النبی علیہ السلام فیم غیر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکلم بالمجور ولم ینکلف الفرائض من التصدیق بالنبی بالقرآن وتذریہ لہ من الخلاف علی القرآن ولو خالف النبی علیہ السلام والقرآن فقول علی اللہ لم یدعہ تبارک وتعالیٰ حتی یاخذہ بالیمین ویقطع منہ الوتین کما قال اللہ تعالیٰ فی القرآن ونبی اللہ لا ینکلف کتاب اللہ ومخالف کتاب اللہ لا ینکلف نبي الله وهذا الذي رووه خلاف القرآن الا ترى الى قوله تعالى انما نية والذاني ثم قال واللذان ياتيانهما منكم ولم يعين به من اليهود ولا من النصارى ولكن عني يا مسلمين فرد على كل رجل يحدث عن النبي عليه السلام بخلاف القرآن ليس ردا على النبي ولا تكذيبا لہ ولكن رد اعلیٰ من يحدث عن النبي عليه السلام بالباطل والله دخلت علیہ لہ علی نبي الله وكلشی تکلم بہ النبی علیہ السلام سمعناہ وروا

کی نسبت جو لوگوں نے روایت کی ہے کہ جب موسیٰ زنا کرتا ہے تو ایمان اُس کے سر سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ قمیص بدن سے۔ آیا اس حدیث کے راویوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں یا شک یا تکذیب فرماتے ہیں۔ اگر تصدیق کرتے ہیں تو آپ کا اعتقاد **حوا** کیسیا ہوا جاتا ہے اور اگر آپ شک کرتے ہیں تو حوا ج کے قول میں شک رہتا ہے اور اگر آپ تکذیب کرتے ہیں تو اُن بہت سے آدمیوں کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے ہند اس حدیث کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے تو امام نے جواب دیا کہ میں اُن سب راویوں کی تکذیب کرتا ہوں اور میرا جھوٹا اُن لوگوں کو اور روکرنا اُن کے قولوں کا کچھ تکذیب پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء کی نہیں ہے اس لئے کہ تکذیب قول پیغمبر کی یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں پیغمبر خدا کے قول کو نہیں مانتا لیکن جبکہ وہ یہ کہے کہ میں ہر بات پر جو آں حضرت نے فرمائی ہے ایمان رکھتا ہوں اور اُسکی تصدیق کرتا ہوں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ کوئی بات پیغمبر خدا نے خلاف قرآن شریف کی نہیں فرمائی تو یہ حقیقت میں تصدیق پیغمبر کی اور تصدیق قرآن کی ہے اور اُس سے تشریح اور پاکی آں حضرت کی مخالفت قرآن سے ثابت ہوتی ہے اور اگر پیغمبر خدا خلاف قرآن کے کچھ کہتے تو خدا کب چھوڑتا اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کا نبی ایسی بات کہے جو مخالف خدا کی کتاب کے ہو اور جو مخالف خدا کی کتاب کا ہو وہ کیونکر خدا کا نبی ہو سکتا ہے پس یہ حدیث خلع ایمان کی زنا سے جو لوگوں نے روایت کی ہے خلاف ہے قرآن کے پس ایسے آدمیوں کے قول کو روکرنا جو پیغمبر خدا کی طرف ایسی بات منسوب کئے جو مخالف ہو قرآن کے پیغمبر کی بات کا روکرنا نہیں ہے اور نہ اُن کی تکذیب ہے بلکہ حقیقت میں

نشهد فعلی المرسل واللعین قد اصابہ نشتہ انہ لما قال النبی علیہ السلام نشتہ  
ایضا علی النبی علیہ السلام انہ لم یأمر بشی فی اللہ عنہ بخالف امر اللہ تعالیٰ  
ولم یقطع شیاً وصلہ اللہ تعالیٰ ولا وصف امر وصف اللہ تعالیٰ ذلک الامر  
بخلاف ما وصفہ النبی علیہ السلام ونشتہ انہ کان موافقا للہ عز وجل فی  
شیء الامور لم یبدع ولم یتقول غیر ما قال اللہ تعالیٰ ولا کان من المتکلمین  
ذلک قال اللہ تعالیٰ من یطیع الرسول فقد اطاع اللہ۔

وہ روئے اس کے قول کا جو کچھ پیغمبر خدا کی طرف سے ایک باطل بات کو نقل کرتا ہے اور آنحضرت پر تہمت لگاتا ہے اور ہم ہر بات کو پیغمبر خدا کی خواہ ہم نے سنی ہو یا نہ سنی ہو بسوچشم قبول کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ وہ بات ایسی ہی ہوگی جیسا کہ اُس حضرت نے فرمایا ہو لیکن اسی طرح ہر ہم یہ شہادت دیتے ہیں کہ کوئی بات آنحضرت صلم نے خلاف قرآن کے نہیں فرمائی نہ کہ ایسی چیز کا حکم دیا ہے جسے خدا نے منع کر دیا ہو نہ کسی ایسی چیز کو جس کے ملانے کا اللہ نے حکم کیا ہو اور نہ کسی چیز کی ایسی صفت بیان کی جو مخالف بیان خدا کے ہو اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ آنحضرت صلم کا ہر قول موافق تھا خدائے عزوجل کے اور اسی لیے خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی خدا کی۔

پس اب ہم مسئلہ نوں کو ان دونوں قولوں پر ذرا غور کرنا اور انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ ان اماموں نے ان حدیثوں کو جن کا سلسلہ سند آنحضرت تک پہنچتا ہے صرف اصل صحیح عقلی پر تمسک کرنے سے منقطع ٹھہرایا اور راویوں کی روایتوں کو غلط کہہ کر اصول دین کو بچایا ورنہ ایک حدیث سے ایک پیغمبر کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری حدیث سے پیغمبر کا قول مخالف قرآن کے ہونا لازم آتا ہے پس کیا حال بیان کیا جاوے کہ اُن غلط قولوں کا جو بڑے بڑے اپنی حیات سے یا متعصبین نے اپنے مقصد کے یا محدثوں نے اپنی امانت کے سبب یا نادانانہ دینداروں نے اپنی ذہنی کوتاہی یا مجاہدین نے لوگوں کے ڈرنے اور خوش کرنے کے لیے آنحضرت سے منسوب کیا اور اُن باطل کو احادیث نبوی ٹھہرایا اور بھی کیا بیان کو جیسے تقلید کی وہ مصیبت جس نے اُن قولوں سے کئیوں کو بھڑکایا اور آپ نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے نقل کر کے اُن کو تواتر کے درجہ پر پہنچا دیا ہو۔

الحاصل خیال کرنا کہ جس کتاب میں قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے اُسے سچی حدیث رسول خدا کی سمجھ لینا اور اُس پر دین کی عمارت کھڑی کرنا نادانی ہے کیونکہ دین اناب بڑا نازک معاملہ ہے اور کسی قول کو بلا تحقیق یقین کر لینا کہ ہمارے پیغمبر صلم صا کا قول ہے نہایت خطر کی بات ہے اس واسطے کہ پیغمبر صلم کا قول ایک عام آدمی کا قول نہیں ہے جس کا ماننا نہ ماننا کچھ نقصان کا سبب نہ ہو۔ آنحضرت ص کا قول اچھا ہے یا برا ہے یا سبب کی بنیاد ہے اسکو بوجھت کے نہ ماننا یا اُس پر یقین نہ کرنا اُس کے مطابق عمل نہ

ہمارے دین کی بربادی کا سبب ہے پس اس شخص کا قول جو ہماری ہدایت کا ذریعہ  
 ہو جس کے اوپر ہمارے اعتقاد اور اعمال کی بنا ہو ایسا ہے کہ بہت نہایت غور اور فکر سے  
 اس کی تحقیق کرنا اور نہایت محنت اور وقت سے اس کی صحت ثابت کرنا واجب ہے  
 ہے پس جبکہ ہم کو اس کی صحت ثابت ہو جاوے اس وقت ہم کو اس پر یقین کرنا اور اس کو  
 حروت اپنے پیش نظر رکھنا ضرور ہے۔ پھر اگر ساری خدائی اس قول کے مخالف ہو کہ  
 کچھ اعتقاد چاہیے پس ہمارا عقیدہ تو اپنے پیچھے رہے۔ اس کی نسبت بہت بگڑ چوگڑ ہے  
 سعدی و نفاذی کا قول سمجھتے ہوں یا زید و عمر کی باتوں کی طرح اسے آسان سمجھتے ہوں وہ  
 مختار ہیں کہ ہر بات کو حدیث سمجھیں یا شہرخص کہ قول کو قول تسلیم جانیں۔

باقی رہا امر کہ اب تحقیق اور تنقیح احادیث کی کیونکر کیا جاوے اس کی نسبت کچھ بہت  
 زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے اگلے محققین یہ کام کر گئے ہیں اور احادیث  
 کے صنف و درست کی تنقیح کر چکے ہیں اور کتاب بالرجال میں راویوں کے حالات لکھ گئے  
 ہیں ہمارے واسطے اب کوئی نیا دہ وقت نہیں ہے بجز انہیں کے کہ ہم ان کی تحقیقاتوں  
 کو دیکھیں اور ان محققین اور محدثین کی ان تحقیقاتوں سے فائدہ اٹھائیں جو انہوں نے  
 تنقیح احادیث میں کی ہیں پس جو حدیث ایسی ہو کہ جس کا تو اثر یا شہرت یا صحت درجہ  
 یقین پر پہنچے اسے مثل آیات قرآن کے واجب الیقین اور واجب العمل جانیں جب  
 موضوع اور غلط اور غیر مجسم یا وہ اس کی طرف حدیث کے لفظ کی نسبت کرنے سے  
 بھی تامل کریں۔

غرض کہ اب انصاف پسند مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ غور کریں کہ ہم مسلمانوں کا کمال اسلام  
 یہ ہے کہ جو بات جس تفسیر میں بنام حدیث لکھی ہو اسے بلا تامل بلا تردد حدیث سمجھیں یا  
 کمال اسلام یہ ہے کہ اس کی صحت کی تحقیق کریں اس کے ماخذ و مبداء پر غور کریں جب  
 امام احمدی اور امام حجت الاسلام سے مولفین اور ہدایہ سے مقبر کتاب کے تالیف کرنا لو  
 اور احادیث غیر صحیحہ میں دھوکا ہو گیا ہو تو پھر کس کی کتاب پر بلا تحقیق اعتبار کیا جاوے  
 پس اگر ہم کا فراموش نہیں تو صرف اس گناہ میں کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر کا  
 انکاروں کی باتوں سے جدا ہو جاوے اور ہمارے محبوب رسول کی طرف کوئی جھوٹی  
 تفسیر نہ کرے اور وہ اعتراضات اور طعن جو دین اسلام پر وضعی اور غیر مجسم

حدیثوں کے سبب ہوتے ہیں مرتفع ہو جائیں اور وہ باتیں جن سے مخالفت اقوال رسول کی حقایق محققہ سے بھی جاتی ہے باطل ٹھہریں اور مذہبِ اسلام کو ایک مجموعہ بیان اور نیکی اور سچائی اور عقل اور حقیقت کا جائیں موائے اس کے نہ کچھ دوسری خواہش ہے نہ آؤر کوئی تمنا ہے۔ یہی ہماری خطا ہے اور یہی ہمارا گناہ ہے۔ ع۔  
نیت یا رانِ طریقت غیر از نیتِ تقصیر ما

## ذکر اقوال صحابہ کبار و تابعین کا

### جو تفسیروں میں ہیں

اقوال صحابہ کبار کے دو قسم ہیں۔ ایک وہ جسے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ پس وہ تو حدیث میں داخل ہیں۔ دوسرے وہ جو کچھ انہوں نے اپنی رائے اور اپنی سمجھ سے کہا۔ پس انہیں ائمہ و محققین کہتے کہ روایت ان کی معصوم ہے رائے ان کی معصوم نہیں۔ مگر قطع نظر اس کے ان اقوال کا ثبوت بھی یہ سننا صحیح چاہیے حالانکہ بعد تحقیقات کے بہت ہی کم ثابت ہو گا کہ جو اقوال ان بزرگوں سے منسوب ہیں وہ سب سب صحیح ہوں۔ پناہ صرف حضرت عبداللہ بن عباس سے ہزار بار روایت تفسیروں میں بھری ہوئی ہیں اور کبھی ان میں سے تھوٹی اور وضعی میں اور حضرت عبداللہ بن عباس پس تہمت ہے جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے اور خود حضرت عبداللہ ابن عباس نے صرف چار حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں مگر ہمارے علمائے ان کی روایت کو اور احادیث کی نسبت بھی قبول کیا ہے لیکن وہ اقوال جو حضور عبداللہ ابن عباس سے تفسیروں میں منقول ہیں خواہ وہ ان کی روایت ہو یا روایت اس کی نسبت تحقیق کرنا کہ اس کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں ضرور ہے۔ باقی رہے اقوال تابعین کے اگر ان کی صحت بھی ثابت ہو جائے تو کائناتِ احوال و بحال و ظاہر و باطن و بینہ و غیبا

### ذکر قصص اور اخبار کا جو تفسیروں میں ہیں

خدا ان قصص اور کہانیوں کو کسی مسلمان کو نہ دکھاوے نہ سناوے جو لوگوں نے  
تغیروں میں بھردیئے ہیں اکثر جھوٹے اور بے بنیاد ہیں اور یہودیوں کے منہ سے نکلے  
ہوئے ہیں احادیث صحیحہ سے قصص اور اخبار کا ہونا بہت ہی کم پایا جاتا ہے آنحضرت  
ﷺ اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں میں اخبار ائمہ سابقہ کو بہت ہی قصور ایمان کیا ہے  
ہمارے پچھلے عالموں نے اکثر قصص یہودیوں سے شکر اپنی کتابوں میں نقل کر دیئے اور

لہ جو قصص اور اخبار اور غیب کی باتیں مفسرین نے لکھی ہیں ان کا لینا اہل کتاب سے تحقیق  
ہمارے محققین کے ثابت ہے اور وہ پچھلے علماء کی نسبت ابو الامداد ابراہیم حاشیہ نخبۃ الفکر  
میں جس کا نام قضا الرطوبہ ہے لکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن سلام اور عبد اللہ عمرو بن عاص نے اہل کتاب  
سے نقلیں کی ہیں اور جب شام کا ملک فتح ہوا تب ایک بار مشترک کتابوں کا اہل کتاب کے عبد اللہ  
عمرو بن عاص نے پایا اور سکھو روایت کیا اسی واسطے ان کی حدیثیں کم ہیں مگر وہ باتیں جو بکثرت  
سے ان سے منقول ہیں وہ صرف اخبار اور قصے بنی اسرائیل کے اور روایات اہل کتاب کی ہیں  
کراس میں ان کی حدیثیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زیادہ ہیں و ہذا عبارتہ۔  
و مثال الصحابی الذی لم یأخذ عن الاسرائیلیات ابوبکر وعمر و عثمان و علی و مثال  
من أخذ عن عبد اللہ بن سلام و قیل عبد اللہ عمرو بن عاص فانہ لما فتم  
النشام اخذ حمل غیر من کتب اہل الکتاب و کان یحدث منها فلذا اتقاہ الناس  
فقل حدیثہ وان کان اکثر حدیثا من ابی ہریرۃ باعترافہ والمراد بہا قصص بنی  
اسرائیل وما جاء فی کتبہم۔ اور طاعلی قاری شرح الشرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں۔ ای  
الحدیث الذی یقولہ الصحابی الذی عرف بالنظر فی الاسرائیلیات کہ عبد اللہ بن سلام  
و عبد اللہ عمرو بن عاص فانہ کان حصل لہ من وقعہ الیرموک کتب کثیر من  
اہل الکتاب و کان یخبر بما فیہا من الامور الغیبیۃ حتی کان بعض اصحابہ ربما  
قال احذنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا تحدثنا من الصحیفۃ۔ اور علامہ سیوطی غفرلہ  
عمرو بن عاص کی تفسیر کی نسبت لکھتے ہیں۔ وما اشبهہا بان تكون مما یحمله عن اہل الکتاب  
اور دوسرے طبقہ کے بڑے مفسر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ میں ان کی نسبت منیر بن الامتدال مذہبی ہی  
لکھا ہے کہ قال ابوبکر بن العیاش قلت لامامہا تفسیر مجاہد قال اخذها

جنہوں نے اپنی تالیف کو زیادہ طول دینا چاہا انہوں نے اور اسمیں دخل و معقولات فرمایا۔ ہمارے نزدیک اکثر قصے اور اخبار میر حمزہ کی سی داستان ہے۔ نہ اعتبار کے لائق نہ اعتماد کے قابل من شاء فیقہل ومن شاء فلیہ منکر۔

## ذکر واقعات آئندہ کا جو تفسیروں میں ہیں

واقعات زمانہ آئندہ کے جو کچھ بیان کیے گئے ہیں ان کی نسبت تحقیق کرنا چاہیے کہ اس کا سلسلہ روایت حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے یا نہیں اور میں بھی وہ روایت بدرجہ شہرت یا سخت پہنچی ہے یا نہیں اور میں حدیث میں سے وہ روایت جو ایسی حدیثوں میں جائز سمجھا گیا ہے کیا ہے یا نہیں۔ اگر بعد تحقیقات کے اسکی صحت ثابت ہو رہا لا محذہ بہت کم ہوگا تو اسے ماننا چاہیے ورنہ اسکو باطل عرض کر کہانی سمجھنا چاہیے اور اس بات پر ناراض ہونا چاہیے کہ بڑے بڑے لوگوں نے ان واقعات کو بیان کیا ہے اور اچھے اچھے عالموں نے اسے قبول کیا ہے کیونکہ بعض بلکہ اکثر باتیں ایسی ہیں کہ جن سے کذب کی نسبت آنحضرت کی طرف ہوتی ہے۔ و معوذہ باللہ من اللک۔ میں لکھتے ہیں کہ بیان کرتا ہوں جو کہ اگلے زمانہ میں بہت شہور ہوئی اور لوگوں

من الکتب۔ اور میرے طبقہ کے بڑے مفسر علی بن سید بن جوہر المفسرین کہلاتے جاتے ہیں۔ ان کی نسبت نیز ان لاقتدال نہیں میں کہتا ہوں کہ قال بن حبان کان یاخذ عن اليهود والنصارى من علم القرات ما یوافق کتابہم وہاں تکذاب بالحدیث وقال البخاری قال سفیان بن عیینہ سمعت مقادیر بن یحییٰ بن لم یخرج الرجال فی سنۃ خمین ومائۃ فاعلموا انی کذاب۔

لے شیخ جلال الدین سیوطی کتاب الکشف عن حجاب مرآة هذا لامۃ الف میں فرماتے ہیں۔ وبعد فقد کثر السؤال عن الحدیث الشہور علی السنۃ الناسل الینبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمکن فی قبرہ الف سنۃ وانا اجیب بانہ باطل لا اصل له ثم جاءنی رجل فی شہر ربیع من سنۃ ۸۹۸ معہ ورقۃ بخطہ ذکر انہ نقلها من غیاثی لہا بعض اکابر العلماء ومن ادھر کہتے ہیں انہ اعتدہ مقتضی هذا الحدیث وانہ یقع فی الدائمۃ

وہاں تکذاب بالحدیث

کی زبان پر تھی کہ پیغمبر خدا نہ اربیس سے زیادہ قبر میں نہ رہیں گے گویا ہزار برس کے اندر قیامت آجائے گی۔ اس حدیث کو ان لوگوں نے جو آٹھ سو برس تک ہوئے مانا اور دسویں صدی میں منتظر قیامت کے رہے مگر بعد جبکہ دسویں صدی ہوئی اور کچھ بھی آثار قیامت کے نظر نہ آئے تو اس سے سبہوں نے انکار کیا اور اس کو غلط جانا پس اگر وہ لوگ زندہ رہتے جو اس حدیث کی صحت کے متقدم تھے تو دسویں صدی میں ان کو اسلام چھوڑنا پڑتا کیونکہ وہ

العاشرۃ خوج المہدی والدجال ونزول عیسیٰ و سائر الاشراط والنہم فی الصور ومیضی الاربعون سنۃ التي بین النفتین وتنفتح نفتح البعث قبل تمام لالف فاستبعت حدوث هذا الكلام من هذا العالم المشار اليه و کرهت ان اصرح برده فادبأمنه فقلت هذا شئ لا اعرفه فاولني السائل تحريه المقال في ذاك فلم ابلغه مقصوده الي ان قال فاجبت الي ما سألوا و شرحت لهم منه لافان شاءوا عاجلوا وان شاءوا امهلوا وسميت الكشف عن مجاوزة الامۃ لالف فاقول اولاً الذي دلت عليه الآثار ان هذه الامۃ تزيد علي الف سنۃ ولا يبلغ الزيادة عليها خمس مائة سنۃ الى آخر ما قال في تلك المراتب رايت في اخر بعض النسخ ما صورته وحكي بعض هل التامر يخ ان تاريخ الدنيا من لدن آدم عليه السلام حين هبط من الجنة الى طوفان نوح عليه السلام الف عام وما تى عام ومن طوفان نوح الى زمن ابراهيم عليه الف عام ومات عام ومن زمن ابراهيم الى زمن موسى عليه السلام الف عام ومن زمن موسى عليه السلام الى زمن عيسى عليه السلام الف عام ومن زمن عيسى عليه السلام الى زمن نبينا محمد صلى الله عليه وسلم ثم خمس مائة عام ومن الهجرة الى الان تسعمائة عام واربعۃ وعشرون سنۃ مجموع ذلك ستۃ آلاف وسبع مائة سنۃ واربعۃ وعشرون سنۃ وعلى هذا يقال الباقي لقيام الساعة من يومنا هذا وهو سنۃ اربعۃ وعشرين وتسعمائة مائتا سنۃ وستۃ وسبعون سنۃ بدليل قوله صلعم عم الدنيا سبعة ايام من ايام الآخرة وبعثت في اخر يوم السادس وقال الله تعالى وان يومنا عند ربك كالف سنۃ مما تعدون -



مکذیب رسول کی کرتے اور اگر وہ بزرگ پہلے ہی سے اُس حدیث کی تحقیقات کرتے اور اُسے بے اصل سمجھ کر اُس پر اعتقاد نہ رکھتے تو دس صدی کیا اگر لاکھ صدیاں گزرتیں تب بھی اُن کے اعتقاد اور یقین میں کچھ شبہ نہ ہوتا۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں یعنی ۸۱۰ ہجری میں اُس حدیث کو غلط بتایا کیونکہ وہ دسویں صدی میں تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ اُنھوں نے بھی ایک دوسری حدیث سے کہ عمر الدینا سبعا ایام من ایام الاخرۃ وبعثت فی اخرالہوم السادس اپنی کتاب میں لکھ دیا کہ اب عمر بن الخطاب ۶۶۰ م باقی ہے اب ہم اپنے پاک و نیک بچے مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ ۶۶۰ م برس بھی گزر گئے اور عمر دنیا کی بھی تمام نہیں ہوئی۔ تو اب مسلمان کیا کریں۔ بنی کی تسبیح میں شبہ کر کے اسلام کو چھوڑ بیٹھیں یا اُس حدیث کی صحت میں شبہ کریں۔ ہمارے نزدیک ہمارے مسلمانوں کو پہلی بات تو منظور ہوگی مگر دوسری بات پسند نہ کریں گے کیونکہ اُس تحقیقات کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو بڑے نامی مشہور مفسرین نے کی ہے اور علامہ سیوطی سے محقق محدث مفسر نے لکھی ہے۔ پس کیا ہمارے بھائی مسلمان محمد اور مرتد ہیں جو ایسے محدثین کی باتوں کو غلط جانیں اور اُن کے قول سے انکار کریں۔

غرض کہ ایسا نہ درکہاں تاب میان کیا جائے اور کتابوں کی کثرت اور اقوال غیر متحد کے بھرے سے جو کچھ غراباں ہوئی ہیں اُس کا کیا بیان کیا جائے۔ بڑے مرد اور کامل کام ہے کہ وہ اسے سچ کو غلط سے تمیز کرے اور بے اصل باتوں کو دینی کتابوں سے خارج کرے ورنہ ایسی ہی روایتوں اور کہانیوں سے دین اسلام کی صحت سے اعتقاد آج نہیں کل نہیں پر سوا اٹھ جاوے گا۔

## ذکر استنباط مسائل اصولی و فروعی کا

### جو تفسیروں میں ہیں

جو مسائل اصولی و فروعی صاف صاف قرآن مجید میں مذکور ہیں اُس سے قطع نظر کہ کہ جو کچھ استنباط اہل آیت کے اشدات و کُنایات سے کیا ہے اس میں اختلاف کا ہونا بھی لیلِ امیر ہے کہ وہ سب منقول صاحبِ اُشریت سے بلکہ سلف صالح سے نہیں ہیں اور

اس لیے جہاں تک منافق قواعد عربیہ کے استنباط اُس کا ہے وہ واجب القبول ہے اور جو بعض فقہانے بعض مسائل کے اثبات میں ایسی آیتوں سے استدلال کیا ہے جن کو حقیقت میں اُن آیتوں سے کچھ تعلق نہیں ہے وہ واجب القبول نہیں۔

بعض متکلمین نے بھی دائرہ احتیاط سے پاؤں باہر نکالا ہے اور انھوں نے فریق مخالف کے الزام اور اپنے عقاید کے اثبات کے واسطے آیتوں کی ایسی ایسی تفسیر کی ہیں کہ جس سے کچھ تعلق اُس عقیدہ کو نہیں ہے اور اُس کا ثبوت اُن کتابوں کے دیکھنے سے ہوتا ہے جو معتزلی اور دیگر فرق مبتدعہ کے عقاید کی تردید میں لایف ہوئی ہیں۔

بعض متصوفین نے بھی اپنے عقاید کے اثبات میں تفسیر میں بہت بے احتیاطی کی ہے بلکہ نوبت بحر لطف پہنچا دی ہے کہ اپنے فاسد عقیدوں کے مطابق ایسے معانی قرآن کے بیان کیے ہیں کہ جن کو کچھ تعلق الفاظ سے نہیں ہے اور بلا رعایت اصول شرح کے اور بلا لحاظ قواعد عربیہ کے نئے معنی پیدا کیے ہیں جیسے کہ تفسیر محمود ابن حمزہ کرمانی کی ہے جس کا نام عجائب غرائب ہے۔ اُس میں ایسے عجیب توال لکھے ہیں کہ سننے والے کو تعجب آتا ہے اور سبب اثبات کے عوام کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ توال ایسے ہیں کہ ان پر اعتقاد کرنا کیسا نقل بھی اُن کلمات کی جائز نہیں۔

باطنیہ فرقہ نے بھی اپنے عقیدوں کے اثبات میں ایسی تفسیر کی ہیں کہ انھوں نے دین ہی کو بدل ڈالا اور تمام طواہر آیات کو پھیر کر اُدھر ہی کچھ حسنی جملے مگر جو لوگ محققین ہیں اور اہل باطن۔ انہوں نے نصوص کو اُن کے ظاہر معانی پر رکھا۔ مگر اُس کے اصلی مطالب اور حقائق و قیام کو ظاہر کیا کہ یا مرعین یا مان اور کمال عرفان ہے کیونکہ خود حدیث میں آیا ہے لکل آیتہ ظہر و بطن۔

غرض کہ ہر فریق نے سوا فقیہ اپنے اپنے عقیدہ اور خواہش کے تفسیر کی اور اُس سے استنباط مسائل اصولی و فروعی کا کیا لیکن حقیقت میں اصل تفسیر وہ ہے جو مخالف تو اہل عربی اور اہل قرآن کے نہوا اور جس سے نصوص واقعہ کی تحریف لازم نہ آوے اور نظم قرآنی اپنی فصاحت و بلاغت پر باقی رہے۔

غرض کہ جو مسائل اصولی و فروعی آیات قرآنی سے استنباط کیے گئے ہیں اُن کی صحت پر

صرف تفسیروں میں لکھا ہوا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس استنباط کو دیکھنا اور آیات قرآنی سے اس شخص پر اجماع کو جانچنا محقق کا کام ہے کیونکہ جو تفسیریں لوگوں نے بعد قطعتہ متبع تابعین کے کی ہیں ان کا یہ حال ہے کہ جو مفسر جس علم اور جس فن کا شائق ہوا اُس نے اُسی علم اور اُسی فن کو اپنی تفسیر میں بھر دیا اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اُس کے نزدیک کلمہ خدا کو قرآن کے نازل کرنے سے انہیں علموں کا بیان کرنا مقصود تھا اور اپنے کلام کو خدا نے اسی لیے نازل کیا تھا مثلاً جو لوگ بڑے نحوی تھے انہوں نے اپنی تفسیروں میں اعراب و قواعد کو بھر دیا اور سائے سائے نحو کے قرآن سے نکالے اور تفسیر کو انہوں نے کافہ کی شرح بنا دیا۔ جو لوگ تاریخ میں غلبہ ہر تھے انہوں نے اپنی تفسیروں کو قصوں سے بھر دیا اور انکی پچھلی خبریں جھوٹی سچی تفسیروں میں بھر دیں اور انہوں نے تفسیر کو الف لیله بنا دیا جیسا کہ ثعلبی نے کیا (جسے لوگ بڑے مفسر جانتے ہیں) جو لوگ فقه کو محبوب جانتے تھے انہوں نے تفسیر سے سوالے فقہ اور مسائل فروعی کے دوسری عرض ہی نہیں

لہ ثم صنف بعد ذلک قوم ببعوا فی شیئی من العلوم ومنہم من ملائکتابہ  
بما غلب علی طبعہ من الفن واقتضویہ علی ما تم ہو وہو فیہ کان القرآن  
انزل لاجل هذا العلم لا غیر مع ان فیہ تبیان کل شیئی فالنحوی تراہ  
لین لہ الا الاعراب وتکثیر الادجیہ المحتملہ فیہ وان کانت جمیدۃ وینقل  
قواعد النحو ومسالکہ وفروعه وخلافیاتہ کالزجاج والواحیدی فی البسیط  
وابی حبان فی البحر والنہر والاخباری لیر لہ شغل لا القصص واستغفا وھا  
والاخبار من سلف سواء کانت صحیحۃ او باطلۃ ومنہم الثعلبی والفقیر بکار  
یومر فیہ الفقه جمیعہا واما بما استطراد الی اقامۃ ادلۃ الفروع الفقہیۃ الی لا  
تعلق لہا بالایۃ اصلا والجواب عن الادلۃ للنحاة الفین کالقرطبی وصاحب العلوم  
العقلیۃ خصوصاً الامام محمد الدین المرازی قد ملأہ تفسیرہ باقوال حکماء ولفظہ  
وخرج من شیئی الشیئی حتی یقتضی المناظر العجب قال ابو حبان فی النجوم جمع الامام  
الرازی فی تفسیرہ اشیا کثیرۃ طویلۃ لاجتہادہما فی علمہ التفسیر ولذلک  
قال بعض العلماء فیہ کل شیء الا التفسیر۔

جانی اور اُن مسائل کا استنباط آیات سے کیا جو کسی طرح اُن افسوس سے نہیں نکلتی مثل علامہ قرطبی کے اور جو لوگ علم کلام کے شائق تھے اور عقلی مسائل سے اپنے عقیدوں کو ملاتے تھے اُنھوں نے توغیر کو فلاسفہ یونان کے قولوں کا مجموعہ کر دیا اور اُن باجائز کو ایسا طویل کیا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے جیسے کہ تفسیر امام فخر الدین رازی کی ہے جس کی نسبت ابوجہان وغیرہ محققین نے کہا ہے کہ فیہ کل شئ الا التفسیر کہ اُس میں سوائے تفسیر کے سب کچھ ہے۔

پس اِس بزم نہایت ادب سے اپنے پاک نیک بھائیوں سے عرض کرتے ہیں کہ جب کتب تفسیر کی نسبت ہمارے محققین یہ فرما گئے ہوں اور اُس کی ایسی حقیقت لکھ گئے ہوں تو اگر ہم اُن کتابوں پر اجمالی بایں رکھیں اور سب کو مثل قرآن کے صاحبِ الیقین نہ جانیں بلکہ اُن مختلف کتابوں ذریعہ محدود روایتوں اور بے شمار قولوں اور انتہا قصوں کی تحقیق پرستند ہوں اور اُسکی اصیلت دریافت کرنے پر توجہ کریں تو یہ ہمارے ایمان کی تسانی ہے یا اتحاد و اتحاد کی۔ اگر یہی اتحاد اور اتحاد ہے تو وہ نہ اسلام سے بہتر ہے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء +

## نوکرِ شریحِ حقایق موجودات کا مطابق علوم عقلی کے

### جو تفسیروں میں ہے

یہ بات ظاہر ہے کہ قرونِ ثلث میں علوم عقلی کا کچھ چرچا نہ تھا اور حکمت اور فلسفہ یونان سے کوئی واقف نہ تھا۔ مگر بعد اُس کے وہ زمانہ آیا جب میں مسائلِ فلسفہ کا جاری ہونا شروع ہوا آخر اُس کی یہاں تک ترقی ہوئی کہ وہ مسائلِ دین میں داخل ہو گئے اور مذہبی کتابوں میں اُن بچریش ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ اُن سے تفسیریں بھری گئیں اور جس طرح تفسیر میں اقوالِ پیغمبر اور صحابہ کے نقل کیے جاتے تھے اُسی طرح افلاطون اور ارسطو وغیرہ حکماء یونان کے قول نقل ہونے لگے اور جب یہ سلسلہ جاری ہوا تو پھر ایک نمبر نے دوسرے نمبر سے اور دوسرے نے تیسرے سے اُس کا نقل کرنا یا انتخاب کرنا شروع کیا اور اُن قولوں کے قائلین کا نام بھی لکھنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ آخر وہ اقوال

تفسیر میں ایسے لگئے کہ لوگوں کو تیز کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ قول رسلو کا ہے یا صاحب شریعت کا یا کسی صحابی کا یا کسی امام کا اور اسی سے اُن اقوال پر دین کا مدار ٹھہر گیا اور اُن سے انکار کرنا بھی انکار آیات کے برابر سمجھا گیا چنانچہ ہم نے مختصراً وجود آسمان کی بحث میں اسے بیان کیا ہے کہ اب لوگوں کے نزدیک اس امر سے انکار کرنا آسمان شعل گنہگار کے وجود مجسم محیط ارض ہے اور سنا ہے اُس میں ٹھہرتے ہوئے ہیں کفرہ حالانکہ سبب اس کا یہ ہے کہ تفسیروں میں بیات یونانیوں کے مسائل مفسرین نے بھرنے ہیں۔ اُسے لوگ دیکھتے سنتے رہے ہیں اور اسی واسطے وہ اُن اقوال کو بھی دینی مسائل جانتے ہیں کہ وہ کیسے ہی غلط اور پوچھ اور بے اصل ہوں۔

اُن حقیقی مسائل کے تفسیروں میں داخل کر دینے سے ایک بڑا نقص یہ ہو کہ وہ تفسیر جن کی واقعہ میں کچھ حقیقت بقی اور جن کی بغلطی کھل گئی لیکن اب اُن سے انکار کرنا اور اُن مسائل ہی کو غلط کہنا تنصراً اور لجاجت بھجاتا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جو یہ سمجھیں کہ اُن مسائل کا تفسیروں میں داخل کرنا ہی بیجا تھا اور انہیں سے انکار کرنا اور جو حقائق موجودات اب ثابت ہوئیں اور موتی جاتی ہیں اُس کا ماننا کچھ قاذب اسلام نہیں۔

بہت سی باتیں نسبت اخبار اور واقعات اور کیفیت موجودات کے تفسیر غیر درجہ میں ایسی بھری ہوئی ہیں کہ جن کو دیکھنے سے ہنسی آتی ہے اور جن کے ذکر کرنے سے کسی پڑھے لکھے ہونے تربیت یافتہ آدمی کے سامنے شرم معلوم ہوتی ہے اور کوہ باتیں وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرامین کسی صحابی و تابعین نے نہ اُن کی کچھ محنت ہے مگر اب اُس سے بھی انکار کرنا اور اُس کو غلط سمجھنا ارتداد کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ پس سوائے اُن پاک مسلمانوں کے جو خانقاہ سے باہر نہیں نکلتے اور جو سوائے اپنے پیروں کے مکتوبات و ملفوظات کے کچھ نہیں دیکھتے اور جو کچھ کسی شخص عربی زبان میں عربی خط سے لکھا ہوا ہے پر ایمان رکھتے ہیں اور جو بڑی بڑی مولیٰ کتابوں سے روایتوں اور حکایتوں کے نقل کرتے ہی کو اُس کی محنت کی مندرجات میں اور حقائق موجودات سے سوائے اس کے کہ کوہ قاف نہر دکا ہے اُسکی چوٹی پر ستون آسمان کے رکھے ہوئے ہیں اور زمین گلے کے سینک پر ہے اور گائے مچھلی کے پیٹ پر

کھڑی ہے کچھ نہیں سمجھتے اور اُسی کو خدا کی قدرت سمجھ کر وجد و حال میں مصروف رہتے ہیں  
و شخص جو انب مقولات سے کسی قدر واقف ہوا تحقیقات جدیدہ سے جس سے موجودات  
کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے آگاہ ہو کیونکہ اپنے عقیدہ میں ان روایتوں اور حکایتوں کو اصل  
دین سمجھے گا اور کس طرح اس کا دل ان قولوں کی صحت پر یقین کرے گا اور وہ اپنے ایمان  
اسلام کی تقریت میں کس لیے کفر کے فتوؤں سے ڈرے گا۔

## ضرورت نئی تحقیقات کی بلکہ نئی تفسیر لکھنے کی

ہمارے نزدیک اس زمانہ میں ایک بڑی ضرورت نئی تفسیر لکھنے کی ہے جو مشہور و زواید  
سے خالی ہو اور جو غلط روایتوں سے اور جھوٹی حکایتوں سے پاک ہو اور جس میں کچھ یونانی  
باتوں کا ذکر نہ ہو اور جس میں حقائق موجودات کی تشریح کم از کم ایسی ہو جس میں وہ احادیث صحاح  
جن کی صحت بلکہ جن کی شہرت درجہ یقین پر پہنچی ہو اپنے اپنے موقع پر مذکور ہوں اور  
جس میں وہ اقوال صحابہ کبار کے جس سے سائل اصولی و فروعی کا انہوں نے استنباط  
کیا ہو منقول ہوں اور جس میں ان شہادت کا جو اہل عقل اس زمانہ کے کرتے ہیں ایسا جواب  
ہو کہ مخالف قواعد عربیہ، مغایر شریعت محمدی کے نہ ہو اور جس میں ان اخبار کی صداقت  
ظاہر کی جاوے جو الفاظ قرآن سے ثابت ہیں اور جس کی تصدیق میں بعض منکرین سبب  
مخالفت تاریخ و تحقیقات زمانہ حال کے مشہور کرتے ہیں اور جس میں ان اقوال اور  
روایات کی تکذیب پسند صحیح بیان کی جاوے جو غلطت سے یا سہو سے یا تساہل سے  
تفسیروں میں داخل ہو گئے ہیں اور جس سے گواہی زانیہ میں کچھ نقصان نہ تھا مگر اب  
وہی روایتیں اور وہی اقوال مادہ الزام کا قرآن اور صاحب الوم پر پھلنے لگے ہیں  
تاکہ اب جتنا نہ آیا ہے اور جو لوگ علوم عقلی کی تعلیم پاتے جاتے ہیں وہ اسلام پر ثابت قدم  
رہیں اور ان کا دل کسی طرح پر کسی ایک نقطہ سے بھی قرآن کے نہ پھرے اور وہ اپنے نین  
کو نہایت سچا اور خدا کا دیا ہوا جانیں اور نہ صرف ہمارے ہی دلائل اس سے فائدہ پائے  
بلکہ ساری دنیا کے دانشمند اور حکیم اور عاقل اور محقق اس کی تصدیق کریں اور وہ خدا

کے اقوال کو مطابق اُس کے فعل کے جان کر لفظ صدق اللہ ورسولہ صدق اللہ سے کہنے لگیں اگرچہ اس خواہش کا پورا ہونا نہایت دشوار ہے مگر سب مسلمانوں پر اس طرف توجہ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اور گو کچھ اُمید نہیں لیکن خدا سے اُمید ہے کہ ضرور ایسا کرے گا اور ہم مسلمانوں کو ایسی توفیق دے گا کہ دینا تقبل منّا انک انت السميع العليم۔

## اجماع

منجملہ اُن مذہبی الفاظ اور فقہی مصطلحات کے جن کی حقیقت نہ جاننے سے لوگوں کے خیالات غلط ہوئے اور ہوتے ہیں اور جن پر استدلال کرنے سے بے اصل باتیں صحیح سبائل کی صورت پر ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں لفظ اجماع ہے۔ علمائے کتاب و سنت کی طرح اُسے ایک شرعی محبت مانا ہے۔ فقہائے اُس کے سنہرے کو کافر سمجھا ہے پابندی ہر مسلم عادت کی جو مسلمانوں میں جاری ہے اُسی پر استدلال کرنے سے ایسا ن کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ اُن کے حُسن و قبح سے بحث کرنے والے پر عرقِ اجماع کا الزام لگا کر کفر کی نسبت ہوتی ہے اس لئے اُس کی حقیقت کا بیان کرنا اور اُن نتائج سے جو اُس پر مترتب کیئے جاتے ہیں کچھ بحث کرنا منافی ہے۔

یہ بات مسلمات سے ہے کہ ایمان نام ہے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا اُن سب باتوں میں جو وہ خدا کی طرف سے لائے ہیں حاضرین کے واسطے خود ان کا بیان مبارک سے سننا محبتِ خدا اور اُس کی تصدیق کے لئے قوسِ ذریعہ کی کو محبت نہ تھی لیکن ہم لوگوں کے لئے اُن باتوں کی تصحیح اُن کی تصدیق پر مقدم ہے اس لئے کسی ذریعہ کی ضرورت ہے وہ ذریعہ کیا ہے نقل اور روایت۔ لیکن چونکہ ہمیں صدق کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لئے کذب کے احتمال دور کرنے کے لئے کوئی قطععی دلیل چاہیئے۔ وہ کیا ہے تو تواتر و اجماع۔ پس اگر کسی شخص کی نسبت خبرِ صادقہ کے وقت سے لیکر اُسے یومنا نہ اسب کا اتفاق ہو اور اُس کی صحت پر سب کا اجماع ہو وہ خبرِ حائس حق میں بھی رویت کے برابر ہے اور ایسی متواتر اور جمیع علیہ خبرِ حقیقت میں

فی نفسہ شرعی محبت ہے لیکن اگر کسی خبر کی نسبت یہ درجہ ثابت نہ ہو یعنی مخبر صادق کلمے صحت سے اس کا تو اثر اور اس کی صحت پر اجماع نہ ہو عام اس سے کہ وہ خبر پھر کسی اور زمانہ میں بہت اہم تو اثر کے درجہ پر پہنچ جاوے یا آئندہ زمانوں میں بھی وہ اس تہ پر نہ پہنچے تو وہ خبر اپنی پہلی حالت پر رہے گی یعنی ما یجئزل الصدق والکذب پس پہلے زمانہ سے چھیکر ہمارے وقت تک جتنے واسطے اس کی نقل کے ہوئے ہوں ان کی صداقت اور اعتبار ثابت ہو اور وہ شمار میں بھی لائی نہ جاسکے ہوں تو اس کا جانب صدق غالب ہوگا۔ اور اگر ان میں سے کسی کی صداقت بخوبی ثابت نہ ہو یا ان کا تسلسل اور اتصال معلوم نہ ہو یا اسکے بیان کرنے والے اتہامیں ایک دوسرے زیادہ نہ ہوں تو اس کی دونوں جانب صدق و کذب کی برابر ہوں گی اور ایک کے رجحان کو دوسرے پر کسی اور دلیل کی حاجت ہوگی اور اگر اس کے بیان کرنے والوں کی بے اعتباری یا بی جاوے تو اس کا جانب کذب جامع ہوگا بلکہ اگر ان کا کذب برتر یقین ثابت ہو تو اسمیں احتمال صدق کا باقی نہ رہے گا۔

پنجم بلکہ اخبار مجتبى صریح کے وہ خبر جس کا تو اثر اس کے وقت سے لیکر اب تک ثابت ہے اور جس کی صحت پر اجماع ہے قرآن مجید ہے اور جو اس مرتبہ پر نہیں ہے وہ حدیث ہے پھر بعض اسمیں یعنی حدیث میں سے وہ ہیں جن کا جانب صدق غالب ہے اور بعض وہ ہیں جن کے دونوں پہ برابر ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا جانب کذب غالب ہے اور بعض وہ ہیں جو بے غلط اور بالکل بھوٹی ہیں۔ مگر شک یہ دونوں چیزیں ہمہ محبت میں پہلی چیز میں کتاب قطعی محبت ہے کیونکہ اس کی صحت قطعاً ثابت ہے اور دوسری چیز میں یعنی سنت ظنی محبت ہے کیونکہ اس کی صحت ظنی ہے اور باعتبار اپنے مرتبہ صحت کے وہ ہمہ محبت ہے۔ رہا اجماع پس اگر اس سے مراد ہے اجماع سب کا اور پر صحت اس شخص کے تو آئندہ صدقاً کہ ایسا اجماع محبت شرعی ہے لیکن لانی زائد بل بغیرہ کیونکہ حقیقت میں وہ اجماع ایک کامل شہادت اور قطعی دلیل اس خبر کی صحت کی ہے اور وہ خبر فی نفسہ ہمہ محبت ہے اور اسی اجماع کا منکر بھی یسینی کا فر ہے کیونکہ وہ منکر اس خبر کا ہے جس کی صحت ثابت ہو چکی اور جس کا انکار فی ذاتہ نفرت ہے۔ پس اگر کوئی کسی میت کا قرآن مجید کی سنکر ہو تو وہ ویسا ہی کافر ہے جیسا کہ صاحب لوجی کی زبان سے سن کر اس کا سنکر ہونا کیونکہ تو اجماع جمیع نے اس کی صحت کو ایسے یقین کے درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ ان



غلطی کا باقی نہیں رکھا لیکن اگر اُس سے مراد ہے اتفاق کر لینا لوگوں کا اور کسی معنی و  
 مقصد کے جو مخبر صادق کے لفظوں سے صراحتاً ثابت نہ ہو یا اور حقیقت کسی چیز کے  
 جس کا بیان تبصریح خود مخبر صادق نے نہ کیا ہو یا تو تفصیل کسی حال کے جسے اُس نے محل  
 ہی نہ دیا ہو یا تو تبصریح کسی شے کے جس میں اُس نے اشارہ استعارہ پر ہی کفایت  
 کی ہو یا اور پران باتوں کے جو شارع کی باتوں کی علت دریافت کر کے قیاساً اُس پر نکالی  
 گئی ہوں جبکہ اُس علت کو خود شارع نے بیان نہ کیا ہو یا اور کسی ایسے مذہبی اعتقاد یا  
 قول یا فعل کے جو اُس کے اخبار شہواترو سے ثابت نہ ہو اُس کے مخصوصات کے خلاف  
 اور اُس کے اصلی اصول کے معارض ہو تو ایسا اتفاق کچھ قطعی محبت نہیں اور نہ ایسا جماع  
 کا مستحکم کافر ہے اور نہ اُن باتوں کا جو ایسے اتفاق پر مبنی ہوں نہ انسانی اور نہ سے مخالفت کرتا  
 تکذیب رسول ہے کیونکہ جمیع جماع ایک قیاس یا قول یا فعل ایسی جماعت کا ہے جس میں ہے  
 نہ کوئی مخبر صادق ہے نہ جس میں سے کسی کی رائے معصوم ہے نہ جس میں کسی کی صاحبانگی  
 و الکتاب ہے نہ اُن کی تصدیق و تکذیب پر ایمان و کفر کا مدار ہے پس جبکہ باخبر اور کوئی  
 ایک اُن میں ہے ایسا نہیں ہے بلکہ اُسے یا قول یا فعل ہمہ جہت ہو تو بموجب اُن کی رائے یا قول یا فعل کی محبت ہو  
 گی کیا جہ سے اُن کی بات کو اپنی طبیعت سے کر اُسکی صحت کا پلہ نہ بنت اُسکی غلطی کے قیاساً جماع  
 جاوید کا اور جب تک کہ اُس کی غلطی ثابت نہ ہو تب تک کہ ماننے کے اذیت ہوگی جماعت اہل  
 غلطی کی موجود رہے گا اور ممکن ہے کہ کبھی اُس کی غلطی ثابت ہو جاوے اور کسی زمانہ میں  
 اُس کی غلطی پر دوسرا اتفاق ہو جاوے اور یہ بھی اُس حالت میں ہے جبکہ اتفاق سب لوگوں کا  
 ہو اور کوئی اُس رائے یا قول یا فعل سے کسی زمانہ میں شک نہ ہو یا کم سے کم جو لوگ صلاحیت  
 رائے مسنے کی رکھتے ہوں اُنہوں نے مخالفت نہ کی ہو لیکن اگر کسی جماعت یا کسی گروہ  
 میں کوئی بات بغیر بحث و مباحثہ کے جاری ہو گئی ہو یا کسی عارضی وجہ سے مثل خوف یا شرم  
 یا محال یا جہالت کے لوگوں نے اُن لیا ہو اور امتداد زمانہ نے اُسے قوی کر دیا ہو یا اُس کی  
 صحت میں اہل رائے نے اختلاف کیا ہو اور بعض مجتہدین نے اُسے صحیح نہ جانا ہو گو کسی خارجی  
 سبب سے اُس انکار کو شہرت یا قوت نہ ہوئی ہو تو ایسے اتفاق کو وہ وقت بھی نہیں ہے بلکہ  
 اُس پر اتفاق یا جماع کا اطلاق کرنا ہی غلطی ہے پس یہ منقہ حقیقت جماع اور انکار جماع کے  
 ملہ میں اپنے ملکہ کے اقوال بھی بلذمت اس مسئلہ کے بیان کرنا سب سمجھتا ہوں تاکہ لوگ

کفر مجنی کی ہے اسپر غور کرنے کے بعد اب ہم کو کوئی تباہی کے جو عوام و خواص ہو غریب

رائے بھی لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ امام خراسانی نے کتاب التفریق میں لکھا ہے و شرطہ  
 (یعنی الاجماع) ان یجتمع اهل الحل والعقد علی صعيد واحد فینفقون علی مرواحد  
 اتطابقاً بلفظ صریح ثم یتصرون علیہ مدة عند قوم والی تمام انفرادی الص  
 عند قوم۔ اس میں لکھا ہے کہ قبیل جماع الاکثر مع ندرة المخالف اجماع والمخالف انہ  
 لیسوا بجماع لانفاء الكل فقیل لیجیئ اصلاً وقیل هو مجتہ ظنیة اور مذاکرات الاصول میں  
 لکھا ہے کہ الاجماع اما بالاتوا ترا والشمرة والا حاد وادی التواتر اجماع الصحابة اذا انقضوا  
 حتی اذا لم یتقرضوا لم یکن الاجماع اتفاقاً لکما من فہو کالات القطعیة الدلالة والخبر  
 التواتر فیکف جاحداً وان لم یکن سکوتیاً حتی اذا کان سکوتیاً لم یکن متفقاً علیہ  
 یضاً فلا یکفر بمخالفة ثم اجماع من بعدہم بالشرط السابق فیما لم یروفیہ خلاصہ  
 فہو کہ اشہور من الخبر فیضلل جاحداً ولا یکفر بجماعاً ثم الاجماع المختلف فیہ فہو  
 بالصمیم من اخبار الاحاد لا یضلل جاحداً ایضاً کلا یکفر۔ اور امام حجازی الاسلام نے منخل  
 میں لکھا ہے انہ قد ثبت الخلاف فی کون الاجماع حجة ولا یکفر منکرہ منکر المجمع  
 علیہ ذالم یکن من ضروریات الدین لہ یکفر۔ اور امام الحرمین ابو العالی نے فرمایا ہے کیف تکفر  
 من مخالف الاجماع ونحو لا تکفر من رد اصل الاجماع وانما بدعہ وفضلہ والمعتقد عند  
 اثباتہ عدم اطلاق تکفیر المجمع علیہ اور امام نووی نے رد میں لکھا ہے کہ لیس تکفیر  
 جاحداً المجمع علیہ اطلاقاً قبل من جمہ جمعاً علیہ فیہ نص فہو من الامور والظاہرة التي  
 یشتدک فی معرفتها الخواص والعوام كالصلوة وتحريم الخمر ونحوهما کافرو من جمہ  
 معاً علیہم ہر فرد الخواص کا مستحقاق بنت الابن السدس مع بنت الصلب ونحوہ  
 ہر کافر۔ اور ابن وقیظ العبد نے شرع عمدہ میں لکھا ہے اطلاق بعضہم ان مخالف الاجماع  
 والمحقق ان المسائل الاجماعیة تارة یصحبها التواتر عن صاحب شرع کو جو بوجہ الخمس  
 وقد لا یصحبها الاقل یکفر جاحداً لمخالفة التواتر لمخالفة الاجماع۔ اور فرج میں لکھا ہے  
 اما الحكم الشرعي المجمع علیہ ان کان اجماعاً ظنیاً فلا یکفر جاحداً اتفاقاً وان کان  
 لیساً فقیل یکفر وقیل لا یکفر المحقق ان نحو العبادات الخمس مع علم بالضرورة کونہ

فقہیہ اور مسئلہ کلامیہ کی نسبت اجماع کا لفظ زبان پر لاتے ہیں اور اس کے انکار کو بوجہ  
انکار اجماع کے کفر بتاتے ہیں وہ کس قدر صحیح ہے اور کس قدر غلط سوائے قرآن مجید کی  
خصوص صریح کے اور عقاید و مسائل جو استخراج و استنباط کیے گئے ہیں اور جو کتابوں میں  
بڑی شد و مد سے لکھے گئے ہیں اُن میں سے کتنے عقیدوں اور کتنے مسئلوں پر اجماع  
کا اطلاق ہو سکتا ہے اور کتنے پر نہیں۔ اگر اجماع کا نام ہی چند کتابوں میں لکھا ہوتا۔ اور  
اُس کو ایک مخصوص طائفہ سیکتا اور تقلید اُسے ملحق بالقبول کرتا تو بلاشبہ وہ اجماع جامع  
ہے مگر اُسے ہم لا یعار بہ کہتے ہیں اور خود ہمارے ہی علماء کے بیان سے اُس پر اجماع کا  
اطلاق نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ اُس کے انکار پر اطلاق کفر کا جو پھر اکثر سائل اعتقادی  
یا عملی ایسے ہیں جن کی بنا حقیقت میں ایک خبر واحد پر اور بعض حالات میں ایک شخص ضعیف  
پر یا نقطہ قیاس اور رائے پر ہے مگر تقلید کی برکت سے اُسے عوام و خواص میں ایسی شہرت  
ہو گئی ہے کہ وہ خبر متواتر اور نص قطعی سمجھی جاتی ہے۔ وحده المتواتر ما لا یکن الشک فیہ  
کالموجود لا نبیاء ووجود البلاد المشہورۃ وغیرہا وان متواتر فی الاعصار  
کما عصر ا بعد عصر الی زمان النبوة ولم یقصر عدد التواتر فی عصر من الاعصار  
فالقول بالتواتر فی غیر القرآن من اغراض الاستیاء ۛ

من اللہین کفر جاہدہ اتفاقاً واما الخلاف فی خیرۃ اوان سبک مدہ وہ ہے جو نہ مخالف کے  
حاشیائی میں کہ اسے کہ اذالم تکن لایۃ او الخبیر المتواتر قطعی الدلالة ولم یکن الخبیر  
متواتراً او کان قطعياً لکن فیہ شبہۃ اولم یکن الاجماع اجماع الجہیم لو کان ولم یکن  
اجماع الصحابۃ او کان ولم یکن اجماع جمیع الصحابۃ او کان اجماع جمیع الصحابۃ ولکن  
قطعياً فان لم یشبہ بطریق التواتر او کان قطعياً لکن کان اجملہا مسکوتاً ففی  
کل هذه الصور لا یكون المحذور کفرآ۔ لکارت یا خبر متواتر قطعی الدلالة نبویا خبری متواتر  
نہ ہو یا متواتر تو ہو مگر قطعی نہ ہو اور سبب یہ ہو یا اجماع سبب اجماع نہ ہو یا سبب اجماع ہو مگر صحابہ کا اجماع  
نہ ہو یا یہ بھی ہو مگر سبب صحابہ کا اتفاق نہ ہو یا سبب اجماع کا اتفاق بھی ہو مگر قطعی نہ ہو یعنی بطریق تواتر  
نابت نہ ہو یا قطعی بھی ہو مگر اجماع مسکوتی ہو پس ان سبب حالتوں میں انکار اجماع کا کفر نہیں ہے

پس ہمارے مسائل اعتقادِ دینی و علمی کی نسبت جس کا ثبوت بغیر صریح قرآن مجید یا  
حدیث متواتر نہ ہو، اجماع کا دعویٰ کرنا ہی غلط ہے اور اسی غلطی کی وجہ سے بہت جھوٹے  
ہوئے اور کثرتِ مضامین پر گئے پروہ نے اپنے اپنے خیالات کے موافق ایک شب  
کھڑا کر لیا ہر طریقہ نے اپنی رسمیات اور عادات کو اجماع کی دلیل سے فراموش و اجابت سمجھ  
لیا اور اپنے چال چلن کو ایک مبدلِ شریعت بنا لیا یہاں تک کہ جب ان بڑی بڑی عالی شان  
عمارتوں کی جن کے کنگرے آسمان سے ملے ہوئے ہیں بنیاد دیکھی جاتی ہے تو ایک  
ریت کے زرہ کے سوائے کچھ نظر ہی نہیں آتا اور کوئی بنیاد دیکھ کر دھکلی نہیں دیتا معلوم  
ہوتا ہے کہ وہ زرہ کون کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی ہے نہ فی نفسہ سبکی اصل مضبوط ہے نہ  
حقیقت اسکی بنا مستحکم ہے اگر لوگ اپنے ہاتھ اٹھالیں اور بنیاد کے سہارے پر اسے  
چھوڑ دیں تو اس کی خوبصورت دیواروں کا نشان ملے نہ اس کی خوش نامحال بنیاد  
آویں نہ اس کی ملح کا ہی کی چھت باقی رہے بلکہ دکت لارض دکا کی کیفیت جو عاف  
اور تبدل لارض غیر لارض کی صورت نظر آوے حقیقت ہے اجماع کی جو میرے نزدیک  
زرہ کے اصولِ شریعت کے ثابت ہے۔ فمن اعتقد غیر ذلک فلیجد عقبا نہ و  
لیتبع عن تقصیر ثم مراد ہے بطلان هذا البیان فاعلم ان ینظر فی میدان البرہان  
اما بتفزیل اللسان واما بتجریب البیان والحو ینعلو علی البطلان

## دوسرا حصہ

پہلا باب

## مقتدیا ریح ابن خلدون

ابن خلدون ایک نامور مورخ مسلمانوں میں گذرا ہے۔ اس کی تاریخ مشہور ترین  
کتابوں میں سے ہے۔ بفعل یہ کتاب عربی زبان اور عربی خط میں نہایت عمدہ اور خوش  
دور اسطنت فرانس میں چھاپی گئی ہے اس نامور مورخ نے ایک نہایت عمدہ

مستند تاریخی کتاب کا لکھا ہے۔ جس میں علم تاریخ کی فضیلت بیان کی ہے۔ اور تاریخی واقعات کی تصنیف کے اصول لکھے ہیں۔ اور قوموں کی ترقی و تنزل کے اسباب اور اقلیم سبعہ کے حالات۔ اور اہل عرب کی حکومت کے تسامج۔ اچھی طرح بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کا ترجمہ اردو میں کیا جائے۔ اور اس زمانہ کے مسلمانوں کو دکھایا جائے۔ کہ ان کی قوم میں کیسے دل و دماغ کے آدمی گزرے ہیں اور کیا کیا وہ لکھ گئے ہیں۔ تاکہ ان کو عبرت ہو اور حیرت۔ عورتوں اس خیال سے کہ ہمارے بزرگ کیسے تھے اور ہم کیسے ہیں۔ اور حیرت اس نظر سے کہ بن باتوں کو اس زمانہ میں وہ کفر و کاذب سمجھتے ہیں۔ سد باب رس ہم۔ پہلے پڑے بڑے محقق مسلمان کہہ گئے ہیں۔

اگرچہ اس میں شبہ نہیں ہے کہ تقدیر الہیہ امام نے متفق روایات۔ و تصحیح سنقولات میں بہت توجہ کی اور اس کے لئے نہایت عمدہ اصول و قواعد سے قیاس و سبب۔ اور اس پر عمل کیا۔ لیکن اکثر احادیث اس کا دینیات اور احکام شرعی میں کیا گیا۔ اور گوکہ سوائے چند نامی محققوں کے اور عالموں نے دینیات میں بھی ان اصول و کی پوری پوری رعایت نہ رکھی اور خود اپنی روایتیں بھی ایسی مختلط اور مشتبہ ہو گئیں کہ جن کی تصحیح نہایت مشکل ہے۔ مگر سوائے دینیات کے اور واقعات تاریخی میں تو کچھ بھی رعایت ان اصول کی نہ کی گئی۔ اس لئے پچھلے زمانوں۔ اور پچھلی قوموں اور غیر ملکوں کے حالات جو مسلمانوں نے اپنی کتابیں لکھے۔ وہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو تاریخی واقعات کہا جائے۔ یا قصہ اور کہانی سے زیادہ کچھ بھی ان کا اہمیت بار کیا جائے۔ ایک عام عادت ہمارے مورخوں کی ہے کہ پچھلے زمانہ کی ابتدا اجناس سے کرتے ہیں۔ اور ان کے واقعات کے بیان کرنے میں صفحے کے صفحے رٹتے چلے جاتے ہیں۔ جن کے دیکھنے اور پڑھنے سے افسوس آتا ہے کہ کیونکہ مسلمان مورخوں نے ایسی لغو اور بوج باتوں کا لکھنا جائز سمجھا۔ اور یہ بھی ایک عادت ان کی ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی عظمت و شان ظاہر کرنے کے لئے محال اور غیر ممکن باتوں کو اس خوبی سے لکھتے ہیں کہ گویا فی الواقع وہ واقع ہوئی ہیں۔ لیکن حقیقت ایسی باتوں سے دین اسلام پر سخت الزام آتا ہے۔ اور مسلمانی مذہب بدنام ہوا اور

ہوتا ہے۔ غرض کہ عموماً مسلمانوں میں جو فن تارنچ کا ہے۔ وہ اس قابل نہیں۔ کہ اُسے فن تارنچ کہا جاوے اور جو واقعات اُن میں مذکور ہیں اکثر اس قابل نہیں کہ پھر تاریخی واقعات کا اطلاق کیا جاوے۔ اور اسی سبب سے کہ یہ فن ایسی ذلیل اور اتر حالت پر ہمارے یہاں پہنچ گیا ہے۔ کوئی اُس طرف توجہ نہیں کرتا اور اُسے علم کی محنت۔ چنانچہ نچلے اُن سببوں کے جو مسلمانوں کے منزلات کے باعث ہوئے اُن تارنچ سے واقفیت بھی ایک بڑا سبب ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کے مفید مضامین منتخب کر کے تہذیب الاخلاق میں چھپواؤں چنانچہ بالفعل تارنچ کی حقیقت۔ اور اخبار کی تصحیح کے اصول جو اس کتاب میں تفصیل میں بیان کیے گئے ہیں منتخب کر کے لکھتا ہوں۔

اس نامور عالم نے اول فن تارنچ کی فضیلت اور فواید کو بیان کیا ہے۔ پھر اُن سببوں کو لکھا ہے جو اس فن کو واہی اور غلط اور خیر و مفید کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ فن تارنچ بظاہر تو نہایت آسان ہے۔ اور اُس کا سمجھنا ہر خاص و عام اور عالم و جاهل کو یکساں۔ کیونکہ کچھلے زمانہ کی باتیں اور گذشتہ واقعات کی خبریں اُس سے معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن درحقیقت اُس کے لئے نہایت خور اور فکر درکار ہے تاکہ اُن واقعات کے اسباب دریافت ہوں۔ مشکافِ ملامت واقعہ کیوں ہوا۔ اور اُس کے شروع ہونے کے اسباب کیونکر ظاہر اور پیدا ہوئے۔ اور انجام اس کا کیا ہوا۔ اور کیوں۔ پس درحقیقت فن تارنچ کو ایک عمدہ فن فنونِ حکمت سے سمجھنا چاہیے۔

مگر اگرچہ بڑے لائق مسلمان مورخوں نے تارنچ اور اخبار کو اچھی طرح جمع کیا۔ مگر بعد اُن کے جو مورخ ہوئے اُنہوں نے تارنچ کو نوا اور باطل اور وہمات سے خلط ملط کر دیا۔ اور بہت سی باتیں مہجورہ امیں ملا دیں اور کثرتِ ضمیمہ و رہنمائی ہوئی روایتیں داخل کر دیں اور بہت لوگوں نے جو بعد اُن کے ہوئے۔ اُنہیں نادانوں کی پیروی کی۔ اور اُنہیں جس پر رواتع اور وہی تباہی کہانیوں کو جیسا سنا تھا ہم تک پہنچا دیا۔ نہ واقعات کے اسباب پر غور کیا۔ نہ اُن حالات کی تصدیق اور تنقیح پر توجہ کی۔ نہ یہود و عاتوں کو سچے واقعات سے آگاہ کیا۔ اور نہ انور روایتوں سے تارنچ کو پاک۔ اس لئے تارنچ ایسا فن رہ گیا جہمیتِ حق کہ ہے اور تسبیحِ قصوری۔ اور غلطیاں اور اہامِ ہیبت۔ اور گو کہ تحلیلِ انسان کے لگ و پی میں

سائی ہوئی ہے۔ اور ایک دوسرے کی پیروی کا عادی ہو رہا ہے۔ اور جہاں آدمیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ مگر حق ہمیشہ حق ہے جس پر کوئی غالب نہیں ہو اور باطل ہمیشہ باطل ہے کہ ذرا سی غور و فکر سے اُس کا بطلان ظاہر ہو سکتا ہے۔ ناقول فی نفسہ ناقول ہے جو بیکس نہ صحت و غلطی کے نقل کر سکتا ہے۔ اور غور و تا اور سمجھ بوجھ وہ چیز ہے جو صحت غلطی کو۔ اور خطا اور صواب کو جدا کر سکتی ہے۔ اسے ہے جس سے ہر بات کی اصالت اور جبرئیل کی حقیقت ظاہر جاتی ہے۔

اس کے بعد ایک جہاں اگانہ فصل میں ایک محقق نے اُن باتوں کا بیان کیا ہے موزن کے لیے صحیح تاریخ لکھنے کے واسطے ضروری ہیں۔ اور ان غلطیوں۔ اور اوہ بطور مثال کے تذکرہ کیا ہے۔ جن کو بڑے بڑے موزنین اور مفسرین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور پھر ان سببوں کی تشریح کی ہے۔ جو با شائسی غلطیوں اور اس کے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”جو شخص دینی و دنیاوی باتوں کی تحقیق ہو اُسے فن تاریخ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس فن میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا واجبات سے ہے۔ اول ماخذ کا دریافت کرنا۔ دوسرے اُس پر غور و تامل اور اسکی تصدیق و تنقیح میں ثابت قدم رہنا کہ یہی دو باتیں حق پر پہونچاتی اور لغزشوں اور غلطیوں سے انسان کو بچاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے۔ اور فقط نقل و روایت پر اکتفا کر لیا جائے۔ اور عادت اور سیاست اور دنیا کی طبیعت (نیچر) اور انسان کی سوسائٹی کے مستحکم اصول و مشن نظر نہ رکھے جاویں۔ اور غایب کو حاضر نہ کرے اور گزشتہ کو حال پر قیاس نہ کیا جاوے۔ تو کچھ شک نہیں ہے کہ انسان لغزش سے کمبھی نہ بچے گا۔ اور قدم اسے ماہ دست سے ضرور ٹک جائے گا۔ اور گزشتہ موزنین اور مفسرین اور ائمہ نقل و روایات کے بیان کرنے میں بھی غلطی ہوئی کہ انہوں نے تحض نقل پر بھروسہ کر لیا۔ اور اُس کے عیب و صواب پر نظر نہ کیا۔ نہ اُن کو اصول و قواعد سے جانچا۔ نہ اور نہ دشواہ پر تریاس کیا۔ نہ حکمت و عقل کی کوئی پرکشا نہ خود موجودات کے طبائع و غیر واقف ہوئے۔ نہ غور و تامل اور سمجھ بوجھ کو اُن باتوں کی تحقیق میں داخل کیا۔ اس حق سے بہک گئے۔ اور دہم اور غلطی کے جنگل میں جا پڑے۔ خصوصاً اہل مذہب کے اور اہل اور لشکر کی شامریوں انھوں نے ایسا سبالتو کیا ہے کہ بادی النظر میں معلوم

اور غلط معلوم ہوتا ہے : کیونکہ محقق موصوف نے چند مثالیں اس قسم کے مبالغہ کی لکھی ہیں۔ اور محض بحر اور عقل کی مخالفت سے ان کو باطل ٹھہرایا ہے۔  
اسی تذکرہ میں ایک مقام پر اس محقق نے توریت کی تحریف لفظی کا ذکر کر کے مثل اور محققین کے اس سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے : "وإنما ورد في التوراة والیحيى قد بدلوها على ما هو معروف فالقول بهذا التبديل مرجح عند المحققين وليس على ظاهره لأن العادة ما نفع من اعتاد اهل الأديان ذلك في صحفهم لاهيته كما ذكره البخاري في صحيحه۔"

منجملہ ان وہابی تباہی خبروں کے جن کو محقق موصوف نے بطور مثال کے لکھا ہے۔ ایک وہ خبر ہے۔ جو بنسبت تباہی بادشاہان یمن اور عربیہ عرب کے سورخین تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ وہ یمن سے براہ مغرب افریقہ اور جزیرہ تک اور مشرق کی طرف کے ترک اور بت کے شہروں پر حملہ کرتے تھے۔ اور انقیس بن قیس ان کا بڑا اور پہلا بادشاہ تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یا کچھ دنوں ان سے پہلے افریقہ پر حملہ کیا۔ اور اسی طرح چند اور بادشاہوں کا احوال اور ان کی چڑھان اور حملوں اور لڑائیوں کے حالات مسعودی وغیرہ نے لکھے ہیں۔ ان سب کی نسبت اس محقق نے بڑی چستی اڑائی ہے۔ اور ان لکھنے والوں کو بڑا احمق بنایا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ سب خبریں قصہ گوئوں کی بنائی ہوئی کہانیوں کی طرح ہیں۔ اور حماقت اور سچائی سے بہت دور ہیں۔ مثلاً جو ذکر بادشاہان تباہیہ کے حملوں کا اور ان کی چڑھائیوں کی لکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ وہ محض غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگ عرب کے جزیرہ میں رہتے تھے۔ اور دارالقرآن کا ضما دین تھا۔ اور عرب کے جزیرہ کے میں طرف سے جنوب کی طرف بحر ہند اور مشرق سے بحرہم بحر فارس اور مغرب کی طرف سے بحر سوئس کہ یہ بحر افریقہ کے نقشہ سے پتہ چل سکتا ہے۔ پس جو کوئی یمن سے مغرب کو جائے گا وہ سوائے سوئس کے کوئی دوسری راہ نہیں پاسکتا۔ اور فاصلہ بحر سوئس اور بحر شام کا دوروزہ راسے زیادہ نہیں ہے پس



عاداً غیر ممکن ہے کہ اس راہ سے کوئی بادشاہ اتنا بڑا لشکر لیکر نکلے اور سٹوس پر ہجوم  
کے علاقوں میں ہے قلعہ بن ہو۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ان صوبوں پر عیال تو۔ اور  
شام پر کنفانی۔ اور مصر میں قطیفی بادشاہ تھے۔ پھر مصر کی حکومت عیال کے ہاتھ میں  
اور شام کی بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئی۔ اور کبھی ان بادشاہوں کی تاریخ سے پتہ اس  
بات کا نہیں چلتا کہ تباہوں میں سے کسی سے لڑے یا ان کے کسی صوبہ پر قابض  
ہوئے ہوں۔ بہر حال بہت سی اُرد مقول دلیل میں جن سے ان اُتعات کا جو مورخین  
نے بیان کیا ہے غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ان پرانی کہانیوں کی غلطی اور بناوٹ بیان کر کے متحقق موصوف مفسرین پر  
متوجہ ہوتا ہے۔ اور ان بزرگواروں نے جن کہانیوں کو قرآن کی تفسیر میں بھر دیا ہے  
اور جس کا باقرین سلام پر پہنچتا ہے۔ ان کہانیوں کا وہی تباہی ہونا بیان کرتا ہے چنانچہ  
وہ لکھتا ہے کہ ان سب بیہودہ روایتوں سے بڑھ کر وہ ہے جسے مفسرین نے سورہ  
فجر کی آیہ الم ترکیف فعل ربک بعد ارم ذات العباد کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ کہ  
ارم نام شہر کا تھا جس کے ستون ٹہرے ٹہرے تھے۔ اور عاد بن عرض بن ارم  
کے دو بیٹے تھے۔ شدید و شداد۔ جو اُس کے بعد بادشاہ ہوئے۔ شداد نے جنت  
کی صفت اُس کو اُس کے مثل ایک جنت بنانی چاہی۔ چنانچہ عدن کے جنگلوں میں  
تین سو برسوں میں اُس نے ایک شہر بنایا۔ اور خود اُس کی عمر نو سو برس کی تھی۔ اور  
جو شہر کہ اُس نے بنوایا وہ بہت بڑا تھا۔ دیواریں اُس کی چاندنی سونے کی اینٹ سے تھیں  
اور ستون اُس کے زبرجد و یاقوت سے۔ اور جبکہ وہ بن کر طیار ہوا۔ شداد اپنی سب فوج  
طشکر کے ساتھ چلا۔ جب وہ شہر ایک سن بل گیا۔ تب خدا نے ایسا ایسی ہولناک  
آوارہ آسمان سے بھیجی کہ وہ سب مر گئے۔ اس ایت کو طبری اور ثعلبی اور خشری وغیرہ  
مفسرین نے لکھا ہے۔ اور عبد اللہ ابن قلابہ صحابی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنے  
اونٹ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُس شہر میں پہنچے۔ اور جو کچھ کہ اُٹھا سکے وہاں سے  
جواہرات اُٹھا لئے۔ اور جب یہ خبر معاویہ کو پہنچی۔ انہوں نے عبد اللہ ابن قلابہ کو  
طلب کر کے سارے حال پر چچا پھر کعبہ ہمارے اُس کی تصدیق کی۔ کعبہ جبار نے کہا  
کہ یہ شہر اہم ذات العباد ہے اور اُس میں ایک شخص مسلمانوں میں سے آپ کے زمانہ میں

داخل ہو گا سرخ رنگ - پست قد - جس کی ابرو اور گردن پرتل ہوگا - اور وہ اونٹ کی  
 تلاش میں اٹل پیچھے گا - پھر جب انہوں نے ابن قلابہ کو دیکھا - تو کہا کہ قسم ہے خدا کی  
 یہ وہی آدمی ہے انتہی - اس نقل کو لکھ کر تحقیق موصوف لکھتا ہے - کہ ”اس شصہ  
 کی خبر کج رنگ کبھی سنی نہیں گئی - نہ یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچی - کہ زمین کے کسی  
 ٹکڑے پر ایسا شہر آباد ہے - اور عدن کا میدان جہاں ایسے شہر کا بننا گمان  
 کیا جاتا ہے - وسطین میں واقع ہے - اور برابر اس کی آبادی چلی آتی ہے - اور مسافر  
 اور سیاح تمام ملکوں سے وہاں آتے جاتے رہتے ہیں - لیکن کوئی نے ایسے شہر کی  
 خبر نقل نہیں کی - نہ کسی اور قوم نے اس کا حال بیان کیا - پس اگر یہ کہا جاتا کہ یہ شہر برلین  
 ہو گیا - اور اس کے آثار باقی نہیں رہے - تو زیبا تھا - مگر اُن کے کلام سے تو یہ  
 معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک موجود ہے - اور بعضوں کا ہدیان یہاں تک پہنچ گیا  
 ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ شہر نظر سے غائب ہے - اور صرف ساحر اور اہل یا صنت  
 اُس کو دیکھ سکتے ہیں - یہ سب باتیں از قبیل خرافات و مضحکات ہیں - اور یہ ہو گا  
 صرف لفظ ذاتِ عباد کے سبب سے ہوا ہے جس کی وجہ سے ان نادانوں کو یہی  
 حکایتوں کے بنانے کی ضرورت ہوئی جو نقل بنائے ہوئے قصوں کے ہے - ورنہ اگر  
 عمارت سے ستون ہی مراد لیے جائیں تو وہ صفت قوم کی ہے - کہ بوجہ اُن کی قوت کے اس  
 صفت سے اُن کو موصوف کیا - نہ یہ کہ مراد اُس سے کوئی خاص عمارت ہو - پس کچھ  
 ضرورت نہیں ہے کہ ایسی وہی کہا جائے جو بنائی جاویں - اور خدا کی کتاب کی آیتوں کی  
 توجہ کے لیے ایسے محامل اعیانہ تلاش کیے جاویں جن سے وہ ہر طرح سے پاک اور منزہ  
 ہے - اور اسی قسم سے دیور قہ قہ اور صحرا و صحلا سہ کے مدینۃ الخاس کی روایتیں ہیں جن کو  
 محققہ گوئیوں نے بنایا - اور طبایع عالم کے نہ جاننے سے عالموں نے ایسی لغو روایتوں کو  
 لے کر لیا - اور اسی قسم سے وہ روایت ہے جو حبشیوں کے سیاہ رنگ ہونے کی نسبت  
 کی جاتی ہے کہ وہ حام ابن نوح کی اولاد ہیں - اور نوح کی بددعا سے حام کی اولاد کا  
 رنگ کالا ہو گیا - حالانکہ تورات میں تو اتنا ہی لکھا ہے - کہ نوح نے دُعا کی کہ اُس کی اولاد  
 اپنے بھائیوں کی غلام ہو - لیکن پھر لوگوں نے رنگ کی سیاہی بھی اُس میں بڑھا دی -  
 لیکن یہ بھی طبایع کا کائنات کی ناقصیت کا سبب ہے - اگر وہ ہوا کے مزاج اور حرارت

کی تائید پر واقف ہوتے تو ایسا غلط خیال نہ کرتے ۔ پھر تحقیق مسعودی پر ہوتا ہے  
 اور کہتا ہے کہ آپ باوجود بے علمی کے عقلی تحقیق پر بھی متوجہ ہوئے ہیں ۔ اور حبشیوں کی  
 خفت قتل ۔ اور پیش و عقبہ کے سبب لکھنے پر آمادہ ۔ مگر وہ باتیں لکھی ہیں کہ نہ جن کی کوئی  
 دلیل ہے نہ زبان نہ جس کے کچھ جاہل ۔ محقق موصوف نے اپنے مسل میں یہاں حکومت  
 اور دولت کے ضعف و قوت کے اسباب بیان کیے ہیں وہاں نبی ٹبری علماء توں  
 اور دنیا کی ٹبریں ہیں جو جو اس وقت موجود ہیں ۔ مثل شہر شمال مغرب ۔ اور ابوہریرہ  
 کے بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ ٹبری ٹبری ہیکلین اور عجیب عمارتیں صرف قوم کے  
 دو تہہ اور صاحب قوت ہونے سے ہیں ۔ مگر موصوف نے ہجاء عالم کی ناواقفیت  
 سے ان عظیم الشان عمارتوں کے بنانے والوں کے ہم وقتہ وقت کو بھی ایسا ہی ٹبرا اور  
 عجیب سمجھا ان کے لئے ایک روایت گزرتی اور عی و ارمہ اور موصوف اور کفاروں کے  
 جسموں کو یہ بیان کیا جن کے کشتے تہیت جاتی تے ۔ پناچہ دہکتے ہیں کہ عوج  
 بن حناق ایک شخص قبیلہ ماضہ تے تھا جس سے نبی نہ مل سکا ۔ وہ ایسا  
 دلیل قیامت تھا کہ سند کی تہت بھی نہ تھا ۔ مگر کتاب پر کھ بھون تے ۔ ان بزرگواروں  
 نے اپنے اس صاحب پر یہ انسان کی کیفیت کی نسبت نہ کیا ۔ میں تو مستزاد کیا جو وہ  
 اس کا ایک کے ساتھ سے لکھتے تے ۔ یہ قرب کی گزری کو اس کے قرب و بعد پر منحصر جاتا اور  
 یہ نہ سمجھے کہ کتاب فی نفسہ نہ مذہب نہ ملامت ۔ اس کے بعد طاعنی جب ۔ یہ دے پڑتے  
 ہیں تو نہ اس ہو کر مر کر کے میں جو طعنی جس نے ملی جولی تے ۔ اور بنی بعد زمین سے  
 ہوتا جاتا ہے ۔ تنی ہی گرمی کہ ہوتی تے ۔ اور اسی بن عوج بن حناق کو ہم عبد بنی اسرائیل  
 کا لکھا ہے اور بنی اسرائیل کا بدم اور ان کا قد و قامت ویسا ہی متعجب کہ ہمارا ہے ۔  
 اور بیت المقدس کے دروازے اگر یہ وہ بعد غروب ہو جانے کے پھر بنے میں بگاڑی  
 شکل اور ان کا طول و عرض قریب قریب اسی کے ہے ۔ اس زمانہ کے لوگوں کے قد و قامت  
 پر شاہد ہے ۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کچھ بہت تفاوت اور بڑا فرق ہلوگوں کے  
 قد و قامت سے نہ تھا ۔ تو یوں کہہ سکتا ہے کہ ایک شخص بنی اسرائیل کا ہم عبد ایسا  
 طویل القامت ہو ۔ یہاں طبیعت فطرت کے برخلاف ہے ۔ مگر سبب اس غلطی  
 یہ ہوا کہ جب مورخوں نے ان عمارتوں کو بہت لٹا چڑھا پایا تو وہ اس کے اسباب کے

دریافت پر متوجہ نہ ہوئے۔ اور قومی دولت اور قوت پر نیاں لٹکیا۔ بلکہ بنانے والوں کے جسم اور ان کے قد و قامت کو ایسا بیان کیا۔ جن سے ایسی عمارتوں کا بنانا ممکن ہو اور سعودی نے ایک اور غلطی کی ہے۔ اور فلاسفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ سوکھ و سحر کے کوئی اس کا مستند نہیں ہے۔ یعنی اوروں کے قانون فطرت کے ان کے جسموں اور عسروں کا بڑا ہونا ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ان کی قوت اوروں کے مقتضائے طبیعت کے کامل ہونا بدھتی ہے۔ اس لیے وہ اور جسم بڑے ہوتے تھے۔ جیسے جیسے زمانہ بڑھتا گیا وہ قوت گھٹتی گئی۔ اور اس کا مادہ کم ہوتا گیا۔ اور اسی طرح آئندہ روز بروز قوت کم جاکے گی۔ حالانکہ یہ محض ایک غلط اور پوچھ رائے ہے۔ کبھی کوئی فلسفی ایسی حماقت کی بات نہ کہے گا۔ نہ اسپر کوئی دلیل ہے۔ نہ یہ مسئلہ قانون فطرت کا ہے۔ بلکہ بالکل مشابہہ کے برخلاف ہے۔ کیونکہ ہم کہوں کے گھروں۔ اور ان سے دروازوں۔ اور زمین کی لمبوں کو ان کی بنائی ہوئی عمارتوں میں جو اب تک یادگار اور موجود ہیں۔ ایسے ہی اس کو قریب قریب اپنے زمانہ کے پائے ہیں۔ اور باوجودیکہ زمانہ بہت کمزور ہوتا ہے۔ مگر وہ ہم عمر میں کچھ زیادہ کمی نہیں ہوئی جس سے ہم خیال ہیں کہ زمانہ کے گذرنے سے عمر و جسم میں کمی ہوئی ہے۔ جیسا کہ سب سے ظاہر ہے اور یہ وہ احوال علم فطرت کی انا واقعیت کے نتیجے میں اس لیے ایسے خباثت کے بانچنے میں سب سے اول علم فطرت کی موافقت اور موافقت کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اسی قسم کی جستجو باتیں نہ کرنا بہتر ہے۔ ورنہ یہ ثابت ہے کہ کہاں تک اسے معلوم ہوں۔ کیونکہ ایسی باتوں اور ایسی باتوں میں اسے بڑے متوجہ اور علیٰ مشہورین کے باتوں کو لگا گئے ہیں۔ اور وہ اسے تحقیق و نتیجہ اس قسم کی باتوں کو ماننے لگے ہیں۔ اور سب گنہگار بن کر رہے اور عقل و تدبیر کو برباد دینے سے بے محنت و فکر ان کو تسلیم کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ کثرت بتا رہی ہے جی ہاں سے بھری ہوئی ہیں۔ یہاں تک اس خرابی نے فن تاریخ کو بالکل ہی اور پوچھ کر دیا۔ اور غلط اور سچ باتوں کی اس میں اس درجہ آمیزش ہو گئی کہ اس کا دیکھنے والا دل لالہ و کھیر میں پھنس جاتا ہے۔ یعنی محنت و غلطی کی تمیز نہیں کر سکتا۔ اور اسی سلسلے میں اس کی کچھ وقعت نہ رہی۔ پس اب صریح کو ضرورت اس کی ہے کہ حکومت کے قاعدوں۔ اور درجات کی بلعیتوں۔ اور قوموں اور ملکوں کی مختلف حالتوں

اور اگلوں کے اخلاق اور عادتوں۔ اور رسموں۔ اور مذہبوں۔ اولیسی ہی تمام باتوں کا  
اصلی علم حاصل کرے۔ پھر اپنے زمانہ کی موجودہ حالتوں کو اُن سے ملاوے۔ اور اُس پھر پہلی باتوں کی  
قیاس کرے۔ اور جو اختلاف اُس میں پایا جاوے اُس کی وجہ و اسباب پر غور کرے۔ اور  
سلطنتوں۔ اور حکومتوں۔ اور مذہبوں کے پیدا ہونے۔ اور اُن کی ترقی و قوت پانے کی  
علتوں کو بنظر تامل دیکھے۔ اور اُن کے بانیوں۔ اور پھیلانے والوں کے حالات تحقیق کرے  
تاکہ ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا اصلی سبب لوم ہو جائے۔ مگر مشیہ لھا اس کا رکھنا چاہیے کہ جو خبر سے  
یا جس بات کا علم حاصل کرے۔ اُسے سننے ہی سچ نہ جانے بلکہ قواعد اور اصول سے اُن کا  
استحان کرے۔ اگر اُن کے موافق پاوے۔ قبول کرے۔ ورنہ اُس پر خطر دیکھنے۔ اس کے  
بعد محقق موصوف تاہیج کی حقیقت بیان کر کے جھوٹے اور غلطی کے اسباب بتاتا ہے۔ چنانچہ  
وہ لکھتا ہے۔ کہ اُن سببوں میں سے ایک سبب رائے اور مذہب ہے۔ کیونکہ حسب  
انسان کا نفس اعتدال کی حالت پر ہوتا ہے تو خبر کی تحقیق کر کے سچ کو جھوٹے سے جدا  
کر سکتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سے کسی رائے یا کسی مذہب کا معتقد۔ اور اُس طرف مائل ہو تو مقتضاً  
طبیعت یہ ہے کہ وہ اُن خبروں کو سنتے ہی قبول کر لیتا ہے۔ جو اُس کی رائے اور مذہب کے  
موافق ہو ورنہ مذہبوں پس وہ اعتقاد اور سیلان اُس کی بصیرت کی آنکھ کا پردہ ہو جاتا ہے  
اور تحقیق اور تعقید سے باز رہتا ہے اس لئے جھوٹی بات کے قبول کر لینے اور پھیلانے کے  
نقل کرنے کی مصیبت میں پڑ جاتا ہے۔ اور دوسرے سبب اُن کی اعتماد ہے۔ یعنی نقل و  
روایت کرنے والوں کو سچا سمجھ کر اُن پر بھروسہ کرنا۔ اور اُن کی خبر کو لائق متعجب نہ سمجھنا۔ اور  
تیسرے سبب مقصود و مردست غفلت کرنا ہے۔ چنانچہ کثرت نقل کرنے والے اور راوی ایسے ہیں  
کہ جو مقصود اور راوی پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا۔ اور بیاہ اپنے گمان  
میں غلط سلبا سمجھے اُسے نقل کر دیا۔ اور مقصود یہ خیال رکھنے سے سچ کا جھوٹ ہو گیا۔ یعنی بات  
تو کچھ تھی اور راوی کچھ سمجھے۔ اور اپنی ہی سمجھ کے موافق روایت کرنے لگے۔ اور چونکہ سبب  
غور و احتیاطی اور حسن ظن ہے۔ اور اُس کا اصلی باعث نقل و روایت کرنے والوں پر اعتماد  
اور بھروسہ کر لینا ہے۔ اور پانچواں سبب حقیقت اور حلیت کی تحقیق نہ کرنی۔ اور غریب اور خوا  
ادب و سخن کی باتوں کو نادانی سے مان لینا ہے۔ چنانچہ کثرت نقل و روایت کرنے والوں نے  
جیسا دیکھا ویسا نقل کر دیا۔ مگر انہوں نے اصلیت پر نظر نہ کیا کہ وہ بات حقیقت میں ایسی تھی

بلکہ فی نفس اُس کی اہلیت اور کچھ تھی۔ اور چٹواں سبب خوشامد اور چاہیسی ہے۔ اور ان سببوں سے بڑھ کر تاریخی واقعات میں جھوٹ کے رواج پانے کا بڑا سبب طبائع موجودات و خیر کی واقفیت ہے۔ کیونکہ دنیا میں جو چیز موجود ہے۔ اور آئندہ ہوتی جاتی ہے۔ اُسکی کوئی خاص طبیعت ضرور ہے۔ جو اُس کی ذات اور اُس کی حالتوں سے مخصوص ہے جس میں کسی طرح فرق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ خیر کا بدلنا یا قانون قدرت کے خلاف کچھ ہونا غیر ممکن ہے) پس اگر سننے والا موجودات کی طبیعتوں اور ان کے خواص اور مقتضیات سے واقف ہوگا۔ تو ضرور اخبار کی منفع میں اُس کا لپی لڑکھیکا۔ اور جب وہ کسی خبر کو مخالف اُس کے پائیکا فوراً غلط سمجھ لےگا۔ اور جب سننے والے کو ان باتوں کا علم ہی نہ ہوگا وہ غیر ممکن اور محال خبروں کو قبول کر لےگا۔ اور ان خبروں کی نقل و روایت میں اُسے کچھ پس و پیش نہ ہوگا۔ جیسا کہ سعودی نے سکندر کی خبر لکھی ہے۔ کہ جب دریائی جانور اسکندریہ کے بنائے سے اُسکو مانے ہوئے۔ تو اُس نے ایک لکڑی کا تابوت بنایا۔ اُس کے اندر شیشے کا صندوق رکھا۔ اُس میں خود بیٹھا اور ہر کی تہمت غوطہ لگایا۔ وہاں اُن شیطانی جانوروں کی تصویریں بنائیں۔ اور اُن کی سورتیں تلنے پتیل سے بنا کر بنیاد کے محاذی رکھ دیں پس اُن صیہروں کو دیکھ کر وہ دریائی جانور بھاگ گئے۔ غرض کہ سعودی نے ایک لبنی اور بیہودہ خرافات کہانی کو صرف اپنی بے علمی کے سبب سے مان لیا۔ اگر قطع نظر اور باتوں کے جو بادی نظر میں اس حکایت کے پوچ اور بیہودہ ہونے پر شاہد ہیں۔ اگر صرف اس بابت کا علم ہوتا کہ جو ذی حیات صندوق میں بند ہو کر غوطہ لگا لےگا۔ اور دیر تک پانی کی سطح پر رہے گا۔ تو بے نفس طبیعی کے اُس کا جینا محال ہے۔ تو کبھی اس حکایت کو نقل نہ کرتا۔ اس حکایت کے بعد اور چند کہانیاں سعودی نے خیر کی اس تحقق سے نقل کر کے اُس پر افسوس کیا ہے اور کسی کو عقل کے برخلاف۔ اور کسی کو خیر کے مخالف۔ اور کسی کو واقع کے برعکس یا کر علیٰ اور ہاں اور خرافات بتایا ہے۔ اور آخر پر اُس نے صاف لکھا ہے کہ اگر موجودات اور مخلوقات اور دنیا کی آبادی غیر باتوں کا علم ان مورخوں کو ہوتا تو کبھی ایسی کہانیاں کتابوں میں لکھتی جاتیں۔

ایک ثابت حکیمانہ اور متفقانہ اصول ان مورخین نے اخبارات کی تحقیق میں لکھا ہے کہ عالم کی طبیعت یعنی خیر کا جاننا اخبارات کی تنقیح کے لیے سب سے زیادہ ضرور ہے۔

اور راویوں کی تعدیل پر مقدم ہے۔ پس ہم حسبِ ہر کوشش پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ ہم بتائیں کہ یہ خبری نفسہ ممکن ہے یا ممکنہ۔ اگر معلوم ہو کہ اس کا ہونا محال ہے۔ یعنی وہ نہیں ہو سکتی۔ تو کچھ فائدہ نہیں۔ کہ ہم راویوں کی تعدیل پر ترجیح کریں کیونکہ اصل دانش نے یہ اصول بٹھرایا ہے۔ کہ وہ خبر ماننے ہی کے لائق نہیں ہے جو فی نفسہ محال ہو۔ کہ اس میں ایسی تاویل کی گئی مناسبت ہے جسے عقل قبول نہ کرے۔ پس راویوں کی حجج و تعدیل کی کیا ضرورت ہے۔ اس راویوں کی تعدیل و ترجیح شرعی خبروں کی صحت کے لیے ضرور ہے۔ کیونکہ ہر خبریں شریعت کی وہ ہیں جو احکام اور علیات سے متعلق ہیں۔ اور جن میں اولیٰ اور نہایت کا اور شارع کے احکام کا بیان ہے۔ ایسی خبریں کی تصدیق کے لیے غرض کافی ہے۔ اور صحت ظن کے لیے راویوں کی عدالت و ضبط پس ہے۔ لیکن وہ خبریں جو واقعات سے متعلق ہیں ان کی تصدیق کے لیے مستلزم تہ بہ تہ ضرور ہے۔ اور اس لیے ہم پر واجب ہے کہ اول سب سے یہ دیکھیں۔ کہ اس کا واقع ہونا فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں۔ اور یہ دیکھنا راویوں کی تعدیل سے زیادہ ضروری اور مقدم ہے۔ کیونکہ احکام کے لیے نقطہ خبر کافی ہے۔ اور واقعات کے لیے مطابقت واقع سے بھی ضرور ہے۔ پس اخبار اور واقعات کے جھوٹ و سچ میں تمیز کرنے کا اصلی اصول امکان۔ اور استحالة ہے۔ پس اگر ہم انسان کے مجمع اور دنیا کی آبادی۔ اور موجودات کی طبیعت۔ اور اس کے عوارض ذاتی پر نظر کر کے کسی حسبِ محال محال سمجھیں۔ اسے جھوٹا جانیں۔ ورنہ اس کی تصدیق کے لیے راویوں کے حالات دریافت کریں۔ اگر ہم اس اصلی اصول پر جس کی صحت میں ذرا شک نہیں ہے خبروں کی جانچ کریں۔ تو ضرور ہم غلط خبروں کے قبول کرنے سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو حکایتیں یا روایتیں موزعینِ مکہ گئے ہیں۔ ان کی صحت و غلطی اس اصول پر بخاطر کھنسنے سے سمجھ سکیں گے۔

جو کیفیت اخبار کی اس محقق نے بیان کی۔ اور جو اصول اس کی تنقید کے قرار دیے کون ہے کہ اس سے انکار کرے گا۔ اگرچہ ہر زمانہ میں محققین اہل اسلام نے اس طرف توجہ کی۔ اور اخبار اور تاریخ کی درستی میں کوشش۔ اور اب تک ان کی نیا کوشش کے آثار بھی باقی ہے۔ مگر ایسا نہ اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ جس میں پورے بیانی ہوئی ہو۔ اور عموماً صحیح تاریخ نے رواج پایا جو۔ بلکہ نصیبی سے اور علوم حکمیہ کی ترقی نہ

پانے سے متعین کی کوششوں کا پورا اثر نہ ہوا۔ اہل دست فاشین نے یہاں تک  
 ہو سکا۔ اُن کی کتابوں و تحریروں کو شائع نہ ہونے دیا۔ پناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ اور سیر  
 کی صد ہا کتابیں مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ مگر محققین اہل اسلام کی عمدہ اور متقی تحقیقات  
 کا کچھ نشان نہیں۔ اور بغیر یورپ کے محققین کی اعانت کے ہم اُن کی کتابوں اور  
 تحریروں سے واقف نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ بات تعجب کی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر قارئین  
 زنجیر تقلید ایسی محققانہ تحریروں کو باز ادبی شائع اور شہر ہونے دیتے۔ تو ان کا عنکبوتی  
 کارخانہ قائم نہ رہتا۔ اور تقلید کی غلامی سے مسلمان کبھی کے آزاد ہو جاتے۔ مگر جو زمانہ گذر  
 گیا۔ اُس میں اخبار اور تاریخ کی غلط یا غیر متبصر ہونے نے بہت نقصان اسلام کو نہیں  
 پہنچایا۔ اور سوائے اس کے کہ اُن قوموں کے نامور موزوں کی طرح انہوں نے قدیم مانہ  
 کی تاریخ لکھنے اور واقعات تاریخی کی تصحیح میں نام نہیں پایا۔ دین و مذہب پر بد اثر اس کا  
 نہیں پہنچا۔ اس لیے کہ اُس وقت عموماً مذہب اور خیال اور علم اور مذاق سب کا ایک  
 تھا۔ اور ایک ہی طریقہ سے مذہب کی حمایت اور اسلام کی اشاعت جاری تھی۔ پس  
 ہر ایک غلط اور صحیح نہ جس میں کوئی حیرت۔ اور بوجہی باہمی جاتی۔ یا جس سے  
 کوئی بات عزت و شان ملی پیدا ہوتی بے عذر مان لی جاتی۔ اور عوام الناس اس سے  
 معذور یا کراہت یا حرج عادت سمجھ کر فوراً ایمان لے آتے۔ اور گو وہ خرد دروے عقل  
 عقل اور فطرت کے کیسی محال و غیر ممکن ہوتی۔ لیکن اُس کی تصحیح اور تنقید نہ کرتی۔ کیونکہ  
 جاہل فقیہوں کے پاس ہر خیال اور غیر ممکن الوقوع واقعہ کے امکان کے لیے اُن کے غلط  
 خیال میں خدا کا کلام موجود تھا۔ جو بات عقل میں آتی۔ سادگی سے اُس پر ایمان لے آتے۔  
 اور کہہ دیتے کہ ان اللہ علیٰ کل شیء قدير یا لیس ذلک من اللہ ببعید۔ مگر زمانہ جو چل رہا  
 ہے۔ اُس میں اخبار اور تاریخ سے غفلت کرنا۔ اور بے تحقیق و تصحیح کے اُن کا مان لینا۔ نہ  
 مسلمانوں کے لیے مضر ہے۔ بلکہ اثر اُس کا مذہب اسلام پر پہنچتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت  
 مختلف مذہب۔ اور مختلف خیال۔ اور مختلف مذاق والوں سے اُس کا مقابلہ ہے۔ اور ہر مذہب  
 اور خیال اور مذاق کو علم اور عقل و حکمت سے مدد اور اعانت پہنچتی ہے پس اس لیے  
 نازک زمانہ میں اگر ہم مسلمان غلط اور غیر صحیح اخبار سے جو علم اور عقل و حکمت کے مخالف  
 ہوں۔ اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرے کا مقابلہ کریں۔ تو ظاہر ہے کہ اُن کا نتیجہ



کیا ہوگا۔ اگرچہ ہکواپے تمام اخبار اور تاریخی واقعات کی تنقید کی حاجت ہے لیکن جن اخبار اور تاریخی واقعات مذہب سے علاوہ رکھتے ہیں ان کی تنقیح تو اسپر فرض میں ہے جو اسلام کا حامی اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہو۔ کیونکہ دنیا کی تاریخ اور قدیم زمانہ کے واقعات کی تنقیح کے شکل کام سے موزین یورپ نے ہلکوسٹینی کر دیا ہے۔

اخبار جن کو مذہب سے تعلق ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک متعلق احکام شریعت کے۔ دوسرے غیر متعلق اس سے۔ پہلی قسم کے اخبار کے تسلیم کے لیے غلطی ثبوت کافی ہے۔ اور محدثین اور فقہا متحققین نے ایسے اخبار کی تنقیح بھی بدرجہ غایت کی ہے۔ مگر دوسری قسم کے اخبار کی تصدیق کے واسطے ثبوت یقینی درکار ہے۔ اور محدثین اور فقہا نے بھی ان کی طرف زیادہ اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ بڑے بڑے اماموں نے صاف کہہ دیا ہے۔ "اذا روينا في الحلل والحرام وغيرها شردنا واذا روينا في الفضائل ونحوهما تساهلنا"۔

وہ اخبار اور اقوال جن میں طبائع موجودات۔ اور حقائق اشیاء کی تشریح یا تفسیر ہے اکثر تفسیروں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ان میں سے ایسے کم ہوں گے جن کے غلط سمجھنے اور باطل کہہ دینے میں کچھ بھی تامل کیا جائے کیونکہ حقائق اشیاء اور طبائع کائنات سے بحث کرنا شائع کے منصب بعید ہے جیسا کہ روح اور اوطاع کے سوال کے جواب میں کہا گیا۔ اور نیز مزید یہ بات کہنی جو عقل اور فطرت کے بر خلاف ہو شان سے انبیاء کے بعید ہے۔ اور آئندہ کلام اور معتقین اہل اسلام اسے تسلیم کر چکے ہیں۔

"کما قال الامام الاشعري ان الرسل صلوات الله عليهم لم يخبروا بما تحجب العقول ونقطع باستحالة الى قوله وكل خبر ينفي العقل غيبه خلافه لا يخلو ما ان يكون الخبر كذا با عليهم لو يكون ذلك العقل فاسداً" اس قسم کے اخبار اگر ان کی منبداً وہی النظر میں کسی صحابی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ مگر متحققین نے تصدیق کر دیا ہے کہ وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مثلاً اکثر مفسرین نے آسمانوں کی حقیقت میں لکھا ہے کہ پہلا آسمان ایک روکی جلی مروج ہے اور دوسرا حقیر کاغذ اور تیسرا لوہے کا وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی طرح کہا ہے کہ مٹائی ہر ایک کی اور فاصلہ ایک کا دوسرے سے پانسو برس کی ماہ کا ہے۔ یہ سب غیر معتبر اور ہنسنے کی باتیں ہیں۔ جیسا کہ

امام لاہوری قسیر میں لکھتے ہیں کہ "وما عداها من الوجوه المتقوله من اهل التفسير  
 فذلك من جملة ما ياباها العقل مثل ما يقال السموات السبع اولها موج مكثف  
 وثانيها صخر وثالثها حديد ورابعها نحاس وخامسها فضة وسادسها ذهب و  
 سابعها ياقوت وقول من قال بين كل واحد منها مسيرة خمسمائة سنة وغلط  
 كل واحد من هذا كذا لا غير معتبر عند اهل التحقيق :- اي قيل ہے جو تمثیلاً  
 بیان کیا گیا ۔ ورنہ صدائے اخبار اور روایتیں آسمان اور زمین اور چاند اور سورج اور ستاروں اور  
 دریاؤں اور پہاڑوں کی حقیقت کی نسبت ایسی بیان کی گئی ہیں کہ اگر وہ سب جمع کی جائیں تو  
 نہایت عمدہ رسالہ فکریات اور طبیعیات اور جغرافیہ کا ایسا تیار ہو کہ اہل یورپ بھی محو حیرت  
 ہو جائیں ۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ابتدائیں عدم حقایق اشیا کا شایع نہ تھا ۔ اور فلسفہ یونانیوں کا جو  
 کسی قدر مسلمانوں نے سیکھا ۔ وہ قیاسی و ردیہنی تھا ۔ اور سبب تواتر اشکال کے عوامل اس  
 فلسفہ سے بھی ناواقف تھے ۔ اس لئے منسبین کو موقع تحقیقات حقایق اشیا کا غلط  
 اور جو نام آسان اور زمین شنیدہ کے قرآن مجید میں مذکور تھے ۔ ان کی حقیقت دریافت کرنے  
 پر متوجہ ہوئے ۔ مگر بوجہ واقفیت کے علوم عقلی سے وہم اور خیال میں پڑ گئے اور ان  
 کہانیوں و روایتوں کو جو یہودیوں کی تفسیروں ۔ اور مالمود یعنی حدیثوں میں بھری ہوئی تھیں  
 یا ان کے عالموں کی زبانوں پر تھیں سچ مانا ۔ اور اپنی تفسیروں اور مذہبی کتابوں میں  
 لکھ لیا ۔ اور آخر کار وہ غلط خبر اور جھوٹی روایت ایک غلط خیال و باطل مذہبی عقیدہ بن گیا  
 اسپر گتیت اور جوی کہ وہ روایت و رخنہ بعض بزرگواروں نے امام یا صحابی یا پیغمبر کے طرف  
 مستند کر دی ۔ اور آئندہ انیوالی نسلوں کو دھوکہ میں ڈال دیا ۔ مگر متعقبن اہل اسلام نے ان  
 دھوکوں کو کھول دیا ۔ اور ایسی پوچھ پچھ روایتوں پر خط نسخ کھینچ دیا ۔ لیکن گرفتارانِ بلائے  
 تقلید اب تک اُس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں ۔ اور خوش اعتقاد ہی و حزن من ان کی حمایت  
 کے پانوں کی بربخیر ہے ۔

ایک یورپی عالم نے اپنے ایک لکچر میں ہندوں کی نسبت بیان کیا تھا کہ ہندو جو علم  
 حقایق اشیا کی تحصیل اعتراض کرتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُس علم کے باعث ان کا مذہب  
 لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے ۔ اس لئے ایک ہندو یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اُس کے بیٹے علم خیر

کی تحصیل کریں کیونکہ کسی تربیت یافتہ ہندو کا اس وقت اپنے مذہب پر اعتقاد نہیں رہ سکتا جبکہ علمی تحقیقاتوں کے ایسے ثبوت سے جو اس کے مذہب کے برخلاف ہو اور حواس ظاہری اس کو تسلیم کرتے ہوں واقف ہو جائے۔ اگر غور کیا جائے تو مسلمانوں پر بھی یہ مضمون ویسا ہی صادق ہے جیسا کہ ہندوؤں پر۔ کیونکہ وہ بھی غلط اخبار اور پوچ پچ روایات سے ایسے غلط خیالات اور باطل عقیدہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ علم و حکمت کی روشنی دیکھ نہیں سکتے۔ اور علم کو یہ کہ سچے سچے سائل کے شائع ہونے سے اپنے وہمی و فرضی مذہب پر قائم نہیں رہ سکتے۔ مگر مسلمانوں کے ان باطل خیالات سے اصل اسلام کی سچائی اور حقیقت میں کچھ داغ نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ جب ایسی غلط اور بے اصل روایتوں اور حکایتوں سے مذہب فی نفسہ پاک ہے تو ان کی غلطی کا اثر اصل مذہب پر نہیں پہنچ سکتا۔ ان مسلمانوں پر جو ان اخبار و اقوال کو کالو جی المنزل من السماء سمجھتے ہیں اس کا بدار اثر پہنچتا ہے۔ چنانچہ کون ہے دنیا میں جو ایسے مسلمانوں کو ہندو نہیں کہتا۔ اور ان کو تعصب اور اولاد کا پتلا نہیں سمجھتا۔

یہ خیال کہ گوئی معتبر اور غیر مستند آئیں ایسی لغویات سے مملو ہیں مگر معتبر اور مستند کتابیں تفسیر و سیر کی ان لازم سے پاک ہیں صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو کتابیں تفسیر و سیر کی معتبر اور مستند سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں بھی بہت سے اخبار اور اقوال، تاریخ اور جغرافیہ اور طبائع کا ثبات کے مخالف موجود ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اور نیشاپور کی غیر معتبر تفسیر پر بھی اس سے ثبوت نہیں ملتا۔ معاملہ التنزیل اور نیشاپور کی وغیرہ تفسیریں کو غور سے دیکھا مگر اس الزام سے ان کو بھی پاک پایا۔ اور لطف یہ ہے کہ بعض روایتوں کی تصدیق اور تائید کے لیے کوربت سے بھی سند پیش کی گئی ہے۔ مثلاً معاملہ التنزیل میں وجدہا تعزب فی عین حمتہ کی تفسیر میں اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کہ سچ و جھوٹ آفتاب لیل میں ڈوبتا ہے کعبہ حبار سے نیز نقل کی گئی کہ کوربت میں بھی ایسی ہی لکھا ہے کہ کما قال نجد فی التورۃ انہا تعزب فی ماء و طین۔ اگر کوئی اہل کتاب پوچھے کہ کہاں ہے یہ روایت۔ تو یہ روایت تو کیا جواب ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ حرف متوہا و بدل متوہا۔ اسی سبب سے اور بہت سی لغو روایتیں ہیں۔ مثلاً وجد عند معاقومہ کی تفسیر میں مفسر موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو تھکاس کے باہ ہزار دروازے تھے اگر اس کے

باشندوں کا شور و غل مٹے نہ ہوتا تو آفتاب کی آواز سنائی پڑتی !! سبحان اللہ سبحانہ  
سبحان اللہ وبحمدہ۔

اس سے بڑھ کر یاجوج و ماجوج کی روایت ہے کہ جو حضرت خذیفہ سے مرفوعاً نقل کی گئی ہے۔ کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں ہیں۔ ہر ایک قوم میں چار لاکھ گروہ ہیں۔ اور جب تک ہر ایک شخص اپنی اولاد کو دوسرے ایک ہزار جوان بٹیا بند نہیں دیکھ لیتا نہیں مرنے والا کیا عجب ہے۔ ان اللہ علی کل شیء قدير۔

اس سے بڑھ کر وہ روایت ہے۔ جو ان کے قد و قامت کی نسبت کی گئی ہے جبکہ آگے گل بکا ولی کے دیوؤں کی بھی حقیقت نہیں۔ یاجوج و ماجوج تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا طول ایک سو بیس گز ہے۔ دوسرے وہ جن کا طول دویس گز ہے۔ یعنی ایک سو بیس گز لمبے ایک سو بیس گز چوڑے۔ اور کسی پھاڑ کی ان آگے حقیقت نہیں۔ تیسرے وہ جو ایک کان پنا بچھاتے ہیں اور ایک اوڑھتے ہیں۔ اور باقی اور سوراخ کتنا وغیرہ کوئی وحشی جانور ان کے سامنے آوے اُسے چٹ کر لیتے ہیں !!! شکر خدا کا اس اخبار کے نقل کرنے والوں اور لکھنے والوں کو اس قوم نے نہ دیکھا۔ بڑائی اس قوم کی تو سن لی۔ اب ان کی چھوٹائی بھی سن لیجئے۔ کہ حضرت علیؑ کے راوی ٹھہرائے گئے ہیں۔ کہ بعض ان میں سے ایسے چھوٹے ہیں کہ ان کا طول باشت بھر سے زیادہ نہیں۔ اب اس عجیب و غریب قوم کی پیدائش کی تاریخ بھی سن رکھئے کہ حضرت کعب احبار اُس کے مورخ قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک روز نہت آدم کو اسلام ہوا۔ اور نطفہ ان کا شئی میں مل گیا۔ اُس سے خدا نے یاجوج و ماجوج کو پیدا کیا پس یہ قوم بے مان کے پیدا ہوئی ہے !!!۔ افسوس افسوس افسوس۔ کہ بنارس یہاں کی مشہور اور معتبر تفسیروں میں یہ خرافات اور ضحکات بھرا ہوا۔ اور ہم اب تک ان کی تصدیق کو ایمان اور تویب کو کفر سمجھیں بغاوت بر ویالونی لا لباب ان ہذا شئی عجاب۔ علامہ ان اخبار کے جو حقائق اشیا اور طبائع موجودات سے علاوہ رکھتے ہیں ایک قسم کے اور اخبار اور روایات ہیں جن کی تحقیق اور منہج ضرور ہے۔ یعنی وہ جو سیر کی کتابوں میں منقول ہیں اور جن میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اقوال اور افعال اور اخلاق اور عادات اور عذرات کا بیان ہے۔ کیونکہ ہر مذہب کی حقیقت و بطلان کے لیے بانی مذہب

کی سیرت ایک عمدہ دلیل ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں زہری اور ابن اسحق اور ابن مشام اور  
واقدی اور طبری بڑے ناقل اور مؤرخ ہیں۔ لیکن ان کی روایتیں اور سب سے پہلے تصدیق  
اور تنقید اور تصحیح کی محتاج ہیں۔ اور ان کی تصحیح و تمیز کے ذریعے اب تک ہمارے پاس  
موجود ہیں۔ جن سے ہم ضعیف کو قوی سے اور غلط کو صحیح سے جدا کر سکتے ہیں۔

اس بحث کو نہایت عمدہ طرح سے مولوی سیاح جھٹا صاحب نے خطبات احمدیہ  
میں۔ اور نشتی چراغ علی صاحب نے اپنی بنے نظیر کتاب موسوم بہ تعلیقات میں لکھا  
ہے اور علمائے اہل اسلام اور علمائے اہل یورپ کے ہر قسم کے قولوں کو نقل کر کے  
بہت عمدہ طرح سے داد و تحقیق دی ہے۔ اس زمانہ میں وہ تحریریں منتجع اخبار اور صحیح روایات  
کے لئے نہایت مفید ہیں۔

اگرچہ اس مختصر بیان سے جو اوپر کیا گیا۔ تاہم کچھ حقیقت و اخبار میں جھوٹ و غلطی کے  
ذرائع بننے کے اسباب کسی قدر معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر ہر روز ضرورت اس کی ہے کہ تاریخ  
اور دقیق مضمون ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے۔ تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانوں نے غلط  
غیر صحیح تاریخ اور اخبار اور روایات کا کیوں نقل و قبول کر لیا۔

حال یہ ہے کہ اسلام کے ظاہر ہونے سے پہلے اہل عرب سلیم و فزیریت۔ تہذیب و  
شائستگی سے محض بے بہرہ تھے۔ مدت سے ان کے مذہبی خیالات بھی نہایت تیرہ  
تاریک ہو گئے تھے۔ جس وقت اسلام کا ستارہ طلوع ہوا۔ اس وقت کل ملک  
پر جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی۔ کوہستانی عرب کے شمالی حصے۔ اور ملک شام۔ سبطینہ  
کے بادشاہ کے قبضہ میں تھے۔ بحر قزحہ کے ساحل کا ایک حصہ مکہ معظمہ کے جنوب تک  
حبشہ کے ایک عیسائی بادشاہ کی حکومت میں تھا۔ صبیح فارسی کنارے اور وہ ملک حبشہ  
دیا گئے و جزائر و جزیرے تھے۔ اور ملک بزریرہ نامے عرب کے جنوبی حصے۔ کیا انہوں  
کے ملک میں شامل تھے۔ ان ملکوں کے رہنے والے یا عیسائی تھے یا آتش پرست  
یا یہودی۔ اور کچھ شہر آزاد اور خود مختار عرب بتوں اور سیاروں و درجنات اور مختلف قسم  
کے دیوتاؤں کو بھی پوجتے تھے۔ ان تمام مذہبوں میں اگر کوئی مذہب عمدہ ہو سکتا۔ تو  
یہودیوں اور عیسائیوں کا تھا۔ مگر اس وقت یہ دونوں مذہب نہایت درجہ بخراب تھے۔  
یہودیوں میں مواعے بناوٹ اور نخوت اور قساوت قلب کے کچھ باقی نہ تھا۔ ان کے

اجار اور فقہار اور مفسرین اور محدثین نے مذہب کا دار مدار فقہہ گوئی اور رسموں کی پیروی پر سمجھ رکھا تھا۔ عیسائیوں کی کیفیت تھی کہ پادریوں نے اپنے مکر اور دغا بازی اور جھوٹ اور دنیا طلبی سے مذہب کو بالکل خراب کر رکھا تھا۔ مضموعی روایتوں اور جھوٹی نقلوں اور وضعی کہانیوں اور باطل کرامتوں اور غلط معجزوں کے بیان کرنے کے سوائے اُن کا کچھ کام نہ تھا۔ بہت سی بدعتیں ان میں جاری تھیں۔ گنڈے۔ توذیر۔ جھاڑ پھونک۔ جالوں کے گرد گھومنے والی باتیں۔ میت پر سچ تھیں۔ پادریوں نے آپس کے مباحثے اور مناقشے اور مناظرہ سے اصلی مذہب کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ان کے سوائے عرب کے جنگلوں میں جاہل اور مجنون۔ اب کثرت سے نفرت آتے تھے۔ پس جب یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کی کیفیت تھی تو اہل عرب کو جن کے برے باہوی اور استاد۔ عیسائی اور یہودی تھے۔ کیا ذریعہ خاکہ وہ اپنے علم۔ اپنے مذہب۔ اپنے خیالات کے روشن کرنے میں ان کو بھی ہوئی شمعوں سے کچھ روشنی حاصل کرتے۔ اور سوائے اُن باتوں کے جو اُن مذہبوں کے قصہ گوئیوں سے سناتے تھے۔ کسی شے کی حقیقت سے واقف ہوتے۔ ایسے خراب و زاریک بنائیں نہ لے اُس پاک زمین کو محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اسلام کا نور اُس میں بھلایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔

اسلام کی برکت سے اہل عرب کے خیالات بالکل بدل گئے۔ اُن کی طبقتوں میں نئی کیفیات پیدا ہو گئیں۔ عیسائیوں۔ اور یہودیوں اور بت پرستوں کے بے دستور اور بیہودہ قاعے سے سب مٹ گئے۔ لیکن جو یا زمانہ گزرتا گیا اُس صفائی اور سادگی میں اسلام کے پھر پرانے خیالات۔ اور پرانے ستوروں کی آمیزش۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں کے اخبار اور مراسم کا دخل ہو گیا۔ چنانچہ نسبت داخل ہوئے غلط اخبار اور غیر صحیح روایات۔ یہاں اسلام کی تفسیر میں محقق ابن خلدون لکھتا ہے کہ متقدمین گنجی تھیں اور روایتیں صحیح اور غلط اور مقبول اور مردود قبول سے بھری ہوئی تھیں۔ اور سب اس کا یہ ہے کہ عرب نہ تو اہل کتاب تھے۔ نہ صاحب علم۔ بلکہ محض وحشی و اہل قبیل تھے۔ جب وہ ان چسپوروں کے جلسے کے شائق ہوئے۔ جن کا شوق نفوس انسانی

کو ہوا کرتا ہے۔ مثلاً مخلوقات کے پیدا ہونے کے اسباب۔ دنیا کے پیدا ہونے کی ابتدا  
 پیدائش کے بعید۔ خلقت کے اسرار۔ تو وہ اہل کتاب سے جو ان سے پہلے تھے پہچنے  
 پر مجبور ہوئے۔ اور اہل کتاب یا یہود تھے۔ یا نصاریٰ جو کہ ان باتوں میں یہودیوں کے  
 پیرو تھے۔ یہ دونوں فرقے اُس زمانہ میں مثل عرب کے جنگلی اور وحشی ہو رہے تھے  
 اور صرف سُنی سنائی باتیں جانتے تھے۔ ان سب میں شہور اور نامور حمیر تھے جو یہودی  
 ہو گئے تھے۔ جب پیمان ہو گئے۔ اُن کے دلوں میں وہ اخبار منقولات جن کی احکام  
 شرعی سے لچم لچم نہ تھا۔ اپنی احوالات پر باقی رہے۔ چنانچہ کعب جبار۔ وہ سب بن سب  
 عبد اللہ بن سلام وغیرہ انہیں میں سے ہیں۔ پس انہیں کی روایتوں و منقولات سے سیریں  
 بھر گئیں۔ اور چونکہ پرانے واقعات اور دنیا کی پیدائش کی کیفیت۔ اُس کے اسرار و ذہنیات  
 انہیں نہیں جن کو احکام شرعی سے متعلق تھا۔ اور اُس کی تحقیق اور متعجب عمل کرنے کے لیے ضرور  
 ہوتی اس لیے مفسرین نے یہ باتیں میں تسامح کیا۔ اور انہیں انہوں سے اپنی تفسیر و  
 بھر دیا۔ اور جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں۔ اصل ناانسان وایتوں کے وہی یہودی سب تو ریت  
 ہیں جو عرب کے جنگلوں میں اُسے پھرتے تھے۔ اور جن کو خود تحقیق اُن روایتوں و انقلوں  
 کی اپنے طور پر بھی نہ تھی۔ مگر بعد اسلام کے جب وہ وہابین و مذہب میں بڑے مقام پر پہنچے  
 اُن کے علم اور فضل کا راز بلند ہوا اور شہداء و نامہ زد گئے۔ اس لیے اُس وقت وہ روایتیں  
 جو اُن پر متواتر تھیں قبول کر لی گئیں۔ مگر جب پھر سلسلہ تحقیق اور تنقیح پر متوجہ ہوئے تو  
 انہوں نے ان لغویات کو چھانٹ دیا۔ اور بوجھ تھا۔ سب کو سے لیا۔ جیسا کہ ابو محمد ابن عبید نے  
 (جو علامہ متاخرین سے عرب میں ہوا) کیا۔ کہ اُس نے بہت سے تفسیر و چھانٹنے اُن روایات  
 کے تالیف کی۔

یہ عمدہ اور فیصلہ کن جو اس محقق نے کیا۔ اس سے نہیں سمجھ سکتا ہے۔ کہ ہماری تفسیروں  
 کی روایتوں اور آؤ نقول کا کیا حال ہے۔ اور اسلام اُن کی غلطیوں کا کس قدر  
 ذمہ دار ہے۔

چال تفسیروں کی روایات کا ہے۔ اب باقی نہیں وہ روایتیں جو اسی قسم کی احادیث  
 میں منقول ہیں۔ اُن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اکثر محققین نے ایسی روایتوں کی تحقیق کے  
 غلطیاں ان کی ثابت کر دی ہیں۔ اور اکثر کا اُن میں بوضوح اور غیر متوجہ ہونے کا اقرار کیا ہے

اولاً اگر غور سے خیال کیا جاوے تو ایسی حدیثیں جن میں تاریخی واقعات یا اخبار قصص طبایع عالم کی کیفیت مخلوقات سے بحث ہو۔ بہت کم نکلیں گے جو صحت کے دعوے پر پہنچے ہوں۔ یا نتیجہ اور تحقیق کے وقت ضعیف ہونا ان کا ثابت نہ ہو۔ مفسوس ہے کہ اب تک ہمارے زمانہ میں پڑنے خیال کے ملا یہودیوں کی کاسٹریسی پر جان دیتے ہیں۔ اور ان غیبی صحیح۔ غلط۔ خلاف عقل روایتوں کو جن کی صحت کا تو ارا سلام کے غلط ہونے کا مستلزم ہے اب تک صحیح کہہ رہے ہیں بلکہ ان سے استدلال و راستہ کرتے ہیں۔ جو شخص نادر الافاق دیکھتا ہو گا اور اسائن۔ زمینوں۔ اربابوں کی تحقیق کا علم ان روایتوں سے حاصل کرنا ہو گا وہ اس سے ناواقف ہو گا کہ یہ مبارک پر چلے اس میں کہ اسلام عقل اور علم کے مخالف ہے کیونٹی شش سمجھ رہا ہے۔

کشت ران لوگوں کو جو درجہ تحقیق پر نہیں پہنچے نیک نیتی سے یہ شبہ ہوتا ہو گا کہ آج اور مقولات اور روایات غیر شیعہ راویوں میں کیونکہ دخل پایا۔ اور ان کا انکار ایک مسلمان کو کثرت میں ہے۔ لیکن جو ذرا بھی اس پر غور کریگا۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ خیال محض دھوکا ہے۔ سلام میں نہ ہزار ہا لوگوں کا عالم ہونے۔ جن کے خیالات۔ جن کے عقاید۔ جن کے ارادے۔ جن کی خواہشیں۔ جن کی طبیعتیں مختلف تھیں۔ کوئی ان میں سے تحقیق کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا۔ کوئی دھوکہ اور غلطی کے عین میں گرے۔ میں گرا کسی نے نیک نیتی سے حق کی تحقیق میں کوشش کی۔ کسی نے انسانی خواہشوں سے باطل نظر پر جرات کی۔ پس ان تمام مختلف خیالات مختلف مزاج مختلف طبیعت والوں کی عقل و روایت کا الزام اسلام نہیں اٹھا سکتا۔ اور شخص کی تصدیق اور تائید کی غرض سے سچا مسلمان اسلام کو جھوٹا نہیں ٹھہرا سکتا۔ ہاں سلام کسی بات کا ذمہ وار ہے جو اسلام کے بانی نے فرمائی ہو۔ اور جس کے فرمانے کا شہوت یقین کے درجہ پر پہنچا ہو۔ اور مسلمان اس کی انکار اور مذہب کا وہ ہے جس کا ہونا علم و تحقیق ایک پہنچا ہو۔ چنانچہ اہل فروع کی تحقیق کیلئے اگلے مجتہدین اور محققین نہایت سختی سے روایات کو قبول کیا اور جس کو تعدیل و ترمیم سمجھا تو مسائل اصولی کی ترمیم اس عملہ آگال الزم کیوں کیا جا جو ترمیم و تصحیح اور طبایع عالم۔ اور تاریخی واقعات کے مخالف ہوں۔ ان کی تصدیق سے اسلام کا ابطال کیوں کیا جائے۔ کیا خبر کھسا ہے محقق ابن خلدون نے۔ کہ جو لوگ بعض مجتہدین پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کو حدیث کا علم نہ تھا۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت کیا گیا ہے۔ کہ سترہ



حدیث سے زیادہ روایت اُن کی نہیں ہے۔ یہ غرض اُن کا صحیح نہیں ہے۔ حدیث کا  
 کم روایت کرنا اُن کی احتیاط کا مقتضی تھا۔ انھوں نے بسبب اُن مطاعن اور جوہر کے  
 جن سے حدیث کی صحت میں شک ہوتا ہے۔ کثرت سے حدیثوں کو روایت نہیں کیا۔  
 اور اُن کے اجتہاد نے حرج کو مقدم سمجھ کر ضعیف روایتوں کے قبول کرنے سے باز رکھا چنانچہ  
 امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کے قبول کرنے میں بہت احتیاط کی۔ اور روایت کی شرطوں میں بہت  
 سختی کی۔ چنانچہ انھوں نے یہ اصول پھر بیان کیا کہ حدیث یقیناً نقل کے برخلاف جو ضعیف  
 ہے اسی احتیاط اور سختی سے ان سے کم حدیثیں منع ہیں۔ کما قالہ الامام ابو حنیفہؒ  
 اما قلت روایت ما شدہ فی نہ و طالی و ایثہ و الخجل ذاتہ تعجب و ضعف الحدیث  
 اذا صار العقل القطعی فاما تصعب رواۃ نقل ما۔ شہ بلا انہ ترک روایت الحدیث  
 متعمداً لئلا شاہ من ذلک۔

غرض کہ اس میں سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ انباء اور روایات اور تاریخ میں قول اُن غلطی  
 نے یہ ذکر فرمایا ہے۔ اور نہ ہی کتابوں میں یہ غلط روایتیں کیسے حرج ہو گئیں۔ اس موقع پر میں  
 اشارہ کرتا ہوں کہ اُن انباء اور روایات کا کچھ بیان کروں جو درجہ اول پر پہنچی ہوئی معلوم  
 ہوئی ہیں جن میں ایسے وہ بیان ہیں۔ چنانچہ نمبر اُن کے برسی مشہور و معروف ہوئے ہیں۔  
 امام مہدیؑ کے بیان کی گئی ہے۔ اُس کی نسبت یہ بحثیں ہوتی تھیں کہ تمام اہل  
 اسلام میں یہ بات مشہور ہے کہ اخیر زمانہ میں ایسے شخص نہیں ہیں جس سے خدا ہو گا دین اور  
 عدل اور حکومت کو ترقی دینے والا اُس کا اہل جو کا مدعی اور اُس کے پیچھے دجال غر فوج  
 کریگا۔ اور حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے۔ اُن کی صحت و طرح سے تسلیم کی گئی  
 ہے۔ ایک بلند ان اخبار کے جو اسباب ہیں۔ انہیں حدیث سے متصل کیے ہیں۔ دوسرے پر دلیل  
 اُن اقوال کے جو اہل تصوف نے اپنے کشف سے بیان کی ہیں۔ اس محقق نے دونوں دونوں  
 سے بخوبی بحث کی ہے۔ چنانچہ تمام اُن حدیثوں کو جو اس باب میں ترمذی اور ابوداؤد اور  
 ترمذی اور ابن ماجہ و حاکم و طبرانی اور ابوالعلیٰ موصلی وغیرہ نے بیان کیا ہے نقل کر کے  
 ایک ایک پر حرج کی ہے اور ان میں سے اکثر حدیثوں کو وہی وضعی و غیر عربی یا غیبی  
 قابل یقین ٹھہرایا ہے۔ اور قبل اس کے کہ وہ ایک ایک حدیث کے راویوں پر حرج کرے  
 یہ اصولی مسئلہ اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔ کہ حرج تبدیل پر مقدم ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ

شأن المعروف عند أهل الحديث أن الحرم مقدم على التعديل فاذا وجدنا طعناني  
بعض رجال الاسناد لضعف او سوء حفظ او نلته ضبط او ضعف او سوء رائے تطرق  
ذلك الى صحة الحديث واوهن منه “

یحقق لکھتا ہے کہ جو احادیث امام مہدی کی شان میں نقل کی گئی ہیں ان میں سے کچھ  
ملائے اور غلو کیا گیا ہے کہ ان کے ظہور کا منکر کا فوٹہ ادا کیا ہے۔ جیسا کہ ابوبکر اسحاق نے  
نور ایدہ الاخبار میں روایت جابر بن عبد اللہ سے کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
من کذب بالمہدی فقد کذب بالرجال فقد کذب۔ اسکو نقل کر کے  
یحقق لکھتا ہے کہ ”وحدیدک ہذا علواً۔ تمام حدیثوں کو جو اس باب میں وارد ہیں  
نقل کر کے اور ہر ایک پر جمع کرنے کے بعد جبر پر تحقیق لکھتا ہے کہ ”ہذہ جملة الاحادیث  
التي خرجها الأئمة في شأن المهدي وخر وجہ اخر الزمان وهي كما رایت ولم یخلص  
منها على النقد الا القليل والاقول منه “

دوسری سند یعنی ان اقوال کی نسبت جو اہل تصوف نے اپنے کشف سے بیان کیے  
ہیں یحقق لکھتا ہے کہ ”انکے اہل تصوف اس باب میں کچھ خواص نہ کرتے تھے۔ ان کا کلام  
مجاہد نفس اور تہذیب خال اور ترک تکیف پر منحصر تھا۔ اہل امامیہ اور شیعہ امامت کے بارہ  
میں بہت غلو رکھتے تھے۔ چنانچہ ان میں ایک فرقہ اسماعیلیہ پیدا ہوا جس میں سے بعض  
تو ظہور حلول کے آئیم کی الوہیت کے معتقد ہوئے اور بعض ان قسم شاخ عصمت کے قائل  
اور بعض ایک امام کے ظہور کے منتظر ہوئے۔ ان مختلف خیالات کے ظاہر ہونے کے  
بعد شاخین اہل تصوف نے کشف میں کلام کرنا شروع کیا اور جو چیزیں جو اس سے دریافت  
نہیں ہو سکتیں اُس کے اوراک کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ بعض حلول اور وحدت کے قائل ہوئے  
اور یہ قول ان کا مشابہ شیعوں کے اُس قول کے تھا جو وہ الوہیت آئیم اور حلول کی نسبت  
بیان کرتے تھے۔ اور بعض قطب و دلیل کے۔ یہ قول ان کا حقیقت نقل امامیہ کے اُس  
قول کی تھی جو وہ آئیم اور نقباء کی نسبت کہتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ان تہر فین نے شیعوں  
کے قولوں کو لیا۔ اور اپنے طور پر اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ یہاں تک کہ اپنے طریقوں کی  
سند بھی پہنچا دی۔ جیسا کہ غرق کی نسبت کہا ہے کہ حضرت علی نے صن بصری کو پہنایا۔ ۱۔  
ان سے اس طریق کی پابندی کا عہد لیا۔ اور اس طرح سلسلہ سلسلہ حضرت جنید بغدادی

مک پہنچا۔ لیکن یامر گر صحیح نہیں ہے۔ اور کوئی ایسا طوقہ مخصوص حضرت علیؑ نے جاری نہیں کیا۔ بہر حال اُدھر تو فرقہ ساعیلیہ نے۔ اور ابھر صوفیوں نے اُس متطرف فاطمی امام کی نسبت بہت سی روایتیں اپنی اپنی کتابوں میں اپنے طور پر مجہ دیں۔ اور آپ نے دوسرے سے انھیں وکلاہ مبینی علی اصول و اہمیتہ عن الغرہ دیکھیں۔“

ان دونوں سندوں یعنی اخبار و کشف کی خطیباں ظاہر کر کے یہ سورج ایک اور قیصر ہو کر دلیل نقل کرتا ہے۔ کہ بعض لوگ عجمیوں کی باتیں پر ایسے امام کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ایسے اعتقاد رکھنے والے کشتہ برقعہ و تہ نوہین میں چڑھا نچوہ ابن عربی حاکمی نے کتاب غنا و مغرب میں۔ اور ابن قتیبہ نے کتاب خلع غلیلیں اور عبدالحق ابن سعید اور ابن ابی دؤیل نے شرح خلع غلیلیں میں اس قسم کی باتیں لکھی ہیں مگر ان کو زرقم یہیلیوں اور کہاوتوں کے سمجھنا چاہیے۔ اور ان میں بعض نے زمانہ بھی امام کے ظہور کا مقرر کیا ہے جیسا کہ ابن ابی کتبشہ کے ظہور کا ٹیکون بعد مضیٰ خ ف ج من الهجرة۔ اس حساب سے ظہور اس امام کا ساتویں صدی کے اخیر میں ہونا چاہیے تھا۔ جب یہ زمانہ گزر گیا۔ اور امام ظاہر نہ ہوئے تو بعض متقلدین نے تاویل شریعی کی اور کہا کہ مراد اس نامہ سے زمانہ برائش ہے نہ زمانہ ظہور اللہ بعضوں نے یہ بھی گمان کیا ہے کہ دجال مسکوتہ محمدی میں غرور کرتے گا۔ اور محمدی سنا کا حساب روز وفات آنحضرت صلیم سے کرتے ہیں۔ غرض کیا اسی طرح مشائخ امام کے ظہور کا زمانہ بڑھاتے آتے ہیں۔ اور بشارتیں اور غائبانہ کتب سے کہتے ہیں۔“

اس قسم کی روایتوں و اقوالوں اور کہانیوں اور یہیلیوں کو تفصیلاً بیان کرتے کرتے آخر کو یہ محقق عاجز ہو کر کہتا ہے ومن امثال هذا کثیر یعیذون فی الوقت والرجل والمکان فی نقضی الزمان ولا اصل شیء من ذلک فی رجوع التحدید برای آخر منحل کما تراه من مفہومات لغویۃ و اشیاہ تخشلیۃ و احکام نجومیۃ فی هذا القضاۃ اعمال اولیٰ منہم و الاخر۔

آخر کار اس شہور قول کی نسبت ایک عمدہ مودخانہ نے اس محقق نے دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حدیثیں و بشارتیں جو کچھ امام آخر الزمان کی نسبت تھیں۔ وہ سب بقدر اپنی طاقت کے میں بیان کر چکا۔ مگر تصدیق کا میرے نزدیک یوں ہے کہ کوئی دعوت دین کی مہیا ساخت و حکومت کی پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ شوکت اور مصیبت نہ ہو

یہ نہ کہ شوکت اور عہدیت ہی نرا حسرت کو دفع کرتی ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ قاب طہیین  
 بلکہ قریش کی شوکت و عصیت دنیا میں باقی نہیں ہے۔ اور تمام جہان سے اُن کا غلبہ و رعب  
 جاتا رہا ہے۔ اور سوائے حجاز کے وہ لوگ شہروں میں منتشر اور پریشان ہو رہے ہیں۔  
 ہر ایک اُن میں سے اپنی جدی رائے اور جدا خیال لکھتا ہے۔ پس اگر کوئی اُن میں سے دعوت  
 کرنے والا ظاہر ہو تو ضرور ہے کہ قاب طہیین کی شوکت اور عصیت پھر قائم ہو۔ اور خدا تک  
 متفق قوم کے دلوں کو اُس کی اطاعت پر متفق کرے۔ اس کے سوائے اور کوئی صورت  
 ظہور کی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسی نبی فاطمہ کا زمین کے کسی ٹکڑے پر ظاہر ہونا بغیر عصیت  
 اور شوکت کے بیکار محض ہے۔ اور فقط نسب کا اُس کے کام پورا کرنے کے لیے کافی  
 نہیں ہے۔ کیونکہ ہم یہودیوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی دولت بے شوکت و  
 عصیت اور قوم کے اتفاق کے قائم نہیں ہو سکتی۔ اور جو لوگ بغیر اُن اصول پر نظر کرنے  
 کے استغفار ظہور کا کرتے ہیں اور حقیقت پر نظر نہیں رکھتے وہ نادان ہیں۔ چنانچہ بعض کو  
 یہاں تک خطبہ کہ وہ اُس کی زیارت کو غاروں تک جاتے ہیں اور اپنی نادانی سے  
 تباہ اور ہلاک ہوتے ہیں لکھا قال ولقد یقصداک الموضع کثیر من ضغائن العقول  
 للتلبیس بدعوة تمتد النفس تمامها وسواساً وحمقاً وقتل کثیر منہم۔

## دوسرا ریویو

مقدمہ

## تاریخ ابن حسلون پر

اس سرخ نے تاریخ کی حقیقت اور اخبار کی تنقیح کے اصول بیان کر کے باقی کتاب کو  
 چھ فصلوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل جغرافیہ عالم کے بیان میں۔ دوسری فصل وحشی قوموں  
 کے حالات۔ تیسری فصل خلافت اور سلطنت اور اُس کے مراتب اور لازم کی تشریح میں۔  
 چوتھی فصل تمدن کی حقیقت میں۔ پانچویں فصل صنعتوں اور پیشوں اور حرفوں کے بیان میں۔

چھٹیوں فصل علوم اور اُن کے تحصیل کے طریقوں کی تفصیل میں۔ پہلی فصل میں کئی مقدمے ہیں۔ پہلے مقدمہ میں نہایت خوبی سے انسان کا مافی الطبع ہونا اور اُس کی زندگی اور بقا کے لیے بہت سے بنی نوع انسان کی مختلف قوتوں کے یکجا جمع ہونے کی ضرورت ثابت کی۔ دوسرے مقدمہ میں مین کی آبادی اور دیوؤں اور نہروں وغیرہ کا اجمالاً اور ساتوں ولایت کے جغرافیہ کا تفصیلاً بیان ہے۔ ہم اس فصل کے اُن دونوں مقدمہ کا انتخاب لکھنا اور اُس پر رائے دینا ضرور نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس تمام فصل کے مضامین کا مدار بطلیموس کے جغرافیہ پر ہے۔ اور خاص اس موعخ نے کتاب نزمۃ المشتاق سے جو کہ علوی۔ اریسی۔ حمودی نے جو اب راجہ پادشاہ صقلیہ کے لیے تالیف کی تھی کل مضمون اخذ کیا ہے۔ اہم بات ظاہر ہے کہ زمانہ حال کی تحقیقات سے اُس کا ناقص یا غلط یا خیر کامل ہونا بخوبی ثابت ہو چکا ہے اور یہ بات اس فصل کے تیسرے مقدمہ میں اس موعخ نے نہایت عمدہ بیان ہوئی تاہم اس کا جو انسان کے رنگوں اور اُس کی حالتوں پر ہوتا ہے کیا ہے۔ اور اگرچہ بقا مداس نامہ کی تحقیقات کے وہ بیان ناقص ہے مگر ملحوظ اُس نامہ کے نہایت تعریفیہ لائق ہے۔

و لکھتا ہے کہ ”جو ولایتیں مشرقی و جنوبی کے بیچ ہیں۔ اُن کی ہوا معتدل ہے۔ اس لیے چوتھی اقلیم سب زیادہ معتدل ہے۔ اور تیسری اور پانچویں قریب معتدل ہے اور دوسری اور چھٹی غیر معتدل۔ اور پہلی اور ساتویں اعتدال سے بالکل دوسرے سمت چوتھی اور تیسری اور پانچویں لایتوں میں علوم اور صنایع اور حیوانات اور مکانات اور لباس اور جو کچھ اُن میں ہے نہایت خوب اور عمدہ ہے۔ اُن کے رہنے والوں کے قد و قامت سڈول۔ رنگ وپ اچھے۔ اخلاق عادات پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اہم تمام چیزیں میں اُن کی شایستگی پائی جاتی ہے۔ کیا عمارت و مکانات ہیں۔ اور کیا لباس پوشاک ہیں۔ اور کیا کھانے پینے اور غذا ہیں۔ اور کیا کاریگری اور صنعت ہیں۔ و سنگ نشی خوب جانتے ہیں۔ تعمیر کے فن میں بڑی دستگاہ رکھتے ہیں۔ نئے نئے آلات اور کھوں کا بنانا خوب ہے۔ سونا چاندی لوہا لائکہ تانبا وغیرہ قدرتی معنیات کو کام میں لانا بخوبی جانتے ہیں۔ اپنے معاملات میں چاندی سونے کے سکہ استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ اہل مغرب اور شام اور عراقین اور سندھ اور چین اور اندلس اور جو اُس کے قریب  
 قریبستان کا ملک ہے اُن سب میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ بر خلاف اُن ولایتوں کے  
 پہلی اور دوسری اور چھٹیوں اور ساتویں ولایت کا حال ہے کہ تمام باتیں اُن کی غیر متدل  
 اور ناموزوں ہیں اُن کے گھر مٹی اور سرکنڈے کے۔ اُن کی غذا جوار اور ساگ پات  
 اُن کی پوشاک تہخت کے پتے یا جانوروں کی کھال۔ اور اکثر بالکل اہم نہ اور ننگے اور  
 اُن کی داؤد ستدا اور محالہات میں چاندی سونے کے سکے کا نام نہیں۔ اخلاق اور  
 عادات اُن کی بے زبان میونو کی سی۔ یہاں تک کہ اکثر حبشی اقلیم اول کے رہنے والے  
 پہاڑوں اور کھوؤں میں رہتے ہیں اور خود رو گھاس کے سہارے جیتے ہیں۔ بلکہ  
 جعبین ان میں سے ایسے وحشی ہیں کہ ایک دوسرے کو کھاتے ہیں۔ وہ دین اور علم سے  
 بے خبر ہیں۔ اُن ان ولایتوں میں سے بعض ملک مثل یمن اور بلاد حجاز اور یمامہ اور جو  
 اُس کے متصل جزیرہ عرب سے ہے اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ جس کے تین طرف  
 سے سمندر اس کو گھیرے ہوئے ہے اب وہ اُس کی کسی قدر عقل ہو گئی ہے۔  
 اس محقق نے اس قدر میں اوزیر چوتھے اور پانچویں مقدمہ میں دونازک اور دقیق  
 مسکوں سے بحث کی ہے۔ ایک یہ کہ آدمیوں میں اختلاف رنگ کا کیا باعث ہے۔  
 دوسرے ہوا اور غذا کا انسان کے بدن اور اُس کے اخلاق پر کیا اثر پہنچتا ہے چنانچہ  
 یہ دونوں مسئلے اُس نے اپنے وقت کے موافق بنایت خوبی سے بیان کیے ہیں مگر  
 ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ حالت کے لحاظ سے کامل نہیں ہیں چنانچہ ہم دونوں مسئلوں  
 کا کچھ کچھ ذکر کرتے ہیں۔

پہلے مسئلہ کی نسبت یہ متفق کہتا ہے کہ اختلاف رنگ کا باعث صرف سورج کی شعاعیں  
 ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”جن ملکوں کے باشندوں کے سروں کو آفتاب سال میں دو دفعہ  
 گرم کرنا دیتا ہے۔ ان ملکوں کے رہنے والے کالے ہوتے ہیں۔ اور جو ملک سرد ہیں۔  
 اور جہاں آفتاب کی شعاعیں ترچھی پڑا کرتی ہیں وہاں کے رہنے والے سفید رنگ ہوتے  
 ہیں اس زمانہ کے حکمائے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ بس ملک میں آفتاب  
 کی شعاعیں زیادہ سیدھی پڑتی ہیں وہیں کے آدمی کالے ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی  
 اُن کا رنگ بہت زیادہ سیاہ ہوتا ہے۔ جو کہ کھلے ہوئے میدان میں دھوپ میں کاح

کرتے ہیں لیکن فقہ ہی ایک سبب اختلاف رنگ کا نہیں ہے۔ بلکہ اقسام سبب بھی اُس کے ہیں۔ چنانچہ اسی دلیل پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ اگر آفتاب کی شعاعیں رنگ کے سیاہ کرنے کی اصلی وجہ ہیں۔ تو کیا سبب ہے کہ ایک کیمہ جو سال میں کئی مہینوں تک سورج نہیں دکھتی۔ رنگ اُن کے سانولے ہوتے ہیں۔ بیجا بائیس یہ بیان کیا گیا کہ اُن لوگوں کے ملک کی خاصیت اور اُن کا طریق زندگی بھی اُن کے رنگ پر موثر ہے۔ ایک کیمہ کے ملک والے اگرچہ کئی مہینوں تک سورج نہیں دیکھتے مگر کئی مہینے تک اُن پر سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے۔ اور سورج کے چمکنے کے بعد وہ ملک زمین کے اندر گرم تر خانوں میں جہاں خالص ہوا کا نام نہیں ہوتا رہتے ہیں۔ اور غذا بھی نہایت ناقص ناقص کھاتے ہیں۔ پس درحقیقت اُن کی ناقص غذا اور غلبہ فقر زندگی کا اُن کے خون کو سُرخ نہیں ہونے دیتا۔ جس کے اثر سے اُن کا بدن بھی مریض سفید ہو۔ غذا کو بھی رنگ پر اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ چین اور جاپان والے جیسی غذا کھاتے ہیں۔ اور ایسے طور سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہ صفر زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ وہ مادہ خون کی طرف رجوع اور اخراج اُس کا جگر کی راہ سے نہیں ہوتا کھال کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور اسی بیٹے چینی اور جاپانی زرد رنگ ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے رنگوں کا اختلاف موردی بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ تحقیقات سے ثابت ہو چکا کہ کہ صدائوں میں اختلاف رنگ کا موردی ہے۔ مگر اس میں یہ امر متفق طلب ہے کہ اختلاف رنگ میں آیا خون زیادہ موثر ہے یا ہوا۔ مگر آب و ہوا کا موثر ہونا زیادہ ماننے کے لائق ہے چنانچہ جزیرہ لنکا میں کبھی زان میں قوم ٹوچ کے اور پرنگال کے آدمی رہتے تھے۔ اور اب تک اُن کی بہت سی نسلیں وہاں موجود ہیں۔ مگر مثل اپنے آباؤ اجداد کے گورے نہیں ہیں۔ اسی طرح امریکہ کی ریاست متفقہ میں اینگلو سکسن کی نسل کے جو لوگ آباد ہیں اُن کے رنگوں میں بھی فرق آگیا ہے۔

ہوا کی صفائی اور لطافت اور انسان کی محنت بھی رنگ پر موثر ہے۔ چنانچہ پہاڑ کے اوپر رہنے والوں کا رنگ بغلہ گھاٹیوں اور میدانوں میں رہنے والوں کے زیادہ صاف ہوتا ہے۔ مقام پیر و میل دی جس قدر سمندر کی سطح سے اونچے رہتے ہیں اُتنا ہی اُن کا رنگ صاف ہوتا ہے۔ شیلر کے پہاڑی ضلعوں کے رہنے والے بالکل سفید ہیں۔

کی طرح گودے ہوتے ہیں۔ اور چونچے میدانوں میں بدو و باش کرتے ہیں وہ اکثر گندمی رنگ ہوتے ہیں۔ ایشیا کی بھی یہی کیفیت ہے۔ کہ جو لوگ ہمالیہ پہاڑ کے دکن کے ملکوں میں رہتے ہیں ان کا رنگ بمقام ان کے جو میدان میں رہتے ہیں بہت صاف ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ زیادہ ٹنڈر خالی صاف ہوا میں سانس لیتے ہیں اور خوب محنت کرتے ہیں جس سے خون ان کا جلد پھرتا اور صاف ہوتا ہے۔ دوسرے مسئلہ کی نسبت کہ انسان کے بدن اور اخلاق پر ہوا اور غذا کا کیا اثر ہے۔ یہ محقق کہتا ہے کہ جو دلائیں وسط بین قطبین کے واقع ہیں۔ ان کی ہوا کا اثر انسان کی تمام اندرونی و بیرونی حالتوں پر اچھا۔ اور جو ان سے دور ہیں ان پر برا ہوتا ہے۔ اور جن ملکوں میں غذا کے ذریعے اچھے اور آسانی سے بہیم نہیں پہنچتے۔ اور جہاں کے رہنے والے دودھ اور بہشت پر قناعت کرتے ہیں اور جن کو گیہوں اور میوے میں تسکین نہیں۔ اکثر وہ بہ نسبت ان ملکوں کے باشندوں کے جن کو غذا ہر قسم کی میسر ہے اور جو بغیر قناعت بال بہت قسم کی سفائیں استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ تر خوش رنگ اور خوش صبر اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ اور فاسد خلطیں بڑھتی ہیں۔ اس بیان میں اس محقق نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جو زیادہ توجہ کے لائق ہو۔ یا اس ناسمجھی حکیمانہ تحقیق کے سامنے کچھ مفید معلوم ہو۔ اب وہ ہوا کا اثر باش بقوموں کی اندرونی و بیرونی حالتوں پر بہت موثر ہے۔ اور غذا کی تاثیر سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر صرف یہی دو سبب انسان کی اندرونی و بیرونی حالتوں پر موثر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ اور بھی سبب ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کے فلسفیوں نے چار چیزوں کو سب سے زیادہ موثر قرار دیا ہے۔ اول زمین۔ دوسرے آب و ہوا۔ تیسرے غذا۔ چوتھے قدرت کے عام ظہور۔

ایک یورپین فلسفی لکھتا ہے کہ ملک کی اداخی کا بار اور اندر ذخیرہ ہوا انسان کی حالتوں پر بہت اثر کرتا ہے چنانچہ جن ملکوں کو بہت جلد اور اول ہی اول ترقی نصیب ہوئی وہ سب بارگاہ تھے۔ مصر اور ہندوستان اور ایشیائے کوچک کے رہنے والو کی حالتیں ابتداء ہی سے ترقی پر ہیں۔ اور اسیلبرامہ و ایران ملک شل تانار اور تبت اور عرب وغیرہ

قدرت کے عام ظہور سے وہ تمام مخلوق اور قدرتی پیداوار اور اچھو ایک لکھیں موجود ہوتی ہے



کی حالتیں اچھی نہ رہیں۔ اور اگر ان قوموں میں سے کسی نے ترقی کی۔ تو اُسے حالت میں جبکہ وہ اور بار آور زرخیز ملکوں پر قابض ہوئی۔

زمین کی نسبت آب و ہوا کو انسان کی حالتوں پر بہت زیادہ دخل ہے۔ جن ملکوں کی آب و ہوا اچھی ہے۔ وہاں کے لوگ قوی اور توانا اور تندرست اور محنتی اور صاحبِ عقل محبتے ہیں۔ اور اگر زمین کم بار آور ہو تو اُسے اپنی عقل اور محنت سے بہت درست کر لیتے ہیں۔ بلکہ زمین کی شوریہ ہے کہ انسان کو ایک درجہ پر پہنچا کر آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ اور آب و ہوا ہمیشہ انسان کو ترقی دیتی رہتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہندو اور آفر بار آور گرم ملکوں کی ترقی ایک درجہ پر پہنچ کر آگے نہ بڑھی۔ اور جن ملکوں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے جیسے یورپ۔ ان کی ترقی کسی حد پر پہنچ کر نہ رکی۔

ایک دوسرا فرانسیسی عالم لکھتا ہے۔ کہ مہندوستان میں اصول ترقی کے ایک ہی طرح اور ایک ہی قسم کے پائے جاتے ہیں۔ اور اسی لیے ہمارے لوگوں کی مجموعی حالت ایک درجہ خاص پر ایٹھ رہ گئی۔ اور اُس سے آگے نہ بڑھی۔ ان کے تمام حالات اور معاملات میں یہ ایکساں طریقہ پایا جاتا ہے جس سے طبیعت پر مدد ہوتی ہے۔ ملک بیان اور بر باد تو نہیں ہوا۔ مگر لوگوں کی مجموعی حالت کے وجود کا یہ حال ہو گیا۔ کہ ہمیں حس و حرکت نہ رہی۔ اور برکت کی نندیم کیا۔ مہندوستان کے قیدی باشندے مہندوؤں پر تو یہاں کی آب و ہوا اپنا پورا پورا اثر کر چکی تھی۔ مگر اُس کے نور و مسلمانوں کی علمی اور عقلی اور اخلاقی حالتوں پر بھی اُس کا ویسا ہی اثر ہوا۔ چنانچہ اب ان کی شائستگی کے اصول اس پرانے ملک کے باشندوں کے اصول سے ایسے مشابہ ہو گئے ہیں کہ دونوں میں تیز کرکئی نہایت شل ہے۔ ان کے علمی اور عقلی اور اخلاقی اصول میں جو اصلی قوت تھی وہ باقی نہ رہی۔ اور نہ ان کے دلوں کی تحریک دینے والی کوئی دوسری قوت بچ کر رہ گئی۔

قائم ہوئی۔ ان کا انتظام۔ ان کا تمدن۔ ان کا علم ایسا ہے جس حرکت ہو گیا کہ کچھ بھی جان اُس میں باقی نہ رہی۔ ایک مہندوستان کے علوم و اخلاق کی نو شہ ہے نہایت لکھتا ہے کہ ان سب میں ایجاد کا طرز و طریقہ ایک ہی پایا جاتا ہے۔ اور وہ سبے والوں پر واقعہ واحد کے نتیجے اور خیال واحد کے منظر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی مذہبی کتابوں میں بھی اخلاقی تصنیفوں تاریخانہ روایتوں میں جو بات پائی جاتی ہے وہی ان کی عقل نے والے کے کاموں اور

علمی کتابوں اور رسم و رواج اور قاعدوں میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی ویسا ہی صادق ہے جیسا کہ ہندوؤں پر ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام حالتوں میں وحدت اور یک رنگی موجود ہے۔ اُن کے علوم۔ اُن کے خیالات۔ اُن کے جیسے۔ اُن کے دستور۔ اُن کے قاعدے۔ اُسی ایک ناقص اور ترقیوں کے مزاحم اصول کے پابند ہیں جو ہندوستان کی زمین کا پھیل ہے۔ یعنی رسم کی پیروی اور باطل و نام۔

آپ وہو اسکے علاوہ خدا بھی انسان کی حالتوں پر بہت مؤثر ہے۔ جن ملکوں میں غذا آسانی سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے ہندوستان۔ وہاں ترقی بھی اول آؤں ہوتی ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی یہ نقصان ہوتا ہے کہ آئندہ وہ بڑھنے نہیں پاتی۔ اس لیے کہ حاجت سے زیادہ آدمی موجود ہوتے ہیں۔ اور اُن کی آمدنی اور کماٹی بہت تھوڑی۔ اور دولت نہایت غیر مساوی تقسیم ہوتی ہے۔ بخلاف اُن ملکوں کے جہاں غذا کم ملتی ہے۔ شہرخص اپنے واسطے کماتا ہے اور آدمیوں کے کم ہونے سے صنعتوں اور کاریگریوں کی طرف شہرخص رجوع کرتا ہے۔ اور بیجان قوتوں سے جاندار کی قوت کو مدد پہنچاتا ہے۔

قدرت کے عام ظہوروں کی نسبت اس مورخ نے کچھ نہیں لکھا اور اس میں وہ معذور تھا۔ کیونکہ اُس کے زمانہ میں خیالات ایسے وسیع اور روشن نہ تھے۔ کہ ایسے سببوں کی طرف ذہن متقل ہوتا۔ مگر اس زمانہ میں انسان کی حالتوں پر تینوں سببوں مذکور بالا سے بڑھ کر یہ سبب مؤثر قرار دیا گیا ہے۔ اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ ایک یورپین عالم لکھتا ہے۔ کہ قدرت کے عام ظہوروں کا اثر لوگوں کی ترقی پر تینوں چیزوں مذکورہ بالا سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام قوم کی عادت اور خصلت انہیں سے قائم اور مقرر ہوتی ہے۔ جس کا پھر بدلتا سخت مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسکا ثبوت یونان قدیم اور ہندوستان کے حالات سے متاخذ کرنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہندوستان میں بہت بڑے بڑے پہاڑوں اور جنگلوں اور دیباؤں اور بیابانوں کے ہونے۔ اور زلزلوں اور طوفانوں کے آنے۔ اور فوری عجائبات قدرت کے واقع ہونے سے۔ جن سے آدمی کی عقل حیران اور ششدر

بجاوے ہندوستان کے باشندوں یعنی ہندوؤں کی عقل ابتدا ہی سے دنگ رہ گئی  
 وہ ان کے اسباب اور قوانین دریافت نہ کر سکے۔ اس لیے ان کو اپنے ناچیز اور حقیر  
 ہونے کا خیال بندھ گیا اور شروع ہی سے ہمت ہار گئے۔ جس کا بہت بڑا نتیجہ یہ ہوا  
 کہ وہ ان عجائبات جسے سیران ہو کر وہم و خیال میں پڑے۔ اور ان کی قوت خیالیہ کو  
 از بس تحریک اور بے یگانگی ہوئی۔ ہر شے کے سبب اور اثر کو دریافت کرنے میں عقل نہ  
 دوڑائی بلکہ وہم و خیال سے کام لینا شروع کیا۔ غرض کہ عقل کو کمالِ فساد کی موٹی۔ اور  
 خیال کو عقل پر بدرجہ غایت غلبہ ہوا۔ اور ان کی طبعتوں میں مقول اور سنجیدہ باتوں  
 سے اجتناب اور عجیب غریب و مہربہب چیزوں سے رغبت اور شوق پیدا ہوا۔ یہ قوت  
 خیالیہ ہی کے غلبہ کا باعث ہے کہ تمام بڑی بڑی کتابیں مثلِ رامین اور گیتا اور مہا بھارت  
 اور بہت دلبہ اور حساب اور فلسفہ کے رسالہ نہایت کٹے رے کے نظم میں تصنیف  
 ہوئے۔ اور عجیب عجیب ٹھکیں دیوتوں کی قایم اور سجادہ ہوئیں۔ اور بہت سے خبیث  
 رسوم و رواج جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی جاری ہوئے۔ اور یونان کا یہ حال تھا کہ وہاں  
 قدرت کے ظہور نہایت نرم اور ظالم طور سے ہوئے۔ جن کے دیکھنے بھانسنے سے  
 یونانیوں کو کچھ فساد کی اور حیرت نہ ہوئی۔ اور ان کے دلوں میں آدمی کے سحر اور  
 جادو کے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ بلکہ قدرتی اشیاء کو سچیدہ اور پریشانی انگیز نہ پا کر ان کی عقل کو  
 حیرت اور مستحی ہوئی۔ چنانچہ قدرتی مسموروں کے سبب اور اثر معلوم کر نہ کر سکیں  
 کہیں۔ غرض کہ ان میں خیال کو پستی اور عقل کو فروغ اور فوقیت رہی جس کا یہ عمدہ نتیجہ ہوا  
 کہ ان کے ہاں بڑے بڑے حکیم اور عالم اور فاضل اور مدبر ہوئے۔ اور وہ عمدہ عمدہ  
 تصنیفات اور کتابیں چھوڑ گئے۔ دولت اور تجارت کو بڑی ترقی ہوئی۔ ان کی قوم عقل  
 حکمت کی پابند ہوئی جس کو روز بروز ترقی ہوتی چلی گئی۔ اسی طرح سے قدرت کے ظالم و ستم  
 عجیب غریب نہ ہونا اہل یورپ کی ترقی کے حق میں بڑا مفید کار آمد ہوا۔ یعنی وہم و خیال کو  
 ان میں رونق نہ ہوئی جس سے انسان اُمید ہو کر اپنی ترقی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ اور عقل  
 آزادی اور سچی اور کوشش سے باز آتا ہے جیسا کہ ہندوستان میں ہوا۔ یورپ میں مبتلا  
 کے برخلاف ہوا۔ جس کا عمدہ اثر روز بروز ظہور پذیر ہوتا جاتا ہے۔

# قومی عزت

ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ کسی اگلے زمانہ میں مسلمان علوم کے عالم اور فنون کے ماہر تھے اور تہذیب اور شائستگی اور انسانیت کو بذریعہ تعلیم و تعلم کے انہوں نے بخوبی حاصل کیا تھا۔ لیکن اب اُن کو غور کرنا چاہیے کہ آیا فقط اس بات کا ثبوت کر دینا جاری عزت کے لیے کافی ہے یا ہکھو اسپر فخر و ناز کرنا زیبا ہے یا دوسری قوموں کی نظروں میں یہی امر ہماری عزت کے لیے بس ہے یا تہذیب و شائستگی پر ہمارے یہی اثبات کافی ہے اگر ایسا ہو تو ہم اپنی عزت کے ثبوت میں موٹی موٹی کتابیں لکھ دیں اور تمام دنیا کی قوموں کے اچھے اچھے نامی آدمیوں کی سند سے اپنے اس دعوے کو ثابت کر دیں لیکن حقیقت میں یہ کافی نہیں ہے بلکہ ہماری حالت موجودہ یہی ہماری عزت اور ذلت کی بابت ہے۔ اس لیے ہکھو اپنی حالت موجودہ پر نظر کرنی چاہیے کہ آیا آج ہکھو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے یا نہیں چنانچہ اس امر کے لیے ہم اپنی ملکی اور قومی تعلیم پر بجا کرنا چاہیے کیونکہ علم ہی عزت اور ذلت کی کوٹھی ہے پس اگر ہماری تعلیم آج کل اور قوموں سے بہتر ہو اور دنیا کے اور ملکوں کے رہنے والے ہمارے علوم کی قدر و قیمت نہ کرتے ہوں اور ہمارے ملک سے علوم و فنون کی تحصیل نہ ہوں تو بے شک ہکھو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ملکی فخر اور قومی عزت کا ہکھو نام لینا بھی زیبا نہیں۔

ہکھو اپنی قومی عزت ظاہر کرنے کے لیے اتنی بات ثابت کر دینا بھی کافی نہیں ہے کہ جو علوم ہمارے بزرگوں نے نکالے یا اور قوموں سے سیکر اپنے اہل باری کیے تھے وہ ہم میں جاری ہیں اور جن علوم و فنون کی اُن کے زمانہ میں تعلیم ہوتی تھی وہی ہماری قوم میں رائج ہیں کیونکہ عزت اور ذلت اور ترقی اور شہرت اور اضافہ میں اُنکا اطلاق بجا خط حالات زمانہ کے ہوتا ہے۔ پس ہمارے بزرگوں کو علوم و فنون کے سبب سے جو عزت تھی وہ اُن زمانہ کے موافق تھی کیونکہ جو علوم و فنون اُس وقت اور قوموں میں جاری تھے اُن سب کو اُنھوں نے سیکھا اور علم و ہنر کے خزانے جو اور ملکوں میں

مگر طے ہوئے تھے اُن پر سائنس حاصل کی اور جو پورے جاہر تھے اُن کی جلاکاری کی اور اُن کو تراش خراش سے جگہ جگہ خوبصورت بنایا۔ اور پھر بہت سے پیش رفت علم کے نئے جاہر خود تلاش کیئے احرار کا خزانہ علوم و فنون کا ایسے شہر اور مہجوں اور نایاب جہز سے بھر گیا جن سے آؤ قوموں کے خزانے خالی تھے لیکن چونکہ علم ہمارے زمانہ میں علم و ہنر کو آؤ قوموں نے نہایت ترقی پہنچایا اور علوم و فنون ہر نئی چیز ہوتے پردہ اور حجاب اٹھا دیا ہے اور اس دریا کے ناپید کناریں سے بہت سے نئے اور عمدہ عمدہ مونی و جاہر ڈھونڈ کر نکالے ہیں پس اگر ہمارے علم و فنون اُن سے بڑھ کر ہوں اور ہمارے ملک اور قوم کے لوگ علوم و فنون میں آؤ قوموں پر فائق ہوں تو بے شک تاج ہکھو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے لیکن چونکہ بعضی جہز کو بمقابلہ یورپ کے یہ فخر و عزت ہمارے ملک کو حاصل نہیں ہے اس لیے ہکھو دیکھنا چاہیے کہ آیا شل اُن کے علوم و فنون میں ہکھو دستگاہ بھی ہے یا نہیں اور جو صورت تعلیم کی اُس ملک میں ہے وہ ہمارے ملک میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہے تب بھی برابری کا دعویٰ ہم کر سکتے ہیں لیکن جب ہم اپنی ملکی تعلیم پر محاذ کرتے ہیں اور اپنے اہل کے علوم و فنون پر نظر کرتے ہیں تو ملکی فخر و عزت کا دعویٰ کرنا کیسا بے بنیاد حیالت اور نادانی کے خیال سے اور اپنی بے تہذیبی کے لحاظ سے ایسی شرمندگی ہوتی ہے کہ طبیعت بے اختیار چاہتی ہے کہ کاش ہم اس ملک سے منسوب نہ ہوں اور نہ کوئی اس قوم سے نسبت نہ کرے کیونکہ ہم بجائے اس کے کہ کچھ پیدا کرتے اپنے بزرگوار کی کمائی ہوئی دولت کو کھو بیٹھے اور علم کی دولت میں ترقی کرنے کے بدلے بزرگوار کے پیدا کیے ہوئے سرمایہ کو بھی ہمارے نے ضائع کر دیا۔ ایسی فعلت کی نیند میں سوئے کہ ہمارے بزرگوں کے سرمایہ کو آؤ لوگ تولے گئے اور ہم خالی ہاتھ رہ گئے اور دنیا کی آؤ اقبال مند قومیں تو علوم و فنون میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کر گئیں اور ہم دولت اور بخت کی حالت میں مبتلا ہو گئے۔ پس اب ہکھو اپنی دولت کی حالت پر رونا چاہیے کہ اپنے بزرگوں کے ناموں پر مغرور ہونا۔

یہ ملکی ذلت اگرچہ نہایت قابل افسوس کے ہے مگر جب سلسلہ کلام کا قومی ذلت پہنچتا ہے اور خاص مسلمانوں کی تعلیم پر نظر کی جاتی ہے تو زبان سے کچھ کہا جاتا ہے

یہ قلم سے کچھ لکھا جاتا ہے کیونکہ اور قومیں ہمارے ملک کی کچھ کچھ خواب غفلت سے بیدار  
 ہوتی جاتی ہیں اور تعلیم اور تربیت پر اپنی استعدادی ظاہر کرتی ہیں گو ان کو اپنا ملک کچھ  
 کامل ترقی نہیں ہوئی۔ مگر بعض بعض قوموں کے آثار نیاں نظر آتے ہیں اور ان کی  
 عزت اور بہتری کے سامان دکھلائی دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حال پر افسوس  
 ہزار افسوس ہے کہ ان کی آنکھوں میں غفلت کی نیند ویسی ہی بھری ہوئی ہے  
 اور ان کے چرکنے اور جاگنے کی کوئی نشانی اب تک دیکھنے میں نہیں آتی کیلئے افسوس  
 کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ آج کمیہ رج یونیورسٹی کے موافق مسلمانوں کا کوئی  
 عربی مدرسہ علوم کا دہلی میں ہوتا یا مثل کسٹورٹو یونیورسٹی کے ہماری تربیت کے لئے  
 کوئی دارالعلم لکھنؤ میں ہوتا اور جو علوم و فنون ان یونیورسٹیوں میں انگریزی زبان  
 کے ذریعہ سے سکھائے جاتے ہیں ہم مسلمانوں کے مدرسوں میں بھی بذریعہ عربی و ہندی  
 زبان کے تعلیم دیئے جاتے کوئی چھوٹا سا کتب بھی تو نظر نہیں آتا جس میں کئی قسم کے  
 علم و فن کی تعلیم ہوتی ہو اور کسی شہر میں ایک بھی مقام تو ایسا سننے میں نہیں آتا جہاں  
 کچھ بھی تہذیب و شائستگی کی باتیں سکھائی جاتی ہوں۔

اگر ہم عربی یا دینی زبان سے بھی قطع نظر کریں اور اپنے بھائیوں کو اس لائق بھی نہ  
 جانیں لیکن اس غفلت کی کیا انتہا ہے کہ جو مدرسے گورنمنٹ نے ہماری تعلیم کے لئے  
 جاری کیئے اور جن میں علوم اور فنون کی تعلیم ہمارے ملک کے فائدے کے لئے  
 شروع کی ان میں بھی ہماری قوم کے آدمیوں کی صورتیں کم ہی کھلائی دیتی ہیں مسلمان  
 بڑے تعلیم کے لئے بہت ہی تھوڑے جاتے ہیں۔

ہم نے مانا کہ ہم مسلمانوں کو اب علوم و فنون کے ایجاد کرنے کی قوت اور میج کسٹورٹو  
 یونیورسٹی کے موافق علوم کے مدرسے جاری کرنے کی قدرت باقی نہیں ہی بلکہ کسی  
 ادنیٰ درجہ کی تعلیم کے واسطے بھی ابتدائی مدارس کے مقرر کرنے کی بہت نہیں ہے۔  
 لیکن وہ کون سی چیز ہے جو سرکاری کالجوں اور گورنمنٹ اسکولوں میں جانے کے لئے  
 مسلمانوں کے لڑکوں کے پاؤں کی زنجیر ہے اور وہ کون سی بات ہے جو ان کو اس ابتدائی  
 تعلیم کے حاصل کرنے کی مانع ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ عجیب اس بات پر ہے کہ سب کے  
 سب آنکھ پر وہ غفلت کا ڈالے ہوئے اور موٹھے پر غاموشی کی جہر لگائے بیٹھے ہیں

ہر کسی کے دل میں تعلیم کے موانع کا خیال آتا ہے نہ کوئی زبان اپنی اس علمی سنہلا  
کے اسباب بیان کرنے کے لیے کھولتا ہے سب کے سب چپ چاپ خاموش  
بیٹھے ہوئے ہیں۔

## تدبیر امید

یہ عام اور غیر سبیل قاعدہ قدرت کے قانون کا گہرا چیر کے ہونے کے لیے  
اُس سے پہلے اُن چیزوں کا ہونا ضرور ہے جو کہ اُس کے ہونے کے لیے ایک ضروری  
سبب ہیں ایسا ہے کہ کوئی چیز یا دوسری چیز یا غیر مادی۔ خارجی یا ذہنی اُس سے مستحق  
نہیں جتنی چیزیں ہماری آنکھ کے سامنے آتی ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسی  
نہیں جو اُن چیزوں کے بغیر ہو گئی ہو جو اُس کے ہونے کے لیے قدر نامقدم ہیں  
جتنے خیالات ہمارے ذہن میں گزرتے ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جسکی  
پہلے وہ باتیں ہمارے ذہن میں نہ آجاتی ہوں جو اُس خیال کے پیدا ہونے سے پہلے آتی  
ضروری ہیں جتنی چیزیں ہیں اُن میں قدرت نے باہم ایسا تسلسل اور ارتباط رکھا ہے کہ  
ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری پیدا ہوتی ہے پس ہر چیز کے حاصل کرنے  
کے لیے اُن چیزوں کا پہلے ہبیا کرنا جو اُس کے لیے بطور آلات اور معدات اور قدمات  
کے ہیں تدبیر ہے اور اُن کے ہبیا کرنے پر اُس چیز کے حاصل ہونے کی توقع کرنا امید ہے  
اور بغیر اسباب کے کسی چیز کے پیدا ہونے کا خیال کرنا جنون و نادانی ہے اور بلا ہبیا  
کرنے اُن اسباب کے اُس شے کے حاصل ہونے کی توقع کرنا حماقت ہے اور ہر چیز  
کسی چیز کے ہونے کی اصلی سبب نہیں اُن سے اُس شے کے ہونے کی توقع کرنا تدبیر  
کی غلطی ہے۔

یہ بات جو ہم نے بیان کی اُسے نا مان سے لیکر کامل حکیم تک اور جاہل سے لیکر  
عارف بابتہ تک اور محد سے لیکر شاعر تک سب نے تسلیم کیا ہے اور سب مانتے چلے  
آئے ہیں اور ہم سب ہر وقت اور ہر محط ہر چیز میں اس قاعدہ کا تباؤ دیکھتے رہتے ہیں

چنانچہ ہم اسے ایک صاف اور روشن مثال میں سمجھاتے ہیں۔ دیکھو ایک تھکان خلد پیدا کرنے کے لیے کیا کرتا ہے اور اسے خلد حاصل کرنے سے پہلے کس کس چیز کا مہیا کرنا ضرور ہوتا ہے پہلے وہ اچھی زمین تلاش کرتا ہے جس میں زراعت کی قابلیت ہو پھر وہ اُن آلات کو جمع کرتا ہے جن کی زمین بنانے کے لیے ضرورت ہے۔ پھر وہ اُن آلات کے کام میں لاتا ہے۔ اور جو خود زوگھانس یا پُرانی کھیتی کی بیکار اونٹنی چیریں اُس میں ٹپچی بجاتی ہیں اُن کو صاف کر کے زمین کو اپنی اصلی ہیئت پر لا کر اُسے بناتا ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ کس جنس کی اُسر وقت ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی حاجت نفع ہو اور مجھے قیمت ملے۔ آخر وہ مختلف جنسوں میں سے ایک یا چند چیزوں کو اختیار کر کے اُس کا عمدہ بیج ڈھونڈتا ہے۔ اور مختلف دوکانوں۔ مختلف بازاروں میں خود پھر پھر اُسے تلاش کرتا ہے اور اپنے نزدیک وہ ایسا بیج جو نہ مٹا ہو نہ کلا۔ نہ بوسیدہ ہو نہ ناقص سو اُنی قیمت دیکر لیتا ہے۔ پھر اُسے ایک اندازہ معین سے زمین میں اُتاتا ہے۔ پھر اُسے مٹی میں ملا کر چھپا دیتا ہے۔ پھر اُگنے کے بعد وقتاً فوقتاً پانی دیتا ہے اور جو خود زوگھانس پیدا ہوتی جاتی ہے اُسے دُور کرتا رہتا ہے پھر سب سے زیادہ اُسے اُس وقت حفاظت کرنی پڑتی ہے جبکہ دانہ پڑتا ہے اور جس کے کھانے کے لیے چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ آتے ہیں۔ پھر جب ان تدبیروں کے کرنے کے بعد اُس کی کھیتی ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رہے اور اُن باتوں سے جو اُس کے اختیار سے خارج ہیں خدانے اُس کی زراعت کو بچا یا تب وہ ایک ایک دانہ کے سوتو اور ہزار ہزار حاصل کرتا ہے اور اپنی محنت اور تدبیر کیلئے مرہوتا ہے۔ پس ان سب چیزوں کا مہیا کرنا اور اُس تسلسل اور ارتباط اور ترتیب کا لحاظ رکھنا تدبیر ہے اور بعد اسکے پھل پانے کی توقع کرنا سچی اُمید ہے اور ان میں سے کسی چیز کا چھوڑ دینا یا کسی تیسب و ارتباط میں جوک جانا یا کسی امر کی تقدیم و تاخیر کا لحاظ نہ کرنا یا وقت پر کسی چیز کو استعمال میں لانا تدبیر کی غلطی ہے اور کسی چیز کا باوجود سچی کے نہ ملنا یا کسی اتفاقی امر کا پیش آجانا یا کسی ارضی و سماوی آفت سے اُس رعیت کا خراب ہو جانا تدبیر کی مخالفت ہے۔

اب ہم اس تدبیر و اُمید کو اپنی قوم کے حال سے ملاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنی ترقی کی اُمید کرتے نہیں اسی طرح وہ اُس کی تدبیریں کر رہے ہیں وہ حقیقت میں سچی



امید اور پوری تدبیر ہے یا نہیں۔ چنانچہ ہماری قوم میں ایسا تو کوئی نہیں جو اپنی ترقی نہ چاہتا ہو یا اپنی دولت و عزت کی امید نہ رکھتا ہو مگر ایسے کم ہیں جو اُس کی تدبیر کرتے ہوں اور جو کرتے ہیں اُن میں بھی ایسے کم ہیں جو اُس میں غلطی نہ کرتے ہوں اور جس ترتیب ارتباط کا لحاظ رکھنا اُس کے لیے ضروری ہے اُسے اُنہیں۔

اُن وہ تدبیر جو کیٹھی خواتین کا ترقی تعلیم مسلمانانِ چھوٹے اور بڑے کے لیے ہے۔ تدبیر ہے جس کے پرے ہونے پر قومی ترقی کی سچو سچو توجہ ہو۔ اول ہی سے قدرتی سلسلہ کا لحاظ رکھا ہے۔ وہ پیرائے خیر و شر کے متوقعہ ہوا کہ قومی عزت کا اصلی سبب کیا ہے آخر اُس سے ثابت کیا گیا۔

تب وہ اُس کا مستفسر ہوا کہ موافق اُس کے ملے ہی قوم نہ رہے گی۔ اپنی تمام قوم میں پیش کیا اور مختلف صورتوں میں مختلف جواب لیکر اُن موافق کو تحقیق کر کے ایک مجلس مقرر ہوئی جس نے عدل کے قور کرنے کی تدبیر سوچی۔ آخر سب کے اتفاق سے شہنشاہِ عالم کے دوسری صورت قرار نہ پائی چنانچہ اُس نے اپنے گھانے والی۔ اور

اُس کے قائم ہونے کے سامان جمع کرنے پر بہت کوشش کی۔ چنانچہ اب بے شک ٹھیک ٹھیک کیا اور وہ ایک ہوشیار و دہقان کی چال پر چلا اُس نے نہیں جانتی تھی تلاش کر لی ہے۔ اُس جنس کو بھی تحقیق کر لیا ہے جس کی ضرورت ہے اور جو اس وقت کے بازار میں اچھے نرخ پر بیکر سکتی ہے۔ اُس کا بیج بھی تلاش کر لیا ہے۔ پس اب قدرت سرمایہ کا جمع ہونا چاہیے جو اُس کی قیمت کے واسطے اور دیگر آلات کے جمع کرے کہ ہے لیے کافی ہو۔

یہ ہوشیار و دہقان صرف اس تدبیر کے بنانے ہی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ اپنے سر پر اٹھانے اور ساری محنت کو جو اس کھیتی میں ہوگی اپنے اچرنے پر سونپ دینا ہے۔ وہ اپنی قوم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ سامان خریدنے کے لائق ملے اور جمع کرے اور اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہیں۔ جیسا کہ تیار ہو جاوے تب اُس کا بھل لے لیں۔

انہی اپنی قوم کے دلوں پر نظر کرتا ہوں کہ نسبت اس تدبیر کے اُن کے

دلوں میں کیا خیال گذرتے ہیں۔ جہاں تک میں واقف ہوں میرے نزدیک بہت ہی تھوڑے آدمی ہوں گے جو اس تدبیر کو کامل اور اس تجویز کو سفید سمجھتے ہوں۔ مگر اس کے انجام کو ایسا مشکل جانتے ہیں کہ قریب بہ محال سمجھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ فقط ایک خیالی عمارت ہے جو ہوا میں کھڑی کی گئی ہے۔ کوئی فرماتا ہے کہ یہ محض ایک فرضی تجویز ہے جو دل بہلانے کے لئے کی گئی ہے۔ کوئی اسے گورنمنٹی انتظام کہتا ہے کوئی اسے ایک محال اور غیر ممکن بات سمجھتا ہے لیکن یہ سب بہت ہستی کی نشانیاں اور ہمدردی اور محبت قومی نہ ہونے کے نتیجے ہیں کیونکہ یہ سب باتیں دس لاکھ روپیہ کے جمع ہونے پر خیال کی جاتی ہیں حالانکہ یہ روپیہ اس سے زیادہ نہیں ہے جو ایک بڑے شہر میں ایک برس کے اندر کھیل تماشے میں اُمراد خرچ کر دیتے اور لڑکوں لڑکیوں کے شادی سیاہ میں برباد کر دیتے ہیں۔ پس اگر ہم اپنی قوم کے اسراف تو بہ تو بڑاُن کے اسراف پر نظر کر کے اس سرمایہ کو زیادہ سمجھتے تو ہم بھی ایک تکلیف مالا یطاق اور تدبیر محال کہتے۔ مگر جب ہم اب بھی اپنے امراء کے جو دوغالی یہ کیفیت دیکھتے ہیں کہ ایک ایک باہمت ایسے ہیں جو لاکھ لاکھ روپیہ چندہ میں حاکموں کو خوش کرنے کے لئے دیدیتے ہیں۔ تو ہمارے ذہن میں اس سرمایہ کی بمقابلہ ان کے حوصلہ کے کیا حقیقت ہو۔ را دینا یا نہ دینا۔ یہ ہمدردی اور محبت قومی پر منحصر ہے۔ اس کی نسبت البتہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا قحط بلاشبہ ہماری قوم میں ہے۔ اگر اس پر خیال کر کے کچھ مایوسی ہو تو عجب نہیں۔ مگر پھر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا اور جی میں کوتاہی کرنا ضرور ہے۔ العینینی ولا تمام من الله۔

## سپیچ بمقام ہائی اسکول مرزا پور

مدرسہ مرزا پور میں تاریخ ۳۳ مئی کو منظر تقسیم سالانہ انعام کے جلسہ ہوا اور اس وقت

رئیس اور حاکم کشمیر بے لائے۔ اوّل ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں۔ پھر دوسرے ماسٹر نے اردو میں رپورٹ سنائی۔ بعد اُس کے جناب رابرٹسن صاحب کلکٹر مرزا پور نے انگریزی زبان میں ایک مختصر پیچ کر کے یہ فرمایا کہ اب میرے دوست مولوی مہدی علی صاحب کچھ تقریر کریں گے اور اردو زبان میں آپ لوگوں سے کچھ کہیں گے۔ بعد اُس کے مولوی مہدی علی صاحب نے کھڑے ہو کر زبانی یہ تقریر کی۔

ای حاضرین جلسہ۔ جو رپورٹ حالات مدرسہ کی الہی ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں اور بابو صاحب نے اردو میں سنائی اُس سے آپ کو طالبہ کی تعداد انکی تعلیم کے درجے اور اُس کے نتیجے معلوم ہو گئے اب اُس کا اعادہ بنیاد یہ ہے کہ میں اپنا اور پڑوسر سمجھتا ہوں کہ جو فرق اُس مدرسہ کی حانت میں بہ نسبت سابق کے ہوا۔ جسے کچھ تھوڑا سا بیان کروں۔

جلسہ اعلیٰ میں ملے اس مدرسہ کو دیکھا اور چند مرتبہ عربی۔ فارسی۔ اردو درجہ امتحان لیا اور انگریزی طلبہ کی استعداد و لیاقت کی کیفیت اور متعلمین سے سنی اُس زمانہ میں اس مدرسہ کی تعلیم کی بہ کیفیت تھی کہ روسا شہر اپنے لوگوں کو مشن اسکول میں بھیجنا پسند کرتے تھے اور بوجہ ناقص ہونے تعلیم کے اور بے انتظامی مدرسہ کے یہاں داخل کرنا مستحضر کرتے تھے۔ مگر جب سے گارڈن صاحب ماسٹر مقرر ہوئے اُن کی لیاقت اور محنت و توجہ خصوصاً اُن کی خوش اخلاقی اور تہذیب کی وجہ سے صورت مدرسہ کئی لگئی۔ طلبہ بھی بڑھ گئے۔ استعداد میں بھی اُن کی ترقی ہوئی۔ اب ریسکان اپنے وارثوں کو اسی مدرسہ میں بھیجتے ہیں اور یہاں کی تعلیم کو پسند کرتے ہیں اور گارڈن صاحب کے تنکڑ گزار ہیں۔ عربی درجہ میں بھی اچھی ترقی ہوئی۔ مولوی حسین الدین صاحب کی کجرت سے چند طالبہ لڑکوں کے سر پر فضیلت کی گڑھی بھی بندھ گئی۔ بلاشبہ ان خود بڑے مفسر بڑے محدث بڑے عالم اور جامع معقول و مستقول میں۔ دور دور سے لوگوں اُن سے پڑھنے آتے ہیں۔ جس قدر انھوں نے محنت کی ہے اُس قدر خواہ نہیں لائی جس قدر انھوں نے علوم کی تعلیم کی گو اُن علوم کی نسبت میری رائے کسی ہی ہوا انکی محنت و تعلیم میں نزاکت نہیں۔

یہ چند فقرے کہہ کر ڈپٹی صاحب عربی کے طلبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے

مطالب ہو کر یہ تقریر کی۔

اے میرے ہم قوم اور ہم مذہب طالب علموں۔ تم ذرا سیری باتوں کو خود سے سنو اور انصاف اور دانشمندی سے اسے سوچو کہ میں تمہاری بھلائی کے لئے کیا کرتا ہوں۔

اگرچہ میں نہایت خوش ہوں کہ تم اپنے قدیم علوم کی تعلیم پر متوجہ ہو اور ایک نہایت اہل پر اثر کرنے والے شوق سے اس کی تحصیل کرتے ہو اور تم میں سے چند طلبہ نے

کامیابی بھی پائی اور فضیلت کے خطاب پانے سے اپنی عزت حاصل کی۔ مگر حقیقت میں یہ تعلیم ناکافی ہے اور جو نتیجہ علم کا ہے وہ اس سے حاصل نہیں کیونکہ تم نے دو قسم کے علم حاصل کیے۔ ایک منقول دوسرے معقول۔ پہلی تعلیم نے تمکو تقلید میں کا کچل دیا۔ دوسری

نے چند غلط اور بے اصل اوام کو مستقولات سمجھ کی صورت میں تمہارے دل پر نقش کیا۔ اس سے جیسا کہ چاہیے تمہارے دین کو فائدہ ہوا۔ نہ اس میں تمہاری عقل کو ترقی ہوئی۔

مذہبی تعلیم سے غرض صرف یہ ہے کہ وہ باتیں جو خدا نے اپنے پیے رسول کی معرفت بذریعہ وحی کے بتائیں ایسی روشنی سے دل پر اترے اور ہم انکی حقیقت واقف ہوں اور انکی حقیقت اور حجابی ہائے ان

دینا ایسا اثر کرے کہ تقلید کو حقیق قائم نکولیم کہیں مگر جو تم نے اپنی اس سے زیادہ نہیں سمجھا یا تم انکی حقیقت سے واقف ہوئے نہ بیوقوفان کی شجاعتیں سے دل پر چسپیں۔ تمہارے ہی حقیقتات ان کو گمراہیوں پر ختم

ہو گئی۔ چل تمہارے غیر معصوم تھے اور جنکی رائے میں تمہاری طرح خطا و ضلالتوں کا تھا۔ انکی رائے میں اصل حقیقت

پانی نہیں پیا جو نہایت شیریں اور صاف اور سوتلی کی طرح چمکتا ہے بلکہ اس جو حق کو صاف

خیال کیا جو یہ ریضاع کی طرح گندہ ہو رہا ہے۔ تم نے اپنے دینی عقاید اور مذہبی اقوال کو خدا کی کتاب سے خود تحقیق نہ کیا بلکہ لوگوں کی رایوں اور قولوں اور دنیاویوں ہی پر اپنے

ہتحدات کی بنیاد قائم کی۔ تم نے اپنے فقہی مسائل اور شرعی احکام کو سچی باتوں سے

س کی خود دریافت نہیں کیا بلکہ جو لوگ کہہ گئے اور کہہ گئے اسی کو منزل من اللہ

بھا اور پھر افسوس یہ ہے کہ اگر تم جاہل رہتے اور کچھ تعلیم نہ پاتے تو تم اس کو نہ تقلید میں

لئے سے معذور ہوتے۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس اس پر ہے کہ تعلیم نے تمکو یہ نتیجہ دکھلایا

اور علم کے حاصل کرنے سے بجائے تحقیق کے تم نے تقلید کو حق جانا۔

یہ تم نہ خیال کرو کہ معاذ اللہ میں مذہبی تعلیم کو بڑا جانتا ہوں میں کافر ہوں اگر خیال کروں

بلکہ میں مسلمان پر فرض سمجھتا ہوں کہ وہ مذہبی تعلیم پاوے اور اپنے دنیاویات میں ملال و غفلت

محل کرے لیکن اگر نیت سانس ہوں تو صرف اُس کی طرز و طریق پر کیجئے کہ جو تعلیم دینی تعلیم  
محل کرتے ہو یہ حقایق دینی کے اور کک کے لیے اور مسائل شرعی کی حقیقت پر پہنچنے  
کے لیے نہ کافی ہے بلکہ مزاحم ہے۔ انصاف کرو کہ کیا حاصل ہوا تاکہ تعلیم سے جبکہ تمہارے  
خیالات میں بلندی اور تمہاری عقل میں ترقی نہ ہوئی اور تمہارے دل نے اصل مذہب  
کی روشنی نہ پائی۔ اور کیا فرق ہو اور بیان اُن عالموں کے جو تمہاری تقلید کرتے ہیں  
اور درمیان تم عالموں ضلوع کے جو تم آؤروں کے پیچھے چلتے ہو۔ پس اُس تعلیم سے جس نے  
تم کو کو راہ تعلیم میں مبتلا کیا تمہارے مذہب کو کیا فائدہ ہوا۔  
مگر حقیقت میں یہ تصور تمہارا نہیں ہے۔ وہ سلسلہ تعلیم کی جو مائے کربت نکلتی ہوگی  
اور دانشمندی اور ایمانی قوت سے اچھی چھی تحقیق اُس میں اصلاح نہ کریں اور اُس کے حق و  
قیح سے بحث کر کے دوسری راہ نہ بناؤں تب تک تم سوائے اس کے کچھ بند کر کے  
انہیں بلوکیا کر سکتے ہو۔

خیر مذہبی تعلیم کو چھوڑو۔ اب اپنے عقول پر نظر کرو اور سوچو کہ تعلیم نے اُسے  
بھکیں اس حالت پر پہنچا دیا ہے اور اُس سے کیا نتیجہ نکلو حاصل ہوتا ہے۔ تمہارا علم عقل  
چند بنیادی مسئلوں کے جاننے پر منحصر ہے اور کئی ہونے باتوں کی واقفیت پر اُس کا مدار  
سے حقیقت میں مسمیٰ کتابوں کے چند ورقوں کا الٹ پلٹ کر لینا اور طوطی کی طرح اسی  
زبان سے کہہ دینا تمہارے علم کی انتہا ہے اور پسند فلسفی باتوں کا جس کی حقیقت پر بھی  
ہرگز تم نہیں پہنچتے یا ذکر لینا تمہارا مبلغ علم ہے۔ حساب میں اگر تم نے خلاصہ الحساب کی  
ضرورت نہ کی کہ لی تم حساب ہو گئے۔ شرح خمینی کے دو جزو اگر پڑھ لیتے تو تم رنگ میوس  
بن گئے۔ مجلسی کے لفظ یاد ہونے سے تم اپنے آپ کو افلاطون جانتے لگے۔ مگر ہے

میرے عزیزو۔ تم اپنے بھائیوں کو جو اسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پاتے ہیں دیکھو اور ان کے  
باتوں سے اپنے ذاتی حقایق کو مقابلہ کرو تب تمہیں معلوم ہو تو تم میں علمی میں پڑے  
ہو اسے طالب علم۔ ذرا ان لڑکوں سے غماص کی تعلیم نہ لو تب اسطفاں اربو کی  
ہائے فروزش جو۔ نہا طبیعات کے مسائل پر تجربہ کر کے دیکھو۔ تب میں مذہبی اور علمی کی طبیعت  
پڑھ لینے پنا کر دو۔ آسمان و زمین کا گرد جو اس وقت تمہارے سامنے رکھا ہے انہیں  
اٹھا کر اُس کی کیفیت پوچھو پھر اپنے فلکیات پڑھ کر آسمان و زمین کے قلوبے ملاؤ فوس

ہے کہ یہ سب چیزیں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کی حقیقت دریافت کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے اور اُس کی غلطی و محنت پر آنکھ ہونے پر متوجہ نہیں ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ تم میں جو علوم سے فارغ ہو چکے اور جنہوں نے پگڑی فصیلت کی سرپر باندھ لی اور جنگو جناب سیدنا و استادانے معقول و منقول کی سند بھی دیدی ذرا میرے ساتھ ہیشین ہو آؤ اور ایک سخن کو دیکھ کر اُس کے چلنے کا سبب بتاؤ شاید تم ویسی ہی باتیں کر دو گے جیسا وہ دہقان جو اپنا بل میل چھوڑ کر اُسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو اور عامیاناہ باتیں کرے نہ تم اُس کی قوم سے واقف ہو گے نہ سہرے۔ پھر ذرا مار گھر کے کہ وہ میں تشریف لیچلو اور اس کبر وائی قوت کی حقیقت بتاؤ۔ وہاں بھی سوائے اظہار حیرت کے آپ لوگوں سے کچھ نہ ہو گا۔ پس افسوس کا مقام ہے یا نہیں کہ تمہارے معقولات اور مبہات اور ریاضی اور طبیعیات نے تمکو ایک عامی آدمی کے درجہ سے بھی نہیں بڑھایا اور ذرا بھی کوئی مادہ تحقیق کا نہیں دیا۔ پس آپ کے علم و فہم سے کیا توقع قوم کی ترقی اور علم کی روشنی پھیلنے کی کی جاوے۔

اے ہوشیار طالب علمو۔ کیا خدا نے تمکو اُور قوموں کی طرح مادہ تحقیق کا نہیں دیا ہے یا تمہارے دل و دماغ کو ان باتوں کے سمجھنے کے لائق نہیں بنایا میرے نزدیک شاید ساری دنیا میں تیری ہی وہ قوم ہے کہ جس کے دل و دماغ کے برابر دوسرا نہیں سکیا یہ وہ قوم نہیں ہے جس نے یونانیوں کے چند مسائل سیکھ کر اُسے ایسی ترقی دی کہ اگر افلاطون و ارسطو زندہ ہوتے تو وہ بھی قدموں پر گر گئے کیا ہم لوگ وہ نہیں ہیں جن کے اجداد نے ساری دنیا کو معقولات کی روشنی سے منور کیا۔ یورپ کا ملک کیا ہمارا ہی شاگردی پر کسی نام میں فخر پکڑتا تھا۔ کیا اب یہ بڑے بڑے محقق ہمارے اسلاف کے علم و فضل سے فیض پائی نہیں کرتے۔ پس رونے کا مقام ہے کہ ایک ایسی باہمت اور عالی دماغ اور بلند پہلو قوم ایسی پست اور ذلیل اور برعالت پر پہنچ جاوے کہ چاروں کے لڑکے ہوں گے نیچے اُن پر نہیں اور اُن کے دل و دماغ کو علوم کی تحصیل کے لائق نہ جانیں سچ ہے جو خدا نے فرمایا ہے تِلْكَ اَیَّامٌ نَدَاوْهَابَیْنِ النَّاسِ کَیْسِیْ تَوْمَ کَیْسِیْ ہو جاوے۔

لیکن اس فلت و ادبار و جہالت کا سبب صرف تمہارا تعصب و تقلید ہے کوئی

کہتا ہے کہ انگریزی پڑھنا سیکھنا ہے۔ کوئی فرماتا ہے کہ علوم جدیدہ سیکھنا حرام ہے۔ کوئی  
 اہل خبط میں مبتلا ہے کہ انگریزی مدرسوں میں تعلیم لینے سے مذہب جاتا رہے گا۔ کوئی اہل  
 نشہ میں ہرست ہے کہ تحقیق کرنے اور پرانے خیالات کے چھوڑنے سے فرقہ طاع  
 کا الزام ہوگا۔ اگر حقیقت میں ہمارا مذہب ایسا ہی بودا اور ناپائیدار ہے اور وہ ہمارے  
 نزدیک ایک طلسم کا کارخانہ ہے تو کب تک تم بچاؤ گے۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں سپن کا  
 وہ گرد جاوے گا۔ مگر ہاں کے نزدیک تو وہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی بنیاد ہمالیہ پہاڑ  
 کی چوٹی پر ہے کہ طوفان نوح سے بھی اُسے صدمہ نہ پہنچے گا اور علوم کی تحصیل اور تحقیق  
 اشیاء کی تحقیق سے اُس کا نور اور چمکے گا۔

اے میرے عزیزو۔ ذرا باروں رشید اور خلفاء عباسیہ عہد دولت پر خیال کرو کہ  
 کی علمی مجالسوں کو دیکھو کہ اُنھوں نے علم کی ترقی اور معقولات کی تحقیق میں کیا کیا  
 کوششیں کیں اور انہوں نے اسی تحقیق کی بدولت اسلام کی کبھی عزت ظاہر کی۔ غزالی اور  
 رازخی اور بوعلی اور فارابی اور جن کیسے کیسے نامور ہوئے کہ جن کا نام اب بھی غیر قوم کا  
 کوئی محقق بغیر تعظیم کے نہیں لیتا۔ مگر افسوس ہزار افسوس کہ وہ لوگ مر گئے۔ اُن کی جگہ  
 ہم پیدا ہوئے۔

حریفان باد! غور و تدبیر سے دیکھو۔ یہی تمہارا کردار ہو رہا ہے۔

لیکن اگر تم کہو کہ اب بھی تم اُن کی باتیں جانتے ہو اور انہیں کی تحقیقات کو پڑھتے  
 ہو تو یہ غلطی ہے۔ بہت سی باتوں میں فرق ہو گیا۔ بہت سی چیزیں بدل گئیں۔  
 تحقیقات اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی۔ اکثر چیزوں کی غلطیاں کھل گئیں اُس واسطے وہ اپنے  
 زمانہ کے خیال کے لحاظ سے محقق تھے۔ مگر اب اُن کی تحقیقات کے ماننے والے جاہل  
 اور قلعہ صہریں گے دیکھو بطایرس کیسا بڑا حکیم تھا مگر دلائل کا جھڑپہ دیکھو۔ اُس نے جو  
 پُرانی دنیا کا نقشہ کھینچا تھا اُسے ملاحظہ کرو اور ادب کے جغرافیہ اور حال کی زمین کے گڑھے  
 ملاؤ تو کتنا فرق پاؤ گے کہ اگر اس زمانہ میں کوئی ایسے جغرافیہ کو لکھے تو وہ احمق ٹھہرے مگر  
 سب اُن نامور حکیم کی اُس تحقیقات کو اُس کی عالی دماغی کا نتیجہ سمجھتے ہیں پس تم جو اس  
 خیال میں مبتلا ہو کہ علم اگلوں پر تمام ہو گیا۔ ساری تحقیقاتیں پُرانے لوگ کر گئے۔ اب اُن کا

جاننا ہی منتہائے علم ہے یہ نادانی ہے۔ اس لیے ذرا تم ان عامیانہ خیالات کو چھوڑ دو اور اپنی قوم کی جس کے ڈوبنے میں کچھ باقی نہیں اور سنگیری کرو نہ کہ اور اس کے غرق کرنے کی تدبیر کرو۔

بھلا انصاف سے اس کا جواب دو کہ تم عالم بھی ہو گئے فقیہ بھی بن گئے صدرہ شمس باز غہ پڑھ کر جامع معقول بھی بن گئے مگر اب تم خود کیا کرو گے اور مدرسہ سے نکلنے کے بعد اپنی قوم کی کیا بھلائی کرو گے میرے نزدیک تمہارا معقول تو اس کام کا بھی نہیں کہ کسی علمی جلسہ میں چٹکی بات سمجھنے کی بھی لیاقت اس سے حاصل ہو چہ جائے کسی صنعت و ہنر کے ایجاد کرنے کی توقع ہو یا کسی نئی تحقیقات کرنے کی اُمید ہو۔ اس کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنے مشرب کے چند نوعہ آدمی بیٹھو تو ان کتابوں کے حواشی اور شرحوں اور زوائد لفظوں سے بحث کر کے چند ساعت اپنی عمر عزیز ضائع کرو رہا تمہارا معقول اس کا بہت سیجہ ہو گا کہ کسی سجد میں جا کر قعدہ گوئی کرو گے۔ جھوٹی جمہوریتیں دین کی کہہ کر نہایت ذلت اور مکر کے ساتھ روٹیاں کھاؤ گے۔ دنیا کی بُرائی دنیا داروں سے نفرت کا وعظ کہہ کر بھڑے قصائیوں کے سامنے اپنا دامن بھیلناؤ گے۔ شاذ و نادر ایسے لوگ نکلیں گے جو سچا توکل کریں اور اپنے دل سے دنیا چھوڑ کر دیندار بنیں پس نتیجہ تو تمہاری امت کے لیے ہوا۔ یہی قوم کی بھلائی۔ پس علم اور حکمت اور عقل کی ترقی کی تو تم سے کچھ اُمید نہیں۔ کیونکہ وہ الہی تمہارے پاس نہیں جس سے وہ کام ہو سکا۔ دین کی ترقی کا تم خیال کر سکتے ہو۔ مگر میرے نزدیک سوائے اس کے کہ تعصب اور جہالت اور تقلید کی ترقی ہو تمہاری امت سے اور کچھ اُمید نہیں۔ چند جہلا میں چٹکی بٹنی کی بات کرو گے۔ ان کے دلوں میں جو تعصب اور تقلید کی آگ ہے اُسے آتش تغیر کرو گے۔ نہ اخلاق میں تہذیب۔ نہ عادات میں اصلاح۔ نہ معاشرت کے طریقوں کی درستی۔ نہ چال چل میں شایستگی کی تم سے توقع ہے۔ نہ غلط خیالات اور نہ بیہودہ ادوام کے دور کرنے کی تم سے اُمید ہے کیونکہ تم نے خود ایسی تعلیم نہیں پائی۔ دوسروں کو تم کیا تعلیم کرو گے۔

پس اے میرے بھائیو جب تک کہ تم تعصبِ تقلید نہ چھوڑو گے اور علوم جدیدہ کی تحصیل پر متوجہ نہ ہو گے تب تک تمہارا علم اور تمہارا جہل یکساں ہے۔



میں نے تہا رہی بہت سارے فرائض کی اور شاید تم میں سے بعض کو نہایت غصہ  
 دلایا۔ مگر الحق یہ جتنی کہنے کے مجھے اس کہنے پر آمادہ کیا اگر یہ حالت تہا رہی نہ ہوتی تو مجھے  
 اونے درجہ کے آدمیوں کو ایسی بڑی باتوں کی زبان سے نکلانے پر کب جرات ہوتی  
 غیر خدا رحم کرے اور ہا رہی قوم کے لئے بھی ترقی علم و دولت کی راہ کھولے۔

## طعام اہل کتاب

محکمہ مولوی سید احمد خاں کی کتاب طعام اہل کتاب  
 اور اس کے جواب امداد الاحساب پر

چند روز ہوئے کہ سید احمد خاں صاحب نے ایک کتاب بہ نسبت حلت طعام اہل کتاب  
 اور جواز موکلت ان کی تالیف کی اور مولوی امداد العلی صاحب نے اس کا جواب لکھا۔ مگر  
 اب تک کسی شخص نے دونوں کتابوں کی نسبت نہ کوئی رائے ظاہر کی نہ ان کے مضامین  
 کی صحت و غلطی سے بحث فرمائی۔ اس لئے میں نہایت غور و تامل کے بعد ان دونوں  
 کتابوں کے خاص اہم مسائل کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں اور جو کچھ میری ناقص  
 سمجھ میں ان میں غلطی و قسوت ہے اسے لکھتا ہوں۔

جس شخص نے سرسری نظر سے بھی دونوں کتابوں کو دیکھا ہے وہ سمجھ گیا ہو گا کہ  
 دونوں کتابوں کی تالیف کا اصول مختلف ہے۔ سید صاحب نے اپنی کتاب کے بلا  
 پابندی تقلید کے لکھا ہے اور اپنے اقوال پر کتاب و سنت سے استدلال کیا ہے  
 نہ فقہی کتابوں اور فقہاء کے قولوں پر۔ اور اگر کسی مقام پر کسی فقیہ یا عالم کا قول نقل  
 بھی کیا ہے تو صرف واسطے اطمینان خاطر تقلیدین کے اور مولوی امداد العلی صاحب نے  
 اپنے سالکوں اصول تقلید پر لکھا ہے اسی واسطے اپنے جواب میں اکثر فقہاء اور علماء کے  
 فتاویٰ اور فقہی روایات سے استناد فرمایا ہے اور اپنے کلام کو بہت خوبی سے بند

اقوال علماء مدلل کیا ہے۔ مگر میں اپنی رائے بہ نسبت خوبی اور عمدگی اُس اصول کے ظاہر کرتا ہوں جس کا تیسرے صاحب نے التزام کیا ہے کیونکہ میرے نزدیک تعالید نہ تحقیق حق کے لیے کافی ہے نہ بمقابل کتاب و سنت کے کسی کا قول ماننے کے لائق ہے۔ مگر چونکہ ہمارے بھائیوں کے نزدیک دنیا میں اب کوئی ایسا آدمی ہی نہیں ہے جو کتاب و سنت سے کسی مسئلہ کا استنباط کر سکے یا اُس کے معنی تک سمجھ سکے بلکہ مبدا فیاض کافیض ہی اُن کے نزدیک اگلے لوگوں پر تمام ہو چکا۔ اس لیے اُن کے سمجھانے اور مطمئن کرنے کے لیے اگلی کتابوں اور پرانے عالموں کے اقوال جو مطابق کتاب و سنت کے ہوں نقل کرنا اور اپنے کلام کی تائید و تقویت میں اُسے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتا چنانچہ میں نے اپنے اس محاکمہ میں ہی اصول کا لحاظ کیا ہے۔

میں دونوں کتابوں کے کل سائل سے بحث نہیں کرتا بلکہ صرف انہیں باتوں سے جو نہایت ضروری اور اہم ہیں اور نہ ان غلطیوں پر کچھ توجہ کرتا ہوں جو متعلق اُن خاص مسئلوں کے نہیں ہیں جن کی تحقیق منظور ہے کیونکہ میری غرض اس محاکمہ سے نہ مناظرہ ہے نہ مجادلہ نہ تردید کسی کی بلکہ صرف حق کا ظاہر کرنا ہے اور چونکہ ایک نہ ایسا مجھ پر گذر رہے کہ میں سید صاحب کی تحریر پر مقروض اور اُن کی تالیف کی تردید کرتا تھا اس لیے میں اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں کہ میں اپنی سچی رائے کو جواب ہے ظاہر کروں اور ایک غلط بات کی پیروی کرنے پر جہل و کبر کی بیماری میں مبتلا رہنے سے بچوں۔

میں تول جواز و عدم جواز طعام اہل کتاب سے بحث کرتا ہوں پھر مواصلت سے ساتھ اہل کتاب کے بحث کروں گا۔

سید احمد خاں صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴ میں ایک حدیث ترمذی سے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت طعام نصاریٰ کے سوال کیا آپ نے فرمایا کہ لا یتخالفن فی صدراک طعام ضارعت فیہ التصوانیۃ کہ نہ طحان میں ڈالے تیرے دل کو کوئی کھانا کیا مشابہ ہو گیا تو نصرائی لوگوں کے۔ اور ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ والعلی علیہذا عند اہل العلم من الامتہ فی طعام اہل الکتاب۔ کہ عل ہے اس حدیث پر اہل علم کے نزدیک رخصت اور جواز میں کھانے اہل کتاب کے۔

مولوی امداد علی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷ میں فرماتے ہیں اصل میں سے  
ترندی اگرچہ خصت طعام اہل کتاب کی سمجھتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس حدیث میں منع  
کھانے طعام نصاریٰ سے بسبب مشابہت کے ساتھ نصرانیت کے۔ پس ترجمہ نہ حضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ ہے کہ نہ جیسے تیرے دل میں ساتھ شک کے حرمت  
اُس طعام کی کہ مشابہ ہو تو اُس میں نصرانیت کے اور اپنے اس قول کی تائید میں  
سید علی اور ابوالطیب کے دو قول اور جمیع البحار کی ایک عبارت نقل کی ہے۔  
میری رائے میں سید صاحب کی رائے صواب پر اور مولوی صاحب کی رائے غلطی  
پر ہے چند وجوہ سے۔

**پہلی وجہ۔** اگر اس حدیث سے حرمت طعام اہل کتاب ثابت ہو تو وہ مخالف ثنی  
ہے نص قرآنی کے جو اہل کتاب کے طعام کی حلت میں نازل ہوئی ہے یعنی آیت طعام  
الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔

**دوسری وجہ۔** چونکہ مشرکین اور بت پرستوں کا کھانا بھی حرام نہیں ہے پس  
اہل کتاب کے کھانے کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں رہی حلت طعام مشرکین اہل کتاب  
کی وہ آگے لوگوں میں ایسے مشہور اور صاف تھی کہ آیت مذکورہ میں طعام کے معنی ذبیحہ کے  
اسی لئے لئے گئے ہیں کہ تخصیص اہل کتاب کی ثابت ہو اور کلام الہی کا نزول عبت اور  
بیغائیدہ نہ ٹھہرے اگر مقلدین کو الفاظ آیت اور حدیث سے حلت میں طعام اہل کتاب کے  
شبہ ہو تو وہ مفسرین اور محدثین کے قولوں پر رجوع کریں اور ان اقوال کو جو تیسہ صاحب نے  
اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳ اور ۱۴ میں نقل کیے ہیں ملاحظہ فرماویں۔ تاکہ طعام اہل کتاب کے  
حلال ہونے میں کچھ شبہ نہ رہے بلکہ خود مولوی امداد علی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ  
۴۶ میں جہاں آیت طعام الذین اوتوا الکتاب سے بحث کی ہے صاف لکھ دیا ہے کہ  
"ہاں اس قدر البتہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طعام اہل کتاب کا کھانا اور ان کو اپنا  
کھانا جائز ہے۔" پس جبکہ آیت سے طعام اہل کتاب کا حلال ہونا مولوی صاحب نے  
قبول فرمایا تو پھر اس حدیث میں ان سید سے اور صاف معنوں سے جو بہ نسبت حلت  
اور جو از طعام کے ہیں عدول کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر ان شاید اس حدیث سے اُس  
کھانے کی حرمت مراد ہو جس سے مشابہت نصاریٰ کی اپنی جاوے اور جو کھانا صرف

انہیں سے مخصوص ہوتا کہ مسلمان من تشبہ بقوم فهو منہم کی وعید میں داخل نہوں  
لیکن کیا خوب ہوتا اگر مولانا صاحب اس طعام کی کچھ بخوری سی تفصیل بھی فرمادیتے تاکہ  
معلوم ہو تاکہ کس کھانے میں تشبہ من کا ہے۔ اور کس میں نہیں۔

**تفسیر ہی وجہ۔** اسی حدیث کو جسے ترمذی سے سید صاحب نے نقل کیا ہے ابو داؤد  
اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور جس باب میں اسے لکھا ہے اس باب کے عنوان پر  
یہ تحریر کیا ہے باب کراہیۃ التقذیر للطعام یعنی باب مکروہ ہونے میں گہن کرنے سے کھانے  
میں لیکن اگر اس بحث کے وہ معنی ہوتے جو مولوی صاحب نے فرمائے تو ابو داؤد کو یہ لکھنا  
مناسب ہوتا کہ باب مکروہ یا حرام ہونے میں طعام نصاریٰ کے۔

**چوتھی وجہ۔** اس حدیث کو جس طرح سے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اس کے  
الفاظ یہ ہیں وسأله رجل فقال ان من الطعام طعاما اتخذه منہ فقال لا يتحلجن  
فی نفسک شیئاً اور اس سے حدت طعام ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب پوچھنے والے نے  
اپنے وسوس اور کراہیت کو بیان کیا اور اس کے جواب میں غیر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے  
یہ فرمایا کہ کچھ شک نہ کر تو یہ فرمان صاف حدت طعام پر اور منع کرنے وسواس پر دلالت کرتا  
ہے نہ اس کی حرمت پر اور اگر سنی ال کے جواب میں ان غلطوں سے حرمت کے معنی ملو  
لیے جاویں اور نبی کے کلام میں کی ایسی تفسیر کہجاوے تو اس میں اور تحریف میں کیا  
فرق ہوگا۔

**پانچویں وجہ۔** واسطے اطمینان خاطر قلیلین کے یس چند عالموں کے قولوں کو  
بہی نقل کرتا ہوں تاکہ اس سے بھی حلت طعام اور منع وسواس ثابت ہو جائے۔

**مجمع البحار میں لکھا ہے۔** قولہ لا يتحلجن ای لا يتحرك فيہ شیئ من لشاک  
ویوروی بالحاء ای المسئلة واصل الاختلاج الحركة ولا اضطراب قوله ضارحت  
ای شابهت النصرانية والرهانية فی تضييق وتشدید هم وکیف وانت  
علی الحنیفة السہلیۃ یعنی نہ آوے تیرے دل میں کچھ شک اور اختلاج نہ ہووے تجھے  
یعنی حرکت اور اضطراب کیا تو مشابہ ہوگا نصرا نیوں اور رہبانیوں کے اپنے اوپر تلکی کرنے  
اور تشدد کرنے میں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ تو ایسے دین پہ ہے جو سیدھا اور  
آسان ہے۔

فتح اللودود میں نقلاً عن الطیبی لکھا ہے کہ جملۃ ضارعت جواب شرط محذوف  
 اوان شکلت شابت فیہ الرہبانیۃ والجملة الشرطیۃ متافقة لبيان سبب النھی  
 والمعنی لا یدخل فی قلبک ضیق ورجح لانک علی الخفیۃ السہلیۃ فاذا شکلت  
 وشدت علی نفسک بمثل هذا شابت فیہ الرہبانیۃ یعنی ضارعت  
 جواب ہے شرط محذوف کا اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اگر تو شک کرے گا تو مشابہ ہوگا  
 رہبانیت کے اور جملہ شرطیہ واسطے بیان سبب نہیں کے ہے اور معنی یہ ہیں کہ نہ آئے  
 تیرے لیے کچھ نئی اور شک کیونکہ تو ایسے دین پر ہے جو سیدھا اور آسان ہے پس  
 اگر تو شک کرے گا اور اپنے اوپر سختی اور شدت روا رکھیں گے ایسی باتوں میں تو مشابہ ہوگا تو  
 رہبانیت کے فقط اور چونکہ نصاریٰ میں رہبانیت جاری تھی اور رہبان حلال چیزوں  
 کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے اور اُسے نیکی اور عبادت جانتے تھے اور ہر بات میں شک شبہ  
 کرنے کو زہد سمجھتے تھے اور چونکہ حضرت نے اپنے دین میں ایسے تشدد اور دوسواں کو  
 منع کر دیا اس لیے شک کرنے کو حلت میں طعام اہل کتاب کے رہبانیت سے مشابہ  
 فرمایا۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ قوله لا یخجلن معناه بالمہملۃ لا یدخل فی  
 قلبک فیہ شی فانہ مباح وبالجمہ۔ لا یخجلن فی قلبک الشک۔

معرض ہمارے نزدیک جواز طعام اہل کتاب میں از روئے قرآن وحدیث کے کچھ  
 کلام نہیں رہا۔ یہ امر کہ اہل کتاب سے وہی یہود ونصاریٰ مراد ہیں جو اپنے تئیں ملت  
 موسویٰ اور مذہب عیسوی کا عقیدہ کہتے ہیں یا نہیں چنانچہ سید احمد خاں صاحب  
 اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں اسی امر کے مدعی ہیں مگر مولوی امداد علی خاں صاحب اپنی  
 کتاب کے صفحہ ۵۰ اور خ ۶۶ میں اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد اس آیت میں  
 وہ اہل کتاب ہیں کہ جن کی عادت تسمیہ کی وقت ذبح کے تھی اور وہ موحدین یہود و  
 نصاریٰ ہیں سے تھے۔

میرے نزدیک ثابت کرنا اس امر کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض  
 نصاریٰ کی عادت تسمیہ کی وقت ذبح کے تھی اور وہ موحدین سے تھے اور بعض  
 کی عادت تسمیہ کی نہ تھی اور وہ مشرکین سے تھے ایسا مشکل ہے کہ سوائے دعویٰ

رہنے کے شاید کوئی عالم اسکو ثابت نہیں کر سکا کیونکہ کوئی فرقہ نصاریٰ کا ایسا نہ تھا  
 نہ ہے کہ جس میں سیدہ فخرتیس کی عادت کا وقت زوج کے اختلاف ہو۔

یہ خیال کرنا کہ نصاریٰ بہ سبب اعتقاد مسئلہ تثلیث کے مشرکین میں ہیں اور اس لیے  
 ذبیحہ اُن کا ناجائز ہے غلطی ہے کیونکہ وہ مدعی توحید ہیں اور جو کہ مدعی توحید ہو اُس پر  
 اطلاق شرک نہیں ہو سکتا۔ علماء خفیہ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ  
 امام اہل کتاب الذبائح میں لکھا ہے ومن شرطہ ان یکون الذابح صاحبۃ التوحید  
 اما اعتقاداً کالمسلم او دعویٰ کالکتابی۔ اور کھایہ خزانہ میں اُس کے حاشیہ پر  
 لکھا ہے کہ فافہ یدعی التوحید پس ظاہر ہو کہ جو شخص مدعی توحید ہو مثل یہود و نصاریٰ کے  
 اُس کا ذبیحہ ویسا ہی جائز ہے جو کہ مسودہ ہو اعتقاداً پھر اس کی تائید صاحب ہدایہ کے دوسرے  
 قول سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وذبیحۃ الکتابی والمسلم حلال لما تلونا ولقوله تعالیٰ  
 وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم واطلاق الکتابی منتظم الکتابی الذی الحربی  
 والعربی والتغلبی لان الشرط قیام الملت علی ما مر اس سے ظاہر ہے کہ کتابی کا اطلاق  
 سب اہل کتاب پر ہے خواہ وہ ذمی ہوں یا عربی ہوں یا تغلبی اور اُن کا ذبیحہ جائز  
 ہے کیونکہ قیام ملت واسطے جواز زوج کے شرط ہے اور یہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ  
 لا تو کمل ذبیحۃ المجوسی لانہ لا یدعی التوحید فانعدمت الملتۃ اعتقاداً ودعویٰ  
 کہ ذبیحہ مجوسی کا کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ توحید کا دعویٰ نہیں کرتا پس ملت معدوم ہے  
 اعتقاداً اور نیز دعویٰ۔ اور اُس کی تائید عینی شرح صحیح بخاری کے قول سے بھی ہوتی ہے  
 فقال هذه الآية فی معرض استدلال علی جواز کل ذابح اهل الکتاب من الیهود والنصارى  
 من اصل العرب وغيرہ لان المراد من قوله تعالیٰ ذبايحہم بہ قل ابن عباس و  
 ابوامامۃ ومجاہد وسعید بن جبیر وعکرمہ وعطاء والحسن والمکحول وابراہیم  
 الخنسی واسدی ومقاتل ابن حبان وهذا امر مجمع علیہ بین العلماء ان ذبايحہم  
 حلال للمسلمین لانہم لا یعتقدون الذبايح لغير الله تعالیٰ ولا یدکرون حل  
 ذبايحہم لاسم الله وان اعتقدوا فیہ ما هو منزه عنہ۔ اگرچہ ملت ذبیحہ اہل  
 کتاب میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اگر تسمیہ اور عدم تسمیہ پر وقت زوج کے لحاظ کیا جاوے  
 تو ابو داؤد کی حدیث پر رجوع کرنا چاہیے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکرم تسمیہ وقت زوج کے

اہل کتاب سے متعلق نہیں ہے چنانچہ وہ حدیث ابن عباس کی ابو داؤد سے مستحکم  
 صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷ میں نقل کی ہے۔ قال فكلوا مما ذكر اسم الله عليه  
 ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه ففسخ واستثنى من ذلك فقال طعام الذين  
 ادتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم یعنی یہ آیت کہ نہ کھاؤ تم اُس چیز سے کہ  
 جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو نسخ ہوئی اور کھانا اہل کتاب کا بموجبیت طعام الذین  
 ادتوا الکتاب کے مستثنی ہو گیا۔ مولوی امداد العلی صاحب بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۶۲ میں  
 اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس قول ابن عباس سے یہ نہیں نکلتا ہے کہ اہل کتاب  
 کے ذبح میں موافقت ہمارے قواعد ذبح کی شرط نہیں ہے کہ ذابح کتابی ہو یا مسلم جیسا کہ  
 مذہب ابن عباس کا ہے کہ متروک التسمیہ مطلقاً عمد ہو یا سہواً اُن کے نزدیک حلال ہے  
 اگرچہ جد اس کے مولوی امداد العلی صاحب نے عمد متروک التسمیہ کی حرمت ثابت کی  
 ہے لیکن اس قول کو حضرت ابن عباس کے تسلیم کیا ہے۔ اب ہم اس بات کو ثابت کرتے  
 ہیں کہ ایک جماعت عام صحابہ و تابعین کی آیت لا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه کے  
 منسوخ ہونے کی قایل ہے جیسا کہ تفسیر ابن الکمال میں لکھا ہے وروی عن ابی الدرداء  
 وعبادة بن الصامت وجماعة من التابعين انهما منسوخة لقوله تعالى وطعام الذين  
 ادتوا الكتاب حل لكم واجازوا ذبايح اهل الكتاب وان لم يذكر اسم الله عليها  
 ولا نسبي ذلك لنبأ بل هو تخصيص اور روایت خطابی سے شرح سنن ابو داؤد میں بذیل  
 حدیث حضرت عائشہ کے عدم شرط ہونا تسمیہ کا ثابت ہوتا ہے کما قبل فیہ دلیل علی  
 ان التسمیة غیر شرط علی الذبیحة لا تھالوکانت شرطاً لتج الذبیحة بالامر المشکوک  
 فیہ +

امام شافعی حرمت التذکیر کے نزدیک تسمیہ سے عمد ہو یا سہواً حرمت بھی نہیں  
 ہوتی۔ وہ دو دلیل بیان کرتے ہیں۔ اول ایک حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 جسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے المسلم یدبح علی اسم الله تعالى سمي او لم یسم  
 کہ مسلمان خدا ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے خواہ اُس نے وقت ذبح کے تسمیہ کیا ہو یا نہ کیا ہو  
 دوسرے ترک تسمیہ کا سہواً باعث حرمت ذبیحہ نہ ہونا اسپر دلالت کرتا ہے کہ تسمیہ علت ذبیحہ  
 کے لئے شرط نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے فان التسمیة لو كانت شرطاً

للحل لما سقطت بعد الزمان كالطهارة في باب الصلوة ولو كانت شرطاً فالعلة  
اقيمت مقامها كافي الناسي كذا في التسمية واسطى حلت ذبیحہ کے شرط ہوتا تو وہ شرط بعد از  
بھول کے ساقط نہ ہوتی جیسے کہ طہارت نماز کے لیے ہے اور اگر تسمیہ شرط بھی ہو تو علت  
اور مذہب ہی قائم مقام تسمیہ کے ہے جیسے تسمیہ کے بھولنے والے کے ذبیحہ کی نسبت  
بجھا گیا ہے پس موافق قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی تسمیہ شرط ذبیحہ نہیں اور  
غیر متعین کو ہر مسئلہ میں تقلید کسی امام کی لازم نہیں پس کہ تسمیہ کو شرط ذبیحہ نہ جاننے  
سے زیادہ اس سے کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ امام شافعیؒ یا ان کے متعین  
کی نسبت دیا جاسکتا ہے۔

سید صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں حدیث ابو داؤد کی سند پر جو اوپر مذکور  
ہوئی لکھا ہے کہ اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر بھاڑ کر مار ڈالنا زکوٰۃ  
سمجھتے ہیں تو ہم مسلمانوں کو اسی کا کھانا درست ہے۔ اس کے جواب میں لوی ادا اعلیٰ  
صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۲ میں لکھا ہے کہ اس روایت سے صرف یہ نکلتا ہے کہ  
تسمیہ بیچ میں شرط نہیں ہے میرے نزدیک اس مسئلہ میں سید احمد خاں صاحب نے بڑی  
غلطی کی ہے کیونکہ جو دعویٰ انہوں نے کیا ہے وہ اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا  
اور کتابی کا ذبیحہ بلا تسمیہ کے جائز ہونے کے سوائے اس قول سے اور کچھ نہیں نکلتا اور  
چونکہ مختلف کی مدت حد ایک دوہری آیت حکم سے ثابت ہے اور اس کی تخصیص بخلاف  
کسی دوسری آیت سے نہیں ہوتی تو مجھے کہیونکہ انہوں نے اس روایت سے خیال  
کیا کہ اہل کتاب کا گردن مروڑ کر زوالنا بھی ذبیحہ میں داخل ہے اور جو قول ابن عربی اور عیاد کا  
انہوں نے نقل کیا ہے وہ ایک عالم کی رائے ہے جو قرآن حدیث کے ظاہری الفاظ سے  
مخالف ہے اس لیے بلکہ اس پر کچھ اعتبار نہیں۔

پھر سید صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۶۲ میں لکھتے ہیں کہ طعام اہل کتاب میں ہکو تمیش  
اس بات کی کرنی کہ کس نے ذبیحہ کیا اور کیونکر ذبیحہ ہوا ہے کچھ حاجت نہیں۔ جواب اس کے

لے اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں سید احمد خاں صاحب متفق نہیں ہیں بلکہ بعض علماء متفقین  
نے بھی اس کو حلال سمجھا ہے۔ ۱۲ مہتمم



مولوی ادا والی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۶۶ میں لکھتے ہیں کہ جب نصاریٰ ہمارے ملک کے بیچ نہیں کرتے اور کسی جانور کا گوشت ہو اور کسی مارا ہوا ہو کھا لیتے ہیں تو اہل اسلام کو جب اُن کے یہاں کا گوشت پکا یا چا سائے تو سے نفیث اُس کی بہت ضرور ہے ہمارے نزدیک اس میں بھی رائے سید احمد خاں صاحب کی خطا پر ہے۔ اُن کو سوچنا چاہیے تھا کہ وہ بھی مشرکین کا قطعاً حرام ہے اور شر شرکین مثل چار وغیرہ کے باورچی انگریزوں کے ہوتے ہیں اور ہند جانوروں کو وہی باورچی گردن مروڑ کر اڑاتے ہیں تو غیر نفیث کے ایسے ہند جانوروں کا کھالینا گویا چاروں کے اٹھ کے گردن مڑی ہوئے جانور کا کھالینا ہے۔ اگر حرن ظن پر خیال کیا جائے تو یہ اُس وقت ہو سکتا تھا جب کہ انگریزوں کا تعامل مسلمانوں سے بیچ کرانے یا خود بیچ کرنے کا ہوتا رہا تو اُن کا بالکل بخلاف اس کے ہے تو ایسی صورت میں کوئی وجہ حرن ظن کی نہیں لیکن مجھ سے جب سید صاحب سے زبانی گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں جب جانتا ہوں کہ باورچی کسی انگریز کا ہندو ہے تو ضرور ذبیحہ کی تحقیق کر لیتا ہوں ہاں جہاں یہ معلوم ہے کہ باورچی مسلمان ہے اُس تحقیق نہیں کرتا۔

سید احمد خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر کو بہت احتیاط ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لینا چاہیے کہ یہ بیچ کیا ہوا ہے یا نہیں۔ مگر مولوی ادا والی خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۶۶ میں لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کے قول کے متبر ہونے میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اول تو اہل کتاب کے قول کے متبر ہونے میں شبہ کرنا اس وقت چاہیے تھا جبکہ جھوٹ بولنا اُن کی شریعت میں یا اُن کے نزدیک جائز ہوتا واذلیس ظاہر اور ظاہر کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی کہ وہ غیر ذبیحہ کی نسبت کسی سلم سے بیچ ہو یا اُس کا کہیں۔ دوسرے فقہاء کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہدیہ میں لکھا ہے کہ من ارسل اجدی اللہ مجوسیاً او حامداً فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یهودی او نصرانی او مسلم و سجد اکلہ پس مجوسی مشرک کا یہ کہہ دینا کہ میں نے گوشت کو نہری یا نصرانی یا مسلم سے لیا ہے واسطے کھانے اُس گوشت کے کافی ہے۔ پس خود اہل کتاب کا قول کہ یہ مگر لایق اعتبار کے نہ ہوگا اور نازل میں لکھا ہے کہ سئل ابو مطیع عن نصرانی دعی رجلاً الى طعام وقال اشتریت اللحم من السوق انا کله قول ابو مطیع سالت

بن الج عروۃ عن ذالک قال کل وکذا ذالک قال مقاتل ابن حبان اما اصحابنا فانهم  
الاولا لانا کل حتی نزیه اندہ قد ذبح۔ یعنی کسی نے ابو طحیح سے پوچھا کہ اگر ایک نصرانی  
سی کی دعوت کرے اور کھانے کو بلائے اور یہ کہے کہ میں نے گوشت بازار سے مول  
لیا ہے تو ہم اُسے کھادیں۔ ابو طحیح کہتے ہیں کہ میں نے ابی عروہ سے پوچھا انہوں نے  
اس کی اجازت دی اور یہاں ہی کہا تھا کہ مقاتل ابن حبان نے لیکن ہمارے اصحاب  
نے کہا ہے کہ ہم نہ کھادیں گے جب تک نہ دیکھ لیں کہ اُس نے ذبح کیا ہے پس اس  
روایت سے ابو طحیح اور ابن ابی عروہ اور مقاتل ابن حبان کے نزدیک نصارے کے  
ظہر کا گوشت کھانا صرف اس کہنے پر کہ اُس نے بازار سے مول لیا ہے جائز ہے بغیر  
اس کے کہ اُس کا ذبیحہ خود اُس نے کیا ہو اور مسلمان نے دیکھا ہو یسین جبیل کتاب  
ذبح کا ہونا خود بیان کرے تو اُسکی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔

### دوسری بحث بہ نسبت مواکلت کے

سیدنا محمد صاحب نے مواکلت کو ساتھ اہل کتاب کے جائز قرار دیا ہے اور  
مولو صاحب نے اُسے نہ صرف منوع اور حرام ٹھہرایا ہے بلکہ نسبت کفر کی اُس سے  
ترکیت کی طرف ہے اور بہت سی وجوہ حرمت کی بیان کی ہیں۔ مگر جتنی وجوہ حرمت  
کی بیان کی گئی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ جن کا نقل کرنا اور رد کرنا بھی فضول ہے کیونکہ  
اُن سے صرف مواکلت اہل کتاب کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سوائے اعلیٰ  
درجہ کے متقی پرہیزگاروں کے اور سب مسلمانوں کے ساتھ کھانا کھانا بھی حرام  
اور منوع ہوتا ہے اور اہل کتاب سے ملنا۔ اُن کی تعظیم کرنا اُن کی نکرہی کرنا بھی  
نہ صرف حرام بلکہ قریب کج فہم ہوا جاتا ہے لیکن جب ہم میں سے اکثر مسلمان ہیں جو  
غیر متقی مسلمانوں کی صحبت سے نفرت نہیں کرتے اور مشرکین اور بت پرستوں کے  
اختلاط و ارتباط و دوستانہ سے باز نہیں رہتے اور انہیں اہل کتاب کے سامنے جن کی

ملہ مسلم ہر اہ کھانے والے نصرانی کو نصرانی کہنا جہالت کی بات ہے۔ اس سے بلاشبہ گنہگار ہوتا  
ہے کہنے والا توبہ کرے۔ (فتاویٰ مولوی محمد امجد علی رامپوری)

مواکلت کو حرام بتاتے ہیں اس ادب اور تعظیم سے پیش آتے ہیں کہ ایک اونٹنے درجہ کا  
خاندانہ و غلام اپنے اعلیٰ مرتبہ کے آقا کے سامنے بھی اس تذلل سے پیش نہ آوے گا  
اور پھر نہ صرف عوام اور جاہل اس میں مبتلا ہیں بلکہ بڑے بڑے جناب مولانا و سیدنا  
وقبلہ و کعبہ ادنیٰ درجہ کے انگریزوں کی رضا کے خدا کی رضا سے زیادہ طالب میں  
اور خلاف مآ انزل اللہ الیہ کے احکام صادر کر کے ان سے ترقی دنیا کی خواہش  
کرتے ہیں اور پھر ان میں سے نہ کوئی کافر ٹھہرتا ہے نہ کرستان تو پھر وہ شخص جو  
انگریزوں کے ساتھ بہ دعویٰ مساوات کھانا کھاوے کیونکر کافر و کرستان ہوگا  
ذلک ظن الدین لا یعقلون۔

جہاں تک میں غور کرتا ہوں مولوی صاحب نے بہت مبالغہ کیا ہے اور حد  
زیادہ تشدد فرمایا ہے شاید مولوی صاحب نے جواب ترکی بر ترکی کے مضمون پر عمل  
کیا ہے کہ جب سید صاحب نے انگریزوں کے کھانے کو بلا تحقیق و تفتیش جائز کر دیا  
اور اہل کتاب کی گردن موڑ دی ہوئی مرعی کو بھی حلال ٹھہرا دیا تو اس کا جواب یہی ہے  
کہ انگریزوں کا کھانا اور ان کے ساتھ کھانا نہ صرف مکروہ اور خلاف تقویٰ ٹھہرایا  
جاوے بلکہ ممنوع اور حرام اور قریب بکفر کر دیا جاوے ورنہ جو شخص ذرا بھی انصاف  
کرے گا اور اصول شریعت کو خود سے دیکھیکھا وہ ہرگز نہ کہے گا کہ مسلمانوں کا مذہب  
کھانے پینے میں ہندوؤں کا سا ہے یا ان کی طرح چھوت و پرہیز کا قاعدہ ان میں بھی  
جاری ہے کہ کسی کے ساتھ کھالینے یا کسی کے گھر کے کھانا کھالینے سے دین جاتا  
رہتا ہے نہ تو ذلت منہا ایک۔ اگر مولوی صاحب یہی پر فاعت فرماتے کہ انگریزوں  
کے ساتھ کھانا کھانا بغیر تحقیق و تفتیش طعام کے مکروہ اور بعد تحقیق بھی خلاف تقویٰ  
تو بعض منصف مزاج سکوت کر جاتے مگر انہوں نے تو اس قدر مبالغہ کیا کہ مواکلت کو ہر تہ  
شرک باعد و انکار نہایت بنا دیا پس سوائے ان لوگوں کے جو رسموں میں ہندوؤں کے  
مستند ہو گئے ہیں اور چھوت و پرہیز میں ان کی طرح کفر و اسلام کا اطلاق فرمائے لگے  
ہیں کئی دانشمند سمجھتا آدمی تو اس بات کو نہ مانے گا۔

ان باتوں سے قطع نظر کر کے اگر ہم عمل پر مسلمانوں کے نظر کریں تو یہ ثابت ہوتا ہے  
کہ نہ اگلے زمانہ میں احترام مواکلت سے تھا اور نہ اب اور نہ ایک مسلمان محترم میں خاصچہ

ہم نے کتاب افاتہ اللہ خان سے ایک ایت نقل کر کے اُسے دکھا دیا ہے کہ اصحاب نبی  
 نے ایک رومن کیتھولک عیسائی کی دعوت قبول کی اور اُس کے عبادت خانہ میں جا کر  
 اُس کا کھانا کھایا اور نوازل میں جو لکھا ہوا ہے کہ سٹل ابو مطیع عن نصرانی دعا  
 راجعاً الی طعام وقال اشتریت اللحم من السوق انا کله قال ابو مطیع سألت بن  
 ابریمو عن ذلک قال کل وکذا ذلک قال مقاتل ابن حبان کہ کسی نے ابو مطیع سے  
 پوچھا کہ اگر کوئی نصرانی ہماری دعوت کرے اور کھانے پر بلاوے اور کہے کہ میں نے  
 گوشت بازار سے مول لیا ہے تو ہم کھائیں یا نہ کھائیں تو انہوں نے ابن ابی حردیہ  
 پوچھا انہوں نے اجازت دی پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعوت قبول کرنا  
 نصرانی کی جائز ہے اور اُس کے کہدینے پر کہ گوشت بازار کا خریدہا ہے گوشت کا کھانا  
 بھی درست ہے پس اگر اُن کی دعوت قبول کرنا درست نہ ہوتا تو یہی جواب کافی ہوتا کہ اُن  
 کی دعوت کی اجابت ہے حرام اور کفر ہے نہ کہ اُن کے گھر کا پکا ہوا گوشت کھانا اور اُن  
 کے قول کو دیانات میں محبت برجانا۔

سب سے زیادہ تصریح جواز موکلت کی سیرت سلطان صلاح الدین سے ہوتی ہے  
 جو تالیف بن عباس کی ہے اور جس میں خود اُس نے اپنی آنکھ دیکھی ہوئی باتوں کو لکھا  
 ہے کہ اُس نے اُس کتاب میں چند مقام پر لکھا ہے کہ سلطان صلاح الدین نے عیسائی  
 بادشاہوں کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اُن کی تحظیم و تکریم کی حالانکہ اُس بادشاہ کی  
 سطوت اور صلاحات مشہور ہے اور بیت المقدس کا فتح کرنا اُس کے اسلام کی ابتک  
 ایک بڑی نشانی موجود ہے میں اُس کتاب سے دو نقلیں کرتا ہوں جس کی کوئی دلیل  
 ہے دیکھنا منظور ہو وہ اصل کتاب کو دیکھیے صفحہ ۲۰ میں اُس کتاب کے یہ لکھا ہے۔  
 ولقد رأیتہ وقد دخل علیہ صاحب صیدا بالناصرة فاحترمه واکرمه و  
 اکل معہ الطعام ومع ذلک عرض علیہ السلام فذکر لہ طرفاً من محاسنہ  
 وحشہ علیہ یعنی میں نے خود دیکھا کہ سلطان صلاح الدین کے پاس امیر صیدا آیا  
 تو سلطان نے اُس کا احترام اور کرام کیا اور اُس کے ساتھ کھانا کھانا اور پھر باوجود  
 اس کے خوبیاں سلام کی اُس کے سامنے بیان کیں اور مسلمان ہونے پر اسے بڑی نعمت  
 کیا اور پھر صفحہ ۹۰ میں لکھا ہے کہ صاحب الشفیق یرے منبثق معہ علم السلامة

فری ان اصلاح حالہ معہ قد تعین طریقاً الی سلامتہ فنزل بنفسہ وما حسبہا  
 بہ الا وہو قائم علی باب خیمۃ السلطان فاذن لہ فدخل فاحترمه واکرم مکان  
 من کبار الفرنجیۃ وعتلائہا وکان یعرف بالعربیۃ فحضرین یدی السلطان  
 واکل معد الطعام۔ خلاصہ یہ ہے کہ والی شفیق جو بڑے امیروں اور دانشمندوں سے  
 انگریزوں کے تھا سلطان کے پاس آیا تو سلطان نے اُس کی تعلیم و تکریم کی اور اُس کو  
 اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ چال تو اگلے لوگوں کا تھا اور اب روم کے سلطان اور اُن کے  
 علماء و فضلا کا حال ظاہر ہے کچھ پوشیدہ نہیں کہ شاہ فرانس اور ملکہ انگلستان کے مہمان تھے  
 اور جب عتوئیں لیں اور جب کھائے کھائے اور کسی نے علماء و تکریم یافتہ اربعینہ میں سے  
 اُن کے کفر و ارتداد کا فتویٰ نہ دیا۔

جہاں تک میں نے سوچا اور غور کیا مجھے نفس مواصلت کے جوازیں کچھ شبہ  
 نہیں ہی گزرا کہ کتاب ہمارے یہاں آکر ہمارے ساتھ کھانا کھائیں تو یہ مواصلت بلاشبہ  
 جائز ہے اور اگر ہم اُن کے یہاں جاویں اور اُن کے گوشت کا ذبیح کیا ہوا ہونا ثابت  
 ہو جاوے اور شراب و سُور نہ ہو تو بھی اس مواصلت میں کچھ کلام نہیں اور اگر  
 گوشت کا ذبیح نہ ہونا ثابت ہو جاوے تو اُس گوشت کی حرمت میں کچھ شک نہیں اور  
 اگر شراب و سُور بھی اُس میں نہ ہو تو وہ توہم و شرک اور مواصلت کراہت سے خالی  
 نہیں اس سے زیادہ جو کوئی کچھ کہے وہ افراط و تفریط اور عناد و تعصب ہے۔ و تمیز  
 اعلم بالصواب ۵



## عشر

عزت ایک چٹا خیال ہے جو انسان کی خود اختیاری اچھی حالتوں کے سبب سے  
 اُس کی بڑائی کی نسبت دل میں پیدا ہوتا ہے عام اس سے کہ وہ حالتیں علمی ہوں  
 یا علمی۔ قولی ہوں یا فعلی۔ باطنی ہوں یا ظاہری۔ لازمی ہوں یا متعدی۔ پس جو  
 انسان جس قدر اپنی حالتوں کو درست کرے گا اور ضبطاً اچھے خیالوں اور اچھی باتوں

اچھے کاموں۔ اچھی عادتوں سے موصوف ہوگا اتنی ہی عزت کا مستحق ہوگا۔ عزت ہی وہ شے ہے جس کے حاصل کرنے کا شوق انسان سے بڑی بڑی سخت محنتیں کرتا ہے اور اُسے بڑے بڑے رنج دیتا ہے اور جب وہ حاصل ہو جاتی ہے تو انسان اپنی زندگی بڑی خوشی سے کاٹتا ہے۔ سارے رنج و غم بھول جاتا ہے۔ انسان جانتا ہے اُس کی ہڈیاں خاک ہو جاتی ہیں۔ اُس کی خاک کا نظارہ بھی نہیں ملتا۔ پُرس کی عزت نہ ملتی ہے نہ خاک ہوتی ہے۔ ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے اور حقیقت موت کی گشاہی سے محفوظ رکھ کر انسان کو زندہ عابد کنتی ہے۔

عزت و حقیقت ایک سمجھنا اچھے کمالات کا اور ایک بدمعاشات کا ہے اس لیے جب تک کوئی کسی کمال سے مکمل اور کسی صفت سے موصوف نہ ہو وہ عزت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ وہی طرح جو اچھے کمال کا جامع ہو اچھی صفت سے مستف ہو وہ عزت کے مستحق سے محروم نہیں رہتا۔

انسان کے اچھے خیال۔ اچھی باتیں۔ اچھے کام عزت کو ایسا کھینچ لیتے ہیں جیسا کہ منافقین کو ہے کہ یا کبریا کھاس کو دو کہ جس سے اپنی بزرگی و عزت کا طالب نہیں ہوتا۔ مگر لوگ خود بخود اُس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ کسی سے اپنی تعریف نہیں چاہتا مگر بس اُسکی صفت خود کرتے ہیں کیونکہ انسان کی اچھی حالتوں کا یہ قدرتی خاصہ اور ذاتی تاثیر ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ جو شخص اچھے خیال رکھتا ہے اچھی صفات کا جامع ہوتا ہے وہ خود اپنے آپ کو اچھا جانتا ہے اپنی پ عورت کرتا ہے۔ وہ مغرور تو نہیں ہوتا مگر اپنے آپ کو سچی عظمت میں جانتا ہے۔ وہ کب نہ آدمی کی طرح جھوٹی شہینہ تو نہیں رکھتا مگر مروج خود داری کا خیال رکھتا ہے۔ اُس کا دل اُس سچی عزت اور مدوح خود داری کے سبب سے ایک پُر عجب شاہنشاہ کی مانند ہوتا ہے جسے اپنی شاہنشاہی پر خود ناز ہو اسی واسطے وہ مخالفوں کے ذلیل کیے سے اپنے آپ کو ذلیل نہیں جانتا وہ دشمنوں کے حقیر کہہ دینے سے اپنی حقارت نہیں سمجھتا۔ اُس کا دل ایک بچے جیسا کہ مسکین کے موافق جو ہماری کا طالب تو ہوتا ہے مگر جھوٹے سوتی کی جھوٹی چمک دکھانے سے اپنی بے آبروئی نہیں سمجھتا۔ وہ اصل بخششانی کی طرح سلطان تاج کی خواہش تو رکھتا ہے مگر کسی دان مجلس کے پھینک دینے سے اپنی بے قدری نہیں جانتا۔ جو عزت

سچی عزت ایک قدرتی چیز کے موافق ہوتی ہے جسے کوئی خس و خاشاک وک نہیں سکتا اور ایک روشن آفتاب کی مانند ہوتی ہے جس کی نورانی شعاعوں کو کوئی شہر و چہرہ بند نہیں کر سکتا۔

جو شخص کسی قوم میں ایسی عزت کا مستحق ہو وہ درحقیقت اُس قوم کا سہیل ہے جو اپنی قوم کے دلوں کو اپنے روشن خیالات کی برکت سے ساری غلامتوں اور کشافوں سے پاک صاف کر کے ادیم یعنی کی طرح معطر اور منور کر دیتا ہے یا وہ نسیم بہاری کی خاصیت رکھتا ہے کہ اپنے نرم و لطیف روح افزا جھونکوں سے اپنے ملک کو باغ ارم بنا دیتا ہے۔ جس قوم میں کوئی ایسا شخص نہ ہو وہ خاروں کا ایک گلدستہ ہے جس میں کوئی پھول نہ ہو یا ریت کا ایک چٹیل میدان ہے جس میں کوئی بار و سایہ دار درخت نہ ہو۔

عزت کی خوبی جو کچھ ہم بیان کریں وہ کم ہے۔ لیکن جبکہ وہ موقوف ہے انسان کی اچھی حالتوں پر تو یہ کم اچھائی بُرائی کی تحقیق کے اصول بھی بیان کرنا ضرور ہے تاکہ ہم اصلی عزت کا ادراک کر سکیں۔ ورنہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض خیال بعض کام کسی ایک قوم یا کسی ایک فرقہ یا کسی ایک شخص کے نزدیک اچھے سمجھے جاتے ہیں اور وہ عزت کے سبب تصور کیے جاتے ہیں اور اُسی خیال و ہی کام دوسری قوم یا دوسرے فرقہ یا دوسرے شخص کے نزدیک بُرے سمجھے جاتے ہیں اور ذات کے باعث ہوتے ہیں تو اگر اچھائی بُرائی کی تحقیق کے اصول اور ان کے اختلافات ظاہر نہ کیے جا دیں تو اصلی عزت کی نتیجہ بھی شکل ہو جاوے۔

اچھائی بُرائی کی تحقیق کے لیے یہ ظاہر ترین اصول ہیں۔ ایک عقل۔ دوسرا شرع و تہذیب عرف عام۔ مگر درحقیقت اصل اصول ایک ہی ہے۔ یعنی عقل اور شرع اگر سچی ہو تو وہ اچھائی بُرائی کی ظاہر کرنے والی ہے اور عقل اُس کی ثابت کرنے والی۔ دونوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اور عرف عام جسے رم و رواج کہتے ہیں وہ فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے مگر جمیع تینوں سے کچھ کچھ بحث کرتے ہیں۔

اکثر مذہبی لوگ عموماً کہتے ہیں کہ عقل سے اچھائی بُرائی کی نتیجہ نہیں ہو سکتی نہ مذہب کی تباہی ہوئی اچھائی بُرائی کی حقیقت دریافت کر سکتی ہے مگر اسے نزدیک یہ

اُن کی سمجھ کی غلطی ہے اور یہ قول اُن کا عقل اور مذہب دونوں سے باطل بنتا ہے کیونکہ  
مذہب مختلفوں سے ایک سچے مذہب کا تحقیق کرنا اور پھر سچے مذہب کی سچی باتوں کو  
جھوٹی اور ملائی ہوئی لوگوں کی باتوں سے جدا کرنا عقل ہی کا کام ہے ورنہ ہر مذہب  
کی حقیقت اور مذہب کی سچی بات کی تصدیق لازم ہو جسے سوائے نادان  
کے کوئی نہ مانے گا۔ پھر سچے مذہب کی جویوں کے دریافت کرنے کا عقل ہی ایک  
کامل فریوہ ہے اور مذہب نے بھی عقل ہی سے کام لینے پر بدایت کی ہے افلا تعقلون  
اور افلا تذکرون کا خطاب عقل ہی کے سبب ہے۔ انھم لا یعقلون شیئا  
اور اولئک کا لاندہام کی جھڑکیاں عقل سے کام نہ لینے ہی کے باعث سے ہیں  
جو لوگ جھلائی بُرائی کی تحقیق، اُس کو تسلیم سے عقل کو عاجز جانتے ہیں وہ حقیقت  
وہ انسان کی اُس قوت سے منکر ہیں جو خدا نے اُسے بھلائی بُرائی کے سمجھنے کے واسطے  
دی ہے اُن کے نزدیک حیوان اور انسان میں کچھ فرق نہیں۔ حقیقت میں ایسے  
لوگ خود ادا ہیں۔

جو لوگ عقل کو حسن و قبح اشیاء کی تحقیق سے معطل جانتے ہیں اُن کو وہ خلاف جو  
مذہب باتوں اور عقلی تحقیقات میں ہے اس خیال پر دھنسی ہوا ہے مگر اُن سے دو غلطیاں  
ہوئی ہیں۔ ایک تو انھوں نے شخصی اور جزئی عقل کو پیش نظر رکھا اور عقل انسانی  
اور عقل کلی کو چھوڑ دیا۔ دوسرے ظاہری اختلافات شرع اور عقل کو اپنی عقل کے  
نقصان کے سبب سے دور نہ کر سکے اور تحقیق اور تسلیم میں جو فرق ہیں اُس سے  
بھی اقف نہ ہوئے ورنہ وہ ایسے غلط خیال میں پھنستے اس لیے اب ہم اُن کو بتاتے  
ہیں کہ ہماری مراد عقل سے عقل شخصی نہیں ہے بلکہ عقل انسانی ہے جو لوگوں کے تجربہ  
اور حقیقتات اور علم سے کامل ہو جاتی ہے اور ساری غلطیوں کو دور کر دیتی ہے اور  
آخر سچی بات کو ایسا تحقیق کر دیتی ہے کہ کوئی اُس سے انکار نہیں کر سکتا۔  
پھر مذہب کی اچھی باتوں کو گو اول عقل ظاہر نہ کر سکے مگر بعد ظاہر ہو جانے کے کسی  
اچھائی کو تسلیم کر سکتی ہے۔ اگر تسلیم کی استعداد بھی اُس میں نہ ہو تو ہمارے نزدیک تکلیف  
شرعی جہت اور عذاب ثواب فصول ہو جاوے اور انسان کو ایمان کی تکلیف ایسی ہو  
جیسی کسی جانور کو صنعت اور حرکت کی تکلیف دینا۔ معاذ اللہ کہ خدا ایسی تکلیف دے۔



خود کسی بات کو تحقیق کرنے اور اُس کے تسلیم کرنے میں بڑا فرق ہے جسے ہم ایکٹا ہری مثال سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً خیال کرو کہ اقلیدس نامی ایک دانا حکیم تھا اُس نے چند شکلوں کو ایسا دیکھا اور اس ترتیب اور مناسبت سے تحریر کیا کہ جس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں اور ان خطوط و نقوش میں ان باتوں کا لحاظ رکھا کہ تمام اجنبی کاموں کا مدار اُس پر ہے۔ تو اب خیال کرو کہ اُسکی تحقیق اور ہماری اُسکی صحت اور خوبی کی تسلیم میں فرق ہے یا نہیں۔ جو حقیقت بڑا فرق ہے گو ہر شخص بلکہ لاکھوں میں سے دس میں بھی اُس کی سہی سجادہ تہ تیہ پائی۔ تب ادھیں رکھتے مگر اُسکی صحت اور اچھائی کی تسلیم کی عقل۔ یہ لوہے پر دان ہے وہ جو ایسی ہیہم کرنے والی عقل سے منکر ہو۔

الحاصل ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سچے مذہب نے ہلو وہی باتیں بتائیں ہیں جو فی نفسہ سچی ہیں۔ اچھے خیال ہلو سکھائے۔ سچی باتیں ہو کہ بتائیں۔ اچھے کام کی ہو کہ تاکید کی۔ اور چونکہ ہماری عقل کو اس کا اچھا چلنے کے تسلیم کرنیکی استعداد اور اسکی سمجھ کی قوت ہے۔ پس ہم اُسکی اچھائی کو جسے مذہب نے ظاہر کیا اپنی عقل سے ثابت کر سکتے ہیں اُسی طرح نبی کے تفسیر کی بھیجی ہوئی شکلوں کی اپنی عقل سے تصدیق کر سکتے ہیں یہ ہماری عقل مذہب کی باتوں اور ظاہر ہری خطوں سے اپنے خیالات کی اصلی پائی و صفائی اُسی طرح کر سکتے ہیں جس طرح کہ ہم اقلیدس کی لکیروں اور شکلوں سے بڑے بڑے کام اجنبی و ریاضی کے اپنی سمجھ بوجھ کے کام میں لانے سے لے سکتے ہیں یہم اگر مذہب کی سامی باتوں کو یاد کر لیں اور اپنے خیال میں لکھ لیں پر عقل سے اُس کی حقیقت کا ادراک نہ کریں تو ہماری مثال اجنبی ایسی ہوگی جیسے کہ ہم تحریر اقلیدس کے سارے خطوط و نقوش کو یاد کر لیں پر ہم کا مطلب سمجھ کر اُس سے کچھ کام نہ لیں اور اس بات کی تحقیق نہ کریں کہ اس شکل و خط کے کھینچنے والے کا اصلی مقصد وہاں لکیروں میں کیا تھا۔

ہم اس بحث کو اس وقت نہیں بڑھاتے اور ان دنوں اصول کی موافقت پر زیادہ دلیل نہیں لاتے کیونکہ اس وقت ہمارا مقصد دوسرا ہے اس لئے ہم اپنے اصلی مطلب پر رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کبھی نے اپنے خیالات اور اپنی باتوں کی اچھائی

عقل سے ثابت کر لی تو وہ ضرور عزت کا مستحق ہوگا گو کہ جب تک اُوروں پر اُس کی اچھائی ثابت نہ ہو وہ اُس کی عزت نہ کریں گے لیکن آخر ایک روز اُس کی عزت ہوگی کیونکہ کوئی سچی بات جب ایک مرتبہ ظاہر ہو جاوے ترک نہیں کیتی کسی نہ کسی دن ظاہر ہوتی ہے۔

بہت سے حکیم فلسفی دنیا آدمی گذرے جنہوں نے بہت اچھی باتیں لیا دیکھیں اُن کے خیالات۔ اُن کے کام اچھے ہوئے۔ مگر مدت تک بجائے عزت کے لوگوں نے اُن کی حقارت کی اور اُن کو ذلیل جانا۔ اور اُن سے مخالفت پیش آئے مگر اُس سچی عزت نے جس کا خیال خود اُن کے دل میں تھا اُن کی خود عزت کی اور انہوں نے کسی نہ کسی نہ آپ کو ذلیل جانا۔ پر آخر جب اُن کے خیالات اور اعمال کی اچھائی ظاہر ہوئی تو مخالفوں نے اُن کی عزت کی اور اپنے آپ ہی کو حقیر جانا اور اپنی مخالفت پر نادم ہو گئے۔ پس جس بات کی سچائی اور اچھائی عقل سے ثابت ہو جاوے اُس کا حاصل کرنے والا سچی عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

اب ہم دوسرے اصول سے بحث کرتے ہیں۔ یعنی شریع سے مذہبی باتوں کی اچھائی ثابت کرنا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو مجھے مذہبوں میں سے ایک سچے مذہب کی اچھائی پر یقین کرنا۔ دوسرے جو سچا مذہب مان لیا جاوے اُس کی اصلی اور سچی باتوں کو تحقیق کرنا۔ بغیر اس کے کوئی انسان مذہبی عزت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

میں بہ نسبت اپنے مذہب اسلام کے جس کی سچائی اور اچھائی پر مجھے یقین ہے دوسرے امر سے کچھ مختصر بحث کرنا ہوں کہ اب ہمارے زمانہ میں مذہبی عزت کا استحقاق کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

اس پر تو غالباً سب مسلمان متفق ہوں گے کہ مذہب موجودہ آمریش سے غلط خیالات اور بے اصل باتوں کے خالی نہیں ہے۔ اور جیسا اُس کے بانی نے بکھوٹایا تھا ویسا ہی پاک صاف نہیں ہے اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ لیکن تحقیق کے اصول شاید مختلف ہیں۔ ہمارے ہند مذہب کہتے ہیں کہ جو باتیں اب تک مذہب کے لوگوں نے بتائیں اور جیسا خیال خلفاء عن سلفاً چلا آیا۔ اور جن کاموں کو مشہور مذہبی لوگ کرتے آئے

ان کی تقلید ہی اصلی مذہب کی اچھائی کے ثبوت کے لئے کافی ہے اس واسطے وہ لوگ مذہبی عزت کے مستحق ہیں جو ویسے ہی خیال رکھتے ہوں۔ ویسے ہی کام کرتے ہوں۔ اور جو لوگ اسکے مخالفت ہوں وہ از روئے مذہب کے ذلت کے مستحق ہیں چنانچہ اسی خیال سے لوگ ان کی ذلت کرتے ہیں جو کہ اس اصول کو نہیں مانتے۔ اور اپنے مذہبی خیال اور مذہبی چال میں ان سے موافقت نہیں رکھتے۔ ہمارے نزدیک وہ اس خیال میں مندوب ہیں اور تا وقتیکہ وہ اپنی غلطی خیال کے قائل نہ ہوں ایسی تعمیر و تزیین میں لایق غمو ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ سمجھ ان کی بھیج نہیں ہے کیونکہ سچے مذہب کی سچائی صرف اُسی وقت تک باقی رہ سکتی ہے کہ سوائے بانی مذہب کے دوسرے کا قول یا عمل مثل بانی مذہب کے نہ مانا جاوے اور کوئی مثل اُس کے معصوم نہ تسلیم کیا جاوے کیونکہ جیسا ہوتا ہے تو اصل مذہب کی اصلی باتوں کو دھکی بھجول جاتا ہے اور آہستہ آہستہ مذہب اُور کا اُور بلکہ اندھے کی ٹیڑھی کھیر ہو جاتا ہے یہ ہم نہیں کہتے کہ مذہب کے جاننے والے یا اُس کے سچے طور پر ماننے والے نہیں ہوئے یا ان کی باتوں سے ہمو فائدہ نہیں پہنچا۔ ہم بڑے ہی نامنصف اور ناشکر ہوں بلکہ نادان جو ایسا خیال کریں لیکن ہم کو اپنے مذہب کو ہمیشہ نہ اپنے سامنے رکھنا اور اُسی پر اپنی نظر اپنا خیال جمانا چاہیے اور لوگوں کی تحقیقاتوں سے صرف استفادہ کرنا چاہیے نہ کہ اُس کا کامل اتباع اور پوری تقلید کیونکہ جب ہم ایسا کریں گے تو وہ مشا نورانی شاعین مذہب کی ہمارے دل پر نہ پڑیں گی جن کو مذہب نے ساری دنیا کے روشن کرنے کے لیے ظاہر کیا ہے اور ہمارے خیال لوگوں کے حجاب اور پردہ کی آڑ سے تاریکی میں پڑ جاویں گے کیونکہ سب مذہبوں میں ایسا ہی ہوا ہے اور اس کی نشانیاں ہمارے مذہب میں بھی موجود ہیں۔

پس ہمارے نزدیک مذہب بھی اُسی کی عزت کرے گا جو کہ مذہب کی عزت کرے اور مذہب کی عزت یہ ہے کہ وہ اپنی سچائی پر قائم رہے اس لئے ہمارے نزدیک وہ لوگ مذہبی عزت کے مستحق ہیں جو کہ مذہب کی سچائی ظاہر کرنے اور اُسکی اچھائی ثابت کرنے پر مستعد ہوں اور جن کے مذہبی خیالات لوگوں کی پیروی سے جن کے مذہبی اعمال عامیوں کے چال چلن کی کٹافوں سے پاک صاف ہوں۔

جو لوگ مذہب کی جھوٹی باتوں کو مذہب سمجھتے ہیں اور اُنہ مذہب کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں اور غلطی سے اپنے آپ کو مذہبی عزت کا مستحق جانتے ہیں حقیقت میں وہ جھوٹی عزت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کی عزت اُسی قدر ہو سکتی ہے جتنی کہ قلبِ نراندوسکہ کی کہ سوائے نام اور شکل کے سچائی سے خالی اور عیار و محکم سے ہمیشہ جھالیف ہے۔ مگر جو لوگ مذہب کو مذہب کے طور پر اُس کے بانی کی مرضی کے موافق مانتے ہیں اُن کی عزت ایسی ہی ہو سکتی ہے جیسے کہ سونے کے ایک خالص ٹکڑہ کی جسے نہ نام و نہ شکل پر دعویٰ سچائی کا ہے بلکہ اپنی ذات اور اپنی سچائی پر وہ ہمیشہ عیار و محکم کا طالب ہوتا ہے وہ اپنی صفائی کے امتحان کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔

اگلے زمانہ میں بھی بعض شخص ایسے مذہبی عزت کے مستحق گذرے ہیں مگر جھوٹی عزت رکھنے والوں نے اُن کی بُری تحقیق کی اور بجائے عزت کرنے کے اُن کو ذلیل جانا مگر انہ اُن کی سچی عزت ظاہر ہوئی اور وہ اپنے استحقاق سے محروم نہ رہے۔

اب ہم تیسرے اصول سے بحث کرتے ہیں یعنی عرف عام سے جتنا کہ یہ اصول بے بنیاد و باطل ہے اور اچھائی بُرائی کی تحقیق کا مزارع ہے ویسا ہی وہ نہایت جاری اور دروج ہے بلکہ ہمارے زمانہ میں تو وہی عیار امتحان ہے۔

ہمارے ہند مذہب رسم و رواج ہی کو شمع اور جوتل سمجھتے ہیں اُسی کی موافقت اور مخالفت کو اچھائی بُرائی جانتے ہیں اُن کے نزدیک وہی شخص عزت کا مستحق ہے جو کہ اُن اچھی باتوں پر چلتا ہو جسے سب لوگ چھا جاتے ہوں گو وہ عقل کے مخالف ہوں۔ یا مذہب کے۔

ہمارے ہند قوم بڑی ہی ذلت اور حقارت کی نظر سے اُسے دیکھتے ہیں جو کہ رسم کا پابند نہ ہو گو وہ کیسا ہی عقلی اور مذہب کا پابند ہو اُن کے نزدیک رسم کی مخالفت ہی ایک بُرا خیال ہے جس کے سبب سے انسان بڑی تحقیر اور ذلت کا مستحق ہوتا ہے۔

پھر اگر ہماری قوم نے سوچ سمجھ کر کچھ رسمیں جاری کی ہوں اُن کی بُرائی محصلاتی تحقیق کر کے اُن پر عامل ہوئی ہو تو بھی کچھ کہنا اُن کا لائق لحاظ کے ہوتا۔ پرفس ہے کہ وہ شبانہ تندن اور عامیانہ چلن نے جاری ہونے سے پہلے اُس کا لحاظ نہ کر لیا

ہر اب نادانی اور جہالت نے تحقیق سے منع کر دیا لیکن ہر لوگ اب اس کی متوجہ ہوتو جہ  
ہیں اور جن کو ہماری قوم نہایت ہی ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے اُمید ہے کہ اپنی  
محنت کا ثمرہ پادیں اور ان کی حقیقی عزت ان کے مخالفوں کے دل میں ایسی ہما جاوے  
جیسے کہ روشنی ایک تاریک مگر میں جگہ اس کا بندہ دروازہ توڑ دیا جاوے۔

## موجودہ مسلم و تربیت کی

شبیہ

ایک روز خیال نے مجھے عالم مثال تک پہنچایا اور اُس طلسم کہہ کہ جہاں سب  
چیزوں کی شبیہ اور تمام حالتوں کی تصویر برصورت قدرت نے کھینچ رکھی ہے دکھایا تھوٹ  
اُسے میں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ سناتر تھا باشبہ وہ ہماری حالتوں کا آئینہ اور ہمارے  
خیالوں کی تصویر کا مرقع ہے۔

جب میں اُس طلسم خانہ کے مغرب جانب پہنچا تو ایک چار دیواری دیکھی جو میرے  
خیال سے بھی زیادہ بلند اور میرے حوصلہ سے بھی زیادہ وسیع اور میری تہمت سے  
بھی زیادہ مضبوط تھی۔ قدرت نے ایسا سنہرا رنگ یا تھا کہ جب سورج کی کرن اُس پر  
پڑتی تو وہ دیوار رنگارنگ کنڈن کی طرح ایسی چمکتی جس سے آنکھوں کو چکا چوند ہو جاتا۔  
اُس دیوار کے چاروں طرف چھ پریمیں نے دروازہ نہ پایا مگر ایک جگہ ایک بڑی ہنسر  
دیکھی جو دیوار کے نیچے سے اندر جاتی ہے اور ایک بلند سی پرچشہ دیکھا جس سے نہر  
میں پانی گرتا ہے۔

میں نے وہاں ایک فنیق پایا جس کا نام خرد تھا اُس سے حقیقت اُس کی پوچھی  
تو اُس نے کہا کہ اس کے اندر ایک ایسا پر فضائل ہے جسے جنت عدن بھی دیکھے تو  
شمر نہ ہو اور یہ نہاؤسی کے شاداب کرنے کے لئے بنائی گئی ہے تب تو مجھے اندر  
جانے کا شوق ہوا اپنے رہنا سے دروازہ کا نشان پوچھا اور میں نے اسکی کامل

اطاعت اور بڑی تابعداری کی۔ تب اُس نے پانچ برس کے بعد دروازہ بتایا میں  
اُس دروازہ کی محراب کی بلندی اور اُس کے طاق اور کنگرہ کی خوبی کیا بیان  
کروں۔ یقین جاتے ہی بیتابانہ دوڑنے لگا اور باغ کی سیر سے سیر ہونا چاہا۔ میری  
اس بواہو سی پر میرا رہنما ہنسنا اور کہنا کہ اسے نادان دروازہ تو پانچ برس کی محنت  
کے بعد پایا۔ اس باغ کی سیر ایسی کیا آسان ہے جس کا ایک کناراہ ازل اور دوسری  
حد لحد ہے۔

غیر میں نے ہوس کو روکا اور جس جال سے خرد نے چلایا چلا۔ کئی برس کے بعد  
چند کیریاں اُس باغ کی دیکھ پائیں۔ مگر اُن کی خوبی اور لطافت میرے بیان سے  
باہر ہے۔ ہر حسن قدرت کا کارخانہ اور صنعت کا تماشا تھا۔ اُس باغ کے سبزہ کا  
مستانہ جھومنا۔ قمری کی آواز۔ بلبلیوں کا پھولوں پر گزنا۔ پھولوں کا کھلنا۔ کلیں  
کا چٹکنا۔ زنگیں کی نظر بازی۔ شمشاد کی سرو قدی نے مجھے ایسا مست کر دیا کہ اپنے  
ہوش و حواس میں نہ رہا۔

میں چند تے اُس باغ میں رہا۔ پر مجھ کو اپنی صورت کا کوئی رفیق نہ ملا۔ جس سے  
دل بہلاتا اور اُس باغ کی بہار کو ٹھٹھا۔ آخر اپنی تنہائی سے گھبرا یا اور باہر نکلا کہ کوئی مجھ  
کے تو یہاں لائے اور اپنا دل خوش کروں۔

میں اُس باغ میں سے نکل کر برسوں سی تماش میں پھر لیکن کوئی نہ ملا۔ آخر بعد  
چند سال کے مشرق کی طرف مجھے ایک چار دیواری نظر پڑی جس کی صورت بھی  
ویسی ہی تھی اور نہر بھی ویسی ہی اور چشمہ بھی ویسا ہی تھا جہاں سے میں نکلا تھا  
مگر دروازہ کھلا ہوا۔ دیوار شکستہ۔ اور کچھ نئی قسم کے آدمی آتے جاتے نظر آئے۔  
میں نے اپنے رہنما سے پوچھا کہ یہ تو وہی باغ ہے۔ مگر کیا سبب کہ نہ دیوار کی و خوبی  
و خوش ٹائی ہے نہ دروازہ کی وہ رفعت و شان ہے۔ چشمہ بھی میلا نظر آتا ہے۔ پانی  
کی بھی صورت بدلی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ وہ باغ نہیں ہے دوسرا ہے مگر پہلے  
اُسی باغ کی طرح آراستہ تھا۔ خزاں کی ہوائ نے اُسکو سوکھا دیا اور زمانہ کے انقلاب  
نے پامال کر دیا۔

جب میں باغ کے اندر گیا تو چمن کے نشان کچھ نظر آئے۔ مگر نہ وہ صفائی و خوبی

نہیں بھی کچھ بہتی معلوم ہوئیں۔ مگر نہ پانی کی وہ لطافت نہ وہ شیرینی۔ پھول جتنے  
 تھے سب کھلائے ہوئے۔ میوے جس قدر تھے وہ سوکھے پڑے ہوئے۔ سب کو کے  
 زمر دین رنگ پسایا ہی چھائی ہوئی تھی۔ ٹکڑوں کی سُرخ پُر زردی آگئی تھی۔ نسیم کے  
 بدلے صحر کی تندہی پریشان کرتی تھی۔ لیلیوں کی جگہ باغ و زرخ کا شور ہو رہا تھا۔ نکس  
 اپنی بھولی آنکھ سے حیرت کی نگاہ کر رہی تھی۔ حوض کی آنکھ اپنی خشکی پر رو رہی تھی  
 بیس باغ میں پھرتے پھرتے نہر کے کنارے پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چند  
 غوبصورت خوش شکل ماہر و نوجوان آئے اور اُس نہر میں پانی مینے اور غوطہ لگانے لگے  
 جب وہ نہادھو کر اُس سے ننگے تو اُن کے چہرہ بدلے ہوئے نظر آئے نہ وہ شکل و  
 شمائل تھی نہ وہ نزاکت و نرمی۔ اور ہر ایک کے دو دو سینک نکل آئے تھے۔ وہ نہر  
 نکلتے ہی ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور سینک سے سینک لڑانے لگے۔ یہاں تک  
 لڑے کہ کسی کا سینک ٹوٹا۔ کسی کا چہرہ بگڑا۔ کسی کا غصہ سے چہرہ لال ہوا۔ کسی کا  
 کف موندھ سے اُڑ کر مجھ تک پہونچا۔ کسی کی گردن کی رگیں مارے غصہ کے تن گئیں۔  
 کسی کے مونہ سے آواز غضب کے سبب نہ نکلی۔ اسی طرح وہ وحشیانہ لڑائی لڑتے  
 ہوئے ایک عالی شان مکان کی طرف پہنچے۔ میں بھی ساتھ ساتھ ہو گیا کہ دیکھوں کیا  
 ہوتا ہے۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک نصف وحشی نصف انسان ہیں کا چہرہ آدمی کا  
 دم طاؤس کی۔ مونہ چڑیا کا۔ پیٹ بل کا۔ چال لوکھڑی کی۔ ایک رنگین سنہور کی  
 کھال اوڑھے ہوئے کہو تر کی طرح غمغموں غمغموں کر رہا ہے۔ جب وہ سب نوجوان اُس کے  
 پاس پہونچے تو اُس کے آگے گر پڑے۔ اُس نے ایک کریم ہولناک آواز سے اُن کو  
 پکارا اور اُس کے جھگڑے کا حال پوچھا۔ اُن لوگوں نے کچھ ایسی بولی میں اُسے جواب  
 دیا کہ میں تمہجھا۔ مگر یہ دیکھا کہ اُس وحشی آدمی نے کچھ خوش ہو کر کسی کا مونہ چوما  
 کسی کو پیار کیا اور کسی کو ہرجا کہا۔

میں اس معاملہ کو دیکھ کر حیران ہوا اور پناہ مانگتا باہر نکلا اور اپنے رہنما سے اس  
 اسرار کی خبر پوچھی۔ اُس نے کہا کہ اس نہر کے پانی کی ایسی ہی تاثیر ہے کہ سب ایسی  
 شکل کے ہو جاتے ہیں جیسا کہ وہ نصف وحشی نصف انسان تم نے دیکھا ہے۔ یہ  
 نوجوان نازک ماہر و لڑکے بھی جب زیادہ پانی پئیں گے خوب سوئے نہر میں چلے جائیں گے۔

ایسے ہی جاویں گے۔ اور جو کچھ لڑائی تم نے دیکھی یہ لڑائی نہ تھی بلکہ اُن کا اعلیٰ مرتبہ تھا۔ بس کے لفظ بھی تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔

جب میں نے اس تاثیر کا سبب پوچھا تو رہنا مجھے چشمہ کے کنارہ پر لے گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ دمانہ پر چشمہ کے دو چشمہ آکر ملے ہیں۔ ایک تو سیدھا چلا گیا ہے جو کہ انہایت صاف اور پاک اور خوشگوار ہے۔ دوسرا خم و پیچ سے گیا ہے۔ جس میں جا بجا نالے ندیاں ملتی گئی ہیں جو کہ سب کثیف اور میلے اور ناپاک ہیں۔ مگر پہلے چشمہ کے دمانہ پر ایک پتھر کی چٹان آگئی ہے جس سے صاف پانی نہیں آسکتا۔ مگر دوسرا پتھر کھلا ہوا ہے۔ اُسی کا میلا بدودار زہر ہلا پانی گرتا ہے اور وہی باغ میں جاتا ہے جسکی تاثیر سے آدمی مسخ ہو جاتے ہیں۔

جب میں نے اُن چشموں کا حال پوچھا تو خرد نے تحقیق نامی رفیق کو میرے ساتھ گردیا۔ اُس کے ساتھ میں اُن دونوں چشموں کی تعقیق دریافت کرنے کو چلا مدت بعد سب حال دریافت کر کے اس فکر میں پڑا کہ اس پتھر کی چٹان کا حال کسی سے پوچھوں تب تانچ نامی ایک روشن ضمیر ملا۔ اُس نے کہا کہ ہزار برس ہوتے ہیں۔ تب میں اس باغ میں آیا تھا۔ نہایت تر و تازہ اور سبز و شاداب تھا۔ جیسا وہ باغ جو تم نے اول دیکھا ہے اس باغ کی نہروں میں صاف چشمہ کا پانی آتا تھا اور نگہ لے چشمہ پر پتھر رکھا ہوا تھا۔ مگر نہر کتے نہر کتے اب وہ صاف چشمہ پر آگیا ہے۔

تب تو میں نے خیال کیا کہ اس پتھر کو ہٹا دوں۔ چنانچہ میں مہمت کو ساتھ لیکر چلا۔ مگر چند خوشخوار وحشی درندوں نے مجھ پر حملہ کیا اور پتھر سرکانے پر مجھے موت کا خوف دلایا۔ میں جان بچا کر مٹا لیکن میرے رہنا نے کہا کہ اور بھی تیری طرح اس میز پر آئے مگر ان کے خوف سے بھاگ گئے۔ میں تجھے ایک مشعل دیتا ہوں وہ تجھ کی روشنی سے یہ اندر سے ہو کر بھاگ جاویں گے چنانچہ بصیرت کی مشعل اُس نے دیکھ دی۔ درحقیقت جب میں وہاں مشعل کو لیکر پہنچا تو کوئی میرے پاس نہ آیا آخر میں بغراخت پتھر سرکانے لگا۔ پر وہ ایک مجھ سے کب نہر کرتا تھا۔ میں تھک کر بیٹھ رہا کہ بہار دنیائی داعظ میرے سامنے آیا اور کہا کہ مجھے اجازت دو تو کچھ مدد کرنے والے سے آؤں۔ میں نے خوش ہو کر اُس کا شکریہ کیا اور بڑے زور شور سے



اُسے اپنی ہی صورت و شکل والوں پاس بھیجا۔ پُرافسوس کہ بہت کم لوگوں نے اُس کی بات سنی۔ جو لوگ اُس نہر کا پانی پی چکے تھے وہ تو مارنے دوڑے اور جو لوگ ابھی اُس سے بچے ہوئے تھے اُن کے کان بہرے تھے انہوں نے کچھ نہ سنی آخر وہ باحسرت و یاس واپس آیا۔ اس کے لوٹنے کے بعد میں نے چاہا کہ اس خیال کو چھوڑ دوں اور یہ پتھر جیسا رکھا ہے ویسا ہی رہنے دوں۔ پر استقلال نامی ایک جرنیخوان نے میرا دل بڑھایا اور مجھے ایک تدبیر بتائی۔ اُس نے کہا کہ میں نے ایمان نامی فقیر سنا ہے کہ اس چشمہ کا ایک کھودنے والا ہے۔ وہ سب مشکل حل کر سکتا ہے۔ مگر بڑی مشکل سے انسان کی رسائی اُس تک ہو سکتی ہے۔ اُسکی راہ میں قل تو مصیبت کا ایک بڑا میدان لق و دق ملتا ہے۔ جہاں سوائے اُنکھ کے پانی کے پینے کو کبھی کچھ نہیں۔ اگر اُس سے بچ گئے تو رسوائی و بدنامی کے سانچہ سمندر ملتے ہیں جہاں صبر کی ٹوٹی بھوٹی کشتی کے سوا عبور کا کوئی ذریعہ نہیں۔ تب دروازہ اُس کا ملتا ہے جہاں خلاص کی نذر پیش کش کرنی پڑتی ہے اور عا کے پاک صاف ماتحتوں کے ذریعہ سے پہنچائی جاتی ہے تب وہ نذر قبول ہوتی ہے اور اجابت کا خلعت ملتا ہے گو کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ برسوں نذر کی قبولیت نہ کی نوبت نہیں آتی پس اگر تم کو اس پتھر کے سرکلے کی خواہش ہے تو وہاں تک جاؤ اگر اُس تک تمہاری رسائی ہوئی اور اُس نے تمہاری نذر لے لی تو وہ اقبال کو تمہارے ساتھ کرے گا۔ جب تم لوگوں کے سامنے کرو گے سب کی آنکھیں کھل جاویں گی جتنی کہ وہ اب بند ہو رہی ہیں تب وہ اپنے سوکے ہوئے باغ کو دیکھ کر فحش کر دیں گے اور تمہارے ساتھ پتھر سرکلے پرستند ہونگے آخر چند ہی روز میں گدلے چشمہ کا پانی بند کر کے صاف چشمہ کے پانی سے اپنی نہریں بھر لیں گے اور اپنے باغ کو پہلے سے بھی زیادہ سرسبز اور شاداب کریں گے اور تب تم دیکھو گے کہ یہ سوکھا ہوا باغ اُس بڑے باغ سے بھی تمہاری نظروں میں زیادہ سرسبز اور خوشنما معلوم ہو گا کیونکہ نہ وہ باغ تمہارا باغ ہے نہ وہاں کوئی تمسا ہے اور یہ باغ تمہاری ہے اور سب تم سے ہیں۔ میں نے اس رفیق کا شکر کیا اور اُس کے کہنے کے مطابق چلا کر دیکھوں اب کیا ہوتا ہے۔

جب میں عالم شمال سے ٹوٹا اور لوگوں سے یہ قصہ کہا تو وہ سب ایک ایک لفظ کی حقیقت مجھ سے پوچھنے لگے میں صرف یہ کہہ کر جو باغ ہر بھرا میں نے مغرب میں دیکھا وہ علوم و فنون جدیدہ کا باغ ہے جس کے پھل پھول اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں پر ہمارا دل بہلانے والا کوئی وہاں نہیں ہے اور جو باغ خشک میں نے مشرق میں دیکھا وہ ہمارے ہی علوم قدیمہ کا باغ ہے جس کی ویرانی اور خزاں کی کیفیت ہمارے سامنے ہے۔ وہ پتھر جو سرخس پر آگیا ہے جہالت ہے۔ وہ میٹا لے گندے پانی کے رسم و رواج کی پسندی۔ نیکی نا تعصب۔ علم نا دانائی۔ جھوٹا زہر۔ جھوٹی شہنی۔ باطلانہ تعلید۔ عامیانہ غلامی۔ ضرر انگیز حرارت و شیانہ تعلیم و تربیت ہے۔ جس کے نتیجے میں انسانیت ہے جو کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جس کا علاج اب ہم سوائے دعا کے کچھ نہیں پاتے۔

لکچر

جو  
مرزا پور انسٹیٹیوٹ میں

۲۲۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو دیا

اس بات کو میرا لکچر مسلمانوں کی تہذیب پر ہے کہ وہ پہلے کیسی تھی اور اب کیسی ہے اور آئندہ کیسی ہوگی۔ تہذیب کا لفظ میں نے انگریزی لفظ سویلیریشن کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے۔ سویلیریشن ایک انگریزی لفظ ہے جو کہ قدیمی و می زبان کے لفظ سوس سے جس کے معنی شہری اور جماعت کے ہیں نکلا ہے اور اس کی نسبت جماعت یا شہر یا ملک کی طرف کی جاتی ہے جس میں لوگوں کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کے قانون۔ اور آپس میں ملنے جلنے کے قاعدے۔ اور مذہبی

بسر کرنے کے طریقے۔ اور فرائض انسانی ادا کرنے کے قواعد عقلی اور اخلاقی اصول پر مضبوط کیے گئے ہوں۔ اور جن میں موافق حالت زمانہ کے خوبی اور بُرائی کی پائی جاتی ہو۔ اس انگریزی لفظ کی اصل پر اگر خیال کیا جاوے تو مجھکڑ بجائے لفظ تہذیب کے لفظ تمدن کا استعمال کرنا مناسب ہوتا۔ کیونکہ اُس کا مادہ مدینہ ہے جبکہ معنی بہت کے ہیں اور اس لیے تمدن کے ٹھیک معنی بہت کے ہیں (یعنی آپس میں مل کر رہنا) مگر میں اس لفظ کو سویلیزیشن کے مقابلہ میں استعمال نہیں کرتا اس لیے کہ بس مراد میں یہ انگریزی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تمدن کے لفظ سے وہ مراد پائی نہیں جاتی۔ تمدن کا لفظ آپس میں ملکر بہت ہی بدولت کرتا ہے۔ اور سویلیزیشن کا لفظ تمدن کی ترقی یافتہ حالت کو بتاتا ہے نہ صرف تمدن کو۔ بہت سے ملک اور بہت سی قومیں اب موجود ہیں جن میں تمدن ہے پر سویلیزیشن نہیں۔ ہم ہندوستانی بھی اپنی بد بختی سے سویلیزیشن کے درجہ کو نہیں پہنچے گو کہ مدت سے تمدن کے اعلیٰ درجہ پر ہیں اس لیے میں نے تہذیب کا لفظ اختیار کیا ہے جس کے معنی چھانٹنے اور اصلاح کرنے اور درست کرنے اور خالص کرنے اور پاکیزہ کرنے کے ہیں۔ عرب بولتے ہیں۔ "ہذیبہ ای اصلحہ" اصطلاح میں بھی تہذیب کا لفظ بر چیز کی درستی پر بولا جاتا ہے۔ عادت کی درستی۔ رسوم و رواج کی درستی۔ اخلاق کی درستی۔ علم و ہنر کی درستی۔ معاملات کی درستی۔ زبان کی درستی۔ انتظام ملک کی درستی۔ جذبات نفسانی کی درستی۔ سب پر تہذیب کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی ٹھیک مراد سویلیزیشن کی ہے۔ جن اصطلاحی معنوں میں لفظ تہذیب یا لفظ سویلیزیشن کا ہم استعمال کرتے ہیں سب بہت سامباختہ ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ مگر جو مراد کہ اس لفظ سے میرے دوست سید محمد خاں بیار نے بیان کی ہے وہ تمام خیالات کی جامع ہے اور میں یہی کہہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ سویلیزیشن سے مراد ہے انسان کے تمام اعمال اور ادبی اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش سہولتی سے برتنی جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکین و وقار اور قد و منزلت حاصل کی جاتی ہے اور حشائین اور انسانیت میں تیز نظر پڑتی ہے۔

مُباح کی ہو اُس شخص کو جس نے ان مختصر لفظوں میں ایسے مطالب بیان کر دیئے جس سے ہمارے خیالات کو نہایت وسعت ہوتی ہے اور وہ بیان ہی خود بخود ہمارے دل کو سویلیزیشن کی ترقی کے لئے براہِ گنجینہ کرتا ہے۔

جو مراد کہیں نے لفظ تہذیب یا سویلیزیشن کی بیان کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ تہذیب - مذہب - اور علم و ہنر - اخلاق و معاشرت - تمدن و تجارت - زراعت و سیاحت سب متعلق ہے۔ اور جب تک یہ سب چیزیں اپنے درجہ کمال پر نہوں پڑی پوری تہذیب کا وجود نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں میں یہ سب چیزیں نہایت خراب حالت میں ہیں وہ وحشی کہلاتے ہیں اور جن میں کچھ کچھ درست ہو گئی ہیں وہ نصف وحشی کہلائے جاتے ہیں اور جن میں زمانہ کی ترقی کے موافق یہ سب چیزیں ترقی پا گئی ہیں وہ مذہب یا سویلیرڈ کہلاتے ہیں۔ زمانہ کی ترقی کے موافق کی قید میں نے اس لئے لکھا کہ کچھ عجیب نہیں کہ آئندہ زمانہ میں انسان کو زمانہ موجودہ سے بھی اسی زیادہ ترقی ہو کہ حال کی مذہب تو میں اُس زمانہ کے لوگوں کے سامنے وحشی یا نصف وحشی تصور ہونے لگیں۔

مذہب کو قوموں کی تہذیب پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کے مذہبی اصول تہذیب کے برخلاف ہوں تو ممکن نہیں ہے کہ وہ قوم اعلیٰ درجہ کی تہذیب میں پہنچے جس قدر اصول مذہبی تہذیب کے برخلاف ہوتے ہیں اُسی اندازہ کے موافق تہذیب میں بھی نقصان رہتا ہے اور یہ بات نہایت آسانی سے مختلف مذاہب کے اصول اور اُس کے پیروں کی حالت دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں نے مذہبِ سلام کی پہلی صدیوں میں مذہبی تہذیب کو اعلیٰ درجہ پہنچایا تھا۔ اُس ریگستان کے ناخدا نے لات و منات و عزری کی پرستش کو چھوڑ دیا اور ایک نہایت قوی ہستی مطلق کی پرستش کا بیج ہر ایک کے دل میں بویا۔ ہکویک ایسی ہستی کا خیال دلا یا جو ہمارے ادراک اور قوائے عقلی سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور اُسی پر یقین کو نجات کا مدار ٹھہرایا جو تمام مذہبی تہذیب کی اصل اصول ہے۔

تمام روحانی تہذیب کو ان چند لفظوں میں کہ ”قد افلم من نما کاھا وقدخاب من دساھا“ پورا کر دیا یعنی اپنے دل کو بُرے خیالوں اور بد جذباتوں سے پاک کرنا

مرد کو پہنچنا ہے اور اُس کو بدی میں آلودہ کرنا اگر اسی کے گڑھے میں گرنا ہے۔  
 مذہبی تسلیم کو نہایت تہذیب کے اصول پر یہ کہہ کر تم کو دیا کہ ”خدا کا امانت  
 مذکورہ“۔ یعنی لوگوں کو نصیحت کر کہ تو بجز نصیحت کرنے والے کے اور کچھ نہیں  
 ہے۔

تمام مذہبوں کی ناگواری ان لفظوں سے منادی کہ ”لکم دینکم ولی دینہ“  
 یعنی تمہارا دین تمہارے لیے ہے اور ہمارا دین ہمارے لیے ہے۔ جہاد کا سبب  
 مذہبی ناگواری نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگوں نے غلطی سے خیال کیا ہے۔ کیونکہ اگر جہاد  
 کا سبب مذہبی ناگواری ہوتی تو صلح یا فتح یا اطاعت قبول کرنے کے بعد کیوں  
 تمام مختلف مذاہب کو اراکینے جاتے اور شخص کو کیوں احکام مذہبی ادا کر سکی اجازت  
 رہتی۔ عرب کے آدمی نے بلاشبہ خدا واحد کے نام کی منادی کرنا فرض ٹھہرایا  
 ہے۔ پس جو لوگ اُس منادی کی مزا مست کریں اور منادی کرنے والوں کو اُن کے  
 ہاتھ سے امن نہ ہو انھیں سے لڑنا صرف امن قائم رکھنے کو فرض قرار دیا گیا ہے نہ  
 غیر مذہب کی ناگواری کے سبب۔ اور یہ وہ اصول ہے جو پہل کی تمام نشینیں ہاتھ  
 کہ وہ ندیش بھی جس کا مذہب یہ حکم ہے کہ اگر کوئی ایک گال پیڑ سے طمانچہ مارے تو  
 تو اُس کے سامنے دوسرا گال بھی کر دے چلتے ہیں۔

امامت کو یعنی کسی ایک کا کسی گروہ کے لیے پیشوا ہونا اور اُس گروہ کا اُسی  
 کی رائے پر چلنا جو اُس زمانہ کے تمام مذہبوں میں رائج تھا یہ کہہ کر بالکل نیست و نابود  
 کر دیا کہ ”ولا تتبعوا من دونه اولیاء“ یعنی خدا کے کلام کے سوا کسی دوسرے  
 کو اپنا پیشوا مت بناؤ۔

اجتہاد کو یعنی دین کی باتوں کے سمجھنے کو جیسا کہ سب اگلی قوموں میں خاص میں  
 لوگوں سے مخصوص تھا ان مختصر لفظوں سے عام کر دیا کہ ”استفت قلبک“  
 یعنی شخص کا دل اس کا مجتہد ہے۔

جوگی پنہ اور تہجد کو جس کا رواج روئے زمین کی ساری قوموں میں تھا بالکل  
 معدوم کر دیا تھا یہ فرمان کہ ”لا رہبانیت فی الاسلام“ تبرکات اور رسم اور تیوڑوں  
 کو جس سے لوگوں کے دلی خیالات بت پرستوں کے سے ہو جاتے ہیں

”لا تجعلوا قبری عیدا“ فرما کر بالکل ممنوع ٹھہرایا۔

یہ وہ اصل ہیں جو مذہبی تہذیب میں اس سے اعلیٰ نہیں ہو سکتے۔

علوم کو اگلے مسلمانوں نے ایک اعلیٰ درجہ کی تہذیب پر پہنچایا تھا۔ ادب و ہنر، شاعری، عرب قدیم سے نامور ہیں۔ شاعری بھی ان کی مشہور ہے۔ گیتی، نونیا اور پروڈیس اور اٹلی کے شاعروں نے انہیں کی دوش پر شعر کہنا اختیار کیا۔ اور یورپ کی نظم میں بھر و وزن غیر عرب ہی سے لیا گیا۔ فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ درجہ ترقی کرنے کے ثبوت میں حریری، اویسینی اور متنبی کی کتابیں اب تک دنیا میں موجود ہیں ساتویں صدی کی عورتوں کا کلام اب تک ہمارے پاس ہے جس کے ایک لکھنؤ پتھر پتھر اردو، دشاہوار کی لاکھوں لڑکیاں شاعر ہوتی ہیں۔

عرب کے شاعر قدرتی کیفیات کے بیان کرنے کی طرف بھی اہل میں گر شکسیر قدرتی جذبوں کا بتانے والا کوئی نہیں ہوا۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاعروں کی قسموں میں رزمیاد عشقیہ تو ترقی پر تھیں مگر اصل جان شاعری کی ہے اور جس میں فطرتی جذبات اور قدرتی حالات کے بیان سے انسان کے دل پر اثر ڈالا جاتا ہے اس میں بڑی ترقی نہیں ہوئی۔

نادل یعنی قصہ کے پیرایہ میں علمی یا اخلاقی باتوں کے بیان کرنے سے بھی علماء نے چشم پوشی نہیں کی۔ بلکہ ہمدانی اور ابو القاسم حریری کے مقامات اسی فن میں ہیں الف لیلے اس فن کی ایک عمدہ کتاب ہے جس کا سلسلہ بیان کسی جگہ سے نہیں ٹوٹتا اور جس سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے مختلف خیالات کا پورا پورا عکس ہونے والے کے دل پر پڑتا ہے۔

ڈراما میں بعض کتابیں تالیف تو ہوئیں۔ مگر علمی رواج اس کا مسلمانوں میں نہیں ہوا۔

فارسی زبان کو بھی جو دنیا کی سب زبانوں میں شیریں سمجھی جاتی ہے مسلمانوں نے بہت رونق دی۔ فردوسی رزمیہ نظم میں خسرو قدرتی کیفیات کے انہاد میں صدیقی اخلاق و تمدن کے لاکھنے ہیں۔ فارس، ماوراء ہندوستان میں ہوئے ہیں جیسے کہ ہومر یونان میں یا شکسیر زنگستان میں۔

ہائے مذہب کے بانی نے تحصیل علم کی طرف تعدد و طرح سے لوگوں کو رغبت دلائی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی دوسری صدی میں مسلمانوں نے علوم کی طرف توجہ کی اور جہاں سے اُن کو ملتا انہوں نے علوم کو اخذ کیا۔ غیر قوموں اور غیر مذہبوں کی کتابوں کو نہایت عزیز رکھا اور چند روز میں اُور قوموں کے لیے اُستاد پھرنے کی عزت حاصل کی۔

اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا الزام جو بعض ناواقف یا متعصب غرضوں نے مسلمانوں کو دیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ٹولینز کے کتب خانہ کی چار لاکھ یا سات لاکھ کتابیں جو بیس سیرز کی ٹرائی میں حل گئی تھیں اور سنٹ کرائی نے جس نے اسکندریہ کے کتب خانہ کی تحقیق میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اس روایت کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ جن دو مورخوں نے یہ کہانی لکھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا جو چھ مہینے تک جلا گیا۔ محض غلط ہے۔ خود وہ دونوں مورخ ۵۸۰ برس بعد ایں واقعہ کے پیدا ہوئے تھے اور کوئی پہلی سند ان کے پاس تھی۔

فلسفہ کی بنیاد منصور خلیفہ نے ڈالی مگر اماموں رشید اُسکے پوتے نے اُن کی تکمیل کی۔ خلیفہ ثامن نے علم کا تھا۔ اہل شام اور سٹورین فرقے کے عیسائی ترجمہ میں فلسفہ کے اُس کے حامی اور معاون تھے۔ اس کے زمانہ میں بوسید اہل فارس اور اسپین اور علما یہود کے فلسفہ کو بے انتہار رونق ہوئی۔ اُس کے گماشتہ بلاد ارمن اور شام اور مصر میں یونانی کتابوں کے ڈھونڈنے کے لیے مقرر تھے اور ہر ماہ اونسٹ قلمی کتابوں کے بھرے ہوئے اُس کے دربار میں آیا کرتے تھے۔ کتب فلسفہ کے ترجمہ کا ایک جُدا کا رخانہ اُس نے مقرر کیا تھا۔ اور بغداد اور کوفہ اور بصرہ اور نیشاپور میں بُرے بڑے مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیے تھے۔ یہ خلیفہ بے تعصبی میں مشہور تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک عیسائی عالم کو دمشق کے کالج کا پرنسپل یعنی مدرس اعلیٰ مقرر کیا تھا۔

جس طرح خلفائے عباسیہ کی بدولت بغداد کی سلطنت میں فلسفہ نے ترقی پائی اُس سے زیادہ اسپین میں خلفائے بنی اُمیہ کے سبب سے روشنی فلسفہ کی پھیلی۔ اس ملک میں بڑا حامی علم اور حکمت کا خلیفہ عبدالرحمن ابن حکم تھا جس نے ہجرت کی تیسری

صدی میں وفات پائی۔ اس ملک میں علم کی اس قدر ترقی ہوئی کہ ایک کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں اور پہاڑی کتابوں کے نقل کرنے کے لیے تیس سو کاتب مقرر تھے۔

اسپین اور اٹلی میں صد ہا مدرسے ایسے جاری تھے جن میں صد ہا عیسائی طلبہ آکر فلسفہ اور حکمت پڑھتے اور پھر اپنے یہاں اُسے جاری کرتے اُس وقت کے مسلمانوں اور فرنگستان کے عیسائیوں کے خیالات کا فرق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جربرٹ نامی ایک فرانسیسی عالم جب مسلمانوں کے مدرسہ میں فلسفہ اور حکمت سیکھ کر اپنے ملک کو گیا تو لوگوں نے اُسے کافر ٹھہرایا اور جب مر گیا تو یہ کہا کہ شیطان نے علم کا پھل کھلا کر اُسے مار ڈالا۔

خلفائے عہد بدین نے بھی جن کو یورپ کے مورخ خلفائے فاطمہ لکھتے ہیں مصر میں کچھ کم ترقی نہیں کی اُن کے شاہی کتب خانہ میں بھی ایک لاکھ فلمی کتابیں موجود تھیں جو سنہ ہری جلدوں سے آراستہ اور نہایت خوبصورتی سے رکھی ہوئی تھیں۔ ہندوستان کے فتح کرنے والے بادشاہوں نے بھی اس طرف سے غفلت نہیں

کی۔ محمود غزنوی نے جس کو بعض تربیت یافتہ نامور شہر ہندوؤں نے اپنی تحریروں میں وحشی اور قزاق لکھا ہے باوجودیکہ وہ لڑائیوں میں مصروف رہا ایک بڑے مدرسے کی بنیاد غزنی میں ڈالی اور مختلف زبانوں کی عجیب عجیب کتابیں جمع کیں اور قدرتی عجائبا کا ایک عجائب خانہ بنایا اور اس مدرسے کے قیام کے لیے بہت سارے روپیہ مقرر کیا۔ سلاطین غوریہ و تیموریہ نے بھی منطق اور ریاضی اور طبعیات اور ادب کے روفق دینے میں بڑی کوشش کی۔ اکبر کا زمانہ علم کی ترقی کے حق میں شہور ہے۔

اُس زمانہ میں جو کہ یونان کی تاریخ کا چوتھا زمانہ سمجھا جاتا ہے فلسفہ کے مختلف طبقے تھے مگر مسلمانوں نے اُن میں سے عموماً ارسطو کی حکمت کو اختیار کیا کیونکہ انکی فلسفہ کو سبب کوشش علماء اسکندریہ کے ہزار برس سے غلبہ تھا اور اُس کا رواج بھی بہت ہو گیا تھا اور یہی سبب ہوا کہ اُس کی حکمت کی کتابوں کا زیادہ ترجمہ ہوا۔ مگر وہ افلاطون کی تصنیفات سے بھی محروم نہیں رہے بلکہ اُس کی کتابوں کا بھی ترجمہ عربی میں ہوا چنانچہ مسلمانوں میں ابو نصر فارابی اور بوعلی سینا حکمت مشائی میں ایسے ہی



ہوئے ہیں جیسے کہ یونانیوں میں ارسطو۔ اور حکمت اشرقی میں شیخ شہاب الدین متول  
ویسا ہی مورد ہوا ہے جیسا کہ افلاطون یونانیوں میں سگرادر طبقہ کی حکمت کا زیادہ تر  
رواج مسلمانوں میں نہیں ہوا گو وہ آدھکار کے اصول سے بے خبر نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ارسطو کی منطق کو زیادہ پسند کیا اور اُسی کا ترجمہ بھی اُن کے  
وقت میں بہت ہوا اول ترجمہ ارسطو کے قیاسات کا خین ابن اسحاق کے ذریعہ سے  
مسلمانوں میں پھیلا۔ پھر ابو بشر نے چند کتابوں کا سریانی سے ترجمہ کیا اور یحییٰ ابن  
عدی اور کنسی نے اُسے مرتب کیا اور آخر کو فارابی اور بوعلی سینا نے اُسکی تکمیل کی۔  
مسلمانوں نے جس خوبی سے یونانی اور سریانی اصطلاحات کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا  
اُسپر وہ بری تحریف کے مستحق ہیں۔ جارج نہری دیکر صاحب بھی اپنی تاریخ فلسفہ میں  
اُس پر بری حیرت ظاہر کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس علم میں ترجمہ اور تعلید ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اُس میں  
بہت کچھ ترقی کی چنانچہ تصور و تصدیق کے مباحث اور جزییات و کلیات کے  
اصول اور استخراج نتائج کے ضابطے اور صغریٰ و کبریٰ کی ترتیب اور صدا و وسط کا  
بیان۔ اور قیاسات کی تفہیم جس خوبی سے اُنہوں نے کی یہاں اُس سے اُن کے  
دماغ کی قوت ظاہر ہے۔

مسلمانوں نے ارسطو اور افلاطون کی الہیات سے بھی واقفیت حاصل کی اور جو کچھ  
اور عقول عشرہ اور روح اور سماج اور دیگر مسائل کی سنجی تحقیق کی اور اُن مسائل کو اپنے  
مذہبی مسائل سے تطبیق یا تردید کرنے میں اپنی طبیعت کی جلا کیاں اچھی طرح دیکھائیں  
اور اُس کے واسطے اُنہوں نے ایک خاص اپنے مذہبی علوم میں داخل کیا جس کا نام  
علم کلام ہے۔

طبیعیات میں مسلمانوں نے پوری تقلید یونانیوں کی کی مگر چونکہ اُنہوں نے تجربہ  
اور مشاہدے اور آلات کے ذریعہ سے کسی چیز کے ثبوت کرنے کی بجائے باریک ذہین  
منطقی استدلال سے کام لیا اس لئے وہ اُسکی غلطیوں کو درست نہ کر سکے اس واسطے  
ہیوئے اور جزو لایتمجزئے اور صورت نوعیہ و جسمیہ اور حیرت طبعی اور خلا کی نازک جہتوں  
کو اور نجی قوت کو دیا اور کائنات الجو اور اجرام فلکی اور عناصر ربوبہ کی ثابت کی تحقیق کرنے

فاصر رہے۔ بائیں ہند انہوں نے اس علم میں بعض نہایت بکار آمد چیزوں کی تحقیق کی ہے جیسا کہ محمد بن ذکریا نے اسباب قوت جاذبہ مقناطیسی پر نہایت عمدہ سال لکھا ہے۔

علم ہیئت میں علمائوں نے بڑی ناموری پائی اور بہت زمانہ تک وہ اسکی تحقیقات پر متوجہ رہے بطلمیوس کی عمدہ مشہور کتاب مجسطی کا پورا ترجمہ جو خن بن اسحاق نے کیا تھا اور جس کی ابن یوسف اور ابن قرہ نے تصحیح اور حکیم نصیر الدین طوسی نے تہذیب تکمیل کی مسلمانوں کی ترقی علم پر شاہد ہے۔ وہ اس علم کے ایسے قدردان تھے کہ خالص بطلمیوس کا بنایا ہوا قزو قاہرہ کے کتب خانہ میں ۷۳۲ ہجری تک موجود تھا۔

اس علم میں مسلمانوں نے تقلید ہی نہیں کی بلکہ اس کو تحقیق بھی کیا اور اُسے کام میں بھی لائے خلیفہ ماموں شید کے زمانہ میں اچھے اچھے آلات ایجاد ہوئے۔ سنجہ اور کوفہ کے میدانوں میں زمین کے دائرہ عظیم کی پیمائش ہوئی جس سے اُس کا وہ صحیح مدور آب تک مانا جاتا ہے ثابت ہوا۔

چھرا نہوں نے رصد خانے بھی کثرت سے بنوائے اور سورج کو اکب بھی تیار کیے جس کا نشان ساسیہ بغداد۔ دمشق۔ اُندلس۔ سمرقند کے ٹوٹے کھنڈروں سے اب بھی ظاہر ہے۔

مسلمانوں نے بطلمیوسی نظام کی غلطی کا کوپرنیکس سے پہلے خیال کر لیا تھا چنانچہ محمد بن عبدالملک طینل جسکو انگریزی میں ابویاسر کہتے ہیں اور جو بارہویں صدی میں اُندلس میں پیدا ہوا اُس نے اس نظام سے انکار کیا جس کی تصدیق الپٹریجیمس اپنے رسالہ علم ہیئت کے دیباچہ میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ نامی گرامی ابویاسر نے کہا ہے کہ نظام شمسی اور حرکات اجرام فلکی میری تحقیقات میں اُور ہی طبع پر ہیں جو نظام قدیم یونانیہ کے خلاف ہیں۔

علم مرایا و مناظر میں بھی مسلمانوں نے بڑی ترقی کی چنانچہ ابو علی الحسن گیارہویں صدی میں ہوا اُس کا رسالہ علم مرایا و مناظر کا یورپ کی مشہور کتابوں میں سے ہے جسکو ورنبر نے ترجمہ کیا اور جو شمساع میں بمقام بل چھاپا گیا۔ اس محقق نے یونانیوں کی غلطی ثابت کی کہ شعاع نظر آنکھ سے نکل کر کسی چیز پر نہیں پڑتی ہے بلکہ اُس نے

تشریح اور علم مثلث کی لیلیوں سے ثابت کیا ہے کہ تمام چیزوں کی شبیہ تکمیل میں اگر  
ہستی ہے جس کی تحقیقات کا نتیجہ وہ ہے جو آج نوڈوگراف کی تصویروں سے دیکھا جاسکتا  
ہوتا ہے۔ ہیبت اللہ بن خنیں بغدادی نے جو کہ مستشرقین و باقاعدہ طلبہ و جاسی کے زمانہ  
میں تھا ان کی رفتار کا اندازہ نکالا اور اس کو دلائل ہندسیہ سے ثابت کیا۔

علم ہوا میں ابو علی الحسن بن علی اس مسئلہ کا موجد ہے کہ جس قدر ہوا زمین کے طبقے سے  
اوپر جاتی ہے اسی قدر وہ سبک اور ہلکی ہوتی ہے۔

علم ہندسہ اور حساب میں مسلمانوں نے ہیبت توجہ کی اقلیدس کے متوالوں کا ترجمہ  
یونانی اور سریانی اور رومی زبان سے مختلف عالموں نے کیا جن میں سے عجیب اور  
حنین اور ثابت اور ابو عثمان کے ترجمے مشہور ہیں پھر اس کی اصلاح و تہذیب صدیوں  
عالموں نے کی۔ اسپر سیکڑوں شرحیں لکھیں۔ آخر علامہ نصیر الدین طوسی نے اس کی  
میل کی اور اس کے بعد بھی بہت سے عالم ترتیب و تہذیب اور شرح پر متوجہ رہے۔  
مسلمانوں نے از ہیبت دس حکیم کی کتاب اصول ہندسہ کا بھی ترجمہ کیا اور  
اس کی شرحیں لکھیں چنانچہ ابو الحسن علی بن احمد اور نصیر الدین طوسی اور ابوسہل  
قوشچی کی شرحیں اب تک مشہور ہیں ابلینوس کی کتاب جو مخروطی شکلوں اور خطوط  
منحنی کے بیان میں ہے اس کے سات مقالے ترجمے کیے گئے جس میں سے چار  
مقالوں کا ترجمہ احمد بن موسیٰ جسی نے اور باقی کا ثابت بن قز نے کیا اور ان کے  
سوا اور بھی چند نامی حکماء یونان کی کتابیں اس فن کی عربی میں ترجمہ ہوئیں۔

حساب میں بھی مسلمانوں نے کم توجہ نہیں کی۔ انہوں نے ہندوؤں سے مزید  
اعداد کا رکھنا سیکھا اور اسی لیے اس کا نام انہوں نے اعداد ہندیہ رکھا۔ فن جبر  
مقابلہ کی نسبت اختلاف ہے۔ بعض مسلمانوں کو اس کا موجد بیان کرتے ہیں۔ مگر  
صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے یہ علم ہندوستان کے پنڈتوں اور یونان کے عالموں سے  
اخذ کیا تھا مگر پھر اس میں بہت سی ترقی کی۔

علم طب میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ انہوں نے ہندوستان میں  
سفر کیا۔ زبان سنسکرت کو سیکھا اور نہایت مشہور دو کتابیں سنسکرت زبان کی جو کلام  
چرک اور ششست تھا عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ سب سے پہلے شمس العجمی میں

موسیٰ بن موسیٰ الغفاری نے سنسکرت کا ترجمہ شروع کیا۔ پھر محمد بن اسماعیل غزنوی ہندوستان میں آیا اور اس کے بعد دہلی عالم ہندوستان میں آئے اور ہندوؤں کے علوم کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا۔ بقراط اور جالینوس کی عمدہ کتابوں کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا۔ بوعلی سینا کا قانون صمدی برس تک یورپ کے مدرسوں میں پڑھایا جاتا تھا۔

اسلامی حکیم کی نسبت حاج ہنری لوئیس صاحب لکھتے ہیں کہ وہ صرف ترجمہ اور شاعرانہ حکمت کا نہ تھا بلکہ اس نے جو اپنے علم کمال کے اپنی رائے کو بھی بہت کچھ دخل دیا اور فردوں کو چیر کر علم تشریح انسان کی غلطیاں درست کیں۔

حواس خمسہ ظاہری و باطنی کی تقسیم اسی کی تحقیق ہے جس کی پیروی اب تک سب کرتے ہیں۔ ہمیرٹ کا شمش میں لکھا ہے کہ دوا سازی کا علم عرب نے پیدا کیا چند دواؤں کے مرتب کرنے اور نسخہ لکھنے کا طریقہ انہیں کا ایجاد ہے اور پھر ان سے اور رنگوں میں بھیا۔

علم کیمیا یعنی حل و عقد کی ترقی کی نسبت قول ابن صاحب کا کافی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اسکی ایجاد عرب ہی سے ہے۔

علم نباتات سعدیات میں ابو عثمان اور عبدالرحمان سرہونی اور عباس ابن سہار کی کتابیں ان کی توجہ پر گواہی دیتی ہیں۔ طاہر بن محمد یوسف غزنوی نے دس جلدیں اس علم میں لکھی ہیں۔

علم حیوانات میں ان کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ انہوں نے صرف ارسطو اور گیلن کی کتابوں کے ترجمہ پر اکتفا کیا۔

علم جغرافیہ میں بھی انہوں نے سبب اپنے دریائی سفروں اور خشکی کی سیاحت اور شہرت تجارت کے اور آخر کو سبب اپنے فتوحات کے بہت عمدہ تہذیب حاصل کی ادیسی اور ابو الفدا اس فن میں شہور ہیں۔

علم موسیقی فلکی نے وہ کمال حاصل کیا تھا جس کی اہل یورپ بھی تصدیق کرتے ہیں۔ جارج ہنری لوئیس صاحب نے لکھا ہے کہ علم موسیقی میں اسکی تصنیف بہت

کامل ہے اور اُس نے اگلے مصنفین کی غلطیوں کو بہت اچھی طرح درست کیا ہے۔  
 نعر عرض کیا مسلمانوں کے تہذیب علوم میں نہایت اعلیٰ درجہ کی ترقی تھی مگر  
 اوٹ جرمین کے مورخ نے نہایت انصاف سے یہ بات لکھی ہے کہ مسلمانوں نے  
 اور قوموں سے کتنا ہی کچھ کیوں سیکھا مگر انھوں نے اپنی قابلیت و طاقت  
 سے اُسکو بہت کچھ ترقی دی۔ جارج ہنری لویس صاحب اپنی ہسٹری آف فلاسفی میں  
 لکھتے ہیں کہ یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ عرب ہی نے تمام کتابوں اور تحریروں کو  
 فلسفہ یونان کی تباہی سے محفوظ رکھا اور انہیں کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلاح  
 پہنچا۔ اس امر خاص میں یورپ اُن کا ممنون احسان ہے اور اس سے بڑا احسان  
 عرب کا یورپ پر یہ ہے کہ اُن لوگوں نے علم ہندسہ اور میت اور طب اور کیمیا میں سنی  
 کوشش کی اور انھیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر فرانستان میں علم پھیلا۔  
 ڈاکٹر پیر صاحب لکھتے ہیں کہ علم کے سیکھنے میں اہل فرنگ ابو علی الحسن اور ابو موسیٰ  
 اور ابو الوفا اور اور علماء عرب کے زیادہ تر احسان مند ہیں۔ ابو الوالد جے انگیز اور ورکر  
 کہتے ہیں دشمن تھا کہ جس کی تصنیفات کی چار سو برس تک عیسائی بہرہ و عظیم و تکرم  
 کرتے رہے اور بہت سی کتابیں لکھی جن کا نام ہی اب مسلمان نہیں جانتے۔  
 زبان عربی اور لیتن میں موجود ہیں۔ چنانچہ جرمین میں پچاس سے زیادہ اُسکی تصنیفات  
 چھاپے ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر ہیلی صاحب بھی اپنی تاریخ اسپین میں اُسکی تصدیق کرتے ہیں۔ اس نامی  
 ڈاکٹر نے جو مقابلہ اُس زمانہ کے مسلمانوں کی حکمت اور فلسفہ کا یورپ سے کیا ہے  
 اُس کے دیکھنے سے اندازہ اُس ترقی کا ہو سکتا ہے جو مسلمانوں نے علوم میں  
 کی تھی۔ سڈلیو نامی فرانسیسی مدرس علوم تاریخ کا اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ جب علم  
 طب اور طبیات اور کیمیا اور فلاح عرب کے ماتھے آیا تو انہوں نے اُس میں بہت کچھ  
 ترقی کی یہاں تک کہ ان علوم میں اُن کی فضیلت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور جہاں  
 تک ہر کو معلوم ہے گویا وہ ایک شہر ہے اُس اعلیٰ فضیلت کا جو آج تک ہر کو معلوم ہی  
 نہیں ہوئی۔ بہر کیف عرب کی قوم ہمارے جملہ فضل و کمال کا اب بھی سرچشمہ ہے  
 اور جن کمالات کو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ اور قوم کا ایسا جو گا وہ اب ہر کو اُن کی

کتاہوں کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے اصل موجد عرب ہی ہیں۔ ایک دوسرے فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ ”عرب کی قوموں کو خدا نے دنیا میں اس لیے پیدا کیا تھا کہ وہ علوم و فنون اور اسباب تمدن کو ان مختلف قوموں تک پہنچا دیں جو فوٹ کے کنارے سے لیکر اسپانیہ کے وادی کبیر تک پھیل رہی ہیں چنانچہ ان تمام قوموں نے جمہا کالات اسی قوم عرب سے حاصل کیے تھے“

فنون و دستکاری کو اہل عرب نے رومیوں کے بڑے بڑے شہروں میں جا کر بخوبی حاصل کیا تھا اور پھر خود اس کو ترقی دی تھی۔ مارون رشید خلیفہ عباسی نے جو ایک گھڑی بطور تحفہ کے شارلین بادشاہ فرانسٹان کو جو اس کا بڑا دوست تھا بھیجی تھی اور جس کا ذکر ایجن مارڈ صاحب نے کیا ہے مسلمانوں کے فنون و دستکاری میں ترقی کرنے کا بڑا ثبوت ہے۔

عرب و اسپین کے ہتیار و غنائ یعنی کرینڈا کا حریر نہایت مشہور تھا۔ فن عمارت میں بھی انہوں نے بہت ترقی کی تھی۔ وہ حوض و نوارہ نہایت خوبی سے بناتے تھے۔ اور مختلف قسم کے پتھروں کے گلے بونے تراش کر مکانات کی عمارت کو آراستہ کرتے تھے۔ گنبد بنانے کی ترکیب انہوں نے یونانیوں سے اخذ کی مگر پھر اس کو نہایت ہی خوبصورت کر دیا۔ قرطبہ یعنی کارڈوہ کی جامع مسجد اور اسپین کے وادی کبیر میں عبدالرحمن ثالث کا قصر عالی۔ اور کارڈوہ کا محل۔ اور ہندوستان میں قطب کا مینار اور تاج کاروضہ اور عظیمردان کی نہر۔ ان کی صنایع کی مثال بدہیں۔

تصویر بنانے میں مسلمانوں نے کچھ ترقی نہیں کی۔ کیونکہ بہت پرستی کی بڑھانے کی غرض سے وہ صنوع کی گئی تھی۔ مگر مکانات کی آرائشی کے لیے انہوں نے ایک قسم کے نقوش جدیدہ ایجاد کیے تھے۔ پہلے تو وہ کچھ نقش و غیرہ تھے۔ پھر وہ ایسے خطوط رہ گئے جن کا آپس میں تعاطع ہوتا تھا اور وہ خطوط عربی کے مشابہ تھے کہ جن سے طرح طرح کی طرائف آمیز عمدہ عمدہ خوش منظر شکلیں پیدا ہو جاتی تھیں۔

جہاں بنانے میں بھی انہوں نے ترقی کی تھی۔ چنانچہ سٹائٹ میں عبدالرحمن خلیفہ نے ایک ایسا بڑا جہاز بنایا کہ آہستہ آہستہ ان ملکوں میں کسی نے نہ دیکھا تھا اور اسپین کے ملکوں کے جہاز بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ غالباً اسپین والے جو بڑے بڑے جہاز

کا استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے جہاز اہل اسلام کے جہازوں کی نقل میں ہندوستان میں بھی محمود بادشاہ گجرات نے ایسا ایک بڑا جنگی جہازوں کا طیارہ کیا تھا جس سے بڑے ہندوستان میں بھی نہیں ہوا۔ ضلع کبیر جا پر اس بادشاہ کے بہت سے جنگی جہاز جن پر توپیں ٹپڑھی رہیں تیار رہتے۔

اخلاق کو بھی مسلمانوں کے بانی مذہب نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا۔ سچائی اور وفاداری۔ اخلاص و نیکی۔ بہرہ روی و محبت و مہمانوں کو معافی اور بُرائی کا بدلہ بھلائی اصلی اصول نجات کے ہیں۔

غیر مذہب والوں کے ساتھ جو اخلاق خود بانی اسلام نے برتنے وہ اس مثال سے ظاہر ہو سکتے ہیں کہ عیسائی ایڈی جب بدینہ میں آئے تو خود اپنی ذات سے اُن کی مہانداری کی اور باوجودیکہ رومن کیتھولک تھے اور ٹیلیٹ کے قابل۔ مگر اُن کو اجازت دی کہ اپنی نماز اُسی مسجد میں پڑھیں جو ایک خدائے واحد و ابھال کا نام پکارنے کو کچھ میٹھی اور کھجور کے دھتوں کی ٹکڑی سے بنائی گئی تھی۔ اگرچہ بعد کو اس نہایت قابل تعظیم اخلاق کی پیروی کم ہوئی۔ مگر کچھ نہ کچھ اُس کا اثر ہر ایک زمانہ میں پایا جاتا تھا۔ جبکہ بیت المقدس فتح ہو گیا تو وہاں کے عیسائیوں نے اُن اصحاب رسول کی دعوت کی جو بیت المقدس کی فتح کے لیے گئے تھے چنانچہ اُن سب کے قبول کی اور گرجے میں اُن کو کھانا کھلایا گیا وہ سب کھانا کھاتے اور گرجے کی تصویروں کو تعجب سے دیکھتے جاتے تھے۔

سلطان صلاح الدین بھی عیسائی بادشاہوں سے باوجودیکہ پیشین کا متقابل کرتا رہا نہایت حسن نطق سے پیش آتا اور اُن کی تعظیم کرتا تھا۔ امیر حبیب جو عیسائی مذہب کھتا تھا۔ جب صلاح الدین کے پاس آیا تو اس نے نہایت تعظیم و تکریم کی اور اُسے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اور شفیق کا امیر جو کہ فرنگیوں کے نامی امیروں میں سے تھا سلطان کے خیمے پر آیا تو اُس نے بڑی عزت کی اور اُس کے ساتھ کھانا کھلایا۔ اسپین کے مالکوں اور امیروں نے حبیب بن ابی عمیر مذہب والوں سے کیا تھا اُسکی نسبت جارج ٹرنہی ٹرنس صاحب یوں کہتے ہیں کہ ”اسپین میں علم اور حکمت کے کمال نے قصب کو ایسا مثلاً و نمونہ بنا دیا تھا کہ زمانہ حال کے لوگ شکر تعجب کریں گے کہ یہودی اور عیسائی اور مسلمان ایک ہی زبان بولتے اور ایک ہی قسم کے گیت یا شعر پڑھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک ہی طرح کا

خیال رکھتے تھے۔ عرب۔ یہود۔ نصاریٰ کو اپنے فرائض مذہبی اور ریسیات کے ادا کرنے سے مطلقاً باخارج اور باغ نہ تھے بلکہ ان کی دوستی و محبت و ربط و ضبط یہاں تک بڑھا کہ مسلمان و عیسائی اور یہود میں شادی بیاہ ہونے لگا۔

باب کے ادب کی نہایت تاکید کی گئی۔ جن لوگوں نے کسی نہایت متعصب مسلمان تک کو اپنی بوڑھی عیسائی ماں کو اتوار کے دن بچی پیٹھ پر سوار کر کر جاننا پڑھانے کو لیجاتے دیکھا ہوگا وہ نہایت تعجب کرتے ہوں گے کہ مسلمانوں کے مذہب کے بانی نے ماں باپ کی کس قدر تعلیم و ادب کی تعلیم کی ہے۔

عرب کے پیغمبر نے عورتوں کو روحانی زندگی میں بالکل مردوں کے برابر کر دیا۔ مسلمان فرق بھی ان میں نہیں رکھا جیسا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ۔ یا سولہ آنہ و روپیہ میں ہے۔ وہ بیٹے نیکی کر سکتی ہیں جس طرح کہ مرد۔ وہ اُسی طرح روحانی ترقی پا سکتی ہیں جس طرح کہ مرد کو نیکی نیکی ایسی نہیں ہے جو مرد پا سکتا ہو یا کر سکتا ہو اور وہ نیکی عورت کے لئے نہ ہو۔ ان کے دنیاوی حقوق سے بھی غفلت نہیں کی۔ وہ اُسی طرح اپنے مال کی مالک ہیں جیسا کہ مرد وہ سب تم کے معاہدہ کی مجاز ہیں۔ اپنی جائیداد کی خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ وہ خود آپ مالک ہیں۔ مہرہ کر سکتی ہیں۔ بیع کر سکتی ہیں۔ تمام تصرفات جو مرد کر سکتا ہے وہ بھی کر سکتی ہیں۔

پابندی بیعتی عقد ازواج میں بائیں مذہب کا یہ قول ہے کہ ایک دو تین چار تک عورتیں نکاح میں لاسکتے ہو لیکن اگر اندیشہ بھی عدل نہ کر سکنے کا ہو تو پھر صرف ایک ہی چاہئے پس اگر اس کے حکم منفی کا خیال ہو تو پھر ایک کے سوا جائز نہیں ہتی۔ پس بازت اور امتناع گھوہی محمدی سے ایک ساتھ بیان کیا ہے کہ بجز حالت خاص کے جس کا جائز رکھنا بلاشبہ عقل کے موافق ہے عقد کو معدوم کر دیا ہے۔

اس سے بھی زیادہ محمدی سے طلاق کے مسئلہ کو بتایا ہے۔ طلاق کی اجازت دی جس کی اجازت دینا بلاشبہ نہایت ضروری تھی مگر اسکو ایسا مباح فعل بتایا جس سے بے انتہا مباحضی خدا اور رسول کی آئی جاتی ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ نے خیال کیا کہ طلاق لینے والا قتل ہونے کے لائق ہے اور اس عہد فصاحت سے طلاق نہایت معتدل طو پر برتی جانے لگی۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ایک بات جو اپنی اخیر عمر میں بانی اسلام نے



فرمانی اور جو سب سے مقدم تہذیب انسانی کا مسئلہ تھا اور جس کو اُس وقت تک کسی نے نہ کیا تھا اُس پر اس وجہ سے کہ رواج عام کے بالکل برخلاف تھا کسی کا خیال نہیں گیا اگر بانی اسلام چند روز اور دنیا میں رہتے تو وہ مسئلہ بھی مثل اُور رسائل کے کام ہو جاتا اور وہ مسئلہ غلامی کو بالکل معدوم کر دیتے کا تھا۔ بانی اسلام نے ان چند لفظوں سے کہ "فاما مناجد واما فداء" یعنی بُرائی کے قیدی سب چھوڑ دیئے جاؤں خواہ کچھ لیکر خواہ احسان کھکر غلامی کو بالکل معدوم کر دیا ہے اور کچھ بُشت نہیں ہے کہ اس شخص صریح سے مسلمانوں کے مذہب میں غلامی بالکل ممنوع ہے گو کہ کسی کو اس کا خیال نہ آیا ہو۔

دختر کشی کی رسم جس پر عرب کو اس ملک کے بندوں سے بھی زیادہ فخر تھا کسی کچھ مسلمانوں میں سے مٹ گئی جس کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا۔ مسلمانوں کی معاشرت کے طریقے۔ ملنے جلنے کے قاعدے سے بھی نہایت عمدہ تھے بزرگوں کا ادب۔ بڑے بڑھوں کی تعظیم۔ بات چیت میں نرمی و اعتدال۔ کسی کی طرف جھوٹ و عیب کی نسبت کرنے کا خیال۔ طعن و طنز کا لحاظ فحش اور اخلاق و حیا کے خلاف باتوں سے نفرت۔ بے پوچھے کسی بات میں دخل نہ دینا۔ مگر موشی نہ کرنا جابلوں نادانوں سے نہ جھگڑنا۔ مذہبی گفتگو بے ضرورت نہ کرنا۔ بیوہ و ہنسی اور جمل سے نفرت۔ وہ آداب مجلس تھے کہ جن کے لحاظ نہ رکھنے سے انسان بدتمیز اور سوسائٹی سے خارج کرنے کے لائق سمجھا جاتا۔

شادی بیاہ کے دستور بھی تہذیب سے خالی نہ تھے قبل نکاح کے مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھ کر پسند کر لینا بے خوف اور بلا لحاظ کسی جا بجا نہ خیال کے اور نہ زن و شوہر کا اپنی رضا مندی ظاہر کرنا ایک عام دستور تھا۔ نکاح کے وقت ایک مختصر مجلس عزیزوں و رخصتوں کی مرتب ہوتی۔ اور ایک مختصر حرب حیثیت سامان ما باپ کی طرف سے لڑکی کو دیا جاتا۔ اور بعد نکاح کے ایک مختصر سی دعوت و دوست آشناؤں کی کی جاتی۔ عورتیں بالکل اپنے گھر کی مالک اور منتظم سمجھی جاتیں۔ اور سب گھر کا کام کاج اُن کے تعلق ہوتا نہ کہ چاکر بھی اُن کے تابع نہ ہوتے یہاں تک کہ مرد بھی بے رضا مندی اُن کے کوئی کام نہ کرتا اگرچہ عورتوں کو باہر نکلنے کی عام اجازت نہ تھی مگر

مسجدوں میں نماز کے لیے آنے اور بفرورت باہر نکلنے یا اپنے خاوند اور غرض نیکوں کے ساتھ سفر کرنے سے منع نہ تھیں اور مونہ اور ہاتھ کو تو شرع نے بھی ستر میں داخل نہیں کیا۔ اولاد کی تعلیم اور تربیت پہلے تلمیذوں اور تالیق کے ذریعہ سے خاص خاص طور پر دی جاتی مگر تیسری صدی سے عام مدرسوں میں تعلیم دینے اور دور دراز شہروں میں لڑکوں کو بھیج دینے کا عام رواج ہو گیا۔ فارس اور دیلم کے سلاطین اہل اسلام کا تو یہ ایک عام طریقہ تھا کہ اپنی اولاد کو باہر ہی بھیج کر تعلیم و تربیت دلاتے۔ اسی سبب سے اُس زمانہ کے اکثر شہزادے اور امیرزادے عالم اور ادیب اور منشی ہوتے جس کی تصدیق چرچ و سخن صاحب نے کی ہے۔ ابوالفدا جو ایک نامی بادشاہ تھا ایسا مورخ و جغرافیہ داں اور صنف ہوا ہے کہ اُس کی نظیر دوسری قوم میں کم ملیگی۔ کرخ کا مدرسہ جسے وزیر ابو نصر نے بنایا اور ناصر بن کالج جسے مستنصر بالله نے دجلہ کے کنارے پر تعمیر کیا اور جس کے متعلق شفا خانہ اور حمام اور رہنے کے مکانات بھی تھے اور جس کے لیے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ وقف تھا۔ اور نظامیہ مدرسہ بغداد کا عام تعلیم و تربیت کے لیے عمدہ مدرسہ تھے۔

لڑکیوں کی تعلیم گھر پر بذریعہ پڑھی لکھی عورتوں کے یا بڑے نیاں چلن اُستادوں کے ایسی عمدہ ہوتی کہ صدائے مسلمان عورتیں ایسی گزریں ہیں کہ اُن کا کلام بھی کتاب میں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اُس عمدہ تعلیم و تربیت کے سبب سے خیالات اُن کے ایسے روشن ہو جاتے تھے کہ ہمدردی اور قومی بھلائی کے جوش میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دیتیں۔ ناصر الدین بادشاہ حمص کی بی بی زمرہ نام نے جو ساتویں صدی میں ہوئی ہے کل اپنا مال متاع ایک بڑے کالج دمشق کے بنانے اور اُس کے آئندہ اخراجات میں صرف کر دیا۔

لباس و پوشاک کا حال یہ ہے کہ عرب کا اصلی لباس گرتہ اور تہبند تھا اور ایک خاص قسم کا حماسہ یا گول ٹوپی اور روزہ یا جوتہ کو بھی وہ ایک ضروری جزو لباس کا جانتے تھے جبکہ شارع نے بھی زینت نماز فرمایا۔ پہن مگر پھر مسلمانوں نے کیانیوں اور عجمیوں کا لباس زیادہ پسند کیا اور تھوڑی سی تبدیلی سے اُسے اپنے یہاں رواج دیا۔ بعض بادشاہوں نے خود بھی لباس میں کچھ ایسا دیکھی جیسا کہ شاہِ ہجری میں منصور خلیفہ نے

ایک لمبی گول ٹوپی جو ککڑیوں کی تپلی تیلیوں سے بنائی جاتی جس پر سیاہ رنگ یا کالا کپڑا منڈھا جاتا اور غالباً وہی ٹوپی ہے جسے اب انگیز استعمال کرتے ہیں۔ پھر تانہ کے مسلمانوں نے وہ سرخ ٹوپی ایجاد کی جسے اب ترک پہنتے ہیں اور ہندوستان کے بھی بعض ٹھیکہ دار مسلمانوں کے مبارک سروں پر دکھائی دیتی ہے۔ شاہ اسماعیل حنفی نے بھی ایک خاص قسم کی لال ٹوپی ایجاد کی جس کے سبب سے ایرانی اپنے آپ کو قزلباش یعنی لال سروں والا کہتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک خاص قسم کا درباری لباس تجویز کیا گیا۔ یعنی سفید مل کا جامہ جسے آیا کی گون کہنا چاہیے اور کمر بند اور ٹکڑی جس کی بڑی زینت بازو بند اور مال سے سجھتی تھی۔ یہ لباس شاید مصریوں کا تھا اس لیے کہ اُس کا نقشہ شہر تہیس کے قبرستان میں بعض بادشاہوں کی تصویروں میں پایا گیا ہے۔

عورتوں کا لباس گویہ نسبت ایک چادر اور تہ بند کے بہت درست کیا گیا مگر حقیقت اُس میں کوئی عمدہ ترقی نہیں ہوئی۔ کھانے پینے میں بھی کیا نیوں اور عجیبوں کی طرح دسترخوان کی رونق اور آراستگی حضرت معاویہ میر شام کے وقت سے شروع ہوئی۔ پھر عباسیوں کے زمانہ میں چھوٹی میز پر کھانا رکھا کھانے کا رواج ہوا جسے بعض نادان مولویوں نے بدعت بتایا۔ اور جھٹوس صدی تک اُس کا جھگڑا رہا۔ جس کی نسبت امام غزالیؒ نے یہ تصفیہ کیا کہ نہ گناہ ہے نہ بدعت ہے بلکہ اُس میں تعظیم کھانے کی ہے۔ غرض آٹھویں صدی سے لیکر تیرہویں صدی تک مسلمانوں کی طرز معاشرت کو ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ یورپ نے مسلمانوں ہی کی معاشرت و تمدن کو پیکر اُس میں ترقی کی گیارہویں صدی کے آخر سے تیرہویں صدی تک جو صلح ٹرائیاں مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیت المقدس میں ہوئیں اُس کی نسبت یورپ کے مؤرخوں کا قول ہے کہ مدگوان ٹرائیوں سے بے شمار آدمی ضائع ہوئے اور بہت سائنسی مال بغیر کسی فائدہ کے ضائع ہوا۔ لیکن انجام کار اُس سے فائدہ بھی بہت کچھ ہوئے جس میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اُسی زمانہ سے اہل یورپ نے فوج کی ترتیب اور اصلاح شروع کی اور تجارت اور زراعت کے طریقے اُن مشرقی قوموں سے سیکھے اور شہریوں کی ہی عادتیں اختیار کیں اور دنیا کے حالات کی

تحقیق کے واسطے سفر کی عادت ڈالی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یورپ کی قوموں کو تمدن کے طریقے اُسی وقت سے معلوم ہوئے جب سے وہ مسلمانوں کی اُن قوموں سے ملے جو تمدن اور حسن معاشرت اور علوم و فنون اور ہنر و کمالات میں اُن سے فائق تھیں۔

تجارت اور زراعت میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ اُن کو ہمیشہ سفر کی طرف رغبت رہی ہے۔ جب اُن کی سلطنت فرانسیس اور اسپین کے پہاڑوں کے بیچ سے گذر کر ہالیہ تک پہنچی تو اُس وقت وہ دنیا کے بڑے نامی تاجروں میں جو گئے اور فن زراعت میں تو مثل اُن کے کوئی نہ تھا اس واسطے کہ جس قدر پانی کے خزانے پہنچا لے اور اسکو اپنی کھیتی کی کاریوں میں برابر پہنچانے میں یہ لوگ مضبوط تھے دوسرا نہیں ہوا۔ اہل عرب پہلے سے تجارت میں نامور ہیں۔ چنانچہ وہ جزیرہ بحر احمر کا بسکو جزیرہ سکا ترہ کہتے ہیں اور لنکا کا مغربی کنارہ اور سلیمانیا عربوں کی بستی سے مشہور تھی۔ اور جب شہر جہازران و ریگودیکا صاحب پندرہویں صدی کے انیس میں سلیمانیا کے کنارہ پر پہنچے تو اُنھوں نے تمام تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں پائی چنانچہ بے تائید اُن کی نسل باقی ہے جو مولاکے نام سے مشہور ہیں۔ اور باوجودیکہ اب وہ بالکل وحشی ہو رہے ہیں مگر ہر قسم کی تجارت کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کیا اُس وقت وجہ اور فرات کے موباز پر انہوں نے بڑے شہر کو اس ارادے سے بسایا کہ تجارت اور سندھ بھی جو دریائے سندھ کے پورب واقع ہے تجارت کر سکیں۔ انہوں نے دریائے فرات کے کناروں سے بحرِ عمان کے ساحل تک اپنی تجارت پھیلائی اور کارسیکا اور سارڈینیا اور جنوبی اٹلی میں بہت سے شہر آباد کیئے۔ ایک عرصہ دراز تک میڈی ٹرینین میں اُن کے تجارتی جہاز اپنے یاد بانوں سے سمندر کی لہروں کو رونق دیتے رہے۔

سیاستِ مدن کا طریقہ جو اب امریکہ میں جاری ہے وہ مدتِ ہویٰ کے مسلمانوں نے قائم کیا تھا۔ معزز و ممتاز لوگوں کی رائے سے جو کرائے دینے کی لیاقت رکھتے تھے اور جن کو اہلِ حل و عقد کہتے ہیں ایک شخص کا بطور پریسیڈنٹ کے ہونا قرار پایا تھا۔ وہ پریسیڈنٹ جب تک کہ اپنے عہدہ کا کام انصاف سے کرے اپنے عہدہ پر بحال

رہنے کے لائق تھا۔ بیت المال میں سے اُس کو مثل ایک عام مسلمان کے اوجھ زیادہ حق نہ تھا۔

اس پریسڈنٹ کو جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں تمام امور میں مقبر لوگوں سے مشورہ کر کر کام کرنا واجب تھا۔ غلطی سے روکنے کا ہر ایک مسلمان کا حق تھا۔ اور قصور کی حالت میں موقوف ہو سکتا تھا۔ پہلے خلیفہ نے لوگوں سے کہا کہ اچھی باتوں میں میری مدد کرو اور بُری باتوں میں روکنے کا ملوک حق ہے۔ دوسرے خلیفہ نے رعایا کے دلوں کے امتحان لینے کے لیے ایک روز خطبہ میں پوچھا کہ اگر میں ناجائز حکم دوں تو تم لوگ کیا کرو۔ ایک عام جوان آدمی تلوار لیکر کھڑا ہو گیا اور کہہا کہ فوراً خلافت کی گدھی سے نکلو تار دیں اور دوسرے کو خلیفہ بنا دیں۔

چوتھے خلیفہ کو ایک یہودی کے متقابل میں زرہ کے دعویٰ میں ایک عام مسلمان کی طرح جج کے محکمہ میں حاضر ہونا پڑا اور جج نے اُس سچے نیک عادل خلیفہ کے خلاف حکم دیا اس وجہ سے کہ قانون کے موافق ثبوت نہ تھا۔

پانچویں خلیفہ برحق جس نے علی کے عہد میں بھی اصول سیاست اسی طرح قائم رہے مگر افسوس ہے کہ بہت سببوں اور بے انتہا خون ریزیوں کے بچانے کی غرض سے اس خلیفہ برحق نے اپنا عہد پھونڈ دیا اور سلطنت شخصیت قائم ہو گئی جسکو ہارس پیئر نے ایک عضو صفا کہہ دیا اور جسکو پوپ نے اپنی ٹیڑھ یعنی ظالم کہا کرتے تھے۔ اُس دن سے اصول سیاست جو مسلمانوں کے بانی نے قائم کیے تھے خود مختاری کے پائوں کے تلے روندے گئے۔

شخصیت سلطنت جاری ہونے کے بعد سلطنت سرورٹی اور خاندانی ہو گئی اور ولیعہدی اور جانشینی کی خراب رسم جاری ہوئی چنانچہ اکثر ظالم اور بے رحم سلطنت کے مالک ہو گئے جنہوں نے ظلم و ستم سے دنیا کو تاریک کر دیا۔ بہت سے لوگ ان اوقات میں مارے گئے اور اکثر اچھے نیک پاک لوگ جلا وطن ہو گئے مدتوں تک کشت و خون جاری رہا۔ رعایا کا مال اُن بے رحم بادشاہوں کا تھک اور لوگوں کی جانیں اُن کی قربانی اور فدیہ ٹھہر گئیں۔

جب شخصیت سلطنت کے جاری ہونے سے حکومت کسی قانون عقلی اور عقلی کے

تابع نہ رہی بلکہ سلطنت ایک شخص کی خواہشوں اور اُس کے غیظ و غضب کے تابع ہو گئی تب اُس زمانہ کے دانائیک آدمیوں نے اُس خود مختاری کے روکنے میں بڑی سعی کی۔ اُن کے لیے ایک مجموعہ قانون کا بنایا جو قرآن و حدیث کے صاف و صریح حکموں یا اُس کے اشاروں کنایوں اور اگلے پانچ وقتوں میں جو واقعات پیش آتے تھے اُن کی نظیروں سے مرکب تھا۔ اور اب جو ہماری فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور جسے قانون شریعت یا مہدن لاکتے ہیں مگر چونکہ اُس پر عمل کرنا ہمیشہ خود اختیار بادشاہوں کے اختیار میں تھا۔ اور کوئی ایسی جاعت یا ایسی کونسل جو بادشاہ کو اُس کی تعمیل پر مجبور کرے موجود نہ تھی۔ اس لیے اُس پر بہت کم عمل کیا گیا اور خود مختاری کے روکنے میں یہ قانون کامیاب نہ ہوا۔

جبکہ سلطنت شخصیت کا عام قاعدہ ہے ویسا ہی مسلمانوں کی سلطنت شخصیت میں بھی ہوا کہ کسی تخت پر ایسا عالم قابض ہوا جس نے دنیا کو جور و ظلم سے بھر دیا اور یہی ایسا نیک و عادل جانشین ہوا جس نے نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اس وقت مجھ کو نہایت زیادہ کہ میں اُس بڑے عادل خلیفہ عبدالعزیز کے نام کو یاد کروں جس نے اپنی حکومت میں نہایت عدل برتا۔ اُس کے عہد کے ایک صوبدار اُمارہ نے عیسائی رعایا پر بوجھ زیادتی کی تھی۔ خلیفہ نے پانچویں اُسکو طلب کیا۔ اور وہ سرِ حاکم اُسکی جگہ بھیجا جس کو ان احکام کی تعمیل کا حکم دیا تھا کہ تمام عہد و پیمان جو خراج لداروں سے کیے گئے ہیں وہ باضیاط قائم رکھے جاویں اور وہ لوگ اپنے عبادت خانوں اور گرجاؤں پر قابض رہیں۔ کوئی مسلمان ان سے پر خاش نہ کرے نہ اُن پر جھوٹی تہمت لگانے پاوے۔ انصاف کے وقت مسلمان اور غیر مسلمان برابر سمجھا جائے۔ سلطان صلاح الدین بھی انہیں نیک اور عادل بادشاہوں میں ہوا جس نے کہ مسلمان اور غیر مسلمان کو انصاف میں برابر جلا اور مرنے کے وقت اپنا مال جو وقت کیا اُسکی نسبت وصیت کی کہ بلا لحاظ مذہب کے محتاجوں کو تقسیم کیا جائے مسلمان ہو یا عیسائی یا یہود۔ ابن ہم کلی جو ایک شہور فہم مسلمان سردار ہوا ہے جب وہ قرطبہ میں مسند نشین ہوا اور مسلمانوں کو زمین تقسیم کرنی چاہی تو جتنی زمین روم عیسائیوں کے قبضہ میں تھی وہ بدستور اُن کے پاس رہنے دی صرف بنجر اور

غیر مزروعہ زمین کے ٹکڑے جس کا کوئی مالک تھا مسلمانوں کو دیے۔

عبدالرحمن جیسپس کا امیر ہوا تو اُس نے سارے گرجے جو خلاف شرط عہدِ پیمان کے ضبط کر لیے گئے تھے واپس کر دیے۔

طارق نے جس کا نام جبرالطریعی جبل الطارق کی اونچی چوٹی پر لکھا ہوا تھا دارالسلطنت اسپین کا محاصرہ کیا اور شہر کے رہنے والوں نے صلح چاہی تو وہ اُن کے ساتھ نہایت مستقل مزاجی سے پیش آیا اور اُن کے قبضہ میں رہنے دیا۔ اُن کے مذہبی دستوروں میں کچھ مداخلت نہ کی بلکہ اُن کے باہمی حقوق و معاملات کے تصفیہ کے لیے اُن کو اپنے جہوں سے فیصلہ کرانے کی اجازت دی۔

محمد قاسم جس نے اول ہندوستان پر پڑھائی کی گونیکا درمنصف میں تھا مگر جس وقت اُس نے مغلوب ہندوؤں کے حقوق کی ہدایت چاہی تو ہندو جو اب عرب سے اسکو ملا کہ جب لوگوں نے اطاعت قبول کر لی تو حقوق رعایا کے مستحق ہو گئے اور اس لیے مذہبی رسومات کے اجرا کی اُن کو اجازت دینی چاہیے اور جو جاگیریں کہ برہمنوں کی ضبط کی گئی ہوں وہ واگداشت کر دی جاویں بلکہ تین روپیہ سیکڑا ملک کے محاصل پر جو راجے اُن کو دیتے تھے وہ سرکاری خزانہ سے دینا چاہیے۔ کیا نظیر اس کی اور کسی فہم مند قوم کی تاریخ میں پائی جاتی ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اسی بات میں ناموری نہیں پائی کہ وہ بحر عرب سے نکل کر اسپانیہ کے وادی کبیر میں جا پہنچے اور وہاں سے ہندوستان کے دریائے سندھ میں آنکے۔ یا عرب ریگستان اور گرم و خشک پہاڑوں سے چل کر انہوں نے اپنی فتح کی جھنڈی اسپین اور فرانس کے پہاڑوں پر گاڑ دی۔ اور پھر متھورے زمانہ میں اپنی حکومت اٹھارہ سو فرسخ میں قائم کر لی۔ بلکہ وہ اس باب میں بھی نامور ہیں کہ انہوں نے اپنے منقوہ اور مقبوضہ ملکوں پر اپنی راست بازی اور جہد و پیمان میں ثابت قدمی بت کر دی اور اپنی تھوڑی اطاعت میں غیر قوموں کو ہر قسم کی آزادی بخشی جیسا کہ ڈاکٹر جے اے کانڈلی پنی تاریخ اسپین میں لکھتے ہیں کہ وہ "وہ شرطیں جو مستوحہ قوم پر قائم کی گئی تھیں ایسی ہیں کہ لوگوں کو بجائے تکلیف کے اُن فتح کر نیوالوں سے اطمینان ہو گیا اور جب اُنھوں نے اپنی اُس تقدیر کا جو پہلے تھی

اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ کیا تو اُن کو یقین ہو گیا کہ اُن کی خوش قسمتی ہو گئی تھی۔  
 صلوٰۃ کے سجالانے میں آزادی۔ گرجا اور عبادت خانوں کی پنجابی حفاظت۔ مال۔  
 عزت۔ جان سے پورا اطمینان۔ یہ سب چیزیں اُس طاعت کا معاوضہ نہ تھیں۔ جو  
 انھوں نے اُس فتنہ قوم کی کتنی۔ محصول جو لگایا گیا تھا وہ بہت ہی ہلکا تھا اور  
 تمام لوگوں پر عرب کا یہ اعتبار بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے عہد و پیمان کو خوب قائم رکھتے  
 ہیں۔ اُس عام انصاف نے جو وہ ہر درجہ کے لوگوں سے بلامیز کسی قوم و مذہب کے  
 کرتے تھے اُن لوگوں کا سب پر اعتبار کر دیا اور تمام قوموں کی آنکھوں میں اُن کی  
 عزت ہو گئی اور نہ صرف اپنے معاملات بلکہ دل کی فیاضی اور عادات کی عمدگی اور  
 اپنی جلی خاطر داری سے عرب والے اپنے وقت کے عام لوگوں میں معزز و ممتاز  
 بن گئے۔

ایک نامی مورخ انگلستان کا لکھتا ہے کہ جب سلطان صلاح الدین نے دوبارہ  
 بیت المقدس کو فتح کیا تو وہ اُن سے اُسی طرح پیش آیا جیسا کہ دسویں صدی کی آخر  
 لڑائی میں فتح کرنے والے مسلمانوں سے پیش آئے تھے۔ اور جنہوں نے بیت المقدس  
 کے قلعہ میں چالیس ہزار مسلمان مع زن و فرزند کے قتل کر ڈالے تھے بلکہ اُس نے  
 کچھ غلام نہ کیا اور جب اہل قلعہ نے اپنے تئیں اُس کے سپہو کیا سلطان نے اُن عیسائی  
 قیدیوں پر نہایت مہربانی کی اور جو لوگ اسے غریب تھے کہ اپنی رہائی کی قیمت نہ ادا  
 کر سکے انہیں مفت آزاد کر دیا۔ اس بادشاہ کے تہذیب خلاق کے سامنے بادشاہوں  
 تو کیا بلکہ پچھڑے شیر دل کی بھی کچھ حقیقت نہ رہی۔

ممالک سپین کو جو ترقی اور آبادی اور رونق مسلمانوں کی حکومت کے ماتم میں ہوئی  
 اُسکی نسبت ایک فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ اُس کی ترقی اور آبادی کا قیاس اس پر کر لینا  
 چاہیے کہ ایک مقام قرطبہ میں دو لاکھ گھر اور چھ سو مسجدیں اور پچاس ٹھاخانے اور  
 اسی عام مدرسے اور نو سو حمام تھے اور شہر کوں پر قندیلین استقدروشن ہوتی تھیں کہ  
 شہر میں چلنے والے اُسکی روشنی میں چمکاتے تھے۔

جن فتح مند مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کو فتح کیا ان میں بھی اچھے اور  
 برے عادل ظالم سب طرح کے ہوئے مگر انہیں کی بدولت ہندوؤں میں تہذیب



شائستگی پھیلی جس وقت مسلمانوں نے اپنی فتح کا نشان جہالیہ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر اوڑھایا اُس وقت دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان کی قوموں کا اُن کے لباس کا اُن کی طرز و معاشرت کا کیا حال تھا۔ اور مسلمان فتح مندوں کی فتوحات نے ہندوؤں کے دلوں اور اُن کی خصلتوں پر کیا اثر کیا۔ اور اُن کے اخلاق و معاشرت و تمدن میں کسی تبدیلی پیدا کی۔ جو پہنچنا انہوں نے سکھایا۔ کپڑا پہننا انہوں نے بتایا۔ فرش پر بیٹھنا۔ مختلف طرح کے کھانوں کا پکانا۔ مکانات کی آرائشگی۔ علم محبس۔ اور ہزاروں چیزیں تہذیب و شائستگی کی انہیں کی بدولت ہندوؤں میں پھیلیں بڑے بڑے شہر اُن کی بدولت آباد ہوئے۔ عمدہ عمدہ عمارتیں جو آب و تاب میں منظر کشی جاتی ہیں انہیں کی توجہ سے تعمیر ہوئیں۔ اس یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا زور ایسی تہذیب اور سولیزیشن کا تھا جیسا کہ اب کوئین و کٹوریا کا ہے۔ جن متعصب مورخوں نے مسلمان بادشاہوں کے کچھ صحیح کچھ غلط حالات ایک تعصب کے جوش سے بیان کیے ہیں اُن کو چاہیے کہ اُن کے وقت کا متبادل نام نہان لوگوں کے اُس عہد سے کرتے جبکہ انہوں نے اینگلو سیکشن پر فتح پائی تھی نہ کوئین و کٹوریا کے عہد سے۔

چند سال ہوئے کہ ایک ہندو نے ویرائے کی دار الحکومت یعنی کلکتہ سے پورانی محل کی دار الخلافت یعنی دہلی تک سفر کیا اور اُس مختصر سفر کا ایک سفر نامہ تیار کیا جس کی عبارت اُنھوں نے اپنی دانست میں لارڈ مکالی کو شہرٹنے والی لکھی تھی اُس میں انہوں نے لکھا تھا کہ کوئی آفت اور کوئی مصیبت مسلمانوں کی عمارتوں کی زیادہ ہندوستان میں تھی۔ اُنھوں نے تمام خوبیوں کو بر باد کر دیا تھا۔ اس کتاب پر ٹیمز لندن کے اخبار میں ایک یونیوننگ تھا۔ اُس ریپورٹ میں یہ فقرہ مندرج ہے کہ ”مسلمانوں کو برا کہنا اُن کے عیبوں کو ڈھونڈنا گودہ صیح ہوں ایک ہندو کے مومخ سے نہایت نازیبا معلوم ہوتا ہے“

ایک بڑا الزام مسلمانوں کی سیاست پر یہ دیا جاتا ہے کہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا اور لوگ زبردستی مسلمان کیے گئے۔ مگر یہ الزام حقیقت میں صحیح نہیں ہے۔ سب صواب لکھتے ہیں کہ وہ لوگ نہایت دھوکے کھاتے ہیں جو خیال

کرتے ہیں مذہب اسلام بڑا شیریں ہے۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ اُن لوگوں نے اسلام کیوں قبول کیا میں پوچھتا ہوں  
 کبھی فوج کشی نہ کی تھی اور پھر اُن لوگوں نے جنہوں نے اہل عرب کو اُن کے فتوحات سے محروم کر دیا اور  
 اُن کی سلطنت بکھر خلیفوں کا خاتمہ کر دیا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس سے بڑھ کر  
 بھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔ اور جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی  
 کہ لوگ جو مسلمانوں کو یہ ادا م دیتے ہیں کیا جراب دے سکتے ہیں اس بات کا کہ ترکی  
 جنہوں نے حجاز میں پڑھوئیں صدی کے اخیر رکھ کر کیا مسلمان نہ تھے اور پھر تھوٹے  
 ہی دنوں بعد اپنے مغلوب حجازیوں کے زیر میں مسلمان ہو گئے۔ اس سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ خود اسلام کی خوبوں نے اُن کو ایمان کر دیا۔ لیکن یہ صاحب کہتے ہیں فریقہ  
 کیا ایشیا کے ملکوں کو اسلام پہنچا کہ عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھادی۔ ایک خدا اور اس کے  
 رسول پر ایمان لانے میں فریقہ ہو گئے تھے۔ انھیں صاحب نے بھی ہندوؤں  
 کا جبر مسلمان کرنا تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ محمود غزنوی نے ایک ہندو کو  
 بھی جبر مسلمان نہیں کیا۔ نہ سوائے لڑائی کے کسی ہندو کے خون سے تلوار کو آلودہ  
 کیا۔

یہ حال مسلمانوں کے پہلے زمانہ کی تہذیب کا تھا مگر جب ہم اس کا بیان کرنا چاہتے  
 ہیں کہ وہ ایک کیسی ہے تو نہایت درد و حسرت سے کہو یہ لکھنا پڑتا ہے کہ نسبت سابق  
 کے ہر بات میں مسلمانوں کی تہذیب نہایت متزلزل ہے۔  
 مذہب کا یہ حال ہے کہ جو مسئلہ اصل اصول اسلام کا تھا یعنی سوائے ایک خدا کے  
 اور کسی کو نہ مانا وہ اپنی اصلیت پر نہ رہا۔ ہزار مسلمان ہیں جو سوائے خدا کے ظاہر  
 یا علی طاہر یا زین الدین یا مردوں۔ جاندار یا بے جان سپیروں کو پوجتے ہیں۔ اور جن اور بھوت  
 و پلید کو مانتے ہیں۔ تعویذ و گنڈہ بتاتے ہیں۔ حضرات کا عمل کرتے ہیں۔ شگونیوں پر  
 چلتے ہیں۔ خدا کے سوا دوسروں کی نذر نیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کثرت خدا کے  
 سوا دوسروں کی نماز بھی پڑھتے ہیں۔

روحانی تہذیب جو جان اسلام کی تھی اُس کا لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی اثر پایا  
 نہیں جاتا۔ صرف ظاہری بناؤ و سنوار پر اصل اسلام رہ گیا ہے۔ صد مسلمان ہیں  
 کہ پہروں ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ گھنٹوں دریا میں پڑے رہتے ہیں۔ بے محراب

جانناز کے نماز نہیں پڑھتے۔ بے زیتون کے دانوں کے خدا کا نام نہیں لیتے دیکھانے کے لئے جیب میں مٹی کے ڈھیلے۔ اور بند میں پلو کی سواک۔ اور دوش پر پٹیلے اور رومال میں سُمرہ دانی لیئے اور ہاتھ میں سج لیئے پھرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ دل کو بُرے خیالوں اور بد جذلوں سے پاک کرنے سے مُراد پڑ چو پچنے کی کچھ فکر نہیں کرتے۔

مذہبی مسلم بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی۔ اچھے اچھے عالم سبائے وعظ و نصیحت کے جب کسی مخالف سے بات کرتے ہیں تو اُن کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے یا سلی ہو جاتی ہیں۔ بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر سیاست کا خوف تلخ نہ ہو تو مار ڈالنے میں بھی تامل نہ کریں۔

ایسے منسوبانِ غضبِ گوں کے علاوہ جو نہایت نیک اندیش ہیں ان کا بھی وعظ و نصیحت ہی مسجد کے سایہ اور مریدوں کے حلقہ میں ہوتا ہے۔ اور انہیں باتوں پر چن کو ہر کوئی جانتا ہے۔ ہم نے آج تک انہیں سنا کہ کبھی ہولو می صاحب نے مسجد سے نکل کر مذہبی منادی کرنے کے لیے کسی ریگستان کی گرم بواکا صحنہ اٹھایا ہو۔ کسی ہاؤس پر جنگلی لوگوں نے اسلام کے پھیلائے میں مصیبت سہی ہو۔ یا سوائے اُن معمولی باتوں کے جس سے سب کے کان بھرتے ہوئے ہیں کسی نے کوئی تحقیق کی بات بھی زبان سے نکالی ہو۔

امامت کی یک کیفیت ہے کہ ہر ایک فرقہ۔ ہر ایک گروہ نے اپنا ایک جُدا امام ٹھہرایا ہے۔ اور اُن کو روم کے پوپ سے بھی بڑھ کر معصوم سمجھ رکھا ہے۔ اور قرآن تو صرف تلوید بنا کر بازو پر باندھ لینے یا مُردوں پر فاتحہ پڑھنے کے لیے رہ گیا ہے۔

اجتہاد پر وہ اعتقاد ہے کہ ہر ایک نے اپنے مجتہد کو نبی سمجھ رکھا ہے۔ ہر مولیٰ قول یا فعل یا رائے سے تجاوز کرنا جائز نہیں جانتے۔ اُن کے نزدیک اُس ایک اور معصوم نبی کے قول جس کی باتیں ریگستان اور عرب کے پھرنے والے سمجھ لیتے تھے ان کے مجتہدوں کے سوا دوسرے کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا نیچے واسطہ اُن کے بہتدوں کے کسی کو اُس پر چلنا جائز ہے۔

جوگی پنہ اور تجدد اور رہبانیت کا وہ حال ہے کہ صدائے جی مسلمان خیالی دنیا

چھوڑے ہوئے جزیہ تحصیل کرتے اور اپنی جمعیوں کو گول گول بیس نورانی سے بھرے  
ہوئے دنیا داروں کو بڑا بھلا کہتے پھرتے ہیں اور مسلمان جاہل بھی اُن کو ولی اور  
خدا رسیدہ سمجھ کر اُن کے ماتحت اُکھڑے اور شوت بھجیتے ہیں۔

تبرکات اور رسوم اور تیوہاروں کا حال ظاہر ہے کہ برترہ ہیں قدم رسول اور  
سوال علی کی ہو گا اور امام حسن کی گربا اور حضرت عباسؓ کا روضہ اور بی بی فاطمہؓ کی  
زیارت موجود ہے اور صد نامہ سے ہوئے واپس کے زاروں پر غیب کا ہوں سے زیادہ  
ہجوم ہوتا ہے اور اُن کے تبرکات کی زیارت نجات کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اُن کے  
مٹی کے وسیروں سے مزادیں لگی جاتی ہیں۔

علم کا یہ حال ہے کہ علم ادب کسی کو نہیں زمانہ میں آتا ہی نہیں۔ شاید عہدِ دہشت  
مسلمان عالم ہوں گے جو ٹوٹی پھوٹی عربی لکھ سکتے یا بول سکتے ہوں۔

علوم مذہبی کا جاننے والا اور تحقیق کرنے والا ایک بھی نہیں۔ بڑی علمیت نہیں  
رہ گئی ہے کہ فقہ و حدیث یا تفسیر کی کتابوں میں سے کسی مطلب کے لیے کوئی روایت  
ڈھونڈ سکا کر نکال لیا جو اسے خواہ وہ کچھ ہو یا غلط۔

فلسفہ تو اب ہمارے قوم میں نام کو بھی سنا جاتا ہے چند سبب علم کہیں کہیں یونانی  
فلسفہ کی کتابیں پڑھتے ہیں جس کی اصلیت سے پڑھانے والا پڑھنے والے سے کچھ  
زیادہ واقف نہیں ہوتا۔

طبیعیات جاننے والا مسلمانوں میں کوئی نہیں رہا۔ ان چند مسائل کا بیان اس زمانہ  
کے عالم اس طرح پر کرتے ہیں کہ عناصر چار ہیں۔ خاک۔ آو۔ آب۔ آتش۔ یہ چاروں سبب  
ہیں خاک کے اوپر آب اور آب کے اوپر باد کے اوپر آگ ہے اور وہ بہت بڑا  
نارسی کرہ ہے۔ آسمان کی حرکت سے مشغل رہتا ہے۔ مگر جو کہ قطبین کی طرف حرکت  
کرتا ہے اس لیے وہاں مشغل بھی کرتا ہے۔ اور اس سبب اس کی شکل ایلیپی ہو گئی ہے  
جب شاگرد پوچھتا ہے کہ ایلیپی کیا شکل ہے تو استاد اپنی سر مٹائی نکال کر دکھلاتے ہیں  
کہ ایسی چمچیں سے مٹی۔ دونوں طرف سے پتلی پہن اُن زمانہ میں عالموں کی طبیعیات  
یہ گئی ہے جس پر کوئی ہنستا ہے۔

علم ہیت بڑے بڑے درگاہوں میں شریح الافلاک اور قشعی سے زیادہ نہیں پڑھا

جاتا۔ بڑے بڑے عالم اس زمانہ کے چغینی سے زیادہ نہیں جانتے۔ اُس میں یہ پڑچایا جاتا ہے کہ آسمان پیاز کے پتروں کی مانند تدرتہ ہے۔ سب سے اوپر کے پتہ کی حرکت سے تمام اندرونی پتے اس حرکت کو جاتے ہیں اور اس طرح سے دن رات اور رات دن ہو جاتا ہے۔ دُوم دار سے کو اب تک ہمارے مولوی صاحب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ زمین کا دھواں ہے جو کہ آگ کے کرہ تک پہنچنے سے جلنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ بجھ جاتا ہے۔

ہندو حساب کچھ باقی ہے۔ اقلیدس کا ایک متقالہ اور خلاصۃ الحساب کی تحصیل اربعہ بایز تک فضیلت کی پکڑی بندھوا دیتی ہے۔ مگر طالب علم یہ سوچتے ہیں کہ تحریر اقلیدس کے پڑھنے اور ان ٹیڑھی سیدھی شکلوں کے بنانے میں کیا فائدہ ہے۔ علم طب۔ اس عظیم بے شک بڑی ترقی پر ہے۔ جس کے عالم بینی طبیب بھی تک معدہ سے جگر تک ماسا ریتا جی کی تک راہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ قطع نظر اسکے یہ علم جس قدر کہ مسلمانوں میں تھا اب اس کا جاننے والا ہی نہیں رہا۔

علم نباتات کی تجدیدات اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہے۔ اچھے پڑھے لکھے مسلمانوں نے لکھا ہے کہ سرسبز میں ایک رخت ہے جس پر کھڑکھڑا ہوا ہے۔ زمین پر اس کا پتہ گزرا ہے نہ کوئی جانور اسے کھا سکتا ہے۔ ہمیشہ ترو مازہ رہتا ہے۔ بڑے بڑے عالموں کی اس پر یقین ہے کہ بعضی بوٹیاں ایسی ہیں جن سے سونا چاندی بن سکتا ہے۔

علم حیوانات میں شاید بڑی ترقی ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ماں کے بڑے بڑے عالموں کو قویہ کرتے سنتے ہیں کہ اگر کبھی کتے سے بچہ پیدا ہو تو اس کا کھانا درست ہے یا نہیں۔

علم جغرافیہ کا بیان کرنا بیفائدہ ہے۔ بڑے بڑے عالم یہ یقین رکھتے ہیں کہ عدن میں شداد کی بہشت موجود ہے جس کی دیواریں سونے چاندی کی اور ستون معدود و یاقوت کے ہیں اور موتی و جواہر کنکر پتھر کی طرح چڑے ہیں۔ اگر کوئی بھولے سے پہنچ جاتا ہے تو اونٹ اپنا جواہروں سے بھر لاتا ہے۔

دستکاری و فنون بعض تو معدوم ہو گئے اور جو سفید تھے وہ اب تک ہیں اور میر کا دانت میں نہ نسبت زمانہ سابق کے زیادہ ترقی پر ہیں۔

اخلاق کا یہ حال ہے کہ سچائی اور وفاداری۔ اخلاص و محبت۔ نیکی و ہمدردی کا نام

نہیں۔ جھوٹا اور مکر۔ ریا اور نفاق۔ کینہ اور عداوت سے گنتی ہی کے مسلمان محفوظ ہوں گے۔

دو آدمی جن سے کبھی کی جان پہچان نہ ہو اس خلاص سے طیس گئے کہ گویا ماں باپ کا ہاتھ بھائی میں۔ مگر وہ دوست ایسے کم نکلیں گے کہ پیچھے پیچھے ایک دوسرے کی بدگوئی اور عیب نہ کریں۔ مونہ پر تعریف کرنا اور پیچھے گالیاں دینا ایک عام خصلت ہے۔ اقوام کا پورا کرنا۔ وعدہ کا وفا کرنا کوئی جانتا ہی نہیں۔ مکر و ریا کی مجسم صورت کسی بنے نہ دیکھی ہو۔ یہ ہمارے زمانہ کے مولویوں اور درویشوں کو دیکھ لے۔ صورت میں فرشتے اور شیطان میں۔

حسد اور عداوت تو ہلوگوں کا خمیر ہو رہا ہے۔ کسی کی عزت ہلوگوں سے دیکھی جاتی نہیں جاتی۔ بہرہ دہی اور عام محبت کا تو سایہ بھی کسی کے دل پر نہیں پڑتا۔ خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ انسان اپنے ذاتی کاموں کے سوائے عام بھلائی کے کام بھی کرتا ہے۔

نعیم زہبے الوں سے سچائی اور اخلاص اور محبت سے پیش آتا تو مسلمانوں کو سلام سے خارج کر دینا ہے۔ ہاں جھوٹی خوشامد کرنا اور نہایت عاجزی اور ذلت سے کسی افسد یا خوف کے سبب سرقہ دینا عام دستور ہے۔

آداب مجلس کے تو ایسے ہیں کہ جس نے جنگل میں بھیڑ بکریوں کا ریوڑ نہ دیکھا ہو وہ مسلمانوں کی مجلس کر دیکھ لے۔ بلا اطلاع بے اجازت کے بے ضرورت کسی کے ٹاں جانا۔ بے وجہ پہروں پیچھے رہنا۔ اور بیہودہ فضول اور لغو باتیں کرنا۔ اور فحش اور اخلاق کو حیا کے برخلاف مشلوں اور کہاوتوں اور شعروں کا زبان پر لانا۔ بات بات پر قسم کھانا۔ ایک کا دوسرے کو برا جھوٹا کہہ دینا۔ حرکات و سکنات میں آدمیت کا لحاظ نہ رکھنا۔ بات کو تے کرتے قہقہہ مار کر دوسرے کے ماتھے کو زور سے جھٹک دینا۔ یا اُس کے زانو پر ہاتھ مارنا۔ کسی کی بات کو پوری ہونے سے پہلے بیچ میں مل لے کھٹنا معمولی آداب ہمارے یہاں کی مجلسوں کے ہیں۔

شادی سیاہ کے دستور نہایت ہی نامعقول ہیں۔ اول تو سب سے بڑا مقصود نکاح کا یعنی رضا مندی طرفین کی حاصل ہی نہیں ہوتا۔ نہ مرد و عورت کو دیکھنے پاتا ہے

نہ عورت مرد کو۔ یومنون بالغیب پر نکاح کا مدار آ رہا ہے کہ شہسایا ہوتا ہے کہ مرد و عورت دونوں نکاح سے ناراض ہوتے ہیں مگر شرم و خوف سے کچھ بول نہیں سکتے۔ مرد تو دل سے انکار اور زبان سے اقرار کرتا ہے اور عورت اپنی زار حالت پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہے۔ عین نکاح کے وقت جو نامعقول رسمیں ادا کی جاتی ہیں وہ تو ذکر کرنے کے ہی لائق نہیں۔ مگر ہندوستان کا دولہا بچوں کا سہرہ سسر پر ڈالے میخ جوڑ اپنے لنگھوں میں جل لگائے۔ ہاتھ پاؤں میں مٹھنڈی ملے ہوئے ایک ٹوٹا ہوا سوار ولایت کی کسی تھیر میں گھرا کر دیا جائے تو غالباً سارا شہر اس عجیب تماشا کے دیکھنے کو جمع ہو جائے پھر فضول اخراجات شادی کے اور کھانا بانٹنا یا عام گروہ کو بھیجے گیروں کے ریوڑ کی طرح اکٹھا کر کے کھانا کھانا کبھی نامعقول رسم ہے۔ اُسپر قصبات و دیہات کی وحشیانہ رسمیں تو بالکل ان ہیں۔ شرم ایک نام ہے کہ عورت مرد جاوے پر کسی کے سامنے خاں سے نہ بولے۔ بڑھی ہو جاوے مگر باپ کے سامنے گھر کا انتظام نہ کرے اور اگر بھوکے سے نام خاندان لے لیتی ہے تو نکاح ہی ٹوٹ جاتا ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مسلمان عورتیں شریف خاندان کی کہشہڑ پڑھی لکھی اور خوش سلیقہ باتیں صاف سمجھتی ہیں اور اپنے گھر کا انتظام نہایت خوبی سے کرتی ہیں۔ اور خاندانی عزت کا خیال تو ان کا خمیر ہے۔ مگر مردوں کی نالایقی اور بد چلنی اور نکاح کے نامعقول دستور اور معاشرت کی بد رسموں کے سبب کہشہڑ وہ اُس خوشی سے محروم رہتی ہیں جس کی وہ مستحق ہیں۔

بین عورتوں کے نکاح کا معیوب جاننا جو سراسر اسلام کے خلاف ہے عام دستور ہے مگر یہ ساری مسالیاں ہمارے ملک ہندوستان ہی میں ہیں نفوسِ مسلمانی ملکوں میں یہ خرابیاں کم ہیں۔

اولاد کی تعلیم و تربیت کا یہ حال ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک مدد بھی ایسا نہیں ہے جو موافق اُس قومی یافتہ زنانہ کی حالت کے کافی ہو۔ بعض نیک مسلمانوں نے اپنے طور پر چند جگہ عربی فارسی کے مدرسے قائم کیے مگر افسوس ہے کہ ان کی بھی مدد مسلمانوں نے نہ کی۔ روز بروز ان کی حالت بھی متزلزل رہ رہے۔ لیکن اگر وہ ترقی بھی پاویں تب بھی ہماری حاجتوں کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جو علوم ان میں پڑھائے جاتے ہیں

اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے اصول ہی غلط ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ زمانہ حال کی ترقی نے اُن کا رنگ ڈھنگ بدل دیا۔ اور بعض بالکل غیر مفید اور فغصول ہیں۔ ان علموں سے ہرگز یہ اُمید نہیں ہو سکتی کہ ہمارے خیالات کو ترقی ہو یا ہمارے لوگوں میں آنا دمی اور تحقیق کا ولولہ پیدا ہو۔ یا دنیا کے مجاہدات اور موجودات کے تعاقبات کے دریافت کرنے میں ہموار ہو۔ یا وہ ہمارے فنون کی ترقی اور تجارت اور زراعت اور اِعمالِ دولت کے بڑھانے میں کچھ کام آویں۔ پھر جس طور پر تعلیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جس قدر عمر کا حصہ اُس میں صرف ہوتا ہے اُس کا پورا حصہ ملتا ہو یا سوائے لغظوں اور عبارتوں کے علوم کی حقیقت کا اثر پڑھنے والے کے دل پر ہوتا ہو۔

تعلیم سے بڑھ کر ہماری اولاد کو تربیت کی حاجت ہے جس کا کچھ بھی سامان نہیں ہے نہ ہزار ہا لڑکے اُن خاندانوں کے جو کہ علم اور شرافت اور عزت میں نامور ہیں کینوں کی صحبت میں مٹھیں کر اُن کی بد عادتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بد چلن بزاری آدمیوں کے ساتھ رکھ کر آوارہ ہو جاتے ہیں۔ اور امیروں اور نوابوں کی اولاد کا بد چلن ہوتا تو ایک ضروری امر ہے۔ اس لیے کہ ہندوستان کی امیری اور بد چلنی۔ نوابی اور جہالت لازم و ملزوم ہیں۔ اُن فتنوں سے بچ کر اگر تربیت بھی ہوتی ہے تو ایسی کہ جس کا فائدہ تربیت نہانے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مدرسوں کے طالب علم اگر صبح سے آدھی رات تک برابر کتاب دیکھتے ہیں تو بڑی تعریف کئے ستھتے ہوتے ہیں۔ اور کوئی ایسا کھیل جس سے اُن کے قوائے جسمانی کو طاقت ہو اور قدرتی جذبات شگفتہ ہوں کھیلنے نہیں پاتے۔ نہ اُس کا کچھ سامان ہے اسوے کچھ شہر طالب علم ایسے ضعیف، دیکر ذور و لاغر ہوتے ہیں کہ جب وہ مدرسہ سے نکلتے ہیں تو شہید ہوتا ہے کہ شاید کوئی مردِ فہم سے نکلا ہے۔ پھر اخلاق کے درست کرنے اور چال چلن میں شائستگی پیدا کرنے اور عمدہ طور سے زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ یہ شمال ٹھیک ٹھیک ہمارے مدرسے کے پڑے ہوئے پر صادق ہوتی ہے کہ مولویوں کی عقل نہ کے۔ اور لڑکوں کی عقل کتاب سے پستی ہے۔ یہ نقص تعلیم و تربیت کا زیادہ تر ہندوستان میں ہے مگر ٹرکی اور مصر اور تونس میں انعام ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ پندرہ ہزار مدرسے ٹرکی کی عمارتیں ہیں اور جس



دش لاکھ سے زیادہ لڑکے پڑھتے ہیں اور خاص قسطنطنیہ میں ایک یونیورسٹی قائم ہے۔ اور دستورِ تعلیم کے مدرسے اور عورتوں کے اسکول۔ انتہائی علوم کے کالج بالکل یورپ کے ڈھنگ پر جاری ہیں۔ مصر میں بھی اسی طور کا انتظام ہے۔ خود خدیو مصر کے دونوں لڑکے لندن کے مدرسے میں تعلیم و تربیت پاتے ہیں۔

لباس و پوشاک ہم ہندوستانیوں اور مشرقِ ایشیا کے مسلمانوں کا کچھ عمدہ نہیں ہے۔ نہ خاص خاص قوتوں اور جلسوں کے لیے کوئی مخصوص لباس ہے۔ مگر جو لباس ترکوں نے سلطان محمود کے وقت سے پسند کیا ہے اور جسے بعض نامہ مسلمانوں نے ہندوستان کے بھی اختیار کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔ عورتوں کا لباس تو ایسا ہے کہ خود مہذب سلمان اُس سے شرماتے ہیں۔

ہم ہندوستان اور ایشیا کے مسلمانوں کے کھانے کا طریق بھی کچھ عمدہ نہیں۔ مگر لڑکوں اور شہرِ مصریوں نے بالکل یورپ کے طور پر یا قریب قریب اُس کے طرز کھانے پینے کا اختیار کیا ہے اور ہندوستان کے بھی بعض تہذیب یافتہ مسلمانوں نے اُسے رواج دیا ہے۔

سیاستِ مدن میں ایشیا کے مسلمان نہایت ابتری کی حالت پر ہیں۔ بخارا اور خیوا اور مسقط اور زنجبار میں جیسے شرع اور عقل اور انصاف و اخلاق کے بڑے سیاست کے قاعدے جاری ہیں اور جس میں سے بعض ظلموں کے دور کرنے کے لیے یورپ کی تربیت یافتہ گورنمنٹوں نے اپنا فرض بھی ادا کیا اُن سے مسلمانوں کی بہت کچھ بدنامی ہوتی ہے۔ ہاں یورپ کی دیکھا دیکھی ٹرنکی اور مصر اور تونس میں کچھ ترقی شروع ہوئی ہے اور سیاستِ مدن کی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اُن کے پورے تاریک خیالات بدلتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک نامہ سے جو سلطان نے جنوری ۱۸۶۷ء میں شاہ بخارا کو لکھا تھا جب کہ اُس نے سلطان سے بمقابلہ روس کے مدد مانگی تھی۔ شاہ بخارا اور سلطان کے خیالات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ سلطان لکھتا ہے کہ ”وہ سلطنت یہ ہے کہ اپنے دوست اور آشنا کو پھانسا رہے اور سلاطین و فرزندِ ویک سے راہ و رسمِ بری رکھے اور رشتہٴ محبت و اوفت کو محکم و مضبوط رکھے مگر تم نے کسی سلطنت سے راہ و رسمِ ظاہری پیدا نہ کی اور وضع و ہوا و اپنا یہ رکھا کہ کوئی سیاح یا کوئی وکیل کسی سلطنت کا تمہارا سے

ملک میں وارد ہوا اگر وہ قوم انگریز یا روس ہوا تو اس کو تم نے سر باز قتل کیا اور اگر اہل ایران تھا تو اس کو شیعہ ہونے کے سبب پکڑ کے فروخت کیا اگر باشندہ روم تھا تو پھر تہمت جاسوسی اور خفیہ نویسی لگا کر چاہ سیاہ میں قید کر کے ہلاک کیا۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ یہ راہ و رسم کیسی ہے۔ تم نے وہ طریقہ رکھا ہے کہ کسی سلطنت کی تمہارے ساتھ دوستی نہیں تو اب کس واسطے اور کس رابطے ادا دیا جاتے ہو اور میں باظہار کونسی راہ و رسم کے شاہ روس سے بگاڑوں۔ یہ فرق جو شاہ بخارا و سلطان کے خیالات میں ہو اور صرف نتیجہ یورپ سے نفرت اور اختلاف کا ہے۔ یہ کیفیت حال کے تنزلات کی جو میں بیان کی ضرور ہے کہ اس کے سببوں پر بھی کچھ غور کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ ہر نتیجہ ایک کتنا سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک سبب کا اس کے مناسب نتیجہ ہوتا ہے پس یہ ایک نہایت ضروری امر ہے۔ ان سببوں کی چھان بین کی جاوے جن سے یہ تنزلات پیدا ہوئے۔ چنانچہ میرے نزدیک اس کے چند سبب ہیں۔ اول شغف سیلطنت کا ہونا۔ تمام ایشیائی ملکی اور قومی اور علمی ترقیاں یا تنزلات ایک بادشاہ کے خیال منحصر ہیں۔ جس طرف وہ متوجہ ہوتا ہے کل رعایا کی توجہ اسی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ مسلمانوں میں سوائے ابتدائی زمانہ کے ہمیشہ شغف سیلطنت رہی اور مختلف مزاج اور مختلف خیال کے بادشاہ تخت نشین ہوئے اس لئے پوری پوری ترقی کسی بات میں حاصل نہیں ہوئی اور اخیر میں جب بادشاہ بابر نالائق اور جاہل اور کامل ہوتے گئے اور علوم و فنون کی طرف انہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ مسلمانوں کو بھی ہر بات میں تسنن مل رہا تھا۔ اگر مسلمانوں میں بے خیال بادشاہ کے چہرہ کی طرف وہ توجہ ہوتی جو اب یورپ کی رعایا کو ہے تو ہرگز یہ قومی تسنن نہ ہوتے۔

دوسرے سبب مذہبی اور نام۔ میرے نزدیک جیسا کہ ایک چاند مذہب جو اوام اور غلط خیالات سے پاک ہو تہذیب کی ترقی کا بڑا سبب ہوتا ہے اسی طرح جھوٹا مذہب یا وہ مذہب جس میں نور اور نام اور بیہودہ خیالات مل جمل گئے ہوں ساری ترقیات کے روکنے کا بڑا قوی سبب ہے۔

مذہب نام فی نفسہ نہایت سچا اور صحیح مذہب ہے مگر خود ہم نے اپنے لغو خیالات سے اسکو ایسا کر رکھا ہے کہ علوم میں فنون میں۔ اختلاف میں۔ ہمدردی میں غرض کہ ہر چیز میں

جائے ترقی کے بلکہ مذہبی مراحت ہوتی ہے۔ اور آزادی رائے جو ایک قدرتی حق اور ایک سچے مذہب کا پہلا اصول ہے وہ بالکل جاتی رہتی ہے۔ حالانکہ آزادی رائے کی مراحت ہی ساری خرابیوں اور تمام تنزلات کی جڑ ہے۔ کیا خوب کہا ہے مل صاحب نے کہ جب انسان کا دل قانون کے خوف یا کسی اور ڈر سے بڑی بڑی ضروری باتوں پر چھو آزادانہ گفتگو نہیں کر سکتا تو کٹھن سرست اور ضعیف ہو جاتا ہے اور جبکہ یہ سستی کسی قدر اور زیادہ ہوتی ہے تو روزمرہ کی باتوں اور معمولی معاملوں میں بھی کچھ ترقی نہیں کر سکتا اور جبکہ اور بھی زیادہ سستی بڑھ جاتی ہے تو وہ اپنی پہلی حاصل کی ہوئی باتیں بھی بھول جاتا ہے۔

مسلمانوں میں مراحت آزادی رائے کی ہر زمانہ میں مذہبی اوام کے سبب سے عاید رہی۔ کسی زمانہ میں کم کسی میں زیادہ۔ اولیٰ وجہ سے عام ترقی مسلمانوں نے کی جب یہ مراحت بڑھ گئی تو پورا پورا تنزل ان کو نصیب ہوا۔ چنانچہ ہم اپنے زمانہ میں اسے تنزلات اس مراحت کی ترقی ہی کے سبب سے دیکھتے ہیں۔

تقصیبات یعنی عام دوستی نہ رکھنا، سچائی اور صفائی سے غیر قوموں سے نہ ملنا، غیر مذہب والوں کی عمدہ باتوں کو اختیار نہ کرنا۔ غیر ملکیوں کا سفر نہ کرنا جو تہذیب اور ساری باتوں کی بڑی روکنے والی چیزیں ہیں صرف مذہبی اوام کے نتیجے میں جس میں ہم مسلمان خصوصاً ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں۔

تیسرے سبب اشاعت علوم و فنون کے عام اور آسان سیلوں کا نہ ہونا۔ بڑا عمدہ وسیلہ ترقی کا ملکی زبان ہے کسی ملک اور کسی قوم نے کچھ بھی ترقی نہیں پائی جب تک اُسی ملک یا اُسی قوم کی عام زبان میں علوم کا رواج نہیں ہوا۔ مگر اس سے مسلمانوں نے عموماً غفلت کی۔ عام علوم انہوں نے عربی زبان میں رکھے اور دنیا کے سارے حصوں میں جاں جہاں وہ گئے عربی ہی کو علوم کی گنجی سمجھتے رہے اس واسطے مذہبی اور عقلی اور تمام قسم کے علوم اُس فرقہ سے مخصوص رہے جو کہ قول بان کی شکل کو طے کرتے اور مانگ بھلاتے اور عام لوگ ہمیشہ کاٹھ کے اُتور رہے۔

ہمارے زمانہ میں جو چند مذہبی کتابوں کا ترجمہ ایسی زبان میں ہوا ہے اُس کا یہ اثر ہے کہ ہزاروں مسلمان اُردو و خوان ہیں کہ وہ حدیث تغیر فقہ فقہاء تاریخ سے ایسے اہل

ہو گئے ہیں کہیں برس پہلے شاید سوائے دہلی کے شہور لڑکیوں کے کوئی اُن سے واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اور نتیجہ ملکی زبان میں علوم کے ترجمہ ہونے کا ہے۔

چھاپہ کار نہ ہونا بھی اگلے زمانہ میں ترقی نہ کرنے کا ایک بڑا سبب تھا چنانچہ اس زمانہ میں جو ترقی دکھائی دیتی ہے ہرگز نہ ہوتی اگر یہ عمدہ ہنر ظاہر نہ ہوتا۔ اسی ہنر کا نتیجہ ہے کہ ریویو اور جرنل اور سگیزین اور اخبار اور مختلف قسم کے کاغذات کے ذریعہ سے علوم و فنون کی وہ باتیں عوام میں پھیلی جاتی ہیں جن کو صرف عالم لوگ جانتے تھے اور جبکہ سبب سے اب علوم و فنون کا تنزل پانا خیال میں نہیں آتا اور معدوم ہونا تو ایک امر محال ہے۔

سفر کے ذریعوں کی آسانی بھی ملکی تہذیب کا بڑا سبب ہے۔ انسان کا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ عمدہ باتوں کے دیکھنے تربیت یافتہ قوم سے ملنے کا اثر ضرور اُس پر پڑتا ہے اور کسی کو اچھا کام کرتے دیکھ کر لامحالہ اُسے پسند کرتا ہے یہاں تک کہ مقصد جاہل سا جاہل بھی اُس سے محروم نہیں رہتا اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی حسب تک دوسرے ملکوں میں جانے اور غیر قوموں سے ملنے کا اتفاق نہ ہو۔ چونکہ یہ آسانی اگلے زمانہ میں نہ تھی اس لیے ترقی جیسی کہ چاہیے نہ ہوئی۔ اور اس زمانہ میں علوم و فنون کی جو کچھ ترقی ہے وہ صرف سفر کی آسانی سے ہے۔ اس مبارک زمانہ میں ریل اور تاہر ترقی و تہذیب میں جس نے دنیا کے مختلف ملکوں کو ایک کر دیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مختلف قوموں کے خیالات بھی ایک ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ امید ہے کہ ایک ایسا وحدت کا زمانہ آجائے جس میں کسی چیز میں بھی اختلاف نہ رہے یہاں تک کہ مذہب بھی سب کا ایک ہو جاوے اور غالباً وہ مذہب تو یہی ہو گا جو کہ باطل نیچر کے مطابق ہو جسے میرے دوست سید احمد خاں بہادر ٹھیکٹ اسلام کہتے ہیں۔

چونکہ سبب جو خاص ہندوستان کے بذلیب مسلمانوں کے تنزلات کا سبب ہوا ہندوستان کا وطن کر لیا اور اپنے اصلی وطن کا چھوڑ بیٹھا ہے۔ مسلمان جبکہ ہندوستان میں آئے اُس وقت نہایت متمرد اور شریخ و سفید اور توہمی و متدبرست تھے طبیعتیں بھلی ان کی آزاد تھیں۔ دلوں میں بھی ان کے ایک جوش تھا۔ رسوم کی

پابندی سے اُن کو غمزدہ تھی۔ مگر جب ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا اور اُن قوموں سے مل گئے جو کہ اُن سے قوت میں۔ دیرری میں۔ آزادی میں۔ علم میں۔ معاشرت میں کم تھیں اور چھوٹ اور پرہیز اور رسموں کی پابندی اور تنگ خیالات اُن کے رگڑ ریشہ میں سما رہے تھے تو رفتہ رفتہ وہ بھی ویسے ہی ہو گئے۔ اُن کی پہلی کتاب بالکل بدل گئیں۔ وہ خون جو براہیم کی رگوں کا ہم میں تھا بدل گیا۔ وہ بڑی سچوئل کے خون سے بنی تھی بدل گئی۔ وہ دل جن میں ناشی جوش تھا بدل گیا۔ غرض کہ چمڑا بدل گیا۔ رنگ بدل گیا۔ صورت بدل گئی۔ سیرت بدل گئی۔ دل بدل گیا۔ خیال بدل گیا۔ یہاں تک کہ مذہب بھی بدل گیا۔ تمام وہ جوش جو اُسے تھے اُس ریتیلے جنگل عرب سے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کر دیا تھا ہندوستان میں آ کر بی آف جنگل میں ڈوب گئے۔

اگر اب ہم آئندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنی چاہیں کہ آئندہ کو مسلمانوں کی تہذیب کیسی ہوگی تو ہم کو کسی ترقی یافتہ ملک کے حال پر نظر ڈالنی چاہیے کہ اُس نے کیونکر ترقی کی۔ اگر وہی آثار ہماری قوم میں بھی پائے جاویں تو ہم کو ضرور آئندہ کی ترقی کی امید کرنی چاہیے۔ ہم یورپ کا حال دیکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ارسطو کا فلسفہ یورپ میں جاری تھا اور وہ دین مذہب سے ویسا ہی مل گیا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے مذہب سے مختلط ہو رہا ہے۔ اور جب تک وہ قائم رہا کسی طرح کی مذہبی یا عقلی ترقی یورپ میں نہیں ہوئی۔ آخر تیرہویں صدی میں تقلید کے چھوڑنے کی راہ نکلی چنانچہ رومین نے جو شکوک میں پیدا ہوا اور جو حقیقت میں شاگرد مسلمان فلسفیوں کا تھا اپنا پاؤں تقلید سے نکالا اور فلسفہ بحثنیہ قیاسیہ کو چھوڑ کر فلسفہ شہوانیہ پر متوجہ ہوا۔ اُس نے بہت سی کتابیں لکھیں مگر جبکہ ارسطو کی فلسفہ کو لوگوں نے غلط جانا تب وہ افلاطون کی فلسفہ پر متوجہ ہوئے۔ اور اس لئے ترقی فلسفہ کی رک گئی۔ مگر پندرہویں صدی کے شروع میں طلیمیس اور کمپلیا اور رئیس محققوں نے اس فلسفہ کے اصول کے باطل کرنے پر کوشش کی اور تحقیق کی راہ نکالی۔ مگر جس طرح کہ اس زمانہ کے مسلمان ایسے امور میں تحقیق کو کفر بتاتے ہیں وہی مصیبت اُن بیچاروں پر بھی پڑی۔ بلکہ ان کی تکفیر کا فتوے دیا گیا۔ اور رئیس قتل کیا گیا۔ پھر بڑا انقلاب

یورپ میں ہیت قدیمہ کی غلطی بیان کرنے اور ہیت جدیدہ کے ثابت کرنے پر ہوا  
 اگلے زمانہ میں یورپ کے لوگ آسمان و زمین کو ویسا ہی جانتے تھے جیسا کہ اسلمان  
 بطریق ہیت کے موافق مانتے ہیں اور یہ مسائل مذہب میں ایسے ہی داخل سمجھے جاتے  
 تھے جیسا کہ اسلمان سمجھتے ہیں مگر کوہ بنیکس نے جو کہ پروشیہ کی اطراف کا رہنے والا تھا  
 اٹھارہویں صدی میں چاہا کہ اس ہیت کی غلطی خاص کر کیا جوت مگر پادریوں اور مذہبی لوگوں کے  
 سبب سے اسے جرات مند بناتی تھی۔ آخر سترہویں صدی میں اس نے ایک کتاب بھی لکھی مگر اس کے  
 شہور کرنے میں بڑا تامل کیا۔ آخر اٹھارہویں صدی میں کچھ مدت نہ اس کا شہور ہوا مگر وہ اسی زمانہ  
 میں گیا اور بروٹو نامی حکیم نے اسے شہور کیا مگر وہ اسی تجربہ میں نکلا گیا اور دینی محکمہ  
 میں اس کی تحقیقات کی گئی اور اسکو کفر و انحراف کے سبیل کا پھیلانے والا ٹھہرایا آخر  
 وہ بیچارہ روم میں زندہ بچایا گیا۔ اس قصہ میں کہ اس نے ایک عجیب مسئلہ ہیت کا زبان سے  
 نکالا تھا۔ سترہویں صدی میں کلیسا نامی حکیم نے دور میں ایجاد کی اور اس حکمت کی رونق دی مگر  
 متعصب پادریوں کو اس سے بڑی برہمی ہوئی۔ انہوں نے اسکو ملحد ٹھہرایا اور آخر  
 ایک جھوٹا سنگ و تارک میں بند کیا۔ مگر باوجود اس کے پھر ان ناموس حکیموں کی تحقیقات  
 کو نہ مذہبی تعصب روک سکا۔ نہ جاہلانہ خیالات اس کے مزاحم ہوئے۔ اور اب اس کو  
 وہ رونق ہے کہ اگر اس کے برخلاف ہیت قدیمہ کا مسئلہ کسی کی زبان پر آوے تو کیا حکیم  
 کیا پادری سب اس آدمی کو پاگل اور دیوانہ بنا دیں۔ پھر اسطو کا فلسفہ جو مذہب میں  
 داخل ہو گیا تھا اور پوپوں کو معصومیت کا درجہ دیا گیا تھا اور نجات کے فوان بچنے کا ان کو  
 اختیار تھا اور آسمانی کتابوں کے پڑھنے اور اس پہل کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی اس  
 غلط خیال کو نامور لوگوں نے کھویا مگر جو مصیبت اس پر اور اسکی پیروی کرنے والوں پر  
 ہوئی اس کے کٹنے سے بدن پر رخشہ ہوتا ہے۔ مگر آخر کار اسے کامیابی ہوئی۔

یہ چل چلتا ہے ہم مسلمانوں میں پاتے ہیں۔ ترکی میں۔ مصر میں اور ہندوستان  
 میں بھی بعض خدا ترس آدمی اپنی قوم کی بھلائی کے لیے آمادہ ہوئے ہیں اور جس طرح کہ ان  
 یورپ کے حاملوں نے مسائل حکمت کے بیان کرنے میں کوشش کی ہے اسی طرح یہ  
 لوگ بھی کر رہے ہیں۔ جو کہ اس زمانہ میں انتظام سلطنت کا دوسرے قاعدہ پر ہے اس  
 سبب سے ان حق بات کہنے والوں کو کچھ مضرت نہیں پہنچتی۔ صرف کفر و انحراف کے

فردوس ہی پر پھر گزری ورنہ اُن پر اُس سے بھی زیادہ سخت مصیبت گذرتی جو انگوٹوں پر گزری ہے مگر ان تمام حالات سے آئندہ کی بہتری کی اُمید ہوتی ہے۔

ٹرکی یعنی روم کی سلطنت جو کسی زمانہ میں نہایت قوی تھی اسی صدی کے شروع میں نہایت متزلزل کی حالت پر پہنچ گئی تھی۔ مولویوں کی خیانت اور قاضیوں کی بددیانتی اور لوگوں کی جھوٹی ایمانداری اور عوام کے مذہبی اوام اور تعصبات کے یہ نوبت پہنچی تھی کہ قریب تھاکہ اسلام کا نشان اسپین کی طرح اُس مبارک زمین سے مٹ جائے مگر خدا نے سلطان محمود کے دل سے ان بیہودہ توہمات کو نکال کر اُسے انتظام مملکت کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ اُس نے ایک تبدیلی معاشرت اور سیاست کے قاعدوں میں کرنی چاہی۔ مگر صیاحانہ اور خود غرض مذہبی دمی جن کا عوام پر بہت کچھ رعب و تاب ہوتا ہے ہمیشہ اپنی عزت اور دولت کے خیال سے ایسے کاموں میں باج ہوتے ہیں اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا۔ مگر آخر نوبت نوغریزی کی پہنچی اور جب تک کہ بہت سے مولویوں اور قاضیوں اور اسلام کے بدنام کرنے والے مسلمانوں کے سر اسلام پر قربان کیے گئے وہ انتظام کو راندہ ہوا۔ مگر آخر کار سلطان نے فوج کی دردی بالکل مل دی۔ اور یورپ کی سلطنتوں کا اس انتظام جاری کیا۔ پوشاک اور طریق خوراک اور طرز معاشرت بھی بدل دیا۔ غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ اور غلامی بھی قطعاً موقوف کر دی۔ اور بلحاظ قوم و مذہب کے اپنی عام رعایا کے حقوق ایک کر دیے۔ ٹیکہ لگانے کا کارخانہ جاری کیا۔ علم شریع کا مکتب بنوایا۔ وبائی بیماریوں کے لیے شفاخانے تیار کرائے۔ فرانس اور جرمن اور انگلستان کی علمی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کرایا۔

بعد میں اس سلطان کے اُس کے جانشینوں نے بھی اُس میں ترقی کی۔ چنانچہ سلطان عبد العزیز خاں جو اب تخت پر ہے ششہ میں فرانس اور لندن گیا اور وہاں کی شان و شوکت اور عجیب غریب کارخانوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ پھر شاہ آسٹریا اور ولی عہد انگلستان اُس کے یہاں آئے اور وہاں ہوئے اور رشتہ دوستی و محبت کا جو کہ ملک و عزت کی ترقی کا بڑا قوی سبب ہے باہم ان بادشاہوں کے مضبوط ہوا۔ غرض کہ ان تبدیلیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب ٹرکی کی سلطنت کسی طرح ضعیف نہیں سمجھی جاتی اور یورپ کی اور سلطنتیں بھی عزت کی نگاہ سے اُس کو دیکھتی ہیں تعلیم و تربیت

اور ترقی ملک کے وہی اصول و قواعد جاری ہیں اور ہوتے جاتے ہیں جو یورپ کی  
اؤر شایستہ سلطنتوں میں جاری ہیں۔ یورپ کی صنایع بدلیج پر مبنی بڑی توجہ ہے اپنی  
شکر کیس بھی تیار ہوتی جاتی ہیں۔ انتظام دیار اور عدالت اور کچھریوں کا بھی یورپ کی اؤر  
سلطنتوں کے طور پر کیا گیا ہے۔

یہ ترقی جو کچھ سلطان حال نے کی وہ نتیجہ یورپ کی سیر اور فرانس اور لندن میں جا کر  
وہاں کے کارخانوں کے دیکھنے کا ہے جس سے اس کے خیالات میں ایک بڑی تبدیلی  
پیدا ہوئی۔ چنانچہ جب سلطان یورپ کے سفر سے لوٹا تو اس نے علم و ریاض میں ایک اسپیش  
کی جس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ جن قوانین کی قباحتوں سے ہم اندر سے عجوبہ واقف ہو گئے  
ہیں ان کی ترمیم و تکمیل اور جن قواعد کی خوبی ہم کو معلوم ہو گئی ہے ان کے استحکام سے  
ہمارا ملک اور ہماری قوم بہت جلد دولت و اقبال کے اعلا درجہ پر پہنچے گی۔  
مصر بھی ترقی پر ہے۔ اس میں بھی تعلیم و تربیت اور انتظام مملکت یورپ کے ڈھانچے  
جو ما جاتا ہے۔ خود خدیو مصر کی قریبہ فرانس اور لندن گیا اور اس وقت اس کے دولہے  
لندن کے مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔

ٹونس جو ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی ہے نہایت ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس  
ریاست کا وزیر سید خیر الدین احمد جو دوسرا شہید پاشا اور ایک روشن ضمیر و لایق آدمی ہے  
اس نے یورپ کے حالات سے بخوبی واقفیت پیدا کی۔ بہت سے لوگوں کو اپنے ملک  
کے۔ فرانس اور لندن کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ اور بہت سی علمی کتابوں کو  
عربی زبان میں کیا۔ خود اس نے ایک ایسی عمدہ کتاب لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ  
یورپ کے علوم و فنون اور وہاں کے تمدن و معاشرت کے متعابلیں مسلمانوں کی حیالت  
اور ذیل حالت پر کس قدر متاسف ہے۔ اس وزیر نے اپنا پرانا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور تعلیم  
و تربیت کے لیے مد سے بالکل یورپ کی طرز پر جاری کیے ہیں۔ اس وقت اس کے  
چھاپہ خانہ میں بہت سی علمی کتابیں چھپ رہی ہیں اور ایک مسلمان عالم ابوالباس نامی  
جو پچیس برس سے زیادہ عرصہ تک فرانس اور لندن اور اؤر شہروں میں یورپ کے ڈھانچے  
اور فرانس کی انگریزی زبان سے بخوبی واقف ہے اس کا مہتمم علی ہے۔ اس مسلمان  
عالم نے بھی کئی کتابیں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ مسلمانوں کو جوش اور ولولہ پیدا ہو



اور وہ علوم و فنون کو جو یورپ میں جاری ہیں اپنے علموں سے متبادل کریں۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ "ہمارے اور یورپ کے علموں میں یہ فرق ہے کہ ہم مدرسہ میں مینیکریمس و جیوں سے صفت مشبہہ کی غلطی بحث کرتے ہیں۔ اور یورپ کے تعلیمات ڈومینٹ میں لیورپول سے آسٹریا کو خبر بھیجتے ہیں۔ ان دونوں تعلیم کا جداگانہ اثر جو ملک اور قوم کی ترقی پر ہوتا ہے وہ اس سے ظاہر ہے۔ ایران میں بھی شاہ کے یورپ جانے سے اُمید ہے کہ آئندہ زمانہ میں سمجھ ترقی ہو۔"

امیر کا بل بھی جب سے انہماک سے واپس گیا ہے اپنے تاریک خیالات کی پابندی چھوڑنا چاہتا ہے۔ یہ ترقیاں جو کچھ بین ملکوں میں ہوئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں ان پر نظر رکھنے نہایت نفوس ہوتا ہے کہ مسلمان ان ملکوں کے جو کہ مہمایہ یورپ کے ہیں ایسی ترقی کرتے جاویں اور ہندوستان کے مسلمان جو یک تربیت یافتہ گورنمنٹ کے زیر سایہ ہیں وہ جیسے تھے ویسے ہی ہوں۔

جن لوگوں نے جناب خواجہ گزین آبادی کی ورد و حسرت جبر ہی ہوئی تقررہ مسلمانوں کی تعلیم کی تربیت سنی ہوئی۔ ان جن جنہوں نے نوٹسٹ گورنر بہادری کو عام جلسوں میں بہنوگوں کی سبوتاژ سے اسپرچ کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ لیورپول لوگ گورنمنٹ بنگال مدرسہ کی فی توجہ سے جو مسلمانوں کی تعلیم کی طرف ہے واقف ہوں گے ان کو کس قدر سنجہ ہوتا ہوگا اس خیال سے کہ اس کا اثر جیسا کہ چاہیے اب تک نہیں ہوا۔

لیکن جب میں چند سال پہلے کا حال اس زمانہ سے ملاتا ہوں تو کچھ اُمیدان کی ترقی کی لٹی جاتی ہے۔ اور ان کے خیالات میں بھی ایک قسم کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ چند سال کا ذکر ہے کہ کلکتہ کے عربی مدرسہ کے لڑکے مدرسہ کے پرنسپل پڑھیلے پھینکتے تھے۔ اور اب خود انگریزی پڑھتے ہیں۔ دو تین برس ہوئے کہ انگریزوں کے چھوٹے ہوئے گلاس میں پانی پینے سے لوگ ڈرتے تھے اور انڈین کے ساتھ عام جلسوں میں کھانے پیتے ہیں۔ بلوہ سے پہلے سویٹھی اور علی عباسوں کا نام بھی نہ تھا۔ اور اب ہر جگہ اس کا چرچا ہوتا جاتا ہے۔ اخبارات میں سوائے دوسری کبری اور چھ آنکھ کے بل کے کوئی عمدہ مضمون نہ ہوتا تھا۔ اور اب کے اخبار میں جن میں سواد آریکل ہوتے ہیں جن میں

اودھ اخبار جس کا ادیٹر نہایت ہی لائق اور ذہنی استعداد اور عالی دماغ ہے ہندوستان کا  
 ٹیمز اخبار سمجھا جاتا ہے۔ اور غلیگڈھ کا اخبار جس کا ادیٹر ایک روشنفکر تعلیم یافتہ مسلمان ہے  
 اور کلکتہ کا اردو گائیڈ جس کا مالک ایک مشہور عالم ہے اور پنجاب کا پنجابی اخبار اور پشاور  
 کا اخبار۔ عالم اور بعض اور اخبار عمدہ خیالات پیدا کرنے کے اچھے ذریعے ہیں۔ اور ان  
 سب سے بڑھ کر وہ روشن تیار ہے جسے ہند کے آفتاب نے سرف مسلمانوں میں  
 روشنی پھیلانے کے لیے نکالا ہے یعنی تہذیب الامان جس کا اثر لوگوں کے  
 دلوں پر بہت کچھ ہوا اور ہوتا ہے۔

ان سب سے بڑھ کر ہمارے دل کو قومی ترقی کی پوری امید دلانے والی وہ تجویز  
 ہے جو ایک نامور گروہ نے مسلمانوں کے اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کی نسبت کی ہے  
 یعنی قایم کرنا ایک مدرستہ العلوم کا اس لیے کہ ہمارے موجودہ مدرسے گو ان کی  
 کتنی ہی ترقی کی جاوے قومی ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ میں اوپر بیان  
 کر آیا ہوں اور ہماری گورنمنٹ کے موجودہ مدرسے بھی ہماری حاجتوں کے موافق  
 نہیں ہیں اس لیے قطع نظر اس کے کہ جو حصہ عمر کا ان مدارس کی تعلیم میں ضائع  
 ہوتا ہے اس کا پورا معاوضہ نہیں ملتا اور نہ ان علوم تک ہماری رسائی ہوتی ہے  
 جس سے ہم ایک روشنفکر عالم بن سکتے ہیں۔ یہ بہت بڑا نقص ہے کہ ہم اپنی مذہبی  
 تعلیم اور تربیت سے محروم رہتے ہیں اور یہی بڑا جزو قومی ترقی کا ہے۔ اگر ہم مذہب  
 میں پڑھ کر ریل گودام کے بوروں پر انگریزی حرفوں میں نام لکھنے لگے اور اپنے مذہبی  
 عقاید سے ناواقف ہو کر لاد مذہب ہو گئے۔ تو ہم ایک تربیت یافتہ مسلمان نہیں  
 رہ سکتے۔ اس لیے جو تجویز مدرستہ العلوم کی کی گئی ہے وہ حقیقت وہ ایک عمدہ بنیاد ہے  
 جو مسلمانوں کی اصلی ترقی کے لیے ڈالی گئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم مسلمانوں ہی میں  
 بعض ایسے ہیں کہ گورنمنٹ کی خوشامد سے تاکہ اس کے انتظام تعلیم کے مدد و معاون  
 ٹھہر کے کسی خطاب کا استحقاق پیدا کریں یا اپنے مذہبی دھام کے سبب سے یا ذاتی  
 طبیعت کی تاثیر سے اس عمدہ تجویز سے مخالف ہیں اور اپنی اوقات کا بڑا حصہ اس کی  
 مخالفت میں ضائع کر رہے ہیں۔ یہ مسلمان وہ ہیں جو نہیں چاہتے کہ مسلمان دوسروں  
 کی زبان سیکھیں یا غیر مذہب والوں سے برصغاری و سچائی ملیں۔ بڑی خواہش ان کی یہ

ہے کہ وہ نفرت اور عداوت جو نسل در نسل اور ملک کی مغایرت سے پیدا ہو گئی ہے  
 قدرت اقدس کی روشنی سے نیت و نابود نہ ہونے پاوے۔ اور وہ قدرتی رشتہ  
 محبت کا جو سارے بنی آدم خصوصاً مسلمانوں اور اہل کتاب میں ہے کسی طرز  
 مضبوط اور محکم نہ ہو۔ مسلمان ان علوم و فنون کو سیکھنے نہ پاویں ہیں۔ ان کے دل  
 روشن اور خیال وسیع ہوں یا موجودات کی اصلی حقیقت حاصل کریں۔ انہی منہا  
 کوشش یہ ہے کہ وہ قوتیں جو اس وقت تک مسلمانوں میں کسی قدر باقی ہیں ایک جگہ  
 جمع نہ ہوں بلکہ متفرق متفرق جھاڑیوں پر ضائع ہوتی ہیں۔ اگر جمع بھی ہوں تو وہ ان کا بل  
 میں صرف کی جا دیں جن سے بجائے بھلائی کے غریب پیدا ہو۔ اگر یہ لوگ علم کی طرف  
 متوجہ ہوتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ اس انیسویں صدی میں وہ ملوٹر جائے یا نہیں  
 جو اٹھویں صدی میں جاری تھے۔ اور گناہ بہ پر قبیلے ہیں تو ان کی میرا سے مولیٰ  
 ہے کہ سوٹھویں صدی کے روم کے عیسائیوں کا زمانہ پھر اسامہ میں آوے۔ یہ  
 لوگ جب انگریزی طور پر تعلیم و تربیت کا نام سنتے ہیں تو ایک بے اختیار ہی جوش ان کے  
 دل سے اٹھتا ہے اور جب کچھ ان سے نہیں ہو سکتا تو کفر کا فتویٰ ہی دے کر اپنا  
 دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ وہ یا تو اپنی نادانی سے یا درحقیقت عوام مسلمانوں میں جن کا  
 دل تصبات کا خزانہ ہو رہا ہے ایک بھولی عزت پیدا کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ  
 انگریز وحشی علم کی حقیقت کیا جانیں۔ وہ تو صرف دبا۔ اور بڑھتی اور وحشی کے کاموں  
 کو اچھا جانتے ہیں۔ علوم کا خزانہ تو ہمارا صدر اور زمین ہی ہے۔ درحقیقت یہ لوگوں سے  
 سوال اس کے کیا اسید ہو سکتی ہے جو دے کر ہے میں لیکن یہ مخالفتیں ان کی  
 کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ جوش جو اٹھتا ہے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا اب  
 ان کے رفتوں سے رک نہیں سکتا۔ خدا اسلان میں چپ کے دلوں میں پختہ  
 لگائی ہے کہ جو زمانہ گزر گیا وہ گزر گیا۔ اب ہماری بھلائی اس میں نہیں ہے کہ جو کچھ ہمارے  
 بزرگوں نے بڑھا وہی ہم بھی بڑھیں۔ اور جو کام ہمارے باپ دادا کرتے تھے ہم بھی  
 کریں بلکہ ہماری بھلائی اس میں ہے کہ ہم چاروں طرف آنکھ کھول کر دیکھیں اور ان علوم  
 و فنون کو جن کے عجیب و غریب نتیجے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں حاصل  
 کریں۔

اس موقع پر کہ میرے کام کا سلسلہ مسلمانوں کی ترقی کی تدبیروں تک پہنچا رہی  
 نا انصافی ہو اگر میں اس نامور خیر خواہ اسلام کا نام نہ لوں جو ان سارے جوشوں کا  
 سر شمشیر ہے یعنی مولوی سید احمد خاں بہادر۔ اسی نامور شخص نے اول پانچوں اپنا تعصب  
 اور تعلید اور رسم و رواج کی باندی سے نکالا۔ اور اس کے آزادی اور تحقیق کا شوق لوگوں  
 کے دلوں میں پیدا کیا اور اپنی تقریر سے اپنی تحریر سے۔ اپنے برتاؤ سے۔ اپنے  
 عادات سے ایک نمونہ مسلمانوں کے لیے قائم کر دیا۔ اور وہ فرامیتیں جو مسلمانوں  
 کے دلوں کو پکڑے ہوئے تھیں اپنے پُر زور ہاتھ سے توڑ دیں۔ ابتدائی کوشش  
 اس نامور مسلمان کی غازی پور کا مدرسہ در علی گڑھ کی سین ٹینک سوسٹی ہے اور  
 اخیر کام اس کا مدرسہ العلوم ہے۔

وہ متعلق جو مسلمانوں کو انگلستان سے ہے اور وہ ضرورت جو اہل اسلام کو امریکی  
 طور پر تعلیم و تربیت پانے کی ہے اُسے بھی اسی شخص نے ظاہر اور ثابت کر دیا۔ خود لندن  
 کا سفر انتہا رکھا۔ اپنے صاحبزادہ کو کیمبرج کالج میں عہدہ تعلیم دلائی حالانکہ جس زمانہ  
 میں انہوں نے ولایت جانے کا قصد کیا۔ مسلمان ولایت جانے اور وہاں کے  
 مدرسوں میں پڑھنے کو کفر جانتے تھے یہاں تک کہ جو اسکا لرشپ لا ڈولار صاحب  
 نے تجویز کی تھی اس کا کوئی لینہ والا مسلمان مساک مغربی و شمالی میں نظر نہ آتا تھا اور  
 آج چودہ مسلمان مہنہ وستان کے سٹڈن ہیں موجود ہیں (علاوہ نواب مرشد آباد کے)  
 جن میں سے چند نوجوان لڑکے صرف تعلیم و تربیت کے لیے گئے ہیں چنانچہ ایک  
 مبسوطی کے امیر زادے نے اس سال میں منرالوجی کے امتحان میں دوسرا سا ریٹیکٹ  
 پایا ہے اور درحقیقت یہ سب بڑے عمدہ نشان مسلمانوں کی ترقیوں کے ہیں۔  
 اب میں اپنے اس لکچر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا مسلمانوں کے دلوں  
 سے ان خیالات کو دور کرے جو ان کی ترقیوں کے روکنے والے ہیں اور جو اسباب  
 ان کی ترقی کے تجویز نہ کیے گئے ہیں ان کو پورا کرے اور جو شخص مسلمانوں کی ترقیوں  
 کی تدبیر کرنے والا ہے اسکی عمر و دولت میں ترقی ہو۔ آمین



# حصہ ہفتم

## طعام اہل کتاب

جب سے ہملوگوں میں طعام اہل کتاب کی اباحت اور حرمت کی نسبت گفتگو شروع ہوئی ہے تب سے اکثر لوگوں کو اس امر کی تحقیق کی خواہش ہے کہ اصحاب نبوی اور اُن لوگوں کا جو قرونِ ثلثہ میں تھے کیا حریقہ تھا۔ آیا وہ اہل کتاب کے کھانے کو حلال جانتے تھے یا حرام یا مکروہ سمجھتے تھے اور اُن کی دعوت کو قبول کرتے تھے یا نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اہل کتاب کے کھانے اور اُن کے ساتھ کھانے کو مباح اور جائز تصور کیا انہوں نے اسلافِ کرام کے اقوال سے اس کے جواز کو ثابت کیا۔ مگر اب تک کسی نے صحابہ کی غامض و رواج کو اس معاملہ کی نسبت ہمارے پچھلے محققین اور علماء کے کلام سے ثابت نہ کیا۔

تیس مدت سے اسکی تحقیق میں ہیں۔ چنانچہ تنا تو مجھے ثابت ہو گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی اہل کتاب سے مصالحو کرتے اور اُن سے عہد لیتے تو غنیمت میں مسجد اور شرائط کے ایک یہ بھی شرط کرتے تھے کہ جب کسی مسلمان کا اُن کے یہاں گزر ہووے تو تین دن تک مہمانی کریں۔ مگر یہ بات صاف معلوم نہ ہوئی تھی کہ اس وقت مہمانی کا کیا قاعدہ تھا۔ آیا اہل کتاب شش دانہ دیدیا کرتے تھے یا قیمت کھانے کی نہ دیکھا کرتے تھے یا اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا کھلاتے تھے یا خود بھی اُن مسلمان مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے چنانچہ مدت سے مجھ کو اس امر کی تلاش تھی کہ کج میں کتاب تبعید الشیطان بمقرب اغاثہ اللہ بنان کو جو خلاصہ کتاب اغاثہ اللہ بنان فی مصائد الشیطان تصنیف علامہ ابن قیم کا ہے دیکھ رہا تھا کہ اُس میں نہیں ہے ایک ضمیمہ

دیکھا جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ اصحاب نبوی نہ صرف اہل کتاب کے کھانے کو  
جائز جانتے تھے بلکہ اُن کی ضیانت کو قبول کرتے اُن کے یہاں کے کچے ہوئے  
کھانے کو اُن کچھ اور اُن کے عبادت خانوں میں جا کر کھاتے چنانچہ اُس کتاب  
کی اہل عبارت اور ترجمہ کو ذیل میں لکھتا ہوں۔ پس جو دیندار مسلمان آج کل  
کے لوگوں پر اطلاق کفر اور تنصیر کا اس بات کے کرنے سے جو صحابہ نبوی کیا کرتے  
تھے کیا کرتے ہیں نہ کریں۔ اور صرف پابندی رسم و رواج سے مدبر وہ الزام صحابہ  
سُئل پر نہ لگادیں۔

## عبارت اصل کتاب

ومن ذالک انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یحب من دعاہ فی اکل من  
طعامہ واضاف یحودی بخبز شعیر و اہالۃ سنحہ و اہل اللہ اطعمۃ اہل  
الکتاب و کان المسلمون یا کلون من اطعمتہم و شرط علیہم عمر ضیانتہن  
یمرہن من المسلمین وقال اطعموہم مما تا کون و لما قدم عمر الشام و منع لہ  
اہل الکتاب طعاما فدعوا فقال این هو قالوا فی الكنيسة فکدہ دخر لہا وقال  
لعلی اذہب بالناس فاذہب بالمسلمین واکلوا و جعل علی سینظر الی الصنۃ بالکنيسة  
و یقول ما علی امیر المومنین لو دخل و اکل ۛ

## ترجمہ

اور اس میں سے ہے کیا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو شخص موت کرتا  
آپ قبول فرماتے اور اس کا کھانا کھاتے اور ایک یہودی نے آپ کی ضیانت  
جو کی۔ رؤی اور بکڑے سالن سے کی تھی اور خدا تعالیٰ نے اہل کتاب کا کھانا حلال  
فرمایا ہے اور مسلمان اُن کا کھانا کھایا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے  
شرط کر لی تھی کہ جو مسلمان تمہارے پاس آوے اُس کی ضیانت کرو اور جو تم  
کھاتے ہو اُس کو کھلاؤ۔ اور جب آپ شام میں تشریف لائے تو آپ کے لیے اہل  
کتاب نے کھانا تیار کیا اور بولایا۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ اُنھوں نے

کہا کہ گرجا میں ہے۔ آپ نے اُس کے اندر جانا مکر وہ سمجھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کہ تم لوگوں کو بچاؤ۔ چنانچہ وہ لے گئے اور کھا کھلایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گرجا کی تصویروں کو دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بھی آتے اور کھاتے تو کچھ اُن کا بیج نہ تھا۔  
 واضح ہو کہ شام کے لوگ اُس زمانہ میں عیسائی رومن کیستلک تھے۔

## خط مع جواب

براہِ رومن سید مہدی علی صاحب زادہ لفظ۔

بعد سلام سنہن کے مدعا یہ ہے کہ آپ میرے پُرانے یار ہیں اور میرے عزیز زاد بھائی ہیں۔ اس لئے مجھے اُمید ہے کہ آپ میری تحریر سے جو صرف براہِ محبت کرتا ہوں نامارض نہ ہوں گے۔ بھائی میرے مجھے نہایت افسوس ہے کہ تم سید احمد خاں کی صحبت میں لاندہب ہو گئے اور اُس کا منہ تر تم یہ بھی آگیا اور اُس کے خلیفہ مشہور ہو گئے۔ وہ وعظ کا کہنا اور مجلس سیلا میں ذکرِ خیر کرنا اور علماء کی تفسید کرنا اور اسلام کی وضع کا لٹا رکھنا سب تم نے چھوڑ دیا۔ اور اُن کی کرسٹن کی طرح تم مشنارین لکھنے لگے۔ تقلید کے تارک ہو گئے۔ علماء سے مخالفت کرنے لگے۔ وضع اپنی لباسِ خوراک میں بدل ڈالی۔ جو بھائی اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم اُسکی صحبت چھوڑا اور اپنے آپ کو بدنام نہ کرو۔ آئندہ توبہ ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

## جواب خط

جناب بھائی صاحب آپ کا نصیحت نامہ جس کے لفظ لفظ سے محبت کی بوتلی تھی اور جس کی ہر سطر سے درد اور دوسری ظاہر ہوتی تھی میں نے پایا۔ دل و جان سے اُس کا شکر کرتا ہوں اور نہایت ادب سے اُس کا جواب لکھتا ہوں۔  
 بھائی صاحب جب تمہیں نے سید احمد خاں کو نہ دیکھا تھا اور اُن کے اصلی حالات

اور مذہبی خیالات سے مجھے ناواقفیت تھی میں سب سے بڑھکر اُن کا دشمن تھا۔ بلکہ اُن کے اتحاد اور ازداد اور تضرع کا قائل تھا۔ مگر جب سے میں اُن سے ملا ہوں اور اُن کے حالات اور خیالات مجھ کو معلوم ہوئے ہیں تب سے مجھے اُن کی سچائی اور ایمان اور اُن کے عقاید کی خوبی اور اُن کے مذہبی خیالات کی صفائی کا ایسا یقین ہو گیا ہے کہ لو کشف الغطاء ما ازدت یقیناً

میں اُن کے مذہبی خیالات کی خوبی اور صفائی کا صرف قرار ہی نہیں کرتا بلکہ اس پر حیرت بھی کرتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں جبکہ کشتہ لوگوں کے دلوں سے سچائی اور حق کی تحقیق کا نور جاتا رہا تھا اور رسم و رواج کی پابندی اور ہندوؤں کی تعلید اور عوام کی نگاہوں میں جھوٹی وقعت پیدا کرنے کی آرزو اور ریائی آقا اور تورع کی شہرت کے شوق نے جا بجا نہ تنصبات میں لوگوں کو مبتلا کر رکھا تھا اور تعلید نے حقیقت اشیاء کے ادراک کی قوت کو جو ہر انسان کی فطرت میں خدائے رکھی ہے معطل اور بیکار کر رکھا تھا اور خدا و رسول کی اصلی ہدایتوں اور پاک حکموں سے چشم پوشی کر کے لوگوں نے زید و عمرو کی روایات اور جھوٹے قصص و حکایات پر دین و مذہب کا مدار ٹھہار رکھا تھا۔ اور مذہبی حکام کے حلال و حرام اور امر و نہی کی تحقیق کا شوق دلوں سے جاتا رہا تھا اور ہر آدمی کی مشردم اور جمہور کی مخالفت کے خوف اور کفر کے فتوے کے ڈرنے حق و باطل میں تمیز کرنے کی راہ بند کر دی تھی۔ کیونکہ ہماری ہی قوم میں سے ایک شخص کو حق کی تحقیق کا خیال آیا اور کس طرح حقایق اشیاء کے ادراک پر متوجہ ہوا۔ اور کیونکہ اسلام کی محبت نے اُس کے دل کو ایسا قوی کر دیا کہ حق کے ظاہر کرنے اور سچی راہ پر چلنے اور تعلید کے چھوڑنے میں نہ برادری کا خیال کیا نہ جمہور کی مخالفت سے ڈرا نہ کفر کے فتوے سے خائف ہوا۔ (علیہ السلام) جزا۔

پس مجاہد صاحب جب میرے لئے میں اس شخص کی نسبت اسلام کی محبت کا یہ خیال ہو تو میں کیونکہ اس کی محبت چھوڑوں اور کس طرح اُس کو بوجھوں۔ سچ یہ ہے کہ جس طرح ہم آپ اور اُردو ناواقف لوگ صرف اسلام کی وجہ سے اُن سے عداوت رکھتے ہیں یہ سچا ہی میں فقط اُن کے سچے ایمان کے سبب سے اُن سے محبت رکھتا ہوں۔ ولله فیما یشتقون مذاہب۔



حضرت بولوی ہونا۔ فقیر بن جانا۔ عربی علامہ سر بہر باندہ لینا۔ ہزار واہ کی تسبیح زیتون کی  
زیب گلہ فرالینا۔ قبار نولنی سے بدن کو فریب کر لینا۔ مقدس ابرار اور شیخ وقت ہو جانا  
مجلس عظمیٰ نکات واسرار بیان کر کے سامعین کو ہلا دینا۔ خانقاہ میں بیٹھ کر تصوف  
کے دقائق اور توحید کے نکات ارشاد فرما کر سننے والوں کو وجد میں لے آنا۔ یا کسی ہزار و دو گنا  
میں جا کر مردان باصدق صفا کو حلقہ توجہ میں بیٹھا کر عرش کی زیارت کرا دینا آسان ہے  
اور نہایت آسان ہے۔ مگر مشکل اور سب سے زیادہ مشکل ہے مسلمان ہونا اور خدا  
سے یک رنگی اور یکدلی کے ساتھ حاملہ رکھنا اور یہاں اور کراؤ نہ لٹکانا۔

شراب پی کر۔ مردار کھا کر علانیہ سب کے سامنے اقرار کر دینا اور مہر پر پڑھ کر اپنے  
اصلی حالات اور اپنے دلی خیالات کا خطبہ پڑھ دینا اسلام کی سچائی ہے۔ نہ کہ نولنی گرفتہ  
پہن کر اپنے داغوں کو چھپانا۔ اور عربی علامہ باندھ کر اپنے تئیں مقدس جانا اور سیٹھی  
سیٹھی باتیں کر کے اپنے آپ کو حضرت اور شیخ بنانا اور قرآن کے دام میں ٹپی ہوئی چیزوں کو  
شکار رکھ لینا۔ اور روکھی سوکھی صورت بنا کر نقہ تر نوشت فرما کر اسلام سے اور ان کارہاں  
سے کیا نسبت۔

مردان روزنامہ دیگر است

بھائی صاحبِ قسوس ہے۔ کہ آپ لوگوں نے سید احمد خاں کی حقیقت اب تک نہیں  
جانی۔ اور تصدیب اور تقلید یا بغض و رندہ نے ان کی خوبیاں کو آپ کی نظروں سے  
چھپا دیا۔ ورنہ آپ لوگوں کی بی بی اور دنیاوی بھلائی کے لیے جو کچھ انھوں نے کیا ہے  
اور کر رہے ہیں اس کا شکر آپ لوگوں سے ادا نہ ہوتا اور جو کچھ ان کے مساعی جہلیت  
فائدہ ہوا اس سے آپ محروم نہ رہتے۔ مگر امید ہے کہ آئندہ آئے والی نسل ان کے بوسے  
ہوئے بیج کا پھل پائے اور آپ لوگوں کی اولاد ان کے دست و بازو کا شکر ادا کرے۔  
ان شاء اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

علماء کی مخالفت کا الزام ان کی نسبت کرنے سے مجھے کچھ تعجب نہیں ہوتا کیونکہ  
اگر اس بھلاک سیاست میں آپ لوگ مبتلا نہ ہوتے اور تقلید نے اسلام کو مجموعہ قصص  
حکایات نہ بنادیا ہوتا اور زید و عمرو کے اقوال اور بہانوں فلاں کی باتیں شیل و جی کے  
واجب الاتباع نہ سمجھی جاتیں تو ان کو مخالفت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور تحقیق کے

جہند سے کا پرچم کھولنے پر ان کا اتھ ہی نہ اٹھتا آپ کی تقلید اور اتباع اقوال قدما کی عالمگیر مصیبت ہی نے ان کو اس طرف متوجہ کیا اور اسی توجہ نے یہ شور و غلبہ ہندوستان میں مچا دیا ہے مگر چیچہ بہ کہ اگر چند سے ہندوستان کے مسلمان ہی نیند میں سوتے رہتے اور حضرات علماء فقہ کہانیاں کہہ کہہ کر آئندہ آنے والی نسل کو بھی خواب خرگوش میں سلا یا کرتے اور کوئی ان کا چرنکائے والا اور تازیانہ لیکر جگانے والا نہ ہوتا۔ اور لوگ اسی طرح تقلید کے پابند رہتے اور مخالفت جمہور کے خیال سے تحقیق کا شوق نہ کرتے بلکہ ہر بات کی بھت و غلطی کے اور اک کے بیٹے اپنے پُرانے نسخوں اور اصل کتابوں ہی کے کھولنے کی بدعات میں مبتلا رہتے اور خدا اور رسول کے کلام کو چھوڑ کر پُرانے لوگوں کے قولوں ہی پر تحقیق کو منحصر سمجھتے اور حضرات علماء رحمۃ اللہ علیہم قصص کے سبب سے یا اپنے خیالات کی غلطی کی وجہ سے یا اپنے تعقہ اور توسع کی اشاعت کی نظر سے فتوؤں سے ڈرنا کرتے اور ہلوگ بھی جنت و دوزخ کی کنجیاں انھیں کے اختیار میں اور رضا و غا ز ن جنت اور مالک دار و جہنم کو انھیں کا نوکر سمجھ کر ان کی تحریر ہی پر اپنے آپ کو قطعی جنتی اور یقینی دوزخی سمجھا کرتے اور ان کے کفر کے فتوؤں کے ڈر سے نہ تحقیق حق کا قصد کرتے اور نہ جس کی پیروی اور دلیل میں پہنچنے ہوئے تھے اُس سے نکلنے پر کمر ہمت باندھتے تو بلاشبہ جہنمیں نہایت پر مژبی پڑتے اور اسلام اور ایمان پر نوچہ کرنے اور سچائی اور صفائی پر ماتم کرنے کا وقت آگیا تھا۔ لان العلماء اھم اولۃ الطریق وقد شغل عنہم لالۃ زمان ولہم یق لا المیزان وقد استحوذ علی اکثرھم الشیطان واستغواھم الطغیان واصبھم کل احد منھم بجا جل حظہ مشغوفافضاریہ المہروف منکروا المنکر معروفا۔

بجائے صاحب میرے اور بھی ایک یا زائد گزرا ہے کہ میں علماء کی مخالفت کو ابتدا اور الحاد کہتا تھا۔ بلکہ عربی عبارت میں جو کتاب لکھی تھی تھی اُس کے ایک فقرہ سے انکار کرنے کو بھی بداعتما دی جاتا تھا۔ اور آپ کی طرح ہر عالم اور ہر مولوی کی کتاب کو کلاوھی المنزل من السماء سمجھ کر اُس پر یقین کرنے کو ایمان کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ مگر ایک روز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی چند سطروں کو دیکھ کر میں بداعتما و ہو گیا اور حضرات علماء کے اقوال اور رایوں کے اتباع کرنے اور ان کی ہر بات کو سچ جاننے

اور اُن کے ہر امر میں تقلید کرنے کو صنف اسلام کا ثمرہ سمجھنے لگا۔ اور مخالفت جمہور کا جو خوف میرے دل میں تھا وہ بالکل جاتا رہا۔ امام صاحب اول تو حضرات علماء کی نسبت لکھتے ہیں۔ کہ انھوں نے علم کی حقیقت کو لفظوں پر منحصر کر دیا ہے اور تبدیل الفاظ سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ فقہ اور حکمت اور تصوف اور کلام کو حرام مال پیدا کرنے کا دام بنا رکھا ہے۔ اور جو مرد خدا اور رسول کی ان لفظوں سے متقی اُسے بدلنا ہے اور اپنی وعظ کوئی اور قصہ خوانی اور فصاحت و بلاغت اور اصطلاحات جدیدہ اور عبارات مزخرفہ پر علم دین کا مدار ٹھہرا رکھا ہے۔ اور پھر امام صاحب مخالفت جمہور کی نسبت لکھتے ہیں کہ بڑا مانع تحقیق حق کا مخالفت جمہور کا خیال ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سب لوگ بہکے مجنون دیوانہ بنائیں گے اور ہم سے سن کر ہی اور ٹھٹھہ کریں گے۔ اس لیے اگر ہم باطل پر ہیں تو خیر کیا مضائقہ ہے۔ جو رب کا حال ہو گا وہی ہمارا ہو گا۔ مرگ نبوہ شننے دارد۔ مگر ایسے خیال کو نہولے کو سوچنا چاہیے کہ اگر اُس کے ساتھی ڈوبنے لگیں مگر وہ ایک کشتی پالے اور اُس پر سوار ہو کر بچنے پر یقین کرے اور اُن کے چھوٹنے پر اپنی نجات سمجھے تو کیا اس وقت لوگوں کا ساتھ دے گا اور اپنی نجات کے ذریعہ کو چھوڑ دے گا۔ کوئی نادان بھی ایسی نفاق کو پسند نہ کرے گا۔ ولہ یحاک الکفایہ الاموافقة اھل من اھم حدیث قالوا انا وجدنا آباءنا علی امة وانا انا اھم مقتدون۔

حضرت سن۔ بلاشبہ تحقیق حق کا بڑا مزاحم ہی خیال مخالفت جمہور کا ہے اور جہانہ خوش اقبال تھا وہی ہی راہ راست کے اُصوڈنے کی بڑی مانع ہے۔ اچھے پڑھے لکھے یہ خیال کر کے کہ اگلوں نے کوئی بات نہیں سمجھوڑی اور سارے امور کی تحقیق کر لی ہے قصہ ہی نہیں کہتے کہ اصلیت اور حقیقت کو کما ہی ہی دریافت کریں۔ مگر وہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ سب اگلے اور سارے بزرگ یہی کرتے آئے ہیں اور تحقیق ہی کے سبب سے وہ بزرگ از محقق کہلائے ہیں۔ اگر آئینہ بن اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجماع میں یہ خیال کرتے کہ اگلے سب کچھ کر گئے ہیں تو اصول فقہ اور فقہ کی تدوین کا کب قصہ کرتے اور پھر آئیدہ علماء اسلام علم کلام کے اصول و فروع کی تہید کا کیوں ارادہ کرتے۔ اور بعد اُس کے علوم معقولات کی اشاعت پر حضرات علماء کب توجہ فرماتے

اور جو ترقیاں علمی اسلام میں ہوئیں وہ کیونکر ہوتیں۔ اگر ہم سنی مسلمانوں کی طرح وہ حضرات بھی خوش اقدار ہوتے اور مخالفت سلف کے خیال سے تحقیق کسی چیز کی نہ کرتے اور جن علوم کی ضرورت اور حاجت ہوتی گئی اُس کی تدوین نہ فرماتے اور تعلیم کی دلدل میں پھنسے رہتے تو اسلام میں آج تک نہ کوئی عالم ہوتا نہ امام نہ کوئی مجتہد کہلاتا نہ کوئی محقق۔ پس ہم لوگوں کی عقلمندی اور جہالت اور بد نصیبی ہے جو ہم تحقیق کو مخالفت علماء کی سمجھتے ہیں۔ اور اجتہاد و حقیقت اشیاء کے ادراک کو اجتہادی جانتے ہیں اور ساری تحقیقاتوں اور تمام اشیاء کی حقیقتوں کے دریافت کو اپنا گھول پیچھے اور ستم سمجھتے ہیں فہم القول قول القائل الماہر کہ ترک الاول للآخر وهذا هو قول المذہب علیہ التعویل ومن ذهب الی غیوہ لم یجتہد الی سواہم بیل فان فضائلہ لیست محصورۃ فی قوام ولا مختصۃ بیوم دون بیوم۔

بھائی صاحب۔ اس تعلیم اور پابندی ماسم نے جیسے بد نتیجے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں پیدا کیے ہیں۔ اُس پر اُس شخص کو رونا آتا ہے جو ان باتوں پر غور کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علوم و فنون اور عقاید و اعمال کو نظر غور سے دیکھتا ہے۔ مگر حضرات علماء اور ابراہامی قوم کے وہ آنکھ ہی نہیں رکھتے جس سے ان غرابیوں کو دیکھیں اور وہ دل ہی نہیں رکھتے جس سے اپنی قوم کے تنزلات روز افزوں کو دیکھیں بلکہ وہ تو ایمان اور اسلام اور دین اور تقویٰ اور تہذیب اور وضع داری کو اسی پر منحصر سمجھتے ہیں کہ تبلی کے بل کی طرح آنکھ پر پٹی باندھ کر رات دن ایک محدود تنگ دائرہ کے اندر گھومائیں اور ان وسیع میدانوں کو جو تختہ جنت کی طرح ہر قسم کے گل بوٹوں سے گراستے ہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

ایسی تعلیم کا سبب ہے کہ مسلمانوں کے علوم گھٹ گئے۔ اُن کے عقاید مذہبی بگڑ گئے۔ اُن کے اعمال مہذووانہ ہو گئے۔ اُن کی دنیاوی ترقیاں کُٹ گئیں۔ اُن کی عزت اور منزلت جاتی رہی بغیر قوموں کی نظروں میں ذلیل ہو گئے۔ تربیت یافتہ اہل جاہل سمجھنے لگے۔ اگر کسی کو شک ہو وہ امتحان کر لے اور اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔ کسی ایسے بڑے سے بڑے نامی مدرس میں جا کر تعلیم کی کیفیت دیکھو جس مدرسہ کی بڑے مشہور منطقی اور نا منطقی اور جامع مقول و منقول حاوی فروع و اصول ہوں

کہ وہاں بھی جلوۂ تقلید کا چمکتا اور پابندی رسم کا نور جھلکتا ہو گا۔ حضرت استاد علامہ بریلوی نہایت خوبی اور کمال قابلیت سے اسطفاۃ اربعہ کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے اور نہایت فصاحت و بلاغت سے طبعیات کے مسائل کی تشریح کرتے ہوں گے اور کمال خوبی سے بریلوی ترمیمی اور بریلوی سلمی کو ثابت کرتے ہوں گے اور صدر راہ کی مثلاًۃ بالذکر کے عقد سے حل کرنے پر مکمل علماء اور سحر العلوم کے حاشیہ کھوسے ہوں گے اور نیز اہل شرح مواقع کے منہی نہایت خوش تقریری سے طالب علم کو سمجھاتے ہوں گے۔ حالانکہ اگر وہی حضرت علامہ فہامی اُن مسائل حکمیہ کو مسائل جدیدہ سے مقابلہ کریں اور اُس طرز تعلیم کو جواب جاری ہے دیکھیں تو وہ خود اقرار کریں گے کہ ہم چل کر بک میں گر رہے ہیں اور اپنی اور اپنی قوم کے لڑکوں کی عمر فضول بچٹوں اور عبث باتوں میں ضائع کرتے ہیں۔ اور پھر پھر بیچہ وہ باتوں کو علم اور حکمت سمجھتے ہیں۔

مگر غارت علم اور شہرت فضیلت اور غیرت زہد و تقویٰ حضرت مولانا کی ایسی بلا جان ہے کہ وہ کب اُس تقلید سے نکلنے اور علوم و فنون جدیدہ کے دریافت کرنے اور موافق حال اور ضرورت وقت کے علوم مفیدہ کی تسلیم کرنے کا ارادہ کر سکتے ہیں۔

اگر علوم و فنون سے بھی قطع نظر کی جاوے اور دین و مذہب پر خیال کیا جاوے تو اسی تقلید کے سبب سے اُس کا بھی حال ابتر ہے۔ اول تو تقلید آئینہ ربوہ رحمتہ علیہم کی ایمان کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ اب ہر خاندان میں اُس خاندان کے بزرگوں کی امانت کی تقلید نشانی اسلام کی خیال کی جاتی ہے۔ اور ہر رسم کی ٹھیک ٹھیک پابندی پر پھر نگاہی اور دینداری سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ حضرات صوفیہ کرام کی خانقاہوں اور شاخ عظام کی دغا ہوں اور حضرات علماء کے عطا کی محسوس اور عاشقان الہیت کے امام باڑوں میں مذاقم ربخہ فرماوے اور خلک کتاب کو ہاتھ میں لیکر اُن کے عقاید و اعمال کو اُس سے ملاوے اور انصاف کرے کہ اسیں اسلام کتاب ہے۔ اور کفر اور شرک و بدعت کس قدر۔

امور دنیاوی پر اگر خیال کیا جاوے تو وہی بلا تقلید ذات و اوجار کے نتیجہ دکھائی دے گا۔

معاشرت کے طریقے۔ زندگی بسر کرنے کے قاعدے۔ معاش حاصل کرنے کی تدبیریں۔  
مخالفت اور مجاہدت کے طور۔ شادی اور غمی کی رسمیں جو کچھ میں وہ سب تقلیدی  
ہیں۔ اور گو خود ہمارے بھائی بعض یا کثیر باتوں کی بُرائی کے مقرر ہوں اور اُس کی  
پابندی کو مذہب و ملت اور رسوائی اور افلاس اور تالافتی کا سمجھتے ہوں مگر وہی ترک تقلید  
اور مخالفت جمہور کا خوف کچھ کرنے نہیں دیتا اور کسی کو اُس پابندی سے نکلنے کی جرأت  
نہیں ہوتی۔

پس بھائی صاحب ایسی حالت میں جبکہ تقلید اور پابندی رسم کی سیاہی نے لوں کو  
تاریک کر دیا ہو اور وہ نور جسے عقل کہتے ہیں چھپ گیا ہو اور ہمارے عقیدے اور اُمال  
تقلیدی ہو گئے ہوں اور غیر قومیں ہمارے قصبے بہالت پر خندہ زن اُٹھائے کرتی  
ہوں اور شبے روز گتا میں اور اخبار ہماری ذلت کی باتوں سے سیاہ کیئے جاتے ہوں اگر  
خدا کسی کی آنکھ کھولے تو وہ کیا کرے۔ یا کہ جمہور کی موافقت کر کے جا بلانہ تقلید کی دلدل  
میں بھٹتا ہے یا اسلام کی محبت اور اپنی قوم کی ہمدردی کے جوش میں آکر خود اپنا پاؤں اُس  
کھچڑے نکالے اور اپنے بھائیوں کے نکلنے کی خواہش کرے۔

بھائی میرے بُرا ماننے کی بات نہیں ہے لیکن آپ لوگ ہمدردی اور محبت قومی اور  
ملکی ترقی اور اسلام کی روشنی پھیلانے کی حقیقت ہی سے ناواقف نہیں اور اُس کے اصول  
ہی سے بے خبر ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ کے نزدیک مہمل اور بے معنی ہیں۔ وہ نہ  
کیا اب تک مسلمانوں کی یہی حالت رہتی۔ اور آئندہ کو سوائے تنزلات روز افزوں  
کے کوئی بھی صورت ترقی کی نہ دکھائی دیتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے بھائی سخاوت  
نہیں کرتے۔ فیاضی ظاہر نہیں فرماتے۔ اب تک خدا کے فضل سے ایسے بلند حوصلہ  
عالمی تہمت۔ صاحبِ جود و سخا موجود ہیں کہ لاکھوں روپیہ ایک دم میں صرف کر دیتے ہیں  
لیکن چاہیے کہ اپنے بھائیوں کی بھلائی میں کچھ خرچ کریں اس کا کیا ذکر ہے۔

اُن بد معاشوں والا قیوں کا کچھ ذکر نہیں جو فواحش اور مصیبت کے کاموں میں  
اسراف کرتے ہیں بلکہ ہم اُن بلند ہمتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی شہرت اور عزت اور  
دین کے لیے بہت کچھ صرف کرتے ہیں۔ جب اُن کے اصراف پر نظر کیا جائے تو معلوم  
ہوگا کہ وہی تقلید اور پابندی رسم کی اُن کے رویہ کو برباد کر رہی ہے اور جمہور کی شہرت

بے اصل عزت کے حاصل ہونے کی تمنا اُن کا روپیہ ٹوٹاتی ہے۔

کیا کسی نے سنا ہے کہ سوائے شادی بیاہ میں نہرا روپیہ لگانے یا بھائیوں کو توبہ بخانی  
کھانا تقسیم کرنے یا بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے یا حاکموں کی خوشامد سے غیر مفید  
کاموں میں روپیہ لگانے یا جمہولی میزبانی اور جاہلانہ تعصب سے خائف ہوں اور فراموش  
اور انا م باڑوں میں شرک اور بدعت کے کاموں میں دولت برباد کرنے کے کسی نے اُن تک  
کوئی زرخیز یا زخم کشیر بلکہ کچھ حصہ بھی اپنی کمائی کا اپنی قوم کی بھلائی کے کاموں میں  
لگا یا ہو یا لگانے پر رغبت کرتے ہوں پس کیا سبب اس کا صرف پست ہمتی اور بخل ہے  
ہرگز نہیں۔ بلکہ سبب اس کا یہ ہے کہ تعلید اور پابندی رسم کے سبب سے ہکواں بات  
کے کرنے کی مجرات ہی نہیں ہوتی جو اب تک پہنچنے نہ کی ہو۔ اور اگر مجرک بھی ہوتا ہو  
نہ ہونے عادت کے اُس طرف رغبت ہی نہیں ہوتی اور اُس کام کو کچھ مفید یا باعث  
ثواب یا موجب عزت ہی نہیں سمجھتے ورنہ اگر وہ روپیہ جو عزم اور عرس میں بیویوں کے جاکر  
اور چراغان کرنے اور ڈھول بجانے میں صرف کیا جاتا ہے مسلمانوں کی تربیت اور تعلیم  
میں ایک جگہ جمع کر کے بطور مناسب صرف کیا جاوے تو خود مسلمان دیکھیں کہ  
کیسی ترقی ہوتی ہے اور اُن کی اولاد کیا عزت حاصل کرتی ہے۔

غرض کہ اس زمانہ میں پہلا کام مسلمان کا یہ ہے کہ وہ شرک کی طرح تعلید اور رسم کی  
پابندی چھوڑے اور اپنی گردن کو اس بھانسی کے پھندے سے نکالے اور کفر کے قہر کی  
اور براوری کے طغی سے نڈرے اور جب تک مسلمان یہ نہ کرے گیے تب تک ہمارے نیک  
کوئی اُمید اُن کی ترقی کی نہیں ہے تھان تیشاء اللہ۔ پس بھائی صاحب و شخص جس نے  
پہلا یہ کام ہندوستان میں کیا ہے اور جس نے فقط اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے اپنا وقت  
اور مال بلکہ اپنی جان کو قربان کیا ہے۔ قہری ہے جسے لوگ تیار نہ کہتے ہیں اور جس پر  
ہزاروں طغی کفر اور اتداد کے ہوتے ہیں۔ مگر محبت قومی کی کچھ حقیقت آپ کو دریافت  
کرنی ہو تو اُس کے پاس آئیے اور اِس درد کو اُس کے دل سے پوچھئے اور اِس جانب  
مصیبت کا افسانہ اُسی لمحہ کی زبان سے سنئے۔

بزمِ سوئے کلبہ احزان و شبی + تابگری کہ عشق تو با او چمکند

## سوال و جواب

میرے ایک دوست نے بمقام الدہلوی میرے پاس ایک سوال تحریری بھیجا تھا کہ آیتیں اُس کا جواب لکھتا ہوں۔

### سوال

کیا فرماتے ہیں حضرات علما دین تین اور شرع میں کہ اگر زید قرآن شریف کے کسی جزو سے انکار کرے اور کل عادیث کو یہ کہے کہ سب بالغنے میں کوئی باللفظ نہیں اور باوجود اس کے عز و زید کو پکا مسلمان اور سچا ایمان دار جانے اور کہے۔ تو شرعاً عمرو کی نسبت کیا حکم ہے۔

### جواب

اگر زید قرآن شریف کے کسی جزو سے انکار کرے یعنی کسی سورہ یا کسی آیت کو منکر ہو جائے اور وحی منکونہ جانے یا حج چہ پیروں کا ذکر اُس میں ہے اُس کے ہونے سے بلجود ذاتی یا بلجود حسی یا بلجود خیالی۔ یا بلجود عقلی۔ یا بلجود تشبیہی منکر ہوئے۔ یا اُس کے مطالب سے جو الفاظ کی دلالت اور معنی کے قرینہ اور عبارت کے سیاق اور عرب کے محاورہ سے اجاباً سمجھا گیا ہو اور اصل عقاید کے متعلق ہو بغیر کسی دلیل شرعی اور برہان قوی کے انکار کرے تو زید کافر ہے اور اگر اس انکار پر عز و زید کو پکا مسلمان اور سچا مومند اور جانے اور اُس تکذیب و انکار میں اپنا اتفاق ظاہر کرے تو وہ بھی کافر ہے لیکن اگر زید قرآن کو لفظاً لفظاً خدا کا کلام جانتا ہو اور سب ائمہ سے لیکر تا وکلاس ہر اہل بیت کو وحی منکونہ سمجھتا ہو اور جو کچھ اُس میں مذکور ہے کیا از قبیل اخلاق و عقاید اور کیا از جنس عبادات و معاملات اور کیا از قبیل اخبار و قصص اور کیا از قسم حالات آخرت۔ اُن سب کو حق اور واجب الیقین تسلیم جانتا ہو۔ مگر اُن الفاظ اور کلمات کے جن کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت کسی اصل سے منجملہ اصول دین کے یا کسی مسئلہ سے منجملہ مسائل صحیحہ عقلیہ کے یا کسی امر سے منجملہ امور موجودہ



واقعہ کے ہوتی ہو ظاہر معنی نہ کہتا ہو۔ بلکہ ایسے صحیح اور اصلی معنی مراد لیتا ہو جو قرینہ اور محاورہ عرب کے مخالف اور شائع کے مقصود اصلی کے برعکس نہ ہوں یا اسرار ہو جو سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح ان کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لیتا ہو۔ لوگوں نے سمجھ رکھی ہو۔ اور جس کا ثبوت کتاب سنت سے کچھ نہ ہوتا ہو۔ اور جس اثبات پر سوائے اوہام اور ظنون کے کوئی عقلی دلیل بھی نہ ہو یا ان آیات احکامی سے جن کی تسمیہ بظاہر معلوم ہو بلحاظ اصول صحیح کل عام یحتمل التخصیص کے بعض حالات کو باستدلال کتاب و سنت مستثنیٰ کرتا ہو یا ان مسائل اصولی و فروعی کو جن کا ثبوت صریحاً نہ ہوتا ہو مگر بقیاس بعیدہ لفظوں سے ان کا استنباط کیا گیا ہو نہ مانے یا قرآن کی تفسیروں کو جن کی کوئی سند صحیح صاحب لکتاب سے نہ ہو اور لوگوں نے اسے اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق بیان کیا ہو واجب القبول نہ جانتا ہو گو لوگوں کے نزدیک وہ باتیں جزو قرآن سمجھی جاتی ہوں اور اس کا انکار انکار قرآن تصور کیا جاتا ہو اور ان سب حالتوں میں زید کی نیت سوائے اعلیٰ کلمۃ اللہ اور اتحاق حق اور رفع الزام اور دفع ملاحضہ اور تطبیق اصول دین کی اصول صحیحہ عقلیہ سے اور ثابت کر کے حقیقت مذہب اسلام کی سب لوگوں پر کیا جاہل اور کیا عالم اور کیا حکیم اور کچھ نہ ہو تو زید بلاشبہ پکا مسلمان اور سچا ایسا نادر ہے اور عمر و بھی جو زید کو ایسا سمجھتا ہو ویسا ہی پکا مسلمان اور سچا ایسا نادر ہے۔

اگر زید کل احادیث کو بالمعنی کہے اور ان کی روایت کو بالفاظ نہ مانے یعنی یہ کہے کہ ان حدیثوں میں سے کسی میں کوئی لفظ بھی انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے تو وہ احمق اور جاہل ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ احادیث کے الفاظ پر یہ یقین نہیں ہے کہ یہ مناسب الفاظ ہی جو شائع ہوئے فرمائے ہیں شاید ہوں یا نہ ہوں اور نہ اس تفاوت بتیچہ کی نسبت جو الفاظ اور کلمات میں احادیث کے ہے یہ یقین ہے کہ یہ وہی لفظ کو دریافت ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی شاید ہو شاید نہ ہو تو بچے اور اس جانبوں بلکہ ایک محقق مسلمان ہے اور عمر و جو اسے سچا مسلمان جانے وہ بھی بد

نیں اس جواب کی کچھ ضروری شرح بھی کرنا مناسب سمجھتا ہوں تو باوجود چھپکند حدیث کی تصدیق و تکذیب کی حقیقت سے واقف ہو جاوے جو نہ کہ

قرآن در حدیث اس لیے دونوں سے علیحدہ علیحدہ بحث کرتا ہوں۔

## بحث اول بہ نسبت تاویل قرآن

قرآن کی تصدیق حقیقت میں یہ ہے کہ اُسے وحی متلو سمجھنا اور سنل میں ماننا جانا اُس کی تمام باتوں کو حق سمجھ ماننا۔ اور اُس کی تکذیب یہ ہے کہ اُسے ایسا نہ جانا پس جب تک کوئی مسلمان قرآن کو خدا کا کلام جاننے اور اُس کی سب باتوں کو ماننے تب تک تصدیق قرآن کی نسبت اُس کی طرف ہوگی اور وہ منکر قرآن نہ سمجھا جاوے گا لیکن جب اُس نے اُسے ایسا نہ جانا یا اُس کی کسی بات کو غلط مانا تو وہ تکذیب کرنا والا قرآن کا ٹھہرے گا اور تب کفر کی نسبت اُس کی طرف کیاوے گی۔ یہ مذہب تو اصل متعقین کا ہے۔ مگر جو لوگ ہمارے مذہب کی تحقیق کے حد پر نہیں پہنچتے اور جنہوں نے کفر کو غلط سے بھی زیادہ اذراں کر دیا اور بات بات پر مسلمانوں کی طرف کفر کی نسبت کی اُنہوں نے قرآن مجید کا انکار و ذرا سے اختلاف پر لوگوں کی طرف منسوب کیا اور نہایت بے احتیاطی سے کلام الہی کی تکذیب کے فتوے جاری کیے چنانچہ بعضوں نے فرمایا کہ جو شخص اصول مذہب یا تردید کا مستعد نہ ہو وہ منکر قرآن ہے بعضوں نے کہا کہ جو کوئی عقاید اشعری کا قائل نہ ہو وہ کذب قرآن ہے۔ پھر جنہوں نے اشاعرہ کو کاغذ بنانا کہ وہ علی العرش استوی کی حقیقت ظاہری سے منکر ہیں اشاعرہ نے جنہوں کو منکر قرآن خیال کیا کہ وہ آیہ لیس کے مسئلہ شئی کے ضمن میں کو نہیں مانتے۔ سننیوں نے معتزلیوں کی طرف انکار قرآن کی نسبت کی کہ وہ خدا کی رویت کا جو قرآن سے ثابت ہے اعتقاد نہیں رکھتے۔ معتزلیوں نے اُن کی خدا کا کلام جاننا اثبات صفات سے توحید کا اقرار نہیں کرتے۔ اس تکذیب تکفیر نے اُس میں مذکور ہے کہی کہ قطع نظر اختلاف اصول کے اختلاف فروع سے بھی ایسے دوسرے قبیل اخبار و قصہ اقرآن کی کی اور اپنے فتنوں اور شبہات کی تائید میں خدا کے قبیل اخبار و قصہ اقرآن کی کی اور اپنے فتنوں اور شبہات کی تائید میں خدا کے جانا ہو۔ مگر اُن الفاظ میں بعض خفیوں نے شافعیوں کو اور بعض شافعیوں نے خفیوں کو منکر اقرآن کہا ہے۔ مگر اُن الفاظ میں بعض خفیوں نے شافعیوں کو اور بعض شافعیوں نے خفیوں کو منکر اقرآن کہا ہے۔ مگر اُن الفاظ میں بعض خفیوں نے شافعیوں کو اور بعض شافعیوں نے خفیوں کو منکر اقرآن کہا ہے۔

جو تفسیر میں سب تلامہیں کوئی چارہ اس بلا سے نکلنے کا نہیں کیونکہ اُن کا دین ایمان  
عالموں کے اقوال اور فقیہوں کی کتابیں ہیں۔ اور وقت بیروں کے کشمکش کی طرح  
ہر رنگ کے کھانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر اُن شخص تحقیق کا آرزو مند ہو اور  
بے سوچے سمجھے کسی بات کو نہ مانے اُسے اس گرداب بلا سے نکلنے کا موقع حاصل ہے  
اور وہ موقع کیا ہے۔ قرآن کی اصلی تصدیق و گذیب پر نظر رکھنا۔ حقیقت تصدیق و گذیب  
کی نوعیتیں اور پست چکارا اُب اُن قیود و شرائط کی تشریح کرتا ہوں جو اُن میں کی  
گئی ہیں۔ میں نے اور لکھا ہے کہ ان حالات میں انکار قرآن کی نسبت کسی طرف کرنا  
جائز نہیں۔

اولاً۔ اُن الفاظ اور کلمات کی جن کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی  
کسی اصل سے منجملہ اصول دین کے یا کسی مسئلہ سے منجملہ مسائل صحیحہ تعلیم کے یا کسی امر  
منجملہ امور موجودہ واقعہ کے ہوتی ہو ظاہر ہی مبنی مراد نہ لینا بلکہ وہ اصلی اور حقیقی  
معنی مراد لینا جو قرینہ مقام اور محاورہ عرب کے مخالف اور شائع کے مقصود اصلی  
کے برعکس ہوں۔

ثانیاً۔ اسماء موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے  
وہ حقیقت مراد لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب و سنت سے  
ہو تا ہونہ جس کے اثبات پر سوائے اوام و فہم کے کوئی عقلی دلیل ہو اور اُن  
اسماء سے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی  
یا عقلی یا شیبہ کی۔

ثالثاً۔ اُن آیات احکامی سے جن کی تعلیم بظاہر معلوم ہوتی ہو بلحاظ اصول  
صحیح کل عام بتعلیل تخصیص کے بعض حالات کو باستدلال کتاب و سنت مستثنیٰ ہو  
رابعاً۔ اُن مسائل اصولی و فروعی کا جو صاف صاف لفظوں سے ثبوت ثابت نہ ہوتے  
ہوں مگر قیاس عبیدہ لوگوں نے انحراف کیے ہوں ماننا۔

خامساً۔ قرآن مجید کی اُن تفسیروں کو جسے بلا سند صحیح صاحب کتاب لکھ لکھوں  
نے اپنی سمجھ اور اپنی فہم کے مطابق بیان کی ہو وہ اصیل مقبول نہ جانا۔

## پہلی صورت کی تصریح معنی قرآن کے بعض الفاظ

سے ظاہری معنی مراد نہ لینا

جرا الفاظ قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ہر موقع اور مقام پر اُن کے وہی ظاہری معنی مراد لینا ضرور ہے جس کے واسطے وہ لفظ موضوع کیے گئے ہیں بُری دہانی ہے۔ اور اسی واسطے مذکور کتاب کسی نے اہل تحقیق سے ایسا خیال کیا نہ کوئی کر سکتا ہے کیونکہ خدا نے قرآن مجید کو عرب کی زبان میں نازل کیا۔ اُن کے محاورہ اور انجی بول چال کے مطابق الفاظ کا استعمال کیا۔ پس ہم کو اُن کا محاورہ دیکھنا چاہیے کہ اہل عرب ہمیشہ لفظوں کو اُن کے ظاہری ہی معنی پر محمول کرتے تھے یا نہیں۔ جیسا ہم عرب کے کلام میں پادیں ویسا ہی قرآن مجید کی نسبت خیال کریں پس جب ہم عرب کے کلام پر نظر کریں اور اُن کے محاورہ اور استعمال کو دیکھیں بلکہ عرب کے سوار و دنیا کے اگاہ اہل زبانوں کی بول چال پر غور کریں تو کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ الفاظ ہمیشہ اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول نہیں کیے جاتے۔ بلکہ مختلف معنی اور مختلف مقصود پر اُن کا استعمال ہوتا ہے۔ اور اُن معانی مختلفہ میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص قرینہ اور محاورہ کے مطابق خود ذہن سلیم پر منحصر ہے۔

اب ہم دُرُغور سے اُن معانی مختلفہ پر غور کرنا چاہیے جن پر الفاظ دلالت کیا کرتے ہیں چنانچہ مراتب دلالت الفاظ پانچ ہیں۔ اول دلالت کرنا الفاظ کا وجود ذاتی پر۔ دوسرے دلالت کرنا وجود حسی پر۔ تیسرے دلالت کرنا وجود خیالی پر۔ چوتھے دلالت کرنا وجود عقلی پر پانچویں دلالت کرنا وجود تشبیہی پر۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود ذاتی پر یہ ہے کہ جس معنی کے واسطے وہ وضع کیا گیا ہو اسی پر دلالت کرے اور وہ جسے جسکی تعبیر اُس لفظ سے کی گئی ہو وہ حقیقت خارج میں موجود بھی ہو یا نہ ہو کہنا کہ ابولہب کا فرخشاں مرتبہ میں داخل ہے کیونکہ بد تو اترا نہ ثابت ہے کہ ابولہب ایک مرد مکہ کا رہنے والا تھا اور وہ کافر تھا۔

دوسرے دلالت کرنا لفظ کا وجود حسی پر یہ ہے کہ جس چیز کا بیان کیا گیا ہو

وہ فی نفسہ موجود نہ ہوا اور خارج عن الحس اُس کا وجود پایا نہ جاوے بلکہ صورت مثالی اُسکی خیال میں آنا ہی اُس کا وجود سمجھا جاوے اور اُس صورت مثالی کی تفسیر لفظوں میں کی جائے جس طرح ہمارا کہنا کہ ہم نے جب تبدیل امین کو خواب میں دیکھا پس حقیقت میں نہ وہ ہمارے پاس آئے نہ اُن کی صورت ظاہری ہمارے سامنے ہوئی۔ بلکہ اُن کی صورت مثالی جو ہمارے ذہن میں گذری وہی اُن کا وجود سمجھا گیا۔ پس اس مقام پر وجود خبرِ شل ہے مراد وجود حقیقی جسمانی نہیں ہے بلکہ صورت مثالی اور وجود روحانی مراد ہے اور چونکہ قرینہ مقام اس کلام کو مترتباً نقل پر یعنی وجود خارجی مراد لینے پر مانع ہے اس لیے وجود حسی مراد لینا ضرور ہوا۔

تیسرے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود خیالی پر۔ وہ یہ ہے کہ محسوسات کی صورت و اشکال کا جبکہ اُنکے سے غایب ہوں دیکھنا اور اُس دیکھنے کو الفاظ کے ذریعہ سے بیان کرنا۔ مثلاً ہمارا کہنا کہ کعبہ کو دیکھ رہے ہیں اور حاجیوں کا طواف کرنا ہماری آنکھ کے سامنے ہے حالانکہ ہم نہ کعبہ میں ہیں حاجی ہمارے سامنے ہیں مگر کعبہ کی صورت اور حاجیوں کے طواف کی تصویر ہمارے خیال میں ہی اُنچوائے لفظوں سے تعبیر کیا۔ پس مقام پر یہی ایفاد اپنے اصلی معنی پر محمول نہیں ہو سکتے اور سوائے وجود خیالی کے دوسرے وجود رویت اور ہائے طواف کا کسی کے ذہن میں نہیں گذر سکتا بخلاف اسکے گریہ یا تہنیت ہم کہیں کہتے جبکہ جی ہمارے سامنے طواف کرتے ہوتے تو اُس وقت اس کلام سے اصلی معنی سمجھے جاتے اور ایفاد وجود خارجی پر دلالت کرتے۔

چوتھے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود عقلی پر۔ وہ یہ ہے کہ طلب اُن لفظوں میں بیان کرنا جو اصلی حقیقت اُن الفاظ کے معانی کی عقلاً ثابت ہو۔ مثلاً ہمارا کسی بے شرم آدمی کو کہنا کہ اُسے کچھ دکھلائی نہیں پڑتا۔ پس دیکھنے کا اطلاق ظاہر میں اُسی پر ہوتا ہے جو کہ ظاہری آنکھ نہ رکھتا ہو۔ مگر جو متصور دیکھنے سے عقل کے نزدیک ہے وہ اس مقام پر مراد ہے پس نیک و بد میں تمیز کرنا پس اس مقام پر اُن لفظوں کا محل سوائے وجود عقلی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

پانچویں۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود تہیسی پر۔ وہ یہ ہے کہ اُس چیز کا بیان کرنا جو کہ نہ خارج میں موجود ہو نہ حواس اور خیال سے متعلق ہو نہ اسکی کوئی حقیقت خاص ہو بلکہ

کسی دوسری چیز کی کسی صفات یا خواص میں سے کسی ایک صفت یا ایک خاصہ سے مشابہ ہو اس مشابہت کا بیان کرنا جس طرح ہمارا یہ کہنا کہ فلاں شخص آفتاب جیسے نیل آفتاب کے مشہور ہے۔

پس یہ پانچ مرتبے موجودات کے ایسے ہیں کہ جب وہ الفاظ میں بیان کیے جاو گئے تو منہجوران مراتب پہنچانے کے کسی ایک مرتبہ پر ان کا محمول کرنا ضرور ہوگا اور میرے کلام کے ایسے ہیں کہ ہر عامی اور ہر جاہل نبی بول چال میں روزمرہ اس کا استعمال کرتا ہے اور ہمیشہ بات چیت میں ان حقائق و دقائق کو ادا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرب کے دیستان کے پھرنے والے اور حجاز کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بکریاں چرانے والے بغیر سمجھائے بے بتائے قرینہ اور قیاس سے موافق قرینہ مقام کے ان الفاظ سے ان کے کوئی کیا معانی ان معنیوں میں سے خود بخود سمجھ جاتے تھے اور ان کی ساری دنیا کے جاہل اور بے پڑ سے لکھے آدمی ان مراتب کی رعایت اپنے بولنے اور سمجھنے میں رکھتے ہیں گو وہ ان کی ترتیب و درجہات نہ سمجھیں و اس حقیقت کو اپنی زبان سے ادا نہ کر سکیں۔ پس الفاظ کے دلالت کرنے سے ان معانی پہنچانے پر کوئی شخص نہیں ہے جو انکا کرے۔ اور جب یہ بات سب کے نزدیک سلم ہے تو اب ہم کو خدا و رسول کے کلام پر نظر کرنی چاہیے کہ ان کے کلام میں بھی ان مراتب کی رعایت ہے یا نہیں پس اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں ہے تو یہ منسوط اور جنون ہے کیونکہ خدا کا کلام جو ہماری ہدایت کے لیے نازل ہوا ہمارے ہی محاورہ اور ہماری ہی طرز پر ہے۔ وہی بل چال ہے جو ہمارے روزمرہ میں ہے۔ وہی طرز و انداز ہے جو رات دن ہمارے استعمال میں ہے۔ اُس نے اپنے مقصود کو ہماری ہی بولی میں ہمارے ہی طور پر ادا کیا ہے۔ اُس نے اپنے کلام قدسی بے صوت و حرف کو ہمارے ہی لفظوں اور ہمارے ہی کلام کے پیرایہ میں ظاہر کیا پس سوائے سرے کے جاہل کے کون ہے کہ یہ کہے کہ اُس نے اپنے الفاظ کے مدلول کو محدود کر دیا اور سوائے وجود خارجی کے موجودات کے اور مراتب کا اپنے کلام میں لحاظ نہیں رکھا اور جس طرز پر ہم میں سے ہر جاہل و عامی گفتگو کرتا ہے اُس طرز کو بدل دیا حقیقت میں نہ خدا نے ایسا کیا نہ ایسا ہو سکتا تھا۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ خدا کو ہماری روحانی تعلیم منظور تھی اور ہکو وہ باتیں بتانا چاہتا تھا جسے ہماری آنکھ نے

رگ اور خون سب چسپیزوں کا ماننا پڑے۔ اور جب ہم نے ایسا مانا تو ہمارے کفر میں کیا شبہ رہا۔ پس بوجہ اس کے کہ لفظ کے ظاہری معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی ایک اصل سے منجملہ اصولین کے ہوتی تھی تجاوز کرنا اور اس کا وجود جلی مراد لینا ضرور ہوا۔

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ مسلمانوں میں سے کسی نے ایسے ظاہری معنی مراہم نہیں کیے بلکہ ہمارے اس زمانہ سے بجا نہیں تھے۔ یہ بھی زیادہ تر دانشمند اور ان سے بڑھ کر قرآن کی تصدیق کرنے والے گذر گئے۔ ایسا جنہوں نے ایسے تمام پر بھی ظاہری معنی مراد لینے کو انکار اور تکذیب قسم قرآن خیال کیا ہے اور اپنی صلیبی ایمان اور اور تصدیق قرآن کی بدولت خدا کی صورت و شکل کے قایل ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں بطور نمونہ کے بیان آیا ہوں۔

مشبہ حیوانی شکل منہر اور امدی تہی کے اس بات کے قایل ہیں کہ خدا بھی جسم ہے گو اس کا جسم ہمایا نہیں ہے اور اس کے عضو اور بروج بھی ہیں اور اس سے ملنا اور مصافحہ کرنا اور معانقہ کرنا بھی ممکن ہے اور مشبہ کرامیہ یا ان الی عبد اللہ محمد بن کرام کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر اوپر کی طرف سے ابھرا بیٹھا ہوا ہے اور اٹھتا چڑھتا رہتا ہے اور بعض حیوانوں نے تو صاف کہا ہے کہ خدا جسم ہے چہرہ مختلف کیا ہے کہ آیا وہ گوشت پوست سے مرکب ہے یا نہیں اور پھر قداس کا سات باشت کا ہے یا نہیں اور پھر صورت اس کی کیسی ہے آدمیوں کی سی ہے یا نہیں۔ پھر بعضوں نے کہا ہے کہ لونڈے کی سی شکل ہے اور لکھو مگر والے بال ہر طرف ہیں۔ بعضوں نے فرمایا ہے کہ بدھا ہے اور اس بات کے بھی قایل ہوئے ہیں کہ جگہ بدلتا رہتا ہے۔ اور یہ سب خوش اعتقاد اور قرآن و حدیث کے لفظوں پر کامل ایمان رکھنے سے ایسے تنہرہ اور تقدس کے معتقد اور خدا کے لونڈے یا بدھے ہونے کے قایل ہوئے۔ اور پھر اگر ان کی دلیوں کو کوئی دیکھے تو سوائے اس اصول کے جو ہم نے بیان کیا اور جسے ہمارے مذہب کے سارے محققین مانگتے آئے ہیں کوئی جواب ان کا دے ہی نہیں سکتا اور موقوف اس عقیدہ کے جو پابندی لفظ پر اس زمانہ کے لوگوں کا ہے سوائے ایسے اعتقاد رکھنے کے جس کا ثبوت الفاظ ظاہری سے ہوتا ہے ہر شخص منکر جز قرآن سمجھا جاتا ہے۔

پھر یہ خیال نہ کیا جاوے کہ یہ غلطی صرف بعض لوگوں کو مہوئی۔ بلکہ افسوس کہ ہزار  
 افسوس ہے کہ بعض بڑے بڑے محدثین اس باب میں پڑ گئے جیسا کہ محقق دوانی نے  
 شرح عقاید عضدی میں لکھا ہے کہ اکثر المجتہدین ہمراہ انظار ہونے المتبعون لظہر  
 الکتاب والسنۃ و اکثرہم المحدثون یہی کثرت تبحر کے متقدروہ لوگ ہیں جو علماء  
 اہل نظر قرآن و حدیث کی تعجیب کرتے ہیں اور کثرتِ اُن میں سے محدثین ہیں۔ پھر  
 بعض کا یہ قول ہے کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ حدیث کی حدیث ہے کہ روایتِ ربی  
 فی احسن صیوۃ توہ دردت سے نکال کر یا قول رسول سے انکار کرنا ہے۔ کسی کی یہ مثال  
 ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ محمد بن عبد اللہ نے فرمایا ہے کہ خلق اللہ آدم  
 علی صغرہ یا علی صغرۃ الذنوب۔ تو ان کو آدمی کی صورت نہ سمجھنا انکار رسول اور  
 تہذیب حدیث ہے۔ کوئی نہ کہ اسے کتب صحیحہ میں نہ کہے۔ پتوں ہونے پر صحیح حدیث  
 منقول ہے کہ جب وہ دفن میں اپنا قبور رکھ دیکھا تب دفن کا ہل من منید کہا بند  
 ہو گا۔ تو اس کے پاؤں سے انکار کرنا صحیح حدیث کو غلط کہنا ہے۔ کوئی اس نشہ میں مبتلا  
 ہے کہ نہ انے خود اپنی بات ہونے کا ذکر قرآن میں فرمایا ہے کیونکہ یکشف عن سابق  
 اثبات اس حدیث سے ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ فیاتہم الجبار  
 فی صورۃ غیر صورۃ الہی بل وہ فیما اقل مرۃ الخ تو اس کا نہ ماننا جزو قرآن کا منکر ہونا  
 ہے۔ پس یہ مستغنی صاحب کی حدیث میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ ایسی صحیح  
 روایات، و ایسی صاف روایات کو جس میں حدیث کی صورت اور شکل اور باتوں اور لفظ اور  
 قد قدامت کا بیان ہے نہ ماننا ان کے نفسوں کے ظاہری حسی پر محمول نہ کرنا کس وجہ  
 سے انکار جزو قرآن نہیں ہے اور کیوں خدا کی صورت و شکل سے متعین باوجود ایسے  
 اہل کمال کے گمراہ تصور کیے گئے ہیں۔ پس جو وہ اسکی جو وہی اُن لوگوں کی نسبت  
 سمجھا جائے جو ایسی ہی ضرورت کے سبب سے ظاہری حسی چھوڑ کر دوسرے معنی مراد  
 لیتے ہوں۔ پس اُن لوگوں کو جو ایسے ظاہری لفظوں سے اُن کے لفظی معنی مراد نہ لیں  
 محقق اور امام اور دانشمند جاننا اور اُن لوگوں کو جو ایسی ہی ضرورت سے انہ کسی الفاظ کے  
 لفظی معنی مراد نہ لیں کا فراء و نہکر جزو قرآن سمجھنا ایک عجیب بات ہے۔



## دوسری مخالفت قرآن حدیث کی کسی مسئلہ سے

### منجملہ مسائل صحیحہ عقلیہ کے

جس طرح پر الفاظ کے ظاہری معنی اُس حالت میں مراد نہیں لیے جاتے جبکہ وہ اصل کے اصل کے اصول دین سے ہوں۔ اسی طرح اُس حالت میں بھی مراد نہ لیے جاویں گے جبکہ وہ مخالف کسی اصل کے اصول صحیحہ عقیدہ سے ہوں۔ لیکن یہی اصل کا پہچانا آسان ہے اور اس کا پہچانا دشوار مشکل ہے اس لیے صرف الفاظ کا ظواہر سے اس اصول کی وجہ سے بہت دانا اور محتاط اور اُس آدمی کا کام ہے جو کہ معقول و منقول اصولوں سے بخوبی واقف ہو اور جس نے کسی عقلی مسئلہ کو اُن صفات اور واضح اور قوی دلیلوں سے ثابت کر لیا جس میں کچھ شبہ نہ ہو سکے اور جس میں قیاس اور فیه باقیہ کا نام تک نہ ہو لیکن اصل مول کے اتنی غصہ صحیحہ ہونے میں کچھ کلام نہیں ہے کہ جو الفاظ اصول صحیحہ عقلیہ کے مخالف ہوں اُن کا صرف من انظار ضرور ہو گا۔ پس اگر کسی سے کچھ عقلی اصول صحیحہ عقیدہ کے اثبات میں ملو وہ اتنی خطا ہے مگر اس سے اصول کی صحت میں کچھ خلل نہیں ہو سکتا چنانچہ میں ایک دو مثال سے اسے سمجھاتا ہوں۔

منجملہ اصول صحیحہ عقلیہ کے ایک یہ اصول ہے کہ امراض اور کیفیات متناسل شکل و صورت اور منطبق جسم و نبات نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً عقل اور زندگی اور موت کے یہ سب اعضاء ہیں پس اُن کا کوئی وجود خارجی نہ ہو گا۔ پس اگر اُن کے وجود کا ذکر کسی جگہ قرآن حدیث میں ہو تو لامحالہ اُس کا مرتبہ اول پر رکھنا معنی اُس سے وجود خارجی اُس کا مراد لینا ممکن نہ ہو گا بلکہ دوسرے مرتبہ پر لیجانا اور اُس کے وجود سے وجود حسی یا وجود عقلی مراد لینے کی ضرورت ہوگی پس جہاں قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ خلق الموت و الحیۃ تو اس سے اگر کوئی اُن کا وجود خارجی مراد لے تو ایک اصل صحیح کے اصول صحیحہ عقیدہ سے مخالف ہونے سے اس لیے ضرور اُس سے وجود عقلی اُس کا مراد ہو گا اور اگر چاہے نفی ہو کسی کا زیادہ تر وجود خارجی پر نہیں ہوتا مگر جہاں اسکی زیادہ ترجیح ہے وہاں اُس کے معنی کی زیادہ ضرورت ہوگی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے

عقل کو پیدا کیا اور اُس سے کہا کہ آگ ہو۔ وہ آگ ہوئی۔ پھر کہا کہ بجھ چھٹ وہ بجھے  
 ہٹ گئی۔ یا حدیث میں آیا ہے کہ موت کو بصورت میٹھ سے کے قیامت کے دن  
 لاویں گے اور اُسے درمیان دوزخ و جنت کے فوج کریں گے تو اب اس مقام پر انھوں  
 سے اگر کوئی اُس کا وجود خارجی ظاہری درجے تو ضرور اُنسی غرض اور کیفیات کا مشکل  
 بیشکل اور متقلب مجسمانہ ہونا ناچار ہے اور اُسے نہ مانے گا۔ تاہم اس کا عقل کے گویہ میں  
 گذر بھی نہ ہوا ہو۔

یا قرآن مجید میں آیا ہے کہ میں شیطان سے جو مجسمہ کہ کوئی پس نہ ہیں ہے مگر  
 وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ یہاں تسبیح سے مراد ہوا ہی تخریج سبحان اللہ کہنا نہیں ہے کیونکہ  
 نباتات اور جمادات وغیرہ کچھ زبان نہیں رکھتے۔ پس یہاں تسبیح کے وجود سے مراد اس کا  
 وجود عقلی ہے لیکن فسوس ہے کہ ہمارے مذہب میں بعض ایسے بھی تصدیق کرنے والے  
 گذرے ہیں کہ انہوں نے تسبیح سے مراد تسبیح زبان ہی ہے۔

یا قرآن مجید میں آیا ہے کہ خفایا لہا وللارض اشتیا طوعنا او کرھا قالنا اتینا  
 طاعتین۔ تو یہ سمجھنا کہ خدا نے قیامت میں ان سے کلام کیا اور سامان اور زمین نے  
 حقیقت کچھ جوابے یا اور اپنی زبان سے یہ کہا کہ ائدینا طاعتین بڑی نادرانی ہے بلکہ یہاں بھی  
 یہ الفاظ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں ہوتے۔ اور اُس سے سوائے وجود عقلی کے  
 دوسری مراد نہیں لی جاسکتی۔

## تیسری مخالفت اُس کی کسی امر سے منجملہ امور واقعیہ کے

جو الفاظ قرآن وحدیث کے ایسے ہوں جن کے ظاہری لفظی معنی کہنے  
 سے مخالفت کسی امر کی امور واقعیہ سے ہووے عام اس سے کہ ان امور کی واقعی  
 حقیقت عقل و علم سے ثابت کی گئی ہو یا تحقیقات اور تجربہ سے یا روایت اور شاہدہ  
 سے یا اخبار صحیحہ متواترہ سے۔ تو وہاں بھی اُس لفظ کے ظاہری معنی سے منجانب  
 کرنا اور کسی ایک مرتبہ منجملہ مراتب پنجگانہ دلالت الفاظ کی تعجبنا ضرور ہوگا

لیکن اس مقام پر یہی آیت یا ظاہر عقل اور دیانت شرط ہے کیونکہ اُن امور کا امواجبہ  
نہایت کرنا دراصل مشکل ہے لیکن گو اسکی تفصیل اور تصریح اور ثبات شکل ہو مگر یہ اصول  
بالکل ٹھیک ہے۔

مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کی قبر ہر تہہ با تہہ وسیع ہو جاتی ہے۔ اور  
جو وصویرات کے چاند کی طرح اُس کا چہرہ روشن ہوتا ہے اور کاف کی قبر پر ۶۹  
اُردو سے مسلط ہوتے ہیں اور ہر ایک اُردو صافیا کو سنے فیا تو سے سانب ہوتا ہے اور  
چربانپ کے سات سات صر ہوتے ہیں جو کر قیامت آتے آتے کاشٹے رہتے ہیں  
پس ایک مزیاسے جس کا وجہ خارجی کبھی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر میں مسلمان  
کی قبر جو چڑھی ہوتی ہے نہ اُس کا چہرہ بد کے ہاتھ روشن ہوتا ہے نہ کسی  
کافر کی قبر میں سانب بچھ جاتے ہیں۔ پس ہر شخص اس حدیث کے الفاظ کو  
اُس کے ظاہر ہی سنی پر محمول کرے تو ضرور اُس کا دل اس قول کی تکذیب کریگا  
کیونکہ واقعہ میں اسکو نہ پائے گا۔ پس اسے اس کے اوپر کچھ چارہ نہیں ہے کہ ان لغاء  
کو اس کے ظاہر ہی معنی سے متجب اور ذکر کے اُس کو دوسرے مرتبہ پر ترجیح دیں اور ان سب  
چیزوں سے اُس کا وجود ہی مراد لیں۔

بعض لوگ اس اصول کے انکار کرنے پر یسٹہ بر کریں گے کہ جو کچھ قرآن وحدیث میں  
ذکور ہے وہی عذاب متقول کے ہے۔ اور یہی عذاب رافع کے ہے۔ پس متولات  
اور مشاہدات اور تجربات کو حاصل نہ کر دینا اور مسکران وحیہ بیت کے غفلوں کو دلیل  
کر کے اسے اُن متولات وغیرہ کے خلاف کرنا نشانہ ایمان نہیں ہے حالانکہ یہی  
غلطی ہے اس لیے کہ جب یہ الفاظ اولکسات کا استعمال اس طور پر جاری ہے کہ  
اُن سے سوائے ظاہر ہی سنی کے اور معنی بھی مراد دیے جاتے ہیں تو اسکا ظاہر ہی  
معنی سے متجب ذکر کرنا اور دوسرے اعلیٰ معنی مراد نہ لینا نہ خلاف مساورہ کے ہے  
نہ برعکس ہمارے خیال کے ہے نہ کوئی عاقل اور حسل نشانہ سب طعنہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی  
اُس تاویل کو بنا دیشہجہ سکتا ہے۔ خیال کرو کہ جب ہم کسی شخص کو غصہ میں دیکھ کر  
کہتے ہیں کہ اُس کے بدن میں آگ لگ گئی اُس کے بدن سے چنگاریاں نکل رہی ہیں تو  
کیا اُس سے حقیقی آگ اور اصلی چنگاریاں مراد لیتے ہیں۔ اور جب ہم کسی شخص کو خوش تقریر

بات کرتے ہوئے دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ اُس کے مونہ سے کیا پھول جھڑ ہے ہیں تو  
 کیا اُس سے مراد گلاب اور جنبیلی کے حقیقی پھول ہوتے ہیں۔ یا جب ہم کسی کو نہایت  
 تکلیف میں دیکھ کر کہتے ہیں کہ اُس کے بدن سے سانپ بچھو چٹے ہوئے ہیں اُس سے  
 مراد ظاہری سانپ بچھو ہوتے ہیں پس جب کہ یہ باتیں ہمارے محاورہ اور ہمارے استعمال  
 میں موجود ہیں تو کیا اُسی محاورہ اور استعمال پر الفاظ قرآن و حدیث کو محمول کرنا بناوٹ  
 پہنکی بات و دلیل ناجائز یا مکذیب دان ہے جو کوئی ایسا خیال کرے پھر یہ کہنا کہ مخالفت  
 معقولات کی اور مخالفت امور واقفہ کی قاطع صحت کلام نہیں ہے صرف جاہلوں کا  
 قول ہے کوئی قائل ایسا نہیں کہہ سکتا نہ کسی نے ایسا کہا چنانچہ میں اس بحث کو امام غزالی کے  
 اُس قول کے نقل کرنے پر تمام کرنا ہوں جو مضمون نے تہافت الفلاس میں لکھا ہے  
 ولنعم ما قال رحمۃ اللہ علیہ الشانی مآلہ فیفید من مذهبہم فیہ اصلاء من  
 اصول الدین الخ یعنی جو باتیں و دلیل مہندسیہ اور براہین عقلیہ سے ایٹکی بت ہیں کہ جیسے  
 کچھ شک نہیں ہے اُس کے صحیح جاننے کو خلاف شرع جاننا بڑی غلطی ہے اور حقیقت  
 میں دین کا ضعف ظاہر کرنا ہے کیونکہ جو شخص اُن دلیلوں سے آگاہ ہے وہ تو اُس پر کامل  
 یقین رکھتا ہے پس جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ مخالف شرع کے ہے تو وہ اُن باتوں کو غلط  
 سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے وہ نہایت قوی و در روشن دلیلوں سے ثابت ہے اس شرع  
 میں شک کرنے لگے گا۔ اور بھیج کر کہ شرع بھی خوب ہے جو مخالف معقولات صحیح کے ہے  
 لشکر دین ہو جاوے گا۔ پس جو شخص شریعت کی مدد اور حمایت غلط طور سے کرتا ہے اور  
 شریعت کو نقصان پہونچاتا ہے تو اُس ضرر کا وبال اُس شریعت کے دوست پر ہے کیونکہ  
 اُہمیت میں تو حقیقت کوئی بات خلاف معقولات صحیح کے نہیں ہے اُس کہنے والے  
 کے نزدیک البتہ ہے۔ پس اُس شریعت کے مددگار سے تو شریعت کا دشمن ہی چھا  
 ہے۔ اور سچ کہا ہے جس نے کہا ہے کہ دوست جاہل سے دُعا دشمن اچھا ہے اور  
 اگر فرض کیا جاوے کہ شریعت میں کوئی بات بظاہر مخالف اُن معقولات مسلمہ کے ہو تو  
 تاویل اسکی آسان ہے نسبت نہ ماننے اُن امور قطعی یقینی کے اور یہ بات کچھ خلاف شرع  
 نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے الفاظ کی تاویل کی گئی ہے۔ ایسی وجوہ  
 سب سے جو کہ اُن لایال عقلیہ کے برابر قوت میں نہیں ہے تو کیونکر ان معقولات صحیح کی

مطابقت کے لیے وہ الفاظ تاویل نہ کیے جاویں اور جو اس کا انکار کرے اور یہی دلیل  
کو ناجائز بتا دے وہ حقیقت میں شرع کے باطل کرنے اور دین کے جھوٹے ہونے اور  
بدیہوں کو خوش ہونے کی راہ کھولتا ہے۔ فمن ياخذ العلوم من الفاظ المنقولة  
المأولة والعمومات المخصوصة كان الضلال عليه اغلب ما لم يهتد بنور الحق  
الى ادراك العلوم على ما هي عليه۔

غرض کہ یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے ہمیشہ اُن کے  
ظاہری معنی مراد لینا نہ درست نہیں بلکہ بعض حالات میں اُن کے ظاہری معنی کہنا ناجائز  
اور منع ہے پس جو شخص کسی وجہ اور ضرورت اور سبب سے منجملہ اُن وجوہ کے جو ہم نے  
بیان کیے ظاہری معنی کسی لفظ کے نہ لے تو بے سمجھے اُسے منکر جزو قرآن کہنا بڑی غلطی  
ہے کیونکہ اُس کا اثر بہت دور تک پہنچے گا۔ اور بڑے بڑے اماموں عالموں کی شان میں  
بھی کچھ کچھ فتنے آویں گا بلکہ حقیقت میں اصول شریعت کا فایز رعنا مشکل ہو گا۔

جو کس پہلے امر کا بیان ہو چکا کہ الفاظ ظاہری کو اُس کے لفظی معنی پر بعض مقام پر  
محمول کرنا مکذیب قرآن نہیں ہے اس لیے اب میں دوسرے امر کا بیان کرتا ہوں کہ  
اسما موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بالشریح اُن کی حقیقت ہے وہ تحقیق مردود نہ  
لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت کتاب وسنت سے نہ ہوتا ہو اور نہ جس کے  
اثبات پر سوائے اولام و فطنوں کے کوئی عقلی دلیل ہو مکذیب قرآن نہیں ہے۔

دوسرا امر کہ اسما موجودات کی اُس حقیقت

سے انکار کرنا جہل کا ثبوت کتاب وسنت

سے نہ ہوتا ہو

بہت سی پسندوں کے نام قرآن وحدیث میں کو ہیں جن کی کچھ حقیقت بیان  
نہیں کی گئی مگر جیسا کہ لوگ اُن کی حقیقت سنتے آئے یا اپنی عقل اور سمجھ سے کچھ اُس کی  
ماہیت ٹھہرا کر اُسے سنتے سنتے اوروں کیسے دیکھتے وہ حقیقت اُس نام کے لفظی معنی کے

طور پر تصور کی گئی یہاں تک کہ جب وہ نام لیا جاوے تو اُس سے وہی حقیقت جو ذہن میں سامنی ہوئی ہے سمجھی جاوے۔ پس اگر کوئی اُن ناموں کو مانے مگر اُس کی اُس مغرورانہ حکمت کا منکر ہو تو وہ سن کر جزو قرآن نہ سمجھا جاوے گا کیونکہ حقیقت میں وہ حقیقت جزو قرآن نہیں ہے۔ مثلاً آسمان کا جا بجا ذکر قرآن میں ہے لیکن اُسکی حقیقت اور اہمیت ہمیں بتائی کہ وہ کس چیز بنا ہے، اور کیا ہے اور کتنی گور ہے۔ اور فی نفسہ وہ کچھ وجود جسمانی خارجی رکھتا ہے یا نہیں۔ اور اگر رکھتا ہے تو وہ کیا ہے اور کیسا ہے جاہل تو اس نیکیوں چھت کو جو انہ سے نجاتی ہے آسمان جیسے ہیں اور عالم اسے ہم کر دی محیط للارض لبتے ہیں اور جو الہی نعمت میں اُسکی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ ان کے لفظ سے مراد لیتے ہیں۔ اور یہ نسبت آسمان کی اُس کے لفظ کے ساتھ ایسی مل گئی ہے کہ آسمان کے لفظ سے وہی سمجھی جاتی ہے۔ پس اگر کوئی اس حقیقت کا انکار کرے اور اُسے نہ مانے وہ یہ کہے کہ یہ ان کے اوپر یقین رکھتا ہوں وہ سمجھتا ہوں کہ وہ خدا کا بنا ہوا ہے نہ کہ کسی دوسرے کا کہ اُنکی وہ عقیدہ نہیں ملتا۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں پس اُس کا انکا حقیقت میں انکار لوگوں کے بیان کرنے اور سمجھنے کا ہے نہ خدا کے حکام کا۔ باقی اُسکی حقیقت دریافت کرنے اس کے نیچے مہذب حقیقات عقلی فرائض ہے۔ شائع کو اُس سے کچھ تعرض نہیں۔ من شاء فليقل انه جمہ کروہ محیط للارض ومن شاء فليقل دخان محیط للارض۔

یا قرآن مجید میں جا بجا شیطان کا نام آیا ہے۔ پس اگر کوئی اُس کے وجود سے مطلقاً منکر ہووے تو وہ تخریب کرنے والا قرآن کا ہے لیکن اگر وہ اُس کے وجود کو مانے اور یہ کہے کہ میں اُسکی حقیقت کو نہیں مانتا۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ خرقہ اس کے باپ کا اور تبلیغ اُسکی اں کا نام تھا اور اُسکی صورت ایسی ہے اور شکل ویسی ہے کیونکہ خدا نے اُسکی کچھ حقیقت نہیں بتائی تو وہ بھی مکتب قرآن نہیں ہے اور چونکہ وجود ہمیشہ جو جسمانی خارجی ہی مراد نہیں ہوتا پس وجود جسمانی سے شیطان کے انکار کرنا کفر نہیں ہے گو شرعی عقلی اور نادانی ہو۔ میرے نزدیک اُن لوگوں کی دلیلیں جو کہ شیطان کے وجود خارجی سے منکر ہیں اور میں اُن سے مخالف ہوں اور اُن کی سمجھاؤ

ملہ اگر چہ حق ہے مگر ایمان وجود خارجی کو اُس کے اثبات کی دلیل بنائی جائیے۔ ۱۲ سنہ

فہم کی غلطی پر افسوس کرتا ہوں مگر ان کی تاویل حشوئہ اور باطنیہ کی تاویل سے زیادہ ضعیف نہیں ہے اور نہ اصول دین میں کچھ اس سے خلل واقع ہے پس جس طرح حشو یا در باطنیہ پرستی و دلیل سے اطلاق تفسیر قرآن نہیں ہوتا تو مستحکم وجود جسمانی شیطان پر کیونکر ہو گا۔ خصوصاً اس حالت میں جبکہ ہمارے مذہب کے بعض متعقبن سابقین کا بھی یہی قول ہو۔ مگر چونکہ یہ کہے کہ جو ذکر شیطان کا قرآن میں ہے وہ مجموعہ ہے۔ نہ اس کے معنی ہیں نہ اس کی کچھ حقیقت ہے نہ اس کا کچھ وجود ہے تو بلاشبہ ایسا کہنے والا نہ صرف قرآن اور کافر سے لیکر تاویل کرنے والا اور وجود کی حقیقت میں اختلاف کرنے والا کافر نہیں ہے بلکہ غلطی اور غلطی پر ہو۔

یا قرآن مجید میں جنت اور آدم کا درخت کے کھانے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے مگر ان کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ گئیہوں کا درخت تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ اسے کھا کر آدم کو حاجت بیت الخلاء کی ہوئی۔ پس جس قدر کہ خارج از قرآن مجید ان چیزوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے اسکو نہ ماننا انکار قرآن نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ جو کچھ نسبت اس کے قرآن مجید میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور یہ قصہ صرف فرضی اور بناوٹ ہے نہ آدم کا وجود نہ خدا نہ شیطان کا نہ فرشتوں کا۔ جو کچھ قرآن مجید میں لکھا ہے تو انکار نفس مہج سے ہے۔ اور محمول کرنا اسکو اور باطنی پر اور صرف کرنا ان لفظوں کا اس کے خواہر ہے اور بیان کرنا اس کی حقیقت روحانی کا بھی سراسر غلط تاویل ہے ہمیں ایسی تاویل بدعت ہے اور یہ شعار فرقہ باطنیہ کا ہے۔ اگر ایسی ہی تاویل خصوصاً صریح کی گنجائش تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اٹھ جاوے اور عقائد اسلامیہ یونانی حکیموں کے سے ملے اور شریعت محمدیہ عیسائیوں کی ہی شریعت ہو جاوے کہ ظاہر پر کوئی اختیار باقی نہ رہے۔ ہر چیز سے مراد روحانیت اور حقیقت باطنی اس کی لی جاوے۔ حالانکہ یہ بالکل مخالف شریعت محمدیہ کے ہے۔

لے بشرطیکہ تاویل کرنے والا ضرورت پڑے تاویل سے کسی ضرورت کا ہونا ثابت نہ کر سکے۔

# تیسرا امر کہ آیات احکامی کے عموم حکم سے بعض صورتوں کو مخصوص اور مستثنیٰ سمجھنا باستدلال کتاب و سنت کے انکار مجزوق قرآن نہیں ہے

اگر قرآن آیات احکامی سے جن کا حکم عام ہو کوئی شخص ان صورتوں کو مستثنیٰ کرے جس کا ثبوت کتاب و سنت سے ہوتا ہو تو وہ تخصیص انکار مجزوق قرآن نہیں ہے اور اسی واسطے فقہانے یہ اصول قائم کیا ہے کل عام یحتمل التخصیص بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اخبار احاد اور قیاس سے بھی تخصیص جایز رکھی ہے مثلاً آیہ حرمت علیکم المیتۃ سے مرے ہوئے جانور حرام ہیں لیکن ٹڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں پس اگر کوئی اس اصول کو نہ مانے تو وہ بدعتی اور مچھلی کی حلت کو بھی انکار مجزوق قرآن سمجھیں گے۔ حالانکہ یہ دو چیزیں اس حکم عام سے بقول شارع مستثنیٰ کر دی گئی ہیں یا فاغسلوا وجہکم وابدیکم سے دھونا پاؤں کا فرض ہے مگر جب آدمی موزہ پہنے ہو تو اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور اس پر فقط مسح کرنا کافی ہے کیونکہ مسح خضین کی حدیث نے اس صورت خاص کو اس حکم عام سے مستثنیٰ کر دیا کوئی شخص آیہ ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ سے ذبايح اہل کتاب کو مستثنیٰ کرے۔ کیونکہ بقول حضرت ابن عباس کے جو ابو داؤد میں ہے آیہ طعام الذین اذوا لکتاب اسکی تخصیص ہے تو ایسی تخصیص کو انکار مجزوق قرآن سمجھنا نادانی ہے۔ اگر کسی سے اس تخصیص میں غلطی پائے کی جو جاوے تو وہ غلطی مجتہدانہ ہے نہ انکار کا فرقہ جیسا کہ ترک تسمیہ کی نسبت باہم مجتہدین کے اختلاف ہے یعنی آیہ لا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ سے مراحت اسکی ہے کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا جاوے وہ نجس حلال نہیں۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اگر مسلمان نام خدا کا وقت نیچ کے نہ لے عذاب یا سہواً



تب بھی جو حلال ہے کیونکہ اسلام اُس کا تسمیہ کے بجائے ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ  
 علیہ کے نزدیک اگر ذبح کے وقت تسمیہ کرنا قبول جاوے تو بھی حلال ہے ورنہ نہیں پس  
 یہ اجتہاد عامی کی نظر میں بالکل مخالفت نص قرآن کے ہوگا۔ اور اگر شاید سوائے ان  
 اماموں کے اور کوئی ایسا کہتا تو وہ اُسے منکر نص قرآن سمجھتا مگر حقیقت میں یہ اجتہاد  
 ہے نہ انکار۔

اسی طرح جو شخص سمجھے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ میں یہ شرط ضرور نہیں کہ وہ ہماری  
 طرح ذبح کریں بلکہ جس طرح پر وہ جانور کو مار ڈالنا ذبح سمجھتے ہوئے ہی ذبح ہمارے واسطے  
 حلال ہونے کے لئے کافی ہے اور اس سے وہ اُس جانور کو حلال جانے جسے اہل کتاب  
 نے گردن توڑ کر مار ڈالا ہو مگر وہ آیہ طعام الذین اوتوا الکتاب اور بعض احادیث سے  
 استدلال کرتے ہیں تو گو یہ غلطی الٰہی نہایت افسوس کرنے کے ہے مگر حقیقت میں انکار نص  
 نہیں ہے بلکہ تخصیص عموم حکم آیت قرآنی کی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ جب تخصیص میں غلطی  
 ہووے تو اُس تخصیص کو نیا اس کے نسبت اطلاق انکار نص قرآنی کا کیا جاوے اس لئے  
 ایسے شخص کی غلطی پر اطلاق انکار بخیر و قرآن نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ کہے کہ منخفہ جائز ہے  
 یعنی جو خود گلا گھٹ کر مر گیا ہو یا اور کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو اور بلا قید اہل  
 کتاب کے اور بے استدلال کتاب سنت کے تو ایسا کہنا انکار نص ہے اور ایسا  
 کہنے والا کافر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب +

چوتھا امر یہی اُن مسائل اعتقادی اور عملی

جو نصوص صریحہ سے بالصرحت ثابت نہ ہوتے

ہوں مگر قیاسات بعیدہ اُن لفظوں سے اُن کا

استنباط کیا گیا ہو واجب یقین اور واجب العمل نہ جاننا

مسائل اعتقادی اور عملی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو صاف صاف لفظوں سے

بلادقت ظاہر ہوں جس طرح خدا کا ایک ہونا رسول کا برحق ہونا۔ خدا کا عالم بالآخریت ہونا یا ناز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کا فرض ہونا و ضوئیں ہاتھ موٹھ کا دھونا۔ پس ایسے مسائل اعتقادی یا علمی سے انکار کرنا حقیقت میں انکار نص قرآن ہے۔ دوسرے وہ لفظوں کے یہ تاویل مبیدہ یا بدلائل قیاسیہ یا منطقیہ اور اصول موضوعہ استنباط کیے گئے ہیں جیسا کہ یہ مسئلہ کہ خدا خالق خیر و شر ہے بندہ یا قرآن مخلوق ہے یا خیر مخلوق فرشتے انسان سے افضل ہیں یا انسان ان سے مسائل خلافت اور امامت اور رویت باری تعالیٰ وغیرہ کے ان مسائل میں سے کوئی مسئلہ مباحثہ ثابت نہیں کسی نے کچھ سمجھا ہے کسی نے کچھ۔ اور بلاشبہ بعض صواب پر اور بعض غلطی پر ہیں۔ لیکن حقیقت میں کوئی ان میں سے مسئلہ قرآن اور کافر نہ سمجھا جاوے گا۔ اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اشاعرہ کے مسائل اعتقاد یہ کہ نہ ماننا یا ماتریدی مذہب کے عقاید کا معقذ نہ ہونا انکار قرآن ہے وہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اسلام نہ اشعری کے معتقدات پر نہ ماتریدی کے مسائل پر۔ بلکہ ایمان دہی ہے جو خدا نے فرمایا اور اس کے رسول نے۔ اور یہ لوگ ان کے قولوں کے شراح ہیں جہاں تک وہ صواب پر ہیں ہم مانیں گے۔ جہاں ان سے مجھول چوک ہو گئی اُسے واجب القبول سمجھیں گے۔

اسی طرح ان مسائل فروعی کا حال ہے جو متعلق حلت و حرمت اشیاء کے ہوں یا متعلق اذوراتوں کے کہ اگر وہ صاف صاف قرآن سے ثابت نہ ہوں تو ہر گز نہ ماننا انکا جزو قرآن نہیں ہے۔ مثلاً کچھ وہ۔ بینڈک غیرہ کو جنہوں نے یہ سمجھ کر حرام قرار دیا ہے کہ وہ خباثت میں داخل ہیں اور خباثت بموجب حکم آیہ و عجم علیہم الخباثت کے وجہ حرمت کی ہے۔ پس یہ کوئی حکم صریح نہیں ہے تو اگر کوئی اُس نئے کو خبیث نہ جانے اور اُسکی حلت کا قائل ہو۔ تو حقیقت میں یہ انکار اُس شے کی خباثت ہے نہ انکار حرمت خباثت سے جس کا ثبوت نص سے ہوتا ہے۔ یا اگر کوئی کتب قدیمہ مقدسہ میں تحریف لفظی کا قائل نہ ہو تو وہ مسئلہ قرآن نہیں ہے کیونکہ وہ تحریف لفظی جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے ایسے صریح لفظوں سے ثابت نہیں ہے جس کا انکار انکار نص ہو۔ پس جو شخص تحریف کا قائل ہو مگر تحریف لفظی کا نہ ہو مسئلہ قرآن نہیں ہے۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ اور چنہ

محققین مثل شاہ ولی اللہ وغیرہ کے مستکر تحریف لفظی کے ہوئے ہیں۔  
 بلکہ بعضوں نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ ان باتوں کو جو کہ متعلق مبنی اصول  
 عقاید کے نہیں ہے جن کا ثبوت اجماعاً نہیں اگر تاویلاً کوئی نہ ملے اور کچھ اور معنی  
 کہے تو وہ بھی منکر قرآن نہیں ہے جیسے کہ بعضوں نے چاند و سورج سے آیہ ہڈا ساری  
 میں جو حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا جو ہر نورانیہ ملک پر اولی ہے یا الق مافیٰ یسینک  
 اور فاطمہ خلیفہ سے ماسوے اللہ اور کوئین مراد ہیں اور محققین نے لکھ دیا ہے  
 کہ یہ اصل نص کا انکار نہیں ہے۔

پانچواں امر معنی لوگوں کے کہے ہوئے معنوں  
 کو اور ان زائد باتوں کو جو تفسیروں میں خل

ہیں نہ ماننا

اسکی تصریح کی مجھے کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہے مستغنی کو اگر خواہش ہو تو  
 میرے مضمون تفسیر کا جو تہذیب لافظ میں چھپا ہے ملاحظہ کر لے۔  
 غرض کہ جو صورتیں میں نے اوپر بیان کیں ان ساری صورتوں میں یہ منکر  
 جزو قرآن نہ سمجھا جاوے گا۔  
 جو کہ پسنیت انکار جزو قرآن کے ہیں اپنے جواب کی شرح لکھ چکا اب بہ نسبت  
 روایت حدیث کے بالالفاظ ہے یا بالمعنی کچھ بحث لکھتا ہوں۔

روایت حدیث

اگرچہ مقصود اصلی میرا استقام پر صرف تحقیق کرنا اس امر کا ہے کہ آیا روایت احادیث  
 کی بالالفاظ ہے یا بالمعنی سگر میں حدیث کی تدوین اور روایت اور روایت وغیرہ  
 سے بتقصیل بحث کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ حقیقت تصدیق و تکذیب  
 حدیث کی بھی بخوبی ظاہر ہو جاوے اور لوگوں کے شبہات اچھی طرح سے

دور ہو جاویں اس لئے اس مضمون کو چند بحثوں میں لکھتا ہوں۔  
 اس کی کیفیت احادیث کی روایت کی قبل تالیف ہونے کتب احادیث کے۔  
 دوسرے تاریخ اور مختصر کیفیت کتب احادیث کی تالیف کی۔  
 تیسرے نتیجہ اس امر کی کہ روایت حدیث کی بالافاظ ہے یا بالمعنی۔  
 چوتھے بیان اس کا کہ سب احادیث صحیحہ مفید یقین ہیں یا نہیں۔  
 پانچویں تحقیق اس بات کی کہ کل احادیث کتاب صحاح کی صحت بہ ترتیب یقین ثابت  
 ہے یا نہیں۔

## پہلی بحث بہ نسبت کیفیت احادیث کی روایت کی قبل تالیف ہونے کتب احادیث کے

یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں سوائے  
 قرآن مجید کے احادیث کے لکھنے کا دستور نہ تھا اور وہ چند وجوہ سے کتابت احادیث  
 کو پسند نہ کرتے اولاً اس لئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں تین قسم کی ہوتی تھیں  
 ایک وحی دوسرے غیر وحی متعلق امور دین کے تیسرے غیر متعلق امور دین کے پس  
 جو وحی تھی وہی لکھی جاتی اور اُسی کا نام قرآن ہے۔ اور جو باتیں غیر وحی کی تھیں وہ ایک  
 قسم کی نہ تھیں۔ بعض مستند بالہام۔ بعض مستند باہواہ اور بعض متعلق امور خبیات  
 کے اور بعض متعلق معاملات اور فضایا خاص کے اور بعض نتیجہ ایجاب و تحریم کے اور بعض  
 مشرب و کراہت کے اور بعض علی سبیل عبادت اور بعض علی سبیل العادت۔ پس ان باتوں کا  
 صحابہ ملوث اپنے اپنے فہم کے قرینہ مقام اور ضرورت وقت پر نظر کر کے خیال رکھتے اور  
 اُس سے تفریع احکام کرتے اور جو باتیں امور دین سے متعلق نہ ہوتیں بلکہ امور دنیاوی سے  
 علاوہ کھنڈیں اُس کی نسبت تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکھا تھا کہ انتہا علمہ بامور  
 دنیا کہہ کر تلک اپنے دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو اس کو فقہا و صحابہ و تابعین  
 سے جدا کرتے تھے۔ پس خیال اس کے کہ اگر یہ سب باتیں لکھی جاویں تو انتہائی بی مفید  
 دنیاوی امور سے اور شرعی احکام کا امور عادی سے ہر گاہ صحابہ نے جمع کرنا اور لکھنا

حدیثوں کا پسند نہیں کیا۔ دوسرے کل صحابہ ہر وقت اور ہمیشہ صحبت نبوی میں حاضر نہیں رہتے تھے۔ اور وہ باتیں جو حضرت فرماتے اور وہ کام جو آپ کرتے نہ سب اپنے کانوں سے سنتے نہ اپنی آنکھ سے دیکھتے بلکہ جو حاضر صحبت ہوتا وہ سنتا اور دیکھتا اور پھر اسکی نقل اور روایت سے آوروں کو علم ہوتا۔ اور چونکہ نقل و روایت کی صحت پر درجہ عقیدہ نہیں ہو سکتا اس لئے حدیثوں کے جمع کرنے اور لکھنے سے صحابہ نے احتراز کیا۔ بلکہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرتؐ نے فرمادیا تھا کہ سوائے قرآن کے مجھ سے اور کچھ نہ لکھو اور اسی واسطے بعد وفات آنحضرتؐ کے بھی صحابہ تحریر احادیث سے منع ہے۔ اور اگر بعض صحابہ نے کچھ لکھا تو انھیں خیالوں سے اُسے مٹا دیا اور اپنے لکھے ہوئے کو قبل از وفات جلادیا۔ جتنا کچھ کوئی عالم ہمارے یہاں کا اس سے انکار نہیں کرتا کیونکہ اس کا ثبوت کتب اور روایات سے بخوبی ہوتا ہے۔ چنانچہ میں چند اقوال بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ زید بن ثابتؓ کے پاس بہت سے لوگ آئے اور کہا کہ آپ کچھ حدیثیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کہو سنائیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب آپ حضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو مجھے آپ بلاتے اور میں لکھ لیتا اور باقی پیغمبر خدا کے سامنے جب دنیا کا ذکر ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ اسکی باتیں کرتے جب آخرت کا ذکر ہوتا تو وہ اسکا ذکر کرتے۔ جب مکہ نے پینے کا ذکر آنا آنحضرتؐ بھی اسکی باتیں کرنے۔ پس کیا ان سب باتوں کا ذکر میں تم سے کروں اور یہ سب حدیثیں تمہیں سنائوں اور یہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اذا امرتک شی من دینک فخذ وابہ واذا امرتک بشی من دینک فامض اذا ابشر۔ کہ جب میں کوئی حکم متعلق امور دین کے دوں تم کو تو اور جب کوئی کام دنیا کا بتاؤں اپنی رائے سے تو میں بھی ابشر ہوں۔ اور محب طبری نے ریاض النضر میں اور طاعلی متقی نے کنز العمال میں۔ اور حافظ عابد الدین نے مسند صدیق میں بروایت حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ میرے والد یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پانچویں حدیثیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع کی تھیں۔ پس ایک شب وہ نہایت بے چین ہوئے اور حد سے زیادہ غموم۔ میں نے پوچھا کہ پریشانی کا سبب کیا ہے

تو آپ نے کہا کہ وہ حدیثیں جو میں نے جمع کی تھیں۔ لے آ۔ جب میں لے گئی تو  
 آگ مشتاکر اُنھیں ملا دیا۔ جب میں نے اس کا سبب پوچھا۔ تو کہا کہ مجھے اندیشہ  
 ہے کہ شاید میں مرجاؤں اور یہ حدیثیں میرے پاس رہ جاویں۔ اور شاید میں نے  
 اعتبار اُن آدمیوں کا روایت میں کیا ہو جو درحقیقت لایق اعتبار نہ ہوں۔ اور  
 وثوق اُن باتوں کا کر لیا ہو جو دراصل صحیح نہ ہوں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص  
 عبداللہ بن عباس کے پاس کتاب لکھ کر اصلاح کے لیے لایا۔ آپ نے اُسے لیکر پانی  
 سے دھو ڈالا۔ عرض کہ صحابہ نے یا بوجہ احتیاط کے یا بوجہ اس کے کہ اُن کو چند اہل  
 ضرورت تالیف و تدوین کی نہ تھی۔ اور جو کچھ اُنہوں نے بلا واسطہ خود شائع کی زبان  
 سے سنا تھا یا کرتے دیکھا تھا اُسے پیش نظر رکھتے تھے۔ احادیثوں کے حج کرنے پر توجہ  
 نہ کی اور بعد اس کے تابعین کے زمانہ میں بھی اُسکی نوبت نہ آئی اور تالیف ہجری تک  
 ایک نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے زبانی روایت پر قناعت  
 کی مگر بعد اُس کے ضرورت تدوین اور تالیف کی ہوئی چنانچہ اُسکی مختصر کیفیت  
 یہ ہے۔

## دوسرا بیان نسبت تاریخ اور مختصر کیفیت کتب احادیث کی تالیف کے

موافق قول خطیب بغدادی کے اول تالیف امام عبدالمکاب بن عبدالحزیز  
 بن جریج بصری نے جو ششمہ ہجری میں مرے۔ کی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اول تالیف  
 ابو نصر سعید بن ابی عروبہ ہیں جو ششمہ ہجری میں مرے۔ اور بقول ابو محمد رامہرمزی  
 کے یسع ابن سبج نے اول تالیف کی اور پھر عبداس کے سفیان بن عیینہ اور مالک  
 بن انس نے مدینہ منورہ میں اور عبد اللہ بن راہب نے مصر میں۔ اور عمر اور عبد الرزاق  
 نے یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد بن یسبل بن غزوان نے کوفہ میں۔ اور حماد بن سلمہ  
 اور روح بن عبادہ نے بصرہ میں اور ہشیم نے واسطہ میں۔ اور عبد اللہ بن مبارک  
 نے خراسان میں کتابیں لکھیں اور جو حدیثیں اُن کو ملیں اُنھیں جمع کیا اور جب

تالیف کا قاعدہ جاری ہوا تب بہت سے لوگ اس طرف جھکے اور مختلف طور پر مختلف  
غرضوں کے واسطے کتابیں لکھنے لگے یہاں تک کہ نوبت محمد اسماعیل بخاری اور مسلم  
رحمت اللہ علیہما کی آئی اور انہوں نے اعلیٰ درجہ کی کوشش جمع کرنے میں حدیث  
کے فیعلیہما رحمت اللہ الیہما القیامہ۔

پس ۱۲۰ھ ہجری سے لیکر اس زمانہ تک ہزار کتابیں حدیث کی تالیف ہوئیں  
اور مختلف غرضیں اُن تالیفات کا سبب ہوئیں کہ اُن سب کتابوں پر کتب احادیث  
کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جو کچھ اُن میں لکھا ہے اُس پر حدیث کی نسبت کی جاتی ہے  
اور جب تک کہ تحقیق محققانہ نہ کی جاوے تب تک جو قول اُن کتابوں میں ہے وہ قول  
قولِ رسول اور جبات اُن میں لکھی ہے وہ منسوب بشارع بھی جاتی ہے اور یہی غفلت  
اور غلطی اور دھوکے کا سبب ہے اور آپ عالم کو اسی دھوکے سے گرا دیا  
میں ال رکھا ہے۔

غرض کہ سب سے اول سال مر کو سمجھنا ضرور ہے کہ ہر محقق اور ہر کتاب مستند  
نہیں ہے اور ہر قول قولِ رسول اور ہر حدیث حدیثِ پیغمبر صلوات اللہ علیہ آئے انہیں  
ہے بلکہ محدثین اور احادیث کی کتابوں کی مختلف صورتیں میں چنانچہ علاوہ صحاح کے  
میں دو کتب احادیث کے درجات کی کچھ مختصر کیفیت بیان کرتا ہوں۔

بعض کتابیں حدیث کی وہ ہیں جن کو مسانید اور جوامع اور مصنفات کہتے ہیں  
جس بخاری و مسلم کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے لکھی گئیں اور وہ صحیح اور حسن اور ضعیف  
اور معروف اور غریب اور شاذا و مرسکرا اور خطا اور صواب اور ثابت اور مقولوب کا  
مجموعہ ہیں اور جن کے بعد تالیفات کی کچھ شہرت بھی نہیں ہوئی اور جن کی جو تحقیق  
کسی نے کچھ خبر نہ لی یعنی نہ کسی نے شرحیں اُن کی لکھیں نہ کسی نے انکی تطبیق  
نہا بہت سے کی نہ کسی نے اُن کے رجال کی تحقیقات کی مثل مسند ابوعلی اور مصنف  
عبد المزیقی اور مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ اور سند عبد بن حمید اور طہاسی اور کتب  
بیہقی اور طحاوی اور بکری کے کتب انہوں نے جو کچھ پایا وہ بھر دیا۔ نہایت نے پانچویں  
نیم صحت کو غلط سے جدا کیا پس ان کتابوں کے اقوال پر عمل کرنا یا اُن کو کب وہ نہایت  
ہے جو کہ محقق ہو اور جو محض اُسکی ثابت کرے جیسا کہ مجتہد ابوالفتح کا سبب کیا ہے

فَلَا يَأْشُرْ مَا لَعَمَلُ عَلَيْهِ وَالْقَوْلُ بِهِ الْإِخْلَافُ بِالْجَاهِذَةِ الَّذِينَ يَحْفَظُونَ أَسْمَاءَ  
الرِّجَالِ وَعِلَلُ الْأَحَادِيثِ نَعْمَ رَجَاءُ يَحْذَرُ مِنْهَا الْمَتَابَعَاتُ وَالشَّوَاهِدُ وَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ  
لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا -

اور ان سے زیادہ نامتو وہ کتابیں ہیں جو بہت پیچھے تالیف ہوئیں اور وہ تیس  
جو واعظوں کی زبانوں پر تھیں اور وہ جس میں درج تھے جو یہودیوں سے سُکر لوگوں نے  
یا ذکر کیے تھے اور وہ حکیموں کی باتیں جنہیں لوگوں نے یونانیوں سے سیکھا تھا یا  
وہ رائیں جو قرآن وحدیث کے لفظوں سے استنباط کی گئی تھیں عموماً یا سہو احادیثوں  
میں داخل کر دی گئیں۔ اور یہ صحابہ کرام کی طرف منسوب ہو گئیں مثلاً کتب خلیف  
اور ابی نعیم اور جو زرقانی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور یحییٰ وغیرہ کے کہ انکی صحت کا  
اصلی درجہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہو جس میں احتمال صحت کا ہو اور ادنیٰ درجہ یہ ہے  
کہ موضوع ہو اور نثری تہمت ہو اور یہی کتابیں دست آویز ان فرقوں کی ہیں جو جاہل  
حق سے خوف ہو گئے اور سنت کی راہ چھوڑ کر رافضی اور معتزلی بن گئے کہ وہ اپنے  
عقیدوں کے اثبات اور اہل حق کے الزام دینے کے لیے انہیں کتابوں کی روایت  
پیش کرتے ہیں اور جو محقق نہیں ہیں وہ دھوکہ کھاتے ہیں۔ ان سب باتوں پر ایک  
خرابی اور مستزاد ہوئی کہ بعض شخصوں نے براہ منالطہ علم حدیث کا حاصل کر کے  
احادیث صحاح و حسان کی روایت کرنی شروع کی۔ مگر اسی درمیان میں اپنے  
عقاید باطلہ کو اسی اسناد سے جو انہوں نے یاد کر رکھی تھیں روایت کر دیا اور اکثر  
محدثین نے دھوکہ کھایا جیسا کہ جابر جعفی اور ابو القاسم سعد بن عبد اللہ شمری قمی  
کے یہ ہے کہ یہ ایک استاد پر کار ہوشیار تھے کہ تحقیق میں تو رافضی تھے مگر بہت سے  
محدثین کو دھوکہ دیا اور غلط حدیثوں کو بصورت صحیح کے بنا کر ان کو اُسکی صحت کا  
یقین دلایا۔ یہاں تک کہ ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی نے جابر جعفی کی حدیثوں کو  
اپنی کتابوں میں نقل کر دیا یا اہل نامی ایک شیعہ کی جس نے بیخ و بن دین منہیوں کے  
نئے یمن میں آکر تہذیب کی تھی یحییٰ بن عیین سے محقق نے توثیق کی۔ اور انسپر اعتماد کیا یہاں تک  
اور روح بن عباد یہ حال کھلا اور ابن زوہیر کا فریب ظاہر ہوا لیکن جو کہ وہ راہیں  
نے خراسان میں ان کتابوں میں لکھ گئی اس لیے اکثر آدمیوں کو دھوکا ہوتا ہے



حدیث کا نام سبکراں کے اعماد میں غلط لکھا ہے اور واقع میں نہ وہ حدیث ہے نہ  
قرآن پیغمبر بلکہ ایک مغربی جھوٹے مکار کا بیعت ہے۔

علامہ اس کے یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ صدر اول مجتہدین کے زادیوں  
راویوں کے حالات کی بہت زیادہ تحقیقات نہیں ہوئی اور حرج و تعدیل کی نوبت نہیں  
آئی اس واسطے بہت لوگوں کو حدیثوں میں دھوکہ ہوا۔ اور غلط اقوال کو احادیث صحیح  
سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ اسی پر بعض نے احکام کی تفریع بھی کی بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی  
غلطی سے مان لیا۔ یہاں تک کہ جب اس کا حال لکھتا تب راویوں کے حالات تحقیق  
کرنے اور حرج و تعدیل سے بحث کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی اور فن رجال میں ایف  
شرح ہوئیں۔ چنانچہ قول ابن سعد نے ایک کتاب اسما و افعال میں لکھی اور طبقات  
ابن سعد اس کا نام رکھا۔ اور اہل بخاری اور ابن ابی خثیمہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں  
اور ابن ابی حاتم نے کتاب حرج و تعدیل میں کچھ کچھ حالات راویوں کے لکھے مگر اسپر  
رجال کا حال بنسبتہ یہاں تک کہ آخرا بن حیان اور ابن شامہ نے نجات کو  
اور ابن عدی اور ابن ربیع نے عمدۃ کے علاوہ کتبوں میں جمع کیا اور بعد ازاں  
بعضوں نے خاص خاص کتبوں کے رجال کی تحقیق میں علیہ مزیعہ کتابیں لکھی  
جیسا کہ ابو نصر کلادسی اور ابو بکر بن منجید و ابو الفضل بن طبرانی و جمیع بخاری کے رجال  
کی نسبت اور ابو علی نے ابو داؤد کے راویوں کی نسبت اور عبد بن حمزہ نے صحاح  
ستہ کی روایت کی نسبت کتاب لکھی جس کا نام کتاب الکمال ہے پھر اس کے بعد  
نے اسے پورا کیا یہاں تک کہ آخر تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب میں اللہ رب العزت  
خلاصہ جمع کیا گیا۔

جس طرح فن اسماء الرجال کی تالیف ایک زمانہ دراز کے جد ہوئی اسی طرح فن درایت  
میں بھی دل اول کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مگر جب حدیث کی نقل و روایت کی اہمیت  
ہوئی اور صحیح اور غلط کا التباس ہو گیا تب فن درایت کی تالیف کرنے کی ضرورت  
ہوئی۔ چنانچہ سب سے اول قاضی ابو محمد حسن بن عبد الرحمن راہرہ رضی اللہ عنہ نے ایک  
چھوٹی سی کتاب لکھی بعد اس کے حاکم ابو عبد اللہ ندیشاپوری نے اصول حدیث  
میں ایک کتاب تالیف کی مگر وہ بھی پوری نہ تھی کہ اس کے بعد ابو نعیم اصبہانی نے

کچھ اور مسائل اسپر بڑھائے۔ بعد اُس کے خطیب ابو بکر بغدادی نے اصول روایت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام کفایہ ہے۔ پھر ایک دوسری کتاب تحریر کی جس کا نام جامع رکھا۔ آخر کو قاضی عیاض نے اُسے پورا کرنا چاہا اور ایک کتاب لکھی جس کا نام الملعون ہے اور اسی طرح ابو حفص اور حافظ ابو عمر و عثمان بن صلاح نے رسالے لکھے اور بعد بہت سے عالموں نے اپنی اپنی قابلیت دکھائی اور بہت سی کتابیں لکھیں۔

مختصر کیفیت حدیث کے جمع ہونے کی ہے پس کہاں ہے دیدہ بینا اور گوش شتوا کو اس تحقیقات کو دیجئے اور اُس سے فائدہ اٹھاوے۔ اب تو اسلام کا مدار اِس پر رہا ہے کہ چنانچہ مکی جاننا زبیل میں اور مولود کا رسالہ اتمہ میں ہے۔ اور جو ان قصوں کہانیوں کو نہ مانے اسپر تکفیر کا حکم جاری ہے۔ حدیث وہ بات ہے جو کسی کتاب میں لکھی ہو۔ قول رسول وہ قول ہے جس کے شروع پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہو نہ کسی کو تحقیق کی خواہش نتیجہ کی آرزو بلکہ کافر ہے وہ جو تحقیق پر مستعد ہو مست کربنی ہے۔ وہ جو اُس کے اقوال کو اُوروں کی باتوں سے جدا کرنے پر متوجہ ہو۔ کیا خوب ہے یہ اسلام اور کیا اچھا ہے یہ ایمان۔

گر مسلمان ہیں است کہ حافظ دارد  
وائے گرد پس امروز بود فردائے

## تیسری بحث نسبت تنقیح اِس امر کے کہ روایت حدیث مکی الفاظ ہے یا بالمعنی

جب سے کہ حدیث کی تدوین اور کتابت کا قاعدہ جاری ہوا تب سے الفاظ کی تصحیح اور اقوال کے ضبط اور روایت کی بلفظ نقل کا ہونا مسلم ہے اور بلاشبہ اُس وقت سے محدثین اور جامعین کتب حدیث نے نہایت احتیاط اور سچائی اور راستی اور دیانت سے لفظوں کو نقل کیا ہے اور اگر راویوں کی روایت میں اختلاف لفظوں کا ہوا ہے تو اسکو بھی اکثر اپنی تالیفات میں لکھ دیا ہے لیکن جو زبانہ اِس سے پہلے کا ہے اسکی نسبت اگر کوئی روایت بالفاظ کا دعویٰ کرے تو وہ ثابت

نہیں ہو سکتا : عقلاً نہ نقلاً۔

عقلاً اس وجہ سے کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اُسے سُننے والے سُنکر یاد رکھتے۔ پس جو لفظ آنحضرت کی زبان مبارک سے نکلے اور جس نظم و ترتیب سے بتقدیم و تاخیر کلمات آنحضرت تقریر فرماتے اُس کا ایک نسخہ سُنکر بلفظ یاد کر لینا تو کسی طرح قیاس میں نہیں آتا اور نہ شاید کوئی شخص کسی بشر کی نسبت ایسا خیال کر سکتا ہے اور پھر جیسے کہ یہ خیال کیا جاوے کہ سُننے والے صرف وہی لوگ نہ تھے جو ذہن اور حافظہ اور علم اور سمجھ میں کامل تھے اور جو روایت اور فقہ میں معروف تھے بلکہ ایسے بھی تھے کہ جو روایت اور فقہ میں مشہور نہ تھے اور جنہوں نے بات کو سمجھنے میں بھی خطا کی ہے۔ پس کیا کوئی آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ لاکھوں آدمی جو

اے ناہرین کتب حدیث پر روشن ہے کہ طبقہ اولے کے لوگوں سے بھی ایسی غلطیاں آئی ہیں چنانچہ میں چند حدیثوں کا بطور مثال کے بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم چلے جاتے تھے کہ ایک یہودیہ مرگئی تھی اور لوگ اُس کے رورہے تھے۔ اُن حضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ تو قبر میں مبتلائے عذاب ہے اور یہ لوگ رورہے ہیں۔ مگر عبداللہ بن عمر کا یہ قول تھا کہ مردہ کو بسبب مرنے زندوں کے عذاب ہوتا ہے۔ جب حضرت عائشہ نے یہ سنا تو یہ فرمایا کہ یعنہ اللہ لا بی عبدالرحمن اما اندہ لم یکن ذنب و لکنہ نسبی او اخطاء انما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی قبر و دبۃ یسکی علیہا فقال انہم یرسکون علیہا و انھا لیعذب فی قبرہا کہ خدا ابن عمر کو بخشے وہ عجوبت نہیں کہتے مگر وہ معمول گئے یا مَن سے چونکہ ہو گئی اصل مال اس کا یہ ہے پھر اُنہوں نے اصل مال اُس کا بتا دیا (بخاری و مسلم)

(۲) موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ موت الفجاءۃ مخطۃ علی المؤمنین فقالت ینعزل اللہ لابن عمر انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت الفجاءۃ تخفیف علی المؤمنین و مخطۃ علی الکافرین کہ مرگ مفاجات سختی ہے اور مومنوں کے تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ خدا بخنے ابن عمر کو پیغمبر خدا نے تو یہ فرمایا ہے کہ مرگ مفاجات تخفیف ہے مومنین پر اور سختی ہے کافروں پر۔

(۳) جلال الدین سیوطی نے رسالہ میں الاعتابہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ میں نے

اُن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع رہتے تھے سب کے سب ایسے قوی الحافظ تھے کہ ایک دفعہ جو بات سنتے اُسے اُسی نظم و ترتیب سے بلفظ یاد کر لیتے اور بھیجی اُن پر

مردہ کو غسل دیا اُس پر بھی غسل لازم ہے۔ جب حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا: ”اور مجھ سے قوی مسلمان“

مگر کیا کہیں مردے مسلمانوں کے بھی غسل ہو جاتے ہیں۔

(۴) جرانی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ”من لم یوق فلا صلوة لہ“ کہ بچے وتر کے

نماز نہیں ہوتی۔ جب حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا کہ کس نے اُن حضرتؓ سے ایسا سنا ہے بھی تو کچھ زمانہ نہیں گزرا کہ ہم بات پیغمبر خدا کی بھول گئے۔ آپؐ نے تو یہ فرمایا تھا کہ ”من جاء بصلوة الخمس يوم القامۃ حافظا علی وضوئہا ومواقیہا ورموئہا وجودہا ولم یغفص منہ شیئا کان لہ عند اللہ عہدا ان لا یخذلہ الخ“ اب دیکھنا چاہیے کہ تقد فرق سمجھ میں آیا ہے۔

کے ہوا اور کیا کا لیا گئے۔

(۵) ابوسلمہ بن عبدالرحمنؓ سے حین الاصابہ میں یہ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ

سے کہا کہ ان جاہلین عبد اللہ یقول الماء بالماء فقالت اخطاء جاہلین رسول اللہ قال اذا جاؤنا الختان الختان فقد وجب الغسل یعنی جاہل کا یہ قول تھا کہ جب پانی نکلے تب پانی واجب ہوتا ہے یعنی غسل عبد منیٰ نکلنے کے واجب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جاہلین اس میں خطا کی ہے پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے کہ بعد اذغال کے غسل واجب ہوتا ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اصل بات کے سمجھنے میں کس تقد فرق ہوا۔

(۶) بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ پیغمبر خداؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی

میں فتح ہونے کے بعد کافران مقتول کی طرف توجہ ہو کر کہا کہ هل وجدتم ما وعدکم حقا ثم قال انہم لان یسمعون ما اقول فذکر انک لعایشۃ فقلات انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہم لیسلمون لان ما کنت اقول لہم حق کہ تم نے پایا جو کچھ خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا اور پھر فرمایا کہ اب میری باتوں کو سنتے ہیں مگر جب حضرت عائشہؓ نے سنا تو آپؐ نے کہا کہ نہیں پیغمبر خداؐ نے یہ فرمایا تھا کہ انہیں کو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ میں اُن سے کہتا تھا۔ وہ سچ ہے۔ تو بت دیکھنا چاہیے کہ دونوں باتوں میں کس تقد فرق ہے۔

(۷) کھل سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ تین چہینوں کی

اُن سے نہ ہوتی۔ ایسا دعویٰ سوائے اُن لوگوں کے کہ جن کو عوام اہلِ محبت کہتے ہیں کوئی نہیں کر سکتا نہ ہمارے مذہب کے محققین نے کیا ہے۔ اور پھر اگر اس طبقہ کے لوگ اپنی سُنی سنائی باتوں کو لکھ لیتے اور کتابوں میں جمع کر دیتے تو بھی الفاظ کی صحت کا ظن ہو سکتا تھا۔ مگر جب اُس طبقہ نے ایسا نہیں کیا اور حدیثوں کو نہیں لکھا اور اگر کسی نے لکھا اور اُس نے اُسے سودوم کر دیا تو کیونکر قیاس میں آ سکتا ہے کہ دوسرے طبقہ نے جس نے پہلے طبقہ سے حدیثوں کو زبانی سنا اُن کے لفظوں کو یاد کر لیا ہو اور اسی طرح سے دوسرے تیسرے نے اور تیسرے سے چوتھے نے جو کچھ سنا بلطفہ یاد رکھا۔ اور پھر جب یہ خیال کیا جاوے کہ احادیث کی نقل میں بہت سے واسطے ہو گئے اور آٹھ آٹھ دس دس بیسیوں سے بھی زیادہ راویوں کے سلسلے جمع آ گئے اور ڈیڑھ سو برس تک وہ سچ نہیں کی گئیں۔ تو کیونکر یہ بات مانی جاوے کہ جو لفظ آنحضرت

منحوس لی جاتی ہے گھڑیں۔ حوریں۔ گھوڑے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ابوہریرہؓ کو یاد نہیں رہا۔ وہ غیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس حضرت صلعمؐ یہ فرما رہے تھے کہ "قاتل اللہ اليهود یقولون الشیء فی ثلاثۃ فی الدار والملاۃ والفرس" کہ خدا کی قسم کہ ابوہریرہؓ کو مارے۔ وہ کہتے ہیں یہ منحوس تین چیزیں ہیں لی جاتی ہے۔ گھڑ اور عورت اور گھوڑی میں مگر ابوہریرہؓ نے اخیر کے لفظ سنے اول کے لفظ نہیں سنے۔

(۸) شیخ جلال الدین سیوطی نے رسالہ صین الاصابہ میں لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا کہ ایک عورت نے ایک بلی کو نہ پانی دیا نہ کھانا نہ اُسے چھوڑا کہ وہ مر گئی اس لئے خدا نے اُسے خدا دوزخ کا دیا۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک مومن کی ایسی عورت نہیں ہے کہ ایک بلی کے پیچھے اُسے دوزخ میں ڈالے۔ وہ عورت کافرہ تھی۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ابوہریرہؓ خدا بھیجے خدا کی حدیث کی روایت کیا کرادے۔

(۹) اور پھر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کے پیٹ میں سپ اور خون بھر جاوے تو بہتر ہے شر سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابوہریرہؓ کو یاد نہیں رہا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ بہتر ہے اُس شر سے جو میری کسی کے کہا جائے نقد خیال کرنا چاہیے کہ کس قدر دونوں میں فرق ہے۔ ۱۴

کی زبان مبارک سے نکلے تھے وہی لفظ باوجود ان واسطوں کے اور باوصف اس تسلسل کے مجنبہ باقی رہے۔ ہاں یہ بات وہی آدمی تسلیم کر سکتا ہے جو کہ تمام راویوں کو اور سب ناقلین احادیث کو شل جبریل امین کے نقل اور روایت میں غلطی سے مصوم جانے اور سب کی نسبت اعجاز و کرامات کا متفقہ ہووے۔

لیکن ہم ایسا اعتقاد بھی رکھتے اگر حدیثوں کے الفاظ خود ہمارے اس اعتقاد کو غلط اور باطل نہ کر دیتے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مضمون کی حدیث جو کئی راویوں سے منقول ہے اُس کے الفاظ اور عبارت میں اختلاف ہے تو کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ روایت حدیث کی بالالفاظ ہے۔ پھر اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مذہب کے عالموں نے احادیث کی روایت کو بالالفاظ مانا ہے تو بھی اجماع کے خوف سے روایت بالالفاظ کا اقرار کرتے اور جو بات قطعاً محال ہے اُسے بے سمجھے بوجھے مان لیتے مگر ہمارے عالموں میں سے جتنے محققین گذرے ہیں انھوں نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا بلکہ نہایت دانشمندی اور عقل سے اصول دین کی منقح کر کے یہ قاعدہ ٹھہرایا ہے کہ احادیث کی روایت بالالفاظ جائز ہے۔ اور بعضوں نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ احادیث کی روایت بالالفاظ پر کسی طرح یقین نہیں۔

چنانچہ میں اس مقام پر چند اقوال محدثین اور علماء و محققین کے اپنے کلام کی تائید میں پیش کرتا ہوں۔

شرح مشکوٰۃ میں بعد ایک بڑی بحث کے نسبت روایت بالالفاظ اور بمعنی کے لکھتے ہیں کہ والنقل بالمعنی واقع فی الکتاب الستہ وغیرہا صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث میں نقل حدیث بالمعنی واقع ہے۔

شرح صحیح مسلم میں امام نووی اسی بحث میں لکھتے ہیں کہ قال جمهور السلف والخلف من الطوائف المذكورة يجوز في الجميع اذا جزم بانه ادبي المعاني وهذا هو الصواب تقتضيه احوال الصحابة ومن بعدهم رضي الله عنهم في غير ايتهم الغضبية الواحدة بالفاظ مختلفة ثم صلا في الذي لم يعرف في غير الصنفات اما المصنفات فلا يجوز تغيرها وان كان بالمعني كما سب اگلے پچھلوں نے روایت بالالفاظ جائز رکھی ہے۔ احادیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اور

اقوال میں اقروں کے بشرطیکہ یقین معانی کی صحت پر ہووے اور یہی صحیح اور درست ہے اور حالات صحابہ اور اُن کے تابع کے لوگوں سے بھی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک بات کو مختلف لفظوں میں اُنہوں نے روایت کیا ہے۔ علامہ اشیر الدین ابی حبان محمد بن یوسف بن حبان اندلسی کتاب تذیل و تکمیل میں جو شرح اربع الفوائد اوکبر اللفظ کی ہے لکھا ہے کہ صنف نے قواعد کلیہ کے اثبات میں استدلال حدیث کے لفظوں سے کیا ہے حالانکہ یہ اسکی غلطی ہے۔ آج تک میں نے ایک کو بھی اگلے پچھلے میں سے ایسا کرتے نہیں دیکھا اور کسی نے الفاظ حدیث سے ایسا استدلال نہیں کیا کیونکہ اُن کو وثوق اسپر نہیں ہوا کہ یہ الفاظ وہی ہیں جو نیمبر خدا نے فرمائے تھے اور اگر ایسا وثوق ہو جاتا تو وہ الفاظ مثل الفاظ قرآن کے قواعد کلیہ کے استخراج میں مانے جاتے اور عدم وثوق کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ راویوں نے نقل بالمعنی کرنا جائز سمجھا تھا دوسرے بہت سی حدیثوں میں موافق کلام عرب کے لفظی غلطیاں ہیں کیونکہ اکثر راوی غیر عرب تھے۔

## چوتھی بحث نسبت اس کے کہ کل احادیث صحیحہ

### مفید یقین ہیں یا نہیں

ہمارے محققین نے لکھا ہے کہ احادیث متواتر مفید یقین ہیں اور احادیث احاد مفید یقین نہیں ہیں جیسا کہ تلوح میں لکھا ہے کہ ولا تقل ای المتواتر یوجب علم الیقین والثانی ای المشہور یفید علم طمانیۃ والثالث وهو خبر الواحد یوجب العمل دون علم الیقین وقیل لا یوجب شینا منہما اور نیز اخبار احاد کی نسبت لکھا ہے کہ ان خبر الواحد محتمل الصدق والکذب وبالعدالة یترجم جانباً لصدق بحیث لا یبقی احتمال الکذب وهو معنی العلم وجوابہ ان لا تسلم یرجح جانب الصدق لے حیث لا یحتمل الکذب اصلاً بل العقل شاکد بان خبر الواحد العدل لا یوجب الیقین وان احتمال الکذب قائم وان کان مرجحاً ولا لزم القطع بالنقصان عند اخبار العدالین یعنی خبر متواتر تو مفید یقین ہے اور

خبر مشہور سے علم اعلیٰ نافی حاصل ہوتا ہے نہ یقینی۔ اور خبر احادیث کے لیے کافی ہے  
 نہ یقین کے لیے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اخبار احاد مفید علم ہے نہ واجب العمل  
 اور خبر احاد کی نسبت اگر کوئی کہے کہ بلاشبہ خبر احاد میں احتمال صدق و کذب کا ہے  
 لیکن جب عدالت راوی سے جانب صدق غالب ہوگی بایں حیثیت کہ احتمال  
 کذب نہ رہتا تو یہی حتیٰ علم کے ہیں اس لیے خبر احاد بھی مفید یقین ہوگی۔ جواب اُس کا  
 یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ جانب صدق احاد میں ایسا غالب ہے کہ احتمال کذب باقی  
 ہی نہیں بلکہ عقل اسپر شاہد ہے کہ خبر ایک آدمی کی گو وہ عادل ہے مفید یقین نہیں  
 اور احتمال کذب اُس پر قائم ہے گو وہ احتمال ضعیف ہی ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو یقین کرنا  
 وہ نقیض پر لازم ہو جاوے۔ اُن اخبار میں جو دو عادل راویوں سے منقول ہیں اور ہر ایک  
 متناقض ہیں اور شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جتنی حدیثیں غیر متواتر صحیح بخاری اور صحیح مسلم  
 کی ہیں اُن کی نسبت محققین کا یہ قول ہے کہ وہ صرف مفید ظن ہیں نہ مفید یقین کیونکہ  
 وہ احادیث اور احاد سے صرف علم ظنی ہوتا ہے نہ علم یقینی اور جبکہ یہ قاعدہ بہ نسبت  
 اخبار احاد کے ٹھہر چکا تو کچھ فرق بخاری اور مسلم اور غیر بخاری اور مسلم میں نہیں ہے  
 اور اس بات سے عمل کرنا اُن حدیثوں پر اجازت ثابت ہے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ  
 اسپر بھی اجماع ہے کہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یقینی پیغمبر خدا کا کلام ہے صلے اہل  
 علیہ وسلم پس فقط کسی کتاب میں لکھے ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ یقینی کلام  
 کلام رسول خدا صلے اہل علیہ وسلم کا ہے جب تک کہ بتواتر منقول ہونا اُس کا ثابت نہ ہو  
 کیا خوب کہا ہے قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب المناقب میں۔ کہ اگر کوئی مسئلہ ایک کتاب  
 میں کیا نہر کتاب میں بھی پایا جاوے اور کسی امام کی طرف منسوب ہو تو اس سے یہہ  
 ثابت نہیں ہوتا کہ یقینی وہ مسئلہ اس امام نے فرمایا ہے۔ جب تک کہ بتواتر منقول  
 ہونا اُس امام سے ثابت نہ ہو حالانکہ یہ بہت ہی مشکل ہے فقط۔ پس ایسا ہی خیال کرنا  
 چاہیے پیغمبر خدا صلے اہل علیہ وسلم کے مبارک قولوں کی نسبت کہ جب تک بتواتر اُن کا  
 منقول ہونا ثابت نہ ہو جاوے تب تک اسپر کامل یقین نہیں ہو سکتا۔

فوائد شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے کہ ابن صلاح اور چند اہل حدیث نے یہ گمان  
 کیا ہے کہ روایت بخاری اور مسلم کی مفید یقین ہیں حالانکہ یہ بڑا دعوہ ہے کیونکہ بعض نے



دل میں سوچا کہ وہ اس بات کو بالبداہتہ ماننے کا کہ فقط اُن کا روایت کرنا یقین کے لئے کافی نہیں اور کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے کہ اُن میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو ایک دوسرے کی نفی ہیں۔ اور اگر اُن سب پر یقین کیا جاوے تو متناقض باتوں کا ماننا لازم آوے۔ بہر حال یہ بات اگر مانی جاوے کہ اُن کے راوی جامع شرایط تھے تو اس سے صرف زیادہ ظن ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات کہ اُن کی روایت پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی ثابت ہے اس پر گزارا نہیں ہے اور کیونکر گزارا جاسکے جو حالانکہ اُس پر بھی اجماع نہیں ہے کہ جو کچھ اُن دونوں نے کہا ہے وہ سب صحیح ہے کیونکہ بعض راوی اُن کے قدری تھے بعض اہل بیت تھے۔ اور اہل بدعت کی روایت کا قبول کرنا مختلف فیہ ہے۔ تو اجماع کا دعویٰ اُن کی ہدایت کی صحت پر کہاں باقی رہا۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ حدیثیں بخاری و مسلم کی اُن کی شرط صحیح ہوں اور اس سے سوائے ظن کے یقین کا فائدہ نہیں ہوتا۔

## پانچویں بحث نسبت اس کے کہ کتب صحاح کی احادیث کی صحت پر تہ یقین ثابت

ہے یا نہیں

یہ بات مسلمات سے ہے کہ منجملہ کتب احادیث کے ستہ اور موطائے امام مالک اعلیٰ درجہ کی ہیں اور اُن کے جامعین نے نہایت احتیاط اور کمال محنت سے احادیث کی تصحیح کی ہے۔ پھر اُن میں سے صحیحین یعنی صحیح بخاری و مسلم اعلیٰ درجہ پر ہیں اور اُن کی تحقیق بہت بڑھی ہوئی ہے۔ مگر یہ کہنا کہ کل احادیث اُن کی تصحیح ہیں کہ جن کی صحت پر مرتبہ یقین کا ہو صحیح نہیں ہے۔ چند وجوہ سے۔ اولاً جو احادیث متواتر نہیں ہیں اُن کی صحت کا مرتبہ یقین ہونا ایسا امر ہے جس کا کسی محقق نے دعویٰ نہیں کیا۔ ثانیاً اُن کتابوں میں بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کی عدم مستلذات ظاہر ہے اور جسے شارحین اور محققین نے صاف صاف نکدیا ہے اور پھر بعض راوی ایسے بھی ہیں کہ جن کی جرح اور محدثین نے کی ہے تو کیونکر یہ دعویٰ کیا جاوے

جاوے کہ مثل آیات قرآن کے ہر حدیث قطعی اور یقینی ہے۔ چنانچہ میں بطور مثال کے چند اقوال اور چند احادیث کو نقل کرتا ہوں۔

شرح اصول نبردوی میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ بخاری نے ایسی جماعت سے استناد کیا ہے جس کی نسبت اُور متقدمین نے مرجح کی ہے مثل عکرمہ اور اسماعیل اور عاصم اور عمرو بن مرزوق وغیرہم کے۔ اور سلم نے بھی سدید بن سعید وغیرہ سے استناد کیا ہے جس پر اُوروں نے طعنہ کیا ہے۔

جامع الاصول میں لکھا ہے کہ حدیثیں جو ہمارے اماموں نے روایت کی ہیں بعض اُنہیں صحیح ہیں بعض سقیم۔ اور اس کی سبب اختلاف مرجح و قہرل رواۃ ہے۔

دارقطنی نے کہا ہے کہ دو سو اُوس حدیثیں صحیحین کی ضعیف ترین اُنہیں مخصوص بنجاری اور تین مخصوص مہلم اور سو مشترک دونوں میں ہیں۔

منہجہ اُن احادیث کے جن کی عدم صحت کا اقرار محدثین اور شارحین نے کیا ہے چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

اَوَّلُ صحیح بخاری میں لکھا ہے عن عروۃ ان النبیۃ خطبہ عایشہ فقال لہ ابو بکر انما انا اخرک فقال انت اخي فی دین اللہ۔ فتح الباری میں اس حدیث کو غیر صحیح لکھا ہے کما قیل فی صحیحہ هذا الحدیث نظر لان الحلة کانی کبر انما کانت بالمدينة وخطبة عایشہ کانت بمکة فکیف یلتزم قوله انما انا اخرک اس حدیث کی صحت میں صرف ایسا ریخی واقعہ کے مخالف ہونے سے کلام کیا گیا۔ کیونکہ حلتہ ابو بکر صدیق نہ مدینہ میں ہوئی اور خطبہ عایشہ صدیقہ نہ مکہ میں قبل اُس کے تو قبل اُن حلتہ اُنتر ابو بکر صدیق نہ کا کہنا انما انا اخرک صحیح نہیں ہو سکتا۔

دو سہ۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے عن ابی ہریرۃ عن النبیۃ صلی اللہ علیہ وسلم قال یلقی ابنہ صیداً یاہ فیقول یا رب انک وعدتني لا تمھرنی یوم یبعثون فیقول انک حمت الجنة علی الکافرین۔ اس حدیث کی عدم صحت کا بھی افرامحققین نے کیا ہے کما قیل وقد استشكل الاسماعیلی هذا الحدیث من اصلہ وھن فی صحیحہ فقال هذا حدیث فی صحیحہ نظر اور اصل حدیث کی صحت میں اس لئے کلام کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شان سے خلاف ہے کہ جب خدائے عزوجل نے اُن کو شہادت سے اپنے

باپ کی دنیا میں منکر دیا تو وہ کیونکر پھر قیامت میں خلاف حکم خدا کے شفاعت کریں گے +

تیسری روایت نماز پڑھنے پر غیر خدا کے بنانہ پر مبنی مسلمان کے جو بخاری میں ہے معتقدین نے کلام کیا ہے اور باطلاتی نے صاف اس حدیث کا انکار کیا ہے۔

چوتھی صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے یہ حدیث منقول ہے کہ ان ابوسفیان قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اسألت ثلاثا فأعطاه إياهن منهن عندی

احمل العرب ام حبیبہ از وجک ایاھا۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں لکھا ہے کہ فہذا الحدیث غلط ظاہر لاخفاءہ کہ اس حدیث کی غلطی یہی ظاہر ہو چکی ہے کہ

ذرا بھی نہ کی غلطی پوشیدہ نہیں اور اس کی غلطی بھی یہی ہے کہ مانی گئی کہ وہ تاریخی واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت ام حبیبہ عبدالعزیز کی منکوحہ تھیں اور حبیبہ اپنے

خاوند کے ساتھ ہجرت کو گئی تھیں۔ جب وہ وہاں جا کر عیسائی ہو گئی اور ام حبیبہ اپنے دین پر قائم رہیں تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نباشی کے مذہب سے

ان سے نکاح کیا۔ اور یہ قبل از فتح مکہ کے ہوا۔ اور ابوسفیان فتح مکہ کے دن ایمان لایا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ اسی واسطے اس حدیث کی غلطی ثابت ہوئی وقال

ابو محمد بن حزم وهو من وضع بلائک کذبہ حکم متر بن عامر وقال ابن الجوزی فی ہذا الحدیث صرح وہ من بعد الروایۃ لا شک فیہ ولا ترد۔

پانچویں۔ ملا علی قاری کتاب جال میں لکھتے ہیں کہ روایت مسلم کی جاہل سے قصہ حجۃ الوداع میں اسی مختلف ہے کہ ان میں ایک ضرور جعولی ہے کیونکہ ایک میں لکھا ہے کہ آنحضرت نے طواف کرا کے نماز ٹھہری مگر میں پڑھی۔ دوسری میں لکھا ہے کہ نماز

ٹھہری مگر میں اس کی دلہذا قال ابن حزم فی ہاتین الروایتین احدھما کذب بلا شک۔

اور اسی طرح حدیث اسراء قبل الوحی اور حدیث خلق تین تہذیب السبت اور حدیث اقل ما نزل من القرآن اور حدیث صلوة الکسوف ثلاث رکعات کی

غلطی اور ضعف کا متحققین نے اظہار کیا ہے اور اسی طرح حدیث فلک کی برزخیت کا جو صحیح بخاری میں ہے صاف افواہ متحققین نے کیا ہے۔ پس باوجود اس کے ہر حدیث

کی صحت کو قطعی اور یقینی سمجھنا خلاف تحقیق محققین سابق کے ہے۔

اگر مستغنی کو اس تقریر پر شبہ ہو کہ میرے نزدیک کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور نہ کسی پر عمل کرنا جائز ہے اور بخاری اور مسلم پر بھی اعتبار صحت کا نہیں تو ہم اُس کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ میں نے اپنے اس جواب میں صرف اصولی مسائل کو بیان کیا اور محققین کے اقوال کو نقل کیا۔ اور چونکہ ہمارے ابناء جن اصل بات کو تو دیکھتے نہیں اور مطلب پر غور نہیں فرماتے۔ سرسری طور سے عامیانہ اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے حقیقت میں مطلب اُور کا اُور ہو جاتا ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جن محدثین نے صحاح ستہ کو جمع کیا وہ بڑے محقق اور متبوع اور امام اور دین کے پیشوا تھے۔ اُن کی نیت نیک تھی۔ اُن کی صداقت اور سچائی اعلیٰ درجہ پر تھی۔ اور انہوں نے احادیث کو جہاں تک ممکن تھا نہایت احتیاط سے جمع کیا اور راویوں کے الفاظ اور کلمات کو بہت محنت سے یاد کیا۔ اور اپنے نزدیک اُنھوں نے کوئی دقیقہ تصحیح کا باقی نہیں رکھا۔ اور ان کتابوں میں حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور اُن کی احتیاط اور تحقیق بہت زیادہ ہے۔ مگر کچھ ان محدثین نے لکھا اور جمع کیا اُسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُس کے راوی اس کثرت سے ہوں کہ جن پر عقلاً احتمال غلطی کا ہو ہی نہ سکے اُسے متواتر کہتے ہیں اور اُسکی صحت پر کامل یقین ہے۔ دوسری احاد ہیں جو اُس درجہ پر نہیں پہنچیں اس لیے ایسا یقین صحت کا اُسپر نہیں ہے کہ اُس میں غلطی کا احتمال نہ ہو مگر اُس پر عمل کرنا جائز ہے جب تک کہ اُس کا تقاضا اور مخالفت اُن اصول صحیحہ عملیہ سے ثابت نہ ہو ورنہ جو اسطے صحیح احادیث کے قرار دیئے گئے ہیں اور پھر ان اخبار احاد کی نقل میں محدثین نے نہایت احتیاط کی مگر کچھ بھی وہ غلطی اور خطا سے نہیں بچے اور بعض محض احادیث کی روایت میں اُن کو دھوکا ہو گیا پس ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ہم اُن حدیثوں کو جو صحاح میں خصوصاً بخاری اور مسلم میں لکھے ہیں صحیح جانیں گے اور اُس پر عمل کریں گے لیکن جب اُسکی مخالفت کسی اصل صحیح سے منجملہ اُن اصول کے ثابت ہو گئی تب ہم اُسکو صرف اِس وجہ سے کہ یہ حدیث صحیح حدیث میں لکھی ہے واجب ہونا جانیں گے کیونکہ کسی محقق نے ایسا نہیں کیا نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ کبھی اپنے دعوے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور

آخراً اُسے بھی اُسی راہ پر آنا ہوگا جس پر ہم چلتے ہیں۔ پس بڑا فرق ہے درمیان اس کے کہ احادیث اعا و مفید یقین نہیں ہیں اور درمیان اس کے کہ وہ غلط ہیں اور درمیان اس کے کہ وہ واجب العمل نہیں ہیں یا جو مخالف رض و مخالف کے اور درمیان اس کے کہ جائز العمل ہیں۔ جب تک اُن کا تعارض ثابت نہ ہو۔ اور درمیان اس کے کہ محدثین محصوم اور محفوظ نہ تھے اور اُن سے غلطی ہونا ممکن تھی اور باوجود احتیاط کے اُن سے براہِ بشریت غلطی ہوئی اور درمیان اس کے کہ وہ جھوٹے تھے اور جھوٹی باتیں انھوں نے جمع کیں ہیں جو کوئی دوسری بات کو ہماری طرف منسوب کرے اُس کا الزام اُس پر ہے نہ ہمارے۔ وہاں انا بری ما یقولون +

## استفتا

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء اگر زید مقتدی یا قائل اُن امور کا ہو جو کہ نتیجہ بیان کیے جاتے ہیں اور پھر ہرگز اسے امام اور پیشوا اور مقتدا اور دین سمجھے تو عمر کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے۔

(۱) اولاً استدلالِ شانہ بہ سن اور یسار اور صورت اور جسم اور مکان سے مستنہ نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید نہ جامع ہے نہ ناغیر یعنی جس قدر نازل ہوا تھا وہ سب محفوظ نہیں رہا اور جو قرآن نہیں تھا وہ قرآن میں داخل ہو گیا۔

(۳) قرآن موجودہ غلطیوں اور کاتب کی بھولوں سے بھرا ہوا ہے۔

(۴) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ کہنا کچھ چاہتے اور زبان مبارک سے اُور کچھ نکل جانا اور بسببِ محدود ہونے کے خود نہ جانتے کہ میں کیا کہتا ہوں۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعریف قرآن پڑھنے کی حالت میں مشرکین کے سامنے کی۔

(۶) خدا کو بعض آیتوں میں بندوں پر توار دہوایا یعنی جو کچھ پہلے کسی بندے کی زبان سے نکلا اُسی کو پھر خدا نے بذریعہ جبریل امین کے نازل کیا۔  
(۷) باوجود نہ لیے جانے نام خدا کے وقت زبح کے اور عداوت کرنے تسمیہ کے بھی حلال ہے۔

(۸) سوائے عربی زبان کے ترجمہ قرآن کا نازیں پڑھنا جائز ہے۔

(۹) صحیح بخاری اور مسلم میں بھی موضوع حدیثیں ہیں۔

(۱۰) صحابہ کے اقوال واجب العمل نہیں ہیں۔ وہ بھی آدمی تھے۔ اور ہم بھی

آدمی ہیں +

## مُراستلا

مکرمی مولوی مہدی علی صاحب تلمہ۔

اشتیاقیکہ بدیدار تو دارد دل من

دل من داند و من دائم داند دل من

آپ کی فصیح بلیغ تحریر دل کو میں نے دیکھا۔ آپ کی استعداد کی کیا تعریف ہو سکے  
آپ کی لیاقت کا اظہار کون کر سکے۔ مگر نہایت ہیت پر ہونا کہ آپ کی تحریریں مقولات اور  
دشادھی تہذیب ہی پر ختم ہوئیں اور مذہبی عقاید پر آپ توجہ نہ کرتے۔ بھائی میرے  
للاہ باریک ہے اور ازلت تاریک۔ ایسی نیزی سے چلتا دانشمندی کے خلاف

ہے۔

مہدی مشتاب ہیں رہ دین است نہ صحر است

ہم شد ار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

بارہ شتو برس کی عمارت کو گرانا اور نئی بنیاد ڈالنا اور اسلام کی تصویر ٹھکانا عقل کے بھی  
خلاف ہے۔ اگر بے پابندی اسلام کے آپ نیا دین قائم کریں، ہر کچھ عذر نہیں مگر  
اسلام اسلام اسلام کی ہمدردی کا جب آپ نام بیٹے ہیں تب ہمارے بدن پر

لرزہ ہوتا ہے۔ اور تعجب کرتے ہیں کیا اس ہزار برس کے عرصہ میں کوئی بھی سے واقف نہ ہوا۔ کسی کو حقیقت اسلام کی معلوم نہ ہوئی کہ آپؐ اسکی اصلاح میں۔ پھر اگر قبول آئیے جو اپنے دوست کو خط میں لکھا ہے عربی عامہ سرچر ہوتا اونچے ٹخنہ کا پاجامہ تو بھی کوئی آپؐ کی بات سنتا۔ وضع کرشانی و دعویٰ مشابہات بہیات۔ شیطان کے وجود سے انکار کرنا۔ شق القمر کا منکر ہونا۔ اجڑا نہ ماننا۔ کتے کی طرح کھڑے ہو کر موتا۔ اسباب کو برا کہنا۔ سلف صالح کو اچھا نہ۔ مسلمانوں کو پاچی نالایق کہنا۔ اماموں کو صنم و بت بنانا۔ علماء کو مکار و دہکار کہنا ہی اگر نشانیاں اسلام کی ہیں تو سلام ایسے اسلام کو۔

گردلی اس است منت بر ولی

حضرت زحمتب ہے جس کے نڈھ کا خوف ہو۔ نہ قاضی ہے جس کے فتوے سے وار کا ڈر ہو۔ آزاد گورنمنٹ کی حکومت ہے۔ ورنہ اس نادمی سے ہلک باب کی کیفیت معلوم ہوتی۔ اب تک کب کی آزادی دنیا سے آپؐ کو حاصل ہو گئی ہوتی بڑا نادر ستہ العلوم پر تھا مگر اخبار الاخبار لکھتے نے آپؐ لوگوں کی فریب دہی مسلمانوں کو کر رہے تھے ثابت کر دکھایا اور مدرسہ میں یہ جاری کر دیا۔ اگر وہ ان میں بھی آپؐ لوگوں کی خوب خبر لی۔ کانپور کے مشہور زیندار عالم کے نام سے آپؐ کے بدن پر لرزہ پڑتا ہو گا جبکہ یہاں تک آپؐ لوگوں کی دولت کی نوبت چکی تو باز نہ رہنا تو ہی آزادی ہے جس کو سب بے حیائی کہتے ہیں۔ اگر آپؐ مسلمان نہ ہوں تو آپؐ اشتہار دیدیں یا مسلمانوں کے عقیدے رکھتے ورنہ قیامت۔ دن سب حال کھل جاوے گا اور اپنے کیے کو رو گئے خوب آپؐ یقین کر لیں نہ آپؐ کا مدرسہ العلوم چلے گا نہ فریب دہی مسلمانوں کی۔ اس سے بہتر ہے کہ آ۔ مذہبی تحریروں سے باز رہیے۔ بدعت کے موجب نہ ہو جیسے ورنہ ناحق کوئی جلا۔ مسلمان کچھ کر بیٹھے تو سب خیر خواہی اسلام کی معلوم ہو۔ جلے ہوئے بڑے ہو۔ ہیں۔ یہ تو بتاؤ کہ ملکوان بانوں میں کیا لطف ہے۔ اگر کہنا سے خیال دین کی نسبت اچھے رہتے تو تم حقیقت میں بڑے کام کے آدمی تھے لیکن ہلوگوں کی بھینہ ہے کہ تم سے لوگ یوں گبرٹے جاتے ہیں۔ والسلام علی من التبع الهدی

اگر آپ تہذیبِ اخلاق میں اس خط کا جواب چھپوا دیں گے تو میری نظر سے  
گزر جاوے گا۔

راقم  
منظر الحق

## مخدومی طلبہ

سلامی چو الفاظِ تودہ نشان \* سلامی چو اسحاق تو مشکبو  
عرض کرتا ہوں قبول ہو۔ میں نے آپ کا خط پایا یہ مشکور ہوا۔ آپ کا شکر کیا۔  
سبحان اللہ کیا خوب خط لکھا ہے۔ جس کے ہر فقرہ پر دلِ قربان ہوا جاتا ہے۔  
خطتِ محیِ بینم و گردِ سودا نامہ مے گرم  
فدائے جنبشِ آریست و طرزِ نئے مے گرم  
آپ نے نصیحتِ مذہبی تحریروں سے باز رکھنے کی فرمائی سب سے اول میں اُس کا  
شکر کرتا ہوں مگر افسوس ہے کہ آپ کی اس آرزو کو پوری نہیں کر سکتا یعنی قرآنِ مجید  
میں پڑھا ہے ملاحظہ المکذبین و دونو تہدن فیدھنوں۔ اس لئے عزت  
کی خواہش اور مسلمانوں کی دلجوئی اور طعنِ ملامت سے بچانے کی آرزو مجھے سچ کہنے  
اور حق لکھنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ بدباہنت کر کے جھوٹی تعریف کی تسامیر سے  
دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

برو ہکا بخود اسے واعظ اس چہ فریاد است  
مرا فتادول از رو ترا چہ آفتاد است  
بکام تا نرساند مرا لبش چوں نے  
نصیحت ہمہ عالم گیوشش من باد است

آپ کہتے ہیں کہ رات تاریک اور راہِ باریک۔ تیزی سے چلنا اچھا نہیں ہیں بھی  
جانتا ہوں کہ رات تاریک ہے اور راہِ باریک۔ لوگوں کو ٹھو کریں کھاتا اور سوخنے کے بل  
گرتا بھی دیکھتا ہوں اسی واسطے روشنی دکھانے کے لئے جلدی کرتا ہوں تاکہ خدا کے  
کلام کی روشنی پہلے اور تاریکی جاتی رہے۔ دُر تو اُس وقت ہوتا کہ بے روشنی کے



چلتا۔ پس بھائی میرے۔ اندھیاری رات اور ٹنگٹا میں نے روشنی کے چلنا  
سے بعید ہے نہ روشنی دکھانے کے تیری کرنا۔

آپ کیسے ہیں کہ تم بارہ سو برس کی عمارت کو گرانا اور اسلام کی تصویر کو مٹانا  
جو۔ یہ آپ کی طبعیت کوئی ہے جس کو سن کر آپ کی ہی طبیعت والے چند محظہ قاء  
ہنسیں گے مگر تم میں بارہ سو برس کی عمارت کو گرانا ہوں نہ اسلام کی تصویر کو مٹا  
اُن بوسیدہ دیواروں اور بدناما جھونپڑوں کو جو خدا کے گھر کے ارد گرد لوگو  
ڈال رکھے ہیں اور جس کے سبب سے خدا کی بنائی عمارت کی خوبی چھپ گئی ہے  
کی آرزو رکھتا ہوں اور اُن تصویروں کو بولگوں نے بنا رکھی ہیں مٹانا چاہتا ہوں  
آپ ہی فرماویں کہ یہ تصویریں جن کی آپ پرستش کر رہے ہیں خدا کی بنائی ہوئی ہر  
آپ کو خدا تک پہنچا سکتی ہیں۔ آخر بتائیے تو یہ کیا ہیں ماہذہ التماثل المتی انتہ  
عاکفون۔ اگر یہ تصویریں خدا کی بنائی ہوئی نہیں ہیں تو آپ کیوں اُن کو قبل میں یہ  
ہوا کیوں اسلام کی اصلی تصویر کو مٹاتے ہو۔ کیوں ان بدنامو رتوں سے اپنے  
کے کعبہ کو بتکدہ بنا رکھا ہے مالکہ کیف تضرعون۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ نبی کسی کو متعبدین میں سے اسلام سے واقف نہیں جانتا  
آپ کی غلطی ہے۔ میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں اسلام کی خوبیوں  
ظاہر کرنے والے نہ گذرے ہوں اور جنہوں نے تعلیدی اسلام کو بُرا نہ کہا ہو  
میں اس بات پر آمادہ ہوں کہ آپ لوگوں کو دکھاؤں کہ کتنے لوگ اسلام کی حقیقت چا  
والے گذرے ہیں اور تعلیدی علما نے اُن کی باتوں کو ویسا ہی چھپا رکھا ہے جیسے  
ابو قتیبہ کو چھپا دیتا ہے۔

آپ کا یہ خیال کہ عربی عمار اور اونچے ٹخنے کا پائیا بہ خلائق سے مطلب نکال  
کا وسیلہ ہے سچ ہے مگر فریب و دغا سے دنیا کا لئے کے لئے نہ سچائی و صفائی سے  
دین کی باتوں کو پھیلانے کے واسطے خیال شیطانی و دعویٰ مسلمانی۔ افور  
ہیں مسلمانی۔

آپ ایک ظرافت کے ساتھ اصحاب کے بُرے کہنے سلف صالح کو اچھا نہ  
وغیرہ باتوں کو میری طرف منسوب کیا ہے اس لئے مجھے یہ مجبور ہی کہنا پڑا کہ انکار

صداقتوں کا حاشا و کلام کہ میں اصحاب کو برا کہتا ہوں یا سلف صالح کو اچھا نہ جانتا ہوں  
میں اُن کو بزرگان بن اور پیشوایانِ اسلام سمجھتا ہوں۔ میں تمہاری طرح اُن کو موصوم و  
رسول نہیں سمجھتا ہوں۔ سو اُن سے اس بات کے نہ باقی اُن کی بزرگی اور پائی کا دیا ہی مجھے  
اقرار ہے جیسا کہ تھا۔

گو ہر خندانِ اسرارِ حمان است کہ بُود  
تو تھو تھو بد اں ہر نشانِ است کہ بُود  
از صبا پُرس کہ مارِ ہمہ شب تا دمِ صبح  
بُوئے زلفِ تو ہاں نَسِ عینِ است کہ بُود

شیطان کے وجود کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ میں تو  
اُس کے وجود خارج عن الانسان ہونے سے مُسکرا نہیں سید صاحب گو اُس سے مُسکرا  
ہیں مگر اُس کے وجود حقیقی داخل ہونے سے اور اُس کی شیطنت اور اغوا کی تاثیرات  
سے مُسکرا نہیں پھر ایسی تاویل کرنیوالے کو کیا کوئی کافر کہہ سکتا ہے۔ اگر آپ سالہ  
نسب جو عربی میں ہے اور اُسکی شرح جو ملا عبد الحکیم نے لکھی ہے ملاحظہ کریں تو آپ کو  
معلوم ہوگا کہ اُن لوگ بھی وجود خارجی شیطان سے منکر ہو چکے ہیں۔ جن کو نہ کسی نے  
کافر شہرہ دیا نہ مرتد۔

شقِ افسوس کے لڑکا پر کفر کا اطلاق کرنا اُس وقت زیبا ہے جبکہ آپ اس محب کے زکو  
متفقِ عیدت لاریں حالانکہ جب بعض مفسرین اُس سے مُسکرا ہیں اور بعض محققین نہ  
دلائل اُس کا انکار کرتے ہیں تو شاید آپ کو اس تیزی سے کفر کا کلمہ بان پڑنا مناسب  
نہ ہوگا۔ تعہیاتِ الہیہ میں لوی شاہ عبد العزیز کے والد نے صاف انکار کیا ہے اور  
لکھ دیا ہے کہ عندنا نیست من المعجزات حدیثیں جو حضرت ابن عباس سے اس  
باب میں ہیں اُس پر بھی حرج ہو چکی ہے کہ وہ اُس وقت تک پہنچا ہی نہ ہوئے تھے حضرت  
انش کی حدیثوں پر بھی یہی قیوح ہو چکی ہے کہ وہ مدینہ میں چار برس کے تھے پس جبکہ  
علامہ بحث اسکے مخصوص و متواتر ہونے پر ہو رہی ہے تو کفر کا اطلاق کرنا اُس کے  
انکار پر تحقیق سے بے خبری پر دلیل ہے۔ اجماع کو نہ ماننے کو کفر جانا نادانی ہے۔ ذرا  
آپ امام احمد کا یہ قول تو مسلم اثبات میں ملاحظہ فرمائیے کہ من ادعی الاجماع فهو کاذب

کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے اور کسی غیر ممدوح شیعہ میں اجماع اصطلاحی کا دعویٰ تو ثابت  
 کر دیکھائیے وہی لکھو ہذا۔ افسوس! ان کی سچیز جو چند آدمیوں کی سچیز کہ ایسا تو چاہیے کہ ان کے ماننے کو تو بھیجیں  
 کھڑے ہو کر شہادت کی نسبت جو اپنے ایک نامناسب نقطہ لکھا ہے غالباً آپ کو افسوس ہوگا جبکہ آپ  
 ترجمہ ہی لینا کو ملاحظہ کریں گے کیونکہ اس کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے موت  
 اسکا ہے چنانچہ بالی قائم اساف موجود ہے اور پھر محدث موصوف نے اسکی باہت اکثر محدثین اور  
 عالموں کے منسوب کی ہے یقیناً آپ کو بڑی شرم ہوگی جبکہ آپ کو ان باتوں کا علم ہوگا اور خیال کریں گے کہ  
 جو کچھ آپ لکھا ہے اسکا اثر کہاں تک پہنچتا ہے اسی لئے عاقل کو چاہیے کہ بعد تحقیقات اور علم حاصل کرنے  
 کے زبان سے کوئی بات نہ کہے تاکہ افسوس نہ دامت نہ ہو اپنے مجھے یہی نصیحت کی ہے کہ تو مسلمانوں کے  
 عقیدے کو بھیا اسلام چھوڑ دینے کا اشتہار دے۔ بخوبی اگر اسلام کو دیکھا ہی تھا جیسا کہ آپ کہتے ہیں  
 تو میں ضرور اس کے چھوڑنے کا اشتہار دیتا مگر جبکہ اصلی اسلام کی سچائی سے ریڑھ ہل رہا ہے تو اس کے  
 اظہار کا اشتہار دیتا ہوں اور وہی اسلام کا چھوڑنا اچھا نہیں ہے۔

میں نے مانا کہ آپ مجھے فاسد الاعتقاد جانتے ہیں اور تسلیم کیا کہ اگر آپ کا اسلام آپ کو عروص کے بھیلے  
 مجھے تو یقین ہے کہ میں سچا اور پکا مسلمان بن علی بصیرۃ من ربہ جس میں انہوں کے بھیلے  
 جو کچھ ہمارے تمہارے دل میں ہے سب کھل جائے گا اگر آپ کا اسلام آپ کو عروص کے بھیلے  
 کا مزہ دیکھا جس کی تمنا میں توڑنے اور بھوکے رہتے ہو تو خیر کہ بھی اُسید ہے کہ ہوا لا لہاد  
 بہ کو خدا کی پناہ دیکھا جس کے لیے ہم گالیاں کھاتے ہیں طعنے سنتے ہیں اور کا فوطہ  
 جبکہ شوق میں موتیوں کے مکان کی آرزو ہے شہد دو دھکی نہوں کی تمنا نہ عروص کے بھیلے  
 وصال کا خیال ہے نہ ہی تو ان پر ہی پیکر کے آغوش میں لینے کی خواہش۔

بوز سینہ جنت را بوزم

باب دیدہ آتش را دہم نم

آپ نے جو لکھا ہے کہ نہ محتب ہے جس کے ذرہ کا خوف ہو نہ قاضی جبریل کے  
 فتوے سے دار کا ڈر ہو بلکہ سچ لکھا ہے۔ لیکن کیا آپ کے جگر خراش طعنے محتب کے  
 ذرہ سے اور آپ کی دلسوز ملامتیں دار کے پھینچنے سے کم ہیں۔

آنخو زخم زباں کند بامرد

زخم شمشیر جاں سستا نکند

پس جب کہ ہمارا جوش و ولولہ اس خوف سے کم نہ ہوا اور ہمارے دل کے ساحلین  
لوگ آپ کی ملاست نہ ہو جاسکے تو محتب کا ڈرہ کیا کرتا اور قاضی کے فتوے سے  
کیا ہوتا اگر دار پر بھی کھینچے جاتے تو یہی کہتے کہ ۔

بجرم عشق تو ام سے کشند غوغائیت

تو نیز بر سر بام کہ خوش تاشائیت

اپنے مدرسۃ العلوم کی نسبت جو کھاس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ۔ بلاشبہ  
لکھنؤ کے اخبار الاخیار نے ہماری فریب ہی ثابت کر دی ۔ اگر اخبار نے بھی ہم کو  
ملحد ٹھہرا دیا اور مدرسۃ العلوم کا چندہ بند ہو گیا ۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ یہ  
یمن کر مرنے جاویں کہ قریب آستی ہزار کے چندہ ہو چکا ہے اور ابتدائی مدرسوں کے  
تقرر کے لئے جا بجا سے درخواستیں چلی آتی ہیں اور اب چند روز میں شاخیں ان  
مدارس ابتدائی کی جو رستی مدرسۃ العلوم کی ہیں جا بجا قائم ہو چا ہتی ہیں ۔ ہاں ایک  
بات کا مجھے بھی افسوس ہے کہ مدرسہ یانیہ کی سی تعلیم ان الحادسی مدرسوں میں نہ ہوگی  
وہ حافظہ خیالات جو اس تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں ان مدرسوں کے تعلیم یافتہ آدمیوں  
کو نہ ہوں گے ۔ میں نے ابھی تھوڑے دن ہوئے مدرسہ یانیہ کے اخبار الاخیار  
میں ایک بڑے مفتی و مجتہد علامی فہامی کا محققانہ قول دیکھا تھا کہ انہوں نے بوم  
یعنی اُن کی نسبت لکھا تھا کہ اخبار صحیح سے ثابت ہے کہ بوم اول بتی ہیں رہتا تھا  
جب سے امام علیہ السلام شہید ہوئے ۔ اُس نے ویرانہ میں رہنا اختیار کیا ۔ دن کو  
روزہ رکھتا ہے شام کو قوت مالا میوت پر افطار کرتا ہے ۔ رات بھر امام کے غم میں  
لکھنؤ پر مٹا ہے فخذ بالله من هذه الهفوات ۔

پس ایسے عالی دماغوں کے دلوں پر ہمارے مدرسۃ العلوم کے مقرر  
ہونے کا دلغ کیوں نہ ہو اس لئے کہ ایسے نازک خیال والے اس تعلیم کے بند  
کہاں دکھائی دیں گے ۔ اور ایسے اُن کی حقیقت بتانے والے کہاں باقی رہیں گے  
اگر اخبار نے بھی اپنی محبت اسلامی کے ظاہر کرنے میں کوئی قبیحہ قاتی نہیں سکتا  
ایسے لوگوں کے حق میں سوائے پالیٹ قومی یعلموں کے اور کیا کہا جاسکے  
افسوس ان مسلمانوں پر کہ آنکھ رکھتے ہیں اور نہ دیکھیں ۔ کان بھی ہیں مگر چہ سشن

دل بھی پہلو میں ہو مگر کچھ نہ سوچیں۔  
چشم باز و گوش باز و این ذکا  
خیرہ ام در چشم بندے خدا

## مسجد میں جوتا پہنے نما پڑھنا

چند روز ہوئے کہ تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون تہذیب الایمان سے چھاپا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جوتا پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھنا صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو ابھی تشفی نہیں ہوئی اور وہ بدستور اُن لوگوں پر طعنہ کرتے ہیں جو کبھی کبھی جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اور جوتا پہنے ہوئے مسجد میں جانے کو تو ایک قیامت جانتے ہیں اس لیے ہم اُن کی تشفی کے لیے متعدد روایتیں اہل سنت و جماعت کی مقبر کرتا ہوں کہتے ہیں جس سے بخوبی ثابت ہے کہ جوتا پہنے مسجد میں جانا اور جوتا پہنے نماز پڑھنا سنت ہے اور جو شخص اُن لوگوں پر طعنہ کرتا ہے جو جوتا پہنے نماز پڑھ لیتے ہیں وہ گنہگار ہوتا ہے کیونکہ عادت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے جوتا پہنے نماز پڑھنا اور جوتا پہنے جانا ثابت ہے۔

ابن عدی اور ابن مردودہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتا کو زینت نماز فرمایا ہے اور اُسے پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے کہما روی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذوا زینۃ الصلوۃ قالوا وما زینۃ الصلوۃ قال البسوا لکم فصلوا فیہا عقیلی اور ابو شیحہ اور ابن مردودہ اور ابن مساکر نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی قول اللہ عز وجل خذوا زینتکم عند کل مسجد اے صلواتی نماز کے۔ یعنی  
 پیغمبر خدا کے اس قول میں کہ زینت سے ہر مسجد میں جایا کرو یہ فرمایا ہے کہ جو تہ پہن کر  
 نماز پڑھا کرو۔ ابن مردود نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ مما اکرم اللہ بہ ۵۰۰ کلامتہ  
 لبس خدام فی صلواتہم کہ منجمل ان باتوں کے جو خدا نے اس امت کی بُرگی کے لئے  
 دی ہیں جو تہ پہن کر نماز پڑھنا ہے۔ ابو داؤد اور حاکم نے شداد ابن اوس سے یہ حدیث  
 روایت کی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالفوا اليهود فانہم لا یصلون  
 فی خفافہم ولا فی خالام۔ کہ مخالفت کرو یہودی کی کہ وہ موزہ اور جو تہ پہن کر نماز  
 نہیں پڑھتے۔ اور یہی حق اور ابن جہان اور طبرانی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔  
 بخاری نے انس سے روایت کی ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ پیغمبر خدا صلی  
 جو تہ پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ اور سلم اور نسائی اور ترمذی نے بھی  
 ایسی ہی روایت کی ہے۔

بعض علماء نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جو تہ پہن کر نماز پڑھنے کی عادت  
 معمولی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جیسا کہ فتح التغال میں لکھا ہے واما صلواتہ  
 علیہ لصلوۃ والسلام فی نعلیہ فانظر انہ کان فی المسجد فان فی الصلحین غلیظ  
 عن سعید بن یزید قال سالت انس ابن مالک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 یصل فی نعلیہ فقال نعم وظاہرہ ان هذا کان شانہ وعادۃ المستمرة دایما کہ مسجد میں جو تہ  
 پہن کر نماز پڑھنے کی آپ کی دائمی عادت تھی۔

عنبلی اسی وجہ سے جو تہ پہن کر نماز پڑھنے کو سنت کہتے ہیں جیسا کہ رد المحتار میں  
 لکھا ہے کہ واخذ جمع من الخباہلۃ انہ سنتہ۔

بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ جو تہ پہن کر سڑکوں اور گلی کوچوں میں پھرتے ہیں  
 اُس کو مسجد میں لیجانا اور نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ وہ جو تہ مسجد میں لیجانا جائز ہے  
 جس کے اوپر ایک اور جو تہ یا موزہ یا کوئی چیز ہو تاکہ جو تہ نجاست سے محفوظ رہے۔ مگر  
 یہ غلطی ہے جیسا کہ رد المحتار میں لکھا ہے ولو کان یشی بجانی الشوارع لان النبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم واصحابہ کافوا یشرون بجانی طرق المدینۃ ثم یصلون فیہا یعنی  
 اُسی جو تہ کو جسے پہن کر سڑکوں و راہوں پر چلتے ہیں نماز پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اور سب کرام مدینہ کی گلیوں میں جوتہ پہنے پھرتے تھے اور اسی سے نماز پڑھتے تھے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ اور حاکم اور عبد بن حمید اور اسحاق ابن راہویہ اور ابوالحلی صلی نے ابن مسعود جزی سے روایت کی ہے کہ حضرت نے نماز میں جوتہ اتار ڈالا تو صحابہ نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے۔ حضرت نے بعد نماز کے صحابہ سے پوچھا کہ جوتے کیوں اتار ڈالے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کی تقلید کی۔ تب فرمایا کہ مجھے جبریلؑ نے خبر سنی کہ میرے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے اس لیے میں نے اتار ڈالتے اور یہ فرمایا کہ تم مسجد میں آنے کے وقت اپنے جوتوں کو دیکھ لو۔ اگر کچھ نجاست لگی ہو تو پونچھ ڈالو اور جوتہ پہن کر نماز پڑھو۔ الفاظ ابوداؤد کے یہ ہیں۔ ثم قال اذا جاء احدکم المسجد فلینظر فان رای فی نعلیه غذارا وادی فلیمسحه ویبصل فیہا۔

انگوں میں سے بھی بعض خیالی ادب کرنے والے ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اس فعل کو مکروہ جانا۔ مگر علمائے اُن کے قول کو رد کیا جیسا کہ علامہ مصری نے فتح المتعال میں لکھا ہے الذی یتبرج ہوانہ کا وجہ نکرانہ الصلوۃ فیہا الشبوت فعل ذلک من اصحاب الشیعہ واما الافضلیۃ فان اراد بہ اقتداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنعمة والا فهو فعل مباح من الخصال الشریعۃ هذا هو الذی علیہ الحقون من الفقہاء والمحدثین۔ کہ قول راجح یہ ہے کہ کوئی وجہ جوتہ پہن کر نماز پڑھنے میں کراہت کی نہیں ہے اس لیے کہ اصحاب شرع سے یہ فعل ثابت ہے۔ باقی وہی افضلیت۔ پس اگر جوتہ پہن کر نماز پڑھنے سے مقصود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا ہے تو بلا شہار جوتہ پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے ورنہ یہ فعل مباح ہے بحدیہ مباحات شرعیہ کے اور بھی قول مخصوص ہے محققین فقہاء اور محدثین کا۔

لوگ تعب کر گئے کہ جوتہ میں تو نجاست لگتی رہتی ہے تو جن میں سپردہ مسجد میں لجا جایا اس سے نماز پڑھنا کیونکر جائز ہوگا۔ مگر اُن کو چاہیے کہ اپنے ہی محدثین کی روایت کی ہوئی حدیثوں کو دیکھیں اور ہم سے نہ پوچھیں کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اگر جوتہ میں کچھ نجاست بھر جاوے تو رکڑ ڈالنا اور مٹی سے مل دینا ہی اسکی طہارت ہے۔

جیسا کہ بوداؤد نے روایت کی ہے اذ او طی احدکم بخفیہ فطہورہما التراب اور ابن  
حسان نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ اذ او طی احدکم بغلیہ فان التراب لہ طہور  
بوداؤد نے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلم سے پوچھا کہ ہم جس راہ  
سے مسجد کو آتے ہیں وہ راہ نجس اور غلیظ رہتی ہے۔ تو جب پانی برسے تو ہم کیا کریں۔  
آپ نے فرمایا کہ کیا سخاست کے بعد صاف جگہ نہیں ملتی۔ اُس نے کہا کہ کیوں نہیں  
تو آپ نے فرمایا کہ ہذا بحدہ یعنی پس جگہ صاف پر قدم رکھنا جس جگہ کی نجاست  
دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

حافظ ابو زرعہ عراقی شافعی نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔

بعض فقہائے لکھتا ہے کہ جو نجاست ایسی ہو کہ جس کی جرم نہ مشوئل پیشاب شراب  
کے۔ اگر وہ جوتہ میں لگ جائے تو بے دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ مگر یہ اُن کی خیالی  
طہارت ہے نہ مطابق حدیث کے۔ کیونکہ مٹی سے رگڑ دینا اس کی پاکی کے لئے کافی  
ہے اور یہ سلسلہ فقہاء کا خود امام ابو حنیفہ صاحب اور قاضی ابو یوسف کے فتوے کے  
خلاف ہے جیسا کہ قاضی ابو علی نسفی نے امام ابو بکر محمد بن تغال سے روایت کی  
ہے کہ انہ قال اذا اصاب غلیہ بول او خمر ثم مشی علی التراب والرمحل حتی لم یبق  
بہ بعض التراب وجف ثم مسحہ بلامض یطہر عند ابی حنیفہ وھذا ذاکہ لفقہ  
ابو جعفر عنہ وعن ابی یوسف مثل ذلک الا انہ لم یشترط الجفاف انہوں  
نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر جوتہ میں شراب یا پیشاب لگ جاوے پھر مٹی پر چلے یا ریت پر  
اور کچھ مٹی یا ریت جوتہ میں لگ جاوے اور خشک ہو جاوے اور پھر پونچھ ڈالی جاوے  
تو پس جوتہ پاک ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور ابو جعفر نے بھی امام ابو حنیفہ سے  
اس سلسلہ کو منقول کیا ہے اور قاضی ابو یوسف نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے مگر اُنھوں نے  
خشک ہو جانے کی شرط نہیں کی۔

بعض آدمی فاخلع غلیہ کے حوالہ سے جوتہ اتارنے کو ادب تصور کرتے ہیں اور  
اگلے لوگوں میں سے بھی بعض نے ایسا شبہ کیا تھا۔ مگر شکر نہ اکا ہے کہ اگلے ہی  
حاکموں نے اُسکی مخالفت ظاہر کر دی جیسا کہ فتح المتعال میں ہے انما ملحہ النعل  
لموسیٰ لذلک لہ علیٰ کراہۃ دخول المسجد متنعلہ ولودل علیہ بالفرض فلا یضونہا



لوجود ما یسنخ فی شریعتنا ومن ہنا ظہر بخافتہ ما فی منیۃ المصلیٰ  
 یہ سب حدیثیں درودائیں جن کو ماننا عقلمین پر فرض ہے کیونکہ انہیں کے  
 مقبولہ عالموں نے نہ صرف روایت کی ہیں بلکہ اُس پر فتویٰ دیا ہے ایک طرف  
 رہیں گی اور ہمارے ہندو مسلمان تو بہ تو بہ ہند کے مسلمان اپنی ہی رسم پر چلیں گے  
 نہ خدا کی تسبیح گے نہ رسول کی۔ اس لئے اُن کا دین اور دین کا ادب خیالی ہے  
 رسمی۔ نہ حقیقی ہے اور شرعی ۛ

## الہامس

### بخدمت حضرت کاشف الغطاو

### کشاف حقیقت

چند پرچے اخبار نور الانوار کے جن میں میرا حال یا میری بعض تحریریں درج جواب  
 تھا میرے پاس پہنچے۔ معلوم نہیں کہ یہ غایت اذیٹ صاحب کی ہے یا مہربانی  
 اُن کے کار سپانڈنٹ کی۔ میرا حال میں دونوں کا شکر کرتا ہوں خصوصاً اُن تہذیب  
 بھرے فقروں کا جن سے اُن کی طینت کی بالکی ایسی ہی ظاہر ہوتی ہے جیسے آئینہ سے  
 عکس۔ غالباً اُن کے بھیجے سے ہمارا آگاہ کرنا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ہماری تحریروں  
 پر توجہ اور ہمارے حال پر مہربانی کی نگاہ ہے۔ اور یقیناً یہ بھی مقصود ہو گا کہ اُس کا  
 کچھ جواب یا جاوے مگر جہاں تک اُن تحریرات کو ہمارے ذاتی خیالات سے تعلق  
 ہے اُس کا جواب شکر ہے کیونکہ جس قدر بُرائیاں ہم میں ہیں اُن میں سے تو کچھ بھی  
 بیان نہیں کیں۔ باقی جس قدر عارالعلوم اور تہذیب الاخلاق سے متعلق ہیں وہ ہماری  
 دلی خوشی کا سبب ہیں۔ اُن تحت اُمت سے اندازہ اُس قوت اور مضبوطی کا ہوتا ہے  
 جو ہماری بابوں کو نسبت مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اُن کی تعلیم و تربیت کے ہے

اور جس کے سبب سے ہکو اُن میں ایک عظیم تبدیلی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔  
جس شخص نے اُن تحریرات کو دیکھا ہوگا وہ ضرور اُس رائے کو تصدیق کرے گا جو  
انڈین اینرز ورنے نسبت مسلمانوں کے دی ہے۔

ہم نے وہ فتوے بھی دیکھے جو لکھنؤ کے مولوی صاحبوں نے نسبت دارالعلوم کے  
لکھے ہیں مگر افسوس ہے کہ اُس پر اُن تے دستخط انتہا تک نہیں ہوئے جتنے کہ ہندی کے  
دفتر ہو جانے اور فارسی کے اُٹھ جانے کی نسبت پہنچے ہیں۔ کیا ان مولوی صاحبوں  
اس سے زیادہ اور کسی فتویٰ کی امید تھی۔ ہمارا رونا تو اسی موجودہ حالت کے دیکھنے  
پر ہے اور دارالعلوم کی تجویز ایسے ہی تنگ و تاریک خیالات کے ٹٹانے کے واسطے  
ہے۔ کیا کوئی دشمنہ منصف آدمی ان فتوؤں کو بھی دیکھ کر مسلمانوں کے حال پر  
اُٹھ اُٹھ آنسوؤں سے نہ رووے گا۔

ہم نے وہ اشتہار بھی دیکھا جو پرچہ نورالافاق لرفع الغلۃ اہل النفاق کے طاری کرنے  
کی غرض سے مشتہر کیا گیا ہے۔ اس اشتہار نے ہکو خوش کیا اور بہت خوش کیا کیونکہ  
اُس کا صرف اُس لحاظ کے روکنے کے لئے جاری کیا جانا مقصود ہے جو تہذیب الاخلاق  
کے ذریعہ سے پھیلتا جاتا ہے۔ ہکو امید ہے کہ اچھے تربیت یافتہ عالم اُسکی مدد  
کریں گے اور اپنے علم کے جوہر دکھا دیں گے۔ اور ہمارے الحادی پرچہ کو بھی اُس سے فائدہ  
ہوگا کیونکہ بھپول کی خوبی اُس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی خار اُس کے  
پہلو میں نہ ہو۔

اب میں اپنے پُر آواز کا شفا لفظ اور اپنے نئے مہربان کشاف حقیقت سے  
رہنمائی ملی درود سے ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں اگر وہ حقوڑی دہر کے لئے اپنے  
قل کو نرم کر لیں اور چند لمحے کے واسطے منصف بن جاویں۔

سرگرم شکوہ اگر تاب شنیدن اری

سینہ بنگافم اگر طاقت دیدن اری

اے حضرات جماعت اہل کمال۔ اگر آپ کو اپنی تحریروں سے صرف حقوڑی دیر کے  
لئے دل خوش کرنا اور چند لمحہ کے لئے مجلس کو گرم کرنا ہے تو خیر ہم منع نہیں کرتے  
تپکی خرفشی کو روک نہیں سکتے۔ آپ شوق سے ذاتی عیوب لوگوں کے کھولیں

اور رشک سودا بنیے لیکن اگر اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی مقصود ہے تو ہندوستان  
یاد دارالعلوم سے مذہبی یا اخلاقی یا اور کسی قسم کی خرابیوں کا خیال ہے تو نہایت خوبی  
کی بات ہے کہ آپ اس پر بحث فرمائیے۔ مگر قبل مخالفت کے مخالفت کا وہ ضمون  
جو تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے کس حق کا وظیفہ چھوڑ کر غور سے پڑھ لیجئے کیونکہ  
میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ منور آپ لوگوں کو مخالفت کرنی بھی نہیں آتی۔  
آپ یقین کیجئے کہ ہم آپ کی مخالفت نہ تحریروں کو بہت غور سے پڑھیں گے  
اور نہایت انصاف سے دیکھیں گے اور اور لوگوں کو بھی ہماری رایوں کا اچھی تحریر کو  
مقابلہ کرنے کا عمدہ ذریعہ ملے گا۔

غالباً آپ اسے تسلیم کریں گے کہ عموماً لوگوں نے مجاہد اور مبارکہ کو مباحثہ سمجھ  
رکھا ہے اور بجائے تحقیق حق کے مخالف پر الزام اور تہمت لگانے اور اس کی تمام باتوں  
کو غلط اور باطل ٹھہرانے کو مایہ ناز غمہ لیا ہے۔ صدائے کتابیں شیعوں نے سنیوں کے  
رو میں ہزار سالے سنیوں نے شیعوں کے جواب میں لکھ ڈالے مگر یہی غلط خیال  
دونوں کو تحقیق حق یا تسلیم حق کا مانع رہا۔ آخر سب و شتم کی وہ نوبت پہنچی کہ مذہب  
بھی ان گالی دینے والوں پر لعنت کرتا ہو گا۔ پس جب تک یہ خیال آپ لوگ اپنے دل  
سے نہ نکال ڈالیں گے بجائے فائدہ کے خود اپنی قوم کا آپ نقصان کریں گے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ بلاشبہ تہذیب الاخلاق نے بڑی تبدیلی خیالات میں پیدا کی  
ہے اور ایک ایسا انقلاب پیدا کرنے کا سامان جمع کر دیا ہے جو پہلے سے کبھی کسی کے  
خیال میں بھی نہ تھا اور دارالعلوم کی تجویز بھی ایک نئی دنیا قائم کرنے کی تجویز ہے جس کا  
نقشہ عموماً مسلمانوں کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ مگر دیکھنا چاہیے کہ اس کا اثر کیا ہوگا  
کیسا مسلمانوں پر ہوگا۔

تہذیب الاخلاق کا اثر ظاہر ہے کہ اس نے اپنی پُر زور فصیح تحریروں سے ایک طرف  
تو غیر قوموں کو دکھا دیا کہ اسلام اس سب سے اور تاریکی کی حالت میں نہیں ہے جو وہ خیال  
کرتے تھے بلکہ وہ ایک روشن آفتاب ہے جو سیاہ بدلیوں میں چھپا ہوا تھا دوسری طرف  
مسلمانوں کو ہوشیار کر دیا کہ وہ اس گہرے عمیق تاریکی بے تھاہ گڑھے کے کنارہ آگے  
ہیں جس میں گرنے سے جان کا اندیشہ ہے۔

ہاں اُس نے ایک اُن مردہ دلوں میں ایک کھلی ڈال دی ہے جن کو لوگ زندہ جانتے تھے اور اُن طبیعتوں میں ایک شور پیدا کر دیا ہے جن میں کسی قسم کی تحریک کی قوت باقی نہ تھی اُس نے رسم تقلید تعصب ساری جڑائیوں کے کھوٹنے کی بھی جڑ ختم کر دی ہے۔ اُس نے لوگوں کے خیالات میں بھی ایک تبدیلی پیدا کرنے کی راہ نکالی ہے اور جہاں تک خیال کیا جاوے مقصود اُس کا مسلمانوں کی بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔

اگر آپ کو اس کے بعض یا کل مضمون ضرر معلوم ہوں اُن سے علمی خلاقی مذہبی برائی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اسکی غلطیاں بتائیے اور اصلاح کھجیے۔ دل ماشاؤ چشم ماروشن۔

اگر آپ کو اُس کے مذہبی مضامین سے رنج ہوتا ہو جسے ہم بھی جانتے ہیں ضرر رنج ہوتا ہو گا مگر ذرا انصاف کیجئے اور یہ کہو بتا دیجئے کہ وہ کون سا مذہبی مضمون لکھا گیا ہے جو کتاب و سنت سے مدلل نہ ہو اور جس کو نہایت مضبوط دلیلوں سے ثابت نہ کیا ہو اور جس میں بڑے بڑے عالموں محققوں کے قول کی سند پیش نہ کی گئی ہو۔ اُن رہائیہ امر کہ من حیث المجموع کل یا بعض مضامین میں غلطی ہی ہوئی ہو تو کیا اس سے اکیلے ہم کافر ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ قبل اس کے کہ آپ کا کفر کا فتوے ہم تک پہنچے اُن پر پہلے پہلے پہنچے گا جو ہم سے پہلے ہمارا ساتھ دے گئے ہیں۔

آپ یقین فرماویں کہ ہم کو ہرگز منظور نہ تھا اور نہ ہے کہ ہم مذہبی مضامین بس پرچہ ہیں مگر کیا کیجئے۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ سے نگر  
کر شہد امن ل میکشد کہ جا اینجا ست

ہر امر میں معاشرت کی۔ تمدن کی۔ تعلیم کی۔ تربیت کی مذہبی مزاحمت ہوتی ہے اور اس لئے اُس کی تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے اور مجبوری اُن غلطیوں کا حرج اصل مذہب پر الزام آتا ہے ظاہر کرنا پڑتا ہے اور پھر بھی اُن نہایت اچانک ہو کر میں لکھتا ہوں کہ موجودہ حالت مذہب کی قوی مانع ہر قسم کی ترقیات کی ہے اور اسے میں ثابت کرتا ہوں۔

مسلمان خیال کرتے ہیں کہ مذہب کی رُو سے کافروں سے محبت کرنا اختلاط رکھنا منع ہے۔ میں خیال کرتا ہوں اگر یہ تپا مسئلہ شریعت کا ہے تو مسلمانوں کو چارہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ یا تو ان سے ہزیرہ اندمان بھرا جاوے یا وہ شمالی افریقہ کے حصہ کو جا کر آباد کریں کیونکہ وہ کسی ہندو سے صاف نہیں مل سکتے۔ وہ کسی انگریز کو اچھا جان نہیں سچا سکتے۔ وہ ان سے صاف طبعیتی اور سچائی اور محبت سے اختلاط وارتبا نہیں کھ سکتے تو پھر وہ ان ملکوں میں جہاں غیر قوموں کے اختلاط وارتبا بغیر ایک ن زندگی کی کوئی اونٹنہ ضرورت بھی پوری نہیں ہو سکتی کہیں بکارتہ سکتے ہیں اس حالت میں کہ وہ اپنے مذہب پر بھی قائم رہیں۔

اب میں زمانہ گزشتہ اور زمانہ حال پر نظر کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے اسکی نسبت کیا خیال کیا اور کیا برتاو کیا۔ سو اول میں اپنے ہادی اور ساری دنیا کے ہادی حوالہ کا یہ معاملہ دیکھتا ہوں کہ جب نجاشی کے ایچی آئے جن کا مذہب رومن کیتھولک تھا تو آپ نے خود ان کی خدمت کی اور صحابہ کی درخواست پر فرمایا کہ انہوں نے میرے یاروں کی خدمت کی تھی میں اسکی تلافی چاہتا ہوں خاص مسجد نبوی میں کیتھولک عیسائیوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ کیا یہ فوجی برتاؤ ہے جو مسلمان نسبت غیر مذہب والوں کے از روئے اپنے مذہب کے خیال کرتے ہیں۔ پھر حال کے زمانہ پر نظر کرتا ہوں تو سلطان روم کو مع علماء فضلار کے پیر میں شاہنشاہ نیپولین کے ساتھ ایک سینر پر بیٹھا ہوا کھانا کھائے اور ملکہ مغترکہ ولیعہد سلطنت کے ساتھ دوست بنا کر رہتے پاتا ہوں۔ کیا یہ لوگ کافر نہیں ہیں۔ ضرور ہیں۔ اگر مسلمان ہوتے تو شاہ بخاریا خان خیمو کی طرح اپنے دشمنان برتاؤ سے ساری دنیا میں روسیہ ہوتے مسلمانوں کو آدمیت اور انسانیت سے کیا علاقہ۔ ان کو کسی کے اختلاط وارتبا سے کیا سروکار۔

ان بات پر بھی ہم نظر نہیں کرتے۔ کیونکہ اگلی حالتوں کو صد بائیس گزر گئے کون جانے کیا سچ ہے کیا غلط۔ روم میں بھی جو ہزار گوسٹ وہ ہے اللہ کو خبر ہے کہ یہ معاملہ صحیح ہے یا جھوٹ۔ ہم خود ہندوستان کے حال پر نظر کرتے ہیں اور نہ اور لوگوں بلکہ خود اپنے کافر کھنے والوں کے حال پر تو کیا پاتے ہیں کوئی کسی باپ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مانگی سپر کر رہا ہے کوئی کسی سیٹھ کا پکڑی بیل بھائی ہونے پر ناکرتا ہے کسی کا ہاتھ

اسکی نفل میں ہے جو ابھی کالی کی پوجا کر کے آیا ہے۔ کسی کی مسند اُس کے قدموں کے واسطے خالی ہو رہی ہے جس کے پاؤں کی گردنہر کے طواف سے بھرتی ہوئی ہے ہندوؤں کے ساتھ دوستی ہے۔ اختلاط ہے۔ ارتباط ہے۔ تو کیا یہ سب مسلمان مسلمان نہیں ہیں۔ بلاشبہ کافر ہیں۔ کیونکہ اُن کے دل میں وہ بات نہیں ہے جس کا برتاؤ وہ ظاہر میں کرتے ہیں۔ مہندوؤں کو بھی جانے دو۔ انگریزوں ہی کے ساتھ جو برتاؤ ہے اُس پر نظر کرو جن کے ساتھ کسی قسم کا اختلاط رکھنا ہی کفر سمجھا جاتا ہے۔ بڑے مسلمانوں کی مسلمانانہ اُس وقت معلوم ہو جاتی ہے جبکہ کسی سٹرلی انگریز کے ساتھ کچھ تعلق ہو جاتا ہے۔ اُن کی غرضاد۔ چالوسی۔ عاجزانہ بات چیت پر اسلام کا نور چمکتا ہے۔ اور اگر کسی سے دوستی ہو گئی تب تو اُس مسلمان کی قدر و وقت کی اور اپنے فخر و فائز کی کوئی حد باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جب شاہنوازہ ایڈنبرا کو کانپور میں ایڈریس دیا گیا تھا تو ہمارے ایک مولانا قبیلے نے اُسے نہایت خوشی سے پیش کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ایسے مہمان کے قدم ہمارے سر پر ہماری آنکھوں پر۔ اُس وقت اس گھنے پر اسلام نے سرور اُن کا مونہہ جنت کی شکر سے بھر دیا ہو گا۔ باقی رہی عام دوستی انگریزوں سے وہ ظاہر ہے کہ اُس کا سبب مسلمانوں کا اسلام ہے بلکہ اُن کی ذلیل حالت کہ انگریز اُن کو دوستی کے لائق ہی نہیں مانتے ورنہ مسلمان ہی طرف سے ہر طرح کی خدمت کرنے کو حاضر ہیں چہ جائے دوستی و محبت۔ وہ خداوند کہنے پر مستعد ہیں۔ ماتھے جوڑنے کو موجود ہیں۔ رکوع کرنے اور قیاموں کے چوسنے تک کو تیار ہیں۔ کیوں جناب کشف افکار اور کشف حقیقت۔ اِن بات پر نظر کر کے بینی و دہن لہند لیاؤ واد بچئے کہ یہی اصلی اسلام ہے اور کیا ایسے ہی لوگ مسلمان ہوتے ہیں اور ایسے ہی اسلام کو آپ قائم رکھنا چاہتے ہیں ورنہ اسی سے مسلمانوں کی عزت کی توقع ہے ماشاء اللہ یہ وہ باتیں ہیں کہ مسلمان شہود کافر دینا د۔

پس ہمارے پرچہ ہندو یا لاطاق کا قصور ہے تو یہ ہے کہ وہ سچائی سکھاتا ہے اور دل و ظاہر کو یکساں رکھنے کی نصیحت کرتا ہے۔ ہاں کافر مسلمان بننے کو منع کرتا ہے۔ بڑا بھاری کفر جو آپ سے اٹھائے بھی نہیں اٹھتا وہ کیا ہے انگریزوں کے ساتھ کھانا۔ سو اقول آپ اِن اصحابِ سؤل کو کافر بتائیے جنہوں نے بیت المقدس کے

گرچہ میں عیسائیوں کی دعوت کھاتی ہے۔ پھر اُن مسلمان فخر اسلام بادشاہوں کی تکفیر کیجئے جنہوں نے صید اور شقیق کے عیسائی امیروں کو اپنے ساتھ کھلایا تھا پھر اُن تمام مسلمان ترکوں پر سخت کیجئے جو روز مرغیاں چٹ فواتے ہیں اور اُن خلیفہ تہد ظل اللہ کو جن کا خطبہ مکہ کے اونچے منبر پر صبح شام پڑھا جاتا ہے ترشان بتا ہے جو فرانس اور لندن اور اسٹریٹ کے بادشاہوں کے ساتھ ہمنوالہ اور ہم پیا لہ رستے ہیں۔ جیساں سب کی تکفیر سے کچھ کفر بچے تو خیر بنارس اور مرزا پور بھی بھیج دیجئے مگر مجھے تو اُمید نہیں ہے کہ کچھ بچے۔ کیونکہ کیا وہ لوگ محروم رہاویں گے جو بت پرستوں کے پکڑی ل بھائی بن کر اُن کی جو ٹیٹی پوپیاں چٹ اور چار حلو انیوں کے مکہ کے لڈو عنٹ فرمایا کرتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی تو کچھ آخر حسمہ چاہئے۔

اے حضرات درگزر نہ جھکائیے۔ کچھ تو انصاف کیجئے کہ کیا دل میں ہے اور کیا زبان پر کہتے کیا ہو کرتے کیا ہو۔ حالت کیا ہے اور نصیحت کیا ہے۔ انا مرون الناس بالبر وبتقوا انفسکم وانتم تفلون انکتاب افلا تعقلون۔

میں اس وقت زیادہ کم نہیں سکتا۔ صرف محبت اور رتباط پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ آئندہ انشاء اللہ جہدِ عرفیہ اسی کے متعلق آؤ لکھوں گا۔

## اہل کتاب کے تھاکھانا

اہل سنت کے اصول سے اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے کے جواز میں تو کچھ شبہ ہو نہ تھا نہ ہے۔ چنانچہ ہم اسے تفصیل لکھ چکے ہیں۔ مگر اردوئے اصول مذہب امامیہ کے ہم جانتے تھے کہ شاید جائز نہ ہو اس لئے کہ اُن کے نزدیک غیر مسلم نجس ہے مگر آج ہماری نظر سے ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی جو ہذیل الاحکام میں منقول ہے گذری۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ممدوح نے بھی اُس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس لئے ہم اُس حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ حضرت شیعہ بھی اُسکے جواز و اباحت میں کچھ شک نہ کریں گے۔

شیخ طوسی تہذیب حکام میں حسین بن حمید سے روایت کرتے ہیں کہ زکریہ بن ابیہم کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی یا حضرت میں ایک آدمی ہل کتاب میں سے ہوں اور اب سلمان ہو گیا ہوں مگر سب میرے گھر والے دین بھرا نیت پر قائم ہیں اور میں ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں پس ان کے کھانے میں سے میں کھاؤں یا نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ وہ سو کھاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں لیکن شراب پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ کھا اور پی۔

اصل عبارت یہ ہے عن القاسم بن محمد عن معوية بن وهب عن عبد الرحمن بن حنيفة عن زكريا بن ابراهيم قال دخلت على ابي عبد الله عليه السلام فقلت اني جل من اهل الكتاب ولاني اسلمت وبقي اهل كلهم على النصرانية وانا معهم في بيت واحد لم افارقهم بعد فاكل من طعامهم فقال لي يا كلون لحم الخنزير قلت لا ولكنهم يشربون الخمر فقال لي كلهم واشرب يا خنثى ۛ

## مراسلہ مہدی

عزیز مناجد علی سلامت دعا لے۔

خط تہا آیا۔ حال معلوم ہوا میری کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ عیاں لاچو بیاں۔

یک سینہ و صد ہزار شعلہ

یک دیدہ و صد ہزار باں

تم نے پوچھا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھنا کیوں ترک کیا۔ کیا سید صاحب سے مخالفت کی یا کفر کے فتوؤں سے ڈر گئے۔ عزیز بمن۔ نہیں سید صاحب سے مخالف ہوا یا کفر کے فتوؤں سے ڈرا۔ بلکہ میرے سکوت کا اصلی سبب تکوین معلوم ہے کہ قطع نظر روحانی صدموں کے کئی مہینے سے ایسا بیمار ہوں کہ لکھنا پڑھنا دشوار ہے روز قرہ کا کام بھی بے شکل و وسوسوں کی مدد سے کرتا ہوں۔



عزیز من - سید صاحب سے مخالفت کا زمانہ گزر گیا۔ اب اس خیال کو جانے دو کہ پھر وہ زمانہ آوے گا۔ انا احمد واحمد انا۔ بخن و حان حللنا بدينا  
 کفر کے فتوؤں کا ڈر عابیوں کو ہو گا جن کا ایمان برادری کے حق پرانی پر ہے۔  
 نہ ان مردوں کو جو اسلام کی حقیقت ان کفر کے فتوے دینے والوں سے بھی زیادہ  
 جانتے ہوں۔ وہ تو ان بادی کا غزوہ پر جو کبھی مشرق سے مغرب کو اور کبھی مغرب  
 سے مشرق کو اڑتے پھرتے ہیں انکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور پھر گیس کے برابر  
 بھی اُسکی وقت نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک خدا نے اپنی جنت و دوزخ ان کفر  
 کے فتوے دینے والوں کو مہیا نہیں کر دی کہ جس کو چاہیں وہ جنت میں بھیج دیں  
 جسے چاہیں کافرانہ دوزخ میں ڈالیں۔

عزیز من - تم تاریخ سے ناواقف ہو۔ اگلے لوگوں کا حال تم نے نہیں پڑھا۔ ورنہ  
 تم ان کفر کے فتوؤں پر تعجب نہ کرتے۔ یہ تو ایک پرانی رسم ہے کہ ہندو میں اُسپر  
 عمل درآمد ہے اور مذہبی سرداروں نے اُسے اپنی وقعت و عزت کا ذریعہ ٹھہرا  
 رکھا ہے تاکہ وہ پوجے جاویں اور خدا کے نزدیک ٹھہریں۔ اور جو ان کے گئے پیچھے سے  
 نکلے وہ روح القدس کی آواز سمجھی جاوے۔ افسوس ان ضعیف القلب و ضعیف الایمان  
 لوگوں پر جو اپنی ملی تمسید پر پاملیناں رکھیں اور ان کے دل ان ہوائی کاغذوں سے  
 تپوں کی طرح اڑتے پھریں۔

سنو میاں دنیا میں تنہی نامور قومیں گزری ہیں۔ یا جو اب موجود ہیں ان کی تاریخ  
 اس پر شاہد ہے کہ جب کسی نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اوسط دماغ کے خیالات  
 سے بڑھ کر کوئی بات زبان سے نکالی۔ یا ان کی معمولی سمجھ سے کچھ زیادہ کہا تو وہ  
 مجنون اور دیوانہ ٹھہرا۔ اور اگر مومنانہ سے کوئی ایسی بات نکلی جو مخالفت اُس زمانہ کے  
 دینی خیالات اور مذہبی رسوم کے ہوئی گو وہ خیال ہندو ممالک مذہب کے مخالف ہی  
 ہو یا اُس سے مذہبی سرداروں کی عزت و شان میں کچھ فرق آیا تو وہ لاندہ مذہب اور  
 کافر ہی سمجھا گیا۔ پھر یا حلا وطن کیا گیا یا مارا گیا یا زندہ جلا یا گیا۔

دیکھو یونان میں سقراط کو زندہ کھپا کر کیوں جلا یا گیا۔ اسی جرم میں کلاس نے بت پرستی  
 کی بُرائی کی جسے اُس زمانہ کے لوگ چھا جاتے تھے۔

جبر پڑے جب تک انوں کے مدرسہ سے مقولات سیکھ کر اپنے ٹکاک میں گیا تو اپنی قوم کے نزدیک کیوں کا فرد مرتد ٹھہرا۔ اسی تصویر میں کہ وہ ان علموں کو جاری کرنا چاہتا تھا جسکی خوبی سے اُسکی قوم ناواقف تھی۔

کھدکبھیوں پاگل ٹھہرا۔ اسی لیے کماؤں نے وہ بات کہی جو کہ اُس نے مانہ کے لوگوں کی عقل اور سمجھ سے باہر تھی۔

ڈیوٹ کسے جب بچے زور سے جہاز اور گاڑی چلانے کی نسبت اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ کیوں پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ اسی تصویر میں کہ اُس نے مانہ کے اوسط درجہ کے خیال سے اُس نے بڑھکر یہ بات کہی۔

رہو جو بیکین کے کفر کا کیوں فتوے دیا گیا۔ اسی لیے کہ وہ ان مسائل سے منکر تھا جسکو اُس زمانہ کے عالم حق اور سچ جانتے تھے۔

کو پڑیا کسے کمپوں بیہات کے صحیح مسائل کے اظہار پر جرات نہ کی۔ اسی لیے کہ وہ پادریوں کی مخالفت سے خائف تھا۔

بیرونون حکیم کو روم کے پوپ کیوں زندہ جلا دیا۔ اسی جرم میں اُس نے زمین کی گردش کا ادوار اور آسمان کے وجود جہانی سے انکار کیا تھا۔ جس کو اُس نے مانہ کے پادری ہمارے وقت کے مولویوں کی طرح اپنی نادانی سے مخالف آسمانی کتاب کے جانتے تھے۔

لوہو کو کیوں شہر شہر بھاگنا پڑا۔ اسی گناہ میں کہ پوپ کو نجات کے لئے ان جہنم کا مجاز نہ سمجھتا تھا۔

یہ چند غلط فہمیوں کے نامور لوگوں کی ہیں۔ اب ہم اپنی ہی قوم اور اپنے ہی مذہب کے نامور شخصوں کا حال بیان کرتے ہیں جن میں سے اب کوئی تفسیر کا۔ اور کوئی حدیث کا۔ کوئی فقہ کا۔ کوئی اصول کا۔ کوئی کلام کا امام سمجھا جاتا ہے اور جس کا کوئی خطاب ہے امام المفسرین اور کسی کا امام الفقہاء اور کسی کا حجت الاسلام اور کسی کا کبریا اور کسی کا کبریا اعظم۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان بزرگوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے کچھ مددے اٹھائے۔

عبد اللہ بن عباس پر لوگوں نے طعنہ کیا کہ یہ مجھے بوجھے قرآن کی تفسیر

کیا کرتے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر کے زیادہ منہ اڑ پڑھنے پر لوگوں نے کہا کہ یہ مکار و منافق

ہیں۔

تحد بن وقاص کا کوفہ کے جاہلوں نے شکوہ خلیفہ تک کیا کہ اُن کو نماز پڑھنی

بھی نہیں آتی۔

حضرت علیؓ کو تو خاجیوں نے کافی بنا دیا۔

آمام زین العابدینؑ کی نسبت لوگوں نے کہا کہ یہ تو بت پرستوں کی باتیں

کرتے ہیں۔

آمام ابراہیمؑ کی نسبت وہ باتیں لوگوں نے کہیں کہ جن کا نقل کرنا

بھی بے ادبی ہے۔ بعضوں نے اُن کو جاہل ٹھہرایا۔ بعضوں نے بدعتی

بنایا۔ بعضوں نے کفر کی نسبت کی۔

آمام شافعیؒ سے پاک امام کو بدذاتوں نے اضر من اہلس کا خطاب دیا اور اُن کے

مرنے کی دعائیں کہیں۔

علماء عراق اور مصر نے اُن پر یہاں تک تہمتیں لگائیں کہ میں سے دارالسلام تک

ایسی بے حرمتی اور بے عزتی سے قید کر کے بھیجے گئے کہ ہزاروں آدمی ملامت کرتے

اور گالیاں دیتے جاتے تھے اور وہ اُن کے حلقہ میں سر تھکائے ہوئے تھے۔

آمام مالکؒ کی مصیبت ہمارے دل کی تسلی کے لیے کافی ہے کہ پچیس برس تک

جمہ و جماعت کے لیے باہر نہ نکلے اور ایسی ذلت سے قید کیئے گئے کہ جس کے سننے سے

بدن پر عرشہ ہوتا ہے۔ اس بے دردی سے اُن کی مشکیں باندھی گئیں کہ اٹھنا بڑا

سے اُکھڑ گیا۔ پھر اونٹ پر سوار کرائے گئے اور کہا گیا کہ اُس مسک کی صحت کا اقرار

کروں جسے وہ دل سے غلط جانتے تھے۔ آخر امام نے اونٹ پر کھڑے ہو کر کہا۔ کہ

جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ جو نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ مالک انس کا بیٹا ہوں۔

اور صاف کہتا ہوں طلاق المسکوا لیس بشی۔ اسپر شتر کوڑے مارے گئے اور

تید رکھے گئے۔

آمام احمدؒ شبل کی مصیبت سنو کہ ۴۸ مہینے تک وہ قید میں رہے اور بھاری دبی

بخیرین کے پاؤں میں ڈالی گئیں اور یہ دولت اُن کو دی گئی کہ مجلسوں میں بلائے  
 جاتے اور لوگ اُن کو طمانچے مارتے اور سونھ پر تھوکتے اور ہر شام کو چیل خانہ سے  
 نکالے جاتے اور کوڑوں کی مار اُن پر پڑتی۔ اور یہ سزا اُس قصور کے بدلے میں تھی  
 جو وہ ایک غلط مسئلہ میں ہدافت اُس زمانہ کے لوگوں کی نہ کرتے تھے۔ امام محمد بن سہیل  
 بخاری وطن سے نکالے گئے۔ نسائی مسجد میں شہید کیے گئے۔ بایزید بطاحی پر بھی  
 جلا وطنی کا فتوے دیا گیا۔ ذوالنون مصری مصر سے بغداد کو اس حدیث سے بھیجے گئے  
 کہ پادست دگرے۔ دست بدست دگرے۔ اور ایک جماعت مولویوں کی اُن کے  
 کفر و زندہ پر گو اہی دینے کے لیے ہمراہ گئی۔ سہیل بن عبد اللہ تشری باس امامت  
 مرتضیٰ ہے۔ ابوسب حر از پر بھی کفر کا فتوے دیا ہی گیا۔ جنید بغدادی کو عالموں نے  
 کافر کہہ کر استدرنگ کیا کہ وہ سبائیل توحید علانیہ زبان پر نہ لاسکے۔ محمد بن فضل بلخی  
 باس جلالہ اس طور پر نکالے گئے کہ اُن کے گلے میں سی پتی تھی اور گلی کوچہ میں تہسیر  
 کیے جاتے۔ امام بن حسن بانی کو بے کے زاہدوں نے نکلوا ہی دیا۔ ابو عثمان مغربی بھی  
 مدیدار سے پھرے۔ حضرت شبلی پر کفر کا فتوے دیا گیا اور اُن کے پاس کا بیٹنا بھی  
 ایک گنا قرار دیا گیا۔ امام ابو بکر نابلسی کی باس علم و فضیلت مولویوں کے حکم سے کھال  
 کھینچی گئی۔ ابن حنن باس تبحر و امامت زندق قرار دیے گئے شیخ ابو مدین سحر زندہ  
 جلا وطن کیے گئے شیخ ابوالحسن شافعی مغرب سے قید کر کے بگناہ زندہ مصر کو بھیجے  
 گئے۔ شیخ عزیر الدین بن عبد السلام بھی کفر کے فتوے سے نہ بچے۔ شیخ تاج الدین بکی  
 ابابیشہ لائے گئے۔ شیخ محی الدین بن عربی اور شیخ نور الحسن شہری اور امام حجت الاسلام  
 غزالی کا کچھ بیان کرنا بے موقع نہ ہو گا۔ سب جانتے ہیں کہ شیخ محی الدین و شمس  
 ہے جسکو امام الموحیدین اور کبریت احمد اور کبیر اعظم اور شیخ الطائیف کہتے ہیں۔ اسکی نسبت  
 نہ فقط کفر کا فتوے ہوا بلکہ حضرت عالموں نے یہ فتوے دیا کہ کفرہ امتد من کفر الیہ و  
 والنصارى کہ اُس کا کفر یہود اور نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ اور اس پر بھی اُن  
 عالموں کو سب نہ آیا بلکہ اُن کے تمام گروہ ٹکٹ کفر فتوے جاری کیا اور اس پر بھی  
 اُن کے دلوں کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ بلکہ اُن کے کفر میں شک کرنے والوں پر بھی  
 کفر کا فتوے دیا اور صاف یہ لکھ دیا کہ من کفر طایفۃ ابن عربی کلن لعنہم اللہ و

والنصارى ومن شك في كفره ومن هو مشك في كفره ومن شك في كفر من شك في كفره ففوق كافر شيخ ابو الحسن مہدی کی کیفیت ظاہر ہے کہ وہ سنتوں کے لام ہیں مگر ان کو بھی یاروں نے اتحاد کے الام سے نہیں چھوڑا۔ اور کفر کی نسبت ان کی طرف کر دی۔

اما غمغزالی کا حال سب جانتے ہیں کہ آج لقب ان کا حجتہ الاسلام ہے مگر حضرت بھی اپنے زمانہ میں کافر ٹھہرائے گئے اور ان کی کتابوں کا جلا دینا بلکہ ان پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا تھا۔ اس نامور امام کو کسی ان کے دوست نے لکھا کہ تمہاری کتابوں پر لوگ طعن کرتے ہیں اور خلاف صالح کے عقاید کے جانتے ہیں۔ اس کا کہوں نے ایک نیا بیت عمد جواب لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے یار عزیز۔ ان حاسدوں کی باتوں پر خیال نہ کر۔ اور ان جاہلوں کی طعنوں سے کچھ بربیدہ نہ ہو۔ ان کی باتوں پر صبر کر اور ان کو بکے دے استحقاق نہ لایسدا ولا یقذف واستقص من لا کفر والاضلال لا یعرف دلیل علی اس آدمی کو جس کا لوگ حسد نہ کریں اور حقیر سچ شخص کو جس کی طرف کفر اور گمراہی کی نسبت نہ کیا جاسے ایسے لوگوں کی صلاح کی امید نہ کر جو صرف حسد سے بڑا بھلا کہتے ہیں۔ اور ایسے جاہلوں کی بات نہ سن جو قصور ہی مخالفت کو بھی انکوں کی کفر جانتے ہیں۔ اور ان مفتیوں اور مولویوں کی باتوں پر کچھ خیال نہ کر کہ جو مذہبی بات پر قد کفر قد کفر کہنے لگتے ہیں۔ کیا وہ فتنہ کے پڑھنے اور تجاوت کے ازالہ اور عفران کے طلاء کے مسئلے جان لینے سے کفر و ایمان کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف توجہ نہ کر اور ان کی باتوں کے سننے میں ہی اوقات ضائع نہ کر اور اپنے دھندھے کو نہ چھوڑ۔

ان نیرنگوں کو جاننے دو۔ ہندوستان کے بعض نامور شخصوں کو خیال کرو کہ ان کو بھی یاروں نے نہ چھوڑا۔ حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کے کفر کا فتوے دیا گیا۔ مولانا ولی اللہ پر بھی بدعت و گمراہی کا الزام لگایا گیا۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید فی سبیل اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفر کا فتوے لکھنے کے مفتیوں سے یار لاگ لکھوا دیئے اور ایسے پاک شخص کے کافر ٹھہرانے میں ہنچ نہ کیا۔ غرض کہ کوئی زمانہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس میں کفری نامور اور صلح ایسا گندہا جو جس کی مخالفت لوگوں نے نہ کی ہو بلکہ

تو ہر ایک مومر کو ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ یاروں نے اُس کا حسد کیا۔ دشمنوں نے اُس  
 کو کئے۔ جاہلوں نے اُس کی نفی کر لی۔ حضرات مہدیوں نے اُس کے کفر کے فتوے  
 دیئے۔ ایک بھی تو اُن کے پنجہ ظلم سے نہیں بچا۔ اور کوئی بھی تو تکفیر کے فتوے سے  
 محفوظ نہیں رہا۔ پھر اس زمانہ کے مہدیوں کے کافر کہنے کی اگر کوئی شکایت کرے۔ تو  
 وہ نادان ہے یہ تو اُن کی معمولی عادت اور پرانی سعت ہے کہ اتحاد لسنہم تہم تہلا۔  
 ایک زمانہ میں حضرات فقہانے تکفیر کی کثرت کر دی کہ مذہبی بات پر کفر کے  
 فتوے دیدیئے اور ایک دن فروعی مسئلہ کی مخالفت پر مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ صد ہا  
 مسلمان تہہ کھول کر نماز پڑھنے پر کافر ٹھہرے اور بہت سے ایمان دار گروہوں اور کان کے  
 مسیح نہ کرنے پر مارے گئے خلقِ قرآن کے مسئلہ نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں۔  
 خلافتِ امامت کی بحث میں شہر کے شہر ویران کر دیئے۔ پس ہمارے زمانہ میں ملین  
 کے وجود خارجی اور آسمان کے وجود فرضی کے انکار پر اگر کفر کے فتوے ہوئے۔ تو  
 کوئی نئی بات نہیں ہے۔

محافل تیری نظر کا بنوع دیگر ہر ایک  
 زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ نہیں

عزیز بن سنو۔ ایمان ایک نور ہے۔ جو حلاوت میں پیدا کرتا ہے۔ وہ نور خود  
 آدمی کو اپنے ایمان کی حقیقت سے واقف کر دیتا ہے۔ اُس کی تصدیق قلبی مسروں  
 کی شہادت کی محتاج نہیں رہتی۔ کسی کی تکفیر سے اُس میں خلل و زلل ہوتا ہے۔

ومن يك وجدًا وجدًا صليحاً ۝ فلم يجتج الى قول المعني  
 له من ذاته طرب قديم ۝ وسكر دايصر من خيرين

امام احمد حنیفہ سے یوسف بن خالہ نے وتر کا مسئلہ پوچھا۔ امام نے کہا کہ واجب ہے  
 اُس فقہانے کہا کہ کفر یا ابا حنیفہ کہے اب حنیفہ تم کافر ہو گئے۔ سب اُس کے  
 امام نے فرمایا کہ ایہ لوہی الفارک یای وانا عرفنا الفرق بین الواجب والمفرض۔ کہ کیا  
 تیرے کافر کہنے نے مجھے تو ایسا لاکر میں واجب و فرض کا فرق بتاتا ہوں۔ پس کیا کافر  
 کہنا اُسے زمانہ کے لوگوں کا اُن کو مٹا دیا گیا کفر و ایمان کی حقیقت جاننے اور حق و باطل میں  
 تفریق کرنے میں۔

عزیز بن میں آج تک کفر کے فتوے کو نہیں سمجھتا کہ یہ کیا ہے۔ آیا کوئی نو مسلم خدا کا ہے جو جبریل میں لائے ہیں یا جہنم کے دار و نحوہ کے نام کا وارنٹ ہے جو سو لو صاحبوں نے فرمایا ہے۔ آخر یہ کیا بلا ہے غایتہ ما فی الالباب وہ ایک عالم یا چند عالموں کی رائے ہے۔ اُسکی ہمارے نزدیک اسی قدر وقوت ہے جس قدر کہ حدیث موضوعہ اور بے سند کی شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک تھی یعنی گونڈوشت میں نہیں آں خیال کر سکتا کہ کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ کسی مٹی کے کہہ دینے سے گو وہ مکہ کا مفتی ہے یا ہو کوئی مسلمان کافر ہو جاوے گا یا خدا اُس کے فتوے پر دوزخ میں بھیج دے گا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ تقلیدی مسلمان جن کو انسان کہنا بھی زیبا نہیں اور جن کی شان کا لاف عام بل صم اضل ہے وہ ان خوفناک کاغذوں کو دیکھ کر ڈر جاوے شے اور ایک کاغذ کاغذوں کو وحی آسمانی سمجھ کر کافر کہنے لگیں گے۔ اس سے زیادہ کوئی اور نتیجہ ان فتووں کا نہیں ہے۔

## لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى لُكَا دِیْنِ

اخبار نور الانوار میں میری نسبت ایک بزرگ نے پیشتر فرمایا ہے کہ وقت آنے حیدر آباد کے میں اُن سے ملنے گیا اور اُنہوں نے پوچھا کہ حیدر آباد سے بھی نخل تحریر نہ پتہ کار ہیگا جو اب اُس کے میں لے کہا کہ برس روز سے زیادہ ہوا کہ میں نے اس تحریر کو ترک کر دیا ہے اور میری میری حسبِ باطلہ ہر کے تھی ورنہ باطن میرا وہ ہے جو اہل اسلام کا ہے۔ یہ تحریر حضرت کی سراسر جھوٹ اور محض تمہت ہے سبحانک هذا بہتان عظیم۔ چند روز پیشتر لوگوں نے ایسی ہی بیہودہ خبریں انی تھیں اور میرے خاص دوستوں نے بھی مجھ سے استفسار کیا تھا۔ میں نے جواب خط عزیز ہی کا بدلے کی اصلی کیفیت اپنی شہر کر دی تھی۔ اب حیدر آباد آنے سے پھر منافق مسلمانوں کو یہ خیال شایہ ہوا اور اُن کو اپنے غلط خیال کے سوانق گمان تبدیلِ خیالات اور وضع کامیری منہبت پیدا ہوا جو مگر میرے مذہبی خیالات اور دلی ولولوں میں کچھ فرق نہیں ہوا

مسلمانوں کے مذہبی دھام کی غلطیاں ظاہر کرنے اور ان میں تہذیب و شائستگی پیدا کرنے کا خیال جیسا تھا ویسا ہی ہے۔

’مضیں خوشے دل زاری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے  
وفا کی ہکوبیاری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے  
میں نے اپنے اعتقاد کو بدلا۔ نہ اپنے خیال کو نہ اپنی وضع کو نہ اپنے لباس کو نہ اپنی  
طرز معاشرت کو اور انشاء العزیز۔

تازہ میخانہ وئے نام و نشان مخدود  
سہرا خاک رہ پیر خفاں خواہد بود  
حلقہ پیر خفاںم ز ازل لغو گوش است  
ماہانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود

مولوی محمد علی صاحب کی تحریروں کی تائید بھی میری توبہ کی ایک خیالی وجہ  
قراؤں گی مگر میں سچ کہتا ہوں اور سرسبز کہتا ہوں کہ ان کی اکثر تحریرات کا اثر  
اگر کسی کے دل پر ہو سکتا ہے تو اتنا ہے کہ اسلام شہرت ثانی اور ظلم اور فساد اور بد اخلاقیوں  
کا ذیادہ درجہ جوئی کہانیوں اور بیہودہ خبروں و عقل و حقیقت کی مخالف باتوں کا ایک مجموعہ  
ہے نہ اسلام سے دنیوی برکتیں ہوئیں نہ بنی نوع انسان کی معاشرت اور اخلاق میں اس سے  
اصلاح ہوئی۔ سچ یہ ہے کہ مولانا صاحب پادریوں پر احسان کر رہے ہیں اور انکو اسلام  
کا غلط فہمائیوں کے ظاہر کرنے اور اسکی اصلی خوبیوں کے چھپانے میں مدد دے رہے

ہیں۔ جو سپاہی موجودہ اسلام کے چہرہ سے دور کی جاتی ہے مولوی صاحب اسے  
بھڑکادیتے ہیں۔ اور جو الزام مسلمانانہ مذہب سے دور کیا جاتا ہے مولانا صاحب  
اسکی کو بھڑکادیتے ہیں۔ پس جبکہ میرے نزدیک مولانا صاحب کا دل و دماغ ایسا ہر  
میرے خیال پر ان کی تحریرات کا ایسا اثر ہوتا ہو تو اس سے مجھے کیا ہدایت ہو سکتی ہے  
مال ان کی تحریرات سے کبھی کبھی طالب علموں کی کج بحثیوں کا مزہ آجاتا ہے۔ یہ  
ضروری و مصلح پڑھنے والوں کے لفظی مباحثوں کی تفسیر آنکھوں کے سامنے  
پیش کرتی ہے وگرنہ سچ۔ اہم وقت مجھے ایک حکایت منظوم یاد آئی ہے کہ شیعیان  
نذر کر رہا ہوں۔ سننے والے اسے میری زبان سے سنیں اور۔ بد دیں۔



عارف از کوہِ ارگندشت دیدنِ رازِ بلبلِ امانِ دشت  
دلِ زغم و سوسہ پڑختہ دیدہ ز نسیدِ رنگِ تہی ساختہ  
گفت بدو جارفِ صحرانورد کز چہ دریں بادِ یہِ صددہ گرد  
طبع تو آسودہ ز وسوسِ صیتِ ایں قدرتِ کندِی الما صیت  
کار تو در صومعہ و خانقاہ باز چہ را ماندہ از کارگاہ  
تفرقہ بخشِ صفِ طاہر نہ رخسہ گر سلکِ جماعت نہ  
در صفِ اصحابِ نہیب تو کو باد و حجِ جبیلِ فریب تو کو  
شعبہ نگینِ نریِ خویت کجاست خوسے بدعہ بدہ جویت کجاست  
رہزنِ دورانِ بدلِ بدگل طنتِ کنیاں داد و جوابِ سوال  
کز برکاتِ علمائے زمان فارغم از کشمکشِ این و آن  
داشت مرا باز این جد و جہد جیلِ گرہائے فقیہانِ عہد  
یک تن ازیں طائفہ بواہوں از پئے گمراہی کونین بس

اب نہیں اپنے دوستوں اور یاروں کی خدمت میں صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی میری نسبت ایسی لے اور بھیودہ اور جھوٹی خبریں اُٹا دے اسے غلط اور تہمت سمجھیں۔ اور نا صحیحین دل ہون کی حضور میں بھی یہ اتنا س ہے کہ آئندہ نصیحت سے سناں فرماویں اور اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔

من ترکِ عشقِ بازی و ساغرِ نمِ گنم  
عبدِ بار تو یہ کردم و دیگرِ نمِ گنم  
شیخِ بہ طنتِ گنم حرام است مے مخور  
گفتم ملو کہ گوش بہ ہر خونِ نمِ گنم  
تقیویم ایم ہمیں است کہ چون اہدانِ شہر  
ناز و کرشمہ بر سرِ منبرِ نمِ گنم

# کتاب الرط

الموسوم

## بالواسطة الى معرفة ما وكشف المخبا عن فنون اوروبا

یہ کتاب جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے ایک سفرنامہ ہے جس میں خیر و  
مال کا حال اور یورپ کے علوم و فنون کی کیفیت لکھی ہے۔ لکھنے والا ایک ایسا  
شیخ احمد افندی ہے جس کا گھر غالباً تونس میں ہے وہ صاحب سید حسین  
امیر الامرا و پریسیڈنٹ مجلس انتظامیہ تونس کا تھا۔ جب یہ سید الامرا فرانس کی سیر کو گیا اور  
پیرس اور اس سلطنت فرانس میں اُن کے حالات دریافت کرنے کے لیے مشہر اب یہ شیخ  
بھی فرنگوں کا اور مالٹا اور استٹن اور پیرس وغیرہ یورپ کے شہروں میں میں برس تک سیاحت  
کرنا اور توریت کے ترجمہ کرنے کی خواہش سے بہت دنوں تک ڈاکٹری کے ساتھ  
کیمبرج میں آیا۔ اس شیخ نے اپنے زمانہ سیاحت میں یورپ کے حالات اور وہاں کے  
علوم و فنون اور لوگوں کے چال و چلن اور امیروں کے گزر کرنے کے طور و طریقہ کو  
اپنی تحقیقات کی جیسا کہ کوئی طالب علم علوم کی تحقیقات کرتا ہوا اور بوجہ اپنی عزیمت  
اور وقت کے اُسے ایسا موقع بھی ملا کہ وہ یورپ کے امیروں کا بلکہ نوابوں کا ہوا  
ہوا اور اُن کے عام اور خاص سرکاری جلسوں میں شریک ہو سکا اور اُن کے اخلاق  
اور عادات اور خیالات سے بخوبی واقفیت حاصل کی۔ پھر یورپ کے مدرسوں اور  
بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور دیگر کارخانوں میں بھی اُن کے حالات تحقیق کرنے  
کے لیے گیا اور وہاں مدتوں رہ کر اُن کے اصول و فروع سے واقف ہوا۔ بعد اس  
میں تجربہ کے اور اعلیٰ درجہ کی تحقیقات کے اس نے مورخ عالم نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اُس کے

دیکھنے سے ہموں بچ بھی ہوا اور خوشی بھی۔ رنج تو اس بات کا ہوا کہ جو عادتیں اور خراب  
 خصلتیں ہم ہندوستان کے مسلمانوں میں میں معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ہموں ہوں ملکوں  
 کے مسلمانوں میں بھی ہیں جہاں اس وقت اُن کی سلطنت قائم و برقرار ہے۔ اور خوشی  
 اس خیال سے ہوئی کہ اُن ملکوں کے رہنے والے مسلمان بھی خوابِ غفلت سے جاگنے  
 لگے ہیں اور بعض شخص اپنی قوم کی بھلائی پر آمادہ ہوئے ہیں اور ایک تربیت یافتہ  
 قوم سے اپنی حیالت کو متقابل کر کے اُس کے دُور کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں تنہا  
 اور جس کے حالات تو اخباروں و رسائیوں کی زبانی ہم سُنا کرتے ہیں اور جو ترقیاں  
 وہاں کے مسلمان کر رہے ہیں اُس کی کچھ کچھ کیفیت بھی معلوم ہوتی رہتی ہے مگر ٹونس  
 نام سے بہت کم مسلمان آتے تھے اب دو گنوں کی بدولت جتنے پائیں کمزور ٹونس نام سے نہایت ہوں بلکہ  
 وزیرِ مذہبی کے عہدِ حالات بھی ہموں معلوم ہو گئے اور جو اسباب مسلمانوں کے منزلِ اُردا پر گامزن ہیں تھے انکی تائید  
 ہوئی اور جو غلط خیال اور بیہودہ اوامِ مسلمانوں کے دلوں میں گمارہے ہیں اور جن کو  
 ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے نکلیں اُس میں ہموں اُن سے مدد ملی۔ اُن دو  
 کتابوں میں سے ایک کتاب اقوامِ المساک ہے جو امیرِ اُمرا سید خیر الدین وزیرِ ٹونس  
 نے لکھی ہے اور جو جنابِ خلیفہ سید محمد حسن صاحبِ وزیرِ اعظمِ ہندیا کی عالی مرتبتی سے اردو  
 میں ترجمہ ہو کر چھپ رہی ہے اور دوسری یہ کتاب ہے جس کا آٹھ ہم کچھ انتخاب لکھتے  
 ہیں۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے جس کی عبارت نہایت فصیح اور سچ ہے اور  
 جس سے قابلیت اور علم و درجہ کی استعداد علم معانی و بیان میں اُس کے لکھنے والے کی  
 دنیا ہوتی ہے۔ الفاظِ قلیل و مطلبِ کثیر۔ اور سب الفاظ و فضولی سے معرا۔ بہت کم  
 احباب عربی کی مثل اس کے تالیف ہوئی ہوں گی۔ اس کتاب کا وہ حصہ نہایت دلچسپ  
 پڑھنے کے لائق ہے جہاں مؤلف نے انگریزوں کے اخلاق اور عادات کا تذکرہ کیا ہے  
 اور اپنے ملک کے لوگوں سے اُس کا مقابلہ کر کے اپنے ملک کی حالت پر افسوس کیا  
 ہے۔

مؤلف نے اس کتاب کو ۱۲۸۳ھ ہجری میں تمام کیا اور ۱۲۸۳ھ ہجری میں مطبعِ ٹونس میں چھاپی  
 گئی۔ اُس کے دو حصہ ہیں۔ ایک حصہ ۶۶ صفحوں کا ہے جس میں نقطہ اٹھا کا بیان ہے۔  
 دوسرا حصہ ۳۲۰ صفحوں میں ہے۔ جس میں یورپ کے علوم و فنون اور وہاں کے

مختلف حالات کا ذکر ہے۔

اس کتاب کو شیخ موصوف نے اس غرض سے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو یورپ کے حالات اور اہل یورپ کے خیالات سے واقفیت ہو تاکہ وہ جانیں کہ ان میں اور اہل یورپ میں کس قدر فرق ہے۔ کیا بلحاظ علوم و فنون کے اور کیا بلحاظ اخلاق اور عادات کے بعد تالیف کے یہ کتاب میر الامام سید خیر الدین زبیر ٹونس کی حضور میں پیش کی گئی تیر زبیر ٹونس نے (جو کہ ایک نامی عالم اور پڑا مدبر اور متعلم اور مسلمانوں میں ایک مشہور امیر ہے۔ اور جس نے خود ایک عمدہ کتاب اقوام المساکین اسٹیٹسم کی لکھی ہے) جب اس کتاب کو دیکھا تو مؤلف کی بڑی قدر کی اور ایک عمدہ خلعت سے اس کا دل خوش کیا جس میں ایک بیش قیمتی ہیرے کی ایسی انگوٹھی تھی جو بادشاہوں کے لائق ہو۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنی نہایت سچی رائے نسبت یورپ و وہاں کے علوم و فنون اور طریق تمدن کے ظاہر کی ہے اور جو خیال اس کا نسبت کسی چیز کے بُرائی بھلائی کے گذر اسے ویسا ہی ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا ہے۔ بناوٹ یا تکلف کو نہ بھی خل نہیں دیا۔ شیخ موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۳۴ میں لکھتا ہے کہ خدا جانتا ہے کہ باوجودیکہ میں نے یورپ کے شہروں میں کثرت سے عجیب و غریب چیزیں دیکھیں اور بہت سے دل کے بہلانے والے اور جی کے خوش کرنے والے مشغلے پائے مگر میں ہر شے عین اور منہصہ نام کوئی جلسہ خوشی کا میں نے نہ دیکھا۔ جس میں مجھے ریخ نہ ہوا ہو۔ اور کوئی خوبی اور عمدگی میری نظر کے سامنے نہ آئی جس نے میرے دل کو نہ دکھایا ہو۔ کیونکہ جب میں وہاں لسی نعمتیں دیکھتا اور ایسی عزت اور خوشی کے سامانوں پر نظر کرتا اور وہاں کے طرز معاشرت اور طریق تمدن پر خیال کرتا تو ریخ اس بات کا ہوتا کہ اُنے ہم مسلمانوں کے شہر ان باتوں سے خالی ہیں۔ نہ ہمارے شہروں میں سیان میں نہ ہلوگوں کے ایسے عمدہ چال چلن ہیں۔ نہ کسی علم و فن میں ہماری شہرت ہے۔ مگر اُن ایک بات سے کچھ دل کو تسلی ہوئی کہ ہمارے ملک کے لوگ خوش اخلاق اور سخی ہیں خصوصاً اپنی عورتوں کی نسبت بڑی غیرت رکھتے ہیں مگر جب پھر میں یورپ کے

شہروں کے انتظام اور وہاں کے رہنے والوں کی زندگی بسر کرنے کے سامان اور ان کی عزت اور شہرت اور صفوں اور مفید کاموں پر خیال کرتا تو پھر مجھے پریشانی ہوتی اور سرت میسٹل کو گھیر لیتی اور پٹی ل میرے دوست امیر الامراء سید حسین پریمیٹ مجلس انتظامیہ ٹرنس کا تھا۔ مگر شکر خدا کا ہے کہ انھوں نے مدتوں پیر میں رکھ رکھاؤ واقفیت حاصل کی اور پھر شہر ٹرنس میں جا کر یہاں کے انتظام جاری کیے مگر مجھ سے کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ میں اس کتاب کو لکھتا ہوں تاکہ اور مسلمان براہِ منجھتہ ہوں اور ان کو طریق تہذیب و تمدن شریعت میں ترقی کرنے کی فکر ہو۔

اس کتاب کے پہلے مقدمہ میں شا کا بیان ہے اور وہ اس خوبی سے لکھا گیا ہے کہ ایک اچھے جغرافیہ نویس کے نمایاں ہو۔ یہ حصہ اس قابل ہے کہ ہم مسلمان اس کو کسی شہر یا کسی ملک کے حالات لکھنے کے لیے نمونہ ٹھہرا لیں۔ ہم اس وقت اس کا انتخاب نہیں لکھ سکتے مگر دوسرے حصہ سے کچھ باتیں منتخب کرتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں مصنف نے اپنے سفر کا حال لکھا ہے جو کہ ۱۸۴۸ء میں اس نے مانا س کیا۔ مانا س منڈن میں پہنچنے تک جو سیر اس نے دیکھی اور جو واقعات اس کی سمجھ سے گذرے ان سب کو لکھا ہے۔ اور جن شہروں و قلعوں و درہزوں و دریاؤں کا ذکر کیا ہے ان کی مختصر تاریخ بھی نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔ بعد اس کے چند صفحات میں اس کتاب کے لکھنے کے حالات اور اس کی پہلی تاریخ اور حال کی آبادی اور ترقی کا ذکر ہے پھر انگلستان کے چند دیہات کی کیفیت لکھی ہے جہاں اس شیخ کو جانے کا اتفاق ہوا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان دیہات میں کوئی عہدگی اور خوبی نہیں مانی کیونکہ بلاد خنام کے دیہات سے ان کو کچھ فوقیت نہیں دی بلکہ اپنی تکلیف کا جو گھانا نہ ملنے سے ہوئی ان دیہات کی نسبت بری رائے دی ہے۔

دیہات کی پیداوار اور بونے جوتے کے طریقوں اور غلہ اور ترکاری اور بیوی قسموں کو جو مثال پیدا ہوتی ہیں اچھی طرح بیان کیا ہے اور نیز خوب ظاہر کیا ہے کہ وہ جسم و ذہن میں ہمارے ملک سے زیادہ ہوتے ہیں اور وہاں کے پالتو جانوروں اور لڑکوں کی فریبی اور جسامت کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ پھر لندن کے سواد اور چرگا جہاں لکھا گیا ہے کہ بیان کیا ہے اور ٹرنس کے سواد اور چرگا جہاں سے ان کو اچھا خیال کیا ہے اور اس کے

ساتھ ان کے محاصل اور آمدنی اور اخراجات اور مصارف کا بھی ذکر لکھا ہے لیکن  
 اور اُس کے مقامات اور قریات کی خوبوں میں سب سے زیادہ یہ خوبی بیان کی گئی ہے  
 کہ وہاں نہ سانپ ہے نہ بچھو نہ گودہ نہ گیدڑ نہ بچھڑ نہ پستو۔ اور اگر کہیں میں تو نہایت کم۔  
 پھر لندن کے مکانات اور عمارات اور اسکی خوبیوں کا بیان کیا ہے۔ کلکڑی کی صفائی  
 اور شیشوں کی چمک اور فرش فروش سے آراستگی کی خوبی کی زیادہ تعریف کی ہے بلکہ  
 ایک مقام پر لکھا ہے کہ تیس ایک امیر کے ہاں یہاں ہوا۔ وہاں رفع ضرورت کے لئے  
 مجھے ایک مکان بتا دیا گیا۔ اسکی زرنگار دیواروں اور آراستگی نے مجھے ایسا متحیر کیا کہ  
 میں سمجھا کہ یہ امیر شاید مجھ سے ہنسی کرتا ہے اور وہ اس طرز سے بنا گیا تھا کہ میں اس کے  
 کھونے اور اندر جانے سے عاجز رہا۔ اس مقام پر لندن کی تعمیرات کی قدیمی تاریخ اور  
 حال کی نئی نئی ایجادوں کا حال بھی نہایت خوبی سے لکھا ہے صفحہ ۸۰ میں مؤلف نے  
 بڑی تعریف لندن کے رہنے والوں کی اس باب میں کی ہے کہ وہ اپنے مکانات کو نہایت  
 خوبی سے آراستہ کرتے ہیں یعنی اول تو جو ضروری چیزیں انسان کو چاہئیں وہ سب اُنکے  
 مکان میں ہوتی ہیں۔ دوسرے اس ترتیب اور فرینہ سے سجائی اور لگائی جاتی ہیں کہ  
 جس سے زیادہ اچھا ہو نامکن نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ ساری نیامیں انگریزوں سے  
 بڑھ کر اسکی بلیات کسی میں نہیں ہے اور یہ ایک بات ہے جو ان کے ممبر میں ملی ہوئی ہے  
 دوسرا آدمی اس کا برباد و گرنہیں سکتا نہ اس طرح پر استعمال کر سکتا ہے اور چونکہ اُسکے  
 عادی ہر ہے ہیں اس لئے بے ایسی ترتیب اور سجاوٹ کے وہ خوش نہیں رہ سکتے  
 اگر وہ لوگ مسلمانوں کے شہروں میں جاویں تو ایک دن بھی آرام اور خوشی سے نہ رہیں  
 اُن کے بعد مٹوٹ لندن کے دریاؤں اور میناروں اور بحری فضاں کا حال اور  
 ان کی تاریخ اور تعداد اور ان کے مصارف کا ذکر کرتا ہے اور ایسے موقع پر دنیا کی نہایت  
 عجیب بات عارتوں کی کیفیت لکھتا ہے۔

صفحہ ۸۹ میں انگریزوں کی جسمانی طاقت اور ان کی عمر کا تذکرہ ہے جس میں مؤلف نے  
 لکھا ہے کہ خام انگلستان اور ویلز میں جن برس کے اندر ۲۶۶ آدمی ایسے مرے کہ جنکی  
 عمر برس سے زیادہ تھی اور جن کے حواس بخوبی صحیح اور جن کی طاقت اچھی طرح باقی  
 تھی بلکہ ایک آدمی ایک سو تیرہ برس کی عمر کا ہو کر مرا اور کبھی اپنی زندگی میں ایک سو کو

بھی بیار نہ ہوا تھا اور شہر ہس کی عزت کم تو کمش ر آدمی انگلستان کے ایسے جوان بنے  
 ہیں کہ بڑھاپا ان کی صورت پر معلوم نہیں ہوتا۔ اور سبب اس موافقت یہ بیان کیا  
 ہے کہ بڑے سبب بڑھاپے کے غم اور تکلیف اور خوف ہیں خصوصاً بے اطمینانی جو ملکوں  
 اور عالموں کی طرف سے ہوتی رہے جیسا کہ ہم مسلمانوں کی سلطنتوں میں ہے انگلستان  
 میں اگر کسی کے پاس کروڑ روپیہ ہو تو اسے نسلک کا خوف ہے کسی حاکم کا بلکہ ملکہ اور ملکوں کے  
 ان کی دولت پر اور فقر ہوگا کیونکہ وہ اپنی رعیت کی دولت کو اپنی دولت اور اپنے ملک  
 کی عزت جانتے ہیں۔ سو اس کے سامان خوشی کے اور جلے عیش و عشرت انگلستان  
 میں اس قدر ہیں کہ اونے اونے آدمی ملی خوشی حاصل کر سکتا ہے خلاف ہمارے ملکوں کے  
 کہ کوئی ایسا سامان نہیں ہے اسلئے کمش ر آدمی روکھے ترش روکشیدہ خاطر ہوتے ہیں پھر  
 لندن کے پہار کے موسم اور وٹاں کے لوگوں کے کھیلوں و روٹاں کے میلوں اور  
 لوگوں کے خوشی کرنے کا بیان کیا ہے اور برف کے گرنے اور دریائوں کے جم جانے  
 اور اسپر آدمیوں کے ڈرنے اور طرح طرح سے دل بہلانے والی باتوں کا ذکر ہے۔  
 صفحہ ۹۰ میں جہاں برف اور سردی کا بیان میں لکھتے ہیں کہ وہاں ایک خوش طبعی  
 بھی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر یہاں کے رہنے والے مسلمان ہوتے تو جنت کی  
 صفات میں سے کسی کو تنہا کرتے کیونکہ جب کوئی انسان برف اور سردی میں مبتلا ہو  
 تو وہ کب اس مقام کی آرزو کرے گا جہاں اپنی بہتا ہو اور گھنے سایہ دار درخت ہوں اور  
 ٹھنڈی ہوا چلتی ہو۔ ہاں وہ جب خوش ہوتے اگر جنت کی تعریف یوں ہوتی کہ اس میں  
 خوب گروشن ہے۔ اچھے اچھے آتش ان بنے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے ڈھیر  
 جلانے کی ٹکڑیوں کے لگے ہوئے ہیں۔ نہ کبھی ٹاں کی آگ بجھتی ہے نہ آتش خاموش  
 سرد ہوتے ہیں پس تاپو جہاں تک تاپا جاوے اور گرم ہو جہاں تک گرم ہوا  
 جاوے۔

پھر چند غموں میں انگلستان کی کانوں اور معدنیات کا حال اور ان کی پرانی  
 تاریخ کو بغیر بیان کیا ہے اور لکھتا ہے کہ کوئلہ اور لوہے کی کان ان کے حق میں  
 چاندی ہونے کی کان سے زیادہ مفید ہے اور انگلستان کی دولت کی ترقی کا بڑا ذریعہ  
 ہے۔ چنانچہ صرف کوئلہ کی کان پر کام کرنے والے مزدور میں ہزار سے زیادہ ہیں۔

پھر دھانی گاڑیں اور آہنی شکرکوں کا بیان اور ان کے تاریخی حالات اور ان کے منافع اور فائدوں کا بیان کیا ہے اور یورپ میں جہاں جہاں آہنی شکرکریں جاری ہیں ان کی تفصیل لکھی ہے۔

صفحہ ۱۰۸ سے کچھ بیان عورتوں اور ان کی ظاہری باطنی خوبیوں کا ہے اول تو مؤلف ان کے حسن و جمال کی صفت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی ان عورتوں کو دیکھے جو خدمتگاری کرتی ہیں تو یہی خیال کرے کہ کوئی امیر زادی ہے۔ پھر ان کی سادگی کی تعریف کرتا ہے کہ وہ ہندی لٹاکی میں زمستی سر سے اپنے دانتوں اور آنکھوں کو سیاہ کرتی ہیں نرنگ برنگ کے نیلے پیلے کپڑے پہنتی ہیں بلکہ جیسا خدا نے بنادیا ہے ویسی ہی صورت رکھتی ہیں۔ سارا تکلف ان کا بالوں کے خورد خدے اور کپڑوں کی تراش اور وضع میں ہے جو نہ راز نوریہ اور جو اہر سے زیادہ خوش نما ہوتا ہے۔ پھر مؤلف ان عورتوں کی قناعت اور اپنے مردوں کی فرمانبرداری اور خانگی انتظام کی تعریف کرتا ہے خصوصاً ان کی انجمن اخلاقی کی کہ اگر کوئی اپنی تحفہ بھی ان کو دیا جاتا ہے تو بہت خوشی سے قبول کرتی ہیں اور دینے والے کا زبان سے شکرا د کرتی ہیں اور ایسے مقام پر وہ افسوس کرتا ہے کہ زبان سے شکر کرنے اور عقیدت ادا کرنے کی عادت عرب اور مسلمانوں میں نہیں ہے اور ان کا سکوت ایسے موقع پر جیسا کہ پاکستان کے لوگوں کے تھینک کہنے سے متقابل کیا جاوے تو نہایت ہی برا معلوم ہوتا ہے۔

انگلستان کی عوام عورتوں کی حیالت اور ان کی فال و نجوم اور رزل اور سحر وغیرہ پر اعتقاد رکھنے کی بڑی ہوائی بیان کرتا ہے اور ایسے جاہلانہ خیالات میں ایک نہ راز عوام بھورتوں کو بھینسا ہوا بیان کرتا ہے۔ صفحہ ۱۱۱ میں بیان کیا ہے کہ عورتیں تعبات اور دیہات کی اکثر مالکداری اور صاحب عصمت ہوتی ہیں اور وہ بنسبت شہریوں کے زیادہ خوش رہتی ہیں۔ مگر کیا دیہات اور کیا شہر دونوں جگہ عورتوں میں عصمت و عفت کا بڑا خیال ہے اور وہ بنسبت فرانس کی عورتوں کے زیادہ با وفا اور صاحب عصمت اور حاضر و غایب یکساں رہتی ہیں۔

صفحہ ۱۱۱ میں مؤلف نے لکھا ہے کہ شہر بہائی مرد و عورت جاہل اور بے ڈر سے ہیں یہاں تک کہ شہر میں لکھ چاس ہزار چار سو ستر و ستر کانکھ



سہا جس میں سے فی صدی چالیس عورتیں ایسی تھیں کہ وہ اپنا نام لکھنا نہ جانتی تھیں اور جنہوں نے بجائے نام کے رجسٹر میں صلیب کا نقش کر دیا اور فی صدی ۲۹ مرد بھی ایسے ہی تھے اور باقی جنہوں نے اپنے نام لکھے اُن میں سے دو تہائی ایسے تھے کہ جن کو پڑھا لکھا کہنا نہ آیاں نہیں تھے۔

پھر صفحہ ۱۱ میں مؤلف نے شریف عورتوں کی خوبیوں اور اُن کے انتظام و ادارہ کی صنعت بیان کی ہے یہاں تک کہ وہ لکھتا ہے کہ حق یہ ہے کہ جس نے کسی انگلستان کی عورت سے شادی کر لی اُس نے سارا عیش پایا اور سب بخوں سے بچھوٹ گیا۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ زیادہ مالدار اور صاحبِ ثروت ہی ہر تہ خوش رہے بلکہ تھوڑی سی آمدنی میں عورتیں اپنی لیاقت سے ایسا انتظام کرتی ہیں کہ گھر بھی پاکیزہ و صاف اور تمھارا رہتا ہے اور ساری ضروری چیزیں بھی مہیا کر لی جاتی ہیں۔ کفایت شکاری سے خرچ بھی کیا جاتا ہے۔ آمدنی پر بھی ہمیشہ نگاہ رہتی ہے اور اپنی عزت اور عیب و کمزوری سے محفوظ کسی وقت نہیں جاتا۔ یہ سب عورتوں کی خوش انتظامی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد مؤلف نے انگریزوں کے اخلاق کا ذکر کیا ہے اور وہاں کے لوگوں کو پانچ طبقوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقہ میں ڈپوک اور لارڈ اور خاندانی امیروں کو داخل کیا ہے دوسرے طبقہ میں اُن رئیسوں کو شمار کیا ہے جو موروثی جائیداد رکھتے ہیں نہ صرف اپنی ذاتی تجارت سے بلکہ خاندانی عزت سے ممتاز ہیں تیسرے طبقہ میں اُن لوگوں کو داخل کیا ہے جو جیہیت سرکاری یا مذہبی کاموں کے اعلیٰ رتبہ رکھتے ہیں۔ چوتھے میں معزز و ممتاز تاجروں اور نوکری پیشوں وغیرہ کو شمار کیا ہے۔ پانچویں میں باقی عام تجارت کرنے والے اور اہل حرفہ اور علموں وغیرہ کو لکھا ہے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ پہلے طبقہ کی عادتیں کسی طبقہ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں اور علوم کے طبقہ سے تو اس قدر کلی وابستہ ہے کہ خیال میں نہیں آسکتا کہ پانچوں طبقے ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک کے ہیں لیکن قومی محبت اور ملکی فخر کا جوش سب کے دلوں میں یکساں ہے۔

۱۔ یہ حال شاہد برس پیشتر کا تھا اب اس عام تعلیم میں بہت ترقی ہو چکی ہے۔

مؤلف نے طبقہ آخر کی پے مروقی اور خود غرضی کی نہایت شکایت کی ہے۔ مگر طبقہ اعلیٰ کے اخلاق و عادات اور عالی دماغی اور بلند نظری اور تواضع کی اس وجہ شنا و صفت کی ہے کہ انسانوں کے طبقہ سے بھی اُن کو بڑھا دیا ہے۔

صفحہ ۱۲۵ سے مؤلف نے عام اخلاق اور عادات اور ملنے جلنے کا طریق بیان کرنا شروع کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ جب کوئی کسی سے بات چیت کرتا ہے تو نہایت نرمی سے کرتا ہے کچھ خشونت اُسکی آواز میں نہیں پائی جاتی اور عورتوں کی آوازیں تو خاص ایک قسم کی نرمی ہوتی ہے۔ اگر غیظ و غضب میں بھی کسی سے خطاب کریں تب بھی سوائے رستہ کے اور کچھ نہیں کہتیں۔ خطوں میں بہت اختصار۔ القاب آداب میں کرتی ہیں۔ حقوڑے ہی سے فرق یہ غایت اور سواوات اور محبت اور یک جہتی کے درجہ طابہر کرتی ہیں۔ مثلاً عام القاب سر ہے و جس سے کم شناسائی ہو اور لائق عزت کے ہو اُسے ڈیر لکھتی ہیں جس سے نعت ہو اُسے مائی ڈیر لکھتی ہیں۔ جس سے نہایت ہی کیجے جی ہو اُسے ڈیر سید لکھتی ہیں۔ برخلاف ہلوگوں کے کہ کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو وہ القاب آداب لکھتے ہیں کہ جن کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح ملنے کے وقت بھی کچھ زیادہ آؤ بھگت نہیں کرتے اگر کسی سے ملاقات ہوئی۔ تو معمولی باتیں کر کے اور اپنا مطلب ظاہر کر کے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ برخلاف ہلوگوں کے کہ اگر پہلی ملاقات بھی نہ ہو تو بھی اسی خوشی سے ملتے ہیں کہ گویا دونوں میں نہایت درجہ رشتہ ہے۔ ملاقات کے وقت یہ برخلاف آداب و اخلاق کے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی حیرت کسی کا نام اور نسب اور وطن اور مقصد کا سوال کرے اور یہ سب عمدہ عادتیں انگریزوں نے صرف تعلیم اور تربیت کے ذریعہ سے حاصل کی ہیں۔

یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ اگر کوئی کسی سے ملنے آوے اور اُس کے پاس کئی عورت بیٹھی ہو تو وہ کبھی نہیں پوچھتے کہ یہ کون ہے۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر ایسا موقع ہو تو پہلا سوال ہی کریں گے کہ یہ کون ہے کہاں سے آئی ہے تم سے کیونکر شناسائی ہوئی۔ یہ لوگ سب سمجھ نہیں ہوتے اور کسی کی بات یا علم یا عزت پر حسد نہیں کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ کوئی شخص اُن کی قوم کا عالم یا امیر یا معزز ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو حسد کی بیماری سے خالی ہو۔

پھر یہ بھی عمدہ صفت اُن کی ہے کہ کسی کی عزت اور علم کو نہیں چھپاتے بلکہ اُسکے ترقی دینے کی فکر کرتے ہیں اور ہر طرح سے اُسکی مدد کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی عزت اور علم اور فن کو بڑھاوے اور اُن کو لوگوں کو اُسکی پیروی کرنے کی رغبت ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اگر کسی شخص نے تھوڑی سی عزت حاصل کی یا کسی علم و فن میں کمال پیدا کیا تو سب جل جلتہ ہیں۔ کوئی اُسے دعا باز نہ کوئی گدھا کوئی خود غرض کہتا ہے۔ یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ ایک دوسرے سے دشمنانہ برتاؤ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ کوئی نوکر اپنے آقا پر طعنہ نہیں کرتا نہ اُس کی بُرائیاں پیچھے بیان کرتا ہے گو وہ کیسا ہی اُس سے ناراض ہو برخلاف ہمارے لوگوں کے نہروں کے کہ کسی نوکر کو کوئی ایسا نہ پاوے گا جو اپنے ہی مالک کا شاک نہ ہو اور اُسکی بُرائیاں نہ بچتا پھرے۔ وہ اپنے نوکروں بلکہ خدمتگاروں سے بھی تہذیب کی گفتگو کرتے ہیں اور (سُتر) کہہ کر بولتے ہیں یہاں تک کہ اگر پانی مانگیں گے تو کہیں گے (سُتر) میں اُمید کرتا ہوں آپ سے پانی ملنے کی گھر آج کو تکلیف نہ ہو اور وہ بھی نہایت ادب سے سر جھکا کر تمیل کرتا ہے اور خفگی اور گالی گلوچ کا تو کیا دکر ہے۔ مگر نہ کبھی آقا خدمتگار سے ہنسی کرتا ہے نہ بے ضرورت اُس سے بات کرتا ہے نہ اُسے سوچھٹاتا ہے برخلاف ہمارے امیروں کے کہ کبھی تو ایسے خطا ہوں گے کہ گالیاں مٹیں گے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اُسکو اپنا یار بنائیں گے۔

ان لوگوں میں عادت غمازی اور غیبت کی بھی نہیں ہے نہ باہم سپرد وہ بک بک کرتے کی عادت رکھتے ہیں بخلاف ہمارے لوگوں کے شہروں کے کہ جہاں چار آدمی بیٹھے ہوں تو ایسی قیل قیل کریں گے کہ معلوم ہوگا کہ جن بول رہے ہیں۔ پاک طینتی بھی ان لوگوں کا خمیر ہے اور یہی سبب ہے کہ ایک دوسرے پر کچھ شک و شبہ نہیں کرتے چنانچہ ملکہ نے اپنی بیٹی بی بی شاہزادی کے ماتھے کا بنا ہوا روال کسی فوجی افسر کو جبکہ وہ لڑائی میں مصروف تھا بھیجا کسی نے سوائے نیکی کے بُرا خیال نہ کیا۔ مگر ہمارے ملک میں کوئی امیر نہ تو کسی کو ایسا تنوع بھیجتی تو طرح طرح کے خیال لوگوں کو پیدا ہوتے اور ہندوؤں اُس کے چرچے رہتے۔ عمدہ عادات سے ان لوگوں کی ایک یہ ہے کہ اپنی اوقات کے نہایت پابند ہوتے ہیں۔ ہر کام کے لیے اُن کا ایک وقت ہے اور ہر ایک وقت کے لیے ایک خاص کام یہاں تک پابندی رکھتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے بے وقت ملے جاوے تو وہ نہایت

نرمی سے کہہ دیتے ہیں کہ آپ مجھے معاف فرمائیے مجھے اس وقت اور ضرورت ہے اور وہ  
سننے والا واپس چلا جاتا ہے اور کچھ بڑا بھی نہیں مانتا برخلاف ہلوگوں کے کہ نہ کسی کام  
کا کوئی وقت ہے نہ کوئی وقت کسی بات کے لیے مخصوص ہے مہیوہ فضول ملاقاوں  
میں تمام عمر گزرتی جاتی ہے اور ملاقاتی جنازہ تک بھی چھپا نہیں چھوڑتے۔

ان لوگوں کی عمدہ عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی عورتوں سے بدگمانی بھی  
نہیں رکھتے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی باہر سے آوے اور اپنی بی بی کو کسی مرد سے بات چیت  
کرتا پاوے تو اسکی خیانت اور فسق پر کچھ شبہ نہ کرے گا لیکن اگر خیانت عورتوں کی معلوم  
ہو جاوے تو اس کے بعد پھر رحم نہیں کرتے اور سوائے چھری یا زہر کے دوسرا ادا نہیں  
دیتے۔ بخوفی بھی جو ایک نتیجہ عمدہ انتظام کا ہے ان لوگوں میں پائی جاتی ہے چھوٹے چھوٹے  
لڑکے رات دن گلی گوجوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ نہ پولیس کا آن کو ڈر ہے نہ فوج کا۔  
نہ کسی جرنیل کا نہ کسی مجسٹریٹ کا۔ بلکہ بادشاہ تک کی بھی ہدیت ان پر نہیں ہوتی بڑیاں  
جو دس برس تک کی عمر کو نہیں پہنچتیں آدھی رات کے بعد پولیس ورنہ کو توالی میں چلی  
جاتی ہیں اور اس طرح پر سوال جواب کرتی ہیں کہ گویا اپنے کسی عزیز کے پاس گئی تھیں  
مگر ہمارے شہر قی شہروں میں جن کو خدا بچاتا رکھے یہ حال ہے کہ اگر عورت کسی برقع دار  
یا چوکیدار سے بھی رات کو بولے تو وہ پہلے اس نیک نیت کا ماتھ پکڑے گا اور اپنی طرف  
کھینچ کر اسکی بے حرمتی کرے گا اور پھر کیا مجال ہے کسی کی کہ اس برقع دار یا چوکیدار سے  
بول سکے۔

موتلف کتاب کا اس بے خوفی کی نسبت اپنی یرائے لکھتا ہے کہ ایسی بخوفی سے  
رواں کے لوگوں کے قوائے جسمانی شگفتہ رہتے ہیں اور عقل بڑھتی جاتی ہے۔ اور  
ضعیفی اور طبع صاا دیر کر کے آتا ہے کیونکہ وہ چھٹپن سے خوف اور دہشت کے عادی  
نہیں ہوتے اور چھوٹے بچے کے دل میں رعب اور خوف کا سامنا ایسا ہے جیسا کہ ایک  
نرم اور نازک پودے پر باد صحر کا تند جھوکا۔ ہلوگوں کے شہروں میں اقل تو حاکموں کی  
دوسرے ظالم نوکروں کا تیسرے ہدایت آدیوں کا خوف چھٹپن ہی سے ہوتا ہے  
ماورائے اس کے ہلوگوں کے ان بچوں کی مائیں ان کے دلوں میں بھوت پلیڈ  
کیونکہ جن کا ایسا خوف ڈال دیتی ہیں کہ جو جوانی کے زمانہ میں بھی ان کے دل سے

نہیں نکلتا۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر مشرقی لوگوں خصوصاً مسلمانوں کی طبیعتوں میں  
 پر اعتماد نہ ہوتا تو کسی ایک پر بھی ان میں سے مردی در انسانیت کا اطلاق کرنا زیادہ ہوتا۔  
 انگریزوں کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بہت مختصر اور ادب کے ساتھ اپنے مخاطب  
 سے کلام کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی چھوٹے کو اپنے بچے کو کچھ کہنا ہو تو کہتا ہے کہ میرا میرا کہوں کہ  
 آپ مجھ پر میری فلاں حاجت کے بر لانے سے احسان کریں گے اور میں آپ کا شکریہ ادا  
 ہوں گا اور اس مختصر مادیب انسانیت کی تقریر سے ان کو وہ فضول اور لمبی چوڑی خوشام  
 کرنے کی حاجت نہیں ہوتی جس کا رواج ہلوگوں میں ہے کہ جب کسی سے خطاب کریں گے  
 تو کہیں گے کہ یاد رکھنا ان سحر النوال وغیرہ وغیرہ جس تقریر کا خاتمہ چند ساعت تک  
 بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ بڑا جس سے چھوٹے نے اپنی حاجت عرض کی ہے جواب اُسکے  
 یوں کہتا ہے کہ میں آپ کے کام کرانے میں کوشش کروں گا اور آپ کو جلد خبر دوں گا۔  
 اور اس سے ان کو اس کہنے کی حاجت نہیں رہتی بوجہ ہلوگ کہتے ہیں کہ بس در چشم میں  
 آپ کا کام کروں گا آپ کا نفع تو عین میرا نفع ہے اور آپ کا کام خود میرا ہی کام ہے آپ  
 اطمینان رکھیں ضروریہ کام کر دیا جاوے گا حالانکہ انگریزوں میں سے جو کوئی کوشش کرے گا  
 بھی اتوار کرتا ہے وہ اس حالت میں جبکہ وہ کر سکے ورنہ صاف کہہ دیتا ہے کہ آپ مجھے صاف  
 کیجئے میں مسدور ہوں۔ آپ کا کام مجھ سے نہیں ہو سکتا اور اگر وعدہ کیا تو اس سے  
 زیادہ کوشش کرتا ہے جو اس سے کہا ہو۔ اور پھر فوراً اس کے ہمت و نیت کا  
 جواب دیتا ہے۔ برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اگرچہ سینہ کا وعدہ کر دیتے ہیں  
 کہ جب کو وہ خود جاتے ہیں کہ ان کے اختیار سے خارج ہے اور پھر کبھی خیال  
 نہیں کرتے کہ اس کے پورے کرنے میں کوشش کریں یا اس بجا پارہ کو صاف جواب  
 دیں تاکہ وہ اپنی فکر کرے اس شخص کا کام تمام ہو جاتا ہے مگر ان کا وعدہ تمام  
 نہیں ہوتا یہاں تک کہ ہلوگوں کے امرا کی یہ عادت ہے کہ ان سے اگر کوئی نوکری  
 کا طالب ہو تو جواب دینا نہیں جانتے فوراً یہ کہتے ہیں کہ یا جہذا آپ سے بڑھ کر  
 لائق دوسرا شخص کون ہے بلاشبہ مجھے بھی آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا آدمی نہ ملے گا  
 لیکن آپ چند روز صبر کیجئے مجھے ایک ضرورت ہے وہ رفع ہو جاوے تب  
 میں آپ کو نوکر کروں گا۔ پس اس وعدہ کی رسی میں باندھے رہتا ہے۔ اور

جب کبھی وہ متقاضی ہو تو کوئی حلیہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ اخیر کو وہ محدود مانتی قسمت کو رد کیا ہوا پھر جاتا ہے مگر انگریز کبھی کسی باتوں کے پاس نہیں ٹھکتے اور اسی لئے انہیں بے اعتباری نہیں ہوتی۔

انگریزوں کی مانت کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی چپینر کسی کے پاس مانت رکھی جاوے تو وہ اپنی چپینر سے زیادہ اُس کی حفاظت کرتا ہے اور یہ مانت کو مال اسباب ہی میں نہیں ہے بلکہ ہر چپینر میں اس کا اثر پایا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی کسی کا خط نہیں کھولتا اور اگر کسی کی معرفت خط آوے تو وہ مکتوب النیت تک پہنچانے میں کوشش کرتا ہے یا ڈاک گھر واپس کر دیتا ہے۔

یہ ایک عمدہ عادت اُن کی ہے کہ اگر کسی کے ملنے کو کوئی جاوے تو ہرگز نہ کسی چپینر یا کتاب یا خط یا کاغذ پر ہاتھ نہیں بڑھاتا نہ اُسے دیکھتا ہے برخلاف ہمارے شہروں کے جن کو خدا بچاتا رکھے کہ جب کسی سے ملنے کو جائیں گے گو ملاقات بھی نہ ہو مگر پہلے ہاتھ اُس کے کاغذ اور کتاب کی طرف بڑھائیں گے اور بے چوچھے دیکھنے لگیں گے یہاں تک کہ جتنے اُس مجلس میں بیٹھے ہوں گے خدا کی غایت سے سب کے پاس ہاتھوں ہاتھ وہ پہنچے گا اور ایک دوسرے سے چھیننے کا اور اسکو بڑی بے تکلفی سمجھیں گے حالانکہ انگریزوں میں کوئی ایسا کرے تو پھر کبھی اُس سے بات نہ کریں اور حق سمجھنا نکال دیں۔

یہ مولف ایسی قسم کی اپنے ملک کی بدعاتوں اور انگریزوں کی عمدہ خصلتوں کا مقابلہ کرتے کرتے اخیر کو نہایت درد و حسرت سے لکھتا ہے والی من المشتکی و لہن النصیر فی الیت شعری منی نصیر غن۔ ولد آدم بشر اکھواء البشر و متی عرف الحقوق الواجبة لنا و علینا اتخا ان التمدن معناه ان یكون الناس فی مدینة و فیہا ذاباب و سباع کلا شہ کلا جیران اجتمع الخروف و الذئب فی مرعی واحد لیوجب علی الیہود ان یومنوا بحی المسیم یعنی کس سے شکایت کی جاوے اور کس سے مدد مانگی جاوے کہ اتنے افسوس ہم بنی آدم کب انسان ہوں گے مثل ان انسانوں کے اور کب ہم پہچانیں گے اپنے حقوق کو اور غریبوں کے حقوق کو کیا خیال کیا

جاسکتا ہے کہ تمدن کے یہ حسنی ہیں کہ آدمی ایسے شہر میں رہے جس میں  
بھیڑیے اور دندے ہوں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ حق یہ ہے کہ بکریوں اور بھٹیروں  
کا ایک چراگاہ میں حج ہونا واجب کر دیتا ہے یہودیہ کہ وہ بھی مسیح کے آنے پر ایمان  
لے آویں۔

بعد اس کے پھر مؤلف نے لڑکوں کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا ہے۔ اور  
جس کشادہ پیشانی سے وہ لڑکوں کو پالتے ہیں اور اُن کو خوش رکھتے ہیں اور  
اُن کے جذبات کی شگفتگی کے کھیل کھلاتے ہیں اور آخر کو اُن کو عمدہ تعلیم دیتے  
ہیں اُسکی تعریف کی ہے اور چھوٹے لڑکوں کا پھول کی طرح خوبصورت ہونا اور  
اُن کی غرض نما پوشاک کی جو دیکھنے والے کو نہایت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے  
تعریف کی ہے۔

صفحہ ۷۱ میں مؤلف نے انگریزوں کی وفاداری کا حال لکھا ہے اور اُس  
محبت کا ذکر کیا ہے جو اُن کو اپنے ملک سے ہے اور اُس عزت اور خودداری  
کی تعریف کی ہے جو اُن کے مزاج میں ہے یہاں تک کہ جو لوگ اُن کو غرور کہتے  
ہیں اُن کے کہنے کو غلط ٹھہرایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اُن کی خودداری اور وقت  
اور عزت جس کا خیال ہر بات میں وہ رکھتے ہیں لوگوں کو غرور معلوم ہوتا ہے  
ورنہ حقیقت میں وہ غرور کچھ نہیں رکھتے بلکہ جس کسی کو اُن سے محبت اور دوستی  
کرنا ہو چاہیے کہ وہ بھی اپنی آپ عزت کرے اور اُن کے ساتھ خودداری سے پیش  
آوے اور اُن پر یقین کرادے کہ وہ اُن سے کسی ذاتی غرض کے سبب سے  
نہیں ملتا۔ اور اپنی عادتوں کی نسبت اُن کو مطمئن کرادے کہ وہ ایک خصلتیں  
کی ہی خصلتیں لکھتا ہے۔ تب اُس کو اُن سے دوستی اور محبت کا خیال کرنا  
چاہیے۔

فصلوں توں کے پوچھنے سے اُن کو ایسی نعت ہے کہ کہیں کوئی دوست کسی  
دوست کا مذہب اور اعتقاد نہیں پوچھتا برخلاف ہمدگوں کے کہ پہلا سوال  
مذہب اور اعتقاد ہی سے ہوتا ہے پھر پرسش آمدنی و خرچ کی۔ پھر مالکی حالات  
دیانت کیے جاتے ہیں اور دل کے بھید پوچھے جاتے ہیں۔ پھر علم و فنون کی

کسیت دریافت کی جاتی ہے اور پھر یہاں تک سوال کو طول ہوتا ہے کہ یہ پوچھنے لگتے ہیں کہ آپ بُدھ کے دن اُٹھے کھاتے ہیں یا نہیں۔ عرض کہ جو سوال ہوتا ہے وہ دوستی کے خلاف اور انسانیت کے مخالف ہے۔

پھر مؤلف موصوف صفحہ ۵۸ میں انگریزوں کی دیانت اور صفائی قلب کا بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ جب وہ کسی سے دوستی کرتے ہیں اور اُس کے چال و چلن کو اچھا جان لیتے ہیں تو وہ یہاں تک بے تکلف ہو جاتے ہیں کہ اپنی بی بی اور اپنی بیٹیوں کا بھی امین سمجھتے ہیں اور بے روک ٹوک اُس کے ساتھ اُنکو آئے جانے دیتے ہیں۔ اُن کو اپنے دوست پر یہاں تک بھروسہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوست اُن کا کسی شخص کو ملاقات کی چٹھی لکھ دیتا ہے تو وہ اُس پر بھی ویسا ہی بھروسہ کرتے ہیں جیسا کہ اپنے دوست پر۔ ہزار کوئی اُس کی طرف سے شکایت کرے وہ کبھی نہیں سنتے کیونکہ اُن کو بھروسہ ہوتا ہے کہ اُن کے دوست نے اُسکی سفارش کی ہوگی جب تک کہ اُس نے اطمینان اُس پر نہ کر لیا ہوگا۔ ایسے شخص کی اس قدر وہ خاطر کرتے ہیں کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا مگر یہ خاطر داری و عزت اُسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ شخص خود غرضی یا بد چلنی ظاہر نہ کرے اور چونکہ وہ خود صاف باطن ہوتے ہیں اس لیے اپنے ملنے والوں کو بھی ویسا ہی خیال کرتے ہیں۔ یہ نیک نیتی اور دل کی صفائی نہ صرف مردوں میں ہوتی ہے بلکہ شراف عورتوں میں بھی اس کا پورا پورا اثر پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے ملنے والے کو ہر بات میں جو وہ کہے سچا جانتی ہیں اور اگر کوئی ہمدردی سے عورتوں کی بھلائی کی بات کہے تو اُس پر مہربانی سے فدا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی ہسم میں سے اُن شریف عورتوں سے یہ کہے کہ سبحان اللہ انگلستان کی عورتیں کیسی تربیت یافتہ اور خوش خلاق اور نیک خلق ہیں والیاں ہیں اور افسوس ہے کہ ہماری عورتیں جاہل بے پڑوسی لگتی ہیں نہ اُن کو خدا کے حقوق کی خبر ہے نہ بندوں کے حقوق کی ہم لوگوں کی محبت عورتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسی دو دشمنوں کی ہوتی ہے۔ اور نہایت دل شکنی اور کشیدگی سے ہم لوگوں کی گند عورتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ کاش تم ہماری عورتوں پر رحم کرو اور اُن کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق کے لئے مدد نہ بنو اور مثل اس کے



جو اُور باتیں عورتوں کی بھلائی سے متعلق ہوں کیا دیں۔ تو وہ اشرفِ نادیان اُس کہنے والے کو سمجھیں کہ یہ کوئی نمبر ہے جو خدا کی طرف سے آیا ہے اور واسطے دُور کرنے جہالت اپنی قوم کی عورتوں کے مبعوث ہوا ہے۔ پس اس خیال ہی سے وہ اُس کی اتنی خاطر داری کریں گی کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور اُن کو نورِ عین ہو جاوے گا کہ ضرور یہ اپنے وطن میں لوٹ کر عورتوں کی تعلیم و تربیت کی فکر کرے گا مگر اُن نیکیتوں کو نیکب نہی ہے کہ حیض و شہرت مشرقی اپنے دل میں اُسی وقت کہتے جاتے ہیں کہ تم بڑی بیوقوف عورتیں ہو کہ میرے فریب میں آئی ہو۔ آخر عورتیں فصاحتِ العقل ہوتی ہیں افسوس کہ ہزاروں کتابیں تمہارے کتب خانوں میں ہیں اور صد ہاتھ کُرد فریب کے اُن میں لکھے ہوئے ہیں اور تم نے دیکھے بھی ہونگے مگر پھر بھی تم میرے دموں میں آگئیں اور تم نے نہ جانا کہ میں یہ باتیں صرف تمہارے خوش کرنے کو کرتا ہوں۔ مگر بہر حال وہ اشرفِ نادیان اُس کے اس کہنے پر اُس کی اس قدر عزت کریں گی کہ کوئی چاء کا پیالہ اپنے ماتھے سے بڑھا دے گی کوئی رات کے کھانے کی دعوت کرے گی۔

الغرض اس بولف نے نہایت تفصیل سے ہر قسم کی باتوں کا اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ کہاں تک اُس کا انتخاب پس چھوٹے سے پرچہ میں کیا جاوے۔ اگر کوئی مسلمان نصیحت کا طالب ہو اُس کے لیے یہ بھی بہت ہے۔ ورنہ

وقتہ کے دفتر لکھنا

بھی فضول

ہے

— — — — —

— — — — —

# اشتہاف و حرکت

## تاریخ اسپین اردو

یہ تاریخ جو مسلمانان اسپین (اندلس) کی ترقی اور ستمدل کے مفصل حالات درج میں انگریزی سے ترجمہ ہو کر اردو میں نہایت خوش سلوکی سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب کے چودہ باب ہیں۔ پہلے دس باب میں مسلمانوں کی ترقیات، فتوحات، طرز حکومت، جاہ و ثروت، اندلس کی ترقی، رعایا کے اسلام کی بہبودی و سرسبزی وغیرہ کا سچا اور صحیح نقشہ کھینچا ہے اور پچھلے چار باب میں عیسائیوں کے بے رحمانہ حملوں سے چین اسلام کے سینور اور بار آور پودوں کی تباہی کا بیان نہایت درد آمیز اور سچے واقعات سے قلمبند کیا گیا ہے۔ اس وقت ہندوستان بھی میں ہی ایک اردو کتاب چھپی ہے جس سے مسلمانان اسپین کے جز سے کل تک کے حالات بل سکتے ہیں۔ ان تمام حالات کو پڑھتے پڑھتے ان کے ساتھ آپ کو بہت سی اسلامی یاد گاریں (عمارتیں) بحالت خستہ دکھائی دینگی۔ جن کے فوٹو نقشے نہایت وقت سے بہرہ منا کر ساتھ چھاپے گئے ہیں۔ وہ مسلمان جو قومی محبت میں سرشار ہیں اور اپنے اسلاف کے گزشتہ کارناموں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ اس بے نظیر تاریخ کو مطالعہ کریں اور وہ ہمدرد جو اب تک ہلی مرحوم کی حالت نامہ دونوں محفل سے دور ہے، ہر ان کو چاہیے کہ اب ایک آنکھ اسپین کے لئے وقف کریں۔ ہر ایک اسلامی مجلس، ہر ایک محمدن سائنسی، ہر ایک علمی انجمن، ہر ایک لائبریری کا فرض ہے کہ اس کتاب کو خرید کر۔۔۔ یہ کتاب ۲۱۴ صفحوں پر مع نقشبسات کے ہے اور نہایت عمدہ کاغذ پر خوشخط چھپی ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک یک روپے۔

## لکچروں کا مجموعہ

اس مجموعہ میں سر سید احمد خان صاحب بد کے کل لکچرز جمع کئے گئے ہیں۔ دو مائیں عسید صاحب

(حسب ضابطہ رجسٹری شدہ)

# جلد دوم تہذیب و سلاط

یعنی

عالیجناب جواد الدولہ عارف جنگ۔ آنریبل ڈاکٹر سر احمد خاں صاحب  
کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ لائف سکریٹری محمد نیکو ورنیل  
کلج علیگڑہ سکریٹری محمد ایجوکیشنل کانفرنس کے تمام مضامین از ابتدائے  
۱۲۸۷ھ ہجری لغایت ۱۲۹۳ھ ہجری مندرجہ تہذیب و سلاط خلاق محمدیہ

مترتب

منشی محمد الدین تاجر کتب قومی، اخبار اشاعت پبلشرس، لاہور

۱۸۶۹ھ

مطابق

۱۳۱۳ھ

(مطبوعہ مصطفائی پرنس، لاہور)

تہذیب و سلاط ..... فی جلد ..... (۱)



# ویدیکیشن

بغالی جناب

نواب محسن الدور محسن الملک لوسی سید محمد علی صاحب ہمارے عزیز جنگ نام نظام  
مولانا۔

آزیز سید احمد خان صاحب دربالقالبہ کے مضامین چرس عالی جنابی کے  
ساتھ آپ کے توجہ کی ہے اور چرس غبی کے ساتھ ان کے خیالات کا موازنہ آپ نے  
فرمایا ہے بزرگ سید کے رب متوں میں سے آپ اس امر کے یاد تھی ہیں کہ  
یہ بیش قیمت اور بے نظیر مجموعہ آپ کے نام نامی سے معنون کیا جائے۔

”گر قبول افتد زہے عز و شرف“

قوم

خدم

فضل الدین تاج رکتب قوی

لاہور

یکم بیج الاول ۱۳۱۲ ہجری

فہرست مضامین کتاب تہذیبِ اخلاق جلد دوم یعنی مضامین انجیل  
ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے۔ سٹی ایس۔ آئی ایل آئی ٹی

صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون
۹۷	ریا۔ . . . .		حصہ اول
۱۰۱	ہنر و فن میں ترقی تہذیب۔ . . . .		مضامین اخلاقی و تمدنی
۱۰۲	مخالفت۔ . . . .		
۱۰۳	خوشامد۔ . . . .		
۱۰۶	گزرامہ و زمانہ۔ . . . .	۱	تہذیب۔ . . . .
۱۱۰	بحث و تکرار۔ . . . .	۲	رسم و رواج۔ . . . .
۱۱۲	امید کی خوشی۔ . . . .	۸	تقصیب۔ . . . .
۱۱۴	حُبِ ایمانی اور حُبِ انسانی۔ . . . .	۱۲	تعمیل۔ . . . .
۱۱۹	سولزیشن یا تہذیب۔ . . . .	۱۵	انسان کے خیالات۔ . . . .
۱۲۳	کانشنس۔ . . . .	۲۰	ہمدردی۔ . . . .
۱۳۳	اپنی مدد آپ۔ . . . .	۲۳	رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات۔ . . . .
۱۴۰	زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنا والا ہے۔ . . . .	۳۱	آزادی یا۔ . . . .
۱۴۲	نامتدب ملک اور نامتدب گورنمنٹ۔ . . . .	۴۸	خیر و اثم۔ . . . .
۱۵۰	خط و کتابت۔ . . . .	۵۰	کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے۔ . . . .
	حصہ دوم	۵۶	تربیت اطفال۔ . . . .
	مضامین مذہبی و علمی	۶۰	خلائی۔ . . . .
		۷۱	عورتوں کے حقوق۔ . . . .
۱۵۶	مذہب اور عام تعلیم۔ . . . .	۷۴	طریقہ زندگی۔ . . . .
۱۶۱	دین اور دنیا کا رشتہ۔ . . . .	۷۸	تعلیم و تربیت۔ . . . .
۱۶۴	طبقات علوم الدین۔ . . . .	۷۹	علمی۔ . . . .
۱۶۷	عبادت۔ . . . .	۸۱	طریقہ تناولِ طعام۔ . . . .
۱۷۴	کتب احادیث۔ . . . .	۸۳	سبحہ۔ . . . .
۱۷۷	احادیث غیر مستند۔ . . . .	۸۶	تعلیم۔ . . . .
۱۸۱	اعتقادی بات۔ . . . .	۸۸	شیانہ نیکی۔ . . . .
۱۸۴	اقسام حدیث۔ . . . .	۹۰	دنیا یا مہم (ہے)۔ . . . .
۱۹۲	تعلیم مذہبی۔ . . . .	۹۳	حق۔ . . . .

صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون
۲۳۴	مصر اور اُس کی تہذیب - - -	۱۹۵	مجتہد - - -
۲۳۲	نظامیہ سلسلہ تعلیم - - -	۱۹۶	آدم کی سرگذشت - - -
۲۳۰	امیر الامراء جناب سید خیر الدین حبیب ہمدانی	۲۰۸	خطوشہ سید احمد بنام مولوی سید عبد علی صاحب
۲۲۸	وزیر مملکت ٹونس - - -	۲۱۰	دوسرا خطوشہ سید احمد بنام مولوی سید عبد علی صاحب
۲۵۸	حکایت ایک دان خدا پرست اور دانا دنیا دار کی	۲۱۵	عقائد اہل اسلام - - -
۲۶۵	عام تعلیم پر مشیائیں - - -	۲۱۶	خط از طرف سید احمد بنام مولوی سید عبد علی صاحب
۲۶۴	غیر تعلیم پر تعلیم - - -	۲۱۶	صاحب (نسبت طبع و تحقیق) (کتاب)
۲۶۹	تحریر - - -	۲۲۰	جوتی پہننے ہوئے نماز پر مبنی - - -
۲۷۳	خدیو مصر کی مجلس - - -	۲۳۲	مشاورہ و اختیار - - -
۲۷۶	مصلحتی معاشرت مسلمانان - - -	۲۳۹	حدیث نشیہ - - -
۲۸۳	ترقی علوم - - -	۲۴۲	تفسیر السموات - - -
۲۸۵	علوم جدیدہ - - -	۲۴۲	نمیق (ناکان محمد بابا احمد بن رجا لکھنؤ)
۲۸۵	مقاصد تہذیب الاخلاق - - -	۳۱۲	رسول اللہ و خاتم النبیین - - -
۲۹۲	طریقہ تعلیم مسلمانان - - -	۳۱۲	وافی البہتان - - -
۵۱۳	اختتام سال ۱۲۹۱ھ جو شریعتی سال ۱۲۹۱ھ جری	۳۲۲	تفسیر (تحقیق معنی میں تشبہ بقوم فہموم)
۵۲۴	مہذب قوس کی پیروی - - -	۳۲۴	تفسیر (جادو برحق ہے اور کذب الا کا فہم)
۵۲۹	مسائل تفقہ - - -	۳۲۴	تفسیر سورہ بیل - - -
۵۲۹	اختتام سال ۱۲۹۱ھ جری - - -	۳۸۲	کافراں کے زمانہ میں بھی گدڑے ہیں - - -
۵۳۶	مسلمانان یارقنہ - - -	۳۹۱	اخبار نور افشاں مطبوعہ اسلام گت ۱۲۹۱ھ
۵۵۶	علامات وزارت - - -	۳۹۲	قراسلات - - -
۵۶۴	انوں کا افلاس - - -	۳۹۵	قصص و احادیث تفاسیر - - -
۵۶۰	سراب حیات - - -	۳۹۹	خطبہ میں بادشاہ کا نام - - -
۵۷۵	خود غرضی اور قومی ہمدی - - -	۴۰۳	شیخ الاسلام - - -
۵۷۸	شروع سال نوی - - -	۴۰۶	ملک مبین - - -
۵۸۲	جدید سلطان روم - - -	۴۰۷	مہدی آخر زمان - - -
۵۸۳	مبارک بادعید - - -		حصہ سوم
۵۹۱	ایک دبیر نسبت پرورش تیم اور لاوارث بچوں کے		مضامین متفرق
۵۹۲	نورالافاق سے بندہ ہوتے پرانوس - - -		
۵۹۶	مضمون اختتام سال ۱۲۹۱ھ جو شریعتی سال ۱۲۹۱ھ جری	۴۳۲	ذکر لکھنؤ کی روم کی مجلسوں کا - - -
۶۱۴	آخری پرچہ تہذیب الاخلاق - - -	۴۳۴	مصر اور اُس کی تہذیب - - -

دینا کا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تہذیب الاخلاق کی عتبات و صورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم ان کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو برس پیشتر ترکستان کے شہر رائے میں جو ایک حکیم فاضل اور استاد کامل ابو علی مشکوٰۃ خاتن رازی گزرا ہے یہ اسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے اسکا حُسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر صبیحہ شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم و دانشور فاضل صاحب قستان کے حاکم امیر تاج الدین عبدالرحیم کی پاس حاضر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف



کرنے کی ضرورت نہ سمجھی +

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر  
چمک رہا تھا مگر علم و فضل کا پر چا تھا۔ رعایا اُسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت  
کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اور تو اور۔ صرف ابوعلی سینا اور ابوریحان بیرونی  
اس حکیم کے معصروں میں دو ایسے بالکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی  
قوموں میں عمرنا اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ  
لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فلاح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔  
حرف و صنعت میں کسی قسم کی معاشرت نہ تھی۔ اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی  
کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور ذائل کی بیان  
سے اُسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابوعلی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فلاح اور مفتوح قوم کی زبان  
میں اختلاف۔ ذنوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون  
دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابل میں مثل تقویم پاریس۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات  
کی چیزیں تو بجائے خود ہیں چاقو۔ قینچی بلکہ شیشی دھاگر تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی  
چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا ان حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ  
بالاکہ ایسے مضامین بیج نہ کرنا جو قوم کو تاریخی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے  
نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے +

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے  
زمانہ کے مناسب حال ایک آؤرا ابوعلی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم  
کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے سوانحات اور اُس کے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی  
آگاہ ہے جو ایک صلح قوم اور ہی خواہ ملک کو ہونا چاہیے۔ وہ کہن؟ آئریہیل ڈاکٹر  
سرستید احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ آیل۔ ایل۔ ڈوسٹی۔ اس خدا  
نے جب سے دنیاوی زندگیانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھ کر معلوم کیا کہ یہی قوم  
ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت۔ تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلیٰ درجہ پہنچی  
ہوئی تھی یا آبت وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی معاشرت ہے جو ایمان کو گھر سے۔ یا  
نور کو ظلمت سے۔ یا آبادی کو برباد سے۔ تو ان حالات سے اُس کا جی بھرا یا۔ اور ہمدردی اسکی

حل مشکلات میں مصروف ہو گیا۔ اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا۔ دل اندر دل غصے۔  
 قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی۔ اور آخر کو ایک  
 سوشلیٹی قائم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کر کر شائع کیے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ  
 کے تجربے سے اُسکو معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور کافی بہت  
 فلاح قوم کے عروج اور اقبال ہندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔  
 اُس کے حالات کو نظر عبرت سے دیکھا۔ اُسکی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر ان سبببیاں  
 موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اس تمام سفر کا نتیجہ نکالا کہ جو قوم دوسری قوم  
 کے ماتحت رہ کر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر  
 کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا  
 پھیر پر ابلند کرنا اُس کے بد نظر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ فلاح قوم  
 کی زبان اور ان علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں۔  
 اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اس ضرورت کے انصرام  
 کا کفیل ہو۔

آپ اس بزرگوار نے ہندوستان میں اُس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اس لیے چڑے سفر میں  
 حاصل کیے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے۔  
 علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر اذیاد چھا گیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اینڈ رہی  
 ہے۔ زسرسری پکار سے اُسکی آنکھ کھلتی ہے۔ اور نہ معمولی چھنجوڑ سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک  
 شیریں کلام بلند آواز۔ اُن تھک طبیعت کو اُسپر تعین کیا۔ اسکی سری آواز میں وہ غضب کی  
 طاقت تھی کہ جس دل میں لگی جادو کی طرح اثر کر گئی۔ جس گھر میں پہنچی معنائیں کام کر دکھایا۔  
 سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مردہ متوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو  
 نوح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ مقتداس تہذیب الاخلاق۔  
 جسکی اشاعت کا انتظام دپیش ہے۔  
 آہا!! یہ وہی تہذیب الاخلاق ہے۔

جس نے مسلمانوں کی محن معاشرت کا بیزا اٹھایا۔  
 جس نے اسلاموں کے اصلاح تمدن کا بارگراں اپنے ذمہ لیا۔

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دور کر دیا +  
 جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی دُنیاوی ترقیات کرنے کو بہتر جوہر آمادہ ہے +  
 جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے +  
 جس نے عام و خاص بظاہر کر دیا کہ صلحان بنی آدم میں سے جس کی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ  
 وابستہ ہے وہ نبی عرب **محمد** صلی علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے +

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی کنفی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور اب  
 بیس برس کی مدت نے اس کو آؤر ناپسید کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقاً یہ کتب پتی ہوئی مل بھی جائے تو پھر عام کو اس کی  
 خریداری اور بغیر طباعت کو اس کی گرانہاری۔ متعذر۔ نویب آدمی مثلاً کہاں سے اسے اور لیر آدمی  
 اُس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح تحمل ہو۔ پس سہولت اس کی مقتضی ہوئی ہے کہ کل  
 اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں میں شائع کیا جائے۔ اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے قرار پائے  
 ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے :-

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید محمد علی خاں صاحب بیادریہ نواز جنگ  
 کے مضامین قیمت دو روپیہ +

دوسرے حصہ میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سرتید احمد خاں صاحب بہادر کے عسی ایس۔ آئی  
 کے کل مضامین قیمت تین روپے +

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب بہادر مرحوم  
 کے مضامین قیمت پندرہ روپے +

چوتھے حصہ میں نواب نصار جنگ مولوی شتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔  
 شمس العلماء مولوی ذکا و اللہ۔ مولوی سہدی حسن۔ سید محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین  
 قیمت پانچ روپے +

قوم

خبر دم

خاکسار فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت  
 لاہور۔ بازار کشمیری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حصّہ اوّل

مضامین اطلاق و تمدنی

### تمہید

اس پرچہ کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سولیزٹو یعنی محنت قومیں اُن کو دیکھتی ہیں وہ فراموش ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلاویں ۔  
سولیزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا تہذیب سمینے ترجمہ کیا ہے مگر اس کے معنی نہایت وسیع ہیں اُس سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت تمدن اور طریقہ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوب اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جہانی خوبی ہوتی ہے اور ممکن اور وقار و مقدر و نلت نہ حال کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے ۔

یہ بات نہایت سچ ہے کہ کسی قوم کے مذہب ہونے میں اس قوم کے مذہب کو بھی  
بڑا دخل ہے بے شک بعض مذہب ایسے ہیں کہ وہ تہذیب قومی کے بڑے مان ہیں۔ پس اُبت دیکھنا  
چاہیے کہ کیا مسلمانی مذہب بھی ایسا ہی ہے؟

اس باب میں مختلف رائے ہیں۔ ایک عیسائی متعصب مؤرخ نے ترکیبی روم کی سیر کر کے  
اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ترک جہنم کا مذہب اسلام کو نہ چھوڑینگے مذہب نہ ہونگے کیونکہ مذہب  
اسلام انسان کی تہذیب کا مان قوی ہے۔

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کو جو بافضل بادشاہ ہے اس بات کی تحقیقات منظور  
ہوئی کہ حقیقت مذہب اسلام مانع تہذیب ہے یا نہیں اور چند علماء اور وزراء کی کونسل اس  
امر کی نسبت رائے لکھنے کو مقرر کی جس کا افسر فرادپاشا تھا اس کونسل نے جو رپورٹ لکھی اس کے دو  
فقروں کا ترجمہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے۔

”اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت اور  
تہذیب اور رحمدلی کو کمال کے درجہ پر پہنچانے والی ہیں مگر ہر کو اپنی بہت سی رسوم و  
عادات کو جو اگلے زمانہ میں غیہ نہیں مگر حال کے زمانہ میں نہایت مضر ہو گئی ہیں چھوڑنا  
چاہیے۔“

آب دونوں رايوں میں سے کسی ایک رائے کا سچ کر دیکھا دینا مسلمانوں کے اختیار میں  
اگر وہ اپنے علمی کاموں سے مثل ذہنیات کی مذہب قوموں کے اپنے تئیں بھی مذہب کر دکھائیں گے  
تو فرادپاشا کی رائے کی تصدیق کریں گے ورنہ از خود اس پہلی رائے کی تصدیق ہوگی۔  
ایک اور انگریزی مؤرخ ہندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ  
ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہیں اور قرآن کے ضلوعی  
اور ہندوستان کی بُت پرستی سے بل ملا کر ان کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہو گیا ہے۔

ہماری سمجھ میں فرادپاشا کی رائے اور اس کے پچھلے انگریزی مؤرخ کا بیان بالکل درست ہے ہم  
مسلمانوں میں بہت سے پورے قصہ یہودیوں کے اور بہت سی باتیں اور خیالات اور عقائد  
رومن کیتھولک کے جو ایک قدیم عیسائی فرقہ ہے اور جو مدت سے عرب میں بھی موجود تھا اور بے انتہا  
رسوں اور عادات میں ہندوؤں کی گئی ہیں اور جدید ہمالیہ بہت سی باتیں خود ہماری طبیعتوں پر بہاؤ  
غلط فہمیوں کی پیدا کی ہیں جو حقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مسلمانوں کا

عجیب حالت ہو گئی ہے اور یہی باعث ہے کہ غیر قومیں ہماری اس مہیت مجموعی پر خیال کر کر اس مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اسکی نسبت نہایت حقارت کی رائے دیتی ہیں جیسے کہ ایک انگریزی مورخ نے مفصل ذیل رائے لکھی ہے +

”عیسائیت اُس بڑی سے بڑی خوشی کے جو فادر مطلق نے انسان کو دی ہے صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہے بلکہ اُسکو ترقی دینے والی ہے اور برخلاف اسکے اسلام اُسکو خراب کرنے والا اور ذلت میں ڈالنے والا ہے۔“

پس اب کیا غیریت کی بات نہیں ہے کہ ہم غیر قوموں سے ایسی حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے روشن اور سچے مذہب کی نسبت سنیں اور اپنی تہذیب و تربیت اور شائستگی کی طرف متوجہ نہوں +

یہ جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہم فواد پاشا کی رائے کو جو بڑے بڑے علماء اور علماء کے اتفاق سے لکھی گئی ہے اختیار کریں اور بخوبی ہو شیاد ہو کر نیک نالی اور غور سے اپنی حالت پر خیال کریں اور جو رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع تہذیب ہیں اُن کو دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں۔ اور کیونکر ہم میں آ گئیں اور یا کیونکر جو ہم میں پیدا ہو گئیں اور اُن میں جو جو حق ہی ناقص اور خراب اور مانع تہذیب ہوں اُن کو ترک کریں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مسائل کے ساتھ مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکام شریعت بھینا کے ہے یا نہیں تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوموں کی حقارت اور اُن کی نظروں کی ذلت سے بچے کہ اس سے زیادہ ثواب کا کوئی کام اس زمانہ میں نہیں ہے +

یہی ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے ہے اور اسی مقصد کے لیے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بذریعہ اس پرچہ کے جہاں تک ہم سے ہو سکے اُن کے دین نیکی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو بھونڈ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں اُن کو بخوبی دیکھتی ہیں اُن سے اُن کو مطلع کریں اور جو عمدہ باتیں اُن میں ہیں اُن میں ترقی کرنے کی اُن کو زحمت

۱۔ یہ مت سمجھیں کہ ہر مصنف کا صرف یہ قول ہی قول ہے بلکہ حالات اور اطوار و عادات موجود اہل اسلام اس کا ثبوت بھی ہے اور جب اُن سب کو لکھا جاوے تو بجز رونے کے اندر کچھ چارہ نہیں۔ اپنی ناگوار کھولنے اور اپنی لاجوں مریئے +

ولا یس۔ واللہ ولی التوفیق۔

السبحی منی ولا یتام من اللہ تعالیٰ۔ اللہم امین ثم امین۔

## رسم و رواج

جو لوگ کہ جن معاشرت اور تہذیب اخلاق و شائستگی عادات پر بحث کرتے ہیں ان کے لئے کسی ملک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے۔ ہر ایک قوم اپنے ملک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے اور اُس میں خوش رہتی ہے کیونکہ جن باتوں کی چٹہیں سے عادت اور عادت ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو ایسے معنی یہ ہو جائیں گے کہ بھلائی اور بُرائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے جس چیز کا رواج ہو گیا عادت پڑ گئی وہی چہی ہے اور جس کا رواج نہ ہوا اور عادت نہ پڑی وہی بُری ہے۔

مگر یہ بات صحیح نہیں۔ بھلائی اور بُرائی فی نفسہ متعلق چیز ہے رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اُس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا۔ عیب نہیں لگاتا کیونکہ سب کے سب اُس کو کہتے ہیں مگر اس کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہ بُری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی۔ پس یہ کو صرف اپنے ملک اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کر لینا نہ چاہئے بلکہ نہایت آزادی اور نیک دلی سے اُسکی اصلیت کا امتحان کرنا چاہئے تاکہ اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بد رسم و رواج کے ہو اُسکی بدی خیال میں آئی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ بدی ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے۔

البتہ یہ کہنا درست ہو گا کہ ہر گاہ میسوب اور غیر میسوب ہونا کسی بات کا زیادہ تر اُس کے رواج و عدم رواج پر منحصر ہو گیا ہے تو ہر کس طرح کسی امر کے رسم و رواج کو اچھا یا بُرا قرار دے سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بات کہ عادت شکل ہے مگر جبکہ یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ بھلائی یا بُرائی فی نفسہ بھی کوئی چیز ہے تو ضرور ہر بات کی فی حقیقت بھلائی یا بُرائی قرار دینے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ ہو گا پس یہ کہ اُس طریقہ کے تلاش کرنے اور اُس کے مطابق اپنی رسوم و عادات کی بھلائی یا بُرائی قرار دینے کی پیروی کرنی چاہئے۔

سب سے مقدم اور سب سے ضروری امور اس کام کے لئے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصب سے

اور اُن تاریک خیالوں سے جو انسان کو سچی بات کے سننے اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کریں اور اُس ٹی ٹی کے سے جو خدا تعالیٰ نے انسان کے دل میں رکھی ہے ہر ایک بات کی بھلائی یا بُرائی دریافت کرنے پر متوجہ ہوں +

۴۔ یہ بات ہر کامیابی قوم اور اپنے ملک اور دوسری قوم اور دوسرے ملک دونوں کے رسم و رواج کے ساتھ برتنی چاہیئے تاکہ جو رسم و عادت ہم میں بھلی ہے اُس پر حکم دیں اور جو ہم میں بُری ہے اُس کے چھوڑنے پر کوشش کریں۔ اور جو رسم و عادت دوسروں میں اچھی ہے اُس کو بلا صاحب اختیار کریں اور جو اُن میں بُری ہے اُس کے اختیار کرنے سے بچتے رہیں +

جب کہ ہم غور کرتے ہیں کہ تمام دنیا کی قوموں میں جو رسوم و عادات متوجہ ہیں اُنہوں نے کس طرح اُن قوموں میں رواج پایا ہے تو باوجود مختلف ہونے اُن رسالت و عادات کے اُن کا مبداء اور منشاء متحد معلوم ہوتا ہے +

کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو عادتیں اور رسمیں قوموں میں متوجہ ہیں اُن کا رواج یا تو ملک کی آفت ہوا کی خاصیت سے ہوا ہے یا اُن اتفاقاً یا مورسہ جن کی فطرت و فقا وقتاً بوقتاً ضرورت تمدن و معاشرت کے پیش کی گئی ہے یا دوسری قوم کی تقلید و اختلاط سے متوجہ ہو گئی ہیں یا انسان کی حالت ترقی یا تنزل نے اُس کو پیدا کر دیا ہے۔ پس ظاہر ایسی چار سبب ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں سوم عادت کے تروج ہونے کا مبداء اور منشاء معلوم ہوتے ہیں +

۵۔ جو رسوم و عادات کہ بمقتضائے آب و ہوا کسی ملک میں پائیے ہوئی ہیں اُن کے صحیح اور درست ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ وہ عادتیں قدرتِ اُولیٰ نے اُن کو سکھائی ہیں جسکے سچ ہونے میں کچھ شبہ نہیں مگر صرف اُن کے تباؤ کا طریقہ غور طلباتی رہتا ہے +

۶۔ مثلاً ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ شیر میں اور لہند میں سردی کے سبب ان کو آگ سے گرم ہونے کی ضرورت ہے۔ پس آگ کا استعمال ایک نہایت سچی اور صحیح عادت دونوں ملکوں کی قوموں میں ہے مگر اب ہم یہ دیکھنا ہے کہ آگ کے استعمال کے لئے یہ بات بہتر ہے کہ کائنات میں ہندوستانی قواعد سے لٹکانہ بنکانگ کی گرمی سے فائدہ اُٹھائیں یا مٹی کی کانگریوں میں آگ جلا کر گردن میں لٹکانے پھر جس سے گوارا دیا پیٹ اور دین کاالا اور بھونڈا ہو جاوے +

طریقہ تمدن و معاشرت روز بروز انسانوں میں ترقی پاتا جاتا ہے اور اس لئے ضرور ہے کہ ہر ایسی قوم عادتیں جو بغیر تمدن و معاشرت متوجہ ہوئی تھیں اُن میں بھی روز بروز ترقی ہوتی جاوے اور اگر ہم



اپنی اُن پہلی ہی رسموں اور عادتوں کے پابند رہیں اور کچھ ترقی نہ کریں تو بلاشبہ بمقابلہ اُن قوموں کے جنہوں نے ترقی کی ہے ہم ذلیل اور خوار رہیں گے اور مثل جانوروں کے خیال کیے جاویں گے پھر خواہ اس نام سے ہم بُرا مانیں یا نہ مانیں انصاف کا مقام ہے کہ جب ہم اپنے سے کمتر اور ناتربیت یافتہ قوموں کو ذلیل و حقیر مثل جانوروں کے خیال کرتے ہیں تو جو قومیں کہ ہم سے زیادہ شایستہ و تربیت یافتہ ہیں اگر وہ بھی کہو اُسی طرح حقیر اور ذلیل مثل جانوروں کے سمجھیں تو یہ کون کیا مقام شکایت ہے ناں اگر کچھ نچوڑت ہے تو یہ کون سا حالت سے نکلنا اور اپنی قوم کو نکالنا چاہیئے ؟

دوسری قوموں کی رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبی اور دانائی کی دلیل ہے مگر جب وہ رسمیں اندھے پن سے صرف تقلید یا بغیر سمجھے ہو جسے اختیار کی جاتی ہیں تو کافی ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتی ہیں دوسری قوموں کی رسومات اختیار کرنے میں اگر ہم دانائی اور ہوشیاری سے کام کریں تو اُس قوم سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس لیے کہ یہ کون اُس رسم سے تو موافقت نہیں ہوتی اور اس سبب سے اسکی حقیقی بھلائی یا بُرائی پر غور کرنے کا بشرطیکہ ہم تعصب کو کام میں نہ لادیں بہت اچھا موقع ملتا ہے اُس قوم کے حالات دیکھنے سے جس میں وہ رسم جاری ہے کہ بہت عمدہ مثالیں سینکڑوں ہیں کے تجربہ کی جاتی ہیں جو اُس رسم کے اچھے یا بُرے ہونے کا قطعی تصدیق کر دیتی ہیں ؟

مگر یہ بات اکثر جگہ موجود ہے کہ ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم میں سبب اختلاط اور ملاپ کے اور بغیر قصد و ارادہ کے اور اُن کی بھلائی اور بُرائی پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہو گئی ہیں جیسے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بتخصیص حال ہے کہ تمام معاملات زندگی بلکہ بعض امور ذاتی میں بھی ہزاروں رسمیں غیر قوموں کی بلا غور و فکر اختیار کر لی ہیں یا کوئی نئی رسم شاد اُس قوم کی رسم کے ایجاد کر لی ہے مگر جب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طریق معاشرت اور تمدن کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب پر پہنچاویں تاکہ جو قومیں ہم سے زیادہ تہذیب ہیں وہ ہم کو نظر حقارت نہ دیکھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام رسوم و عادات کو بغیر تحقیق و دیکھیں اور جو بُری ہوں اُن کو چھوڑیں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن میں اصلاح کریں ؟

جو رسومات کہ سبب ثبات ترقی یا تنزل کسی قوم کے پیدا ہوتی ہیں وہ رسمیں ٹھیک ٹھیک اُس قوم کی ترقی اور تنزل کا معیار اور ذلت کی نشانی ہوتی ہیں ؟

اس تمام پر ہم نے لفظ ترقی یا تنزل کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اور تمام قسم کے حالات ترقی و تنزل مراد لیے ہیں خواہ وہ ترقی و تنزل اخلاق سے متعلق ہو خواہ علوم و فنون اور طریق معاشرت و تمدن سے اور خواہ ملک و دولت و جاہ و شہرت سے ؟

بائنسبہ ریات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جسکی تمام رسمیں اور عادات عیب اور نقصان سے خالی ہوں مگر اتفاقاً بے شک ہے کہ بعضی قوموں میں ایسی عیوضات اور عادات جو حقیقت نفس الامری میں بری ہوں کم ہیں اور بعضی میں زیادہ اور ایسی وجہ سے وہ پہلی قوم پچھلی قوم سے اعلیٰ اور معزز ہے اور بعضی ایسی بھی تو ہیں جنہوں نے انسان کی حالت ترقی کو نہایت اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے اور اس حالت انسانی کی ترقی نے ان کے نقصانوں کو چھپا لیا ہے جیسے ایک نہایت عمدہ و نفیس شیریں دیا تھوڑے سے گدھے اور کھاری لٹی کو چھپا لیتا ہے ایک نہایت لطیف شربت کا بھرا ہوا پالائیدہ کی کھٹی دلو بندوں سے زیادہ تر لطیف اور خوشگوار ہو جاتا ہے اور یہی تو ہیں میں جو اب دنیا میں سویلیڈ زمینیں منسوب گئی جاتی ہیں اور حقیقت اس لقب کی مستحق بھی ہیں :

میری دلسوزی اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ اسی وجہ سے ہے کہ میری دانست میں ہم مسلمانوں میں بہت سی رسمیں جو حقیقت نفس الامری میں بری ہیں ترویج ہو گئی ہیں جن میں سے ہزاروں ہمارے پاک مذہب کے بھی برخلاف ہیں اور انسانیت کے بھی مخالف ہیں اور تہذیب و تربیت و شائستگی کے بھی برعکس ہیں اور اس لیے میں ضرور سمجھتا ہوں کہ ہم سب لوگ تعصب اور ضد اور نفسانیت کو چھوڑ کر ان بری رسموں اور بدعاتوں کے چھوڑنے پر مائل ہوں اور جیسا کہ ان کا پاک اور روشن ہزاروں حکمتوں سے بھرا ہوا مذہب ہے اسی طرح اپنی رسومات معاشرت و تمدن کو بھی عمدہ اور پاک صاف کریں اور جو کچھ نقصانات اُس میں ہیں گو وہ کسی وجہ سے ہوں ان کو دور کریں :

اس تجویز سے یہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے تئیں ان بدعاتوں سے پاک و متبرک سمجھتا ہوں یا اپنے تئیں نونہ عادات حسنہ جتنا ہوں یا خود ان امور میں معتد بننا چاہتا ہوں۔ حاشا و کلا بلکہ میں بھی ایک فرد انہیں افراد میں سے ہوں جن کی اصلاح دینی مقصود ہے بلکہ میرا مقصد صرف متوجہ کرنا اپنے بھائیوں کا اپنی اصلاح حال پر ہے اور خدا سے امید ہے کہ جو لوگ اصلاح حال پر متوجہ ہونگے سب اول ان کا چلیا اور ان کی پیروی کرنے والا میں ہوں گا البتہ مثل مخمور کے خراب حالت میں چلا جانا اور روز بروز بدتر درجہ کو پہنچنا جانا اور نہ اپنی عزت کا اور نہ قومی عزت کا خیال و پاس رکھنا اور بھٹوٹی شیخی اور بیجا غرور میں پڑے رہنا مجھ کو پسند نہیں ہے :

ہماری قوم کے نیک اور خدا ترس لوگوں کو کبھی کبھی یہ غلط خیال تاسہ ہے کہ تہذیب و تربیت و معاشرت و

تہن صفت دنیاوی امور میں صرف چند روزہ ہیں اگر اُن میں ناقص ہوئے تو کیا اور کامل ہوئے تو کیا اور اُس میں عزت حاصل کی تو کیا اور ذلیل ہے تو کیا۔ مگر اُن کی اس رائے میں قصور ہے اور اُن کی نیک دلی اور سادہ مزاجی اور تقدس نے اُن کو اس عام قریب غلطی میں ڈال دیا ہے جو اُن کے خیالات ہیں اُن کی صحت اور اصلیت میں کچھ شبہ نہیں مگر انسان امور متعلق تمدن و معاشرت سے کسی طرح علیحدہ نہیں ہو سکتا اور نہ شلوع کا مقصود اُن تمام امور کو چھوڑنے کا تھا کیونکہ تو اعدا و قوتا سے یہ امر غیر ممکن ہے پس اگر ہماری حالت تمدن و معاشرت ذلیل اور مضروب حالت پر بھیگی تو اُس سے مسلمانوں کی قوم پر عیب اور ذلت عائد ہوگی اور وہ ذلت صرف اُن افراد اور اشخاص پر منحصر نہیں رہتی بلکہ اُن کے مذہب پر منحصر ہوتی ہے کیونکہ یہ بات کسی جاتی ہے کہ مسلمان یعنی وہ گروہ جو مذہب اسلام کا پیرو ہے نہایت ذلیل و خوار ہے پس اس میں درحقیقت ہمارے افعال و عادات قبو سے اسلام کو اور مسلمان کی ذلت ہوتی ہے پس ہماری دانست میں مسلمانوں کی حسن معاشرت اور خوبی تمدن اور تہذیب و خلاق اور تربیت و تہذیب کی پیشکش کرنا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو دنیاوی امور سے جس قدر متعلق ہے اُس سے بہت زیادہ سادہ سے علاوہ رکھتا ہے اور جس قدر فائدہ کی اُس سے ہو کہ اس دنیا میں تو قہ ہے اُس سے بہت بڑھ کر اُس دنیا میں ہے جس کو کبھی فنا نہیں ہوتا

## تعصب

انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی خصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اُس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے تعصب کو اپنی زبان نکلتے مگر اُس کا طریقہ یہ بات جہلتا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائل انسانی ہے اُس میں نہیں ہے تعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصب کے سبب اُس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اگر اُس کا تعصب اُس کے برخلاف بات کے سننے اور سمجھنے اور اُس پر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے بلکہ سچی اور سیدھی راہ پر ہے تو اُس کے فائدہ اور اُس کی نیکی کو پھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیونکہ اُس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ نہ ہو کر متوجہ نہیں ہوتا

تعصب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حامل کرنے سے باز رکھتا ہے اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ

انسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجھتا ہے مگر صرف تعصب سے اُسکو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ بُرائی میں گرفتار اور بھلائی سے بیزار رہتا ہے +

مذہبی تعصبات کی نسبت بھی ہم کچھ تھوڑا سا بیان کریں گے مگر اول امور تمدنی معاشرت میں جو نقصان تعصب سے پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں +

انسان قواعد قدرت کے مطابق مدنی الطبع پیدا ہوا ہے وہ تنہا اپنی حوائج ضروری کو مہیا نہیں کر سکتا اُس کو ہمیشہ مددگاروں اور معاونوں کی جو دوستی اور محبت سے فائدہ اُٹاتے ہیں ضرورت ہوتی ہے مگر تعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے خوف اور بیزار رہتا ہے اور کسی کی دوستی اور محبت کی طرف بجز اُن چند لوگوں کے جو اُس کے ہم رائے ہیں تائل نہیں ہوتا +

عقل اور قواعد قدرت کا مقتضایہ معلوم ہوتا ہے کہ اسوہ تعلق تمدنی معاشرت میں جو بہت زیادہ منفعت اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کی ہیں اُن کو انسان اختیار کرے مگر تعصب اُن سب نعمتوں سے محروم رہتا ہے +

ہنر اور فن اور علم اسی عمدہ چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو نہایت اعلیٰ درجہ تک حاصل کرنا چاہیے مگر تعصب اپنی بخصلت سے ہر ایک ہنر اور فن اور علم کے اعلیٰ درجہ تک پہنچنے سے محروم رہتا ہے +

وہ اُن تمام کچھپاؤں اور مفید باتوں سے جو نئی تحقیقات سے اور نئے علوم اور فنون سے حاصل ہوتی ہیں محض جاہل و نادان واقف رہتا ہے اُس کی عقل اور اُس کے دماغ کی قوت محض بیکار ہو جاتی ہے اور جو کچھ اُس میں سائی ہوئی ہے اُس کے سوا اور کسی بات کے سمجھنے کی اُس میں طاقت اور قوت نہیں رہتی - وہ ایک ایسے جانور کی مانند ہو جاتا ہے کہ اُسکو جو کچھ باطبع آتا ہے اُس کے سوا اور کسی چیز کی تعلیم و تربیت کے قابل نہیں ہوتا +

بہت سی قومیں ہیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں کیا اخلاق میں اور کیا علم و ہنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شائستگی میں اور کیا جاہ و شہرت اور مال و دولت میں اعلیٰ درجہ سے نہایت پست درجہ مذلت اور خواری کو پہنچ گئی ہیں - اور بہت سی قومیں ہیں جنہوں نے اپنی بے تعصبی سے ہر جگہ اور ہر قوم سے اچھی اچھی باتیں اخذ کیں اور ادنیٰ درجہ سے ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پہنچ گئیں +

مجھ کو اپنے ملک کے بھائیوں پر اس بات کی بدگمانی ہے کہ وہ بھی تعصب کی بخصلت میں گرفتار ہیں اور اس سبب ہزاروں قوم کی بھلائیوں کے حاصل کرنے سے اور دنیا میں اپنے تئیں ایک معزز قوم کو دکھانے سے محروم اور قلت اور غراری اور بے علمی اور بے ہنرمندی کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اسی لئے میری خواہش ہے کہ وہ اس بخصلت سے نکلیں اور علم و فضل اور ہنر و کمال کے اعلیٰ درجہ کی عزت تک پہنچیں ۛ

ہم مسلمانوں میں ایک غلطی یہ پڑی ہے کہ بعضی دفعہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے تعصب کو اچھا سمجھتے ہیں اور جو شخص اپنے مذہب میں بڑا متعصب ہو اور تمام شخصوں کو جو اُس مذہب کے نہیں ہیں اور تمام اُن علوم اور فنون کو جو اُس مذہب کے لوگوں میں نہیں ہیں نہایت حقارت سے دیکھے اور بڑا سمجھے اُس شخص کو نہایت قابلِ تعریف اور توصیف کے اور بڑا پختہ اور پکا اپنے مذہب میں سمجھتے ہیں مگر ایسا سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہے جس نے حقیقت میں مسلمانوں کو برا کر دیا ہے ۛ

ہمارا مذہب اور مذہبی علوم اور دنیاوی علوم بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ پس بڑی نادانی ہے جو دنیاوی علوم اور فنون کے سیکھنے میں کسی قسم کے تعصب مذہبی کو کام میں لایا جائے اگر بنیاد پر دنیاوی علوم کے سیکھنے سے ہمارے عقاید مذہبی میں کمی آتی ہے کیونکہ مذہب بھی اُن دنیاوی علوم کے پڑھنے سے شہینہ یا غلط معلوم ہوتے ہیں تو نہایت ہی فوسل و سقم ہے کہ مسلمان اپنے ایسے روشن اور مستحکم سچے مذہب کو ایسا ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں کہ دنیاوی علوم کی ترقی سے اُس کی برتری کا خیال کرتے ہیں منو بابت نہ نما۔ مذہبِ امام ایسا مستحکم اور سچا مذہب ہے کہ جس قدر دینی اور دنیاوی علوم کی ترقی ہوتی جاوے گی اُسی قدر اُس کی استقامتی زیادہ تر ثابت ہوگی ۛ

اب ہم یہ بات بتاتے ہیں کہ اپنے مذہب میں پختہ ہونا جدا بات ہے اور یہ ایک نہایت عمدہ صفت ہے جو کسی اہل مذہب کے لئے ہو سکتی ہے اور تعصب گو کہ وہ مذہبی باتوں میں کیوں نہ ہو نہایت بُرا اور خود مذہب کو نہایت نقصان پہنچانے والا ہے ۛ

غیر متعصب مگر اپنے مذہب میں پختہ ہمیشہ سچا دانا دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے اُس کی خوبیاں اور نیکیوں کو سمجھتا ہے اُس کے اصول کو دلائل و براہین سے ثابت کرتا ہے مخالفوں اور متعصبوں اور براہین کے دلوں کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سُنتا ہے اور خود بھی اُس کے دُفعیر پر مستعد ہوتا ہے اور اُن لوگوں کو بھی اُس کے دُفعیر کا موقع دیتا ہے ۛ

برخلاف اس کے متعصب نادان دست اپنے مذہب کا ہوتا ہے وہ سرسراہنی نادانی سے اپنے مذہب کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پہلی اہم ایسی بخصلت اختیار کرنے سے جو ہر عقلمند کے نزدیک نفرت کے قابل ہے اپنے مذہب کے حسن اخلاق اور اس کے نتیجوں کی خوبی پر دماغ لگاتا ہے۔ اپنے مذہب کی خوبیوں کے پھیلنے اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنے کے بدلے اُس کا مارج قومی ہوتا ہے۔ اپنے تعصب کے سبب بد اخلاق اور مغرور اور متعسف سخت دل ہوجاتا ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک اسرائیت کریمہ لو کنت فظا غلیظ القلب لا نفصوا من حوالک سے مخالفت صریح کرتا ہے \*

مذہب میں تعصب شخص دوسروں کے اعتراضوں کو جو اس کے مذہب پر ہیں سننا یا شہوڑنا پسند نہیں کرتا اور ایسے سبب ضمتا وہ اس بات کا باعث ہوتا ہے کہ مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیقات کیے اور بلا جواب دیئے باقی رہ جاویں وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اس کے مذہب کو مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت اندیشہ وراس کے بہم ہو جانے کا خوف ہے پس یہ تہم باتیں مذہب کی دوستی کی نہیں ہیں بلکہ مخالفوں کی فتح یابی اور میدان حیت لینے کی ہیں \*

غرض کہ تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں۔ نہایت برا اور بہت ہی ایوں کا پیدا کرنے والا ہے \*

مغرور و متعصب رہ جانا اور اپنے مجنوں کو سوائے چند کے نہایت حقیر و ذلیل سمجھنا تعصب کا خاصہ قول ہے \*

اُس کے اصول کا مستقنا یہ ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں سے سوائے چند کے کنارہ گیرین ہو مگر ایسا کر نہیں سکتا اور مجبوراً ہر ایک سے ملتا ہے اور اوپر سے دل سے اُن کا ادب و مہمانی جمی ہوئی نیسا زندگی بھی ظاہر کرتا ہے اور ایسا کرنے سے ایک اور بخصلت نفاق اور کذب اور دغا بازی اور بے پرومکاری کی اپنے میں پیدا کرتا ہے \*

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں اور خوشیاں حاصل کی ہوں بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اٹھایا ہے مگر تعصب شخص ان نعمتوں سے بڑھیب رہتا ہے \*

علم میں آسکو ترقی نہیں ہوتی مہزوفن میں اُس کو دست گاہ نہیں ہوتی۔ دنیا کے حالات سے

وہ ناواقف رہتا ہے۔ عجائبات قدرت کے دیکھنے سے محروم ہوتا ہے۔ حصولِ مہاش اور دنیاوی عزت اور قبولِ مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل اور خوار اور حقیر و ناچیز ہوتا جاتا ہے۔

اُس کی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہے جو اپنے ریوڑ میں ملتا رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کے اُوپر جہنم کیا کر رہے ہیں۔ بلبل کیا چھپاتی ہے اور قمری کیا غل مچاتی ہے۔ بیابا بن گیا ہے۔ اب کبھی کیا چن رہی ہے۔

وہ جو گڑھے پر کی گھانس چرنے کے اُوپر کچھ نہیں جانتا کہ باغ کیوں بنا ہے اور پھول کیوں کھلا ہے۔ نرگس کیا دیکھتی ہے اور انگوٹھی کی تاک کیا تاکتی ہے۔

تقصیب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جب تک وہ نہیں جانتا کوئی ہنر و کمال اُس میں نہیں آتا تربیت و شایستگی۔ تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جب کہ وہ مذہبی غلط فہمی کی پردہ میں نمود کرتا ہے تو اُوپر بھی سم قاتل ہوتا ہے کیونکہ مذہب سے اور تعصب سے کچھ تعلق نہیں ہے انسان کے خراب و برباد کرنے کے لیے شیطان کا سب سے بڑا داداؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کر کے دکھانا ہے۔

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہ ہے کہ ہمارا خدا نہایت حران اور بت بڑا منصف ہے اور سچا سچائی کا پسند کرنے والا ہے وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے وہ ہماری نیتوں کی پہچانتا ہے۔ پس ہم کو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پختہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بُری خصلت ہے چھوڑنا چاہیے۔ تمام نئی نوع انسان ہمارے بھائی ہیں۔ ہم کو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیر خواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے۔ پس اسی کی ہم کو پیروی چاہیے۔

## تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہے کہ ہر کلمے کا زوال ہے ”مگر اس کے معنی اور اس کی وجہ بخوبی سمجھ نہیں آتی تھی۔ ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ ہم کو اپنے تئیں مدح کمال پر پہنچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہے۔

اور بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھ لیتی ہے تو اُس میں ہی لاد کو شش اور زیادہ تحقیقات اور نئی نئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اُس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال آ جاتا ہے +

کامل مطلق جسب زوات باری کے اور کوئی نہیں ہے پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہے اور اُس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان نے کی ہو یا کہی ہو کامل نہیں ہے کیونکہ قابلِ سہو خطا ہونا انسان کی شان سے ہے۔ اگر یہ بات اس طرح پر نہ ہوتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ پس اُن تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا تالیف عقل انسانی ہیں اُن کو کامل سمجھ لینا ہماری ٹھیک غلطی اور ہمارے تسنن دل و ادبار کی ٹھیک نشانی ہے +

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خسرا بیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے +

جو چیزِ حقیقت میں کامل نہیں ہے ہم اُسکو غلطی سے کامل سمجھ لیتے ہیں +  
ہم میں ایک استغناء پیدا ہوتا ہے جس سے سوائے اُسکے اور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُس ثابت کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں +

لوگوں کے اعتراضوں کے سننے کو گوارا نہیں کرتے اور اس سبب اپنی غلطیوں پر تذبذب نہیں ہوتے اور جبل و کبر میں پھنسے رہتے ہیں کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہے اُسکو ماتحت سے کھو بیٹھتے ہیں +

خدا نے جو ہر عقل دی ہے اور جس کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اُسکو کام میں لا دیں اور وہ پر ہر ہر وساکر اُسکو بیکار کر دیتے ہیں +

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتے بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی بہت بڑا نقصان پہنچاتے ہیں کیونکہ ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی عقل اور وجودِ طبع اور تیز فہمی ذہن اور طاقت انتقالِ ذہنی اور قوتِ ایجاد سب مٹ جاتی ہے اور صرف اُنہوں کی ٹھکاری پر ہماری چال بھجائی ہے اور ہم ٹھیک اس مثل کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ ”چارپائے بروکتے بے چند“ +

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اس نقص کو نہایت درجہ پر پہنچا دیا ہے اور جو نقصانِ نبی اور دُنیوی اُس سے ہم نے اٹھائے ہیں اُن کی کچھ انتہا نہیں۔ بھلا دینی باتوں کو اس وقت رہنے دو اور صرف



اس بات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کاروبار اور دنیا کی باہمی معاشرت اور محالست اور رسوم و عادات اور طریقہ تعلیم اور تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح آؤر قوموں نے ان باتوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اسی طرح کیوں نہ ترقی کریں ؟

اوسط کچھ ہمارا مذہبی پیشہ نہ تھا جو ہم اُس کے علوم اور اُس کے فلسفہ اور اُس کے الہیات کو ناقابل غلطی سمجھیں۔ بھلی کچھ صاحبِ وحی نہ تھا کہ اُس کی طب کے سوا اور کسی کو نہ مانیں۔ جو علم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں دیکھتے تھے۔ اُنہی پر پابند رہنے کے لیے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نہ نئے علم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالیٰ کی عجائب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں اُن کو کیوں نہ دیکھیں ؟

یہ کچھ ہم نے کہا یہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس وقت دنیا میں ہمارے سامنے ایسی مثالیں بھی موجود ہیں :

ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال پر پہنچا ہوا اور ناقابلِ سہو و خطا سمجھ کر ان کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اُنہی کی پیروی پر جیتے رہے اور اُن کی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اخذ یا بچاؤ پر کچھ کوشش نہیں کی اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم و فنون و طریق معاشرت کے لیے بجا میں کوشش کرتے رہے۔ اب دیکھو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور کون کون اور کون ترقی کی حالت میں ہے +

ہندو اور مسلمان وہ قومیں ہیں جو کچھ لکیر کو کامل سمجھ کر اُنہی کو مٹھتے آتے ہیں۔ انگریز، فرنگی اور جرمن اُنہی قومیں ہیں جو ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ پہلی قومیں علم و ہنر و تربیت و شایستگی میں اپنے دور میں اپنی جہتِ قوموں سے مقدم اور اعلیٰ تھیں اور شاید مسلمانوں کو بھی عزت تھی کہ وہ یورپ کی بعض قوموں کے لیے بمنزلہ اُستاد کے گئے جاتے تھے مگر اُنہی عیب نے جو اُن قوموں میں تھا اور اب بھی ہے اور اُنہی قوموں نے جو کچھ لکیر کو اب بھی ہے اور اب بھی ہے ٹھیک ٹھیک مبالغہ بالعکس کر دیا ہے۔ اب یورپ کی قومیں باشیانہ قوموں سے علم و ہنر و تربیت و شایستگی میں اعلیٰ ہیں پس میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کو بھی چاہیے کہ اپنے دماغ کو اُن بہبود اور نواذیات سے جنہوں نے اُن کی عقل اور سمجھ کو بالکل خراب کر رکھا ہے اور اُن کی تمام خوبیتوں کو

خیالات فاسد کے کچر میں لتھڑ پھڑ کر دیا ہے خالی کریں اور علوم اور فنون اور تہذیب و شایستگی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ ان کی تہذیب اور شایستگی میں نقصان جو محض کے سبب سے اُن کی قوم کی کیسی بدنامی ہے اور اُن عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کی بدولت اُن کو دیئے تھے بُری طرح سے استعمال میں لائے اور اُن کو بد صورت کر دینے سے غیر تو میں اسلام کو ہماری نالائقی کی بدولت کیسی حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں کیسے خندہ زن اشارات اور کنایات اُسپر کرتی ہیں اور ہماری شامت اعمال کو نتیجہ مذہب اسلام ٹھہراتی ہیں اُن کا ایسا کمنا اور خیال کرنا کچھ بجا نہیں ہے۔ اسلام کوئی مٹی کا پستلہ نہیں ہے جس کو کوئی دیکھ سکے مسلمانوں کی حالت اور اُن کے حالِ حِلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہے سو انہوں نے اُسکو ایسا بد صورت بنایا ہے کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ تحت نہ ہیں۔ پس اُس میری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق اور تہذیب و شایستگی کی منتی میں کوشش کر کر اور اپنے روال اور حالِ حِلن کو درست اور عمدہ کر کر اسلام کی جو اصلی صورت ہے وہ دنیا کو دکھائیں۔»

## انسان کے خیالات

ہمارا اُردو بہت سے عجائبات قدرت الہی میں اُنہی میں سے انسان کے خیالات بھی نہایت عجیب ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کی مخلوقات ایک قسمی سا خیال رکھتی رہے۔ جانوروں کی وہ بہت کم اور فحالی جو جاندار ہونے کے سبب سے ہیں اور وہ چیز جو محسوس یا خیال یا حرکات کی بواسطہ مادی واسطہ سے اُس کو کچھ ہی زیادہ۔ مگر وہ وہی چیز ہے جس کو انسانی حالت میں ضربِ خیال کہتے ہیں۔»

تمام اُفول اور حرکات جانوروں کی بلاشبہ ارادی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ وہ متحرک بالارادہ ہیں۔ اُن کی تمام حرکات کا باعث ہوا سطر یا بلا واسطہ ایک خیال جلبِ نفعت مادی جیسے غذا اور مسکن وغیرہ یا غیر مادی جیسے فرحت و انبساط اور بشارت یا خیال دفعِ مضرت مادی وغیرہ مادی کا ہے۔ ہم نہیں پاتے کہ انسان میں اُردو کوئی چیز اس سے زیادہ ہے بلاشبہ اتنا فوق پاتے ہیں کہ جانویں وہ خیالات محدود اور انسان میں نامحدود ہیں۔»

مگر محتجب تو ہم اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر گاہ ایک قسم کے جانداروں میں ایک ہی سے خیالات ہیں اور اُن پر وہ سب ایک ہی ساقینِ کامل رکھتے ہیں تو تمام انسان بھی باوجود ایک ایک قسم کے جاندار ہیں

ایک ہی سے خیالات اور ایک ہی ساقین کیوں نہیں کہتے ہیں +  
 کبھی سمجھیں آتے ہیں کہ جانوروں کے خیالات محدود ہونے کے سبب متفق ہیں اور انسان کے  
 خیالات میں نامحدود ہونے کے سبب وہ صفت نہیں ہے مگر بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اس لئے  
 کہ نامحدود ہونے کے لئے مختلف ہونا ضروری نہیں ہے پس انسانوں کے خیالات سے جہاں تک ہم کو  
 واقفیت ہو اس قدر عجائبات قدرت الہی سے ہکو زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور ان خیالات کا صحیح  
 ہونا یا صحیح سمجھنا ہمارے اس فائدہ میں کچھ نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ در صورت مختلف ہونے کے  
 اور بھی زیادہ فائدہ دیتا ہے اس لئے ہم اپنے اس آرٹیکل میں ایک انسان کے خیالات بیان  
 کرتے ہیں جن کو وہ اس طرح پر کہتا ہے :

مجھ کو خیال آیا کہ جس قدر اُور جانداروں کو کرنا ہے اُتنا ہی مجھ کو بھی کرنا ہے یا اُس سے  
 زیادہ +

مگر میرے خیال میں یہ ایک انسان کے سوا تمام جاندار مخلوقات کے لئے جن چیزوں کی ضرورت  
 ہے اُن کے بنانے والے کا یگانہ سب کچھ اُن کے ساتھ بنا دی ہیں۔ اُن کو اُن چیزوں کے ہم  
 پہنچانے یا پیدا کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ تمام جانوروں کی خوراک بغیر اُن کی سچی و تدبیر کے  
 پیدا ہوتی ہے۔ سرد ملک کے جانوروں کے لئے نہایت عمدہ پشینہ کا گرم لباس اُن کے بدنوں  
 پر پیدا کیا ہے۔ پرند جانوروں کے لئے مینہ سے بچنے کا باران کوٹ اُنہی کے بدنوں پر پیدا ہے  
 گرم ملک کے جانوروں کے لئے اُسی آب و ہوا کے مناسب اُن کا جامد قطع کیا ہے مگر انسان کو  
 لئے کچھ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو یہ سب کچھ خود کرنا ہے +

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان اپنے کاموں کے کرنے کے لئے کسی سے کچھ سیکھنے یا تعلیم پانے  
 کے محتاج نہیں ہوتے خود سیکھ سیکھ لے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو نرس چوسنے کے لئے  
 عمدہ قسم کا خدوں کی مشاغت کوئی نہیں بتاتا اور اپنے گھروں کو ایسی عمدہ تقسیم سے نکالنا  
 جب تک ایک بڑا مہندس بھی حیران ہو جاوے کوئی نہیں پڑھاتا۔ بچے کو ایسا عمدہ اور محفوظ کشتہ  
 بنانا کوئی نہیں سکھاتا۔ مگر انسان کو بغیر سیکھے کچھ بھی نہیں آتا +

پھر میں نے خیال کیا کہ حیوان کے کام خواہ وہ افعال جو اس سے ہوں یا دوسری قسم سے اور وہ ان کو  
 اُن کو آئے ہوں یا تعلیم سے نہایت محدود ہیں مگر انسان کے ہر قسم کے کام نامحدود ہیں۔ اس سب  
 باتوں سے میں نے خیال کیا کہ انسان کو اُور جانوروں سے بہت کچھ زیادہ کرنا ہے +

پھر میں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے کاریگر نے جو انسان کو اور جانوروں سے بھی زیادہ بلند بنایا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا ہے تو کیا چیز اسکو دی ہے جس سے وہ یہ سب چیزیں کر سکتا ہے اور تمام شکلوں پر فتح پاسکتا ہے۔ اتنے میں میرا دل بول اٹھا کہ عقل ۛ

ۛ میں یہ بات سنکر سوچ میں گیا کہ کیا یہ بات سچ ہے مگر میں نے خیال کیا کہ عقل سے تو یہ کام نہیں نکل سکتا۔ نہ تو وہ خود یہ کام نکال سکتی ہے اور نہ اس کے بغیر یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔ یہ تو کسی دوسری چیز کی طرح حل کرنے کو بطور آلہ کے ہے جیسے کہ سونا چاندی ہماری بھوک نہیں کھو سکتا مگر اس چیز کو ہم پہنچا دیتا ہے جو ہماری بھوک کھو دیتی ہے ۛ

بہت سی تماشائیں اور جستجوئیں کرنے کی اور خیال دوڑایا کہ وہ کیا چیز جس کے حاصل کرنے کے لیے عقل صحیح مشرک ہے تو خیال میں آیا کہ وہ چیز علم ہے جس کے معنی دانستن ہیں۔ تب میں سمجھا کہ مجھ کو اور جانوروں سے زیادہ جو کچھ کرنا ہے وہ صرف تمام باتوں کی اصلیت دریافت کرنا ہے ۛ

میں نے خیال کیا کہ علم اور یقین یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جس چیز کا مجھ کو علم ہوگا بیشک اس کا یقین بھی ہوگا۔ اور جس کا یقین ہوگا اس کا علم بھی ہوگا پس میں نے خیال کیا کہ یقین بغیر علم کے اور علم بغیر یقین کے مستحی اور پورا نہیں ہے ۛ

میں نے اس بات کو بالکل سچ سمجھا اور خیال کیا کہ مثلاً مجھ کو اعداد کے حساب میں تین کا اور دس کا علم ہے اور اس لیے یقین ہے کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں۔ تو اگر کوئی شخص اس کے برخلاف کہے اور اپنے بیان کے ثبوت کے لیے یہ بات کہے کہ میں اس لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہوں اور وہ اسکو سانپ بنا بھی دے تو کچھ عجیب نہیں کہ اس کا ایسا کرنا مجھ کو حیرت میں ڈال دے مگر کسی طرح اس بات کے یقین میں کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں شک نہیلائے گا ۛ

میں نے یہ خیال کیا کہ مسلمانوں کے مذہب کا یہ ایمانی مسئلہ کہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب بے شک سچا مسئلہ ہے۔ اس کا پہلا جز تو دنیاوی باتوں سے متعلق ہے مگر جو اصل مطلب ہے وہ دوسرے جز میں ہے۔ تصدیق قلبی اور یقین اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر الفاظ تصدیق قلبی زیادہ شان دار اور مطلب کو زیادہ تر دل پر نقش کرنے والے ہیں۔ اس لیے میں نے خیال کیا کہ ایمان بے یقین کے اور یقین غیبی کے نہیں ہو سکتا ۛ

میں نے یہ بھی خیال کیا کہ علم یا یقین جس کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہو سکتا ایسا ہی ہونا چاہیے  
جیسے کہ دس اور تین کی زیادتی و کمی کا یقین ہے تاکہ کسی طرح ناپاکی نہ ہو سکے کیونکہ اگر وہ کسی طرح  
ناپاکی ہو گیا تو وہ حقیقت میں علم یا یقین تھا بلکہ محض ایک دھوکا تھا۔  
ان تمام خیالات نے مجھ کو گھبرا لیا اور میں چاروں طرف دھونڈنے لگا کہ علم یا یقین بلکہ یوں کہو  
کہ ایمان حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

میں نے دیکھا کہ ہزاروں - لاکھوں - کروڑوں آدمی بہت سی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور کچھ  
کچھ بھی شکل نہیں ہوتی۔ میں کیوں اسی مشکلات میں پڑا ہوں۔ بہت سے کرائٹ لوگوں سے پوچھ پوچھا  
کہ تم نے ان سب باتوں پر کس طرح یقین حاصل کیا ؟  
یہودی نے کہا کہ مجھے اس بات پر یقین کامل ہے کہ خدا ایک ہے اس لیے کہ موسیٰ نے  
کہا ہے ؟

عیسائی بولا کہ غلط - خدا تین ہیں - اور مجھ کو اس پر کتنا یقین ہے اس لیے کہ یوحنا نے  
یوں ہی بتایا ہے ؟

ایسے اختلاف سے میں آدھ بھی گھبرا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ کون سا...  
ہے تو وہ یقین ہی نہیں پھر کیونکر ان کو ایسا نصیب یقین ہو سکتا ہے۔ خدا کی بات تو جھکا کر لگو  
تو خدا کے ایک ہونے پر یقین ہے نہ خدا کے تین ہونے پر۔ بلکہ ان کو تو اس پر شکیبازی نہیں ہے کہ  
موسیٰ اور یوحنا نے ایسا کہا ہے ؟

یہودی بولا کہ موسیٰ نے خدا سے باتیں کیں۔ لکڑی کو سانپ بنایا۔ پھر اس نے جو کہا میں  
کیا شک ہے ؟

عیسائی بولا کہ عیسیٰ نے مردوں کو جلایا۔ مارنے سے بھی مرنا بلکہ قبر میں اٹھ کر آسمان پر چلا گیا پھر  
اس کے خدا ہونے میں کیا شک ہے ؟

پہلے تو میں شک میں پڑا کہ دلیلیں تو اچھی ہیں مگر پھر مجھے خیال ہوا کہ ان کو تو خدا سے موسیٰ کے  
باتیں کرنے پر اور لکڑی کو سانپ بنانے پر اور عیسیٰ کے مردوں کے جلانے پر اور یوحنا کے اٹھنے پر  
یقین ہے خدا کے ایک یا تین ہونے پر یقین نہیں ؟

ان سب باتوں کے بعد میں نے یقین کیا کہ علم یا یقین یا ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ عقل  
ہے جو ان پسندوں کے حاصل کرنے کے لیے آکر اور نہایت عمدہ رہنما ہے ؟

پھر میں نے خیال کیا کہ عقل غلطی سے محفوظ رہنے کا کیونکر یقین ہو میں نے اقرار کیا کہ حقیقت میں اُس یقین نہیں ہو سکتا۔ مگر جب عقل ہمیشہ کام میں لائی جاتی ہے تو ایک شخص کی عقل کی غلطی دوسرے شخص کی عقل سے۔ اور ایک لڑکی کی عقلوں کی غلطی دوسرے لڑکی کی عقلوں سے صحیح ہو جاتی ہے۔ مگر جب یہ علم یا یقین یا ایمان کا مدار عقل پر نہ رکھا جاوے تو اُس کا حامل ہر کسی زمانہ اور کسی مقام میں بھی ممکن نہیں ہے۔

میرے دل میں شبہ تھا کہ عقل کو جو میں نے سب سے بڑا ہتھیار سمجھا کیوں نہیں ہے۔ عقل سے بڑا کوئی اور ہتھیار جو عقل کو بھی شکست دیدے۔ یہ کو اُس سے واقفیت نہونی اُس کے معدوم ہونے کی نیل تھیں ہے۔

مگر میں نے خیال کیا کہ ایسے دنیا کے موجود ہونے کے احتمال سے ہمارا کام نہیں چلتا۔ اُس کے موجود ہونے کا حصول اور یقین چاہیئے۔ جب یہ نہیں ہے تو عقل کے سوا اور کوئی رہنما بھی نہیں ہے۔

مجھے خواب کا خیال آیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ سونے کے وقت خواب دیکھتے ہیں اور اس حالت میں جو اس کو واقف اور معنی سمجھتے ہیں۔ اور اُس کے سچے ہونے میں بہت کچھ شبہ بھی نہیں ہوتا۔ مگر جب جاگتے ہیں تو باتیں ہیں کہ وہ اصلی نہ تھیں بلکہ صرف خواب کا خیال تھا تو کس وجہ سے یہ کو یقین ہے کہ جو کچھ ہم بیداری میں جانتے اور سمجھتے ہیں وہ دراصل صحیح اور واقعی ہے مگر یہ سب کچھ ہمارے اس وقت کی حالت کے مطابق صحیح ہو مگر ایک دوسری حالت پیش آوے جو ہماری بیداری کی حالت کے ساتھ ایسی ہی مناسب رکھتی ہو جیسا کہ ہماری بیداری کی حالت خواب کے ساتھ ہے اور اُس وقت ہم کو حتم ہو کہ ہماری حالت بیداری کی حقیقت خواب کی حالت تھی۔

مگر چہ چہ خیال آیا کہ ایسی حالت کا حتم ال ہمارے یقین کا کافی نہیں ہے یقین نہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت ایسی بھی کوئی حالت ہے اور احتمال اور یقین میں بڑا فرق ہے۔ چہ عقل کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

میں نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ ورلڈ عقل کے اور کوئی طریقہ بھی ہو جس سے صورت یا کیفیت اس کی تبدیل ہو جاوے اور وہی تبدیل یا ترقی آثار حصول علم یا یقین یا ایمان کی ہو اور اس کیفیت میں اور اس کی کیفیت میں ایسا ہی فرق ہو جیسا کہ ایک تندرست شخص میں اور اُس شخص میں جو صرف

سند رستی کے حال سے واقف ہو فرق ہے +

پھر مجھ کو خیال آیا کہ سند رستی کے حال سے واقف ہونا بغیر سند رست رہے ممکن نہیں اور صورت یا کیفیت روح کی تبدل کی حالت میں اس بات کی تمیز کرنے کے لیے کہ دونوں حالتوں میں سے بیماری کی حالت کون سی ہے۔ کیا پسینہ زہی تبدل صورت یا کیفیت روح تو اسکی تمیز ہو نہیں سکتی لامحالہ دوسری پسینہ چاہیے اور وہ دوسری چیز بجز عقل کے آؤ کوئی نہیں ہے اس لیے کسی طرف جاؤ اور کہیں سے پھر کھا کر آؤ علم یا یقین یا ایمان کا مدار صرف عقل ہی پر رہتا ہے +

ان تمام خیالوں نے مجھے یہ بات کی کہ عام لوگوں میں جو یہ سلسلہ ہے کہ ایمان اور مذہب کو عقل سے کچھ علاوہ نہیں ہے یقینی غلط ہے اور جب غش نے مذہب یا سلام کو بالکل عقل کے مطابق پایا۔ تو اسکی تہائی پر اور اُس سلسلہ کی غلطی پر آؤ بھی کامل یقین ہوا +

## ہمدردی

### ہر کوئی اپنی اپنی ہمدردی کرتا ہے

کیا دوا کوئی چاہیے۔ کیا بھلا دے میں پڑے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی مصیبت میں مدد کرنا ہمدردی کرنا ہے۔ کیا قدرت کا کوئی کام بغاوت ہے؟ نہیں۔ گو ہم بہتوں کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ کیا ہم اُس فلان سے میں شریک نہیں؟ نہیں۔ بیشک واسطہ یا بلا واسطہ یا واسطہ شریک ہیں۔ پھر دوسرے کی مدد کرنا کہاں رہا۔ بلکہ اپنی آسائش کے کسی وسیلہ سے اپنی آپ مدد کرنا ہوا۔ اس لیے جو لوگ ہمدردی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنی آپ مدد کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ خود اپنی آسائش کے وسیلہ کو نقصان پہنچاتے ہیں +

ہمدردی کا لفظ ہمارے خیال کو ایسی امداد کی طرف لیجاتا ہے جو رنج و مصیبت کی حالت میں ہو لیکن اگر ہم مصیبت کے لفظ کی اہلی مراد پر غور نہیں تو ضرور غلطی میں پڑیں +

عام مفہوم مصیبت کا جو اس لفظ سے ہماری سمجھ میں آتا ہے کوئی مستقل مفہوم نہیں ہے بلکہ ایک نسبی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ جو چیز اگر ایک کے لیے مصیبت ہو ممکن ہے کہ دوسرے کے لیے نہ ہو۔ وہ حالت اور ہستیاں سے ایسی مختلف ہو جاتی ہے کہ مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کسی چرخش کے

سب کا ایسی بدل جاتی ہے کہ بالکل راحت سمجھ میں آتی ہے بیشک یکساں مفہوم نسبتی ہیں اور جو اصلی مفہوم ہے وہ اسی حالت کا ہونا یا واقع ہونا ہے جو قدرتی فرحت اور راحت کے برخلاف ہو۔

اُس حالت کا ہونا خلیہ اختیار کی حالتوں کا ہونا ہے اور واقع ہونا اختیاری حالتوں کا۔ مگر پچھلی حالت اگر نتیجہ کی لاعلمی یا نقصانات غیر متعدی کے سبب سے ہے تو مجازاً وہ پہلی ہی ہے ہے ورنہ حقیقت میں وہ مصیبت نہیں بلکہ سزا ہے اور اس لیے اس میں ہمدردی نہیں پس اصلی یا اصلی سمجھ میں کسی کی مدد کرنا البتہ سچی ہمدردی ہے۔

رحم اور موانست اور ہمدردی شائستگی میں متحد ہوں مگر ہر ایک کا منشا مختلف ہے۔ رحم ایک فطرتی نیکی ہے جو جھنس اور غیر جھنس دونوں کے ساتھ برتی جاتی ہے۔ موانست کا اثر صرف جھنسوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ ہمدردی جو عقل کے نتیجوں میں سے ہے ذہنی عمل ہی میں پہنچتی ہے۔ اور اس لیے صرف انسان ہی میں منحصر ہے۔ پس جس میں ہمدردی نہیں اُسکی انسانیت میں نقصان ہے۔

قدرتی قاعدے کے مطابق ہمدردی کے بقدر تفاوت اپنی آسائش کے وسیلوں کے متفاوت دے جے ہیں۔ جس طرح کہ باپ۔ بھائی۔ چور و۔ بچے۔ پھر اُور درجہ بدرجہ کے رشتہ مند۔ پھر اپنے مُلک کے۔ پھر اپنے مہسایہ مُلک کے۔ پھر اس سے دُور کے مُلک کے باشندے درجہ بدرجہ جاری آسائش کے کیلئے ہیں اسی طرح اُس قاعدے کے تحت کی کامل قدرت نے ہمدردی کے رشتہ کی مضبوطی اور استواری کو بھی درجہ بدرجہ بنایا ہے۔ باپ کو بیٹے سے جو جوش ہمدردی ہے وہ پختے نہیں۔ اور جو پوتے سے ہے وہ پُرموتے سے نہیں۔ اسی طرح یہ رشتہ جتنا کہ بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے مُلک یا اپنے مہسایہ مُلک یا اُس سے دُور کے مُلک تک پہنچتا ہے تو اُور بھی تپکا ہوا جاتا ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ "یہ ایک دھوکہ ہے اور اگر یہ دھوکہ نہیں ہے اور یہ تفاوت درجہ قدرتی ہیں تو انجان بیٹے اور ان پچان باپ میں کیوں وہ ہمدردی نہیں حقیقت میں یہ صرف ایک خیال ہے جس سے ممانست پیدا ہوتی ہے اور دُکھی باعث ہمدردی ہے۔ نفرت جو اُسکی منہ ہے اس کا بخوبی ثبوت کرتی ہے کہ جب وہ پیدا ہوتی ہے تو باوجود موجود ہونے قدرتی رشتہ کے کچھ بھی ہمدردی نہیں رہتی۔



بیشک ایسا یا ایسا سا ہوتا ہے مگر اس کچھ غلطی بھی ہے۔ قریب شتہ والا نسبت دُور کے رشتہ والے کے بلاشبہ سب سے زیادہ تر جزئیت رکھتا ہے اور اس طرح بعید نسبت اجدد کے پھر اگر وہ جزئیت قدرتی ہے تو وہ ہمدردی بھی قدرتی ہے۔ ان معانست اس کو نہایت تیز کر دیتی ہے اور کبھی ایسی جو قدرتی ہی معلوم ہوتی ہے غفلتہ اس کی تیزی کو دباتی ہے اور کبھی ایسا کر دیتی ہے جو ابھی ہوئی ہی معلوم ہوتی ہے۔ انجان بیٹے اور ان پچھان باپ میں جو وہ چکتی نہیں نہ اس لیے کہ وہ نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ اُن میں انسانیت کا ایک بڑا جز جو علم یعنی دانستن ہے وہ نہیں ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ جو ہمدردی علی ہے وہ مذمت میں اعلیٰ اور صفت میں ادنیٰ ہے اور جو ادنیٰ ہے وہ مذمت میں ادنیٰ اور صفت میں اعلیٰ ہے۔ اس لیے کہ ایک میں کھونا قدرتی صفت کا اور دوسری میں نصف ہونا قدرتی صفت میں ہے۔

قریبوں سے ہمدردی نگرانی نہایت بہمت قابل نذر کے ہے اس لیے کہ قدرت کے نہایت مستحکم قاعدہ کو توڑنا ہے اور کرنی کچھ بڑی صفت نہیں کیونکہ قدرت نے اسے کرنے پر مجبور کر رکھا ہے بے دوس سے ویسی کرنی کچھ سخت مذمت نہیں اس لیے کہ قدرت کے کسی مستحکم قاعدہ کی خلافی نہیں اور کرنی نہایت عمدہ صفت ہے کیونکہ قدرت کے منشاء کو بدرجہ تام کامل کرنا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ عمدہ صفت کبھی دھوکہ کھا کر مصیوب بھی کر دی جاتی ہے جبکہ پہلی کو اونٹنے صفت سمجھ کر چھوڑتے ہیں اور دوسری کو اعلیٰ صفت سمجھ کر پکڑتے ہیں۔ مگر پہلی کے چھوڑنے کی بڑائی دوسری کی بھلائی کو بھی لے ڈوبتی ہے۔ پس سچی ہمدردی وہی ہے جو قدرت کے قانون کے مطابق اور قدرت کے منشاء کی تکمیل کے لیے ہو۔

کیا عمدہ اور سہل طور پر عام علم راہد کے لائق کر دیا ہے۔ اس ضمن کو بڑی قدرت والے اور معاشرت و تمدن کے زبردست قانون جاننے والے نے جبکہ ہم سے یوں کہا۔ لیکن القبر ان تو لو اوجہ حکمہ قبل المشرق والمغرب والکن البر من امن بالله والیوم الآخر والملائکۃ

نیکو یہی نہیں کہ منہ کر داپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ لیکن نیکو وہ ہے جو کوئی

ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دوسرے مال اس کی محبت پر تر است والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور لوہ کے مساکین کو اور مانگنے والوں کو اور گزنیوں کو چھڑانے میں۔

والکتاب والقیین واتی المال علی حتر ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل  
والسائلین وفی الرقاب جو عمدہ ترتیب ہمدردی کی اسیں بتائی ہے وہ بالکل قانون قدرت کے  
مطابق ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ جس نے قدرت کے قانون کو بنایا ہے اُسی نے یہ عملی  
قانون بسکودیا ہے۔ بے شک دونوں کا بانی ایک ہی ہے جس کے فعل اور قول دونوں کا  
ایک ہی مقصد ہے +

## رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات

ہم اپنے اس آئینہ کو بعض بڑے بڑے حکیموں کی تحیروں سے اخذ کر لیتے ہیں۔ کیا عجب  
قول ایک بڑے دانا کا ہے کہ ”انسان کی زندگی کا منشا یہ ہے کہ اُس کے تمام قومی اور جذبات  
نہایت روشنی اور شگفتہ ہوں اور اُن میں باہم نامناسبیت اور تناقض واقع نہ ہو بلکہ سب کا ملکہ ایک  
کامل اور نہایت متناسب مجھو ہو۔“ مگر جس قوم میں کہ پولنی رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے یعنی  
اُن رسموں پر نہ چلنے والا سلطون اور فقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں زندگی کا منشا معلوم ہو جاتا ہے +  
ایک اور بڑے دانشمند کی رائے کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا جہاں تک کہ  
دوسروں کو ضرر نہ پہنچے ہر انسان کی خوشی اور اُس کا حق ہے۔ پس جہاں کمیں معاشرت کا  
قاعدہ جس پر کوئی چلتا ہے خاص اُسکی خصلت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اعلیٰ روایتوں پر یا پولنی  
رسم و رواج پر مبنی ہے تو وہاں انسانوں کی خوشحالی کا ایک بڑا جزو موجود نہیں ہے اور جو کہ خوشحالی  
ہر فرد بشر کی اور سب کے لوگوں کی ترقی کا بہت بڑا جزو ہے تو اُس ملک میں جہاں رسموں کی  
پابندی ہے وہ جزو بھی ناپید ہوتا ہے +

کسی شخص کی یہ رائے نہ ہوگی کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کی تقلید کے اور کچھ مطلق نہ کرنا  
چاہیے اور نہ کوئی شخص یہ کہے گا کہ آدمیوں کو اپنی اوقات بسر کے طریقے اور اپنے کا بار الگ والی  
میں اپنی خوشی اور اپنی رائے کے مطابق کوئی بات بھی کرنی نہ چاہیے۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ آدمی کو  
اُسکی جوانی میں اس طرح سے تسلیم ہونی چاہیے کہ آدمیوں کے تجربات سے جو نتیجے تحقیق ہو چکے  
ہیں اُن کے فوائد سے مستفید ہو اور پھر جب اُسکی عقل نچکی ہو پہنچے تو خود اُن کی بھلائی اور  
بڑائی کو جانچے +

بے سوچنے اور بے سمجھے رسموں کی پابندی کرنے سے گو وہ رسمیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں آدمی

کی اُن صفتوں کی ترقی اور تکفلی نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ نے ہر آدمی کو مجداً اجداً عنایت کی ہیں۔ اُن قوتوں کا برتاؤ جو کسی چیز کی بھلائی بُرائی دریافت کرنے اور کسی بات پر رائے دینے اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل و فہم کو تیز رکھنے بلکہ اخلاقی باتوں کی بھلائی اور بُرائی تجویز کرنے میں متعلّق ہوتی ہیں صرف ایسی ہی صورتیں ممکن ہے جبکہ ہر بات کے پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ مگر شخص کو کئی بات رسم کی پابندی سے اختیار کرتا ہے وہ شخص اُس بات کو پسند یا ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کی تمیز یا خواہش میں کچھ تجربہ حاصل تھا ہے اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی اُس صورت میں حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ استعمال میں لائی جاویں اُن قوتوں کو آدروں کی تقلید کرنے سے کسی بات کی مشق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص کے لئے بجز ایسی قوت تقلید کے جو بند رہیں ہوتی ہے اور کسی قوت کی حاجت نہیں۔

البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ہے وہ اپنی تمام قوتوں سے کام لیتا ہے زائد حال پر نظر کرنے کے لئے اُسکو قوت تحقیق درکار ہوتی ہے اور انجام کار پر غور کرنے کے لئے قوت تجویز اور اُس کا تصفیہ کرنے کو قوت استقراء اور بھلا بُرا ٹھہرانے کو قوت امتیاز اور سب باتوں کے تھنیک کے بعد اُس پر قائم رہنے کے لئے قوت استقلال اور یہی سب کام ہیں جو انسان کے کرنے کے لائق ہیں آدمی مثل ایک کل کے نہیں ہے کہ جو اُس کے واسطے مقرر کر دیا ہے اُسی کو انجام دیا کرے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اُن اندرونی قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھی ہیں اور جن کے سبب سے وہ زندہ مخلوق کہلاتا ہے ہر چار طرف پھیلے اور بڑھے۔ پھولے اور پھلے۔

جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنی ختم اور اپنی عقل سے کام لیں اور رسم و رواج کی پابندی بھی ایک مقول طور پر رکھیں مگر جو جمعہ و مفید ہیں اُن کو اختیار کریں جو قابل اصلاح ہوں اُن میں تسلیم کریں اور جو بُری اور خراب ہوں اُن کی پابندی چھوڑ دیں نہ یہ کہ اندھوں کی طرح یا ایک کل کی مانند ہمیشہ اُسی سے لپٹے رہیں۔

یہ بات خیال کی جاتی ہے کہ رسوالت کی پابندی نہ کرنے سے آدمی خراب کاموں اور بُری باتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اس لئے کہ انسان کی ذات میں جیسے کہ خراب کام کرنے کی قوتیں اور جذبے ہیں ویسے ہی اُن کے رکھنے کی بھی قوتیں اور جذبے ہیں۔ مثلاً ایمان یا نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے۔ پس خراب کام ہونے کا یہ باعث نہیں ہے کہ اُس نے رسومات کی پابندی نہیں کی بلکہ یہ باعث ہے کہ اُس نے ایک قسم کی قوتوں اور جذبوں کو کشتہ فتنہ اور

شاداب اور قوی کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی قوتوں اور جذباتوں کو پرمردہ اور ضعیف۔ اگر رسومات کی پابندی نہ رکھنے کے ساتھ انسان کا ایمان ضعیف نہ ہو یا وہ دلی نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے پرمردہ نہ ہو تو بجز عمدہ اور پسندیدہ باتوں کے اور کسی بات کا ارتکاب نہ ہو۔ ہمارے زمانہ میں شہنشاہ اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ تک رسم و رواج کا ایسا پابند ہے جیسے کوئی شخص ایک بڑے زبردست حاکم کے نیچے اپنی زندگی بسر کرتا ہو کوئی شخص یا کوئی خاندان اپنے دل سے یہ بات نہیں پوچھتا کہ ہلو کیا کرنا چاہیے اور ہمارے مناسب یا ہمارے پسند اور ہمارے پسند کے لائق کیا بات ہے یا جو عمدہ صفاتیں مجھ میں ہیں ان کا طور سنائیت عموماً سے کس طرح پر ممکن ہے اور کونسی بات ان کی ترقی اور تکفلی کی معاون ہے بلکہ وہ اپنے دل سے یہ پوچھتے ہیں کہ میری حالت اور رتبہ کے کونسی چیز مناسب ہے۔ میرے رتبہ اور مقررہ کے آدمی کس رسم و رواج کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی زیادہ ہو قوف ہو تو وہ اپنے دل سے اس سے بھی زیادہ بتر سوال کرتا ہے اور یوں پوچھتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے بزرگ ہیں اور رتبہ اور مقررہ میں زیادہ ہیں وہ کن رسموں کو بجالاتے ہیں تاکہ شہنشاہ بھی یہی اسے کر کر انہی کی ہی شان میں شامل ہو۔

اس بات سے یہ سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ اس طرح پر رسومات کو بجالاتے ہیں وہ اپنی خواہش اور مرضی سے ان رسومات کو اور چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ترجیح دیکر پسند کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو بجز ایسی بات کے جو رسمی ہوتی ہے اور کسی بات کی خواہش کرنے کا موقع یا اتفاق نہیں ہوتا اور اس لیے طبیعت خود مکمل اور طبع رسوں کی پابندی کی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جو باتیں ل کی خوشی کی کرنی ہوتی ہیں ان میں بھی آدمیوں کے مطابق کام کرنے کا خیال اول ل میں آتا ہے۔ غرض کہ ان کی پسند و پسہ ہوتی ہے جو بہت سے لوگوں کی ہے وہ صرف ایسی باتوں کے پسند کرنے پر راغب ہوتے ہیں جو عام پسند ہوں اور مذاق اور مصلیٰ ہلیدہ جو رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اس سے ایسی ہی گریز کی جاتی ہے جیسے کہ جرموں سے یہاں تک کہ اپنی خاص طبیعت کی پیروی نہ کرتے نہ کرتے ان میں اپنی طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ جس کی پیروی کریں اور ان کی ذاتی قوتیں بالکل پرمردہ اور بیکار رہنے کے سبب بالکل ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ شخص اپنی دلی خواہش کرنے اور ذاتی خوشی اٹھانے کے قابل نہیں رہتے اور عموماً ایسی طبع اور رائیں یا خیالات نہیں رکھتے جو خاص ان کی اصلی خوشی سے مخصوص ہوں بات

غور کرنا چاہیے کہ انسان کی ایسی حالت پسندیدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟  
 رطوت جو مقرر ہوئی ہے غالباً اس زمانہ میں جبکہ وہ مقرر ہو نہیں سغیدہ تصور کی گئیں ہمد  
 مگر اس بات پر بھروسہ کرنا کہ درحقیقت وہ ایسی ہی ہیں محض غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے  
 اُن کو مقرر کیا اُن کی رائے میں غلطی ہو اُن کا تجربہ صحیح نہو یا اُن کا تجربہ نہایت محدود اور صرف  
 چند اشخاص سے متعلق ہو یا اس تجربہ کا حال صحیح صحیح بیان نہ ہوا ہو۔ یا وہ رسم اُس وقت اور  
 اُس زمانہ میں سفید ہو یا حال کے زمانہ میں سفید نہ رہی ہو بلکہ مضر ہو یا وہ رسم جن حالات پر قائم  
 کی گئی تھی کبھی شخص کی وہ حالت نہو غرض کہ رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنا ہر طرح پر نقصان  
 کا باعث ہے اگر کوئی نقصان نہ ہو تو یہ نقصان تو ضرور ہے کہ آدمی کی عقل اور دانش اور وجودت  
 طبع اور قوت ایجاد مہل ہو جاتی ہے ؟

یہ بات بے شک ہے کہ کسی عمدہ بات کی ایجاد کی لیاقت ہر ایک شخص کو نہیں ہوتی بلکہ چند  
 دانشمندیوں کو ہوتی ہے جن کی پیروی اور سبک کرتے ہیں لیکن رسم کی پابندی اور اس قسم  
 کی پیروی میں بہت برفرق ہے۔ رطوت کی پابندی میں اُسکی بھلائی و بُرائی و مفید و غیر مفید  
 و مناسب و مناسب طبع ہونے یا نہ ہونے کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور بغیر سوچے سمجھے کسی  
 پابندی کی جاتی ہے اور دوسری حالت میں بوجہ پسندیدہ ہونے کے اور اس لئے دوسری حالتیں  
 جو ترقی کی انسان میں ہیں وہ معدوم و مفقود نہیں ہوتیں الا پہلی حالت میں معدوم نابود  
 ہو جاتی ہیں ؟

رسم کی پابندی ہر جگہ انسان کی ترقی کی مانع و مہر ہے چنانچہ وہ پابندی ہی قوت طبعی کے  
 جس کے ذریعہ سے نسبت معمولی باتوں کے کوئی بہتر بات کرنے کا قصد کیا جاوے برابر بخرافہ  
 رہتی ہے اور انسان کی تنزل حالت کا اہلی باعث ہوتی ہے ؟

انہیں رائے کو دنیا کی موجود قوموں کے حال سے مقابلہ کرو۔ تمام مشرقی یا ایشیائی ملکوں کا  
 حال دیکھو کہ اُن ملکوں میں تمام باتوں کے تصفیہ کا مدار رسم و رواج پر ہے۔ اُن ملکوں میں ہر  
 ایک تحقیق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کی پابندی مراد ہوتی ہے۔ پس اب دیکھو کہ  
 مشرقی یا ایشیائی قوموں کا جن میں مسلمان بھی داخل ہیں کیسا استبداد و خراب اور ذلیل  
 حال ہے ؟

ان مشرقی یا ایشیائی قوموں میں بھی کئی زمانہ میں قوت عقل اور وجودت طبع اور مادہ ایجاد ضرور

موجود ہو گا جس کی بدولت وہ باتیں ایجاد ہوئیں جو اب زمین میں اس لیے کہ اُن کے بزرگ ماں کے پیٹ سے تربیت یافتہ اور صحت شریعت کے فنون سے واقف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ سب باتیں انھوں نے اپنی محنت اور علم اور عقل اور جودت طبع سے ایجاد کی تھیں اور انہی درجات سے دنیا کی نہایت بڑی اور قوی اور مشہور قوموں سے ہو گئے تھے مگر اب اُن کا حال دیکھو کہ کیا ہے اسی رسالت کی پابندی سے اُن کا حال یہ ہوا ہے کہ اب وہ ایسی قوموں کے محکوم ہیں اور ایسے لوگوں کی آنکھوں میں دلیل ہیں جن کے آباؤ اجداد اُس وقت جنگلوں میں آوارہ پڑے پھرتے تھے۔ جس وقت اُن قوموں کے آباؤ اجداد عالی شان محلوں میں رہتے تھے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور سکانات شاہی اور شہنشاہی محل بنواتے تھے اسکا سبب یہی تھا کہ اُس زمانہ میں اُن قوموں میں رسم کی پابندی طبعی نہ تھی اور جو کسی قدر بھی تو اُس کے شعاہی آزادی اور ترقی کا جوش اُن میں قائم تھا۔

تو تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک قوم کسی قدر عرصہ تک ترقی کی حالت پر رہتی ہے اور اُس کے بعد ترقی مسدود ہو جاتی ہے مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ ترقی کب مسدود ہوتی ہے۔ یہ بیوقوف مسدود ہوتی ہے جبکہ اُس قوم میں سے وہ قوت اُٹھ جاتی ہے جس کے سبب سے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کا اس زمانہ میں یہ خیال ہے بلکہ میں نے غلطی کی کیونکہ ترقی مسدود ہونے کا زمانہ بھی گزر گیا اور شریعت اور زلت و خواری کا زمانہ بھی انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے۔

مکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ یورپ کی قوموں میں بھی جو اس زمانہ میں ہر قسم کی ترقی کی حالت میں شمار ہوتی ہیں بہت سی زمینیں ہیں اور اُن زمینوں کی نہایت درجہ پر پابندی ہے تو وہ قومیں کیوں ترقی پر ہیں۔

عیسائے مسیح ہے اور حقیقت یورپ میں زمینوں کی پابندی کا نہایت نقصان ہے اور اگر اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہی جیسا کہ اب تک ہوتی رہی ہے تو اُن کو بھی بد نصیبی کا درجہ پیش آویگا مگر یورپ میں اور مشرقی ملکوں کی پابندی رسالت میں ایک بڑا فرق ہے۔ یورپ میں رسومات کی پابندی ایک عجیب اور نئی بات ہونے کو تو مانع ہے مگر رسالت کی تبدیلی کا کوئی مانع نہیں۔ اگر کوئی شخص عہدہ رسم نکالے اور سب گاہک پسند کریں فی الفور پُرانی رسم چھوڑ دی جاوے گی اور نئی رسم اختیار کیا کر جاوے گی اور اس سبب سے اُن لوگوں کے تو اسے عقلی اور حالت تیز اور قوت پکا

خلع نہیں ہوتی :

تم دیکھو کہ یہ پوشاک جو انگریزوں کی ہے ان کے باپ دادا کی نہیں ہے بالکل اپنی پوشاک بدل دی ہے۔ ہر وجہ کے لوگوں کا جو مختلف لباس تھا اس رسم کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ضرور سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ایک سائل آوروں کی لباس پہنے۔ اس وقت کوئی رسم یورپ میں ایسے دہجہ نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی رسم اس کے برخلاف مگر اس سے عمدہ ایجاد کرے اور لوگ اس پر اتفاق کریں اس وقت تبدیل نہ ہو سکے اور اس کی تبدیلی کے ساتھ ان کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ نئی نئی کلیں ہمیشہ ایجاد ہوتی رہتی ہیں اور تا وقتیکہ ان کی جگہ بہتر کلیں ایجاد نہ ہو جاویں وہ بدستور رہتی ہیں۔ ملکی معاملات اور تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بلکہ مذہب میں ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں یہ تصور کرنا کہ یورپ بھی مثل ہمارے مگر دوسری قسم کی رسموں میں مبتلا ہے محض نادانی اور نادانیت کا سبب ہے :

البتہ یورپ میں اور بالخصوص انگریزوں میں جو بات نہایت عمدہ اور قابل تعریف اور لائق خواہش کے ہے اور حقیقت بغیر اس کے کوئی قوم مہذب اور تربیت یافتہ نہیں ہو سکتی وہی بات اس کی مثال کا باعث ہوگی بشرطیکہ اسکی اصلاح نہ ہوتی رہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انگریز جو جو وطن میں ہیں اس بات پر نہایت کوشش اور جانفشانی کرتے ہیں کہ کل قوم کے لوگ یکساں ہو جاویں اور سب اپنے خیالات اور طریقے یکساں لیں اور قواعد کے تحت حکومت کر دیں اور ان کوششوں کا نتیجہ انگلستان میں روز بروز ظاہر ہوتا جاتا ہے جو حالات کا خاص خاص لوگوں اور فرقوں کے پائے جلتے ہیں اور جن کے سبب ان کی خاص خاص عاداتیں قائم ہوئی ہیں وہ اب روز بروز نایاب دوسرے کے مشابہ ہوتی جاتی ہیں۔ انگلستان میں اس زمانہ سے پہلے مختلف درجوں کے لوگ اور مختلف ہمسایوں کے لوگ اور مختلف پیشہ والے گویا جدی جدی دنیا میں رہتے تھے یعنی سبک طریقہ اور عادات جدا جدا تھے۔ اب وہ سب طریقے اور عاداتیں ہر ایک کی ایسی مشابہ ہو گئی ہیں کہ گویا سب کے سب ایک محلہ کے رہنے والے ہیں۔ انگلستان میں بہ نسبت سابقہ کے اب بہت زیادہ رواج ہو گیا ہے کہ لوگ ایک ہی قسم کی تصنیفات کو پڑھتے ہیں اور ایک ہی جاتی میں رہتے ہیں اور ایک ہی چیزیں دیکھتے ہیں اور ایک ہی سے مقاموں میں جاتے ہیں اور یکساں باتوں کی خواہش رکھتے ہیں اور یکساں چیزیں کا خوف کرتے ہیں اور ایک ہی سے حقوق اور آزادی سب کو حاصل ہے اور ان حقوق اور آزادیوں کے قائم رکھنے کے ذریعہ بھی یکساں ہیں

اور مشابہت اور مساوات روز بروز ترقی پاتی جاتی ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی مشابہت اور مساوات سے اسکو آذر زیادہ وسعت ہوتی ہے۔ تعلیم کے اثر سے تمام لوگ عام خیالات کے اور غلبہ اور رائے کے پابند ہوتے جاتے ہیں۔ اور جو عام ذخیوہ تھاقین اور سائیکل اور رایوں کا موجود ہے اس پر سب کو رسائی ہوتی ہے۔ آمد و رفت کے ذریعوں کی ترقی سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع اور شامل ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور اس سبب سے بھی مشابہت مذکور ترقی پاتی ہے۔ کارخانوں اور تجارت کی ترقی سے اسائیش اور آرازم کے وسیلے اور غائیڈ سے زیادہ شائع ہوتے ہیں اور ہر قسم کی عالی ہستی بلکہ بڑی سے بڑی اولوالعزمی کے کام ایسی حالت کو پہونچ گئے ہیں کہ ہر شخص ان کے کرنے کو موجود مستند ہوتا ہے کچھ خاص شخص یا گروہ پر منحصر نہیں رہا ہے بلکہ اولوالعزمی تمام لوگوں کی خاصیت ہوتی جاتی ہے اور ان سب پر آزادی اور عام رائے کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تمام امور ایسے ہر جہ سے انگشتا کے تمام لوگوں کی رائیں اور عاداتیں اور طریق زندگی اور قواعد معاشرت اور امورات پنج و راحت کیساں ہوتے جاتے ہیں اور بلاشبہ ملک و قوم کے مہذب ہونے کا اور ترقی پر پہونچنے کا یہی نتیجہ ہے اور ایسا عمدہ نتیجہ ہے کہ اس سے عمدہ نہیں ہو سکتا +

مگر باوصف اسکے ہم اس نتیجہ کو بشہر طیکہ اسکی اصلاح نہ ہوتی ہے باعث منزل قرار دیتے ہیں تو ضرور ہسکو کتنا پڑے گا کہیں یہ عمدہ نتیجہ باعث منزل ہوگا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جب سب لوگ ایک طبیبیعت اور عادات اور خیال کے ہو جاتے ہیں تو ان کی طبیعتوں میں سے وہ قوتیں جو نئی باتوں کے ایجاد کرنے اور عمدہ عمدہ خیالات کے پیدا کرنے اور قواعد حسن معاشرت کو ترقی دینے کی ہیں نایک اور کمزور ہو جاتی ہیں اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ ترقی ٹھہر جاتی ہے اور پھر ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ منزل شروع ہو جاتا ہے +

اس محال میں ہسکو ملک چین کے حالات پر غور کرنے سے عبرت ہوتی ہے چینی بہت لائق آدمی ہیں بلکہ اگر بعض باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو علمند بھی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی میں ان کی قوم میں بہت اچھی اچھی زمین قائم ہو گئیں۔ اور یکایک لوگوں کا تھا جو اس قوم میں نہایت دانا اور بڑے حکیم تھے +

چین کے لوگ اس باب میں مشہور و معروف ہیں کہ جو عمدہ سے عمدہ دانش اور عقل کی باتیں ان کو حاصل ہیں ان کو ہر شخص کی طبیعت پر بخوبی منعش کرنے کے واسطے اور اس بات کے لئے کہ



جن شخصوں کو وہ دانشمندی کی باتیں حاصل ہیں اُن کو بڑے بڑے عہد سے عیسٰی نہایت عمدہ طریقے اُن میں پائیے ہیں۔ اور وہ طریقہ حقیقت میں بہت ہی عمدہ ہیں بے شک جن لوگوں نے اپنا ایسا دستہ و قافلم رکھا انھوں نے انسان کی ترقی کے اسرار کو پالیا اور اس لیے چاہئے تھا کہ وہ قوم تمام دنیا میں ہمیشہ فضل رہتی مگر بخلاف اس کے اُن کی حالت سکون پذیر ہو گئی ہے اور ہزاروں برس سے ساکن ہے اور اگر اُن کی کبھی کچھ آواز ترقی ہوگی تو بے شک خیر ملکوں کے لوگوں کی بدولت ہوگی۔ اس خرابی کا سبب یہی ہوا کہ اُس تمام قوم کی حالت یکساں اور مشابہ ہو گئی اور سب کے خیالات اور طریق معاشرت ایک سے ہو گئے اور سب کے سب یکساں قواعد و رسائل کی پابندی میں پڑ گئے اور اس سبب وہ قوتیں جن سے انسان کو روز بروز ترقی ہوتی ہے اُن میں سے معدوم ہو گئیں۔

پس جبکہ ہم مسلمان ہندوستان کے رہنے والے جن کی رسالت بھی عمدہ اصول و قواعد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کوئی رسم اتفاقیہ اور کوئی رسم بلا خیال اور قوموں کے اختلاط سے ملتی ہے جس میں ہزاروں نقص اور بُرائیاں ہیں اور پھر ہم اُن رسموں کے پابند ہوں اور اُن کی بھلائی بُرائی پر غور کریں اور نہ خود کچھ اصلاح اور درستی کی فکر میں ہوں بلکہ اندھا دھند ہی سے اُنہی کی پیروی کرتے چلے جاویں۔ تو سمجھنا چاہیے کہ ہمارا حال کیا ہو گیا ہے اور آئندہ کیا ہو نیوالا ہے۔

ہماری ذہنی چیزوں کے حال سے بھی رسومات کی پابندی کے سبب بدتر ہو گئی ہے اور اب ہم میں خود اتنی طاقت نہیں رہی کہ ہم اپنی ترقی کر سکیں اس لیے مجھ اب اس کے دوسری قوم ہمارے ترقی اور ہمارے قوائے عقلی کی تحریک کا باعث ہو اور کچھ چارہ نہیں۔ بعد اس کے کہ ہمارے قوائے عقلیہ تحریک میں آجادیں اور پھر قوت ایجاد ہم میں شگفتہ ہو تب ہم پھر اس قابل ہوں گے کہ خود اپنی ترقی کے لیے کچھ کر سکیں۔

مگر جبکہ ہم دوسری قوموں سے ازراہ تعصب نفرت رکھیں اور کوئی نیا طریقہ زندگی کا گو وہ کیسا ہی بے عیب ہو اختیار کرنا صرف بے عیب اپنے تعصب یا رسم و رواج کی پابندی کے معیوب سمجھیں تو پھر ہم کو اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کی کیا توقع ہے۔

مگر جو کہ ہمارے مسلمان ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو ہم دل سے سچ جانتے ہیں اس لیے ہم کو مذہبی پابندی ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ جو بات معاشرت اور تمدن اور زندگی میں

کرتے اور دنیاوی ترقی کی اختیار کرتے ہیں اُس کی نسبت اتنا دیکھ لیں کہ وہ مباحثات شرعیہ میں سے ہے یا مباحثات شرعیہ میں سے۔ در صورت ثانی بلاشبہ ہرگز اختیار کرنا چاہیئے اور در صورت اول بلا لحاظ پابندی رسوم کے اور بلا لحاظ اس بات کے کہ لوگ ہرگز برا کہتے ہیں یا بھلا اُس کو اختیار کرنا ضرور بلکہ واسطے ترقی قومی کے فرض ہے +  
 خدا ہمیں مسلمانان را بریں کار توفیق دہد + آمین +

## آزادی رائے

ہم اپنے اس آرٹیکل کو ایک بڑے لائق اور قابلِ ماز حال کے فیلسوف کی تحریر سے اخذ کرتے ہیں۔ رائے کی آزادی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر ایک انسان اُس پر پورا پورا حق رکھتا ہے۔ فرض کرو کہ تمام آدمی جو ایک شخص کے کسی بات پر متفق نہ رہتے ہیں مگر صرف وہی ایک شخص اُن کے برخلاف رائے رکھتا ہے تو اُن تمام آدمیوں کو اُس ایک شخص کی رائے کو غلط ٹھہرنے کے لئے اُس سے زیادہ کچھ استحقاق نہیں ہے جتنا کہ اُس ایک شخص کو اُن تمام آدمیوں کی رائے کے غلط ثابت کرنے کا (اگر وہ ثابت کر سکے) استحقاق حاصل ہے کوئی وجہ اس بات کی نہیں ہے کہ پانچ آدمیوں کو تو بقابلہ پانچ آدمیوں کی رائے کے غلط ٹھہرنے کا استحقاق ہو اور ایک آدمی کو بمقابلہ نو آدمیوں کے یہ استحقاق نہ ہو رائے کی غلطی آدمیوں کی تعداد کی کمی بیشی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قوت استدلال پر منحصر ہے جس کی بات ممکن ہے کہ نو آدمیوں کی رائے بمقابلہ ایک شخص کے صحیح ہو ویسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کی رائے بمقابلہ نو کے صحیح ہو +

رایوں کا بند رہنا خواہ بسبب کسی مذہبی خوف کے اور خواہ بسبب اندیشہ برادری قومی کے اور خواہ بدنامی کے قد سے اسی یا گورنمنٹ کے ظلم سے نہایت ہی بُری چیز ہے۔ اگر رائے اس قسم کی کوئی چیز ہوتی جس کی قدر و قیمت صرف اُس رائے والے کی ذات ہی سے متعلق اور اُسی میں محصور رہتی تو رایوں کے بند رہنے سے ایک خاص شخص کا یا مسدود سے چند نقصان متصور ہوتا مگر رایوں کے بند رہنے سے تمام انسانوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور کل انسانوں کو نقصان پہنچتا ہے اور نہ صرف موجود انسانوں کو بلکہ اُن کو بھی جو آئندہ پیدا ہو گئے +

اگرچہ رسم و رواج بھی اُس کے برخلاف رایوں کے اظہار کے لئے ایک بہت قوی مزاحم کار گنا جاتا ہے لیکن مذہبی خیالات مخالف مذہب رائے کے اظہار اور شہرہ ہونے کے لئے بہت

اقتے مراعہ کا ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ اُس مخالف رائے کا ظاہر ہونا اُن کو ناپسند ہوا ہے بلکہ اُسی کے ساتھ جوش مذہبی اُسٹڈ آتا ہے اور عقل کو سلیم نہیں سمجھتا۔ اور اُس حالت میں اُن سے ایسے افعال و اقوال سرزد ہوتے ہیں جو انہیں کے مذہب کو جس کے وہ طرفدار ہیں حضرت پہنچاتے ہیں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ مخالفوں کے اعتراض لا معلوم رہیں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ سبب پوشیدہ رہنے اُن اعتراضوں کے انہیں کے مذہب کے لوگ اُن کے حل پر متوجہ نہ ہوں اور مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیق کیے اور بلا دفع کیے باقی رہ جاویں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ اُن کی آئندہ تسلیس سببنا تحقیق باقی رہ جائے اُن اعتراضوں کے جس وقت اُن اعتراضوں سے واقف ہوں اُس وقت مذہب سے منحرف ہو جاویں۔ وہ خود اس بات کے باعث ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نادانی سے تمام دنیا پر گویا یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ اُس مذہب کو جس کے وہ پیرو ہیں مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت ہی اندیشہ ہے اگر اُنہی کے مذہب کا کوئی شخص بغرض حصول اغراض مذکورہ اُن کا پھیلانا چاہیے تو خود دیکھو معترض کی جگہ تصور کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے دوست کو دشمن قرار دیتے ہیں۔

کیا عمدہ رائے اُس فلیسوف کی ہے کہ کسی رائے کے حامیوں کا اُس رائے کے برخلاف رائے کے مشترک ہونے میں مزاحمت کرنے سے زود اُن حامیوں کا نسبت اُن کے مخالفوں کے زیادہ نقصان ہے اس لیے کہ اگر وہ رائے صحیح و درست ہو تو اُسی مزاحمت سے غلطی کیے بلے صحیح بات حاصل کرنے کا موقع اُن کے ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر وہ غلط ہے تو اس بات کا موقع باقی نہیں رہتا کہ غلطی اور جھوٹ کے مقابلے سے جو حجت کو زیادہ استحکام اور اُسکی ہچائی زیادہ ترویج پر مشورہ ہوتی ہے اور اُسکی روشنی دلوں میں بکھیر جاتی ہے اس نتیجہ کو حاصل کریں جو فی الحقیقت نہایت عمدہ فیاض ہے۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ عموماً مخالف اور موافق رایوں کا پھیلنا اور منتشر ہونا خواہ وہ مذہبی معاملے سے علاوہ رکھتی ہوں یا مذہبی معاملہ سے نہایت ہی عمدہ اور مفید ہے دونوں قسم کی رایوں پر جفا جفا غور کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اُن میں سے کونسی بہتر ہے یا اُن دونوں کی تائید ایسے دلائل سے ہوتی ہے جو جہدِ اگاہہ ایک کے مناسب ہیں۔ ہم کو اس بات کا کبھی یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ جس رائے کی مزاحمت میں یا بند رہنے میں ہم کوشش کرتے

ہیں وہ غلط ہی ہے اور اگر یقین بھی ہو کہ وہ غلط ہے تو بھی اُسکی نراحت اور اُس کا انسداد بُرائی سے خالی نہیں +

فرض کرو کہ جس رائے کا بند کرنا ہم چاہتے ہیں حقیقت میں رائے صحیح و درست اور جو لوگ اُسکی انسداد چاہتے ہیں وہ اُسکی درستی اور صحت سے مُنکر ہیں مگر عموماً چاہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی اُس رائے کے بند کرنا والے ایسے نہیں ہیں جن سے غلطی اور خطا ہونی ممکن نہ ہو تو اُن کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اُس خاص معاملہ کو تمام انسانوں کے لئے خود فیصلہ کریں اور اُن شخصوں کو اپنی رائے کے نام میں لانے سے محروم کر دیں کسی مخالف رائے کی سماعت سے اس وجہ سے انکار کرنا کہ ہم کو اُس کے غلط ہونے کا یقین ہے گویا یہ کہنا ہے کہ ہمارے یقین یقین کامل کا رتبہ رکھتا ہے اور اُس پر بحث و گفتگو کی ممانعت کرنا انبیاء سے بھی بڑھ کر اپنا رتبہ ٹھہرانا ہے اور اپنے تئیں ایسا سمجھنا ہے کہ ہم سے سو و خطا کا ہونا نامکن ہے +

انسانوں کی سمجھ پر بڑا افسوس ہے کہ جس قدر کہ وہ اپنے خیال و قیاس میں اپنے سے اُس مشہور مقولہ کی سند پر کہ ”الانسان مرکب من الخطاء والنسیان“ سو و خطا کا ہونا نامکن سمجھتے ہیں اُس قدر اپنی رایوں اور اپنی باتوں کے عذر و آراء میں نہیں سمجھتے اُن کی عملی باتوں سے اُسکی قدر و منزلت نہ نہایت ہی خفیف معلوم ہوتی ہے۔ گو خیال و قیاس میں اُسکی کسی ہی بڑی قدر و منزلت نہ سمجھتے ہوں۔ اگرچہ سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے سو و خطا ہونی ممکن ہے مگر بہت ہی کم آدمی ایسے ہوں گے جو اُس کا خیال رکھنا اور اندوئے عمل کے بھی اُسکی احتیاط کرنا ضرور سمجھتے ہوں اور عملی طور پر اس بات کو تسلیم کرتے ہوں کہ جس رائے کی صحت کا اُن کو خوب یقین ہے شاید وہ اُسی سو و خطا کی مثال ہو جس کا ہونا وہ اپنے سے نامکن سمجھتے ہیں +

جو لوگ کہ دولت یا منصب اور حکومت یا علم کے سبب غیر محدود تعلیم و ادب کے عادی ہوتے ہیں وہ تمام معاملات میں اپنی رایوں کے صحیح ہونے پر یقین کامل رکھتے ہیں اور اپنے میں سو و خطا ہونے کا احتمال بھی نہیں کرتے اور جو لوگ اُن سے کسی قدر زیادہ خوش نصیب ہیں یعنی وہ کبھی کبھی اپنی رایوں پر اعتراض اور محبت اور تکرار ہوتے ہوئے سنتے ہیں اور کچھ کچھ اس بات کے عادی ہوتے ہیں کہ جب غلطی پر ہوں تو متنبہ ہونے پر اُسکو چھوڑ دیں اور درست بات کو مان لیں اگرچہ اُن کو اپنی ہر ایک رائے کی درستی پر یقین کامل تو نہیں ہوتا مگر اُن

رایوں کی درستی پر ضرور یقین ہوتا ہے جن کو وہ لوگ جو ان کے ارد گرد رہتے ہیں یا ایسے لوگ جن کی بات کو وہ نہایت ادب و تعلیم کے قابل سمجھتے ہیں ان رایوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شخص جس قدر اپنی ذاتی رائے پر اعتماد نہیں رکھتا وہ شخص اُسی قدر دنیا کی رائے پر عمل و مزیاہ و تر اعتماد رکھتا ہے جس کو بعضی اصطلاحوں میں جمہور کی رائے یا جمہور کا مذہب کہا جاتا ہے۔

مگر یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا سے کیا مراد ہوتی ہے ہر ایسے شخص کے نزدیک دنیا سے اور جمہور سے وہ چند اشخاص معدود مراد ہوتے ہیں جن سے وہ اعتماد رکھتا ہے یا جن سے وہ ملتا جلتا ہے مثلاً اُسکے دوستوں یا ہم رایوں کا فریق یا اُسکی ذات برادری کے لوگ یا اُس کے درجہ و تہ کے لوگ۔ پس اُس کے نزدیک تمام دنیا اور جمہور کے معنی اُنہی میں ختم ہو جاتے ہیں۔ اور اُس لیے وہ شخص اس رائے کو دنیا کی یا جمہور کی رائے سمجھ کر اُس کی درستی پر مزیاہ و تر یقین کرتا ہے۔ اس مثبت مجموعی رائے کا جو اعتماد اور یقین اُس کو دیا دہوتا ہے اور ذرا بھی اُس پر اغزش نہیں آتی۔ اُس کا سبب یہ ہی ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ اُس کے زمانہ سے پہلے اور زمانوں کے اور ملکوں کے اور فرقوں کے اور مذہبوں کے لوگ اُس میں کیا رائے رکھتے تھے اور اب بھی اُن لوگوں اور فرقوں اور مذہبوں کے لوگ کیا رائے رکھتے ہیں۔ ایسے شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اس بات کی جو اب بھی کوکہ حقیقت وہ راہ راست پر چلتا ہے اپنی فرضی دنیا یا جمہور کے ذرائع سے پس جو کچھ اُسکی رائے یا اُس کا حال ہو کچھ بھی اعتبار اور یقین کے لائق نہیں ہے اس لیے کہ جن مروجہات سے وہ شخص سبب مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے اس وقت بڑا متاثر مسلمان ہے اُنہی مروجہات سے اگر وہ عیسائی خاندان یا ملک یا بت پرست خاندان یا ملک میں پیدا ہوتا تو وہ بھلا چنگا عیسائی یا بت پرست ہوتا وہ مطلق اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ جس طرح کسی شخص کا خطا میں پڑنا ممکن ہے اُسی طرح اُسکی فرضی دنیا اور خیالی جمہور کی تو کیا حقیقت ہے زمانہ کے زمانہ کا اور اُس سے بھی بہت بڑی دنیا کا خطا میں پڑنا ممکن ہے۔ تاریخ سے اور علوم موجودہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں ایسی ایسی رائیں قائم ہوتی ہیں اور مسلّم قرار پائیں جو اُس کے بعد کے زمانہ میں صرف غلط ہی نہیں بلکہ سراسر نادر و مہمل بھی گئیں اور یقیناً اُس زمانہ میں بھی بہت سی ایسی رائیں مروج ہوں گی جو کسی آئندہ زمانہ میں اسی طرح مروجہ اور

۱۰۔ مقول ٹھہریں گی جیسکے بہت سی وہ رائیں جو اگلے زمانہ میں عام طور پر مرجع تھیں اور اب مردود ہو چکی ہیں :

۱۔ تسبیح پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو لوگ مخالف رائے کو غلط اور مفرحجہ کر اسکی ملامت کرتے ہیں اُس سے اُن کا مطلب اس بات کا دعویٰ کرنا کہ وہ غلطی سے آزاد ہو رہی ہیں نہیں ہوتا بلکہ اُس سے اُس فرض کا ادا کرنا مقصود ہوتا ہے جو اُن پر باوصف قابلِ سہو و خطا ہونے کے اپنے ایمان اور اپنے یقین کے مطابق عمل کرنے کا ہے اگر لوگ اس وجہ سے اپنی رایوں کے موافق کار بند نہ ہوں کہ شاید وہ غلط ہوں تو کوئی شخص اپنا کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ حتی المقدور اپنی نہایت درست رائیں قائم کریں اور بغور اُن کو قرار دیں اور جب اُن کی درستی کا بخوبی یقین ہو جاوے تو اُس کے مخالف رایوں کے بند کرنے اور ملامت کرنے میں کوشش کریں۔ آدمیوں کو اپنی استعداد و قابلیت کو نہایت عمدہ طور سے برتنا چاہیئے یقین کامل کسی امر میں نہیں ہو سکتا مگر ایسا یقین ہو سکتا ہے جو انسان کے مطالب کے لئے کافی ہو۔ انسان اپنی کاروائی کے لئے اپنی رائے کو درست و صحیح سمجھ سکتے ہیں اور اُن کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے اور وہ اس سے زیادہ اذ کوئی بات اُس صورت میں اختیار نہیں کرتے جبکہ وہ خراب آدمیوں کو ممانعت کرتے ہیں کہ ایسی رایوں کے شائع کرنے سے جو اُن کے نزدیک فاسد اور حقیر ہیں لوگوں کو خراب یا بد اخلاق یا بد مذہب نہ کریں :

مگر مخالف رائے کے بند کرنے میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ اُنھوں نے اپنے تئیں قابلِ سہو و خطا سمجھ کر اپنے ایمان اور اپنے یقین کے موافق عمل کیا ہے بلکہ اُس سے بہت زیادہ کیا جاتا ہے اس بات میں کہ ایک رائے کو اس وجہ سے صحیح سمجھا جاوے کہ اُس پر اعتراض حجت کرنے کا ہر طرح پر لوگوں کو موقع دیا گیا اور اُس کی تردید نہ ہو سکی اور اس بات میں کہ ایک رائے کو اس وجہ سے مان لیا گیا کہ اُس کی تردید کسی کو اجازت نہیں ہوئی زمین اور آسمان کا فرق ہے پس مخالف رایوں کی ملامت کرنے والے اپنی رائے کو اس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ اُسکی تردید نہیں ہو سکی بلکہ اس لئے صحیح سمجھتے ہیں کہ اُس کی تردید کی اجازت نہیں ہوئی حالانکہ جس شرع سے ہم بطور جائز اپنی رائے کو حملہ آور ہونے کے لئے درست قرار دے سکتے ہیں یہ صرف یہی ہے کہ لوگوں کو اس بات کی کامل آزادی ہو کہ وہ اُس رائے کے برخلاف کہیں اور اُسکو غلط ثابت کریں اس کے سوا اذ کوئی صورت نہیں ہے کہ انسان

جس کے قوائے عقلی اور آفریقی کامل نہیں ہیں۔ اپنے آپ کو راہ راست ہونے کا یقین کر کے اہل مذاہب جو صرف اپنے متقدمیہ کی پیروی ہی کو راہ راست سمجھتے ہیں تحقیک کو بھی اس بات پر مباحثہ اور اظہار رائے کی اجازت نہ دیں کہ جس طرح پرائن کا علمبرآمد اور چال چلن یا اعتقاد اور خیال ہے وہ صحیح طور سے اُن کے متقدمیہ کی پیروی ہے یا نہیں اُس وقت تک وہ بھی اپنے آپ کو راہ راست پر ہونے کا یقین نہیں کر سکتے۔

انسان کی پچھلی حالتوں کو موجودہ حالتوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں انسانوں کا یہی حال ہے کہ سوئیں سے ایک ہی شخص اس قابل ہوتا ہے کہ کسی دقیق معاملہ پر رائے دے اور ننانوے شخص اس میں رائے دینے کی لیاقت نہیں رکھتے مگر اس ایک آدمی کی رائے کی عمدگی بھی صرف اضافی ہوتی ہے اس لیے کہ نکلے زمانہ کے لوگوں میں اکثر آدمی جو سمجھ بوجھ اور لیاقت میں مشہور تھے ایسی رائیں رکھتے تھے کہ جن کی غلطی اب بخوبی روشن ہو گئی ہے۔ بہت سی ایسی باتیں اُن کو پسندیدہ اور اُن کے علمبرآمد تھیں جن کو اب کوئی بھی ٹھیک اور درست نہیں سمجھتا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں ہمیشہ معقول رایوں اور پسندیدہ رایوں کو غلبہ رہتا ہے مگر اس کا سبب بجز انسان کی عقل و فہم کی ایک عمدہ صفت کے جو نہایت ہی پسندیدہ ہے آفر کوئی نہیں۔ اور وہ صفت یہ ہے کہ انسان کی غلطیاں اصلاح کی اصلاحیت رکھتی ہیں یعنی انسان اپنی غلطیوں کو مباحثہ اور تجربہ کرنے پر سے درست کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے پس انسان کی رائے کی تمام قوت اور قدر و منزلت کا حصار ایک بات پر ہے کہ جب وہ غلط ہو تو صحیح کی جاسکتی ہے مگر اس پر اعتماد اُسی وقت کیا جاسکتا ہے جبکہ اُس کے صحیح کرنے کے ذریعے ہمیشہ برتاؤ میں رکھے جاویں۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس آدمی کی رائے حقیقت میں اعتماد کے قابل ہے اُسکی وہ رائے اس قدر و منزلت کو کس طرح سے پہنچی ہے۔ اسی وجہ سے پہنچی ہے کہ اُس نے ہمیشہ اپنی طبیعت پر اس بات کو گوارا رکھا ہے کہ اُس کی رائے پر نکتہ چینیاں کی جاویں اور اُس نے اپنا طریقہ یہ ٹھہرایا ہے کہ اپنے مخالف کی رائے کو ٹھنڈے دل سے سنا اور اُس میں جو کچھ درست اور واجب تھا اُس سے خود مستفید ہونا اور جو کچھ اُس میں غلط اور ناجواب تھا اُس کو سمجھ لینا اور موقع پر اُس غلطی سے آفریں کو بھی آگاہ کر دینا ایسا شخص گویا اس بات کو عملی طور پر تسلیم کرتا ہے کہ جس طریقہ سے انسان کسی معاملہ کے کل عناصر کو جان بکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُسکی بابت ہر قسم کی رائے کے

لوگوں کی گفتگو کو سننے اور جن جن طریقوں سے سمجھ اور طریقہ اور طبیعت کے آدمی اس معاملہ پر نظر کریں اُن سب طریقوں کو سوچے اور سمجھے۔ کسی دانا آدمی نے اپنی دانائی بجز اس طریقہ کے آؤ کسی طرح پر چال نہیں کی۔ انسان کی عقل و فہم کا خاصہ یہی ہے کہ وہ اس طور کے سوا کوئی طور سے جذب اور مقول ہو ہی نہیں سکتی اور صرف اس بات کی مستقل عادت کے سوا کہ اپنی رائے کو اُوروں کی رالیوں سے متاثر کر کے اُس کی اصلاح و تکمیل کیا کرے اور کوئی بات اُس پر اعتماد کرنے کی وجہ تصور نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس صورت میں اُس شخص نے لوگوں کی اُن تمام باتوں کو جو اُس کے برخلاف کہہ سکتے تھے بخوبی سنا اور تمام مضمون کے سامنے اپنی رائے کو ڈالا اور جو عرض اس کے کہ شکلاتوں اور اعتراضوں کو چھپا وے خود اپنے جستجو کی اور طرف سے کچھ روشنی ہو چکی اُس کو بند نہیں کیا تو ایسا شخص البتہ اس بات کے خیال کرنے کا استحقاق رکھتا ہے کہ میری رائے ایسے شخص یا اشخاص سے جنہوں نے اپنی رائے کو اس طرح پر بچھنے نہیں کیا بہتر و فائق ہے ۛ

جس شخص کو اپنی رائے پر کسی قدر بھروسہ کرنے کی خواہش ہو یا یہ خواہش رکھتا ہو کہ عام لوگ بھی اُس کو تسلیم کریں اُس کا طریقہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو عام جذبہ اور ہر قسم لوگوں کو اعتراضوں کے لیے حاضر کرے اگر نہ یوں صاحب کی حکمت اور ریت اور مسئلہ نقل پر استراحت اور محبت کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو دنیا اس کی صحت اور صداقت پر ایسا پختہ یقین نہ کر سکتی جیسا کہ اب کرتی ہے کیا کچھ مخالفت ہے جو لوگوں نے اُس دانا حکیم کے ساتھ نہیں کی اور کوئی مذہبی فرقہ طعن ہے جو اُس سے اوستیجی رائے رکھنے والے حکیم کو نہیں لگتی مگر غور کرنا چاہیے کہ اُس کا نتیجہ کیا ہوا یہ ہوا کہ آج تمام دنیا کیا دانا اور کیا نادان کیا حکیم اور کیا متعصب اہل مذہب سب اُسی کو تسلیم کرتے ہیں اور اُسی کو بیچ جانتے ہیں اور مذہبی عقائد سے بھی زیادہ اُس کی سچائی دلوں میں مٹھی ہے غیر آزادی رائے کے کسی چیز کی سچائی جہاں تک کہ اُس کی سچائی دریافت ہونی ممکن ہے دریافت نہیں ہو سکتی۔ جن اعتقادوں کو ہم نہایت جائز و درست سمجھتے ہیں اُن کے جواز و درست کی آؤ کوئی سند اور بنیاد بجز اس کے نہیں ہو سکتی کہ تمام دنیا کو اختیار دیا جاوے کہ وہ اُن کو بے بنیاد ثابت کریں۔ اگر وہ لوگ ایسا قصد نہ کریں یا کریں اور کامیاب نہ ہوں تو بھی ہم اُن پر یقین کامل رکھنے کے مجاز نہیں ہیں البتہ ایسی اجازت دینے سے ہنسنے لگے ایسا نہایت عمدہ ثبوت اُن کی صحت کا مہل کی ہے



جو انسانوں کی عقل کی حالت موجودہ سے ممکن تھا کیونکہ ایسی حالت میں ہم نے کسی ایسی بات سے غفلت نہیں کی جس سے صحیح صحیح بات ہم تک نہ پہنچ سکتی ہو۔ اور اگر ارم مذکورہ پر مبالغہ کی اجازت جاری رہے تو ہم امیہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی بات اُس سے بہتر اور سچ اور صحیح ہے تو وہ اُس وقت تک حاصل ہو جاوے گی جبکہ انسانوں کی عقل و فہم اُس کے دریافت کرنے کے قابل ہوگی۔ اور اس اثنا میں ہم اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ ہم راستی اور صداقت کے اس قدر قریب پہنچ گئے ہیں جس قدر کہ ہمارے زمانہ میں ممکن تھا۔ عرض کیا کہ خطا و وجود جس کو انسان کہتے ہیں اگر کسی امر کی نسبت کسی قدر یقین حاصل کر سکتا ہے تو اُس کا یہی طریقہ ہے جو بیان ہوا اور کٹانی مذہب کا جو ایک مشہور مسئلہ ہے کہ الحق یعلو ولا یجلی یہ اسکی ایک اونٹنی تفسیر ہے۔

مگر ایک بہت بڑا دھوکہ ہے جو انسانوں کو اوی بعضی مفہوم نیک گورنمنٹوں کو بھی آزادی کے بند کرنے پر پائل کرتا ہے اور وہ مسئلہ دوسری بات ہے جس کو غلط اور جھوٹا نام صداقت عام کا دیا گیا ہے واللہ درمن قالی۔ عینکس نند نام رنگی کا فور۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی رائے یا مسئلہ یا عقیدہ کی سچائی اور صحت پر بحث کرنے سے اس رائے یا عقیدہ کی حاجت ہے کہ وہ فی نفسہ کیسا ہی ہو مگر اُس سے عام لوگوں کا پابند رہنا نہایت مفید اور باعث صلاح و فلاح عام لوگوں کا ہے اور فی زمانہ ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں یہ رائے بجز تیراچ ہے بلکہ اس گناہ کے کام کو ایک نیک کام تصور کیا جاتا ہے اس رائے کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیح اور رابیوں کی آزادی کی بند کرنا اُس مسئلہ یا عقیدہ کی صحت اور سچائی پر منحصر نہیں ہے بلکہ زیادہ تر مفید ہونے پر منحصر ہے مگر افسوس ہے کہ ایسی رائے رکھنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ وہی دعوائے سابق یعنی اپنے آپ کو ناقابل سمجھنے کا جس سے اُنھوں نے توبہ کی تھی پھر پھر اگر پھر قائم ہو جاتا ہے صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ پہلے وہ دعوائے ایک بات پر تھا اب وہی دعوائے دوسری بات پر ہے یعنی پہلے اُس اصل مسئلہ یا عقیدہ کے سچ ہونے پر تھا اور اب اُسکے مفید عام ہونے پر ہے حالانکہ یہ بات بھی کہ وہ مسئلہ یا عقیدہ مفید عام ہے اسی قدر بحث و مبالغہ کا محتاج ہے جس قدر کہ وہ اصل مسئلہ یا عقیدہ محتاج ہے۔

ایسی رائے رکھنے والے اس غلطی پر ایک اور دوسری غلطی یہ کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے صرف اسکی صداقت اور سچائی پر بحث کی حاجت کی ہے اُس کے مفید عام

ہونے کی بحث پر ممانعت نہیں کی اور یہ نہیں سمجھتے کہ رائے کی صداقت خود اس کے مفید عام ہونے کا ایک جزو ہے ممکن نہیں کہ ہم کسی رائے کے مفید عام ہونے پر بغیر اسکی صحت اور سچائی ثابت کیے بحث کر سکیں۔ اگر ہم یہ بات جاننی چاہتے ہیں کہ آیا فلاں بات لوگوں کے حق میں مفید ہے یا نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس بات پر توجہ نہ کریں کہ آیا وہ بات سچ اور صحیح و درست بھی ہے یا نہیں۔ ادنیٰ اور اعلیٰ سب اس بات کو قبول کریں گے کہ کوئی رائے یا مسئلہ یا اعتقاد جو صداقت اور راستی کے برخلاف ہے دراصل کسی کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔

یہ تمام مباحثہ جو ہم نے کیا ایسی صورت سے متعلق تھا کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ کو ہم نے غلط اور اس کے برخلاف رائے کو جس کا بند رکھنا لوگ چاہتے تھے صحیح و درست فرض کیا تھا۔ اب اس کے برخلاف شق کو اختیار کرتے ہیں یعنی یہ فرض کرتے ہیں کہ رائے مروجہ اور تسلیم شدہ صحیح ہے اور اس کے برخلاف رائے جس کا بند کرنا چاہتے ہیں غلط اور نارست ہے اور اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس غلط رائے کا بھی بند کرنا خالی مجرا بی اور نقصان سے نہیں ہے۔

ہر ایک شخص کو جو اسکی رائے کیسی ہی زبردست اور مضبوط ہو اور وہ کیسی ہی مشکل اور نارضا مندی سے اپنی رائے کے غلط ہونے کے امکان کو تسلیم کرے یہ بات خوب یا کھنی چاہیئے کہ اگر اس رائے پر بخوبی تمام اور نہایت بے باکی سے بے دھڑک مباحثہ نہیں ہو سکتا تو وہ ایک مردہ اور مردار رائے قرار دی جاوے گی نہ ایک زندہ اور سچی حقیقت اور وہ کبھی ایسی حق اور سچ بات قرار نہیں پاسکتی جس کا اثر ہمیشہ لوگوں کی طبیعتوں پر رہے۔

گذشتہ اور حال کے زمانہ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی دفعہ ظالم گورنمنٹوں نے بھی نہایت سچی اور صحیح بات کی رواج پر کوشش کی۔ لہذا ان کے ظلم نے اس پر زنادی سے مباحثہ کی اجازت نہیں دی۔ اور بہت سی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ نیک اور بریت یافتہ گورنمنٹ نے نہایت سچی اور صحیح بات کا رواج دینا چاہا اور لوگوں نے یا تو اس خیال سے کہ ہمارے مباحثہ اور دلائل کو اس رائے میں کچھ مداخلت نہیں ہے یا کوئی التفات نہیں کرتا از خود مباحثہ کو نہیں ہٹایا یا اپنے وہمی خوف سے یا را کہیں گورنمنٹ کی بد مزاجی کے ڈر سے یا انکی خلاف رائے کے کوئی بات نہ کہنی مصلحت وقت سمجھ کر یا یہ خیال کر کہ گورنمنٹ کے یا کسی کے

بر خلاف بحث کرنا خیر خواہی نہیں ہے مباحثہ کو ترک کر دیا تو اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوگا اُس تجزیہ نے کسی کے دلوں میں حلق اثر نہیں کیا اور ایک مردہ رائے سے زیادہ اُوپر کچھ رتبہ لوگوں کے دلوں میں نہیں پایا۔

یہ بات کہ سچی اور درست رائے بے مباحثہ و دلیل کے بھی طبیعتوں میں پیٹھ جاتی ہے اور گھر کر لیتی ہے ایک خوش اندیش مگر غلط آواز ہے۔ دنیا کو دیکھو کہ گروہ کے گروہ ایک دوسرے کی متناقض رائے پر جمنے ہوئے ہیں اور وہ متناقض رائیں اُن کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہیں۔ پھر کیا وہ دونوں متناقض رائیں سچی اور صحیح ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت سی باتیں بے سمجھے اور بغیر دلیل کے اور بغیر مباحثہ کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہیں مگر اُن کا صحیح و درست ہونا ضرور نہیں۔ سچ ہم کئی ایسی اعجازی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود دلوں میں پیٹھ جاوے۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ صرف سید قدس ہے کہ مباحثہ کا مسکو خوف نہیں۔ سچ رائے بھی اگر بلا دلیل مباحثہ دل میں گھر کر لے تو وہ سچی رائے نہیں کہلاو گی بلکہ تصدیر و جعل مرکب اُس کا مناسب نام ہوگا مگر ایسا طریقہ حق اور سچ بات کے قبول کرنے کا ایک عقل مخلوق کے لئے جیسا کہ انسان ہے شایاں نہیں اور نہ یہ طریقہ راستی و حق کے پہچاننے کا ہے بلکہ جو حق بات اس طرح پر قبول کی جاتی ہے وہ ایک خیال فاسد اور باطل ہے اور جن باتوں کو حق فرض کر لیا ہے اُن کا اتفاق قبول کر لینا ہے۔

منابت سچ اور بالکل سچ تو یہ بات ہے کہ جس شخص نے جو رائے یا مذہب اختیار کیا ہے تو ہی شخص اُس کا جواہر ہے۔ اُس رائے کے موجد یا اُس مذہب کے پیشوا اور معلم اور مجتہد کچھ اُس کے دماغ میں ہیں مگر مسلمانوں نے اس آفتاب سے بھی زیادہ روشن مسئلے آنکھ بند کر لی ہے اور دماغ کی تھلاک یعنی بت پرست عیسائیوں کا مسئلہ اختیار کیا ہے۔ روشن کی تھلاک مذہب میں اُن لوگوں کی جو اُس مذہب پر ایمان رکھتے ہیں وہ فرقے قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک تو وہ جو اُس مذہب کے مسائل کو بعد دلیل و ثبوت کے قبول کرنے کے مجاز ہیں اور دوسرے وہ جن کو صرف اعتماد اور بھروسہ یعنی تقلید سے اُن کا قبول کر لینا چاہیئے۔ اسی قاعدہ کی پیروی مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب میں کو فرقہ قائم کیے ہیں۔ ایک جہتوں نے مسئلہ مسلک کو بعد ثبوت و تحقیقات اور اقامت دلیل تسلیم کیا ہے اور اُن کا نام باہتلاف درجات مجتہد مطلق اور مجتہد فی الذمہ مذہب اور مرجع قرار دیا ہے۔ دوسرا وہ جن کو بے سمجھے بوجھے آنکھ بند کر کر ان کی

پنروہی کرنی چاہیے اور اُن کا نام تقلد اور اُس فعل کا نام تقلید قرار دیا ہے اور اس سبب سے مخالف رائے کی مزامت مسلمانوں میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے اور وہ اسکی نسبت ایک نہایت عمدہ مگر ابلہ فریب تقریر کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کو اُن تمام باتوں کا جاننا نہ ضرور ہے اور نہ ممکن ہے جن کو بڑے بڑے حکیم یا اہل معرفت اور عالم علوم دین جانتے اور سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک عام آدمی ایک ذکی اور دانشمند مخالف کی تمام غلط بیانیوں کو جلدنے اور اُن کو غلط ثابت کرے یا تردید کرنے اور غلط ثابت کرنے کے قابل ہو بلکہ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اُن کے جواب دینے کے لائق ہمیشہ کوئی نہ کوئی موجود ہوئے جن کی بدولت مخالف کی کوئی بات بھی با تردید باقی نہ رہی ہوگی۔ بس سیدھی سادھی عقل کے آدمیوں کے لیے یہی کافی ہے کہ اُن باتوں کی اصلیت سکھادی جاوے اور باقی وجوہات کی ثابت وہ آذروں کی سند پر بھروسہ کریں اور جبکہ وہ خود اس بات سے واقف ہیں کہ ہم اُن تمام مشکلات کے رفع دفع کرنے کے واسطے کافی علم اور پوری لیاقت نہیں رکھتے ہیں تو اس بات کا یقین کر کر مطمئن ہو سکتے ہیں کہ جو مشکلات اور اعتراض برپا کیے گئے ہیں وہ لوگ اُن سبک جواب دے چکے ہیں یا آئندہ دیں گے جو بڑے بڑے عالم ہیں۔

اس تفسیر پر کو تسلیم کرنے کے بعد بھی رائے کی آزادی اور مخالف رائے کی مزامت سے جو نقصان ہیں اُس میں کچھ نقصان نہیں لازم آتا کیونکہ اس تفسیر پر جو جب بھی یہ بات قرار پاتی ہے کہ آدمیوں کو اس بات کا معقول یقین ہونا چاہیے کہ تمام اعتراضوں کا جواب حسب طمینان دیا گیا ہے اور یہ یقین جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ اُس بحث و مباحثہ کرنے کی آزادی ہو اور مخالفوں کو اجازت ہو کہ تمام اپنی وجوہات کو جو اُس کے مخالف رکھتے ہیں بیان کریں اور اُس مسئلہ کو غلط ثابت کرنے میں کوئی کوشش باقی نہ چھوڑیں۔

اگر تقلید کی گرم باز اسی کا جیسیکہ آجکل ہے اور آزادانہ مباحثہ کی مزامت و عدم موجودگی کا نقصان اور بد اثر و صورتیکہ تسلیم شدہ مسئلہ یا قرار دادہ رائیں صحیح ہوں سی قدر ہونا کہ اُس مسئلہ یا اُن باتوں کی وجوہات معلوم نہیں ہیں تو یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ گو وہ مزامت عقل فہم کے حق میں مضر ہے مگر اخلاق کو تو اُس سے کچھ مضرت نہیں پہنچتی اور نہ اُس مسئلہ کی یاریاں کی اُس قدر وسوسہ زلیں ہیں کہ اُن سے نہایت عمدہ اثر لوگوں کی خصلتوں پر ہوتا ہے کچھ نقصان ہے مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ اُس سے بہت بڑھ کر نقصان پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مباحثہ اور

آزادی رائے کی عدم موجودگی میں صرف مسئلہ یارایوں کی وجوہات ہی کو لوگ نہیں بھول جاتے بلکہ اکثر اُن مسئلہ یارائے کے معنی اور مقصود کو بھی بھول جاتے ہیں چنانچہ جن لفظوں میں وہ مسئلہ یارائے بیان کی گئی ہے اُن سے کسی رائے یا خیال کا قایم کرنا تک موقوف ہو جاتا ہے یا جو باتیں اُن لفظوں سے ابتداء میں مراد رکھی گئیں تھیں اُن میں سے بہت تھوڑی ہی معلوم رہ جاتی ہیں اور بعض اس کے کرائس مسئلہ یارائے کا اعتقاد ہر دم تر و تازہ اور زندہ یعنی موثر ہے اُس کے صرف چند امور سے مکملے حافظ کی بدولت باقی رہ جاتے ہیں اور اگر اُس کی مراد اور معنی بھی کچھ باقی رہتے ہیں تو صرف اُن کا پوست ہی پوست باقی رہتا ہے اور ضرور اصلیت نابود ہو جاتی ہے۔ اُن ذرا انصاف سے مسلمانوں کو اپنا حال دیکھنا چاہیے کہ تمام علوم معقول و منقول میں اسی فراغت رائے یا تقلید کی بدولت اُن کا درحقیقت ایسا ہی حال ہو گیا ہے یا نہیں ؟

اس زمانہ تک جس قدر کہ انسانوں کو تمام مذہبی عقاید اور اخلاقی امور اور علمی سائل میں تجربہ ہوا ہے اُس سے امر مذکورہ بالا کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ کسی مذہب یا علم یارائے کے سوجدہ تھے اُن کے زمانہ میں اور اُن کے خاص مریدوں یا شاگردوں کے دلوں میں تو وہ عقاید یا سائل طرح طرح کے معنیوں اور مرادوں اور خوبیوں سے بھر پور تھے اور اُن کا سبب یہی تھا کہ اُن میں اور اُن کے مخالف رائے والوں میں اس غرض سے بحث و جدل بہت تھی کہ ایک کو دوسرے کے عقیدہ اور مسئلہ پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہو مگر جب اُن کو کامیابی ہوئی اور بہت لوگوں نے اُس کو مان لیا اور بحث اور جدل بند ہو گئی تو اُس کی ترقی بھی ٹھہر گئی اور وہ اثر جو دلوں میں تھا اُس میں بھی جان مینی حرکت اور جنبش نہیں رہی ایسی حالت میں خود اُس کے حامیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ مثل سابق کے اپنے مخالفوں کے مقابلہ پر آمادہ نہیں رہتے اور جیسے کہ اُس عقیدہ یا مسئلہ کی پہلے حفاظت کرتے تھے ویسی اب نہیں کرتے بلکہ نہایت جھوٹے غرور اور بجا استغنا سے سکون اختیار کرتے ہیں اور حتیٰ الاکان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے برخلاف کوئی دلیل نہیں سنتے اور اپنے گروہ کے لوگوں کو بھی کفر کے فتووں کے ڈر اور سے اور جہنم میں جانے کی جھوٹی دہشت دکھانے سے سنتے ہیں اور اُن پر بحث کرنے سے جہاں تک ہو سکتا ہے باز رکھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ کہیں علموں کی روشنی جو آفتاب کی روشنی کی طرح پھیلتی ہے اور اعتراضوں کی ہوا گروہ

صحیح ہوں تو کیا اُن کے روکے رکھ سکتی ہے اور جب یہ نوبت پہنچ جاتی ہے تو اُس عقیدہ یا مسئلہ کا جن کو اُن کے پیشواؤں نے نہایت محنتوں سے قائم کیا تھا زوال شروع ہوتا ہے اُس وقت تمام مسلم اور مقدس لوگ جو اس سخت زمانہ کے پیشوا گئے جاتے ہیں اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ معتقدوں کے دلوں میں اُن عقیدوں کا جن کو اُنھوں نے برائے نام قبول کیا ہے کچھ بھی اثر نہیں پاتے اور باوجودیکہ وہ ظاہر میں اُن عقیدوں اور مسئلوں کو قبول کرتے ہیں مگر اُن کا ایسا اثر لکڑی کے معتقدوں کا چال ملن اور اخلاق اور عادت اور معاشرت بھی اُن عقیدوں اور مسئلوں کے مطابق ہو مطلق نہیں پاتے۔ مگر افسوس اور نہایت افسوس کہ وہ علم اور مقدس لوگ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ یہ حال جو ہوا ہے جس کی وہ شکایت کرتے ہیں اُنہی کی غنایت جو سبب لانی کا تو نتیجہ ہے اب میں صاف کہتا ہوں اور نہایت بے کھڑکتا ہوں کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس زمانہ کے مسلمانوں کے حال کا ٹھیک ٹھیک آئینہ ہے :

اب اس حالت کے برخلاف حالت کو خیال کرو یعنی جبکہ آزادی رائے کی قیاد رستی ہے جس کے ساتھ مباحثہ کا بھی قیام رہنا لازم و ملزوم ہوتا ہے اور ہر ایک حامی کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کا اپنے عقیدہ یا مسئلہ کی وجہ کو قائم اور غالب رہنے پر بحث کرتا رہتا ہے۔ تو اُس وقت عام لوگ بھی اور سست عقیدہ والے بھی اس بات کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کس مانت پر رُخ بٹھ رہے ہیں اور ہمارے عقیدہ اور مسئلہ میں اور دوسروں کے عقیدہ اور مسئلہ میں کیا تفاوت ہے اور یہی حالت میں ہزاروں ایسے آدمی پائے جاویں گے جنہوں نے اُس عقیدہ یا مسئلہ کے اصول کو بخوبی خیال کیا ہوگا اور ہر دھنگ و طریقہ سے اُس کو خوب سمجھ بوجھ دیا ہوگا اور اُس کے عمدہ عمدہ پہلوؤں کو بخوبی جانچ اور تول لیا ہوگا اور اُن کے اخلاق اور اُن کی عادت اور خلعت پر اُس کا ایسا پورا پورا اثر ہوگا کہ جیسا کہ ایسے شخص کی طبیعت پر ہونا ممکن ہے جس میں وہ عقیدہ یا مسئلہ بخوبی چمک گیا ہو۔ مگر جبکہ وہ عقیدہ ایک یورپی عقیدہ ہو جاتا ہے اور لوگ باپ دادا یا استاد پر کی رسم متبرک کے طور پر قبول کرتے ہیں تو تصدیق قلبی نہیں ہوتی طبیعت اُس کو مردہ دلی سے قبول کرتی ہے اور اس لئے طبیعت کا میلان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے بجلا دینے پر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ انسان کے باطن سے بے تعلق ہو جاتا ہے اور صرف اوپر ہی اوپر رہ جاتا ہے اور تمام اخلاق اور عادت

اُس کے برخلاف ہوتے ہیں اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں جیسے کہ اس زمانہ میں اکثر پیش ہوتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ طبیعت کے باہر یا برہنہ ہے اور بجائے اس کے کہ وہ دل میں گھر کرے باہر ہی باہر ایسے خراب اور کانٹے دار پست کی مانند لپٹا ہوا ہے جس کے سبب وہ باتیں ظہور میں نہیں آتیں جو انسان کے عمدہ عمدہ اوصاف درونی سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ اُس سے اس قسم کی قوت ظاہر ہوتی ہے جیسے کانٹے دار پھوس کے درخت کی باڑ سے ہوتی ہے کہ وہ نہ خود اُس گھیری ہوئی زمین کو کچھ فائدہ دیتا ہے اور نہ اُنوروں کو گل پھول بچا کر اُس میں لگانے دیتا ہے اور بجز اس کے کڑل کی زمین کو ہمیشہ خالی اور ویران اور بیکار پڑا رہنے دے اور کچھ نہیں کرتا۔

جواب بیان ہوئی اُس کی صحت ہر ایک مذہب والا اپنے حال پر غور کرنے سے بخوبی جان سکتا ہے ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب میں کسی نہ کسی کتاب کو مقدس سمجھتا ہے اور بطور قانون مذہب کے تسلیم کر لے مگر یا اینہم یہ بات کہنی کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ شاید ہزاروں میں سے ایک اپنی چال چلن کی جانچ اور اس کے بُرے یا بھلے ہونے کی آنائیش اُس مقدس تسلیم شدہ قانون کے بموجب کرتا ہو بلکہ جس چیز کی سند اور پابندی پر وہ کلام کرتے ہیں وہ صرف اپنی قوم یا فرقے یا مذہبی گروہ کا رسم و رواج ہوتا ہے نہ اور کچھ۔ پس حقیقت میں یہ حال ہوتا ہے کچھ ایسا تو وہ اخلاقی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے جس کی نسبت وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی کے عمل و آمد کے لیے خدائے تعالیٰ کا حکم ہے یا کم سے کم کسی نہایت نیک اور دانا عاقل ناقابل سوچ و خطا شخص نے بنایا ہے اور دوسری طرف اُن رسم و رواج اور معتقدیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو اُس قوم یا فرقہ یا گروہ میں ترویج ہوتی ہیں اور اس پچھلے مجموعہ کی بعض باتیں اُس پہلے مجموعہ کے بالکل مطابق ہوتی ہیں اور بعض کچھ مطابق بالکل برخلاف اور مذہب پر اعتقاد رکھنے والے اُس پہلے مجموعہ کی بنیادی تصدیق تو بلاشبہ کرتے ہیں الا اصلی اطاعت اور رفاقت اور پابندی اُس پچھلے مجموعہ کی کہتے ہیں جس پر روزمرہ اُن کا عمل ہوتا ہے اور جس کا ترک کرنا یا اُسے برخلاف کوئی کام کرنا نہایت تنگ و حرج جانتے ہیں۔ پس یہ مفید رہی جو اُس پہلے مجموعہ کے مسائل کی ہو گئی جس کو وہ خدا کا بتایا ہوا جانتے تھے اس بات سے ہو گئی کہ اُس کے مسائل اور اصول پر سادہ بند ہو گیا اور ایسے سبب انسان کے باطن سے بے تعلق ہو گیا اور بجائے زندہ عقیدہ کے مرنے والا عقیدہ ہو گیا اور لوگوں کے خیال میں رہ گیا۔

اس سے تیز چرچ بہت بڑا اور نہایت سخت اعتراض وارد ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور درست  
 علم یا تجربہ حاصل کرنے کے لیے کیا یہ بات ضرور ہے کہ کبھی رایوں میں اتفاق نہ ہو بلکہ ضرور ہے  
 کہ چند آدمی غلطی پر مقرر ہوں تاکہ مباحثہ قائم رہے اور اگر لوگ ان کی بدولت حق بات حاصل  
 کر سکیں کیا دنیا میں غلطیوں کا موجود رہنا صحیح رایوں کے حاصل کرنے کے لیے لازماً ہے جبکہ  
 کسی عقیدہ یا علمی مسئلہ کو عموماً تسلیم کر لیا جاوے تو کیا اسکی حقیقت بدل جاتی ہے اور اسکی  
 تاثیر جاتی رہتی ہے اور کیا کسی مسئلہ یا عقیدہ کا اس وقت تک اثر نہیں ہوتا یا لوگ اسکو غلطی  
 نہیں سمجھتے جب تک کہ کوئی اس پر شبہ نہ کرتا ہے جبکہ انسان کسی حق بات کو بالاتفاق قبول  
 کر لیتے ہیں تو کیا اسکی حقانیت معلوم ہو جاتی ہے۔ اب تک یہ خیال کیا گیا ہے کہ علم اور عقل  
 کی ترقی کا عمدہ مقصد اور اعلیٰ نتیجہ یہ ہے کہ تمام انسان اچھے اچھے اور عمدہ عمدہ باتوں میں متفق اور  
 ہو دیں اور وہ اتفاق رائے روز بروز زیادہ بڑھتا جاوے پھر کیا علم اور عقل اس وقت تک  
 باقی رہتی ہے جب تک کہ اس کا مقصد اور اس کا نتیجہ حاصل نہ ہو تو سنا گیا تھا کہ ہر بات کا مال  
 اس کے مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہے مگر یہ نہیں سنا تھا کہ مقصد اور نتیجہ کا حاصل ہونا ہی اسکا

زوال ہے ۵

مگر یہ مقصد یہ نہیں ہے جو اس اعتراض میں بیان ہوا میں قبول کرتا ہوں کہ بلاشبہ  
 جرم انسانوں کی ترقی اور تہذیب ہوگی اسی قدر مختلف فیہ رائیں اور مسئلے اور عقیدے گھٹتے  
 جاویں گے بلکہ آدمیوں کی مہبودی اور بھلائی کا اندازہ بتھیں انہی حقانیت کی تعداد اور مقدار  
 ہو سکتا ہے جو غیر متنازع فیہ یا حقائق محققہ کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہیں اور اس کے احکام کے  
 لیے انسانوں کی رایوں کا اجتماع اور اتفاق ضروری شرطوں میں سے ہے اور وہ اجتماع اور اتفاق  
 جیسا کہ غلط رائے پر ہونا نہایت مضرت ہے ویسا ہی صحیح رائے پر ہونا نہایت مفید ہے مگر جبکہ ہم کو  
 غلط رایوں پر بھی اجتماع اور اتفاق ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ہم اس سے بچنے کی فکر تدبیر سے  
 غافل رہنا نہیں چاہیے اور وہ تدبیر یہی ہے کہ آزادی رائے اور مباحثہ جاری رہے اگر  
 اس تدبیر کے قائم رہنے کا سبب عموماً تسلیم ہو جانے اس مسئلہ یا عقیدہ کے موقع نہ رہے تو  
 ہم کو اسکی جگہ کوئی اور تدبیر قائم کرنی چاہیے اسقراط نے اسی تدبیر کے لیے فرضی مباحثہ  
 کا طریقہ ایجاد کیا تھا جسکو فلاطون نے نہایت خوبی سے اپنے سوال و جواب میں بیان  
 کیا ہے ۶



مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ اُس تہذیب کے قائم رکھنے کا کوئی طریقہ ایجاد کریں اُن تہذیبوں کو بھی ضائع کر دیا جو سابق میں ایجاد ہوئی تھیں۔ مسلمانوں میں ہر ایک علم کی تحصیل کا مدت سے یہ حال رہ گیا ہے کہ سب کے سب کیا قصہ اور کمائی کی کتابوں کو اور کیا تاریخ اور واقعات گزشتہ کے روزناموں کو اور کیا ٹوٹے پھوٹے انگلے زمانہ کے جغرافیہ کو اور کیا لولی لولی انجی انسان کے بدن کی تشریح کو اور کیا دنیاوی سوسائٹی کی تعلیم اور قدیم ریاضی کو اور کیا انسانوں کے اجتہادات مسایل دینی کو جس کو علم نقد کہا جاتا ہے اور کیا علم حاشیہ اور تفسیر کو اس ارادہ سے مطلق نہیں پڑھتے کہ ہر ایک علمی اور حقیقت معلوم ہو بلکہ صرف یہ ارادہ ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس کتاب میں لکھا ہے خواہ غلط خواہ صحیح وہ ہم جان لیں۔ اگر مباحثہ کیا جاوے تو نہ اس بات پر کہ وہ اصول جو اُس کتاب میں لکھے ہیں صحیح ہیں یا غلط۔ بلکہ اس بات پر کہ اس کتاب میں یہی بات لکھی ہے یا نہیں۔ اس طریقہ اور عادت نے آزادی رائے کو کھو دیا اور اُس سیر کو جس سے غلطی میں پڑنے سے حفاظت تھی تو رد کیا۔ اُن کے تمام علم و فضل غارت ہو گئے۔ اُن کے باپ دادا کی کمائی جس سے توقع تھی کہ اُن کی اولاد فائدہ اٹھاوے گی سب ڈوب گئی۔ اب جو بڑے بڑے عالم فقیہ اور دانہ گئے ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ کسی چیز کی حقیقت سے کیا مسائل علمی اور کیا عقائد مذہبی میں کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ جس شخص سے کسی بات کی حقیقت پوچھو اگر وہ بڑا علمی عالم ہے تو بجز اسکے کہ فلاں شخص نے یہ لکھا ہے اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ تمام علوم کا ذرہ اور تمام عقیدوں کا ذرہ اوج جاتا رہا۔ پس آزادی رائے کے قائم نہ ہونے کے یہ عمدہ اثر ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۛ

آزادی رائے کے غیر مفید ہونے کے ثبوت میں یہ بات کثرت پیش کی جاتی ہے کہ آزادی رائے سے جس کے ساتھ مباحثہ لازم و ملزوم ہے کسی رائے کے حق یا سچ ہونا فیصلہ ممکن نہیں بلکہ ہر ایک فریق کو اپنی اپنی رائے پر اور زیادہ جھنگلی اور اصرار ہو جاتا ہے میں بھی بتاتا ہوں کہ اگر کرتا ہوں اور اور اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ حقیقت تمام رایوں کا یہ خاصہ ہے کہ غلطیوں سے فرقوں کی رائیں ہو جاتی ہیں۔ بحث و مباحثہ کی کمال آزادی سے بھی اُس کا کچھ تدارک نہیں ہو سکتا بلکہ اُس سے اور زیادتی ہوتی جاتی ہے اور حق کی کیفیت ہو جاتی ہے کہ بعض اس کے کو لوگ اُسکو سمجھیں اور بعض نہیں اس وجہ سے اُسکو نہیں سوچتے سمجھتے بلکہ بے سوچے اور سمجھے

نہایت زور شور سے رد کرتے ہیں کہ وہ ایسے لوگوں کا قول ہے جن کو وہ اپنا مخالف جاننے میں  
یا ان سے نفرت رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی خوب جان لینا چاہیے کہ آپس میں رایوں کے اختلاف  
اور مباحثہ سے انہی متعصب گروہوں کو جن کے باہم بحث ہوتی ہے چنداں فائدہ نہیں ہوتا  
بلکہ اسکا عمدہ اور فساد اثر ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُس کے دیکھنے سننے والے ہیں اور جن کی  
طبیعتوں میں وہ جذبہ و حرارت اور خود غرضی اور طرفداری نہیں ہوتی جیسے کہ ان مخالف فرقوں  
کے حامیوں میں ہوتی ہے اور جبکہ رفتہ رفتہ ان متعصبوں کی بھی حرارت کم ہو جاتی ہے تو جو حق  
بات ہے وہ اُس کے صحیح ہونے کا اقرار اپنے دل میں یا اپنے خاص دوستوں میں چپکے چپکے کرنے  
لگتے ہیں گو کہ علانیہ کبھی اُس کا اقرار نہ کریں۔

سچ بات پر محنت سے سخت نزاع کا ہونا کچھ بُرائی یا نقصان کی بات نہیں بلکہ اُس کا اندازہ  
بڑے نقصان کی بات ہے جبکہ لوگ طرفین کے دلائل سننے پر مجبور ہوتے ہیں تو ہمیشہ انصاف  
کی امید ہوتی ہے۔ مگر جبکہ وہ صرف کھیل فریات سنتے ہیں تو اُس صورت میں غلطیاں سختی بکڑ کر  
تقصیب بن جاتی ہیں اور سچ میں بھی سچ کا اثر اس لیے باقی نہیں رہتا کہ اُس میں مبالغہ ہوتے  
ہوتے وہ خود ایک جھوٹ بن جاتا ہے۔ انصاف کی قوت جو انسان میں ہے وہ اُسی وقت بخوبی  
کام میں آتی ہے کہ ہر ایک معاملہ کے دونوں پہلوؤں کے حامی اور مدعا دونوں تصفیہ کے وقت  
رو برو موجود ہوں اور وہ دونوں ایسے زبردست ہوں کہ اپنے اپنے دلائل اور وجوہات کی سماعت  
پر لوگوں کو گویا مجبور کر دیں اور سوائے اسکے اور کوئی صورت حق کے حاصل کرنے کی  
نہیں ہے۔

رہنے کی آزادی پر ایک اور چیز جبکہ لوگ سند کہتے ہیں کبھی بھی مزاحمت پہنچاتی ہے۔ یہ  
کوشش ہوتا ہے کہ بحث کر نیوالے اپنی اپنی تقریر کی تائید میں کسی مشہور شخص کے قول کی مندر لائے  
ہیں حالانکہ کسی شخص کی سند پر اپنی رائے کو منحصر رکھنا خود آزادی رائے کے برخلاف چلنا ہے۔ اگر  
ہر کسی کے قول کو صحیح اور سچ سمجھتے ہیں تو اُس کے قول کو پیش کرنا کچھ مفید نہیں ہے بلکہ بلکہ وہ  
ویلین مش کرنی چاہئیں جن سے اُس قول کو بنے صحیح مانا ہے۔ اگر سفاک و متبطل نے کوئی  
ایسی بات کہی ہے جو حقیقت میں صحیح نہیں ہے تو وہ ان کے کہنے سے صحیح نہیں ہو جانے کی اور  
اگر کسی جاہل نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو وہ اس لیے کہ کسی جاہل نے کہی ہے غلط نہیں ہو جانے کی  
ایسا عمدہ مسئلہ ہے جس پر انسان کو عمل کرنا چاہیے مگر اوسوں اُس پر نہایت کم عمل ہوتا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے

فانظر الى ما قال ولا تنظر الى من قال

والله دهرن قال

مرو باید که گیر و اندر گوش

و ز نوشت است پند بر دیوار

## خبر ایم

غالباً تمام دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نیکی بلاشبہ نیک ہے اور اس لیے اس بات کا ماننا بھی لازم آتا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی نیکی سب نیکیوں سے افضل اور اعلیٰ نیکی ہو۔ انسانوں میں نیک وہی ہوگا جس نے بہت سی نیکیوں کی ہر نیکی - مگر سب سے زیادہ نیک وہی ہوگا جس نے ایسی نیکیاں کی ہوں جو سب نیکیوں سے فضائل اور اعلیٰ ہوں۔ مسلمانوں کے عقائد کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نیک ترین بندگان خدا ہیں اور اس لیے ضرور ہے کہ وہ ایسی نیکیوں کے منبع یا مخزن ہوں جو تمام نیکیوں سے اعلیٰ اور افضل ہوں و نہ ترجیح بل امرح ہوگی۔ اس لیے ہر ایک انسان کو ایسی نیکی کی جو ہمیشہ رہنے کی ہے تلاش اور جستجو لازم ہے۔

بعضوں نے پل اور مسجد - چاہ وہاں کچھ چند روزہ رہنے والی چیزوں کو خیر دایم سمجھا بہت بڑی غلطی کی کیونکہ یہ تمام چیزیں فانی حوادث سے فنا اور معدوم ہونے والی ہیں نہ کہاں ہے وہ چاہ یوسفؑ اور کہاں ہے وہ سجدہ قوسی۔ سب معدوم ہو گئیں اور اسی طرح ہزاروں نہیں گی اور معدوم ہونگی۔

نہایت مفیدہ اور دقیقہ ریش لوگوں نے خیر و خیرات میں نہ بد وقتوں اور عبادت کو خیر دایم خیال کیا۔ مگر اسکی صحت بھی مشتبہ ہے۔ تمام اعمال حسد آنکھ موندی اور منقطع ہوئے۔ جبکہ انسان موت کی خواب راحت میں شراحت فرمانا ہے تو تمام اعمال حسد کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ زمانہ کی تسبیح ہر تن و انداشک بن کر دیتی ہے کہ وہ کیا ہو جو مجھ کو شمار و ہنر یافتہ سے زندہ رکھتا تھا مصلیٰ محراب مسجد میں چپ پڑائے لئے کڑا ہے کہ وہ کہاں ہے جو اپنی پیشانی سے مجھ میں جان ناز و بخشش تھا۔ منبر نزاع و اخلاص سے بے نیاز کستہ ہے کہ میرا واعظ کہاں ہے ملازم قہر میں جو اس کے ذکر و تہلیل کی مجلس کی خیر و برکت لینے کو آتے تھے اس کی تلاش میں سرگردان ہوں۔

پکشت خاک ہزاروں میں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں نہ اپنی کچھ کہتے ہیں اور نہ کسی کی  
سنتے ہیں صرف زبانِ حال اُن میں باقی ہے سو وہ یہ کہتی ہے کہ جو ہونا تھا سو ہو لیا اور جو کرنا  
تھا سو کر لیا۔

غرض کہ ہر ایک قسم کی نیکی کو جب خیال کرو گے تو وہ اُسی شخص کی ذات پر منحصر ہوگی اور  
پہمکی فنا کے ساتھ ہی منقطع ہوگی اس لیے زہد و تقویٰ عبادت و ستمات خیر دایم نہیں  
ہو سکتی۔

اگر غور سے دیکھا جاوے اور ٹھیک ٹھیک سمجھا جاوے تو بحرِ رفاه عام اور انسان کی  
بھلائی چاہنے کے اور کوئی نیکی خیر دایم نہیں ہے انسان کی بھلائی نہ نیکی کرنے والے کی  
سوت سے ختم ہوتی ہے اور نہ اُس زمانہ کے انسانوں کے فنا ہونے سے فنا ہوتی ہے بلکہ  
نسل در نسل اور پشت در پشت آئندہ انسانوں میں چلی آتی ہے اور قیام دنیا تک قائم رہتی  
ہے اور اس لیے صرف دُہی ایک نیکی ہے جسکو خیر دایم کہہ سکتے ہیں۔

یہی نکتہ تھا جس کے سبب خدا تعالیٰ نے انسان کی بھلائی چاہنے کی خدمت انبیاء  
علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دی کہ تہ ترین بندگان خدا انیک ترین نیکیوں کے منبع اور مخزن ہیں  
اور خیر دایم اُن سے باقی رہے پس انسان کی بھلائی میں سچی کرنا انبیاء کا ورثہ لینا ہے اور تمام  
نیکیوں میں سے فضل اور اعلیٰ نیکی کا اختیار کرنا۔ پس فلاح عام کے کاموں کو عبادات دینی  
میں سے نہ سمجھنا اور صرف نوافل اور مندوبات اور تسبیح اور تہلیل ہی کو عبادت سمجھنا بہت  
بڑی غلطی ہے۔

یہ خیر دایم جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اور بھی زیادہ نیک تو اُس وقت ہو جاتی ہے جبکہ  
اُسکی ضرورت ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں ادباً تخصیص مسلمانوں کے لیے ہلکی بہت  
ضرورت ہے اور اس لیے میری خواہش مسلمانوں سے یہ ہے کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زہد و  
تقویٰ ہی پر تکیہ نہ فرمادیں اور صرف ادا کئے زکوٰۃ و قضائے دیون ہی پر اقتصار نہ کریں بلکہ خود اُس  
وقت اور دو چار درم رفاه و فلاح حال مسلمانان کے لیے بھی نکالیں اور خیر دایم کی نیکی کو بھی حاصل  
کریں کہ صرف یہی ایک نیکی ہے جو ہمیشہ رہے گی۔



## کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے

جب کہ ہم کسی قوم کو تہذیب کی طرف مائل کرتے ہیں تو ہلکے ضرور ہے کہ ہم یہ بھی بتاویں کہ اُس قوم کو کن کن چیزوں میں تہذیب کرنی چاہیئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے جو حالات ہیں اُن کے لحاظ سے ہمارے خیال میں آتا ہے کہ مفصل ذیل چیزیں ہیں جن کی تہذیب پر اُن کو متوجہ ہونا چاہیئے :

**اولیٰ۔** آزادی رائے۔ مسلمانوں کی رائے اور اُن کے خیالات ہر ایک امر میں تعلید کرتے کرتے اور رسوالت کے پابند رہتے رہتے ایسے پست اور پامال ہو گئے ہیں جس کے سبب کسی قوم کی ترقی کی تحریک اُن میں نہیں ہوتی۔ پس جب تک کہ رائے کی آزادی اُن میں پیدا نہ ہوگی اُس وقت تک اُن میں تہذیب نہیں لائے گی :

**دوم۔** درست عقاید مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے عقاید مذہبی جو اُن کی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اُنہیں اور جو اُن کے دلوں میں ہیں اور جن کا اُن کو یقین بٹھا ہوا ہے وہ اُنہیں ہزاروں عقاید شرکیہ اُن کے دلوں میں ہیں پس اُن کی تہذیب کرنا اور اپنے عقاید کو بحیث اسلام کے مطابق کرنا اور اسی پر یقین رکھنا تہذیب و شائستگی حاصل کرنے کی اصل شرط ہے :

**سوم۔** خیالات و افعال مذہبی۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں صد مبالغہ اور توہمات ایسے موجود ہیں جن کو وہ مجتہد افعال مذہبی سمجھ کر ادا کرتے ہیں حالانکہ اُن کو مذہب اسلام سے کچھ علاوہ نہیں ہے یا تو وہ خود بدعت ہیں یا رسومات و خیالات کفر و شرک ہیں جو باعث ہمارے نامذہب ہونے کے ہیں۔ پس ہلکے مذہب ہونے کے لئے اُن کی تہذیب دیکر ہے :

**چھامر۔** تدقیق بعض مسائل مذہبی۔ ہمارے مذہب کے بعض صحیح اور اصلی مسائل ایسے ہیں جن کی پوری پوری تحقیق و تدقیق اب تک نہیں ہوئی اور اگرچہ وہ مسائل فی نفسہ صحیح و درست ہیں الا یہ ان واضح اور تحقیق کامل نہ ہونے کے سبب علوم عقلیہ کے برخلاف اور تہذیب شائستگی کے مخالف معلوم ہوتے ہیں پس ہلکے اُن کی تشریح و تفسیر میں تہذیب کرنی چاہیئے :

پنجم۔ تصحیح بعض سبائل مذہبی۔ ہم کچھ شک نہیں کرتے کہ بعض سبائل ایسے ہی ہیں یوں کہ بعض ایسے سبائل کا ہونا ممکن ہے جن میں متقدمین نے غلطی کی ہو پس اُن کو بحث میں لانا اور ایک لکھ کر منفتح ٹھہرانا ہمارے لیے ضرور ہے ۛ

ان تمام چیزوں کو جو مذہب سے متعلق ہیں ہم نے تہذیب و شائستگی میں اس لیے داخل کیا ہے کہ قوم کے مذہب ہونے پر مذہب کا بڑا اثر ہوتا ہے پس جس قدر جس قوم کے مذہب میں نقص ہے اتنا ہی اُسکی پوری تہذیب میں نقصان ہے ۛ

ششم۔ تعلیم اطفال۔ مذہب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ تعلیم ہے۔ ہکو زمانہ گزشتہ اور حال پر نظر کر کر ایک ایسا طریقہ تعلیم معین کرنا چاہیے جس سے علوم دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم کا اعلیٰ درجہ تک پہنچا جاسکے ۛ

ہفتم۔ سامان تعلیم۔ ہمارے لیے صرف طریقہ تعلیم معین کرنا ہی کافی نہ ہوگا بلکہ اُسکی مدد اور مجموعی بہت اور فیاضی سے اُس کا سامان بھی مہیا کر دینا ضرور ہوگا ۛ

ہشتم۔ عورتوں کی تعلیم کچھ شبہ نہیں ہے کہ قومی تہذیب و شائستگی کے لیے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضرور ہے۔ پس ہکو لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اور اُن کو دستکار سی سکھانے کے لیے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیے ۛ

نہم۔ ہنر و فن و حرفہ۔ اپنی قوم میں ہر قسم کے ہنر اور صنعت اور فن و حرفہ کو پھیلانا و ترقی دینا قومی تہذیب کے لیے ایک بہت بڑا جزو ہے ۛ

یہ تمام باتیں وہ تھیں جو مجموعاً و منفرداً ہر شخص سے اور کل قوم سے علاوہ رکھتی تھیں اب اُن باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک شخص کی ذات سے علاوہ رکھتی ہیں۔ مگر اُن کا اثر کل قوم پر ہوتا ہے اور ہر ایک میں اُن باتوں کے ہونے سے قومی تہذیب و شائستگی قرار پاتی ہے ۛ

دہم۔ خود غرضی۔ سب سے بڑا عیب ہم میں خود غرضی کا ہے اور یہی مقدم سبب قومی ذلت اور نامذہب ہونے کا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو ضرور ہے کہ رفاه عام کا جو شش دل میں پیدا کریں اور یقین جانیں کہ خود غرضی سے تمام قوم کی اور اُس کے ساتھ اپنی بھی بربادی ہوگی ۛ

اس تمام پر سب کو ایک کہانی یاد آئی۔ انسان کے اعضا میں تکرار ہوئی اور ہر ایک عضو نے

خود غرضی اختیار کی۔ تھوڑی دیر بعد مدہ ٹھوک کے مارے بے چین ہوا۔ پانوں نے کہا کہ  
 بیٹس کیوں چلکر غذا ہم پہنچاؤں۔ باتوں نے کہا کہ ہم کیوں غذا کو موٹھ تک پہنچا دیں۔  
 آنکھوں نے کہا کہ ہم اُس میں کی بال بھی کیوں دیکھیں۔ ناک نے کہا کہ غذا کا شرابا سبب  
 ہونا میں کیوں سوٹھوں۔ منہ نے کہا کہ میں کیوں چبا کر حلق میں نگھوں۔ سب آپ آپ  
 چپکے ہو رہے دو ایک دن تو جوں توں گزرتے پھر تو پانوں نے کھڑا اُسے لگے۔ ہاتھ کا پھینے  
 لگے۔ سوٹھ ہلانے کی طاقت نہ رہی۔ آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا۔ تب تو سب گھبرائے کہ  
 یہ کیا ہوا۔ اُس وقت عقل کے پاس گئے۔ اُس نے کہا کہ خود غرضی نے تمہارا یہ حال کیا ہے  
 تم نے جانا کہ دوسرے کے کام سے ہمو کیا مطلب ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ تمہارا یہی  
 کام تھا۔ اور اُس کا نقصان تمہارا ہی نقصان تھا۔ پس جس قوم کے لوگوں میں خود غرضی مولیٰ  
 ہے جیسک ہندوستان کے مسلمانوں میں ہے تو وہ اب آپ اپنے تئیں برباد کرتی ہے۔  
**یامندھم۔ عزت اور غمیت**۔ غیرت اور عزت یہ دونوں آپس میں ایسی ملی ہوئی  
 ہیں کہ کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ جس کو عزت ہے اُس کو غمیت ہے جس کو غمیت ہے اُس کو  
 عزت ہے۔ اب مسلمانوں میں ان دونوں چیزوں کی کمی کیا بلکہ وہ معدوم ہو گئی ہیں۔ اگرچہ  
 میری اس بات سے لوگ تعجب ہوں گے کہ مسلمان کیونکر ایسے ہیں۔ اگر ابھی اُن کو کوئی گالی  
 دے جان نکال لیں۔ مرجائیں۔ پر اپنی شان نہ جلنے دیں۔ شادی ممانی میں ہرگز ناگ لٹائی  
 نہ ہونے دیں۔ روپیہ قرض لیں اور شادی دھوم سے کریں۔ اگر باوا مر گیا ہے تو اُسکی فاتحہ  
 اور چمک لی تو وہ بندی میں کبھی مدفع نہ کریں۔ پھر کیونکر اُن کو اپنی عزت یا غمیت کا خیال  
 نہیں ہے۔

یہ سب باتیں سچ ہیں مگر یہ سب شیطانی اور جھوٹی عزت اور غیرت ہے جو اصلی اور اخلاقی  
 عزت ہے۔ ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں کس کو اس بات کی غیرت ہے کہ ہمو کوئی جھوٹا خیال  
 نہ کرے۔ کس کو اس بات کا خیال ہے کہ ہم آپس میں اور مولیٰ باتوں میں بھی سچ کی عزت پر بڑھ  
 نہ لگائیں۔ کون ہے جو بجا عا اپنی اخلاقی عزت کے کسی بُرائی کے فعل سے بشرطیکہ اُسیں  
 سزا دے دیا وہی کا اندیشہ نہ ہو بچکر اپنے تئیں معزور رکھنا چاہتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اور  
 قوموں میں نقص نہیں ہے مگر باشبہ اس کہتے ہیں کہ مذہب شاید تہ قوموں میں خدائے  
 سے بلکہ اپنی عزت کے دُور سے ان باتوں کا بہت خیال ہے۔

**دوازدھم۔ ضبط اوقات۔** ہماری قومی تہذیب و شائستگی میں اوقات کے مضبوط نہ ہونے سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔ ہر ایک کو اپنے خاص کاموں میں اپنی خاص اوقات کا اور جو کام عام قوم سے متعلق ہیں ان میں تمام قوم کو یکساں اوقات مضبوط کرنا چاہیئے کہ یہ بھی ایک اصل اصول قومی تہذیب و شائستگی کا ہے :

**سیزدھم۔ اخلاق۔** بالفعل ہمارا اخلاق ہم لوگوں میں اس پر رد گیا ہے کہ جس کی سے ملے کچھ ہنس کر سلام کیا کچھ محبت کی جھوٹی باتیں بنائیں دوچار مٹھی مٹھی باتیں سنائیں کچھ اپنی جھوٹی نیاز مندی کا اظہار کیا کچھ ان کی جھوٹی تعریف کی آؤ ہمت کی اور دل میں کہا کہ خوب آؤ بنایا۔ جب وہ چلا گیا تو یا تو بڑا کہنے لگے یا جو باتیں کی تھیں ان کا نقش پیرا بٹا سا بھی نشان نہ بچھا :

یہ سب باتیں انسان کے دل کو اور اُس کے اخلاق کو خراب کر دیتی ہیں بلاشبہ ہر کوئی تھک کر اور خندہ پیشانی سے ملنا چاہیئے۔ مگر وہیں تک جہاں تک کہ انسانیت کا مقتضایہ ملے اسکو مکاری کی حد تک نہ پہنچانا چاہیئے :

**چہار دھم۔ صدق مقال۔** یہ تو وہ صفت ہے کہ جو انسان کو قطب ابدال کے درجہ سے بھی بڑھا دیتی ہے مگر یہاں ہمارا مطلب دنیاوی باتوں میں سچے پن کا ہے ضرور ہے کہ سب لوگ سچ میں عزت سمجھیں ایک شخص دوسرے کی بات کو سچ سمجھے تاکہ قابل کو قبل کلام اس بات کی غیرت ہو کہ سچ میرے اس قول کو جھوٹ نہ سمجھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے لڑکوں سے خوش طبعی ہیں کہتے ہیں کہ کیوں جھوٹ بولتا ہے آپس میں ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ میاں کیوں جھوٹ بولتے ہو ان باتوں سے جھوٹ کے عیب اور جھوٹ کے طعن کی غیرت دل سے جاتی رہتی ہے جو بڑا سبب ذلت قومی اور نامتہذب اور ناشائستہ ہونے قوم کا ہوتی ہے :

**پانزدھم۔ دوستوں سے راہ و رسم۔** ہماری راہ و رسم جو دوستوں سے ہے اُس میں بھی نہایت نقص ہیں ہم آپس میں اس طرح پر نہیں ملتے جیسے انسان انسان سے ملتے ہیں بلکہ اس طرح پر ملتے ہیں جیسے حیوان ایک دوسرے میں ملتے ہیں ان تمام طریقوں اور قاعدوں میں تہذیب کرنی ایک بڑا ضروری ہے :

**شانزدھم۔ کلام۔** طرز گفتگو اور سیاق کلام بھی جزو اعظم تہذیب و شائستگی کا ہے



جس کی ہم میں بہت کسر ہے ہمارے کلام میں وہ الفاظ جو مہذبانہ گفتگو میں ہوتے ہیں نہایت کم متعل ہیں اور بس لیے اُس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے +

**ہفت دہم۔** لہجہ۔ اسکو بھی تہذیب میں بڑا دخل ہے۔ اکھر لہجہ یا اس قسم کی آواز جس سے شُبہ ہو کہ آدمی بولتے ہیں یا جانور اُڑتے ہیں ناشایستہ ہونے کی نشانی ہے کسی قدر اسپر بھی ہو تو توجہ دہکار ہے +

**ہائز دہم۔** طریق زندگی۔ یہ تو ہمارا ایسا ابترو خراب ہے کہ ہم بے مبالغہ کر سکتے ہیں کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جن کا طریق زندگی ہمارے طریق زندگی سے نہایت عمدہ اور اچھا ہے +

**نوزدہم۔** صفائی۔ بدن اور گھر اور لباس سب کی صفائی تہذیب میں داخل ہے۔ انگریز مثیل ہے کہ خدا اور خدا کے بعد صفائی مسلمانوں کے ماں بھی حدیث ہے کہ ”الطہی شطر الایمان“ مگر ہم مسلمان بہت کم اس کی طرف متوجہ ہیں۔ صورت دیکھو تو واہ واہ۔ گھر دیکھو تو یحسان اللہ۔ اس لیے ہکو صفائی پر توجہ کرنے کی بھی بڑی ضرورت ہے +

**بستم۔** طرز لباس۔ لباس کی قطع اور وضع درست ہونی بہت بڑی نشانی تربیت یافتہ ہونے کی ہے۔ دیکھ لو کہ تمام دنیا میں جس قدر حشیمان پن کم ہوتا گیا اُسی قدر لباس کی درستی ہوتی گئی۔ پس ہمکو اپنے لباس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنا چاہیے کہ کس قسم کی تربیت کے لائق ہے +

**بست ویکم۔** طریق اکل و شرب۔ اگر ہم تعصب نہ کریں اور انصاف سے دیکھیں تو ہمارا طریقہ اکل و شرب ایسا ہے کہ جو قومیں ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہیں جبے ہموکھاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو اُن کو قے آتی ہے +

**بست و دوم۔** تدبیر منزل۔ ہماری تدبیر منزل اپنی انتظام خانداری ایسا ابترو خراب ہے جس میں نہایت رجب کی اصلاح و ترقی کی حاجت ہے +

**بست سوم۔** رفاه عورتوں کی حالت میں۔ غیر قوموں نے ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ میا کچھ خیال کیا ہے اور لکھا ہے اُس میں یقینی بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں ہیں مگر جو اصلی حالت عورتوں کی بلاشبہ ترقی کے لائق ہے اور ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ بہت سی اصلاح اور تہذیب کا محتاج ہے +

بست چہارم۔ کثرت ازواج۔ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کم ہے مگر کچھ بھی زیادہ ہے اور نہایت نالائق سے اور خدا و خدا کے رسول کے حکم کے برخلاف بڑا جاتا ہے ایسی بدخصت مسلمانوں میں جاری ہے جس کی بدولت اسلام کو شرمندگی و بدنامی ہے :

بست و پنجم۔ غلامی۔ اگرچہ ہندوستان میں نگیزوں کی بدولت غلامی کی بد رسم موقوف ہو گئی ہے مگر ہمارے مذہب و شایستہ ہونے کے لیے صرف اُس کا موقوف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمارے دل میں اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ درحقیقت یہ رسم خلاف مسلمانی مذہب کی تھی اور فی نفسہ خراب و نالائق تھی اس لیے ہکو اُس پر توجہ کرنے کی ضرورت باقی ہے :

بست و ششم۔ رسومات شادی۔ جو رسومات شادی کی ہم مسلمانوں میں رائج ہیں ایک بھی ان میں سے مذہب اسلام کی رسم نہیں ہے اور جیسی نالائق اور نامذہب و عریس ہیں شادی ہی اور کوئی رسم اُس سے زیادہ ناشایستہ اور نامذہب ہوگی :

بست و ہفتم۔ رسومات غمی۔ اس طرح رسومات غمی کا حال ہے کہ برخلاف مذہب اسلام کے ہمنے نامذہب و ناشایستہ رسمیں اختیار کر لی ہیں :

خدا رحمت کرے مولوی اسماعیل پر جن کی بدولت بہت سی نامذہب و ناشایستہ رسمیں شادی غمی کی ہم میں سے چھوٹ گئی ہیں مگر اس پر بھی بہت کچھ باقی ہیں جن کی تہذیب پر ہکو متوجہ ہونا چاہیے :

بست و ہشتم۔ ترقی زراعت۔ زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کے حالات کی بہتر و قومی ترقی اور تہذیب میں بڑا اثر رکھتی ہے اور اُس میں ہکو بہت کچھ کرنا ہے :

بست و نهم۔ تجارت۔ یہ سبب آخر جزو ہے قومی ترقی اور تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کا۔ اور ہم مسلمانوں میں سے یہ امر بالکل متروک ہو گیا ہے پس ہکو اپنی قوم میں اُس کا رواج دینا اور عمدہ اصول پر اُس کو قائم کرنا ایک بہت بڑا امر واسطے تہذیب شایستگی حاصل کرنے کے ہوگا :

یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ تمام دنیا کی چیزوں کی ترقی ہم سے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم متوجہ نہ ہوں گے اور تہذیب شایستگی حاصل کرنے پر دل لگا دیں گے تو سب کچھ ہم سے ہو گیا

یہ باتیں ظاہر ہیں بہت سی معلوم ہوتی ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے ایسا علاوہ رکھتی ہیں کہ جب ایک بات میں ترقی شروع ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں از خود ترقی ہوتی جاتی ہے پر کوشش شرط ہے۔ العی مینی وکالاتمام من اللہ تعالیٰ ۝

## تربیت

اگر ہم اس بات پر خیال کریں کہ انسانوں کے عیوب مثل کالے بادلوں کے جمع ہو کر ہم ہی پر بہتے ہیں تو دنیا سے انسانوں کے عیوب بہت ہی کم ہو جاویں۔ اور اگر ہم مرے ہوئے لوگوں کی آواز پر کان دھریں اور سمجھیں کہ وہ قبروں میں پڑے ہوئے زبان حال سے کیا کہہ رہے ہیں تو شاید ایک بھی بُرائی دنیا میں نہ رہے۔ مگر افسوس کہ ہماری آنکھیں اندھی اور ہمارے کان بہرے ہیں ۝

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب وقت گزر جاتا ہے تو بہت سی باتوں کا پتہ اڑا آتا ہے افسوس ہم نے یہ نہ کیا اور وہ نہ کیا اور اُس وقت پتہ نہ سے کیا ہوتا ہے کیونکہ گویا وقت پھر مارتا نہیں آتا اور علاج رنج کا نہایت ہی جانکاہ رنج ہوتا ہے۔ پس اگر ہم ایسے سخت رنج سے بچنا چاہیں تو اُس کا علاج صرف یہی ہے کہ موجودہ وقت کو غنیمت جانیں۔

غنیمتِ دال ہمیں دمِ راکہ حالت

یہ بات جو ہم نے کسی ٹھیک ٹھیک انسان کی طفولیت کی حالت سے نہایت مہنی سبب رکھتی ہے اس لیے کہ جو عمر اور وقت تربیت کا ہے جب وہ گزر جاتا ہے تو بجز علاج رنج رہ جانے کے اور کچھ نہیں ہوتا اور پھر اُن کا تربیت یافتہ رہنا مثل کالی گھٹا کے ہم پر کڑتا ہے اور ہم پر بہتا ہے اور کسی کے گھر کو بہا دیتا ہے اور کسی کے خانان کو جلا دیتا ہے ۝

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں قدرتی تبادلات ہوتا رہتا ہے اور بجز انسان کے ایسی اور کوئی چیز نہیں ہے جسکو اُس تبادلات میں کچھ دخل ہو اگرچہ انسان کو کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے مگر اُس میں اتنی قدرت ہے کہ بہت سی چیزوں کو اپنے اختیار اور قابو میں کر کر اُس قدرتی تبادلات میں شریک ہو انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو تھوڑا بہت کا رضاء قدرت کے بگاڑنے یا سنوارنے میں دخل رکھتا ہے وہی ایسا ذمی قفل اور ذمی شعور مخلوق ہے کہ دنیا کی آئینہ کی زقار کو روک سکتا ہے یا ترقی کر سکتا ہے یا ترو و خراب

حالت میں ڈال سکتا ہے۔

یہ اقتدار اس ناکامل اور فانی وجود کا جیسا کہ لڑکوں کے تربیت یا تربیت رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ایسا تو جسمی چیز ہے ظاہر نہیں ہوتا جبکہ ہم لڑکوں کی حالت پر غور کرتے ہیں اور اُن کی بھولی بھالی اور سیدھی سادی طبیعتوں کو ہر ایک قسم کے گناہ سے پاک پاتے ہیں اور ہر قسم کی تربیت کی استعداد اُن میں دیکھتے ہیں تو ہم کو خدا کی کامل قدرت کا نمونہ دکھائی دیتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ وہ اُس ذات کامل کی دلی بخشش کی ہوئی چیز ہیں اُس کے بعد ایک زمانہ تک وہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے اُن کی عقل و فہم کی ترقی ہوتی ہے اور ہماری تعلیم اور تربیت اُن میں اثر کرتی ہے اور یا تو اچھی اچھی مثالوں کے دیکھنے سے اُن میں عمدہ عمدہ عادتیں اور خصلتیں مٹی جاتی ہیں اور یا بُری بُری نظیروں کے دیکھنے سے شروع ہی سے اُن میں بد عادتیں اور خراب خصلتیں پڑ جاتی ہیں بہر حال لڑکپن کا موسم نکل جاتا ہے اور جو بچہ کہ لڑکوں نے ہماری صحبت اور تربیت سے نیک یا بد حاصل کیا ہو اُس کا اثر دنیا میں رہ جاتا ہے۔

لڑکپن کے زمانہ میں جو عموماً سات برس سے پندرہ برس تک ہے وہی ایسا ناز و لذت کا ہے جس میں بندہ کی بہبودی کے لئے زیادہ تر کوشش ہو سکتی ہے اُس زمانہ میں لڑکوں کا دل چہرہ کا متلاشی رہتا ہے حافظہ تیز ہوتا ہے قوت غور مضبوط ہوتی ہے اچھی عادتوں کا دیکھنا اور عمدہ عمدہ نظیروں سے تربیت پانا جسکو عموماً نیک صحبت کہتے ہیں نہایت ہی موثر ہوتا ہے۔ یہ زمانہ لڑکوں کے لئے ذہنی و عقلی اور اخلاقی تخسم زری کا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تعلیم کو دل نہایت جلد قبول کرتا ہے اور اُس کے تخم کو جس میں آئندہ نہایت عمدہ عمدہ پھول پیدا ہوں گے بہت جلد اُگا دیتا ہے لیکن اگر اُس زمانہ میں تربیت نہیں ہوتی تو پھر بہت ہی کم فائدہ ہوتا ہے کیونکہ جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں عادت میں مضبوطی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر کار عادت طبیعت سے مل جاتی ہے اور طبیعت ثانی کہلاتی ہے جس کا بدلنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے۔

ایک نہایت لائق شخص کا حکیمانہ قول ہے کہ ”لڑکپن کی طبیعت کتنی نرم سے امر اہم کی چیز ہے کہ آئندہ کی بھلائی یا بُرائی اُسی کی احتیاط و غیر احتیاط پر منحصر ہے جو لڑکوں کے مربیوں کی طرف سے ہوتی ہے۔“ پس جو لوگ کہ قومی تربیت یا قومی ترقی کے خواہاں ہیں اُن کا سب سے

بڑا کام ہی ہے کہ لڑکوں کی تربیت کے لئے عمدہ انتظام کریں جن سے ہموا آئندہ کی ہمدردی کی توقع ہے ورنہ ہم پر بھی مثل صادق آوے گی کہ تمہاری کمیں بڑے طوطے بھی پڑھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں تربیت اطفال کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے اور بڑا سبب اُن کی حالت کے تباہ ہونے اور اطفال کے نالایق رہنے یا آوارہ ہو جانے کا یہی ہے۔ ہم اُن حالتوں کا ذکر نہیں کرتے جن میں اطفال آوارہ اور خراب ہو جاتے ہیں کیونکہ اُسکو تو سب بُرا جانتے ہیں بلکہ ہم اُس حالت کا ذکر کرتے ہیں جس میں غلطی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد نے خوب سبت پائی ہے غلطی اس لئے ہے کہ حقیقت میں وہ تربیت عمدہ تربیت نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ اُن کو کچھ لیاقت نہیں آتی اور اُن کے دل میں اخلاقی فیاضی اور طبیعت کی آزادگی اور دل کی کشادگی نہیں ہوتی۔ تمام قوا جو اُن میں خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں سب پژمردہ اور ناکارہ رہ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن میں وہ قوا جن سے انسان اپنے کسی زمانہ عمر میں نام آرا اور دل چلا اور عالی حوصلہ غیرت والا ہوتا ہے باقی نہیں رہتے۔

مسلمانوں میں اگر کسی شخص کی اولاد عوام الناس کے لونڈوں میں کھیل کود سے بچے اور اپنے ہی محبوبوں میں رہے اور اپنے یا اپنے ہمسرہ خاندان کی صحبت اٹھائے اور روزانوہ بیٹنا اور ٹھیک کر سلام کرنا یا عین کو ٹھیک اُس کے مخرج سے نکال کر سلام و علیک کرنا اور ناتھ جو درگزر و ج شریف پوچھنا سیکھ جاوے تو نہایت سعادت مند اور تربیت یافتہ گنا جاتا ہے اور جب اُسکے ساتھ اُسکو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو اور کسی میاں جی یا ملا سے پڑھا بھی ہو تو وہ تو تربیت کے لنگر پر پہنچا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اگر بخت و اتفاق سے اُس نے دوچار کتابیں زیادہ پڑھ لیں اور صدر شمس باغ پر چھنے لگے تو پھر تو با واجان پھولے بھی نہیں سماتے اور لڑکے کامیاب مولوی اور میاں فاضل محمد کے سوا اور کوئی نام ہی نہیں لیتے اور اگر لایا اتفاق ہو کہ چند قصبات مذہبی نے اُن کا کلا گھونٹا اور ناز پڑھ پڑھ کر ماتھے پر سیاہ گٹا ڈال لیا اور دوچار فقہ حدیث کی کتابیں پڑھ لیں اور مسئلہ مسائل بھگارتے لگے پھر تو وہ عرش سے بھی آگے بڑھ گئے اور شبلی وغینہ کو بھی ٹھکانے لگے۔

مکرم صفت انسان ہی جتنا کہ بیان ہوا کافی نہیں ہے بلکہ نفید تربیت ہونے کے لئے اور بہت کم ہونا چاہیئے پس اگر غم سے دیکھا جاوے اور انصاف کیا جاوے تو یہ تربیت کچھ تربیت نہیں ہے ایسی تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکوں کے خیالات مثل جانوروں کے خیالات کے محدود

ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی ترقی کا مادہ اُن میں نہیں رہتا اُن کی حرکات موڈ بانہ صرف ایسے  
بندر کی سی حرکات ہوتی ہیں جس کو سلام کہنا اور ادب سے بیٹھنا اور کھڑے رہنا سکھایا ہو  
اُن حرکات میں اُن اخلاقی اوصاف کا جن سے از خود حرکات انسانی بلا تصنع قدرتی ادب و  
اخلاق کے مقتضی پہنچتی ہیں کچھ بھی اثر نہیں پایا جاتا بلکہ انسان میں جو ایک مہذب دلیری اور  
موڈ ببادری اور مدوح خود داری ہونی چاہیئے جبکہ مختصر لفظ غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے  
ادب سکھانے سے باقی نہیں رہتی اسکی طبیعت بعوض اس کے کہ بلند ہونے پر نائل ہو پست  
ہونے پر رجوع کرتی ہے جس کا بد اثر اسکی آئندہ عمر میں ظاہر ہوتا ہے پڑھنا لکھنا آجانے سے  
اوسطی یا فلسفی ہو جانے سے کامل تربیت خیال نہ کر لینی چاہیئے قطع نظر اسکے کہ علوم غیر  
کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتے صرف پڑھ لکھ لینے سے تربیت کامل نہیں ہو جاتی بہت سے  
پڑھے لکھے ایسے موجود ہیں جو بلحاظ تربیت کے محض ایک کندہ ناتراش ہونے سے کچھ زیادہ  
تربیت رکھتے ہیں تربیت کامل کے لیے جیسا کہ علوم مفیدہ کا پڑھنا شرط ہے یہی اسکی  
ساتھ لڑکے کی زندگی کا ایسے طور پر اور ایسی حالت پر بسر ہونا ضرور ہے جس سے روز بروز اس کے  
خیالات کو وسعت ہوتی جاوے اُس کی اُمتنگ بڑھتی جاوے اُس کے قواسمغفہ و شاداب  
میں غنیمت جو ایک ثما جو ہر انسان کا ہے اور برائیوں سے بچانے کے لیے نہایت عمدہ اور چار  
محافظہ ہے ہمیشہ ترقی پر رہے۔ ظاہری اخلاق اور موڈ بانہ حرکات اور اپریشل روغن قاز کے  
نہ لگائے جاویں بلکہ مثل شہر شہریں کے خود اندر سے نکلیں۔ نماز و روزہ اور کتب مذہبی کا پڑھنا  
فی نفس نہایت عمدہ چیز ہے مگر جب اُس کی تعلیم ایسے بد طریقہ سے ہوتی ہے جیسے ایک مسلمانوں  
میں مروج ہے اُس سے بجز اس کے کہ بد تعصبات بڑھ جاویں اور بعوض نیکی اور نیک ل کے  
اصناف ذمہ ترقی پکڑیں اور مثل کانٹے دار تخت پست کے دل کو گھیر لیں جس میں نیکی اور رحم  
اور رقت اور ہمدردی سچائی اور راست بازی مطلق اثر کرنے نہ پائے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا  
ایسا تربیت یافتہ شخص بجائے اسکے کہ فخر اسلام ہونا تنگ اسلام ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں  
کو جہاں اپنی اولاد کی تعلیم کی فکر کرنی چاہیئے اُسی کے ساتھ اس بات کی بھی بہت بڑی فکر  
لازم ہے کہ زمانہ تربیت اور تحصیل علم میں لڑکوں کی زندگی بسر کرنے کی کیا تدبیر کرنی چاہیئے تربیت  
مقاصد مذکورہ خوب ترین وجوہ حاصل ہوں +

کچھ خواہنے کی بات نہیں ہے ٹھنڈے دل سے سمجھنا چاہیئے کہ مذہبی تعلیم اور پند و نصائح کا

اثر صرف لپ پڑتا ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ خواہش پر بھی اُس کا اثر ہوا اور اس لیے راست باز اور سب سے زیادہ پرہیزگار عالی مرتبت مستقل مزاج اور سچ و مصیبت میں ثابت قدم ہونے کے لیے یہ بات ضرور ہے کہ لوگوں کا دل اور اُن کی طبیعت ان صفات پر بخوبی حاوی ہو جائے ورنہ تمام پسند و ناصیج اور ناز و روزہ نقش بر آب ہوتا ہے اور نہایت جلد سب میں فتور آ جاتا ہے اور تمام زندگی کی اُسیدیں اور بہبودیاں جاتی رہتی ہیں اور اس کا سبب صرف یہی ہے کہ اُن سے کہا گیا سمجھنے نہیں دیا کہ ظانی چیز و حقیقت متحدہ ہے اور ہر چیز کی قدر صرف اُسکی عُدگی ہی پر منحصر ہے +

اگرچہ لوگوں کی تعلیم کا فرض مقدم اُن کے بابا پر ہے مگر جتنی تعلیم کہ مطلوب ہے وہ غیر اس کے کہ تمام قوم آپس میں متفق ہو کر اُس کو قائم نہ کرے ممکن نہیں ہے اور اس لیے وہ فرض تمام قوم سے متعلق ہوتا ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ ایسے سامانِ تعلیم کے موجود نہ ہونے سے تمام قوم گنہگار اور شرمسار ہے اور اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اب لوگ ہوشیار ہوں گے اور اس فرض کفایہ کے پورا کرنے پر جو سبب ضرورت و حاجت شدید کے رتبہ میں فرض عین سے زیادہ بڑھ گیا ہے توجہ فرماویں گے۔ واللہ ولی التوفیق وھو حبیبی و نعم الرفیق +

## غلامی

آزادی اور غلامی آپس میں ایسی تقض ہیں کہ نہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے نہ دونوں کا اتقاق اور اس لیے یہ دونوں داخل مرضی پروردگار نہیں ہو سکتیں ورنہ خود پروردگار کی مرضی میں تناقض لازم آویگا جو اُسکی حکمت بانو کے شایاں نہیں ہے پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگی یا یوں کہو کہ قانون قدرت و تفضیل کا متقاضی نہیں ہو سکتا اور اس لیے اُن میں سے ایک ہی مقتضائے قانون قدرت ہوگی +

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی گئی ہے وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے اُس کو تمام قوانین ظاہری و باطنی دیئے گئے ہیں۔ اُن کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔ تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور اُن کے انجام کی سوچ اُس کو دی گئی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچنے لے اُسکی فطرت

ایسی ہے کہ اپنے لیے آپ تمام چیزیں ہٹا کر لے کے لیے حاجت مند ہے پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس پتے کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ تپا خود اپنا آپ مالک رہے ۛ

صانع نے یہ تمام قوے جو انسان کو عطا فرمائے ہیں ان سے اُس کی مرضی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام قومی انسان میں اس طرح پرشگفتہ و شاداب رہیں کہ اعتدال سے خارج نہ ہونے پابند اور ایک دوسرے کی نفیض نہ ہو جاویں۔ انسان کی ذاتی محنت اُسی کے لیے سودمند ہو۔ مذہبی کی حالت میں انسان کے بہت سے قوے عبوض شگفتہ و تروتازہ رہنے کے پُرور ہمارے محسن عظیم بیکار ہو جانے میں اُسی محنت اُسکو ہوسودمندی کے لیے نہیں ہوتی پس یہی طرح ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہو سکتی ۛ

انسان کی وہ چیز جس سے انسان انسان کہلاتا ہے اور جس کا نام لوگ روح لیتے ہیں مگر اُس کی حقیقت کچھ نہیں بتا سکتے ایسی شریف چیز ہے کہ کسی کی ملکوت ہونے کی بیانت ہی نہیں کھینچی کیا تیار کج قانون قدرت یا خدا کی روح یا اہر رب کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے؟ کیا ہم یہی ہی ایک مخلوق ہماری ملکیت میں آسکتی ہے؟ حاشا و کلا۔ پس صاف عیاں ہے کہ غلام اُس قاذور مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے۔ تمام انسان آزاد اور یکساں پیدا ہوئے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ زندگی اور آزادی اور خوشی حاصل کرنے میں یکساں اور غیر قابل امتثال استحقاق رکھتے ہیں ۛ

مگر ان کی بد بختی سے کوئی نسل اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ غلامی کی مصیبت انسانوں میں نہ رہی ہو۔ بہت عقلمند اور دانا اور حکیم گذرے۔ بہت سے صاحب شریعت گذرے مگر ہر ایک کے اور کسی نے اس قانون قدرت کے مخالف کا کچھ تدارک نہ کیا۔ یسویٰ صلواۃ اللہ علیہ نے اسکو جائز ہی رکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں کہا۔ یونانی حکیموں نے از روئے اصول اخلاق کے حالت غلامی کی نسبت کوئی اعتراض ہی نہیں سمجھا۔ ارسطو باوصف اِس دانی کے یہ سمجھا کہ خود خدا نے انسان کو آزادی اور غلامی میں تقسیم کیا ہے وہ سمجھتا تھا کہ جن لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے وہ ایک قسم ہی جدا ہے۔ اقول تو یہ سمجھ ہی اُس بُرے حکیم کی جو ہر طرح ہمارے ادب کے لائق سے غلط تھی اور سوائے اسکے اُس نے یہ خیال نہ کیا کہ غلامی عمومی خاص قوم پر مخصوص نہیں ہوتی بلکہ ان



اُس سے بھی زیادہ غلطی میں گرا۔ جب اُس نے یہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہ ہونے چاہئیں زیادہ افسوس کی بات ہے کہ اُس ایک فیاض شخص کا اصول منقرض جس نے آئندہ کی غلامی کی جڑ کو کھٹا اور غلاموں کی حالت کو سنوارا اور جہاں تک ممکن ہو اُن کو آزادی کا حصلت پہنچایا۔

ایسا غفلت میں پڑا کہ بہت ہی کم اُس پر خیال ہوا۔ پس ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس ضمنوں کی اصلیت پر مروجہ مذہب اسلام کے کچھ تحقیق و تدقیق کریں مگر قبل اس کے ہم چاہتے ہیں کہ اس ریکل میں غلامی کا کچھ مختصر حال بیان کریں کہ کس طرح پر اوکرن کن قوموں میں رائج تھی اور کیسی کہیں ہے۔ میاں اُن کی نسبت ہوتی تھیں۔

غلامی کا رواج ایسا پُرانا معلوم ہوتا ہے جس کا زمانہ انسان کی یاد سے باہر ہے۔ غالباً تو اس نیا دنیا کے شروع ہی سے غلامی پیدا ہوئی تھی۔ اصلیت شروع غلامی کی صرف یہی پائی جانی ہے کہ وحشی قوموں نے اپنے قیدیوں کو بجائے مار ڈالنے کے غلامی کی حالت میں رکھنا زیادہ مفید سمجھا اور اس سبب ڈولرین غلامی کے رائج ہوئے۔ ایک وہ جو لڑائی میں لگ قیدی ہوتے تھے اور طریقہ طریق جائز اور بے عیب اور گویا قانوناً جائز سمجھا جاتا تھا۔ تمام قوموں نے اپنی تہذیب شائستگی کے زامیں بھی سکون سمجھا تھا۔ دوسرے وہ قیدی جو غنا و فیسر سے یا زردی سے قریب جاتے تھے اور اُن کے ساتھ بھی ویسا ہی طریقہ برتا جاتا تھا جیسا کہ جائز غلاموں کے ساتھ۔ اُس کے بعد رفتہ رفتہ اور متعدد طریقے غلامی کے مختلف قوموں میں پیدا ہوتے گئے۔

تمام مذہبی قومیں جن کا حال اب معلوم ہے غلام رکھتی تھیں۔ یہودیوں کے باغ غلامی قانوناً جائز تھی۔ ایرانی بھی۔ جب اپنے قانون کے غلام رکھتے تھے اُن کے ہاں صرف دوسری ہی قوم کے لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہ تھی بلکہ اپنی قوم کے لوگوں کو بھی غلام بناتے تھے۔ اُن کے ہاں دستور تھا کہ غلام مقروض اپنے تئیں بطور غلام کے بیچ ڈالتا تھا۔ چورہو غلام کے رہتے تھے۔ البتہ بنسبت غیر قوم کے غلاموں کے اُن کی نسبت قانون فی الجملہ نرم تھا سات برس بعد یہ قوم غلام آزاد ہو جاتے تھے اور ہر چار سو برس عام طور پر یہ قوم غلام آزاد کیے جاتے تھے۔

یونانیوں میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی۔ وہاں ایک قوم وہاں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھی جو اپنے آفاقی زمین کاشت کر کر اُس کو لگانا ہی تھی اور لڑائی کے وقت اپنے

آقا کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایک قسم غلاموں کی یونان میں ایسی بھی کہ وہ یونان سے باہر دوسرے ملک میں فروخت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ اپنے خیال و اطفال سے جدا کی جاتی تھی بلکہ قبیح جائیداد پیدا کرنے کے بھی قابل سمجھی جاتی تھی اور وحشی غلام جو بذریعہ خرید حاصل ہوتے تھے وہ تو مثل اور جانوروں کے تھے کہ جب اور جہاں چاہو بیچ ڈالو۔ ان سے محنت مزدوری کروائی جاتی تھی۔ کانیں کھدوائی جاتی تھیں اور ان کی اُمرت اور صنعت ان کے آقا لیتے تھے۔ ان غلاموں کی جواہر دہن ہوتی تھی وہ بھی غلام ہوتی تھی۔ تھریشیا کے لوگوں کی ایسی بدبختی تھی کہ وہ خود اپنی اولاد کو بیچتے تھے۔ ایتھنز میں غلاموں کی حالت اور ملکوں سے چلتی تھی یا ستھنز کا قول ہے کہ بمقابلہ اور ملکوں کی آزادیوں کے ایتھنز کی غلامی کی حالت ابھی ہے۔

رومیوں میں بھی غلامی تھی۔ مگر ان کی سمجھ سب سے عمدہ تھی۔ رومی متقن سمجھتے تھے کہ خدا کا نام نے سب کو آزاد بنایا ہے اور غلامی قانونِ خالق کے برخلاف ہے مگر نہ ملکی قانون کے مطابق وہ غلامی کو جائز رکھتے تھے اور اس لیے ان لوگوں کو جو راولی میں قید ہوتے تھے اور ان آزاد شخصوں کو جو خود اپنے آپ کو بیچ دیتے تھے غلام سمجھتے تھے۔ آقا کا اختیار غلام کو سزا دینے یا قتل کرنے کا محدود تھا ضعیف و ناکام غلام ٹائیبر کے جزیرہ میں فاقہ کشی کرنے کرتے مرنے کے لیے چھوڑ دیے جاتے تھے۔ سلطنت کے قوانین نے ان پیر میوں کی کسی قدر روک تھام کی تھی۔ یہ قانون تھا کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بلا سبب قتل کر دے تو اس کے ساتھ ساتھ چھ پیش آیا جاوے کہ گویا اس نے دوسرے شخص کے غلام کو مار ڈالا ہے۔ اگر کوئی آقا اپنے غلام پر بہت سخت بے رحمیاں کیا کرتا تھا تو آقا اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسکو بیچ دے۔ گلاویس کے قانون کے مطابق غلام کا مار ڈالنا بمنزلہ قتل کے متصور ہوتا تھا۔ غلام جب بیچے جاتے تھے تو ناں ب۔ لڑکے۔ بھائی بہن جدا نہ کیے جاتے تھے۔ غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا اور ان کے اور ان کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ بھاگے ہوئے غلام کو پناہ دینا جرم تھا۔ ان کے آزاد کرنے کے بھی بہت سے طریقے تھے جو از روئے قانون کے معین اور محدود کیے گئے تھے۔

رومیوں کے ہاں ابتدا میں غلام بہت کم تھے لیکن رفتہ رفتہ ان کی بہت کثرت ہو گئی تھیں کہ کچھ شکار رسمی غلاموں کے ذریعہ سے ہوتی تھی سلطنت جمہوری کے زمانہ میں جو دم میں تھی دی ہند لوگ رعایت کثرت سے غلام رکھتے تھے اور جس قدر زیادہ غلام ہوں کسی قدر مال و ثروت

زیادہ مصروف رہتی تھی۔ ایک شخص کے پاس دو سو غلاموں کا ہونا ایسی بات نہ تھی کہ لوگ اس کو معمولی بات سے کچھ زیادہ سمجھیں۔

ابتداء میں غلام کوئی جائیداد پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ جو کچھ وہ پیدا کرتا تھا سب کچھ اُس کے آقا کی ملک ہوتا تھا لیکن جب غلام تجارت کے کاموں میں مصروف ہونے لگے تو کچھ حصہ منافع میں سے اُن کا خاص سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور بعض دفعہ یہ شرط ہوتی تھی کہ جب وہ سرمایہ اس قدر روپیہ تک پہنچ جاوے گا تو غلام آزاد ہو جاوے گا۔

ہندوؤں میں بھی دھرم شاستر کے بموجب غلامی جائز تھی اور فصل ذیل صورتوں میں ایک انسان دوسرے انسان کا غلام ہو جاتا تھا۔ اگر اُن کی میں قید ہونے سے۔ خود اپنے تئیں کسی کا غلام بمحض روپیہ کے یا قحط سالی میں بمحض نان و نفقہ دینے کے یا اور کسی سبب بنا دینے سے۔ بعض زرق و غصہ یا کسی جرم کی سزا میں غلام ہو جانے سے۔ ماں باپ کا اپنی اولاد کو بچہ دینے سے۔ اولاد غلاموں کی بھی غلام ہوتی تھی۔ غلاموں کا بیع اور عہدہ کے ذریعہ سے انتقال ہوتا تھا اور وراثت سے منتقل ایسی کی غلامی میں آ جاتا تھا۔

دھرم شاستر کی رو سے غلام مثل مویشی کے اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے اور اُس کو حقیر نام یعنی دوپائی مویشی دیا گیا ہے۔ دھرم شاستر میں کوئی حکم غلام کی نسبت ایسا نہیں ہے جس کے ذریعہ سے وہ جبراً اُن کے تشدد و بد سلوکی سے معذور ہے اور نہ اُس میں آقا کے اختیار کی جو اُس کو غلام پر کچھ حیرت ہے۔

کوئی حق ملکیت دھرم شاستر کی رو سے غلام کو حاصل نہیں ہے۔ اُس کا مال مکسویہ بھی اُس کا حق نہیں ہے۔ دھرم شاستر میں جبراً آقا کی خوشی کے اور کوئی دایسا طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ سے غلام کو آزادی حاصل ہو سکے۔ الا اگر اُس نے آقا کی جان بچائی ہو تو وہ اپنی اور اپنے بیٹے کی آزادی کی درخواست کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اگر آقا سے لونڈی کے اولاد پیدا ہو اور کوئی صحیح النسب اولاد نہ ہو تو دونوں آزاد ہو جاتے ہیں یا جو سب غلامی کا ہے وہ بڑے تو غلام آزاد ہوتا ہے۔

ایک دوسری قسم غلاموں کی دھرم شاستر کے بموجب عبید الارض میں منظمی جو کاشت اراضی سے تعلق جن موروثی کارکتے ہیں اس قسم کے غلاموں سے احکام جائیداد وغیرہ متعلقہ متعلق ہیں یعنی اُن غلاموں پر جو کاشتکاری کے کام کے لیے ہوں باپ اور بیٹے کو یکساں

اختیار رکھتا ہے۔

مذہب اسلام کے پیروں کا باہشت جہنم تھا کہ وہ اس کو فائدہ بخش دیا اور یہ کہتے تھے  
اور غلاموں کی آزادی کا فرمان بھی اس کے قبول مذہب سے پیدا ہوا ہے۔ دنیا میں طاری  
کرتے تھے کہ وہ سب سے زیادہ اندھیرے میں رہتا ہے۔ اور باوجودیکہ اس نے دنیا  
تسامت ملک۔ دشت میں جو گئے ہیں ان کے سوا کسی اور ملک کسی تباہی اور اندھیرے میں نہیں

ہیں۔

اگرچہ عیسائی مذہب نے کچھ عیسائی غلاموں کے حق میں نہیں کی تھی مگر باہشت عیسائیوں  
نے ان کے حال پر رحم کیا اور یہ نیکی اور بلند تہی انہوں نے حاصل کی جس نے ان کے غلاموں  
کے رفتہ رفتہ آزاد ہو جانے میں بڑی کوشش کی۔ عیسائیوں نے ان آقاؤں کو بچاؤ  
غلاموں کو بے اطلاق رکھا مگر ان سے تھے ملکوں قرار دیا مگر اس زمانہ میں یہ آفت ٹک نہ سکی  
اور روشنی حمد کرنے والے جنت سے غلام اپنے ساتھ لائے جو اکثر سلیوین قیدی تھے اور  
جس سے انگریزی لفظ سلیو یعنی غلام نکلا ہے۔ تھوڑے زمانہ بعد تمام یورپ میں ایسا  
قسم کی غلامی قریب قریب جو صرف کے نام سے کہلاتی تھی۔ سلیو اور صرف میں یہ فرق تھا کہ سلیو کو  
نفاذ نہ تھی کر سکتا تھا مگر نہ جسے شہر عین کام لینے کا حق رکھتا تھا۔

جبکہ دنیا یعنی امریکہ دیرینت ہوئی تو عیسائی قوموں میں غلامی کے سامان کی بڑی بڑائی  
ہوئی۔ امریکہ کے قدیم باشندے کمزور تھے اور جن شکل اور محنت کے کاموں کی وہ حاجت  
تھی اس کے قابل نہ تھے۔ اس لیے پورچلیز والوں نے جن کے قبضہ میں بہت بڑا حصہ  
افریقہ کا تھا وہاں سے حبشیوں کو بچا کر شروع کیا۔ لاس سیس صاحب پیپ کے بشپ نے  
امریکہ کے باشندوں کو لائق محنت کانوں کے کھودنے کے نہ دیکھ کر کنگ چارلس بادشاہ انگلینڈ  
سے درخواست کی کہ ان کے پہلے حبشی غلام کام کرنے کو دیئے جاویں کیونکہ وہ مضبوط اور  
توانا ہیں چنانچہ اس بادشاہ نے مشاعرہ میں حبشی غلاموں کے لائے جانے کا حکم دیا مگر یورپ  
میں پہلے جس نے غلاموں کی تجارت شروع کی وہ سر جان ہائلس تھے جن کا نام غلامی کے  
ساتھ ہمیشہ یاد کیا جاویگا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں اور بہت سے لوگ ان کے ساتھ غلاموں  
کی تجارت میں شریک ہو گئے۔ انگلستان نے مشاعرہ سے نفایت مشاعرہ کے تین لاکھ غلام  
ذیقہ سے حاصل کیئے اور اس کے بعد نفایت مشاعرہ صرف جاگیر میں چھ لاکھ دس ہزار غلام

جیسے تجارت خداسوں کی تھی ہے۔ جمعی سے پہلی تھی جس کا حال شکر و تحسین آتا ہے۔ جہاز  
 میں نہایت بے اعتنائی تھی۔ جس میں کپتانوں اور بحریوں کے بھرے جانے تھے اور امریکہ پہنچنے  
 سے پہلے ہی جہاز کی حالت نہ ہوتی تھی مگر جہاز انگریزوں کی عمارتیں تھیں وہاں غلاموں  
 کی حالت بھی قدر بہتر تھی ان کی خرید و سی کے لئے تجارتی مقرر تھیں۔ عورتوں کو کوڑے  
 مارا جاتا تھا۔ مگر یہ بات پوچھنے کے قابل ہے کہ جس زمانہ میں امریکہ میں جہاز  
 اور ان کی عمارتیں تھیں تو زمین مذکورہ بالا غلاموں کی نسبت جاری تھی۔ اس زمانہ میں انگلستان میں  
 نسبت غلامی کے کیا قانون تھے۔ اسی زمانہ میں برطانیہ میں مقدمہ غلامی سمی ہرمرسٹ جی  
 ہولڈن میں پیدا ہوا تھا پیش ہوئے جس میں یہ تجویز ہوئی کہ انگریز زمین پر قدم رکھنے کے ساتھ  
 ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔ گو کہ بعد ازاں اس نے اس غلام کے غلامی کے ملک میں اس کا آقا چھوڑ  
 دیا۔ عورتوں کی نسبت ۴

درایت میں ایک میرے انگلیز دوست نے مجھ سے کہا کہ وہ فہم ہمارے قوم ہی کو آزادی کا  
 انہیں سے بلکہ ہمارے زمین کو بھی یہ فحاش ہے اس لئے کہ جو شخص ہماری زمین پر قدم رکھتا  
 ہے تو وہ کسی غلام ہی کیوں نہ ہو اسی وقت سے آزاد ہے۔ اس کے اس کہنے نے میرے  
 دل پر بہت اثر کیا اور میں نے کہا کہ بلاشبہ یہ سچ اور نکاحی زمین کو بڑی عورت ہے جو  
 نہایت ہی ۵

اسی زمانہ میں جیم اور نیکی ل اور انسان کی بھلائی چاہنے والے لوگوں نے ل میں  
 مثال یا کہ غلاموں کی تجارت کی موقوفی پر کوشش کرنی چاہیے چنانچہ برطانیہ میں ایک  
 سوسائٹی واسطے موقوفی غلاموں کی تجارت کے لندن میں قائم ہوئی۔ اس کے ابتدائی ممبر  
 ڈبلیو ڈون صاحب اور طاسن کلرک جن صاحب اور گرینول شارپ صاحب تھے جنکی نیکی نامی  
 ہمیشہ بد پرستی۔ اس میں سب سے زیادہ پرجوش اور نہایت مستعدی سے رائے دینے والا  
 اور کھٹک کرنے والا ویلم ڈلبر فورس صاحب تھے جن کی تائید ولیم پت وزیر مملکت کی جانب سے  
 ہمیشہ ہوتی تھی۔ غرض کہ شدہ شدہ ان انسان کی بھلائی چاہنے والوں کی بدولت فوراً ۱۸۳۳ء  
 میں مملکت انگلستان نے حکم دیا کہ مذکورہ کیسٹی پر پوری کونسل نسبت تجارت غلاموں کے تحقیقات  
 کیا جائے اور ایک قانون بنایا گیا جس سے جہاز میں بے اندازہ غلاموں کے بھرنے کی کچھ اصلاح  
 ہوئی۔ یہی فیصلہ ہی ہوئی کہ ڈلبر فورس صاحب نے جو مسودہ قانون کا اس مطلب سے بنایا تھا کہ

آئندہ سے تجارت غلاموں کی موقوف ہو وہ سود شدہ میں گم ہو گیا۔ اسی تنازعہ میں  
 ۱۸۰۷ء میں پرتگیزی اور غلاموں کی تجارت نے پھر انفرایشن کمپنی۔ مگر شہداء میں کوئٹل سے  
 ایک حکم مشرعتی تجارت، ان ہندو نوآبادیوں میں جاری ہوا اور پھر شہداء میں ایک قانون  
 بنایا گیا کہ انگریزی رعایا کسی طرح غلاموں کی تجارت میں شریک نہ ہو اور اسی سال مشرفاٹس  
 صاحب نے ایک رزلویشن ہوئے آئندہ کامنز میں پیش کیا اور وہ جاری بھی ہو گیا کہ آئندہ سے  
 کلیتہً غلاموں کی تجارت موقوف ہو۔ لارڈ گرینول صاحب کی تحریک سے ہوس آف لارڈ نے  
 اس رزلویشن کو منظور کیا اور انگلینڈ نے اس فیاضانہ اور جہانہ بکد انسانیت کے کام میں  
 بلند نامی حاصل کی۔

اس کے بعد دوسرے سال ۱۸۰۷ء میں لارڈ مالک صاحب نے جو بدمذکور  
 اور لارڈ کے ہوئے ایک مسودہ قانون ہوئے آئندہ کامنز میں پیش کیا کہ یکم جنوری شہداء کے  
 بعد غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف ہو۔ دونوں ہوس یعنی ہوس آف کامنز اور ہوس  
 آف لارڈ نے اس قانون کو پسند کیا اور پچیسویں مارچ شہداء کو اس قانون کی نسبت شاہی  
 منظوری حاصل ہوئی۔

لیکن نتیجہ کی بات ہے کہ جس مکرہ زمین پر ایسے فیاض اور عالی مرتبت لوگ رہتے تھے جنہوں  
 اس رسم بد کی موقوفی پر بے انتہا کوششیں کیں، ان عظیمہ طبیعت کے لوگ بھی موجود تھے  
 اور انھوں نے غلاموں کی تجارت کو نہ چھوڑا اور اسپین اور پورٹو گیزی کے جھنڈوں کی آڑ  
 میں ان کی تجارت کرتے تھے اور پھر شہداء سے غلام جہازوں میں بھرتے لگے اور جب کوئی  
 جہاز ان کی تلاشی کو جاتا تو حبشی غلاموں کو جہاز پر سے دریا میں پھینک دیتے تھے اور جو  
 حکم دیا کہ اس قانون میں غلاموں کی خرید و فروخت کرنے پر تھادہ اس رسم بد کے بند کرنے کو  
 کافی نہ تھا اس لیے فیاض دل اور انسان دوست بلکہ انسانیت محرم مشربوہم صاحب نے  
 شہداء میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جو بالافاق سب کے منظور ہو گیا اور جس میں یہ بات قرار  
 پائی کہ تجارت غلاموں کی جہاز پر ہو جس کی بنا چوڑہ برس کی قید مع جلا وطنی یا تین برس سے  
 پانچ برس تک کی قید مشقت شاقہ دی جاوے گی۔

۱۸۰۷ء میں ایک اور ایکٹ جاری ہوا جس میں غلاموں کی تجارت بحری و کیتی قرار پایا جو  
 غایت سنگین جرم ہے اور پھر شہداء میں اس کی ترسیم ایکٹ بطور جداری کے نفاذ سے ہوئی

اور تجارت غلامی کی سرحدیں وہاں سے جاری وطنی قرار دی گئی تھیں۔  
 ان بڑی کوششوں کے بعد انگریزوں کی عمارتوں میں سے غلاموں کی تجارت بڑھ گئی  
 اور اسی کے ساتھ امریکہ کے یونیورسٹی سے بھی موقوف ہوئی اور رفتہ رفتہ جنوبی امریکہ کی  
 جمہوری سلطنت مقام و مزید یعنی وائس ایریز اور سویڈن اور ڈنمارک اور ناروے سے بھی موقوف  
 ہوئی۔ انگریزوں کی اس فیماںسی کو دیکھ کر یہودیوں کی اور سلطنتوں کو بھی اس تجارت کے لئے ٹھکانے  
 کی ترغیب ہوئی اور اُس کے لیے قانون بنائے گئے اور عہد نامے کیلئے گئے چنانچہ ۱۸۱۵ء  
 و ۱۸۱۸ء میں پورٹو گیز اور اسپین کی سلطنت نے بھی اسپرانتی رضا مندی ظاہر کی اور ۱۸۲۲ء  
 میں بریزل نے قبول کیا کہ بعد ۱۸۲۵ء کے اگر غلاموں کی تجارت اُس ملک میں ہو تو وہ اسی  
 بھری کا بوم سمجھا جاوے اور ۱۸۲۵ء و ۱۸۲۸ء میں جو عہد نامہ فرانس سے ہوا جس کو قریباً  
 کل یورپ کی بحری مملکتوں نے منظور کیا اُس سے متعلق سمندر میں جہازوں کی مالاشی  
 کا واسطے بند کرنے غلامی کی تجارت کے خلاف ہوا اور چرکنیوں کے عہد نامہ کے مطابق جو ۱۸۲۵ء  
 میں ہو اُس عہد نامہ نے پہلی بار ایک مملکتوں میں وسعت دی گئی۔ پھر آسٹریا کے  
 عہد نامہ سے جو ۱۸۲۵ء میں ہو گیا اس عہد نامہ سے ہو کر فوج مشترکہ افریقہ کے کنارہ پر واسطے  
 موقوف تجارت غلامان کے قائم ہوئی پھر ۱۸۲۵ء میں فوج مشترکہ انگلستان اور فرانس کو  
 استحقاق ملا مالاشی غلامان سے ہوا۔

فیاض اور عاجزہ عمدہ رہنمائی کے لیے سو سٹیلیاں بھی نہیں اور ہوس آف کانسٹنٹینپول بھی ہوا کی۔  
 آخر کار ۱۸۲۵ء میں سر اسٹینلی معاہدے نے جو اُس زمانہ میں نوآبادیوں کے وزیر تھے غلاموں  
 کی آزادی کے لیے قانون کا سودہ پیش کیا اور ہوس آف کانسٹنٹینپول اور ہوس آف لاڈوس منظور  
 ہوا اور ۱۸۲۸ء اسٹینلی کو بادشاہی منظوری حاصل ہوئی اور بیس کرو پونڈ یعنی ڈویم روپے  
 غلاموں کے مالکوں کو بطور معاوضہ نقصان دیا گیا۔ مگر خیال کرنا چاہیے کہ یہ روپیہ کہاں سے  
 آیا تھا یہ روپیہ اسی ملک کی رعایا سے لیا گیا تھا جس ملک کو ہم کہتے ہیں کہ تہذیب شایستگی  
 میں پانچویں نہیں لکھا ۱۸۲۵ء میں نے بھی اپنے حبشی غلاموں کو آزاد کر دیا اور ۱۸۲۵ء  
 میں وچ کے غلام آزاد ہوئے اور شمالی امریکہ میں جو ان غلاموں کی آزادی کے لیے  
 ہوئی وہ ابھی تک دیا کی آنکھوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔

انگریزوں کی کوششیں جو غلامی کے بند کرنے میں ہوئیں ان کے ہم دل سے شنا خواں ہیں اور اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی انگلش گورنمنٹ نے غلاموں کی تجارت بالکل موقوف کر دی اور برہہ فروشی بھی بند ہوئی مگر ہم دہل سے گورنمنٹ کی کارروائی کی جو ہندوستان میں غلامی کی نسبت ہوئی ہے شنا خواں نہیں ہیں۔ ہیکوٹن غالب ہے کہ ہندوستان میں درمیان ہندوستانی غلامیوں کے برہہ فروشی جاری ہے اور گورنمنٹ کچھ کافی تدبیر اس کے لیے نہیں کرتی۔ بعضی دفعہ ہیکوٹن خود انگریزی غلامی میں برہہ فروشی ہونے یا لوندھی اور غلام لانے کا شبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ کم کمبیوں کے ہاں نئی نئی پوپ کا اور ہیکوٹنوں کے ہاں نئے نئے چلیوں کا اور نولوں کے ہاں نئے نئے خواجہ سرلوں کا آنا سنتے ہیں۔ ہم دہل سے کہتے ہیں کہ ان سب باتوں کا گناہ اب تک انگریزی گورنمنٹ کے سر پر ہے موجودہ قانون ان امور کے تدارک کے لیے کافی نہیں ہیں مگر امید ہے کہ کسی دن یہ رسم بد ہندوستان سے بالکل موقوف ہوگی۔

یہ سب تو رہے کہ اگرچہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمان گورنمنٹوں نے اس باب میں کیا عزت کمائی ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں دین و دنیا دونوں کا خسران مسلمان گورنمنٹوں کو نصیب ہے۔ اب جب مسلمان گورنمنٹوں کے آؤر کمیں غلاموں کی تجارت جاری نہیں ہے ہم نے جو دین و دنیا دونوں کا خسران مسلمان گورنمنٹوں کی نسبت منسوب کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ مذہب اسلام کے مطابق غلاموں کی تجارت اور برہہ فروشی جائز نہیں ہے۔ ایک یہ گناہ ہے اور دوسرا گناہ عظیم یہ ہے کہ غیر قرین اسلام پر طعن مارتی ہیں اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں کیونکہ وہ ان مسلمان گورنمنٹوں کے افعال سے یہ غلط نتیجہ نکالتی ہیں کہ مسلمان مذہب میں یہ باتیں جائز نہیں۔ سلطان دوم نے در باب بند کرنے تجارت غلاموں کے کوشش کی سب سے اور جہاں تک ان کی غلامی یورپ کے ٹکڑے میں ہے وہ ان کی قدر و کوشش کو بھی ہوئی ہے مگر اس کے سوا کچھ کام نہیں ہوئی۔ کیا افسوس اور شرمندگی کی بات ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ عرب میں گائے بیل کی مانند نہایت بے رحمی سے لوندھی غلام بازار میں پکتے ہیں۔ دیکھو غلط اقدام مذہبی میں پڑنا اور تجارتی رسم کی تقلید کرنا انسان کو ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ سلطان سے ایسی قسم پیچ کا جس کے ناجائز اور خلاف شرع ہونے پر علماء اور قضاہ پابخت نے فتویٰ بھی دیا ہے کچھ انتظام نہیں ہو سکتا اور اس فعل ناشائستہ سے دنیا میں جو دولت اور



حقارت اور وحشی اور نصف وحشی کا لقب ہے۔ وہ تو خود ہی ظاہر ہے۔ پس مسلمان کو یہ غلطیوں کو اس فعل کے سبب ہماری ملامت کرنا اور ضرر الدنیا والاخرہ کہنا کچھ خلاف نہیں ہے۔  
مگر مصر کا حال سن کر ہار دل تھوڑا سا خوش ہوتا ہے۔ ولیم ہورڈ رسل صاحب جو نہایت نامی گرامی ہیں اپنے روزنامہ میں اسماعیل پاشا خدیو مصر کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے اس نیکی کے حامل کرنے اور مردم بد کے موقوف کرنے میں بڑی کوشش کی ہے اور کسی قدر کامیاب بھی ہوا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو ہم بھی دل سے اسماعیل پاشا کی خیرناتے ہیں اور دعا دیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں مگر ہم نے جو ٹھنڈے دل سے یہ دعادی اُس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خود مصر میں دیکھا ہے کہ حبشی غلام خواجہ سرانہایت کثرت سے ہیں اور خود اسماعیل پاشا کے محل میں موجود ہیں۔ پس یہ کیا خدا کی دوسری لعنت یعنی ایک غلامی اور دوسرے خواجہ کرنا مصر والوں کی سیاہ روٹی اور پُرس وحشی ہونے کے لئے کم ہے۔ انھوں نے کہ ان ناخدا تین مسلمانوں نے اپنے افعال قبیحہ سے کیسے روشن مذہب اسلام کو برباد کیا ہے اور دھبہ لگایا ہے۔ سبحان تہ۔ جو فعل مغض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھا اسی قسم کے لوگ یعنی خواجہ سرانہ روضہ متبرکہ رسالت اب علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام پر اور خانہ کجہ پر تعین کیے گئے ہیں اور یہ بیٹے کے پھوٹے مسلمان اُس کو باعث افتخار جانتے ہیں اور اُس کے مخالف کو لاندہب یا کر شان بتاتے ہیں۔ فاعقبہ ذللاً اولی الاقبصار۔

اگرچہ سٹرسل صاحب کی کتابت علی غلامی مصر پر کہ ہار دل خوش ہو مگر جس لفظ نے ہمارے دل کو نہایت رنجیدہ کیا اُس کا میان کرنا بھی ہرگز ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں انھوں نے اسماعیل پاشا کے اس نیک کام کی تعریف کی ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے برخلاف اپنے مذہب ایمان کے یہ نیک کام کیا ہے۔ اس تحریر پر ہم کچھ سٹرسل صاحب سے ناراض نہیں ہوئے انھوں نے ٹھیک لکھا ہے مگر ان کا فرض مسلمانوں سے ناراض ہوئے جنہوں نے اپنے افعال ناشائستہ کو ایسے طور پر رواج دیا ہے جس کے سبب غیر توہین اُن افعال کو مذہبی اور ایمانی افعال سمجھتی ہیں اور مذہب اسلام کو حقارت سے دیکھتی ہیں تو سمجھتی ہیں کہ تہذیب اور شائستگی اور انسانیت مذہب اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی پس ہم نے یہ مضمون ہی لئے اختیار کیا ہے تاکہ ہم دکھائیں کہ مذہب اسلام نے غلاموں اور غلامی کی نسبت کیا کیا ہے اور کس طرح رحم اور انسانیت اور تہذیب کو اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم دوسرے

آرٹیکل میں جو غلامی لکھینگے اُس میں سب اسلام کے مطابق مفسون غلامی پر بحث کریں گے اور اسلام کی روشنی (مگر نہ زید و عمرو کی) دنیا کی آنکھ میں دکھائیں گے۔ من اور دوست میدارم و دیگران زید و عمرو را

## عورتوں کے حقوق

تریت یافتہ ملک اس بات پر بہت غل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں بے اختیار آؤنیش کے مساوی ہیں اور دونوں برابر حق رکھتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جاوے۔ اگر تشیلا کہا جاوے کہ عورت انسان کے لیے بمنزلہ بائیں ہاتھ کے ہے اور مرد بمنزلہ دائیں ہاتھ کے۔ یا قدر و قیمت میں عورت بمنزلہ سوا آنے کے ہے اور مرد بمنزلہ روپیہ کے۔ تو بھی اس پر راضی نہیں ہوتے۔ البتہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر قدر و منزلت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے اور اُن کے حقوق اور اُن کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہے اُس قدر آج تک کسی تربیت یافتہ ملک میں نہیں ہے۔ انگلنڈ جو عورتوں کی آزادی کی بڑی حامی کار ہے جب اس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہے نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور ناقابل اور لاشے سمجھا ہے۔ انگلنڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود تصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے تبدیل ہو جاتی ہے۔

وہ کسی قسم کے معاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس لیے وہ کسی ستادین کی جو اُس نے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہوئی ہمارے نہیں ہو سکتی۔ جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائیداد قبل شادی عورت کی ملک ہو وہ سب بعد شادی کے بقبضہ شوہر آ جاتی ہے۔

جو جائیداد عورت کو وراثتاً قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اُس سب پر اُس شوہر کا حین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وہی اُس کا ماحل ہوتا ہے۔ وہ مثل البقیل شخص کے نہ کسی پر دعویٰ کر سکتی ہے اور نہ اُس پر کوئی دعویٰ رجوع کر سکتا ہے۔

وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیع نہیں کر سکتی۔

وہ بجز رونی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خج کے جو ضروریات زندگی کے لیے درکار ہے اور کوئی خج بغیر مرضی شوہر کے نہیں کر سکتی۔  
 سنہ ۱۸۵۹ء میں پارلیمنٹ میں منگواہ عورتوں کی جائیداد کا ایک بل پیش ہوا تھا اسی میں صریح بات چاہی گئی تھی کہ وہ قانون جس کے ذریعہ سے بعد شادی کے عورت اپنی جائیداد سے محروم ہو جاتی ہے منسوخ کیا جاوے۔

آئریل سٹورٹل گزنی ممبر پارلیمنٹ نے یہ مسودہ قانون کا پیش کیا تھا اس وقت اُنھوں نے نہایت تصفیہ ثابت یہ کہی تھی کہ حال کے قانون کے بموجب جو کچھ جائیداد عورت کے پاس قبل شادی ہوتی ہے اور بعد شادی ملتی ہے اور جو کچھ کہ وہ اپنی محنت و لیاقت سے کماتی ہے بعد شادی کے وہ اُس کا نہیں رہتا۔ سب پر شوہر مالک ہو جاتا ہے۔ پس شادی کا اثر اس عورت پر ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کسی آدمی کا قبل شادی کا اثر ہوتا ہے۔  
 اس وقت کو تمام ہنس آف کا منتر نہیں پڑا۔ اور کئی برسوں نے آئریل سٹورٹل گزنی کی تائید کی۔ پس انگلستان کے قانون کا عورتوں کی نسبت یہ حال ہے اور غالباً کوئی قانون اس سے زیادہ خراب اور بھشتہ رساں اور نا انصاف نہ ہوگا۔

## ذکر مسلمان قانون کا نسبت عورتوں کے

اب خیال کرو کہ مسلمان قانون میں عورتوں کو کس طرح عزت دی گئی ہے اور مردوں کے برابر ان کے حقوق اور اختیار تسلیم کیے گئے ہیں۔  
 حالت نابالغی میں جس طرح مرد اُسی طرح عورت بے اختیار اور ناقابلِ معاہدہ متصور ہے۔  
 اگر بعد بلوغ وہ بالکل مثل مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لائق ہے۔  
 جس طرح مرد اُسی طرح عورت اپنی شادی کرنے میں مختار ہے جس طرح مرد کی بے ضمانت بیاہ نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہو سکتا۔  
 وہ اپنی تمام ذاتی جائیداد کی خود مالک اور مختار ہے اور ہر طرح اُس میں تصرف کر سکتا اُسکو اختیار کامل حاصل ہے۔  
 وہ مثل مذکور کے ہر قسم کے معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اُسکی ذات اور اُسکی جائیداد اُن سب ہر وہ معاہدہ دستاویزوں کی پہچان پر قائم ہے جو اُس نے تحریر کی ہوں۔

جو بایاد قبل شادی اور بعد شادی اُس کی ملکیت میں آئی ہو وہ خود اُسکی مالک ہے اور خود اُس کے حاصل کی لینے والی ہے۔  
 وہ مثل مرد کے دعویٰ بھی کر سکتی ہے اور اُسپر بھی دعویٰ ہو سکتا ہے۔  
 وہ اپنے مال سے ہر ایک چیز خرید سکتی ہے اور جو چاہے اُسکو بیچ کر لیتی ہے وہ مثل مرد کے ہر قسم کی جائیداد کو سیر اور وصیت اور وقف کر سکتی ہے۔  
 وہ ورثہ داروں اور شوہر کی جائیداد میں سے ہر ترتیب وراثت ورثہ پاسکتی ہے۔  
 وہ تمام مذہبی نیکیوں کو جو مرد حاصل کر سکتا ہے حاصل کر سکتی ہے۔  
 وہ تمام گناہوں کے عوض میں دنیا اور آخرت میں وہی سزائیں پاسکتی ہے جو مرد پاسکتا ہے۔

کوئی قید خاص عورت پر بجز اُس کے جو خود اُس نے بسبب معاہدہ نکاح کے اپنے پر قبول کی ہیں یا اُس تفاوتِ شرع و عورت میں جو پچھریں قدرت نے دونوں میں مختلف طور سے بنایا ہے ایسی نہیں ہے جو مرد پر نہ ہو۔ یہ حقیقت میں مذہب اسلام میں جس طرح کہ عورت مرد کو برا بھلا ہے ویسا ہی نہ کسی مذہب میں ہے اور نہ کسی قوم کے قانون میں ہے۔  
 مگر تعجب اور کمال تعجب اس بات میں ہے کہ تمام تربیت یافتہ ملک مسلمانوں کی عورتوں کی جو حالت ہے اُسپر تربیت کچھ نام رکھتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تربیت یافتہ ملک کی عورتوں کی حالت مسلمانوں اور مسلمان ملک کی عورتوں کی حالت سے بدرجہا بہتر ہے حالانکہ معاملہ بالعکس ہونا چاہیئے تھا۔

عورتوں کی حالت کی بہتری جو تربیت یافتہ ملکوں میں ہم نے تسلیم کی ہے اُس میں کچھ یہی خیال نہیں بے پردگی کی آزادی کا نہیں کیا ہے کیونکہ ہماری رائے میں ہندوستان میں اس باب میں جس قدر نقص ہے اُس قدر تربیت یافتہ ملکوں میں افراط ہے اور جو حد کہ شرع نے مقرر کی ہے اور جہاں تک کہ انسان اُس پر غور کر سکتا ہے اول یہی عقل کو کام میں لاسکتا ہے بلاشبہ جیسی حد نہایت درست اور ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اس مقام پر جو بہکاوہ بحث ہے وہ صرف مردوں کے عورتوں کے ساتھ جن سلوک اور جن معاشرت اور تواضع اور خاطر داری اور محبت اور پاس خاطر اور اُن کی آسائش اور آرام اور خوشی اور فرحت کی طرف متوجہ ہونا اور انکو ہر طرح پر خوش رکھنا اور جو جن اس کے کہ عورتوں کو اپنا خدمت گزار تصور کریں اُن کو اپنا

انہیں اور مجلس اور بیخ و راحت کا شریک اور اپنے کو ان کی اور ان کو اپنی باعث سترت اور تقویت کے سمجھنے پر بحث ہے۔ بلاشبہ جہاں تک کہ یہ معلوم ہے تربیت یافتہ ملکوں میں عورتوں کے ساتھ یہ تمام مراتب بخوبی برتے جاتے ہیں اور مسلمان ملکوں میں ایسے نہیں برتے جاتے اور ہندوستان میں تو ایسی نالایقی اور خاک اڑتی ہے کہ نود بائند مہنا +

جو لوگ کہ ان خرابیوں کو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں یقینی ان کی غلطی ہے بلکہ ہندوستان میں جس قدر کہ عورتوں کی حالت میں تشویش ہے صرف اسکا باعث احکام مذہب اسلام کی بخوبی پابندی نہ کرنا ہے۔ مگر ان کی پابندی کیجیادے تو بلاشبہ یہ تمام خرابیاں دور ہو جاویں۔ محمد اثر باعث اس کا ان سویلئزیشن نامذہب ہونا مسلمانوں کا ہے۔ مذہب قوموں نے باوجود یکاں کے مابین کا قانون نسبت عورتوں کے نہایت ہی ناقص اور خراب تھا اپنی عورتوں کی حالت کو نہایت اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچایا ہے اور مسلمانوں نے باوجودیکہ ان کا مذہبی قانون نسبت عورتوں کے اور ان کی حالت کی بہتری کے تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تھا مگر انھوں نے اپنے نامذہب ہونے سے ایسا غراب برتاؤ عورتوں کے ساتھ اختیار کیا ہے جس کے سبب تمام قومیں ان کی حالت پر ہنستی ہیں اور ہمارسی ذاتی برائیوں کے سبب اس وجہ سے کہ قوم کی قوم ایک حالت پر ہے الا ماشاء اللہ اس قوم کے مذہب پر عیب لگاتی ہیں اب یہ زمانہ نہیں ہے کہ ہرمان باتوں کی غیرت نہ کریں اور اپنے چال چلن کو درست نہ کریں اور جیسا کہ مذہب اسلام روشن ہے خود اپنے چال چلن سے اسکی روشنی کا ثبوت لوگوں کو نہ دکھاویں +

## طریقہ زندگی

قوموں کی عزت یا ذلت ان کی رسم و رواج اور ان کے طریقہ زندگی اور کچھ کچھ ان کے مذہب سے بھی علاقہ رکھتی ہے۔ تمام قوموں میں بہت سی رسمیں مشابہ اور نا تربیت یافتہ زمانہ کی ابتداء چلی آتی ہیں۔ مگر تربیت یافتہ قوموں نے ان رسموں کو تراش خواش کر لیا ہے کہ انہیں وحشیانہ جن مطلق نہیں رہا بلکہ نہایت فحش بخش اور دلکش ہو گئی ہیں اور نا تربیت یافتہ قومیں اب تک بدستور وحشیانہ طور سے ان کو برتنی آتی ہیں اور ایسی لمبے پہلی قومیں پھیلی کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں +

اکثر قوموں نے قدیم زمانہ میں طریقہ زندگی بقتضائے آب و ہوا ہر ایک ملک کے اختیار کیا تھا جو اکثر نہایت سادہ و مختار آئینہ تھا مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُس میں اصلاح کرتے کرتے اعلیٰ درجہ کی ترقی اور شائستگی پر پہنچا دیا اور تا تربیت یافتہ قومیں اُسی جہالت میں پڑی رہیں اور اس لئے پہلی قوموں کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہیں۔

یہ امر بھی بہت واقع ہوا ہے کہ سبب نہ ہونے فن و ہنر کے ہر ایک قوم نے جو طریقہ زندگی بسر کرنے کا اختیار کیا تھا وہ اُس زمانہ میں حقیر نہ تھا مگر حال کے زمانہ میں ذلیل ہو گیا ہے چنانچہ جس قدر فن و ہنر و صنعت کاری نکلتی آئی اُسی قدر تربیت یافتہ قوموں نے ساز و سامان سے اپنے طریقہ زندگی کو آراستہ کر لیا اور جنہوں نے ایسا نہ کیا وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل نام تربیت یافتہ رہیں۔

طریقہ زندگی سے قوموں کی ذلت اور عزت کا ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر ہم چند مثالوں سے اُسکو اور زیادہ واضح کرتے ہیں۔ ہندوستان میں کبجروں کی قوم کو دیکھو جو ایک لنگوٹی باندھے رہتی ہے اور نہایت سیکہ بدن اور بخل ٹاتھ پاؤں رکھتی ہے اور نہایت میلے بدبودار برتن استعمال میں لاتی ہے۔ غذا بھی اُن کی نہایت کثیف ہے اور طرز کھانے کا بھی ایسا بُرا ہے جسے دیکھ کر گھٹن آتی ہے۔ پس وہ قوم صرف اپنے طریقہ زندگی کے ذیل میں ہونے کے سبب ہمارے آنکھ میں ذلیل و خوار معلوم ہوتی ہے۔

اب اُن قوموں کو دیکھو جو اُن سے درجہ بدرجہ طریقہ زندگی کی اصلاح میں ترقی کرتی گئی ہیں مثلاً چارجن کا لباس اور طریقہ زندگی کبجروں سے بد جہا اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں ذلیل نہیں ہیں چاروں کی نسبت عالم عرب گواروں کا لباس اور طریقہ زندگی بد جہا نہایت عمدہ اور اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں چنداں ذلیل نہیں ہم کبھی اُن کے گھر بھی جاتے ہیں۔ اُن کے ہاں کا پانی بھی پیتے ہیں۔ اُن کے گھر کی پتی ہوئی روٹی بھی کھاتے ہیں۔ اور کچھ نفرت نہیں کرتے۔

علامہ ان کے تین قومیں اور ہندوستان میں ہیں جو اپنے تئیں مذہب و مذہب تربیت یافتہ و شایستہ سمجھتی ہیں۔

ہندو مسلمان۔ انگریز ان تینوں قوموں کا جو طریقی لباس اور طرز زندگی اور کھانے پینے کی رسم اور اٹھنے بیٹھنے کی عادت ہے اُس سے تمام لوگ ہندوستان کے بھائی واقع ہیں۔ مگر

اس میں کچھ ترک نہیں کرتے انہیں قوموں میں سے جس قوم کا طریقہ اعلیٰ ہے وہ قوم باقی دو قوموں کو ایسا ہی دلیل اور تربیت یا نہ ارتقا بل لغت کے سمجھتی ہے جس کے ہم اپنے سے ذیلی قوموں کو سمجھتے ہیں :

مسلمان اپنی دانستہ میں اپنے لباس اور اپنی مجلس میں نہایت آراستگی اور شان و شوکت کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو انواع انواع طرح کے لذیذ کھانوں سے اور خوب تر و بھتر سونے اور چاندی اور چمچیں اور بلوہیں برتنوں سے آراستہ کرتے ہیں مگر جو قوم کہ ان سے بھی زیادہ لباس میں اور کھانے پینے کے طریق میں زیادہ صفائی رکھتی ہے وہ ان کو اچھا کرت اور ذات سے دیکھتی ہے :

جو لوگ کچھ اور کائناتوں سے کھاتے ہیں اور ہر ذرہ کابیاں اور چھری کانٹے چمچے ملتے جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھ سے کھانے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کو نہایت لغت اور کراہیت آتی ہے :

ترکوں نے اگر چہ اپنا طریقہ بدل لیا ہے مگر مصر میں عورتیں اب تک نیچی میز پر کھانا کھا کر اوتھ سے کھاتی ہیں تھوڑے دن ہوئے کہ پرنس آف ویز یعنی ولیم د سلطنت انگلستان پرنس آف ویز یعنی ولیم بیگم کے مصر میں سیر کو تشریف لے گئے تھے۔ اسٹیل پشا خدیو مصر کی ان پرنس آف ویز یعنی ولیم بیگم کی مجلس لے کر انہیں دعوت کی اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا پرنس آف ویز کے ساتھ انہیں مس ولیم گری صاحب بھی بطور مصاحب کے تھیں اور دعوت میں بھی شریک تھیں۔ انھوں نے وہاں سے واپس کر سفر کا حال لکھا ہے چنانچہ جو کچھ انھوں نے طریق کھانا کھانے کی نسبت لکھا ہے اسکا انتخاب ہم اس مقام پر لکھتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہو کہ دوسری قوم جو بے زیادہ صفائی سے کھاتی ہے ہمارا کھانا کھانے کے طریق کو کیسا خیال کرتی ہے :

مصر صاحب ممدوح اس طرح لکھتے ہیں کہ کھانے کے کمرے کے اندر چاندی کی ایک کول میز بھی ہوتی تھی۔ فرش سے ایک فٹ اونچی اور ایک ذرا اون معلوم ہوتا تھی اس کے گرد گھبے چمچے ہر کئے تھے۔ ہم سب اپنی پالتی مار کو میز کے گرد گھبوں پر بٹھائے۔ خدیو مصر کی ان کی داہن طرف پرنس آف ویز بیٹھیں اور پھر سب کیات درجہ بدرجہ بیٹھیں :

سب سے پہلے ایک بائیں منہ کا شوربا اور چائول یعنی خشک آریا اور پی کے چمچے ملے۔ مگر نہ

چھری تھی نہ کانا تھا۔ اُس کے بعد بڑا ملن آیا اور دفعہ دوسرے قہم کے کھانے آئے جو باتوں سے  
اور انگلیوں سے توڑ توڑ کر کھائے جاتے تھے ۛ

جس قدر عجیب کو اس سے نفرت ہوئی اور پھر بری آ آ کرتے ہونے کی نوبت ہوئی ایسی کبھی  
نہیں ہوئی۔ کھانے میں انگلیوں کا ڈبویا جانا دیکھ کر اور انگلیوں سے توڑ کر کھانے سے  
ایسی نفرت اور گھسن آتی تھی کہ میں نے ایک آدھ دفعہ تو کھانے سے انکار کر دیا مگر جو میکر کر سیر  
پاس بیٹھی ہوئی تھیں انھوں نے جانا کہ میں شر ماتی ہوں تو ہر دفعہ کھانا اپنے ہاتھ سے لیکر  
سیری رکالی میں رکھ دیتی تھیں اور ایک فوشور دے میں سے پیاز نکال کر میرے آگے کھدی  
اور سیر لہجی مسلاتا جاتا تھا کھانے پر شراب ملتی نہ تھی۔ انتہی مخلصاً ۛ

مبس گرسے صاحبہ کا جو یہ حال ہوا بلاشبہ زیادہ اُس کا سبب یہ تھا کہ اس طرح پر کھانی کی  
اُن کو عادت نہ تھی مگر انصاف سے کہو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیے کہ چھری اور چچے سے کھانا  
اور ہر قسم کے کھانے کے لئے جدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھ سے کھانا کھانے کے زیادہ  
محمدی و صفائی اور نفاست رکھتا ہے ۛ

یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہاتھ سے کھانا سنون ہے اور اسکو حقیر سمجھا کفر تک نوبت  
پہنچا دیتا ہے۔ ہم اس لئے کی صحت و سقم کی بحث سے قطع نظر کر کر اسکو تسلیم کرتے ہیں اور جو یہ  
کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی ادھی پیروی کرنا باعث ذلت ہے اگر مسلمان یہ بھی گوارا کریں کہ  
مغربن کھانے جس سے ہاتھ اور بدن بھر جاتا ہے اور یہی امر باعث نفرت اور گھسن آئے کا ہوتا  
ہے چھوڑ دیں اور بچوں کے ہنچنے آئے کی سوکھی روٹی لکری یا کھجور سے کھالیا کریں تو اُن  
بزرگوں کی پوری پوری پیروی ہوگی اور اُس وقت میں کوئی بھی ہاتھ سے کھانے پر نفرت  
نہ لگتا مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کھانے تو جو ہیں فرعون اور طریق کھانے کا ہو سونی ۛ

ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اُس نے ہم کو اپنی نعمتیں عطا کی ہیں ہم اُن کو استعمال کریں اور  
عملی طور پر اُس کا شکر بجا لادیں اور جبکہ ہم یہ خیال کریں کہ ان شان کی چیزوں کا ہم بہ نظر تکبر و  
غور استعمال نہیں کرتے بلکہ بطور ادائے شکر ولی نعمت استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی قوم کو  
غیر قوموں کی نگاہ میں جودلت ہے اُس سے نکالتے ہیں جس میں اسلام کی بھی عزت ہے تو  
اُس وقت تو ہم چچے اور چھری کا نئے سے کھانا منہ و بات اور سجات سے کم نہیں سمجھتے کما  
قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما الاعمال بالنیات ۛ



## تعلیم و تربیت

ایک صنف کی ایک بات کو ہم اپنی طرز پر اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔  
 تعلیم اور تربیت کو ہم منہی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جدا جدا دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ انسان  
 میں ہے اسکو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے۔ اور اسکو کسی کام کے لائق کرنا اس کا تربیت  
 کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہیں ان کو تحریک دینا اور شکستہ  
 شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اسکو کسی ملت کا مخزن اور مجمع بنانا اسکی تربیت ہے۔  
 انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کے  
 دل کی سوتوں کا کھولنا اور اندر کے سرچشمے کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قوی  
 کو حرکت میں لانے اور شکستہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو تربیت کرنا اس کے  
 لیے سامان کا مہیا کرنا اور اس سے کام کا لینا ہے جیسے جہاز طیارہ ہونے کے بعد اسپر بوجھ  
 لانا اور حوض بنانے کے بعد اس میں پانی کا بھرننا پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانی ضرور  
 نہیں ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرنا اور اس کے دل کو تربیت کرتے کرتے سوختہ تک بھردو۔  
 مگر اس سے دل کی سرچی سوتیں نہیں کھلتیں بلکہ بالکل بند ہو جاتی ہیں۔ اندرونی قوی کو حرکت  
 دینے بغیر تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہیں ہوتی اس لیے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت  
 تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بری۔ یہی ٹھیک ٹھیک حال ہم مسلمانوں کے عاموں اور  
 تربیت یافتہ لوگوں کا ہے کہ تربیت تو نہایت اچھی ہے اور تعلیم کچھ نہیں۔ ظاہر میں دیکھو تو  
 صمطراق بہت کچھ مگر حجب اصلیت ڈھونڈو تو کچھ نہیں۔ بھاری بھر کم تو عمامہ و دستا بھر  
 اور گرتے سے بہت کچھ مگر دل کی اور اندرونی قوی کی شکستگی دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ نہایت  
 عمدہ قول ہے کہ کتابوں کا پڑھا دینا تو تعلیم کا نہایت اونٹے اور سب سے زیادہ حقیر جزو ہے بلکہ  
 اس قسم کے بہت سے پڑھنے سے جس میں اندرونی قوی کی تحریک اور شکستگی نہ ہو جس قدر  
 دل کے قوتے کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہیں ایسے اور کسی چیز سے نہیں ہوتے۔ ہم اپنے ماں  
 کے عالموں کا حال بالکل یہی دیکھتے ہیں کہ ان کے روحانی قوی بالکل نیست و نابود  
 ہو جاتے ہیں اور صرف زبانی بکبک یا کتبہ وغور اور اپنے آپ کو بے مثل و نظیر قابل ادب  
 سمجھنے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا زندہ ہوتے ہیں مگر دلی اور روحانی قوی کی شکستگی کے

اعتبار سے بالکل مردار ہوتے ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور جس قدر عمدہ کتابیں افراط سے بہم پہنچیں ان کو اور زیادہ پڑھتے ہیں اور ان سے تربیت حاصل کرتے ہیں اور ایسے میل کی مانند ہوتے ہیں جو برابر چرنا ہے اور پھر بھی چراگاہ ہی میں رہنے کی خواہش کرتا ہے پس کتابیں پڑھ لینے سے انسانیت نہیں آجاتی بلکہ وہ کتابی علم خود ان پر بوجھ ہوتا ہے۔

اس تحریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ جو ہم پر نازل ہو رہی ہے کہ ہم نے اپنے دل کو اور اپنے اندرونی قویٰ کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہیں وہ بھی بوجھ بن کر روحانی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کر کے ان کو پھر مردہ بلکہ مردہ کر دیتا ہے اور ہمارے قویٰ کو جو حقیقت پر مشتمل تمام شکیوں کے ہیں بالکل کمزور اور ناکارہ کر دیتا ہے اور ہماری حالت تمام معاملات میں کیا دین کے اور کیا دنیا کے خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ہمارے اپنے پر رحم کرنا چاہیے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیے جو اندرونی قویٰ کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کی سوتوں کو کھول کر سرخی و شہرہ سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو۔

## کابل

یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کابل سے محنت نہ کرنا کام کاج محنت مزدوری میں جتنی نہ کرنا اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں سستی کرنا کابل ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کابل ہے۔ ہاتھ پاؤں کی محنت اوقات بسر کرنے اور دلی کا کھانے کے لئے نہایت ضروری ہے اور اور دلی پیدا کرنا اور بیٹ بھرنے کا ایسی چیز ہے کہ مجبور ہی اس کے لئے محنت کی جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں کی کابل چھوڑی جاتی ہے اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ محنت مزدوری کر نیوالے لوگ اور وہ جو کہ اپنی روزانہ محنت سے اپنی بسر اوقات کا سامان مہیا کرتے ہیں بہت کم کابل ہوتے ہیں۔ محنت کرنا اور سخت محنت کاموں میں ہر روز لگے رہنا گویا ان کی طبیعت ثانی ہو جاتی ہے مگر جن لوگوں کو ان باتوں کی حاجت نہیں ہے وہ اپنے دلی قویٰ کو بیکار چھوڑ کر بڑے کابل اور بالکل حیوان صفت ہو جاتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پڑھنے میں ترقی بھی کرتے ہیں اور ہزار پڑھے لکھوں میں سے شاید ایک کو ایسا موقع ملتا ہو گا کہ اپنی تعلیم کو اور اپنی عقل کو ضرورتاً کام میں لاوے لیکن اگر

انسان اُن عارضی ضرورتوں کا منتظر ہے اور اپنے دلی قومی کو بیکار ڈالنے سے تو وہ نہایت سخت کابل اور وحشی ہو جاتا ہے۔ انسان بھی مثل اُور میوانوں کے ایک میوان ہے اور جبکہ اُس کے دلی قومی کی تحریک سُست ہو جاتی ہے اور کام میں نہیں لائی جاتی تو وہ اپنی قومی خصلت میں پڑ جاتا ہے اور جسمانی باتوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسانی صفت کو کھو کر پورا میوان بن جاتا ہے پس ایک انسان پر لازم ہے کہ اپنے اندرونی قومی کو زندہ رکھنے کی کوشش میں رہے اور اُن کو بیکار نہ چھوڑے ۵

ایک ایسے شخص کی حالت کو خیال کرو جس کی آمدنی اُس کے اخراجات کو مناسب ہو اور سکے حاصل کرنے میں اُسکو چند ان محنت و شقت کرنی نہ پڑے جیسکہ ہمارے ہندوستان میں ملکبوں اور لانخراج داروں کا حال تھا اور وہ اپنے دلی قومی کو بھی بیکار ڈال دے تو اُس کا حال کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اُسکے عام شوق و حشیانہ باتوں کی طرف مائل ہوتے جاویں گے۔ شراب پینا اور مزیدار کھانا اُسکو پسند ہوگا۔ قمار بازی اور تماشہ بینی کا عادی ہوگا اور یہی سب باتیں اُس کے وحشی بھائیوں میں بھی ہوتی ہیں البتہ اتنا فرق ہوتا ہے کہ وہ پورا بدسلوکی و وحشی ہوتے ہیں اور یہ ایک وضع دار وحشی ہوتا ہے۔ شراب پی کر دینک پر پڑے رہنا اور بچوان کے دھوئیں اڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے اور جنگل کے ریت پر پڑے رہنا اور ناریل میں تبا کو کے دھوئیں اڑانا اُسکو پسند ہوتا ہے پس بچوان اور ناریل اور بچھوٹے اور ریت کے فرق سے کچھ شبہت میں جو رہاں دونوں میں ہے کہی نہیں جاتی ۵

ہم قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوستانہیں کے ایسے کام بہت کم ہیں جن میں اُن کو قوائے دلی و رقت عقلی کو کام میں لانے کا موقع ملے اور برخلاف اس کے اُور ولایتوں میں اور خصوصاً انگلستان میں اُن کے لوگوں کے ایسے موقع بہت ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اگر انگریزوں کو بھی کوشش اور محنت کی ضرورت اور اس کا شوق نہ ہے جیسا کہ اب ہے تو وہ بھی بہت جلد وحشت پنہ کی حالت کو پہنچ جاویں گے مگر ہم اپنے مہوطنوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو بھوکا اپنے قوائے دلی اور قوت عقلی کو کام میں لانے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ اس کا بھی سبب یہی ہے کہ مجھے کاہلی اختیار کی ہے یعنی اپنے دلی قومی کو بیکار چھوڑ دیا ہے۔ اگر بھوکا قوت عقلی اور قوت عقلی کے کام میں لانے کا موقع نہیں ہے تو بھوکا ہی کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ موقع کیونکر حاصل ہو اگر اُس کے حاصل کرنے میں ہمارا کچھ قصور ہے

تو اسی کی فکر اور کوشش چاہیے کہ وہ قصہ کیونکر نفع ہو۔ غرض کہ کسی شخص کے دل کو بیکار پڑنا رہنا نہ چاہیے کسی کسی بات کی فکر و کوشش میں مصروف رہنا لازم ہے تاکہ بیکار اپنی تمام ضروریات کے انجام کرنے کی فکر اور استعداد رہے اور جب تک کہ ہماری قوم سے کاہلی یعنی دل کو بیکار پڑ کر کٹنا نہ چھوڑے گا اس وقت تک بیکار اپنی قوم کی بہتری کی توقع کچھ نہیں ہے نہایت حکیمانہ قول ہے کہ۔

بیکار رہا بسش کچھ کیا کر + مگر نہ سکے تو کچھ کساکر

## طریقہ تناول طعام

صد اور فضا نیت انسان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ کسی بھی بات کو خفہ سے نہ ماننا اور انکی نیک و بد پر غور نہ کرنا حقیقت انسان کا کام نہیں ہے + اس وقت ہم کو انگریزوں کی طرح ٹھہری کانٹے سے مین کر ٹی لگا کر کھانے پر بحث ہے اور نہ ہم کو ترکوں کی تقلید کی مہوس ہے بلکہ ہم کو نہایت سیدھی طرح سے کھانے کے طریق پر غور کرنی ہے اور بلا تبدیل وضع جس قدر کہ اس کے نقصان نفع ہو سکتے ہیں اسی پر بحث کرنے سے غرض ہے +

ہندو جو کہ میں چھوٹی چھوٹی پیالیوں یا شیشیوں یا پتلوں میں تھوڑا تھوڑا سبب قسم کا کھانا چن کر آگے رکھ لیتے ہیں اور ہر ایک میں سے کچھ کچھ کھاتے جاتے ہیں اور جو بچھا ہے۔ وہ اسی برتن میں دھرا رہتا ہے جس میں انھوں نے کھایا تھا اور اس سبب سے کھانے کے وقت ان کے سامنے چھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا سبب دھرا رہتا ہے اور کھا چکنے کے بعد وہ سب اٹھ جاتا ہے +

ہندوستان میں مسلمانوں کے کھانا کھانے کا بھی یہی طریق ہے جو ہندوؤں کا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہندو جو کہ میں بیٹھتے ہیں مسلمان دسترخوان سجھا کر بیٹھتے ہیں۔ جس طرح ہندو سب طرح کا کھانا ایک ساتھ اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی قابوں اور گالوں اور غوریوں اور شیشیوں اور پیالوں میں سب طرح کا کھانا اور سب قسم کی روٹی اور ہر طرح کے کباب اور فیرنی کے خانچے اور بدانی کے پیالے اور چار برتن کی پیالیاں سیٹلا کے پوجا پے کی طرح سب اپنے آگے رکھ لیتے ہیں اور اس ایک دسترخوان پر کوئی تو فیزیکل شہادت کی انگلی سے اور

کوئی دست بخر چاروں انگلیوں سے چاٹ رہا ہے۔ کوئی پلاؤ میں اُردی کا سالن بلا بلا کر کھا رہا ہے۔ کسی نے سالن ملا ہوا پلاؤ کھا کر نان ابی سے تھرا ہوا پنجہ مبارک پونچھ کر روٹی کو سالن میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کیا ہے۔ کسی نے پورانی کے پیالے کو سوختے لگا سٹریا بڑا اور یہ کمر وائند بڑی تیز ہے اُدہ اُدہ کرنا شروع کیا ہے۔ تمام جھوٹے برتن اور نیم خوردہ کھانا اور چوڑی ہوئی بڑیاں اور روٹی کے ٹکڑے اور سالن میں کی نکالی ہوئی مکیاں سب آگے رکھی ہوئی ہیں۔ اس عرصہ میں جو شخص پہلے کھا چکا ہے اُس نے ہاتھ دھو کر کھنکار کھنکار کر گلا صاف کرنا اور پس سے دانت رگڑنے اور دیاں پر دو انگلیاں رگڑ رگڑ کر زبان صاف کرنا شروع کیا ہے اور بے تکلف بیٹھے کھانا نوش فرماتے ہیں نہ اُن ہاتھ سوختے دھونے والوں کو خیال ہے کہ ہم کھانا کھانے والوں کے تریب کیسی حرکات ناشائستہ کرتے ہیں اور نہ کھانا کھانی والوں کو اُن لوگوں کی کریمہ آوار سننے اور نذر دزد دہدی کے ملے ہوئے رنگ کا لعاب اُسے اور بزم کے لوتھرے تھوہ کر کر چمپی یا تاش میں تھوک دینے اور بتا سے کی طرح اُس کے پانی پر تیرتے پھرنے کی پرواہ ہے۔ نعوذ باللہ منہما۔

انگریز جس طرح کھانا کھاتے ہیں وہ سب پر روشن ہے اور اُس کا بیان بھی کچھ ضرور نہیں ہے کیونکہ ہمارے نیک متبع سنت ہو وطن اُس پر تو حدیث من تشبہ بقوم فہو منہم کا چھرا مارے گئے۔

عرب میں کھانا کھلانے کا یہ دستور ہے کہ ایک چوکی پر چھوٹا سا خوان بچھایا جاتا ہے اور ایک برتن میں ایک قسم کا کھانا آتا ہے اور جو لوگ چوکی کے گرد بیٹھتے ہیں وہ سب اُس میں کھانا شروع کرتے ہیں۔ چند لمحہ کھانے پر وہ برتن اٹھ جاتا ہے اور دوسری قسم کا کھانا دوسرے میں آتا ہے اور چند لمحہ کے بعد وہ بھی اٹھ جاتا ہے اور اسی طرح آتا جاتا رہتا ہے۔ اس طرح پر کھانے میں یہ فائدہ ہے کہ جھوٹے برتن اور جھوٹا کھانا سامنے نہیں رہتا۔

مگر جو غلی بن ہندوستان کے مسلمانوں میں کھانے کی مجلس میں ہوتا ہے نعوذ باللہ منہما کسی ملک کے کھانے کی مجلس میں نہیں جتنا پس نہایت شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی ہندو نفسانیت سے اس غلطی پر نہیں پڑے ہیں اور اسکی درستی و تہذیب پر متوجہ نہیں۔

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ میر نرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا کھاؤ یا عرب کی طرح چھوٹی چوکی پر ایک خوان بچھاؤ بلکہ شوق سے بسم اللہ و شروان پر کھانا تناول فرماؤ اور

گو بہت سی سہن دہی کے ادلی فکر نہ ہو زمین پر مٹی کھانا کھانے ہی کی سنت عادی کی پر پی  
 کرو مگر بڑے خدایہ غلی بن چوڑا اور سب طرح وضع پر کھانا کھانے میں جہاں تک اصلاح و  
 صفائی ہو سکے اُسکو اختیار کرو۔ صفائی و پاکیزگی اختیار کرنا تو شریعت میں ممنوع نہیں ہے +  
 مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب تک کسی کام کے لیے کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہیں  
 ہوتا اور نجی اُسکی پابندی نہیں کی جاتی اُس وقت تک وہ چلتا نہیں۔ اور جب وہ قاعدہ عام  
 ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ از خود اُس کا رواج ہو جاتا ہے اور سب لوگ اُس کو کرنے لگتے ہیں اور چند عرصہ  
 اُسی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ طبیعت ثانی لُٹی جاتی ہے +

پس ہمارا مقصد یہ ہے کہ طریقہ تناول طعام کے کچھ قواعد سوچے جاویں اور یہی طریقہ جو  
 دسترخوان پر مٹی کھانا کھانے کا ہے اسی میں ایسی اصلاح کی جاوے جس کو لوگ موردِ وطن میں  
 تشبہہ بقوم بھی نہ کریں اور اس غلی پنے سے نجات پاویں۔ چنانچہ ہم نے اس باب میں کچھ  
 قواعد تجویز کیے ہیں اور ہم اُن کو آئندہ کسی پرچہ میں لکھینگے +

سمجھ

## یعنی تمیز جس سے بھلائی برائی میں امتیاز کیا جاتا ہے

میرا یہ خیال ہے کہ اگر انسانوں کے دلوں کو چیر کر اُن کا حال دیکھا جاوے تو دانا اور نادان  
 دونوں کے دلوں میں کچھ تھوڑا ہی سافرق نکلیگا درنوں کے دلوں میں ہمیشہ بہت سے لغو  
 اور بیہودہ خیال آتے ہیں۔ بے شمار دوسرے دونوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں گراں دوزوں  
 میں ہی فرق ہوتا ہے کہ دانا آدمی اُن میں سے انتخاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کون سے خیالات  
 ایسے ہیں جن کو گفتگو میں لانا چاہیے اور کون سے ایسے ہیں جن کو چھوڑ دینا چاہیے۔ نادان  
 آدمی ایسا نہیں کرتا۔ اور جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے بے سوچے سمجھے موندتے بکتا جاتا  
 ہے وائشند آدمی بھی دوستوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں نادان کی مانند ہوتا ہے۔ جو  
 اُس کے دل میں آتا ہے بے تردد دوست سے کہتا ہے گویا اُس کو خیالات ہی ایک بلند آواز میں

آتے ہیں ۴

پہلی صاحب کا یہ قول ہے کہ انسان کو دشمن کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ رکھنا چاہیے کہ  
 اسکو دوست بنا لینے کا موقع رہے اور دوست سے اس طرح برتاؤ کرنا چاہیے کہ اگر کسی  
 دشمن ہو جاوے تو اس کے شر سے بچنے کی جگہ رہے۔ اس قول کی پہلے بات جو دشمن کے ساتھ  
 برتاؤ کی ہے وہ تو نہایت عمدہ ہے۔ مگر پھلی بات جو دوست کے ساتھ برتاؤ کی ہے وہ کچھ  
 اچھی نہیں۔ بس میں سمجھ کی کچھ بھی بات نہیں ہے بلکہ نری مکاری ہے۔ ایسے برتاؤ سے  
 انسان زندگی کی بہت بڑی خوشی سے محروم رہتا ہے اپنے دلی دوستوں سے بھی دل  
 کی بات نہیں کہہ سکتا۔ یہ سچ ہے کہ بعضی خود دوست دشمن ہو جاتے ہیں اور دوست کے  
 بھید کو کھول دیتے ہیں مگر دنیا انہی کو دعا باز اور پُر اگہتی ہے اور دوست پر بھروسہ کرنا  
 کو تاجہ نہیں کہتی۔ اہل اللہ دوستوں کے تعجب کرنے میں بڑی سمجھ چاہیے ۵

سمجھ صرف باتوں ہی میں نہر نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے کاموں سے بھی متعلق ہے اور گویا  
 ہماری زندگی میں ہمارے تمام کاموں کی رہنما اور ہمارے لیے ہمارے قادر مطلق خدا کی نایب  
 ہے۔ انسان میں بہت سی بڑی عمدہ عمدہ صفتیں ہیں مگر سمجھ سب سے زیادہ مفید ہے۔ سمجھ  
 ہی کے سبب آدم تمام صنوں کی تقدیر ہوتی ہے سمجھ ہی کے سبب سے وہ تمام صفتیں  
 اپنے موقع پر کام آتی ہیں۔ سمجھ ہی کے سبب سے وہ شخص جس میں وہ صفتیں ہیں ان صفتوں سے  
 فائدہ اٹھاتا ہے۔ سمجھ بغیر علم اور عقل و ذوق و چیز ہیں۔ بھلائی برائی دکھائی دیتی ہے باوجودیکہ  
 انسان میں نہایت عمدہ عمدہ صلاحیتیں ہوتی ہیں مگر سمجھ بغیر ان کے برتاؤ میں غلطیاں کرتا ہے  
 اور نقصان پر نقصان اٹھاتا ہے۔ سمجھ ہونے سے صرف انہی خوبیوں کا جو اُس میں ہیں مالک  
 نہیں ہوتا بلکہ دوسروں میں جو خوبیاں ہیں ان کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ سمجھ دار آدمی جس سے  
 گفتگو کرتا ہے اُس کی لیاقت کو بھی جان لیتا ہے اور اُسی کی لیاقت کے موافق گفتگو  
 کرتا ہے۔ اگر ہم انسانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں اور جماعتوں کی مجلسوں کے حالات پر  
 غور کریں تو ہر کو صاف معلوم ہوگا کہ ہر ایک مجلس میں نہ کسی عقل مند کی گفتگو کو غلبہ ہوتا ہے اور نہ  
 کسی بیمار اور دیر کی گفتگو کو۔ بلکہ اُسی شخص کی گفتگو سب پر غالب رہتی ہے جس کو سمجھ ہے  
 اور جو اہل مجلس کی لیاقتوں کو اور جو بات کہتی ہے اور جو نہ کہتی ہے اُس میں تمیز کر سکتا ہے  
 جس شخص کو بڑی سی بڑی لیاقت حاصل ہو یہ سمجھ نہ ہو وہ ایک نہایت قوی اور نہایت

پر اندھے آدمی کی مانند ہے جو سبب اپنے اندھے پن کے اپنے زور و قوت سے کچھ کام نہیں لے سکتا ہے۔ گویا ایسے شخص کو دنیا میں اور سب طرح کے کمال حاصل ہوں۔ مگر سمجھ نہ ہو تو وہ دنیا میں کسی کام کا نہیں۔ برخلاف اسکے اگر اسکی سمجھ پوری ہو اور صرف اسی ایک صفت میں اسکو کمال ہو اور باقی اوصاف متوسط درجہ کے رکھتا ہو تو وہ اپنی زندگی میں جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔

سمجھ جس طرح کہ انسان کے لیے ایک بہت بڑا کمال ہے اسی طرح کمرائس کے حق میں بہت بڑا وبال ہے۔ نیک نل کی منتمائے خوبی سمجھ ہے اور بد دل کی منتمائے بدی۔ گروہین کہو کہ وہ نیک نل کے لیے معراج ہے اور یہ بد دل کے لیے کمال۔ سمجھ نہایت عمدہ اور نیک مقصد پیدا کرتی ہے اور ان کے حامل ہونے کو نہایت عمدہ عمدہ اور تعریف کے قابل ذریعہ قائم کرتی ہے مگر کمر میں صرف خود غرضی ہوتی ہے۔ سمجھ مثل ایک روشن آنکھ کے ہے جس میں بے انتہا دست ہے اور تمام دنیا کو اور دور دور کی چیزوں کو۔ آسمانوں کو اور آسمانوں کے ستاروں کو بخوبی دیکھ سکتی ہے۔ مگر مثل ایک کوتاہ نظر آنکھ کے ہے جو پاس پاس کی چیزیں دیکھ سکتی ہے اور دور کی چیزیں گودہ کیسی ہی عمدہ اور روشن ہوں اسے نظر نہیں آتی۔ سمجھ جس قدر ظاہر ہوتی جاتی ہے اس قدر انسان کا اختیار اور اعتبار بڑھتا جاتا ہے مگر کمر کاٹ کی ہنڈیا کی مانند ہے کہ جب ایک دفو کھل گیا تو پھر اسکی قوت اور عزت باطل جاتی رہتی ہے۔ پھر انسان بھی کام کا نہیں رہتا۔ جو کام کہ وہ ایسی حالت میں کر سکتا جبکہ لوگ اسکو ایک سیدھا سادھا بھولا بھالا آدمی سمجھتے۔ اب وہ کام بھی وہ نہیں کر سکتا۔ سمجھ عقل کے لیے کمال ہے اور ہمارے کاموں کے لیے رہنا۔ مگر ایک قوت ہے جو صرف حال ہی کے فائدوں کو دیکھتی ہے۔ سمجھ نہایت عقلمند اور نیک آدمیوں میں پائی جاتی ہے۔ مگر اکثر جانوروں میں اور ان لوگوں میں جو جانوروں کی مانند یا ان کے کچھ بہتر ہوتے ہیں پایا جاتا ہے۔ سمجھ نفس الامر میں ایک نہایت خوبصورت دلکش چیز ہے اور مگر گویا اسکی بگاڑی ہوئی نقل ہے سمجھ والے آدمی کی طبیعت ہمیشہ نامہ حال اور مستقبل دونوں پر لگی رہتی جو باتیں کہ نامہ دراز کے بعد ہونیوالی ہیں اور جو اب پہر ہی ہیں دونوں کو دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ رنج و غمش جو دوسری زندگی میں قیامت میں ہونیوالی ہے وہ بیشک ہوگی۔ گویا اسکا زمانہ ابھی بہت دور ہے۔ وہ اس کے دور ہونے کے سبب سے اس لیے اسکو حقیر نہیں سمجھتا کہ دوسری زندگی میں قیامت کی



تعلیمِ دراست نہ پاس آئی جالی ہے اور اسی طرح سے رنج و نوشی دیونگی حصہ یکہ زائیناں میں  
 رنج و نوشی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ نہایت غور و فکر سے اُن غرضیوں کے اقدار آئے۔ کے لیے  
 کوشش کرتا ہے جو قدرت نے اُس کے لیے بنائی ہیں اور جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ  
 اپنے خیال کو ہر کام کے انجام تک دوڑاتا ہے اور اُس کے حال و مال کے نتیجوں پر غور کرتا ہے  
 اور اس نئی دنیا کے خدوے سے نفع اور فائدہ کو اگر حقیقت وہ نفع اور فائدہ اُس کی سچی  
 عاقبت کے خیال کے مخالف ہو چھوڑ دیتا ہے۔ غرض کہ اُس کی تمام تدبیریں عمدہ ہوتی ہیں اُس کا  
 ہر فیصلہ خدائے مہربان سے جو اپنا فائدہ بھی سمجھتا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا مناسب  
 و بیوقوفی جانتا ہے۔ سمجھ بکھنیں نے اُس شخص میں بطور ایک نئی اور کمال کے بیان کیا ہے  
 وہ صرف دنیا ہی کے کاموں کے لیے مفید نہیں ہے بلکہ ہر ہی ہمیشہ رہنے والی زندگی کے  
 لیے بھی فائدہ مند ہے۔ وہ صرف اس خالی انسان سے لیے ہی رہتا نہیں ہے بلکہ اُس کی اصلی  
 نافرمانی انسان کے لیے بھی جو ہم میں ہوتا ہے رہتا ہے۔ بعض مصنف اسی کو عقل کہتے ہیں  
 اور بعض سمجھ بھنی تیز جس سے اچھی دہری اور بھلائی و بُرائی میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ حقیقت  
 میں یہی پسند سب سے بڑی ہے اس کے فائدے بے انتہا ہیں اور پھر اس کا فائدہ نہایت  
 ہی آسان ہے۔

ایک مصنف کا قول ہے کہ سمجھ بھنی سچی رونق کی چیز ہے جب کو کبھی زوال نہیں جو اُس کا چاہے  
 ہیں انگوٹوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ جو اُس کو دھونڈتے ہیں وہ اُس کی سے پالتے ہیں۔  
 اس کی تلاش میں اُن کو بہت دور جانا نہیں پڑتا کیونکہ وہ اُس کو اپنے ہی دروازہ پر پائے ہیں۔  
 اُس کا خیال کھنڈا ہی اُس میں کمال حاصل کرتا ہے۔ جو کوئی اُس پر خیال رکھتا ہے اُسی دم  
 جست و جوش سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ خود ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتی ہے اور جو اُس کے  
 لائق ہیں اُن کو رستہ ہی میں ملتی ہے اور پھر کبھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔  
 افسوس کہ ہماری قوم میں سب کچھ ہے پر یہی نہیں۔

## تعلیم

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح غیر تعلیم کے چنگبر سے سنگ مرمر کے پھاڑ کی مانند ہے کہ  
 جب تک سنگ تراش اُس میں اقدار نہیں لگتا اُس کا دھونڈلا اور کھردرا پن دور نہیں کرتا

اُسکو نہ ایش تراش کر سُد دل نہیں بناتا اُسکا پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اُس وقت تک کہ اُس کے جوہر اُسی ہیں جیسے۔ ہتھتے ہیں اور اُس کی خوش نامائیں در در بار انگشتیں اور خوبصورت خوبصورت بل بوتے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال "انسان کی روح" کا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اُس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوا اُس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔

ارسطو نے تعلیم کے اثر کو مجسم صورتوں کے بنانے کی تشبیہ میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ مومنی صورت ایک پتھر کے ڈھونڈے میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر صورت بنانے کا ہنر صرف فنون چیزوں کو اُس میں سے گھڑ دیتا ہے۔ صورت تو پتھر ہی میں ہوتی ہے مگر اُدھر صرف اُسکو نمود کر دیتا ہے۔ جو نسبت کر صورت گھڑنے والے کو اُس پتھر کے ڈھونڈے سے ہے وہی نسبت تعلیم کو انسان کی روح سے ہے بڑے بڑے حکیم اور عالم۔ ولی و ابدال۔ نیک و فاسق۔ بہادر و نامور۔ ایک اُنوار آدمی کی سی صورت میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں مگر ان کی یہ تمام خوبیاں عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تیس جاہل اور وحشی قوموں کے حالات۔ پڑتا ہوں تو ان نیکیوں سے جو ان میں ہیں بکراشااستہ اور اُس لیری اور جبروت سے جو ان میں ہے مگر خوفناک اور اُس متحلال سے، جو ان میں ہے مگر بیدار اور اُس دانائی اور عقلندی سے جو ان میں ہے مگر جانوروں کے سے مگر ذریعہ سے ملی ہوئی اور اُس صبر و قناعت سے جو ان میں ہے اور گویا اُن امیدیاں ہی ان کی امیدیں ہیں نہایت خوش ہوتا ہوں۔ سچ ہے کہ انسان کے دل کے جوش و نشاط اس پر کام کرتے ہیں اور جس قدر کم و بیش عقل کی ہدایت ان کو ہوتی ہے اور جس قدر عقل ان جوشوں کو درست کرتی ہے اُسی قدر مختلف طور پر ان سے کام ہوتے ہیں۔ امریکا کے حبشی غلاموں کا جب ہم یہ حال دیکھتے ہیں۔ کہ اپنے آقا کے مرنے پر یا ایک کام پر سے بچے اگر دوسرے کام میں لگانے پر جھگڑوں کے درمیان میں لٹک کر اپنی جان دیدیتے ہیں یا ایک ہندو عورت اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جھلک سستی ہو جاتی ہے تو کون شخص ہے جو ان کی وفاداری اور محبت کی تعریف نہ کرے گا گو کہ کیسے ہی ناشائستہ اور نامتدب طور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی جاہل اور وحشی قوموں کے دلوں میں بھی نہایت عمن عمن باتیں پائی جاتی ہیں گو وہ جوشی ہیں

ہی کی حالت میں کیوں نہ ہوں لیکن اگر ان کی مناسب طور سے اور عمدہ تعلیم سے درستی  
کیجاوے تو وہی وحشیانہ نیکیاں کس قدر ترقی پا سکتی ہیں اور کیسے کیسے عمدہ کام اور منہ  
وشایت نیکیاں ان سے پیدا ہو سکتی ہیں ؟

مجھ کو اسی بات کا رنج ہے کہ میں اپنی قوم میں ہزاروں نیکیوں نہایت ہیں نہایت  
ان میں نہایت دلیری اور جرأت پاتا ہوں۔ پر خوفناک۔ ان میں نہایت قوی استقلال  
دیکھتا ہوں پر بے ڈھنگا۔ ان کو نہایت دانا اور عقلمند پاتا ہوں۔ پر اکثر مکر و فریب اور دغا  
سے ملے ہوئے۔ ان میں صبر و قناعت بھی اعلیٰ درجہ کی ہے مگر غیر مفید اور بے موقع۔  
پس یہ اول جلتا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ہی ان کی عمدہ صفعتیں عمدہ تعلیم و تربیت  
سے آراستہ ہو جاویں تو دین اور دنیا دونوں کے لیے کیسی کچھ مفید ہوں ؟

میری یہی خواہش ہے کہ اس قسم کی تحریرات سے نیکی کو ترقی دےں تو میری یہ خواہش  
پوری نہ ہو۔ مگر میں اس خیال سے تو بہت خوش ہوں کہ میں ہر چند وہ روز میں انسان کے  
دل کی درستی میں کچھ مدد کرتا رہتا ہوں +

## وحشیانہ نیکی

انسان وحشیانہ طور پر ایک نیک کام کرتا ہے اور جو کہ اصل میں نیک ہوتا ہے لوگوں  
کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اس وحشیانہ پسے کی بُرائی جس وحشیانہ پسے کو وہ ہمہ تن  
سے چھپ جاتی ہے۔ مگر عمدہ تعلیم میں یہ اثر ہے کہ ان وحشیانہ حرکتوں کو چھوڑ آتی ہے  
اور صرف نیکی ہی نیکی رہ جاتی ہے +

نقل ہے کہ ایک شخص کے پاس دو حبشی لڑکے تھے جو ان نوعمر اور اپنی قسم کے  
لوگوں میں نہایت حسین اور خوبصورت اور آپس میں ان دونوں کے جانی دوستی اور دلی محبت  
تھی۔ اسی شخص کے پاس ایک حبش نوعمر لڑکی بھی تھی جو اس قوم میں نہایت ہی خوبصورت  
تھی جاتی تھی۔ اتفاقاً وہ دونوں جوان لڑکے اُس پر عاشق ہو گئے اور دونوں نے اُس کو شادی  
کا پیغام دیا جو کہ وہ دونوں نہایت خوبصورت بھی تھے اور دونوں کا مزاج بھی اچھا تھا اور  
ہم عمر بھی تھے۔ وہ لڑکی دونوں میں سے جس کے ساتھ شادی ہو راضی تھی مگر اس نے یہ  
کہا کہ تم دونوں دوست آپس میں اس بات کا تصفیہ کر لو کہ دونوں میں سے کس کے ساتھ

شادی ہو۔ دونوں لڑکے دل و جان سے اُس پر عاشق تھے۔ عشق اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک تو اُس سے شادی کر لے اور دوسرا محروم رہے اور دوستی بھی اُن میں ایسی سچی تھی کہ ایک کو دوسرے کا رنج اور بغیر آپس کی صلاح اور بغیر آپس کی خوشی کے دونوں میں کسی کو شادی کر لینا پسند نہ تھا۔ آخر کار عشق اور دوستی میں جھگڑا ہوا، وہ چاہتا تھا کہ میں غالب آؤں اور وہ چاہتی تھی کہ میں فتح پاؤں مگر کوئی حجت نہ سکا۔ دونوں برابر رہے۔ تب دونوں لڑکے اپنی مشق کو ایک دن چل میں بیٹھے اور دونوں نے اُس کو چھری مار کر مار ڈالا اور جب اُس کا خون بہنے لگا تو دونوں اُسے چاٹنے لگے۔ دونوں نے مڑھ لاش کو خوب گلے لگایا اور دلی محبت سے اُس کے دلفریب گالوں کا بے گناہ بوسہ لیا اور پھر اُس کی لاش کے گرد بھیک روٹنے اور پیٹنے لگے خوب بات کر کیا۔ خوب چچائی مٹی اور پھر دونوں نے اپنے تئیں بھی مار ڈالا۔ اس عجیب واقعہ سے انسان کے دل کے جوشوں کی جو تعلیم و تربیت سے شایہ نہیں ہوئیں محبت غریب حالتیں معلوم ہوتی ہیں جو واقعہ کہ میں نے ابھی بیان کیا وہ جیسے ت اور گناہ سے باطل بھرا ہوا ہے تو بھی ایسے نیک دل اور دلی ایمان داری سے سرزد ہوا ہے کہ اگر اُس کی عمدہ طور سے تعلیم و تربیت ہوتی تو اُس سے نہایت عمدہ عمدہ نتیجے حاصل ہوتے۔

انسان کا ایسے ملک میں پیدا ہونا یا وہاں جا کر رہنا اور تربیت پانا جو ان تعلیم و تربیت کا چرچا ہو اور علم و شایستگی پہلی ہوئی ہو نہایت خوش قسمتی کی بات ہے۔ گو اُن ملکوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اُن حبشی لڑکوں سے کچھ بہتر نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو تعلیم و تربیت کے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں اور مختلف درجہ کا اُس میں کمال رکھتے ہیں۔

شاید ملک کی مثال مورت بنانے والے سنگ تراش کے کارخانہ کی ہی ہے کہ جب آدمی وہاں جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ابھی تو کوئی پتھر اُسی طرح ڈھونے کا ڈھواہی رکھا ہوا ہے اور کسی میں صرف ابھی ٹانگیں ہی بنی ہیں اور کسی میں ہاتھ پاؤں ہوئے سب کچھ مگر ابھی انگلیٹھ ہے اور کسی میں انسان کے تمام اعضا درست سے بن چکے ہیں مگر صاف ہونے اور جلا ہونے باقی ہیں۔ اور کوئی مورت نہایت خوبصورت اور دلربا بالکل بن کر تیار ہو چکی ہے۔ اُس وقت انسان کے دل میں ضرور خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پتھر کا ڈھواہا کہاں تک ترقی پاسکتا ہے اور ہر ایک اُن مورت سونے شاد و فادہ کے آذر سے بت تراش کے ہاتھ سے نہایت

خوبصورت یا قریب قریب خوبصورت کے ہو سکتی ہے +  
 نامتدب ملک کی مثال منڈے پہاڑوں کی سی ہے جہاں بجز پتھر کے ڈھوؤں کے نقد  
 کچھ نظر نہیں آتا۔ کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی جس سے انسان کو یہ خیال ہو کہ وہ کہاں تک ترقی  
 کر سکتا ہے اور اُس میں کیا چیز نہیں ہے جو وہ اب تک نگھڑ پتھر کی مانند ہے + جو نیکیاں خود  
 اُس میں ہیں ان سے بھی وہ ناواقف ہے کیونکہ وہ نیکیاں مثل پتھر کے ڈھوئے کے اُس کے  
 جگر میں چھپی ہوئی ہیں اور بے تعلیم و تربیت کے وہ ظاہر نہیں ہو سکتیں +  
 یہی خیالات مجھ کو اس بات پر زبنجیت کرتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کو متمدن قوم سے مانے اور  
 شایستہ ملک میں جانے کی ترغیب کرتا ہوں اور اس خیال سے ہمیشہ رنج میں رہتا ہوں کہ ہماری  
 قوم میں جس قدر نیکیاں ہیں وہ بھی نامتدب ہیں۔ دنیاوی برتاؤ آپس کا لاپ۔ دوستوں  
 کی دوستی۔ دینداروں کی دینداری۔ امیروں کی امیری نہایت ناشایستہ اور نامتدب طور  
 سے قلمح ہوئی ہے اگر وہ عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو جاوے تو انسان کے ایسے اس زندگی  
 میں اور انسانی زندگی میں دونوں میں نہایت ہی مفید ہو +

## امید دنیا بامید قائم ہے

موجودہ حالت گو وہ کم سی بلکہ جتنی یا بُری ہو انسان کے دل کے شعلہ کو کافی نہیں جلتی۔ جو خوش  
 رنج و خوشی۔ محبت و دوستی کی چیزیں ہی نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل کی قوتوں کو ہمیشہ  
 مشغول رکھیں اس لئے اُس بڑے کاریگر نے جس نے انسان کے تپلے کو اپنے ماتھے سے اور  
 اپنی ہی مانند بنایا۔ اُس میں چند اور قوتیں ہی ہیں جن کے سبب دل کے لیے کاموں کی  
 کبھی کمی نہیں ہوتی اور ہمیشہ ہر وقت دل کے مشغول رہنے کا سامان مہیا اور موجود رہتا  
 ہے۔ اُنھیں قوتوں کے ذریعہ سے گھڑی ہوئی باتیں پھر دل میں آتی ہیں اور آئندہ کی  
 باتوں کا اُن کے ہونے سے پیشتر خیال ہوتا ہے +

وہ عجیب قوت جس کو ہم یاد کرتے ہیں ہمیشہ پیچھے دیکھتی رہتی ہے۔ جب کوئی موجودہ چیز  
 ہلکے شغل کے لیے نہیں ملتی تو وہ قوت پچھلی باتوں کو بلالاتی ہے اور اُسی کے ذکر یا خیال سے

ہمارے دل کو ہلائے رکھتی ہے اُس کی مثال جگالی کرنے والے جانوروں کی ہے کہ وہ پہلے تو گھاس دانہ سب کھا لیتے ہیں اور جب ہو چکا ہے تو ایک کونے میں بیٹھ کر پھر اُسی کو پیٹ میں نکال کر چبائے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ یاد پھیلی باتوں کو خالی وقت میں ہمارے دل کے شعلہ کو بلالاتی ہے اسی طرح ایک اور وقت ہے جو آئندہ ہونیوالی باتوں کے خیال میں دل کو مشغول کر دیتی ہے اور جس کا نام اُمید و ہم باخوف ورجا ہے۔ انہی دونوں قسم کے خیالوں سے ہم آئندہ زمانہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باتیں کہ دور زمانہ میں شاید ہونیوالی ہیں اور ظلمات کے پردوں میں چھپی ہوئی ہیں اور بڑے گہرے اندھیرے گڑھوں میں پڑی ہوئی ہیں اُن کو ایسا سمجھتی ہیں کہ ابھی ہر ہی میں اُن کے ہونے سے پہلے اُن کی خوشی یا رنج اُبھلنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس زمانہ کا بھی جب یہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ اور ہر چار طرف سے لمن الملک الیوم کی آواز آتی ہوگی ایسی خیال کر لیتے ہیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ وقت پر محدود ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ میں اس تحریر میں صرف اُسی کا کچھ بیان کروں جس کو اُمید کہتے ہیں۔ ہماری خوشیاں اس قدر کم و چند روزہ ہیں کہ اگر وہ فوت ہم میں نہ ہوتی جس سے انسان اُن عمدہ اور دل خوش کن چیزوں کا اُن کے ہونے سے پہلے مزہ اٹھاتا ہے جن کا کبھی ہو جانا ممکن ہے تو ہماری زندگی نہایت ہی خراب اور بدفرہ ہوتی۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ ”ہم کو تمام عمدہ چیزوں کے حاصل ہونے کی اُمید رکھنی چاہیے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اُمید نہ ہو سکے اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا ہم کو دے نہ سکے“

فارسی زبان میں مشہور قول ہے کہ ”تمنا را عیب نیست“ ایک طرف نے کہا کہ دنیا میں مجھے کسی چیز کا رنج نہیں ہے کیونکہ اُمید مجھے ہمیشہ خوش رکھتی ہے۔ دوستوں نے پوچھا کہ کیا تم کو مرنے کا بھی رنج نہیں ہے اُس نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ میں بھی مرموں کیونکہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ ایک ایسا شخص پیدا کرے جس کو موت نہ ہو اور مجھ کو اُمید ہے کہ شاید وہ شخص میں ہی ہوں۔ یہ قول تو ایک خرافات کا تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ زندگی کی اُمید ہی موت کا رنج ہم سے مٹاتی ہے۔ اگر ہم کو زندگی کی اُمید نہ ہوتی تو ہم سے زیادہ بدتر حالت کسی کی نہ ہوتی۔ زندگی ایک بھان جن کی مانند ہے جس میں کچھ حرکت نہیں ہوتی۔ اُمید اس میں حرکت پیدا

کرتی ہے۔ اُمید ہی کے سبب انسان میں خجیدگی اور بُردباری اور خوش مزاجی کی عادت ہو جاتی ہے۔ گویا اُمید انسان کی روح کی جان ہے۔ ہمیشہ روح کو خوش رکھتی ہے اور تمام تکلیفوں کو آسان کر دیتی ہے۔ محنت پر رغبت لاتی ہے اور انسان کو نہایت سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر آمادہ رکھتی ہے۔ اُمید سے ایک اور بھی فائدہ ہے جو کچھ کم نہیں ہے کہ ہم موجودہ خوشیوں کی کچھ بہت قدر نہیں کرتے۔ اور اُسی میں محو نہیں ہو جاتے۔ سیزر نے جب اپنا کام اُل سبب اپنے دوستوں کو بانٹ دیا تو اُس سے لوگوں نے بوجھا کہ آپ نے اپنے لیے کیا رکھا۔ اُس نے کہا کہ اُمید اُس کی عالی طبیعت اُن چیزوں کی کچھ قدر نہیں کرتی تھی جو اُس کے پاس تھیں بلکہ ہمیشہ اُس کا خیال کسی بہتر چیز کی طرف رہتا تھا۔ اگلے زمانہ کے لوگ بغیر اُمید کے زندگی کو نہایت ہی برا سمجھتے تھے۔ نعل ہے کہ خدا نے انسان کے پاس ایک صندوق بھیجا۔ جب اُس کو کھولا تو اُس میں سے ہر ایک قسم کی بلائیں اور مصیبتیں اُڑ پڑیاں جو انسان کو ہوتی ہیں سب نکل پڑیں۔ اُمید بھی اُسی صندوق میں تھی وہ نکلی، بگڑا کھٹنے میں جپٹ رہی اور صندوق میں بند ہو گئی تاکہ مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دے۔ پس جس زندگی میں اُمید ہے اُس سے بڑھ کر کوئی خوش زندگی نہیں ہے خصوصاً جبکہ اُمید ایک عمدہ چیز کی اور اچھی بنا پر ہو۔ اور اُسی چیز کی جو جو اُمید کرے تو اسے کو حقیقت میں خوش کر سکتی ہو۔ بس بات کی حقیقت وہی لوگ خوب جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خوش حال آدمی کے لیے بھی زیادہ موجودہ دنیا کی خوشی نہیں ہے۔

میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مذہبی زندگی میں عمدہ عمدہ چیزوں کی بہت سی اُمیدیں ہوتی ہیں اور اُسی چیزوں کی ہوتی ہیں جو ہم کو پورا خوش کر سکتی ہیں۔ یہی چیزوں کی اُمیدیں مذہبی چیزوں کی اُمیدوں سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں عقل کے علاوہ مذہبی اعتقاد کی بھی نہایت قوت ہوتی ہے۔ اس قسم کی اُمیدوں کا خیال ہی ہم کو پورا خوش کر سکتا ہے۔ بلاشبہ اُمید کے اثر سے انسان کی زندگی نہایت شیریں ہو جاتی ہے۔ اگر وہ موجودہ حالت سے خوش نہیں رہتا تو اُس پر سب تر ضرور آجاتا ہے۔ مگر مذہبی اُمیدیں اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہیں۔ تکلیف کی حالت میں اُن کو سنبھال دیتی ہیں بلکہ اُس کو اس خیال سے خوش رکھتی ہیں کہ شاید یہی تکلیف اُمید کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ مذہبی اُمید گویا مارہ کو زندہ کو دیتی ہے اور اُس کے دل کو غایت درجہ خوشی بخشی ہے۔ انسان اُن ہی تکلیفوں میں خوش رہتا ہے اور

روح اُس بڑی چیز کے بہک لینے کو اچھلتی ہے جو ہمیشہ اُس کی نظر میں رہتی ہے اور آخر کار اُس اُسی کی خوشی میں اُس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے کہ قیامت کے دن اُس سے بل جا دیگی ۔  
حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے نہایت صیبت اور تکلیف کے وقت میں خدا کی مناجات میں اس مضمون کا گیت گایا تھا ۔

میں ہمیشہ خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہوں ۔ وہ میری دائیں طرف ہے اسی لیے میں گھبراتا نہیں ۔ میرا دل خوش ہے ۔ میرا گوشت بھی اسی اُسی میں رہیگا کہ تو میری روح کو جہنم میں ڈالے تو اپنی چیز کو خراب ہونے سے روکے گا ۔ تو ہی مجھ کو زندگی کے طریق دکھلائیگا ۔ تیری ہی حضور میں خوشی کا کمال ہے ۔ تیری ہی دائیں طرف ہمیشہ کی خوشی ہے ۔ آمین ۔“

## اخلاق

مشٹر ڈیویس کی قول ہے کہ مذہب کے دو حصہ ہو سکتے ہیں ۔ ایک اعتقادات ۔ دوسرا عملیات ۔ مشٹر ڈیویس کی غرض اعتقادات سے صرف وہ مسائل ہیں جو وحی سے معلوم ہوئے ہیں اور جو عقل سے یا کارخانہ قدرت پر غور کرنے سے معلوم نہیں ہو سکتے ۔ مگر حکموں کے اس بیان سے کسی قدر اختلاف ہے ۔ ہم اعتقادات اُن مسائل کو کہتے ہیں جن کا ہونا عقل و نیچو مینی کا رخانہ قدرت کے اصول پر ناممکن نہیں ہے ۔ لہذا ہم اُن دونوں کی بنا پر اُن کے ہونے کا یقین نہیں کر سکتے تھے ۔ وحی نے نصصر اُن کے ہونے پر حجب وہ ہوں کہ یقین دلایا ہے اُن کا ہونا بتلایا ہے ۔ ہم نے اس تمام پر عرف تردید کو اس لیے استعمال کیا ہے کہ ہر کلاس بات میں شبہ ہے کہ اُن مسائل پر جن کو ہم نے اعتقادات میں داخل کیا ہے یقین لانا جزو ایمان ہے یا نہیں ۔ عملیات میں مشٹر ڈیویس نے اُن مسائل کو داخل کیا ہے جن کو عقل و نیچو کے مطابق مذہب نے بھی ہدایت کی ہے ۔ پس وہ پہلے حصہ کا نام عقاید رکھتے ہیں اور دوسرے حصہ کا نام اسباق ۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہمیشہ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اعتقادات پر اس قدر خیال کرتے ہیں کہ اخلاق کو باطل ٹھہرا کر جلتے ہیں اور بعض اخلاق پر ایسے متوجہ ہوتے ہیں کہ اعتقادات کا کچھ خیال نہیں کرتے ۔ صاحب کمال آدمی کو ان دونوں میں سے کسی بات میں تاثر نہ پہنچا بیٹے ۔ جو لوگ بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر ایک سے کیا کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ دل سے ہمارے اس



بیان کی تصدیق کر گئیے ۛ

افسوس ہے کہ اس مقام پر بھی مجھ کو سٹرڈینس سے کچھ عقوڑا سا اخلاق ہے۔ پچھلا حصہ اُن کے اس مضمون کا نہایت سچ ہے مگر پہلے حصہ میں کچھ غلطی ہے۔ میں سمجھا ہوں کہ اعتقادات میں اور عملیات میں جس کو سٹرڈینس یا اخلاق کہتے ہیں کچھ علاؤ نہیں ہے۔ انسان اعتقادات پر کتنا ہی زیادہ خیال کرے اُس کے اخلاق میں کچھ تفاوت نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح خلاق پر کیسا ہی متوجہ ہو اُس کے اعتقادات میں کچھ نقصان نہیں آ سکتا کیونکہ یہ دونوں کام دو جدا جدا آلوں اور دو جدا جدا اشخاص سے متعلق ہیں۔ پہلا ہمارے دل یا ہماری روح اور خدا سے۔ دوسرا ہماری ظاہری حرکات اور جذبات اور انسان سے ۛ

پھر وہ لکھتے ہیں کہ گو مذہب اخلاق اور اعتقاد پر منقسم ہے اور اُن دونوں میں خاص خاص فرقی بیان ہیں مگر اخلاق کو اعتقاد پر اکثر باتوں میں ترجیح ہے ۛ

(۱) کیونکہ اخلاق کی اکثر باتیں نہایت سچ اور بہت مضبوط ہیں یہاں تک کہ اگر اعتقاد بالکل ٹاپیر ہے تب بھی وہ باتیں (یعنی اخلاق کے مسائل) بدستور قائم رہتی ہیں ۛ

(۲) جس شخص میں اخلاق ہے اور اعتقاد نہیں وہ شخص بہ نسبت اُس شخص کے جس میں اعتقاد ہے اور اخلاق نہیں انسان کے لئے دنیا میں بہت زیادہ بہتری کر سکتا ہے۔ اور نیز اس قدر آؤد زیادہ کستا ہوں کہ انسان کے لئے دین اور دنیا دونوں میں بہت زیادہ بھلائی کر سکتا ہے ۛ

(۳) اخلاق انسان کی فطرت کو زیادہ کمال بخشتا ہے کیونکہ اُس سے دل کو قہر و آسودگی ہوتی ہے۔ دل کے جذبات اعتدال پر رہتے ہیں اور ہر ایک انسان کی خوشی کو ترقی ہوتی ہے ۛ

(۴) اخلاق میں ایک نہایت زیادہ فائدہ اعتقاد سے یہ ہے کہ اگر وہ ٹھیک ٹھیک ہوں تو تمام دنیا کی مہذب قومیں اخلاق کے بڑے بڑے اصولوں میں متفق ہوتی ہیں گو کہ عقاید میں وہ کیسی ہی مختلف ہوں ۛ

(۵) کھڑے بھی بد اخلاقی زیادہ بدتر ہے یا اس مطلب کو یوں کہو کہ اکثر لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک نیک چلن نہایت جاہل وحشی میں کو خدا کی باتوں کی کچھ خبر بھی نہیں پہنچی نجات پاسکتا ہے مگر بد چلن بہت آدمی نجات نہیں پاسکتا ۛ

(۶) اعتقاد کی خوبی اسی میں ہے کہ اس کا اثر اخلاق پر ہوتا ہے۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ اعتقاد کی کہنی خدا کے دیئے ہوئے مذہب پر ایمان رکھنے کی خوبیاں کیا ہیں تو کیا ہجو اس بات کی صحت جو ہم نے ابھی بیان کی بخوبی معلوم ہو جاوے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ مذہب کی خوبیاں ان باتوں میں ہیں جن کو تین بیان کرتا ہوں +

۱۔ اخلاق کی باتوں کو سمجھنا اور ان کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانا +

۲۔ نیک اخلاق پر عمل کرنے کے لئے نئے نئے اور قوی قوی اغراض کو بہم پہنچانا +

۳۔ خدا کی نسبت عمدہ خیالات پیدا کرنا اور اپنے مجسموں میں عجاہر بناؤ کرنا جس سے ہمیں محبت زیادہ ہو اور خود انسان اپنی سچی حالت کو کیا بلحاظ اپنے خیر کی خوبی کے اور کیا بلحاظ اس کی بدی کے بخوبی سمجھے +

۴۔ جبرانی کی برائیوں کو ظاہر کرنا +

۵۔ سخاوت کے لئے نیک اخلاق کو حامی درجہ بڑھانا +

مذہب کی خوبیاں کا یہ ایک مختصر بیان ہے مگر جو لوگ اس قسم کے مباحثوں میں مشغول رہتے ہیں وہ نہایت آسانی سے ان خیالوں میں ترقی دے سکتے ہیں اور مفید نتیجے ان سے نکال سکتے ہیں۔ مگر میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ان سب باتوں کا غائر نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اخلاق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا جب تک اخلاق کو عیسائی مذہب کا سہارا نہ ہو۔ یہ قول مشر آڈین کا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کوئی اعتقاد یا کوئی مذہب تھا جو ہی نہیں سکتا جس کا نتیجہ اخلاق کی عمدگی نہ ہو۔ پس اخلاق کو کسی مذہب کا کچھ سہارا درکار نہیں ہے بلکہ مذہب یا اعتقاد کے سچ سمجھنے کو اخلاق کا سہارا درکار ہے +

مشر آڈین آؤدیجی دو ایک اصول قائم کرتے ہیں جو اس گفتگو سے علاوہ رکھتے ہیں +  
(۱) وہ کہتے ہیں کہ ہوا یہی بات کو اعتقاد کی جڑ قرار دینا چاہیے جس سے اخلاق کو استحکام اور ترقی نہ ہوتی ہو +

(۲) کوئی اعتقاد صحیح بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتا جس سے اخلاق خراب یا ان میں تنزل ہوتا ہو +

یہ دونوں اصول مشر آڈین کے ایسے عمدہ ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص جس نے ان کی آنکھ بند نہ اندھی نہ کی چون سے انکار نہیں ہو سکتا +

اس کے بعد مسٹر ایڈسین نے اپنی اصلوں پر ایک اور مسئلہ متفرع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام مشتبہ عقائد میں یہ کو نہایت غور کرنی چاہیئے کہ اگر بالفرض وہ غلط ہو تو اُس سے کیا کیا نتیجے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اپنے ایمان کے مضبوط کرنے اور خیالی ثواب حاصل کرنے کی مانند میں لوگوں کو تکلیف دینا۔ لوگوں کے دلوں میں ریج اور نفرت۔ خصلتِ عدالت پیدا کرنا اور جس چیز پر اُن کو اعتقاد نہیں ہے بے بردستی اُن سے قبول کروانا۔ ایسے جذبات میں ہم اسی پر پس نہیں کرتے بلکہ ان سب باتوں کے سوا ہم اُن کو دنیا کے فائدہ اور خوشی سے بھی محروم کرتے ہیں۔ اُن کے عہد کو تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی دولت کو خراب کرتے ہیں۔ اُن کی ناموریوں کو خاک میں ملاتے ہیں۔ اُن کے خاندانوں کو برباد کرتے ہیں۔ اُن کی زندگیوں کو تلخ کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخر کار اُن کو مار دالتے ہیں۔ پس جب کسی مسئلہ سے ایسے نتیجے نکلیں تو مجھ کو اُس مسئلہ کے مشکوک ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا جیسے کہ علمِ حساب میں دو اور دو چار۔ بنیادیں کچھ شبہ نہیں رہتا جیسے کہ اپنے مذہب کی بنیادیں ٹھیکہ لگتا اور نہ اُس پر عمل کر سکتا ہوں +

اس قسم کے معاملات میں ہم صریح اپنے ہمبھائیوں کو ضرر پہنچاتے ہیں اور جس مسئلہ سے ہم ایسا کرتے ہیں بلاشبہ وہ مشکوک اور قابلِ اعتراض ہے۔ اخلاق اُس سے بالکل خراب ہو جاتے ہیں +

یہ حضرات مسٹر ایڈسین کا غالباً عیسائی مذہب کے اُس نامہ پراشارہ ہے جبکہ وہ مس کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقہ میں دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی اور مرد اور عورت و بچے مذہب نہایت پر آگ میں جلائے جاتے تھے اور نہایت بدبخت غریب زبیاں جو درحقیقت کرشنا جی کے بالکل برخلاف تھیں وہ بھی تھیں +

لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں بھی ایسا ہی خونخوار اسرار اور اخلاق کے برخلاف جہاد کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ مسئلہ درحقیقت ایسا ہی ہو جیسا کہ بعض یا اکثر حقیقت تک نہ پہنچنے والے یا غور و غرض لوگوں نے سمجھا ہے یا کشتِ ظالم و مکار مسلمان حکمرانوں نے بتا ہے تو اُس کے اخلاق کے برخلاف ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ مگر ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے بلکہ جو حقیقت جہاد کی درحقیقت مذہبِ اسلام کی رو سے ہے وہ اخلاق کے برخلاف نہیں ہے۔ اس میں کسی قسم کا جبر یا کسی کے مذہب کو مجبور چھوڑ دینا یا مذہب کے لئے کسی کا خون بہانا مطلق نہیں ہے وہ صرف نیشنل لاپریسی اُس قانون پر جو مختلف قوموں کو آپس میں برتتا

چاہیے مبنی ہے اور جو کج کل مذہبی مذہب توہم میں جاری ہے +  
 اس مسئلہ کا ذکر بنے اپنی متعدد تصنیفات میں کیا ہے اور اُمید ہے کہ کبھی اس مضمون پر  
 کوئی تحریر اس پرچہ میں بھی چھاپینگے +  
 مشر اوسین اپنے اس مضمون کو کسی مصنف کے نہایت عمدہ اور دل میں اثر کرنے والے  
 کلام پر ختم کرتے ہیں۔ اور وہ کلام یہ ہے۔ ”آپس میں نفرت پیدا کرنے کو تو ہمارے لیے مذہب  
 کافی ہے۔ مگر ایک دوسرے میں محبت پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں“ +  
 میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جو بڑاؤ مذہبوں کا اس زمانہ میں ہے وہ ایسا ہی ہے اور  
 مسلمانوں کا بڑاؤ سب سے زیادہ بڑا ہے۔ مگر سچے مذہب کا مینی اسلام کا سچا مسئلہ یہ ہے  
 کہ ”خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا“ پس جو کوئی اس مسئلہ کے برخلاف ہے  
 وہ غلطی پر ہے +

### ریا

دنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دنیا دار اور زند  
 مشرب آدمی جس قدر کہ دراصل وہ بدترین اُس سے زیادہ اپنے تنیں بد بناتے ہیں۔ دینداری  
 کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہہتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جلاتے ہیں۔  
 وہ تو دینداری کی دُرازا سی باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماش مینی اور  
 بچ پنے کی باتوں کی جن کو دراصل اُنہوں نے کیا بھی نہیں لگین اور لاتے ہیں۔ اور یہ حضرت  
 بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دینداری کے پردہ میں چھپاتے ہیں اور یہی  
 کی اور جمل شکار کھیلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں بُرے نہیں ہیں  
 مگر ایک اور تیسری قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علحدہ ہیں اور اُنہیں کا کچھ  
 ذکر میں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اُن کی بناوٹ ایک اور ہی عجب قسم کی ہے۔ وہ اپنی  
 بناوٹ سے دنیا کے لوگوں ہی کو ذریعہ نہیں دیتے بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکہ میں پڑتے ہیں۔  
 وہ بناوٹ خود اُن سے اُنہیں کے دل کے حالی کو چھپاتی ہے جس قدر کہ حقیقت و نہیک  
 ہیں اُس سے زیادہ اُن کو نیک جلتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال ہی نہیں کرتے  
 یا اُن بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس داؤد نے نہایت دلچسپ لفظوں میں اس بُرائی سے

پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے کہ کون اپنی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی  
مجھ کو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر دے جو لوگ علانیہ ہی کرتے ہیں اگر ان کو بدیوں اور  
کنہوں سے بچانے کے لیے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو حقیقت موت کی راہ  
چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر غم کے لائق ہیں اور کتنی  
نصیحت کے محتاج ہیں۔ پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو  
کے کونوں میں چھپی ہوئی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ  
نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں :

عام قاعدہ تو اس کے لیے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو ان مذہبی اصولوں سے جو ہماری  
ہدایت کے لیے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اس پاک شخص کی  
زندگی سے مقابلہ کریں۔ جس نے یہ فرمایا کہ انا بشر مثلكم ورجی الی انما اللہ العزیز والجلل  
اور جو اس درجہ کمال تک پہنچا جہاں تک انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔ اور جس کی زندگی ہماری  
زندگی کے لیے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنے والوں کے لیے بلکہ تمام دنیا کے لیے بڑا مادی  
اور بہت بڑا امانت دار ہے۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی  
ہیں۔ کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو  
بن جوئے رہ نہیں سکتا۔ اور کچھ زمانہ کے گزرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت ان  
واقعات کی جو گندے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے برخلاف اگلے مسلمان مصنفوں کے  
صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ آدھے قاعدے بیان کرتا  
ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں :

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ  
ہمارے دشمن کہو کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف  
کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب ان کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عیب  
رکھتے ہیں کہ اسکو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے ان کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں  
کہ ہم ان کو نہایت ہی خفیہ سمجھتے ہیں۔ برخلاف اسکے دشمن کہو خوب ٹٹولتا ہے اور کوٹنے  
کوٹنے سے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے مجبوری بات کو بہت بڑا کرتا  
ہے مگر اکثر اس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے :

”نا باشد چیز کئے مردم مگویند چہ نہا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھا تا ہے اور دشمن عیبوں کو اس لیے ہکوا اپنے دشمن کا زیادہ احسان مند ہونا چاہیے کہ وہ ہکوا ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ مگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہکوا وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق استاد سے ملنا چاہیے تھا۔

دشمن جو عیب سچ یا غلط ہم میں لگتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں سچ ہے کہ ”دشمن از دوست ناصح تراست ایس جہز مگوئی نہ گوید و ایس جہز بدی نہ جوید“ پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ ”دشمن جو ہکوا بد نام کرتے ہیں اُس سے ہکوا ہماری برائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریر میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کسی معلوم نہیں ہوتے۔“

علیؑ نہ القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہکوا اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ چونا چاہیے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لیے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہکوا یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنا والے ہماری تعریف کرتے ہیں دراصل ہم میں کس تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا چال چال سے کہ کبھی انہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت میں پسند کر لیا کرتے ہیں بہت برا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی اُن کو نا پسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رایوں کو نہیں مانتے۔

ہکوا ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر حقیقت اُس کی نیکی مشتبہ ہے زیادہ امر اس کا کہنا نہیں چاہیے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و منزلت کرنی چاہیے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو قلعند اور نیک ل ہیں اور جس طرح ہم نیک ل سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک ل سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی سمجھنا چاہیے

پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے۔ کوئی نئی غلطیوں کو سمجھ سکتا ہے تو ہی  
مجبوراً میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر دے جو لوگ علانیہ بدی کرتے ہیں اگر ان کو بدیوں اور  
گناہوں سے بچانے کے لیے نصیحت کی ضرورت ہے تو وہ لوگ جو حقیقت موت کی راہ  
چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے رستے سمجھتے ہیں کس قدر رحم کے لائق ہیں اور کتنی  
نصیحت کے محتاج ہیں۔ پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے وہ بدیاں جو ل  
کے کونوں میں چھپی ہوئی ہیں اور جن کے چھپے رہنے سے انسان خود اپنے دل کا سچا حال آپ  
نہیں جان سکتا معلوم ہو سکیں :

قاعده اول اس کے لیے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو ان مذہبی اصولوں سے جو ہماری  
ہدایت کے لیے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اس پاک شخص کی  
زندگی سے مقابلہ کریں۔ جس نے یہ فرمایا کہ "انا بشر مثلكم مریحی الی انما اللہکم اللہ ولحدہ"  
اور جو اس درجہ کامل تک پہنچا جہاں تک انسان کا پہنچنا ممکن ہے۔ اور جس کی زندگی ہماری  
زندگی کے لیے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کر نیا لوں کے لیے بلکہ تمام دنیا کے لیے بڑا ماڈل  
اور بہت بڑا ناٹماں ہے۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی  
ہیں۔ کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو  
بن ہوئے رہ نہیں سکتا۔ اور کچھ زمانہ کے گزرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت ان  
واقعات کی جو گذرے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے برخلاف اگلے مسلمان مصنفوں کے  
صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اقدیمی قاعدے بیان کرتا  
ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں :

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ  
ہمارے دشمن کچھ کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف  
کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب ان کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عیب  
رکھتے ہیں کہ اسکو بخفیہ نہ کرنے کے خیال سے ان کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں  
کہ ہم ان کو نہایت ہی خفیہ سمجھتے ہیں۔ برخلاف اسکے دشمن کچھ خوب ٹھوٹتا ہے اور کوئی  
کونے سے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے جموٹی بات کہہ رہا ہو اگر تیرا  
ہے مگر اکثر اس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے :

”ناباشد چیز کے مروجہ جگہ چسپ نہا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو اس لیے بھوکا اپنے دشمن کا زیادہ احسان مند ہونا چاہیے کہ وہ بھوکا ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے بھوکا وہی نتیجہ ملا جو ایک شفیق استاد سے ملنا چاہیے تھا۔

دشمن جو عیب جس طرح یا غلط ہم میں لگاتا ہے ہمارے فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں سرچ ہے کہ ”دشمن اندر دوست ناصح تر است اِس جزم کوئی نہ گوید و اِس عزمی بخوید پلٹنا رک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ ”دشمن جو بھوکا بدنام کرتے ہیں اُس سے بھوکا ہاری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گتھوں میں اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریریں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے۔“

علیٰ ہذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو بھوکا اِس بات پر غور کرنی چاہیے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ چونا چاہیے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لیے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر بھوکا یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنا والے ہماری تعریف کرتے ہیں وہ اصل ہم میں کس تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے کیونکہ ہمارا چال ہے کہ کبھی تو ہم لوگوں کی رابیوں کو جو ہماری نسبت میں پسند کر لے اپنے تئیں بہت برا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی اُن کو نا پسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رابیوں کو نہیں لیتے۔

بھوکا ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر حقیقت اُس کی نیکی شائبہ ہے زیادہ امر کرنا نہیں چاہیے بلکہ اُن لوگوں کی رابیوں کی بھی نہایت قدر و منزلت کرنی چاہیے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک ل ہیں اور جس طرح ہم نیکی کی سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیکی کی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں مگر یہ بھی سمجھنا چاہیے



کہ ان اختلاف کرنے والوں نے صرف آنلائی رائے اور اس دلی نیکی سے جس کے مشترک کی سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف کیا ہے یا کسی بیرونی دباؤ یا پابندی رسم و رواج اور تعصب اور تقلید نے ان کے دل کو پھیر لیا ہے کیونکہ اگر یہ چھلی بات اختلاف رائے کا سبب ہو تو وہ نہایت بیقدر ہو جاتی ہے ۔

جہاں ہم کو دھوکا کھانے کا احتمال ہے وہاں ہم کو نہایت ہوشیاری اور بہت خبردار رہیے کام کرنا چاہیئے ۔ حد سے زیادہ سرگرمی اور تعصب اور بخشی خاص فرقہ کو یا کسی خاص رائے کے لوگوں کو برا اور خیر سمجھنا ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں ۔ وہ فی نفسہ نہایت ہی بری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو اچھی معلوم ہوتی ہوں ۔ مگلاس پر بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دینداری اور نیکی کے لئے نہایت مشہور ہیں مگر نہایت لغو اور نرستہ شیطانی اصولوں کو نیکی سمجھ کر اپنے دلوں میں انکی جڑ گاڑ دی ہے ۔ انیں اس بات کا اور اگر تاہوں کر میں نے توجہ تک کوئی ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا جس میں پوری پوری یا سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو ۔

اسی طرح ہم کو ان کاموں سے بھی ڈرنا چاہیئے جو انسان کے کمزور دل کی قدرتی بناوٹ سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی خاص تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی ہیں جس میں ہمارا ذہنی فائدہ ہے ۔ اسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات کی طرف سے پھیر جاتی ہے اور اس کا دل غلطی کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔ اور یہی باتیں ہیں جن کے سبب تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ بُرائیاں اور لاعلمی عیب انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں ۔ جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذباتوں کی بھی ترغیب ہو اس کے کرنے پر عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اس پر شک کرنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی برائی چھپی ہوئی ہوگی ۔

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دل کو ٹٹولنا اور دل کے تاریک جذباتوں کو دھتکنا ہمارے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں ہے ۔ اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی بٹھاتی چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے ۔ جس دن کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا ہمارے دل کو جانچے گا جس کی عقل اور انصاف کی کچھ اتنا نہیں تو ان اصولوں پر چلنے سے بہتر ہمارے لئے کوئی ماہ نہیں ۔ ہمارے بانی اسلام نے جب ہم کو یہ سکھایا ہے کہ خدا ہر جگہ

حاضر و ناظر ہے ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُس نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اُس ریاکاری کی بُرائی بکھول دی جس سے انسان دنیا کو دھوکا دیتا ہے اور خود اپنے آپ کو اسی فریب میں ڈالتا ہے۔ داؤد نے بھی اپنی مُناجات میں اُس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے جہاں اُس نے کہا ہے۔ کہ اے خدا مجھ کو جلّیٰ میرے دل کی تہ کو ڈھینڈ۔ میرے خیالوں کو دیکھ۔ مجھ کو ٹٹول۔ مجھ کو بخوبی پرکھ۔ کہ مجھ میں کس بُرائی نے راہ کی رہے اور مجھ کو ایسی راہ پر نچل جو بہت کوفت ایم رہے۔

## ہندوؤں میں تہذیب

یہ ایک نہایت عمدہ قول ایک بڑے فلاسفہ کا ہے کہ زمانہ سب سے بڑا رفاہ دہی مصلح امور ہے۔

ہندوؤں کا حال دیکھ کر ہمارے دل کی تصدیق ہوتی ہے۔ انہی دنوں میں ہر مہینے ہمارے صاحبِ بیگے نگر ام کے بیٹے کی شادی ہر مہینے ہمارا جو ہے پور کے ہاں ہوتی ہے وہ اور اُن کے احباب جو پوریا میں کوٹھے تھے۔ اور چند رُسیاں بنا کر بھی اُن کے ساتھ تھے جب سب لوگ شادی کر کر واپس گئے تو دو صاحبوں نے جو نہایت عالی شان رئیس ہیں اُن سے دعوت کا یہ حال بیان کیا کہ وہاں کئی سو راجپوت نے جو نہایت عمدہ قوم کے ہیں اور جن میں ہمارا جو ہے پور ہمارا جو بیگے نگر ام بھی شامل تھے اس طرح پرکھی رسوائی کھائی۔ کہ ایک نہایت پر تکلف مکان فرش فردش سے آراستہ تھا شطرنجی اور نہایت عمدہ دھوئی ہوئی سفید چاندنی بھی ہوئی تھی۔ اور اُس پر بہت بڑی لمبی خوبصورت مہاگنی کی میز لگی ہوئی تھی اور ہر چار طرف گُریاں بچھی ہوئی تھیں۔ تمام راجپوت اپنی پوشاک۔ دستار و قبا پہنے ہوئے اور پائوں میں جوتیاں پہنے ہوئے۔ بتیار لگائے ہوئے سب گُریوں پر اُن بیٹھے۔ میز پر سب کے سامنے انواع و اقسام کا کھانا چائیاں حب میں ڈال بھات بھی تھا اور سب نے بے تکلف ایک میز پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا۔

زادہ تعجب یہ ہے کہ چوک کی بھی ٹچہ تھیں۔ کچی رسوائی بھی چل کر بہت دور فاصلہ سے آتی تھی اور سب راجپوت بلا عذر کھاتے تھے۔

سات کے ٹھنسنے سے البتہ بھوکا فوس ہے کر میر پر بجائے نفیس نفیس برتنوں کے پیوں کی کاپیاں  
 تیار ہیں جس کو ہندی میں پتل کہتے ہیں اور صرف یہی ایک چیز تھی جو اُس زمانہ کو یاد دلاتی تھی جبکہ  
 دنیا کی قوموں کو برتن بنانے کا فن نہیں آتا تھا۔ مگر بھوکا فوس پیدا کرنے کی چاہیے کہ ہمارے ہندو بھائی  
 اپنے دھرم کو قائم رکھ کر بہت جلد تہذیب و شائستگی میں ترقی کر گئے۔  
 حقیقت یہ ہے کہ اس لیے اور خصوص میرے لیے یہ بات نہایت خوشی کی ہے اس لیے کہ میں  
 ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ ہمارے ہندو بھائیوں میں سولیزیشن کی ترقی ہو قیام اُن کے  
 مذہب کے نہیں ہو سکتی مگر اس نال کے ٹھنسنے سے جو بے پور میں ہوا مجھے یقین ہو گیا کہ  
 میرے یہ خیال غلط تھا اور میں اپنے اس خیال کے غلط نکلنے سے بے انتہا خوش ہوا ہوں  
 اور خود اپنے آپ مبارکبادی دیتا ہوں۔

میری یہ سمجھ ہے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مسلمان ہیں۔ اگر ایک قوم ترقی کی  
 اور دوسری نے نہ کی تو ہندوستان کا حال کچھ اچھا نہیں ہونے کا بلکہ اُس کی مثال ایک  
 ڈنڈے آدھی کی کسی ہوگی۔ لیکن اگر دونوں قومیں برابر ترقی کرتی جاویں تو ہندوستان کے  
 بار کو بھی عزت ہوگی اور بجائے اس کے کہ وہ ایک کاٹھی اور ڈبھی بال بکھری دانت ٹوٹی  
 بیوہ بھلاوے ایک نہایت خوبصورت پیاری دلہن بن جاوے گی۔

او خدا تو ایسا ہی کر۔ امین۔

## مخالفت

دشمنی اور عداوت۔ صدا اور بخش اور ناراضی کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے جو خود  
 اُس شخص میں کینہ عادتیں اور رذیل اخلاق پیدا کرتا ہے اور مبغض اس کے کہ وہ اپنے مخالف  
 کو کچھ نقصان پہنچاوے۔ خود اپنا آپ عقلمان کرتا ہے۔ اس انسانی جذبہ کو ہم مخالفت کہتے  
 ہیں۔

جوشی اور عداوت کا منشا اکثر اُمرانِ حقوق کے سبب سے ہوتا ہے۔ زبان یا ذرا زمین یا  
 خلیں اُس جذبہ کے جوش میں آنے کے باعث ہوتے ہیں۔

ہند کا منشاء صرف وہ اور صرف امید ہوتے ہیں جو محسوس ہیں اور احساس اُن کو جو ان کے  
 گردہ اُس میں نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

بخش و نادانسی اکثر باہمی معاشرت میں خلل واقع ہونے سے ہوتی ہے +  
 مگر ان سب کے سوا ایک اور جذبہ انسان میں ہے: بغیر ان سبوں کے جبر ہر گز نہیں  
 اُس کا منشا نہ زرد زمین و زین کی قسمی ہوتی ہے: اور نہ مخالفت کے اوصاف عید کی خواہش  
 ہوتی ہے کیونکہ شخص اپنے مخالف کے اوصاف عید کہ اوصاف عید ہی نہیں تصور کرتا اور  
 نہ باہمی معاشرت کا خلل اُس کا باعث ہوتا ہے اس لیے کہ اکثر ان دونوں میں ملاقات اور  
 واقفیت بھی نہیں ہوتی لہذا اس کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ اسکی مخالفت رائے یا عقل و سمجھ  
 دوسرے فیلق کی رائے اور سمجھ سے مخالفت ہوتی ہے +

یہ جذبہ مخالفت قریباً انسانی انسانوں میں پایا جاتا ہے مگر مذہب اور تربیت یافتہ اور ایک  
 آدمیوں میں اُس کا ظہور اور طرح پر ہوتا ہے اور نہ مذہب اور تربیت یافتہ بذات آدمیوں میں  
 اُس کا ظہور دوسری طرح پر ہوتا ہے۔ پہلا اُس مخالفت سے قسم کے فائدے اٹھاتا ہے اور  
 دوسرا ان فائدوں سے بھی محروم رہتا ہے اور دنیا میں خود اپنے تئیں بد چہشت اور کذاب  
 نامہ ثبت کرتا ہے +

گوئی میں یہ بات قریباً ممکن ہے کہ تمام لوگ کہیں: اُسے پڑھو دیکھو جی صحیح و سچ ہوتا ہے  
 ہر جاویں پس ضرور ہے کہ آپس میں اختلاف رائے ہو نہ کہ وہی ایک ہی رائے کو ہوتا  
 نیک ملی سے سوچتا ہے اور ہمیشہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اُس میں کوئی ایسی بات ہو تو اُس کو  
 چُن لوں اور اگر مجھ میں کوئی غلطی ہو تو اُس کو سچ کر لوں۔ جو ایسی کوئی بات ہو جس سے  
 تو اپنے مخالف کی غلطیوں کی اصلاح کے درپے نہ ہوتا۔ نہ وہ غلطیوں کو اس میں چھپاتا  
 ہے جیسے ایک کسور دہست بتاتا ہے کہ یہ غلطی طبیعت کا اور نہ ذہن کا شک ہے۔ یہ ہوتا  
 ہے چھپ کر غلطی بھی کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی کوئی غلطی تو جی بول اٹھتا ہے اور باوجود مخالفت کے  
 ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے +

کیونکہ طبیعت اور نہ مذہب ناشائستہ آدمی یہ رشتہ نہیں مینا۔ وہ بات کی جس وقیعہ کی طرف  
 متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخالف کے عیوب ذاتی سے بحث کرتا ہے بغیر غلطی اور غلطی  
 سے۔ بدشتم اپنا پیشہ کر لیتا ہے۔ اپنے مخالف کے عیوب و اہم جی کے جان پر نہیں کرتا  
 نہ اُس کے ہنسائے اُس پر لگتا ہے۔ اور جسکی غلطی کو اس کا عیب کہتا ہے اور خود  
 سرور لغت اللہ علیہ کا ذہن بنا ہے۔ اس راہ چلنے سے اور جھوٹ اہتمام کرنے سے اور

لست جا کہ سر دہشت اس کا مطلب اپنے مخالف کو بدنام کرنا اور عام لوگوں میں جو اس کے  
خلاف کے حال سے واقف نہیں ہیں راضی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مگر حقیقت اس کا یہ مطلب  
حاصل نہیں ہوتا اور بعض اس کے کہ اس کا مخالف بدنام ہو خود وہی زیادہ رسوا اور بدنام ہوتا  
ہے اس میں یہ کہ جب اس مخالف کی بُرائی جو اس نے براہ کذب و اتہام اس کی نسبت منسوب  
کی ہے مشہور ہوتی ہے۔ تو کوئی تو اسکو سچ سمجھتا ہے اور بہت لوگ اسکی تحقیق کے ورپے  
ہوتے ہیں اور جب اسکی کچھ اصل نہیں پاتے تو بعض اس کے مخالف کے خود اسی کذاب پر  
دہشت و شہوتہ کرتے ہیں اور بقول شخصے کہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا تھوڑے ہی دنوں  
میں اسکی کھلی طعن جاتی ہے اور وہ جھوٹا بدنام خود اسی کڑھے میں گرتا ہے جو اس نے اپنے  
مخالف کے لئے لکھو دیا تھا۔ پس انسان کو چاہیے کہ اپنے مخالف سے بھی مخالفت کرنے میں  
سچائی اور راستہ بندی نہ کی اور کسی کو کام میں لاوے کہ یہی طریقہ اپنے مخالف پر وقوع پانے  
کا ہے ورنہ بعض اپنے مخالف کے خود اپنے تئیں آپ رسوا کرتا ہے۔

مکملہ انفس میں کہ ہمارے مخالف اس پھینٹنے پر ہم سے مخالفت کرتے ہیں یہ کہو اپنی  
مخالفت کا اپنے پر اتہام کرنے کا یا اپنی بدنامی کا کچھ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس بات کا انہیں  
ہے کہ انہیں کو ہمارے مخالف ہی رسوا و بدنام ہوتے ہیں۔ اور دنیا انہی کو دروغ گو و کذاب  
قرار دیتی ہے۔ اگر ان کو ہمارے حال پر رحم نہیں ہے تو خود ان کو اپنے حال پر رحم کرنا چاہیے۔  
ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔

## خوشامد

دل کی جس قدیم باتیں میں سب سے زیادہ ہلک خوشامد کا اچھا لگتا ہے۔ جس وقت  
کہ انسان کے بدن میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو بائی ہو کہ اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے تو  
اسی وقت انسان مرض ہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جبکہ خوشامد کے اچھا لگنے کی  
بیاہی انسان کو لگ جاتی ہے تو اس کے دل میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ نرم ملی  
باتوں کے نہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ جس طرح کہ خوش لگ گانے والے کا رگ اور  
خوش آئند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو  
ایسا لگا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چھیننے کی جگہ اس میں ہو جاتی ہے۔

اول اول یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی آپ خوشامد کرتے ہیں اور اپنی ہر ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ ہی آپ اپنی خوشامد کر اپنے دل کو خوش کرتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ آوروں کی خوشامد ہم میں اثر کرنے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو خود ہکو اپنی محبت پیدا ہوتی ہے پھر بھی محبت ہم سے باغی ہو جاتی ہے اور ہمارے بیرونی دشمنوں سے جا ملتی ہے اور جو محبت دوسرا بانی ہم خود اپنے ساتھ کرتے تھے وہ ہم خوشامدیوں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں اور وہی تلہی محبت ہکو یہ بتلاتی ہے کہ اُن خوشامدیوں پر مہربانی کرنا نہایت حق اور انصاف ہے جو ہماری باتوں کو ایسا سمجھتے ہیں اور اُن کی اس قدر قدر کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دل ایسا نرم ہو جاتا ہے اور اس قسم کے پھسلاوے اور فرب میں آ جاتا ہے تو ہماری عقل خوشامدیوں کے مکرو فرب سے اندھی ہو جاتی ہے اور وہ مکرو فرب ہماری سماطبیعت پر بالکل غالب جاتا ہے :

لیکن اگر شخص کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ خوشامد کا شوق کیسے نالایق اور کمینہ بدبوس پیدا ہوتا ہے تو یقینی خوشامد کی خواہش کرنے والا شخص بھی ویسا ہی لایق اور کمینہ متعمر ہونے لگے گا۔ جبکہ ہکو کسی ایسے وصف کا شوق پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں ہے یا ہم ایسے بنا چاہتے ہیں جیسے کہ حقیقت ہم میں نہیں ہے تب ہم اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کرتے ہیں جو آوروں کے اوصاف اور آوروں کی خوبیاں ہم میں لگانے لگتے ہیں۔ گو سبب اُس کمینہ شوق کے اُس خوشامدی کی باتیں ہکو اچھی لگتی ہوں مگر حقیقت وہ ہکو ایسی ہی بدتر ہے جس سے کہ دوسروں کے کپڑے جو ہمارے بدن پر کسی طرح ٹھیک نہیں اس بات سے کہ ہم اپنی حقیقت کو چھڑ کر دوسرے کے اوصاف اپنے میں سمجھنے لگیں۔ یہ بات نہایت عمدہ ہے کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں اور سچ مجھ وہ اوصاف خود اپنے میں پیدا کریں اور بعض اچھوٹی نقل بننے کے خود ایک اچھی اصل ہو جاویں کہونکہ ہر قسم کی طبیعتیں جو انسان رکھتے ہیں اپنے اپنے موقع پر فہید ہو سکتی ہیں۔ ایک تیسہ نراج اور چہت چالاک آدمی اپنے موقع پر یہاں ہی فہید ہوتا ہے جیسے کہ ایک رومی صورت کا چپ چاپ آدمی اپنے موقع پر :

خود ہی جوانان کو برباد کرنے والی چیز ہے جب چپ چاپ سولی ہوئی ہوتی ہے تو خوشامد اُسکو جگاتی اور اُبھارتی ہے اور جس کی خوشامد کی جاتی ہے اُس میں چھوڑے پن کی کافی میناقت پیدا کر دیتی ہے۔ مگر بات بخوبی یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح خوشامد ایک بدتر چیز ہے اسی طرح مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ اور بہت ہی خوب ہے نہ کہ جس طرح کہ لائق شاعر

وہ کی تعریف کرتے ہیں کہ ان شاعروں سے ان لوگوں کا نام باقی رہتا ہے جن کی وہ تمثیل کرتے ہیں۔ شاعری کی خوبی سے خود ان شاعروں کا نام بھی دنیا میں باقی رہتا ہے۔ دونوں تعریفیں غلط ہیں۔ ایک اپنی لیاقت کے سبب سے اور دوسرا اُس لیاقت کو تمیز کرنے کے سبب سے۔ مگر لیاقت شاعری کی یہ ہے کہ وہ نہایت بڑے استاد مصور کی مانند ہو۔ اس سبب سے اور رنگ اور خال خط کو بھی قائم رکھتا ہے اور پھر بھی تصویر ایسی بناتا ہے

جس کا تصور ہوتا ہو۔  
 دنیا کے شاعروں میں ایک بڑا نقص یہی ہے کہ وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے بلکہ جی حریف کرتے ہیں اُن کے اوصاف ایسے جھوٹے اور ناممکن بیان کرتے ہیں جن کے سبب سے تعریف تعریف میں ہی بلکہ فرضی خیالات ہو جاتے ہیں۔

ناموری کی مثال نہایت عمدہ خوشبو کی ہے جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری واجب تعریف ہوتی ہے تو اُس کا دیباہی اثر ہوتا ہے جیسے عمدہ خوشبو کا۔ مگر جب کسی کمزور دماغ میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی مانند دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔ فیاض آدمی کو بدنامی اور نیکی نامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور عالی ہمت طبیعت کو متناہ عزت اور تعریف سے ایسی ہی تقویت ہوتی ہے جیسے غفلت اور حقارت سے پست ہمتی ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ عوام کے درجہ سے اوپر ہیں انہی لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جیسے غمراہی میں ہی حصہ موم کا زیادہ اثر قبول کرتا ہے جو صاف اور سبک اوپر ہوتا ہے۔

## گذرا ہونہ

برس کی خیریت کو ایک بڑھا اپنے اندھیرے گھر میں سیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراوٹی اور اندھیری ہے۔ گھٹنا چھڑا رہی ہے۔ بجلی ٹپ ٹپ کر کر دیتی ہے۔ اندھی بڑے زور سے چلتی ہے۔ دل نہ پھٹتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڑھا نہایت غمگین ہے۔ مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ کیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کوک اور اندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ باتوں سے ڈھٹیکے ہوئے مومنہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہی چلے جاتے ہیں۔  
 پچھلا زمانہ اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لو کہیں اُسکو یاد آتا ہے جبکہ اُسکو

کسی پیہ کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپا شرفی کے بدلے ریوڑی اور ٹھیکائی  
 اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ۔ بھائی بہن اُسکو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیے چھٹی کا  
 وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں غل میں لے کر کتب میں چلا جاتا تھا۔ کتب کا خیال آتے  
 ہی اُسکو اپنے ہم کتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ علمیں ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اٹھتا  
 تھا۔ مائے وقت مائے وقت مائے گذرے ہوئے زلنے۔ افسوس کرنیں نے تجھے بہت  
 دیر میں یاد کیا؟

پھر وہ اپنی جانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سُرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل بھرا بھرا بدن۔  
 رسی کی آنکھیں۔ رسی کی لڑی سے دانت۔ اُننگ میں بھرا ہوا دل۔ جذبات انسانی کے  
 جوشوں کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔ اُس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانہ میں ماں باپ  
 جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے۔ اور یہ کہتا تھا کہ ”اُہ ابھی بہت  
 وقت ہے“ اور بڑھا پے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اُسکو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ  
 کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو منور کیا  
 اور موت کے لیے تیار رہتا۔ اُہ وقت گزر گیا۔ اُہ وقت گزر گیا۔ اب بچپن کے کیا ہوتا ہے افسوس  
 میں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر یاد کیا کہ ”ابھی وقت بہت ہے“

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات بوسہ  
 ہی ڈراؤنی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل بیٹھا جاتا ہے۔ ہولناک  
 آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اڑتے ہیں اور ٹھنڈے ٹوٹتے ہیں۔ تب وہ چلا کر بولار  
 ”مائے میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہہ کر پھر اپنی  
 جگہ بیٹھا۔“

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ بھائی بہن۔ دوست آشنا یاد آئے۔ جن کی ڈیاں قبروں  
 میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اُسکو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو  
 بھرے کھڑی ہے یہ کہتی ہوئی کہ مائے مٹا وقت گزر گیا باپ کا نورانی چہرہ اُسکے سامنے ہے  
 اور اُس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا ہم تمہارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے۔ بھائی بہن  
 و انتوں میں اُننگی دینے ہوئے خاموش ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے  
 دوست آشنا سب علمیں کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟



ایسی حالت میں اُسکو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اُس نے نہایت بے پروائی اور بے غرتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ - بھائی - بہن - دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا۔ باپ کو ناراض کرنا۔ بھائی بہن سے بے مروت رہنا۔ دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا۔ اور اُس پر اُن گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اُس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اٹھتا تھا کہ اُسے وقت نکل گیا اُسے وقت نکل گیا۔ اب کیونکر اس کا بدلہ ہو؟

وہ گہرا گہرا کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اور ٹکراتا ٹکراتا کھڑکی تک پہنچا۔ اُسکو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ ہمتی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اُسکی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے میں امکان پانا اور پھر پنا یا دیا جس میں کہ وہ جوانی بھی تھی اور نہ وہ جوانی کا جو بن نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے دلولوں کا جوش۔ اُس نے اپنی اُس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ نکل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا۔ نمازیں پڑھنا۔ حج کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ بھوکوں کو کھانا۔ مسکینوں کو روٹی بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی اپنے پیروں کو جن سے محبت کی تھی اپنی مدد کو لگا رہا تھا۔ گردل کی مقبراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کے ذاتی اعمال کا اُسی تک خاتمہ ہے۔ بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں۔ مسکین ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ گنہگار اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر۔ کوئی اُسکی آواز نہیں سنتا اور نہ بدد کرتا ہے۔ اُس کا دل پھر گھبراتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ کھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ ہو سمجھی۔ اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اٹھتا ہے اُسے وقت اُسے وقت میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا؟

وہ گہرا گہرا کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اُس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے۔ اندھیری مٹ گئی ہے۔ گھٹا کھل گئی ہے۔ تارے نکل آئے ہیں۔ اُن کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُسکو آسمان کیسے چرخ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اُس میں ایک خوبصورت دہن نظر آئی۔ اُس نے ٹٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا شروع کیا جوں جوں وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک

کہ وہ اُس کے بہت پاس گئی۔ وہ اُس کے حُسنِ جمال کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور نہایت پائل اور محبت کے جذبہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نکلی ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہاں ہے۔ نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا کے فضل اُس بدوسی کی طرح جس نے کہا کہ ”واللہ لا انہید ولا انقص“

ادا کرے انسان کی بھلائی اور اُس کی بہتری میں ہی کرے اُس کی میں سرخ ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ نہ رہتی ہے۔ انسان جی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہیگا۔ پس جو بھلائی کا انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل خیر تک چلی آتی ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ اُسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کی موت اُن سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی روح ہوں۔ جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے۔ کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں تو دل جان مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دُلسر غائب ہو گئی اور بڑھا چہر اپنی جگہ بیٹھا۔

اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی بچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اُس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیے تھے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کیے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

اپنا حال سوچ کر وہ اُس لہریب دلہن کے لٹنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھ کر آئندہ کرنے کی بھی کچھ امید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بیقرار ہو کر چلا اُٹھا۔ اُسے وقت بے وقت کیا پھر تجھے میں بلا سکتا ہوں۔ اُسے میں دُش نہرا دینا میں دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری اور بیہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اُس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اُسکی پیاری لال اُس کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اُسکو گلے لگا کر اُس کی سبلی۔ اُس کا باپ اُسکو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اُس کے گرد اکھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس نہ رہتا ہے کیوں تو بیقرار ہے کس لیے تیری بچکی بندہ گئی ہے

اُٹھ موٹھ ماتھ دھو کپڑے پہن۔ نوروز کی خوشی منا تیرے بھائی میں تیرے منظر کھڑے  
ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور بھجھا کہیں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڑھا ہو گیا تھا اُس نے  
اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اُس نے سُکر اُسکو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا  
اُس ڈیوان بُڈھے نے کیا بلکہ ایسا کر جیسا تیری دِلن نے تجھ سے کہا۔  
یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے نپکا راکہ اویسی میری زندگی کا  
پہلا دن ہے۔ میں کبھی اُس بُڈھے کی طرح نہ پچتاؤں گا اور ضرور اُس دِلن کو بیاہوں گے جس نے  
ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا او خدا  
تو میری مدد کر۔ امین۔

پس اسے میرے پیارے نوجوان ہوطنوں۔ اور اسے میری قوم کے بچہ۔ اپنی قوم کی  
بھلائی پر کوشش کرو تا کہ اخیر وقت میں اُس بُڈھے کی طرح نہ پچتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب  
خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ امین۔

## بحث و تکرار

جب کہتے آپس میں کہ بیٹے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بُری نگاہ سے  
آنکھیں بل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی تھوڑی گونجلی آواز اُن کے تھنوں  
سے نکلنے لگتی ہے۔ پھر تھوڑا سا جڑا کھٹا ہے اور دانت دکھلائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے  
آواز نکلتی شروع ہوتی ہے۔ پھر باپچیں چر کر کانوں سے جا لگتی ہیں اور ناک سمٹ کر اکتھ پر  
چڑھ جاتی ہے۔ ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں۔ مُنہ سے جھانک ل پڑتے ہیں اور  
عصیانہ وار کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چٹ جاتے ہیں اسکا  
ماتھ اُس کے گلے میں اور اُسکی ٹانگ اُسکی کمر میں۔ اُس کا کان اس کے مُتھ میں اور اسکا مُتھ  
اُس کے جڑے میں۔ اس نے اُس کو کاٹا اور اُس نے اس کو پچھا ڈر بھنبوٹا۔ جھکر ور ہوا  
نم دہاگر بھاگ نکلا۔

نامتیب آنسو کی مجلس میں بھی اُس میں اسی طرح پتکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت  
کر لڑا پس بل بیٹھے ہیں پھر دھیمی دھیمی جیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے  
دوسرے بولتا ہے وہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے وہ کہ کیا جانو وہ بولتا ہے تم کیا جانو۔

دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے۔ تیوری چڑھ جاتی ہے۔ رخ بدل جاتا ہے۔ انجھیدیں اُٹھ جاتی ہیں۔ ہاتھیں چڑھ جاتی ہیں۔ دانت نکل پڑتے ہیں۔ تھوک اڑنے لگتا ہے۔ ہاتھوں تک کف بھڑکتے ہیں۔ سانس جلدی چلتا ہے۔ رگیں تن جاتی ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ بھوں۔ ماتھ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتی ہیں۔ عقیف عقیف آوازیں نکلتے لگتی ہیں۔ آستین پڑھا ماتھ پھیلا۔ اسکی گردن اس کے ماتھ میں اور اسکی ڈاڑھی اسکی ٹھٹی میں لپا ڈو کی جڑنے لگتی ہے۔ کسی نے پیچ بچاؤ کر چھوڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر چلا گیا اور ایک ادھر اور اگر کوئی پیچ بچاؤ کرنے والا نہ تھا تو کمزور نے پٹ کو کپڑے جھاڑتے سر سھلاتے اپنی راہ لی + جس قدر تہذیب میں ترقی ہوتی ہے اُس قدر اس فکر میں کمی ہوتی ہے۔ کہیں غرض ہو کر رہ جاتی ہے کہیں توں نکار تک نوبت آ جاتی ہے۔ کہیں آنکھیں بدلنے اوزناک چڑھانے اور جلدی جلدی سانس چلنے ہی پر خیر گذر جاتی ہے۔ مگر ان سب میں کسی نہ کسی قدر کمزوری کی مجلس کا اثر پایا جاتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے کمزوری کی طرح بحث و فکر کر کے +

انسانوں میں اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے اور اس کے پرکھنے کے لیے بحث و مباحثہ ہی کوئی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بے مباحثہ اور دل لگی کے آپس میں دوستوں کی مجلس بھی پھیلکی ہے۔ مگر ہمیشہ مباحثہ اور تکرار میں تہذیب و شائستگی محبت اور دوستی کو ماتھ سے دینا نہ چاہیے +

پس سے میرے عزیز ہوں۔ جب تم کسی کے برخلاف کوئی بات کہنی چاہو یا کسی کی بات کی تردید کا ارادہ کرو تو خوش اخلاقی اور تہذیب کو ماتھ سے مت دو۔ اگر ایک ہی مجلس میں دو بدو بات چیت کرتے ہو تو ابھی زیادہ نرمی اختیار کرو۔ چرو۔ لہجہ۔ آواز۔ وضع۔ لفظ سب کو رکھو جس سے تہذیب اور شرافت ظاہر ہو مگر بناوٹ بھی نہ پائی جاوے۔ تردیدی گفتگو کے ساتھ ہمیشہ سادگی سے مودت کے لفظ استعمال کرو۔ مثلاً یہ کہ میری سمجھ میں نہیں آیا یا شاید مجھے دھوکا ہوا۔ یا میں غلط سمجھا گو بات تو عجیب ہے مگر آپ کے فرمانے سے باور کرتا ہوں۔ جب دو تین فرہات کا اُٹ پھیر ہو اور کوئی اپنی رائے کو نہ بد لے تو زیادہ مکرارت نہ کرنا۔ یہ کہہ کر کہیں اس بات کو پھر سوچوں گا یا اُس پر پھر خیال کروں گا۔ جھگڑے کو کچھ ہنسی خوشی دوستی کی باتیں کہہ کر ختم کرو۔ دوستی کی باتوں میں اپنے دوست کو یقین دلانا کہ اس دو تین فرہات پھر

تمہارا سٹل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمہارا مطلب باتوں کی اُس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا مشتبہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز جیسا کہ دوستی ناخوش سے جاتی رہتی ہے :

جبکہ تم مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے سے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب تک کہ تقریر پس مندی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر ممکن ہوا سکوت کر دو اور آپس میں خاموشی غلامی کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مہو وطن اس بابت پر زور کریں کہ ان کی مجلس میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے :

## امید کی خوشی

اے آسمان پر بھروسے بادلوں میں کبلی کی طرح چھپنے والی دھنک۔ اے آسمان کے تارو۔ تمہاری خوش ناچک۔ اے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھندلی چوہ۔ اے پہاڑ کے عالی شان درختو۔ اے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش بیل بوٹو۔ تم نسبت ہمارے پاس کے رختوں اور تیز کھیتوں اور لہرائی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوش معلوم ہوتے ہو۔ اس لیے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تم کو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمہارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی ہم کو زیادہ خوش کرنے والی ہے :

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جس کو سب سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہکواؤں کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے۔ بڑی دور دھوپ کرے تو پھر تک اُسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے :

او نورانی چہرہ والے یقین کی الٹو قی خوبصورت بیٹی۔ امید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری صیبت کے وقتوں میں ہکوتلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اٹسے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہم کو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سارے سے زندگی کی شکل شکل گناٹیاں ہم ملے کرتے ہیں۔  
 تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے  
 لیے نام آوری۔ نام آمدی کے لیے بہادری۔ بہادری کے لیے فیاضی۔ فیاضی کے لیے  
 محبت۔ محبت کے لیے نیکی۔ نیکی کے لیے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری  
 نیکیاں تیری ہی تالیخ اور تیری ہی فراں بردار ہیں +

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اُسکو چھوڑا  
 اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید  
 مہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس موت میں پھنسنے وال کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس  
 ذات سے نکالا۔ اور پھر اُسکو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کفرشتوں نے اُسکو سجدہ کیا تھا +  
 اُس نیک نیتی کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے ماتھے سے مصیبت اُٹھائی اور راپیٹ  
 سسی تیرا ہی خوب صورت پھر تسلیم دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا  
 جاتا تھا اور بجز ناپوسی کے آؤر کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی  
 کھینے والی اور اُس کا بٹیرا رنگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جو دی بہاڑ کی مبارک چوٹی  
 کو عزت ہے + زمین کی ہری ٹہنی کو جو دھارا دار گہتر کی چرچ میں وصل کے پیغام کی طرح چنچ  
 جو کچھ برکت ہے تیری ہی بدولت ہے +

اے آسمانوں کی روشنی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید تیرے ہی شاہد اب اور  
 سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل تھا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک  
 رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے دیوان جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا سافیر سے ہی گھنے  
 باغ کے سرسبز دھنتوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحسان  
 جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے  
 خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں۔ اور دردناک زندگی کی  
 خوشیاں سب موجود ہوتی ہیں +

دیکھو نادان بے بس بچہ گوارہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زندہ ماں اپنے دھند سے میں  
 لگی ہوئی ہے اور اُس گوارہ کی ڈوسری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ماتھے کاٹھ میں امداد دلچسپی میں ہے  
 اور زبان سے اُس کو یہی لوری دیتی ہے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے اپنے باپ کی

تھارے ٹل میں کچھ کدورت نہیں آئی ہے اور نہ تمھارا مطلب باتوں کی اُس الٹ پھیر سے اپنے دوست کو کچھ تکلیف دینے کا تھا کیونکہ جھگڑا یا مشد بہ زیادہ دنوں تک رہنے سے دونوں کی محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے اور ایسی عزیز چیز (حبیبیہ کی دوستی) ناخدا سے جاتی رہتی ہے :

جب تک مجلس میں ہو جہاں مختلف رائے کے آدمی ملے ہوئے ہیں تو جہاں تک ممکن ہو جھگڑے اور تکرار اور مباحثہ کو آنے سے مت دو کیونکہ جب تقریر بڑھ جاتی ہے تو دونوں کو ناراض کر دیتی ہے جب تک کہ تقریر پس مندی جاتی ہے اور تیزی اور زور سے تقریر ہونے لگی ہے تو جس قدر جبرک ہو اسکو ختم کرو اور آپس میں منہ منہ خوشی غلاف کی باتوں سے دل کو ٹھنڈا کر لو۔ یس چاہتا ہوں کہ میرے مہوطن بس بات پر غور کریں کہ اُن کی مجلسوں میں آپس کے مباحثہ اور تکرار کا انجام کیا ہوتا ہے :

## امید کی خوشی

لے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک۔ اُسے آسمان کے تارو۔ تمھاری خوش نما چمک۔ اُسے بلند پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی دھندلی چٹو۔ اُسے پہاڑ کے عالی شان درختو۔ اُسے اونچے اونچے ٹیلوں کے دلکش ہیل بوٹو۔ تم بہ نسبت ہمارے پاس کئے وقتوں اور سرگرمیوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوشنا معلوم ہوتے ہو۔ اس لیے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تمکو یہ خوبصورتی بخشی ہے۔ اس دوری ہی سے تمھارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے۔ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز بہت دور ہے وہی تمکو زیادہ خوش کرنے والی ہے :

وہ چیز کیا ہے۔ کیا عقل ہے جسکو سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ ہمو آئینہ کی خوشی کا یقین دلا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اُس کا میدان تو نہایت تنگ ہے بڑی دوڑ دھوپ کرے تو خیر تاک اُسکی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے :

او نورانی چہرہ والے یقین کی ایکلوتی خوبصورت بیٹی۔ امید۔ یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری صحبت کے وقتوں میں ہمو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے اُسے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور ہوا خوشیاں ہمو نہایت ہی

پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی شکل شکل لگائیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی خوشی کے لیے نایم آدھی۔ نام آدھی کے لیے بہادری۔ بہادری کے لیے فیاضی۔ فیاضی کے لیے محبت۔ محبت کے لیے نیکی۔ نیکی کے لیے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی بتاویں اور تیری ہی فرماں بردار ہیں +

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں سے اُسکو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اُس کو گھیرا تو صرف تو ہی اُسکے ساتھ رہی۔ تو ہی نے اُس نا اُمید کو نا اُمید ہونے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو حق میں پھنسنے دل کو مرنے نہیں دیا۔ تو ہی نے اُس کو اُس وقت سے نکالا۔ اور پھر اُسکو اُسی اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جہاں کد فرشتوں نے اُسکو سجود کیا تھا + اُس نیکیوں کو جس نے سینکڑوں برس اپنی قوم کے احمق سے مصیبت اُٹھائی اور پارسیٹ سی ستیر ہی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا۔ وہ پہلا ناخدا جبکہ طوفان کی موجوں میں بہا ہوا تھا اور بحرِ ناپیدی کے اندر کچھ نظر نہیں آتا تھا تو تو ہی اُس طوفان میں اُس کی کشتی کھینے والی اور اُس کا بیڑا پار لگانے والی تھی۔ تیرے ہی نام سے جو دی پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ہے + زمین کی ہری نشینی کو جو وفادار گہتر کی چمنچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھ بکرت ہے تیری ہی بدولت ہے +

اے آسمانوں کی خوشحالی۔ اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید تیرے ہی شاہد اور سرسبز باغ سے ہر ایک محنت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے دیوان جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا اسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز دھنتوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ہے۔ دماں کی ٹھنڈی ہوا خوش الحسان جانوروں کے راگ بہتی نہروں کی لہریں اُس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اُس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں اُس سے دھو ہوتی ہیں۔ اور دھما دھما دھما کی خیمالی خوشیاں سب کو موجود ہوتی ہیں +

دیکھ نا مان بے بس بچہ گمراہ میں سوتا ہے اُسکی مصیبت زندہ ماں اپنے دھند سے میں لگی ہوئی ہے اور اُس گمراہ کی ڈھوس ہی ہلاتی جاتی ہے۔ مانتہ کلام میں دل بچے میں ہے اور زبان سے اُس کو کہیں لودھی دیتی ہے۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اسے اپنے باپ کی



سورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ - ۱۔ میرے دل کی کوئل سورہ - بڑھا اور پھل پھول  
تجدہ پر کبھی نزاں آنے پاوے - تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے - کوئی ٹھن گھڑی تجھ کو  
نہ آوے - کوئی نصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے - سورہ میرے سچے سورہ -  
میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے سچے سورہ - تیرا کھڑا چاند ہے بھی زیادہ  
روشن ہوگا - تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی - تیری شہرت تیری لیاقت -  
تیری محبت جو تو مجھے کرے گا آخر کار ہمارے دل کو تسلی دینگی - تیری ہنسی ہمارے اندھے  
کھڑکا اوجا لاہوگی - تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دور کریں گی - تیری آواز ہمارے لیے  
خوش آئند راگنیاں ہوں گی - سورہ میرے سچے سورہ - ۱۔ ہماری اُمیدوں کے پودے سو  
بولو جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے - تم ہماری سچان لاش پاس  
کھڑے ہو گے - تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولیں گے - تم روو گے - اور ہم کچھ رحم نہ کریں گے - ۱۔ میرے  
پیارے رونے والے - تم ہمارے ڈھیر پر اگر ہماری روح کو خوش کرو گے - آہم نہ ہوں گے اور  
تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے - اپنی ماں کا محبت بھرا چہرہ اپنے باپ کی نورانی صورت  
یاد کرو گے - آہ ہم کو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہو گے - سورہ میرے  
سچے سورہ - سورہ میرے بلے سورہ +

یہ اُمید کی خوشیاں اُن کو اُس وقت تھیں جبکہ بچہ غوغاں میں نہیں کر سکتا تھا - مگر جب وہ  
فراڈ بڑا ہوا اور مصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اُن ماں کننا سیکھا اُنکی  
پیاری آواز ادھر سے لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی - آنسوؤں سے اپنی ماں  
کی آنش محبت کو بھر کانے کے قابل ہوا پھر کتب سے اُسکو سرور کا پڑا رات کو اپنی ماں کے  
سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزہ دل سے سنا بنے لگا - اور جبکہ وہ تاروں کی چھاتوں میں اُٹھ کر  
اتھ موٹھ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نمازیں کھڑا ہونے لگا - اور اپنے بے گناہ دل  
بے گناہ زبان سے بے یا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں اُن کو کتنی مزید  
ہو گئیں - اُس کے ماں باپ اُس مصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں مادہ ہاکی  
پیاری اُمید تو یہی ہے جو مدد سے لمحہ تکٹا رہے ساتھ جیتی ہے +

دیکھو وہ بڑھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے - اُس کا پیارا بیٹا بیٹھوں کے  
ریڈ میں سے غائب ہو گیا ہے - وہ اُسکو ڈھونڈتا ہے پر وہ نہیں ملتا - اُس سے پراسید

نہیں ٹوٹی۔ سو بھرا دانتوں پھٹا کرتا دیکھتا ہے پرٹھنے سے نا اُمید نہیں۔ فاقوں سے شک ہے۔ غم سے زار نہ رہا ہے۔ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔ کوئی خوشی اُس کے ساتھ نہیں ہے مگر وہ ایک امید ہے جس نے اُسکو وصل کی اُمید میں زندہ اور اُس خیال میں خوش رکھا ہے۔

دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کُنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے۔ اُس کا سوچ کا سا بچنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار غیر قوم غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے مڑے باب کا غم اُس کی روح کو صدر پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جُدائی اُس کے دل کو بھینچ رکھتی ہے۔ قید خانہ کی مصیبت اُس کی تنہائی اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناہی خیال اُسکو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اُس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں ہے مگر اسے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید بھی ہر اُس کی خوشی ہے۔

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے۔ کوچ پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے۔ ہزاروں خطرے ویش میں مگر سب میں تقویت بھی سے ہے۔ لڑائی کے میدان میں جبکہ بہادروں کی صفیں کی صفیں چُپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سُناں کا عالم ہوتا ہے دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جُرات ہوتی ہے۔ اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہنچتی ہے اور وہ آنکھ اٹھا کر نہایت بہادری سے باطل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے۔ اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُس کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور تیش پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سُنتا ہے۔ اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے تو اسے بہادروں کی قوت بانو۔ اور اسے بہادری کی ماں۔ تیرے ہی سبب سے فتح دی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے۔ اُن کا کان نقارہ میں سے تیرے ہی غم کی آواز سُنتا ہے۔

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے۔ دن رات اپنے دل کو بھلائی ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے۔ اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے گانوں بیگانوں سے ملتا ہے۔ ہر ایک کی اُل حال میں پنا سطلب ڈھونڈتا ہے۔ مشکل کے وقت ایک بڑی ماہی سے دوا لگتا ہے۔ جن کی بھلائی چاہتا ہے انہیں کو دشمن پاتا ہے۔ شہری وحشی

بتاتے ہیں۔ دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ہیں۔ بھائی بند  
عزیز اقارب سب بھگتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں :-  
وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں  
بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

ساتھی ساتھ دیتے ہیں مگر ماٹوں کر کر محنت اور دلسوزی سے دور رہ کر ہستیا ہی ہمدردی  
کرتے ہیں۔ پھر کوٹھی کھٹلے سے الگ کر کر دل ہر وقت بیقرار ہے۔ کسی کو اپنا سا نہیں پاتا کسی  
پر دل نہیں بٹھرتا۔ مگر اسے بقیار دلوں کی راحت اور اسے شکستہ خاطر کی تقویت۔ تو ہی ہم  
ہمارے ساتھ ہے تو ہی ہمارے ل کی تسلی ہے تو ہی ہمارے کٹھن منہروں کی ساتھی ہے تیری  
ہی تقویت سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچیں گے۔ تیرے ہی سبب گوہرِ ادا کو پاویں گے  
ادو ہمارے ل کی عزیز اور ہمارے پیارے صدی کی پیاری "امید" تو ہمیشہ ہماری ل کی  
تسلی رہے۔

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید۔ جبکہ زندگی کا چراغ ٹٹٹا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب  
لب بام ہو چکا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں گرمی نہیں رہتی۔ رنگ فق ہو جاتا ہے۔ موند پروردنی چپاتی  
ہے۔ ہوا ہوا میں پانی پانی میں۔ ٹٹی ٹٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی ہمارے سے  
وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔

اُس وقت اُس زرد چہرے اور آہستہ آہستہ ہٹتے ہوئے ہوٹوں اور بے خیال بندہ ہوتی ہوئی  
آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ  
دکھائی دیتا ہے۔ تیری صدا کاں میں آتی ہے اور ایک نئی صبح اور تازہ خوشی حاصل آتی ہے  
اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی امید ہوتی ہے۔  
یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیے موسمِ بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہو جاتا ہے  
اُس ل زوال آنیوالی خوشی کی امید تمام دنیاوی رنجوں اور جہانی تکلیفوں کو بھٹا دیتی ہے۔ اور  
غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے۔ گو کہ موت ہر دم جاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک  
چیز ہے۔

ادو ہمارے آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہرکو ہمیشہ رہنا ہے۔ جہاں صبح کی  
کرن اور نمانکی بلکہ بھی نہیں پہنچتی تیری ساتھی چنیوں سے ملنے ہوتی ہے۔ ایمان کے

توبہ اور اُمید کے ادھی اور موت کی سواری سے مگر ان سب میں جبکہ سب سے زیادہ قوت ہے ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے جس کا پایا نام اُمید ہے +

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی گھنٹھ گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا بھارت ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اُس بے تکلیف آنے والے نانا کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور بچوں کے زانہ کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بے شاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے +

بقدر ہر سکوں راحت ہو دیگر تفاوت را  
وہ دین رفتن استادش ستن خفتن مژگون

## محبیبانی

اور

## حُنبانی

کسی شخص کا قول ہے کہ محبت کسی حیثیت سے ہو اکیلا یہی چیز ہے کہ محبوب کی دوستی میں بٹھا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافروں سے دوستی و محبت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو ممنوع ہے۔ پس سید احمد خاں جو یہ بات کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی رو سے کافروں سے صرف دُھی دوستی ممنوع ہے جو من حیث الدین ہو اور اسکے سوا کسی کی دوستی اور سچی محبت جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہو سکتی ہے کافروں سے کرنی شرعاً ممنوع نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دوستی و محبت میں ان دونوں حیثیتوں کی تمیز ہم کیوں نہ کر کر سکتے ہیں +

مگر ایسا کہنا اور ایک بدیہی علم میں تمیز نہ کرنا کافی طور پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں حیثیتوں سے جو محبت اور دوستی انسانوں میں ہوتی ہے وہ ایسی بدیہی ہے کہ ہر شخص اعلیٰ و ادنیٰ عالم و مابین اس میں تمیز کرتا ہے +

فرض کہ ہر کوئی شخص کسی سے محبت رکھتا ہے ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ تم اس سے کیوں محبت رکھتے ہو وہ اس کا جواب دیتا ہے کہ وہ میرا برا محسن ہے۔ اُس نے بڑے شکل شکل

دقتوں میں مجھ پر احسان کیلئے ہیں۔ تنگی کے وقت روپیہ سے مدد کی ہے۔ بیماری کی حالت میں میری تیمارداری کی ہے۔ دوا دارو علاج حال میں بڑی کوشش کی ہے۔

یا وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے کہ ہم اور وہ مدت ملتا تھو رہے ہیں۔ دن رات آپس میں اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ساتھ رہا ہے۔ روز روز کی ملاقات۔ بات چیت۔ ہنسی۔ مذاق۔ دل لگی مزاج کی باہمی موفقت کے سبب آپس میں دوستی و محبت ہو گئی ہے۔

یا وہ یہ کہتا ہے کہ جس فن کا مجھ کو شوق ہے اُس فن کا اُس کو بدبھغایت کمال ہے۔ اُس فن کے کمال کے سبب جس کا مجھ کو شوق ہے اُس شخص سے ملی محبت اور جانی دوستی ہو گئی ہے۔

یا اُس کا سبب وہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شخص نہایت خوبصورت ہے۔ اُس کے حسنِ جمال نے میرے دل میں ایسی محبت بلکہ اُس کا عشق پیدا کر دیا ہے۔

پھر ہم اُس سے دو سلسلہ سوال کرتے ہیں اور کسی بزرگ کا بزرگانہ بن میں سے نام لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اُن بزرگ سے بھی محبت رکھتے ہو وہ ضرور جواب دیتا ہے کہ اُن کیوں نہیں۔

تب ہم اُس سے کہتے ہیں کہ وہ بزرگ تو تم سے کئی سو برس پہلے گذر چکے ہیں اُنھوں نے کوئی تیرہ صانغیں کیا۔ کسی شکل کے وقت میں تمھارے کام نہیں آئے۔ کبھی تنگی کے وقت میں تمھارے کچھ نہیں دیا۔ کبھی تمھاری تیمارداری نہیں کی۔ کبھی تمھاری دوا دارو علاج حال میں کوشش نہیں کی۔ کبھی وہ اور تم ساتھ نہیں رہے۔ کبھی ساتھ اُٹھے بیٹھے۔ کبھی آپس میں ملاقات بات چیت ہوئی۔ کبھی ہی مذاق ہوا۔ نہ باہم مزاجی موفقت ہوئی۔ جس فن کا تم کو شوق ہے وہ اُس کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ نہ جتنے اُن کو دیکھا لگاؤں کے حسنِ جمال نے تم کو ذہنیہ کر لیا ہو۔ پھر کیوں تم اُن سے محبت رکھتے ہو۔

اس سوال کا وہ نہایت ناراض ہو کر احوالِ صفا کر دیتا ہے کہ اُن سے جواب دیتا ہے کہ کیا میں وہ بزرگانہ بن تھے۔ خدا کے اُن کا بڑا درجہ ہے۔ وہ دینداری میں لگاؤ وقت تھے غلامِ پرستی اور زہد و تقویٰ و عبادت میں لگاؤ تھے۔ ایمان کا اُلُّ اُن کو نصیب تھا۔ دین میں سب کے سردار تھے۔ اس لیے اُن سے محبت رکھتے ہیں۔

انہی باتوں کو یہی پہلی محبت۔ محبت میں حیث الدین ہے جبکہ دین صبا یا فی کتا ہوں۔ اور یہی محبت غیر مذہب سے رکھنی شرعاً منہج اور حرام بلکہ گنہگار ہے اور پہلی محبت

جس کو میں جب انسانی کمیتوں میں شرفاً ممنوع نہیں اور دونوں قسم کی محبت میں بالبداهت تفرقہ و  
تیز مزاجی ہے کہ ایک قسم کی محبت اُن اسباب ظاہری کی باعث تھی جو بتقدائے فطرت انسانی  
ایک کو دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسری قسم کی محبت باوجود معدوم ہونے اُن  
تمام اسباب ظاہری کے صرف من حیث الٰہیہ تھی۔ اب کون شخص ہے جو ان دونوں قسموں کی  
محبت میں تیز نہیں کر سکتا ؟

پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے  
یہ اُن کی محض غلطی ہے۔ جو چیز کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں بنائی ہے وہ برحق اور مکمل  
سچ ہے۔ بہکونام دوستوں سے گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی محبت رکھنی اور  
برتنی چاہیے۔ مگر وہ تمام محبت اور دوستی حبت انسانی کے درجہ پر ہو نہ حسبِ یلانی کے کیونکہ سب  
ایمانی ملا اتحاد مذہب بلکہ ملا اتحاد شرب ہونی غیر ممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ہدایت ہم  
ہمارے سچے مذہبِ اہلِ حق کی ہے۔ واللہ درہنِ قائل

ماقتدہ سکندر و دارا نخواستہ  
از باہر حکایتِ مہر و وفا میرس

## سولزیشن یا تہذیب

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولزیشن کیا ہے؟ اور کن کن چیزوں سے علاوہ کھتی ہے؟  
کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے؟ یا قدرتِ انسان کی فطرتیں اس کو پیدا کی ہے۔ بلکہ صنی کیا ہیں؟ کیا یہ کوئی مطلق  
ہے جس کو لوگوں نے یا فیلسوفوں نے مفکر کیا ہے؟ یا ایسی چیز ہے کہ اس کا مفہوم۔ اور جن جن چیزوں اس کا  
تعلق ہے۔ قانونِ قدرت میں پایا جاتا ہے۔ اس امر کے تصدیق کے لئے انسان نے علامات پر  
مکمل نظر کرنی چاہیے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطرتی چیز ہے تو وحشیوں میں۔ شہریوں میں۔  
سب میں اس کا نشان ملے گا۔ گو اُسکی صورتیں مختلف دکھائی دیتی ہوں۔ آلاسب کی جڑ ایک  
ہی ہوگی ؟

انسان میں یہ ایک فطرتی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو  
نا پسند۔ یا اس کو کوکچہ پسینہ کہ اچھا ٹھہرتا ہے اور کچھ پسینہ کہ بُرا۔ اور اُس کی طبیعت اس طرف  
مائل ہے کہ اُس بُری چیز کی حالت کو اچھی حالت سے تبدیل کرے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے۔ یہی چیز

سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کی ہر کردہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اسی تبادلہ کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے۔ اور کچھ شے نہیں کہ یہ میلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرتی ہے +

سولزیشن یا تہذیب کی طیف انسان کی طبیعت کے مثل ہونے کے دو اصول ٹھہرے۔ اچھا بُرا۔ اور بُرے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری۔ مگر اچھا اور بُرا قرار دینے کے مختلف اسباب خُلق اور خلق۔ ملکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور بُرا ٹھہرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور اُٹل تہذیب جانتی ہے۔ دوسری قوم اُسی بات کو بہت بُرا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے۔ اشخاص میں نہیں ہوتا۔ یا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر رہتا ہے۔ تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں۔ اُن کی غذائیں اور اُن کی پوشاکیں۔ اُن کی معلومات اور اُن کے خیالات۔ اُن کی مسرت کی باتیں اور اُن کی نفرت کی چیزیں سب یکساں ہوتی ہیں۔ اور اسی لیے بُرائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب میں یکساں پیدا ہوتے ہیں۔ اور بُرائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے۔ اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اُس قوم یا گروہ کی نشوونما ہے۔ مگر جب مختلف گروہ ہیں مختلف مقامات میں رہتی ہیں۔ تو اُن کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور اِس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہوگی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کر سکے +

ملکی حالتیں۔ جہاں تک کہ وہ بزرگ و باش سے تعلق رکھتی ہیں۔ فکراور خیال اور دماغ سے۔ اُن کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں۔ بلکہ صرف انسان کے خیال کو اُس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور بُرا ٹھہرتا ہے۔ اور جس باعث سے خواہش تبادلہ تحریک میں آتی ہے۔ اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ اسباب کر سکتے ہیں جن کے سبب اچھے اور بُرے کا خیال دل میں ٹھہرتا ہے +

اچھے اور بُرے کی جگہ تین اُوزن کا استعمال کر دیا جائے۔ یعنی پسند اور ناپسند۔ انگریزی میں ایک لفظ "ٹیسٹ" ہے جو نہایت وسیع معنوں میں متل ہوتا ہے۔ ہمارے زبان میں بھی اُس قسم کے لفظ ہیں جیسے کھڑا یا غناق۔ گروہ استعمال میں ایسے خاص ہو گئے ہیں کہ اُن سے وہ عام اور وسیع

معنی خیال میں نہیں آتے۔ اس واسطے میں اُس لفظ کا ترجمہ پسند کرتا ہوں۔ پس پسند کا صحیح معنی ہونا۔ جو خیال کے صحیح ہونے کی فرع ہے۔ بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصفیہ کا ہے۔

خیال کی درستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر۔ اور علم بلعیاات سے سنجو بیابا ہر ہونے پر منحصر ہے۔ انسان کی معلومات کو رد و برز ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے۔ کیا عجیب کہ آئندہ کوئی ایسا زمانہ آوے۔ کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانہ کی تہذیب کو بھی وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے ل سے دیکھیں جیکہ ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے مگر مودب ل سے دیکھتے ہیں۔

تہذیب۔ یا یوں کہو کہ بُری حالت سے اچھی حالت میں لانا۔ دنیا کی تمام چیزوں سے۔ خلّاتی ہوں یا مادی۔ یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ تکلیف سے بچنے اور آسائش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے۔ ہنر اور اُس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے۔ ایک تربیت یافتہ قوم زور و جواہر۔ یا قوت الماس سے نہایت نفیس نفیس بصورت زیور بناتی ہے۔ تا تربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور پوتھوں سے اپنی آرایش کا سامان ہم ہو چکا ہے۔ ہے تربیت یافتہ قومیں اپنی آرایش میں سونے چاندی۔ مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں۔ تا تربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو۔ تیلیوں پر سے پھلے ہوئے سُہری پوست۔ اور ہڈوں کے سے رنگ کی لاریک اور خوش نما گھاس میں گوندھ کر لپٹے نہیں کرتی ہیں۔ تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستی کا خیال ہے۔ تا تربیت یافتہ قومیں بھی اُس کی درستی پر مصروف ہیں۔ شاہی کانات۔ نہایت عمدہ اور عالی شان بنتے ہیں۔ اور نفیس چھتروں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ تا تربیت یافتہ قوموں کے چھوٹے پڑے اور اُن کے رہنے کے گھونپے درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈے۔ نہیں ہیں کہ وہی ہوئی کھوپڑیاں بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی حسینہیں۔ تمدن کے قاعدے۔ عیش و عشرت کی مجلسیں۔ خاطر اور مدارا کے کام۔ اور اخلاق و محبت کی علامتیں۔ دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات سے بھی تربیت یافتہ قومیں خالی نہیں۔ بلکہ بعضی چیزیں اُن میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً شاعری جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں ہے۔ تا تربیت یافتہ قوموں میں عجیب ٹھنڈی دغوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور وہاں لی جوشوں اور



اندرونی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ سو قوتی نے تربیت یافتہ قوموں میں نہایت ترقی پائی ہے۔ مگر تربیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی ادا اور ادا کی پھرت۔ اس کا گھٹاؤ اور اس کا بڑھاؤ۔ اس کا ٹھہراؤ اور اس کی اوچ۔ بافتوں کا بھٹاؤ اور پائوں کی دھمک۔ زیادہ تر مصنوعی قواعد کی پابند ہے مگر تربیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں لی جوش کی وجہ سے ہیں۔ وہ لٹی اور تال۔ راک و لگنی کو نہیں جانتے۔ گزول کی لہر ان کی لٹی۔ اور دل کی پھرک ان کا تال ہے۔ ان کا غول باندھ کر کھڑا ہونا۔ طبعی حرکت کے ساتھ اچھلنا۔ دل کی دیتابی سے جھکنا اور پھر جوش میں اگر سیدھا ہو جانا۔ گزراکت اور فن خنیا گری سے خالی ہو۔ مگر قدرتی جذبوں کی ضرورت یہ ہے۔ دلی جذبوں کا روکنا اور ان کو عمدہ حالت میں رکھنا۔ تمام قوموں کے خیالات میں شامل ہے۔ پس جس طرح کہ تم تہذیب کا قدرتی لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اس کا تعلق عقلی اور ادبی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی جینی بُرائی سے اچھائی کی طرف رجوع۔ یا افنی درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف تحریک ہو سکتی ہے۔ اُسی سے تہذیب بھی تعلق ہے۔ پس سولٹیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے افعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا۔ وقت کو عزیز سمجھنا۔ واقعات کے سبب کو ڈھونڈنا اور ان کو ایک سلسلہ میں لانے۔ اخلاق اور معاملات اور عادتیں اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطرتی عددگی پر رہو پوچھنا۔ اور ان سب کو خوش اسلوبی سے برتنا۔ اور اس کا نتیجہ کیا ہے۔ روحانی خوشی اور جسمانی خوبی۔ اور اعلیٰ تکلیف۔ اور حقیقی وقار۔ اور خود اپنی عزت کی عزت۔ اور حقیقت یہی پہلی ایکٹیوٹ ہے جس سے دشیا نہ پن اور انسانیت میں تمیز ہوتی ہے +

اس تہذیب کے اصل ہونے کے بقول سٹراچ۔ ٹی۔ بیکل صاحب چار اصول ہیں +  
**اول**۔ جو چیزیں ہم کو دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب ہم کو معلوم نہیں ہوتا ان کے سببوں و قاعدوں کو دریافت کرنا۔ اور ان کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اس میں ہوگی اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی +

**دوم**۔ تحقیقات سے پہلے جستجو کا خیال پیدا ہونا چاہیئے۔ جس سے ابتدا میں تحقیقات کو مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُسکی استقامت ہوتی ہے +

**سوم**۔ جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں۔ اور اخلاق کی باتوں کو کسی قدم تک۔ مگر اخلاق کی باتیں بہ نسبت عقلی باتوں کے زیادہ متعلق ہیں۔ اور

اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے۔  
 چھٹا قدم : اس تحریک کا براؤٹھمن۔ جو حقیقت سودیشیز کی بھی سخت دشمن ہے۔ یہ خیال ہے کہ جب تک زندگی کے امور کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو۔ تب تک انسان کے گرد کی ترقی نہیں ہو سکتی یعنی سلطنت رعایا کو یہ سکھلا دے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور مذہب یہ سکھلا دے کہ اس کو کس بات پر یقین کرنا چاہیئے۔

پچھلی بات میں مسٹر کلک سے سمجھ کر کسی قدر اختلاف ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہکو بتا دے کہ ہکو کیا کرنا چاہیئے۔ انسان کی ترقی اور مذہب کا نہایت قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں۔ بلکہ تمام ایشیا میں اور ٹکی اور ایکھٹ میں بھی شائستگی اور اتھنڈیجی ہے۔ اُس کا بڑا سبب یہی خیال ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے عمارت اور برباد کیا ہے۔ اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً یونٹ سے ناراض رکھتا ہے۔ پس جب تک یہ خیال جاوے گا۔ اور یہ خیال آدیا کا کہ ہم خود جس کو اپنے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ اُس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ شہمت۔ نہ عزت ہوگی نہ منزلت۔ اور نہ مذہب ہوگی اور نہ شائستگی۔ مگر دوسرا جملہ جو مذہب سے متعلق ہے وہ کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط۔ یعنی غلط مذہب بلاشبہ مذہب کا بڑا مانع ہے۔ اور اگرچہ مذہب میں غلط خیالات اور بجا انتہات اور سائل اجتہاد یہ اور عقاید قیاسیہ اس طرح پر مل جاویں کہ عملاً اور عموماً اصلی احکام مذہبی ہیں اور اُن میں کچھ فرق و تمیز نہ رہے۔ جیسے کہ مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے۔ تو بلاشبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب مثل مذہب غلط کے مانع قوی ہے۔ آتا ہے مذہب جیسا کہ ٹھیک مذہب اسلام ہے وہ کبھی کبھار ترقی انسان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس مذہب کے احکام اور تہذیب و شائستگی کے کام نوزل نہ ہوتے ہیں۔

والسلام علی من اتبع الهدی

# کانشنس

کانشنس۔ یعنی وہ قوت ممیزہ جو خدا نے  
ہر ایک انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ اور جو  
نیک اور بد کاموں میں تمیز کرتی ہے انسان  
کے لیے سچی مادی اور اصلی پیغمبر ہے

یہ مسئلہ وہ ہے جس پر اس مانہ کے آزاد منش اور انسان کو مختار اپنے افعال کا ماننے  
والے اپنے مذہب یا مشرب کا اصل اصول قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ مسئلہ ایک بہت  
بڑا دھوکا ہے۔ کیا کانشنس نس کوئی ایک جدا قوت ہے جو انسان میں جُدا گانہ اُس کی ہدایت  
کے لیے خدا نے پیدا کی ہے۔ حالانکہ اسکا کچھ ثبوت نہیں۔ اور اگر فرض بھی کر لیں۔ تو اُس سے  
کوئی نتیجہ سچی ہدایت اور اصلی رہنمائی کا نہیں۔ کانشنس نہایت عمدہ چیز ہے۔ اور انسان کو بُرائی  
سے بچانے اور بھلائی کی طرف راغب کرنے کو بہت اچھا رہنما ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایک حالت  
انسان کی طبیعت کی ہے اور اسکی تربیت کا ایک نتیجہ ہے۔ پس فی نفسہ وہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ  
تربیت سے یا خیالات سے جو کیفیت انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اُسکا نام ہے۔

لگائی الواقع وہ ایک قوت رہنمائی کے لیے بمنزلہ ایک پیغمبر کے انسان میں ہو۔ تو ضرور ہے کہ وہ  
تمام انسانوں کے لیے یکساں رہنا چاہیے جس بات کو ایک انسان نیک سمجھے اُسکی تمام انسان  
نیک سمجھیں۔ اور جس بات کو ایک انسان بد جلنے وہ سب انسانوں کے نزدیک بد ہو۔ مگر کانشنس  
انسانوں کو مختلف بلکہ متضاد۔ بلکہ تعیض باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ دونوں سچی  
ہدایتیں نہیں ہو سکتیں۔

اس شائبہ کی نسبت اگر ان متناقض کانشنسوں میں سے ایک غلط اور صرف دھوکا ہو گا۔

ہنر طبعی سے نکلنے نہایت عمدہ بات کہی ہے کہ ایسی حالت میں ہم پوچھیں گے کہ وہ کونسی چیز ہے جو کچھ اور غلط یا سچی اور جھوٹی کائنات میں تمیز کرنی ہے؟

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایک انسان فی نفسہ ایک جداگانہ مخلوق ہے۔ اور ہر ایک کا پیغمبر یعنی اس کا کائنات خود اس کے ساتھ ہے۔ اور اس لئے مجموعی اتحاد کائنات کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے پیغمبر کی ہدایت پر چلنا چاہیئے۔ تو یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کیونکہ اگر ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ کائنات میں نہ حقیقت ایک جداگانہ مخلوق قوت انسان کی رہنمائی کے لئے ہے۔ بلکہ ابھی تک جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبیعت کی ایک حالت ہے۔ اور اگر یہ بات ہے تو بقول مشرک کے ”بحث ختم ہو گئی“

علامہ اسکے۔ جبکہ ہر ایک کا کائنات اس کا رہنما پیغمبر ٹھہرا۔ اور ایک دوسرے کے کائنات میں اختلاف و تناقض کا وجود بالیقین پایا گیا۔ تو ان دونوں کا صحیح ہونا بھی۔ جو ایک دوسرے کی نفی میں۔ ضرور ماننا پڑے گا۔ شاید ان کا تناقض نسبت یا ہمیشگی کی مدد سے رفع کیا جادے گا۔ اور یوں کہا جاسکے گا کہ عام دین کا مادی لو کی صورت کو پوجنا اس لئے نیک ہے کہ اس کا کائنات اس کو نیک بتاتا ہے۔ اور محمود و مظلومی کا سُونا کے بُت کو توڑنا اس لئے نیک ہے کہ اس کا کائنات اس کو نیک بتاتا ہے۔ تو اس کے یہی ہوں گے کہ دنیا میں حقیقت نیک و بد کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ کوئی اہل مذہب تو یہودی ہو یا عیسائی۔ مسلمان ہو یا ہندو۔ بدھست ہو یا جہو۔ اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کا۔ باقی رہا دہریہ۔ وہ بھی اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ باغرض اگر ثواب و عقاب ایک شے معدوم ہو تو بھی خود دہریہ اس دنیا میں بھوکو لیاں بتاتا ہے جو کرنے اور نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور انہی کو ہم دوسرے لفظوں میں نیک و بد سے یا منع و جائز سے تعبیر کرتے ہیں؟

قطع نظر اسکے۔ اگر ایک شخص کا کائنات ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو بھی عین ہو سکتا کہ اس کا پیغمبر اس میں ہے۔ مگر وہ ایک حالت پر بھی نہیں رہتا۔ عمر کے لحاظ سے۔ تجربہ کی ترقی سے۔ صحت کے اثر سے۔ مصلحت کے بڑھنے سے۔ خیالات کے تبدیل ہونے سے بالکل بدلتا رہتا ہے۔ مسلمان کا عیسائی ہونے پر۔ عیسائی کا مسلمان ہونے پر۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی کا جہو ہونے پر۔ جہو کا دہریہ ہونے پر کائناتیں بالکل بدل جاتا ہے۔ اور وہ پہلے کو جس کی چٹائی پر تعبیر کا مل لکھتا تھا۔ بالکل غلط اور جھوٹا سمجھتا ہے۔ پس یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ انسان کا کائنات

اُس کا ہنر اور سچا رہنا نہیں ہو سکتا۔ بقول مشرک صاحب کے کہ اگر بعض باتوں میں کائنات  
ہمو کو دیکھتا ہے۔ تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اور باتوں میں دھوکا نہ دے گا۔ پس مسیح اور غلط  
کائنات میں تمیز کرنے کو دوسری کسی چیز کا ہونا لازم و ضرور ہے۔ یا اس طلب کو یوں ادا کرو۔ کہ  
ہمارے لیے کئی ایسی دوسری چیز کا ہونا ضرور ہے جس کے سبب ہمارا کائنات یعنی ہماری  
طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے کہ ہماری سچی رہنما اور منزلہ پہنچے ہنر کے ہو۔

اس بیان سے بخفا ہر بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ اور کچھ وچھ اُس میں کچھ نہیں ہے۔ اتنی  
بات ثابت ہوتی ہے کہ کائنات میں فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ وہ ابتدا کسی مذہب کا  
اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے۔ اور نہ وہ فی حد ذاتہ رہنا ہونے کے مستحق ہے۔ اس بلاشبہ  
جبکہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت ہو جاوے۔ یا سچے خیالات سے اُس کی طبیعت مؤثر  
ہو جاوے۔ اور طبیعت اُس سچائی کے مطابق حالت پیدا کر لے۔ تب وہ حالت طبیعت یعنی  
کائنات میں انسان کا محافظ اور انسان کا رہنا ہوتا ہے۔ اور ہم ہمیشہ اپنی تحریروں میں ہمارے کائنات کا  
استعمال کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم مادی یا محافظ یا گناہوں کا بخشائے والا کہتے ہیں اور جس کو  
ہم شرعی زبان میں توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہاں ہماری مراد اسی کائنات سے ہے۔  
اب ہم کو اُس پسینگی تلاش کی ضرورت پڑی ہے جس کے تابع ہمارے کائنات کو بننا چاہیے  
یا جس سے ہماری طبیعت کی اسی حالت ہو جاوے کہ وہ ہمو کو نہ دے +

ہماری طبیعت کی حالت ایسی کیونکر ہو

جو ہم کو دھوکہ نہ دے

انسان کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ظاہر میں اُسکو بھی اُور حیرانوں کا سا پاتے ہیں۔ کھاتا ہے۔ پیتا  
ہے۔ سفر چن چنوں سے بچتا ہے۔ مفید چیزوں کو ہم پہنچاتا ہے۔ اور حیوانات بھی یہی کرتے  
ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ انسان میں ایک اُور چیز بھی پالتے ہیں جو اُور حیوانات میں نہیں ہے  
وہ کیا ہے؟ سمجھاؤ نہ سکر۔ اور خیال ادا اُس چیز کو اپنے میں پیدا کرنا جو بالفعل اُس میں نہیں  
ہے اور حیوانات جیسے پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان اپنے میں اُور کچھ بھی پیدا  
کر سکتا ہے جو اُس کے ساتھ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یا یوں کہو کہ بالفعل اُس میں نہ تھی +

یہ ترقی یا اوصاف کی بنیاد پر دو چیزوں سے علاوہ رکھتی ہے۔ آدمی سے اور غیر آدمی سے پہلی سے اس مقام پر پہنچ کر غرض نہیں ہے۔ دوسری سے غرض ہے جو روحانی ترقی سے علاوہ رکھتی ہے۔ آسانی کے لیے ہم اس کا نام اخلاق یا مذہب رکھتے ہیں۔ پس صحیح اخلاق یا مذہب کا اپنے میں پیدا کرنا ایک غیر مادی صفت کی ترقی انسان کے لیے ہے۔ اور اسی صفت سے انسان کی طبیعت کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جو اسکو دھوکا نہیں دیتی؛

جو اخلاق یا مذہب کہ اُسی منہج سے نہیں ہے جو اُن کا بانی ہے اُسکی تحت ہمیشہ مشتبہ ہے اور طبیعت کی جو حالت اُس سے ہو اُس پر کبھی دھوکا نہیں دینے کا یقین نہیں کسی کا یہ کہنا کہ میں جو اخلاق یا مذہب کھاتا ہوں وہ اُسی منہج سے ہیں جو اُن کا بانی ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے یقین کے قابل نہیں کسی ایسی بات کا کہ وہ کھانا۔ بشرطیکہ حقیقت کر دکھائی بھی ہو جو اُس وقت کے یا اُس وقت کے موجودہ گروہ کی سمجھ سے باہر ہو۔ اُس کے ثبوت کی دلیل نہیں۔ بت سچی نہیں ہو کہ لوگ کھا سکتے ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ حالانکہ وہ دکھائے والے خود قابل ہیں کہ انہیں کچھ کرات نہیں پس اُن اخلاق یا مذہب کا مخرج ایسی جگہ سے ہونا چاہیے جس کے بانی کی طرف سے ہونے میں کچھ شبہ نہ ہو۔ اور وہ چیز بحز فطرت اللہ اور قانون قدرت کے اُڑ کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کو سب سچ اور بالاتفاق اُسی کا کہتے ہیں۔ اُس کے قانون قدرت اپنے سچے ہیں جن میں ذرا اختلاف نہیں۔ وہ ایسے حکم ہیں جن میں ذرا انقلاب نہیں۔ وہ چھوٹے سے بڑے میں بھی ایسے ہی حکم ہیں جیسے بڑے سے بڑے پاڑ میں ہیں۔ پس یہی ایک مخرج ہے جس سے ہم اپنے میں ایسے اخلاق پیدا کر سکتے ہیں جن سے ہمارا کائنات سنسنی ہماری طبیعت کی حالت ایسی ہو جاوے جو کبھی دھوکا نہ دے؛

فکر اور خیال جو ہم میں پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُسکو غیر مادی چیزوں سے متعلق کیا جاوے۔ تو اُس کے تعلق کے لیے سب قانون قدرت یا فطرت اللہ کے اُڑ کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے بانی کا مقصد یہی ہے کہ اُس کی فطرت اور اُس کے قانون قدرت پر غور اور فکر کیا وے۔ اور جبکہ تمام چیزیں کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ آدمی ہوں یا غیر مادی اُس کے قانون قدرت کے ماتحت ہیں تو انسان اور اُس کی طبیعت اور اُس کی اُس غیر مادی صفت کی ترقی جس کا نام ہم نے اخلاق یا مذہب رکھا ہے۔ سب کے سب اُس قانون قدرت میں داخل ہیں۔ پس انسان صحیح اخلاق اُسی قانون قدرت میں تلاش کر سکتا ہے جو انسان کے لیے

اُس کے بانی نے اُس قانون قدرت میں رکھے ہیں۔ اور اُنہی اخلاق سے انسان کی طبیعت کی جو حالت ہو وہی اسی حالت ہے جو ہکو دھوکا نہ دے +

انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کرنے کے لیے  
جو کبھی دھوکہ نہ دے مادی کا ہونا ضرور ہے جس کو  
ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول

کہتے ہیں

ماں بیچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کر دیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہو سکتے ہیں۔ مگر کب؟ جبکہ انسان کی معلومات کو تک کافی ترقی۔ اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوا کے اسرار پر جو اُس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں۔ ایک مستند آگاہی حاصل ہو۔ تمام انسان اُن دقایق پر پہنچ نہیں سکتے۔ اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ محدود سے چند کے سوا نہیں ہو سکتے۔ اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں روشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اس لیے تاکہ اُس قدر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور نازکی حالت کے لحاظ سے ایسے آدمی پیدا کیے جاویں جن میں خلقی مہیا ملکہ دیا گیا ہو جو با اعتبار اپنی فطرت کے اُن سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو +  
وہ شخص جس میں خدائے ایک کامل ترقی کا ملکہ رکھا ہو۔ اُس شخص سے جس کو اُس کامل ترقی کا ملکہ دیا ہو مختلف حالت کا ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو وہ ترقی کبھی ہوتی ہے۔ وہ موجودات عالم پر غور کرتا ہے۔ اپنے علم کو۔ اپنی معلومات کو ترقی دیتا ہے۔ انگوں کی معلومات سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور بذریعہ اکتساب کے اُس ترقی تک پہنچتا ہے۔ اور پھر وہی مثبت رہتا ہے کہ بہرہ نہ چاہا نہیں مگر دوسرے شخص کی وہ ترقی کسی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جی ہوتی ہے۔ اُسکی بناوٹ ہی اُس کامل ترقی پر ہوتی ہے۔ اُس میں وہ ملکہ خلقی ہوتا ہے اور اس لیے جب وہ کسی ایسی بات پر غور کرتا ہے جو اخلاق سے۔ یا یوں کہو کہ دین سے متعلق ہے۔ اُس کے دل میں یہ بات بڑھتی ہے جو نہایت سچی اور سیدھی ہے اور جو علین موصی قانون قدرت کے بنانے والے کی ہے

اُس آثار کے مختلف طریقے قانون قدرت کے بموجب ہیں جن کو ہم دوسری زبان میں محی اور لہام اور روح فی النفس کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں :

اس پہلے شخص اور پچھلے شخص میں ایک اور بھی فرق ہوتا ہے۔ پہلے شخص کو جس نے وہ صفت بندہ کسب کے حاصل کی ہے ضرور ہے کہ اپنی مخلوقات کو جن کے ذریعہ سے اُس نے رفتہ رفتہ ترقی کی ہے اصطلاحات خاص اور کلیات اور اشارات موضوع میں منبہ کرے۔ مگر اُس پچھلے شخص کو جسے اُس کا ملکہ خلقی اور فطری دیا گیا ہے اُس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ اور اس فرقہ سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا شخص اپنے مقاصد اور اپنے ماحصل کو عام لوگوں کی عقل اور عام لوگوں کے خیالات کے موافق اُن کو سمجھا نہیں سکتا۔ اور ہدایت عام کے منصب پر بصرہ جو نئے کے لائق نہیں ہوتا۔ اور یہ پچھلا شخص اپنی دقیق مسائل کو عام لوگوں کے خیالات کے موافق اس طرح پر بیان کر دیتا ہے کہ سب کی تسلی ہوتی ہے۔ اور نتیجہ میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا اور ایک دوسری ضرورت ہے کہ دنیا کے ایسے مادی پیدا ہوں جن کو خلقی اور فطری ملکہ ترقی اخلاق کا اور منصب عام ہدایت کا حاصل ہو جن کو ہم دوسری زبان میں نبی یا پیغمبر یا رسول کہتے ہیں :

یہ بات جو ہم نے بیان کی کچھ خاص اخلاق ہی کے معلوموں پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ تمام علوم و فنون کے معلوموں کا ہی حال ہے کہ کسی شخص میں کسی علم کے مناسب خدا تعالیٰ ایسا ملکہ رکھ دیتا ہے کہ وہ ملکہ دوسروں کو برسوں کی محنت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ لوگ علوم و فنون کے معلوم ہیں اور یہ پیغمبر اور معلم انسانی اخلاق اور مدبر انسانی روح کے :

ہمارے اہل حق سے لوگ یہ پیغمبر نکالیں گے کہ جس شخص کو اُس کا ملکہ دیا گیا ہو وہ تو ضرور پیغمبر ہوگا۔ اور جس میں اُس کا ملکہ رکھا گیا ہو وہ اگر پیغمبر نہ ہوگا مگر اُن اخلاق کو دریافت کر سکیگا جو پیغمبر ہوتے ہیں۔ مگر ایسا شخص شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو۔ بے شک جو تقریر ہمارے ہے۔ اُس سے اس نتیجہ کا نکالنا کہ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر انہی دو فرقوں کے ساتھ ایک یہ کہ بندہ لکتاب کے اُس ترقی تک پہنچنا مستحکم رہتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ہدایت عام کے منصب کے لائق نہیں ہوتا۔ جمالی منصب مادی یا پیغمبر کا ہے :

ہمارے اصول نہایت بجا ہوا ہے کہ انسان صرف بے عقل کے جو اس میں تکلف ہوا ہے پس



جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ وہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو۔ ورنہ محلول کا وجود بغیر حقیقت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و متنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں۔ پس کسی شخص کا بذریعہ کتاب کے اُن کو یا اُن میں سے بعض کو پالینا نہ انسانی ہدایت کے ہے نہ انسانی رسالت کے۔ اور یہی سبب ہے کہ متعدد اقوال اور اصول بعض حکماء کے بالکل مطابق اقوال و اصول انبیاء کے پائے جاتے ہیں اور ان باتوں سے انبیاء کی نبوت کی زیادہ تر تقویت ملتی ہے۔ ہاں۔ ان نازک معاملوں میں تدبیر درکار ہے۔

اگر ایسے مادیوں کا ہونا ضرور ہے تو اُن کی تصدیق

کی کیا صورت؟

اکثر یہ جواب دینگے کہ اعتقاد مگر نہیں اُس کو تو سمجھتا ہوں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اُس لُدی کی ہدایت نُسنے والے چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے کلام یا جزئ اصول قوانین قدرت پر آگاہی پائی ہے۔ وہ تو مجر داس لُدی کی بات نُسنتے ہی پر کھ جاتے ہیں کہ بے شک یہ ہدایت اُسی مخرج سے ہے جو انسان کا بانی ہے اور وہ فی الفور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جن کو خود تو اُس مدجہ تک پہنچنے کی قدرت نہ تھی۔ مگر ایسا ملکہ اُن میں تھا کہ سمجھائے سے سمجھ سکتے تھے۔ پس وہ اس لُدی کی باتوں کو نُسنتے ہیں اور غور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور ٹھیک پاتے ہیں اور اُس پر یقین کرتے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ایسا ملکہ ہی نہیں ہے۔ مگر اُن میں فطرتی سدا حادت اور سہجائی اور ٹھیک اور سچ بات کا دل کو لگ جانا مخلوق کیا گیا ہے۔ پس وہ لوگ گو اُس بات کی کہ نہ کو نہیں سمجھتے مگر اُن کے دل کو سچی لگتی ہے اور وہ اُسکی تصدیق کرتے ہیں۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ بخوبی بوچھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں۔ مگر غور یا شرم یا انفسانیت سے اُس کا اقرار نہیں کرتے۔ یعنی اُن پر ایمان نہیں لگتا۔ اور یہ لوگ ٹھیک اور جمل کے بھائی ہیں۔

پانچویں لوگ ہیں جن کو اصیت سے کچھ غرض نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی رسم پر چلے جاتے ہیں۔ اور اُسی کو سچ جانتے ہیں۔ اور اُس لُدی کی بات کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ بالکل تیسری قسم کے لوگوں کی مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنی سدا حادت سے سیدھی راہ پر ہیں اور

یا اپنی سخاوت سے شیریں راہ پر۔ واللہ یدہی من یشاء الی صراط مستقیم۔  
 پس ان فرقوں میں اس سوال پر بحث کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو پہلے اور چوتھے یا  
 دوسرے فرقہ میں داخل ہیں۔ اور ان کو ہم اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس آدمی کی نصیحتوں  
 کا ہم قانون قدرت سے مقابلہ کریں گے۔ اور بقدر اس زمانہ کے علم و عقل و تجربہ کے ان دونوں کے  
 اصولوں کو تلاش کریں گے جو ابتدا یا بعد سمجھنے و سمجھانے کے دریافت ہوئے ہیں۔ مگر مطابقت  
 پاویں گے تو یقین کریں گے کہ بلاشبہ وہ مادی ہے۔ اور وہ اسی مخرج سے ہدایت کرنے پر مامور ہے  
 جو ہمارا اور اس مادی کا دونوں کا بنانے والا ہے۔

ایک فرانسیسی عالم نے لکھا ہے کہ کوئی پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صاف گو نہیں ہوا  
 جس نے نہ کسی پیغمبر کا بہانہ کیا نہ کسی ایسی بات کا دعویٰ کیا جو انسان کے پیچھے سے باہر ہے بلکہ  
 یہ کہا کہ میں تو تم کو نصیحت کرنے والا ہوں۔ بری باتوں سے بچنا اور اچھی باتیں سمجھنا چاہتا ہوں۔  
 پس یہی بزرگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی ہے جو کسی میں نہیں۔ بالبی انت وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 تعالیٰ علی لسان نبیہ صلعم "امنا اننا نذیر مبین"۔ "انا بشر مثکم یوحی الی انما  
 الہکم اللہ واحد"۔

اس مقام پر لوگوں کے دل میں یہ بحث آوے گی کہ اس فرقہ پیغمبر کی نجات یا ہدایت کا کیا  
 حال ہوگا۔ مگر اس مقام پر اس بحث کو ہم ملانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس وقت صرف انبیاء کے آنے  
 کی ضرورت اور ان کی تصدیق کی علامت پر بحث ہے۔ جس کا خاتمہ ختم رسالت کی بحث پر  
 کرتے ہیں۔

کیا ایسی حالت ختم رسالت ہو سکتی ہے؟

ہاں بلاشبہ۔ مگر شکل یہ ہے کہ الفاظ کے عام مشہور معنی آدمی کے دل کو شبہ میں آ  
 دیتے ہیں اس کو خیال نہیں ہوتا کہ وہ عام لفظ اس خاص مقام پر کس مراد سے استعمال ہوا ہے۔  
 فرض کرو کہ ایک صند و قہر تھا اور اس میں گلاب کا نہایت خوشبودار ایک پھول رکھا تھا۔ بہت  
 بول بکھارتے تھے کہ اس میں گلاب کا پھول ہے۔ اسکی خوشبو سے اور نشانیوں سے سمجھاتے تھے۔  
 بہت لوگ مانتے تھے بہت زمانے تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے وہ صند و قہر کھول کر دیکھا  
 وہ پھول رکھا یا سب لے لے گئے کہ اب تو وہ بول بکھاؤ یعنی یہ بات ختم ہو گئی۔ اسلئے کہ کیا معنی

ہیں؛ کیا یہ سنی ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اس سند و قد کو نہیں کھولنے کا۔ اور وہ پھول کسی کو نہیں دکھانے کا؛ یہ طلب سمجھنا تو محض یہ توفی کی بات ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت کرنا کہ اس سند و قد میں پھول ہے ختم ہو گیا۔ یا انتہا کو پہنچ گیا۔ اب اس سے زیادہ کوئی نہیں کھولتا پس یہی سنی ختم رسالت کے ہیں۔

روحانی ترقی یا تہذیب کے باب میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے وہ یا انتہا اُسکی ہے۔ اور اسی لئے وہ خاتم ہیں۔ اب اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہوں جن میں ملکہ نبوت ہو۔ مگر اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ رسول خدا صلعم نے ختم نبوت فرمایا ہے۔ ملکہ نبوت کا ختم اور فیضان اُسی کا خاتمہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اولیاء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کے لفظ سے اُس ملکہ نبوت کا تاقیامت جاری رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر نبوت کا خاتمہ ہو گیا جیسے کہ اُس پھول کے دکھا دینے سے اُس پھول کے ثبات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ان یہ بات بھی سنی باقی رہی۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم نے کیا کیا جس سے اُن پر نبوت کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے؟

اس امر کی نسبت تقریر تو بہت لمبی ہے۔ مگر میں اُسکو ایک مختصر تقریر میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ امر مجائے خود تحقیق ثابت ہو چکا ہے کہ یقین اُصلی وحدانیت کا اصلی ذریعہ انسان کی روحانی ترقی کا ہے۔ یا دوسری زبان میں میں کہو کہ باعث نجات اخروی ہے۔ اس مسئلہ کہ اس مقام پر صلعم رب دیتا ہوں اور اس کو اس پر کثرت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پس اس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وحدانیت ذات باری کی نسبت خاتم المرسلین بھی کیا گیا۔

ہم کو یہ بتایا کہ وہ ہستی مطلق یا علۃ اعلیٰ و احد فی الذات ہے۔ وحدت فی الذات ایک ایسا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے اہل ذہن اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائی جو تثلیث کو مانتے ہیں وہ بھی وحدت فی الذات کے قائل ہیں۔ پس یہ تو کچھ نئی بات یا کچھ بُری بات (اگرچہ فی نفسہ بُری) ہے۔ نہ سنی۔

اُسی کے ساتھ ہم کو یہ بھی بتایا کہ وہ ہستی مطلق صفات میں بھی واحد ہے۔ یہ مسئلہ وحدت فی الصفات کا کسی قدر پہلے مسئلہ سے زیادہ ترقی کیا ہوا تھا۔ کیونکہ اگرچہ دنیا میں ایسے بہت سے مذاہب و ادیان ہیں جو مشرک فی الصفات ہیں۔ آلائی کہ وہ مذہب یا ایسی تھا جو وحدت فی الصفات کو بھی مانتا تھا۔

تیسری بات جو ہم سے پیغمبر نے ہم کو بتائی وہ مسئلہ فی العبادت کا ہے یعنی وہ اُکل و ذل

اور ان اہل کان ظاہری کا ادا جو خاص اپنے خدا کے لیے ہے وہ کسی دوسرے کے لیے نہ کرنا  
یہ وہ بھید تھا جو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اور جس بغیر حقیقت اگر توحید ناقص تھی تو پوری بھی  
نہ تھی۔ پس ان تینوں وحدتوں کی ہدایت سے جن کو ہم وحدت فی الذات - وحدت فی الصفات  
اور وحدت فی العبادت سے تعبیر کرتے ہیں ایمان وحدت ذات باری پر مکمل ہو گیا اور خدا  
نے کہہ دیا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم  
الاسلام دیناً" اور اسی کے ساتھ تحقیر نبوت بھی یعنی تعلیم وحدت باری بھی ختم ہو گئی  
جو اصل اصول نجات یا روحانی ترقی کا ہے۔ پس اب جو لوگ وحدانیت خدا کی ہدایت کریں گے  
یا کرتے ہیں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ اور جو لوگ ان تینوں وحدتوں پر یقین  
کر نیکیے بلاشبہ مسلمان اور پورے مسود ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنا اصلی اسلام  
ہے۔ اور ان تینوں وحدتوں پر یقین کرنے والا اپنا نام جو چاہے سو رکھے۔ مگر حقیقت وہ مسلمان  
اور بڑے سچے مسلمان کا ہی ہے۔ ان - اس قدر بیشک ہے کہ اسلام ہی سے اس مسئلہ کو  
سیکھ کر اور اس پر یقین لا کر اگر اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتا اور اپنا دوسرا نام رکھتا ہے۔ تو وہ مسلمان  
تو خدا کا خواہی ہے۔ مگر ناشکر مسلمان ہے۔ کیا عمدہ بات ہے کہ جب کسی جاہل سے پوچھتے ہیں  
کہ مسلمان ہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ شکر الحمد للہ۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ وحدت ذات باری  
کے صحیح مفہات کمال کے قابل ہیں اور شرک فی الذات اور شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت  
سے بری ہیں وہ اسلام کے شکر گزار ہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہیں اور اس سچے غیر محمد رسول اللہ  
صلو علیہ وسلم پر بھی ایمان کہیں جس کے سبب سے اس وحدانیت کا ل کو ہم نے پایا ہے۔

اللہم صلی علی النبی الطہری \* شفیع الوری فی یوم بعث و محمد صلی

## اپنی مدد آپ

خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ قول ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا  
اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا ہوش اس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے  
اور جب یہ ہوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے۔ تو وہ ترقی ترقی اور ترقی طاقت اور ترقی

مضرب کی بڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لئے یا کسی گروہ کے لئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جو شل اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے ملتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ صفت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزت۔ جو پہلی حکم دہان کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کر سکتے جاتے ہیں۔ خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہیں (یا ممبر ہی) اور لگا رہتی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔ اسے میرے مضمون بھائیو! کیا تمھارا یہ خیال نہیں ہے؟

ایشیائی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ جو ایشیائے کوچک سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر۔ اُن کا دوسرا سبب سے اعلیٰ اور نہایت پریشاں رہا۔ مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔ ایک شخص فرض کرو کہ وہ لندن میں امپیریلنڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں ہو جائے۔ یا کنگڈم میں سیرائے اور گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔ قومی عزت اور قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کہہ سکتا ہے۔ برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے گوہ کیسی ہی یا نادر ہی اور اہم نہایت سے کیوں نہ دیا ہو۔ قوم کی کیا بھلائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود اُس کے چال چلن پر اُس کے برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ ناں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ مگر گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی راوی سے اپنے قوالی کیل اور اپنی شخصیت کی ترقی کر سکتا ہے +

یہ بات ممبرانہ روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض نہایت مثبت اور اہم ہونے کے لیے اور نہ منفی اور مبالغہ ہے۔ اور وہ فرض ان اور اُن کی حفاظت ہے۔ جبکہ قانون کا

حکومتِ دانشمندی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ حفظ اٹھا سکتا ہے۔ جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اتنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُچھا رہے والا کیوں نہ ہو سست آدمی کو محنتی۔ فضول خرچ کو کفایت بشمار۔ شراب خوار کو تائب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شماری نفس کشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عمدہ عادتوں۔ عمدہ اہل وطن۔ عمدہ ہتھاکو کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلیٰ اعلیٰ وجہ حاصل کرنے سے +

پڑنے لوگوں کا متولہ ہے کہ ”الانسان علیٰ دین ملو کہم“ اگر اس متولہ میں ”انسان“ سے چند خاص آدمی مراد لیئے جاویں۔ جو بادشاہ کے مقرب تر ہوتے ہیں۔ تو تو یہ متولہ صحیح ہے۔ اور اگر عیسائی لیئے جاویں۔ مگر رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ تو یہ متولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سازنک بدلتی جاتی ہے۔ نیچا ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عمرائوں لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ اُن کا ہوتا ہے۔ اُسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شایستگی میں گئے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے بچھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب شایستگی میں گھٹتی ہوئی ہے۔ وہ ترقی کی دھڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھینچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و انگلستان کا یہ حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شایستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ آئینہ زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شایستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھینچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھینچ لاتی ہے +

یہ بات عجیب کا قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجبور قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے۔ یقینی اُسی کے حقوق اُس کے قانون اور اُسی کے مناسبات گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پنہال میں گرجاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر دیسی جاگیر حکومت کرنی پڑتی ہے +

تمام مجبوروں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت نسبت اُن کی

گورنمنٹ کے عہدہ ہونے کے زیادہ تر اُس ملک کی رعایا کے چال چلن - اخلاق و عادات تہذیب و تہذیب سے متعلق ہے۔ کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایک قوم کی تہذیب و حقیقت اُن مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے۔ جن سے وہ قوم بنی ہے +  
 قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت - شخصی عزت - شخصی ایذا داری - شخصی مہر دہی کا۔ اسی طرح قومی منزل مجموعہ ہے شخصی سستی - شخصی بے عزتی - شخصی بے ایمانی - شخصی خود غرضی کا اور شخصی بُرائیوں کا۔ تہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی - یا باطنی شرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے۔ حقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے اُن بُرائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیت و نیا بد کردیں۔ تو یہ بُرائیاں بحسب نئے نئی مہدت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جائیں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے +

اے سیکر عزیز بہنو! اگر یہ رائے صحیح ہے۔ تو اُس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی بھی مہر دہی اور سستی غیر خواہی کرو۔ خود کرو کہ تمہاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح بچو ہو۔ تاکہ قوم بھی ایک سب سے زور قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا۔ بات چیت کا۔ وضع و لباس کا۔ سیریل کا۔ مثل اشغال کا تمہاری اولاد کے لئے ہے اُس سے اُن کی شخصی چال چلن - اخلاق و عادات نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے + عا شا و کلا +

جبکہ شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے۔ تو اس بات کی اُسید پر تیشے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے۔ کیس قدر افسوس طلبا دانی کی بات ہے۔ وہ شخص حقیقت غلام نہیں ہے۔ جس کو ایک خدا ماترس نے جو اُس کا ظالم تھا کھلایا جاتا ہے خرید لیا ہے۔ یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ حقیقت وہ شخص اصل غلام ہے جو بد اخلاقی - خود غرضی - جمالت اور شرارت کا مطیع - اور اپنی خود غرضی کی غلامی میں مبتلا اور قومی مہر دہی سے بے پرواہ ہے۔ وہ تو میں جو اس طرح دل میں غلام ہیں۔ وہ بیرونی زوروں سے بیانی عہد گورنمنٹ یا عہد قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ ولی حالت مدد نہ ہو۔ اہل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عہد انتظام پر منحصر ہے اُس وقت تک کوئی مستقل اور برتاؤ میں نہ کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کسی بھی سطح پر

گورنمنٹ یا انتظام میں کیا دیں۔ وہ تبدیلیاں فائز خیال سے کچھ زیادہ تر نہیں رکھتیں جس میں  
 طرح طرح کی تصویریں بھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر جب بیکھو تو کچھ بھی نہیں ہے۔  
 مستقل اور مضبوط آزادی۔ سچی عورت۔ اصلی ترقی۔ شخصی چال چلن کے عہد پر منحصر ہے۔  
 اور وہ سچی شخصی چال چلن، معاشرت و تمدن کا محافظ۔ اور وہی شخصی چال چلن۔ قومی ترقی کا بڑا  
 ضامن ہے۔ جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا دانشور تھا لکھا ہے۔ اس کا  
 قول ہے کہ عالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر اُسکی رعایا  
 میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے اور جو چیز شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو بادیستی ہے قیادت  
 وہی ہے اس کے لیے خالم و خود مختار گورنمنٹ ہے۔ پھر اُس شخص کو جس نام سے چاہو پکارو۔  
 اسے مقررہ میں اس قدر زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا دب گئی  
 ہے وہاں کسی بھی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قائم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں  
 کر سکتی۔ اور اس لیے مقررہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں  
 کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اسے مسلمان بھائیو۔ کیا تمہاری ہی حالت نہیں ہے؟ تمہنے  
 اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تمہرے حکومت کر رہی ہے کیا فائدہ اٹھایا ہے؟ تمہاری آزادی کے  
 صفو بنائے رکھنے کا تم کو کیا نیوچو حاصل ہوا ہے؟ بیچ بیچ بیچ! اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی  
 مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے۔

انسان کی قومی ترقی کی نسبت پہلوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خطرہ نہ۔ گورنمنٹ فیاض ہو  
 اور ہمارے سیکام کر دے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہر چیز ہمارے لیے کی جاوے اور ہم  
 خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو نادبی اور رہنما بنایا جاوے۔ تو تمام قوم کی ملی آندازی  
 کو برباد کر دے۔ اور آدمیوں کو انسان پرست بنادے۔ حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش  
 ہے۔ اور اُس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنادیتے ہیں۔ جیسے کہ صرف دولت کی پرستش  
 سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز لکھی کی پوجا کرتے ہیں۔ اور  
 بے انتہاد دولت رکھتے ہیں۔ انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لائق گئے جاتے ہیں؟  
 بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط۔ جس سے دنیا کی محرز قوموں نے عزت پائی ہے وہ  
 اپنی آپ بیتی کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اُسکو اچھی طرح سمجھیں گے اس کام میں لا دیں گے۔ تو پھر  
 خطرہ کو ڈھونڈنا محبول جاوینگے۔ اور وہیں پر بھر دسا۔ اور اپنی مدد آپ۔ یہ دونوں اصول



ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو۔

قومی انتظام یا عمدہ قوانین کے اجرا کی خواہش۔ یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے۔ سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈارکین نے ڈبلن کی نمائش گاہ دستکاری میں لکھا تھا۔ جو ایک بڑا خیر خواہ آئرن لینڈ کا تھا۔

اُس نے لکھا کہ "جب وقت میں آزادی کا لفظ مستحکم ہوں۔ اُسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے باشندے یاد آتے ہیں۔ ہم اپنی آزادی کے لیے بہت سی باتیں سنتے آئے ہیں۔ مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت۔ ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم محنت کیے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ بہک کوئی موقع یا آئندہ کی کوئی قوم اپنی بہتری کے لیے نہیں ہے۔ استقلال اور محنت۔ کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک دلی دلولہ اور محنت سے کام کیے جائیں گے تو مجھے پورا یقین ہے کہ مقبوضے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عمدہ قوم کی مانند آرام و خوشی و آزادی کی ہو جاوے گی۔"

انسان کی اگلی نسلوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنت اور مستقل مزاج محنت کرنیوالوں۔ زمین کے جوتے والوں۔ کانوں کے کھودنے والوں۔ نیئی نیئی باتوں کے ایجاد کرنیوالوں۔ محنتی باتوں کو دھونڈ کر نکالنے والوں۔ آلات جراثیم سے کام لینے والوں۔ اور ہر کچھ پیشہ کرنے والوں۔ ہنرمندوں۔ شاعروں۔ حکیموں۔ فیلسوفوں۔ ملکی منتظمین۔ انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے۔ اور اسکو ایک اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شایستگی کی عمارت کے معمار ہیں لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہرنے سے محنت اور علم اور ہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ جو کچھ گردش نے موجودہ نسل کو اس زندہ غیزلہ بے بہا جائیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے پردھوں کی بشاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی۔ اور وہ جائیداد ہمکو اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف نسل مار گنج اسکی حفاظت ہی کیا کریں بلکہ ہمکو اس لیے دی گئی ہے کہ اسکو ترقی دیں۔ اور نئی نئی

حالت میں۔ آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ جاویں مگر افسوس صدہارا افسوس کہ ہماری قوم نے اُن پرکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا \*

انگریزوں کو جو دنیا کے اس قدر میں اس قدر ترقی ہوئی۔ اُس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ اُن کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رہا ہے اور اُس قوم کی شخصی منت اُس پر گواہ عادل ہے۔ یہی مسئلہ اپنی مدد آپ کرنے کا انگریزوں کی قوم کی طاقت کا تچا پیمانہ رہا ہے \*

انگریزوں میں اگرچہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تمام لوگوں سے اعلیٰ درجہ کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزت بھی کرتے تھے۔ لیکن کم درجہ کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گروہ ہوں میں سے بھی اُس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ گو کسی لڑائی اور میدان کا نڈار کی فہرستوں اور تاریخوں میں صرف بڑے بڑے جہازوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں لیکن فتوحات اُن کو زیادہ تر انہیں مستی لوگوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہے۔ عام لوگ ہی عام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنے والے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے شخص ہیں جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن تہذیب و شائستگی اور ترقی پر اُن کا بھی ایسا ہی قومی اثر ہوا ہے جیسا کہ اُن خوش نصیب مشہور نامور آدمیوں کا ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں \*

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی۔ جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیز گاری اور بے لگاؤ ایمان داری کی نظیر دکھاتا ہے۔ اُس شخص کا اُس کے زمانہ میں اور آئندہ زمانہ میں اُس کے ملک اُس کی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن کو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اُس شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے۔ اور آئندہ کی نسل کے لئے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے \*

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی ہی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور بتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علم سے مقابلہ کریں تو مکتب مدرسے اور مدرسہ العلوم کی تعلیم ہی عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے بتاؤ کے علم کا جبکہ انگریز میں یہ دلیف ایجوکیشن کہتے ہیں۔ انسان پر قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب مدرسہ مدرسہ مستحق العلم کا علم طاقت میں۔ یا صندوق میں۔ یا الماری میں۔ یا کسی ٹبے کے تسمخانی میں

رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں۔ گھر کے رہنے سہنے میں۔ شہر کی گلیوں میں پھرنے میں۔ مراد کی دوکان کرنے میں۔ ہل جوتے میں۔ کپڑا بننے کے کارخانہ میں۔ کماؤ سے کام کرنے کے کارخانہ میں اپنے ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر بے سکھائے اور بے شاگرد کیے۔ لوگوں میں صرف اُسکے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے ۛ

یہ پچھلا علم وہ علم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے۔ عمل۔ چال چلن۔ تعلیم نفسی نفس کشی۔ شخصی خوبی قبیضی قبیضی قبیضی حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے۔ کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے۔ اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے۔ اور زندگی کے کامیاب کرنے۔ اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ اور نہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے۔ اور شہنا آدمی کی زندگی کو درست اور اُسکے علم کو باعمل یعنی اُس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر مسترز اور قابل ادب بناتا ہے ۛ

کیا یہی وجہ جو مدرستہ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور مسجدوں سے علیحدہ مدرستہ العلوم میں عالموں اور شریفوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں ؟ ۛ

## ٹیمز

از اے گریٹ رفارمر

یعنی

زمانہ ایک بڑا اصلاح کرنے والا ہے

یہ بات تو سب کو معلوم تھی کہ ترک انگریزی نالباس پہنتے ہیں اور مین وکری پر ٹھیکر ٹھیکری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ اور سلطان روم یعنی بادشاہ عربین شریفین جو کانٹہ بڑھاتا

کے منبروں اور مسجد نبوی کے منبر پر رونہ مظهرِ علیٰ صابہا الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ بوٹ و پتکون و ترکش کو ٹال وال بھندے دار ٹوپی پہنتے ہیں مگر اب نئی بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ جناب شریف مکہ عبدالقدیر بن عون بھی انگریزی تہذیب کو پسند فرماتے جاتے ہیں۔ پیر کے سال ایک اخبار میں چھپا ہے کہ بصرہ کے ایک بہت دولت مند سوداگر جن کا نام علی الرشید ہے ان نوں میں میں شریف لائے ہیں اتنے وقت وہ تہذیب میں شریف لے گئے تھے۔ اور شریف مکہ کے ماں مہمان رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ شریف مکہ کا مکان بالکل یورپ کے اسباب سے سجا ہوا ہے۔ اور شریف مکہ انگریزی طور کا کھانا کھاتے ہیں۔ مگر ابھی اتنی کسر ہے کہ پھری کانٹے سے نہیں کھاتے۔ ایک فرانسیسی اورچی اُن کے ماں نوکر ہے۔ شریف مکہ نے فرانسیسی زبان سیکر لی ہے اور فریجینی فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ اب تو قیامت ہو گئی۔ ع

چو گفر از کعبہ بر سینہ رگجا ماند مسلمان

کیا ہمارا تہذیب اخلاق مکہ میں بھی پڑھا جاتا ہے ؟

سلطان زنجبار کو بھی زمانہ کی ہوا لگی ہے۔ اُنھوں نے بھی فریج زبان پڑھنی و سیکھنی شروع کی ہے۔ اپنے ماں کے بڑے بڑے سرداروں کو تنھے دیئے ہیں۔ جن میں سلطان زنجبار کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیا اب تصویر ناجائز نہیں ہے؟ نہیں نہیں قبول کیا سلطان زنجبار تو بڑے پکتے خفی ہیں۔ تمغوں میں پوری تصویر نہ ہوگی۔ صرف چہرہ یا نصف قد کی تصویر ہوگی۔ پہلے کہ خفیہ کے ماں کا مسئلہ ہے کہ جاندار کی اُس قدر تصویر جس سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو بلکہ یا رکھنی ناجائز نہیں ہے۔

ایک مصور نے شکر کہا کہ میں تو پورے قد کی تصویریں بھی ایسی ہی بناتا ہوں۔ کہ اگر اتنی ہی پسینہ انسان میں ہوں تبی کہیں بناتا ہوں تو بھی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اُس نے قسم کھائی اور کہا میں نہ انسان کا بھیجا بناتا ہوں نہ پھیپھاڑا۔ نہ دل و جگر۔ نہ معدہ نہ ہوا۔ نہ خون نہ روح۔ اور بغیر ان حسب پسندوں کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس میں بھی خفی مسئلہ کے بموجب کوئی ناجائز کام نہیں کرتا۔

جب مصور نے کہا گیا۔ کہ قیامت میں خدا کسے گا کہ اب اس میں جان ڈال تب وہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ جناب رحمت کی بھی تصویر بناؤں یا نہیں۔ تو اُس سے کہا گیا کہ رحمت

کی تصویریں نہیں تیں اُس نے کہا کہ جناب اگر قیامت میں خدا کہیگا کہ اب اسکو بڑھا اور پھل پھول لگا۔ تو تیں کیا کر دے گا۔ اُس سے کہا گیا کہ درخت میں قوت نامیہ پیدا کرنے کو اور پھل پھول لگانے کو خدا نہیں کہنے کا۔ مصوٰر بولا کہ نا صاحب نہیں نہ مانوں۔ ایسے خدا سے جو کاغذ پر نکیری کی ہوئی جانور کی تصویر میں جان ڈالنے کو کہیگا۔ کیا لگتا ہے کہ وہ کاغذ پر درخت کی کچی ہوئی تصویر میں بھی قوت نامیہ پیدا کرنے اور پھل پھول لگانے کو کہوے۔ یا تو اس مسئلہ ہی میں کچھ غلطی ہے۔ یا مطلقاً تصور بر بنانا جائز اور کی ہو یا حیا کی۔ بالکل ممنوع ہے۔  
 کیا کسی مولوی نے سلطان زنجبار کو فتویٰ دیدیا ہے۔ کہ تمہوں میں نقش تصویر ناجائز نہیں ہے؟

## نامذہب ملک

اور

## نامذہب گورنمنٹ

ملک جب نامذہب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں نامتذیبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ نامذہب ہوتی ہے تو کسی کسی قدر تذیب ملک میں ہوتی جاتی ہے۔  
 ملک کا نامذہب ہونا تو اُس ملک کے باشندوں کا نامذہب ہونا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب یہ کہیں کہ انگلنڈ۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ نہایت مذہب ملک ہیں۔ تو اُسکے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کچھ جو نامذہب یا نیم وحشی ملک بتایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامذہب یا نیم وحشی کہنے جاتے ہیں۔

مگر ہم کو غور کرنا چاہیے کہ گورنمنٹ کا نامذہب ہونا کیا چیز ہے اور مسلمانی گورنمنٹیں جس قدر ہیں ان کے نامذہب ہونے کا کیا سبب ہے۔

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے ان کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال و جائیداد سے متعلق ہوں خواہ کسب و معاش سے خواہ آزادی مذہب و آزادی رائے

اور آذادی زندگی سے اُن کی محافظہ ہو۔ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچنے کے  
کمزور سختی کو غیر مستحق زور اور سے پناہ میں کہے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے  
پورا پورا مستحق ہو۔

اور اُس کا مذہب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرائض کے پورا کرنے کو قوانین کی سلطنت  
میں عاری ہوں۔ ہر شخص اپنے سے اعلیٰ مذہب یہاں تک کہ خود کو رنٹ بھی اُن قوانین  
کے تابع ہو۔ اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں۔  
اور اُس کے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنٹ کہتے ہیں) اور ہر شخص کو بالاجبار مرتب اُن  
قوانین کا پورا پورا مطیع کرے۔ جس گورنٹ میں یہ چیزیں نہیں ہیں وہ گورنٹ نامذہب و  
ناترتیب یافتہ کہلاتی ہے اور اُس کے ملک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی مال کی۔ دولت کی  
قوم کی۔ رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی۔

اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمانی سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمانی سلطنت اُس  
دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مذہب گورنٹ کا اطلاق ہو سکے۔ یا اُس کا ملک اور اُس کی  
رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو۔ یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا  
اپنے مال و ذات پر بالکل تکیہ امن رکھتی ہو۔ یا کمزور سختی کو غیر مستحق زور اور کا اندیشہ نہ ہو۔

ایسی قوم کی گورنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن  
احکام کا سمجھتی ہے جس کا اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی  
دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدوں مذہبی اجازت کے نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس طریق پر  
کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریق پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا۔  
یہ لوگ اس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ حقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ

پتھر وہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شبہ نہ ہو۔ یا نہیں۔ بلکہ وہ صرف انگلوں کی رائے  
یا فعل پر بلا دریافت سبب کے اعتماد کلی رکھتے ہیں اور اُس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی خلاف  
سمجھتے ہیں۔ گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے لوگوں کا یہ حال  
ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ ہرنج، بود و بند فوق کا استغفال  
جائز ہے یا نہیں۔ سپاہیوں کو ٹانگ چستہ وردی پہنا نا دست ہے یا نہیں۔ جزیرہ عرب میں  
ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی اجازت

کے خواہاں ہوتے ہیں \*

ایسا ملک اور ایسی قوم ہمیشہ متزلزل کی حالت میں رہتی ہے۔ تہذیب و ثنائیت کی کمی اور ابھی وہاں تک نہیں پہنچی۔ کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا۔ کسی شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے۔ کوئی شخص مال سے پورا پورا امتیاز حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ کبھی ملک میں امن ہوتا ہے \*

مُلکِ مسلمان گورنمنٹ ٹول کا جو کہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں اُن کا یہ حال ہے۔ سب سے مقدم و مکرم مسلمان گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطانِ ترکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنتِ روم کہتے ہیں۔ اگرچہ سلطنتِ ترکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے۔ لیکن اب بھی اُنہی اسباب سے مرضِ اہلوت میں گرفتار ہے \*

کوئی سال میں کا اُس میں نہیں گزرتا۔ کبھی کرپشن میں فساد ہے اور کبھی شام میں۔ کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے اور کبھی یونان کے کنارہ میں۔ زمانہ موجودہ میں اور ہر ہڈی گوننا باغی ہو رہا ہے اور ادھر سر دیا۔ کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں ہے۔ کوئی سپریم آڈیٹور جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں ہے۔ جو محکمے برائے نام ہیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں۔ ڈگریات کے اجراء میں۔ مظلوم کو اُس کا حق پہنچانے میں قادر نہیں ہیں۔ جج جو قاضی ٹھکراتے ہیں آزاد نہیں ہیں۔ یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلیٰ اہل خاندان کے رعب میں۔ یا کسی باوقعت شخص کی سفارش کے پھندے میں۔ اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال ہیں۔ اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی گورنمنٹ پر طمانیت نہیں ہے۔ کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو پورا پورا انصاف ملنے کی امید نہیں ہے۔ ملک متزلزل میں ہے۔ تجارت و اہل حال میں ہے۔ کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی۔ ملک میں سونے۔ چاندی۔ مٹا ہے۔ لوہے ٹین کی کوئیلے کی کانیں کی کانیں بھری پڑی ہیں۔ مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی ہوتی۔ کچھ قہر کی تجارت ترقی نہیں لیتی۔ تمام ملک کی آمدنی دوسرے ملک میں یا تو قرضہ کے سود میں یا تہیادوں کی خرید میں چلی جاتی ہے۔ قرض پر گندمان ہے۔ وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا۔ غیر ملکوں کی

رعایا سے بہت خوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ نتیجہ تمام ایسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب  
دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب میں شامل سمجھا ہے۔ وائٹا اعلیٰ مونیٹریک  
کے جملہ کو چھوڑ دیا ہے۔

یہ حال جو ہم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں  
کا یہی حال ہے۔ ایران کا حال دیکھ لو۔ افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو۔ ہندوستان کی  
چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو۔ تو سب کا ایکسا حال ہے۔ ناں محض مسلمان ریاستوں  
نے کسی قدر تبدیلی کی ہے۔ اور وہ بعد تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں۔  
اور ایسی ہی یسٹین اس وقت صرف دو میں جن کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ٹونس اور مصر۔

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامراء استیخیر الدین وزیر ٹونس نے ان مقدمات کے انحصار کے  
لیئے جو سلطنت بیاجیم کے رہنے والوں میں باہم سیان میں اور ٹونس کی رعایا کے میان میں۔  
ایک جڈاگانہ محکمہ مقرر کیا تھا جس میں تین جج اجلاس کریں۔ قاضی ٹونس پہلے جج ہو۔ اور  
ایک نوریج ٹونس کا۔ اور ایک جج بیاجیم کا شریک ہو۔ جس سے ملک کو۔ اور انتظام مملکت  
اسلامیہ کو ٹھافا نہ پہنچا۔ گو قاضی و مفتی کہا کیئے کہ ایسا کرنے کے لیئے کوئی مذہبی سند  
نہیں ہے۔ مگر وہ وزیر و مشفقین غیب سمجھتا تھا کہ امورات دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ  
تعلق نہیں ہے۔

پشیا الاخبار بہ سند الجوائب کہو خبر سناتا ہے کہ خدیو مصر اسماعیل پاشا نے بھی بہ مندرجہ حضرت  
سلطان روم سلطان عبدالعزیز جاس خلد اللہ ملکہ کے ایسی قسم کے محکمے مقرر کیئے ہیں چنانچہ  
اس اخبار میں ان کے تقریر کی کیفیت حسب مندرجہ نقل لکھی ہے۔

شخص جانتا ہے کہ مصر میں ایسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعویٰ ہوتے تھے انکے  
فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی۔ و سنو یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ پردیسی رعیت ریت  
غیر تو مدعی اس بات پر مجبور ہوتا تھا کہ اپنے دعویٰ کو اس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو مدعا علیہ  
کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو۔ پھر اگر بالیوز کا فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اسکی اپیل  
کیا چاہے تو اسکو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے ملکی محکموں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ لہذا اگر مصری  
مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ۔ تو بیچارہ مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑے گا۔

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا۔ اور جن غیر سلطنتوں سے عہدے ہیں انکے



حقوق میں داخل تھا۔ اس مدت میں جو محکمرے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے اُن کی حالت نہایت خراب اور غیر منظم تھی۔ اہل مصر کی یہ تکلیف اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ خدیوہ کے ذہن میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ چنانچہ خدیوہ مدوح آٹھ برس سے اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ متوقوف ہو جائے۔ اور چاہتے تھے کہ اس کے عوض ایسے نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے وقت انصاف ہو۔ چنانچہ سلطنت روم کی مدد اور اُنہی سلطنتوں کے اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطہ اتحاد قائم ہے اس کوشش کا یہ غرہ ہوا کہ ان دنوں حسبِ راءِ خدیوہ مصر میں محکمے قائم ہو گئے۔ ایک خاص مصر میں۔ دوسرا اسکندریہ میں۔ تیسرا سامعیلیہ میں +

ان محکموں کے ممبر آرمے دیسی اور آرمے پردیسی ہیں۔ اور انفرکل دیسی ہیں۔ اور کچھ مدیہ میں جو محکمہ قائم ہوا ہے وہ اپیل کا محکمہ ہے۔ اسی وجہ سے آئندہ مدیہ میں اس کی کل رسمیں ادا ہوتیں +

گو ان محکموں کے بعض ممبر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پردیسی ہوں گے۔ مگر اس وجہ سے کہ اُن کا تعلق حکومت مصر کی طرف سے ہے۔ اور اُن کی حاش کا انتظام بھی حکومت مصر ہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن کی ٹوپی ترکی ہوگی۔ اور لباس عثمانی ہوگا۔ اس وجہ سے وہ پردیسی سمجھے جائیں گے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائیں گے۔ پس یہ محکمے اہل مصری محکمے ہوں گے۔ اور اس میں کچھ شائبہ نہیں ہے کہ جو نئے ان محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے ایئر ہونے ان پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا۔ علئےٰ ہذا جو دعویٰ پردیسیوں (ایسی نی جیا) سلطنت نائے غیر کی طرف سے ان محکموں میں دائر ہوں گے۔ اُن میں بھی اسی طرح انصاف ہوگا۔ اور اہل محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا۔ پس اب اور آئندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے سینے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو۔ جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں ہیں۔ اور جو کہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فائدہ اٹھائیں گے اس لیے سب اس نیک کام سے خوش ہیں +

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دو شعبہ کے دن جمادی اولیٰ کی چوتھیں اور جون کی اٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیرِ محتانیہ تجارت مصر نے اس التین نامی شہر حکومت مصر کے آئندہ مدیہ میں ان محکموں کے مجس کو جن میں آرمے مصری اور آرمے رعایا

حاکم عیسٰی فقیر۔ نہایت مسبانی اور عزت کے ساتھ اکٹھا کیا۔ پھر اپنے ساتھ راس التین کے درباری کمرے میں لے گئے، اس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغہ امور داخلی۔ اور منصور پاشا اور امین صلیق پاشا۔ اور بعض اُور اُمراء دولت مصر پہلے سے موجود تھے۔ جب دربار جم چکا تو جناب نذیر مصر صاحبوں سمیت درباری کمرے میں تفریق افروز ہوئے اور جمہوریت محبوبی تمام درباریوں کا سلام لیا۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب ہو کر زبان فرنج میں مندرجہ ذیل تقریر کی:-

### تقریر بخدیو مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحبِ شہرت حاکم حضرت سلطانِ غم دینی سلطانِ مردم کی ہمدردی اُن سلطنتوں کی موافقت سے جو ہم سے رابطہ دوستی رکھتی ہیں۔ نچلے امور عدالت کی بنیاد اصلاح اور نئے محکموں کے اجرا کی اجازت حاصل ہوئی ہے۔

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تیس اپنے گرد ہی عزت جوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل اور انصاف اُن کے ہاتھ میں کمال امنیت اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے۔

تم لوگوں کی روشنی عقلمیں۔ امرِ کامل کے تمام فائدوں کی ذمہ داریاں۔ تم لوگوں کی تجویز مسلمانوں کے مطلق اور معتبر۔ اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہو گئی۔

اُتارِ اللہ یہ بات دنیا میں مشہور ہوگی۔ اور تاریخِ مصر میں لکھی جائیگی۔ اور زمانہ حال کے نئے تمدن کے اُتار کا نقطہ مرکزِ مقرر ہوگی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے پیرِ عظیم آئندہ کی امنِ امان کا باعث ہوگا۔

جب یقیناً ختم ہو چکی تو اہلِ مبارک نے تھوڑی ہی سکوت کیا اور پھر اظہارِ سرور اور ادائے شکر اور مبارکباد کی طرف مائل ہوئے چنانچہ شریف پاشا نے تمام جوں کی طرف سے نیابتاً دبا فرنج میں مندرجہ ذیل تقریر کی:-

جناب عالی۔ تین حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ جمہوریت وزیرِ حقانہ جوں کی طرف سے نیابتاً حضور کو مبارکبادوں۔ کہ اس قاعدے کے مقرر ہوئے۔ اور ان محکموں کے جاری ہونے سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہو جائے حضور سے اُمیدوار ہوں کہ حضور پیر مبارکباد اور شکر قبول فرمائیں۔

مجھے اُمید ہے کہ رینج لوگ حضور کے عقائد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آئندہ فائدوں کے لیے دل جان سے کوشش کریں گے۔ کیونکہ عدل انصاف جو ان لوگوں کا کام ہے اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

حضور کے فرماں بردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت امینت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائض جیسا کہ چاہیے ادا کریں گے۔ اور انار حسنہ کے پھیلائے میں نہایت موثر مدد دیں گے۔ اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حرمیں ہوں گے کہ ان کے کلام می جاری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں۔

اس قاعدے کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنت مصر کی حالیہ اور آئندہ سرسبز سی علاقہ اور کھتا ہے۔ یکتی ثریا بت ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی غویوں میں سے ایک بہن ظفر یادگار ہے۔

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کل صیغوں کے ذرارہ اور سربران مجلس خاص (پریوی کونسل) اور افسران تربی و جبری۔ اور حکام مالک اور تاجران مختبر اور افسران بنک نے درجہ بدرجہ جناب خدیو کی حضور میں مبارکباد دی۔ اور شکر ادا کیا۔ پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ رسم افتتاح نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی۔

ڈیڑ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علی الترتیب روبرو استاد ہو کر ان محکموں کے کھٹے کی مبارکباد دی۔ اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاق اور اُمید سے حضور نے صیغہ عدالت میں اقوال صلاح کی۔ اور دعادی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملک مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو۔

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریف پاشا نے فریخ میں سچ کی دنیا میں دو قسم کے امور ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرے جسمانی۔ یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی۔ سچا مذہب اور دنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند عظیم باتوں کو جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے۔ اور گودہ دنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی جو بیشک ایک سچا مذہب ہے انہی اصول پر مبنی ہے۔ اور ہمارے دھرم مقبول کا قول کہ ما اتاکم من امر دینکم فخذوا وما اتاکم من غیرہ فامتنوا اس پر عمل کا مل ہے۔ اور عرب

زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عمل درآمد کیا۔ اور کچھ کچھ اُس کا اثر عند خلفاء تک بھی باقی رہا جنہوں  
 نے حدیث و سنت و اہل سنت کی تائید کی۔ اور پھر پندرہویں صدی میں دعویٰ شیعہ کے لیے حدیث و سنت  
 ایک مبینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں رکھنا تجویز کیا۔ جسکی  
 کوئی سند یا اجازت مذہب میں تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیا نسیا ہو گیا۔  
 اگلے زمانہ کے نیک اور متدین۔ مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ ہر ایک  
 ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جاوے۔ پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لیے فکر  
 کرتے کہ اُسکو کس مذہبی سند سے تعلق کریں اور پھر خواہ مخواہ کچھ بیخ تان کر اور تاویلات و استدلال  
 دُور از کار کر کر کسی مذہبی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے جس کو خود انہیں  
 نے قائم کیا تھا تابع کر دیتے تھے۔ اُن علماء کے اقوال و استدلال رفتہ رفتہ مدون ہو گئے۔  
 جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہو گئیں۔ اُس زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء  
 کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رتبہ کا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ خود اُن علماء کے  
 اقوال بطور سند کے تصور ہو گئے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد وہی مذہب اسلام سمجھا گیا۔ اور شرع  
 اُس کا نام ہو گیا۔ اور غیر مذہب الاولیٰ نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا۔ اور جو فقہاء اُس میں معلوم  
 ہوئے اُس سے اسلام میں اُنھوں نے نقص سمجھے۔ حالانکہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے اگر  
 بافض تمام اجتہادات و استدلال حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص نہایت ہو جاوے تو بھی  
 اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ وہ جیسا خدا کے ہاں سے آتا۔ ویسا ہی پاک صاف ہے۔  
 اس طرف سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلاشبہ ہوا کہ مسلمانانِ فقہ ایسی عمدہ اور  
 موزوں و مدلل ہو گئی کہ کسی قوم میں ایسی عمدہ فقہ نہیں۔ مگر مفصل ذیل نقصان بھی پیدا ہوئے۔  
 اول یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسلک چم گیا کہ مذہب اسلام تمام دنیاوی امور سے  
 بھی متعلق ہے۔ اور کوئی دنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جاسکتا۔  
 دوسرے یہ کہ جو مسائل علمائے اپنے اجتہاد و قیاس سے و لحاظ حالات و وقت و عادات اہل زمانہ  
 یا راجع ملک و فرد دیئے تھے اگر وہ مسائل رتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و قاضی کے  
 رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا۔ مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین مذہب اسلام کے مسائل قرار پائے اور  
 ہوائے غیر مذہب کے اندر بہت سے لوگوں کو مرتبہ شرع ہوئے کامل گیا۔  
 تیسرے یہ کہ اب اُن مسائل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہو گیا۔

فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے نہ اس کے برخلاف کرنا۔  
 چوتھے یہ کہ جب یہ خیال جا کر مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہو کہ اس کو خدا کا  
 دیا ہوا مانا جاوے۔ اور چھٹے کا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہو کہ اس کو کافی اور کامل سمجھا جاوے۔  
 اس خیال نے اس بات پر نایل کیا کہ کتب فقہیہ واسطے سیاست ملک کے باطل کافی ہیں۔ لہذا  
 آج ہم کو نہ بنول کوڈ کی ضرورت ہے نہ بنول پر سیر کی۔ نہ کیرنل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کیرنل بریجر  
 کی۔ نہ ہینو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ تریڈ کوڈ کی۔ حالانکہ کتب موجودہ فقہیان میں سے ایک کے  
 لئے بھی کافی نہیں ہیں۔

اب تمام مقصودوں کے مکمل سلطنت لئے اسلامیہ کو ڈیوڈیا اور غارت و برباد کر دیا۔ اور جو رہی  
 سہی میں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں۔ قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے۔ بڑے  
 ذہین تھے۔ بڑے فلسفی تھے بڑے منتظم تھے۔ مگر جو کچھ انھوں نے دنیاوی امور کی نسبت  
 کیا اور لکھا وہ اس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اس زمانہ میں  
 سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑے فخر مند تھے۔ مگر زمانہ رنڈ +

## خط و کتابت

اگر ہم اپنی قوم کے طریقہ خط و کتابت کی درستی پر بھی کچھ لکھیں تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔  
 جس طرح ہماری قوم میں اور بہت سی فضول و نامناسب باتیں مروج ہیں اسی طرح خط و کتابت  
 کے طریقہ میں بھی بہت سی فضول و لغویات شامل ہیں اور ایسی باتیں بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں نہ ہیں  
 اسلام کی عمدہ اور پر اثر باتوں کو بے اثر اور کیل بنا دیتی ہیں +

جب ہم کسی خط کو پڑھتے ہیں تو اس میں ایک بہت لہجہ اور الفاظ و آداب پاتے ہیں۔  
 دونوں میں صرف شاعرانہ الفاظ و شاعرانہ صفت مکتوب الیہ کے ہوتے ہیں جو حقیقت مکتوب الیہ  
 میں نہیں ہیں۔ حالانکہ القاب میں یا تو میگنا نہ وار (اگر مکتوب الیہ میگنا نہ ہے) کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیے  
 جو خطاب کا شمر اور مخاطب کرنے کے لئے کافی ہو۔ یا اس دلی تعلق یا ادب کو ظاہر کرنا جو حقیقت  
 کاتب کو مکتوب الیہ سے ہو +

آدابِ علوم نہیں کیا تو چپ نہ ہے۔ ایشیا کے امراء اور بادشاہ ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ جو ہم سے  
 کمتر ہیں وہ ہم سے زیادہ ہمارے خلائوں کے ہیں اور بدبختی سے وہ لوگ بھی اپنے شکر لیا ہی سکتے

تھے اور ہر قسم اور ہر موقع کی ملاقاتوں اور بات چیت میں دونوں اس خیال کو کبھی بھولتے نہ تھے۔ اس سبب سے آپس کی تحریروں میں بھی وہ رسم جاری ہوئی جو خط و کتابت کے لئے زیبا نہیں ہے فضول بے معنی وقت ضائع ہونے کے سوا آداب کے لفظوں کی رعایت سے ٹلی مطالب علی الخصوص اس زور یا جوش سے جو دل میں ہے اور انہیں ہو سکتے۔ تو تم کے دل میں جو ایسا غلامانہ انفعال پڑا ہوا ہے وہ دور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُمید ہے کہ ہمارے اس آرٹیکل کے پڑھنے والے ادب میں اور خطوط میں جو آداب لکھا جاتا ہے۔ اور نیز ادب میں اور غلامانہ انفعال میں جو فرق ہے اُسکو نظر انداز نہ کریں گے +

اُس کے بعد نہایت شوق و ذوق سے اشتیاق ملاقات لکھا جاتا ہے اور خلوص عقیدت و محبت بتائی جاتی ہے جس کا ایک لفظ بھی صحیح اور واقعی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح بھی ہو تو اُسکو مفید مطالب بنانے سے کیا مطلب ہے۔ اس قسم نے ایسا رواج پایا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے خطوط کی طرز تحریر میں کچھ فرق دانتیا زمین رہا ہے۔ خط پڑھنے سے جو الفاظ محبت یا اشتیاق اُس میں لکھے ہیں ان کا کچھ بھی اثر دل پر نہیں ہوتا بلکہ ایک معمولی تحریر بھی جاتی ہے جو دوست دشمن سب کو لکھی جاتی ہے۔ خود پڑھنے والا جانتا ہے کہ میں بھی اس سے زیادہ چنے چیرے الفاظ لوگوں کو لکھتا ہوں جن کا کچھ بھی اثر میرے دل میں نہیں ہے۔ ان رسموں نے خط و کتابت کا جو سب سے بڑا نتیجہ ہے اور حالت مفارقت میں محبت و خلاص کے اندیا دکا دیر ہو ہے اُس کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے +

ہماری قوم کے مقدس لوگوں نے ان دنیاوی تحریرات میں ایک اور مذہبی طرہ لگایا ہے کوئی خطاب اسم اللہ الرحمن الرحیم سے خالی نہیں ہوتا۔ بہت سے بزرگ اپنے خطوط کے عنوان پر ”بسم اللہ“ ”محمد لا“ ”حامدا“ ”مصلیا“ ”مسلم“ لکھتے ہیں۔ الفاظوں پر ”انشاء اللہ تعالیٰ“ ”بجوزہ تعالیٰ“ ”بمسئلہ کامل“ تحریر فرماتے ہیں۔ اور جن بزرگوں کا مذاق ملل اعمال کی طرف مائل ہے وہ الفاظ پر ”حوالہ تطہیر“ بھی لکھ دیتے ہیں اور یہ خیال کہتے ہیں کہ ان الفاظ کی تحریر سے ہمارا خالص مذہب کی تائید ہو گی۔ مگر اکثر دیکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ ڈاک کے جن کثرت خط ادنا ہی بجاتے ہیں جو اس سے بھی ادنیٰ خیال کے لوگ ہیں۔ عقائد پر جو تہرید و گیراں لکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا شخص ان کے خط کو قبول نہ کرے پڑھ لے +

بلکہ نہایت افسوس ہے کہ لوگوں نے اسلام کے مقدس الفاظ و مضامین کو ایک دل لگی

کی بات بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ نہایت دیندار سی اور خدا پرستی اور نہایت ہی اتقاد اور  
تخصیص سنت پر چلنے کا کام ہے حالانکہ اس سے زیادہ اسلام اور اُس کے مقدس الفاظ و سخاں  
کی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے اسی قسم کے برتاؤ سے اسلام کی برکت اور منزلت  
اُن کے دل میں نہیں رہی جو عرض اس کے کہ اسلام کی باتوں سے اُن کے دل میں نیکی خالص  
اور شیع پیدا ہو سکتی اور قساوت پیدا ہوتی ہے +

وہ بسم اللہ خط پر لکھتے ہیں مگر اُن سے پوچھو کہ لکھتے وقت اُس پاک کلام اور مقدس الفاظ  
کے معانی اور مطلب کا کچھ بھی خیال اور دھیان تھا رسے دل میں آتا ہے جس طرح اور لفظ شوق  
و محنت و سست قلم سے نکلے جاتے ہیں اُسی طرح بے خیال بسم اللہ بھی لکھ دی بلکہ بیش سے غلط  
کہا شاید اگر کسی محبوب کو خط لکھا جاتا ہو تو الفاظ شوقیہ و محبت کا کچھ اثر دل میں معلوم ہوتا ہوگا۔  
کسی کو سخت و سخت لکھنے میں بھی ل میں کچھ اثر غصہ کا پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر بسم اللہ لکھتے وقت  
نہا کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ ہمنے بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے کہ شریخ کا تماشہ دیکھ رہے  
ہیں اور خط پر مامدا لکھ رہے ہیں۔ ع۔ الف لکھا تھا کہ بولے وہ پیادہ مرا۔ وہ پیادہ مرا پھر  
میس۔ مال لکھی اور کہا وہ کشت۔ اتنے میں الف لکھا اور بولے وہ مات۔ غور کرو کہ اس طرح پر  
مذہبی مقدس الفاظ کا برتاؤ کیا کچھ دل میں نیکی پیدا کر سکتا ہے ؟

ہم نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ خدمتگار پر غصا ہو رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں  
اور قلم سے خط کے سرے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم مامدا و مصلیٰ لکھ رہے ہیں۔ ایک گالی پر  
بسم اللہ اور دوسری پر مامدا اور تیسری پر مصلیٰ لکھا جا رہا ہے +

ہم نے ایسے خط بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم مامدا و مصلیٰ لکھے دیکھے ہیں جن میں تمام دنیاوی  
منزغرات بھرے ہوئے ہیں اُن کاموں کے کرنے کے حکم اور صلاحیں مندرج ہیں جو  
ایمانا۔ اخلاقا۔ شرعاً منہج و حرام ہیں۔ بعضے خطوں کا یہ فقرہ بھی یاد ہے کہ از دیگر حالات ہم  
مطلع فرمائید۔ لفظ دیگر کی تشریح ہم نہیں کے صرف مولوی کا یہ شعر پڑھ دیجئے +

غور شتر آں باشد کہ ستر دلبران

گفتہ آید در حدیث دیگر اں

پھر کیا ایسی سنت تحریری بجالانے سے کچھ ایمان و اسلام کی برکت دل میں بیٹھ سکتی

شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تو زندہ مشروب کا حال ہوا۔ بزرگ و مقدس لوگوں کا لکھنا اس طرح پر نہیں ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہو مگر تجربہ سے۔ مشاہدہ سے۔ عقل سے۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مذہب کی مقدس باتوں کو دنیاوی باتوں میں ملا دیا جاتا ہے۔ اور بطور مذہبی تقدس کے اُسکو نہیں بڑھا جاتا تو اُن کی کچھ عظمت اور اُن کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ انصاف سے کہو کہ وہ لوگ جو رات دن تسبیح ہلاتے پھرتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ باتیں کہیں اور اللہ اللہ کہہ کر دلانے اور دھر کے اُدھر کر دینے تین لغویات مومن سے نکالیں اور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لگے۔ رفتہ رفتہ انگلیوں کو وہ مشق ہو گئی کہ وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ دانے اور دھر کے اُدھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیا ایسے بڑاؤ سے خدا کے نام کی عظمت اور برکت دل میں رہتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں خدا کا نام سنتے ہی خضوع و خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے بڑاؤ سے خدا کا نام لینا اور کسی کو بذاتِ کنا دھونو برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ اس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ اُس کا۔

ہر ایک کام میں خدا سے مدد چاہنا اور اُسکی طرف رجوع کرنا نہایت عمدہ مسئلہ ایمانِ اخلاق کا ہے۔ مگر یہ ایک فعلِ ظہری ہے جس کے ساتھ ممکن ہے کہ زبان بھی شریک ہو۔ مگر صرف قلم سے لفظ کے سرے پر انشاء اللہ لکھ دینا پورے معنی دار۔ نہایت عمدہ بات ہے کہ خط کے پہنچنے میں بھی خدا پر بھروسہ کرو۔ اُس سے مدد چاہو۔ مگر لفظِ انشاء اللہ کی چرٹا بٹانے سے کیا مطلب ہے؟

میرے ایک دوست نے (جو اس قسم کی رسمیات کے نہایت پابند اور پُرانے فیشن اور پُرانے خیالات پر نہایت مستحکم ہیں) مجھ سے کہا کہ درحقیقت ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جس طرح ہم خط پر مشفق مہربان ایک رسم موافق لکھتے ہیں اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیتے ہیں جس طرح شہر کا نام لکھا۔ پتہ لکھا۔ اُسی طرح انشاء اللہ بھی لکھ دیا۔ پس اُب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتوں میں اسلام کی کبریتیں نصب ہو سکتی ہیں؟ یہ اسلام کے کام ہی نہیں ہیں۔ یہ تو مثلِ اُردو رسمِ باتوں کے رسمی کام ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ جب ہمارے خطوں کے لفظ دیکھتے ہیں سنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا اہم مذہب ہے جو یہ خیال بتاتا ہے کہ ایسے لفظوں کے لکھنے سے خالق نہیں ہوتا۔ مگر کہتے ہیں کہ صاحبِ مذہب تو اہم نہیں ہے مگر لکھنے والے اہم ہیں۔



یعنی دوست ہے کہتے ہیں کہ یہ صحیح مگر مسلمانوں کے خطوط پر ایسے الفاظ ہونے مسلمانوں کی نشانی ہے۔ مگر ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم ہندوؤں کی طرح خط کے ماتھے پر قشقہ لگا کر اور گلے میں زمار ڈال کر مسلمانوں کو پہچاننا نہیں چاہتے۔ اگر دل کی آنکھیں اندھی ہیں تو خط پر بسم اللہ کا قشقہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

جناب رسول خدا صلعم نے اپنے فرامین پر بسم اللہ لکھی ہو پھر کیا وہ نامی انہی مضامین کے تھے اور انہی مقاصد کے تھے جن مقاصد و مطالب میں تم اپنی روزانہ خط و کتابت کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے خطوط پر بسم اللہ لکھنی سنت سمجھتا ہو تو نہایت بے ادب و گستاخ ہے اور کچھ بھی قدر و منزلت نہ سنت کی نہیں جانتا۔ اسی بات کو تو ہم دوتے ہیں کہ مسلمان مذہب کی طرح نہیں برتتے بلکہ اس کا کمال بناتے ہیں۔

یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ محض ظاہری باتوں کو انھوں نے یہودیت سمجھی تھی اور ان کے اس کے علماء و فقہاء جو ربی اور توہمیں کہلاتے تھے صرف ظاہری باتوں پر چلتے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے ہاں دو فرقہ قائم کیے تھے۔ ایک صدوقی جیسے سنتوں میں اہل حدیث اور وہابی اور شیعہ میں اخباری دوسرا فروسی۔ جیسا کہ سنتوں میں فقہی اور شیعہ میں اصولی۔ دونوں فرقہ ذرا ذرا سی باتوں پر بحث کرتے تھے اور اسی کو کمال مینداری جانتے تھے۔ اس بات کی ٹبرجی سیادت کرتے تھے کہ بکرا اس قدر انگشت بینی پھیری سے تین رنگوں میں بوج ہو۔ مگر اس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ آیا کہاں سے تھا تو ریت کو بے مہارت چھونے اور بے لہجان جلائے کھولنے میں بہت احتیاط ہوتی تھی۔ مگر اس بات کی کہ اس میں لکھا گیا ہے کچھ پروا نہ تھی۔ مکان پر۔ مراسلوں پر۔ پھاتی پر آیات تورات کے حروف مقطعات کا نقش لگانا نہایت ایمان و اتقا کا کام سمجھتے تھے۔ مگر جو بدی مینہ میں بھری ہوئی تھی اس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ یہی حال حنینہ چار سے زائد کے مقدس لوگوں کا ہے۔ گول عامر۔ برج کی صورت کا عامر۔ عرب والوں کے ہمسایہ طرح کا عامر سر پر باندھے۔ شلہ کئی انگل کا چھوٹے اس کی تحقیق کیے اور ٹھیک گدی کے پیچھے لٹکائے۔ ریش مبارک ملنگھن بھنگارے قمیص مسنون پہنے۔ اچھر صدر ہی عربی لٹکائے۔ اور اس پر عجائے کسرتانی جس کو بعض کتابوں میں خسروانی مضرب الی کہتے تھے و کافرا دشاہ فارس لکھا ہے زیب تن کیے۔ مسجد یا خانقاہ یا کسی حدیث اسلامی میں تشریف رکھتے ہیں۔ یعنی نہایت سادہ سیدھا دیہاتیوں کا سا لباس اپنی سادگی اور محض لہیت

اور خالص بے تکلفی قبائلی کو پہننے ہوئے پھرتے ہیں۔ مگر پوچھو تو وہی کہ حقار سے دل  
بھی کسی لباس پر تکلف یا ملبوسا وہ سے آراستہ نہیں کیجئے کہ مسواک اتنی لمبی ہو۔ اور  
ڈاڑھی اتنی مٹھی۔ پیجاہر اتنا اونچا ہو اور گرتہ اتنا نیچا۔ اور کچھ نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو یہ ہے  
کہ جو کچھ ہم کریں وہ سب ثواب اور جو کچھ دوسرا کرے وہ سب عذاب۔ قل اتخذتم عند اللہ  
عہدا فان یخلف اللہ عہدہ ام تقولون علی اللہ ملا تعلقمون؟

ہمارا مطلب یہ ہے کہ مبکوشااستہ ہونا چاہیئے۔ دنیا کے کاموں کو دنیا کی طرح اور  
دین کے کاموں کو دین کی طرح برتنا چاہیئے۔ دونوں کو خلط ملط کر کر بگاڑنا

اور مذہبی باتوں کو دنیاوی باتوں میں گڈمڈ کر کر غیر مذہب

والوں کو ہنسوانا نہیں چاہیئے۔ دنیاوی باتوں کے

خطوط پر بسم اللہ لکھنی و حقیقت اللہ کے نام

کا ادب کرنا ہے۔ لغاف پر انشاء اللہ کی

چڑیا نہ بنانی دراصل خدا

پر بھروسہ کرنا ہے۔

واللہ المستعان

علیہ التکلیل

+



# حصہ دوم

مضامین مذہبی و علمی

مذہب اور عام تعلیم

تعلیم کا عام رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے غیر ممکن

ہے۔

انسان کے خیالات جو آئندہ زندگی کی نسبت ہیں جس کو معاد یا آخرت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مذہبی یقین سے پیدا ہوتے ہیں انسان کی ترقی کے اکثر باوج ہیں۔ بلاشبہ سچا مذہب جو حقیقت خدا کی طرف سے دیا گیا ہو وہ انسان کی کسی قسم کی ترقی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا منزل لوازم انسانیت سے خدا کا مقصد نہیں ہے۔ ورنہ انسان کو انسان بنانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ مگر جب اُس سچے مذہب میں بھی تو خیالات اور بدعتیں داخل ہوتے ہیں تو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا باوج ہو جاتا ہے۔ اور جبکہ فساد اور مل رسوات ملکی اور قومی کا اُس میں خلط ہو جاتا ہے جیسا کہ اُن مسلمانوں کا حال ہے تب نہ ستم قاتل ہوتا ہے +

اس مقام پر کہو اس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب سے یہ بیان

ہوا ہے وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاوے گا :

یہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی طرح ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پاتے جس میں اس قسم کے خیالات نہ ہوں مگر بلاشبہ یہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات ناقابل اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہوں اسی قدر انسانیت کو ترقی ہے :

اس برج کے رفع کرنے کے لیے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لیے بعض شایستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی۔ ایک گروہ تو اس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل سوخت کر دیا جائے جو باہمی اختلاف اور تنابین کا باعث ہے اور سب لوگ تفرق ہو کر اس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف سچ اور فائدہ مند ہے۔ اگرچہ اس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لائق آدمی شامل تھے مگر ان کی کوششوں کی کامیابی کی کچھ بھی توقع نہ ہوئی اور نہ ہوگی اس لیے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں نکال ڈالنا جس کی تعلیم میں کوشش مقصود ہے ایک ایسا امر ہے جس کے ہونے کی ابھی دنیا میں برس تک توقع نہیں ہے :

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور ان علوم کی تعلیم اس کے ساتھ بطور ضمنی تعلیم کے تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ دیا بلکہ دور دور کی قوموں اور دور دور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فائدوں سے اپنا احسان بنایا اور آئندہ نسلوں کی تعلیم کے لیے کروڑوں روپیہ جمع کر جانے اور کتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیوں کے قائم کر جانے سے جس میں کروڑوں اور پدموں کی خرچ ہو گیا۔ تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا۔ اگر اس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنا ایک اصلی مقصد وہ مذہبی خیالات ہوتا تو اس کا ہزارواں حصہ بھی اسباب و مواقع تعلیم کو مدد نہ پہنچتی بلکہ اس زمانہ میں جس میں کہ یہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اس کی تائید نہ کرتا :

اس طریقہ کی سہمی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہ تھا کہ بد تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدن و معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کر دیا یعنی جو تعلیم اس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ اصلی ہو گئی۔ تعصبات بہت کھٹ گئے

متصبا نہایت سیار میں موقوف ہو گئیں اور جو دو چار باقی میں اُمید ہے کہ وہ بھی دور ہوگی اور جو انسان کی انسانیت کا متقاضی ہے وہ پورا ہوگا +

اب مسلمانوں کے حالات پر غور کرو کہ وہ لوگ تلم علوم میں تعلیم پاتے تھے فلسفہ کے بڑے دوست تھے طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے شعر و شاعری اور علم ادب کے عاشق تھے اور ان سب کے ساتھ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی۔ اور اسی پچھلے خیال کے سبب ان مدرسوں اور دارالعلوم کے لئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہنچتی تھی جس کے سبب وہ تعلیم قائم تھی حالانکہ انہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لامذہب بلکہ مذہبی خیالات کے دشمن ہوتے تھے مگر ان تمام چیزوں کے لئے مدد اور سامان ہم پہنچنے کی کچھ مشکل نہ ہوتی تھی۔ اس بات کی تصدیق کے لئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دو نامی یونیورسٹیاں قوطیہ و رجبہ اولیٰ گورگئی ہیں مگر پھر بھی اس واقعہ کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں۔ بھلا ان پچھلی باتوں کو جانے دو۔ کل کی بات ہے کہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ عزیزیہ نہیں اسباب اور وجوہات سے قائم تھا جس کے پڑھے ہوئے اب بھی چند لوگ زندہ موجود ہوں گے غرض ہماری ان سب باتوں سے یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں مسلمانوں کی عام تعلیم پر کوشش کرتے ہیں ان کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد میں غیر شمول تعلیم مذہبی کے نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ دنیا میں کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی موجود ہے جس میں عام تعلیم کا رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے ہوا ہو +

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں ان میں وہی نقص ہے جس کے سبب ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عام تعلیم کا رواج باوصف بے انتہا کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہے +

مگر ہم کو نہایت انصاف سے اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھ قصور ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم کے الزام سے اس بات میں بالکل بری ہے ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہے اور وہ خود ان سب سے مختلف مذہب رکھتی ہے اور اس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں کر سکتی تھی ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جس قدر نافرمان طریقہ تعلیم کا اور مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھونا اختیار کیا ہے اور جس قدر سعی اور کوشش ہندوستان

کی تعلیم گورنمنٹ سکول ہے وہ دونوں شش ادب نے نظیر اور غالباً اس وقت دنیا کے پردہ پر اس کا نظیر موجود ہے  
گما پھر بھی جو امر عالم تعلیم کی ترقی کا بن ہے اس کا رافع کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے وہ دیکر سکتی تھی کہ اپنے تئیں  
مذہبی تعلیم سے بالکل علیحدہ رکھے۔ مگر یہ نہیں کر سکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یکسی  
خاص مشرب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے +

پس مسلمانوں میں ترقی تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے توجہ اسید ہونا چاہیے ایک  
عالم تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے۔ دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی  
مذہبی تعلیم کے شمع ہونے میں۔ اور ان دونوں باتوں سے نا اسید ہو کر غور کرنا چاہیے کہ ان  
کیا تدبیریں جس سے مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اور ان میں عموماً تعلیم کا رواج ہو۔ اور  
اعلیٰ اعلیٰ اور ہر قسم کے مفید علموں کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بنیاد قائم ہو۔ ہر شخص اس کا  
جواب دیکھ گا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر مستعد  
و آمادہ ہوں اور یہ جو مذہبی شمل مشہور ہے کہ جیشیہ کے بھر دے پیٹ اسکی عار نہ اٹھا دیں بلکہ آپ  
کام ہما کام کی نصیحت چلیا نہ سے نصیحت پکڑیں +

یہ بات کہنی کہ مسلمانوں کو اس کام کے انجام دینے کا مقدور نہیں بالکل غلط ہے۔ البتہ  
یہ بات صحیح ہے کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اٹھانیوالے نہیں ہیں اور اس بلیک بہت بھی کم  
ہوگئی ہے جو پھر تحریک میں آسکتی ہے +

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکل گورنمنٹ کے ذمہ تھا۔ شاید دو ایک مدرسہ ایسے ہونگے  
جو کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی مگر تمام مدرسے صرف رعایا کی مدرسے قائم تھے جو ان کے مدرسوں یا  
بانیوں کو بطور نذر و نیاز کے ان کے قائم رکھنے کو رو پڑتی تھی۔ کیا شاہ عبدالعزیز صاحب کا  
مدرسہ اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ وغیرہ لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جس کو حال کی زبان  
میں چندہ یا سبکدوش بن ڈونیشن کہتے ہیں قائم رہ سکتی تھی۔ پس ہر مقام میں مسلمانوں کو مستعد  
ہو کر ترقی تعلیم کے لیے سہی کرنی چاہیے اور پھر وہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپس میں قائم  
کرنے چاہئیں اس طرح ہر تو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے  
کچھ توقع نہیں ہے +

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم جنہو رو علی گڑھ و دیوبند و دہلی  
و کانپور کے مدرسوں کو مجبور نہیں گئے ہیں مگر جس طرح پردہ قائم ہوئے اور جس طرح پٹنگلی کارروائی

ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں اور اس سے مسلمانوں کی بھلائی کی کچھ توقع نہیں۔ ہم اس بات سے خوش نہیں ہو سکتے کہ کسی جگر چالیں طالب علم ریشائیل اور ادھر ادھر پوپ کچھ کے معج ہو گئے اور صدر و مفسر نانغہ پڑھنے لگے کیونکہ سلسلہ وار تعلیم کی اور ان نو عمر بچوں کے سلسلہ تعلیم کے قیام کرنے کی ضرورت ہے جو ہونا ہونے کو ہیں اور جس سے ہمارے ملک کی ترقی اور ہماری قوم کی عزت متصور ہے +

مسلمانوں کی تعلیم کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ دو چار ملاں سی جگہ پڑھانے کو متفرک کر دیے جاوے اور وہی پرانی کرکھائی کتابیں دو چار دس پانچ آدمیوں کی پڑھانے لگیں بلکہ جب بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اول نمیدہ نمیدہ ذی علم اور عی عقل لوگ جمع ہوں اور بعد بحث و گفتگو کے یہ بات قرار دیں کہ اب سلسلہ تعلیم بطور حالات زمانہ اور بلحاظ علوم و فنون جدیدہ کے کس طرح پر قیام کرنا چاہیے اور ہماری پرانی و قیما نوسی تعلیم سے سلسلہ میں کیا کیا تبدیل اور ترمیم کرنی چاہیے۔ ہمارا سلسلہ تعلیم کا بلحاظ مقاصد نہ کسی طرح پر قیام ہو اور بلحاظ مطالب ذہنی کے کس طرح جاری کیا جاوے اور جب کوئی طریقہ تجویز ہوئے اس وقت اس کے اجرا پر ہر ضلع کے لوگ اپنے اپنے ضلع میں سعی و کوشش کریں +

ہر ضلع میں کم سے کم ایسا ایک مدرسہ قائم کرنا چاہیے جس سے ہر قسم کے مطالبہ درجہ صاعد پورے ہوں کیونکہ تمام لوگوں کے ایک ہی مقاصد نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص مولوی۔ محدث و فقیہ بننا چاہے تو مولوی بننے کا بھی اس میں موقع موجود ہو۔ اگر کوئی شخص ٹیڑھا ریاضی داں بننا چاہے تو وہ بھی اپنا مقصد اس میں حاصل کر سکے۔ اور اگر کوئی شخص علوم و زبان انگریزی میں تحصیل کامل کرنا اور صدماتے جلیڈ گورنمنٹ کو حاصل کرنا چاہے وہ بھی کر سکے جب ایسا انتظام اور سلسلہ قیام ہو جاوے گا تب مسلمانوں کی تربیت اور دینی و دنیوی ترقی کی توقع ہوتی ہے +

اس طرح کے سلسلہ تعلیم قیام کرنے میں اگرچہ بہت سارے پیچیدہ ہیں لیکن روپیہ جمع ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ لوگوں کا دل اور ارادہ اور بہت چاہیے۔ ہر ضلع میں جس قدر مسلمان آباد ہیں اگر ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا روپیہ بھی دو دو ایک ایک بلکہ آٹھ آٹھ آنے دے تو ہر ضلع میں چند روپیہ جمع ہو جاتا ہے کہ ان تمام مطالب کے لیے ایک نہایت عمدہ متعلقہ رقم قیام ہو سکتا ہے ہر ضلع لوگوں کا ارادہ کرنا اور اس کام کے انجام کرنے پر دل سے کوشش کرنا شرط ہے +

## دین اور دنیا کا رشتہ

نجات ابدی جو تیرے مذہب یا سچے دین کا ہے وہ دنیا کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ ایک شخص جس نے تمام عمر عسرت و تنگی میں بسر کی ہو اور لباس برہنگی کے سوا اور کوئی لباس پہن نہ کیا ہو اور بناس تپ کے سوا جو کے بن چھینے آٹے کی روٹی بھی نصیب نہ ہوئی ہو وہ بھی سچے مذہب کی بدولت نجات ابدی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس شخص نے لاکھوں کروڑوں روپیہ لو جو جائیداد اور خرچ کیے ہوں۔ اور محمودی و تن زبیب تن کیا ہو اور محلوں میں سویا ہو اور غلوں کی ٹھنڈی تھامیں پھرا ہو۔ پر تنہا مال عربی گھوڑوں پر چڑھا ہو وہ بھی سچے دین و مذہب کی بدولت نجات ابدی پا سکتا ہے۔ ہم دنیا میں بے انتہا مذاہب مختلفہ کے لوگ دیکھتے ہیں جن میں انشہ کوئی سچے اصول پر اور کوئی غلط بنیاد اور جوڑے اصول پر مبنی ہوگا۔ اور ہر مذہب کے لوگوں میں تنگی و فراخی۔ دولت و غلے کی کپاتے ہیں۔ اس لیے یقین کرتے ہیں کہ دنیا کسی کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اس مضمون پر یقین کرنے کے لیے حضرت ذرغراسی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا حال جاننا کافی ہے جو علانیہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں فرماتے تھے کہ ”واللہ صاحب المال کا فرما دیا اور دین سے ایسا حکم رشتہ ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا جس طرح کہ بچتی سے کبھی دنیا۔ دین کو غارت بھی دیتی ہے اسی طرح خوش قسمتی سے دنیا دین کو سوار بھی دیتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

پراگندہ روزی پر اگندہ دل

اب ان عقلی باتوں کو جاننے دو اس پر تو یقینی سب مسلمان یقین کرتے ہو گئے کہ کسی بندہ خدا کا غضب دنیاوی امور کے سبب نہیں ہوتا بلکہ دینی تصور اور نافرمانی اور گناہ و معصیت کے سبب ہوتا ہے۔ اور یہی ظاہر ہے کہ دنیا دلوں پر اثر نہیں ہے۔ اور جو گناہ اور معصیت بندوں کے لیے دنیا نہیں ہے۔ باہم ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے دینی تعبیرات پر یہودیوں کے ساتھ دنیا میں کیا سا مل کیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَضَرَبَ عَلَيْهِمُ الدَّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَابَاَ الْغَضَبِ مِنْ دَلَالِكَ بَانْتِمْ  
اَوْ اِيْكَفَرُوْنَ بِاللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيْنَ بَغْيًا الْحَقَّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَاَنْهٰوْا

جست و تن پس اگر دنیا کو دین کے ساتھ کوئی حکم رشتہ نہ تھا تو خدا تعالیٰ نے ہمارے



ہو دیوں کو دنیا میں ذلیل اور کمین کیوں کیا؟

آب دوسری طرح پر غور کرو اور ایک خیالی دنیا بناؤ اور یہ تصور کرو کہ ہندوستان میں تمام مسلمانوں کے پاس دولت و حکومت اور منصب نہ رہے سب بغلس اور نان شب بینہ کو محتاج ہوں (جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اُن بد عملیوں اور بد نصیبیوں کے سبب جو زمانہ حال میں اُن کے خطوط پیشانی سے پڑھی جاتی ہیں عذریہ ہونی والا ہے) اور وہ بد بھیک مانگتے پھریں ان کی اولاد جاہل اور نالائق چور اور بد معاش ہو۔ واعظین کو جو محض ریاکاری اور سکاری سے دنیا کاتے پڑے پھرتے ہیں کوئی نکادینے والا یا حرام کا لقمہ تر کھلانے والا نہ رہے جناب حضرت پرچی صاحب جو لوگوں کو مدد کر کر اپنا لشکر بناتے پھرتے ہیں اور سالانہ ٹیکس یا جزیہ اُن پر مقرر کرتے ہیں اور ہر سال اُس کی تحصیل میں عیوض ہیں ان کو کوئی دینے والا نہ رہے۔ یا جناب مولوی صاحب قبلہ جو حدیث و تفسیر یا صدراؤمسن یا فخر طالب علموں کو پڑھاتے ہیں اُن کو کوئی چار پیسے کو نوکر رکھنے والا نہ رہے جیسا کہ اب بھی یہ حال موجود ہے کہ اچھے اچھے مولوی ٹکے ٹکے کو مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں بچھتا تو اُس وقت دین کا کیا حال ہوگا؟

مگر اس کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہیے کہ بیٹ ایسی چیز ہے کہ دین رہے یا جاوے خدائے یانے اُس کو بھڑنا چاہیے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو بیٹ بھرنے کی تو کچھ فکر کرنی چاہیے گی۔ اور فکر کیا ہوگی اُس کا خیال بڑے دینداروں کی نسبت تو یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے گھر چھ پتیری ڈھورے ہیں کسی جنگل میں گھاس حاصل رہے ہیں کسی پیار پر کر دیہا چن رہے ہوں گے کسی کا گھوڑا اعلیٰ ہے ہوں۔ اور جو ایسے بچے دیندار نہیں ہیں اُن کی نسبت کچھ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا کریں گے۔ معلوم نہیں کہ اُن سے جملانے اور جزائر نوآباد بھرنے یا یتیم خانے اور کلیسیا رونق پاویں گے یہ پسلی حالت میں خیال کرنا چاہیے کہ دین اسلام کی کیا شان ہوگی اور اُس وقت ہم سلام کریں گے اور پوچھیں گے کہ کیوں جناب قبلہ و کعبہ ہم جو مسلمانوں میں مذہبی ترقی و تہذیب و تربیت و شایستگی میں کوشش کرتے تھے وہ ہمارا لہر معاش میں منہمک ہونا اور ترغیب دینا اور امر و مہادی طرف سے بالکل بھول اور غفلت کا پردہ ڈالنا تھا یا یہ کام خاص خدا کا اور بالکل دین کا اور سراسر معاہدہ کا تھا؟

خدا تعالیٰ نے مذہب اسلام کو عین حکمت بنایا ہے۔ اُسکی بھلائی چاہنے والے کو ضرور ہے

کہ وہ بھی حکیم ہو۔ نہ مکار اور نہ غا باز۔ اور حکیم کا یہ کام ہے کہ جو مرض دیکھتا ہے اُسکی دوا کرے۔  
 اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ امور معاش میں تمدن و حسن معاشرت اور علم  
 کی اتاری و خرابی کے سبب روز بروز خراب و ذلیل و حقیر و برباد ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہ عظم  
 و مولوی اور پیر جی خدا اور رسول کے دشمن اُن کو روز بروز برباد و تباہ کرتے جاتے ہیں پس یہی  
 حالت میں کہ ہم محمدی یقین کرتے ہیں کہ وہ عیسیٰ مسلمان یقینی اپنے مذہب پر ٹکتے ہیں۔ خدا  
 کو دیک جانتے ہیں۔ رسول کو برحق سمجھتے ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ فرض جانتے ہیں۔  
 ایک ایک جوا بھی ضروری نماز روزے سے ملے جاتا ہے۔ یا ہر طرح پر اُس کے جاننے کا  
 سامان یا موقع موجود ہے۔ مذہب اسلام کے دوستدار کا یہ کام ہے کہ اپنے تئیں پیر جی یا  
 حضرت صاحب یا مولوی صاحب کہلانے اور دغا بازی سے دنیا کمانے کے لئے اُنہی باتوں  
 کا جن کی ضرورت نہیں ہے بیٹھا ہوا وعظ کما کرے۔ یا جن کی ضرورت و حقیقت مسلمانوں  
 کو اور خود اسلام کو ہے اُسکی تدبیر اور کوشش کرے۔

افسوس خدا اٹھ نہیں آتا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود نہیں  
 ہیں۔ ورنہ ایک ایک کا ہاتھ چمکا کر اُن کے سامنے لیجاتا۔ اور کہتا اؤ خدا اور اے جناب  
 رسول خدا۔ تم مجھ میں اور ان میں محاکمہ کرو اور بتاؤ کہ کون بخدا اور دستار ہے۔ میں گنہگار  
 یا یہ وسندار۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اگر خدا سچ ہے اور قیامت درست ہے تو یہ معرکہ ہونا ہے  
 لیکن با اینہذا اگر کوئی مبالغہ برآوردہ ہو تو میں مبالغہ کو موجود ہوں۔

تعجب کی بات ہے کہ اس بات پر کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں قومی ترقی ہو علوم دینی  
 قائم رہیں۔ علوم دنیاوی جو مفید و بکار آمد ہیں ان کا رواج اور ترقی ہو۔ لوگ معاش سے  
 فارغ البال ہوں۔ اکل حلال پیدا کرنے کے وسیلے ہاتھ آویں۔ حسن معاشرت میں جو نقص ہیں  
 وہ رفع ہوں۔ جن بد رسوں اور خراب دلوں سے غیر قومیں مسلمانوں کو اور اسلام کو حقیر و  
 ذلیل سمجھتی ہیں وہ موقوف کی جاویں۔ جو خلاف شرع تعصبات و توہمات ہیں اور ہر طرح کی  
 ترقی کے مانع ہیں وہ دوس کیے جاویں۔ ان تمام باتوں کو محض دینداری اور حب قومی سے نہ  
 سمجھنا اولیٰ نہ لگ دنیا کا الزام دینا کس طرح خدا کے نزدیک درست ہوگا۔

باقی رہا اختلاف بعض مسائل میں یہ ایک جدا بات ہے۔ میں جس مسئلہ کی حق اور سچ سمجھتا ہوں  
 باخوف اسکو کہتا ہوں بقول شخصے۔ از خدا شرم دار و شرم مدار۔ اُن مسائل میں سے جب

کوئی مسئلہ صاحب کی تحریر یا تقریر سے غلط ثابت ہو گا مجھ کو اس کا اقرار کرنے اور توبہ کرنے میں ایک لمحہ بھی خدانے چاہا تو دیر نہ ہوگی۔ و اللہ ولی التوفیق +  
 پامو جو میں نے لکھے۔ مجھ کو لکھنے زیادہ تھے۔ مگر مجھ پر ہی جو کچھ اپنی نیت اور اپنا ارادہ اور قصد ہے اس کا عام طرح پر ظاہر کرنا ضرورت تھا اس لیے دو چار حرف اسی سختی سے جو میرے دل میں ہے لکھے گئے ہیں۔ تاکہ میرے مخالف اور موافق سب اُس پر غور کریں +

## طبقات علوم الدین

ہم خیال کرتے ہیں کہ ابنِ اندیس جو مسلمان بعض مسائل مذہبی کی تدقیقات کو دیکھ کر متعجب ہوتے ہیں اور اس تدقیق کو خلافِ جمہور اور غرقِ اجماع سمجھتے ہیں۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ وہ علومِ دین کے طبقات سے واقف نہیں ہیں اس لیے مناسب ہے کہ کچھ اُن کا ذکر کیا جاوے +

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجتہ اللہ البانہ میں طبقات علوم الدین کی تفصیل اس طرح پر بیان کی ہے +

طبقہ اول۔ حدیثوں کے پچانے کا علم کہ کونسی صحیح ہے اور کونسی ضعیف۔ اگر نہی مستبر ہے اور کون سی مقبر۔ چنانچہ اس کام کو علماء محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا اور حدیث کی کتابیں اُس میں تالیف کیں +

طبقہ دوم۔ کلامِ الہی اور اُن حدیثوں کے معنی بیان کرنے کا علم کہ مطابق محاورہ اور استعمال زبانِ عرب کے اس کے کیا معنی ہیں۔ چنانچہ اس کام کو علماء علمِ ادب نے اختیار کیا +  
 طبقہ سوم۔ کلامِ الہی اور حدیثوں کے معنوں کو بطور اصطلاحات شرعیہ قرار دینے اور اُن سے احکام شرعیہ کے نکالنے اور ایک حکم سے دوسرے پر قیاس کرنے اور اشارات و کنایات عبارت سے حکم نکالنے اور ناخن منقہ قرار دینے اور راجح مرجوح ٹھہرانے کا علم۔ چنانچہ اس کام کو فقہانے اختیار کیا +

طبقہ چہارم۔ مذہبِ اسلام کے اسرار جاننے کا علم اور یہ وہ علم ہے جس میں مذہبِ اسلام میں جو کچھ ہے اُس کی حقیقت اور اصالت اور جو حکمت کو شارع نے اُس میں رکھی ہے وہ بیان کی جاتی ہے +

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہی علم ہے جس سے آدمی پکا مسلمان ہوتا ہے اور اُس کا ایمان  
 مثلِ شے شخص کے کامل عقیدے کے پختہ ہوجاتا ہے جس کو کسی نہایت سچے شخص نے یہ بات  
 کسی ہو کہ سنکھیا نہ ہر قائل ہے۔ اُسکے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے اور اُس شخص نے بسبب اُس  
 قائل کی سچائی اور مستبری کے اُسکی تصدیق کی اور پھر قواعد علم حکمت سے یہ بات بھی جانی کہ  
 زہر میں حرارت اور حیست بے انتہا ہے اور وہ دونوں خاصیتیں انسان کے مزاج کے برخلاف  
 ہیں اور اس لئے اُسکو ماہِ ذی انتی میں اور اس بات کے جاننے سے اُسکا عقیدہ اُس قائل پر اور اُس کی  
 بات پر اور زیادہ پختہ ہوجاتا ہے۔ پس اسرارِ دین کے علم کا یہی نتیجہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان  
 کو ایسا پختہ کر دیتا ہے کہ کسی طرح دُنگا ہی نہیں سکتا۔

شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام عالموں نے فقہ کو لبِ بابِ علوم دین کا سمجھا ہے  
 مگر اُن کے نزدیک علم اسرارِ دین ہی سب کا سرِ لُج ہے۔ پھر وہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ یہی  
 علم اس لائق ہے کہ بعد اداائے فرائض کے آدمی اسی علم میں اپنی تمام اوقات عزیز صرف کرے اور  
 ذخیرہ آخرت لیا جاوے۔

شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جبکہ اس قسم کے مطالب پر لوگ غور کرتے آئے ہیں اور مثال  
 اور مطالب نکالتے رہے ہیں تو اب علم اسرارِ دین پر گفتگو کرنا اور بحث کرنا خرقِ اجماع ہی نہیں  
 رہائیں کتابوں کہ خرقِ اجماع کیسا۔ اب اس بحث کو نافرض عین ہو گیا ہے۔

حال یہ ہے کہ جو حالت کہ انسان کی روح سے متعلق ہیں اور جو انکشافات کہ انسان کی روح پر  
 ہوتے ہیں اور اعمالِ صالح اور غیر صالح سے جو کیفیت انسان کی روح میں پیدا ہوتی ہے اور جو آثار  
 کہ اُس پر بعد موت کے طاری ہوتے ہیں جس کو محاذ کہتے ہیں وہ بدوں تشیل کے انسان کے  
 خیال میں نہیں آسکتے کیونکہ جو چیز کہ ہماری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی نہ ہم اُسکو جھوکتے ہیں تو  
 اُس کا خیال ہمارے دل میں جو ایسی چیزوں کی تشیل کے جن کو ہم جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں  
 اور کسی طرح پر نہیں آسکتا۔ مثلاً اگر عذابِ قبر میں گندگاریوں کی نسبت سانپوں کا چمٹنا اور  
 کاٹنا بیان کیا جاوے تو اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حقیقت سچ جج کے یہ سانپ جو کہ ہم  
 دنیا میں دیکھتے ہیں مردے کو چمٹ جاتے ہیں بلکہ جو کیفیت کہ گناہوں سے روح کو حاصل ہوتی  
 ہے اُس کا حال انسانوں میں اُس رنج و تکلیف و مایوسی کی مثال سے پیدا کیا جاتا ہے جو دنیا  
 سانپوں کے کاٹنے سے انسان کو ہوتی ہے۔ عام لوگ ادھک ملا اُسکو دھاتی سانپ سمجھتے

ہیں اور عارف بائند اسکی حقیقت اور اصلیت پر پئے لیجاتے ہیں اور اسی اصلیت کے جاننے اور بیان کرنے کو علم اسرار دین کہتے ہیں اور یہ وہی علم ہے جس سے انسان کا ایمان تصدیق کے درجہ سے بھی بڑھ کر علم الیقین اور حق الیقین بلکہ عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے +  
 اگلے زمانہ میں علماء کی یہ رائے تھی کہ علم اسرار الدین کو عام لوگوں میں پھیلانے سے جو کچھ سمجھ سے باہر ہے کچھ فائدہ نہیں بلکہ اُن کی تصدیق کو تشکیک میں ڈالتا ہے۔ مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ حال کے زمانہ میں ہر چار طرف علم کی ترقی بہت زیادہ ہو گئی اور اسکی شاعری تمام دنیا میں پھیل گئیں اور پھیلتی جاتی ہیں اور پھیلتی جاویں گی۔ بعض ملکوں میں تو عام و عوام اور خاص خواص سب کے خیالات کو دوست ہو گئی اور بعض ملکوں میں شاید ابھی عوام کے خیالات کو دوست نہ ہوئی ہو۔ اَو عام کے خیالات کو تو ضرور دوست ہو گئی ہے۔ اور اس لئے اب دین کی تشکیلی باتوں کا بیان کرنا کافی نہیں بلکہ اسرار دین کے علمانیہ بیان کرنے کا وقت ہے۔ اور جو بات کہ اگلے زمانہ میں کسی عالم کے دوچار شاگرد رشید جانتے تھے اسکو عوام ہر ایک کو بتانا چاہیے تاکہ حقایق مسائل اور اسرار دین سے لوگ واقف ہو کر اپنے مذہب کی سچائی پر مطمئن ہوں ان کٹ ملاؤں کے اس فتویٰ کو فرسے کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور حراج سے منکر ہوئے اور طہان کے وجود کو حین جہاد گمان میں ماننے سے نص قرآنی کا انکار کیا کچھ ڈر نا نہیں چاہیے۔ اگلے لوگوں نے جن میں سب کے سترج امام حجت الاسلام غزالی ام میں اور سب کے آخر شاہ ولی تہ صاحب ہیں ان کی نسبت بھی ان کٹ ملاؤں نے اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب بہت سے گھر کے فتوے دیئے ہیں۔ اُن فتوؤں سے اُن کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ مگر ان کٹ ملاؤں کی مہندیاں میں جو فتوے ہیں اُن کے پچھوں میں کل آیا +

اس علم یعنی علم اسرار دین میں احیاء العلوم امام حجت الاسلام غزالی ج کی اور حجتہ الباقیہ شافعی امام صاحب کی نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر زمانہ حال کے مطابق اُن کو بھی کامل سمجھنا چاہیے اسلئے کہ اس زمانہ میں بہت سی چیزیں اب معلوم یا مروج ہوئی ہیں جو اُس زمانہ میں نہ تھیں اور یہ کہ طرز تحریر و طریق تعزیر اور مذاہم استدلال و طریقہ ابراہام اس زمانہ میں نئے طور پر شروع ہوا ہے جو اُن زمانوں میں تھا۔ اور یہ کہ حال کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات کو بہ نسبت اُس زمانہ کے بہت زیادہ وسعت ہو گئی ہے۔ اور یہ کہ اُن کتابوں میں بہت باتیں بنیاد و اسرار مسلمہ مذہبی بیان کی گئی ہیں جو صرف معتقدین اسلام کے لئے بلاشبہ مفید ہیں۔ مگر بجا و خشان قدس سرہ

اُس علم کے اُس کے بیان کا ایسا عام ہونا چاہیے جو معتقدین اور غیر معتقدین سب کے لئے مفید اور برابر موثر ہو۔ پس وہ مطالب اس لائق ہیں کہ اُن کو حال کے پیرایہ تقریر کے موافق از سر نو بیان کیا جاوے۔ مگر یہ کام اُسی سے ہو سکتا ہے جس پر غلطی مہربانی ہوئی ہو۔ اور اُس کے دل کو نور ایمان سے منور کیا ہو اور کچھ حصہ علم لدنی سے عطا فرمایا ہو ورنہ من عظم نعم اللہ علی ان اتانی منہ حظاً وجعل لی منہ نصیباً وما انفلک اعترف بتقصیری و ابرء وما ابرء نفسی ان النفس لامارة بالسوء +

## عبادت

تمام نیکیاں اور عبادتیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں پوری نیکیاں اور عبادتیں نہیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔ اگر فرض اس کا خیال ہی کیا جاتا تو منہ ان شکل نہ بنتی۔ دقت یہ ہے کہ قانون قدرت کے مطابق جو نیکیاں اور عبادتیں ہیں اُن کو نیکیاں اور عبادتیں ہی نہیں سمجھتے +

ابن حنبل کے ثابت کرنے کو ہمارے لئے ارشاد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی اہم وافی ہے اور اُس کے بعد کسی دوسرے کے قول و فعل کی سند کی حاجت نہیں +

عن انس قال جاء ثلثة رهط الى ازواج النبي صلعم يألون عن عبادة النبي فلما اخبروا بها كانهم تقولوا فقالوا ان عن من النبي صلى الله عليه وسلم وقد غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تأخر فقال احدهم اما انا فاصلي الليل ابدآ وقال الاخر انا اصوم النهار ابدآ والاخر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا تزوج ابدآ فاجاب النبي صلعم اليهم فقال لستم الذين قلتم كذا وكذا والله اني لاختاكم لله واتقاكم له لكني اصوم وافطر واصل وافرقد واتزوج النساء فمن رغب عن مستني فليس مني متفق عليه +

بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عرب کی تین قوموں کے کچھ لوگ پیغمبر خدا صلعمؐ کی ازواج مطہرات کے پاس آنحضرتؐ صلعمؐ کی عبادت کا حال دریافت کرنے کو آئے۔ جب اُن کو بتایا گیا تو انھوں نے اُس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہنے لگے کہ کجا ہم اور کجا پیغمبر صاحبؐ۔ اُن کو تو بہت سی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کو تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ تمام رات

ناز پڑھا کر بیٹے۔ اور دوسروں نے کہا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کر بیٹے اور کبھی روزہ نہ چھوڑے  
 اوروں نے کہا کہ ہم عورتوں کے پاس نہ جاویں گے اور کبھی جو روزہ کر بیٹے۔ اتنے میں جناب  
 پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسی ایسی باتیں کہی ہیں جو خدا کی قسم تم سے  
 زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اُس کے حضور میں پاک رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں  
 تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور ناز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں اور  
 عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پھر جو کوئی میرے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ میرے ساتھ ہوں  
 میں سے نہیں +

یہ حدیث ہم مسلمانوں کے لئے بہت بڑی سند اس بات کی ہے کہ اصلی اور سچی عبادت  
 وہی ہے جو قانون قدرت کے اصول کے مطابق ہے۔ تمام تو نے جو خدا تعالیٰ نے انسان  
 میں پیدا کیے ہیں وہ اس لئے پیدا نہیں کیے کہ وہ بیکار کر دیئے جائیں بلکہ اس لئے پیدا  
 ہوئے ہیں کہ سب کام میں لائے جائیں۔ شریعت خود مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام  
 کوئی نئی بات نہیں پیدا کی بلکہ صرف اُن قوی کے کام میں لانے کے طریقہ کو بتایا ہے جو  
 جملہ قوی اعتباراً پر اور شگفتہ و شاداب رہیں اور ایک کے غلبہ سے دوسرے بیکار اور بزدل  
 نہ ہو جاوے۔ مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس نعمت کو سمجھتے ہیں بلکہ اُس طریقہ کو جسکو ہمارے  
 پیغمبر خدا صلعم نے رہبانیت قرار دیا ہے اور جسکو ہندی زبان میں جوگی یا جوگ کہتے ہیں کمال  
 عبادت اور نہ تھائے زہد و تقویٰ قرار دیتے ہیں +

فرائض جو مذہب اسلام میں ہیں ان کا اکرنا بلاشبہ باعث نجات ابدی ہے عن ابی ہریرۃ  
 قال اتی اعرابی الشبی سلم فقال دلنی علی عمل اذا علمتہ دخلت الجنة قال  
 تعبد الله ولا تشرك به شیئا وتقیم الصلوٰۃ المکتوبہ وتؤدی الزکوٰۃ المفروضۃ  
 وتصوم رمضان قال والذی نفسی بیدہ لا ازید حلی هذا شیئا ولا انقص منه  
 فلما دلی قال الشبی سلم من سرہ ان ینظر الی رجل من اهل الجنة الی هذا  
 متفق علیہ +

بخاری و مسلم نے حضرت ابہریرہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک وہابی عرب پیغمبر صلعم  
 پاس آیا۔ اور کہا کہ مجھ کو اسی بات بتائیے کہ اگر میں اُسکو کیا کروں تو بہشت میں جاؤں۔ آپ نے  
 فرمایا کہ خدا ہی کی عبادت کیا کرو اور کسی دوسرے کو اُسکی عبادت میں مت ملاؤ اور فرض نازیں

پڑھا کر اور زکوٰۃ دیا کر اور رمضان کے روزے رکھا کر۔ اُس نے کہا کہ خدا کی قسم نہ تو میں اس میں کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا۔ جب وہ پیشہ پھر کر چلا تو آنحضرت صلم نے فرمایا کہ جو شخص حقیقی آدمی کو دیکھنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے ۛ

غرض کہ انا نے فرائض بلاشبہ اصلی عبادت ہے جس کا ادا کرنا ہر شخص تکلف پر فرض ہے مگر ہم اس مقام پر فرائض کے سوا جو اور عبادتیں ہیں ان سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور ان میں بھی اس بات سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ عبادتیں عبادتیں نہیں ہیں بلکہ اس بات سے بحث منظور ہے کہ عبادت کو انہی میں منحصر سمجھنا غلط ہے۔ اور یہ کہ بعضی نوعاً سبب تبدیل حالت کے ادنیٰ درجہ کی عبادت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہو جاتی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت اس درجہ کی نہیں ہوتی۔ اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہی ایک حکمت بالذات ہے جس سے تمام قوانین قدرت قائم رہتے ہیں۔ الا انہوں نے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کو اس حکمت بالذات پر خیال نہیں ہے ۛ

ہمارے زمانہ کے مسلمان بھائیوں نے سوائے فرائض کے باقی عبادتوں کو صرف نماز و دعا و تلاوت قرآن مجید اور خیالی ترک دنیا اور درستیوں علوم و دینیہ اور اوراد و ماثورہ یا وظائف مقررہ پر ان ہی میں منحصر کر رکھا ہے حالانکہ انہی پر ان کا انحصار محض غلط ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں اور اس لئے مقصود شارع نہیں ہیں۔ اور بہت سی ایسی ستر و رک میں جو سبب تغیر و تبدل حالت کے ان سے بھی مقدم اور اعلیٰ ہیں۔ اب ہم اپنے اس مطلب کو چند مثالوں کے بیان کرنے سے زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں ۛ

حکم۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات سائی ہے کہ علمی عبادت صرف علوم و دینیہ ہی کے پڑھنے پر منحصر ہے۔ اور اس کے سوا کسی علم کا پڑھنا یا پڑھانا یا اس پر دینیہ خرچ کرنا داخل عبادت نہیں اور اسی لئے ثواب بھی نہیں۔ ان میں پریشل مشہور چلی آتی ہے کہ۔ علم میں فہم است و تفسیر و حدیث ۛ ہر کہ خواہد غیر ان میں گرد و غبار ہے اور مگر خیال ان کا محض غلط ہے اور اسی سبب سے مسلمانوں میں روز بروز علم کا منزل ہے اور جس کے ساتھ خود علم دین بھی مہموم ہوتا جاتا ہے ۛ

جاننا چاہیے کہ علم کے معنی دانستن کے ہیں علوم دینیہ کا صرف جاننا کچھ عبادت ہے



اور نہ کچھ ثواب۔ البتہ وہ اُس وقت عبادت یا ثواب ہو سکتا ہے جبکہ اُسکو امور دینی کے کام میں لانے کی نیت سے پڑھا جاوے پس مدار عبادت اور ثواب تحصیل علوم دینیہ کا نیت پر منحصر نہ نفس علم پر۔ یہی حال تمام باقی علوم کا ہے۔ تمام علوم جن کو علوم دنیوی کہتے ہیں واسطے ترقی اور استحکام اور تعلی علوم دینی کے ضروری ہیں گو ان کا پڑھنا فی نفسہ عبادت نہ ہو۔ جیسا کہ علوم دینیہ کا پڑھنا بھی فی نفسہ عبادت نہ تھا۔ مگر جب کہ وہ اس نیت سے پڑھے جاویں یا پڑھائے جاویں کہ علوم دینیہ کے لئے مثل آلہ کے ہیں تو ان کا پڑھنا یا پڑھانا ویسا ہی عبادت ہے جیسا کہ علوم دینیہ کا تھا۔ پس ایک کو عبادت سمجھنا اور دوسرے کے نہ سمجھنا کیسی غلطی ہے +

علامہ اس کے وہ علوم بھی جن کو ہم علوم دنیوی کہتے ہیں اگر ان کی تعلیم نیک طرح پر نہ تو باعث ترقی ایمان اور سبب محبت اور ترقی معرفت ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے ہو سکتا ہیں۔ امام غزالی صاحب حیار العلوم میں جہاں خدا تعالیٰ کی محبت کے اسباب کو بیان فرماتا ہے وہیں لکھتے ہیں کہ قوت معرفت سبب قوت محبت ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ کی صفات الہیہ ملکوت سلوات وارض پردھیان لگانے سے ہوتی ہے اس لئے کہ کوئی ذرہ آسمان ٹھیک سے ایسا نہیں ہے جو اس کی حکمتوں اور عجیب نشانیوں سے خالی ہو۔ جس ذرہ پر نظر کیا جائے وہ اُسکی قدرت کا طہر شہادت دیتا ہے اور جس برگِ درخت پر نظر کیا جائے اُسکی حکمت بالوہ پر دلالت کرتا ہے۔ کوئی دانہ زمین سے نہیں اُگتا کہ اپنے اُگانے والے کی توحید پر ہزار زبان سے اقرار نہ کرتا ہو اور اُسکی قدرت کا طہر پر ہر طرح سے شہادت نہ دیتا ہو۔ جس درخت پر نظر کیا جائے ہر ورق اُس کا اہد بلا شانہ کی وحدانیت کا منظر ہے۔ اور جس صدق پر غور سے خیال کیا جائے اُس کی معرفت کا دفتر ہے اور ان سب باتوں کا علم باعث ایمان کامل قیام و مطلق ہے جس کی عبادت کرنا مہین مسلمانوں کا ایمان ہے۔ پس تمام علوم دینیہ اس اعتبار سے علوم دینیہ سے کم نہیں ہیں +

جس وقت کہ ہم علم یا معنی پڑھ کر خدا تعالیٰ کی اُس قدرت کا طہر سے واقف ہوتے ہیں جو خلق آسمان و زمین و کوکب سیارہ و ثوابت میں کام آئی ہے اور کتنے بڑے بڑے کرات کو کیسی سیرج حرکت سے ملحق پھرتے دیکھتے ہیں اور اُس کی عجیب حکمت کو دریافت کرتے ہیں تو کس طرح ہو کہ وجود صانع اور اُسکی قدرت کا طہر یقین ہوتا ہے +

جس وقت کہ ہم علم ارض مینے جیالوجی پڑھتے ہیں اور ان عجائبات سے واقف ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے صرف اس کرہ خاک میں بنائے ہیں جو دن رات ہمارے پاؤں کے تلے روندنا جاتا ہے تو ہم کو کیسا مستحکم اُس خدایکی برحقین ہوتا ہے ۛ

علم نباتات اور علم حیوانات سے جب ہم کو واقفیت ہوتی ہے تو ٹھیکوں کی پنکھڑیوں کی لگاتار آئینری اور کھسی کی آنکھ کی پچکاری ہی ہم کو اُس حکیم مطلق کی حکمت کاملہ پر یقین کامل دلاتی

ۛ اسی طرح تمام علوم کیا علم آب اور کیا علم ہوا اور کیا علم برقیل اور کیا علم برق و مغناطیس کے آپ ہمارے معرفت کو قوت اور ہمارے ایمان کو خدائے واحد پر پختہ اور مستحکم کرتے ہیں - اور لکھتے ہیں بلکہ عین یقین کے مرتب تک پہنچاتے ہیں پس اگر اس اعتبار سے ہم ان علوم کو تمام دینیہ کے شامل سمجھیں تو کچھ بعید نہیں ۛ

خیال بعض علماء نے علم معقول اور علم کلام دونوں کا پڑھنا ناجائز سمجھا تھا اور بعضوں نے اُس کے ساتھ ان کو ضروری ٹھہرایا تھا ہم اُس کے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث سے مدگذر کر کے کہتے ہیں کہ وہ علم معقول جس پر علماء نے انکار کیا صرف یونانی حکیموں کے عقلی تکتے تھے وہ نئی عقل ناقص سے خدایکی ذات و صفات سے بحث کرتے تھے جس کا الہیات اُنھوں نے نام رکھا تھا و

علوم ان کے ساتھ گئے - اب جو نئے علوم پیدا ہوئے اور جزائز و کمالات کی ہولت ہندوستان میں آئے وہ علوم صرف عقلی نہیں ہیں - نہ الہیات سے علاوہ رکھتے ہیں - وہ تو اشیاء موجودہ کے حقائق کے علوم ہیں جن سے ہر ایک شے جس کو ہم دیکھتے ہیں اسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے پس ان علوم کو اُس قدیم یونانی مقولات پر قیاس کرنا کمزوری بڑی غلطی کی بات ہے - وہ علم تو ہماری عقلوں کو بڑھانے والے تھے اور یہ علم حقیقت اشیاء کے بتانے والے اور خدایکی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین لانے والے ہیں ۛ

بعضے کٹ ماریہ کہتے ہیں کہ ان علوم میں بھی جو حقیقت بعض اشیاء کی ثابت کی گئی ہے وہ مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور اس لئے ان علوم سے بھی عقاید اور مسائل اسلام نقصان آنے کا احتمال ہے مگر ایسی رائے پر جو جزاف و سوسائیں نغزین کے کیا کہا جاسکتا ہے - ایسے شخص کا مطلب یہ ہے کہ نوذات مذہب اسلام حقیقت کے برخلاف ہے - ایسے شخص کی نسبت یہ کہنا چاہیے کہ یا تو وہ مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوا یا اس کو مذہب اسلام کے سچے پہنچے پر

کامل یقین نہیں ہے۔

آپ ہم اس خیال کو عبادت صرف علوم دینیہ ہی کا پڑھنا پڑھانا ہے دوسری طرح پر  
جل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان میں وہ تمام قہ پیدائیں ہیں جن سے وہ علم دین  
اور وہ علوم جن کو دنیاوی علوم کہتے ہیں دونوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ پس ان دونوں  
قوتوں کو ہمیں کام میں لانا چاہیے تاکہ ہم نے خالق برحق کے مطابق کام کیا ہو نہ کہ ایک کو  
تسلط و شاداب اور دوسرے کو مغل و بیکار کر دیں۔ اور قانون قدرت کے برخلاف ہے  
اور اس لئے نیکی نہیں ہو سکتا۔ اور جب نیکی نہ ہو سکتا تو عبادت بھی نہیں ہو سکتا۔  
بالآخر بات ضرور ہے کہ ہم ان دونوں قوتوں کو اعتدال پر پہنچے دیں اور ایک کو دوسرے  
سے مغلوب نہ کر دیں۔

خدا تعالیٰ نے ہم کو ہمارا مذہب ایسا عمدہ دیا ہے جو ہماری حاد اور حاش دونوں  
قانون قدرت کے مطابق اصلاح کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے۔ جس طرح کہ اس بات  
کو خیال کر سکتے ہیں کہ اگر تمام لوگ صرف علوم دینیہ کو تحصیل کیا کریں تو دین کا کیا حال ہوگا  
اسی طرح اگر تمام لوگ صرف علوم دینیہ ہی پڑھا کریں تو دین کا جس کی اصلاح شریعت سے  
خارج نہیں ہے کیا حال ہوگا بلکہ علوم دنیاوی کے معدوم ہونے سے دین اور علوم دینیہ دونوں  
کے معدوم ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم دونوں قسم کے علوم کی ترویج  
پہنچ دو مشن کریں اور ایک کو دوسرے کا آئینہ بکھر دونوں کو پڑھنا اور پڑھانا داخل  
عبادت جانیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اہل حلال کا پیدا کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور اسکے لئے اس بات  
وسلمان اور نریے اور وسیلے ہم پہنچانے بلاشبہ ثواب اور داخل عبادت ہوئے۔ دینی علوم  
بلاشبہ کسب طلال کے لئے نہایت عمدہ ذریعے اور وسیلے ہیں۔ پس مسلمانوں کے لئے ان فیوض کا  
متبرک کرنا بلاشک و شبہ بہت بڑی نیکی اور عمدہ ثواب تصور کیا جاوے گا اور اس لئے ٹھیک  
عبادت ہوگا۔

نرمہد و ریاضت۔ ایک بڑی غلطی جس میں مسلمان پڑے ہیں وہ یہ ہے کہ انھوں نے  
نرمہد و ریاضت کو صرف باتوں کو جاننے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفل روزہ رکھنے  
پر منحصر سمجھا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا ایسا کرنا اور خدا تعالیٰ سے گنہ جانا جو قانون قدرت

برخلاف ہے مقصود شریع ہے یا نہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت صحیح مگر اس کے سوا اور  
 ایک باتوں کو عبادت نہ سمجھنا جو ان سے بھی بہت زیادہ مفید ہیں بہت بُری غلطی ہے +  
 زہد و ریاضت جہاں تک کہ حد شرعی سے تجاوز نہ کرے بلاشبہ نیک عبادت ہے۔ مگر غلامِ مال  
 پر کوشش کرنا اور ایسے امور پر کوشش کرنا جو اپنے ہم مذہبوں کے دینی اور دنیوی حال اور  
 مال کی بھٹائی و بہتری کے ہوں اس سے بہت زیادہ ترغیب نہیں۔ زہد و ریاضت ایک بنیادی نیک  
 ہے جو صرف اپنی ذات کے لیے کی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک کوٹھری  
 میں بیٹھ کر کھانا کھاوے اور صرف اپنا پیٹ بھر لے۔ عام فلاح چاہئے والا جو اس کام میں زہد  
 ریاضت کرتا ہے اس کی مثال عام کی سخاوت کی سی ہے جو ہزاروں آدمیوں کو کھلا کر کھاتا ہے  
 یہ کسی بُری غلطی ہے جو تن پروری کو تو عبادت سمجھا جاوے اور اصلی فیاضی اور سخاوت اور  
 ہمدردی کو عبادت نہ سمجھا جاوے +

علاوہ اس کے درجہ ثواب عبادت تبدیل حالات سے بالکل بدل جاتا ہے۔ فرض کرو اگر  
 کسی غلام میں پانی کا قحط ہو تو اس جگہ بیٹھ کر نفل پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے یا ذکر و شغل  
 کی ضرب لگانی زیادہ ثواب کی بات ہے یا کندھے پر پاؤں لانا اور لوگوں کو پلانا زیادہ ثواب ہے  
 پس جو حالت کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی ہے اگر ان کی بہتری پر کسی کی جاوے تو نفل و رات  
 کے جاگنے کی ریاضت سے بلاشبہ زیادہ ثواب ہے۔ انصاف سے دیکھو کہ اگر پیر جی صاحب ہمدرد  
 حلوا مانڈے لینے کے بدلے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کچھ جمع کریں اور غلاب مولوی صاحب  
 وقید بنبر پر بیٹھ کر دیکھ لے کر اور اہل دنیا کے کافر ہونے کا وعظ فرماتے ہیں۔ مگر حبیبِ پیغمبر  
 گول گول نذر پیش ہوتی ہے تو جھٹکات لٹا کر اور ایک عجیب شتر غرہ سے اٹھا کر حبیب  
 مبارک میں رکھ لیتے ہیں اگر اسی بلید کو دنیا پاک نیامی نذر کو مسلمانوں کی تعلیم میں دینی و دھرمی  
 دینی ہی تعلیم میں صرف کریں تو کیا کچھ ثواب کمائیں۔ پس جھوٹ سڑک کی عبادت اور دکھلاوے  
 کی ریاضت جس سے انسان کا دل مبہم و نرم ہونے کے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے طبری  
 سمجھ میں تو کچھ کام کی نہیں ہے +

ترک دنیا۔ ایک آدھ جھوٹا اور غلط خیال یہ ہے کہ ترک دنیا عبادت ہے۔ یہ ایک ایسا  
 غلط اور مجرب و ناقول ہے کہ اس سے زیادہ دھرم نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا ترک کرنا جس طرح کہ لوگ سمجھتے  
 ہیں غیر ممکن ہے۔ البتہ جس طرح شائع نے فرمایا ہے ترک دنیا سے جو اس نے مراد لی ہے وہ

بالکل صحیح اور نہایت درست اور بالکل قانونی رت کے مطابق ہے مگر اس زمانہ کے لوگوں کے خیال کے مطابق شارعِ عالمی ترکِ دنیا عینِ شقاوت اور کمالِ نینداری ہے۔ خود باوجود ہمارے بچے پیدا ہوئی ہے اور ہم دنیا کے لیے۔ پھر تم اسکو اس طرح پر جس طرح کہ مجھ سے دنیا ترک کرنے والے ترک کرنے کو کہتے ہیں کیونکر ترک کر سکتے ہیں۔ ہاں جس طرح کہ شرع نے دنیا کا ترک کرنا بتایا ہے اس طرح ترک کرنا سچا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دنیا کو اس طرح پر چڑیں جس طرح کہ شرع نے بتلایا ہے۔ نہ اپنے جذباتِ نفسانی کی مرضی پر۔ اور اسکو اس طرح پر کام میں لا دیں جس طرح قانونِ قدرت نے مجھ کو سکھایا ہے نہ اپنی ہوائے نفسانی کے مطابق +

لندن میں ایک یورپین لائبریری میں ایک دوست تھا۔ اسکا سہ ماہی کے معلوم ہونے سے کہ چھ ماہ تک صبح علیحدتِ کام کو اور آٹھ بجے کی وعظ و ضیاع کو جو اخباریں میں مندرج ہیں پڑھتا ہوں۔ نہایت توجہ سے۔ لندن میں سترہ سو ہے کہ اتوار کے دن تمام دوکانیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور اگر ایک دن پہلے نہ خرید لیں تو کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہیں ملتی۔ ایک نوہ دوست اتوار کے دن کھانے کے وقت مجھ سے ملنے آیا اور میری تمام کھانے کی چیز چینی ہوئی دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگا کہ آج یہ سب چیزیں آپ کو کیونکر تیار ہوئیں ہیں۔ میں نے کہا کہ ہفتہ کے دن سب کچھ لے رکھا تھا۔ وہ ہنس کر ہلاکہ خوب ہوا جو آپ نے حضرت مسیح کے اس قول پر کہ اس بات کی فکر مت کرو کہ کھل کیا کھاؤ گے محل نہیں کیا۔ ورنہ آج صبح کے بھوکے بھاتے۔ میں نے ہنس کر یہ کہا کہ یہ مطلب کیا نہیں۔ پس جو مسلمان کھانا قانونِ قدرت ترک کرنا یا کا وعظ فرماتے ہیں وہ اسی طرح سے اپنے مذہب کے معنی نہاتے ہیں اور ضرور کر کے دیکھو تو وہ خود جو کچھ کرتے ہیں دنیا ہی کھانے کو کرتے ہیں پس یہ بات سمجھنا کہ اس رات دنیا میں مصروف ہونا عبادت نہیں ہے حدیثِ علی ہے۔ ہاں اسکو قانونِ قدرت کے برخلاف استعمال میں لانا شقاوت اور اس کے مطابق برتاؤ میں لانا عینِ عبادت ہے +

## کتابِ احادیث

کسی مسلمان کو طریقہ عبادت یا رسم و رواج پر بحث کرنے میں وہ اتوال انسان کو ٹہری غلطی میں فالتو ہیں جو حدیث کے نام سے شہرہ ہیں جو کتابِ تہم حدیثیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس لیے جبکہ دیکھنا چاہیے کہ علماء و متقدمین و مشائخ نے کتب حدیث کی لحاظ اعتبار و عدم اعتبار کے کس طرح تقسیم کی ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب کرامات شاخین میں جامع سلف اور وقتائے خلف تھے۔ انہوں نے نہایت عمدہ طرح پر کتب حدیث کی تفصیل بیان کی ہے۔ اُسی کو ہم بھی اس مقام پر بیان کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ کتب احادیث باعتبار وقت و شہرت اور قبول کے کئی درجہ پر ہیں۔  
صحت کے معنی انہوں نے یہ لکھے ہیں کہ مصنف نے احادیث صحیحہ میں لکھی ہیں اور اسکے  
سوا جو حدیث لکھی ہو اُس کا نقص بھی اُسی کے ساتھ لکھ دیا ہو۔

شہرت کے انہوں نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ہر زمانہ میں اہل حدیث اُسکو پڑھتے پڑھاتے رہے  
ہوں اور اُس کی ہر ایک چیز بیان میں آگئی ہو۔

قبول سے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ علمائے حدیث نے اُس کتاب کو مستند سمجھا ہو اور کئی  
اُس سے انکار نہ کیا ہو۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں باتوں میں سب سے اول درجہ کی تین کتابیں ہیں۔ موطا امام  
صحیح بخاری صحیح مسلم۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں اصح الاحادیث ہیں۔ اگرچہ  
انہی میں بھی حدیثیں ہیں جسے زیادہ صحیح ہیں۔

ان کتابوں کے بعد دوسرے درجہ میں انہوں نے۔ جامع ترمذی۔ مسند ابوداؤد  
مسند نسائی کو قرار دیا ہے۔

وہ انہی چھ کتابوں کو صحیح کہتے ہیں لیکن اکثروں نے موطا کو صحیح میں سے خارج رکھا ہے  
اور ابن ماجہ کو داخل کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ بھی قول ہے کہ مسند امام احمد بھی اسی دوسرے درجہ میں داخل ہونے  
کے لائق ہے مگر اُس میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں۔

تیسرے درجہ میں انہوں نے ان کتابوں کو شمار کیا ہے۔ مسند شافعی۔ مسند ابن ماجہ۔ مسند لکھنوی۔  
مسند ابوہریرہ۔ مسند عبد اللہ بن مسعود۔ ابو یوسف۔ ابی شیبہ۔ مسند عبد بن حمید۔ مسند  
ابوداؤد۔ طحاوی۔ مسند دقطنی۔ مسند ابن ماجہ۔ مسند مالک۔ کتب بیہقی۔ کتب طحاوی۔  
تصانیف طبرانی۔

وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان کتابوں کے صنف عالم متبرعتے لیکن ان میں بھی بڑی بیان نمائے  
موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں۔

چوتھے دہائی میں انھوں نے ان کتابوں کو لکھا ہے۔ کتاب المغنی لابن حبان تصانیف الکامل۔  
کتاب المغنی للعقلمی۔ کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیف ابن مردودہ۔ تصانیف خطیب۔  
تصانیف ابن شاہین۔ تفسیر ابن جریر۔ فردوس معلی۔ سایر تصانیف فردوس دہلی۔ تصانیف  
ابن نسیم۔ تصانیف جوزفانی۔ تصانیف ابن عساکر۔ تصانیف ابوالشیخ۔ تصانیف ابن بکار۔  
وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتابیں محض نامتدہ ہیں اور اس لائق نہیں ہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات میں  
یا کسی مل کے جواز میں ان کتابوں سے سند لی جاوے۔ عمدہ بات جو شاہ صاحب نے لکھی  
ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطی کے رسائل و نوادر کا مادہ ہی کتابیں ہیں اور  
اس قدر میں اُقتد کرتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی تمام تصنیفات انہی نامتدہ  
کتابوں پر مبنی ہیں ۛ

اسی بیان کے ساتھ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ وضعی ہونی بنائی  
ہوئی حدیثوں کے پہچانے کی یہ صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ تاریخی واقعوں کے برخلاف ہو۔ دوسرے  
یہ کہ صرف کسی دشمن نے روایت کی ہو۔ تیسرے یہ کہ ایسی بات کہی ہو کہ جس کا جاننا اور  
اداکر ناسب پر فرض ہو مگر صرف وہی ایک شخص روایت کرتا ہو۔ چوتھے یہ کہ قرینہ حالیہ اس کے  
جھوٹے ہونے پر دلالت کرے۔ پانچویں یہ کہ عقل اور قواعد شرع کے برخلاف ہو۔ چھٹے  
یہ کہ ایک قصہ مذکور ہو کہ اگر درحقیقت وہ ہوا ہوتا تو ہزاروں آدمی اُسکو دیکھتے۔ مگر اُس کو صرف  
وہی شخص بیان کرتا ہے۔ ساتویں یہ کہ الفاظ خلاف محاورہ اور مضنون نامستعمل ہوں۔ آٹھویں  
یہ کہ چھوٹے سے گناہ میں نہایت سخت عذاب یا چھوٹے سے نیک کام میں بہت زیادہ  
ثواب کا ہونا بیان ہو۔ نویں یہ کہ چھوٹے چھوٹے کاموں پر حج عمرہ کے ثواب ملنے کا بیان  
ہو۔ دسویں یہ کہ کسی کو مثل انبیاء کے مستحق ثواب کا کسی کام میں بیان کیا ہو۔ گیارھویں یہ کہ  
حدیث بیان کر دینے والے نے اُس کے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کیا ہو ۛ

بعد ازیں کے شاہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مختلف سببوں سے  
جھوٹی حدیثیں بنالی ہیں۔ بعضوں نے اس خیال سے کہ لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے و تلاوت  
کرنے کا شوق پیدا ہو ہر ایک سورۃ کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں۔ بے یمنوں نے ہلائم  
کی جہنی اُٹھانے کو مضامین و دراز قیاس کی حدیثیں شہور کر دیں۔ مشہور ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں  
میں جمہل زندہ کی بنائی ہوئی مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک فرقہ کے متعصب نے اپنی تائید یا

دوسرے کی تذلیل کے لیے حدیث بنالی ہیں۔ وعظ کہنے والوں نے بہت سی حدیثیں اپنی طرف سے  
 منکر کر لی ہیں۔ اور بعض نے خود اولیاء امت بھی اس خرابی میں پڑ گئے ہیں کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ  
 یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہی۔ پس مثل حدیث مسیح کے بیان کر دی۔ بعض لوگوں نے  
 بزرگوں در عالموں سے کوئی بات سنی اور اسکو یہ سمجھ گئے کہ یہ حدیث ہے اور مثل حدیث کے  
 مشہور ہو گئی۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے اقوال بطور حدیث مشہور ہیں پس صرف حدیث کا نام سن کر  
 گھبرانا اور توہمات مذہبی میں پڑ جانا نہیں چاہیے۔ بلکہ اقول اُس حدیث کی تحقیقات اور تفتیش کرنی  
 چاہیے کہ وہ کیسی حدیث ہے اور کس قدر اعتبار رکھتی ہے۔ پھر جب سب طرح امتحان میں پی  
 نکلے اور معلوم ہو کہ وہ حقیقت یہ پوری اور پکی صحیح حدیث ہے۔ اسکو سراور آنکھوں پر رکھے۔ ورنہ  
 دُور کی کھٹی کی طرح اُسکو نکال کر پھینک دے۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول ہے کہ حدیث  
 بے سند گوزشتراست "اگر ہم مسلمان سب اپنی خواہ بے سند باتوں کو اپنے مذہب میں شامل کریں اور  
 پوچھ اور واسیات قصوں کو جن کی کچھ اصل نہیں ہے مذہبی قصہ اور امامی واقعات سمجھنے لگیں تو ہمارا  
 مذہب ہنسی ٹھٹھا ہو جاوے گا۔ اور ان کے گھر سے بھی زیادہ پایاؤں اور در کڑی کے جال سے بھی  
 زیادہ ہوا بن جاویگا۔ علماء و متقدمین نے نہایت سختی سے بطور ایک دشمن کے حدیثوں کا انکار  
 کرنے میں کوشش کی ہے۔ پس یہ بات کہ حدیث بے سند یا ضعیف یا مشتبہ کو حدیث نہ سمجھا جاوے  
 اور مذہبی باتوں میں اُسے داخل نہ کیا جاوے بے دینی کی بات نہیں ہے بلکہ نہایت ایمان داری اور  
 اسلام کی بڑی دوستی کا کام ہے +

### احادیث غیر معتمد

اسلام کا ادب و رُوس کی دوستی اور کمال ایمان داری اس بات میں ہے کہ حدیثوں کی متعین کیا جاوے  
 اور جس میں نہ ابھی شک ہو اُسے دُور کی کھٹی کی طرح نکال کر پھینک دے۔ حدیث کی متعین نہ کرنا  
 اور ہر حدیث کو سمجھنا کہ غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہایت بے ادبی اور اسلام کی دشمنی ہے۔ پس  
 سچی دوستی اور حقیقی ادب یہی ہے کہ غیر کے کلام کو اپنے نبی پاک کے کلام سے علیحدہ کر دے +  
 حضرت علامہ محمد الودین فیروز آبادی نے جو اکابر علماء حدیث سے ہیں سفر السعادتہ کے خاتمہ  
 میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ ان باتوں کی نسبت بہت سی حدیثیں بیان  
 ہوئی ہیں اُن میں سے کچھ بھی صحیح اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہیں چنانچہ اُن بھی منکر



ہر سچی کہتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کیسی کسی مشہور حدیثوں کو علمائے مقبر قابل اقتداء نہیں سمجھتے تھے۔ پس جو حدیثیں کہ مقبر نہیں ہیں ان کو زمانہ عین بینداری ہے۔ چنانچہ مفصل ذیل باتیں اس کتاب میں مستدرج ہیں :

(۱) ایمان کے بیان میں جو حدیثیں ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور گھٹنا اور بڑھتا ہے۔ یا نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث بھی غیر خدا معلوم کی نہیں ہے بلکہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں :

(۲) ارجحہ اور قدریہ اور جمہیریہ اور شعریہ کی نسبت جس قدر حدیثیں ہیں کہ فی ان میں صحیح نہیں ہے :

(۳) اس باب میں کہ کلام القدر قدیم غیر مخلوق ہے بہت حدیثیں ہیں۔ مگر غیر خدا معلوم کی کوئی حدیث نہیں ہے صحابہ و تابعین کے اقوال میں :

(۴) اطاعت کی پیدائش میں اور حضرت جبریل کے پردوں کے قطروں سے رشتوں کے سید ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے :

(۵) محمد اور احمد نام رکھنے کی غریب اور بزرگی میں یا اس کی مانعت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے :

(۶) عقل کی اصلیت اور اس کی فضیلت کے بیان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے :

(۷) اخضر والیاس کی عمر اور اس کی مدداری کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے :

(۸) علم کے باب میں اور اس میں کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے :

(۹) علم کے چھپانے کی بُرائی میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے :

(۱۰) اقوان اور سورتوں کی خاص خاص فضیلتوں میں جس قدر حدیثیں ہیں سوائے چند کٹنے سے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے :

(۱۱) حضرت ابوبکر کی فضیلت کی مشہور حدیثیں موضوع اور فقرات سے ہیں :

(۱۲) حضرت علی کے فضائل میں جو بالحدیث کے آثار کوئی ثابت نہیں :

(۱۳) معاویہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے :

(۱۴) امام ابو حنیفہ اور شافعی کی بزرگی یا بُرائی میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع اور

مفقری ہیں :

(۱۵) بیت المقدس اور صغہ اور عسقلان اور قزوين اور اندلس اور دمشق کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۱۶) قلین پانی جب ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ یعنی اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں بعضے غیر صحیح۔ مگر اکابر اہل حدیث نے اپنی تصنیفات میں اس حدیث کو بیان کیا ہے (بیکر نزدیک پانی کے باب میں) صحیح حدیث مرن ایک ہے۔ الماء طاهر و طھویا الخ +

(۱۷) دُھوپ سے گرم ہوئے پانی کے کر وہ ہونے کی نسبت بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۱۸) وضو کے بعد مات پائوں کا پانی پونچھ لینے کے باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۱۹) ڈاڑھی کے خلال اور کانوں اور گردن پر سح کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۰) بنید سے وضو کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۱) عورت کو چھوئے سے وضو کرنے میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۲) مرد کو غسل لینے کے بعد غسل کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۳) حمام میں جانے سے منع ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۴) اس باب میں کہ بسم اللہ ہر صدق کی آیت ہے اور نماز میں اسکو پکار کر پڑھنا چاہیے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے +

(۲۵) اس باب میں کہ امام خاص ہے اور دون تو من ہے اور جگہ کے ہمای میں رہنے والے کی نماز غیر جگہ کے نہیں ہوتی اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے۔ کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۶) جس شخص پر قصا نمازیں ہوں اس کی نماز نہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۷) سفر میں پوری نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے گناہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۸) فجر کی نماز اور قدیم قنوت پڑھنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے +

(۲۹) مسجد میں جنانہ کی نماز پڑھنے میں اور بستی جنانہ میں منع یدین کرنے میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے؟

(۳۰) اس باب میں نہ نماز کوئی چیز قطع نہیں کرتی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۳۱) اور اس باب میں کہ طلب کر دو تم خیر کو رحم دلوں اور غنہ مند لوگوں سے کوئی صحیح

حدیث نہیں ہے۔

(۳۲) اور اس باب میں کہ مالداروں کا غریب کی حاجت برآری سے پہلو تھی کہ ناموس جب

زوالِ نعمت ہے اور احسان کرنے میں ثواب ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۳۳) صلوٰۃ التبیح اور صلوٰۃ رغائب اور صلوٰۃ نصف شعبان و نصف جربِ صلوٰۃ

ایمان اور صلوٰۃ لیلۃ المعراج و لیلۃ القدر اور صلوٰۃ ہر شب جب شعبان و رمضان کے باب میں

کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۳۴) گننے کی اور شہد کی اور ترکاری کی زکوٰۃ کے باب میں کوئی صحیح حدیث

نہیں ہے۔

(۳۵) روزہ عاشورہ کے فضائل اور اعمال کے باب میں سوائے روزہ کے مستحب ہونے

کے اور رجب کے روزہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اسی طرح جو حدیثیں

عقبات اور خضاب اور سر میں تیل ڈالنے اور سر پر لگانے کی اور وہ انہ ڈالنے کی فضیلت میں

آئی ہیں سب موقوف ہیں۔

(۳۶) بچنے لگانے سے روزہ جاتے رہنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۳۷) اس باب میں کہ چترہ دور رکھ کر حج نہ کرے وہ یہودی ہو کر ریگ یا عیسائی کوئی شہد

صحیح نہیں ہے۔

(۳۸) جس قرض میں نفع ہو وہ سود ہے اس باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں

ہے۔

(۳۹) چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا منع ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۴۰) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غائبی میں کلام کرنے میں یا کسی زبان بولنے کے مکروہ ہونے میں

کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۴۱) دُعا مانگا کہ دونوں ہاتھوں کو بڑھ پڑنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

(۴۲) سفید رخ اور مندی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

- (۴۳) اس باب میں کہ ولد الازنا جنت میں نہ جاوے گا کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔  
 (۴۴) اس باب میں کہ اجل حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔  
 (۴۵) اس باب میں کہ قیاس حجت ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔  
 (۴۶) اس باب میں کہ قیامت کی نشانیاں فلاں فلاں مہینوں میں ظاہر ہوں گی اور دو سو برس بعد سے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔  
 یہ چند باتیں بطور مثال کے ہم نے لکھی ہیں مگر سفر السعادت میں اور بہت سی باتیں اسی قسم کی ہیں جن کی نسبت صحیح حدیثیں نہیں ہیں۔ اس تشیل سے ہماری غرض یہ ہے کہ جب تک حدیث کی صحت بخوبی پتہ نہ لجاوے اُس وقت تک اُس کی صحت تسلیم کرنی نہ چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام میں فحل آتا ہے اور صرف اس بات پر کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں مندرج ہے بھروسہ کرنا محض بیجا ہے گوکہ وہ کتاب صحیح بخاری ہی کیوں نہ ہو۔

## اعترافِ اوی باللہ

## اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ

میں نہایت سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تمام عالموں کا بنانے والا کوئی ہے اور اُسی کو ہم کہتے ہیں اللہ۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اُس کا ہونا ضروری ہے اور اُس کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام صفات کا اُن کی ذات میں موجود ہیں۔ اُس کا سا کوئی نہیں نہ ہونے میں۔ کیونکہ ہونا اُس کی ذات ہے۔ اور نہ کسی صفت میں کیونکہ اُس کی تمام صفتیں اُس کی ذات ہے۔ وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ جانتا ہے نہ کسی جاننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ دیکھتا ہے نہ کسی دیکھنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ سنتا ہے نہ کسی سننے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ بولتا ہے نہ کسی بولنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے۔ وہ تمام نقصانوں سے پاک ہے اور تمام عیبوں سے بے عیب۔ پیش ہے کہ بے عیب ذاتِ خدا کی ہے۔ باطل اُس پر ٹھیک ہے۔ تمام مخلوقات کا وہی خالق ہے اور تمام مخلوقات کا وہی عالم ہے۔ سب ممکن چیزوں پر قادر ہے۔ الحقی العالیم ہے۔ دانائے بینا ہے۔ نہ اُس کا کوئی مشابہ ہے۔ اور نہ اُس کا کوئی مصاحب اور مددگار اور نہ اُس کی مانند

کوئی ہے اور نہ اُس کا کوئی شریک۔ نہ وجوب وجود میں۔ اور نہ استحقاق عبادت میں۔ اور نہ پیدا کرنے میں اور نہ صلاح و تدبیر بنانے میں پس اُس کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت یعنی انکار اپنے تذلّل اور اُسکی غایت الغایت تعظیم کا مستحق نہیں ہے۔ پس ہمارے تذلّل کا اور جو طریقہ اُسکی تعظیم کا ٹھہرایا گیا ہو اُس طریقہ کی تعظیم کا استحقاق اُس کے سوا دوسرے کو نہیں۔

وہی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے۔ وہی بلاؤں کو مٹاتا ہے اور وہی خوشیوں کو لاتا ہے مگر یہ سب باتیں اپنے قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے۔ اُس کا قانون قدرت کبھی ٹوٹتا نہیں۔ وہ ہر طرح کے قانون قدرت کے بنائے پر قادر ہے مگر جو قانون قدرت کا اُس نے بنا دیا۔ پھر اُس کے برخلاف کچھ ہوتا نہیں۔

قدرت کے قانون بنانے میں کسی سبب کا محتاج نہیں بلدیٰ السموات والارض و اذا قضی امر فانما یقول له کن فیکون۔ امر کے لفظ سے وہی قانون قدرت مراد ہے جسکو مذکور کسی سبب کے صرف اُن کے لفظ سے یعنی ارادہ سے جو مقتضائے کمال ہے بتا دیتا ہے۔

وہ کسی میں سما تا نہیں اور نہ کسی میں ملتا ہے۔ اُس میں تعدد و حدوث آہنی نہیں سکتا۔ نہ اُس کی ذات میں اور نہ اُسکی صفات میں اُس کا تعلق تعلقات سے بھی حادث نہیں ہے بلکہ خود تعلقات سے اُن کے وجود میں وہم حدوث اور خیال تعدد ہوتا ہے۔ مگر اُس میں نہ حدوث ہے اور نہ کسی طرح کا تعدد۔

وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ جسم ہے نہ کسی محدود جگہ میں ہے نہ کسی خاص جگہ میں ہے نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہے یا وہاں ہے۔ نہ اُس میں حرکت ہے اور نہ اُس پر سکون کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اُس کی نسبت کسی جگہ سے آنا اور کسی جگہ میں جانا بولا جاسکتا ہے۔ اُس کے لیے کوئی طرف و سمت تعین نہیں۔ اینما قولوا فاشد وجہہ اللہ۔ اُس کا عرش پر ہونا صرف انسانوں کو اُسکی بھائی کا خیال لانا ہے نہ اُس کا عرش پر یا اوپر کی سمت پر ہونا۔ اوپر تو ایک اضافی سمت ہے جو ہماری اوپر کی سمت ہے وہ کئی سروں کے نیچے کی سمت ہے مگر عرش پر ہونے سے ہر ایک لٹل پر وحشی سے لیکر مذہب فلسفی تک کے دل پر اُسکی بھائی کا خیال آتا ہے نہ مرنے کے بعد مومنین و مومنین اُس کو دیکھیں گے۔ وہ ایک یسا روحانی انکشاف ہو گا جو عقلی تصدیق سے جیسے کہ اس دنیا میں ہم رکھتے ہیں بددہما بڑھکر ہر جس کی نسبت عرف عالم میں

آنکھوں سے دیکھنا کما جاتا ہے مگر اُس دیت کے لیے نہ سمت ہو گی نہ یہ بصیر نہ صورت ہو گی نہ  
 شکل نہ رنگ ہو گا نہ کوئی ڈھنگ۔ نہ مقابلہ ہو گا نہ آئنا سامنا محض ہو گا مقام ہو گا +  
 کفر و معاصی کا بھی اسی قانون قدرت کے موافق وہی خالق ہے۔ مگر اُس نے اپنے قانون  
 قدرت سے انسان کو ایسا بنایا ہے جس میں اُن سے بچنے کی قدرت رکھی ہے۔ اس لیے اگر  
 خُدا اُن کا خالق ہے مگر خود انسان اپنی قدرت و اختیار سے اُن کا کاسب ہے گو کہ بظاہر قانون  
 قدرت کا سب کا بھی خدا ہی اِطلاق ہو سکے مگر اس کو نہ کفر و معاصی سے کچھ نقصان ہے اور نہ  
 عبادت کی حاجت +

اُس کے تمام کام سرِ حرکت ہیں۔ جو کچھ کُراُس سے ہوا وہ سب نیک ہے۔ کما حیل۔  
 آنچہ زیرِ وہ تھا بنسہ ظہور جلوہ گراست ہم نہ کیواست +  
 پیرِ یافتِ خطا در تلمِ صغیرِ نرفت  
 آفرینِ بظلمتِ پاکِ خطا پوششِ باد

پس جو درِ ظلم کی نسبت اُس کی طرف نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنی مخلوق کو پیدا کرتا ہے جس طرح  
 کہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ عدل و حکمت کے لیے ہر ایک کو اُسی کے حال میں دیکھنا  
 چاہیے نہ نسبتاً۔ کیونکہ عدل و حکمت نسبتی چیز نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے لیے بمنزلہ اُس کے  
 خاصہ کے ہے جس کی تعریفیں آیا ہے۔ مایو جلد فیہ و کایو جلد فی غیہ +

اُس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ مگر اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اندھا و عور دی سے لغو و  
 بے فائدہ احکام جاری کرنے لگے۔ پس یہ اعتقاد رکھنا کہ حق و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب  
 یا عقاب ہونا صرف خدا کے حکم اور اُس کے امر و نہی کے سبب سے ہے محض اِعتقاد ہے  
 بلکہ حق و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب و عقاب کا ہونا اُسی قانون قدرت پر مبنی ہے اور خدا  
 کے احکام اُسی قانون قدرت کا بیان ہے پس اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کے حق و  
 قبح کو ابتدا ہی قتل انسان کی دریافت کر لیتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ بعد از اخبار من الرسل  
 عن اللہ تعالیٰ۔ اُن کے حق و قبح کو عقل تسلیم کرتی ہے +

فہذا اعتقاد ہے فی اللہ الواحد لا احد الاصل الذی لم یولد ولم یولد ولم یکن لہ کفر  
 احد و قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ مستحباً یوکل قلبہ  
 دخل الجنة فانا من اهل الجنة انشاء اللہ تعالیٰ بحرمۃ سیدنا محمد خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم اسیما کثیرا لکھیا +

## اقسام حدیث

انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور جن معاشرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھ اُس کے مسائل مذہبی کی تنقیح پر موقوف ہے۔ اودام مذہبی کی تاریخی انسان کے دل کو مسیحاہ اور اُس کے دماغ اور عقل کو گندا اور خراب کر دیتی ہے۔ اس لئے جو لوگ کہ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تمدنیٹ شاید سبکی پر بحث کرتے ہیں۔ اُن کو ایسے مسائل مذہبی سے بحث کرنا جو غلطی سے اُن چیزوں کے مانع خیال کیے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہے +

منہج انسانی ہوائ کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بنیاد غلط یا ناقصہ حدیثوں پر مبنی ہوتی ہے مسلمانوں میں یہ ایک خیال عام ہو گیا ہے کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اُس سے انکار کرنا کفر یا خوفِ مصیبت ہے۔ مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سنیں کہ ظلمات کسی حدیث میں ہے تو اول اس بات کی بھی تحقیق کریں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں اور حقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے یا نہیں + غالباً لوگ سمجھتے ہوں گے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گزر گیا اور ہنچو کچھ کہ اگلے علماء تحقیق کر کر لکھ گئے ہیں وہی احادیثِ محققہ ہیں۔ اب ہمارے لئے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علماء نے اس کو صحیح لکھا ہے +

ہاں ابھی طلب اس مقام پر کسی بھی تحقیق سے نہیں ہے بلکہ ہم انہی حدیثوں کی نسبت جو کتب حدیث میں مندرج ہیں یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں سے کون سی حدیثِ معتبرہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہے اور کون سی اُن کی نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص کی ہے تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کے کلام کو دوسرے شخص کے کلام سے بالکل جدا کر لیں۔ پس ابی مراء سے ہم اقسام حدیث کو جو علمائے حدیث نے بیان کی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان اقسام کی جتنی حدیثیں ہیں اُن میں سے کسی پر اس بات کا یقین کامل نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت پر غیر خدا صلعم کی حدیث ہے بلکہ بعضی قسموں کی نسبت تو یقین ہے کہ وہ اس حضرت صلعم کی حدیث نہیں ہے اور بعض قسمیں مشتبہ ہیں لیکن ہے کہ غیر خدا صلعم کی حدیث پہلے ادا لیکن ہے کہ انہوں نے چنانچہ اقسام مذکورہ یہ ہیں +

اول حدیث بالمعنی - تمام علماء اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ روایت احادیث کی با حفظ نہیں ہے بلکہ بالمعنی ہے۔ یعنی احادیث مرویہ کے لفظ بعینہ وہ لفظ نہیں ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ بلکہ راویوں نے ان کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ پھر بخاری اور مسلم کی حدیثیں بھی ایسی ہی ہیں اور اسی طرح پر روایت ہوئی ہیں۔ پس ہم اُس کے ہر لفظ کو صاحب دینی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے بلکہ صحابی و تابعی کی طرف بھی بالعزم نسبت نہیں کر سکتے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ الفاظ سب سے اخیر راوی کے ہوں جس نے بخاری یا مسلم یا کسی سے روایت کی بلکہ کیا عجیب ہے کہ بعض مقام پر خود بخاری یا دوسرے مصنفین صریح حدیث کے لفظ ہوں۔

اس کی تصدیق خود بخاری کی بہت سی حدیثوں کے آپس میں متبادل کرنے سے ہوتی ہے چنانچہ اس مقام پر شیعہ اہم دو حدیثوں کا آپس میں متبادل کرتے ہیں۔

حدیث اول - حدثنا بشیر بن خالد قال اخبرنا محمد بن شعبة عن سليمان

عن ابي وايل - قال ابو موسى لعبد الله بن مسعود اذا لم يجد الماء لا يصل قال عبد الله نعم ان لم يجد الماء شهر لم ياصل لو رخصت لهم في هذا كان اذا وجد احد منهم الماء (احدكم المبرء) قال هكذا يعني تيمم وصلى قال قلت فاین قول عمار لعمر قال اني لم ار عمر فنعى بقول عمار +

حدیث دوم - حدثنا عمر بن حفص قال ثنا ابي قال ثنا الاعشى قال سمعت شقيق

بن سالم قال كنت عند عبد الله وابي موسى فقال له ابو موسى ارأيت يا ابا عبد الله اذا اجنب فلم يجد ماء كيف يصنع فقال عبد الله لا يصل حتى يجد الماء فقال ابو موسى فكيف يصنع بقول عمار حين قال لا التيمم على الله عليه وسلم كان يكفيك قال الم تر عمار يقيم بذلك منه فقال ابو موسى قد عنا من قول عمار كيف يصنع بهذا الا اني فمادري عبد الله ما يقول فقال انما لو رخصنا لهم في هذا لا وشك اذا برء على احد هم الماء ان يدعوه وقيم فقلت لشقيق فاما كره عبد الله لهذا فقال نعم +

دونوں حدیثوں میں وہ گفتگو مذکور ہے جو در باب تیمم کے ابو موسیٰ اور عبد اللہ ابن مسعود میں ہوئی تھی پہلی حدیث میں تو صحابہ نے بیان کیا ہے کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا



لکھا جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو جب اسکو پانی نہ ملے تو وہ نماز نہ پڑھے۔ عبد اللہ ابن مسعود  
 نے کہا کہ ہاں اگر مجھ کو مینہ بھر پانی نہ ملے تو میں نماز نہ پڑھوں۔ اگر میں اُن کو تیمم کی اجازت  
 دوں تو اُس وقت دھل کر کسی کو سردی ہو گئی ہو۔ کہا کہ ایسا یعنی تیمم کیا و نماز پڑھی۔ ابو موسیٰ  
 نے کہا کہ میں نے عبد اللہ ابن مسعود سے کہا کہ پھر وہ کیا بات ہوئی جو عمار نے عمر سے کہی تھی۔  
 عبد اللہ ابن مسعود نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ عمر عمار کی بات سے راضی نہیں ہوئے تھے۔  
 دوسری حدیث میں اسی افہو کو دوسری تقریر سے بیان کیا ہے۔ کہ ابو موسیٰ نے عبد اللہ  
 ابن مسعود سے کہا کہ تم کیا خیال کرتے ہو۔ اسے عبد الرحمن کے باپ کہ جب کسی کو نہانے کی حاجت  
 ہو جاوے اور اُس کو پانی نہ ملے تو کیا کرے تب عبد اللہ ابن مسعود نے کہا کہ نماز نہ پڑھے جب تک  
 پانی نہ ملے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ تو آپ عمار کے قول کو کیا کریں گے جبکہ رسول خدا صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا تھا کہ تیمم ہی تجھ کو کافی تھا۔ عبد اللہ نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ  
 عمر اُن سے اس بات پر راضی نہیں ہوئے تھے ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم عمار کے قول کو چھوڑ  
 دیتے ہیں۔ آپ قرآن کی آیت میں (جس میں تیمم کا حکم ہے) کیا کریں گے۔ پھر عبد اللہ کی کچھ  
 سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں۔ پھر کہا کہ جب ہم اُن کو تیمم کی اجازت دیں کہ پانی کسی کو سردی  
 پہنچا دے کہ اسکو چھوڑ دے اور تیمم کر لے۔

اب دیکھو کہ ایک ہی حدیث ہے اور ایک ہی مطلب ہے جس کو ایک راوی نے ایک  
 تقریر سے اور دوسرے راوی نے دوسری تقریر سے بیان کیا ہے اور اس سے بخوبی ثابت  
 ہے کہ حدیث کی روایت بلفظ نہیں ہوتی تھی بلکہ بالمعنی ہوتی تھی۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قدر احکام احادیث کے لفظوں سے بخصوصیت  
 الفاظ یا بوجہ تقدیم و تاخیر الفاظ یا بوجہ خاصیت ابواب وغیرہ از روئے قواعد صرف و نحو و  
 معانی و بیان نکالے جاتے ہیں وہ سب حکام اجتہادی ہیں جو علماء نے الفاظ موجودہ سے  
 نکالے ہیں مگر امکان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقصود نہ ہو پس اس قسم کے  
 تمام احکام منصوص نہیں ہو سکتے بلکہ اجتہادی ہیں یحتمل الخطاء والصواب۔

دوم۔ حکم مرفوع۔ یعنی درحقیقت حدیث مرفوعہ تو وہ ہوتی ہے کہ جس میں بالتصريح یہ  
 بات کہی گئی ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا خود کیا ہے یا آپ کے سامنے ہوا ہے لیکن  
 اگر کسی حدیث میں یہ بات نہ تصریح نہ بیان ہوئی ہو بلکہ کسی صحابی یا تابعی نے کوئی ایسی بات

کسی ہویا کی ہو کہ عقل اور اجتہاد سے اُسکو کچھ تعلق نہ ہو بلکہ منقولات میں سے ہو۔ مثلاً قیامت کا حال یا آئندہ کی خبر یا کوئی صحابی یا تابعی یوں کہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زاد میں ہم یوں کرتے تھے یا اس طرح پر کرنا سنت ہے تو یہ حدیث بھی در حکم مرفوع ہے۔ اور بعض علما رکایہ قول ہے کہ ایسی حدیث سے یہ بھی احتمال ہے کہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت مراد ہو۔

مگر میں یہ بات لکھتا ہوں کہ یہ رائے علماء و متقدمین کی جو نسبت اُس حدیث کے ہے جسکو در حکم مرفوع قرار دیا ہے۔ کوئی مخصوص یا مستعمل بات نہیں ہے بلکہ اُن علماء کی رائے ہے اور وہ بھی صرف اُنکل اور اندامہ سے لکھی گئی ہے مگر ایسی حدیث کو در حکم مرفوع قرار دینا محض غلط اور بلاشبہ رائے کی غلطی ہے اس لیے کہ یہ بات تحقیق ہے کہ یہودیوں کے اُن بھی قیامت کی نسبت اور آئندہ کی خبروں میں بہت سی روایتیں زبانِ مذہبیں اور یہودیوں کے اُن کی روایتوں کے ذکر کرنے کی خود پیغمبر خدا صلعم نے اجازت دی تھی۔ پس ممکن ہے کہ وہ بیان صحابی یا تابعی کا کوئی روایت روایات یہود سے ہونے قول پیغمبر صلعم کا اور صرف اس بات کے کہنے سے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں ہم یوں کیا کرتے تھے اُس فعل کے سنت ہونے پر بھی یقین نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ سنت ہو اور ممکن ہے کہ ایسا فعل ہو جو اُس زمانہ میں جس زمانہ کا ذکر راوی نے کیا ہو جب رسم زمانہ جاہلیت کے ہوتا آ رہا ہو اور سنت اُس کے برخلاف ہو۔ عرض کہ ایسی حالت میں یقین کلی اس بات پر کہ وہ بلاشبہ قول یا فعل رسول ہی ہے نہیں ہو سکتا۔

تعموم موقوف۔ یعنی ایسی حدیث جس میں قول یا فعل یا تقریر صحابی کا بیان ہو اور جناب رسول خدا صلعم کی طرف نسبت نہ کیا گیا ہو۔

چشمہ مطلق۔ یعنی وہ حدیث جو تابعی تک نہ پہنچ کر وہ جامعے اور اُس سے اوپر نہ بڑھے۔  
چشمہ معلق۔ یعنی وہ حدیث جس کے کل راوی یا مبادی سند سے کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں۔

نہ ششم۔ مرسل یا منقطع یعنی وہ حدیث جس کی اخیر سند میں تابعی کے بعد راوی کا نام نہ لیا ہو مثلاً تابعی یہ کہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے اور کسی صحابی کا درمیان میں نام نہ لے۔  
ہفتم۔ مفضل۔ یعنی وہ حدیث جس کے راویوں سے درمیان کے راوی چھوٹ گئے ہوں۔

پس ان پانچوں قسموں کی حدیثوں میں سے کسی حدیث پر یقین نہیں ہو سکتا کہ بلاشبہ

وہ قول یا نقل یا تقریر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ؟  
 علماء سابقین نے جو کچھ اُن کی نسبت بیان کیا ہے وہ سب اُن کی رائے اور اُن کی سمجھ  
 یا کسی متقل سند کے ہے۔ فرض کیا جاوے کہ ظن غالب اُن کی نسبت حدیث نبوی ہونے کا  
 ہو الا اُس پر یقین نہیں ہو سکتا ؟

منجملہ اقسام مذکورہ بالا کے حدیث متفقہ پر جو صحیح بخاری کے ہر باب کے شروع میں ہر ایک کو نسخے  
 گفتگو کی ہے۔ علماء سابقین کا یہ قول ہے کہ اس قسم کی حدیثیں جو صحیح بخاری میں ہیں وہ سب  
 صحیح ہیں اور بمنزلہ حدیث معضل کے ہیں یعنی بمنزلہ ایسی حدیث کے جس کا کوئی راوی نہ چھوٹا ہو  
 اس لیے کہ بخاری نے استہد ام کیا ہے کہ سوائے حدیث صحیح کے اور کوئی حدیث اپنی کتاب  
 میں نہ لادے ؟

یہی کہتا ہوں کہ یہ رائے سبب حسن ظن کے نسبت بخاری کے قرار پائی ہے پس حقیقت  
 بخاری کا بمنزلہ حدیث معضل کے قرار دینا صرف حسن ظن ہوا یا یقینی دشتان مینما ؟

اسی طرح حدیث مرسل کی نسبت بحث ہوئی ہے۔ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ حدیث مرسل کو  
 حدیث نبوی قرار دینے میں توقف چاہیے یعنی نہ تو اُس کو کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے  
 نہ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں ہے۔ یہی اُن میں شک ہے ممکن ہے کہ حدیث نبوی ہو اور ممکن  
 ہے کہ نہ ہو۔ یعنی اُس کے حدیث نبوی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ایک نامی دیگر  
 تابعی سے بھی روایت کیا کرتا تھا اور جو راوی چھوٹا گیا ہے معلوم نہیں کہ ثقہ یا نہیں اور یہ  
 رائے بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہے ؟

مگر حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک کے نزدیک وہ حدیث بالکل مقبول ہے۔ وہ یہ بات  
 فرماتے ہیں کہ تابعی نے جو ادھر کا راوی چھوڑ دیا تو اُس کو اُس حدیث کی صحت پر کامل یقین ہو گا  
 ورنہ وہ اُس کو بغیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت منسوب نہ کرتا ؟

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر حدیث مرسل کی تقویت بخاند کسی طرح ہو بھی چکے تو وہ  
 حدیث قابل قبول ہے ؟

حضرت امام احمد بن حنبل کی رائے اس باب میں یکم نہیں ہے۔ ایک لفظ اُن کا ہے کہ ایسی حدیث  
 قبول کیا جاوے۔ ایک قول ہے کہ توقف کیا جاوے ؟

بہر حال جو لوگ کہ حدیث مرسل کو قابل قبول ٹھہرتے ہیں اُن کی رائے کی بنا صرف حسن ظن پر

ہے مگر کسی کو جزم اور یقین اس حدیث پر نہیں ہو سکتا کہ ہاشک وہ حدیث پیغمبر خدا صلی علیہ وسلم کی ہے۔  
 ہشتم مجلس یعنی وہ حدیثیں کی روایت میں اس شخص کا نام جس سے راوی نے حدیث  
 سنی چھوڑ کر اس سے اوپر کے راوی کا نام ایسے طور پر لیا جاوے جس سے پش پڑے کہ اس راوی  
 نے اس سے یہ حدیث سنی ہے۔

ایسی حدیث کی نسبت علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر وہ راوی ثقا اور نیک ہے اور کوئی خرفہ فاسد  
 اس میں نہیں رکھتا تو وہ حدیث قبول کرنے کے لائق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایسی حدیث کے قبول کرنے کا مدد ابھی صرف جن جن پر پختہ مگر اس بات کا  
 ثبوت یا یقین کہ یہ حدیث بیشک رسول قبولِ صلح کی ہے محال نہیں ہوتا۔

نہم مضطر۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی کو راویوں کے نام یا حدیث کی عبارت  
 بہ ترتیب یاد نہ رہی ہو۔

دھم مدرج۔ وہ حدیث ہے جس میں راوی نے کسی مطلب کے لئے اپنی عبارت  
 بھی ملا دی ہو۔

ایسی حدیثوں پر کبھی یقین نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر خدا صلی علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں کیونکہ ترتیب کی درستی اور  
 عبارت زیادہ اگر حذف ہی کی جاوے تو بھی یہ بات یقین کے لائق نہیں ہے کہ بقید الفاظ بے کم و کاست  
 بلاشبہ رسول قبولِ صلح کے فرمائے ہوئے ہیں۔

یا نہ دھم معنعن۔ یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے عن فلاں عن فلاں کر کر بیان  
 کیا ہو۔

یہ ایک ایسی قسم کی حدیث ہے جس سے تمام حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں  
 بہت زیادہ غور کرنے کے لائق ہیں۔

واضح ہو کہ علمائے حدیث میں حدیث کی روایت میں چار لفظ متعل ہیں۔ حدثنا۔ اخبرنا  
 انبانا۔ یتینوں لفظ جب بولے جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ پچھلے راوی نے اوپر کی حدیث  
 سے یہ حدیث سنی یا سیکھی ہے مگر چوتھا لفظ۔ عن۔ کا مشتبه لفظ ہے۔ اس لفظ سے منوں  
 احتمال میں کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہ حدیث سنی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ  
 اس سے نہ سنی ہو بلکہ جس سے سنی ہو اس کا نام چھوڑ کر اس سے اوپر کے راوی کا نام  
 لے دیا ہو۔

پہلے اس بات کے قرار دینے میں کہ ایسی حدیث کا کیا حال ہے اختلاف ہے۔ شاید اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر اُس میں کوئی مادی ایسا ہو جسکی غرض فاسد سے اُس مادی کا نام چھپا یا کرتا ہو جس سے وہ حقیقت اُس نے حدیث سُنی ہے تب تو یہ حدیث معتبر نہ ہوگی اور اگر ایسا نہیں ہے تو معتبر ہوگی۔ اُس کے بعد علماء میں اختلاف ہے۔ بعض عالموں کا یہ قول ہے کہ ایسی حدیث کے معتبر ہونے کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ جس شخص نے لفظ حق کسی سے روایت کی ہے اُن دونوں کا آپس میں ملاقات ہونا اور حدیث سیکھنے کا اُن کو موقع بھی جو ثابت ہو چنانچہ بخاری کا مذہب یہی ہے مگر مسلم ان باتوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی شرا کو ضروری نہیں سمجھتا۔

ہر حال ہر کو ان مذہبوں میں بحث نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات دکھانی ہے کہ جس حدیث میں لفظ حق روایت چھٹی ہے اُس میں برابر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک مادیوں کے نہ ہونے کا احتمال ہے اور اسی سبب یہ بھی اقبال ہے کہ وہ حدیث رسول خدا مسلم کی حدیث نہ ہو۔ جن لوگوں نے کہ مختلف شرطوں کے ساتھ اُسکو حدیث نبوی سمجھا ہے مگر قیاس و تخمین و حسن ظن کے سبب سمجھا ہے۔ کوئی ثبوت یا کوئی نص اُس پر اُن کے پاس نہیں ہے۔ پس ایسی حدیث پر جزم و یقین اس بات کا کبلاشبہ وہ حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے نہیں ہو سکتا۔

دواؤد ہمدردی نے یہی وہ حدیث جس میں کسی مادی نے ان کے لفظ سے روایت کی ہو اور اس کا حال بھی کچھ نہ دیا ہے جیسے کہ عین کے لفظ سے روایت کا ہے۔

علاوہ اس کے بھی اور بہت سی قسمیں حدیثوں کی ہیں جو اعتبار اور درجہ روایات اور مضمون حدیث و غیرہ علاقہ رکھتی ہیں۔ مگر ہم اُن کا اس مقام پر ذکر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ باقی اقسام حدیثوں کی جن میں کچھ نقصان ہے وہ تو ناقص اور نامستبر ہی ہیں۔ ہم اُن حدیثوں پر بحث کرنی چاہتے ہیں جن میں اُس قسم کا نقصان نہیں ہے۔ اور پھر اُن پر اس بات کا کتبہ ہے کہ آیا وہ حقیقت وہ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں۔ پس یہ بارہ قسمیں احادیث صحیح کی جو ہم نے بیان کیں ایسی ہی ہیں کہ ہر مقلد شخص یہ بات کہہ گا کہ اُن میں سے حدیث نہ ہی ہو نا بھی ممکن ہے۔ آقا اُن میں سے کسی کا بھی یقین حدیث نبوی نہ ثابت نہیں ہے۔

علماء متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قائم کی ہے وہ صرف اُن کی رائے ہے۔  
 کوئی حدیث یا حکم سن جانے شروع اُس پر نہیں ہے۔ پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک  
 ممکن ہے ہم بھی اُن راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن اُن کی  
 طرف رکھیں۔ مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں اور جو کچھ بھی خیال نہ کریں۔ بلکہ ہر  
 فرض ہے کہ ہم اُن حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرانے کے لئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس  
 وہ اصول یہ ہیں +

اول۔ ہم کو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں۔ اگر ہو  
 تو ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہے جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
 نے حدیث سلع مہوتے کی حدیث نبوی ہونے سے سبب مخالفت قرآن کے انکار کیا۔  
 باوجودیکہ صحابی اُس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت مہر رسول مقبول صلعم  
 سے گزرا تھا +

دوم۔ اُس حدیث میں شیبا موجودہ میں سے کسی شے کی حقیقت امام سے بطور واقعہ  
 بیان کی ہو نہ بطور عرف عام کے اور وہ بیان درحقیقت اُس موجودہ شے کی حقیقت کے برخلاف  
 ہو تو وہ حدیث۔ حدیث نبوی نہیں ہے +

سوم۔ اُس حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان ہو جو تاریخ سے علاوہ رکھتا ہے اور  
 تاریخ سے ثابت ہو کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ تو ہم اُس حدیث کو ہرگز بطور حدیث نبوی تسلیم  
 نہیں کرنے کے +

چھٹا۔ اُس حدیث میں ایسا واقعہ حسی بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ واقعہ ہوتا تو ہزاروں آدمی  
 اُس کو دیکھتے مگر اُس کا ہونا صرف اُسی حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں تو اُس حدیث کو بھی  
 ہم حدیث نبوی نہیں قرار دینے کے +

پنجم۔ اُس حدیث میں ایسی بات ہو جو تمام لوگوں سے علاوہ رکھتی ہو اور جس کا جاننا  
 سب کو ضرور تھا مگر اُس سے صرف اُسی حدیث کے راوی واقف تھے نہ اور کوئی تو وہ حدیث  
 بھی حدیث نبوی نہیں ہو سکتی +

ششم۔ اُس حدیث میں کوئی بات برخلاف اُن احکام اور اصول مذہب اسلام کے ہو جو  
 متبرعینوں سے ثابت ہو چکے ہیں تو اُس حدیث کو بھی حدیث نبوی قرار نہیں دیتے +

تھفتم۔ اُس حدیث میں ایسے عجائبات بیان ہوئے ہو، جسے عقل تسلیم نہ کرتی ہو اور جب تک کہ اُن کا الہام سے بیان ہونا ثابت ہو تو وہ تسلیم کرنے کے لائق نہ ہوں۔ پس جبکہ ایسے عجائبات اس قسم کی حدیثوں میں مذکور ہوں جن کا اوپر ذکر ہوا تو اُن حدیثوں کو بھی حدیث نبوی میں داخل نہیں کر سکتے اس لیے کہ سبب اُن نقصوں اور قصوں میں جو اس قسم کی حدیثوں میں ہیں اور جن کا اوپر بیان ہوا اُن عجائبات کا الہام سے بیان ہونا اور جناب رسول خدا صلعم کا اُن عجائبات کو بیان کرنا ثابت نہیں ہوتا اور جبکہ اُن کا الہام سے بیان ہونا ثابت نہیں ہے تو اُن حدیث کو جس میں وہ عجائبات ہیں حدیث نبوی بھی قرار نہیں دے سکتے۔

اسی قسم میں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں جن میں تھوڑے سے مثل پر بڑے بڑے ثوابوں کا اور جنت میں مخلوق کے بننے کا یا اولیٰ سے گناہ میں سخت عذابوں کا ذکر ہوا ہے۔ اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب احادیث میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں پس ہم کو چھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اس وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں مندرج ہے حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیے بلکہ اُن اصول منعگانہ سے اُن کا امتحان کرنا لازم ہے۔ اگر اُس میں کوئی وہ عیب اوپر لگے۔ اُس وقت اُسکی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ظن غالب کہنا چاہیے کیونکہ اس امتحان کے بعد بھی اس سبب سے کہ اُس حدیث کی روایت ہے اس قسم کی ہے جس سے حدیث نبوی ہونیکا ثبوت نہیں ہے اُس حدیث کو بالجمہر اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے۔

### تعلیم مذہبی

ابو گویا بالاتفاق تمام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدید کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقاید مذہبی میں سُست ہو جاتے ہیں بلکہ اُن کو اتنی بھینٹ لگتے ہیں۔ اور لاد مذہب ہو جاتے ہیں۔ اور اسی سبب مسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھنا نہیں چاہتے۔

مسلمانوں پر کیا موقوف ہے۔ انگریز بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو حال ہیں انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نسبت لکھی ہے یہ فقہ منہج فرمایا ہے۔

کوئی نوجوان خواہ ہندو خواہ مسلمان یا نہیں ہے جو ہمارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پائے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے بد اعتقاد ہونا دیکھے۔ ایشیا کے شاداب اور تروتازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی چٹائی کے قریب آتے ہیں جو مثل برتن کے ہے تو سو کہ کر لکڑی ہوجاتے ہیں۔ آتشا و صدقنا۔ یہ قول ڈاکٹر نثر صاحب کا بالکل سچ اور تمامہ سچ ہے۔

اب مسلمانوں کو بھی ایسی لکڑی پڑی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت تو روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے اور بے لکڑی پڑھے اب گزارہ نہیں ہو سکتا مگر وہ مذہب کو بھی عزیز سمجھتے ہیں اور اسکو ماتہ سے جاتا ہوا دیکھ کر بالکل بغیر اور بے چین ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں اور ہم ایک کونے میں کھڑے ہوئے ہنستے ہیں اور آہستہ آہستہ کہتے ہیں کہ میاں اگر تمھارا مذہب ایسا ہی بودا تھا تو جانے دو۔ ایسی بودی چیز ہی تو کیا اور گئی تو کیا۔ مگر جب کوئی ہماری کئی کئی آواز سنیں لیتا ہے تو ہم پر غراتا ہے کہ کیا ہمارا مذہب کمزور ہے۔ مگر دل میں کہتا ہے کہ بات سچ کہی ہے۔ بودا تو ہے کہ داسی انگریزی پڑھنے سے ٹوٹا جاتا ہے۔

بڑے بڑے علم و شمشل قدوس علموں نے بہت غور کے بعد یہ تجویز کی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی جاوے اور کتب سے عقاید اور فقہ و اصول و تفسیر و حدیث و علم کلام بھی انگریزی کے ساتھ پڑھائی جاویں تاکہ عقاید مذہبی بچتہ و درست رہیں اور علوم غریبہ کے ریلے میں یہ نہ جاویں۔

مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ عقائد تعلیم مذہبی اصول و فقہ و تفسیر پر بلاشبہ مانع نقصان عقاید و عقائد اسلام کے ہونگی مگر نقصان معارف ہو۔ یہ اندھی تقلید ہی تعلیم مذہبی تو مانع نقصان عقاید نہیں ہو سکتی اور یہ نتیجہ صید پیہ نہ لانا مذہبی کا علاج کر نہیں سکتیں بلکہ اگر یہ کتابیں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کے ساتھ پڑھائی جاویں گی تو اور زیادہ لاندہی اور بد اعتقاد ہی پھیلے گی اس لئے کہ سوائے قرآن مجید کے جس قدر کتب مذہبی ہیں انہیں ایک سو دو ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں۔ کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عظیم الشان غلطی موجود نہ ہو اور جس نے اسلام کی سچی اور سیدھی سادھی حقیقت کو وہی اور خیالی نہ بنا دیا ہو۔

جن معتدلس گوں نے موجودہ مذہبی تعلیم کو اس لاندہی کا علاج سمجھا ہے انھوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جس زمانہ میں فلسفہ و نایہ مسلمانوں میں شائع ہوا تو بڑے زور و شور سے زندہ و لہا رہے رواج پایا مگر آؤ زیادہ کے عالموں نے فلسفہ و نایہ کے ساتھ عقاید مذہبی کی تعلیم کو شامل کر دیا جس کے سبب سے



ہذا زندہ و کجا و جانا راہ

مگر میری یہ عرض ہے کہ اگر اُس زمانہ میں ایسا ہوا بھی ہو تو حال کے ناز میں اُن کتابوں سے اُس نتیجہ کی اُمید رکھنا قیاس مع الفارق ہے۔ جن مابین کہ فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں پانچ ہوا اور اُس زمانہ میں جو کتب مذہبیہ تھیں اُن کو بھی اُس وقت کے عالموں نے اُس زندہ و کجا و جانا کے روکنے کو کافی نہ سمجھا تھا اور اس لیے اُنھوں نے نئی نئی کتابیں علم کلام کی تصنیف کی تھیں اور اُن کتابوں میں اُنھوں نے زندہ و کجا و دور کرنے کے لیے دو اصول قرار دیئے تھے یعنی یا تو اُن مسائل فلسفہ یونانیہ کی جو عقاید مذہبی کے برخلاف تھے غلطی ثابت کر دیتے تھے یا مسائل مذہبی کی تطبیق مسائل فلسفہ سے کر دیتے تھے۔ مگر اب میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو کتب مذہبی اب تک ہمارے ہاں موجود ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں آتی ہیں ان میں سے کون سی کتاب ہے جس میں فلسفہ مغربیہ اور علوم جدیدہ کے مسائل کی تردید یا تطبیق مسائل مذہبیہ سے کی ہو؟

وجود سموات سبع کی ابطال پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس کتاب میں لکھی ہے اثبات حرکت زمین اور ابطال حرکت دُور ری آفتاب پر جو دلیلیں ہیں اُن کی تردید کس سے جا کر پوچھیں عناصر اربع کا غلط ہونا جو ثابت ہو گیا۔ اُس کا کیا علاج کریں۔ آئیکر یہ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا المصقرۃ فخلقنا البعصرۃ عظاما فکسونا العظام لحما کی جو تفسیر عالموں نے لکھی ہے فرق تشریح کی رو سے وہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے توپلوں میں بھرے ہوئے نطفہ سے بیکر بچہ کے پیدا ہونے تک کے تغیرات کو دیکھتے ہیں جو مفسرین کی تفسیروں کی غلطی کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر کیونکر ہم اُس پر اعتقاد رکھیں۔ خدا کی بات اور اُس کا کام ایک ہونا چاہیے۔ مسئلہ تمام دین نے تسلیم کر لیا ہے۔ پھر اُس کی تصدیق مذہب اسلام کی کس کتاب میں دھونڈیں اور کس ملاں و اخوند سے جا کر پوچھیں جب کوئی بات بھی اُن میں سے موجود کتب مذہبیہ میں نہیں ہے تو اُن سے لاندہی جو فلسفہ مغربیہ اور علوم محققہ جدیدہ سے ہوتی ہے کیونکر منع ہوگی۔ یہ باتیں صاف اور روشن ہیں۔ اُن کو ظاہر میں ماننا دوسری بات ہے۔ مگر کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنے دل میں ان باتوں کو سچ نہ جانتا ہوگا۔ پس اس حالت میں ان کتابوں کا نہ پڑھنا اُن کے پڑھنے سے بڑا اور بہتر ہے۔ مسلمان ہونے اور بہشت میں جانے کو خدا کو ایک وسیعہ کو بحق ماننا کافی ہے۔

حکمران ناز پر مدینہ رفتہ مکہ دینا پس ہے۔ ان میں سے مفید کتابوں کے پڑھنے سے کیا حاصل ہے؟  
ہاں اگر مسلمان مرد میدان میں لڑنے نہ سب کو سچا سمجھتے ہیں تو بے دھڑک میدان میں کریں  
اور جو کچھ ان کے بزرگوں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھ کیا تھا وہ فلسفہ مغربیہ اور علوم متعلقہ جدیدہ کے  
ساتھ کریں تب البتہ ان کا پڑھنا پڑھنا مفید ہوگا ورنہ اپنے مورخہ میاں سمجھ کر لینے سے کچھ  
فائدہ نہیں۔

## مجتہد

مذہب شیعہ امامیہ کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضرور ہے کوئی زمانہ  
مجتہد العصر سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ ان کا یہ مسئلہ کہ مات المفتی مات الفتویٰ صحیح نہیں پہنچتا  
مگر متاخرین اہل سنت و جماعت نے عجیب غلط مسئلہ بنایا ہے کہ اجتہاد ختم ہو گیا اور اب کوئی  
مجتہد نہیں ہو سکتا۔ مگر اب تک ان کو اس میں شبہ ہے کہ نفوذ یافتہ منہاسل خاتم القیین کے  
خاتم المجتہدین کون ہے کسی نے زید کو اور کسی نے عمر کو بتلایا۔ ہے۔

مگر بہکوا بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا  
ضرور ہے اور کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب مسیحی یا انبیاء  
فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید واریث رسول اللہ کی جلد دوم میں رقم فرماتے  
ہیں کہ ”نفوی در تہذیب و امام الحرمین در نہایہ و رافع در شرح و جیز و اعزال الدین عبد السلام در غایت  
و نووی در شرح مذہب و ابو عمر بن صلاح در کتاب ادب الفقہاء و بدر الدین زرکشی در کتاب بحر تہذیب  
کردہ اند کہ علم و قدر است۔ فوض علیہ الاعیان و فوض علیہ البیل الکفایتہ فوض کفایتہ نسبت کہ کسی مرتبہ  
اجتہاد برسد و از احادیث معتقدین بر آید پس اگر در ہر جامعہ یکے یا دو یاں حنفی قائم شوند فوض ساقط و الا  
بعضی شوند۔ و حنا بلہ بامر ہم باں رفتہ اند کہ جائز نیست خلوزان از مجتہد لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کان مال طایفۃ من امتی ظاہرین علی الحق حتی یاتی امر لعلہ و زرکشی گفتہ است کہ ایں قول  
مخصوص بمنازلہ نیست بلکہ جامعہ از اصحاب یعنی شافعیہ یاں تصریح کردہ اند۔ و ابن عرفان علیہ السلام  
گفتہ قال شیخنا ابن عبد السلام لا یخلو الزمان عن مجتہد۔ و امام الحرمین گفتہ کہ اختلاف  
کردہ اند اولین و آخری عصر سے از اعصار عدد مجتہدین از مبلغ تو اتر کر می شود یا نہ جمعہ منع کردہ و جمعہ  
جائز و ہشتہ۔

پس ان تمام اقوال سے ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کسی بھی غلطی اہل سنت و جماعت کی ہے کہ اجتہاد کو ختم اور مجتہد کو معدوم مانتے ہیں +  
 اس غلطی اعتقاد نے ہم مسلمانوں کے دین دنیا میں نہایت نقصان پہونچایا ہے اس لیے  
 ہم کو ضرور ہے کہ ہم اس خیال کو چھوڑیں اور ہر بات کی تحقیق پرستند ہوں خواہ وہ بات دین کی  
 ہو یا دنیا کی۔ غور کرنا چاہیے کہ ہر گاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں  
 ہم کو پیش آتی ہیں پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد موجود نہ ہوں گے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات  
 کا مسئلہ جو ان کے زمانہ میں حادث بھی نہیں ہوئی تھی کیونکر پوچھیں گے۔ پس ہمارے لیے بھی مجتہد  
 العصر و الزمان کا ہونا ضرور ہے +

## آدم کی گزشتہ

تم کون ہو اور تمھارا نام کیا ہے۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں مگر میرا نام آدم ہے۔ تم پر  
 کہ اگر کسی بیٹے نے اپنے شبیل سی دنیا میں پایا مگر نہ جانا کہ کس طرح بنا اور کس نے بنایا۔ مینے  
 سے چرند و پرند کیڑے و مکوڑے دنیا میں دیکھے ہیں سمجھا کہ جس طرح یہ بنے ہونگے  
 میں بنایا ہوں گا +

تمھارے دل میں بہت سے خیالات تھے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ یہ کر دوں کبھی دل  
 چاہتا تھا کہ یہ کبھی کرتا تھا کہ یہ کیا ہے کبھی کرتا تھا کہ وہ کیا ہے۔ دل گھبراتا تھا اور  
 دل بھڑکتا تھا۔ کسی کو اپنا سانہ پاتا تھا اور دل نہ لگتا تھا۔ تنہائی میرے  
 دل کو گھبراتی تھی اور اُس بقراری سے یہ بات دل میں آتی تھی کہ میرے لیے میری ہی کچھ آفر  
 چیز چاہیے +

ایک دن میں نے اپنے بائیں پہلو کے پاس ایک اپنی ہی صورت کی چیز بیٹھی ہوئی دیکھی  
 دل بہت خوش ہوا۔ بے قصد باچھیں کھلنے لگیں۔ دل بھی دھک دھک کرنے لگا۔ اور اسی کی  
 طرف کھینچنے لگا۔ وہ بھی میرے پاس بیٹھنے سے نہایت خوش معلوم ہوتی تھی اور پیاری سی پارہی  
 نگاہوں سے مجھے دیکھتی تھی اور مسکراتی تھی۔ آخر میں بقرار ہو گیا اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور  
 میں نے اُس سے پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو اور تمھارا کیا نام ہے۔ وہ بولی کہ بھائی یہ تو میں نہیں

جانتی کہیں کون ہوں۔ جو تم ہو ہی نہیں ہوں مگر میرا نام حوالہ ہے۔ میں بہت خوش ہوا اور ادا لیاں  
 بچہ خوب مچلا اور خوب کُودا۔ اور اوپر کو دیکھ دیکھ کر ایک بڑی سستی اور بڑے قادر مطلق کا خیال لکھ  
 خوب گیت گائے اور نہایت ذوق و شوق سے یوں چلا یا ۛ

اُو اُو اُرے اُو اُرے اُو اُرے وہ جو ہے۔ اُرے وہ جو ہے۔ اُرے وہ جو رہیگا۔  
 اُرے وہ جو رہیگا۔ اُرے وہ جو تو ہی ہے۔ اُرے وہ جو تو ہی ہے۔ میری شکر لے۔ اُس

انجان عجب کار نے میرا شکر کیا۔ اب تم اُسی برکت کے پھل پھول ہو ۛ  
 اجمی داد اجان۔ یہ تو تمہنے حال کی کہی۔ ہم تو اُس سے بھی پھولی پر بچتے ہیں۔ میرے پیارے  
 وہ تو ہمارے ہوش اور سپنڈ پہلے کی بات ہے۔ مگر اُس کی کچھ نشانیاں ہم پاتے ہیں اور  
 منانے اپنی قدرت سے جو کچھ ہم میں بنایا ہے اُسی سے وہ پچھلا حال سمجھ سکتے ہیں اگر تم کو  
 اُس کے جاننے کا شوق ہے تو سنو ۛ

تمام زمین پر بسنے والی چیزیں ہیں سے پیدا ہوئی ہیں گو اُسکی آئینہ نسل چلنے کا کوئی تھوہ  
 بنایا جو مگر سب سے پہلی فرد صرف اُس کی قدرت سے بنی۔ اُس نے کہا کہ ہورہ ہوگی پس  
 اسی طرح میں بھی زمین سے پیدا ہو گیا۔ پلا اور بسا اور بڑا ہوا۔ مگر جب زمین سے نکلا تھا  
 تو ایسا تھا جیسا اب ہوں۔ رفتہ رفتہ ہلکے صورت ملی ہے اگر تم میری وہ ہیئت دیکھو جو  
 زمین سے نکلی تھی تو نہایت تعجب کرو۔ بال سے بھی باریک اور رائی کے دانے سے بھی  
 چھوٹا بھنگا تھا اور اُسی میں حُج جال عقل و کمال سب چھپا ہوا تھا جیسے جمید درخت کے تمام  
 پھل پھول۔ شہنی پتے چھپے ہوتے ہیں۔ یہ اُس صانع کی قدرت ہے جو ایسی ضیف و نازیز چیز کو  
 ایسا کیا ہے جس کے حسن و جمال پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں۔ فرادوسر چھوڑتا ہے۔ زلیخا ہاتھ  
 کاٹتی ہے۔ جنوں صحرانخل ملتا ہے۔ اپنے تقدس و کمال سے وحشتوں پر فوق ایجا تا ہے اور  
 اپنے آپ سے اپنے صانع کو پہچانتا ہے اور پھر اُس کی مرضی اور خوشی کے بیان کر دیکھو اور وہ  
 کے لئے واعظ بنتا ہے ۛ

تمام قوتیں حیوانی اور انسانی۔ ملکی و شیطانی اُس میں تھیں۔ اور سب کی اطاعت و فرمانبرداری  
 میں حاضر تھیں جس جس کام پر وہ مامور تھیں اُن کو کر رہی تھیں اور اپنے کام میں نہ کسی بھی خطا  
 نہیں کرتی تھیں مگر ایک قوت نہایت قوی اور سرکش تھی۔ وہ میری کوئی خدمت نہیں کرتی تھی  
 بلکہ طرح طرح کے جذبات کو جو غصہ اور غضب اور بغض و کینہ۔ عداوت و دشمنی قتل و خون ریزی

چوری و زنا کاری کے منشاء ہیں تحریک تپتی رہتی تھی۔ اُس کے کڑکوں سے میں نے جان لیا تھا کہ وہ میری بڑی دشمن ہے۔ اُسی پر فتح پانا میرا بڑا کام ہے۔ مگر وہ بھی قتالی تھی کہ میں تیری دشمنی کبھی نہیں چھوڑنے کی۔ جہاں باؤں لگی اپنا کام کروں گی۔ اور جس طرف سے قابو پاؤں گی ماروں گی۔

وہ قوت ایک عجیب غریب چیز تھی دشمن تو اسی سخت تھی لیکن اگر وہ نہ ہوتی تو ایک ڈوپریر ہم میں نہ ہوتی جو انسان کے کمال کی بھی دبی باعث ہے۔ اور اُس کے دباؤ کی بھی دبی باعث ہے اور اسی سبب وہ قوت کبھی سخت دشمن دکھائی دیتی تھی اور کبھی دوست سمجھ میں آتی تھی۔ مگر میری اطاعت میں کبھی نہ تھی۔

خدا نے ایسی ہی مرکب پسند کو جو مختلف قوتوں کا مجموعہ تھی اپنی مجھ کو ایک جگہ ڈال دیا جہاں نہ مجھ کو مجبورک تھی نہ پیاس نہ دھوپ کی گرمی لگتی تھی نہ کپڑا پہننے کی حاجت ہوتی تھی۔ میں رفتہ رفتہ بڑا ہوتا جاتا تھا اور تمام قوتیں جو مجھ میں تھیں میرے کام آتی تھیں۔ ایک قوت مجھ میں تھی مگر میرے کام میں نہ تھی۔ نہ میں اس کو کام میں لاتا تھا۔ جب میں بڑا ہوا اور سن تیرہ کو پہنچا تو اُسی دشمن قوت نے مجھ کو بتایا کہ اُس سے بھی کام لے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب میں اُس سے کام لوں گا تب میری سبقت میں پچھلوں گا۔ مگر اُس قوت سے کام لینا کمال کا بھی سبب تھا۔ اس لیے میں دشمن قوت نے بتایا کہ اگر اُس سے کام لے گا تو فرشتہ ہو جاوے گا۔ لیکن میں نہ بڑے دیکھا۔ وہ قوت میری ہی تو تھی اور میں اس کو کام میں لانے کے قابل بھی ہو چکا تھا۔ میں اس کو کام میں لایا اور اُسی وقت میرے صیب مجھ پر کھل گئے۔ میں نے جان کر میں تو ایک نہایت اچیز ہستی ہوں۔ بے شک مجھ میں فرشتہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کی قوت ہے۔ مگر اُس کے ساتھ بڑا تو ہی دشمن بھی لگا ہوا ہے۔ اُس سے بچنا نہایت مشکل ہے۔ میں اپنے صیبوں کے چھپانے کی فکر میں پڑا اور خدا نے لاکھ لاکھ خبردار اب تو اپنا مالک ہوا۔ دوست دشمن سے واقف ہوا۔ اب جب تک زمین پر رہنا ہے نیک دیکھو کہ مجھ اور اپنا کام کر۔ میں نہایت حیران ہو کر کیا کام کروں اور کس طرح چلوں۔ میری سبب خدا کی نشانیاں اور غلطی ہدایتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ انہی کو سمجھو اور انہی کو مانو۔ انہی کی ہدایت پر چلو اور دشمنوں سے نجات پاؤ۔ مگر یہ مجھ میں آتا تھا کہ گزشتہ ہدی کا کیا علاج ہو بہت غور کے بعد سمجھا کہ کسی دوسرے سے اُس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کا علاج خود مجھ میں ہے۔ جو چیز مجھ میں ڈھیر سی ہو گئی ہے اُسی کا سیدھا کرنا اُس کا علاج ہے۔ تب

میں نے خدا سے کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَكَ تَعَفُّوْا لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَحْمَدَكَ فَرِحْنَا  
مِنْ الْخَيْرِ إِنَّهُ قَاتِبٌ عَلِيمٌ إِنَّهُ هُوَ الثَّوَابُ الرَّحِيمُ پھر تو خدا نے مجھ کو ایسا رنج و  
گزین پہنایا تب کہ دیا اور فرشتے غل ہی بچاتے رہے +

دادا جان آپ کی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہ آئیں اور ہم نہ سمجھے کہ کن قوی کا مجبور خدا نے بنکر  
بنایا تھا۔ وہ کیا قوی تھے جو ہمارے سطح و فراں بردار بھی تھے۔ وہ کیا توت بھی جو سرکش اور  
نافرماں بردار تھی۔ وہ کیا چیز تھی جو دشمن بھی تھی اور دوست بھی دکھائی دیتی تھی۔ اسی نے  
وہاں میں ڈالا اور اسی نے کمال کا رستہ بتایا۔ یہ سب باتیں تو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اگر  
آؤ کسی طرح پراپ گفتگو کریں اور ہر کو سمجھا سکیں تو آپ کی نہایت شفقت و عنایت ہوگی +

آؤ تم نے کہا کہ تمہاری اور تمام دنیا کی سمجھ میں آجائے کے لائق تو اسی بات کو سوئی اور محمد  
نے بہت اچھی مثال سے بتایا ہے۔ اُنھوں نے انکی فری کا نام فرشتہ رکھا ہے اور اُس فرشتہ سے  
قوت کا نام شیطان اور اُس قوت کا نام جو مجھ میں تھی پر میرے کام میں تھی صنعت اور اُس  
وقت یا حالت کا نام جب تھی اُس قوت کو کام میں لانے کے لائق ہوا اُس دخت کا مزا چکھنا  
رکھتا ہے اور اُس نکل عقدہ کو اپنی تشبیہوں سے حل کر گزریں بیان کیا ہے +

خدا نے سُری ہوئی کچھ ہے جو آگ میں پئے ہوئے کی مانند گرم ہو رہی تھی آؤ تم کو اور اُس کی  
جوڑی عوا کو پیدا کیا پھر ان کو اس صفت پر جو ہے بنایا پھر فرشتوں سے کہا کہ آؤ تم کو سجدہ کرو۔  
سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سرکشی کی اور خدا کے حکم کو نانا اور سجدہ نہ کیا۔ خدا نے آگ  
پہنچا کہ تو نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ اُس نے کہا کہ میں آدم سے فضل ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا  
کیا اور آدم کو طے سے۔ خدا نے کہا کہ جاؤ رہو تو فرشتوں میں ہونے کے لائق نہیں۔ اُس نے  
کہا تو مجھ کو قیامت تک ایسا ہی رہنے دو۔ تم ہی نے مجھے بہکایا ہے میں بھی انسان کو بہکاتا  
ہی ہوں گا۔ خدا نے کہا تو رہو اسے مردود۔ جو لوگ تیری تابعداری کریں گے اُن سے دوزخ  
بھر دوں گا +

پھر خدا نے پہلے سمجھا ایک شیطان تھا اپکا دشمن ہے اُس سے خبر دے دینا۔ پھر ہر کو بہشت  
میں لکھا دیاں ہو کہ وہ کبھی تھی نہ پیاس۔ نہ وہ سوپ لگتی تھی اور نہ کپڑے کی حاجت تھی سخط  
نے کہا کہ اس میں سے جو کچھ چاہو کھاؤ مگر ایک دخت کو بلو کہ اُس کے پاس تک مت جانا۔ مگر  
جاؤ گے تو اپنے لیے جو کچھ کر لو گے +

مگر شیطان نے ہم کو بہکایا اور کہا کہ میں تم کو ہمیشگی کا اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہت کا درخت بتاؤں۔ اُس نے وہی درخت بتلایا جس سے خدا نے منع کیا تھا۔ اور کہا کہ کسی پرہیزگار کے سبب سے منع نہیں کیا بلکہ اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتہ اور ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ اور وہیں کھا کر کہا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ ہم اُس کے بہکائے میں آ گئے اور اُس درخت میں سے کھا لیا ایک پرہیزگار والی کا جو ہم پر تھا کھاتے ہی اُٹھ گیا عیب و صواب معلوم ہونے لگا۔ اپنا تنگ پٹن ہم کو شترمانے لگا۔ درخت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ اتنے میں خدا لکڑا کر کیوں اس منہ خست کے کھانے سے میں نے تم کو منع نہ کیا تھا اور تم کو نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا بچا دشمن ہے۔ چلو ہاں سے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ چند مدت تک زمین پر رہو گے۔ اُسی میں جیو گے اُسی میں مرو گے اُسی سے نکلو گے۔

پھر خدا کے بتانے سے اپنے قصور کی معافی اس طرح پر خدا سے چاہی کہ اے ہمارے خدا جس نے اپنے پرانے پرانے کیا اور اگر تو صاف نہ کر دے گا تو ہم آفت میں رہیں گے۔ خدا نے صاف کیا اور یہ بتایا کہ تم اسے پاس سیری ہدایت آویگی۔ جو کوئی اُسکی ابداری کرے گا اُس کو کچھ دہڑہوگا جو میری نشانیں کو نہ مانے گا وہ درخت میں جا دیکھا ابد ہمیشہ اُسی میں رہیگا۔

پھر خدا نے آدم کو زمین پر اپنا نایب بنایا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایسے شخص کو زمین کی نیابت دیکھا جو اُس میں خدا کرے اور خون بہا دے اور ہم تو تیری پاکیزگی سے تعجب کو یاد کرتے ہیں اے تیرا شرف کتنے ہے۔ خدا نے کہا کہ میں سب کچھ جانتا ہوں جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

پھر خدا نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتائے اور فرشتوں کے سامنے کیا ادا کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ تیری دوبائی ہے جو کچھ تو نے بتا دیا ہے ہم تو اُس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ پھر آدم سے کہا کہ تم ان کے نام بتاؤ۔ آدم نے سب کے نام بتا دیئے۔ خدا نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ آسمان زمین میں کی چھپی ہوئی باتیں ادا جو کچھ تم علانیہ یا خفیہ کرتے ہو سب کو جانتا ہوں۔

اور ادا جان یہ باتیں تو صاف صاف ہماری سمجھ میں آئیں۔ ہم سمجھے کہ خدا نے ہم کو پیدا کیا اور ہم کو فرشتوں پر بھی عزت دی۔ اور ہمارے دشمن شیطان کو بھی ہمیں بتا دیا کہ ہم اُس کے قریب میں آ گئے اور خدا کے حکم کے برخلاف کام کیا اور خود اپنے فعل سے گنہگار ہو گئے اور جب اپنے گناہ کا

اقرار کیا اور معافی چاہی تو خدا نے معاف کر دیا اور ہکوزمین پر اپنا نایب کر دیا اور جاسے ہیں  
ہر است بھیجے گا وعدہ کیا۔ پھر اگر ہم اسکی ہدایت پر چلیں گے اپنا بھلا کریں گے اگر اُس پر  
چلیں گے خود اپنے لیے کائناتے جو نہیں گئے مگر اس میں بھی کئی باتیں پوچھنی ہیں۔  
آپ نے یہ کیا نسر یا کہ خدا نے آدم و حوا کو پہلے پیدا کیا۔ پھر اُن کو اس صورت پر جو اب  
ہے بنایا۔

یہاں تم نے قرآن پڑھا ہے۔ اُس میں تو صاف لکھا ہے کہ ولقد خلقناکم ثم صورناکم  
یعنی خدا نے تمکو پیدا کیا پھر تمھاری صورتیں بنائیں۔ اصل یہ ہے کہ انسان لفظ میں نہایت باریک  
بجنگے کی مانند پیدا ہوتا ہے پھر اسکی صورت بنتی ہے۔ یہی بات خدا نے بھی کہی اور ہمیشہ یوں ہی  
ہوتا ہے۔

دادا جان یہ تو عجیب بات آپ نے بتائی۔ سنئے تو کبھی سنی بھی نہ تھی۔ قرآن میں تو عجیب عجیب  
قدتی باتیں لکھی ہیں جو اُس زمانہ کے لوگوں کے خیال میں نہ تھیں۔ اب جس قدر تحقیقات موجودات  
کھلتی جاتی ہیں قرآن کی حقیقت سمجھ میں آتی جاتی ہے۔ بیشک یہ خدا کا کلام ہے۔  
مگر آپ یہ تو فرمائیے کہ جن قوتوں سے خدا نے ہمکو بنایا اور جو ہم میں موجود تھیں انہی میں سے  
کسی کو زشتہ۔ اور کسی کو شیطاں اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ ہم سے علیحدہ دوسری چیز ہیں  
جن میں سے کوئی ہماری فواس بردار تھی اور کوئی ہماری دشمن اور اگر حقیقت وہ ہم ہی ہیں تو  
تو اس طرح پر کیوں بیان ہوئیں۔

یہاں ابھی میں نے تم سے بیان کیا کہ انسان عجیب مختلف قوتوں سے بنا ہوا ہے کہ اوصاف  
مربک ہونے کے ہر ایک قوت جدا جدا کام کرتی ہے۔ مگر تمھاری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور جب اس  
زمانہ میں ہی تم اسکو نہ سمجھ سکے تو موسیٰ کے اور اُس سے بھی پہلے کے زمانہ میں کون سمجھ سکتا تھا  
اُس لیے خدا نے اُس مطلب کو ایسے لفظوں میں بیان کیا کہ سینا کے ٹکڑے میں پھرنے والوں اور  
عرب کے ریختان کے رہنے والوں سے لیکر سقراط اور بقراط کے درجوں تک کے لوگ  
سمجھ لیں۔

تمام دنیا کے خیال میں ہے کہ مرکب پسینہ جب متعدد چیزوں سے ملتی ہے تو ایک خاص مزاج  
پیدا کر لیتی ہے۔ اُس کے ہر فرقہ کا مزاج اپنی پہلی حالت پر باقی نہیں رہتا بلکہ دونوں سے مل کر  
ایک قسم کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔



اگر گرم پانی میں تم ٹھنڈا پانی ملاتے ہو تو اُسکی سردی اور اُسکی گرمی ملکر اُسکو ٹنکنا کر دیتی ہے  
یکہی نہیں ہوتا کہ دونوں میں اور سرد پانی کی سردی بدستور سرد اور گرم پانی کی گرمی بدستور  
گرم رہے +

بہت سی گرم و سرد خشک تردد اُوں سے ملکر ایک عجوبہ بناؤ۔ اُن دو اُوں میں سے کسی  
ایک کا بھی مزاج اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہنے کا بلکہ سب سے مل کر اُس عجوبہ مرکب کا  
لیکن خاص مزاج پیدا ہوا دے گا۔ مگر انسان ایک عجیب و غریب مرکب ہے۔ مختلف قوتیں سے مرکب  
ہے۔ اور وہی اُس کے وجود کے اور نیز بہم ایک دوسرے قوتوں کے بقا کے سبب ہیں۔ اگر  
اندرونی قوتیں سے ایک قوت انسان میں سے فوت ہو تو دوسری قوت بھی باقی نہیں رہتی  
اور باوجودیکہ یہ سب قوتیں ایسے آپس میں ملے ہوئے ہیں جیسے دودھ میں پانی اُس پر بھی سب  
اپنے اپنے جدا جدا ارج پر قائم ہیں اور اپنا اپنا جدا جدا کام کر رہے ہیں۔ پس اس ترکیب انسانی  
کو بھلنے کے لئے تمام نبیوں نے مثیلی زبان اختیار کی اور جس طرح کہ اُن قوتیں کے جدا جدا  
کام تھے اسی طرح اُن کو علیحدہ علیحدہ اس طرح پر بیان کیا کہ گویا وہ الگ الگ ایک دوسرے  
کے مقابل جدا جدا چیزیں ہیں +

دادا جان یہ بات تو ہماری سمجھ میں بالکل آگئی اور اس بیان سے ایک آدھ عقدہ حل ہو گیا  
کہ بعضی روایتوں میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ رحم میں فرشتہ انسان کی صورت بناتا ہے اس سے  
بھی وہی قوت مصورہ مراد ہے جو خدا نے اُس میں رکھی ہے +  
مگر یہ بات بھی بتا دیجئے کہ اُن ملکی قوتیں کے سجدہ کرنے اور اُس ایک قوت کی سرکشی کرنے سے  
کیا مطلب ہے +

بیٹا یہ تو بہت صاف بات ہے تم خود اپنے آپ کو دیکھو تمام قوتیں جس جس مطلب کے لئے  
تیار ہیں میں پیدا ہوئی ہیں سب تمہاری تابع ہیں جس وقت تم کسی ایسی قوت کو تحریک دینا  
چاہتے ہو جو نیکی کی منج سے فی الفور تحریک میں آتی ہے اور تم سے نیکی اور نیکی ملی۔ رحم و محبت  
ہر سردی۔ دفا شکاری خدا کے سامنے تدلل ظہور میں آتا ہے اور صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام  
قوتیں جو ان چیزوں کے منشاء میں ملکر سجدہ کر رہے ہیں انہی قوتوں سے طبع و فواہ برادر ہیں  
جنہاں سے اُس قوت کو دیکھو جو ہی اور گناہ کا منج ہے۔ تم اُن افعال کو جو اُس قوت سے  
پیدا ہوتے ہیں مجاہدنتے ہو اور اُن کے ذکر کرنے کا ارادہ بھی کرتے ہو اور یہ کرتے ہی جاتے ہو

جھوٹ کو بُرا سمجھتے ہو اور چاہتے ہو کہ نہ بولیں مگر بولتے جاتے ہو غصہ کو بُرا جانتے ہو اور ہر ضد چاہتے ہو کہ روکیں یہ کرتے جاتے ہو زنا جو سب سے بڑھ کر بدی ہے اسکو کر کرنا دم ہوتے ہو خود اپنے پر کپ لغت کرتے ہو۔ سر پیٹتے ہو۔ موغہ پر طمانچے مارتے ہو۔ اور پکا اسامہ کرتے ہو کہ پھر کرینگے اور پھر کرتے ہو۔ عرض کہ اُس قوت پر جو تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ خیال کرو اور دیکھو لیکر کبھی مکرش اور تمہاری نافرمانی وار ہے۔ آہ بیٹا تم انسان اُسی وقت ہو گے جب اُس سخت دشمن پر فتح پاؤ گے ۛ

دادا جان یہ باتیں تو تم نے ایسی بتائیں کہ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بالکل سچ ہے اور انسان پر یہی گزرتا ہے۔ جب ہم اپنی بدیوں پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ مخالف قوت شیطان کیسی ہم پر غالب ہے تو ہم کو اپنی زندگی پر افسوس آتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ کاش ہم پیدا نہ ہوئے ہوتے ۛ

مگر ہم نہایت ادب اور عاجزی سے ایک بات اور پوچھنی چاہتے ہیں کہ شیطان نے خدا سے یہ کیا بات کہی کہ تم میری نے مجھے بھگایا ہے۔ میں بھی انسان کو بھگاتا ہی رہوں گا۔ یہ تو غلط معلوم ہوتی ہے۔ بھلا خدا نے شیطان کو کاہیکو بھگایا۔ وہ کہ۔ کیا خدا نے شیطان کا شیطان تھا اور اگر خود خدا نے ایسا کیا تو پھر اسکو سجدہ کیا کیوں نہ کیا ۛ

نوروز باندہ۔ نوروز باندہ۔ بٹا تو بکر و توبہ کرو۔ گناہوں پر طمانچے مارو۔ کیسی گنہ گری باتیں تم نے کہیں۔ یہ غلط نہیں ہے بالکل سچ ہے۔ قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے قال فما اغویتني لافعدت لهم صراطك المستقیم یعنی شیطان نے خدا سے کہا کہ اس سبب کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں بھی تُوں کی راہ مارنے کے لیے تیری سیدھی راہ میں بٹھیوں گا ۛ

مگر غور کرو اور سمجھو کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اور کس بات کا اشارہ ہے۔ سمجھو کہ وہ مکرش قوت خود خدا نے بنائی ہے اور اُس مکرش کی قوت خود خدا نے اُس میں رکھی ہے۔ پس ان لفظوں سے کہ تو نے ہی مجھ کو بھگایا ہے اسی بات کا اشارہ ہے کہ اُس قوت کا خالق اور اُس قوت کو قوت دینے والا بھی اُسی ایک خدا ہے اور یہی اُس کا بھگانا ہے۔ مگر خدا نے انسان میں ایسے بھی قوتیں رکھے ہیں جو اسکو نیراہ طمع کر سکتے ہیں اور یہی حکم دینا ہے کہ آدم کو سجدہ کر۔ پس ان دونوں صفتوں کو عام فہم کرنے کو خدا نے تمثیلی زبان سے یوں بتایا کہ خدا نے شیطان کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر مگر میں ایسے بھی اسباب بنا دے گا کہ وہ انسان کا طمع ہو سکتا ہے۔ دیکھو اب وہی بڑبڑانے

کیا اسکو مطلع کیا پھر یوں کہا کہ اُس نے سرکشی کی اور خدا کا حکم ٹھایا مگر وہ قوت ایسی سرکش ہے کہ مطلع ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک موقع پر ہم گناہ سے بچتے ہیں اور دوسرے موقع پر گناہ میں پڑتے ہیں۔ اگر نہیں پڑتے تو ہم کو اس شخص کو ہر وقت و ہر دم دبا لئے رہنا اور باندھے رکھنا تو ضرور پڑتا ہے اور وہ ہر دم جھوٹا اور ہر پر حملہ کرنا تو ضرور چاہتا ہے۔ پس اس حقیقت کو غیبوں کی زبان نے کیسی عمدہ طرح پر حکم اور نافرمانی کی اصطلاح میں بیان کیا ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین +

دادا جان جو کچھ تم نے کہا ہم سمجھتے ہیں کہ خدا ہی نے تم کو بتایا ہے کیونکہ آج تک کسی انسان نے تو ایسے حقائق و معارف بیان نہیں کئے جس سے دل کو تسکین ہو۔ آپ ہی پر خدا نے اپنا فضل کیا ہے جو آپ کے دل سے ایسے حقائق و معارف نکلتے ہیں۔ اب تو ہمیں پوچھتے بھی شرم آتی ہے مگر دعا پڑھیں تو اور بتا دیجئے +

بیٹا۔ تم کچھ شرم مت کرو۔ پوچھتے جاؤ۔ خدا کی بات میں کچھ غلطی ہو ہی نہیں سکتی یا ممکن ہے کہ میری بات یا میری سمجھ میں غلطی ہو جاوے یہیں بھی انسان ہوں جس طرح تم غلطی میں پڑ سکتے ہو میں بھی پڑ سکتا ہوں۔ میرے اُسی قدر کلام میں غلطی نہیں ہوتی جس قدر تم مجھ کو دہی آتی ہے۔ یہ سب باتیں میں نے وحی سے نہیں کہیں بلکہ خود اپنے میں اور تم میں دیکھ دیکھ کر کہی ہیں اور غرض ان باتوں کو اگر اسکو خدا دیکھنے کے لائق آنکھ دے خود دیکھ سکتا ہے +

دادا جان خدا نے یہ کیا کہ انہیں نے شیطان کو آگ سے پیدا کیا اور پہلے فرشتوں میں تھا پھر مردود کر دیا۔ وہ تو ایک قوت خود ہم میں ہے +

بیٹا تمام قوائے انسانی پر جس میں وہ سرکش قوت بھی داخل تھی فرشتوں کا اطلاق کیا گیا اور جب اُس ایک قوت کا سرکش ہوتا بتایا گیا تو اسکو ان میں سے علیحدہ کر کر شیطان بتایا پس ہی اُس کا مردود ہونا اور فرشتوں میں سے نکالا جانا ہے +

اب تم خود اپنے میں غور کرو کہ تمہارے قوسے کی ترکیب میں ایک قسم کی حرارت ہے جسکو کوئی حرارت غریزی اور کوئی مادہ الکٹرسٹی کہتا ہے۔ اُس تمام حرارت کا سرچش وہ قوت ہے جسکو قوت سرکش یا شیطان بتایا ہے پس وہ قوت سب سے اوپر ہے اور باقی قوتیں اُس سے نیچے شیطان کا یہ کہنا کہ خلقت خنی من نار و خلقت من طین بالکل ٹھیک اور مطابق واقعہ کے ہے بلکہ عیناً جو سمجھتے ہیں کہ ان کی روٹی پکانے کے جو لہے کی آگ سے شیطان بنا یا ہے یہ ان کی ادانی ہے +

جیلا دادا جان جس مرنفت کے کھانے سے خدا نے منع کیا تھا وہ کیا قوت تھی۔ اور اُس کا کھانا  
یا استعمال میں لانا کیا حالت تھی؟

بیٹا وہ قوت قتل و قلم ہے۔ کیونکہ علم کے لیے قتل کا ہونا بھی لازم ہے اور حب انسان اُس حد  
کو پہنچتا ہے کہ اُس قوت کو استعمال میں لانے کے قابل ہو جاوے۔ اُس حالت کا نام انبیاء کی  
زبان میں شجر منورہ کا کھانا چکھنا ہے اور زبان شجر میں اُس کا مکلف ہونا اور زبان حکماء میں اُس کا  
بالغ ہونا ہے۔

دادا جان یہاں تو بڑی شعلہ کش آگ آگئی رہی کہ انسان کا چھپنے سے بڑا ہونا اور قتل و قلم  
کی حالت تک پہنچنا ایک ضروری اور لازمی بات ہے۔ اگر انسان زندہ ہے تو خواہ مخواہ اُس  
حالت تک پہنچتا ہے پھر خدا کا اُس دخت کے کھانے سے منع کرنے کا اور انسان کا اُس کر  
کھا لینے کا اور خدا کی نافرمانی کر کر گنگا رہونے کا کیا مطلب ہے؟

بیٹا تم نے نہایت عمدہ بات کہی۔ تمہاری عقلندی سے میں بہت خوش ہوا۔ جو کچھ تم نے کیا یہ  
سب صحیح ہے۔ مگر اس مقام پر ایک نہایت عمدہ اور مشکل مسئلہ جبر و قدر کا نہایت غمینی اور سہل  
تمثیل سے حل کیا گیا ہے۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انسان بالکل مجبور ہے خواہ مخواہ اسکو وہی باتیں کرنی پڑتی  
ہیں جو اُس کے لیے مقرر ہو چکی ہیں اور بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ خود مختار اور اپنے تمام  
افعال پر قادر ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے بعض خیال کرتے ہیں کہ نہ مجبور ہے نہ قادر ہے بلکہ  
والا اختیار ہے جیسے ایک بھلی دالے نے ایک بادشاہ کو بھلی غذا کرتے وقت اس خیال سے کہ بادشاہ  
اس کا جوڑنا مانگے کما تھا کہ بھلی منٹ ہے۔ اس تمام پر خدا تعالیٰ کو یہ بات بتلانی تھی کہ جو قویٰ کہ  
انسان کو خدا نے دیئے ہیں وہ خود اُن کا مالک و مختار ہے اور اُن سب کو خود کام میں لاسکتا ہے  
پس خدا کس منع کرنے اور انسان کا اُس کے کھا لینے سے انسان کا اُن قویٰ پر جو اُس کو دیئے  
گئے ہیں قادر ہوتا اور اُن کے استعمال کی خود قدرت رکھنا بتایا گیا ہے اور جو کہ اُس حالت تک پہنچتا  
اور قتل و تمیز حاصل کرنا انسان پر گناہ ہونے کا سبب ہے اس لیے خدا نے فرمایا کہ اُس حالت  
پر پہنچنے کے بعد آدم لنگا کھا۔

میں ملک بودم و فردوس میں جاہم بود  
آدم آمد و میں دیر خراب آبادم

السعيد من سعد في بطن امه والشتي من شقي في بطن امه نہایت صحیح اور سچا قول ہے۔ جو کچھ اس وقت تم انسان کی حالت دیکھتے ہو اچھی یا بری یہاں تک کہ نبیوں کی نبوت اور عابدوں کی عبادت۔ زاہدوں کا زہد۔ مشوقوں کا شوق۔ عاشقوں کا عشق۔ شاعروں کی شاعری۔ فاسقوں کا فسق۔ کافروں کا کفر۔ یہ سب نہ اپنی ماں کے پیٹ میں سے لیکر نکلے ہیں پس نبی کو نبوت اور عابد کو عبادت اور زاہدوں کو زہد۔ مشوقوں کو شوق۔ عاشقوں کو عشق۔ شاعروں کو شاعری۔ فاسقوں کو فسق۔ کافروں کو کفر لازمی اور ضروری ہے کہ بے ہونے وہ ہی نہیں سکتا۔ جو شخص جو کچھ اپنی ماں کے پیٹ سے لایا ہے وہ اسی کو گاتا ہے ۛ

انبیاء یوں فرماتے ہیں کہ انا نبی و آدم بین الماء والطین ۛ

سعدایوں کہتے ہیں کہ انا سعید و آدم بین الماء والطین ۛ

اشقیاء کا یہ قول ہے کہ انا شقی و آدم بین الماء والطین ۛ

اور ہمارا یہ قول ہے کہ انا احمد و آدم بین الماء والطین ۛ

مگر نہ عابد کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی ہرکات اُس کے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو قوی خدا تعالیٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لتا رہے اگر قوائے سیمیہ سپر غالب میں اور قوائے ملکیہ کمزور تو اُن کمزور قوی کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لانا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جس کو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جس کو شائع نے ان عمدہ لفظوں میں کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب له بیان فرمایا ہے پس مشکل اور باریک مسئلہ تھا جو اس بیان اور عام فہم تشبیل میں خدا نے فرمایا ۛ

ۛ ارجان خدا کا شکر ہے کہ ہم بھی ان خلائق و معارف کا آپ کی زبان مبارک سے سنا اپنی ماں کے پیٹ سے لیکر نکلے تھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کا زمین پر نہایت کرنا اور رشتوں کا مکرر کرنا اور خدا کا آدم کو سب کے سب نام سکھانا کیا معنی ہیں ۛ

بیان زمین پر جو ہے۔ انسان موجود ہے۔ دیکھ لو کہ زمین کی تمام مخلوقات میں زمین کی اربابیت اور خدا کی نایبیت کس کو ہے۔ کیسے فرشتے کیسی تکرار۔ یہ تو خطابیات کی قسم سے بیان ہے تو علیٰ جس قدر کہ میں ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جس کے لیے وہ مخلوق ہیں کا یہ صومۃ اللہ ما احمس و فاعلون ما یؤمرون مگر انسان ہی اسی مخلوق ہے کہ وہ نیکی بھی کر سکتا ہے اور بدی بھی پس

خدا نے اس مقام پر انسان کی حقیقت بیان کر دی کہ وہ کیسے کیسے سخت گناہوں کے کرتے پرتا ہے مگر اُسی کو تاب کر سکنی، وجہ کو بھی بتایا کہ وہ قابلِ تعلیم ہے اور اُسی غلطیاں اصلاح کے قابل ہیں۔ اور وہ ایسے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر سکتا ہے جہاں فرشتوں کا بھی مقدور نہیں کیونکہ اُن میں جو بات ہے اُس سے زیادہ ترقی کی قوت اُن میں نہیں ہے۔ قللو سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ خدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام اس طرح پر نہیں سکھائے تھے جس طرح کہ آنا تھے کو سکھاتی ہے بلکہ تمام چیزوں کا سکھانا وہ ملکہ علم انسان میں ودیعت کرتا ہے جس سے آج ہم بقدر اپنی طاقت کے خدا کی خدائی کے کارخانوں پر فکر کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے اُسکو جانتے ہیں۔

تم خود اپنے حال پر خیال کرو کہ تم میاں جی سے یا مولانا صاحب سے پڑھتے ہو اور فضیلت کی دستار مبارک سر پر باندھ دیتے ہو کیا میاں جی صاحب یا جناب مولانا صاحب تمکو سب کچھ پڑھا دیتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ایک ملکہ تم میں حاصل ہوتا ہے جس سے تمام عالم کھلتے ہو۔ پس خدا جو اُس ملکہ کا تم میں پیدا کرنے والا ہے اگر یوں کہے کہ وہ علمِ اَدَمَ کلا سدا کلاھا تو کون سی اس میں مشکل بات ہے؟

بھلا دادا جان یہ تو ہوا مگر یہ تو فرمائیے کہ آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ یہ نام کھانے سے کیا مطلب تھا؟

اے بیٹا۔ یہی تو خدائی کا جھید ہے۔ خدا بڑا استاد ہے۔ کچھ چلاؤ اور اُس ہمیشہ اُٹھا رکھتا ہے اس لفظ میں یہ ہے کہ خدا نے انسان کو حقیقتِ اشیا کچھ نہیں بتلائی بلکہ سب کچھ بتلا سکتا ہے مگر حقیقتِ اشیا نہیں بتلا سکتا پس حقیقت نہیں بتلا سکتا تو جو کچھ وہ بتلاتا ہے صرف اس میں نہ حقائق۔ اسی لئے خدا نے فرمایا و علم اَدَمَ کلا سدا کلاھا۔

دادا جان آپ نے تو یہ اسی بات کی کہ دل میں کھب گئی۔ اب تو بالکل دل کو تسلی ہو گئی مگر ایک شبہ پھر دل میں اُٹھا کہ خدا نے ایک ایسا مقدمہ بیان کیا جو حقیقت میں واقع نہ ہوا تھا مگر ادب ہم کچھ نہیں کر سکتے مگر دل میں تو ہم ضرور کہیں گے کہ ٹھوٹا یا فرضی مقدمہ ہے۔

استغفر اللہ۔ کیا حماقت کی بات تم نے اس وقت کی جو کوئی اس بیان کو قصداً حکایت سمجھے وہ خدا نادر ہے۔ نیتِ قصہ ہے نہ حکایت ہے۔ بلکہ خدا نے اصلی حالاتِ خلقت انسانی کو جسے اس زمانہ کے حکماء فہم کرتے ہیں خود انسان کی خلقت کی زبانِ حال سے بیان کیا ہے جو ایک نہایت عمدہ

اور صیغ اور مؤثر طریقہ بیان کا ہے جو لوگ اس سے ہدایت پانے کا دل رکھتے ہیں ہدایت پاتے ہیں۔ جو نہیں رکھتے وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ کہما قال اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ۔ یضل بہ کثیراً و یهدی بیکثیراً۔

پرتنام عبادت اور تمام شکر اور تمام انسانیت یہی ہے کہ انسان اپنے تمام قوتوں کو جو خدا نے اُسکو دیئے ہیں کام میں لائے۔ اور اُسی طرح پر کام میں لاوے جس طرح کہ اُن کا کام میں لانا اُن کے صانع کی مرضی ہو اور اُس مرضی کے انسان پر ظاہر ہونے کا خدا تعالیٰ نے ان لفظوں سے وعدہ کیا ہے۔ اھبطوا منھا جمیعاً فاما یا تبتکم متی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون + والذین کفروا و کذبوا یا یذنبوا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون +

خط

نوشتہ سید احمد

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب

مجتبیٰ مہدی۔ میں نے آپ کا مضمون جس کا عنوان سوال و جواب ہے دیکھا اور اُس طرح بے قصد دل سے اُٹھنے والے شوق سے وجہ کیا جس طرح کہ آدم نے انجان جانب کا رخ خدا کی بات پر وجہ کیا تھا۔ زندہ باشی و جانمن باشی۔ آمین۔ مگر میں ایک بات پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں کہ اپنے ذیل الفاظ قرآن مجید کی اُن کے مدلول ظاہری سے یا اُن مدلولات سے جو لوگوں نے اپنے خیال میں اُن الفاظ کا مدلول ٹھہرا رکھا ہے مگر اُس کی تفسیر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ پانچ مانوں میں جائز رکھی ہے یا لایس بہ قصد کیا ہے یا اُس تاویل کو انکار جزو قرآن قدر نہیں دیا اور یہ بالکل حق اور سچ ہے امتنا و صدقنا۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ یہ مقام فرماتے ہیں کہ اگر الفاظ اور کلمات کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی اور موجودہ واقعہ سے ہوتی ہو تو ظاہری

معنی مراد لیئے جاویں گے " اور دوسرے مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں کہ " اسرار موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشبیہ ان کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب سنت سے ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوا سے اور نام و نمون کے کوئی عقلی دلیل ہو تو ان سارے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا تشبیہی کے جائز ہے یا انکار جزو قرآن سے نہیں ہے " **جنزلك الله في الدارين خيرا** +

اب خیال کرو کہ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ یا نام آیا ہے۔ مگر اس کی حقیقت و ماہیت کچھ ان نہیں ہوئی۔ یہودیوں نے اور مشرکین عرب نے اس کی ایک صورت و حقیقت اپنے ذہن میں سمجھ رکھی تھی اور بعض قوموں نے ظلمت و نور کو اور بعضوں نے احرار و بردار کو شیطان اور خدا سمجھ رکھا تھا اور علیٰ ہذا القیاس ہر ایک قوم نے اپنے اپنے خیالات کے موافق شیطان کی ایک حقیقت سمجھ رکھی تھی یا قرار دی تھی۔ قرآن مجید میں یہ نام تو آیا مگر اس کی حقیقت یا ماہیت کچھ بیان نہیں ہوئی +

البتہ ہم اس کی کچھ صفات قرآن مجید اور بعض احادیث سے پاتے ہیں۔ بڑی ہفت اس کی جو بجز لفظیات کے ہے اور جس سے گویا اس کی حقیقت یا ماہیت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف نفوسِ اہم ہی نہیں تھا بلکہ وہ ماقیامت نفوسِ للانسان علیٰ العصیۃ ہے۔ کہ قال اللہ تبارک و تعالیٰ **قال فجذر نك لاغوينهم اجمعین** اور یہ کہ وہ ہمارے بدن میں ہمارے خون کے ساتھ پھرتا ہے۔ کہ ماری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **الشيطان یجری من الانسان مجرى الدم** اور یہ کہ وہ ہم میں اور ہمارے نمازیں خواہ نماز کا وجود موجود فی الخارج سمجھو یا نہ سمجھو داخل ہو جاتا ہے۔ کہ ماری عنہ **صلعم الشيطان حال بینی و بین صلاتی پس ہی اوصاف حمیدہ ان بزرگ ذات کے ہیں جو ہر کوشاں نے بتائے ہیں +**

اب ہم اس کا کرتے ہیں کہ شل اہل حبت کے لفظ شیطان سے ایک وجود مستقل موجود فی الخارج موجد کیسے کہ حتیٰ التعداد ہر دم سے اُسے کسی کا وجود ہو تو قتل موجود فی الخارج سمجھنا چاہئے کی اس سمجھنے کیلئے کہ جسے کہ حقیقت اس کا وجود نہ ہو کہ جسے کہ یہ وجود کا اثر تا طعی اثر قوی بھی چاہئے کہ یہ نہ فرام سے جو خارجی تسلیم کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اگر اس کا وجود خارجی ثابت نہ ہو سکیگا تو لامحالہ وجود خیالی یا عقلی یا تشبیہی قرار دینا پڑے گا جیسا کہ آپ نے اصول متفقہ پنجانہ میں فرمایا ہے +



اَب ان صفات شیطان کا جو ہمارے پاک خدا اور سچے پیغمبر کے بتلائی ہیں ہم اپنے میں اثر تو پاتے ہیں مگر کسی وجود خارجی کو نہیں پاتے۔ دن رات ہمارے شیطان ہمارے ہر گناہوں میں پھنساتا ہے۔ مگر کوئی وجود خارجی محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہم بالیقین پاتے ہیں کہ خود ہم ہی ہیں ایک قوت ہے جو ہمارے رستے پر پھرتی ہے۔ ہمارے ہر اہل توحیدوں سے ہر گناہی ہے شیطان سمجھ کر اُسکی ڈھڑکی پر لپکتے ہیں اور دُور سے طمانچہ مارتے ہیں۔ مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اپنی ہی سید ڈھڑکی اپنے اُنہیں اور اپنا ہی گال اُلٹکتے ہیں ۛ

پس اگر ہم شیطان کے لفظ سے وجود خارجی مراد لیں تو نہ تو مراد لے سکتے ہیں اس لیے کہ اُس کے وجود خارجی کا ثبوت واجب ہے حالانکہ کچھ ثبوت نہیں اور نیز اس موجودہ واقعیت کے برخلاف ہے کیونکہ اُسکی صفات مخصوصہ کا اثر ہم کسی دوسرے وجود سے نہیں پاتے بلکہ خود اپنے آپ میں پاتے ہیں نیز سینہ کتاب سنت سے اُس کے وجود خارجی کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف اوام و ظنون سے لوگوں نے اُس کا وجود خارجی ٹھہرایا ہے۔ اس لیے واجب ہے کہ مجملہ اقسام وجود کے سوائے وجود خارجی کے اور کسی قسم کا وجود شیطان کا سمجھا جاوے فتدبر والسلام ۛ

خط

نوشتہ احمدیہ

بنام

مولوی سید مہدی علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

پیادے مہدی۔ افسوس اپنے مجھ کو بہت انتظار میں رکھا اور میرے خط کا جوہر اپنی انشا کے تہذیب و اخلاق میں چھپا کچھ جواب نہ دیا۔ یہ نہ کھلا کرتیں خطاب کے لائق نہ تھا یا میرا خط کبھی لا جواب تھا ۛ

پیر سے پیادے مہدی یس آپ کو ہمیشہ کما کرتا ہوں کہ جو خراب اثر شرعی طریقہ تعلیم کا

اشنان کے لال و طبیعت پر ہوتا ہے اُس سے آپ کبھی ایمن نہ رہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ نبی خیر الزمان  
صلوٰہ کو آدمی محض رکھنے میں کیا حکمت تھی۔ یہی حکمت تھی کہ نیچر ان فیض جو اندرونی چشموں کو جاری  
رہتا ہے اُس کو کوئی بیرونی چیز مزاحم نہ ہو اور کچھ باہر نکلے خالص بے سیل ہو۔ پس آپ ہمیشہ  
نیچر کے سرخسہ کے جاری رکھنے پر توجہ راکریں اور جس علم کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ العلم  
جواب الکاہل اُس کے پیرو ہرگز نہ ہوں +

مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل یہ بات کہتا ہو گا کہ لفظ شیطان سے اگر کوئی وجود خارج  
ملا انسان مرید پیدا ہے تو ضرور قرآن مجید کو نوزبات غلط یا خلاص واقع ماننا پڑے گا کیونکہ  
حقیقت میں کوئی وجود خارجی بنوی للانسان موجود نہیں ہے +

اور یقینی آپ کا دل اس بات پر بھی گواہی دیتا ہو گا کہ شیطان کے وجود خارجی ہونیکا کوئی  
ثبوت موجود نہیں ہے جو لوگ اُس کے قائل ہوئے ہیں اُنھوں نے خود اپنی ہی صورت  
آئینہ بن بھی ہے +

اور یقینی آپ کا دل اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہو گا کہ جو لوگ شیطان کے وجود خارجی کا  
دعوٰی کرتے ہیں اُس کا اثبات انہی کے ذمہ ہے۔ اور اُن لوگوں کی دلیلوں کو جو اُس کے  
وجود خارجی سے منکر ہیں ناقص کہہ دینا اور اُن سے مخالفت کرنا اور اُن کی سمجھ اور فہم پر افسوس  
کرنا کافی نہیں ہے +

اور یقین کرتا ہوں کہ آپ نے جو یہ الفاظ ارتقا م فرمائے ہیں کہ ”وجود جانی سے شیطان  
کے انکار کرنا کفر نہیں ہے“ کو بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ ”آپ کو اس تحریر سے نہایت افسوس ہوا  
ہو گا پس پشیمانی کی بات کہہ کر دوا کر کیا کر دو کہ جس کے بعد افسوس نہ ہو +

آپ یہ دوسرا خط پڑھو ”آدم کے قصہ کی نسبت لکھتا ہوں۔ ممکن نہیں ہے کہ کچھ قرآن مجید  
میں لکھا ہے اُس سے بیان حال کے سوا اور کچھ ملا لجا سکے یا سمجھی جاسکے +

پہلی ہم اللہ قرآن مجید میں لفظ خال کا نسبت خدا اور فرشتوں اور شیطان کے آیت ہے کوئی  
شخص نہیں کہہ سکا کہ ان تینوں جگہ لفظ خال کا اپنے حقیقی معنوں میں متعل ہے کیونکہ کوئی شخص  
خدا کے قول کو مثل افعال انسان ہر کب صوت والفاظ سے یقین نہیں کر سکتا اور غالباً اقوال  
فرشتگان شیطان کے بھی اس قسم کے نہ ہونگے پس اب لفظ خال سے کوئی اور معنی مراد لو۔ تجرّد  
کرنے سے حقیقی کے جو کچھ کہ آدم و شیطان اور فرشتوں کی نسبت بیان ہوا ہے وہ قصہ اور حکایت

نہیں رہنے کی جگہ صرف مال بچا دیکھا۔ وما هو الا ما اللهم نبي +  
 یہ لفظ شجر کا قرآن مجید میں موجود ہے کیا حقیقت میں وہ ایسا ہی درخت تھا جیسا اللہ مالی  
 اور ملکوسان ہو یا کبریا ہے اور جس کی حقیقی معنی لفظ شجر کے ہمارے خیال میں آتے ہیں۔ غالباً اسکا  
 تو آپ قرآن کریم کے بلکہ کوئی اور مراد شجر سے لگے۔ پس جہاں آپ نے لفظ شجر سے اُس کے حقیقی  
 معنی یا اللہ اور ملکوکا ہو یا ہوا درخت مراد لیتے تو صرف وہ ایک قلیل رہ جاوے گی۔ وما هو  
 الا ما اللهم نبي +

کیا سچ صحیح آپ یہ یقین کرتے ہیں کہ لفظ فبدت لهما سو اُنہما سے حقیقت میں ہی مراد  
 ہے کہ نو ذابتہ حضرت آدم کی وہ چیز گول گول و لمبی لمبی دیکھائی دینے لگی تھی۔ کیا حقیقت میں  
 اُس سے حضرت خدائے شریک شریک مراد ہے۔ مگر ان الفاظ کو آپ اپنے حقیقی معنی میں استعمال کیجئے ہیں  
 تو کس قدر سخی اور غم کی بات ہے کہ آپ سا آدمی جو مہدی بذلزلان ہو مفسروں اور ترجمانیوں  
 کی ایسی بلاوت کی پیروی کرے۔ کیا لفظ "سوء" کے آرمعنی عرب کی زبان میں نہیں ہیں اور  
 کیا یہ لفظ آدمیوں میں استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اسی صورت میں اور انہی لفظوں کے بعد خدا تعالیٰ  
 فرماتا ہے یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا واری سوا نکم وورثا ولباس التقویٰ  
 ذلک خیر ذلک من ایات اللہ لعالم یرید کروں۔ یا بنی آدم لا یفتنکم الشیطان  
 کما اخرج ابویکم من الجنة یزع عنہما لباسہما لیرہما سرا دہما اندر لکھو  
 و قبلہ من حیث لا تر و فہما نا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون یعنی اُن  
 سورہ عرف میں فرماتا ہے کہ اے آدم کے بچے تم کو شیطان بہکاوے جس طرح کہ تمہارے باپ  
 کو بہشت میں سے (بہکا کر) نکالا چھین لیا اُن سے اُن کا لباس (یعنی لباس تقویٰ) اتار دیا  
 اُن کو اُن کی برائیاں بے شک وہ اور اُس کا گنہگار بچتا ہے اس طرح کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے

لہ فی القاموس السوء الفرج والفاحشہ والنخلۃ القبیحۃ۔

فی التفسیر الکبیر بدوۃ العورتۃ کثایۃ عن سقوط الحرمة وزوال الحیاۃ والمعنی ان  
 غرض من القاء تلک الوسوۃ علی آدم زوال حرمتہ وزہاب منصبہ۔ الخ

لہ ای لباس تقویٰ ہما بدلیل قولہ تعالیٰ ولباس التقویٰ ذلک خیر۔

لہ ای الخلدۃ القبیحۃ الی کانتہ مستورا فیہما +

بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا مربی کیا ہے جو ایمان نہیں لائے؟  
پس بن تمام آیتوں کو ملاؤ اور غور کرو کہ یہ سب تشبیہ و استعارہ ہے۔ ان سے منی حقیقی مراد  
نہیں ہیں جیسا کہ اذکار نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ پس آپ تمثیل ہونے میں کیا باقی رہ گیا وما هو  
ہو اما الہمنی ربی؟

بھائی مددی۔ برائے خدا آپ ذرا انصاف کریں کہ قرآن مجید کے میسنی لینے کہ جب آدم و حوا  
نے گیہوں کے درخت کا پھل کھا لیا تو ان کے اعضا مخصوصہ دکھائی دینے لگے۔ قرآن مجید کی  
خوبی اور اس کے ادب اور اس کے حکمت سے بھرے ہوئے ہوتے پر یقین کرنا ہے یا یہی  
لینے کہ اس قوت کی ترغیب ظاہر کر دیا کہ انسان میں خدا کی نافرمانی کرنے کی بُرائی ہے قرآن کی  
ہدایت اور اس کی عزت اور اس کا حکمت و معرفت سے بھرا ہوا ہونا یقین کرنا ہے۔ اگر پہلے ہی  
سچ ہوں تو مجھ پر ہی سے کہنا پڑے گا کہ ”سخن فہمی عالم بالا معلوم شد“ حضرت کو بھگتوں نے بھی  
نہیں آتے چہ جائے خدائی کجا گیہوں آنا اور کجا اعضائے مخصوصہ کا دکھائی دینا۔ تعذیب اللہ  
منہا۔

خدا کی عظمت و شان کو خیال کرو اور پھر قصہ آدم کو دیکھو اور کہو کہ تمہارا دل یقین کرتا ہے کہ  
خدا میں اور فرشتوں میں ایسی تکرار اور مناظرہ ہوا ہو جیسا کہ الفاظ ظاہری سے سمجھا جاتا ہے پس  
اگر ان الفاظ کے دوسری معنی ہوں تو خدا میں اور فرشتوں میں خدائی اور بندگی کا ہیکو ہوئی جیسا کہ  
کی تو تو میں نہیں ہوئی۔ اگر یہ سچ ہو تو ہم کو اپنے نوکروں کی بھی شکایت نہیں ہے کی کیو جو خدا کے  
نوکروں سے نوکروں سے بھی زیادہ تر ہے میں؟

ابن تمام قصہ سے اگر دوسری ظاہر ہی مراد ہوں تو خدا کے علوم و تربت اور تقدس اور تنزیہ میں بنا  
لگتا ہے پس اسی اصول سے جو آپ نے قائم کیا ہے کہ ایسی حالت میں عدل منی حقیقی سے ضرور  
ہے۔ تمام قصہ تمثیلی رہ جاتا ہے۔ پہلی۔ وما هو کلاما الہمنی ربی؟

اگر آپ نے اس بات کا یقین کر لیا ہے کہ (اور یقین کرنا ہوتا ہے) کہ یقین کر لیا ہے شیطان  
کا کوئی وجود خارج عن الانسان نہیں ہے تو تو سرگزشت آدم کی تمثیلی اور بیان حال ہونے میں کچھ کلام ہی  
نہ رہیگا۔ وما هو کلاما الہمنی ربی؟

آپ کی توجہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ”قرآن مجید میں حنبت اور کرم اور درنت کے کلمے اور  
لایک کے معنی کرنے وغیرہ کا ذکر ہے۔ مگر ان کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ خدیت

کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے۔ اور پھر اُس کے بعد ارقام فرماتے ہو کہ اگر ایسی تاویل مخصوص  
 صریح کی جائے تو بالکل اعتبار ظاہر تربیت سے اٹھ جاوے۔ بھائی یہاں ذرا انصاف کرو کہ خود  
 ہی لکھتے ہو کہ ان چیزوں کی کچھ زیادہ تر حقیقت خلد نے نہیں بتائی اور پھر اُن کو مخصوص صریح کہتے ہو  
 جب اُن کی حقیقت ہی نہیں بتائی تو وہ مخصوص صریح کیونکر ہوئیں۔ فتلہا ہر ۛ

خلد نے قلد نے قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے نازل کیا ہے جن میں ہر درجہ علم و عقل  
 و فہم کے لوگ شامل ہیں اور جو قرآن یہ ہے کہ مضامین ترقی اور مسائل حکمیہ پر ایسے لفظوں میں  
 بیان کیے ہیں کہ ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں فہم اور یکساں روحانی تربیت حاصل ہوتی ہے ۛ  
 اس کی تصدیق سرگزشت آدم سے نبوی حاصل ہے انسان کا پھر جن قوتوں سے بنا ہے اور  
 جو قوتیں بھالی اور بُرائی کی اُس میں رکھی ہیں اور جس طرح کہ وہ اُن قوتوں پر قادر ہے اور جس طرح کہ  
 وہ اُن قوتوں کے سبب مجبور ہے اُن کا بیان کرنا اور ہر درجہ کے لوگوں کو یکساں نتیجہ روحانی  
 تربیت کا پہنچانا ایسا مشکل کام تھا جو انسان کی طاقت سے باہر تھا۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اُس نے  
 اُسکو ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ اگر عام آدمی سمجھ لیں کہ انسان ایک جود ہے اور شیطان  
 ایک جود علیحدہ ہے جو ہموں میں کھائی دیتا پر ہم کو وہ دیکھتا ہے اور ہم کو اس طرح چپکے سے کھیتا دیتا  
 ہے کہ ہم نہیں جانتے اور ہموں میں چھپا دیتا ہے پس ہموں چاہیے کہ ایک ایسی تسبیح تلاش کیا  
 کی دم کے لیکر لا حول پڑھتے ہیں اور دل کو اُسکے پھندے میں آنے میں بلکہ خلد کی فراموش داری اور  
 عبادت میں مصروف ہیں تو بس سمجھتے ہیں کہ یہی نتیجہ اور روحانی تربیت حاصل ہوگی جس طرح کہ ایک انا  
 نیچرل لسٹ اُس کی حقیقت کو خیال کرے اور سمجھے کہ وہ سب انسان کے نیچر کا بیان ہے جو عقلی  
 لفظوں میں انسان کے نیچر کی بان مال سے بیان ہوا ہے پھر اس طرح سے بیان کرنا ایک بہت بڑا  
 معجزہ قرآن مجید کا ہے مگر بس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اسکو بدعت لکھا ہے۔ اگر حقیقت

اسلام اور اسلام دین بدعت ہے تو معلوم نہیں کہ ہدایت کیا ہوگی ۛ  
 آپ خیال کیجیے کہ علماء سابقین اسلام کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کے مطالب کا بیان اکثر کرتے  
 تھے کچھ تو ان کو بسبب شدت اتقا اور خوف مصیبت کے یہ ہم ہوتا تھا کہ جو کچھ حقیقت ہم سمجھتے ہیں  
 شاید وہ حقیقت نہ ہو اور خلد کی ملودہ نہ ہو اور اُس کے بیان سے ہم گمراہ ہوں اور بچان کو خیال  
 تھا کہ اُن باتوں کی حقیقت بیان کرنے کی کچھ شہرت نہیں ہے۔ کم علم اور جاہل جو بکثرت ہیں وہ  
 اپنی لفظوں سے کافی روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اور جو عالم ہیں جیسے امام حجت الاسلام غزالی جو

وہ خود اُن کی حقیقت جانتے ہیں اور کافی روحانی تربیت پاتے ہیں ان خیالات سے اُنہوں نے  
اُنہی الفاظ کو بیان کر دینا مناسب سمجھا جو قرآن مجید میں ہے اور اُن کی مراد کی نسبت کہدیا کہ خدا کو  
معلوم ہے۔ ہم تو کلام خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو اسکی حقیقت خدا کے علم میں ہو وہی ہمارا  
ایمان ہے۔

مگر اُن کا زمانہ ایسا تھا کہ لاادری کہ اُن کا چھپا چھوٹ گیا مگر ہمارا زمانہ ایسا نہیں ہے۔ تمام  
علوم گوہر میں نہسی مگر دوسری قوموں میں بدرجہ اعلیٰ پہنچ گئے اور پہنچتے جاتے ہیں تخلیق اشیاء  
روز بروز واضح ہوتی جاتی ہیں اور جہاں تک بغیر کسی شک کے معلوم ہو گئی ہیں وہ درجہ یقین پر  
پہنچ گئی ہیں۔ پس اس زمانہ میں کسی بات کے مدعی کو دعویٰ کرنا اور پھر لاادری کہدینا کافی نہیں  
ایسا کرنا خود اپنی ہنسی اور نمانا ہے بلکہ ہر بات کا ثبوت اور کافی تسلی بخش بیان چاہیئے اس لیے جو  
لوگ دعویٰ اسلام کرتے ہیں اُن کا کسی مسئلہ اسلامی کی نسبت لاادری کہنا خود اپنی حماقت ظاہر کرنا  
ہے۔ پس اس زمانہ میں ضرور ہے کہ دھوکہ کی ٹی کو اٹھانا لااجاوے اور تمام مسائل اسلام کی حقیقت  
علانیہ بیان کی جاوے تاکہ اسکی روشنی آفتاب کی طرح چمکے اور اسرار دین سب کو معلوم ہوں اور  
لوگ یوں کہنے لگیں۔

سبح خدا کہ عارف عابد یکس گفت

در حیرت کہ بارہ فروش از گنجاشنید

ایک خط جناب مولوی عبید اللہ صاحب عبیدی کا اسی قصہ آدم کی نسبت میرے پاس آیا  
ہے۔ اسکی نقل آپ کے ملاحظہ کے لیے اس میں شامل ہے۔

اب کسی فرصت کے وقت تیسرے خط آپ کو عیسائیوں کے گردن مروڑی مرغی کی نسبت لکھونگا  
اور امید ہے کہ آپ مثل ان دونوں خطوں کے اسکو بھی منصفانہ اور محققانہ تصور فرماویں گے۔  
خدا آپ کو خوش رکھے اور اپنا محبوب گو کہ ہم رشک کیا کریں۔ والسلام۔

عقاید مذہب اسلام

عَقِيدَةُ اَوَّل

تمام ہجرات کا خالق یا اُن کے وجود کا سبب اخیر یا علت اعلیٰ کوئی ہے اور ایسی کا

نام ہے اللہ :

مذہب اسلام کا سب سے پہلا عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا کوئی خالق ہے۔ یہ سب کچھ جو ہر  
ہے اور جس کو ہم کسی طرح جان سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں یا خیال کر سکتے ہیں ایک ایسے سلسلے سے مربوط  
ہے کہ ایک کا وجود دوسرے پر اور دوسرے کا تیسرے پر منحصر ہے۔ پس ضرور ہے کہ یہ سلسلہ  
کسی آخر وجود یا علت یا سبب پر منتهی ہو اور جس پر یہ منتهی ہو وہی خالق اور خدا اور  
رب العالمین ہے :

اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ جو ہر وجود ہے خود آپ ہی اپنے وجود کی انجیل  
ہے۔ مگر جو بات میں سے ہر چیز اپنے وجود میں کسی دوسرے وجود کی محتاج نہ ہوتی یا کسی کا وجود کسی  
دوسرے کا وجود کا حصول نہ ہوتا تو شاید ہم ایسا یقین کر سکتے۔ مگر جبکہ ہر ایک چیز کو کسی علت کا عمل  
پاتے ہیں تو انہی چیزوں کے مجموعہ کو کس طرح کسی علت اسل کا حصول نہ سمجھیں ؟  
تو ان چیزیں جو جو حقیقی موجود ہیں نہ متنع ہیں نہ قابل عدم۔ اگر وہ متنع ہوتیں تو جو جو دیکھیں تو  
اور اگر قابل عدم ہوتیں تو کبھی خیر موجود بھی ہوتیں :

ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی موجود حقیقی کبھی معدوم نہیں ہوتا صرف عوارض یا صور کا تبدیل ہوتا رہتا  
ہے۔ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہوا پانی بن جاتی ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جو مٹی ہو جاتی ہیں اور پھر مٹی  
سے عجیب عجیب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ غرض کہ کوئی شے معدوم نہیں ہوتی صرف عوارض یا صورت  
کا اول بدل ہوتا رہتا ہے۔ پس اگر تمام موجودات کے عوارض تو معدوم یا مٹھیں معدوم ہو جائیں تو  
جو کچھ باقی رہ جائے وہ ناقابل عدم ہوگا۔ وقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ کل من علیہا فان ینی  
وجہہ ربک ذوالجلال واکرام :

بلشبائیں بات کا فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ تمام موجودات کے عوارض تو معدوم و مٹھیں کے معدوم  
ہونے کے بعد جو دنیا قابل عدم باقی رہ جائے کیا ہے اور وہ ایک ہوگا یا کئی۔ مگر اس بات کے  
فیصلہ ہونے سے خالق کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ اس ناقابل عدم موجود کی حقیقت  
کو اس کی وحدت و کثرت کو خالق کے وجود کے ہونے یا نہ ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے :

اگر وہ متعدد ہوں تو ابنت یہ سوال کہنا پڑے گا کہ قبول عوارض کی قوت خود انہی میں ہے یا کسی  
دوسرے موجود سے ہے۔ خود انہی میں تو ہم اس لیے نہیں مانتے کہ جب ہم تمام موجودات کو عوارض  
تو معدوم و مٹھیں سمجھتے ہیں تو ایک۔ کہ دوسرے کا معاون پاتے ہیں۔ پس ان موجودات کے عوارض تو معدوم

شخصیہ کے معدوم تصور کرنے کے بعد جو متعدد وجودات قابل عدم باقی رہ گئے ضرور وہ بھی ایک دوسرے کے معاون ہوں گے۔ مگر اُن کے ایسا ہونے کے لیے بلا کسی علت مشترک کے کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اُن میں اُس معاونت کی علت مشترک کوئی آذر وجود ہوا اور اُسی وجود کو ہم کہتے ہیں اللہ +

اور اگر وہ واحد ہو تو یہ سوال ہو گا کہ قبول عوارض کی قوت خود اُسی میں ہے یا کوئی دوسرا وجود اُسکی علت ہے۔ اگر اُسی میں ہو تو اُسی کا نام اللہ ہے۔ اور اگر دوسرا وجود اُسکی علت ہو تو اُسی علت العلل کا نام اللہ ہے +

کبراء اسلام کی رائے اس میں مختلف رہی ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ اُسی وجود ناقابل عدم میں دونوں قوتیں فعل و انفعال کی گہنی جس کو قوت قبول عراض کہتے ہیں موجود ہیں اور اُسی سبب سے وہ لوگ علت وجود کے قایل ہیں اور یوں کہتے ہیں۔۔۔  
خود کو نہ و خود کو نہ گرد خود گل کو نہ

خود بر سر بازار خسرید ار بر آمد۔ بشت درواں شد  
اور بعضے کہتے ہیں کہ اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود ہے اور اس سبب سے وہ لوگ وحدت شہود کے قایل ہیں مگر اصل یہ ہے کہ۔

آں برتر از خیال و قیاس گمان مہم  
فدہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندیم  
بحر حال ان دونوں مسئلوں میں کوئی سا مسئلہ صحیح ہو اس اسلامی سلسلے میں کہ تمام موجودات کا کوئی خالق ہے کسی طرح کا تبدل نہیں آتا +

وحدت شہود کے سلسلہ کو لوگوں نے کفر جانا ہے۔ وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ اُس وجود ناقابل عدم کو بھی جس میں اُس قوت انفعال کی علت دوسرا وجود مانا ہے انہی ابتدائی ماننا پڑے گا جو ٹھیک ٹھیک شرک ہے یا اُن کا مذہب ہے جو ضلّ اور ملامہ دو چیزوں کی انہی وادبی نیتے ہیں اور بعضے اُسی کو خلقت اور نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ اُن لوگوں کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ معلول کا وجود علت کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ مگر حسب معلول کا وجود علت کے وجود کے سبب ہے تو شرک کہاں گا۔ علت انہی وادبی کا معلول انہی کی وادبی ہے۔ ہم بھی جبکہ علت انہی وادبی کے معلول میں تو انہی وادبی ہیں۔ تم بھی انہی کی



وادی ہو۔ ہم بھی انہی وادی ہیں۔

مخلوق شہیم و باخلاق گشتیم  
جائیکہ خدا بود من ہسم بودیم

پس انہی وجودات کے وجود سے ہم خالق پر یقین کرتے ہیں۔

اس پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو یقین نہیں ہے بلکہ ایک خیال ہے جس کا تجربہ نہیں ہوا اور خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے وہ مطابق واقع کے ہوا نہ ہو دونوں داخل ہیں۔ ہم نے اس خیال کا تجربہ نہیں کیا پھر اس کے مطابق واقع ہونے پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے۔

یہ کہنا سچ ہے مگر ہمارے خیالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو خود ہمارے طبیعتوں نے پیدا کیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہوں۔ بلاشبہ اس قسم کے خیال کے مفہوم میں امکان اس بات کا کہ بعد تجربہ کے مطابق واقع کے ہوا نہ ہو داخل ہے مگر ہمارے خیالات جو دوسری قسم کے ہیں جن کو نہ از خود ہماری طبیعتوں نے پیدا کیا ہے اور نہ وہ اسباب غیر محققہ خیالیہ سے ہم میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ ان کو کسی دوسرے حقائق محققہ نے پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ ہوتے ہیں اور بالکل مطابق واقع کے بعد تجربہ کے۔

جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک آواز یا دیکھتے ہیں ایک دھواں تو ہم خیال کرتے ہیں کہ وہاں ہے ایک آواز کرنے والا یا وہاں ہے ایک آگ۔ ہمارا یہ خیال کہنا بھی ایک خیال ہے مگر اس قسم کا نہیں ہے جو از خود ہماری طبیعت میں آگیا ہو یا اسباب غیر محققہ خیالیہ نے ہم میں پیدا کیا ہو بلکہ ایک ایسا خیال ہے جسکو دوسرے حقائق محققہ نے پیدا کیا ہے۔ ہمارا یہ خیال ہمیشہ سچا ہے۔ ٹھیک و بعد تجربہ کے بالکل مطابق واقع کے اگر ہم نے خود اس چیز میں جس نے ہم میں ایسا خیال پیدا کیا ہے غلطی نہ کی ہو۔

جبکہ ہم پاتے ہیں چند چیزوں کو ایک جگہ ترتیب سے رکھا ہوا یا خوبصورت بنا ہوا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ان کا کوئی رکھنے والا یا بنانے والا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں اس تمام موجود کو ایسی عمدہ ترتیب سے رکھا ہوا اور ایسی ہیئت سے بنا ہوا اور ایسی خوبصورتی سے ڈھلا ہوا تو یقین کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کا ترتیب دینے والا اور بنانے والا ہے۔ جبکہ ہم ایک پتھر کو جو رستہ میں پڑا ہوا ہے دیکھ کر یقین کرتے ہیں کہ اس کو کسی نے یہاں ڈالا ہے تو ہم کیونکر اس بات پر

یقین نہ کریں کہ ان سب چیزوں کو بھی جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں کسی بڑے دانہ کار گیر نے بنایا ہے اور اسی کارِ بزرگ کو ہم کہتے ہیں خدا۔

یہ خیال ہمارا جو خدا کے ہونے پر رہا ہے اُسکو ایسی چیزوں نے پیدا کیا ہے جو ایک حقیقت ہیں یا یوں کہو کہ جو حقائق محققہ ہیں اور ہم نے اس قسم کے خیال کو ہمیشہ ٹھیک اور بعد تجربہ کے مطابق واقعہ کے پایا ہے اس لئے ہم اس خیال پر بھی یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد تجربہ بھی جب کبھی کہو یہ ہمارا خیال بالکل مطابق واقعہ کے ہو گا اور اسی لئے ہم اسکو خیال نہیں تھے بلکہ یقین کہتے ہیں۔

پس یہ تمام موجودات عام عقلِ انسانی کے لئے بخوبی اس بات کی رہنما ہیں کہ ان کا کوئی خالق ہے اور اس لئے وجود خالق پر ایمان لانے کا ایسا مسئلہ ہے کہ عام عقلِ انسانی اُسکو بخوبی سمجھ لیتی ہے اور اسی سبب سے انسان اُس پر ایمان لانے کو مُکلف ہوا ہے۔ اگر مسئلہ عقلِ انسانی اُس لئے ہے یا یوں کہو کہ انسان کی سمجھ کے لائق نہ ہوتا تو انسان ہرگز اس مسئلہ پر ایمان لانے کو اُلٹ نہ کیا جاتا۔ کما قالَ اللہ تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا وِکَلًّا وَسَعًا۔

بائی اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے کہ وجودِ مصلح کا مسئلہ انسان بغیر سمجھے مان لیں یا اس جس سے توحیدِ کرم کریں کہ پیغمبروں نے فرمایا ہے۔ بلکہ بائی اسلام صاف صاف انہی موجودات کی قیادوں، اویں چوہرینہی قدرت اور فطرت کے عجائبات کو بتلاتا کر اور دکھلا دکھلا کر وجودِ مصلح پر ایمان نہ کو کہتا ہے۔

کس پیاری اور سچی زبان سے فرمایا ہے کہ ”اُسی کی نشانیاں ہیں سے ہے کہ کو مٹی سے لیا۔ پھر اُنہی نشانوں پر جان بجا چھینے ہوئے۔“

اُسی کی نشانیاں ہیں سے ہے کہ تمہارے لئے تم ہی سا جوڑا پیدا کیا تاکہ اُس سے دل کو رہے اور ایک عجیب قسم کی محبت اور دل کی پگلاہٹ تم میں رکھی سمجھنے والوں کے لئے ہیں بہت سی نشانیاں ہیں۔

”اُسی کی نشانیاں ہیں ہے آسمان و زمین کا پیدا کرنا تمہاری بولیں کا تمہاری رنگتوں کا۔“  
”اُسی کی نشانیاں ہیں سے رات کو تمہارا سو رہنا اور دن کو روٹی کے دھندے میں لگنا۔“

”اُسی کی نشانیاں ہیں سے بجلی بھی ہے جس میں کوک کا خوف اور سیف کی طع ہے کہ

پانی بر سے مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے؟  
 ”اُسی کی نشانیں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے قسمے ہوئے

میں؟“  
 ”اُسی کی نشانیں میں سے ہے کہ سیلی ہوا مینہ آنے کی خوشخبری دیتی ہے؟“  
 ”وہی اُسی ہے جو ہوا کو چلاتا ہے۔ پھر اُس سے بادلوں کو ہنگامتا ہے۔ پھر تمام آسمان میں  
 جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے۔ پھر اُن کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں  
 سے نو نمایاں نکلتی ہیں؟“

”آسمان سے اندازہ کے موافق مینہ برساتا ہے۔ پھر اُسکو زمین میں ٹھہراتا ہے۔ پھر اُسکے  
 سبب تمام اُسے لیے باغوں میں بہت سے سیوے اور کھجوریں اور گھجیرا پیدا کرتا ہے جن کو تم کھاتے  
 ہو پھاڑوں سے دفت لگاتا ہے جس میں سے تیل نکلتا ہے؟“

”تمام اُسے لیے تو جانوروں میں بھی بڑی نصیحت ہے۔ اُن کی چھاتوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے  
 اُسکو پیئے ہو اور بہت سے فائدے اُٹھاتے ہو۔ جیسے جانور تمام اُسے کھانے میں آتے ہیں۔  
 جانور بھی ٹھکرا اُٹھائے پھرتے ہیں اور کشتیاں بھی ٹھکرا اُٹھالیں جاتی ہیں؟“  
 ”زمین پر کس حکمت سے پہاڑ بنائے ہیں تاکہ وہ تلی رہے پھر اُن میں گھاٹیاں بنائی ہیں تاکہ  
 رشتہ میں ہرج نہ ہو؟“

”اُسی نے بنائی ہے لوت اور دن۔ سورج اور چاند جو اپنے اپنے گھیرے میں پھرتے ہیں؟“  
 ”تم اُنہی ہی کہیوں نہیں دیکھتے کہ کیسے عجیب طور سے بنایا ہے اور آسمان کو کس طرح اونچا  
 کیا ہے اور پہاڑوں کو کس طرح پر گاڑا ہے اور زمین کو کس طرح پر بچھایا ہے؟“  
 ”موجودہ کس طرح جا بجا قرآن مجید میں بانی اسلام نے صلح کے وجوہ پر ایمان لانے کو  
 تمام مہجرات سے جس کو ہم دیکھتے ہیں استدلال کیا ہے اور کسی جگہ یہ بات نہیں فرمائی کہ تم  
 بے محبہ خدا پر ایمان لے لو؟“

”کیسے جبر فرماتا ہے کہ اگر کافروں سے بھی یہ بات پوچھو کہ آسمان زمین کس نے بنایا اور  
 چاند سورج کو کس نے تاجدار کیا تو کیسے اُتدے؟“

”اگر اُن سے پوچھو کہ کس نے آسمان پر سے مینہ بھریا جس سے مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے؟  
 کیا تو کیسے اُتدے؟“

پس مذہب اسلام کا کیا سچا مسئلہ ہے کہ تمام انسانوں کو جنگلی ہوں یا پہاڑی شہری چلے یا دیہاتی تربیت یافتہ ہوں یا تہذیب یافتہ کسی نہی کی ان کو خبر ہو چکی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ کوئی مذہب ان کو یگانا ہو یا نہ دیا گیا ہو اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ تمام موجودات کا کوئی صانع ہے اور نہی ہے اللہ جل شانہ وجل جلالہ ۛ

## عقیدہ دوم

وہ ہستی جس کی ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یہی مثل اُس کے دوسری ہستی نہیں ۛ

تمام موجودات پر حسب ہر نظر کرتے ہیں تو باوی النظر میں ہر عجیب مختلف قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسری سے کچھ تعلق نہیں مگر حسب قیمتی نظر دلتے ہیں اور عجیب سوچتے ہیں اور حقایق قدرت پر بعد طاقت بشری واقفیت حاصل کرتے ہیں تب سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات آپس میں نیابت مناسبت رکھتی ہے اور صب کی سب ایک راہ پر چلتی ہے لیکن دوسری سلسلی مناسبت ہے اگر ایک چیز بھی موجودات میں سے معدوم ہو جاوے تو اس کو کہہ دھندے میں اتنا ہی نقصان آجاوے ۛ

تمام موجودات ایسی تدبیر و حکمت و مناسبت سے موجود ہے جیسے ایک گٹھری یا کُن کے مختلف پُرنے آپس میں مناسبت رکھتے ہیں اور بس سے ہموار اس بات کی ہدایت ہوتی ہے کہ یہ گو کہ دھند ایک ہی دانا حکیم کا لگا لگا لہو اور ایک ہی کاربگر کا بنایا ہوا ہے۔ اور عام عقل انسانی یہ دلیل سے خدا کی وحدانیت پر تقرر کر سکتی ہے اس لیے اس مسئلہ پر بھی ایمان لانا اسی طرح ہر ایک انسان پر فرض ہے جس طرح کہ وجود خالق کے مسئلہ پر ایمان لانا فرض تھا ۛ

لاشبہ یہ مسئلہ نسبت پہلے مسئلے کے کسی قدر زیادہ باریک ہے۔ جو لوگ کہ نچرل فلاسفہ یعنی علم طبیعیات سے زیادہ واقف ہیں اور جنہوں نے موجودات عالم میں سے بہت سی چیزوں کی بناوٹ اور پیدایش اور پھر ان کے انقلاب کا بعد طاقت بشری علم حاصل کیا ہے ان کا یقین اس مسئلہ پر سب زیادہ پختہ و مستحکم ہے۔ اور ان سے کہہ دے کہ لوگوں کو خود کسی قدر غور و فکر کی حاجت تھی ہے اور اُس سے اونٹنے درجہ کے لوگ دوسرے کی تنبیہ سے مستعد ہوئے اور کسی سے اُس کا بیان سُنانے کے متعلق ہوتے ہیں مگر یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ عام عقل انسانی کی سمجھ سے باہر ہو

تحقیقات کامل سے غماز خود سوچنے سے یا کسی کے سمجھانے سے انسان اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے  
 ادیسی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر ایمان لانا بوجہ سہل اسلام کے تمام اس پر فرض ہے۔ بانی  
 اسلام نے بھی اس مسئلہ کو کارخانہ قدرت کی دلیل سے سمجھایا ہے اور کسی جگہ بغیر اس کے ایمان لانے  
 کو نہیں فرمایا ہے۔

ایک جگہ فرمایا ہے: ”اُسکی کا ہے جو کچھ کہ آسان زمین میں ہے اور جو اُس کا ہے ریا اُس کے  
 پاس ہے“ اُسکی اطاعت سے نہ خوف ہوتا ہے اور نہ ٹھکتا ہے۔ رات دن اُسکی کی بزرگی  
 یاد کرتا ہے اور ذرا بھی سستی نہیں کرتا۔ کیا انھوں نے زمین کی چیزوں میں سے کسی کو خدا  
 ٹھہرایا ہے۔ اگر آسان زمین میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا۔

ایک اور مقام پر بانی اسلام نے اس سے بھی بیان فصیح و گزشتہ زبان سے نیچے سے خدا کی  
 وحدانیت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ کس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور کس نے برسیا  
 تمہارے لیے مینہ۔ پھر اُس سے نہایت پر رونق باغ اگائے۔ تمکو تو اُن کے اُگنے کی قدرت  
 دیتی پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟

اور کس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور کس نے اُسکے عجیب نہیں بہائیں اور کس نے  
 اُس پر پہاڑ گاڑے اور کس نے دوسرے درخت کی جگہ بنائیں اور کس نے پیدا کیا۔ پھر کیا خدا کے  
 ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟

”کون تمکو ہندو جیسے جنگلوں میں اور مندروں میں ستہ بتاتا ہے۔ کون مینہ برسنے سے پہلے اپنی  
 سہا جانی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا چلاتا ہے۔ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے  
 اگر تم جیسے ہو تو اُسکی دلیل لاؤ۔“

پس کچھ کہ کس طرح بانی اسلام نے توحید کا مسئلہ صرف کارخانہ قدرت کی حکمت اور اُسکی حکمت  
 سمجھا کر انسان کو سمجھایا ہے۔ یہ نہیں کہما کہ خواہ مخواہ بے سمجھے خدا کو ایک ان لو اور جگہ پر سلاسیا  
 تھا کہ ہر ایک انسان اسکو سمجھ سکتا تھا اس لیے بانی اسلام نے تمام انسانوں کو اس مسئلہ پر ایمان لایا  
 تکلف کیا اور کہہ دیا کہ تعالیٰ اللہ عما یشیر کون؟

ہاں بیشک ایک مشابہہ وار دہوت ہے کہ اس تمام کارخانہ قدرت سے جو ہم دیکھتے ہیں اور  
 سمجھتے ہیں یہ خیال سٹ نہیں سکتا کہ کیا عجب ہے کہ مثل اس کارخانہ قدرت کے کوئی اور کارخانہ  
 قدرت ہو جسکو اس سے کچھ تعلق نہ ہو اور اُس کارخانہ قدرت کا یہی کوئی اور مصلح اور

علت العلل اور موجودات اذلی وابدی ہو جیسا کہ اس کا رخا قدرت کا ہے تو پھر توحید خدا کی کس طرح پر ثابت ہوگی؟

ہم اس شبہ کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ ایک خیالی شبہ ہے جو رفع نہیں ہو سکتا مگر اسلام اولیایان کی بنیاد خیال پر نہیں ہے۔ فلسفہ اور عقلیہ بحث کو جو حالت فرضیہ غیر وجود سے ہوتی ہیں یقین سے اور ایمان سے کچھ متا سبت نہیں ہے۔ مولانا دوم نے اُسکے حق میں نہایت خوب فرمایا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود

پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یقین کے لیے ضرور ہے کہ مترض اول اس بات کا یقین دلائے کہ وہ حقیقت ایسا ہی دوسرا کار خدا قدرت موجود ہے اور اُس وقت کہے کہ خدا کی توحید ثابت نہیں مگر وہی دفعی اتوں سے خدا کے متعذر ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مذہب سلام کی رو سے انسان کو صرف وہی بات کا یقین کہ تمام چیزوں کا جن کو ہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور جو وہ پذیر ہیں اُن سب کا خدا ایک ہی ہے کافی اور کافی ہے اور اس قدر پر انسان مکلف ہے۔ اے مآبہ والحمد لله علی ذلک +

## عقیدہ سہ

### متعلق بہ صفات باری جل جلالہ

وہ ہستی جس کو ہم خدا یا علامہ اعلیٰ کہتے ہیں نہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے۔ چھونے میں اور خیال میں۔ تو ہم ہم انہی بات جاننے کے کہ ہے اور کچھ حقیقت اُسکی ذات کی نہیں مان سکتے۔ خدا بھی تو اپنی ذات کی حقیقت جس کو ہم نہیں بتا سکا۔ موسیٰ نے پوچھا کہ فرعون کے پاس یہ کیا پیغام لیکر جاؤں تو کیا بتاؤں کہ تو کون ہے تو یہی جواب ملا کہ میں ہی ہوں جو ہوں۔ پس جبکہ ہم ایک ذات کی حقیقت نہیں جان سکتے تو اُسکی صفات کی حقیقت بھی نہیں جان سکتے بلکہ وہ حقیقت اُسکو صحت کا حل نہیں قرار دینے کے۔

تمام صفات جن کو ہم خیال کر سکتے ہیں وہ سب نہوات ہیں جو ہم نے بخا خدا ان چیزوں کی جاننے کے جن کو ہم دیکھتے ہیں یا چھونے ہیں یا سمجھتے ہیں یا سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں یا غلبے ہیں مگر جبکہ

وہ ہستی باری ان سب حوس سے اوپر ہے تو ہم کو یہ نہ جان سکتے ہیں کہ وہ صفات اُس میں  
ہیں یا وہ اُن صفات کا محل بھی ہو سکتی ہے اس لئے تمام صفات جو خدا کی طرف نسبت کیجاتی  
ہیں اُن کو یوں کہا جاتا ہے کہ وہ صفات تو اُس میں ہیں مگر ویسی نہیں ہیں جیسے کہ جانتے ہیں  
یعنی جو حقیقت اُن صفات کی ہے موجودات عالم سے اخذ کر کر بھی ہے وہ حقیقت اُن صفات کی  
نہیں ہے جو اُس میں ہیں اور یہ کہنا ہمارا صاف صاف یہی کہنا ہے کہ اُن صفات کا جن کو ہم جانتے  
ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے ۛ

خدا کو بات پاؤں والا۔ سوخہ والا۔ بولتا۔ چلتا پھرتا۔ سنتا دیکھتا کرتا کرتا۔ جیتا جاگتا۔  
خوش ہونا والا۔ غما ہونا والا۔ سب کچھ کہتے ہیں۔ مگر اُس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے سے  
ماتھے پاؤں۔ ہمارا سوخہ۔ ہمارا بولنا۔ ہمارا چلنا پھرتا۔ ہمارا سنتا دیکھنا۔ ہمارا سا کرنا  
ہمارا جیتنا جاگنا۔ ہمارا خوش اور غما ہونا نہیں ہے۔ مگر جب پوچھو کہ اگر ویسا نہیں ہے تو پھر  
کیسے ہے تو جواب یہی ہو گا کہ ہم نہیں جانتے۔ بات کا تو بہت اُٹ پھر پوچھو اگر نتیجہ یہی نکلا کہ اُن  
صفات کا جن کو ہم جانتے ہیں اُس میں ہونا نہیں جانتے ۛ

صفات باری کا اُسکی نسبت یقین کرنا اس یقین سے نہیں ہے کہ وہ حقیقت وہ صفتیں  
جس طرح ہم اُن کو جانتے ہیں اُس میں ہیں یا وہ اُن کا محل ہے بلکہ وہ یقین اس وجہ سے ہے کہ  
ایسی ذات کو جو علتِ اعلیٰ ہے ان صفات کے مشابہتوں کا موصوف یا ان صفات کی مانند  
قدمتوں پر قائم ہونا لازم ہے کیونکہ بغیر اُن کے وہ علتِ اعلیٰ نہیں ہو سکتی جس کا  
علتِ اعلیٰ ہونا تسلیم کیا تھا ۛ

زندگی اور موت دو صفتیں ہیں جن کے منہم کو پہنے جاندا پھروں کے حالات سے اخذ  
کیا ہے کہ یہ یقین کر سکتے ہیں کہ اُس زندگی یا موت کا جبکہ ہم جانتے ہیں خدا کا محل ہو سکتا  
ہے یا نہ ہو مگر اُسکوئی لائقوت کہتے ہیں۔ دہریوں نے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں ان  
لفظوں کو جو صفات باری کی نسبت بولے گئے ہیں انہی مفہومات کا دال سمجھ لیا جو انہوں نے  
موجودات کے حالات سے اخذ کیے تھے اور پھر اُن صفات کے منکر ہو کر کہنے لگے کہ ہم کو یہ نہ  
یقین کریں کہ صفتِ قدرت کی یا رحم کی اُس میں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کب یقین کرتے ہیں  
اور ہم کب ان صفتوں کا جن کو ہم جانتے ہیں اُسکو محل قرار دیتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ جن صفتوں کو  
ہم جانتے ہیں یہی ہی ہے جو اُس علتِ اعلیٰ کی ذات کو لازم میں اور اسی لئے اُس کے لازم ذاتی

ہونے پر یقین ہے اور جو کثات اور لازم ذات عین ذات ہوتے ہیں اس لئے ہم اسکی صفات کو عین ذات اور اسکی ذات کو عین صفات قرار دیتے ہیں اور اسی بنا پر تیرا نہ گاتے ہیں کہ "انا صفتہ من صفات اللہ و صفاتہ عینہ فانا عینہ" اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ "لیس فی جبتی سوا اللہ" اور جب آور زیادہ کھول کر کہنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ "انا احد بلا صمیم"۔

عشق گرد راست مردی بر سر کار آورد

دہ چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد

گر بھی خواہد کہ وصف ذات خود ثابت کند

یک انا الحق گوئی دیگر بر سر دار آورد

یوسف یعقوب را بردن بر بازارش پندو

مرو شفق ہجر احمد را بہ بازار آورد

غرض کہ ہم تمام صفات کو یا بطور احباب یا بطور سلب ذات باری کی طرف نسبت کرتے ہیں اُس میں اُن صفات کے ہونے اور نہ ہونے کا بھی یقین کرتے ہیں مگر نہ اس وجہ سے کہ وہ اُن کا محل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہم اُن مفہومات کے من حیثہ الاطلاق لازم ذاتی علمہ اصل کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ بالابینہ جس طرح ہم اسکی ذات کی حقیقت کو نہیں جانتے اسی طرح اسکی صفات کی حقیقت کو بھی نہیں جانتے۔

بانی اسلام نے بھی اُن کی حقیقت کا جاننا ہمارے ایمان کا جزو نہیں قرار دیا بلکہ خود اُس نے اُن کی حقیقت کو کچھ نہیں بتلایا۔ غفور رحیم۔ قادر۔ حی۔ لایموت بتایا اور اُس بتانے سے اسکی ذات کا اُن کا محل ہونا لازم نہ آیا تو ایسا خیال کرنا خود ہمارا غلطی ہے۔

خدا کے ساتھ جن مفہوموں کو ہم بتاتے ہیں گو اُن کے مفہومات تو موجودات کے حالات سے اخذ کیے ہوئے ہیں مگر خدا کی طرف من حیث الاطلاق نسبت کرتے ہیں بلکہ اطلاق کی قید سے بھی مطلق رکھتے ہیں تاکہ صرف مفہوم ہی مفہوم باقی رہ جاوے اور اسی لئے جب کسی صفت کو کہتے ہیں کہ ہے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی نہیں ہے۔

یہ ایک بحث عام صفات باری کی نسبت تھی اور آئندہ ہم وقتاً فوقتاً ہر ایک صفت کی نسبت خاص خاص بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔



خط

از طرف احمدیہ

بنام

مولوی سید محمد علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہار و مرزا پور

نسبت طیبہ و مخفقتہ اہل کتاب

میرے عزیز محمدی بیٹے اپنا وعدہ پورا کرنے میں یعنی عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کی نسبت آپ کو خط لکھنے میں بہت تاؤ وقف کیا۔ آپ مجھے معاف کریں۔ اُن میں اس معاملہ میں آپ کو خط لکھتا ہوں اور اپنا وعدہ تیسرا خط لکھنے کا پورا کرتا ہوں۔

میں نے آپ کی تحریرات کو اور آپ کے محاکمہ نصفانہ کو جو رسالہ احکام طعام اہل کتاب اور اعداد و احتساب پر آپ نے ارقام فرمایا اور نیز ایک نامی رسالہ نزہل الاوثام کو جسے میرے قدیم شفیق مولوی محمد علی صاحب نے نہایت خوبی اور متانت سے تحریر فرمایا ہے بغور دیکھا۔ ان تمام تحریروں میں جو باتیں اوپر اوپر کی اور اوپر اوپر لڑھک کی ہلڈولم تحریر ہوئی ہیں ان کی نسبت لکھنا آپ بھی غیر ضروری سمجھتے ہوں گے اور جو اہل بات اس مسئلہ میں ہے اُسی کو لکھنا بہتر خیال فرماتے ہونگے۔ اس لئے میں اس خط کو مثل مباحثہ کرنے والے اور رد و قیود کرنے والے کے نہیں لکھتا بلکہ صرف اصل مطلب ہی کی تحریر پر قناعت کرتا ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی طرح ہمارے مقاصد اور ترقی حقیقیہ کے ساتھ کاراج ہو۔ اگر کوئی شخص عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں عیسائیوں کی گردن مروڑی مرغی نہ کھا دے اور اس کو حرام سمجھے بیٹھ مار و شکن دوسری رکابی کا کھانا نوش فرما دے ہر بھی اُس کو محتاط کہیں گے اور اُس کے فعل کو اولیٰ سمجھیں گے۔ ان چیزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں یہ ضرور نہیں ہے کہ جو چیز سامنے آوے غواہ اُس کو کھا ہی لے پس ایسی حالت میں اس مسئلہ میں زیادہ بحث کرنی کچھ بھی ضرور نہیں ہے مگر جو کہ یہ باندہ کسی جاتی ہے کہ میں نے ایک حکم خاص مخصوص قرآنی کے برخلاف کیا اہم کہا اس لئے صرف اسی قدر لکھنا اور اسی بات کی تحقیقات کرنا کہ

پہنڈ مخفوق کی حرمت بموجب آیت مستدر کے مخصوص قرآنی ہے یا نہیں کافی اور وافی ہوگا +  
 میری تحقیق یہ ہے کہ پہنڈ مخفوق کی حرمت باستدلال آیت مستدر مخصوص قرآنی نہیں ہے  
 وہ آیت جس میں مخفوق کا ذکر ہے یہ ہے حرمت علیکم للیقۃ وللاہل وللملک الخنزیر وما اهل  
 الخلد لہ لہ بہ والمنخنقة والموقوۃ والمزذیر والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیم وما ذبح علی  
 النصب وان تستقسموا بالانکام ذلکم فسق۔ اس غور کر کہ اس آیت میں چار لفظ ہیں  
 المنخنقة۔ الموقوۃ۔ المستزید۔ النطیحة۔ ان چاروں میں حرف تاہ فوقانی موجود ہے  
 اور ہر کو بموجب محاورہ زبان عرب کے اس بات کا قرار دینا باقی ہے کہ یہ تے کس قسم کی ہے  
 اور جو کہ کسی دوسری آیت قرآن مجید سے قسم تے کا تعین جو کہ مخفوق میں ہے نہیں پایا اسلئے  
 ہر کو اپنے اجتہاد سے اس کا تعین کرنا پڑتا ہے پس اب ہم اس تے کو کسی قسم کا قرار دیں اور کسی  
 جانور کی حرمت کا مسئلہ اس سے نکالیں اسکی حرمت مخصوص من ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تے  
 اس قسم کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اس قسم کے جانوروں کی حرمت پر عادی نہ ہو  
 شکیانہ قرار دیتے ہیں کہ ان چاروں لفظوں میں تانہ تانیث ہے جیسا کہ اکثر مفسروں نے  
 بھی قرار دیا ہے۔ پس اس حالت میں بموجب محاورہ زبان عرب کے ضرور ہے کہ بیچاروں لفظ  
 صفت ہوں کسی موصوف محذوف مونث کے +

اب ہر کو دوسرا اجتہاد کرنا پڑا کہ وہ موصوف مونث محذوف کون ہے جسکو ہم قرار دیں بٹل  
 جس کو قرار دیں اسکی حرمت مستحبہ اس نسبت سے نکلیگی مگر اس کی حرمت اجتہادی ہوگی نہ  
 مخصوص کیونکہ ہم نے وہ باتوں کو معنی قسم تے کو اور موصوف محذوف کو نص قرآنی سے نہیں  
 بلکہ صرف اپنے اجتہاد سے قائم کیا ہے۔ امام فخر الاسلام رازمی فرماتے ہیں کہ یہاں موصوف مونث  
 محذوف (شاة) ہے کہ وہی شہہ کھانے میں آتی ہے اور باقی تمام جانوروں چرند پرند کی  
 حرمت کا اس پر قیاس کیا جاتا ہے قبول کر کہ یہی اجتہاد صحیح ہے۔ اس حالت میں اس مرغی کی حرمت  
 دو اجتہادوں اور ایک قیاس غیر مخصوص علت سے قریب و یغی نہ نقل قطعی سے +

مگر امام صاحب نے ناسخ شاة کو موصوف مونث محذوف مانا ہے۔ ہم ان کو اس سے بھی  
 موصوف مونث بتاتے ہیں جس میں تاہ مخفوق جانوروں کی حرمت اجابتی ہے اور ہجری کی حرمت پر  
 باقی جانوروں کے قیاس کی حاجت نہیں رہتی اور وہ موصوف مونث محذوف نفس۔ ہے  
 پس تقدیر کلام یہ ہوگی کہ حرمت علیکم النفس المنخنقة الخ اور اس میں تاہ مخفوق جانوروں

کی حرمت یہاں تک کچھیلی اور ٹڈی کی بھی داخل ہو جاوے گی اب قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے قطعی مرغی کی حرمت دو اجتہادوں مذکورہ بالا سے قرار پاوے گی نہ نص قطعی سے +

انبہم اس لئے کہ تاو تانیث نہیں قرار دیتے بلکہ تا نقل و تحویل قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحب تفسیر جہادوی نے قرار دیا ہے اور جو کہ یہ تے صفت کو اسم بنا دیتی ہے اس لئے کہ کسی صوف مؤنث محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں رہتی اور جہاں مطلقاً منخفۃ اور متردیه وغیرہ کا ہو گا اسکی حرمت اس آیت سے ثابت ہوگی مگر اسکی حرمت کا ثبوت ایک اجتہاد سے یعنی حرف تا کو تا نقل قرار دینے سے ہو گا نہ نص صریح قطعی سے۔ فتدبر +

ابنیں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان چاروں کلموں میں تاو تانیث ہے اور موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے بمعنی مویشی یا چوپایہ یا چرند کے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ حرمت علیکم البھیمة المنخفۃ والبهیمة الموقوذة والبهیمة المتروکة والبهیمة النطیحة پس پرند اس حکم میں داخل نہیں ہیں +

خود قرآن مجید سے بوجہ بات مفصلہ ذیل ثابت ہے کہ یہاں موصوف محذوف بہیمہ ہے اول یہ کہ خود قرآن مجید میں اس آیت کے قبل شروع سورۃ میں خدا نے فرمایا "احلت علیکم بہیمۃ الانعام الا ما یبلی علیکم" یعنی حلال ہے تمہارے لئے چوپائے مویشی مگر وہ جو آگے بتاویگے پس اس کے بعد جو حرام جانور بتاوا صفت مؤنث بتائے وہ خود خدا کے فرمانے سے اسی استثنائی تفصیل میں جن کی نسبت فرمایا "الا ما یبلی علیکم" نہ آؤ کسی کی اور موصوف مؤنث محذوف بمعنی بہیمہ ہے جس کی نسبت اوپر فرمایا تھا کہ "احلت علیکم بہیمۃ الانعام" پس اگر انصاف سے بغیر تعصب و بغیر ان خیالات کے جو تقلیداً بغیر تحقیق کے دل میں بیٹھ گئے ہیں دیکھو تو خود خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ موصوف مؤنث محذوف بہیمہ ہے نہ نام رازمی صاحب کی بکری اور نہ ہماری تمہاری گائری۔ اب کو شمع جس ہے جو اپنی دلی چھائی سے اس بات پر کہ اس آیت میں پرند داخل ہیں دلی یقین کرتا ہو گا گو تقلیداً خواہ تعصباً اسکو مومنہ سے نہ نکالے +

دوسرے یہ کہ نجد صفات چار گانہ کے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں اخیر دو صفات ترقی معنی اوپر سے گر کر درجہ جانے اور سطح یعنی بڑھنے میں سینک کی چٹ سے مراد ہے کی صفت سوائے بہیمہ یعنی چرند کے پرند میں متعلق ہی نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا۔ و قد یبلی بکری سے یا لہم سے یا آؤ کسی چیز سے مارا انا۔ اگرچہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر جو لوگ اگلے زمانہ کی تاریخ سے

اور جنگی قوموں کے حالات سے اور خود عرب کے بیابان کے رہنے والوں کی عادات سے واقف  
ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صرف چوپائے جانوروں کا اس طرح پرشکار ہوتا تھا کہ اُن کو گھیر کر لٹھوں سے  
مار ڈالتے تھے نہ پرندگا۔ پس صفت بھی حقیقت منقص بہایم سے ہے نہ پرند سے۔ اب بحث طلب  
را خلق یعنی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔ اگرچہ فعل پرند کی نسبت بھی شاید ممکن ہے مگر عرب میں  
چوپائوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا مروج تھا جس کی حرمت میں یریت نازل ہوئی یہ پس نہایت افسوس  
ہے کہ انسان اپنے خیالات کے پھندے میں پڑے اور احکام الہی کے منشا اور مراد کو نہ  
سمجھے +

انما خسر الذین ہانزی صاحبہ کیر میں کھیتے ہیں کہ واعلم ان المنخفضة علی وجہ  
منہا ان اهل الجاہلیۃ کانوا یخفون اللہ آتہ فاذا مات اکلوها ومنہا ما یخنو  
بحمل الصائد ومنہا ما یدخل راسہا بین عودین فی شجرة فتختفی فتموت الہم پس  
اس میں سے سبجی ظاہر ہوتا ہے کہ جو حکام سر آیت میں مذکور ہیں وہ ہمہ کی نسبت ہیں نہ پرند  
کی اس لئے اس آیت سے طیور منفق کی حرمت منصوص نہیں ہے البتہ ممکن ہے کہ قیاسی ہو  
اس تقریر پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر اس آیت میں اس استثناء کی تفصیل ہے جس کا ذکر آ  
مایت علی علیکم میں ہے تو یہ آیت من اولہا الی آخرہا بھی مستلزام ہی سے متعلق ہوگی  
پھر مکرمیتہ - ودم - وما اهل لغير اللہ - وما اکل المسبہم - وما ذبح علی المنصبہ  
کیوں حرمت چرند و پرند کی کیجاتی ہے چاہیے کہ وہ بھی مخصوص بہیمۃ الانعام ہیں +

مگر یہ سوال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اُن تمام کلموں کا مفہوم عام ہے گو محل خاص اور اسباب  
اپنے مفہوم عام ہونے کے چرند و پرند دونوں کو شامل ہیں۔ برخلاف منخفۃ و موقوۃ - و  
موقوۃ و نطیخۃ کے کہ سبب صفت ہونے ایک موصوف محذوف کے نہ اُن کا مفہوم عام  
ہے اور نہ محل عام ہے اس لئے وہ سوائے جنس متشتمل منہ کے اور کسی سے متعلق نہیں ہو سکتی اور  
ایسے طیور منخفۃ اہل کتاب کو آیا کر مرہ و طعام اللذین اوتوا الکتاب حل لکم نے ہمارے لئے  
حل کر دیا ہے +

اگرچہ میں نے چاہا تھا کہ کچھ میں باب میں میری تحریر کی نسبت لوگوں نے لکھا ہے اور جو  
غلط مہیاں میری تحریر کی نسبت لکھی ہیں یا جو مسامحہ کسی تحریر میں خود مجھ سے ہوا ہے اور جو غلط  
استدلال توہیت متعین سے اس معاملہ میں لوگوں نے کیا ہے اُس سبب کو بالتفصیل لکھتا ہوں مگر جیسا کہ

میں نے ابھی اتنا ہی کیا صرف اسی بات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آیت مذکورہ حرمت طہرہ منقطعہ کو شامل نہیں ہے پس اُسکو مخصوص کہنا صحیح نہیں۔ البتہ قیاسی غیر مخصوص اعلت ہونا ممکن ہے۔ فن یشاء یسلمہ ومن یشاء فلا یسلمہ عیسائی مذہب کے بموجب جیسا کہ ان کے رہبان اور قیس قبل نزول قرآن مجید سے سمجھتے آتے تھے طہرہ منقطعہ حرام نہیں ہیں اور اُسکے لاکھ عیسائی مذہب کی کتب دینیہ میں مندرج ہیں۔ پس جبکہ عیسائی وہ فعل مطابق اپنے مذہب کے کرتے ہیں تو باسناد لال و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم ہمارے لیے حلال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے بیٹے میرا یہ اعتقاد کافی ہے۔ دوسرا شخص خواہ اُسکو صحیح سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر آپ سے اتنی بات اور کہنی چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کو خوب ٹٹولو کہ کہیں یہ تمہارا اختلاف میرے ساتھ اُسی تعلیق کا اثر تو نہیں ہے جس سے انسان قبل تحقیق ہر ایک بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اُنہیں اس نیاز نامہ کو ختم کرنا ہوں اور اگر گمبھی دل میں آیا تو ابوداؤد کی حدیث کی نسبت بھی آپ کو خط لکھوں گا۔ والسلام +

## جوتی پہنے ہوئے نماز پڑھنی

ایک شخص نے انگریزی بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ ایک نیک شخص نے اُسکو نہایت مبرا جانا اور کہا کہ مجھے خوف کے مار سے پسینا آگیا پس ہم کہتے ہیں کہ یہی باتیں اور نام مذہبی ہیں جو دوسرا میں داخل ہیں۔ جوتا پہن کر نماز پڑھنی سنت ہے اور سپر خن ہونے کا گمان کرنا دوسرا میں داخل ہے۔ صرف اتنا دیکھ لینا چاہیے کہ کوئی نجاست ظاہری اُس میں لپی ہوئی نہ ہو اور اگر ہو تو اُسکو سخت چیز سے یا زین سے رگڑ ڈالے اور پس کرنا پڑھ لے۔ انگریزی جوتہ بہ نسبت ہندوستانی جوتے کے یا عرب کی خلیس کے بہت زیادہ صاف رہتا ہے اس لیے کہ ان جوتوں کا تمام تھلا زین پر لگتا ہے اور انگریزی بوٹ کی بائیں بہت اونچی ہوتی ہے اور اس سبب سے بہت کم زین میں لگتا ہے +

اس امر کی نسبت شیخ امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر عرف ابن قیم نے اپنی کتاب فائز اللہ فی مصاید الشیطان میں بہت خبری بحث کی ہے اور اس کتاب کی توجیص ہشام بن عیسیٰ شامی نے کی ہے اور اُس کتاب میں جمیع الشیطان بہ تقریب افاشۃ اللہ خان لکھا ہے۔ اُس میں بھی وہ تمام بحث نقل کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اُس کا ترجمہ مولوی محمد اصف صاحب نے

جو اس نماز کے مولویان نامی ہیں سے ہیں اردو زبان میں کیا ہے اور تہذیب لایان اُس کا نام  
نکلا ہے اور اُس کے جو ہیں بطبع صدیقی بریلی چھاپہ ہوا ہے چنانچہ ہم اُس مقام کو جہنس اس جگہ نقل  
کرتے ہیں +

انہوں نے اپنی کتاب میں بہت وسوسوں کا جو انسان کو مذہبی باتوں میں ہوتے ہیں کر  
کیا چنانچہ دیکھتے ہیں کہ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ موندہ اور جوتے کے نیچے جب بناست لگ جاتی  
ہے تو اُس کو زمین سے مگر نامطاف کافی ہے اور اُس کو پہن کر حدیث صحیح کی روت سے نماز درست ہے  
امام حنفی نے اسکی تصریح کی ہے اور اُن کے محقق یادوں نے اُس کو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ابوالکلام  
کہتے ہیں کہ روایت مطلق رگرڈا لےنے کی سیر سے نزدیک صحیح ہے اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی  
آن حضرت وسلم سے راوی ہیں کہ اپنے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جو تاپہن کر ناپاکی پر کو چلے۔ تو  
مٹی اُسکے واسطے پاک کر نیوالی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اپنے موندوں  
سے ناپاکی کو پامال کرے تو موندوں کو پاک کر نیوالی مٹی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابو داؤد نے بیان  
کیا ہے۔ اور ابو حیدر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ پس اپنی جوتیاں نکالیں۔  
لوگوں نے بھی اپنی جوتیاں نکالیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا  
انہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ جوتیاں نکالیں۔ ہم نے بھی نکالیں۔ آپ نے فرمایا  
کہ میرے پاس جبریلؑ نے آکر خبر دی کہ ان میں ناپاکی ہے۔ تو جب تم میں سے کوئی مسجد میں آوے  
تو چاہیے کہ اپنی جوتیوں کو اُلٹ کر دیکھے۔ اگر اُن میں کچھ خبث یعنی ناپاکی ہو تو اُس کو زمین سے رگرڈے  
پھر اُن سے نماز پڑھ لے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اُسکے سننی جو یہ کہتے ہیں کہ  
ناپاکی سے غرض مکروہ چیزیں ہیں مثل زینت وغیرہ پاک اشیاء کے تو یہ تاویل لٹی وجہ سے درست  
نہیں بلکہ تو یہ کہ اس طرح کی چیزیں خبث نہیں کہلاتیں۔ دوسرے یہ کہ ناز کے وقت ان اشیاء  
کے پہنچنے کا حکم نہیں کیونکہ ان سے ناز نہیں جاتی۔ تیسرے یہ کہ اُن کے لیے نماز میں جوتیاں  
نہیں اتارنی چاہئیں اس لیے کہ یہ کام بے ضرورت ہے ادنیٰ بات ہے کہ مکروہ ہوگا۔ چوتھے یہ کہ  
روایت دارقطنی کی ابن عباس سے یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جبریلؑ نے میرے پاس  
آکر خبر دی کہ اُن میں خون حلو کا ہے جو برقی قہم کی گلی ہوتی ہے اور اس وجہ سے کہ جلی ایسی جگہ ہے  
کہ اکثر بناست اُسکو بہت دفعہ پہنچتی ہے تو فریج کے لیے سخت چسپہ سے اُس کا نل ڈالنا  
کافی ہوا۔

بعد اس کے انھوں نے یہ بات لکھی ہے کہ جو تیاں ہیں کرناڑ پڑھنے سے دوساسیوں کا دل خوش نہیں ہوتا حالانکہ یہ سنت رسول خدا صلعم اور ان کے اصحاب کی ہے فعل اور حکم دونوں کے اعتبار سے۔ انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم اپنی جوتیوں سے نماز پڑھتے تھے اور شداد ابن اوس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ یہودیوں کے خلاف کرو کہ وہ اپنے موزوں اور جوتوں سے نماز نہیں پڑھتے روایت کیا ہے اسکو ابو داؤد نے +

اس تمام تحقیقات سے جو ابن قیم نے کی ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جوتی پہننے ہوئے عیسویں جانا اور جوتی پہننے ہوئے نماز پڑھنا ایک عام عادت تھی۔ مگر اس ناز میں اور بالخصوص ہندوستان میں مسلمانوں نے اس بات کو اپنی غلطی سے میو بہ سمجھا ہے +

## مسئلہ چہر اختیار

خطہ بنام سید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی

خال صاحب بہادر خیر خواہ مسلمانان۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے اور توفیق فرمائی  
ہمیشہ غلط کرے +

سید محمد حسن نابینہ تحصیلدار آباد بعد اشتیاق و ادائے رسم سنت نبی علیہ السلام عرض عاید کرتا ہے کہ اس عریضہ کے ساتھ ایک پرچہ جو عزم ثبوت اور کتاب خدا پر ہے آپ کی خدمت میں لایا عرض سے بھیجتا ہوں کہ درود ملی کے ساتھ جو عام مسلمانان کی طرف سے آپ کے لئے ہے جواب لکھ کر تجھے عنایت فرما دیں۔ مگر واضح رہے کہ معترض صرف حدیث باری تعالیٰ اور اس کے قائل ہونے کا قائل ہے جو کچھ اس کے جواب میں بحث کیا جائیگی من حیث العقل یا نقل کتاب تواریخ البر سے ہو۔ چونکہ آپ سے بہتر میری دانست میر کی جواب اس کا معقول اور مست نہیں دے سکتا لہذا بھیجتا ہوں۔ موضوعہ ۱۱ ذیل پرچہ ۲۹ پیر میں مطابق ۱۰۔ فروری ۱۳۴۰ھ من مقام تحصیلدار آباد +

## سوال

جھکو ڈھا اعتراض ثبوت پر یہ ہے کہ خدا نے نبی و پیغمبروں کو پیدا کیے اس کے جواب میں اہل غیب

بہت کچھ طویل طویل بیان کر چکے مگر شاید اُس طوالت کا نتیجہ یہ نکالیں گے کہ نبی صرف اس کام کے واسطے پیدا کیے گئے ہیں کہ مخلوقات پر خدا کی وحدت ظاہر کریں اور اُنکی عبادت پر آمادہ کریں اور نیکے بد کی تمیز بتلا دیں کیونکہ وہ نبی جو ہدایت کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے دوزخ و بہشت بھی پیدا کیے ہیں۔ جو لوگ خدا کو پہچانتے ہیں سوائے اُس کے دوسرے کو اپنا خالق نہیں جانتے اور اُنکی عبادت کرتے ہیں اور بدی سے نفرت اور نیکی سے رغبت کرتے ہیں وہ بہشت میں جاویں گے اور جو اُس کے خلاف کرتے ہیں بہشت میں جاویں گے۔

پس ضرور ہے کہ اگر خدا نے انسان کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ بعد مرنے کے اپنے افعال کی سزا یا جزا پاوے تو یہ ضرور ہے کہ اُس نے انسان کو فعل مختار پیدا کیا ہوگا مگر مسلمانوں کے کلامِ تہ سے تو انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کلامِ اللہ میں شروع آیت سے سورہ بقرہ میں لکھا ہے۔ ان الذین کفروا و اسواء علیہم مما نذرناهم ان یستدبروا و یرضوا عن ید منون۔ نعم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم غشاوۃ و لہم عذاب عظیم۔ سورہ بقرہ یعنی وہ لوگ جو کافر ہیں اُن کے لیے برابر ہے توضیحت دے یا نہ دے وہ ایمان لائیں گے خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ بڑے عذاب میں پڑیں گے۔ من یرید من اللہ فہل المہل و من یضلل فاو لئک ہم الخسر و ن۔ و لقد ذکرنا لہم خیر کثیرا من الحق و لا یفلح (سورہ اعراف) یعنی جسے خدا ہدایت کرتا ہے راہ پا دیگا اور جنہیں خدا گمراہ کرتا ہے وہ لوگ ہلاک ہونگے تحقیق کہ مہنے بہتوں کو جنوں اور انسانوں میں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ اُسکی وجوہات سے انسان کا فعل مختار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ خدا نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وعدہ کر چکا کہ وہ بڑے عذاب میں پڑیں گے۔ دوم یہ کہ اُس نے مخصوص بہت آدمی حق و انس میں سے دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جو ان کے سوائے جو باقی رہے وہ جنتی ہیں اب نبی کیوں پیدا ہوئے جو خوفِ بعدِ موت تھا وہ طے ہو گیا کہ جن کو خدا نے دوزخ کے لیے بنایا ہے وہ دوزخ میں جا دیں گے جن کو بہشت کے لیے وہ بہشت میں اب نبی کیا ہدایت کرینگے۔ تیس کہ کتابوں کہ خدا نے ایک شخص کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اب نبی اُس پر کیا ہدایت کریگا وہ نبی کی ہدایت سے بہشت میں تو جانے سے راہ اگر بہشت میں جاویگا تو پھر خدا کا وعدہ جھوٹا ہوا جاتا ہے اور اگر صرف جنتی آدمیوں کے لیے نبی پیدا ہوئے ہیں تو ان کو نبی کیا ہدایت کرینگے۔ وہ تو قطعی جنت کے واسطے



پیدا ہوئے ہیں جو فعل چاہیں سو کریں اگر وہ کوئی فعل بد کرتے۔ ہیں اس سبب سے وہ جنت کے لائق نہیں ہے۔ ورنہ کی ان کے لئے ضرورت ہوئی اور کس اُسید پر اپنے نبی کی اطاعت کی گئیے کیونکہ اگر اطاعت کر گئیے تو بہشت میں جاو گئے۔ مگر گئیے تو دوزخ میں جاو گئے خدا نے تو ہم کو اس واسطے پیدا کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ جب وہ بہشت و دوزخ کے واسطے مخصوص آدمی پیدا کر چکا تو پھر نبی کو یہ حکم کیوں کیا کہ جو ایمان لاوے اُس کو قتل کرو اور گھر بار لوٹ لو۔ اس سے خدا کا ظلم ثابت ہوتا ہے اور جب نبی کو حکم قتل کا فوان یا گیا تو پھر نبی نے چار چار پانچ پانچ ہزار جزیرہ عین کر کے کافروں کو کیوں چھوڑا اگر حکم خدا یہ جزیرہ لیکر کافروں کو چھوڑا تو خدا اپنی عظمیٰ راہ پیہ کے مقابلہ میں ایمان کو کچھ نہ سمجھا اور اگر نبی نے اپنی رائے سے حکم دیا تو خدا کی عدول حکمی کی اس کی بات کو قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔

اب آیات مذکورہ سے خدا کا بڑا ظلم ثابت ہوتا ہے جبکہ اس نے خود انسان کو مخصوص واسطے بہشت اور دوزخ کے پیدا کیا تو پھر نبی بھیج کر زبردستی قتل کروایا۔ گھر لوٹوایا۔ ان کی عورت کو فوج مسلمانان کے ہاتھ سے بے حرمت کروایا یا ظلم تو اس نے خلافت پر کر دیا دوسرا ظلم اس نے اپنے نبی پر کیا وہ یہ ہے کہ نبی نے اُس کے حکم سے کافروں کو قتل کیا تھا۔ مگر اس نے اس خون کا بدلہ نبی سے یوں لیا کہ ان کے نواسہ امام حسین کو ظالم اور کافروں کے ہاتھ سے جو بھیر ایمان لائے تھے قتل کروایا۔ ان کی حرمت کو بد شر شہر بہر بے عزت و بے حرمت کر دیا پس خدا نے اپنی خلافت کا دوست ہے نہ اپنے دوست کا دوست ہے۔ میں تو یقین نہیں کرتا کہ فیصل خدا کے ہیں خدا کا یہ کام نہیں کہ ایسے ظلم کرے۔ خدا تو واحد ہے اور یہ ہم ہے۔ اس نے اگر نبی پیدا کیے ہوں گے تو صرف خلافت کی بابت کو نہ کر واسطے ظلم کے۔

سائل  
محمد حسن

جواب

مجھے یقین ہے کہ آپ نے یہ سوال بغیر تحقیق تکمیل سے پیش کیا ہے جس کا حل میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح پر کسی نے نہیں کیا جس سے معترض کے دل کو تشفی ہو جاوے۔  
مگر قبل تحریر جواب کے دو تین باتیں بطور تمہید کے عرض کیا چاہتا ہوں۔  
تمہید اول یہ بات مسلم ہے کہ خدا جل جلالہ صلیح کائنات کا ہے پس اگر تمام حوادث و

واقعات اور افعال کو جو مخلوقات سے ہوتے ہیں خلائی طرف نسبت کرے اور ہر چیز کی نسبت  
یکے کے میں نے کیا تو یہ نسبت بالکل صحیح و درست ہے اور ایسی حالت میں جبکہ ایک گروہ انسانوں کا  
یہ سمجھتا ہو کہ خالق خیر بزرگاں اور خالق شر اصرار سے اور ان کا مذہب اُس نیت میں بھی  
پھیل گیا ہو جہاں ان غلطیوں کا اصلاح کرنیوالا پیدا ہوا ہو تو اس بار کی قیود کو کہ تمام چیزوں کی  
علت العلل صرف ایک ہی ذات ہے بار بار بیان کرنا اور ہر دم یاد دلانا نہایت ضرور ہے۔  
مگر مجبور اس کہنے سے جو صرف بسبب علت العلل ہونے کے کہا جاتا ہے فاعل کا مجبور ہونا  
لازم نہیں آتا۔

میں نے ایک شخص کو نشانہ لگانا سکھایا۔ اب وہ جس جس کو مارتا ہے ہم کہتے ہیں کہ مرنے والا مگر  
صرف اس کہنے سے یہ بات کہ قاتل کو مقتولین کے قتل پر مجبور بھی کیا تھا۔ لازم نہیں  
آتی۔

تفہید دوم۔ وہ علت العلل اپنے معلولات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتی ہے جبکہ  
ہر تقدیر کہتے ہیں نبی ہمارے توحید میں علم باری ہی کا نام تقدیر ہے پس اگر وہ علت العلل اپنے معلول کی  
نسبت بسبب اپنے علم واقعی کے یہ کہنے کہ مجھے اُسکو ہدایت کی اور مجھے اُسکو گمراہ کیا مجھے اُسکو  
بہشت کے لیے پیدا کیا اور مجھے اُسکو دوزخ کے لیے بنایا تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اپنی طرف  
ان باتوں کو نسبت کرنا تو بسبب علت العلل ہونے کے ہے اور نتیجوں کو بیان کرنا بسبب اپنے علم  
واقعی کے ہے۔ مگر اس سے اُس فاعل کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا۔

مثلاً فرض کرو کہ ایک نجومی بسیار کامل ہے کہ جو کچھ آئینہ کے احکام بتاتا ہے اُس میں سب  
فوق نہیں ہوتا۔ اب اُس نے ایک شخص کی نسبت بتایا کہ وہ ڈوب کر مرے گا۔ اُس کا ڈوب کر مرنے کا ضرور  
ہے اس لیے کہ نجومی کا علم واقعی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نجومی نے اُس شخص کو  
ڈوبنے پر مجبور کیا تھا پس جو علم اُنہی میں ہے یا ان کو کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہو گا تو ضرور اُس کے  
کرنے پر خدا کی طرف سے مجبوری نہیں ہے بلکہ خدا کے علم اُس کے جاننے میں یا تقدیر کو اُس کے  
ہونے میں مجبوری ہے پس کسی کی نسبت یہ کہنے سے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی اُسکو جنتی و جنتی  
ہونے میں کچھ مجبوری نہیں ہے۔

اس بات سے دیکھو کاست کہا اگر خدا نے یہ کہا کہ مجھے جنتی کیا یا دوزخی پیدا کیا کیونکہ نسبت  
اپنی طرف صرف علت العلل ہونے کے سبب سے ہے اور تقدیر اول میں بیان ہو چکا ہے کہ اُسکو

فاعل کی مجبوری لازم نہیں ہے :

تمھید سوم۔ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو افعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں اُس کے اعضا کی ترکیب ہی جی ہوتی ہے جس سے اُن افعال کا اُس سے سرزد ہونا ضروری ہوتا ہے پس اُس انسان کی نسبت جو نیک بات کو نہیں مانتا اور اچھی نصیحت کو نہیں سنتا اور بدی میں پڑتا ہے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ خدا نے اُس کے دل پر مکر کر دی ہے۔ اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اُن کی قسمت میں سخت عذاب ہے اور اُن کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے مگر اس بات سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا :

اُن کی قسمت میں سخت عذاب کا یا اُن کو جہنم کے لیے پیدا ہونا بیان کرنا تو سببِ بُی علم باری کے ہے جسکو ہم نے تمھید دوم میں ثابت کیا ہے کہ اُس سے فاعل کی مجبوری لازم نہیں آتی مگر انھوں پر پردہ ہونے اور دل پر مکر ہونے کے سبب نصیحت کا نہ ماننا ممکن ہے کہ طبعی مجبوری کے سبب نہ مگر اُس سے انسان کی ہی عذاب کا متحقق نہیں ہوتا ہے :

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ نہ علی کی نجات عبادت پر ہے اور نہ فاسق کی درکات اُس کے فسق پر بلکہ انسان کی نجات صرف اس پر ہے کہ جو توئی خدا تعالیٰ نے اُس میں رکھے ہیں اور جس قدر رکھے ہیں اُن سب کو بقدر اپنی طاقت کے کام میں لاتا رہے اگر قوائے ہیمنہ اسی پر غالب ہیں اور قوائے ملکیہ کمزور۔ تو اُن کمزور قوی کو بیکار نہ چھوڑے اُن کو بھی کام میں لاتا رہے کہ یہی اُن گناہوں کا علاج ہے جسکو انبیاء کی زبان میں توبہ اور کفارہ کہتے ہیں اور جسکو شائع نے ان عمدہ لفظوں میں کالتائب میں الذائب کہن کا ذنب لہ بیان فرمایا ہے :

گو ہمارے طبیعت کیسی ہی بدی پر مجبور ہو لیکن خود ہم اپنے آپے میں دو چیزیں پاتے ہیں ایک اس کام کرنے کا ارادہ جسکو ہم کیا چاہتے ہیں۔ اور ایک وہ دلی چٹائی جو ہم کو اُس کام کی بھلائی یا بُرائی بتلاتی ہے جسکو عوام الناس کبھی اس تقریر سے بیان کرتے ہیں کہ ”دل بچڑا جاتا ہے“ انگریزی زبان میں اس کا نام کانٹیشنر ہے اور ہم اُس کو ”نور قلب“ کہتے ہیں اور خاص اُٹمانی مذہب کے محاورہ میں ”نورِ ایمان“ پس ہر ایک انسان کا نور و مسلمان یہ دونوں قوتیں آپس میں رکھتا ہے اور ہم یقینی جانتے ہیں کہ ہم ان دونوں کو کام میں لے کر قادر اور غرور مختار ہیں :

اب اگر ہماری بناوٹ ایسی ہے جس میں تو اسے ہمیشہ ہم پر غالب ہیں تو ضرور وہ گناہ ہم سے ہوگا پس اگر ہم نے اُس قوت کو جو اُسکی بُرائی کو بتاتی ہے بیکار نہیں چھوڑا تو ہمیشہ کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ

ہم نے پورا پورا اپنا فرض ادا کیا ہے اور اگر ہم نے اس نور قلب کو بیکار چھوڑ دیا ہے تو ہم خواہنے اختیار سے گنہگار اور مستوجب عذاب ہوئے ہیں مگر جو خدا اس بات کو جانتا ہے کہ کون اس نور قلب کو کام میں لاوے گا اور کون بیکار چھوڑ دے گا تو قبل از وقوع اس واقع کے بلاشبہ پیش از اس کل نجومی کے فرمادیتا ہے کہ ہم نے بتوں کو بہنم کے لئے اور تیداہد کو بہشت کے لئے پیدا کیا ہے ۔

یہ بھی ہم خود اپنے آپ میں پاتے ہیں کہ گو ہماری جبلت میں تو اے ہمیں یہ کیسے ہی بند اور پیدا ہوئے ہوں لیکن اگر ہم اس نعمانی قوت کو کام میں لائے جاتے ہیں اور افعال ذمیر کو بجا لانے جاتے ہیں اور ان کے کرنے پر دل میں ندامت پاتے ہیں تو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ تو اے ہمیں یہ بالکل کمزور ہو کر اعتدال پر آجاتے ہیں اور اس نورانی قوت کی سلطنت سب پر ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان تو اے ہمیں یہ کہ وہ زور شور نہیں ہوتا یہی نجر کا مسئلہ ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہکوتا یا ہے ۔

عن ابی ہریرۃ قال جاء عن انس بن اصحاب رسول الله صلعم الى النبي صلعم فسالوا انا نجد في انفسنا ما يتعاطى احدنا ان يتكلم به قال اوفه وجدتموه قال نعم قال ذلك صريح الايمان رولا مسلم

مگر جب وہ نورانی قوت بیکار چھوڑ دی جاتی ہے تو وہ نہایت ہی کمزور رہتی ہے اور کبھی ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا معدوم ہے پس جس چیز پر ہم مجبور ہیں وہ باعث عذاب نہیں بلکہ ترک فعل اختیار کا کامی نہ کام میں لانا اس نورانی قوت کا باعث عذاب ہے ۔

تمھیں چھارم میں سمجھتا ہوں اور جو شخص تقلید سے علیحدہ ہو کر خود کریا یعنی جانیکا کا اکثر عاملوں نے قرآن مجید کی حالت کی نسبت غلط فہمی کی ہے۔ قرآن مجید کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت اس کی اس کا قرآن مجید دینی منزل میں آتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید بلفظ منزل میں آتا ہے جبکہ تیسری منزل کو کہتا ہوں پس ہمارا ایمان ہے کہ ہم اس کے ہر ہر لفظ کو منزل میں آتا سمجھیں۔ دوسری حالت اس کی اس کے معنی قرار دینا اور اس سے مطلب اور مراد کا اخذ کرنا۔ ہے۔ اس حالت میں قرآن مجید مثل ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے تصور ہوتا ہے اور جس طرح کہ ہم ایک فصیح و بلیغ انسان کے کلام کے معنی لیتے ہیں اور اس کا مطلب و مراد سمجھتے ہیں اسی طرح بلاشبہ قرآن مجید کے معنی لینے اور اس کا مطلب و مراد قرار دینے اور اس وقت کسی طرح کا تفرقہ قرآن مجید و کلام انسانی میں نہیں کیونکہ قرآن مجید انسان کی زبان و لہجہ کی اہل میں نازل ہوا ہے۔ پس اس میں

بلفاظ دیگر حالات کے جو کچھ بزرگ منزل میں اتار دینے کی ہوسود وہ جداباات ہے مگر اُس کے  
مستی قرار دینے اور طلب و مراد خدا کر نے میں اُس میں اور انسان کے کلام میں کچھ فرق  
نہیں ہے +

ان تمہیدات کے بعد میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ان آیات قرآنی سے جن کا آپ نے  
اپنے سوال میں ذکر کیا ہے اور نیز مثل اُن کے جو اہل آیتیں ہیں اُن سے بھی انسان کا مجبور  
ہونا پایا نہیں جاتا +

آیت سورہ تبرا کا اخیر علی بنی ولہم عذاب عظیم " تو کافروں کے حال کی مشین گئی ہے  
جس سے حسب بیان تمہید سوم اُن کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا اور پہلے جملے یعنی "ختمہ افلاہ  
علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم عشاوہ" اُن کی جبلت کا حال ہے مگر یہ  
حال بشرطیکہ دوسری قوت بیکار نہ چھوڑی جاوے باعث درکات نہیں +

آپ بلحاظ تمہید چارم اس آیت پر غور فرمائیے اور اُس کو با تشبیہ کیا انسان فصیح و بلیغ کا کلام  
سمجھئے اور یوں خیال کیجئے کہ ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیر چھوڑنے اور اخلاق حمیدہ اختیار  
کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور وہ شخص اُس کی نصیحتوں پر کان بھی نہیں دیتا اس حالت کو دیکھ کر  
اکی شخص کہتا ہے کہ بددلتوں نا اہلوں تو تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ کبھی نیکیاات نہیں سیکھنے کے  
اُن کے دل پیچھے کے اور اُن کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہیں۔ خدا نے اُن کے دلوں پر  
پتھر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے +

اب جو شخص ان باتوں کو سنیکار گیا سمجھے گا کہ اس شخص نے یا خدا نے اُس بدذات آدمی کے  
دل پر پتھر لگا کر اور اُس کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ ڈال کر ناصح کی نصیحت نہ ماننے پر مجبور کر دیا ہے  
کبھی کوئی ایسا نہیں سمجھ سکتا بلکہ ہر کوئی ہی سمجھیکا کہ اس کہنے سے اُس بدذات کا اہل آدمی کی نہایت  
بدذلتی اور نا اہلی کا جتنا اور اُد لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہے +

میری سمجھ میں ایسے کلام انسانی میں کوئی شخص ان الفاظ انشائیہ سے اُن کے حقیقی معنی نہیں  
لے سکتا۔ پس خدا تعالیٰ کے اس قسم کے کلام کو جو انسانی بول چال پر ہے زیادہ اُسکی منشا و  
مُبرص نامہ اور اُن الفاظ کو جو بطور خطابیات کے واقع ہیں حقیقی انشائیات سمجھنا ٹھری  
غلطی ہے +

خدا نے اُن پڑھ بدوؤں کے لئے اُنہی کی زبان میں قرآن اُتار دیا ہے۔ پس ہمیشہ قرآن ہی کی

سید سے سید سے صاف صاف معنی لینے چاہئیں اور نکات بعد الوقوع اور کنایات و اشارات و استعارات و دلالات کی قسم کو اس میں تفسیر کرنا اسکو کھینچنا اور تانا بانا نہیں چاہیئے اس قسم کے معنی قرآن مجید سے نکلنے خیالات شاعرانہ سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتے :

اب آپ سورہ اعراف کی آیتوں - جو آپ کے سوال میں مندرج ہیں بخاطر فرامیئے کہ اعتقاد اور اضلال کی نسبت جو خدا نے اپنی طرف کی ہے وہ اسی علتِ اعلیٰ ہونے کے سبب سے کی ہے کیونکہ قوت اعتقاد اور اضلال دونوں اسی نے دی ہیں مگر اس نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ معتقد اور مضل ہونے پر اس نے مجبور کر دیا ہے :

اگر آپ کو میرا یہ بیان پسند ہو گا تو آپ یقین کر لیجئے کہ قرآن مجید سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا تو اب نبوت پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا :

ایمان نہ لانے پر قتل کرنے کا اور گھر بار کوٹھ لینے کا شرمیت میں کہیں حکم نہیں ہے۔ چند روز ہوئے کہ جہاد کے مسئلہ پر میں غوجی بحث کر چکا ہوں اور حقیقت جہاد کو میں نے اپنی کتاب خطبات احمدیہ اور ڈاکٹر منظر صاحب کی کتاب کے جواب میں بالتفصیل لکھا ہے آپ اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں :

اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسبت جو آپ نے خدا کا اپنے نبی پر ظلم کرنا ذکر کیا ہے یہ بات تو کوئی مسلمان کیا شیعہ اور کیا سنی نہیں کہتا اور کسی کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہے کہ حضرت امام کا فوں کے خون کے بدلے میں شہید ہوئے ہیں :

یہ مسئلہ میں نے بیان کیا کسی قدر باریک ہے اور اس پر غور و فکر ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اور نیز اور لوگ جن کی نگاہ سے میری یہ تحریر گزرے وہ قلیل اس کے کہ اس پر رد و قیاس کریں ذرا دل لگا کر غور فرمادیں گے :

## حدیث شبہ

خط

جناب مخدوم کرم مولانا سید احمد خاں صاحب بہادری - ایس آئی - زید محمد کرم  
تسلیم کے بعد گفتگو ہے کہ حدیث شریف من تشبہ بقوم فهو منهم کے معانی اور مراد میں  
لوگوں کو نہایت اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے کہ کوئی کچھ کہتا ہے۔ میں اسے حصولِ اطمینان

اور تنبیح مراد حدیث کے غرور ہوا کہ اس کا مورد تحقیق کیا جائے تاکہ مراد صحیح لفظ تشبیہ کی معلوم ہو جائے  
لہذا بعد نیاز خدمت عالی میں گزارش ہے کہ ارشاد ہو کہ اس حدیث کا مورد کیا ہے اور لفظ  
تشبیہ سے کس میں تشبیہ مقصود ہے۔ زیادہ نیاز و تسلیم

آپ کا خادم

ح

### جواب

یہ حدیث ابو داؤد نے باب ما جاء في الاقبية میں نقل کی ہے اور اس کے الفاظ یہ  
ہیں "حدثنا عثمان بن ابی شیبہ ناہی بن النضر عبد الرحمن بن ثابت نا حسان بن عطیہ  
عن ابی منیب الجرجسی عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من  
تشبه بقوم فهو منهم

اول تو مجدد کو یہ بیان کرنا چاہیے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے نہ روایتاً اور نہ ذرا تیاراً۔ روایتاً  
تو اس لئے ثابت نہیں کہ جو سند اس بات کی بیان ہوئی ہے اس سے اتصال سند کا رد و لحاظ  
مستقیم ثبوت نہیں ہے کیونکہ جو الفاظ روایت کے ہیں ان سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ  
حسان اور ابی منیب اور ابن عمر کے درمیان میں اذکر کوئی راوی نہ ہو جس کے سلسلہ روایت غیر ثابت  
ہے تو وہ حدیث فی نفسه ثابت نہیں ہے۔

اور روایتاً ثابت ہو سکتی بہت سی دلیل ہیں۔ ایک یہ کہ راوی نے مورد حدیث بیان  
نہیں کیا اور لفظ تشبیہ کا جو حدیث میں واقع ہے مورد حدیث کے نہ معلوم ہونے سے کسی حکم  
مدلولی یا استنباطی یا قیاسی کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس مورد اس حدیث کا تحقیقاً معلوم نہیں ہے  
اور نہ معلوم ہو سکتا ہے۔ اس اگر اس حدیث کو ثابت تسلیم کر لیا جائے تو قیاساً اس کا مورد  
قرار پا سکتا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا۔

دوسرے یہ کہ لفظ "قوم" جو اس حدیث میں ہے وہ بھی کسی نتیجہ کا فائدہ نہیں دیتا کسی  
قوم کا ہونا یا کسی قوم کے مشابہ بننا کسی نتیجہ شرعی کو مفید نہیں ہے۔ ایک آخری نے ایرانی یا  
افغانی لباس پہن کر اپنے تئیں قوم ایران اور قوم چٹان کے مشابہ کر لیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ لوگوں  
نے اس کو ایرانی یا چٹان سمجھا مگر پھر اس سے نتیجہ کیا۔ علیٰ ہذا القیاس ایک ہندوستانی مسلمان  
نے عربی یا ایرانی یا چٹانی یا ہندوستانی پوشاک پہن کر اپنے تئیں شاہین قوموں کے

بنایا اور لوگوں نے بھی اسکو اسی قوم کا سمجھا تو پھر اس سے نتیجہ شرعی کیا نکلا +  
 تیسرے یہ کہ مشابہ ایک قوم کا دوسری قوم سے باشبہ زیادہ تر لباس پر منحصر ہوتا ہے مگر خود  
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یورپ کی قوم کا اور خاص رومن کی تھیلک میں جو مروج تھا وہ لباس پہنا ہے  
 مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم سے یہ حدیث موجود ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس  
 حبة رومية ضيقة الکمین" جبہ رومیہ بطور عبا چوڑے کے ایک قسم کا لباس جس سے تنگ  
 آستینوں کا جو اب بھی رومن کی تھیلک کے پاری پہنتے ہیں اور خاص پارسیوں کی پوشاک ہے  
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام یورپ اور شام میں رومی عباؤں کی سلطنت تھی جو یورپ  
 کے ہر تہی اس لئے تمام یورپ کی قوموں کو زبان عرب میں رومی کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں  
 بھی ہے "الذین غلبت الروم" اور وہ سب رومن کی تھیلک تھے اور جبہ رومیہ خاص ان کی  
 پوشاک تھی +

بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی پوشاک بھی پہنی ہے  
 جیسا کہ حدیث بخاری میں ہے "فقد جاءه عليه حبة شامية" (ص ۴۳۴) اور جبہ شامیہ خاص  
 یہود کا لباس تھا جو اب تک ان کے ربوں کا لباس ہے +

مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص تاش پرستوں کا بھی لباس پہنا  
 ہے جیسا کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے "ما خرجت الی طرابلس کسر طانية" (ص ۱۹۶-۱۹۷)  
 اور یہ وہ جبہ کسریائی ہے جو بوقت وفات آپ پہنے ہوئے تھے +

پھر جب بخاری کہہ لیتے ہیں تو ہم اُن کے بعد ہی یہ عبارت پڑھتے ہیں "کتاب اللباس" اور  
 قول اللہ جل من حدیث اللہ التی اخرج لہا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلا  
 واشربوا البسوا (اے مخاطب لکھ) و تصدقوا فی غیر اسرار ولا منجیلة وقال ابن عباس  
 کل ما شئت واللبس ما شئت ما اخطأتک اشدتان سرف و فضیلة "پس ہم ان روایوں  
 سے کسی قسم کی پوشاک پہننے سے منع نہیں معلوم ہوتے تو لفظ مشابہت کو شائبہ تزی و لباس پر  
 بھی عمل نہیں کر سکتے +

چوتھے یہ کہ تمام مسلمان و صحابہ و خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار عرب ایک سا ہی لباس  
 رکھتے تھے اور اہل ایمان جو بافتار مذہب کے و تحسین بالکل ایک دوسرے کے مشابہ تھے  
 اور کوئی تفرقہ کفار و اہل اسلام میں نہیں قائم نہیں کیا گیا تھا تو پھر من نسبتہ و قوم فہو منہم کے



کیا حسنی۔ کیا قسطل سلیم اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ اگر جناب رسول خدا صلعم لندن میں یا جرمن و  
ایٹلیا میں پیدا ہوئے ہوتے تو ان کا لباس ویسا ہی ہوتا جیسا کہ ان ملکوں کے لوگوں کا ہے  
پس تشابہ تو سی ہے کیا نتیجہ شرعی پیدا ہو سکتا ہے؟

پانچویں یہ کہ غلط تشبہ اور منہم خواہ ان کے کامل حسنی مراد لویا ناقصا در قوم کے معنی حقیقی بھی  
چھوڑ کر اس کے فرضی معنی یعنی ایک مذہب کے لوگ کو تو بھی حدیث کے معنی درست نہیں  
ہو سکتے۔ کیا انی مشابہت سے مثلاً وصوتی باندھ لینے سے یا گھجی و چرٹ پر چڑھنے سے یا اہل  
پوری غامہری مشابہت کو لینے سے باوجود اقوام و سرکات کے آدمی کا فرہو جاتا ہے عا شا  
و کلاہ پس اصل یہ ہے کہ یہ حدیث روایتاً اور دلائلاً دونوں طرح پر مردود ہے؟

باہینہ اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو جگہ ضرور اسکا مورد تلاش کرنا ہو گا کیونکہ بغیر مورد تحقیق کیے  
اور بابہ التثبیہ قرار دینے اس کے معنی قائم نہیں ہو سکتے مگر بیکار خود حدیث میں ان دونوں میں سے  
کوئی بھی مذکور نہیں ہے تو جو کچھ قرار دیا جاوے گا وہ صرف قیاسی ہو گا جو ہر شخص اپنی سمجھ کے  
موافق اس کا مورد یا بابہ التثبیہ جو حقیقت دونوں ایک میں قرار دیکھا۔

بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی خصوصیات الدین مراد لی ہے مثلاً زنا بہینا  
یا صلیب رکھنا یا شیک لگانا یا اعیاد و کفار کو بطور عید اہتیا کرنا یا اس میں شریک ہونا اگرچہ پائیس  
کسی قدر عمدہ معلوم ہوئی ہیں مگر نیز ان کو پسند نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اسلیئے  
کہ میرے نزدیک قطعاً یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
دل سے یقین رکھتا ہے اس کا کوئی فعل مع یقین مذکور کے اسکو کافر نہیں کر سکتا۔ پس اگر اس  
قول پر جس پر اہل جہل کی نجات منحصر تھی اسکو یقین ہے تو گو وہ کسی قوم کے ساتھ تشابہ کرے  
ولو فی خصوصیات الدین دشما یر الکفر کالزنا و الصلیب و الاعیاد وہ کافر نہیں ہو سکتا  
کیا ہم دیوالی و دسہرہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور  
بٹسے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرت و تمدن کی خوشی حاصل کر کر کافر ہو جائیں  
نوروز باہینہ اگر حقیقت ہمارا مذہب اسلام ایسا ہی ہوا ہے تو کہہ سے کی ان کب تک خیر مناسبتی  
دیکھ ایک دن اسکو بیچ ہونا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کا جھکوئی اندر سے قول کہوں گا کیونکہ میرے نزدیک اس کا  
حدیث ہونا ثابت نہیں ہے۔ کوئی صحیح مورد ہر ایک کے وہ بھی قیاساً قرار نہیں پاسکتا اور وہ

مرد موت اُردھام ہے یعنی جس حالت میں موت اُردھام واقع ہوا اور مختلف قوموں کے مردے گڑھڑ  
ہو جاویں تو حکم من تشبہ بقوم فھم منہم کا جاری ہو گا یعنی لاشوں میں جو لاش جس قوم کے شبّہ  
ہوگی وہ اُسی قوم کی شمار ہوگی اور اُس کی تعبیر سے نزدیک اُسی طرح کچا دیوچی۔ درختا دیں لکھا ہے  
کہ مسلمانوں کی لاش پچانسنے کی چار علامتیں ہیں بھضاب اور سیاہ لباس اور حلق عازل اور ختنہ بین  
سمجھتا ہوں کہ موت اُردھام کے جس قدر احکام ہمارے ماں کی کتب فقہیں مندرج ہیں وہی قول  
کی بنا پر ہیں پس میری فہمستیں یہی ہو۔ اس قول کا اور یہی مراد اس قول کی ہے وہیذا  
اعتقادی وعلیٰ ہذا علی والتسلام

## تفسیر السموات

حررہ العبد المفقّر الی اللہ الصمد السید احمد

ہکویہ بات معلوم نہیں ہے کہ علماء اسلام نے کوئی خاص علم ہیئت ایسا مقرر کیا ہے جس کی  
بنات قرآن مجید یا حدیث پر موجود نہاں تک ہکویہ معلوم ہے وہ یہی ہے کہ جو علم ہیئت یونانی حکیموں نے  
اختیار کیا تھا وہی عینہ بذریعہ ترجموں کے جو یونانی زبان سے عربی زبان میں ہوئے ہم مسلمانوں  
بھی چل گیا۔ جب قرآن مجید کی تفسیر لکھی گئی اس وقت قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی ایسا مضمون  
آیا جو علم ہیئت سے علاوہ رکھتا تھا تو انھوں نے اُسکی تفسیر اُسی یونانی علم ہیئت کے اصول پر  
کی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں سات آسمانوں کا ذکر تھا اور یونانی تو آسمان مانستے تھے تو علماء  
اسلام نے اُن سات آسمانوں میں عرش دیکھی کو ملا کر پورے نو کر دیئے پس ہم سمجھتے ہیں کہ علماء  
نے یونانی علم ہیئت کو تسلیم کیا اور اُسی کے اصول کو مذہبی کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں داخل  
کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ مذہب کے ساتھ اور مسائل مذہبی میں ایسا بل جُل گیا کہ یونانی علم ہیئت سے انکار کرنا  
گویا مسائل فریہ مذہب سے انکار کرنا خیال میں نہ آگیا۔ پس جس قدر کہ ہکو انکار ہے اُنہی مسائل  
علم ہیئت یونانیہ سے ہے جن کو علماء اسلام نے مسائل مذہبی و تفسیر قرآن مجید میں شامل کیا ہے  
یونانی حکیم آسمانوں کا ایک ایسا جسم مانتے ہیں جو نہایت مضبوط و محکم ہے اور وہ ایک مکان  
کو گھیرے جگہ ہے اور فضائل کر کے گول اور اندر سے خالی ہے جیسے انڈے کا چھلکا اور دنیا کے  
چاروں طرف کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام دنیا اُن کے اندر ایسی ہے جیسیکہ انڈے کے

جھلکے میں اُس کے اندکی زردی و سفیدی +

وہ کہتے ہیں کہ بچوں بیچ میں زمین کی طرح پر ہے جیسے کہ انڈے میں انڈے کی زردی اُسکے اوپر پانی ہے مگر جس طرح کہ بعضی دفعہ انڈا اوبلنے میں اُس کی زردی ایک طرف کو ہوجاتی ہے اور سفیدی سے باہر نکل آتی ہے اُسی طرح زمین بھی بیچ میں سے ٹل گئی ہے اور پانی کے ایک طرف نکل آئی ہے جس کے اوپر ریع مسکوں پانی دینا ہے لیکن پھر وہ کہتے ہیں کہ پانی پر ہوا ہے اور ہوا پر گہ آتش ہے اور گہ آتش پر آول آسمان ہے جس میں چاند ہے۔ پھر دوسرا آسمان ہے جس میں عطارد ہے۔ پھر تیسرا آسمان ہے جس میں زہرا ہے۔ پھر چوتھا آسمان ہے جس میں آفتاب ہے۔ پھر پانچواں آسمان ہے جس میں مریخ ہے۔ پھر چھٹا آسمان ہے جس میں مشتری ہے۔ پھر ساتواں آسمان ہے جس میں زحل ہے۔ پھر آٹھواں آسمان ہے جس میں یہ لاکھوں ثوابت جڑے ہوئے ہیں پھر نواں فلک الافلاک ہے جو سب کو محیط ہے +

وہ بھی کہتے ہیں کہ فلک الافلاک کے اوپر کچھ نہیں ہے یعنی فلک الافلاک کے اوپر مکان کا اطلاق نہیں ہے اور اسی سبب سے وہ نہیں بتاتے کہ فلک الافلاک کی سطح محدب کس کی حاس ہے یعنی اُس کے اوپر کیا ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ اُس کی سطح مقعر فلک نہم کی سطح محدب کی حاس ہے اور اس طرح تمام آسمانوں کی سطح مقعر اُس کے نیچے کے آسمان کی سطح محدب سے حاس ہے اور اسی لئے وہ قائل ہیں کہ زمین سے فلک الافلاک تک کہیں غلا نہیں ہے +

وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ تمام آسمان مگر اکب کے جو اُن میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرد پھرتے ہیں بلکہ زمین اُن میں مثل مرکز کے ہے۔ مگر وہ میں انہی اصولوں کو علامہ اسلام نے نہ

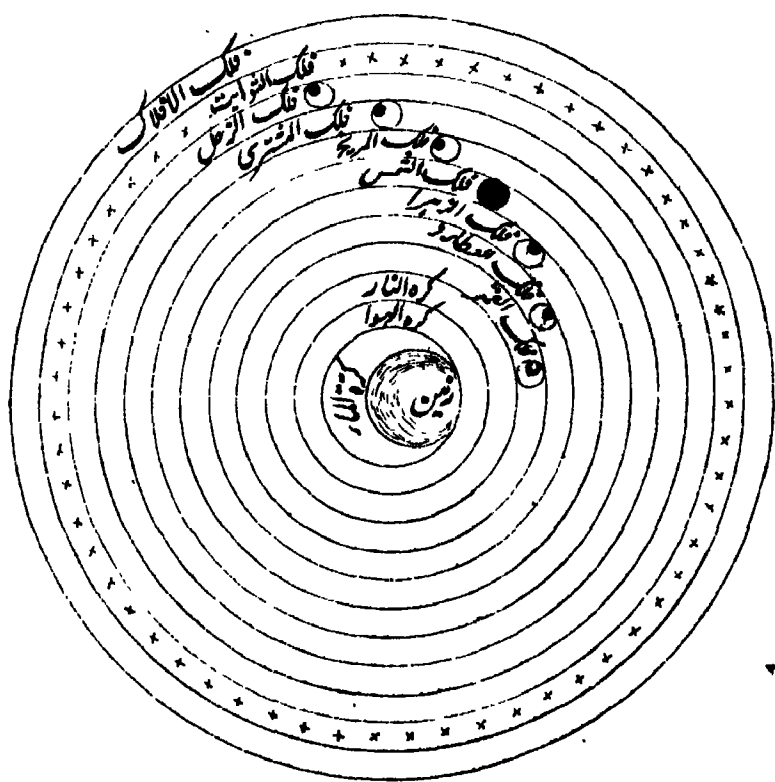
کیا ہے اور انہی اصول پر قرآن مجید کے مستروں نے قرآن کی تفسیر کی گو کہ بعض بعض کچھ اختلاف بھی کیا ہو مگر نظام ہی تسلیم کیا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ جو ایک پرچہ شامل ہے اُس میں جو شکل نمبر اول کی مندرج ہے اُس سے بخوبی تصویر آسمانوں اور ستاروں کی سمجھ میں آسکتی ہے جس طرح پرکہ یونانی حکیموں نے مقرر کیا ہے +

انبیہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح پر یونانی حکیموں نے آسمانوں کا مجسم ہونا تسلیم کیا ہے اور

۱۔ یہ نہیں کہ اس بات کی خبر تھی کہ اس دنیا کے نیچے دوسری دنیا آباد ہے گلاس کی خبر جو تھی تو مبالغہ نہ کرنے +

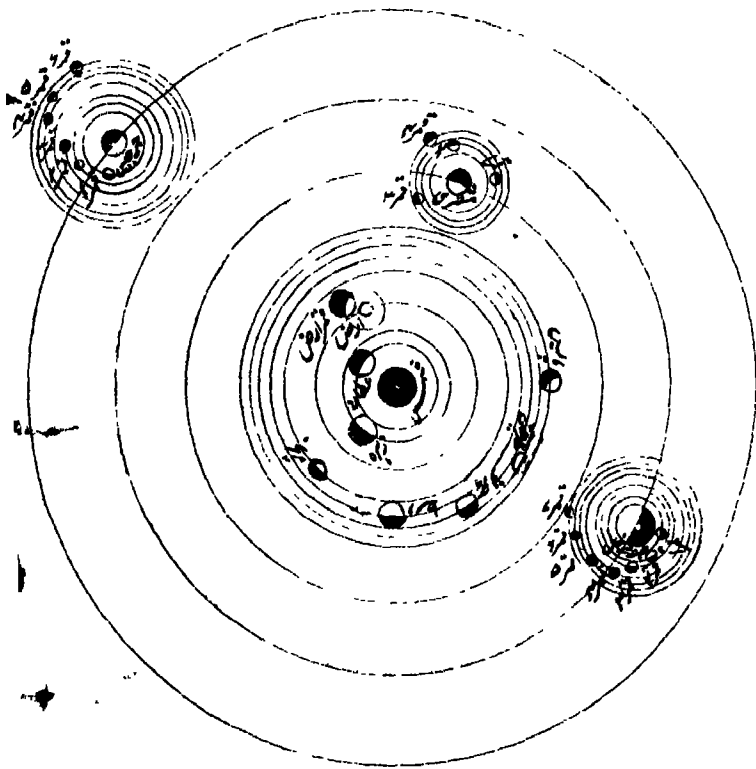
شکل اول

## نظام عالم۔ مطابق قیاس یونانیوں کے



# شکل دوم

نظام عالم مطابق شاهن بذریعہ دو برین



اُن کو مگر کواکب زمین کے گرد چرنا مانا ہے یہ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے اور علماء اسلام نے بڑی غلطی کی ہے جو انہی اصولوں کو اپننے مذہبی مسائل میں ملا دیا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر اسی یونانی علم اثبات کے مطابق کی ہے کیونکہ وہ بنیاد قاسد علی القاسد ہے ۛ

ہم کو مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے (جو ہمارے نزدیک اور ہر ایک انسان کے نزدیک جو ذرا بھی واقفیت اور عقل رکھتا ہے دلیل قطعی ہے) برخلاف اس کے ثابت ہوا ہے جو آسمانوں اور کواکب نظام یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اور جسکی تفصیل ذیل میں مندرج ہے ۛ

اولیٰ۔ ان بات سیاروں کے سوا جن کو ہر کوئی دیکھتا اور جانتا ہے اور جن کے لیے یونانیوں نے سات آسمانوں کی نذر سے کے چھلکے کے قرار دیئے تھے اور بھی سیارے بذریعہ دوربین کے دکھائی دیئے ہیں جو اب تعداد میں اس یا گیارہ شمار ہوئے ہیں پس یونانیوں نے جو سات آسمانوں شماروں کے لیے قرار دیئے تھے وہ بالکل غلط ہو گئے اور علماء اسلام نے جو غلط سبب سمجھات کی تفسیر میں یونانی حکیموں کے سات آسمان سمجھے تھے یقینی اُن علماء نے غلطی کی تھی کیونکہ کلام آگے بھی خلاف واقع نہیں ہو سکتا پس اس سے ثابت ہے کہ سبب مسنولات سے مطلب نہیں ہے جو علماء اسلام نے تفسیروں میں قرار دیا ہے ۛ

دویم۔ شستری کے گرد چار چاند اور زحل کے گرد سات چاند اور جبریس کے گرد جنیا سیارہ دکھائی دیا ہے چھ چاند زمین کے ذریعہ سے دکھائی دیئے ہیں اور وہ اپنے اپنے سیارہ یعنی شستری و زحل و جبریس کے گرد پھرتے ہیں اور ہم اُن کی گردش کو اپنی آنکھ سے بذریعہ دوربین کے دیکھتے ہیں پس اگر آسمان ایسے ہی مجسم ہوتے جیسے یونانی حکیم قرار دیتے ہیں اور جیسا کہ علماء اسلام نے غلطی سے قرار دیا ہے تو اُن چاندوں کا گرد اُن ستاروں کے پھڑکانا ممکن تھا ۛ

ۛ فرض کرو کہ ایک کوٹھڑی ہے اور غول کبوتروں کا اُس کے اوپر سے اندر گھستا ہے اور وہ اندر سے نکلتا ہے تو ہر شخص یہیں کہے گا کہ اُس کوٹھڑی پر چھت نہیں ہے یا کبوتروں کے گھسنے کے بعد نکلی ہوئی ہے یا وہ چھت ایسی ہے کہ کبوتروں کے جانے آنے کو مانع نہیں ہو سکتی ورنہ ممکن نہیں کہ کبوتر اوپر سے کوٹھڑی میں گھستے ہیں اگر ستارے آسمانوں میں جیسے ہوتے اور آسمان نذر سے کے چھلکے کی طرح ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اُن سیاروں کے چاند بغیر آسمانوں کے توڑے اُن سیاروں کے گرد وقفہ کرتے ۛ

سویس۔ اگلے نائنویں یونانی حکیموں نے دم دار ستاروں کو یہ سمجھا تھا کہ آسمان زمین کے جیسے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جاتے رہتے ہیں مگر اب مشاہدہ سے بذریعہ دوربین کے ثابت ہوا ہے کہ

یہ بات غلط تھی وہ بھی بجائے خود ستارے ہیں اور بہت دور چلے جاتے ہیں اور پھر چلے آتے ہیں اور ان کی حرکت ایسی ہی ہے کہ تمام اکابر و افلاک مقررہ حکم و زمان سے بھی اونچے جاتے ہیں اور جو کہ دم دار ستارے بھی متعدد ہیں اس لئے متعدد ستاروں پر حرکت کرتے ہیں پس جس طرح کاسم آسمانوں کا یونانی حکیموں نے قرار دیا ہے اگر ویسا ہی جسم آسمانوں کا ہو تا تو دھندلے ستاروں کا یا اس طرح پر حرکت کرنا ناممکن نہ ہوتا یا ان کی حرکت سے تمام آسمان شیش کی طرح چمکتا چمک رہا جاتے +

دوہین کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے کہ کوکباں جس طرح پر واقع ہیں جیسا کہ شکل دوم میں بنائے گئے ہیں اور ان کا دورہ بھی دوہین کے ذریعہ سے اسی طرح معلوم ہوتا ہے جس طرح کواکب کی شکل میں دائرے کھینچے ہیں پس یہ خیال کہ اگر کواکب اس طرح پر مجتمع ہوں جیسا کہ حکما یونان نے قرار دیا ہے اور ایک کا ستورہ دوسرے کے محاذ سے محاذ ہو تو مشتری اور زحل اور جویس کے چاند کیونکر ان کے گرد پھر سکتے ہیں سادہ اگر کواکب ان میں خاصہ بھی بنا جاوے تو یہ ذوات الازتاب یعنی دھندلے ستارے کی طرح تمام آسمانوں کو توڑ پھوڑ چکنا چور کر کر رکھ دیتے ہیں +

اگر یہ بات کہی جاوے کہ ہم آسمانوں کا جسم ایسا نہیں مانتے جیسا کہ یونانی حکیموں نے مانا ہے بلکہ ہم ایسا ہی لجا اور دھولہ دھلا مانتے ہیں جس میں سے سب چیزیں نکل جاتی ہیں جیسے پانی یا ہوا یا اس سے بھی زیادہ جسم لطیف مگر اس کہنے پر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا جسم ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے اور سپر تارے دوست کہتے ہیں کہ ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید سے انکار لازم نہ آوے +

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت اگر ایسا ہی جسم آسمانوں کا مانا جاوے گا تب بھی مفسرین کی تفسیر میں سے تو انکار کرنا پڑے گا کیونکہ سب احادیث کے جو معنی انھوں نے قرار دیئے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایسی جگہ جہاں دھولہ دھولے جسم پر صادق نہ آوے اور ضرور دوسرے معنی قرار دینے پڑینگے +

پھر ہم ان کو دوسری طرح سمجھاتے ہیں کہ قرآن مجید کے سبب سے کسی چیز کو مان لینا اور اس کی حقیقت پر کسی دلیل کا نہ لاسکنا کچھ کام کی بات نہیں ہے۔ جامع مسلمانوں کا یقین ہمارے عقیدین سے بہت زیادہ مضبوط ہے۔ ان کو تو نہ ہمیں اس بات کے سمجھانے کی حاجت ہے کہ آسمانوں کا جسم یونانی حکیموں والا جسم ہے یا نہ کسی طرح لطیف و العطف لجا اور دھولہ دھلا جاواں تک گفتگو ہے وہ کہے پڑے آدھیں سے ہے اور مذہب کے پتے ہونے کی دلائل یا وہ تران لوگوں سے متعلق ہیں جو ان سب کو نہیں مانتے تھے یا ان لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے اس مذہب کو مانتے تھے مگر کسی وجہ سے اب اس سے پھر گئے ہیں پس اگر ان دونوں قسموں کے لوگوں کے سامنے آپ فرمائیے کہ

ہم آسمان کا ایسا جرم طیف اس لئے مانتے ہیں کہ قرآن کا انکار لازماً نہ آوے تو اُس کے لئے میں یہ بات کیا اثر کر گئی بلکہ مثل اُس شخص کے جس نے آٹا رسی شاعر کو کہا تھا کہ شعر گفتن وہ ضرور خود بنا لے وہ یہی جواب دیکھا کہ تسلیم کر دین قرآن چہ ضرور •

علاوہ اسکے نہایت منصف یقین کی بات ہے کہ ہم قرآن مجید کے کسی کلام کی نسبت جس میں اوقات اور حقائق موجودہ کا ذکر ہو دیکھیں کہ اُس کے واقعی ہونے کا کچھ ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے ایسی بات سے کیا فائدہ ہے جس کے واقعی ہونے کا دل میں تو یقین نہ ہو مگر صرف زبان سے اقرار کیا جاوے۔ ہمارا ایمان تو قرآن مجید پر ایسا مستحکم ہے کہ ہم تمام حقائق موجودہ کو اور قرآن مجید کو مطابق دل سے یقین کرتے ہیں •

چھکارم - ہم بذریعہ دُور بین کے زہرہ کو اور اُس کے سوا آدھاروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ مثل خانہ کے بدر و دھال ہوتے ہیں پس اگر وہ ستارے آفتاب کے گرد پھرتے نہ ہوتے بلکہ زمین کے گرد پھرتے ہوتے تو اُن کا بدر و دھال ہو کر نہ ہو دکھائی دینا غیر ممکن ہوتا۔ یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کہ آدھار سے بھی بدر و دھال ہوتے ہیں •

پنجھارم - ہم بذریعہ دُور بین کے اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ عطارد اور زہرہ جب آفتاب کے پاس آجاتے ہیں تو کبھی تو وہ آفتاب سے اس طرح پرل جاتے ہیں کہ آفتاب نیچے ہوتا ہے اور وہ اُس کے اوپر ہوتے ہیں اور کبھی آفتاب اوپر ہوتا ہے اور وہ اُس کے نیچے ہوتے ہیں اور یہ بات ہونی نہیں سکتی جب تک کہ آفتاب بلکہ نہ ہو اور تمام سیارات موزین کے اُس کے گرد نہ پھرتے ہوں۔ مگر آفتاب چوتھے آسمان میں چڑھا ہوا ہوتا اور وہ دونوں اُس سے نیچے ہوتے یعنی عطارد دوسرے آسمان میں اور زہرہ تیسرے آسمان میں اور وہ سب زمین کے گرد پھرتے ہوتے تو ممکن تھا کہ عطارد و زہرہ کبھی آفتاب کے اوپر آفتاب سے جا کر ششے یونانی حکیموں کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اُس زمانہ میں ایجاب نہیں ہوئی تھی مگر اس زمانہ میں اُن کا منفرہ علمِ مثبت مشاہدہ سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ پس اُن سے زیادہ انسان کی ندادانی کیا ہوگی کہ قرآن مجید کی تفسیر ایسے اصول پر کرے جن کی غلطی علانیہ ہو اور ایسے اصول پر تفسیر کرے کہ گویا کفر سمجھے جو بالکل واقع کے مطابق ہو •

علاوہ اس کے اور بہت سی دلیلیں ہیں جن سے بخوبی بمنزلہ جلیل القین بلکہ حق یقین کے ثابت ہوتا ہے کہ یونانیوں نے آسمانوں کا جیسا جرم مانا تھا اور کواکب کو ان میں چڑھا ہوا تسلیم کیا تھا اور یہ جانتے تھے کہ کلام آسمان میں کواکب کے زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں اور زمین ساکن ہے یہ محض غلط افواض و افق



ہے مگر وہ دلیلیں فی الجملہ شکل میں درآلات رصد کی واقعہ کاری اور علم طبیعیات کے ہانسنے پر تو  
ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عام لوگ جو ان علوم سے محض ناواقف ہیں سمجھ نہیں سکتے کہ اس لیے بنے  
اُن کو بیان نہیں کیا اور صرف چند مٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں جو ہر بھگدار آدمی کی سمجھ میں آسکتی  
ہیں خواہ وہ ان علوم سے واقف ہو یا نہ ہو۔

مشاہدہ سے اور تمام دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک سمت میں خواہ اُسیں کوئی  
جسم لطیف یا لہو یا نہ ہو تاہم کرات جو کواکب دکھائی دیتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں یہ زمین بھی انہی  
کی مانند ایک کرہ ہے اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کمرات کو مختلف مقامات میں بہت سے خبارے  
اُڑا دیتے ہیں اور وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور خلق ٹھہرے ہوئے اور چلتے ہوئے دیکھائی دیتے  
ہیں اسی طرح یہ سب کرے کواکب کے مدار ہی زمین کے خلاف اُن کی اپنی قدرت کاملہ سے ایک  
دست میں بکھیر دیئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ میں ہیں۔ اُن سب کے رخ میں آفتاب ہے اور ہر  
سپاہی کے گرد پھرتے ہیں اور زمین معلوم کر ایسے ایسے آفتاب اُڑھکتے ہیں اور کتنے ستارے  
اُن کے ساتھ ہیں جو اُس کے گرد پھرتے ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور برکت بے انتہا  
ہے۔

ہمارے مخالفوں کو اور ہر پرستار و جو آسمان پر نتوی کفر دینے والوں کو دروغ و سب سے انصاف  
کرنا چاہیے کہ خدا کی قدرت اور عظمت اُس کو صرف اس دنیا کا جو اُن کے نزدیک مثل ایک انڈے  
کے محدود ہے خدا اور خلق ماننے میں ہے یا اُس کو ایسی بے انتہا مخلوق کا خالق اور خدا ماننے میں  
ہے جسکی انتہا مثل اُسکی قدرت کے بے انتہا ہے جیسی یہ ہماری دنیا ہے جس کے لیے یہ آفتاب ہے  
اور جس سے بہت سے کواکب یا سب سے متعلق ہیں اسی طرح اور بہت سے بے انتہا شمس ہیں جن کا  
نظام ہی جُبل ہے اور مثل ہماری دنیا کے بلکہ اُس سے بھی زیادہ عجیب بے انتہا نظام شمس ہیں جن کے مجموعہ  
کو ہم دنیا کہتے ہیں جو ہمیں اور وہ اُن سب خالق اور سب ایک خدا کے واحد و الجلال ہے جس کا  
ذکر کوئی نہ ہے اور نہ کوئی ضد تعجب ہے کہ صرف ایک پڑیا کے اندر سے کے برابر چیز کا خدا کو خدا  
خالق جاننا تو اسلام جو اور اُس کو ایسا قادر و عظیم اور بے انتہا مخلوق کا خالق اور اُس سب کا خدا ماننا  
کفر و فہیات ہیما ت لشل هذا الاسلام و مرجا ثم مرجا ت لشل هذا الکفر و الله  
در من قال۔  
گر مسلمان ہیں است کہ واعظ دارو  
و اسے گرد پس اروز بود فردائے

اں ہاں شائبہ ہو اس بات پر غور کرنا باقی ہے کہ جس چیز کا جسے مشاہدہ کیا ہے اور جو کہ جسے دلیل قطعی ہوئی مشاہدہ سے واقعی بیان کیا ہے قرآن مجید یا وہ اُمادی سمجھ جو بدرجہ یقین یا قریب بدرجہ یقین یا قریب بظن غالب پہنچی ہیں اور کوئی نقص یا کوئی وجہ اُن کے انکار کی بھی نہیں ہے وہ تو اُس کی مخالف نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ اُس کی مخالف ہوں تو دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرنا پڑیگا یا اُس مشاہدہ کو غلط ماننا پڑیگا یا خود باتہ اسلام کو غلط تسلیم کرنا ہو گا مگر میری دانست میں قرآن اور نہ کوئی حدیث صحیح اُس کے برخلاف ہے جس کا ہم منفصل بیان کرتے ہیں +

مگر اُس کے بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بیان کرنی ضرور ہیں کیونکہ وہی ہمارے مہول ہیں جن پر ہمارا بیان مبنی ہو گا +

اولیٰ - یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرنے کے کہ ہمارا بیان اس لیے غلط ہے کہ مفسرین نے اُسکے برخلاف بیان کیا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر اُنہی اصولوں پر کی ہے جو حکام دینان نے مقرر کیے تھے اور جن کی غلطی ہو کہ مشاہدہ سے ثابت ہوئی ہے +

دوسرے - بلکہ الفاظ قرآن مجید کے وہ بھی نہیں لینگے جو اُن ٹرہ اہل عرب اُن کے معنی حقیقی یا مجاز کے موافق اپنی بول چال کے سمجھتے تھے نہ وہ معنی کہ کسی علم کے عالموں نے بموجب اپنی اصطلاح کے دوائے ہیں کیونکہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ ”وما ارسلنا من رسول الا باللسان قومہ“ +

تیسرے - بلکہ قرآن مجید لسان قوم عرب نازل ہوا ہے زبان اہل عرب بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی زبان انہی الفاظ پر محدود ہے جن سے وہ اپنے مافی الضمیر کو تعبیر کرتے ہیں اور لسان کے خیال میں یا دل میں بھی وہی چیزیں آسکتی ہیں جن کو وہ حواس غسہ ظاہری و باطنی سے جان سکتا ہے پس جس چیز کو یا کسی شکل میں نہ سمجھیں نہ دیکھا ہو نہ چھوا ہو نہ چکھا ہو نہ سونگھا ہو اور نہ ہمارے کان کی قوت سامع نے سمجھا جس کا کیا اور نہ ہمارے خیال میں آئی ہو اُس کا بیان کسی بیان کے الفاظ سے نہیں ہو سکتا اُس کے بیان سے انسان جبکہ وہ کسی قوم کی زبان میں تکلم کرے یقیناً عاجز ہے اور خداوند پاک بھی ایسے لفظ کو استعمال نہیں فرما سکتا جس کے سمجھنے سے وہی قوم عاجز ہو جیسے سمجھانے کے لیے وہ لفظ بولا گیا ہو خدا کی اہمیت ذات ہم کسی لفظ سے بیان نہیں کر سکتے اور نہ خدا ہو کہ اپنی اہمیت ذات عربی زبان کے یا آدھ کسی زبان کے لفظوں میں بتا سکتا ہے کیونکہ کسی زبان میں کوئی لفظ اس کی اہمیت پر مطلع کرنے کے لیے نہیں ہے +

اسی طرح جنہی چیزیں ایسی ہیں کہ خدا ہمارے دل میں رکھتی ہیں نہ ہمارے خیال میں اُن کی تعبیر کیجیے

پھر سورہ روم آیت ۴۴ میں فرمایا ہے "اللہ الذی یرسل الیہم فتنیر سحابا فیہ یسطو فی السماء یعنی اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے سحابوں کو پھر اُٹھاتی ہیں بادلوں کو پھر پھیلاتا ہے کہ آسمان میں" پس ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نیلی نیلی چیز میں سحاب چلتی ہے اور اس میں بادل اُٹھتے ہیں اور اسی میں پھلتے ہیں اور اسی نیلی نیلی چیز کا نام خدا نے ہیکو سما بتلایا ہے +

پھر سورہ سبا آیت ۹ میں فرمایا ہے "افلم یروا الی ما بین یدہم وما خلفہم من السماء والارض ان نشاء نحنف بہم کلاض او نسقط علیہم کفامن السماء" یعنی کیا انہوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان سے ٹکڑا ڈال دیں پس ہمارے چاروں طرف یہی نیلی چیز جو ہیکو دکھائی دیتی ہے اور جس طرح کہ ہیکو زمین میں وحش طربنے کا خیال کرتا ہے اسی طرح اس نیلی نیلی چیز کے اوپر سے ٹوٹ پڑنے کا خیال کرتا ہے اور اسی نیلی چیز کا نام خدا نے سماء بتایا ہے +

پھر سورہ ق آیت ۶ میں فرماتا ہے "افلم یظنوا الی السماء فوقہم یعنی کیا نہیں دیکھا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر پس یہی نیلی چیز ہیکو اور دیکھائی دیتی ہے اور اسی کا نام خدا نے سماء بتلایا ہے +

پھر سورہ حج آیت ۶۲ میں فرمایا ہے "ویمسک السماء ان تقع علی الارض یعنی تمام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے" پس وہ کیا چیز ہے جو ہیکو زمین پر گرنے سے تمام رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہی نیلی نیلی چیز ہے جس کا نام خدا نے ہیکو آسمان بتلایا ہے +

پس لفظ سماء جو قرآن مجید میں آیا ہے وہ تو اُسی چیز پر بولا گیا ہے جو اہل عرب سماء سمجھتے تھے۔ ہمارے مشفق جب چاہتے ہیں کہ سلا کے معنی کچھ آدہ بدل دیں تو وہ نہایت غلطی سے فرماتے ہیں کہ "یہ نیلی چھت چنہری ادھن میں بیت العنکبوت مثل ہوا و دھان کے کیا سماء منور صدق قرآن ہی ہے اور اسی کی نسبت قرآن میں وارد ہوا ہے "ومن ثم اشد خلقا ام السماء بنہا ہا رفہ سمک السماء والسماء بنہا ہا بادیہ"۔ وہ یہی آسمان ہے جس کی نسبت فرمایا ہے "ولقد جعلنا فی السماء اجراما و نوراً یبھا للناظرین" + وحفظنا ہا من کل شیطان رجیم + انا زینا السماء الذیاء منینہ + لا الہ الا انت سبحانک انک اکمل و احسن + انا زینا السماء الذیاء منینہ + ومن اياتنا ان تقوم السماء والارض بامرنا + کیا یہ عجیب لکھی کے ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے یوم

نظری السماء کھلی السجیل للکتاب کیا اسی کی نسبت ہے یمسک السماء ان تقع علی الارض •  
 ویدوم تشق السماء بالغمام • یدوم تعالیٰ السماء موکلاً • یدوم تاقی السماء بدخلان مسبین •  
 اسی کی نسبت فرمایا ہے۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیہا سراجاً وقمر منیراً  
 یہی ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے۔ وانشت السماء فبی یومئذ واهیت والاک علی ارجائها  
 یوم نکلت السماء کالھل • یوما یجعل الواللک شیباً السماء منقطرہ • اذ السماء  
 فرجت • وفنحت السمار فکانت البراب • اذ السماء کشت • اذ السماء انفطرت •  
 اذ السماء انشقت • والسماء ذات البروج • والسماء ذات الرحیم •

مگر ہم ادب سے کہتے ہیں کہ حضرت خفاہونے کی کوئی بات نہیں ہے فرمایا تو اسی کی نسبت ہے  
 کیونکہ یہ سب باتیں بقول آپ کے سار کی نسبت ہیں اور اسی نبی نبی بنزیر چیز کو اہل عرب سارا جانتے  
 تھے پھر بعد ہم پر خلی کیا ہے اگر خفاہونا ہے تو خدا پر خفاہو جیے کہ اُس نے اس نبی جھٹ چنبری  
 اودھن من بیت العنکبوت پر کیوں ان صفتوں کا اطلاق کیا جو اسپر صادق نہیں یا اسی  
 چیز کو ایسا مانیے جس پر یہ صفتیں صادق آجا دیں یا ہمارے ساتھ ہو جیے اور ایسے معنی اختیار کیجیے کہ  
 خدا پر سے خود ذائقہ کذب کا الزام اٹھے •

یا وفا یا خبر وصل تو بارگ رقیب

بازی چرخ ازیں یک دومہ کار سے کند

ایک ہمارے شفیق نے نہایت خوشی سے ہجو الزام دیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لا وجود السماء  
 جسا کیا • اور اگر یہی صفت چنبری مصداق آیات ہو تو اُس کا ہی تو جسم ہے پھر خود تمہارے اقوال سے  
 تمہارا قول غلط ثابت ہو گیا •

بلانشبہ الزام ہم پر بہت بڑا الزام ہے جسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر خراب آسمانوں کی ایسی جہالت  
 لئے میں کہو کچھ خذر نہیں ہم تو اُس جہالت کے سنگریں جس کو حکماء یونان نے قرار دیا ہے اور  
 جس کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے گو کہ سبب کسی خاص وجہ کے اُن کی ایک آدھ بات سے اختلاف  
 بھی کیا ہو •

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنے رسالہ میں جو ہم لوگوں کی ہدایت کے لئے لکھا ہے  
 مقام فرمایا ہے کہ ہمارا اعتقاد نہایت آسانوں کے یہ ہے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو  
 بنایا ہے اور ہمارے اوپر ہیں اور خلقت اُن کی ہماری خلقت سے محکم تر اور خدا اور وہ بے متون

محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں اور شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں اور شمس و قمر و نجوم اُن میں ہیں  
الذی قابل انشقاق اور انقطاع ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ہم اس اعتقاد کے منکر و منکراتِ قرآن سمجھتے  
ہیں۔

کسی کو منکراتِ کمدینا تو بہت آسان بات ہے۔ شخص ایک آیت کے کوئی معنی اپنے نزدیک  
ٹھہرا کر دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ اس معنی کے زلزلے والے کو ہم منکراتِ قرآن سمجھتے ہیں جیسے  
مثلاً مفسرین کے دو فرقوں میں سے ایک اس بات کا قائل ہے کہ آسمان متغیر سطح ہے اور اُس کے  
ستون کوہِ قاف پر رکھے ہوئے ہیں اور دوسرا اس بات کا قائل ہے کہ آسمان مثل مرغی کے انڈے  
کے گول ہے پس اس صورت میں جو فرقہ اس کے سطح ہونے کا قائل ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص  
آسمان کو مثل انڈے کے اعتقاد کرے وہ منکر قرآن ہے اور جو اس کو انڈے کے مثل کہتے ہیں وہ  
کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص آسمان کو سطح کہے وہ منکر قرآن ہے حالانکہ یہ دونوں مخالف فرقے اب تک مسلمان  
مفسروں میں شمار ہوتے ہیں اور اُن کے مذاہب بطور تحقیق و اختلاف آرا بڑی بڑی تفسیروں میں  
نقل کیے جاتے ہیں۔ پس مولوی محمد علی صاحب کے قواعد کے موافق ان میں سے بھی ایک تو ضرور  
منکر قرآن ہو گا مگر اس سے کسی کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ اپنا ہی کچھ نقصان ہے۔

مگر جو کچھ مولوی صاحب نے فرمایا اگرچہ وہ کب قدر ترمیم کے قابل ہے مگر یہ کہ اس سے انکار بھی نہیں  
بیشک آسمان ایسی چیزیں ہیں کہ خدا نے اُن کو بنایا ہے۔ اُن پر کیا موقوف ہے تمام چیزوں کا یہاں تک  
کہ جناب مولوی صاحب کا بھی بنانے والا خدا ہی ہے دوسرا کوئی نہیں بے شک وہ چارے اوپر  
ہیں مگر یہاں خدا غلطی ہے کیونکہ وہ چارے پاؤں تلے بھی ہیں بے شک وہ ہماری خلقت سے  
حکمران اور شدید ہیں لیکن اگر لفظ حکمران شدید سے سمجھا جاوے کہ جیسے کچی مٹی کی دیوار اور ایک ریختہ کی یا  
اُردھات کی دیوار یا جیسے ایک مٹی پڑی ہوئی چھت اور ریختہ کی ڈاٹ لگی ہوئی تو اس سے حکمران  
رکھیں کہ نہ کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید کے اُن لفظوں کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بیشک وہ بے ستون  
محض قدرت کاملہ سے مرفوع ہیں یہاں صرف اتنی بات ہے کہ جناب مولوی صاحب کو یہ نہیں معلوم  
ہو کہ وہ قدرت کاملہ کو کس صیغہ سے ظاہر ہوئی ہے مگر یہ کہ معلوم ہو گیا ہے کہ عالم اسباب میں وہ قدرت اُس  
وقت کے ذریعہ سے ظاہر ہوئی ہے جس کو ہم جذب کہتے ہیں۔ اور مولوی صاحب کے کلام میں شاید لفظ  
”مرفوع ہیں“ کی جگہ یوں ہونا چاہیے کہ ہر ایک کی نسبت مرفوع دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے بھی کہو کچھ  
انکار نہیں کہ شمس و قمر و نجوم کے مغایر ہیں مگر اتنا کہتے ہیں کہ اُن پر بھی بھجائے کہ مرفوع ہونے کے

اطلاق ہو سکتا ہے مگر یہ جو مولوی صاحب نے فرمایا کہ شمس و قمر و نجوم ان میں ہیں یہ گول گول بات ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شمس و قمر و نجوم ان میں اس طرح ہیں جیسے پانی میں چھلی یا جوا میں کبوتر تو تو ہم بدل تسلیم کرتے ہیں اور اگر ان کے ان میں ہونے سے اس طرح کا ہونا مراد ہے جیسے تختہ میں کیل یا انگوٹھی میں نگینہ تو ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک خدا کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے۔ پھر جناب ممدوح از قادم فرماتے ہیں کہ وہ قابل اشتقاق و انقطاع کے ہیں۔ ان لفظوں میں جو مولوی صاحب نے فرمائے ہیں قرآن مجید کی نجومی مطابقت نہیں جتنی۔ اگر یوں فرماتے کہ ان پر اشتقاق اور انقطاع کا اطلاق ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے تو باطل صاف ہو جاتا۔ مگر خیر لجانا ادب جناب مولوی صاحب کے ہم اُپنی تسلیم کر لیگے +

اب ہم کو یقین ہے کہ جناب مولوی صاحب سے خوش ہو جاویں گے اور اب ہم کو اور ہمارے مسلمان دوستوں کو یہ فائدہ مند و مسرت قرآن اور بیدین نہ فرماویں گے کیونکہ ہمارا اس میں کچھ نقصان نہیں اور مسرت میں جناب مولوی صاحب کی زبان گندی جتنی ہے مگر ایک جگہ مولوی صاحب نے ہم لوگوں کی بات کو مجذوبانہ بڑھکھا ہے۔ پس ان کا ہر نہایت شکر کرتے ہیں کہ انھوں نے ہم کو تکلیفات شرعیہ سے بری کیا ہے مگر ہر نہ معلوم کہ کیوں محد و مرتد و بیدین قرار دیتے ہیں مگر باتیں تو مولوی صاحب کی بھی ایسی ہیں کہ ایک کو دوسری سے مناسبت نہیں۔ خدا رکھ کرے +

اب یہ بات نجومی ظاہر ہو گئی کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا اطلاق یعنی آسمان اسی نیلی چمنی چھت پر کیا ہے خواہ وہ اوہن من بیت الصنکوت ہو۔ خواہ اشد من سقف الحديد +

دوسرے معنوں میں سماء کا اطلاق قرآن مجید میں بادلوں پر کیا ہے۔ بیسیوں جگہ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ انزل من السماء ماء یعنی آتا آسمان سے یعنی بادل سے پانی اور کچھ شک نہیں کہ بادل سے مینہ برستا ہے اور اس جگہ سماء کا لفظ بادل ہی پر پولا گیا ہے مگر اس سے شفیق فرماتے ہیں کہ ہم قرآن کے معنی بدل دیں گے اور کہیں گے کہ اس سے من جانب السماء مراد ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ سورہ ہود کی ۴۰۔ آیت کی نسبت کیا فرماویں گے جہاں خدا نے فرمایا ہے یرسل السماء علیکم مداراراً یعنی بھیجے گا آسمان کو مٹی یا بر کو تیرہ رتنے والا۔ پھر ۶۴۔ آیت میں فرمایا ہے ذلیل یا ارض البلی ماء ذلک ویاسماء اقلی یعنی اور کہنا گیا اسے زمین گل جا پنا پانی اور اسے آسمان مٹی یا بر تھم جا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے اقلعت السماء بعد ما مطرت اذا امسکت یعنی عرب کے محاورہ میں کہا جاتا ہے اقلعت السماء جبکہ برس کر تھم جاتا ہے۔ پس اب کوئی شخص اس بات پر شبہ کو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سماء کے لفظ کا

ابروبال پر بھی اطلاق ہوتا ہے \*

تیسرے جس چیز میں کوکب پھرتے ہیں سہ لفظ فلک کا بھی اطلاق آیا ہے۔ سورہ انبیاء آیت ۳۴ میں خلق اللیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون یعنی اور وہ ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو سہرا یک بیچ آسمان کے تیسرے ہیں \*

پھر سورہ نیس آیت ۴۰ میں فرمایا "لا الشمس بین یمنی لہا ان تدھرک القمر ولا الیل سابق النہار موکل فی فلک یسبحون یعنی سورج کے لیے لائق نہیں ہے کہ چاند کو کپڑے اور نہ رات پہلے ہو سکتی ہے دن سے اور سبتار سے آسمان میں چلتے ہیں۔" اور اہل علم تو آسمان کی جگہ فلک ہی کا لفظ بولتے ہیں جیسے فلک قمر وغیرہ اور فلک کسی ایسے جسم کو نہیں کہتے جیسے یونانیوں کا آسمان \*  
پہلے سموات کی جگہ طرائق کا لفظ بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پس ان دونوں لفظوں سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سما اور فلک اور سموات اور طرائق مراد ہیں بلکہ صرف استدلال اس قدر کہ سما و سموات کی جگہ ان لفظوں کے بولنے سے پایا جاتا ہے کہ آسمان کا ایسا جسم جیسا کہ یونانیوں اور ان کی تعلیم سے علماء اسلام نے تسلیم کیا ہے ویسا جسم ان کا نہیں ہے \*

جناب مولوی محمد علی صاحب نے یا تو ہمارا مطلب نہیں سمجھایا یا ہمارا بیان ایسا ناقص کہ جسے عالموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے حرکت کرتے ہیں۔ اجسام میں۔ پس ضرور ہے کہ مدار کا طویل و عرض و عمیق ہو۔ جب یہ امر مدہ ہو چکا تو بعد مدار حرکت سیارگان ان لوگوں کی رائے پر جن کے نزدیک خلا محال ہے بلا شک و شبہ جسم ہی ہو گا خواہ جسم لطیف مثل مانی و ہوا کے ہو خواہ کثیف شفاف ایسا جو راجح سیر نہوا اور جو لوگ خلا کے اسکان کے قائل ہیں ان کے نزدیک ممکن ہے کہ بعد مجرور ہو یا بعد مجسم \*

خدا مولوی صاحب کا بھلا کرے ہم تو اسی مدار کو جس کا ابھی ذکر کیا سا و وسیع سموات مانتے ہیں اور صرف یونانی حکیموں کے آسمان مجسم سے انکار کرتے ہیں نہ ایسے مدار سے جس کا جناب مولوی صاحب نے ذکر کیا اور اہل بیت کا کچھ خیال بھی نہیں کرتے کہ خدا خال نہ ہے یا ممکن کیونکہ اس کے محال یا ممکن ہونے پر اب تک کوئی دلیل قطعی معلوم نہیں ہوئی ہے بلکہ بحالت اسکان خلا بھی ہم اس مدار کو خالق و مخلوق مانتے ہیں اگر وہ ممکن ہو مگر ہم خلا کو بھی مخلوق مانتے ہیں اور خدا کو سب چیز کا بیان تک کہ خلا کا بھی

خالق جانتے ہیں :

تعجب ہے کہ ہم باہر اور اپنی ہر ایک تحریر کے شروع میں کہتے آتے ہیں کہ ہم اُس جہانیت آسمانوں کے منکر ہیں جو پوٹلی جاکیموں نے تسلیم کی ہے اور جبکہ علماء اسلام نے یونانیوں کی تقلید کر کے تبدیلِ قیل اتسلیم کیا ہے اور جہود مذہب قرار دیا ہے +

ہم علماء اسلام کی اُن لغو باتوں سے انکار کرتے ہیں جن میں اُن فعلی نے یونانیوں کی تقلید سے اور سوزن و روایتیں مگر آسمان کو ایسا جسم مانا ہے جو ہم میں اور اوپر کی مخلوق میں آڑ ہے اور لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ دیکھو تفسیر کبریا میں جویم متفق السماء بالنعام کی تفسیر میں کیا لغو روایتیں لکھی ہیں ایک روایت لکھی ہے کہ انبیاء کے وقت میں کونے کتروں میں سے زشتے نازل ہو کر تے عکس آسمان بدستور چڑے رہتے تھے مگر جب آسمان پھٹ جاوے گا تو زمین میں اور فرشتوں میں کوئی عامل نہیں رہنے کا پس زشتے زمین پر اتر آدینگے +

دوسرا قول لکھا ہے کہ آسمان کے اوپر تو فشتے رہتے ہیں مگر جب وہ پھٹ جاوے گا تو وہ انخودا ان کو نیچے اترنا پڑے گا بقول شخصے کہ جب اداہی نہ رہے گا تو بیٹھیں گے کا ہے پر۔ پھر حضرت ابن عباس کی طرف روایت کو منسوب کیا ہے اور ساتوں آسمانوں کا پھٹنا اور وہاں کے فرشتوں کا زمین پر آنا بیان کیا ہے۔ پھر اس فکر میں پڑے ہیں کہ زمین پر سب وہ ساتینگے کیونکر۔ پھر اُس کے لئے ایک روایت گھڑی ہے +

پھر حضرت قتال کی نسبت ایک روایت گھڑی ہے اور اُس میں تو قیامت ہی کر دی ہے اُس میں لکھا ہے کہ اول دنیا کا آسمان پھٹے گا اور اُس آسمان پر جو رہتے ہیں وہ اترینگے اور وہ تمام دنیا کے کھان سے زیادہ ہونگے پھر اسی طرح ایک ایک آسمان پھٹا جاوے گا آخر کو کر دبی اور فرشتگانِ عملۃ العرش اترینگے اور پھر سب سے اخیر خدا تعالیٰ رب العرشِ اعظم اترینگے کیونکہ وہ تو سب سے اوپر تھے جب سب آسمان پھٹ گئے تب جناب باری کو اترنے کا رستہ ملا فعوذ باللہ من هذا الابطیل۔ مگر حقیقت مذہب اسلام ہی ہے تو اُس سے دیو اور پری کے قصے ہزار درجہ بہتر ہیں جناب مولوی صاحبِ علم آپ جو ان روایات کی تائید کرتے ہیں یا اسلام کی غیر خواہی نہیں بلکہ کمال بدخواہی ہے اور بھی اُلٹا سے اسلام کا بدنام کرنا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جوں جوں ترقی و حکمت شہود یہ ادا علوم یقینی کی جلی لاک اسلام سے پھرتے جاوے گئے اور اسلام کو آپ لوگوں کی بدولت تو بھیں گے اور اُس سب کا گناہ مولوی صاحبوں کی گردن پر ہو گا۔ اسلام کی دوستی یہ ہے کہ نہ ضحاک کی رہایت کیجئے نہ قتال کی صرف



اسلام پر عاشق رہئے اور جس قدر غلط روایتیں اور غلط رائےیں اسلام میں مل گئی ہیں جو حقیقت اسلام کی نہیں ہیں اُن کو اس طرح محال ڈالئے جیسے کہ دودھ میں سے مکھی اور اسلام کی روشنی دھریہ ولا مذہب و حکم پتیر و حکمت قدیم و پتیر و حکمت جدید سب کو ایسی طرح پر سکھائیے کہ سب دنگ ہو جائیں۔ قلم ہاتھ میں لیکر بے سود باتوں سے کاغذ کو سیاہ کر دینا اور تفسیر القول بمالایرضیٰ قایلہ کر کے لوگوں کو کافرو محدومہ و مذہکنا کچھ دینداری کی بات نہیں ہے البتہ جاہلوں میں بیچکر شیخی کرنے کو اور بڑے پکتے دیندار کہلانے کو تو بہت عمدہ ہے ہم کیوں پتیری کریں اُن علماء کے قول کی جن کا قول خلاف واقع ثابت ہوا ہے اور کیوں پتیری کریں اُس تفسیر کی جس سے تمام قرآن خود بابتہ غلط اور خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ ہم کسی تفسیر کو کسی عالم پر ایمان نہیں لائے جو اُن کی بات کی تصحیح کریں۔ ہم تو خدا پر اور اُس کے رسول محمد علی اللہ علیہ وسلم پر اور اُس کے کلام پر ایمان لائے ہیں اور اُس کے عاشق ہیں پس جو شخص یا جو قول ایسا ہے جس سے اُن میں نقص لازم آتا ہے تو اُس کے دشمن ہیں پس نہایت مناسب ہے کہ آپ ہمارے دشمن ہو جائیے مگر اتنا سمجھ لیجئے کہ دوست کے دشمن ہوتے ہو اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ دوست کا دشمن کون ہوتا ہے \*

پانچویں۔ سماء کا اطلاق شے مرتفع پر بھی آتا ہے۔ جسے اپنے اس قول کی تائید میں امام فخر الدین رازی کا قول نقل کیا تھا کہ السماء عبارة عن کل ما ارتفع۔ اور جناب مولوی محمد علی صاحب نے یہ قول امام صاحب کا بھی نقل فرمایا ہے کہ ان السماء انما سمیت سماء لسموھا فکل ما ساءک فهو سماء فانزل الماء من السحاب فقد نزل من السماء یعنی آسمان کا نام سماء اسی سبب سے رکھا گیا ہے کہ وہ بلند ہے پہنچ چیز کے تھہرے بلند ہے وہ آسمان ہے پس جب بنا نزل ہوا مینہ بدلے سے تو ہر سماء سٹے مگر جناب مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی علماء لغت میں سے نہیں ہیں اُن کا قول بیان معانی لغت اور دیگر علوم عربیہ میں متخذ نہیں \*

پھر ارقام فرماتے ہیں کہ امام رازی نے یہ بات بطریق قیاس فی المقتضیٰ کے فرمائی اور چونکہ قیاس فی المقتضیٰ مقبول نہیں ہے پس یہ قول بھی اُن کا مقبول نہیں ہو سکتا۔

خیر یہ کہ اس سے توجہ نہیں ہے کہ امام فخر الدین رازی کو علوم عربیہ کی لیاقت تھی یا سہلیں۔ اگر لیاقت تھی تو بھی دل ماشاد اور اگر نہ تھی تو کچھ مولوی صاحب نے اُن کے حق میں فرمایا ہماری طرف سے بھی بیش باد مگر اس قدر تو شاید جناب مولوی صاحب بھی تسلیم فرماتے ہوئے کہ بغور استعارہ کے مرتفع چیزوں پر سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے پس اس قدر ہم بھی کہتے ہیں کہ اُن پر بھی سماء کا اطلاق ہو سکتا ہے \*

یہ کم کب کہتے ہیں کہ ہر جگہ سارا اور سمات کے معنی اوپر کے یا اوپر کی چیزوں کے لوہم تو خود سارا کا اطلاق متحد چیزوں پر اس لیے ثابت کرتے ہیں کہ ان میں سے جو کچھ ہی چیز متقناتے مقام ہوا اور سیاق و سباق عبارت سے پائی جاوے وہ مراد لیا جاوے نہ کہ یونانیوں کی تقلید سے ہر جگہ وہی معنی غیر واقعی ہم مراد لیا جاوے جو محض غلط و خلاف واقع ہے +

ہم کو نہ مولوی محمد علی صاحب کا اور نہ اڈرکسی تحریر کا جواب لکھنا مقصود ہے۔ اس مقام پر اتفاقیہ چند باتیں تقریر کے پھیر میں لکھیں پس ہم نے ان کی بہت سی حیا اور غیر صحیح باتوں سے جو تعرض نہیں کیا تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کو تسلیم کیا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ بے فائدہ اوقات ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے +

اب ہم آئندہ بیان کریں گے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا کوئی آیت قرآن مجید کی اس کے برخلاف نہیں ہے +

اس بات کے بیان کرنے کے بعد کہ سارا کے لفظ کا کن کن معنوں میں اطلاق ہوا ہے اب ہم قرآن مجید کی مجملہ آیتوں پر جو سارا سے متعلق ہیں نظر کرتے ہیں اور ان سب کو قسم و اربیان کر کر ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں انہیں معنوں میں سارا کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے۔ ایسے جسم محکم و صلب شفاف بلورین پر جیسا کہ یونانی حکیموں نے خیال کیا ہے اور جن کی تعلید علماء اسلام نے کی ہے +

## قسم اول

وہ آیتیں جن میں لفظ سارا کا مادوں پر اطلاق ہوا ہے +

۱۔ وارسلنا السماء علیہم مدمرارا۔ الانعام آیت ۶ +

ترجمہ۔ اور بھیجا تھے بادل کو ان پر ڈیر ڈیرے سے برستا +

۲۔ یومزل السماء علیہم مدمرارا۔ ہنح آیت ۵۲۔ نوح آیت ۱۰ +

ترجمہ۔ بھیجے بادل تم پر ڈیرے سے برستا + سورہ ہود میں جو یہ آیت ہے اُس کے

ترجمہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی سارا کا ترجمہ برابر کیا ہے اور باقی دو جگہ

میں نہ +

۳۔ ۱۴۔ انزل من السماء ماء۔ البقرہ آیت ۲۰۔ الانعام آیت ۹۹۔ الزمر آیت ۱۸۔ ابراہیم

آیت ۳۴۔ الخلل آیت ۱۰۔ طہ آیت ۵۵۔ الحج آیت ۲۲۔ المؤمنون آیت ۱۸۔

الملائکہ آیت ۲۵ - الزمر آیت ۲۲ +

ترجمہ - اُتارنا بادل سے پانی +

۱۵ - والذی نزل من السماء ماء بقدر - الزخرف آیت ۱۰ +

ترجمہ - اور جس نے اُتارنا بادل سے پانی اندازہ سے +

۱۶ - وانزلنا من السماء ماء وطهرنا - الفرقان آیت ۵۰ +

ترجمہ - اور اُتارنا ہم نے بادل سے پانی پاک کر دیا +

۱۷ - ونزلنا من السماء ماء مبارکاً - ق آیت ۹ +

ترجمہ - اور اُتارنا ہم نے پانی بادل سے برکت والا +

۱۸ - وما نزل الله من السماء من ماء - البقرة آیت ۱۵۹ +

ترجمہ - اور وہ جو اُتارنا اللہ نے بادل سے پانی +

۱۹ - ويُنزل عنكم من السماء ماء - الانفال آیت ۱۱ +

ترجمہ - اور اُتارنا تم پر تمہارے بادل سے پانی +

۲۰ و ۲۱ - كما نزلنا من السماء - يونس آیت ۲۵ + الکہف آیت ۴۳ +

ترجمہ - اُنسان پانی کے جیسے اُتارنا ہم نے بادل سے +

۲۲ - فانزلنا من السماء ماء - الحجر آیت ۲۲ +

ترجمہ - پھر اُتارنا ہم نے بادل سے پانی +

۲۳ - وانزلنا لکم من السماء ماء - النمل آیت ۶۱ +

ترجمہ - اور اُتارنا تمہارے لیے بادل سے پانی +

۲۴ - وانزلنا من السماء ماء - لقمان آیت ۹ +

ترجمہ - اور اُتارنا ہم نے بادل سے پانی +

۲۵ - ومن آياته يرسلهم البرق خفياً وطعاً وينزل من السماء ماء - الروم آیت ۴۳ +

ترجمہ - اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈرانے کو اور بج کر گرنے کو اور اُتارنا ہے بادل سے پانی +

۲۶ - اوکھیب من السماء فيه ظلمات ورمعد وبرق - البقرة آیت ۱۸ +

ترجمہ - ایسی دھواں اور دھندلے کے بادل سے انہیں میں اندھیری اور ٹوک اور بجلی +

- ۲۷۔ ولئن سألتهم من نزل من السماء ماء۔ العنكبوت۔ آیت ۶۴ +  
 ترجمہ۔ اور اگر تو پوچھے ان سے کہ کس نے اتارا بادل سے پانی +  
 ۲۸۔ وما نزل الله من السماء من رزق فأحيا به الأرض بعد موتها۔ الجاثية۔ آیت ۴ +  
 ترجمہ۔ اور وہ جو اتارا اللہ نے بادل سے رزق یعنی مینہ پھر زندہ کیا اُس سے زمین کو  
 اُس کے مر جانے کے بعد +  
 ۲۹۔ ۳۱۔ من يرزقكم من السماء والأرض۔ يونس۔ آیت ۳۲۔ الملائكة آیت ۴ +  
 ترجمہ۔ کون روزی دیتا ہے تم کو بادل سے اور زمین سے + آسمان کے رزق سے جو دل کو  
 مینہ برسا رہا ہے +  
 ۳۲۔ وينزل لكم من السماء رزقاً۔ المؤمن آیت ۱۳ +  
 ترجمہ۔ اور اتارا ہے تمہارے لیے بادل سے رزق یعنی مینہ +  
 ۳۳۔ وفي السماء رزقكم وما توعدون۔ الذاریات آیت ۲۲ +  
 ترجمہ۔ اور بادل میں ہے رزق تمہارا اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ہے + یعنی بادلوں میں  
 مینہ ہوتا ہے جو رزق پیدا ہونے کا اور زمین سے تمام موجودہ برکتوں کے نکلنے  
 کا سبب ہے +  
 ۳۴۔ ففتحت أبواب السماء بما يؤمنهم۔ القم آیت ۱۱ +  
 ترجمہ۔ پھر کھول دیئے ہنسنے بادل کے دروازے و ٹیڑھے کا پانی ٹپکنے سے +  
 ۳۵۔ وينزل من السماء من جبال فيها من برد۔ النور آیت ۴۴ +  
 ترجمہ۔ اور ڈالتا ہے بادل کے پہاڑوں سے جو اُس میں ہیں ازلے +  
 ۳۶۔ والسموات ذات الرحيم والأرض ذات الصدع۔ البارق۔ ۱۱ + ۱۲ +  
 ترجمہ۔ قسم ہے پھر نکلنے والے بادل کی قسم ہے زمین اُگانے والے پھوٹاؤ والی  
 کی +

### قسم دوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سار کا فضاء بلند مجید پر اطلاق ہوا ہے۔

۱۔ والسموات الجبک۔ الذاریات آیت ۷ +

ترجمہ۔ قسم ہے رستوں والی اونچائی کی +

تفسیر میں لکھا ہے والسماء ذات الحجب قبل الطریق وعلى هذا فيجمل ان  
يكون انما اد طریق الکوکب و هو انما یعنی تفسیر کہہ میں جبک کے معنی طریق کے یعنی  
رستوں کے بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ شاید اس سے ستاروں کے رستے اور ان کے چلنے کی  
جگہیں مراد ہیں :

اب اس آیت سے دو بات پراسد لال ہے۔ ایک یہ کہ آسمان ستاروں کے چلنے کی جگہ پر والا گیا  
ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کوئی ایسا اجتماع اور سلب شفاف بلوریں نہیں ہے جیسا کہ یونانی  
عالمیوں نے خیال کیا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی ہے بلکہ اس مکان مریخ کا جس میں  
اجرام باجرام کوکب کے دؤرہ کرتے ہیں سوا نام ہے ہم اس سے بحث نہیں کرتے کہ اس  
مکان میں کوئی جبر لطیف مریخ میر کوکب نہ ہو مگر وہ ہے یا نہیں کیونکہ ہمارے پاس اس کے موجود  
ہونے کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ قرآن مجید کی صحت اور صداقت ثابت کرنے  
کے لئے ایسے کسی وجود کے تسلیم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ وہ صورت اس کے موجود ہونے کے  
کچھ ثبوت ہے :

کوکب بہت سے ہیں اور ان کی راہیں بھی بہت سی اور جدا جدا ہیں اور ہر ایک مکان کے  
دؤرہ پر سوار کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر جبکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رستوں والا آسمان تو اسوقت  
آسمان سے کوئی خاص مکان یا کوئی خاص ہم سوار کا دینا نہ مراد نہیں ہو سکتا اور اس لئے اس  
آیت میں لفظ سوار کا باندھی پر اطلاق ہوا ہے جو مکانیت سے خالی نہیں ہے اور جس میں ہزاروں  
رستے کوکب کے دؤرہ کے ہیں :

۲۔ هو الذي خلق لكم ما في الارض جميعا ثم استوى الى السماء فوضو له سبع

سبلات۔ البقرة۔ آیت ۷

ترجمہ۔ وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور  
پیدا کیا بلندی کو تو درست کیے متعدد آسمان :

تفسیر میں لکھا ہے ثم استوى الى السماء اے خلق بعد الارض السما ولم يجعل  
بينهما ازماناً ولم يقصد شيئاً اخر بعد خلق الارض یعنی ثم استوى الى السماء سے  
زمین کے بعد اس کے پیدا کرنے کا استعارہ ہے اور ان دونوں کے پیدا کرنے کے چھپیں کچھ مدت نہیں  
تھی اور نہ زمین کے پیدا کرنے کے بعد اور کسی چیز کا قصد کیا :

اور یہ بھی تفسیر کریں گے کہ ہے فان قلا قابل فہل یدل التخصیص علی سبع سموات  
 علی نفی العدد والزايد قلنا الحق ان تخصیص العدد بالذکر لا یدل علی نفی الزايد یعنی کیا  
 سات آسمانوں کی تعداد بیان کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ سات سے زیادہ نہیں ہیں تو ہم جواب  
 دیں گے کہ حق یہ ہے کہ کسی خاص عدد کا بیان کرنا اُس سے زیادہ ہونے پر دلیل نہیں ہے +  
 انھیں مہجرات سے پہنچنے ثم استوی الی السماء کا ترجمہ اور پیدا کیا آسمان یعنی بلندی کو  
 اور سبع کا ترجمہ ہجرات کے متعدد کیا ہے +

علماء متقدمین کو جو یونانی ہیئت کا خیال چاہوا تھا اس لئے اُن کو اس قسم کی آیتوں کی تفسیر  
 میں مشکلات پیش آتی ہیں ورنہ حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ہم بندوں سے جو اس  
 زمین پر رہتے ہیں مخاطب ہو کر اُن کے حسابال کلام کرتا ہے جبکہ اُس نے ہمارے لئے زمین  
 اور اُسکی تمام چیزوں کے پیدا کرنے کا ذکر کیا تو جو کچھ اُس نے ہم سے اوپر پیدا کیا تھا وہ ہمارے  
 لئے سطوات ہو گئی اس لئے اول زمین کی چیزوں کا ذکر کیا اور پھر آسمانوں کا +

پہنچنے ساء کا ترجمہ بلندی کیا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ساء کے لفظ سے  
 کوئی محال خاص یا کوئی یونانیوں والا خاص جہ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی ایک آسمان کے ساء آسمان  
 نہیں چلے گئے ہیں بلکہ وہ الگ الگ جدا جدا سات آسمان ہیں اس لئے بجز اسکے کہ اس آیت میں  
 لفظ ساء سے بلندی مراد لیجائے اور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتا اور جب اُسکے معنی بلندی لئے  
 گئے تو آیت کے معنی صاف ہو گئے کہ خدا نے بلندی کو پیدا کیا اور اُس میں سات یا متعدد آسمان  
 بنائے +

بلندی ایک فضا یا وسعت محیط ہے جو ہر جہت الّا اس پر دکھائی دیتی ہے۔ وہ مکانیت سے  
 خالی نہیں خواہ اُس میں خلا ہو یا نہ ہو مگر جب وہ فضائے مرتفع متعدد نشانوں سے منقسم ہو جاتی ہے تو  
 اُس کے ہر ٹکڑے پر بطور سامان یا ارتفاع کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ہم یونانی حکیموں کے قول کو  
 تسلیم نہیں کرتے مگر بطور مثال کے سمجھاتے ہیں کہ جو وسعت اُن کے نزدیک زمین سے فلک قمر کے  
 مشرق تک تھی اسکو انھوں نے تین ٹکڑوں پر منقسم کیا تھاجن کو وہ مکرہ تھا اور مکرہ زہرہ اور مکرہ با  
 سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح اُس وسعت کی تقسیم سموات پر ہوتی ہے یعنی اُس وسعت کے اُس محل کو  
 جہاں نیلی نیلی چیزیں چوکھائی دیتی ہے ہم آسمان کہتے ہیں اور اُس محل کو جہاں چاند گردش کرتا  
 ہے چاند کو ساء کہتے ہیں اور اُس محل کو جہاں سورج گردش کرتا ہے ہم سورج کہتے ہیں اور اُس محل کو جہاں چاند گردش کرتا ہے

سموات کا اطلاق کیا ہے اس بیان کی تصویر انگلی آیت سے بالکل ثابت ہوتی ہے •  
 ۳۔ ثم استوعب الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعاً او كرهاً قالنا اتينا  
 طائعين فقطنا هن سبع سموات في يومين وادخلى في كل سماء امرها فصلت  
 آیت ۱۱ و ۱۲ •

ترجمہ - اور پیدا کیا بلندی کو اور وہ دھواں تھا یعنی تاریک مٹی پھر کہا اُسکو اور زمین کو  
 ”حکم مانو خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا ہم نے حکم مانا خوشی سے پھر کرو اپنے  
 سات یا متعدد آسمان، دونوں میں اور ڈال رہا ہر آسمان میں اُس کا کام •  
 جو تقریر کہہنے اور بیان کی اسی تقریر سے اس آیت میں بھی جو لفظ سماء اول آیا ہے اُس کے  
 سنی بھی کسی محل خاص یا جسم خاص کے نہیں ہو سکتے •

دخان سے مفسرین نے تاریکی مراد لی ہے اور یہ بالکل ٹھیک ہے اس لیے کہ بلندی میں قبل بلو  
 کو اُس بجز تاریکی کے جسکو دخان سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نہیں تھا •

شاہ عبدالقادر صاحب اپنے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ”آسمان ایک تھا دھواں سات کو بانٹ کر  
 سات کیئے اور ہر ایک کا کارخانہ جدا ٹھہرایا یہ بالکل تصویر اُسی بیان کی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے  
 یعنی یہ تمام فضائے بلند ایک تھی اُسی کو آسمان کہا ہے جبکہ اُس میں آؤر آؤر چھریں پیدا ہوئیں اور اُس  
 فضا کی اُن چیزوں سے تقسیم ہو گئی تو اُس کے ٹکڑوں پر سموات کا اطلاق ہونا چاہیگا •

دیکھو کہ ہمارے آسمان کی نیلی شمع سنکس ہونے سے یہ نیلی چھت جسکو دکھائی دیتی ہے اور اُس  
 فضا کو اپنی اُس حد سے تقسیم کر دیتی ہے اُس محل کو ہر آسمان کہتے ہیں •

چاند اور عطارد وغیرہ کو اکب اپنے وجود سے اُس فضا کو تقسیم کر دیتے ہیں جیسے صنو کا خپر نفثہ  
 لگنے سے ہر حصہ محدود ہو جاتا ہے اور پھر اپنے دُورہ سے جو آفتاب کے گرد کرتے ہیں ایک محل کو جو  
 ہاشم پر کائنات کا اُس پر اطلاق ہوتا ہے اُس فضا سے علیحدہ کر لیتے ہیں اس لیے اُن کے ہر ہر محل کو بھی  
 ہر آسمان کہتے ہیں •

۴۔ فانزلنا علی الذین ظلموا رجلاً من السماء بما كانوا یفسقون۔ البقرة آیت ۵۶ •

ترجمہ - پھر اُن پر اتارا ہم نے زیادتی کرنے والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اور ہر سے اُن کی  
 نافرمانی پر •

۵۔ فارسلنا علیہم رجلاً من السماء بما كانوا یظلمون۔ الاعراف آیت ۱۶۲ •

ترجمہ۔ پھر بھی جیسے اُن پر عذاب آسمان سے یعنی معاوضہ اُن کی زیادتی کا +

۷۔ انا منزلون علی اهل هذه القرية رجزا من السماء بما كانوا یفسقون + العنکبوت

آیت ۳۳ +

ترجمہ۔ ہم اُن انبیاء کے ہیں اس بتی والوں پر عذاب آسمان سے یعنی اوپر سے جو اُن کی بدکاری کے +

۷۔ فامطر علینا حجارة من السماء۔ الانفال آیت ۳۲ +

ترجمہ۔ تو برسایں پتھر آسمان سے +

۸۔ ان تنزل علیہم کتابا من السماء۔ النساء آیت ۱۵۲ +

ترجمہ۔ اُن پر اُنار لاوے کتاب آسمان سے یعنی اوپر سے +

۹۔ هل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدة من السماء۔ المائدة آیت ۱۱۲ +

ترجمہ۔ میرے خدا سے ہو سکتا ہے کہ اُنار سے ہم پر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے +

۱۰۔ الہم ینزلنا انزل علینا مائدة من السماء۔ المائدة آیت ۱۱۴ +

ترجمہ۔ اے اللہ! ہمارے پروردگار اُنار ہم پر کھانا آسمان سے یعنی اوپر سے +

۱۱۔ ویرسل علیہا حسانا من السماء۔ کہف آیت ۳۸ +

ترجمہ۔ اوپر بھیجے اُس پر آسمان سے +

۱۲۔ لنزلنا علیہم من السماء ملکا رسولا۔ اسرائیل آیت ۹۷ +

ترجمہ۔ البتہ ہم اُنار تے اُن پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام لیکر +

۱۳۔ ان نشأنا نزل علیہم من السماء ایتۃ + الشعرا آیت ۳ +

ترجمہ۔ اگر ہم چاہیں اُناریں اُن پر آسمان سے ایک نشانی +

۱۴۔ ومن یشک بالله فکانما خر من السماء۔ الحج آیت ۲۲ +

ترجمہ۔ اور جس نے شریک بتایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے یعنی بلند سے +

۱۵۔ وما انزلنا علی قومہ من بعدہ من جنہ من السماء وما کننا منزالین۔ یس آیت ۲۴ +

ترجمہ۔ اور ہمیں اُنار بھیجئے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے بھیج نہیں

اُنار کرتے +

۱۶۔ لفتحا علیہم ربکات من السماء والارض + الاعراف آیت ۹۴ +



ترجمہ۔ تو ہم کہلاتے ہیں پر بکرتیں آسمان کی اوند زمین کی +

۳۵۔ ولوفتخنا علیہم باباً من السماء۔ الحجۃ آیت ۱۴ +

ترجمہ۔ اور اگر ہم کہلاتے ہیں اُن پر دروازہ آسمان سے +

۳۶۔ لا تفتح لہم ابواب السماء۔ الاعراف آیت ۳۸ +

ترجمہ۔ کیسی نہ کھلیں گے اُن پر دروازے آسمان کے +

۳۷۔ یدبر الامر من السماء علی الارض۔ السجۃ آیت ۴ +

ترجمہ۔ تدبیر سے اُن آرتا ہے کام کو آسمان سے زمین تک +

۳۸ و ۳۹۔ وما ینزل من السماء وما یرج فیہا۔ سبا آیت ۲۔ والحدید آیت ۴ +

ترجمہ۔ اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اُڑتا ہے اُس میں +

۴۰۔ اَآمنتُم من فی السماء ان ینسف بکم الارض فاذا ہی تمور ام امنتم من

فی السماء ان یرسل علیکم حاصباً۔ الملک آیت ۱۶ و ۱۷ +

ترجمہ۔ کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ نساوے تنکو زمین میں پھر بکھو

وہ لرزتی ہے۔ کیا نڈر ہوئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ کبھی تر پتھر برساتا

والی آیت +

۴۲۔ ومن یددان یضلہ یجعل صدرہ اُضیقاً حراً کائماً یصعد فی السَّعۃ او۔

الانعام آیت ۱۲۵ +

ترجمہ۔ اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھٹکاوے کرتا ہے اُسکا سینہ تنگ پہونچے گویا آسمان

پر پھینکی اور کوا اُٹھا جاتا ہے +

۴۳۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجاً وقراً مبیناً۔

الفرقان آیت ۶۲ +

ترجمہ۔ بڑی بکرت ہے اُسکی جس نے بنائے آسمان میں بُج اور رکھا اُس میں چراغ

اور چاند روشن +

سارے لفظ سے جو اس آیت میں ہے کوئی خاص محل اور خاص جہ مراد نہیں ہو سکتا بجز

فنائے مرتفع کے کیونکہ بروج اور سورج اور چاند ایک آسمان میں نہیں ہیں بلکہ ایک فضا کے مرتفع

میں ہیں +

۴۴۔ ولقد جعلنا فی السماء بروجاً ونرى بها للنظرین۔ الحج آیت ۱۶ +  
ترجمہ۔ البتہ بنائے ہوئے آسمان میں بروج اور خوبصورت کیا اُسکو دیکھنے والوں کے لیے +

۴۵۔ والسماء اعذات البروج۔ البروج آیت ۱ +

ترجمہ۔ قسم ہے بروجوں والی اونچائی کی +

اگرچہ اس آیت میں بروجوں والے آسمان کے معنی بھی لیے جاسکتے ہیں مگر بنا سبت آیت  
سورۃ الفرقان کے اس جگہ پر بھی فضائے مرتفع کے معنی لیے گئے ہیں +

۴۶۔ فلیمدد بسبب الی السماء۔ الحج آیت ۱۵ +

ترجمہ۔ پھر چاہیے کہ تانی ایک رسی آسمان یعنی اوپر کی طرف۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی حاشیہ پر لکھا ہے کہ ”آسمان کو مانے یعنی اُچان کر۔ اور شاہ  
ولی اللہ صاحب نے بھی سار کا ترجمہ جانب بالا کیا ہے۔ چنانچہ دیکھتے ہیں ”پس یاد کرو بیا ویز دسنے  
سجانب بالا“ +

۴۷۔ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء + ابراہیم آیت ۲۹ +

ترجمہ۔ اُسکی جڑ مضبوط ہے۔ اور اُسکی ٹہنی آسمان میں مہنی نہایت بلند ہی میں +

### قسم سوم

وہ آیتیں جن میں لفظ سماء کا اس پہلی چیز پر جو بکھو دکھلائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے +

۱۔ ولقد نرى السماء الدنيا بمصابیع وجعلنا رجوماً للشیاطین + الملک آیت ۵ +  
ترجمہ۔ اور البتہ خوش نما کیا ہم نے دنیا کے آسمان کو چرائعوں سے اور کیا ہم نے اُسکو سنگساری  
شیطانوں کے لیے +

۲۔ ونرى السماء الدنيا بمصابیع وحفظاً + فصلت آیت ۱۱ +

ترجمہ۔ اور خوش نما کیا ہم نے دنیا کے آسمان کو چرائعوں سے اور حفاظت میں رکھا +

۳۔ انا نرى السماء الدنيا بمنزلة الکواکب۔ الصافات آیت ۶ +

ترجمہ۔ البتہ مجھے خوش نما کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوشنمائی سے +

ان آیتوں میں لفظ ”سماء الدنيا“ کا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہے جو اُسی  
محض تھے اور علاوہ اُسی ہونے کے ایسے ملک اور ایسے لوگوں میں پردہ شہادت ہی جو بالکل قابل تھے

اگر کسی قسم کے علوم اُن کے ہاں متوج نہ تھے وہ علم طبیعیات کا نام بھی نہیں دیتے تھے تو اس سے  
 بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بلاشبہ یہ لفظ وحی والہام سے نکلے ہیں اور جو امر کہ انہی تحقیق ہوا ہے وہ تیرن  
 برس پیشتر تک اُمّی نے فرمایا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اس نیلی نیلی چیز کو جو ہمو دکھائی دیتی ہے سار دنیا کہنا ایسا ٹھیک ہے کہ آج کل سیڑھے بڑے  
 عالم علوم طبی کے اس سے زیادہ عمدہ کوئی لفظ نہیں نکال سکتے۔ ہماری دنیا کے گرد جس پر ہم بستے  
 ہیں ہوا محیط ہے بعضوں نے اندازہ کیا ہے کہ اُس کا ارتفاع یا عمق پینتالیس میل کا ہے اور بعضوں  
 نے اس سے بہت زیادہ خیال کیا ہے۔ بہر حال اُس ہوائے محیط میں آفتاب کی نیلی شامیں منکس  
 ہوتی ہیں اور اس سب سے نیلی گنبدی چھت ہمو اپنی دنیا کے گرد دکھائی دیتی ہے جو درحقیقت  
 ہماری دنیا کا آسمان ہے۔ پس اس نیلی گنبدی چھت پر سار دنیا کا اطلاق بالکل حقیقت اور علم کے  
 مطابق ہے۔ افسوس کہ ہمارے زمانہ کے علماء حکماء یونان کی تقلید کرتے ہیں اور حقایق قرآن پر  
 غور نہیں کرتے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ۔ ولما طبع الذیابیس اَلانی کتاب مبین +

۴۔ وجعلنا السماء سقفا محفوظا۔ الانبیاء آیت ۳۳ +

ترجمہ

ترجمہ۔ اور بنایا ہمیں آسمان کو چھت حفاظت کی گئی +

۵۔ والسقف لمرتفع۔ الطور آیت ۵ +

ترجمہ۔ قسم ہے اونچی چھت کی +

۶۔ والسماء رفعا ووضع المیزان۔ الرحمن آیت ۶ +

ترجمہ۔ اور آسمان کو اُچھا کیا اور رکھی اُس کے لئے ترازو +

۷۔ افلم یروا الی ما بین ایدیہم وما خلفہم من السماء والارض ان نشاء نحنسف

۸۔ والارض ان نسقط علیہم کسفان السماء۔ سبا آیت ۹ +

ترجمہ۔ کیا انھوں نے اُس چیز کو نہیں دیکھا جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے

ہے آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر

آسمان سے ٹکڑا ڈالیں +

۸۔ افلا یظنرون الی الابل کیف خلقت۔ والی السماء کیف رفعت + الناشیہ آیت ۸

ترجمہ۔ پھر کریں نہیں کہتے اُونٹ کو کہ کیسا بنا لیا گیا ہے اور آسمان کو کہ کس طرح اُٹھایا

کیا گیا ہے +

- ۹۔ والسماء وما بناها۔ الشمس آیت ۵۔  
ترجمہ۔ قسم ہے آسمان کی اور جیسا اُسکو بنایا۔
- ۱۰۔ افلم ينظروا الى السماء فوقهم كيف بيننا وزيوتنا وما لها من فرج۔ ق آیت ۶۔  
ترجمہ۔ کیا نہیں دیکھا انھوں نے آسمان کو اپنے اوپر کیسا اپنے اُسکو بنایا ہے اور اُسکو  
خوشنما کیا ہے اور اُس میں کوئی دروازہ نہیں۔
- ۱۱۔ والسماء بينناها بايد وانا الموسعون۔ الذاریات آیت ۴۷۔  
ترجمہ۔ اور بنایا اپنے آسمان کو ہاتھ سے یعنی اپنی قدرت سے اور ہر کچھ سب قدرت ہے۔
- ۱۲۔ الذي جعل لكم الارض فراشا والسماء بناء۔ البقرہ آیت ۲۰۔  
ترجمہ۔ جس نے بنایا زمین کو تمہارے لیٹے بچھونا اور آسمان کو محل۔
- ۱۳۔ الله الذي جعل لكم الارض قرارا والسماء بناء۔ المؤمن آیت ۶۶۔  
ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے بنایا زمین کو تمہارے لیٹے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو  
محل۔
- ۱۴۔ انتم اشد خلقا ام السماء بناها ارفع سمكها فسويها۔ النازعات ۲۷ و ۲۸۔  
ترجمہ۔ تم خلقت میں زیادہ مضبوط ہو یا آسمان خدا نے بنایا آسمان کو اونچی کی اُسکی چوٹی  
پھر درست کیا اُسکو۔
- ۱۵۔ ومن آياته ان تقوم السماء والارض بامره۔ الروم آیت ۲۶۔  
ترجمہ۔ اور خدا کی نشانیوں میں سے ہے اپنی جگہ پر رہنا آسمان اور زمین کا خدا کے  
حکم سے۔
- ۱۶۔ ويمسك السماء ان تقع على الارض۔ الحج آیت ۶۴۔  
ترجمہ۔ تعام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے۔
- ۱۷۔ يوم تشقق السماء بالغمام وتنزل الملائكة تنزيلا۔ الفرقان آیت ۲۷۔  
ترجمہ۔ اور جس دن پھٹ جاوے آسمان غمام سے اور اُتارے جادیں فرشتے ایک طرح  
کا اُتارنا۔
- ۱۸۔ فاذا تشقت السماء فكانت وردة كالدهان۔ الرحمن آیت ۳۷۔  
ترجمہ۔ جب پھٹے گا آسمان تو ہو جائیگا گلابی تیلیا۔

- ۱۹۔ وانشقت السماء فحي يومئذ واهير۔ الحاقہ آیت ۱۶ +  
ترجمہ۔ اور پھٹ جاوے گا آسمان پھر وہ اُسدن ہوگا کبسا ہوا +
- ۲۰۔ اذا السماء انشقت۔ انشقت آیت ۱ +  
ترجمہ۔ جب آسمان پھٹ جاوے +
- ۲۱۔ فكيف تتقون ان كفرتم يوما يجعل الولدان شيباً السماء منفطره۔ المنزل آیت ۸ +  
ترجمہ۔ پس اگر تم کافر ہو گئے تو کیونکر بچو گے اُس دن جس میں بچے بڑھے ہو جاویں گے  
اور آسمان پھٹ جاوے گا +
- ۲۲۔ اذا السماء انفطرت۔ انفطرت آیت ۱ +  
ترجمہ۔ جب آسمان پھوٹ جاوے +
- ۲۳۔ فاذا النجوم طمست واذا السماء فرجت۔ المرسلات آیت ۹ + ۱۰ +  
ترجمہ۔ پھر جب ستارے مٹائے جائیں اور آسمان پھاڑا جاوے +
- ۲۴۔ وفككت السماء فكانت اجباباً۔ النبا آیت ۱۹ +  
ترجمہ۔ اور کھول دیا جاوے آسمان پھر ہو جاویں دروازے +
- ۲۵۔ واذا السماء كشطت۔ کھرہ آیت ۱۱ +  
ترجمہ۔ اور جب آسمان کا پرست اُتار جاوے +
- ۲۶۔ يوم تكون السماء كالهلل۔ المعارج آیت ۸ +  
ترجمہ۔ جس دن ہوگا آسمان جیسے پگھلا ہوا آنا +
- ۲۷۔ قارنق بوم تاتي السماء بدخان مبين۔ الدخان آیت ۹ +  
ترجمہ۔ پس انتظار کرو اُس دن کا کہ نکالے آسمان دھواں سب کو معلوم ہوگا +
- ۲۸۔ الم يرئو الى الطير مسخرات في جوار السماء۔ النحل آیت ۸۱ +  
ترجمہ۔ کیا نہیں دیکھتے اُن پرندوں کو کہ فرمانبردار کیئے گئے ہیں آسمان کی  
وسعت میں +
- ۲۹۔ الله الذي يرسل الرياح فتثير سحاباً فيبسطه في السماء كيف يشاء۔ الروم آیت ۴۸ +  
ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُٹھاتی ہیں بادل پھر پھیلاتا ہے اُس کو  
آسمان میں جس طرح چاہتا ہے +

۳۱۔ قد نرى قلب وجہک فی السماء۔ البقرة آیت ۱۳۹ +

ترجمہ۔ البتہ ہم نے دیکھا ہے تیرے منہ کا آسمان کی طرف +

۳۱۔ ان الله لا يخفى عليه شیء فی الارض ولا فی السماء۔ آل عمران آیت ۴ +

ترجمہ۔ البتہ خدا پر پوشیدہ نہیں کوئی چیز زمین میں یعنی تحت میں نہ آسمان میں

فرق میں +

۳۲۔ وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء۔ یونس۔ آیت ۶۲ +

ترجمہ۔ اور غائب نہیں رہتا تیرے پروردگار سے ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں

۳۳۔ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء۔ ابراہیم آیت ۲۹ +

ترجمہ۔ اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُسکی پٹنی آسمان میں یعنی نہایت بلندی میں +

۳۴۔ وما یخفی علی الله من شیء فی الارض ولا فی السماء۔ ابراہیم آیت ۴۱ +

ترجمہ۔ اور چھپا نہیں اتنے پرکچہ زمین میں اور نہ آسمان میں +

۳۵۔ قال ربی یعلم القول فی السماء والارض۔ الانبیا آیت ۴ +

ترجمہ۔ اُس نے کہا میرا پروردگار جانتا ہے ہر بات کو آسمان میں ہوا زمین میں ہو +

۳۶۔ الم تعلم ان الله یعلم ما فی السماء والارض۔ الحج آیت ۶۹ +

ترجمہ۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہہ ہے آسمان میں اور زمین میں +

۳۷۔ وما من غائبة فی السماء والارض الا فی کتاب مبین۔ النحل آیت ۷۷ +

ترجمہ۔ اور کوئی چیز نہیں جو پوشیدہ ہو آسمان میں اور زمین میں مگر ہے کتاب

روشن میں +

۳۸۔ وما انتہی بحجربین فی الارض ولا فی السماء۔ العنکبوت آیت ۲۱ +

ترجمہ۔ اور نہیں ہو تم ٹھکانے والے زمین میں اور آسمان میں +

۳۹۔ وهو الذي فی السماء الله و فی الارض الله۔ النور آیت ۸۲ +

ترجمہ۔ وہی ہے جو آسمان میں طم ہے اور زمین میں طم ہے +

۴۰۔ وان یروا کسفا من السماء ساقطاً یقولوا سحاب مرکوم۔ الطور آیت ۴۴ +

ترجمہ۔ اور اگر دیکھیں ایک ٹکڑا آسمان گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا +

۴۱۔ یوم تموز السماء مورا۔ الطور آیت ۹ +

۷۔ خلق السموات والارض بالحق۔ التقابین آیت ۳ \*

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہیے \*

۸۔ المرزاق الله خلق السموات والارض بالحق۔ ابراہیم آیت ۲۲ \*

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے \*

۹ و ۱۰۔ وما خلقنا السموات والارض وما بينهما الا بالحق۔ الحجر آیت ۸۵۔ الاحقاف

آیت ۲ \*

ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور درمیان کچھ کہ اُن کیسے ہی میں ہے مگر

جیسے چاہیے \*

۱۱۔ خلق السموات والارض بالحق تعالیٰ عما يشركون۔ النحل آیت ۳ \*

ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے اُسکی ذات بلند ہے اُس سے کہ اُسکا

شریک ٹھہرتے ہیں \*

۱۲۔ خلق الله السموات والارض بالحق ان في ذلك لآية للمؤمنين۔ العنكبوت

آیت ۲۳ \*

ترجمہ۔ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے بے شک اس میں ایک

دلیل ہے نیک دل والوں کو \*

۱۳۔ وخلق الله السموات والارض بالحق۔ الجاثیہ آیت ۲۱ \*

ترجمہ۔ اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جیسا چاہیے \*

۱۴۔ الحمد لله الذي خلق السموات والارض وجعل النظمات والنور۔ الانعام آیت ۱۰

ترجمہ۔ خدا ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو

اور پیدا کیا اندھیرے کو اور اُجالے کو \*

۱۵ و ۱۶۔ ان ربكم الله الذي خلق السموات والارض۔ الاعراف آیت ۵۲۔ یونس آیت ۳ \*

ترجمہ۔ بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو \*

۱۷۔ وهو الذي خلق السموات والارض في ستة ايام وكان عرشه على الماء۔ هود آیت ۶ \*

ترجمہ۔ اور وہ اُسی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور تھا

تحت اُس کی پانی پر \*

- ۱۸۔ ولقد خلقنا السموات والارض وما بينهما في ستة ايام۔ ق آیت ۳۷ +  
 ترجمہ۔ البتہ پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے چھ دن میں +  
 ۱۹۔ ۲۰۔ الذي خلق السموات والارض۔ ابراہیم آیت ۳۷۔ الفرقان آیت ۶۰ +  
 ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +  
 ۲۱۔ ۲۲۔ خلق السموات والارض۔ الزمر آیت ۷۔ الاحقاف آیت ۳۲ +  
 ترجمہ۔ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +  
 ۲۳۔ لخلق السموات والارض الكبر من خلق الناس۔ المؤمن آیت ۹ +  
 ترجمہ۔ البتہ بڑھ کر آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے آدمیوں کے پیدا کرنے سے +  
 ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ في خلق السموات والارض۔ البقرة آیت ۱۵۹۔ آل عمران آیت ۱۸۷ + ۱۸۸ +  
 ترجمہ۔ بیچ پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +  
 ۲۷۔ يوم خلق السموات والارض۔ التوبة آیت ۳۶ +  
 ترجمہ۔ جس دن پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +  
 ۲۸۔ اولم يدروا ان الله الذي خلق السموات والارض قادر على ان يخلق مثلهم  
 اسراہیل آیت ۱۰۱ +  
 ترجمہ۔ کیا نہیں دیکھا تھے کہ جس اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے  
 اس بات پر کہ پیدا کرے ان کی مانند +  
 ۲۹۔ ما اشهدتم خلق السموات والارض۔ الکہف آیت ۴۹ +  
 ترجمہ۔ میں نے بلایا نہ تھا ان کو بر وقت پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے +  
 ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ولان سألهم من خلق السموات والارض۔ العنکبوت آیت ۶۱۔ لقمان  
 آیت ۲۲۔ الزمر آیت ۷۔ الزخرف آیت ۸ +  
 ترجمہ۔ اگر تو پوچھے ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +  
 ۳۳۔ خلق الله السموات والارض۔ المؤمن آیت ۷۷ +  
 ترجمہ۔ اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +  
 ۳۴۔ هو الذي خلق السموات والارض في ستة ايام۔ الحديد آیت ۵ +



ترجمہ - وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو کچھ دن ہیں +

۳۶ - اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینہما - السجدۃ - آیت ۳ +

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن میں ہے

۳۷ - اِم خلقوا السموات والارض لیل الا یوقنون - الطور آیت ۳۶ +

ترجمہ - کیا انھوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو - نہیں - پر ایمان

نہیں لاتے +

۳۸ - اولیس الذی خلق السموات والارض - یس آیت ۸۱ +

ترجمہ - کیا نہیں ہے وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو +

۳۹ - خلق السموات بغیر عمد تر و نہا - لقمان آیت ۹ +

ترجمہ - پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُسکو +

۴۰ - رفع السموات بغیر عمد تر و نہا - رعد آیت ۲ +

ترجمہ - بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کہ دیکھو تم اُسکو +

۴۱ و ۴۲ - ومن آیاتہ خلق السموات والارض - الشوری آیت ۲۸ - الہدم آیت ۲۱ +

ترجمہ - اور اسکی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا +

۴۳ - وما خلقنا السموات والارض وما بینہما الا عبین - الہخان آیت ۳۸ +

ترجمہ - اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن کے پچھ میں ہے

کھلاڑی ہیں +

۴۴ - اللہ الذی خلق سبع سموات ومن لارض مثلہن - الطلاق آیت ۱۲ +

ترجمہ - اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا سات یا متعدد آسمانوں کو اور زمین کو بھی اُن کی

مانع یعنی متعدد +

۴۵ و ۴۶ - المرکز کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً وجعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس

سراجاً - فوم آیت ۱۶ و ۱۵ +

ترجمہ - کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں کو تلے اوپر

اور کیا اُن میں چاند کو نور اور سورج کو روشن چراغ +

۴۷ - الذی خلق سبع سموات طباقاً - الملک آیت ۳ +

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا ستودا آسمانوں کو تلے اوپر +

۴۸ و ۴۹۔ رب السموات والارض وما بينهما ان كنت متهم موقنین + المدخل آیت ۶۔

الشعراء۔ آیت ۴۴ +

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو +

۵۰۔ قل من رب السموات والارض۔ الرعد آیت ۱۷ +

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا +

۵۱ نجات ۴۔ رب السموات والارض۔ اسرائیل آیت ۱۲ + الکاف آیت ۱۳۔ حم آیت ۶۶ +

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا +

۵۲۔ ربكم السموات والارض الذي فطرهن۔ الانبياء آیت ۵۷ +

ترجمہ۔ تمہارا پروردگار وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے پیدا کیا اُن کو +

۵۵۔ قل من رب السموات السبع ورب العرش العظيم۔ المؤمنون۔ آیت ۸۸ +

ترجمہ۔ پوچھ کون ہے پروردگار سات یا ستودا آسمانوں کا اور پروردگار اُس بڑے تخت کا یعنی اُس بڑی بادشاہت کا +

۵۶ نجات ۹۔ رب السموات والارض وما بينهما۔ الصافات آیت ۵۔ ص آیت ۶۶۔

الدرخان آیت ۶۔ النبأ آیت ۳۷ +

ترجمہ۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس سب کا جو اُن میں ہے +

۶۰۔ سبحان رب السموات والارض رب العرش عما يصفون۔ الزخرف آیت ۸۲ +

ترجمہ۔ پاک ہے پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار عرش کا اُن باتوں سے جو اس کو لگاتے ہیں +

۶۱۔ قل لله الحمد رب السموات ورب الارض رب العالمين۔ الجاثية آیت ۳۵ +

ترجمہ۔ انتہی کے لئے سب تعریفیں میں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار

ہے زمین کا پروردگار ہے سارے جہان کا +

۶۲۔ والله ملك السموات والارض وما بينهما۔ المائدة آیت ۲۱ +

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اس

سب کی جو ان میں ہے +

۶۳۔ **فَلِلّٰهِ مَلٰٓئِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْہِنَّ۔ الْمَائِدَہٗ اٰیۃ ۱۲۰**

ترجمہ۔ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اس سب کی

جو ان میں ہے +

۶۴۔ **اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِیْ مَلٰٓئِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الْاَعْرَافِ اٰیۃ ۱۸۴**

ترجمہ۔ کیا غور نہیں کی انھوں نے آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت میں +

۶۵۔ **وَلَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اِبْرٰہِیْمُ وَکَلُوْا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الْاَنْعَامِ اٰیۃ ۷۵**

ترجمہ۔ اور اسی طرح دکھلائی گئی ابراہیم کو بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۶۶ لغات ۸۲۔ **مَلٰٓئِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الْمَائِدَہٗ اٰیۃ ۴۲ + التَّوْبَہٗ اٰیۃ ۱۱۷**

الاعراف ایت ۱۵۸ + النور ایت ۴۲ + الفرقان ایت ۲ + الشوری ایت ۴۸

الزخرف ایت ۸۵ + الجاثیہ ایت ۲۶ + الفتح ایت ۱۳ + الحديد ایت ۲ + ۵۰

البروج ایت ۹ + الزمر ایت ۴۵ + ص ایت ۹ + البقرہ ایت ۱۰۱ + المائدہ ایت ۸۰

ال عمران ایت ۸۶ +

ترجمہ۔ بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی +

۸۳ لغات ۱۳۳۔ **مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ + الْبَقَرۃُ اٰیۃ ۱۱۰ + ۲۵۶ + ۲۸۴**

ال عمران ایت ۲۷ + ۱۰۵ + النساء ایت ۱۲۵ + ۱۳۰ + ۱۳۱ + ۱۶۸ + ۱۶۹

المائدہ ایت ۹۸ + الانعام ایت ۱۲ + یونس ایت ۵۶ + ۶۹ + ابراہیم ایت ۲

الحمل ایت ۱۵ + ۵ + طہ ایت ۵ + الحج ایت ۶۳ + النور ایت ۶۴ + العنکبوت

ایت ۵۲ + لقمان ایت ۱۹ + ۲۵ + سبا ایت ۳ + ۲۱ + المائدہ ایت ۴۳

الشوری ایت ۲ + ۵ + الجاثیہ ایت ۱۲ + الحجرات ایت ۱۶ + النجم ایت ۳۲

الحديد ایت ۱ + المجادلہ ایت ۸ + الحشر ایت ۲۲ + الصافات ایت ۱ + الجمعہ

ایت ۱ + التغابن ایت ۱ + ۴

ترجمہ۔ جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں +

۱۲۴ لغات ۱۳۶۔ **مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الْاٰلِ الْاِمْرَانِ اٰیۃ ۷۷ + یونس ایت ۶۷**

الرحمن آیت ۱۶ + الانبیاء آیت ۱۹ + مریم آیت ۹۴ + الحج آیت ۱۸ + النور آیت ۴۱ +  
النمل آیت ۶۶ + الروم آیت ۲۵ + النہر آیت ۶۸ + الرحمن آیت ۲۹ +  
اسرائیل آیت ۵۷

ترجمہ - جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں +

۱۳۸ و ۱۳۷ - موالقہ سموات و الارض - النمل آیت ۷۵ - سیاء آیت ۲۳ +

ترجمہ - آسمانوں سے اور زمین سے +

۱۳۹ النہر آیت ۱۲۹ - فی السموات و فی الارض - الانعام آیت ۲ - الاعراف آیت ۱۸۶ + یوسف

آیت ۶ + ۱۹ و ۱۰ + یوسف آیت ۱۰۵ + الروم آیت ۲۶ و ۱۷ + لقمان آیت ۱۵ +

الحاشیہ آیت ۳۶ و ۲ +

ترجمہ - آسمانوں میں اور زمین میں +

۱۵۰ - اناعرضنا الاملۃ علی السموات و الارض - الاحزاب آیت ۷۲ +

ترجمہ - البتہ تمہیں دکھائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو +

۱۵۱ - وجنتہ عرضہا السموات و الارض - آل عمران آیت ۱۲۷ +

ترجمہ - جنت جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین +

۱۵۲ و ۱۵۳ - ما دامت السموات و الارض - ہود آیت ۱۰۹ و ۱۱۰ +

ترجمہ - جب تک رہیں آسمان اور زمین +

۱۵۴ - تسبیحہ السموات السبع و الارض و من فیہن - اسرائیل آیت ۲۶ +

ترجمہ - پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں سب کو ساتوں آسمان اور زمین +

۱۵۵ و ۱۵۶ - ان الله یعلم غیب السموات و الارض - المائدہ آیت ۳۶ + الفتح آیت ۱۸

ترجمہ - البتہ اللہ جانتا ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۷ - انی اعلم غیب السموات و الارض - البقرہ آیت ۳۱ +

ترجمہ - میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۵۸ نہایت ۱۶۰ - ولله غیب السموات و الارض - النمل آیت ۷۵ + الکہف آیت ۲۵ +

ہود آیت ۹ +

ترجمہ - اور اللہ کے لئے ہے چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی +

۱۶۱ و ۱۶۲۔ ونبه میراث السموات والارض۔ ال عمران آیت ۱۰۶۔ الحديد آیت ۱۰۔

ترجمہ۔ اور اللہ وارث ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔

۱۶۳۔ ولله خزائن السموات والارض۔ المنافقون آیت ۷۔

ترجمہ۔ اور اللہ کے لیے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے۔

۱۶۴ و ۱۶۵۔ مقابلا السموات والارض۔ الزمر آیت ۶۳۔ الشوریٰ آیت ۱۰۔

ترجمہ۔ کئی جگہ آسمانوں کی اور زمین کی۔

۱۶۶ و ۱۶۷۔ ولله جنود السموات والارض۔ الفتح آیت ۴ و ۵۔

ترجمہ۔ اور اللہ کے لیے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے۔

۱۶۸۔ الله نور السموات والارض۔ النور آیت ۳۵۔

ترجمہ۔ اللہ ہے نور آسمانوں کا اور زمین کا۔

۱۶۹۔ التلک المجدد والله الذي يخرج الخبث في السموات والارض۔ التلک آیت ۲۵۔

ترجمہ۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے جھبی چیز آسمانوں میں اور زمین میں۔

۱۷۰۔ وکرم من ملک فی السموات لا یغنی شفاعتہم شیئاً۔ الحجرات آیت ۲۶۔

ترجمہ۔ بہت سے فرشتے ہیں آسمانوں میں کام نہیں آتی ان کی سفارش۔

۱۷۱۔ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات۔ ابراہیم آیت ۴۹۔

ترجمہ۔ جس دن کہ بدل جائے گا زمین زمین کے سوا (یعنی اور کسی چیز سے) اور

بل نیے جاویں آسمان۔

۱۷۲۔ یا ہامان ابن لی صرنا علی اسلم لا سباب اسباب السموات فاطلم الی اللہ

موسیٰ وانی لا ظنہ کا ذبا۔ المؤمن آیت ۳۹۔

ترجمہ۔ اے ہامان بنامیرے لیے ایک محل شاید کہ میں پہنچوں رستوں میں امان

کے رستوں میں پہنچوں موسیٰ کے خدا کو اور میری اٹکل میں تو وہ

جھوٹا ہے۔

۱۷۳۔ ارونی ماذا خلقوا من جن الارض امر لهم شرک فی السموات۔ الاحقاف آیت ۳۔

ترجمہ۔ دکھاؤ تو مجھ کو انھوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں کچھ ان کو سا جہل ہے

آسمانوں میں۔

۱۷۵-۱۷۴۔ بدیع السموات والارض۔ البقرة آیت ۱۱۱۔ الانعام آیت ۱۰۱

ترجمہ۔ بنی نمونہ کے بنائے والا آسمانوں کا اور زمین کا

۱۷۶۔ انعام آیت ۱۰۱۔ فاطر السموات والارض۔ الانعام آیت ۱۰۲۔ يوسف آیت ۱۰۲۔ الملائكة

آیت ۱۔ ابراہیم آیت ۱۱۔ الزمر آیت ۴۴۔ الشوریٰ آیت ۹

ترجمہ۔ بنائے والا آسمانوں کا اور زمین کا

۱۸۲۔ فطر السموات والارض۔ الانعام آیت ۷۹

ترجمہ۔ بنایا آسمانوں کو اور زمین کو

۱۸۳۔ اولم یزالذین کفرو ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقنهما۔ الانبیاء

آیت ۳۱

ترجمہ۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے۔ آئندہ نہ کہو

کہ آسمان اور زمین بستہ ہوئیں اور وہیم اس کا

اور حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے۔ واکرن آسمان فانزل کردن مطراست واکرون بین

رویانیکل گیا وازوے

اور شاہ عبد القادر صاحب نے اس کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان

اور زمین مومنہ بند تھے پھر بنے ان کو کھولا

اور حاشیہ پر لکھا ہے۔ مومنہ بند تھی یعنی ایک چیز تھی زمین سے نہریں اور کانیں اور سبز

بجائت بجائت نکالے آسمان سے کئی ستارے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدی

۱۸۴۔ انک الله یسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد

من بعدا۔ الملائكة آیت ۳۹

ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ رکھتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ٹل جانے سے اور اگر ٹل

جاویں تو کوئی نہ تمام کئے ان کو اس کے سوا

۱۸۵۔ ولواتبع الحواء ہم لفسدت السموات والارض ومن فیہن۔ المؤمنون

آیت ۷۲

ترجمہ۔ اور اگر خدا چاہے ان کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے

بچیں ہے

۱۸۶۔ کاد السموات يتفطرن من فوقهن۔ الشوری آیت ۳

ترجمہ۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور برسے

۱۸۷۔ قالوا اتخذ الرحمن ولد القد جئتم شيئا اذنا كاد السموات والارض يتفطرن

منه وتفتش الارض وتحرا الجبال هذا ان دعوا للرحمن لئلا ينجي للرحمن

ان يتخذ ولد۔ مريم۔ آیت ۹۲

ترجمہ۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا کیا ہے بے شک نہایت سخت بات کہی ہے جس سے

قریب ہے آسمان پھٹ پڑیں اور پھٹ جاوے زمین اور گر پڑیں پہاڑ ٹکڑے

ہو کر خدا کے لیے بیٹا کئے سے

۱۸۸۔ وما قدره والله حق قدره ولا ارض جميعا قبضته يوم القيامة والسموات

مطويات بيمينه سبحانه وتعالى عما يشركون۔ الزمر آیت ۶۷

ترجمہ۔ اور نہ قدر کی انھوں نے اس کی جتنی کہ اُس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور سب

ساری زمین اُس کی مشغی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان پلٹے ہوں گے

اُس کے دہسنے ہاتھ میں

### قسم پنجم

وہ آیتیں جن میں لفظ سموات کا مجازاً کوکب پر اطلاق ہوا ہے جیسکہ مجازاً طرف سے منظر و مراد لی جاتی ہے

۱۔ اللہی خلق سبع سموات طباقاً۔ الملک آیت ۳

ترجمہ۔ جس نے پیدا کیا سات یا ستر دُسمانوں یعنی کوکب کو تینے اوپر

اس آیت کے بعد کی آیتوں میں خدا فرماتا ہے۔ ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت

یعنی تونہیں دیکھتے کا خدا کے پیدا کرنے میں کچھ فرق۔ پھر خدا فرماتا ہے۔ فارجع البصر هل

تری من فطور یعنی پھر پھر اپنی نگاہ کو کہیں تجھ کو دکھائی دیتی ہے کچھ خرابی و پھر خدا فرماتا

ہے۔ ثم ارجع البصر کرتین یقلب الیک البصر خاسئاً وهو حسیر۔ یعنی پھر پھر

اپنی نگاہ کو دو دو بار اُلٹ آئیگی تیرے پاس تیری نگاہ عاجز ہو کر اور تھک کر

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر خدا نے پہلی آیت میں

کیا ہے وہ ایسی چیز ہے کہ انسان اُسکو دیکھ سکتے ہیں لیکن سبع سموات سے کوئی بھی سامان ملاو  
لو خواہ مجسم خواہ محل سیر کو اکب مگر وہ دکھائی نہیں دیتے پس خدا کا یہ فرمانا کہ اُن کو دیکھو اور پھر نگاہ کرو  
اور پھر نگاہ پھیر کر دیکھو معنی انوار بے سُود ہوگا \*

وہ فارجم البصر سے یہی آنکھ کی نگاہ مراد ہے نہ کوئی دوسری چیز چنانچہ امام صاحب بھی  
تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ فاما من ثم لجمع الجواب اصرہ برجم البصر یعنی اس آیت میں نظر  
کے پھیرنے کا قہر ہے \*

تعجب یہ ہے کہ امام صاحب بھی سمجھتے ہیں کہ یہ سموات جن کا ذکر اس آیت میں ہے محسوس  
ہونے چاہئیں اور اقام فرماتے ہیں کہ ”ان المحسوس علی ان هذه السموات السبع  
اجسام مخلوقة علی وجه الاحکام والافتان“۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ کیوں مگر حُرُک کے اجسام  
ہم نے پردالات کرتی ہے حالانکہ وہ محسوس نہیں ہیں \*

پس ضرور ہے کہ اس جگہ سموات سے وہ چیزیں مراد ہوں جو مٹی اور محسوس ہیں اور نہ کوئی  
اُن کو دیکھ سکتے تاکہ اُن کے پیدا کرنے کی دلیل سے خدا کی عظمت اور اُسکی خالقیت ثابت کی جاوے  
اور جو کہ سموات در حقیقت محل سیر کو اکب ہیں تو بمنزلہ طرف کے ہیں اور کو اکب بمنزلہ مظهر  
ہیں اس مقام پر سموات سے مجازاً کو اکب مراد ہیں۔ بولایا ہے طرف اور مراد ہے مظهر لفظ  
سبع اگر بمعنی حقیقی لیا جاوے تو اُس سے یہ سات کو اکب سیارہ مراد ہونگے جو ہمارے لیے نیست  
اؤ کو اکب کے زیادہ تر عجیب ہیں اور اگر اُس کا استعمال بطور مجازہ عرب بلا تعین عدد سمجھا جاوے  
تو اُس سے تمام کو اکب جو چکو دکھائی دیتے ہیں مراد ہونگے \*

طرف سے مظهر مراد ہونے پر قہر قویہ موجود ہے یعنی انکی آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ  
ایسی اشیاء پر جو مٹی نہیں ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں صادق نہیں آتا اور اس لیے ضرور ہوا ہے  
کہ طرف سے مظهر مراد لیا جاوے \*

اس مقام پر طرف کو مجازاً بمعنی مظهر بیان کرنے میں ایک بڑی عمدگی و باریکی ہے کیونکہ اگر  
یوں کہا جاتا کہ۔ اللہ ہی خلق سبع کو اکب طباقاً۔ تو یہ قول صرف نفس کو اکب پر دلالت کرتا حالانکہ  
اُن کے حالات اور اُن کے حرکات اور جو انتظام کُن کے حرکات میں ہے وہ نفس کو اکب  
سے بھی زیادہ عجیب ہے اور طرف سے جو اُن کا محل سیر ہے اُن پر اشارہ کرتے سے جو عجائبات کہ نفس  
کو اکب اور اُن کے حالات میں ہیں وہ سب کے سب یکفخت ذہن میں آجاتے ہیں \*



”طباقاً“ کا لفظ صفت ہے سموات کی جس سے کو اکب ہمنے مراد لیے ہیں اُس سے شل  
پیارے چمکے کے تو رہو ہونا پایا نہیں جاتا۔ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اُن کا ملاحظہ ہونا  
تسلیم نہیں کیا بلکہ طباق سے صرف اُن کا اوپر تلے ہونا اور توازی ہونا مراد ہے۔ ”قال الامام  
فی تفسیرہ لعل المراد کونها طباقاً کونها متوازیة کا انہما متماصة“ یعنی طباق کے  
لفظ سے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ چٹے ہوئے ہوں بلکہ یہ مطلب ہو کہ توازی ہوں یعنی حرکت  
میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔

اس کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیت سے بخوبی ہوتی ہے جہاں فرمایا ہے ولشمس  
تقری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم والقدر رفاہ منازل حتی عادک  
العرجون القدییم لا الشمس یبغی لها ان تدرك القمر ولا الیل سابق النهار وکل  
فی فلک یسبحون۔

یعنی آفتاب چلتا ہے اپنی قرار گاہ میں یہ ٹھہرایا ہوا ہے اُس زبردست جاننے والے  
کا اور پاندہ کے لیے اُس نے مقرر کی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر ہو جاتا ہے مانند پرانی شنی  
کے (یعنی بال) زسورج کر سکتا ہے کہ چاند کو پکڑ لے (یعنی ٹکڑ مارے) اور نرات آگے بڑھ  
سکتی ہے دن سے اور ہر ایک یعنی سورج و چاند و ستارے ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں۔  
پس طباق کے لفظ سے یہی مطلب ہے کہ ہر دو یک استقدر کو اکب میں جن کی انتہا نہیں اور سب  
اپنے اپنے محل سیر میں پھرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ٹکراتا نہیں۔

اسی آیت کی مانند یہ آیت ہے۔ ”وما بیننا فوقکم سبعاً شداً و جعلنا سراجاً وھاباً“  
یعنی بنائے ہم نے تمھارے اوپر سات یا متعدد کو اکب مضبوط اور کیا ہم نے اُن میں سے ایک کو  
چراغ روشن۔

افسوس کہ بعض اکابر نے اس آیت کی نسبت مکارہہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر صبح سے سنا  
ستارے سمودہ ہو رہتے تو لفظ صبح کو صرف بالام لانا ضرور تھا۔ اگرچہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ بحالت  
شریت تعریف بالام لانا ضرور نہ تھی مگر اس کے جواب سے ہم مجبور ہیں اس لیے کہ خدا نے آفریدہ  
بھی ایسا ہی فرمایا ہے چنانچہ ”والطور و کتاب مسطور فی رق منشور“ میں کتاب سمودہ کو  
غیر معرف بالام فرمایا ہے۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ ”ما الحکمہ فی تکثیر الکتاب و تعریف باقی الاشیاء

نقول ما یحتل الخفاء من الامور الملتبسة بامثالها من الاجناس يعرف باللام فقال  
 رايت الامير ودخلت على الوزير فاذا بجلع الامير الشهرة بحيث يومن بالالتباس مع  
 شهرته ويريد الواصف وصفه بالعظمة يقول اليوم رايت اميراً ماله نظير رجالاً و  
 عليه سيما الملوك وانت تريد ذلك الامير المعلوم والسبب فيه انك بالتسكير  
 تشير الى انه خرم عن ان يعلم ويعرف بكنه عظمته فيكون كقوله تعالى الحاقة  
 ما الحاقة وما ادراك ما الحاقة فاللام وان كانت معرفة لكن اخرجها عن المعرفة كون  
 شدة هولها غير معروف فكذا لك ههنا الطور ليس في شهرة بحيث يومن اللبس  
 عند التسكير وكذا لك البيت المعمور واما الكتاب الكريم فقد تميز عن ساير الكتب  
 بحيث لا يسبق له افهام السامعين من التبجيل لله عليه وسلم لفظ الكتاب بالاذك  
 فلما امن اللبس وحصلت فائدة التعريف سواء ذكر باللام او لم يذكر قصد الفائدة  
 الاخرى وهي الذکر بالتسكير وفي تلك الاشياء لما لم تحصل فائدة التعريف بالالة  
 التعريف استعمالها وهذا يؤيد كون المراد منه القرآن وكذا لك اللوح  
 المحفوظ مشهوراً +

ترجمہ۔ اگر کوئی کہے کیا حکمت ہے بیچ کر دلائے لفظ کتاب کے اور معرف لائے اور چیزوں کے  
 پس ہم جواب دیں گے کہ جو چیز پر خیال رکھتی ہے کسی قسم کی خفاء کا منہ نہ اُن امور کے جو شائبہ جوتے  
 ہیں ساتھ اپنی امثال کے اجناس وغیرہ سے تو وہ معرف لائی جاتی ہیں چنانچہ یوں بولا جاتا ہے رايت  
 الامير ودخلت على الوزير يعني اُس امير کو اور گيا میں پاس اُس وزير کے اور جبکہ  
 کوئی امير خاص ایسا مشہور ہوتا ہے کہ وقت الطلاق کے وہی سمجھا جاتا ہے اور کسی دوسرے کا شبہ  
 نہیں ہوتا اور کوئی شخص اُس مشہور امیر کی کچھ تعریف کرنی چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے اليوم رايت  
 اميراً ماله نظير رجالاً وعلیه سيما الملوك یعنی آج میں نے امیر کو بیٹھے دیکھا کہ اسکی کوئی نظیر  
 ہی نہیں ہے اور وہ ملوک نہ شان سے بیٹھا ہوا تھا پس بوجہ شہرت کے کچھ اس کے معرف لائے  
 کی ضرورت نہیں ہوتی گوہر حقیقت انادہ میں امیر خاص ہی ہوتا ہے اور نکتہ اس میں یہ ہوتا ہے  
 کہ گویا تسکیر سے تم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہو کہ بسبب شہرت کے وہ اس بات کا محتاج  
 نہیں ہے کہ اسکی کتنے عظمت کی تعریف کی جاوے پس گویا کہ ہے مثل اس قول اللہ تعالیٰ کے  
 الحاقة ما الحاقة وما ادراك ما الحاقة کہ اس کلام میں اگرچہ لفظ لام موجب تعریف ہے لیکن

بسیب کے چول اور ہشت کے غیر معروف ہونے کے اسکو معروف ہونے کی حالت سے نکال دیا ہے اسی طرح بطور اگرچہ شہتر ہے لیکن اس درجہ شہرت کو نہیں پہنچا کہ التباس کا خوف نہ رہا ہو اور یہی حال بیت المعمور کا ہے بخلاف کتاب کریم کے کہ وہ اپنی امثال میں اس درجہ ممتاز ہے کہ جو لوگ سُٹنے والے ہیں وہ اس لفظ کے سُٹنے سے اُسی کو سمجھ لیتے ہیں دوسری کتاب کا شبہ نہیں ہوتا پس جبکہ خوف التباس نہ رہا اور فائدہ تعریف کا شہرت ہی سے حاصل ہو گیا خواہ لام ہو یا نہ ہو تو اس وجہ سے ایک دوسرے فائدہ کا مفید کیا گیا اور وہ فائدہ یہی ہے کہ اسکو بالتشکیہ ذکر کیا اور چونکہ اور اشعار میں بغیر التوفیق کے توصیف نہیں آ سکتی تھی اس لیے اُن کو معروف باللام بیان کیا اور اس وجہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مراد اس سے قرآن ہے اور ایسے ہی لوح محفوظ مشہور ہے :

پس جو کہ کو اکسب مع نہایت مشہور تھے بلکہ اُن کو سيارہ خیال کرنے سے لوگ بہتخصیص اور دیگر کو اکب سے تمیز کرتے تھے تو ہماری دانست میں خدا نے کچھ غلطی نہیں کی بلکہ معرف باللام لانا ضرور نہ تھا :

پھر وہ فرماتے ہیں کہ تیر جبر غلط ہے (شاید غلط ہو اس لیے کہ ہم سولوی نہیں ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ کہنے اپنی جہالت اور ہولائے نفسانی سے جعلنا کو متعدی الی المفعولین ٹھہرایا ہے حالانکہ وہ متعدی الی مفعول واحد ہے :

مگر یہ ارقام نہیں فرمایا کہ اس مقام پر جعلنا کو متعدی الی مفعول واحد قرار دینے کی اُنہر کوئی وجہ تامل ہوئی ہے اور کیوں اُس کا متعدی الی المفعولین ہونا ناجائز ٹھہرایا ہے مگر چند ہم سے جاہلوں نے تو جعلنا کو اس مقام پر متعدی الی مفعولین مانا ہے :

تفسیر معالم التنزیل الاکتساب وجعلنا سراجاً یعنی الشمس وھا جا مضیاً پس اُنھنے ایک مفعول سراج کو مبینی تشن اور دوسرا مفعول وھا کو قرار دیا ہے :

پھر تفسیر ابن عباس کے صنف نے بھی جہالت کی ہے کہ وجعلنا سراجاً وھا جا شمساً مضیاً بیان کیا ہے اور جعلنا کو متعدی الی المفعولین مانا ہے :

بے شک خدا نے بھی غلطی کی ہے کہ اوپر سے برابر جعلنا کو متعدی الی المفعولین کہتا چلا آتا تھا ۔ المبخجل ۔ الارض ۔ مہاداً ۔ والجبل ۔ اوتاداً ۔ وجعلنا ۔ فومکمر ۔ سبائاً ۔ وجعلنا ۔ اللیل ۔ لباساً ۔ وجعلنا ۔ النهار ۔ معاشاً ۔ پھر اخیر میں بھی وجعلنا

کو متعدی الی المفعولین کہدیا کہیں تو متعدی الی المفعول واحد بلا ہوتا مگر حقیقت خدا  
اس قصور کا تقصیر وارہ تو ہم بھی اس جملہ کو اس جگہ متعدی الی مفعول واحد تسلیم کر لیتے ہیں  
سبباً کا مضاف الیہ محذوف بلاشبہ ممکن ہے کہ سموات ہو جیسا کہ تمام مفسروں نے مانا  
ہے لیکن جو کہ ان کے ذہن میں بتقلید یونانیان جاہل تھا کہ آسمان سات ہیں اور ان کا جسم مشید  
صلب بلوریں ہے کہ خرق و التیام کے بھی قابل نہیں کسی خیال سے انہوں نے سبباً کا مضاف الیہ  
سموات کو قرار دیا ہے ورنہ ان پر کوئی دی نازل نہیں ہوئی تھی کہ مضاف الیہ محذوف سموات ہے  
غایت یہ ہے کہ کوئی قرینہ ہو گا استدلال آیت ائنتم اشد خلقاً ام السماء بناھا لیکن یہ استدلال  
ایسا نہیں ہے کہ باوجود موجود ہونے دوسرے قرینہ کے بھی کوئی آؤ مضاف الیہ محذوف اس کا  
نہ مانا جاوے

خدا تعالیٰ نے شروع آیت میں سات کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ سورج کا ذکر فرمایا پس یہ کیسا  
صاف قرینہ ہے کہ دو سات وہی ہیں جن میں کا ایک سورج ہے اور سورج انہی سات میں کا ایک ہے  
پس ایسے صاف اور روشن قرینہ سے جو سورج کی نسبت چمکتا ہے سبباً کا مضاف الیہ کو اکب اور جملہ  
کو متعدی الی المفعولین اور اس کا مفعول اول احدی لہن قرار دیتے ہیں اور کہ اس کے حذف مضاف  
قرینہ دلالت کرتا تھا اس لئے اس کا حذف نہایت وسیع تھا صاف صاف معنی خدا کے کلام کے تو  
یہی ہیں پھر یونانیوں کے تقلید کر نیوالے چاہیں مانیں چاہیں نہ مانیں

واضح ہو کہ اگر ہم اس تمام تقریر سے قطع نظر کریں اور سبباً کا مضاف الیہ سموات ہی تسلیم کریں اور  
سبع سموات سے بھی سموات ہی مراد لیں اور اشد کے حذف کو بھی نسبت سموات ہی کے تسلیم کریں تو بھی  
آسمانوں کا جسم یونانیوں کے آسمانوں کا سا جسم یا دیا جسم جیسا کہ تیرہویں صدی کے مولوی قرار دینا  
چاہتے ہیں ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اسکی بحث آگے آوے گی

۲ — اذ لم یزل الله الذي خلق السموات والارض قادر على ان يخلق مثلهم من حيث يشاء  
آیت ۱۰۱

ترجمہ کیا نہیں دیکھا تم نے کہ جس انداز سے یہ اکیلا آسمانوں کو اور زمین کو طاقت رکھتا ہے  
اس بات پر کہ پیدا کرے ان کی مانند

کیا کا یہ ہے اس آیت سے اور خدا کی قدرت پر کیونکر اقرار ہو سکتا ہے اگر وہ سموات میں کچھ  
ڈگر ہے ہو کہ کھائی نہیں دیتے بلاشبہ اس مقام میں بھی سموات سے کو اکب مراد ہیں کچھ ہی ہم دیکھتے

ہیں اور خدا کی قدرت کا اتر کر کرتے ہیں :

۳۔ الم تر ان الله خلق السموات والارض بالحق - ابراہیمہ آیت ۲۲ +

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو یعنی کوکب کو اور زمین کو  
جیسا چاہیے :

اس آیت میں بھی جب تک سموات سے ایسی چیزیں مراد نہ لی جاویں جو حقیقت میں دکھائی  
دیتی ہوں اُس وقت تک خدا تعالیٰ کی قدرت کے اثبات پر دلیل نہیں ہو سکتی :

۴۔ الم تر كيف خلق الله سبع سموات طباقا وجعل القمر فيهن نورا وجعل الشمس  
سراجا - نوح آیت ۱۵ و ۱۶ +

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات یا متعدد آسمانوں یعنی کوکب کو  
تیلے اوپر اور کیا اُن میں چاند کو نور اور کیا سورج کو چراغ روشن :

اس آیت میں بھی ہو سکتی بحث ہے جو پہلی آیت میں کی ہے اور جس طرح اوپر دلیل سے  
مجھے - وردہ الملک کی آیت میں سموات سے کوکب مراد لیئے ہیں اسی طرح اس مقام پر بھی لیتے ہیں  
شمس و قمر ان کوکب کے نمایاں نہیں ہیں کیونکہ اس مقام پر لفظ فی سے داخل ہونا شمس و قمر کا  
اُنہی اعداد سبع میں پایا جاتا ہے - قل الله تبارك وتعالى من لسان ابراہیم علیہ السلام  
ربنا و ابعت فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم اياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم  
انك انت العزيز الحكيم - یعنی اسے ہمارے پروردگار اٹھا اُن میں ایک رسول اُنہی میں  
سے الخ :

۵۔ الله الذي دفع السموات بغیر عدد تر و نہا تم السقری علی العرش و سخر الشمس والقمر  
کل یجرى لاجل مسمى - الرعد آیت ۲ +

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُس کو پھر بھڑک اُٹھ  
پر اور فرماں بردار کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے معینات میں :

۶۔ خلق السموات بغیر عدد تر و نہا - لقمان آیت ۹ +

ترجمہ۔ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے کہ دیکھو تم اُس کو :

ان دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ اپنی قدرت کا ملہ اس طرح پر ثابت کرتا ہے کہ اُس نے سموات کو  
بغیر ستون کے بلند کیا ہے جب تک کہ وہ سموات بغیر ستون کے بلند ہوئے نہ دکھائی دیں تو حقیقت

اُس قدرت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

پس اس جگہ سموات سے خواہ یونانیوں والے مجسم آسمان مراد لو خواہ تیرھویں صدی کے  
موسولویوں والا خواہ محل سیر کوکب مگر اُن میں سے کوئی بھی مرئی نہیں ہے پس اگر لفظ سموات کو کچلے  
یہ لفظ سارے کے مجموعہ اور اُس سے نیلی چیت مراد لو تو تو ہو کچھ کلام نہیں لیکن اگر اُس کو سمی جمع قرار دو  
جیسا کہ ظاہر لفظ میں ہے تو ہم اُس سے بھی کوکب مراد لینے اُسی لیل سے جس سے کہ پہلی آیتوں میں  
لئے ہیں تاکہ دلیل پوری ہو جاوے۔

شمس قرع بھی اُنھی سموات یعنی کوکب میں داخل ہیں مگر جو کہ وہ نسبت دیگر کوکب کے زیادہ  
عظیم الشان ہو کہ معلوم ہوتا ہے اور وہ چلتے ہوئے بھی ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں اس لئے اپنے  
کمال قدرت کو زیادہ تر ظاہر کرنے کو فرمایا کہ وہ بھی خدا کے زمانہ برابر ہیں۔

مولوی محمد علی صاحب نے جو اپنے آئینہ میں غریب مرئی کی نسبت ایک محققانہ گفتگو کی  
معتی اُسکی نسبت بعض اکابر نے اپنی تحریر میں مکارہ کیا ہے مہنے اُس کو بنو روکھیا اور لکوی مہیلی  
صاحب کی زبان سے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کہ ”شعر مرابہ مدرکہ مہرود“۔  
علاوہ ان آیتوں کے آدھ بھی آیتیں ہیں جن میں سموات کے لفظ سے کوکب مراد لینا بہت  
آسانوں کے زیادہ تر مناسب ہے۔ مگر ہم انھیں آیتوں پر پس کرتے ہیں۔

## تحقیق الفاظ آیات

جمہور فلاسفہ و اصحاب علم ہیئت آسمان کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ انہما اجرام صلیبہ  
الانفلیتہ ولا خفیۃ غیر قابیلۃ للفرق والالتیام والنمو والذبول۔  
یعنی آسمان نخت اجرام ہیں نہ جو جمل میں آمد نہ جکے ہیں بھٹنے اور بڑھنے اور بڑھنے اور ٹھٹھنے کے  
قابل نہیں ہیں۔ اس حقیقت اور ایسے وجود سموات کے ہم بالکل متکبر ہیں۔

علامہ مقبول اور منقول طار و فلک دونوں کو ایک سمجھتے ہیں بسیار امام فخر الدین رازی نے بھی  
تفسیر میں تحت آیت کل فی فکک یسبحون کے فلک اور سار میں کچھ تفرقہ نہیں کیا ہے بلکہ  
دونوں کو ایک سمجھا ہے پس جو بحث کہ انھوں نے فلک کی حقیقت میں کی ہے وہ بحث گویا سارا کو  
اور سموات کی حقیقت میں ہے چنانچہ انھوں نے منصفہ تہ ذیل مذہب نسبت اُس کے نقل  
کئے ہیں۔

”قال بعضهم الفلك ليس بجسم وإنما هو مدارة هذه النجوم وهو قول الفصحاء  
وقال لاكثرهم هي اجسام تدور النجوم عليها وهذا اقرب الى ظاهر القران - ثم  
اختلفوا في كيفية فقال بعضهم الفلك موج مكشوف تجري الشمس والقمر والنجوم  
فيه وقال الكلبي ما مجموع تجري فيه الكواكب“

یعنی بعضوں کا قول ہے کہ فلك یعنی آسمان کا کوئی جسم نہیں ہے بلکہ وہ ستاروں کے چکر  
کی جگہ ہے اور یہ قول خنکاک کا ہے اور اکثر عالم مفسر یہ کہتے ہیں کہ ان کا جسم ہے اور ستارے ان کے  
اوپر پھرتے ہیں (جیسے کرگین۔ پرجیوٹی) اور یہی نئی قرآن کے الفاظ کے نہایت قریب ہیں ایسے  
بعد پھر عالموں اور مفسروں نے اس بات میں کہ پھر وہ کیسے ہیں اختلاف کیا ہے بعضوں کا قول ہے  
کہ فلك یعنی ستار پانی کا ٹکلیا ہے سورج اور چاند اور ستارے اُس میں پھرتے ہیں اور کلبي کا یہ قول ہے  
کہ پانی موج ہو گیا ہے اُس میں ستارے بہتے ہیں +

پھر امام صاحب کہتے ہیں کہ ”والحق انه لا سبيل الى معرفة صفات المستلوات الا بالبحر  
یعنی صحیح یہ ہے کہ آسمانوں کی صفت معلوم کرنے کے لئے بحر و وحی کے کوئی راہ نہیں ہے (مشطریک  
وحی کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ ہو) +

آخر کو امام صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے ”والذي يدل عليه لفظ القران ان تكون  
الافلاك واقفة والكواكب تكون جارية فيها كما تسبح السمكة في الماء“ یعنی وہ بات جو  
قرآن کے لفظوں سے پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ افلاک یعنی آسمان تو ٹھہرے ہوئے ہوں اور ستارے  
اُس میں بہتے ہوں جیسے کہ کھجلی پانی میں تیرتی ہے +

چھنے جو کچھ کہا ہے وہ انھیں علماء کے اقوال کے نہایت قریب قریب ہے۔ حقیقت سارا  
سموات کی ہم نہیں جانتے مگر یہ بات کہ وہ اجرام صلب ہیں محض غلط ہے اسکو بھی ہم نہیں مانتے کہ وہ  
گیند کی طرح لپکے سر میں اور ستارے اُن پر پھرتے ہیں جیسے کہ گیند پرجیوٹی یا گیند پر مخروط اور اُن فوں  
باتوں کو اس لئے نہیں مانتے کہ قرآن مجید سے اُن کا ایسا جسم یا اُن کی ایسی حقیقت ثابت نہیں ہوتی +  
باقی رہی یہ بات کہ وہ پانی کے کیبل کی مانند ہیں یا پانی اکٹھا ہو گیا ہے یعنی وہ ایک ایسے جسم  
طیف سیال ہیں جو کواکب کی سیر و حرکت کو مانع نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص اُن کے ایسے ہم ہونے کا  
دعوئی کرے تو ہم اسکو اس ضد جواب دینگے کہ ہونے لگے ایسے جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کریں گے  
دو وجہ سے۔ اولیٰ اس لئے کہ ایسے جسم ہونے کے ثبوت کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل

نہیں۔ دوسرے اس لیے کہ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس سے نہ ایسے وجود کا ہونا پایا جاتا ہے اور نہ اُس کے تسلیم کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے +

پس علاوہ اُن چیزوں کے جن پر سماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے جسے سماء کے معنی فصاعاً محیط کے قرار دیئے ہیں اور اُن کے درجات یا طبقات کو جو بسبب حدوث اور وجود دیگر اشیاء کے اُس فصاعاً محیط میں اوپر تلے یا طبقہ بعد طبقہ پیدا ہو گئے ہیں سموات کہا ہے تو اب ہکون ضرور ہے کہ ہم اِس بات کو بھی بیان کریں کہ جو معنی پہلے لفظ سماء یا سموات کے قرار دیئے ہیں یا جن معنوں میں اُن کا اطلاق ہوا بیان کیا ہے کوئی لفظ کسی آیت کا آیات قرآن مجید سے اُس کے مخالف نہیں ہے اِس بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہم وجود سموات کے منکر نہیں ہیں کیونکہ اِس فصاعاً محیط یا سماء کے طبقات کا وجود مخلوق ہے +

قسم اول کی آیتوں میں یعنی جن میں لفظ سماء کا معنی ابر و بادل کے اطلاق ہوا ہے کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو بحث کے قابل ہو اور جس سے اُن معنوں میں شبہ پڑ سکتا ہو۔ ہاں صرف ایک اخیر کی آیت والسماء ذات الرحم شاید بحث کے لائق ہو کیونکہ ہمارے زیادہ کے علماء شاید اُسکو یونانیوں والا آسمان قرار دیکر اُس سے آسمان کی گردش اور زمین کے سکون قرار دینے پر متوجہ ہوں + مگر تم سمجھتے ہو کہ مہر مفسرین نے بھی اِس آیت میں لفظ سماء سے بادل مراد لی ہے صرف ابن زید کا ایک قول منقول ہوا ہے جس سے یونانیوں والا آسمان مراد ہو سکتا ہے مگر اُس قول کو مفسرین نے نہیں مانا +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے "اما قوله والسماء ذات الرحم فتقول قال الزجاج الرحم المطر لانه يجيئ ريتكروا علم ان كلام الزجاج وسائر النسخة اللغية صريح في ان الرحم ليس اسما موضوعا للمطر بل سمي رجعا على سبيل المجاز ولحسن هذا المجاز وجوه (۱) قال القتال كانه من ترجيع الصوت وهو اعلوه ووصل الرحم وف به فكذلك المطر لكونه عايد امرة بعد اخرى سمي رجعا (۲) وثانيها ان العرب كانوا يسمون ان السحاب يحمل الماء من مجاز الارض ثم يرجعه الى الارض (۳) وثالثها انهم ارادوا التناول فسموه رجعا ليرجع (۴) ورابعها ان المطر يرجع في كل عام اذا عرفت هذا فتقول للمفسرين قول (۵) قال ابن عباس والسماء ذات الرحم اوقات المطر يرجع لمطر بعد مطر وثانيها رجعت السماء اعطاء الخبز الذي يكون من جهتها خلا بعد حل على مرور الايام ترجع رجعا لانه



تطيه مرة بعد مرة (و ثانیہا) رجم السماء اعطاء الخیر الذی یکون من جہتہا  
حال بعد مرة (و ثالثہا) قل ابن زید ہوا تار د و ترجم شمسہا و قمرہا بعد مغیبہما  
والقول هو الاول +

یعنی ہم کہتے ہیں کہ والسماء ذات الراحہ میں جو لفظ راجع کا ہے اُسکے معنی راجع نے مینہ  
کے لیے ہیں کیونکہ مینہ آتا ہے اور پھر پھر کر آتا ہے۔ یہ بات جان لینی چاہیے کہ راجع کے اور کلام  
فصل کے عالموں کے کلام میں اس بات کی تصریح ہے کہ لفظ راجع مینہ کے لیے نہیں بنایا گیا  
ہے یعنی اُس کے لغوی معنی مینہ کے نہیں ہیں بلکہ مجازاً بطور مینہ کے نام کے بولا جاتا ہے اور  
مجازاً مینہ کا نام راجع رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں۔ اول یہ کہ فعال کا قول ہے کہ راجع کا لفظ گویا  
ترجم المصروف سے لیا ہے جسکو گانے والے محکمہ کہتے ہیں اور گنگری آواز کا پھینک اور اُس سے  
حرفوں کا لے لینے میں ملتا ہے اور یہی حال مینہ کا ہے پس اُس کے برسنے اور پھر برسنے کے سبب  
راجع اُس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل عرب سمجھتے تھے کہ بادل زمین کے دریاؤں میں سے  
پانی لیجاتے ہیں اور پھر زمین کو پھیر دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ انھوں نے نیک فال کے ارادہ  
سے مینہ کا نام راجع رکھا ہے تاکہ پھر آوے۔ چوتھے یہ کہ مینہ ہر برس پھر آتا ہے۔ اب یہ بات  
جان لی گئی تو ہم کہتے ہیں کہ مفسروں کے کئی قول ہیں۔ اول ابن عباس کا قول ہے کہ والسماء  
ذات الراحہ کے معنی ہیں۔ ذات المظہر یعنی مینہ والا پھر لانا ہے مینہ کو مینہ کے بعد۔ دوسرے یہ کہ  
رجم السماء سے دو نیکی مل رہی ہے جو آسمان کی طرف سے بار بار زانوں کے گذر جانے پر بھی ہوتی  
جتی ہے عرب بوہتے ہیں ترجمہ رجاء یعنی اُسکو دیتا ہے بار بار تیسرا ابن زید کا قول ہے وہ  
کہتے ہیں کہ آسمان لیجاتا ہے اور پھر لانا ہے اپنے سورج اور چاند کو اُن کے چھپ جانے کے بعد  
مگر پہلی بات ٹھیک ہے +

بائیں ہم خود سیاق و سباق کلام خدا پر غور کر سکتے ہیں اُس کے دونوں جملوں کے ماننے  
صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہایت فصاحت اور خوبی سے بادلوں کا اور اُسکے ساتھ زمین کے اُگلانے  
کا جو دونوں لازم و ملزوم ہیں بیان کیا ہے پھر چارہ لفظ راجع کے لغوی معنی اور خواہ مجازی معنی دونوں  
حالتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے ہم خود بادلوں کو دیکھتے ہیں کہ جاتے آتے ہیں یہاں جتے  
ہیں پھر وہاں جا رہے ہیں پھر یہاں آ رہے ہیں زمین کو سیراب کرتے ہیں درجہ طبع کے بھل  
پتھلوں کو اُگاتی ہے +

ایک بہت بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جا بجا نیچر کی خوبی انسان کو جلتا ہے اور اُس سے اپنی خدائی کے ثبوت پر دلیل لاتا ہے اور پھر اُس سے انسان کو روحانی نیکی حاصل کرنا سکھاتا ہے فہو رب العرش العظیم۔ سبحانہ و تعالیٰ شانہ +

قسم دوم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سار کا نقصانے محیط پر اطلاق ہوا ہے اُن آیتوں میں بھی لفظ بحث کے لائق ہیں :

آول لفظ "استوی" جسکو ہم نے اور آؤ مفسروں نے بمعنی خلق بیان کیا ہے پس لفظ استوا سے بحث کرنی گویا لفظ خلق سے بحث کرنی ہے اس لیے اس مقام پر اس لفظ سے بحث نہیں کرتے کیونکہ آگے لفظ خلق سے پوری بحث کیا ہو چکی +

دوسرے لفظ "بروج" کا ہے۔ یہ لفظ تین آیتوں میں آیا ہے۔ تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیہا سراجاً وقهراً منیراً۔ ولقد جعلنا فی السماء بروجاً وزینتها للناس عِلْمٌ والسماء ذات البروج مگر یہ لفظ ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہے اور نہ اس لفظ سے آسمان کا ایسا رسم جیسا کہ یونانی جیموں نے مانا تھا اور جس کی تعلید علماء اسلام نے کی ہے ثابت ہوتا ہے + بروج جمع ہے برج کی اور برج مشتق ہے تبرج سے جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ قال الامام فی تفسیرہ "اشتقاق البرج من التبرج لظہورہ"

پس ان آیتوں میں جو بروج کا لفظ آیا ہے مفسرین نے اُس کے تین معنی لیے ہیں۔ اول ابن عباس کی روایت ہے کہ بروج سے مراد کوکب ہیں قال الامام فی تفسیرہ۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان البروج ہی الکواکب العظام۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے کہ یہی بڑے بڑے ستارے بروج ہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا ہے "البروج ہی عظام الکواکب سمیت بروجاً لظہورہا" یعنی بروج یہی بڑے بڑے ستارہ ہیں اُن کا نام بروج اس لیے ہوا کہ وہ ظاہر ہیں۔ ثلث قرآن میں لکھا ہے "والسماء ذات البروج وہی ذات کوکب العظام"۔ یعنی آسمان بروجوں والے ہے بڑے بڑے ستاروں والا مراد ہے۔ پس اگر یہی معنی بروج کے لیے جاوے تو لفظ بروج کا اُن منہل سے جو ہم نے سار کے لیے ہیں کچھ بھی مخالف نہیں اور نہ ایسے معنی لینے سے یونانیوں کے آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے +

دوسرے معنی بروج کے لیے ہیں منازل قمر یعنی نیچر کے یا منازل سیارات کے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔ "اما البروج فی منازل السیارات" اور دوسری جگہ لکھا ہے "البروج ہی



فی السماء بروجا کما فی السماء بروج جسیک تبارک الذی جعل فی السماء نجوماً کما فی السماء بروج جسیک ولقد جعلنا فی السماء نجوماً کما فی

بعد اس تقرر کے اہل تخم و اہل ہیت یونانیہ کو ایک اور شکل پیش آئی جس سے انھوں نے  
صور بروج کو فلک ہستہم پر اور تقسیم بروج کو فلک نہم پر مانا مگر یہ مسائل علم ہیت کے ہیں اُس کی  
بحث کا یہاں موقع نہیں ہے غرض کہ اُنہی کو اکب کے مجمع کو جن سے صورت عمل و ثور و جوزا و  
سرطان وغیرہ کی پیدا ہوتی ہیں اہل عرب بروج کہتے تھے اور اُن کا کائنات صحیح تھا پس قرآن مجید میں  
بھی اُنہی پر بروج کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے جو دراصل ہمارے بیان کے متافی نہیں ہے اور نہ  
کسی طرح لفظ بروج کا آسمان کے مجسم صلب بوریں ہونے کا متقاضی ہے +

تیسرا قابل بحث کے شاید لفظ "قال" ہو جو آیت کریمہ فقال لها وللارض اثنتا طعناً او  
کرہاً قالتا اثنتا طائعتین میں واقع ہے +

مگر ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کیا بحث کی جاوے گی شاید یہ بحث ہو کہ ہر گاہ سارے فضاء محیط  
مرفوعہ اولی ہے اور دال کسی لطیف جسم ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا گیا تو خلا لازم آیا اور خلا امر  
وجودی نہیں ہے بلکہ امر عدمی ہے تو وہ کیونکر قابل ادولایت اطاعت ہو سکتا ہے +

مگر یہ خیال اگر کسی کو ہوسچ نہیں ہے کیونکہ ہم نے محل سیر کو اکب کو سار قرار دیا ہے اور وہ  
مکانیت سے خالی نہیں اور مکان خالی جن المادہ امر وجودی ہے امر عدمی نہیں ہے۔ باقی بھی  
بحث متماثل لفظ قال کی جو خلک طرف سے زمین کی نسبت اور آسمانوں کی نسبت کہا گیا اور اس طرح  
زمین اور آسمان کی طرف قال کی نسبت کی گئی یہ ایک جدا بحث ہے جو مابین فیہ سے متعلق  
نہیں +

چوتھا لفظ قابل بحث کے "ابواب" کا ہے جو آیت کریمہ لا تفتح لهم ابواب السموات  
واقع ہے۔ اس لفظ سے لوگ خیال کرتے ہوئے کہ آسمان میں دروازے ہیں اور جب آسمان  
ایسا ہی مجسم نہو جسیک یونانیوں والا آسمان تو اُس میں دروازے اور کواکب اور کائنات کے فعل کیونکر  
ہو سکتے ہیں +

جن علماء کے ذہن میں آسمان کا جسم تقلید یونانیان صلب بوریں جا ہوا تھا انھوں نے تو  
آسمان میں کچھ کچھ کے دروازے بنا دیئے ہیں لیکن علماء محققین نے فتح ابواب سار سے خبر و برکت  
مربوطی ہے چنانچہ ان کا قول تفسیر کبیر میں اس طرح پر لکھا ہے۔ فی قوله لا تفتح لهم ابواب السموات

اقوال والقل المار بالانزل علیہم البرکۃ والخیر وهو ما خوذ من قوله ففتقنا ابواب السماء باد منهزم یعنی ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھلنے کی تفسیریں مفسرین کے کئی قول ہیں ان میں سے ایک یہ قول ہے کہ کافتم لهم ابواب السماء کے یہ معنی ہیں کہ ان پر یعنی کافروں پر خیر و برکت نہ نازل ہوگی اور یہی معنی ہمارے نزدیک صحیح ہیں جو کسی طرح ہمارے بیان کے مخالف نہیں ہیں +

سوائے ان الفاظ کے جو مذکور ہوئے اور کوئی لفظ ان آیتوں میں بد قسم دوم میں داخل نہیں قابل بحث کے نہیں معلوم ہوتا +

قسم سوم میں یہ آیتیں بیان ہوئی ہیں اور جن میں لفظ سار کا اس نیلی جزیرہ پر جو کہو دکھائی دیتی ہے اطلاق ہوا ہے ان آیتوں میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں +

اول لفظ "باب" جو آیت کریمہ "ولو فتحنا علیہم بابا من السماء ولسا ولسا" اور وہ پورے آیت میں ہے "ولو فتحنا علیہم بابا من السماء فظلا وافیہ یعجزون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحرون" +

یعنی اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ ایسے ہو جاوے گا کہ سارے دن اس میں پڑھتے ہیں تو کہیں گے کہ باری دھٹ بندی ہوئی ہے نہیں تو ہر جا دو ہوا +

لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ جب اس آیت میں آسمان کے دروازے کا ذکر ہے اور اس میں چڑھنے کا بھی بیان ہے تو ضرور آسمان ایسا ہی مجسم ہے جیسا کہ یونانی بیان کرتے ہیں +

مگر خدا کی آیت سے آسمان میں دروازہ ہونے کا علم امکان ثابت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ایک غیر ممکن بات کو فرض کر کر بیان فرماتا ہے کہ اگر آسمان میں دروازہ بھی کھل جاوے اور کافروں میں

چڑھ بھی جائیں تب بھی ایمان نہ لادیں گے اور کہیں گے کہ یا باری دھٹ بندی کی ہے یا ہر جا دو گیا ہے پس اس آیت سے ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے یونانیوں کے عقیدوں کا +

خدا تعالیٰ کافروں کے حال میں اکثر غیر ممکن باتوں کی نسبت فرمایا کرتا ہے کہ اگر یہی ہو جائے تب بھی وہ نہ مانیں گے جیسا کہ آیت میں فرمایا ہے "ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنہا

کافتم لهم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلبسوا الجمیل فی صمد الخیاط" +

یعنی بے شک جنہوں نے ہماری نشانیں کو جھٹلایا اور ان کے سامنے گھنٹا کیا ہرگز

نہ ٹھیکے اُن کے لیے دروازے آسمان کے یعنی اُن کو خیر و برکت نہ ہوگی اور نہ بہشت میں جاویں گے  
یہاں تک کہ گھس جاوے اُوٹ سُوئی کے ٹکے میں :

اُوٹ کا سُوئی کے ٹکے میں گھس جانا غیر ممکن ہے پس اللہ تعالیٰ کافروں پر خیر و برکت ہونے  
اور اُن کا بہشت میں جانا ناممکن ہونا اس طرح پر سمجھتا ہے کہ اگر اُوٹ بھی سُوئی کے ٹکے میں  
گھس جاوے تو بھی اُن پر خیر و برکت ہوگی اور نہ وہ بہشت میں جاویں گے :

اسی طرح آیت مالمخوفیہ میں فرمایا ہے کہ اگر آسمان میں ایسا دروازہ جس میں آدمی آتے جاتے  
ہیں کھولا جاوے اور کافروں میں جانے لگیں جو غیر ممکن ہے تب بھی وہ نہ آئیں گے اور کہیں گے کہ  
ہماری ٹوٹ بندی کی ہے یا ہر جاوے کیا ہے :

تفسیر کبیر میں لکھا ہے "اعلم ان هذا الکلام هو المذکور فی سورۃ الانعام فی قولہ  
ولونزلنا علیک کتابا فی قرطاس موصوۃ باید یعمل لقال الذین کفروا ان هذا الاصح  
میان والمأصل ان القوم لما طلبوا نزول الملائکۃ یصرحون بتصدیق الرسول  
علیہ السلام فی کونہ رسولاً من عند اللہ تعالیٰ بین اللہ تعالیٰ فی هذه الایۃ ان  
بتقدیر ان یحصل هذه المعنی لقال الذین کفروا هذا من باب السہو ولعل الذین  
یظن ان انزلنا هم نفسہم فی الحقیۃ انزلنا ہمہ :

ترجمہ - جانا چاہیے کہ اس آیت میں یہی بات ہے جو سورہ انعام میں کہی گئی ہے جہاں خدا  
نے فرمایا ہے "اور اگر بھیجیں ہم تیرے پاس کاغذیں لکھا ہوا پھر چھو لیں سکو اپنے ہاتھ سے تو بھی  
جو لوگ منکر ہیں کہیں گے کہ یہ آمل ہیں کچھ نہیں ہے صرف جادو ہے " حاصل یہ ہے کہ جب اہل حرب نے  
رسول خدا پر رسول اللہ ہونے کا یقین لائے کہ فرشتوں کا آتر ناپا تا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا  
کہ توفیق دیا گیا ہے جو جادوے تو بھی جو لوگ منکر ہیں کہیں گے کہ یہ ایک جادو کی قسم میں سے ہے اور جو  
ہم سمجھتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں حقیقت میں ہم نہیں دیکھتے - پس جب اس آیت میں آسمان میں دروازہ کا  
ہونا اور اُس میں کافروں کا پڑھنا یا فرشتوں کا آتر ناپا طور محال کے بیان کیا گیا ہے تو باب کا لفظ سہو  
کے اُن معنوں کے جو چہنہ اس آیت میں یا اس قسم سوم میں یعنی اس نئی چیز کے جو بہکوسبب انکار  
شلع آفتاب گرہ ہوا میں دیکھا جاتی ہے لیئے میں کچھ بھی سنائی نہیں - البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ  
اس آیت میں جس چیز پر سنہو سہو کے لفظ کا اطلاق ہونا بیان کیا ہے بظاہر اُسکی غلط ایسی ہونا  
چاہیے جس میں دروازہ کھلنے کا اطلاق ہو سکے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نئی چیز جو بہکواسی ایسی ہے

حالت دکھائی دیتی ہے نہایت صاف بغیر کسی پھوٹاؤ اور دراز کے گنبد کی چھت کی مانند نہایت  
چمکے بنائی ہوئی دیکھائی دیتی ہے اللہ ہمارے خیال میں ڈاٹ لگا ہوا سا ایک جسم سا بنی ہوئی ہے  
پس اس خیال کے موافق اس جسم خیالی میں دروازہ کھولنے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے  
قرآن مجید بندوں کی زبان اور محاورہ میں نازل کیا ہے پس بندوں کے اس خیالی جسم پر ہندوں کے  
خاصہ کے موافق دروازہ کھولنے کا اطلاق ہوا ہے زبطہ عمل حقیقت کے +

دوسرا لفظ مستقفا ہے جو ایک گہرہ وجعلنا السماء سقفا محفوظا میں آیا ہے اور السقف  
الرفوع میں جو لفظ سقف کا ہے اس سے بھی آسان مراد ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے سمي السماء  
سقفاً لانها لا أرض کا السقف للبيت یعنی آسان کو چھت اس لئے کہا ہے کہ وہ زمین کے  
سے ایسا ہے جیسے گھر کے لئے چھت +

بلاشبہ نیلی نیلی چیز جو ایسی اوپر دکھائی دیتی ہے کہ گریبا دنیا کی چھت ہے مگر اس سے یونانیوں  
کے متقدموں کو کیا فائدہ ہے اس لئے کہ اس نیلی چیز کو جسے خلائے سقف محفوظا یا سقف مرفوع کہا  
ہے یونانی بھی تو وہ آسان نہیں مانتے جس کے وہ قایل ہیں اور علمائے اسلام بھی ان کی تقلید سے  
اس نیلی نیلی چیز کو اپنا مسلمہ آسان قرار نہیں دیتے اور قرآن مجید میں جب کو سقف مرفوع و سقف محفوظ  
کہا ہے وہ تو یہی نیلی نیلی چیز ہے جو تمام دنیا کے لوگوں کو دنیا کی چھت کی مانند دکھائی دیتی ہے اور  
عرب کے بادیشین جن کی زبان میں قرآن مجید اُترا اُسی کو سقف مرفوع سمجھتے تھے جو آسان کہ یونانی  
قرار دیتے ہیں اور جن آسمانوں کا یا جس آسان کا ذکر علمائے اسلام کرتے ہیں وہ کسی نے دیکھا بھی  
نہیں پھر کیا معلوم کہ وہ دنیا کی چھت ہے یا چھت کی چھت گہری ہے +

علاوہ اس کے سقف کی مثال دینے سے اسکا ایسے جسم سے مجسم ہونا جیسا کہ یونانی تسلیم کرتے ہیں  
کیونکہ لازم آتا ہے یہ نیلی نیلی چیز جو اس طرح پرویا کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتی ہے جیسے گھر کو چھت  
اور ایسی مشابہت سے اس پر سقف کا اطلاق کیا ہے خواہ وہ احون من بیت العنکبوت ہو  
خواہ اشد من سقف الحديد +

تیسرا لفظ "نخ" کا ہے جو آسان کی نسبت بولا گیا ہے۔ حقیقت یہ نیلی چیز جو ہر دکھائی دیتی  
ہے اور جسکو آسان کہتے ہیں شے مرفوع ہے مگر لفظ رفع سے اسکا وہ یا تا نہیہ کے پتر کا سا  
ہونا کیونکہ لازم آتا ہے +

چوتھا لفظ حکف کا ہے جس کے معنی ٹکڑوں یا پاروں کے ہیں یا غلط البتہ بحث کے

قابل ہے مگر اول ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ان آیتوں میں جو لفظ ساء کا آیا ہے اُس سے یہی نفی  
 نیلی چیز جو دکھائی دیتی ہے مراد ہے یا اور کوئی چیز۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہی مراد ہے کیونکہ سورہ  
 سبکی آیت میں خدا نے فرمایا ہے ”اولہ یروا الی ما بین یدیدہم وما خلفہم من السماء  
 والارض“ اور انسان کے ہر طرف یہی نفی چیز ہے جسکو آسمان فرمایا ہے اور یہی زمین ہے  
 پھر اس کے آگے جو زمین کے دھناٹے کا اور آسمان سے ٹکرا کر آنے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی  
 اسی زمین کے دھناٹے اور اسی نفی چیز کے ٹکرا کر آنے کا ہے اور سب کے نزدیک اس  
 نفی چیز کا ایسا جسم نہیں ہے جس سے حقیقتاً ٹکرا کر ناممکن ہو پس جن آیتوں میں ”کسفا“ کا  
 لفظ ہے وہ یونانیوں کے مقلد مولویوں کے لئے کچھ مفید نہیں اور نہ اُس سے یونانیوں والا مجسم  
 آسمان ثابت ہوتا ہے نیز عربی صدی کے مولویوں کا :

علامہ ابن کے اس آیت میں خدا تعالیٰ محسوسات سے اپنی قدرت ثابت کرتا ہے یونانیوں  
 مجسم آسمان یا تیر عربی صدی کے مولویوں والا مجسم آسمان محسوس نہیں ہے کیونکہ سوائے اس نفی  
 چیز کے اور کچھ انسان کو محسوس نہیں ہے پس غیر محسوس شے سے ٹکرا کر آنے کا ذکر نا اثبات دعا  
 کو کافی نہیں اس لئے ”کسفا“ کا لفظ نہ ہمارے مطلب کے منافی ہے اور نہ یونانیوں کے مقلدوں  
 کے مفید ہے :

اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں بندوں کی زبان میں اور انہی کے محاورات کے موافق  
 کلام کرتا ہے اور جب ان کو کسی محسوس چیز سے ہدایت کرتا ہے یا محسوسات سے اپنے کمال قدرت  
 کو ثابت کرتا ہے تو انہی کے خیالات کے موافق اور جس طرح کہ وہ شے محسوس ہوتی ہے اُسی کے  
 مطابق کلام کرتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایسے متن پر خیالات کی تبدیل اور مخالف اشیاء کے  
 سمجھانے پر متوجہ ہو تو اعلیٰ مقصود روحانی تربیت کا نوت ہو جائے :

تمام انسان ابن نفی چیز کو ضعف گنبدی سمجھتے تھے جیسکروہ دکھائی دیتی ہے اور ریختہ کی  
 ڈاٹس بھی زیادہ مضبوط سمجھتے تھے پس خدائے مطابق اُن کے خیالات کے اُن کو فرمایا کہ  
 اُنیں ایسی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو اُس چیز میں سے بھی جسکو تم ایسا مستحکم سمجھتے ہو تو تمہیں ٹکڑا  
 کر دے اور زمین کو باوصف اس قدر عظمت و استحکام کے دھناٹے سے پس ایسے مقامات پر اس بات  
 سے غرض نہیں ہوتی کہ اُس نفی چیز کا جسم ابر قابل ہے کہ اُس میں سے ٹکڑا کر کر کے یا نہیں  
 اور اگر ٹکڑا کر گرنے کے قابل ہے تو وہ ایسا ہی ٹکڑا ہو گا جیسے چمٹ میں کی پٹیا یا پتھر



میں کی بٹیا  
 اس کے لئے سے ماہ ماہ وغیرہ مراد نہیں ہے تفسیر کہیں لکھا ہے کہ کسفا  
 من التمار قر کسفا بالسکون والحركة ولا ما جمع کسفة وهي القطعة والساء السواء  
 اول الظالة . . . مدی انه حبر عنهم الريح سبعا ووسط عليهم الرمل فانخذ بانفاسهم  
 لا ينفعهم ظل ولا ما وفاضطرر الی ان خرجوا الی البرية فاطلهم مصابة وجدوا لها  
 بددا ونسبها فاجتمعوا تحتها فامطرت عليهم نارا فاحترقوا یعنی کسفا جمع ہے کسفة  
 کی جس کے معنی ٹھوسے کے ہیں اور آسمان سے یا تو بادل مراد ہے یا تو کوئی بھائی ہوئی چیز  
 پھر اخیر میں وہ ایک روایت لکھتے ہیں کہ مصاب ایک نے جو کہا تھا کہ پھر آسمان کا ٹکڑا گر دے تو اُنپر  
 عذاب پس طرح چنانچہ ہمارک سات دن تک تھانہ ہی اور ریت یا خبر جو آسمان میں چڑھ گیا تھا اُنپر  
 چھپا اور اُن سب کا دم گھسنے لگا نہ اُن کو کوئی سایہ وار چیز فائدہ دیتی تھی اور نہ پانی پھر وہ بیقرار ہوئے  
 اور جنگل میں نکل جانا چاہتے تھے میں ایک بادل اُن پر چھا گیا اُن کو ٹھنڈک معلوم ہوئی اور ٹپکی ٹپکی  
 ہوا بھی لگی اور سب اُن کے نیچے اُن کرخ ہو گئے پھر اُس میں سے اُن پر آگ برسنے لگی پھر سب  
 جل گئے پس جبکہ ہمارے اس مقام پر سماء ماخض فیہ ہی مراد نہ تو کسفا کے لفظ سے  
 سماء ماخض فیہ کے معنی ہونے پر کیونکہ استدلال ہو سکتا ہے اور نہ کہ اصل عذاب میں یہ بات  
 نہائی کہ ہم چاہیں زمین کو دھندلا دیں یا بادل کا ٹکڑا گرا دیں یا کافروں کا ایک ٹکڑا گر تم سچے ہو تو بادل  
 کا ایک ٹکڑا ہی زمین پر آتا نہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر کچھ اعتراض ہو سکے کیونکہ اگر بادل زمین  
 پر گر پڑے تو نہایت ٹھٹھ عذاب سے لوگ بہاد ہو جاویں :

غلا وہ اس کے تمام تہذیبیں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اصلی مقصود اُس کا نتیجہ ہوتا ہے زمین  
 کے دھندلنے اور آسمان کا ٹکڑا گرنے سے صرف یہ مقصود ہے کہ خدا اُن کے برابر کرے پھر قادیان  
 ہے پس مقصد کہ جو بڑا اور خواہ مخواہ لفظی بحث کے نیچے پڑا نفسیہ القول بہ لا یرضی بہ فائز  
 کرنا ہے اولیٰ علیٰ حیثیت جتانے سے اسلام کو اور قرآن کو بدنام کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ قرآن  
 اور علم قرآن اور حالت موجودات یا قرآن و حقایق اشیاء متحد نہیں ہیں اللهم انی اعوذ بک من  
 مثل هذا العلم فانه حجاب اکبر :

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ وہ اما التہدید بقوله ان نشاء نخسف ہم کا اصرار یعنی  
 نخل عین ناقم ضارہم یا نخسف واگسف یعنی خدائے کافروں کو اس کشتے سے تہذیب

ہے کہ اگر ہم چاہیں تو زمین گز دھندلے میں بھی اگر ہم چاہیں تو جو چیز خاص تمہارے مفید ہے  
سے منکر کریں دھندلے کر لیا کر اگر وہاں شک فی قدوتہ ۔

نکتہ ۵۔ قرآن مجید میں بہت باتیں ملے کہ ان کے زبانی ہیں اُس سے خاص اُس بات کا ثبوت  
معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ مخاطب کا ذہن اُس سے اس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی  
رف منقول ہو جاوے ۔ اس طرح بعضی نعم ایک صورت محسوس کیے بیان کی جاتی ہے کہ جو معنی  
وہیں اُسکی تصویر مخاطب کے ذہن میں آ جاوے اور اُس سے اُس صورت محسوس کا اثبات مقصود  
میں ہوتا ہے وہ لوگ سیاق قرآن مجید سے واقف نہیں ہیں جو ان کتابوں سے یا اُس صورت  
وسرے سے خاص اُسکی کا ثبوت مقصود سمجھتے ہیں پس ان آیتوں میں جو وہ انسقط علیہم کسفا  
ن السماء ۔ یا ۔ فاسقط علینا کسفان السماء آیا ہے یہ سمجھنا کہ اس سے آسمان کے واقعی  
ثروں کا ثبوت ہوتا ہے نہایت غلطی ہے بلکہ یہ صرف بیان بالکنا ہے اور اُس کا لازم مقصود  
ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب تفسیر فزا لکیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ انکنایت است کہ حکمے اثبات کنند  
د قصد نہ ثبوت عین آن باشد بلکہ قصد است کہ انتحال کنند ذہن مخاطب بلانہ آن بلزوم عادی عقلی  
چنانکہ از عظیم الراء معنی کثرت ضیافت و از یادہ مبسوطان معنی سخاوت و ادراک می شود و تصویر معنی  
مراد بصورت محسوسہ از عین قبل است و آن بابے است و اس و اشارت و خطاب ایشان قرآن  
عظیم و سنت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بآن شجون است و اغلب علیہم کجایک و وہاں کتبہ  
دادہ شد برئیس زنداں چون یا ران خود را و از وہ کہ ازین موحلہ کن و انا نسود را و جعلنا من بین  
ایدلہم سدا و من خلفہم سدا ۔ و جعلنا فی اعناقہم اغلا لا تسبیہ اودہ شد اغراض ایشان  
را از تدبیر آیات کہ کہ اور اسخول کر وہ باشند یا برہر جہت اوسدے بنا کر وہ باشند پس اصلا نہی تواریخ  
واضحہم جناحہن المرہب یعنی مجبور خاطر شو پر آئند کی نفس گنہار و نظیر اس باب و عرف است  
کہ چون شجاعت کے رات کر کہ نہ بشی اشارہ کنند کہ اس طرف میزند و اس طرف میزند و مقصود و مجز  
غلبہ و بولای افاق بصفت شجاعت نہ باشد کہ وہ تمام عمر شیر پرست گرفتہ باشد یا گویند فذل ہی گوید کہ  
و زمین کسی را نمی بینم کہ باسی بماند تو اند کہ وہ یا گویند کہ فذل خود چنیں میکند و اشارہ کنند بہتیم  
اہل بماند و وقت قلبہ بضم می کنند کہ گو کہ ایش نفس گاہ ہے اس کلمہ غنہ باشد و اس فعل نکرہ باشد  
یا گویند فذل حق مرا خدا کہ دست و دست مگوئے من اذ اخذت لقرآن کتبہ است ۔ انتہی ۔

پس ہاں کہیں کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ محسوسات کا بعد عرف عام بیان فرماتا ہے اُس سے  
اُس کے عین کا شجرت مقصود نہیں ہوتا ہم بھی کہتے ہیں کہ آسمان گر پڑے آسمان ٹوٹ پڑا یہ ایسی  
بات ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جاوے کیجا پھٹ جاوے مگر کبھی ان الفاظ سے حقیقتاً اُن  
چیزوں کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لازم بلزوم عقلی یا عادی ہوتا ہے فتلہاں ۛ

پانچویں لفظ ”الہی“ قابل بحث ہے جس کے مشتقات اُپر کریمہ دیم نطوی السماء کھلی  
السجل للکتب اور کریمہ والسموات مطویات بیمین میں آئے ہیں ۛ

مگر ان آیتوں سے یہ خیال کرنا کہ آسمان کا غذا یا کپڑے یا چادر یا رمال کی مانند ایک جسم ہے  
جو خدا کے ہاتھ پر لپٹ جاوے گا یا جیسے کتبوں میں لٹ کے مکتوب لپیٹ لیتے ہیں اُس طرح لپیٹ  
جاوے گا ایک بڑی غلطی ہے یہ کلام مجازاً بولا گیا ہے جس سے مقصود صرف اتنا ہے کہ یہ تمام آسمان  
وزمین جیسے پہلے نیست تھے پھر نیست ہو جاوے گئے ۛ

خدا تعالیٰ اول فرماتا ہے کہ دیم نطوی السماء کھلی السجل للکتب اور اُسی کے ساتھ فرماتا ہے  
کہ ابداً ونا اول خلق نعیدہ یعنی یہ فرما کر کہ ہم آسمان کو مکتوب کی مانند لپیٹ لیتے اُسکے مطلب  
کو بتا دیا کہ جس طرح ہم نے پہلے پہل پیدا کرنا شروع کیا تھا پھر ویسا ہی کرینگے اور لیا کرنا اسی وقت ہوگا  
جیکر یہ سبایت ہو جاوے گا ۛ

تفسیر میں تحت آیت والسموات مطویات بیمین کے بہت طول گفتگو کی ہے  
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب جان ہے اور مجازاً واسطے انوار قدرت و شان خدا تعالیٰ کے بولا گیا ہے ۛ  
قال صاحب الکشاف الغرض من هذا الکلام اذا اخذتمہ کما هو بمجملہ و معجم  
تصویر عظمتہ والتوقف علی کنہہ جلالتہ من غیر ذہاب بالقضیۃ ولا بالیمین الی  
جہۃ حقیقتہ اوجہ مجاز معنی صاحب تفسیر کشف کا قول ہے کہ اس کلام سے جبکہ اُس سب کو جمع  
کر کرنا مقصود اُس سے خدا تعالیٰ کی عظمت کی تصویر بتانا اور اُس کے جلال کی گنتی میں متوقف رہنا  
ہے نہیں اس بات کے کہ شعی اور دائیں اُس سے حقیقت میں شعی اور دائیں ہاتھ سمجھیں یا مجازاً  
خیال کریں ۛ

عبداللہ ایک لبا جگڑا ذلیل کا لہلہ کلام کا حقیقت سے مجاز پر لکھ کر تمام فرماتے ہیں  
لا شک ان لفظا القبضۃ والیمین مشعر لہذا الاعضاء والجوارح لان اللہ لا یسل  
العقلیۃ قامت علی امتناع ثبوت الاعضاء والجوارح ولہ تعالیٰ فی وجہ حل هذه الاعضاء

علی وجہ المجاز یعنی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مٹھی اور داہل تھان اعضاء اور عضو کو  
جوظاہر میں بتاتا ہے مگر عقلی دلیلوں سے ثابت ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اعضاء اور جوارح کا  
ہونا غیر ممکن ہے اس لیے واجب ہے کہ مٹھی اور داہل تھان جو بیان ہوا ہے اُسکو مجاز پر  
عمل کریں پس جبکہ دونوں چیزیں مجاز پر حمل ہوئیں تو مٹھی میں اٹھانا اور تھانہ پر لپٹنا بھی یقینی  
مجاز ہو گیا ۛ

ثم قال صاحب الکشاف وقيل قبضته ملكه ويمينه قدرته وقيل مطويات  
بيمينه اى مفنيات - يعنى صاحب کشف نے کہا ہے کہ مٹھی سے تو نگاہ خدا مراد ہے  
اور دائیں تھانہ سے اُسکی قدرت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں تھانہ میں لپٹنے یعنی فنا اور معدوم  
ہونا وینگ پس اپنے کے لفظ سے آسمانوں کا حقیقت میں لپٹنے کے لائق جسم سمجھنا ٹھیک ٹھیک  
کھٹھلا ہوا ہے ۛ

جیسے الفاظ "انشقاق وانفراج اور انفطار اور فتح" اور شان کے ہیں کہ ان کے مشتقات  
یا تبدیل ابواب قرآن مجید میں آئے ہیں۔ ان الفاظ کی نسبت بھی وہی بحث ہے جو ہم نے  
بالفصل "کسفا" کے لفظ کے تحت میں کی ہے یہی نیلی نیلی چیز جسکو سب لوگ آسان کہتے تھے  
اور جانتے تھے اور کہتے ہیں اور جانتے ہیں سب کو ایک بہت چیز اور محبت کی طرح بنی ہوئی معلوم  
ہوتی ہے وہ اُسکی حقیقت سے واقف نہ تھے مگر جبیکہ وہ دکھائی دیتی تھی اُس قیاس پر اُس کو  
پھٹنے اور چرنے کے قابل خیال کرنے تھے قرآن مجید جو ٹھیک عرب اول کے محاورہ میں اُترا ہے  
اُنہی کے خیال اور محاورہ کے موافق وہ الفاظ بولے گئے ہیں اور مقصود اُس سے صرف معدوم  
ہونا اور فنا ہونا موجودات کا ہے پس کسی طرح یہ الفاظ آسان کی ایسی حقیقت پر اور ایسے جسم پر جیسا کہ  
یونانیوں نے تسلیم کیا تھا اور جس کی تقلید علماء اسلام نے کی تھی یا جیسا کہ تیرہویں صدی کے  
مولوی بیان کرنا چاہتے ہیں ولایت نہیں کرتے ۛ

شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں اسلوب قرآن کی بحث میں ارقام فرماتے ہیں کہ "پس اگر  
برخلاف طور ایشان (یعنی عرب اول) گفتہ شود بحیرت در مانند چیزے نا آشنا بگوش ایشان سید  
و قوم ایشان را مشور شاز و ... مگر یہ قاعدہ صرف اسلوب قرآن ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی  
ہر بات میں یا ملحوظ ہے ۛ

ایک مقام میں بذیل بیان معنی آیت حکم شاہ صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ "اعتبار نہ ہستی

عرب اول است نہ موشگافان زبان مارا کہ موشگافی بیجا وائی است عضال کہ حکم را متشابہ بیانند  
 و معلوم را مجهول لے اگرچہ یا مرشاد صاحب نے معنی لغت کی نسبت لکھا ہے مگر یہ ایسا قاعدہ ہے  
 جو بہت سی چیزوں کے لیے مفید ہے مثلاً جیسکہ عرب سارا کا اطلاق اس نیلی چیز پر کیا کرتے تھے  
 جو ہجو بطور ایک سفٹ گنبدی کے دکھائی دیتی ہے تو ہجو اُسی پر لکھا کرنا چاہیے اور نہ زیادہ  
 موشگافی کر کر اور بل کر کبھی کو بھیسنا بنانا نہیں چاہیے اسی طرح جبکہ عرب اول سی نیلی چھت  
 کو پھینے والی اور چرنے والی اور پوست کھینچنے کے لایق خیال کرتے تھے تو اُن الفاظ کو انہی کے  
 خیالات پر مقصور رکھنا چاہیے نہ کہ اُسکے لازم کو اپنی طرف سے اضافہ کر کر اُس نیلی چھت کو ایسا  
 جسم قرار دیا جاوے جو کا غذا پکڑنے کی طرح پھٹ سکے یا پٹ سکے یا بکری کی طرح اُس کا پوست  
 اُگنا جا سکے اگر غور کیا جاوے تو سب سموات کا لفظ بھی درحقیقت مثبت تعدد آسمانوں کا نہیں  
 ہے کیونکہ عرب کے خیال میں تھا کہ سات آسمان ہیں اور جو کہ اُنھوں نے جو اس نیلی چھت کے  
 اوکسی چکر کو نہیں دیکھا تھا اور اُس کو ایک مستحکم جسم سمجھتے تھے اور اس لیے اُنھوں نے خیال کیا تھا  
 کہ ساتوں آسمانوں کا ایسا ہی جسم ہوگا اور پھر اس خیال سے اُن کا تو بر تو ہونا بھی اُن کئے بہن میں  
 جا ہوا تھا انہی کے خیال کے موافق قرآن مجید میں جو عرب اول کی زبان و محاورہ میں داخل ہوا  
 ہے وہ سب باتیں بیان ہوئی ہیں اُن کو خواہ مخواہ حقیقت واقعی کا مثبت قرار دینا اسلوب  
 تبلیغ قرآن مجید کے برخلاف ہے اگر حقیقت اُسیا اُس کے مطابق پائی جاوے جیساکہ قرآن مجید  
 میں موافق خیال عرب اول کے بیان ہوا ہے فہو المراد۔ اور اگر بغرض محال اُس کے برخلاف  
 بیان ہو تو بھی کچھ نقصان یا اعتراض قرآن مجید پر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عرب اول کی زبان میں  
 بولا گیا ہے اس وقت کہ قرآن مجید یونانی مولویوں اور خیالی فلسفیوں کے ہاتھ آتا ہے اور وہ  
 ہندی کی چندی اور نکات بعد الوقوع لگا لئے پر اپنے علم کو اور بے معنی اعتراضات و بحث کو  
 غم کرنے لگتے ہیں اُس وقت قرآن مجید کا حال صائب کے شکر کا سا ہو جاتا ہے جبکہ اُس نے  
 کہا تھا کہ ”شعر ابد رسد کہ برد“ غرض ہماری یہ ہے کہ قرآن مجید کو مثل کلام ایک انسان فصیح قر  
 عرب اول کے خیال کر کر اُس کے الفاظ کے معنی لگائے جاویں نہ مثل فلاسفہ یونان کے کلام کے  
 ومن لم یعتقد بهذا فقد ضلّ سواء السبیل۔

ساتویں لفظ ”اشد والکبر“ قابل محاذ کے ہیں خدا تعالیٰ موافق خیال عرب اول کے اپنی  
 قدرت کاملہ کو بیان فرماتا ہے کہ آسمانوں کا اور زمین کا بنانا انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ

مشکل یا سخت تر ہے ملائکہ خدا کے نزدیک نہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ انسان کا کرنا  
اس مقام پر انہی کے خیال کے موافق خدا نے فرمایا کہ جس چیز کی خلقت کو تم ایسا مشکل یا سخت  
جانتے ہو تو خدا کو تمہارا پیدا کرنا یا پھر دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اب انصاف سے دیکھا جاوے  
کہ اس طرز کلام سے اشد کے معنی کو ہے یا تائبہ کے پتر کی مانند جسم کے قرار دینے کی سی سمجھی  
گی بات ہے اور پھر اسکو ایک مسئلہ مستحکم قرار دینا اور اس کے برخلاف کہنے والے کو کافر کہنا خود کلام  
میں گزرا ہے ونعوذ باللہ منہا :

تفسیر کبیر میں تحت تفسیر آیت کریمہ اَنْتُمْ اَشْدُّ خَلْقًا مَّالِ السَّمَاءِ کے لکھا ہے کہ ”انہ  
استدل کال علی منکر البعث فقال اَنْتُمْ اَشْدُّ خَلْقًا مَّالِ السَّمَاءِ وَفِيهِمْ عَلٰی اَمْرِ يَعْلَمُ  
بِالْمُشَاهَدَةِ وَذَلِكَ اَنَّ خَلْقَةَ الْاِنْسَانِ عَلٰی صَغُرٍ وَرُضْعَةٍ اِذَا اَضْيَفَ اِلٰی خَلْقِ السَّمَاءِ  
عَلٰی عَظَمَتِهَا وَعَظَمَةِ اَحْوَالِهَا فَيَنْتَهِی عَنْ اَنْ يَخْلُقَ السَّمَاءَ اَعْظَمَ وَاِذَا كَانَ كُنْ اَنَّ خَلْقَهُمْ  
عَلٰی وَجْهِ الْاَعَادَةِ لَوْ اَنَّ اَنْ يَكُوْنُ مَقْدُومًا لِّلّٰهِ تَعَالٰی فَلَیْسَ يَنْكَرُ وَذَلِكَ وَنَظَائِرُهُ  
قَوْلُهُ اَوَّلِ الْفَنِّ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ يَقَادِرُ عَلٰی اَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ قَوْلُهُ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ الْاِنْسَانِ  
وَالْمَعْنٰی اَخْلَقُوا بَعْدَ الْمَوْتِ اَشْدُّ خَلْقًا مَّالِ السَّمَاءِ اَوْ عِنْدَ كَرَفِیِّ تَقْدِيرِ كَرَفِیِّ كَلَامِ السَّمَوَاتِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی تَقْدِيرِ اللّٰهِ  
یعنی تفسیر کبیر میں اَنْتُمْ اَشْدُّ خَلْقًا مَّالِ السَّمَاءِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ موت کے منکر  
تھے اُن پر دلیل لائے گئے تھے خدا نے فرمایا ہے کہ تمہارا پیدا کرنا مشکل یا سخت تر ہے آسمان کا  
پیدا کرنا کو ایسی بات سے جس کو وہ علانیہ دیکھتے تھے خبردار کیا کیونکہ جس وقت انسان کی خلقت  
کو جو ضعیف اور ضعیف ہے آسمان سے نسبت دی جاوے جو ایسا بڑا ہے اور اس میں بہت بڑی  
حالتیں ہیں تو خدا نے بتایا کہ آسمان کا پیدا کرنا بڑا کام ہے اور جبکہ یہ بات ہے تو تمہارا پھر پیدا  
کرنا کچھ بڑی بات نہیں تو بدتر جہاں الٰہی خدا کی قدرت میں ہوگا پھر کیونکہ تم اُس کا انکار کرتے ہو۔ اسی  
ایسی مثال ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے آسمان و زمین پیدا کیے کیا اس بات پر قہر  
نہیں ہے کہ انہی کی مانند اوپر پیدا کرے یا جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ آسمانوں و زمین کا پیدا کرنا  
آسمانوں کے پیدا کرنے سے بڑا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آیا مرنے کے بعد تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے  
یا تمہارے نزدیک آسمانوں کا پیدا کرنا مشکل ہے اگرچہ خدا کی قدرت کے نزدیک تو یہ دونوں  
باتیں یکساں ہیں یعنی کچھ مشکل نہیں ہیں پس آپ خود کا مقام ہے کہ لفظ شد سے آسمانوں کا سخت  
جسم ہو بلکہ مگر ثابت ہوتا ہے +

اور اگر لفظ اشد سے متکلم و مضبوط کے معنی لیے جالیں تو بھی اس سے یہ سمجھنا کہ آدمی کے پرستے آسمان کا پرست اور اس کے جسم سے آسمان کا جسم وہ اس کی ٹہنی پہلی سے آسمان کی ٹہنی پہلی زیادہ مضبوط اور سخت ہے نادانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بے شک آسمان اور زمین اور پہاڑ اور درخت کو ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سے زیادہ پائیدار ہیں۔ اسی زمین پر پلوہری آسمان کے تلے ہزاروں لاکھوں نبی اور ولی اور شہداء اور صالحین آئے اور گزر گئے۔ محمد و دارا برہشید و فریدون بھی ہوئے اور گزر گئے۔ بہت سے کفر کے فتویٰ دینے والے پیدا ہوئے اور گزر گئے۔ بہت سے مسلمان خدا اور رسول پر دل و جان سے ایمان رکھنے والے کافر بنائے گئے اور گزر گئے ہزاروں کافر و مرتد اور خدا کے وجود کے بھی منکر پیدا ہوئے اور گزر گئے اور ایک دن ہم بھی اور ہمارے کفر کے فتوے دینے والے بھی گزر جائیں گے۔ اپنے اپنے اعمال لیکر خدا کے سامنے حاضر ہوں گے دانی لا اعلمہ نہ یفعل بی و ما یفعل ہم فلا کنی اور جو رحمت ربی انہ ہوا رحم الراحمین اور باوجود ان حجابات کے آسمان اور زمین جیسے ہی ہیں جیسے کہ تھے تو ضرور کوئی پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے اشد خلقا ام السماء و مگر اس سے ہرگز ایسی کہ ہم شی کے ہیں اور آسمان لوہے کا اتنی جویں صدی کے سولہویں کے سوا جو مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے بھی گزر کا تمھو لانے والوں کے یا رخا رہیں اور کس سے ہو سکتا ہے وانا افوض امری و امر کمالی اللہ ان اللہ بعید بالعباد

ساتواں لفظ "اساک" کا ہے خدا نے فرمایا کہ وہی تمام رکھتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے کیسی صاف اور سیدھی بات ہے ہم آسمان کو ایک گنبد کی چھت کی مانند دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی ہوئی ہے اور ہم پر گرتی نہیں اسی قبیل کے موافق اگر ایک قحط عرب اول کہے کہ صلیح قدرت نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تمام رکھا ہے تو اس کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو خدا کا یہ کہنا بھی کہ میں نے آسمان کو زمین پر گرنے سے تمام رکھا ہے صحیح ہے اس قول پر اپنی طرف سے زیادہ حاشیے لگانے کہ آسمان پر فرشتے رہتے ہیں اس لیے ضرور ہے کہ وہ سخت و صلب ہوتا کہ فرشتے اس پر ٹک سکیں اور جبکہ وہ سخت و صلب ٹھہرا تو ضرور ہے کہ اس کا لوہے کے پتروں کا سا جسم ہو اور جب وہ ایسا ہو تو ضرور ہے کہ جو حمل اور ثقیل لاکھوں کروڑوں پدموں بے انتہا من کا ہو محض بنو اور وہاں بات بات

ہے اور قرآن مجید کے اسلوب باری کے بالکل مخالف ہے :

”آٹھواں لفظ ”بنا“ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے کہ میں نے آسمان کو پیدا کیا بلاشبہ وہی خالق ہے بنا کا لفظ اور خالق کا دونوں ہم معنی یا ہم مراد ہیں کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ خدا نے آسمان کو نہیں بنایا بلاشبہ یہ کہو دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے لیے ایک محل ہے جس میں ہزاروں لاکھوں گیاس اور میگنٹ کی روشنی سے بھی عمدہ روشنی کے مصباح روشن ہیں وہ ایسی خوبصورت یہو دکھائی دیتی ہیں جیسے کہ بلور کی ٹانڈیوں اور فانوسوں میں میگنٹ کی روشنی چورہی ہے پس خیال جو یہو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے اُسی کو خدا بتاتا ہے کہ میں نے آسمان کو تمہارے لیے محل بنایا ہے کچھ تو میری عبادت کرو۔ میری وحدانیت کا اقرار کرو۔ میرے رسول کی تابعداری کرو۔ جو کوئی میرا اور میرے رسول کا اقرار کرے اُس کو کافرت کہو۔ نہ مانو تو جہنم میں جاؤ۔ پس خدا کے کلام کا تو اس قدر مطلب ہے آگے اُس پر شے لگانے اور کہنا کہ جب بنا کا اطلاق ہوا ہے تو ضرور کسی ”بنیاد کو“ قاف پر پڑی ہوگی اور جب اُس کو محل کہا ہے تو وہ ضرور گنبد کی چھت کی طرح ڈاٹ لگا کر بنایا گیا ہوگا اور اینٹ پتھر کی جگہ بلور کے پتھر لگائے گئے ہونگے یا کالج کے شیش کی طرح ڈھلا لگیا ہوگا اور کچھ نہیں تو لندن کے کرشل بلیس کی طرح تو ضرور ہوگا محض بجا و نادانی ہے :

قسم چہارم میں جو آیتیں بیان ہوئی ہیں اور بن میں لفظ سموات کا آیا ہے اُن میں کئی لفظ بحث کے قابل ہیں :

آول۔ لفظ ”سموات“ بحث یہ ہے کہ اس لفظ کا ہمیشہ جمع ہی پر اطلاق ہوتا ہے یا مفرد پر بھی تفسیر میں لکھا ہے ”و انما قال کانتا رتقا ولم یفعل کس۔ رتقا لان السموات لفظ الجمع والمراد به الواحد للذل علی الجنس قال لا خفتر السموات نوع ولا ارض نوع ومثل ان الله یسک السموات والارض ان تنزل“ یعنی اللہ صاحب نے کہا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے مومنہ بند تھے یعنی آسمانوں اور زمینوں کے مومنہ بند تھے ایک کہا اور زمین کو ایک کہا اور یہ نہیں کہا کہ سب آسمانوں کے جو بہت سے ہیں مومنہ بند تھے اور زمین کا مومنہ بند تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سموات جمع کا صیغہ ہے لیکن اس سے ایک بھی مراد لیا جاتا ہے کیونکہ وہ سب آسمانوں کے ایک طرح کا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خفتر کا قول ہے کہ سموات ایک نوع ہے اور زمین ایک نوع اور اسی کی مانند خدا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہے



آسمانوں کو اور زمین کو کہ وہ دونوں ٹل نہ جا دیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سموات کے لفظ سے سارے ہی مراد ہوتا ہے اسی طرح سے سارے پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے کہ کُنْکَا ہر جزو سارے ہے۔ کقولہ تَعَالٰی ثُمَّ السَّوْتِی اِلٰی السَّمَاءِ فَنُفِیْھُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ پس اس قسم میں ہم نے جو تین لکھی ہیں ان میں سے بعضی آیتوں کو قسمِ پنجم میں بھی لکھا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اُن میں جو لفظ سموات کا آتا ہے اگر اُس سے سارے ہی مراد مفرد اولیا جاوے تو تو وہ آیتیں قسمِ چارم میں داخل ہوتی ہیں بلکہ قسم سوم میں شامل ہو سکتی ہیں اور اگر اُس سے جمع ہی مراد لیجاوے تو پھر اُن کا ٹھکانا جزو قسم پنجم کے اور کہیں نہیں ہو سکتا ۛ

دو چہرہ لفظ مَخْلُق کا قابلِ بحث ہے ہر گاہ ہم نے فضاء کے محیط کو سارے اور اُس کے طبقات کو جو بسبب وجود کو اکب کے یا اُوکسی حد ظاہر کے پیدا ہو گئے ہیں سموات کہا اور اس بات کا بھی دعویٰ نہیں کیا کہ اُس میں کوئی جسم سیال اثری ہے یا نہیں تو گویا ہم نے شے معدوم کو سارے سموات کہا یا ایسی چیز کو سارے سموات کہا جس کا کوئی وجود جسمانی نہیں ہے تو پھر اُس پر خلق کا اطلاق کیونکر صادق آتا ہے ۛ

مگر یہ تمام خیالات کج فہمی سے پیدا ہوتے ہیں سیدھی سمجھ کا آدمی ان خیالات کی غلطی بخوبی سمجھ لیتا ہے ۛ

اول تو یہ کہنا کہ عدم غیر مخلوق ہے نہایت غلطی ہے۔ عدم محض نہ کبھی موجود تھا اور نہ کبھی موجود ہو گا پس ایسی چیز جو کبھی موجود ہی نہیں ہو سکتی اُسکی نسبت یہ کہنا کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق محض نامانی ہے۔ باقی رہا عدم ممکن جبکہ عدم اشیائے تعبیر کیا جاتا ہے یہ موجود بھی ہوتا ہے اور جب موجود ہو تو وہ بلاشبہ مخلوق ہے پس جو حقیقت آسمان کی ہم نے بیان کی اُس پر معدوم غیر موجود ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ معدوم الحکم کہہ سکتے ہیں اور شے مخلوق کے لیے یا جس پر مخلوق ہونے کا اطلاق ہوتا ہے اُس کا مجسم ہونا ضرور نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاتِ عَلَانِکَ مَوْتَ اور حیات کوئی شے جسمانی نہیں ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ خَلَقَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ عَلَانِکَ رات ظلمت یعنی عدم النور کا نام ہے اور لیل و نہار یعنی رات دن اور نور و ظلمت دونوں جسمانی نہیں ہیں پس خلق کا لفظ نسبت سموات کے ہمارے کلام کے منافی نہیں ہے ۛ

استواء اور خلق دونوں کی مراد واحد ہے قَالَ الْاِمَامُ فِي تَفْسِیْرِہٖ - ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی السَّمَاءِ

کناية عن عباد السماء والارض يعني استواء لفظ سے آسان و زمین کا پسیدہ کرنا مراد ہے +

تیسرا لفظ "رتق وفتح" قابل بحث ہے جسے اسکی بات کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب اور ماہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ تفسیر کے لکھ دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ ہمارے کلام کے سنائی نہیں۔ ہمارے نزدیک تو اس تمام پر سموات و بادلوں سے مراد ہے چہرہ بسبب کثرت و تعدد کے جمع کا صیغہ بولا گیا ہے اور بڑی تائید اس کی اس بات سے ہوتی ہے کہ اسی آیت میں خدا فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی اور صداقت اس آیت کی شخص ہی نہیں اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے بادل اُرتے ہیں اور گھر سے رہتے ہیں اور نہیں رہتے پھر اللہ تعالیٰ اُن کا موند کھوتا ہے۔ اُن سے مینہ برستا ہے زمین خشک ہو جاتی ہے کھیتی نہیں رہتی۔ کچھ اُگانے کے قابل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اُس کا موند کھوتا ہے سب چیز اُس میں پیدا کرتا ہے اور سب باتیں ہمیشہ تمام لوگ دیکھتے رہتے ہیں بعض علماء اسلام نے یہودی تقلید سے یہ خیال کیا تھا کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ آسان و زمین آپس میں چپے ہوئے تھے جیسے بدن پر کھڑی خدا نے زمین کی کھڑکی کھینچ کر آسان بنادیا مگر یہ صرف یہودیوں کا قصہ ہے اُسی کی تقلید سے اُن علماء نے قرآن کی بھی تفسیر کی ہے جن لوگوں کو خدا نے مخاطب کیا ہے وہ آسان و زمین کی پیدائش کے وقت کہاں تھے جو وہ دیکھتے کہ آسان زمین سے بدن کی کھڑکی کی مانند چٹا ہوا تھا یا نہیں +

اکثر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر ہمارے قول کے مطابق کی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ جسے سموات کا اطلاق بادلوں پر کیا ہے اور اُنہوں نے اس نئی چھت پر جو بکھو دکھائی دیتی ہے چنانچہ ہم اُسکو تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں +

قال الامام في القول الثالث وهو قول ابن عباس و اکثر المفسرين ان السموات والارض كانتا رتقا بلا استواء والصلابة ففتح الله السماء بالمطر والارض بالنبات والشجر ونظمه بقوله تعالى والسموات ذات الرحم والارض ذات الصدم ورجحوا لهذا الوجه على الخيارات الوجه الاول بعد ذلك وجعلنا من الماء كل شيء حي وذلك لا يليق الاولاء فعلق بسا-  
قديم ولا يكون كذلك الا اذا كان اطلوا ما ذكرنا فان قيل هذا الوجه مرجوح لان المطر لا يات من السموات بل من سماء واحد وهي سماء الدنيا قلنا انما اطلق عليه لفظ الجمع

ہاں کل قطعة منها سماء کیا يقال ثوب اخلاق وبرمة اعشار واعلم ان علی هذا التیاد  
یحوز حل الدین علی الاصدار

یعنی امام فخر الدین رازی نے تفسیر میں اس آیت کی نسبت تیسرا قول نقل کیا ہے۔  
ابن عباس کا اور اکثر بہت سے مفسروں کا یہ قول ہے کہ آسمان وزمین سبب سختی اور پٹ پڑ  
ہونے کے موافق بند تھے پھر موفہ کھولا اللہ تعالیٰ نے آسمان کا سینہ سے اور زمین کا ثبات اور  
درخت اُگانے سے اور اُسی کی مانند خدا کا یہ قول ہے قسم ہے پھر نے والے یا رب نے والے  
بادل کی اور اُگانے والی پھاؤ والی زمین کی اور اس وجہ کو تمام وجہوں پر ترجیح دی ہے خدا کا  
کے اس قول کی دلیل سے جو اسی کے بعد ہے کہ کیا ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ اور اس آیت  
کا پہلی آیت سے جب ہی جوڑنا ہے جبکہ پہلی آیت کو پانی سے کچھ تعلق ہو اگر کوئی اعتراض  
کرے کہ یہ وجہ ضعیف ہے اس لیے کہ سینہ آسمانوں سے نہیں آتا بلکہ ایک آسمان سے جو دنیا  
کا آسمان ہے اُترتا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دیتے کہ دنیا کے آسمان پر جمع کا صیغہ اس لیے  
بولایا ہے کہ اُس کا ہر ایک ٹکڑا آسمان ہے جس طرح کہ عرب بولتے ہیں ثوب اخلاق اور  
برمة اعشار۔ اب یہ بات بھی جانتی چاہیے کہ اس تاویل پر جایز ہے کہ روایت کے لفظ کے  
معنی آنکھوں سے دیکھنے کے کہے جاویں۔

قسم پنجم میں جو آیتیں لکھی ہیں ان کے الفاظ و معانی کی تشریح اُنھی کے ساتھ ہے پس اب  
کوئی لفظ آیات قرآنی میں بری دانست میں ایسا نہیں۔ با صبر بحث درکار ہو۔  
ابن تیس اپنے اس آرٹیکل کو ختم کرتا ہوں اور پھر کبھی فرصت میں انشاء اللہ تعالیٰ نسبت  
احادیث کے جو اس باب میں ہیں بحث کیا دیگی۔ واللہ المستعان +

### تمیقہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ

وَحَاتِمِ النَّبِيِّينَ

مکرمی میری سمجھ تو سب سے نالی ہے۔ میں تو جناب رسول خدا صلعم کو خاتم النبیین  
جانتا ہوں جو ختم نبوت یا رسالت کے اور ایسے خاتم کو تاخر زمانی اور انضلیت دونوں

لازم ہیں :

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت سی نعمتیں اپنی جنگلی اور وحشی رعیت کے تقسیم کرنے کو رکھی ہیں اور یہ عظمیٰ بادشاہ کہ جس جس ان وحشیوں کو عقل و تہذیب آتی جاوے گی انہیں دوسرے نعمتیں ان میں تقسیم ہوتی جاوے گی پس ضرور ہوگا کہ جو نعمتیں ان کو اول دی جاویں گو فی نفسہ وہ اچھی اور عمدہ ہوں مگر اس کے بعد کی نعمتیں یعنی پہلے سے اچھی ہوں گی یہاں تک کہ سب سے اخیر نعمت دی جاوے وہ سب سے اچھی ہوگی :

اب فرض کرو کہ اس بادشاہ نے ان نعمتوں کے تقسیم کرنے والے بہ ترتیب مقرر کیئے ہر ایک نے اپنی باری میں مطابق عقل اور تہذیب ان وحشیوں کے نعمتیں فی شرع کیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ نعمتیں تقسیم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اخیر نعمت رہ گئی اور سب سے اخیر بانٹنے والا جو تھا اس کی باری آئی۔ اس وقت وہ لوگ بھی اس نعمت کے لینے کے قابل ہو گئے تھے وہ اخیر بانٹنے والا آیا اور اخیر نعمت بانٹ گیا۔ پس وہ خاتم العالین ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ اخیر بانٹ میں آیا اور نہ اس وجہ سے کہ اس کے بعد کوئی بانٹنے نہیں آئے گا کیونکہ یہ دونوں باتیں تو خاتمت کے لوازم سے ہیں بلکہ دراصل وہ اس وجہ سے خاتم ہے کہ وہ خاتم نعمت ہے و ہوا خاتم لانہ قد ختمت النعمت بقتسیمہ اور جبکہ وہ نعمت اخیر سب سے عمدہ و افضل تھی تو اس خاتم کا بھی سب سے افضل ہونا لازم ہے اور جو کہ تدریج زانی بھی اس کو لازم تھی اس لیے اس خاتم کو تاخر زانی بھی لازم ہے :

بعینہ ہی مثال نبوت کی ہے اللہ کا نعمت ہے اور بندوں میں تقسیم کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء سابقین مناسبات امت سابقہ کے وہ نعمت تقسیم کرتے آئے یہاں تک کہ جب کسی اخیر دفعہ باری تھی اور اخیر نعمت باقی رہ گئی تھی اور اس کی تقسیم کا زمانہ بھی آگیا تھا وہ آیا اور وہ نعمت دے گیا وہ نعمت ختم ہو گئی رسالت اور نبوت بھی ختم ہو گئی اور خود اس نعمت کے مالک نے پکار کر کہد یا ہ الیہم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً پس تعدو خاتم کسی ہونی پر لومتن بالذات ہے اور شرکت من حیث اللہ اور من حیث العرف دونوں مستثنیٰ ہیں۔ اثر ابن عباس کی صحت کا میں قابل نہیں ہوں جبکہ رسالت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عام تھی تو خاتمت بھی بہت سی مذکور عام تھی :

ہاں فیض الہی کسی ختم نہیں ہونے کا بقول حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ

فیض بروج القدس اربا زبد و فرامید

دیگران ہم بختند آنچہ مسیحیا میکرد

مگر سب اُسی کو گائیٹے ہمارے پیاکہ گئے صلح مسیحیکہ انبیاء بنی اسرائیل میں بہت سے ایسے  
نبی گذرے جو اپنے پہلے نبی کے دین کو قائم کرتے رہے پس ہمارے میاں کی امت میں بھی  
بہت سے ایسے گذرے اور گزریں گے جو دین محمدی کی حقیقت قائم کیا کریں گے اور مجدد کہلا دیں گے  
اور لوگ اُن کو کافر کہلا کیے اور کما کرینگے بھائی یہ باتیں کتابیں پڑھنے سے حل نہیں ہوتیں محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور لوتب اس مرعہ کو طے کرو وقد اذقیت دینی اللہ تعالیٰ نور  
من انوار المحمدیۃ صلح واللہ علی ما نقول ولکلیل

بھائی تم سمجھو کہ ہر ایک کو اپنے پیاسے جدی جدی راہیں ہوتی ہیں کوئی اُسکی باتوں ہی  
پر قرا ہے کوئی اُسکی چتون پر ہی لوٹتا ہے کوئی اُسکی ادا کا دیوانہ ہے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر سایہ دار  
سبزوں میں اپنے دل کا دوتا رہ بجا کر یہ گار رہا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر گجا کہ می نگریم

کر شہرہ امن دل یکشہد کہ جا اینجا ہست

پس جو شخص کہ اپنے تئیں امت محمدی کہتا ہے اور تصدیق کرتا ہے محمد رسول اللہ کی تو  
یعنی تمام بزرگیوں کا آنحضرت صلعم میں اقرار کرتا ہے پھر کہو مگر خیال ہو سکتا ہے کہ اُسکے کسی  
کلام سے گو کہ وہ ہر طبقہ میں خاتم کا ہونا بھی ہو گمان بد کیا جاسکتا ہے وہ بھی دیوانہ ہے مگر ایک  
ادارہ ہم بھی دیوانے ہیں مگر اُسکی سب اداؤں پر جو لوگ مسلمان ہیں اور بزرگ ہیں اور علماء  
میں سے ہیں اور ہمارے غور میں جن کی کفش برداری کے بھی ہم لائق نہیں اُن پر بظنی نہیں  
چاہیے بھائی اگر وہی کافر ہوں تو کیا ہم تم مسلمان ہوں گے۔ اکبریت کلمتہ تخریج من افواہم  
والسلام علی من اتبع الهدی

## دافع البہتان

جناب حضرت سید الحاج مولانا مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہاد سب آرڈینٹ مہج  
گو کہ کمپور نے ایک کتاب مسماۃ بدعاتیں الاسلام تحریر فرمائی ہے جس میں محمد پر بہت سے

اتہام کیے ہیں اگرچہ میں ایسی باتوں کی نسبت کچھ پردہ نہیں کرتا مگر بہت سے دوست سجدہ میں کہ جن عقاید کو جناب سید الحاج نے اتہاماتہاری طرف منسوب کیا ہے ان کی نسبت باجموش و متحمل صرف اتنا لکھو کہ حقیقت میں وہ تمہارا عقیدہ ہے یا تم پر اتہام ہے پس میں ان کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں ۔

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجبور و موجودہ اسلام مخالف طبیع یعنی میرے نزدیک قطعاً باطل ہے۔ یہ محض اتہام ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے میں نے ایک مقام پر جہاں یہ بحث کی ہے کہ مذاہب مختلفوں میں کون سا مذہب سچ ہو سکتا ہے اور بعد ایک دینی تقریر کے بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کے سوا اور کوئی مذہب سچ نہیں ہو سکتا وہاں میں نے لکھا ہے کہ اسلام سے میری مراد یہ مجبور و احکام نہیں ہے کیونکہ اس میں احکام منصوصہ اور اجتہادات اور قیاسیاسب شامل ہیں جن میں خطا کا احتمال ہے اس مقام پر میری مراد مذہب اسلام سے صرف احکام منصوصہ ہیں پس یہ کہنا کہ مخالف طب کے نزدیک مجبور و موجودہ اسلام قطعاً باطل ہے کیسا غلط اور گستاخانہ اتہام ہے ۔

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ مجبور و اسلام مخالف طبیع یعنی میرے نزدیک خلاف مرضی الٰہی ہے ۔

نعمذ باللہ من ہذا الکلمات۔ کہ بہت کلمتہ تخرج من افواہم ان یقولوا ہلاکذا۔ میرے نزدیک کوئی مذہب سوائے مذہب اسلام کے مطابق مرضی الٰہی کے نہیں ہے ۔

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ احکام ماعدا پر اعتقاد لانا اور محسیم جاننا مخالف طب کے نزدیک مانع ترقی ہے ۔

لعنت خدا کی ہو اُس پر جس نے یہ لکھا ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو میں نے یہ لکھا ہے کہ جب اس سچے مذہب (یعنی اسلام) میں بھی تو خیالات اور بدتقصبات مل جاتے ہیں تو وہ ویسا ہی انسان کی ترقی کا مانع ہوتا ہے کجا یہ لفظ اور کجا وہ عقیدہ جو سید الحاج نے میری نسبت لکھا ہے جو حق انہوں نے یہ کہنا بلکہ یہ ہے شاید خود ان کو احکام ماعدا پر یقین نہ تھا کیونکہ اگر یقین ہوتا تو وہ ضرور خیال فرماتے کہ مرنا بھی ہے خدا کے سامنے جاننا بھی میں کیونکہ ایک شخص پر ایسا اتہام کروں ۔

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ عزرات انبیاء کے اعتبار سے مجرد نبی کے قول پر نہیں  
لانا مخاطب کے نزدیک باطل ہے ۛ

اس عبارت کا مطلب شاید نصف ہی سمجھیں تو سمجھیں اور کوئی تو سمجھ نہیں سکتا مگر صرف  
اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج میرے آرٹیکل کا جو مطلب سمجھے ہیں وہ غلط ہے پس میں  
اُس آرٹیکل میں صرف شرف عقل ثابت کیا ہے ۛ

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ ایجاد شریعت مخاطب کے یعنی میرے نزدیک  
ضرور ہے ۛ

لعن الله على قايله وعلى معتقده میرے اعتقاد میں شریعت خود موعود غایہ تم شریعت  
ہے جیسے کہ محمد علیہ السلام خاتم النبوت ہیں ۛ

جناب سید الحاج نے ایک فقرہ میں پانچ اہتمام میری نسبت کیے ہیں۔ ایک اتباع سوا عظم  
اتفاق جمہور مخاطب کے نزدیک باطل ہے۔ دوم۔ کسی عالم کے قول کا اعتبار نہیں نہ  
سند ملانی چاہیے۔ سوم۔ مسلمات مذہبی سے انکار کرنا بدعت ہے نہ کفر ہے۔ چہاں رام تقلید  
آئیہ اربہ کی ظلمت و مضلالت ہے۔ پنجم۔ خود و حدیث پر اعتماد لانا بیجا ہے ۛ

یہ سب کچھ جو لکھا ہے سب غلط ہے اور تمام تر مضامین کو تحریف کیا ہے فیل للذین  
یکتبون الکتاب باید یحرم ثمر یقولون هذا من عند الله وہ لکچر جو آزادی رائے پر  
ہے اور جسکی تحریف جناب سید الحاج نے فرمائی ہے اُس کا مطلب سمجھنے کو ابھی مدت چاہیے پس  
اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ جناب سید الحاج کا یہ استنباط غلط ہے وہ مطلب نہیں سمجھے یا دانستہ  
تحریف کی ہے ۛ

جناب سید الحاج نے پھر ایک فقرہ میں دو اہتمام کیے ہیں۔ ایک جو مسئلہ شرعیہ تہذیب  
مسطحہ مخاطب کے خلاف ہو باطل ہے۔ دوم۔ خصوصاً کثرت از دواج۔ سوم۔ تفریق  
پہلا اور دوسرا محض متبانی ہے میرے عقیدہ میں کوئی مسئلہ شرعی تہذیب کے خلاف  
ہے ہی نہیں اور جس قدر از دواج کی نسبت شرح میں جازت ہے وہ عین تہذیب ہے اور  
شہوت رانی کے لئے شرع کو مٹھی جانا باہیم کی مانند ہونا ہے ۛ

تیسرا اہتمام گنبد قدس صبح ہے یہ تو اکثر علماء متقدمین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آیہ کریمہ فاما منا  
بعد واما فدا سے استراق منوع ہے مگر وہ علماء اسکو منسوخ مانتے ہیں میں منسوخ نہیں مانتا

جناب سید الحاج ایک دھوکے کی عبارت میں میری نسبت واعظین و صوفیہ و علماء درمیں پر سب دُشتر کرنا لکھتے ہیں :

یہ گول گول عبارت جس میں کل واعظین و صوفیہ و علماء داخل ہیں سید الحاج کو لکھنی مناسب نہ تھی جن سکّار واعظین و صوفیہ اور علماء بدنام کن نیکو نامے چند کی نسبت میں نے لکھا ہے اُن کی نسبت سب لکھتے آئے ہیں مولانا روم کی مثنوی دیکھو۔ امام غزالی رحم کی احیاء العلوم پڑھو :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں احکام معاشرہ جنت و نار۔ صراط و میزان و صلوٰۃ و شہادہ و غیرہ و عذاب قبر و غیرہ جو محسوسات نہیں ہیں باطل ٹھہرائے ہیں :

محض تمام ہے میں نے ایک حرف بھی اب تک اُن کی نسبت نہیں کہا نیم جنت و وعید جہنم پر اور بعثت بعد الموت پر نیز اعتقاد رکھتا ہوں باقی رہی اُن کی کیفیات۔ وہ شخص ملوث اپنے مذاق کے بیان کرتا آیا ہے چنانچہ امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم ان باتوں سے پُر ہے جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ صرف فرائض پر عمل کرنا وہ بھی نیچر کے موافق ہوں کافی ٹھہرایا ہے :

اگرچہ اس میں بھی تدلیس کی ہے مگر بلاشبہ میرا اعتقاد ہے کہ جس قدر کہ فرائض مذہب اسلام میں ہیں وہ فطرت اللہ یعنی نیچر کے مطابق ہیں اور بلاشبہ صرف فرائض کا ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا بہشت میں جانے کو کافی ہے :

جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا ہے کہ جو عبادت خلاف نیچر ہو اُس کو میں نے باطل ٹھہرایا ہے :

اس میں بھی تعریف کی ہے کیونکہ میں نے کہا ہے کہ زہد و ریاضت کو صرف راتوں کو جانگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفل روزہ رکھنے میں مختصر کرنا قطع نظر اسکے کہ اُن کا ایسا کرنا اور حد اعتدال سے گزرجانا قانونِ قدرت کے برخلاف ہے مقصود شارع ہے یا نہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عبادت سہی (مگر اسکے سوا اور نیک باتوں کو عبادت نہ سمجھا جو اُن سے زیادہ مفید ہیں بڑی غلطی ہے۔ گجایہ ضمولی اور گجایہ اتہام جو جناب سید الحاج نے بائیں عویٰ دینداری بھیر کیا ہے :

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ جس قدر عادات و حسنات خلاف نیچر ہوں اُن کو میں نے



باطل ٹھہرایا ہے :

مگر جناب سید الحاج یہ نہیں سمجھے کہ جس قدر نیک عادتیں اور حسنات ہیں وہ جو یہی فطرتِ اللہ کے برخلاف ہیں ہی نہیں کیا یہ جناب سید الحاج عادتِ خلافِ فطرت کو حسن سمجھتے ہیں !!! :

وہ میرا قول نقل کرتے ہیں کہ مذہبِ خدا کا قول اور فطرتِ خدا کا فعل ہے

دونوں ایک ہیں :

کیا جناب سید الحاج کو اس میں شک ہے۔ کیا ان کے نزدیک خدا کتنا کچھ ہے اور کتنا کچھ ہے !!!

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ طریقہ لباس واکل و شرب و اطباق و عادات ایسی اختیار کرنی چاہئیں جس سے تہذیب یافتہ قوموں کی نظر میں مختار نہ ہو :

کیا جناب سید الحاج کی خواہش اس کے برخلاف ہے کیا اپنی قوم کو تمام تہذیب یافتہ قوموں کے سامنے حقیر و ذلیل رکھنا چاہتے ہیں کیا انکی مرضی ہے کہ مسلمان ہمیشہ ذلیل رہیں اور تربیت یافتہ قوموں کی نگاہ میں ان کی کچھ قدر و عزت نہ ہو !!!

جناب سید الحاج میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ میں قومی ترقی قومی کو دیگر حسنات پر ترجیح دیتا ہوں دلِ جانم دوائے اس الزام جناب سید الحاج باد۔ بلاشبہ میرا یہ عقیدہ ہے یہی مذہب ہے اور یہی قول ہے اور خدا ایسی قول پر میرا خاتمہ کرے کہ بعد اوائے ذرائع کے کوئی عبادت قومی بھلائی میں کوشش کرنے سے بہتر نہیں ہے اللہم احینا علیہ وامتنا علیہ آمین ہاں بہتہ خود غرض نفس کے بندے قومی بھلائی میں کوشش کرنا کو بیفایہ سمجھتے ہیں :

جناب سید الحاج ارتقا م فرماتے ہیں کہ میں نے توہینِ عربین شریفین کی ہے اور اُسکے ٹھکانے میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ خواجہ سراج روضہ شہر کہ رسالتِ آبِ صلم پر اور خاندانِ کعبہ پر تعین کیے ہیں اور یہ پیشے کے پھوٹے مسلمان اُسکو باعثِ افتخار جانتے ہیں :

ناظرین انصاف کریں گے کہ اس فقرہ سے توہینِ عربین شریفین استنباط کرنا جناب سید الحاج کے علم و اجتہاد اور حیانت اور بداندازی کا کیسا بڑا ثبوت ہے کیا یہ استنباطِ طویلہ و دانستہ اہتمام نہیں ہے مسلمانوں میں خواجہ سراؤں کا رواج اسلام کو فاسق لگانے والا ہے کیونکہ سوائے مسلمانوں کے ان کو کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے پھر جو فعل کہ حرام و ممنوع شرعی ہے اُسکے ترک ہو جاتے ہیں اور

پھر انہی لوگوں کو حفاظت مومنہ طہران خانہ کعبہ پر متعین کرتے ہیں اور ان بیٹے کے پھوپھوں کو صولہ اہل علم سے بھی شرم نہیں آتی کہ ان حضرت کے حکم کے برخلاف کام کرتے ہیں اور پھر انہی کو مومنہ مبارک کے سامنے لیجاتے ہیں اور حیات النبی کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں مگر غیرت اور خدا و رسول سے شرم ہوتی تو چینی بھریانی میں ڈوب مرتے مگر اس سے بھی زیادہ موجب ہمسو یہ ہے کہ ہمارے مومنہ بشر بہ بشارات مجیدہ سید الحاج جناب مولانا علی بخش خاں صاحب بہا رب آرڈینٹ جج گورکھ پور اعنی قاضی القضاۃ شریعت انگریزیت فرماتے ہیں کہ حریم شریفین میں خواجہ سراؤں کی تعیناتی کو مبرا جاننا تو بہین حریم شریفین ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے تعلیم دینیات کی جو مروج ہے غیر مفید نظر آتی ہے اور اسکی دلیل میں میرا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے اور کوئی علم مفید مروج نہیں ہے“

اے مسلمانو۔ انصاف کرو کہ میرے اس قول کا یہ مطلب ہے جو جناب سید الحاج نے نکالا ہے کیا ان کا ایسا لکھنا اتمام نہیں ہے اور کیا دیدہ و دانستہ انھوں نے یہ غلط نہیں لکھا ہے۔ گناہ طریقہ تعلیم کو غیر مفید کہنا اور گناہ تعلیم دینیات کو غیر مفید کہنا۔

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے جو مفید غلامی کے آرٹیکل میں لکھی ہے اس سے سب و شتم انبیاء سابقین اور لاحقین اور صحابہ و اہل بیت و عام امت مرحومہ کی لائمنی ہے۔ یہ قول ان کا محض غلط ہے قبل نزول امتناع کسی فعل کے اس کے ترکیب کو گنہگار اور ترکیب فعل حرام کا جاننا صرف جناب سید الحاج کا عقیدہ ہے۔ ایک زمانہ میں حقیقی بہن سے نکاح منع نہ تھا اور بعض نبی انبیاء سابقین میں سے اس کے ترکیب ہوئے اسی طرح حقیقی دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا منع نہ تھا متحدہ و انبیاء اس فعل کے ترکیب ہوئے۔ شرب کی حرمت جب تک نہ ہوئی تھی تمام انبیاء سابقین اور اکثر صحابہ اس کے ترکیب ہوئے پس اب کوئی شخص یہ بیان کرے کہ بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا حرام ہے۔ شرب نبی حرام ہے تو وہ کیا انبیاء سابقین اور صحابہ کرام پر سب و شتم کرتا ہے۔

جو کچھ میں نے نسبت غلامی کے لکھا ہے اول میری تحقیق دریافت کرنی چاہیے تھی میرا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ کسی نبی نے انبیاء سابقین سے اور لاحقین سے جناب خاتم الانبیاء تک

کسی عورت پر بغیر نکاح کے تصرف کیا ہو آیا اہل بیت علیہم السلام نے ان عورتوں سے جو لڑائی میں قید ہوئی تھیں نکاح کیا تھا جس طرح کہ جناب سید الحاج آیم اہل بیت پر ہمت لگا ناچتا ہے اس طرح بغیر نکاح بطور لونڈی کے کسی کو تصرف میں نہیں لائے جتنی صرف اس مطلب سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا حق ہو نا شیعوں پر ثابت ہو آیا اہل بیت پر لونڈیوں کے تصرف کی ہمت لگاتے ہیں ورنہ وہ ازدواج مطہرات منکوحہ اہل بیت علیہم السلام تھیں صحابہ و تابعین کی نسبت بھی کوئی کافی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ قیدی عورتوں کو بطور لونڈیوں کے بلا نکاح انھوں نے تصرف کیا ہو اور کچھ شبہ نہیں کہ آیا کر میرا اما منابعد و اما فدا اء اخلا لایہ ہے جو اساری کے حق میں نازل ہوئی اور جس سے غلامی معدوم ہو گئی پس شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اس کی نسبت یہ کہنا کہ انبیاء و صحابہ و اہل بیت پر سب و شتم لازم کیا ہے کیا اہتمام ہے +

جب سلطنت سلاطین کے ہاتھ آئی پھر مفتیوں کو اور قاضیوں کو کیا ڈر تھا۔ آیت اما منابعد و اما فدا و کو مٹا دیا اور ملا دیارہ کے قاضی بن گئے قطع نظر اس کے بعد غزوات و انقضائے خلافت خمسہ حق کو کسی لڑائی جہاد جائز خالصاً بتدو اسطے اعلان کلمۃ اللہ کے تھا جس کی بجزی کو جناب قاضی و مفتی نے حلال کر دیا تھا اور جس طرح کہ مکہ معظمہ میں لونڈی و غلام بیچے جاتے ہیں یہ کو کسی شرع کی رو سے جائز ہیں شریعت محمدیہ کی رو سے تو یقینی حرام ہیں ہاں ایک الزام میرے اوپر ٹھیک ہے کہ میں نے برخلاف جمہور مسئلہ استرقاق کا بیان کیا ہے مگر جب میں دل سے یقین کرتا ہوں کہ خدا اور کتاب اللہ اور محمد رسول اللہ صلعم تینوں میرے ساتھ ہیں اور یہ میرا یقین کامل و نہایت پختہ ہے تو مجھ کو اس اختلاف سے کچھ ڈر نہیں ہے بغرض محال اگر میری سمجھ نے غلطی بھی کی ہو تو بھی اس اختلاف کا کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مجھ کو کامل یقین ہے کہ مدودی استرقاق منصوص قرآنی ہے اور عین معنی خدا و رسول کی پس ممکن ہے کہ جناب سید الحاج یا اور مسلمان کہیں کہیں غلطی پر ہوں الا ان امور کے سبب فراموشی اور سب و شتم انبیاء و صحابہ و آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا اہتمام کرنا کچھ دیانت کی بات نہیں ہے یہ بھی یاد رہے کہ میری تحقیق میں غلامی کسی شریعت کا حکم شرعی نہ تھا فتدب و لا قتل مالک بد علمہ

جناب سید الحاج میرا قول نقل کرتے ہیں کہ احکام نبوی (یعنی فطرت اللہ) کبھی نہیں ٹوٹنے کا

اور پھر اُس پر تفریح فرماتے ہیں کہ معذرا احکام مشر و نشر و فنا باطل ٹھہریں گے +  
مگر تین نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب یہ میرا مطلب نہیں ہے حضور نے قصداً  
یا خطاً غلطی فرمائی ہے مشر و نشر و فنا خود بخود قدرت اللہ میں داخل ہے اور جب وہ ہوگا عین نیچر  
ہوگا افسوس ہے کہ جناب کو نہ قرآن کلمے لفظ قدرت اللہ کی تحقیق ہے اور نہ انگریزی لفظ نیچر کی  
مگر قلم کڑ کر جو دل میں آتا ہے انگریز تحریر فرما دیتے ہیں +

جناب سید الحاج مجاہد پر اتمام فرماتے ہیں کہ تین کل احادیث کی صحت کا انکار کرتا ہوں +  
لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العزیز یہ محض غلط اتمام میری نسبت ہے میں خود مبطل  
حدیثوں سے جو میرے نزدیک روایت اور ایسا صحیح ہوتی ہیں استدلال کرتا ہوں +  
جناب حضرت سید الحاج میری نسبت اتمام فرماتے ہیں کہ تو اے صرف و نحو و معنی و بیان و  
اصول کے موافق معنی قرآن حدیث کے لینے جائز نہیں +

محض کذب و اتمام ہے اور لفظ "بما یزعمیں" ایک عجیب لفظ ہے بہر حال میں نے اُس سے  
زیادہ نہیں کہا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فزا الکبریٰ میں لکھا ہے۔ بلاشبہ معنی قرآن کے  
مطابق محاورہ عربی قول کے لینے چاہئیں جس ناب محاورہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے +  
جناب سید الحاج مجاہد پر یہ اتمام کرتے ہیں کہ اگر علوم جدیدہ میں مذہب اسلام حلال انداز ہو تو مذہب  
اسلام کا چھوڑ دینا لازم ٹھہرایا ہے +

سبحان اللہ کیا داؤد سخن فہمی دی ہے جناب یطلب نہیں ہے بلکہ یطلب ہے کہ مذہب اسلام  
ایسا پختہ ہے کہ کتنے ہی علوم جدیدہ کیوں نہ پڑے جاویں الا مذہب اسلام سے بد اعتقاد ہی نہیں  
پہنچتی ہاں ایسے پھر اصول مذہب کے جیسے کہ جناب سید الحاج نے اختیار فرمائے ہیں اور جن میں کے  
پڑے وہ اصول بتان کرنا اور اتمام لگانا اور لکھ کر دے گا کو کا فر کہنا ہے اُن کا چھوڑنا تو نہیں لازم  
ٹھہرتا ہوں +

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اعتراض فلسفیانہ قرآن شریف پر کیے ہیں اور اس پر  
میرے بیان کو بطور دلیل کے لائے ہیں کہ مشیت جدیدہ کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے اور جو  
تفسیر عالموں نے غلط سے انسان کے پیدا ہونے کی لکھی ہے وہ حق شریع سے غلط معلوم ہوتی ہے  
اگر حضرات دیانت دینی میں راقی ہے تو جناب سید الحاج ضیع البتآن کے اتمام کو خیال  
کیا جاوے کہ گھرا قرآن مجید پر اعتراض کرنا اور گھرا عالموں کی تفسیر کو غلط بتایا یا یہ کہنا کہ مشیت

کی تردید کسی کتاب میں نہیں ہے +  
جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے اسٹیل کو پیپر ٹھہرایا ہے +  
مگر مجھ سے پہلے فردوسی و انورسی و سعدی کو لوگ پیپر ٹھہرا گئے ہیں اگر میں نے اسٹیل کو پیپر  
کو پیپر ٹھہرایا تو کچھ گناہ نہیں کیا +

ہاں شاید جناب سید الحاج اس لیے خفا ہوئے ہونگے کہ میں نے جناب مدوح کو پیپر کیوں نہیں ٹھہرایا  
خیر صاف فرمائیے اس لیے کہ میں جناب مدوح کا مرتب اس سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں وہ تو غیر ان  
سخن تھے آلامیں جناب سید الحاج کو خدائے ہمتان و اتمام جاننا ہوں +  
جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے بمقابلہ فلسفیات جدیدہ کے قرآن و حدیث  
کو بیکار قرار دیا ہے اور اولیٰ ثلاثہ شرعیہ کا اطلاق بیان کیا ہے +

لعنة الله على قائله وعلى معتقده وعلى من ينسب هذا القول الى من لم يعتقد ولم  
يقوله اسی قد کناس ہے کیا فائدہ ہے ایسے اتہامات سے اور کیا نتیجہ جناب سید الحاج نے میں  
سمجھا ہے +

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے خاتم الانبیاء صلعم کو نیچل اسٹ ٹھہرایا ہے +  
میں نے تو یہ لفظ نہیں کہا اور اگر جناب سید الحاج نے یہ نظر تحقیر لفظ جناب خاتم المسلمین کی  
نسبت ارقام فرمایا ہے تو اس کا منظر خود جناب سید الحاج کی گردن پر رہیگا کیونکہ سید الحاج کے ہم مشرک  
علماء کے فتروں سے پہلے ہی نیابت ہو چکا ہے کہ نبی کی نسبت کلمہ تحقیر کا بلا قصد نقل کرنا بھی گنہگار  
ہے پس ایسے کلمہ کا ایجاد کر کے کتاب طریق اولیٰ کفر ہوگا +

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے مادہ عالم کو ازلی وابدی ٹھہرایا ہے۔ مگر لفظ مادہ  
سے کوئی شے علاوہ ذات باری کے مراد ہے تو ایسا اعتقاد کرنے والے پر تو میں لعنت بھیجتا ہوں  
اور اس کو کافر سمجھتا ہوں اور اگر مادہ سے عین ذات باری مراد ہو تو لفظ مادہ کا اطلاق اس پر غلط ہوگا  
جیسا کہ بڑے بڑے اکابر بزرگانِ نبی علیہم السلام و جد و جدت وجود کا مشرب ہے تو میں کتاہوں کہ بلاشبہ  
خدا ازلی و ابدی ہے واللہ درمن قال +

فلولاہ ولولانا لما کان الذی کاننا  
فانا اعبد حقاً و ان الله مولانا  
وانا عینہ فاعلم اذا ما قلت انسانا

فلا تعجب بانسان فقد اعطاك برهانا  
فكن حقا وكن خلقا تكن بالله رحمانا  
وعد خلقه منه تكن روحا وريحانا  
فاعطيناه ما يبدو به فينا وعلمانا  
فصار الا امر مقسوما باياه وايانا  
فاحياه الذي يدري بقلبي حين احيانا  
وكنافيه اكونا وازمانا واهيانا  
وليس بدائم فينا ولكن ذاك احيانا

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو ان مضامین پر غور کرنے کو ایک مدت درکار تھی مگر انہوں  
نے بے سوچے سمجھے جو چاہا لکھ دیا۔ ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر  
والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ شبہ دوسرے خدا کے وجود کا ذائقہ  
نہیں ہو سکتا۔

اس کا مطلب کیا ہے آیا یہ مطلب ہے کہ میں معتقد دوسرے خدا کا ہوں تو میں انتہائی  
ہوں شرک پر اور دو تین یا اس سے زیادہ خدا ماننے والے پر اور اگر یہ مطلب نہ ہو تو جناب سید  
الحاج کا تحریف کر کر مطلب بیان کرنا ایک قسم کا انتہام ہے جو تقریر کہ میں نے اس مقام پر بیان  
کی ہے اس پر ایک شبہ وارد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم ایسے شبہات پر شرعاً مکلف نہیں ہیں۔  
جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میں نے لکھا ہے کہ اعتقادات جو خلاف نچر ہوں باطل  
ہیں اور علیات معینہ فقہا باطل ہیں۔

جناب سید الحاج آپ اس آرٹیکل کا جو میں نے فلسفیانہ مقابلہ ایڈٹسین لکھا ہے مطلب نہیں  
سمجھے جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب غلط ہے یہ اس کا مطلب نہیں ہے۔  
جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علاوہ مذہب اسلام کے دوسرے مذاہب بھی  
سچے ہو سکتے ہیں۔

تین نہیں جانتا کہ یہ مطلب سید الحاج نے کہاں سے استنباط فرمایا ہے میرا تو یہ مذہب ہے کہ مذہب  
اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو مذہب سچا ہوگا وہ اسلام ہی ہوگا۔

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ جہاد سے میری مراد اس قسم کی لڑائی ہے جیسی مثلاً جرمین اور  
فرانس میں ہوئی تھی نہ واسطے قائم ہونے دین اور اعلا کلمۃ اللہ کے +

یہ تحریر جناب سید الحاج کی اتمام محض ہے جبکہ وہ دیدہ و دانستہ اتمام کرنے پر مستعد ہیں تو اس کا  
علاج کیا ہے بلاشبہ میری دانست میں جہاد جبراً مسلمان کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اعلا  
کلمۃ اللہ کے لئے ہے جیسا کہ میری تحریروں سے ظاہر ہے +

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سلام صرف اسی قدر کا نام ہے کہ خدا کو ماننا  
اور بندوں کے ساتھ برادری برتنا اسپر میرا یہ قول نہ لائے ہیں کہ سچے مذہب اسلام کا مسئلہ یہ  
ہے کہ خدا کو ایک جاننا اور انسان کو اپنا بھائی سمجھنا "ابن صاحب تینز نوذ غور کرئیے کہ جناب سید الحاج  
نے لفظ "اسی قدر کا نام ہے" اپنی طرف سے بڑھا کر اور میرے مطلب کو تحریف کر کر کیا عمدہ داد  
دینداری دی ہے +

گر مسلمان ہیں است کہ واعظ دارد

وائے گرد پس امر دزد بود فردائے

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اہل سنت وغیرہ جو فرقے اسلام کے ہیں  
سب اہل ہیں صرف ملت نجویہ حق ہے +

میں چاہتا ہوں کہ جناب سید الحاج اور ہم دونوں ملکر کہیں کہ لعنت اللہ علیہ الکا ذبین لعد  
ہائے اور ان کے دوست پکار کہ کہیں بیش بار۔ معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج نے ایسی لغو اور  
بیہودہ باتوں سے کیا فائدہ سمجھا ہے +

جناب سید الحاج لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک جو مسئلہ شرعیہ خلاف عقل و مخالف نیچر جو وہ  
باطل ہے +

معلوم نہیں کہ جناب سید الحاج اٹلی راہ کیوں چلتے ہیں کیوں نہیں فرماتے کہ میرے عقیدہ  
میں کوئی مسئلہ شریعت خود محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خلاف عقل و خلاف فطرت اللہ تعالیٰ نیچر  
کے نہیں ہے +

ترسم نہ رسی بہ کعبہ لے اعرابی

کہیں رہ کہ تو میری بہ ترکستان است

جناب سید الحاج فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث صحیح کو اپنے خلاف دیکھ کر باطل سمجھا ہے اور

شیطنت سیکھنے کا کنا یا بوہرہ پر کیا ہے ؟

جو حدیث ضعیف یا موضوع کہ جناب سید الحاج کے نزدیک صحیح ہو یہ کچھ ضرور نہیں کہ سب لوگ اسکو صحیح سمجھیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہوگی میرے نزدیک نہیں ہے اور شیطنت سیکھنے کی نسبت کا جناب حضرت ابوہریرہ کی طرف جناب سید الحاج نے مجھ پر اتہام کیا ہے۔ خود کیا ہے مجھ پر لگایا ہے۔ میں تو اس حدیث ہی کو صحیح نہیں سمجھتا۔ جناب سید الحاج نے ارقام فرمایا تھا کہ حضرت ابوہریرہ نے عمل آیت الکرسی کا شیطان سے سیکھا (نمود بابتہا) اُس پر میں نے لکھا کہ جناب مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر سب رڈیٹ حج گورکھپور نے اپنے رسالہ شہاب ثاقب "صفحہ ۴۴" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیت الکرسی کا اُس سے سیکھا۔ اس عبارت کے بعد میں نے لفظ نمود بابتہا منہا کا بھی لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ میں قول جناب سید الحاج کو غلط جانتا ہوں اُس پر جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ اتہام کیا ہے کہ میں نے شیطنت سیکھنے کا کنا یا بوہرہ پر کیا ہے میں اس پر کہ جناب سید الحاج کو ایسی باتیں لکھنے میں کچھ لحاظ بھی نہیں ہوتا ؟

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ بیان ہے کہ مادہ عالم متبل صفات باری ہے لہذا وہ حیدر ذات ہے اور اُس کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں ہے ورنہ اپنی ذات کا خود خالق ہوگا اور فنا ہونا مادہ عالم کا بھی متعذر ہے اور عالم پر تقدم ذات باری کو نہیں ہے اور ذات باری راجحہ ؟ کیا عجیب سمجھ جناب سید الحاج کی ہے اور کیا عمدہ مقدمات اس میں ترتیب دیئے ہیں کہ شیخ اکبر کی صوح خوش ہو گئی ہوگی۔ پھر جو کچھ لکھا ہے محض غلط لکھا ہے۔ جناب بلاشبہ صفات باری اُسکی عین ذات ہیں مگر مسئلہ آپ کی سمجھ سے باہر ہے اس میں آپ کیوں نخل فرماتے ہیں الا اس قدر آپ کو معلوم کرنا چاہیئے کہ جو کچھ آپ سمجھے ہیں وہ سب غلط ہے اور جو الفاظ آپ نے ارقام فرمائے ہیں وہ میرے نہیں ہیں یہ سب آپ کے ل کے بنائے ہوئے الفاظ ہیں ابھی تو آپ حاجی ہی ہوئے ہیں مگر جب تصور کے رتبہ پر پہنچئے گا جب میرے اُن فقرہوں کے معنی سمجھئے گا جو میں نے صفات و ذات کی عینیت میں لکھے ہیں ؟

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا بیان ہے کہ نکات بلاغت و اشارۃ النص و دلالت النص مطلق میں ؟

غلط ہے۔ میرا یہ قول نہیں ہے بلاشبہ میری سمجھ ہے کہ قرآن مجید کے معنی اُسی طرح پر لینے



چاہئیں جس طرح اعراب عرب سمجھے تھے اور بن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یہی مشرب شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جیسا کہ انھوں نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے یہاں تک کہ جو ایسا قواعد نحو مقررہ سیدویہ و قرار کے خلاف قرآن مجید میں ہیں ان کی تاویل کو بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے بجا قرار دیا ہے اور عرب اول کے محاورہ کو خلاف قاعدہ مقررہ نہ قرآن مجید میں تسلیم کیا ہے اور اسی کی وجہ سے مگر مجھ کو شبہ ہے کہ جناب سید الحاج مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی مسلمان جانتے ہیں یا نہیں کیونکہ اہل بدایین ان کی بھی تکفیر کرتے ہیں ؟

جناب سید الحاج انعام فرماتے ہیں کہ میں نے اصول و فروع اسلام سے اپنے اختلاف کا اقرار کیا ہے ۔

یہ الفاظ تو جناب سید الحاج کے دل کے بخارات ہیں مگر بلاشبہ اس زمانہ میں جو مسائل مسلمانوں میں رائج ہیں ان میں سے چند مسائل سے مجھ کو اختلاف ہے۔ اس لئے کہ میری نسبت میں وہ مسائل خلاف شرع ہیں اصول و فروع سے اختلاف ہونا جناب سید الحاج تحریر فرماتے ہیں یہ محض اتہام ہے ۔

ابن عربیؒ نے چند عقیدوں کا ذکر کیا ہے جو جناب سید الحاج مولوی علی بخش خاں صاحب نے اپنی طرف سے مگر کر لکھے ہیں اور اتہام میری طرف منسوب کیئے ہیں ۔

### عقیدہ اول

جناب سید الحاج نے اس عقیدہ کو میری طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے ایک ادہ اور ایک ذات باری دو چیزوں کو ازلی ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ تقدم ذات باری کا مادہ وجود عالم پر نہیں ہے اور پھر لکھا ہے کہ ذات باری خالق مادہ اصلی عالم کی نہیں ہے اور نہ اس کے فنا پر قادر ہے ۔

ان میں سے ایک بھی میرا عقیدہ نہیں ہے اور نہ میں نے کہیں یہ باتیں بیان کی ہیں جو انھوں نے لکھی ہیں محض بہتان اور افتراء ہے ۔

ذات اور صفات باری کی نسبت تین مذہب مسلمانوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ صفات باری علی ذات ہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر ذات ہیں۔ تیسرے یہ کہ نہ عین ہیں نہ غیر ہیں۔ میں مذہب اول کو صحیح سمجھتا ہوں اور اسی قدیم سے بیان کیا ہے اور اس سے زیادہ جس قدر

بیان ہے وہ سب اقرا اور بہتان ہے اور نہ وہ میرے الفاظ ہیں جو جناب سید الحاج نے  
لکھے ہیں :

### عقیدہ دوم

جناب سید الحاج اس عقیدہ کو میری طرف منسوب فرماتے ہیں کہ ذات باری علت تامہ  
وجود ہر شے کی نہیں ہے۔ ذات باری تعالیٰ کو خالق کل شے کہنا حقیقت میں غلط ہو جاویگا  
گو مجازاً صحیح ٹھہرے :

جناب سید الحاج نے مجھ پر یہ سب فقر اور بہتان کیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے جس نے  
صرف اس قدر لکھا ہے کہ ذات باری تمام کائنات کی علت احلل ہے :

### عقیدہ سوم

جناب سید الحاج نے اتہام میرا یہ عقیدہ ٹھہرایا ہے کہ مادہ عالم کا قیاست کے روز فنا ہو جانا  
مستغ بالذات ہوگا وکل من علیہا فان صحیح نہ ٹھہریگا :

جناب سید الحاج نے محض اتہام کیا ہے میرا یہ عقیدہ نہیں جس نے لکھا ہے کہ اگر تمام موجودات  
کے عوارض نوعیہ یا تخصیصیہ معلوم ہو جاویں تو جو کچھ باقی رہیگا وہ ناقابل عدم ہوگا وقد قال اللہ  
تبارک و تعالیٰ۔ کل من علیہا فان وبقی وجہہ ربک ذوالجلال و الاکرام اس قول کی  
حقیقت جناب سید الحاج نہیں سمجھے ان کو شیخ اکبر کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور مسئلہ وحدت  
وجود کو سمجھنا چاہئے جب سید اکبر کے قول کو سمجھیں گے :

### عقیدہ چہارم

پھر جناب سید الحاج نے اس عقیدہ کا میری نسبت اتہام کیا ہے کہ ذات باری مادی ہے  
یا یوں کہو کہ مادہ اور غیر مادہ سے مرکب ہے یا محل مادہ کا ہے :

افسوس ہے کہ جناب سید الحاج کو بہتان پر بہتان لگانے میں کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ میرا یہ  
عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے والے کو تین کاڑھجتا ہوں :

### عقیدہ پنجم

بلاشبہ تین ذات اور صفات باری کی عینیت کا قائل ہوں مگر اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ اپنی طرف سے نکالا ہے کہ یہ کہنا غلط ٹھہرے گا کہ مفہوم صفات کا باہم تمیز اور متغایر ہے اور اس وحدت میں حقیقت علم و قدرت و غیرہ متحدہ الحقیقت ہوں گے مگر یہ سمجھ خود اُن کی ہے میری نہیں وہ مسئلہ عینیت ذات و صفات کو سمجھے ہی نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ کسی سے سیکھیں فاسئلوا اہل الذکر انکم تمہ لاتعلمون +

### عقیدہ ششم

جناب سید الحاج نے بغیر سوچے سمجھے ان لفاظ سے میرا عقیدہ بیان کیا ہے کہ ذات باری کو قانون فطرت کے توڑنے یا تبدیل و تغیر کرنے پر اختیار نہیں ہے بلکہ متغیر بالغیر ہو گیا ہے + یہ بالکل تہام محض ہے قانون فطرت کبھی نہیں ٹوٹا کیونکہ جو کچھ خدا کرتا ہے وہی قانون فطرت ہے +

نیچر ایک انگریزی لفظ ہے اور وہ ٹھیک ٹھیک مراد ہے لفظ فطرت اللہ اور قانون قدرت کے لیے بھی بہت مدت چاہیے کہ جناب سید الحاج ان لفظوں کے معنی سمجھیں +

### عقیدہ ہفتم

میری ایک تقریر کا جناب سید الحاج نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دوسرا علت العلل کسی دوسرے عالم کا متغی عقلی نہیں ہے +

اس میں بھی جناب سید الحاج نے تحریف کی ہے اور طلب کو اٹا بیان کیا ہے میں بیان کیا ہے کہ مذہب اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ ”وہ ہستی جس کو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثال کے دوسری ہستی نہیں اور اُس کے ثبوت میں ایک تقریر کی ہے اور ایجاد عالم سے اُس پر لا ل کیا ہے اور پھر تسلیم کیا ہے کہ اس تقریر پر وہ شبہ جو ابن کمرہ کا ایک مشہور شبہ ہے اور جس کے حل کرنے میں بڑے بڑے علماء عاجز رہے ہیں وارد ہوتا ہے مگر وہ ایک خیالی اور دھمی شبہ ہے اور یقین لانے کو کافی نہیں اور مذہب اسلام میں ایسی باتوں پر تکلیف نہیں ہے۔ گنجائش تقریر اور گنجائش وہ اہتمام جو جناب سید الحاج نے کیا ہے ایسے لفظوں سے جو نیک دل سے نہیں نکل سکتے +

## عقیدہ ہشتم

اس عقیدہ میں میری نسبت متعدد اہتمام غلط نظر کر کے اُنھوں نے جمع کیے ہیں اس لئے ہم تو لوگوں کے اسکی تفصیل کر چکے ہیں :

قولہ - سوائے عقل کے کوئی رہنا نہیں بے شک عقل رہنا ہے اور اسلام اور کفر میں جو تمیز لکڑی والی ہے وہ بھی عقل ہے۔ جناب سید الحاج نے اس کتاب میں عقل سے کام نہیں لیا اسی واسطے غلطی میں پڑے اور اگر دیدہ و دانستہ اہتمام کیا ہے تو بھی عقل سے کام نہیں لیا :

قولہ - حسن و قبح تمام اشیاء اور احکام کا عقلی ہے نہ شرعی۔ متعدد میں اہل اسلام کے اسکی نسبت دو ذہب ہیں۔ ایک یہ کہ حسن و قبح تمام چیزوں کا عقلی ہے۔ دوسرے یہ کہ شرعی ہے میرے نزدیک بلاشبہ پہلا مذہب صحیح ہے :

قولہ - لہذا باوجود قانون قدرت کے یعنی نوح کے بھٹت انبیاء کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً یہ عقیدہ اور یہ سمجھ خود جناب سید الحاج کی ہوگی۔ نہ میرا یہ عقیدہ ہے نہ میں نے یہ کہا بلکہ بھٹت انبیاء نیچو کی رُو سے ضروری ہے :

قولہ - لاکھوں نیچول سٹ موجود ہیں اور وہ خود پیغمبر ہیں۔ میرا تو یہ عقیدہ نہیں ہے شاید جناب سید الحاج اُن کو پیغمبر جانتے ہوں گے :

قولہ - لندن کے پیغمبروں میں ایڈسین اور اسٹیل تھے۔ جس طرح کہ کسی شخص کا دل کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ خدا ہے سخن ہے یا پیغمبر سخن ہے بیسیکا اس شعر میں ہے :

در نظم سہ سہ سہ متبہ مانند

فردوسی و انوری و سعدی

اسی طرح ایک مقام پر میں نے اسٹیل اور ایڈسین کو لندن کے پیغمبر کہا ہے مگر جبکہ جناب سید الحاج عقل کو رہنا نہیں سمجھتے اس لئے وہ سمجھ گئے کہ وہ سچ مچ کے پیغمبر ہیں جو خدا کی طرف سے مذہب لاتے ہیں یا دانستہ اہتمام کیا ہے :

قولہ - اس صورت میں ختم ہوا نبوت کا نبی آخر الزمان پر بھی نہ ہوگا :

یہ عقیدہ اگر یہ میرا تو نہیں ہے کیونکہ میں تو عقیدہ موجود کو بھی شرک فی النبوت سمجھتا ہوں مگر غالباً جناب سید الحاج کا یہ عقیدہ ہوگا کیونکہ وہ عقیدہ موجود یعنی شرک فی النبوت کو جائز سمجھتے

ہیں۔ غرض کہ جو امر میری نسبت جناب سید الحاج نے منسوب کیا ہے میں تو کہتا ہوں لعنت اللہ علی  
قائلہ و معتقدہ۔ اُمید ہے کہ جناب سید الحاج فراموشی کر میں باد ۴

### عقیدہ نہم

اس عقیدہ کے انتہائات کو بھی ہم قولہ قولہ کر کے بیان کریں گے ۴

قولہ۔ قانون فطرت یعنی نعر کے خلاف کوئی امر نہ ہو میں آنا ممکن نہیں ہے لہذا معجزات انبیاء  
پر یقین لانا صحیح نہ ہوگا۔ یہ قول جناب سید الحاج کا محض غلط ہے جو شخص کہ فطرت اللہ اور قانون  
قدرت اور نعر کے معنی ہی نہ جانتا ہو اس کو دخل در عقولات کیا ضرور ہے۔ جناب سید الحاج نے خود  
اپنی غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ معجزات انبیاء خلاف فطرت اللہ یا خلاف نعر ہیں حالانکہ کوئی معجزہ کسی  
نبی کا خلاف نعر اور خلاف فطرت اللہ نہیں ہے صرف ثبوت اُسکے وقوع کا درکار ہے اور جب  
ثابت ہو کہ خلاف امر واقع ہوا تو بلاشبہ اُس پر یقین کیا جاویگا اور یہ بھی یقین کیا جاویگا کہ فطرت اللہ  
یعنی نعر کے مطابق ہے گو کہ اُسکی ماہیت ہماری سمجھ میں آوے کیونکہ ہزاروں کام نعر کے ایسے  
ہیں جن کی ماہیت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ سید الحاج صاحب نے بڑی غلطی کی ہے جو یہ لکھا  
ہے کہ سب باتیں یعنی معجزات انبیاء اور قانون فطرت کے توڑنیوالے ہیں حالانکہ وہ قانون فطرت  
کے پورا کر نیوالے ہیں۔ اور یہ بھی غلطی کی ہے جو یہ لکھا ہے کہ اگر معجزات انبیاء مان لیئے جاویں تو  
تمام عقلیات کے خلاف اقرار کرنا پڑے گا حالانکہ یہ محض غلط ہے ۴

قولہ۔ لامحالہ انبیاء کو اس قدر سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیر الہی اسٹ حکیم تھے بلکہ سب سے زیادہ محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نیر الہی فیض کے جاری کر نیوالے تھے اور اُسی ہونا اسی اسٹ حکیم تھا کہ سوائے نعر کے اور کچھ  
کا میل نہ ہونے پاوے۔ یہ معلوم نہیں جناب سید الحاج نے الفاظ نعر اور نیر الہی اسٹ کس ارادہ سے  
لکھے ہیں اگر ان الفاظ سے اُن کا ارادہ انبیاء کی شان میں اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں  
کچھ حقارت کرنے کا ہے تو اُسکے مجرم اور گنہگار خود جناب سید الحاج ہیں جس نے اُس سے بری ہوں انبیاء  
کو میں نیر الہی اسٹ حکیم نہیں کہتا اگر بیشک وہ اُس فیض کے جاری کرنے والے ہیں جس کا ذکر خدا  
نے فرمایا ہے فطرت اللہ التي فطر الناس علیہا۔ میں تو میرے نیر الہی اسٹ حکیم میں ایسا فرق  
سمجھتا ہوں جیسا کہ راعی اور غنم میں۔ میرے اعتقاد میں خلقت انبیاء کی دیگر انسانوں سے ایک  
نوع مجزا گانہ ہے بشر صرف اسکی جنس ہے اور صاحب الارحامی ہونا اسکی فطرت ہے اور یہ ایک ملک

ہے جو خلقت انبیاء میں پیدا کیا ہے پس جس طرح کہ جو ان در انسان میں خلق فصل ہے اسی طرح انسان اور انبیاء میں فدا و جی ہونا فصل ہے کما قال اللہ تعالیٰ بلسان نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام  
انا بشر مثکم لویحی الی انما الہکم اللہ واحد پس ایسے شخص کی نسبت (جس کا اعتقاد نسبت  
انبیاء وہ ہے جو جناب سید الحاج کے وہم و گمان میں بھی نہ گذرا ہوگا اور غالباً اب بھی جناب مدوح  
اس نکتہ کو سمجھنے کیونکہ اس نکتہ کے سمجھنے کو نور سید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی  
ملنی چاہیے جب ہم میں آتے ہیں) کیسا بہتان اور گستاخا اتمام ہے۔ بلاشبہ رسول خدا صلعم کے  
امتی ہونے میں ٹہری حکمت یہی تھی کہ خاص نجات باری کا فیض پہنچے نہ آؤد کسی کا مگر اس فیض  
کا لطف تا نچشتی نہ دانی +

### عقیدہ دہم

اس عقیدہ میں بھی یہی نسبت کسی قدر اتمام بہ تحریف مراد جناب سید الحاج نے ارقام فرمائے  
ہیں جن کو پیش بیان کرتا ہوں +  
قولہ ملائکہ سے مراد قوائے انسانی ہیں۔ سیرایہ قول ہے کہ خاک کے غلط قوائے انسانی  
پر بھی اطلاق ہوا ہے اور پیش نے کسی ایسے وجود کا جو علاوہ انسان کے ہو اور ملک اطلاق جبر  
کیا جاوے انکار نہیں کیا ہے +  
قولہ شیطان کا وجود نہیں۔ یہ شیطان کے وجود کا قائل ہوں مگر انسان ہی میں وہ موجود  
ہے خارج عن الانسان نہیں اگرچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اس عقیدہ سے رجوع کروں کیونکہ اس زمانہ  
میں بہت سے شیطان مجہم دکھائی دیتے ہیں مگر شکل یہ ہے کہ آؤد اکابر بھی وجود شیطان خارج  
عن الانسان کے منکر ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں -

نفس شیطان ہم ز اصل واحدے  
بود آدم را سودو ساجدے

### عقیدہ یازدہم

اس عقیدہ میں مجب خلط بحث کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قصداً لوگوں کو دھوکہ  
میں ڈالنا چاہتا ہے مگر ہم ان کے قولوں کو نقل کرتے ہیں +

قولہ۔ بغیر لحاظ اصول تفسیر اور بدول اعتبار اقوال مجبور مفسرین و شان نزول کے قرآن کے معنی اپنی رائے سے کہنے جائز ہیں۔ جناب سید الحاج کا یہ قول تمام تر اہتمام ہے اور اصلی مطلب کو تعریف کیا ہے اصول تفسیر کو بین انسانوں کے بنائے ہوئے قاعدہ سمجھتا ہوں خدا کی طرف سے قاعدہ نہیں ملے گا۔ اقوال مفسرین اور شان نزول آیات کی جن کی سندیں موجود ہیں وہ معتبر ہیں۔ جن کی سندیں نہیں ہیں وہ مستبر نہیں ہیں۔ پس یہ سید صاحب بات ہے جسکو جناب سید الحاج نے تعریف کیا ہے +

قولہ۔ اور قرآن کے معنی جس قدر غیر اور فلسفہ کے خلاف ہوں اُسکو خواہ مخواہ نیچر اور فلسفہ کے اقوال سے ملا دینا چاہیے۔ یہیسی تقریر ہے جیسیکہ ایک جلاہو اکشی شخص کی کچھ بات کو بھی بُرا کر کے دیکھا ہے۔ فلسفہ قدیم تو ایک نچو چیز ہے اُسکے مطابق تو قرآن کا ہے کہ ہونیکا مگر فطرت ہندیشک نہایت عمدہ اور محکم چیز ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اُسکے برخلاف ہے اور نہ وہ قرآن کے برخلاف۔ مگر جناب سید الحاج نے جملے کٹے لفظوں میں اُسکو بد صورت کر کر دکھایا ہے +

قولہ۔ مقدم تر واسطے یقین لانے کے قول فلاسفہ یورپ کا ہے اُسکے موافق جوایت قرآن کی نہو جس طرح ہو سکے مطابق کر دینی چاہیے۔ یہیسی بات ہے جیسے کوئی کسی کا مونہ پھڑائے اور یہ سمجھے کہ پھڑانے والے ہی کا مونہ ٹیڑھا ہوتا ہے واقعیت اور حقیقت وہ شے ہے جو قابل تقدم ہے اور قرآن مجید کا اس سے مخالف ہونا محالات سے ہے اور اُسی کی تطبیق کرنا بالکل طریقہ ہے۔ جناب سید الحاج جو چاہیں اُس کا نام رکھیں آئندہ دیکھ کر مونہ پھڑانے سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں ہے +

### عقیدہ دوازدهم

اس عقیدہ میں جناب سید الحاج نے تین باتیں میری نسبت کہی ہیں۔ ایک یہ کہ توریت اور انجیل پر مضبوط اعتقاد ہے۔ ان لفظوں کے معنی میں نہیں سمجھا اگر یہ مطلب ہے کہ جیسا تو انجیل میں اُن پر اعتقاد رکھنے کا حکم ہے ایسا اعتقاد ہے تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر کوئی اُذر معنی اُنہوں نے قرار دیئے ہیں تو غلط ہے۔ دوسری تعریف لفظی اُن میں نہیں ہوئی۔ ہاں یہ سچ ہے میں تعریف لفظی کا قائل نہیں بلکہ تعریف معنوی کا قائل ہوں مگر محمد شلیل بخاری بھی تعریف لفظی کا قائل نہیں۔ تیسرے اور وہ سب صحیح اور درست ہے۔ اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ ٹیبل میں جو کچھ

لکھا ہے وہ سب صحیح اور درست ہے تو جناب سید الحاج کا یہ اتمام ہے لگژرڈ کو کچھ مطلب ہو تو وہ میں سمجھا نہیں +

### عقیدہ سیردہم

اس عقیدہ میں نعم جنت اور وعید دوزخ کو بیان کر کر سیرایہ عقیدہ لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی حقیقت پر معمول نہیں ہیں۔ جناب سید الحاج کے نزدیک اگر حور کی یہی حقیقت ہے جس کی ایک خوبصورت رندی اور غلمان کی حقیقت ہے جس کی ایک خوبصورت لونڈا۔ تو تو بلاشبہ یقین کرتا ہوں کہ اس حقیقت پر وہ معمول نہیں ہیں اور اگر اور کوئی حقیقت ہو تو اُس کو جناب سید الحاج نے بیان نہیں کیا میرا اعتقاد نعم جنت کی نسبت اور علیٰ ہذا القیاس وعید جہنم کی نسبت یہ ہے کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر +

قولہ۔ علوم عقلیہ کے خلاف کوئی حکم سادہ قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس قول میں بھی اُلٹی راہ چلے ہیں۔ میرے نزدیک کسی حکم سادہ کی صحت پر استنباع عقلی نہیں ہے +

### عقیدہ چہارم

جناب سید الحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے ہر فعل کا مختار ہے۔ مسئلہ بین الجبر والاختیار کا غلط ہے۔ اس مطلب کو بھی بگاڑ کر بیان کیا ہے۔ بیشک میرے لئے دیکھ بین الجبر والاختیار تو کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان اپنی جبلت اور فطرت میں معبود اور اپنی قدرت میں مختار ہے خدا کرے کہ ان لفظوں کا مطلب جناب سید الحاج سمجھ لیں +

### عقیدہ پانزدہم

کوئی حدیث قابل یقین نہیں ہے لہذا اعلیٰ کرنا کسی حدیث پر یا سنت نبوی قرار دینا غلطی ہے۔ اس عقیدہ میں تحریف اور اتمام دونوں کو دخل دیا ہے۔ کوئی حدیث قابل یقین نہیں۔ اس کی جگہ یہ کہنا چاہیے کہ خبر احاد مغنیہ عن ہے مفید یقین نہیں اور پچھلا فقرہ بالکل اتمام ہے۔ میں عللِ حدیث پر لحاظ مراتب اُن کے ثبوت کے لازم سمجھتا ہوں +



## عقیدہ شانزدہم

جناب سیدالحاج ارقام فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اجماع امت یا اتباع جمہور مسلمین گایا سند  
ہانی کسی عالم کے قول سے بچا ہے اجماع قابل محبت نہیں۔ اس عقیدہ میں بھی سچائی کو تبدیل  
کیا ہے یوں کہنا چاہیے کہ اجماع امت یا اتباع جمہور مسلمین یا اجماع جس کی سند قرآن مجید اور حکم  
پنیر معلوم سے ہو قابل محبت نہیں اگرچہ کوئی مسئلہ غیر منصوصا لیسا نہیں ہے جس پر اجماع امت یا اتفاق  
مسلمین یا اجماع ہوا ہو بلکہ تمام مسائل غیر منصوصہ مختلف فیہ ہیں +

## عقیدہ ہفتم

اس عقیدہ میں بھی جناب سیدالحاج نے اپنی معمولی کار سازی کی ہے جیسکے تفصیل ذیل  
سے ظاہر ہوتی ہے +

قولہ۔ اصول فقہ و اجتہادات مجتہدین و قیاسات آئمہ دین و مسئلہ جرم صحیح سمجھنا غلط اور ظلمت  
اور ضلالت ہے۔ میرا یہ قول ہے کہ اصول فقہ علماء کے بنائے ہوئے قاعدے ہیں منزل میں ابتدا  
نہیں اجتہادات اور قیاسات آئمہ دین کے پتھل الخطا والصواب ہیں ان کا درجہ مثل وحی منزل انتم  
کے نہیں مسئلہ جرم قرآن مجید میں نہیں ہے اگر ہو تو جناب سیدالحاج دکھلا دیں بشرطیکہ یکت بودن  
الکتاب بایدیم ثم یقولون هذا من عند الله پر عمل فرماویں +

قولہ۔ تقلید کرنا کسی شرک کی کفر اور شرک ہے صحابہ ہوں خواہ اہلبیت رضی اللہ عنہم جمعین  
خواہ آئمہ اربعہ کسی کی تقلید کرنا نہ چاہیے۔ جو الفاظ تشدد کے جناب سیدالحاج نے ارقام فرمائے  
میں یہ سب ل کے عبارات ہیں جو اُمنڈتے ہیں میرا تو صرف یہ عقیدہ ہے کہ سوائے رسول خدا صلعم  
کے کسی کی تقلید واجب نہیں ہے اور سوائے رسول خدا صلعم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا  
قول فعل و نیات میں بلا دلیل محبت ہوا وہ جو شخص کسی کو ایسا سمجھے وہ مشرک فی اللہ ہوتا ہے +

## عقیدہ ہشترہم

جناب سیدالحاج نے جو بیانات اس عقیدہ میں کی ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں +  
قولہ۔ کوئی مسئلہ شرعیہ قابل قبول نہیں ہے جو غیر کے مطابق اور علوم جدیدہ عقلیہ کے موافق

نہ ہو۔ یہاں بھی جناب سید الحج نے اُسی راہ اختیار کی ہے میرا یہ قول ہے کہ کوئی مسئلہ شرعی جہی  
 فطرت اللہ کے برخلاف نہیں ہے اور علوم حقہ اور اسلام میں اختلاف نہیں ہے +  
 قولہ بغیر وحی کے جو کچھ رسول خدا صلعم اپنی رائے سے فرماتے تھے وہ بھی قابل اتباع نہیں  
 اس عقیدہ میں ایسی تحریف کی ہے کہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا دیا ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے  
 کہ احکام دین سے جو کچھ کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا یا کیا وہ سب وحی سے فرمایا اور وحی سے کیا  
 اور وہ سب واجب الاتباع ہے اور نسبت امور دنیا کے خود رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ انتہ  
 اعلم بامور دنیا کھر اس سے زیادہ اور کوئی میرا عقیدہ نہیں +  
 استرقاق یعنی غلامی کا جو ذکر جناب سید الحج نے کیا ہے اُس کے ابطال کو تو وحی منزل اللہ  
 کتاب اللہ میں موجود ہے +

### عقیدہ نوزدہم

اُمتیں میں جناب سید الحج نے ارقام فرمایا ہے کہ غزوات اور جہاد سے مراد یہ ہے کہ کافر قتل  
 دوسری قوم سے قتال کرے جیسکے مثلاً جرمن اور فرانس میں لڑائی ہوئی۔ یہ تحریر میرے عقیدہ کی  
 نسبت جناب سید الحج کی غلط اور بالکل غلط اور سراسر اتہام ہے تمام غزوات صرف اعلانِ کفر  
 کے لیے ہوئے تھے نہ لوندیوں اور لوندوں کی لالچ سے جس کے اثبات کے درپے جناب سید الحج  
 چہرے ہیں +

### عقیدہ ہستم

جناب سید الحج ارقام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سیرت ہشامی اور ابنِ سحی وغیرہ سب اہیات  
 اور الف لیلے اور مہا بھارت کے برابر ہیں۔ بلاشبہ میں ان کتابوں کو نہایت غیر متبر جانتا ہوں نہ ہر ایک  
 روایتیں غلط اور بے سند ان میں مندرج ہیں اور کچھ روایتیں صحیح بھی ہیں +

### عقیدہ بست ویکم

جناب سید الحج نے میرا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ جس قدر کتب حدیث و تفسیر و فتوہ و اصول  
 فی زمانہ پڑھائی جاتی ہیں اُن سے سوائے فساد مذہب اور بدعتی اور غرالی دنیا اور عقبی کے

کچھ فائدہ نہیں ملتا اُن کی تعلیم قطعاً موقوفی کے لائق ہے۔ جو کلمات کہ جناب سید الحاج نے اس عقیدہ میں ارقام فرمائے ہیں وہ سب اُن کے دل کے بھارات ہیں وہ الفاظ میرے نہیں ہیں ہاں میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ علم کلام جو حکمت و زبان کے مقابل میں بنایا گیا تھا اس میں علم میں محض بیکار ہے اور علماء پر فرض ہے کہ علم کلام کو از سر نو اس طرح پر تدوین کریں کہ وہ بمقامِ حکمت اور علوم جدیدہ کے جو اس زمانہ میں رائج ہیں بکار آدہو۔ کتب تفسیر میں جو بے سند حدیثیں اور بے سند قصے اور کہانیاں لکھی ہیں اُن میں جو نسی غلط اور موضوع ہیں اُن کی تفتیح ضرور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث کا پُر صاف عمل کرنے کے لئے مقصود ہے مگر اس زمانہ میں اُسے عمل کرنے کے لئے نہیں پڑھا جاتا کیونکہ سبب اُس تعلیق کے حکوینتِ مذلت کتابوں کوئی حکم کیسا ہی صاف اور روشن قرآنِ حدیث میں ہو جو مگر تعلیق پر اُسے عمل نہیں کرینگے تو پھر اُن کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔ بخاری طاق میں نہ رکھی رہی کسی کے سینہ میں بھی رہی دونوں برابر ہیں۔ دیکھو مثلاً جو حدیثیں حنفی مذہب کے خلاف بخاری میں ہیں حنفی اُسے عمل کرنے کو بدعت یا ضلالت سمجھتے ہیں اور زبان سے بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں پس ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ بخاری کی جن حدیثوں پر تم نے یا تمہارے امام صاحب نے عمل نہیں کیا آیا اُن کو امام صاحب نے یا تم نے کیا سمجھا۔ حدیث رسول اللہ سمجھا یا نہیں۔ اگر حدیث رسول اللہ سمجھا اور پھر عمل کیا تو یہ کیسا ایمان ہے اور اگر اسکو حدیث رسول اللہ ہی نہیں سمجھا بلکہ اسکو یوں ہی ایک ضعیف قول سمجھا لیا یا حدیث تو سمجھا مگر ناقابلِ عمل تو پھر صرف میرا ہی کیا قصور ہے۔ میں نے تو سیرت ہشامی کو ہی ضعیف کہا تھا۔ تم نے اور تمہارے امام صاحب نے تو بخاری کو رطب یا بسا تو اُل کا مجموعہ سمجھ لیا ہے پھر اسکو زبان سے اصح الکتاب کہنا اور حقیقت اپنی رائے کو بخاری کی حدیثوں پر ترجیح سمجھنا کیسی بہودہ بات ہے اسی لئے میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن و حدیث عمل کرنے کے لئے پڑھو اور جو مسئلہ اُس میں پاؤ اُسے عمل کرو خواہ وہ شافعی کے مطابق ہو خواہ حنفی کے اور اگر عمل کرنے کے لئے نہیں پڑھتے تو اُن کا پُر صاف محض بے فائدہ ہے اور میں کچھ شک نہیں کرتا کہ جس کا دل نوریان سے متور ہے وہ یقینی میرے اس قول کو حق سمجھے گا۔

عقیدہ بست و دوم

جناب سید الحاج نے جو خدا تعالیٰ اس عقیدہ کے بیان کرنے میں کی ہے تین سمجھ نہیں سکتا کوئی انسان کبھی پرکپڑا کر لیا اتنا تم کر سکتا ہے خیر جو ان کے قول میں وہ لکھتا ہوں +

قولہ۔ جب علوم جدیدہ کے یا انگریزی کے پڑھنے سے معلوم ہو کہ مذہب اسلام میں ضعف پیدا ہو گا تو مذہب اسلام کا ترک کر دینا لازم ہے۔ تین اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جس شخص نے یہ بات کہی ہو اور جس کا یہ اعتقاد ہو اس پر خدا کی لعنت ہو اور اتنا تم کرنے والے سے خدا مواخذہ کرے جس پر مواخذہ کے وہ لائق ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو یہ خیال ہے کہ انگریزی پڑھنے سے اور علوم جدیدہ سیکھنے سے عقیدہ اسلام میں ضعف آجاتا ہے یا دہریہ اور لا مذہب ہو جاتا ہے۔ تین نے کہا اگر مذہب اسلام تمہارے نزدیک کوئی ایسا بودا مذہب ہے کہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اس میں ضعف آتا ہے تو اس مذہب ہی کو چھوڑ دو جس کا علانیہ یہ مطلب ہے کہ مذہب اسلام ایسا نہیں ہے مذہب اسلام نہایت سچا ہے اور اس کے اصول نہایت پختہ ہیں نہ انگریزی پڑھنے سے اس میں ضعف آتا ہے نہ علوم جدیدہ پڑھنے سے اتحاد پیدا ہوتا ہے مگر جبکہ ہمارے جناب سید الحاج کا دل کفر کی طرف زیادہ مائل ہے اس لئے انہوں نے اس ٹکڑے مطلب کو برعکس بیان کیا ہے +

قولہ کہ سب دینی کا پڑھانا واسطے قائم رکھنے عقیدہ کے نہیں چاہیے جناب سید الحاج نے ضمن غلط کہا ہے اور میرے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے میری یہ رائے ہے کہ جو اختلاف کہ مسائل مذہبی اور علوم جدیدہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے اور جس کے سبب لوگ مذہب سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں اس کی حفاظت کے لیے کتب موجودہ کافی نہیں ہیں بلاشبہ علم کلام از سر نو تدوین ہونا چاہیے جو علوم جدیدہ کے تقابلیں میں بکام آمد ہو +

### عقیدہ پست و سوم

اس عقیدہ کے بیان میں بھی جناب سید الحاج اپنی کار سازی سے نہیں چوکے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ صرف قرآن کے احکام منصوصہ قابل تسلیم ہو سکتے ہیں بشرطیکہ نیچر اور علوم جدیدہ کے تقابلیں ہوں جو شرط کہ جناب سید الحاج نے لگائی ہے غالباً وہ خود ان کا عقیدہ ہو گا۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فطرت امت یعنی نپھر اور اس کے کارخانہ قدرت کے برخلاف ہو +

قولہ۔ بہشت میں جانے کے واسطے قیام الصالحات کی لگانی باطل ہے۔ میں تو کسی قید باطل

نہیں کہتا مگر میں باتیں بلاشبہ کہتا ہوں۔ ایمان لانا بلاشبہ ذریعہ نجات ہے۔ بخشش کے بیٹے  
اعمال پر پھٹ نہیں پاتے۔ خدا کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ سوائے شرک کے سب گناہوں کو  
خدا سنا کر بیگا۔ غالباً کوئی مسلمان سوائے جناب سید الخوارج کے ایسا نہ ہوگا جو ان نبیوں باتوں پر  
اعتقاد نہ رکھتا ہوگا۔ قال رسول اللہ صلع من قال لا الہ الا اللہ مستیقنا بہا قلبہ فدخل  
الجنة وان ذنی وان سرق علی رجم انف ابی ذر +

### عقیدہ بست و چہارم

اس عقیدہ میں تو جناب سید الخوارج نے قیامت ہی کر دی ہے کیونکہ جھوٹ لکھنے اور اتمام کرنے  
کی کوئی عداوتی نہیں ہی نہ خدا کا خوف کیا ہے نہ رسول سے شرم کی ہے اس لیے ہم اُن کے  
الفاظ سوائے قلم سے لکھتے ہیں اور اُس کے قائل پر لعنت بھیجتے جاتے ہیں تاکہ جو اُس کا ستی ہو  
اُس کے اوپر پڑے +  
قولہ۔ کوئی فعل اگرچہ شاکر کفر ہی میں سے کیوں نہ ہو مثلاً۔

### انکار کرنا نبوت انبیاء سابقین کا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

### یا کتب سماویہ سابقہ کا + یا وجود ملائکہ کا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ - لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا معاذ اللہ قرآن شریف کا عہد ابول براہ میں آلودہ کر دینا یا۔

### پھینک دینا

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا یا جو قطعیت نص کے

لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ

یا کسی نبی کو معاذ اللہ گالی دینا

لعنت اللہ علی قائلہ وعلیٰ معتقدہ

یا بہشت و دوزخ اور قیامت آنے کا منکر ہو جانا

لعنت اللہ علی قائلہ وعلیٰ معتقدہ

یا ضروریات دین کا انکار کرنا

لعنت اللہ علی قائلہ وعلیٰ معتقدہ

کسی آدمی کو کافر نہیں بنانا

کہاں ہی میرے یا تو قال اور کہاں ہی میری پیشلیں جو جناب سید الحاج نے — کو  
بھی مت کر کر میری نسبت منسوب کیے ہیں یہ میرا قول تو یہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے  
لا تکفروا اهل القبلة میرا وہی قول ہے جو تمام اکابر دین کا ہے کہ اصل بیان تصدیق قلبی ہے اور  
جب تک کہ وہ تصدیق انسان کئے میں ہے کوئی فعل اُس کا اُسکو بدینہ و بدین اللہ کا فر  
نہیں کرتا۔ دیکھو کہ جناب سید الحاج برابر کفر کا اتمام کرتے ہیں مگر ہم بدستور اُن کو مسلمان اور بزرگ  
اور حاجی اور سید الحاج سمجھتے ہیں اور اُن کے کسی فعل سے اُن کو کافر نہیں کہتے :

نسبت سجدہ بت و تشوہ کے میں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ رزار کی نسبت بہ تحت بیان حدیث  
من تشبه بقوم فهو منهم کے یہ لکھا ہے کہ بعض عالموں نے مشابہت سے مشابہت فی  
خصوصیات الدین مراد لی ہے مثلاً زنا رہننا یا صلیب کھنا یا شیکہ لگانا یا اعیاد کفار کو بطور عید  
اختیار کرنا یا اُس میں شریک ہونا۔ اگرچہ یہ رائیں محض قدر عمدہ معلوم ہوتی ہیں مگر نیز اُن کو پسند  
نہیں کرتا اور نہ حدیث کی یہ مراد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ میرے نزدیک قطعیات سے یہ بات  
ثابت ہے کہ شخص کو لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دل سے یقین نہ تھا ہے اُس کا کوئی فعل  
مع یقین نہ کرے اُس کو کافر نہیں کر سکتا پس اگر اُس قول پر جس پر ابولہ کی نجات منحصر تھی اُس یقین  
ہے تو گو وہ کسی قسم کے ساتھ تشابہ کرے و لونی خصوصیات الدین و شعایر الکفر کا اثر نہ

والصليب والا عیادہ کافر نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم دیوالی دسھو میں اپنے ہندو دوستوں سے اور نوروز میں اپنے پارسی دوستوں سے اور بڑے دن میں اپنے عیسائی دوستوں سے ملکر اور معاشرہ و تمدن کی خوشی حاصل کر کر کافر ہو جاویں گے۔ نعمذ باللہ نہنا +

بت کہ سجدہ کرنا سیتلکے تعان کو سجدہ کرنا ہمارے صاحب کی چٹریوں کو پوجنا۔ اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ کرنا۔ امن کا طوائف کرنا سب جہاڑ ہیں۔ ہزاروں مسلمان یہ باتیں کرتے ہیں نیز تو کوئی کافر نہیں جانتا کیونکہ مسبوہیں جب تک اللہ ہونے کا یقین نہ ہو اس وقت تک ان کے سجدہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ ہاں بلاشبہ نہایت سخت گناہ کبیرہ ہے اور یہی تحقیق علمائے محققین کی ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے زمانہ کے جناب سید العیاض نیک دلی سے ان امور پر غور کریں +

### عقیدہ بیست و پنجم

جناب سید العیاض نے اس عقیدہ میں جو اتہام کیئے ہیں وہ بھی قولہ قولہ کر کے بیان کیئے جاویں گے +

قولہ۔ ترک دنیا و زہد و کسوف و شب بیداری و روزہ دہی۔ کثرت نماز نفل و غیوہ اذکار و اشغال و طائف جس قدر کہ معمول اور رسوم میں سب بیخانیہ ہیں مگر جناب سید العیاض نے یہ عقیدہ اپنا بیان کیا ہے تو غیر جو عقیدہ ان کا ہو وہ ہو۔ اور اگر یہ عقیدہ بیان کیا ہے تو میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ یہ بیانیہ اسلام میں منع ہے۔ کارہانیہ فی الاسلام۔ اور سوائے اور ادا ثورہ کے اور سوائے اس زہد و تقویٰ کے جس کی ہدایت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور سب بدعت ہے +

قولہ۔ مثلاً روزہ تیس روز کا یا مخصوص رمضان میں وہ بھی گرمی کے موسم میں فرض نہ ٹھہرے گا۔ نعمت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ میرا یہ قول وہ عقیدہ نہیں ہے۔ جتنے روزے کہ فرض اور سنت ہیں وہ بالکل صحیح کے مطابق ہیں۔ ہاں بدعتیوں نے جو غیر اللہ و نہ سے لگائے ہیں جیسے سو اہر کاروزہ علی شمشکات کا اور تین دن کا طے کا روزہ اللہ شل کے ان کو بدعت اور خلاف صحیح جانتا ہوں +

قولہ۔ مقور ہی شرب جو پکا متلا نکرو سے یا اس قدر بھرا کھینا جو بے قید نہ بناوے سلام اور منع نہ ہو گا۔ نعمت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے +

قوله - تصویر مجسم بنانا جو واسطے یادگاری کے ہو حرام اور منوع نہ ہوگا۔ میں نے اس امر کی نسبت کہ تصویر مجسم یا غیر مجسم شرعاً جائز ہے یا غیر جائز کبھی کبھی نہیں کہا۔ مگر میں اس قسم کی یادگاریوں کو پسند کرتا ہوں اگر وہ شرعی گناہ میں تو میرا ان کو پسند کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں شاست حال سے اور گناہ کی باتوں کو پسند کرتا ہوں +

ناکرہ گناہ در جہاں کیست بگو

اں کس کہ گنہ نکر دچوں زریست بگو

قوله - قرآن شریف میں صرف لفظ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا وار ہے اُس کی زیادہ تصریح نہیں ہے اِلے قول۔ اسی طرح نماز مرسوم اور معمول کو اختیار کیا جاوے تو وہی ظلمت اور ضلالت تقلید کی اور کفر محض کا اختیار کرنا ہوگا۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے +

قوله - صلوٰۃ سے مراد مطلق دعا پڑھ لینا ہوگی اور وہی واسطے ادائے فرض کافی ہے باقی جو ترکیب صلوٰۃ پیچگانہ کی قدر ہے وہ اصول مختصر و فہم مدثرہ و احادیث موضوعہ و اجماع مردودہ کا تسبیح ہے اور اُسی کا نام کفر ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے +

قوله - باقی رہی زکوٰۃ۔ اُسکی مقدار بقدر چالیسویں حتم ال کے مقرر کرنی اور اُسکے مسائل سے فتاویٰ فقہیت کا سمور ہونا وہی ظلمت اور ضلالت کفر و شرک ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ نہ میرا یہ قول ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے +

قوله - حج خانہ کعبہ الخ۔ حج خانہ کعبہ کو میں فرض سمجھتا ہوں من استطاع الیہ سبیلاً مگر مسعودی یہیہ فرض لیکر نہ جانے سے لندن کا جانا بہتر جانتا ہوں اور حاجی جی کہلانے کی خوشی حاصل کرنے کو اولاد شوشی میں چھوٹنے کو اور چھوٹی بشارات بیان کرنے کو اور کسی خادم کے فریب میں آکر خدا و خطاب لینے کو اور اُن جھوٹی باتوں پر ناز کرنے کو البتہ میں حرام سمجھتا ہوں +

جو بدعت کہ مکہ معظمہ میں ہوتی ہیں اور بدعت شرع رسول خدا صلعم ہیں وہ اس وجہ سے کہ مکہ مکرمہ کہتے ہیں جائز نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی اور غلام جس طرح کہ گنہیں بیچے جاتے ہیں اور غلام سزا بنائے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جناب رسول خدا صلعم میں خواجہ سرا و معین ہیں یہی بدعت خلاف شرع ہیں اور جو مسلمان پیچھے کے پھوٹے اور دل کی آنکھوں کے اندھے اُن کو اچھا جانتے



ہیں محض جاہل ہیں۔ روضہ مطہر رسول خدا صلعم پر خواجہ سراؤں کا ستعین کرنا میری انست میں ایسی بے ادبی ہے کہ اُس سے زیادہ اذ کوئی بے ادبی نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلمون مذاہب +

### عقیدہ بست و ششم

آیت خلق سبع سموات طباقا سے مراد سات آسمان نہیں ہیں بلکہ وحدت علوم جدیدہ کے خلاف ہے۔ یہ اعتقاد جناب سید الحلیم کا میرے اعتقاد میں تو علوم جدیدہ بالکل اُس آیت کے مطابق ہیں +

### عقیدہ ہفتم

جو ترتیب پر انشراح انسان کے نطفہ سے تھ تک قرآن شریف میں وارد ہے اور مفسرین نے معنی اس کے بیان کیے ہیں وہ علوم جدیدہ کے خلاف ہے لہذا ناقابل تسلیم ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ میرا تو یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ وارد ہے وہ بالکل تشریح اور علوم جدیدہ کے مطابق ہے مگر مفسرین نے اُس کے معنی بیان کرنے میں غلطی کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سید الحلیم خدا کو اور مفسرین کو یا پیغمبر صلعم کو اور مفسرین کو ایک مرتبہ میں سمجھتے ہیں اور اس لیے قرآن اور تفسیر میں کچھ فرق نہیں کرتے +

### عقیدہ ہشتم

منفقہ کی حرمت قرآن میں منصوص نہیں ہے لہذا حلال ہے۔ لعنت اللہ علی قائلہ و علی معتقدہ۔ بیعت اس واسطے کہی ہے کہ اس عقیدہ میں جو عام لفظ بیان کیے ہیں وہ کذب اور اہتمام ہے۔ میرا اگر اعتقاد نہیں ہے کہ منفقہ حلال ہے۔ یہ بھی نہیں نے نہیں کہا کہ حرمت منفقہ منصوص نہیں ہے صرف ایک خاص آیت کے منوں میں بحث کی ہے کہ اس خاص آیت میں منفقہ منفقہ کی حرمت منصوص نہیں ہے اسکا ہی مثال ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ آیت کریمہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں حرمت زنا منصوص نہیں اور اُس شخص کا عقیدہ جناب سید الحلیم

یہ قرار دیں کہ اس کے عقیدہ میں ناکی حرمت قرآن میں مخصوص نہیں ہے جناب سید الحاج کو شکلا  
پر اتمام کرنے میں خدا کا بھی ذکر کرنا چاہیے ۛ

## عقیدہ بست و نہم

ایک سے زیادہ ازدواج منع ہیں۔ لعنت اللہ علی ثانیہم و علی معتقدہ ۛ

## عقیدہ سیام

مرحاج جہانی بے اصل ہے صرف خواب میں مسجد انصاری نظر آئی تھی ذکر ہیج۔ اور شق صدر  
اس حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی بے اصل ہے۔ ضد سے ایک شخص دوسرے کی بات کو لگا ذکر  
اور صلیت چھپا کر دوسرے پر یہیں بیان کر سکتا ہے۔ اصل اس کی صرف اتنی ہے کہ نسبت مرحاج جناب  
رسول خدا صلعم کے تین مذہب ہیں۔ اول۔ مذہب حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کرام  
کے قائل ہیں کہ مرحاج روحانی تھی نہ جہانی ۛ

دوسرا۔ مذہب چند اکابر دین کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مرحاج بیت المقدس تک جہانی  
تھی اور وہاں سے ملار اعلیٰ تک روحانی ۛ

تیسرا۔ مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام مرحاج جہانی تھی ۛ میری رائے ہے کہ جہان  
اس مسئلہ پر اور قرآن مجید و احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہ صدیقہ کا ٹھیک اور  
درست معلوم ہوتا ہے وہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس شخص اس معاملہ میں جو الفاظ  
طنز میری نسبت کرتا ہے وہ حقیقت حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کی نسبت کرتا ہے  
جب کہ وہ مذہب ہے ۛ

شق صدر کی نسبت بھی چند مذہب ہیں بعضوں کا قول ہے کہ پانچ دفعہ شق صدر واقع ہوا  
اکثروں کا قول ہے کہ ایک دفعہ ایام طفولیت میں واقع ہوا۔ پادریوں نے ان روایات ضعیفہ  
معتبرہ کی بنا پر یہ استدلال کیا ہے کہ نوزائیدہ آنحضرت صلعم کو صرع کی بیماری تھی اور حالت صرع میں  
جو کیفیت واقع ہوتی تھی اسی کو پادریوں نے شق صدر تعبیر کیا ہے۔ میں نے ان تمام روایات  
کی بقدر اپنی طاقت کے تحقیقات کی اور معلوم ہوا کہ وہ روایتیں محض نامتبرہ تیسرا مذہب معتقد  
کا یہ تھا کہ واقعہ شق صدر ایک جزو ہے ان تمام واقعات کا جو شب مرحاج کو واقع ہوئے تھے یہی

روایت میرے نزدیک صحیح و متبرقی یہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔ پس اب جناب سید الحاج اپنے دل کے بھارات نکالنے کو جو چاہیں سو لکھیں۔ خدا اُن سے سمجھے گا۔ اور جو کہ وہ لوگ حال جاننے والا ہے۔ اُسکے سامنے یہاں کسی کی پیش نہ جاویگی بیش اپنے اعمال نیت کی ضرورت یا سزا پاؤں گا۔ اور جناب سید الحاج اپنے اعمال نیت کی ضرورت یا سزا پاویں گے۔ نہ وہ سیری قبر میں سوویں گے نہ نیش اُن کی قبر میں سوؤں گا۔ پس اتنی بات کو جتنا وہ چاہیں بڑھا کر لکھیں +

مجھے امید ہے کہ جو کوئی یہی اس تحریر کو دیکھے گا تعجب کرے گا کہ جناب سید الحاج نے کیوں ایسے سخت اور محض غلط بہتان مجھ پر کیئے ہیں۔ مگر ظاہر اُسکے دوسبب معلوم ہوتے ہیں۔ اول صرف اُس خیالی اور بے اصل خوشی کا حاصل کرنا کہ لوگ جناب سید الحاج کو کہیں کہ وہ کیا مسلمان ہیں۔ حضرت مسلمان عالم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب بدایوں میں تشریف لجاتے ہیں گئے تو وہ چاہے محلہ کے آدمی اُن کرکتے ہیں گے کہ وہ کیا لکھا ہے اور جناب سید الحاج خوش ہوتے ہونگے۔ مگر سبب یہ ہے کہ جناب سید الحاج نے جب یہ رسالہ لکھا ہے قریب اُسی زمانہ کے حج کو تشریف لجانے والے تھے۔ اُنہوں نے خیال کیا ہو گا کہ اُدھر حج کو جاتے ہی ہیں۔ جتنے گناہ کرنے ہیں سب کر لیں۔ حج کے بعد تو سب پاک ہو ہی جاویں گے۔ جیسا کہ بعض آدمی جب مسہل لینا چاہتے ہیں تو خوب بد پرہیزی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسہل سے سب نکل جاوے گی۔ مگر جناب سید الحاج کو معلوم کرنا چاہیے کہ حج و زیارت میں جو بشارتیں آپ کو ملی ہوں ملی ہوں۔ اور جو خطا آپ کو ظاہر ہو جن کا تذکرہ آپ دن رات فرمایا کرتے ہیں اور حج سے آپ کے سب گناہ سناٹ ہو گئے ہوں۔ اور شبلی و جنید کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہوں بلکہ اُس سے بھی اعلیٰ۔ مگر حق العباد کبھی نرج سے بخشے جاتے ہیں اور نہ کسی بشارت سے۔ پس آپ نے جو اہتمام مجھ پر کیئے ہیں جب تک میں ہی نہ معاف کروں معاف نہیں ہو سکتے۔ پس تم قضا ئے ایمان داری یہ ہے کہ آپ حج و عمرہ کا احرام باندھیں اور گناہوں کی معافی چاہیں ورنہ روز جزا کو آپ کو اپنی کوتاہیوں کا غرہ معلوم ہو جاوے گا۔ واللہ ہمہدی من یشاء الی صراط المستقیم +

شہ

تحقیق معنی من تشبہ بقوم فہو منہم  
امیر الامراء افتخار العلماء ستیز خیر الدین احمد وزیر سلطنت کونسل نے جناب ایت عمہ کتاب

اقوام المسالک عربی زبان میں لکھی ہے جس پر دہاں کے بڑے بڑے علماء کی تقریظیں جمی ہیں اور اُس کا ترجمہ اہل جناب خلیفہ ستیہ محمد حسن خاں بہادر وزیر ریاست پٹنہ کی عالی ہمتی اور فیاضی کی وجہ سے اردو میں سب سے بہ نظم المعالک چھپا ہے اُس میں ہم ایک مختصر تقریر سید خیر الدین احمد صنف اہل کتاب کی جو تشابہ کے باب میں انہوں نے لکھی ہے نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

دوسری بات جو اس تالیف کا باعث ہے اُن غاذل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو صرف اس خیال سے اختیار نہیں کرتے کہ وہ ظاہر اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اس غلط خیال کا منشا یہ ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جائے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تباہی رگت سے متعلق چوں یہاں تک کہ وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو بھی پڑھنا پڑا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اس لئے کہ جو کام فی نفسہ اچھا ہو اور ہماری عقل بھی اُس کو تسلیم کرنے خصوصاً وہ کام جبکہ کو بھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُس کو ہم سے ہی اڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے یا اُس کے چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کی عہد راتد میں تھا تو ہم کو ایسے کام کے پھر چل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیے اور گویہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی ذہنی باتیں بھی بری ہو جائیں یا جو کام کہ مصالحت ملکی کے لحاظ سے اُس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہم کو اُن کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع ہو۔ دیکھو فوٹنگیوں کا ہمیشہ یہ یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اُس کے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور تیزی کے اس رتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک پر کھئے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اُس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی قول جو یا فعل جو اُس کو نظر امتیاز سے تاثر کر جائے اور اگر اُس کو اچھا دیکھتے تو فوراً انہی کے ادراک سے اُس کو بہت سمجھے گو اُس کا موجد دین میں تھا جو ہر جگہ اُن کے

حق بات کچھ لوگوں سے نہیں پہچانی جاتی بلکہ لوگ بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمانوں کے لیے منبر لگم شدہ چمکنے ہے جہاں کہیں اسکو پادے فوراً لیلے ۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس عمارہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خندقیں کھودیں تاکہ مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قل کی خوبی کی طرف دیکھو قاتل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیرت کے لوگوں سے علوم منطق کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اسکے رواج کو مستحسن چاہا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو کیا علم اس کا کچھ ہے تو پھر ہم کو کس چیز سے منع کر دیا ہے کہ ہم اس زائد میں غیرت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کارآمد دیکھیں ان کو زیادہ کر لیں اور جن باتوں کی طرف ہم کو مکاریہ اعدائے محفوظ رہنے اور صدمہ مانفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو ان کو اختیار نہ کریں مکتاب سنن المستدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت منوع ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں اور جن باتوں کو غیرت کے لوگ حائق طریقہ مندوب یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں ان کو ہم صرف اس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے کہ غیرت کے لوگوں کا بھی ان پر حلال آمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہم کو غیر قوم کے ساتھ ان باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درختا میں علامہ شیخ محمد بن عبد بن کھنقی نے تو یہاں تک توجہ فرمایا لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر ان کے کرنے میں ہم کسی غیرت قوم کے ساتھ مشابہ ہو جائیں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تقبص کی بات یہ ہے کہ جو لوگ فرنگیوں کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں ان کے حق میں مضر ہیں ان میں مان کی مشابہت سے کھلان کو انکار نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ میرے فرنگیوں کا بنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں اور انہیں کل اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور انہیں کے تیار مادہ قدرت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر ان چیزوں کو ان کی تدبیروں سے کام میں لانے سے بڑا بہتہ نہ کہتے ہیں

حالانکہ ان باتوں سے پرہیز کرنے میں ان کے ملکی انتظام اور ملکی ترقی دونوں میں بڑا نقصان اور غلامی پڑتی ہے اور وہ غلامی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے اور گویا اس سبب سے ہی ان میں ایک عیب رہتا ہے اس لیے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اس قوم سے بہت درجہ ہیں اور ان کی ملکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنی ملک کی پیداوار وغیرہ کے ثمر سے نفع نہیں اٹھا سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اس سے بھی مقصود ہے اور تصدیق الکی ہمارے اس شاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صنایع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روٹی بوتے ہیں یا کپڑوں کی اوٹن تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر اس پر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی روٹی اور اوٹن وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت پر فرشتگیوں کے ماتھے پر ڈالتے ہیں اور جب ایسی روٹی اور اوٹن سے وہ لوگ تھوڑے عرصہ میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم کے لوگ جنہوں نے ان کو روٹی دی تھی انہیں کو چوکنی قیمت دیکر کبیرا خریدتے ہیں عرض کر کہو اپنے ملک کی اصلی پیداوار کی قیمت مل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے کچھ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی ہے اور اس بات کا اندازہ کریں کہ انے والی چیز کا بیج اور جانے والی چیز کی آمدنی ساوی ہے تو یہاں تک تو گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب کہ جانے والی چیز کی قیمت کم ملی اور آنے والی چیز کی قیمت چار چنندو سی بڑی تو یقین کر لو کہ ایسا ملک کس نہ تبا ہوا کل تباہ ہو گا۔

سحر

## جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے

اس مثل کے دوسرے جملہ سے تو ہم کو بحث نہیں ہاں پہلے جملہ سے بحث ہے۔ کیا سچ منج بیات برحق ہے کہ جادو برحق ہے؟ آؤ اس کی تحقیق کریں اور دیکھیں کہ ٹھیک اسلام کی رو سے کیا بات ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جناب سرور انبیاء وغیرہ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کر دیا تھا



ادب پھیل کر سچ ہونے میں شبہ پڑتا ہے کیونکہ اگر یہ سچ نہ ہوتا تو کوئی بھی جادو کو نہ مانتا۔ بڑا حال جب یہ ہمارے یہ باتیں سنتے ہیں تو ہکودور دور کرتے ہیں۔ یعنی مہذب و نیک آدمی یوں فرماتے ہیں کہ قد اعتدل عنا جس کی تاویل ہم یوں کرتے ہیں اے عن صراط المعجود۔  
 وہ سُنی مسلمان جن کو لوگ معتزلی کہتے ہیں وہ جادو کے منکر ہیں اور پیغمبر خدا صلعم پر جادو ہونے سے تو نہایت سخت انکار کرتے ہیں جب ان سے کہتے ہیں کہ میاں بہت سی حدیثیں اصرار و تہیں سحر کے بڑی ہونے میں آئی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ جو دلیلیں سحر کے غلط ہونے میں ہیں وہ تو یقینی ہیں اور روایت احاد ظنی ہے اور اس لائق نہیں ہے کہ یقینی کا مٹا کر مٹا کر سکے۔  
 خیر یہ تو ایک تمہید تھی۔ ہم تو اس بات کی تفتیش میں ہیں کہ کھٹ مذهب اسلام میں جادو کی کچھ اصل ہے یا نہیں؟

سحر کے معنی جس کو ہم اپنی زبان میں جادو کہتے ہیں عربی لغت کی کتابوں میں یہ لکھے ہیں کہ جو دقہ کسی لطیف و دقیق امر سے ہوا ہو اور اس کے ہونے کا سبب پوشیدہ ہو وہ سحر ہے۔  
 ان لغوی معنوں پر خیال کر کہ بعض عالموں نے سحر کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔  
 اول بذر یونہی کو اکب کے۔ اس قسم کے جادو گردوں میں سے بعض تو یہ سمجھتے تھے کہ افلاک و کوکب فی نفسہ واجب الوجود ہیں اور اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یہی کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے تھے کہ وہ فی نفسہ نہ تو واجب الوجود نہیں ہیں مگر مبداء اول سے جو تغیرات عالم میں ہوتے ہیں یہ کوکب و افلاک ان کا واسطہ ہیں اور فاعل تام کو منفعل تام سے ملادیتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ جب فاعل تام منفعل تام سے مل جادو کیا تو بالضرور فعل تام ظاہر ہوگا۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ افلاک و کوکب اگرچہ مخلوق ہیں مگر ان میں جان اور عقل و سمجھ ہے اور ان کو اس عالم میں نیک و بد کرنے کا بالکل اختیار ہے۔ پس ان تینوں عقیدوں کے جادوگر بذر یونہی و بذر یونہی کے کوکب کی تسخیر میں مشغول رہتے تھے تاکہ کوکب کو جو مدبر عالم ہیں اپنا تابع کر لیں اور جس کسی کو قتل کرنا چاہیں تو کھدیں کہ قتل یا ہرنیم اور مینغی فی الفود اسکو مار ڈالے اور اسی طرح جس کا بھلا کرنا چاہیں بھلا کر دیں۔ اور جس پر سے آفت و سختی نالنی چاہیں نالیں۔ اور جس کو جس مرض میں چاہیں مبتلا کر دیں پھر وہ کسی طبیب کے علاج سے اچھا ہو سکے اور اسی میں ریگ ریگ کر مر جاوے۔

مگر اس مقام پر اتنی بات سمجھنی چاہیے کہ نجوم و جادو میں جو بذر یونہی کو اکب ہوتا ہے فرق ہے



منجم تو صرف یہ بتاتا ہے کہ فلان شخص کے طالع میں فلان کوکب تھا اور اب جو کوکب ولس و فلب  
فلان فلان مقام پر پائے ہیں تو اب اس پر فلان آفت آوے گی یا یہ راحت پہنچے گی یا اس وقت پر  
فلان کام کرنا حسب مقصود ہو گا یا سفر اچھا ہو گا پس نجومی گویا آیندہ کی باتوں کی لحاظ تاخیرات  
کو کب خبر دیتا ہے مگر کوئی امر نسبت تخریر کو کب نہیں کرتا اور نہیں بتاتا اس لیے وہ صرف بہم  
ہے اور جا دگر نہیں مگر جب کہ وہ اس آفت کے دفع ہونے کو کوئی عمل کرے یا پاٹ کرے یا ٹپٹ  
پٹے سے تو وہ بھی بذریعہ تخریر کو کب کے منجم کے سوا ایک جا دگر بھی ہے جیسا کہ ہندو پندتوں  
جو دشیوں کا اکثر دستور ہے +

دوسری قسم جا دگی وہ باتیں قرار دی ہیں جو خیال اور وہم اور نفس انسانی کے ذریعے مخلوق  
میں آتی ہیں یعنی اس قسم کا جا دگر اپنے نفس انسانی میں اور قوت داہمہ و خیال میں بذریعہ شوق اور  
ورزش اور مجاہدات کے غیظ طاعت ہم پہنچا لیتا ہے کہ دوسرے شخص پر جس طرح اثر ڈال سکتا ہے اور اس پر  
شخص کو دہم گویا مغلوب کر دیتا ہے چونکہ حقیقت موجود نہیں وہ سکونی الواقع موجود معلوم ہوتی ہے اور یہ بات  
ہر شخص کو اور ہر قوم و مذہب کے آدمی کو بقدر قوت و طاقت اس کے نفس انسانی کے حاصل  
ہو سکتی ہے اس قسم کے سحر سے ساحر صحیح و سندرست آدمیوں کو بیمار اور بیماروں کو صحیح و سندرست  
کر سکتا ہے جملے چنگوں پر خواب غلطی میں مبتلا کر سکتا ہے +

تیسری قسم جا دگی وہ باتیں قرار دی ہیں جن کا ہونا بااستحانت ارجح خیال کیا گیا ہے کہ  
قسم کے ساحر یقین کرتے ہیں کہ علاوہ مخلوقات موجودہ محسوسہ کے زمین پر ارجحیں بھی ہیں اور وہ  
جو اہر قائمہ بالذات ہیں نہ تو وہ تخیل میں اور نہ کسی تخیل میں حلول کی ہوئی ہیں اور وہ اپنے افعال پر  
قاد ہیں اور عالم و مدک لجزئیات ہیں اور انسان میں حلول کر کر نفس انسانی یا نفس حیوانی میں مل  
سکتی ہیں +

اسی قسم کی ارجحوں میں وہ لوگ جن دہری کو بھی شامل کرتے ہیں اور ان میں سے جو نیک  
یعنی بے شر ہیں ان کو مسلمان اور جو شر ہیں ان کو کافر ٹھہرتے ہیں مگر معجزاتی جن کے وجود  
کے بھی قائل نہیں ہیں +

اسی قسم کی ارجحوں میں وہ بعض انسانوں کی ناپاک ارجحوں کو بھی شامل کرتے ہیں اور  
عبودیت کو بھی انہی میں سمجھتے ہیں سو وہ بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ ارجحیں اشکال مختلفہ میں  
بھی بالاحول کسی دوسرے جسم کے ظاہر ہو سکتی ہیں اور لوگوں کو خوبصورت یا ہیبت ناک شکل میں

دکھائی دیتی ہیں یہی اُس قسم کے ساحر بذریعہ اعمال اور پُربہت اور خوشبو جلانے کے اُن کی تسخیر کرتے ہیں ۛ

یہی سمجھنا چاہیے کہ مسلمان عامل بھی ایسی قسم میں داخل ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ بعض سفلی ارفاعوں کے علوی ارفاعوں کو مسخر کرتے ہیں اور ایسی سبب سے اُن کے منتہوں اور پُربہتوں میں بڑے بڑے فرشتوں جبریل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل کے نام ملتے ہیں اور اپنے تئیں علوی عامل اور دوسروں کو سفلی عامل قرار دیتے ہیں لیکن اگر سچ پوچھو تو نہ کالی جلی نہ سفید ۛ

چوتھی قسم محرکی وہ قرار دی ہے جو خیال یا نظر یا حس کی غلطی سے ایک اور دوسری حالت پر بُوسکی اصلی حالت سے عجیب تر ہے دکھائی دیتا ہے جیسے کہ بجان حتی گوئیوں کے اڈانے یا ایک بڑے سے دوسرے بڑے میں لگانے یا ایک گولی میں سے دوسری گولی بنانے میں کرتی ہے یا بنیٹی شکل کو چکر کو دکھاتا ہے یا قلعہ پیر کے کمرہ میں پردوں کے لگانے سے دریا و سمندر و جہاز و پہاڑ و کوسوں کا جنگ دکھائی دیتا ہے و علیٰ ہذا القیاس ۛ

پانچویں قسم محرکی وہ امر قرار دیے ہیں جو بذریعہ صنائع و اعمال ہندسیہ و جبرئیل کے ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ ایک آدمی ہزاروں بن بوجھ کھینچ لیتا ہے یا گھڑی اپنے آپ چلتی ہے وقت پر کبھی اُس میں سیر یا نکلتی ہے جتنے بجے ہوں قتنے فوائد خوش دہائی ہوتی ہے پھر چلتی ہے اور پھر چھٹ اپنے گھنٹے میں ٹپکتی ہے انگریزی کھانوں میں طرح طرح کے عجائبات ہوتے ہیں۔ چڑیاں اُڑتی ہیں۔ چھپاتی ہیں۔ ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر جا بیٹھتی ہیں۔ پانی بہتا ہے۔ چڑیاں اُس میں پانی پی رہی ہیں۔ بلبے والے باجا بجاتے ہیں۔ آنکھیں اور گردن ہلاتے ہیں۔ ناچنے والے تال و سم پر ناچتے ہیں۔ لڑنے والے لڑتے ہیں۔ دونوں طرف سے سوار نکلتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مارتا ہے۔ بگل و لال بگل بجاتا ہے اور طرح طرح کے کرتب دکھاتا ہے جس سے بڑے بڑے شخصوں کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے جناب مولوی صاحب قبلہ تو خوب غور کرنے و کان لگا کر سُنے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ واللہ فیہ دو دو دیکھیں بعض عاملوں کی یہی رائے ہے کہ ایسی بات کو سمجھ میں داخل کرنا نہیں چاہیے کیونکہ اُس کے باب معلوم ہیں۔ مگر میں دست بستہ اُن کی خدمت میں عرض کرنا نہیں کہ جناب جن کو آپ اب تک سحر سمجھ رہے ہیں اُن میں سے بھی بہت سوں کے باب معلوم ہو گئے ہیں ۛ

چھٹی قسم محرکی وہ امر قرار دیتے ہیں جو بذریعہ خواص ادویہ کے نوہر کی تہ ہیں مگر اگلے زمانہ میں یہ باتیں بہت کم معلوم تھیں جب سے کہ حکم کیسا یعنی کٹھری کو ترقی چوٹی اُس وقت تھے بہت ہی

عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ سچ ہے اگر جناب مولوی صاحب دو ہواؤں میں سے پانی  
بہتا ہوا دیکھیں جس سے وضو بھی کر سکیں روزہ بھی کھول سکیں اور ضرورت ہو تو نہا بھی سکیں  
تو وہ بچا ہے اُسکو جادو نہ کہیں تو اور کیا کہیں ؟

ساتویں قسم سحر کی وہ باتیں ہیں جن کا ظہور میں لا نا بذریعہ تاثیر اسما کے بیان کیا جاتا ہے۔  
اس قسم کے ساحر خیال کرتے ہیں کہ بت سے الفاظ اور اسما کے لیے ٹوکل ہیں اور ان اسما کو  
طریقہ مخصوصہ تعداد معینہ اور پرہیز مقررہ سے پڑھنے اور ان کی ذکات دینے سے وہ ٹوکل اُسکے  
تابع ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے زبردست ہیں کہ بھوت پلیت - دیو - جن - پری اور آسمان زمین  
اور جو کچھ کُن میں ہے سب اُسکے تابع ہیں پس جب وہ ٹوکل اس ساحر کے جسکو عامل بھی کہتے ہیں  
تابع ہو گئے تو وہ سب چیزیں قلم ہو گیا۔ جنوں کو شیشہ میں بند وہ کر لیتا ہے۔ بیاروں کو وہ  
اُتار کر دیتا ہے۔ دندہ جانوروں کو وہ فرماں بردار بنا لیتا ہے۔ کتوں میں سے پینے کو پانی اُبال  
لیتا ہے۔ پھر کوئی "یا بدتھو" کا عمل جانتا ہے اور کوئی "یا ہو" کا اور جب کو اسم اعظم معلوم ہو گیا پھر سکا  
تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ؟

جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو بطور عمل کے پڑھتے ہیں اور کسی میں مسحت نذق کی اور کسی میں کشود  
کار کی اور کسی میں شفاء امراض کی تاثیر سمجھتے ہیں وہ بھی قریب قریب نہیں کہ ہیں۔ قرآن مجید کی کئی  
آیت یا سورۃ میں اس قسم کی تاثیر نہیں ہے نہ قرآن مجید کوئی عملیات کی کتاب ہے نہ ان کاموں کے  
لیے نازل ہوا ہے۔ وہ تو سب محاسن احاطہ کا کلام ہے اور اس لیے نازل ہوا ہے کہ لوگ اُس سے  
نصیحت پڑیں اور جو احکام اُس میں ہیں اُن پر عمل کریں ؟

آٹھویں قسم سحر کی لگائی جاتی ہے کہ ادھر کی بات ادھر جا کہی اور ادھر کی ادھر۔ دو ایک باتیں  
اپنی طرف سے ملا دیں دوست کو دشمن کر دیا اور دشمن کو دوست۔ آپس میں دوستوں کے بیچ ڈکولیا  
جو رخصتم کو چھوڑ دیا۔ بھائی بھائیوں میں۔ باپ بیٹوں میں رنج کر دیا۔ بلاشبہ ان مانتے لوگوں  
میں یہ ایک نہایت چلتا ہوا عمل ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں ؟

یہ تمام اقسام لمحاظ لغوی معنی سحر کے تمام بحر میں داخل کیئے گئے ہیں۔ ورنہ قسم چہارم و پنجم  
و ششم و ہفتم میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر طلاق سحر کا بمعنی عرفی ہو سکے۔ قسم دہم و ہر  
سحر کا اطلاق بمعنی لغوی یا مجازاً بمعنی عرفی ہو سکتا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اس قسم کی باتوں پر بھی  
سحر کا اطلاق ہوتا تھا ورنہ حقیقت وہ بھی سحر نہیں ہے بلکہ ایک نعل خجل افعال قہائے انسانی کے ہے

جیسے کہ قسم ششم بذریعہ خواص اور کے ہے قرآن مجید میں صرف اسی قسم کے افعال پر اطلاق سحر و جادو عرف عام ہوا ہے :

البتہ قسم اول و سوم و ہفتم اگر صحیح ہو تو سحر بمعنی معنی ہے کیونکہ عرف عام میں جادو یا کسی کو کہتے ہیں جس سے بلا تعلق کسی مادہ کے صرف بذریعہ تسخیر کو کسب یا ارواح و ہمارے اور بغیر کسی وسیلہ قدرتی کے بطریق غرق عادت بلکہ برخلاف نیچر یعنی برخلاف قانون قدرت کے کوئی امر ظہور پذیر ہوا اور فی الواقع ایسا ہی ہوا جو اسے جیسا کہ ظہور میں آئے۔ مثلاً ہم قلم کو کہیں کہ گھوڑا ہو جا۔ وہ چمچ کا گھوڑا ہو جاوے۔ اگر کوئی آڑنا چاہے تو حقیقت وہ ہوا میں اڑتا پھرے اور اگر کسی کو گدھا بنانا چاہے تو حقیقت وہ گدھا بن جاوے گو قانون قدرت کیسا جلی اس کے برخلاف ہو پس ہم ہر حجر کے برقی ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس کو بے اصل بتلاتے ہیں تو انہی میں قسم کے سحر کو بے اصل و مجھوٹ بتلاتے ہیں اور عرف عام میں انہی تینوں قسموں پر حقیقتاً اطلاق سحر کا ہوتا ہے اور قسم ثانی پر صرف جادو اور باقی قسموں کو عرف عام میں کوئی شخص سحر نہیں کہتا۔ پس اس آرٹیکل میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان تمام مثلاً سحر کی اصلیت اور واقعیت کا ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ ان پر یقین رکھنا ٹھیک مذہب اسلام کے برخلاف ہے اور جو کہ یہی تین قسمیں اگر صحیح ہوتیں تو حقیقتاً سحر ہوتیں مگر جو کہ وہ بے اصل ہیں اس لیے ہم سحر کے منکر ہیں :

قرآن مجید میں بہت جگہ لفظ سحر و ساحر و سحر آیا ہے اور اکثر جگہ کفار کی زبان سے وہ لفظ نقل کیا گیا ہے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے کاموں کو جادو اور اُدُن کو جادوگر اور اُدُن کی ہندو نصیحت کی باتوں کو ایسے شخص کی باتیں جس پر جادو کر دیا گیا ہو اور وہ نواد بے سرو پاتیاں بکا کرے کہا کرتے تھے پس اس طرح پر کفار کا قول نقل کرنے سے سحر کا حق ہونا لازم نہیں آتا۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ کیا اگر کہتے ہیں یا یہ کرتے ہیں تو اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کیا معنی سونا چاندی بنانے کے حقیقت صحیح و برحق ہے بلکہ اس سے صرف اتنا مطلب ثابت ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کا وجود ہے جو اپنے تئیں کہیں کہتے ہیں اور وہ ایک کام کرتے ہیں جس کو کہیں جانا کہتے ہیں اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ کام بھی ایسا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ نہ انہی کے قرآن مجید میں ایسے لوگ موجود تھے جو ساحر کہلاتے تھے اور وہ ایسے افعال بھی کرتے تھے جن کو وہ سحر سمجھتے تھے پس قرآن مجید میں سحر و ساحر کا ذکر ہونے سے ایسے اشخاص اور اُدُن کے افعال کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ سحر کے برحق ہونے کا۔ مان بعض تمام ایسے ہیں جہاں بعض واقعات کا سحر سے وقوع میں آنا مذکور

ہوا ہے۔ اسی کے بیان پر ہر کو متوجہ ہونا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ واقعات کس قسم کے ہیں اگر وہ ایسے ہیں جن کا ظہور بذریعہ تاثیر قوت نفس انسانی ہوا ہے تو درحقیقت وہ سحر نہیں ہے بلکہ بطور عرف عام یا غلط عام جیسا کہ کفار کہتے تھے اُسے اطلاق لفظ سحر کا ہوا ہے اور اگر وہ اُن قسم کے واقعات ہیں جو اقسام سہ گانہ سحر سے علاوہ رکھتے ہیں جن سے ہم منکر میں تو ہوں مگر کسی توجہ سے بیان کرنی یا تاویل کرنی ضرور ہوگی مگر ہمارے نزدیک قرآن مجید میں تاویل جائز نہیں ہے۔ بقول شمس -

باب درنگ خال خط چہ حاجت رُوئے زیبارا

اس بیٹے ہم نہایت استحکام سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی واقعہ ایسا مذکور نہیں ہے جو اقسام سہ گانہ سحر مذکورہ بالا سے علاوہ رکھتا ہو +

بڑے سے بڑا قصہ سحر کا جو قرآن مجید میں مذکور ہے وہ قصہ موسیٰ اور فرعون کے ساحروں کا ہے مگر اس میں کچھ بھی اشارہ اُن اقسام ثلاثہ سحر کی نسبت نہیں ہے جن کے برحق ہونے کو ہم حق سمجھتے ہیں۔ اس قصہ میں جو کچھ بیان ہے وہ نفس انسانی کی قوت کا ظہور ہے اور اس وجہ سے کہ اُس زمانہ کے کافر اس کو بھی سحر کہتے تھے قرآن مجید میں اُس پر لفظ سحر کا اطلاق ہوا ہے ورنہ درحقیقت وہ اس وجہ فرعون کے ساحروں نے کیئے اور جو امر کہ حضرت موسیٰ نے کیا وہ ظہور قوت نفس انسانی کا تھا مگر جو کہ انبیاء علیہم السلام میں از روئے خلقت کے وہ قوت اقویٰ ہوتی ہے اس لیے حضرت موسیٰ سحر و فرعون پر غالب آئے تو فرعون نے یہی کہا کہ "انہ لکبیر کما لانیج حاکمہ السحر" یعنی موسیٰ تمہارا گرد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے +

نفس انسانی میں ایسا ایسی قوت برقی اور فضا طبعی موجود ہے جو خواہش پر اوّلئس کے خیال پر اور دوسروں پر اور دوسروں کے خیال پر اثر کرتی ہے اس کے اثر متحد طرح پر ہوتے ہیں اُن میں سے یہ بھی ہے کہ شے غیر موجود حقیقتاً موجود معلوم ہوتی ہے۔ خواب میں آدمی تمام چیزوں کو جو اس نے خواب میں نہیں ہیں حقیقتاً موجود سمجھتا ہے حالانکہ کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ کبھی اپنے تئیں خواہش اُڑتا ہوا جانتا ہے اور کبھی جہاز میں اور کبھی پل میں اور کبھی گھوڑے پر اور کبھی پدیل کو سوں کا سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے اور حقیقت میں وہ پٹنگ پر چادہ اوٹھ سے ٹپا ہوتا ہے زیادہ عجیب ہے کہ خواب میں اُس کو دن ہوتا ہے ملت ہوتی ہے تو بربس کا زمانہ خواب میں گند جاتا ہے مگر اس کو سوتے ہوئے گھڑی دو گھڑی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جاگتے میں بھی کبھی اُس کا

ایسا حال ہو جاتا ہے کہ شے غیر موجود کو علانیہ موجود دیکھتا ہے۔ نیز بڑے مقدس لوگ نہایت شوق و استغراق سے حبیب عہد کا چاند تلاش کرتے ہیں تو کبھی اُن کی آنکھوں کے سامنے چاند کی چمک بھر جاتی ہے اور بعضی نعمت آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے ہلال کی صورت جم جاتی ہے حالانکہ حقیقت وہ موجود نہیں ہوتی اور یہ دونوں باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ خود اپنے آپ پر اُس قوت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض مجنون آدمی اُن لوگوں کو جن کا اُن کے دل میں خیال یک گیا ہے اپنے سامنے کھڑا دیکھتا دیکھتے ہیں اور مثل شخص موجود کے اثر سے سوال جواب کرتے ہیں اور اُس کے سوالات اور اُسکی باتیں اُن کو نسانی دیتی ہیں حالانکہ کوئی شے موجود نہیں ہوتی اور یا اثر اُسی قوت نفس انسانی کا ہے جو بسبب وقوع امورات عظیمہ طبی کے ایک طرف مائل ہو گئی ہے۔

دوسروں پر نفس انسانی کا اثر پڑتا تو ایسا دیدی ہے کہ جب چاہو اُس کا تجربہ ہو سکتا ہے یہ قوت شوق اور مجاہدہ سے قوی بلکہ قوی ہو جاتی ہے اور بعضوں میں فطری قوی ہوتی ہے اور اُن کے خیالات اُن کو مٹی ہوتے ہیں یہاں تک کہ جس موعے ہوئے شخص کا وہ خیال کرتے ہیں اُس کی صورت خیالی بسکودہ موعے کی طرح سے تعبیر کرتے ہیں اُسی زرق برق کے لباس سے جو وہ مردہ پہنتا تھا اُن کے سامنے مٹی ہوتی ہے اس قوت نفسانی کا اثر دوسرے شخص پر چھوٹنے سے دم نالینے سے ہونک لینے سے لگا لگھورنے سے توجہ ڈالنے سے منتقل ہوتا ہے اور علمی اصطلاح میں اثر ڈالنے والے کو عامل اور جس پر اثر ڈالا گیا ہو اُسکو محمول کہتے ہیں اس قوت کا ایسا قوی اثر ہے کہ محمول کی تمام طاقت اور تمام ارادہ اور خیال بالکل عامل کے تابع ہو جاتا ہے عامل جس غیر موجود چیز کو کہتا ہے کہ ہے محمول اپنے خیال میں اُسکو دائمی موجود سمجھتا ہے اور کچھ چیزیں حالت طاری ہو جاتی ہے جو صورت دائمی موجود ہونے اُس شخص کے ہوتی اور جس موجود شے کو عامل کہتا ہے کہ نہیں ہے محمول اُسکو یقیناً جانتا ہے کہ نہیں ہے یہاں تک کہ اگر عامل محمول کی کسی قوت کو کہتا ہے کہ نہیں ہے تو محمول ایسا ہی ہو جاتا ہے کہ گویا درحقیقت وہ قوت اُس میں نہیں ہے۔ جن مردہ شخصوں کا موجود ہونا عامل بیان کرتا ہے محمول اُن شخصوں کی تصریح حاضر موجود دیکھتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ وہ اُن کی ارحاموں کی پیکر ہیں جو قصہ موسیٰ و حمزہ فرعون کا قرآن میں مذکور ہے وہ اسی قوت نفس انسانی کا عہد ہے نہ تو مع کسی اختلاف قانون قدرت کا چنانچہ الفاظ قرآن مجید سے بھی ایسا افسانہ پایا جاتا ہے۔

سورہ ظلمہ میں خدا نے بیان کیا ہے۔ کہ جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو  
 بچا لایا اور ایک خدا کی عبادت کا حکم ملا اور وحی سے القا ہوا کہ تیرے اقصہ میں کیا ہے۔ موسیٰ  
 نے کہا کہ میری لاشی ہے جس کو ٹیک لیتا ہوں اور اُس سے بھیڑوں کو منگاتا ہوں اور انور کام  
 میں بھی آتی ہے پھر وحی سے القا ہوا کہ اے موسیٰ

قال القہا یا موسیٰ فالقاہا فاذا ہی حیۃ  
 قسے قال خذہا ولا تخف سنعد ہا  
 سیرتہا الاولیٰ - سورہ طہ آیت ۲۰-۲۲

اُسکو پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مختصر ہے کہ  
 پھینک دینے کا نتیجہ بھی القا ہوا مگر جو کہ تیرے آگے  
 مذکور ہوا اس لئے بلحاظ بلاغت کلام اس جگہ  
 بیان نہیں کیا) پھر موسیٰ نے اُسکو پھینک دیا

تو وہ یک بیک چلتا ہوا سانپ تھا پھر وحی سے القا ہوا کہ اُس کو پکڑ لے اور دست ڈرہم پھر پہلے  
 ہی سا کر دیں گے :

سورہ نمل میں خدا نے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو بچا لایا کہ  
 جو کچھ آگ میں اور آگ کے گرد ہے اُس کو ہم نے برکت دی ہے پاک اللہ تمام عالموں کا پروردگار  
 اے موسیٰ بے شک تیں خدا ہوں سب پر غالب حکمت والا :

اس کے بعد وحی سے موسیٰ کو القا ہوا کہ اپنی لاشی پھینک دے (یہاں قرینہ کلام مختصر  
 ہے کہ موسیٰ نے لاشی پھینک دی اور وہ سانپ

والنقصان فلما راہا تہتز کانہا جان  
 ولی مدبل ولم یعقب یا موسیٰ لا تخف انی  
 لا یخاف لدی المصلون - سورہ نمل - آیت ۱۰

دکھائی دی) پھر انھوں نے اُسکو دیکھا کہ سانپ  
 کی طرح ہلکتی ہے تو پیٹھ پھر کر بھیجے پٹے اور پھر  
 پلٹ کر رخ نہ کیا القا ہوا کہ اے موسیٰ مت ڈر  
 میرے پاس پیغمبر نہیں ڈر کرتے :

پس ان دونوں آیتوں کے نغضوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لاشی حضرت موسیٰ  
 کو سانپ دکھائی دی تھی اور حقیقت وہ لاشی ہی تھی اور کلمہ سنعد ہا سیرتہا الاولیٰ اور کلمہ  
 کانہا جان سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے علاوہ اس کے جو آیتیں آئندہ مذکور ہونگی ان میں  
 بہت صفائی سے بیان ہوا ہے کہ وہ لاشی سانپ معلوم ہوتی تھی :

کیفیت جو یہاں حضرت موسیٰ پر ظاہر ہوئی یہ اسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر  
 خود ان پر ہوا تھا اور اُس کے بعد جو واقعات ہوئے وہ وہ ہیں جن میں قوت نفس انسانی کا اثر

دوسروں پر ہوا تھا +

جب حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا کہ اُن کی قوت نفس انسانی سے لاشیٰ سانپ دکھلائی جیتی

ہے تو وہ اسکو بطور خدا کی قدرت کے ایک نشانی

کے لیکر فرعون پر اُسے فرعون نے کہا کہ اگر تم

کوئی نشانی لائے ہو تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ

نے اپنی لکڑی ڈال دی تو یکایک وہ لکڑی صاف

اُڑ دھاتی +

فالقی عصا فاذا هی شعبان مبین -

سورہ اعراف آیت ۱۰۴ - سورہ شعرا آیت ۳۱

مفسرین نے اوزیر صاحب تفسیر کبیر نے ان آیتوں کی تفسیر میں یہی قصے اور نکات و دراز کا

لکھے ہیں جیسی کہ عادت مفسرین کی ہے اور

روایات بے سند و اقوال بے سرو پا بھر دیئے

ہیں مگر ایک جملہ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے

وہ غور کے قابل ہے آیت سورہ شعرا کی تفسیر میں

امام صاحب نے لکھا ہے کہ خدا کا جو یہ قول

ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ اگر میں

تجہ کو علانیہ کوئی بات دکھاؤں جب بھی تجھے

قید کر لگا تو یہ کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ لاشیٰ کے

ڈلنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ

اعلم ان قوله اولو جئتک بشئ مبین

یدل علی ان الله تعالیٰ قبل ان یلقی العصا

عرفه بانہ یصیرہا شعبا ناولا ذلک لما

قال ما قاتل فلما لقی عصا لا ظہر ما وعدہ

الله بہ فصلا شعبا مبینا والمعاد انہ تبین

للتاظرین انہ شعبان بحر کاتر و بسیار لعلات

تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۵۲ +

کو بتلایا تھا کہ وہ اُڑ دھا ہو جائیگی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو جو بات حضرت موسیٰ نے کہی وہ نہ کہتے پھر

جب حضرت موسیٰ نے لاشیٰ پھینکی تو وہ حیرت ظاہر ہوئی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا پھر وہ لاشیٰ

علانیہ اُڑ دھا ہو گئی اور علانیہ اُڑ دھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ لاشیٰ دیکھنے والوں کو پہننے سے

اخذ آفہ تمام نشانوں سے اُڑ دھا معلوم ہوئی کہ لفظ تبین للناس یعنی دیکھنے والوں کو اُڑ دھا

معلوم ہوئی قابل غور ہے جو صاف اُسی قوت نفس انسانی کی تاثیر پر دلالت کرتا ہے بجلا یا غفل

تو ایک مفسر کے ہیں جن کی نسبت جو چاہے انکار کرے مگر کلی آیتوں میں غفلت ایسے ہی لفظ

فراستے ہیں جن سے وہی ثابت ثابت ہوتی ہے جو ہم کہتے ہیں +

اس بیان تک دو باتیں معلوم ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجنے پہلے



خدا نے اُن کو بتلادیا تھا کہ اگر تو لاشی پھینک کر کہیگا کہ سانپ ہے تو وہ سانپ یا اژدھا دکھائی دے گی۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت موسیٰ فرعون کے پاس آئے اور خدا کا پسینہ پہنچایا تو فرعون نے اُس کی تصدیق کے لیے کوئی نشانی چاہی۔ ہمارا قول ہے کہ معجزہ اول صحت نبوت نہیں ہے مگر بلاشبہ وہ حجت الزامی مسکت للخصم ہے نہ سفید بقیں پس حضرت موسیٰ نے بطور محبت الزامی کے بھی نشانی اُس کو دکھائی کہ لاشی ڈالی اور اژدھا گرد دکھایا۔ اس پر فرعون نے اپنے ملک کے بڑے بڑے عالموں اور ساحروں اور ایسروں کو جمع کیا اور وہ سمجھ گئے کہ کس وجہ سے موسیٰ کی ٹکڑی سانپ یا اژدھا ہو کر دکھلائی دے گی اور اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی ایسا کرتوت کر سکتے ہیں چنانچہ اس بلاشبہ کے لیے ایک دن مقرر ہوا اور سب لوگ جمع ہوئے :

اس لکھاڑہ میں جو کچھ ہمارا اس کا ذکر کسی جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ سورہ یونس میں مذکور ہے کہ جب فرعون کے ساحر آگئے تو حضرت

موسیٰ نے اُن سے کہا کہ ڈالو تم کیا ڈالتے ہو جب اُنہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا جو کچھ تم نے کیا یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ ابھی اس کو جھوٹا کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ مفسدوں کے کام کو نہیں مٹواتا :

فلما جاء السحرة قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون فلما القوا قال موسى ما جئتم به السحرة الله سيضلله ان الله لا يضلهم عمل المفسدين - سورہ یونس آیت ۸۸ و ۹۱

اور سورہ شعرا میں فرمایا ہے کہ موسیٰ نے فرعون کے ساحروں سے کہا کہ ڈالو تم کیا

ڈالتے ہو پھر اُنہوں نے اپنی رسیاں یا اپنی لاشیاں ڈالیں جس سانپ و زہر سے چڑھیں اور پکڑ لے کر فرعون کے جی ہم ہی موسیٰ پر غالب ہیں موسیٰ نے تو صرف ایک لاشی ڈال کر سانپ یا اژدھا بنایا تھا اور فرعون کے ساحروں نے سخت لاشیاں اور رسیاں ڈال کر اُن کو

قال لهم موسى القوا ما انتم ملقون قالوا حبالهم وعصيهم وقالوا بعزة فرعون انا نحن الغالبون قال موسى عصا فاذا هي تلقف ما كانوا فکون - سورہ شعرا - آیت ۲۲ - ۲۴

سانپ اور اژدھا بنایا اسی لیے اُنہوں نے فرعون کے جی پکارے کہ ہم موسیٰ پر غالب ہوئے (یہ عربی میں ہے اپنی لاشی ڈالی تو وہ پکارے اُن سب کو بکھنے لگی جس کو فرعون کے

ساحروں نے دھوکا بنایا تھا +

ایک لادھب اس مقام پر کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ نے اپنی لاشی پہلے ڈال کر سانپ بنایا ہوتا تو کیا عجب ہے کہ سحر فرعوں اپنی لاشیوں اور رسیوں کو اس طرح پر ڈالتے کہ حضرت موسیٰ کے سانپ کو نگل جائیں مگر یاد رہے کہ ہم ایسے اعمال کو حجت الزامی قرار دیتے ہیں نہ برہان لہی تو لادھب کے اس قول سے ہماری تحقیق پر یا سچائی مذہب پر کوئی جرح واقع نہیں ہوتی +

اور سورہ اعراف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ

یا تم ڈالو یا ہم ڈالیں موسیٰ نے کہا کہ ڈالو پھر جب انھوں نے ڈالا تو جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ڈالو یا ان کو اور پڑھا دو کیا او اتقا کیا مہنے موسیٰ کو ڈال نے اپنی لاشی پھر یکایک وہ نگلنے لگی جو دھوکا انھوں نے بنایا تھا سحر و اعیان الناس کا لفظ جابریت میں ہے اس کا ٹھیک ترجمہ ہماری زبان میں ہٹ بندی

قالوا یا موسیٰ امان تلقي و امان نکلون نحن الملقين قال القوا فلما القوا سحر و اعیان الناس واسترهبوهم و جاد و بسحر عظیم و ادحینا الی من ملے ان الق عصا ک فاذا هی تلفف مایا فلکون - سورہ اعراف آیات ۱۱۰-۱۱۲

کرنا ہے +

اور سورہ طہ میں خدا تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ سحرہ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ یا تو تم

ڈالو نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسیٰ نے کہا کہ ہاں تم ڈالو پھر یکایک ان کی رسیوں اور ان کی لاشیوں کی طرف موسیٰ نے خیال کیا کہ ان کے جادو کے سبب سے چلتی ہیں پھر موسیٰ کو جی میں ڈر سا ہوا تو مہنے اتقا کیا کہ مت ڈرتو جی ان پر غالب ہے اور ڈال نے جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے تاکہ نگل جاوے جو کچھ کہ انھوں نے بنایا ہے پھر پڑھا دو کیا او اتقا کیا مہنے موسیٰ کو ڈال نے اپنی لاشی پھر یکایک وہ نگلنے لگی جو دھوکا انھوں نے بنایا تھا سحر و اعیان الناس کا لفظ جابریت میں ہے اس کا ٹھیک ترجمہ ہماری زبان میں ہٹ بندی

قالوا یا موسیٰ امان تلقي و امان نکلون اقل من القی قال بل القوا فاذا جالهم و عصیم یخیل الیہ من سحرهم نہا تسعی فاوجس فی نفسه خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ والاق مافی یمینک تلفف ما صنعوا انما صنعوا کید ساحر و لا یفلح الساحر حیث اتی سورہ طہ - آیت ۶۸-۷۲ +

نہیں ہے جہاں جاوے :

سورہ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں بھی محمول ہیں ایک جملہ کیا ہے کہ سمجھو

اعین الناس یعنی ڈھٹ بندی کر دی پس یہ

لاذہ یفسر بعضہا بعضا

جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ  
درحقیقت وہ لاثہیاں یا رسیاں سانپ وارڈ

نہیں ہوگی تھیں بلکہ یہ باعث تاثیر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل  
کی تھی وہ رسیاں و لاثہیاں لوگوں کو سانپ وارڈ کا معلوم ہوتی تھیں حضرت موسیٰ نے  
جو کچھ کیا وہ بھی متفقہ قوت نفس انسانی تھا مگر وہ قوت حضرت موسیٰ میں فطرتی اور  
اوتی تھی :

اس مقام پر ہم چند باتوں میں بحث کریں گے اول امر ماخوذ فیہ سے یعنی اس سے کہ

حقیقتاً جادو کوئی چیز نہیں ہے - تفسیر کبیر میں

لکھا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب حجرہ

فرعون نے اپنی رسیاں و لاثہیاں ڈال دیں

تو انھوں نے لوگوں پر ڈھٹ بندی کی تھی

اس لفظ ڈھٹ بندی پر کہنے والوں نے

ویل بکڑی ہے کہ سحر صرف دھوکہ ہے

قامنی کا قول ہے کہ اگر جادو برحق ہوتا تو وہ لوگوں

کے دلوں پر جادو کرتے نہ ڈھٹ بندی کرتے

پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے

ثم قال تعالى فلما القوا سحر واعين الناس  
واخرج به القائلون بان السحر محض التوهم  
قال القاضي لو كان السحر حقا لكانوا قد سحر  
قلوبهم لا عينهم فثبت ان المراد انهم  
تميلوا الى الاحوال العجيبة مع ان الامر في الحقيقة  
ما كان علي وفق ما خيلوا - تفسیر کبیر جلد ۴  
صفحہ ۶۸۲ - سورہ اعراف

لوگوں کے خیال میں عجیب باتیں ڈال تھیں - با اینہم حقیقت میں وہ باتیں ایسی نہ تھیں جیسی کہ

لوگوں کے خیال میں بڑی تھیں "یعنی وہ لاثہیاں اور رسیاں درحقیقت سانپ وارڈ سے

نہیں بنی تھیں بلکہ صرف لوگوں کے خیال میں ایسی معلوم ہوتی تھیں اور یہ بات اُسی تاثیر قوت

نفس انسانی کے سبب تھی حقیقتاً کوئی جادو نہ تھا :

دوسری بحث یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کو بھی وہ لاثہیاں اور رسیاں سانپ دکھائی دیں اور انکو

خوف ہوا تو ان پر بھی سحر فرعون کے کرتب کی خواہ وہ جادو ہو یا ڈھٹ بندی یا تاثیر قوت نفس

سحرہ فوعون اثر ہوا جس سے حضرت موسیٰ کی نبوت پر یقین لگتا ہے مگر ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت موسیٰ کو وہ رسیاں لٹھیاں سانپ دکھلائی دی تھیں اور بس سبب سے وہ ٹڈنٹے تھے اگلے علماء نے بھی اس بات سے انکار کیا ہے مگر جو تفسیر کی ہے وہ ٹھیک نہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ترجمہ میں بھی غلطی چوک کی ہے مولوی رفیع الدین صاحب نے انکی کچھ درستی کی ہے مگر برنجی نہیں ہوئی۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ٹھیک نہیں ہے ہم پہلے اگلے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ پھر اپنی سمجھ بیان کریں گے +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ موسیٰ کے خیال تک پہنچا کہ ان کی رسیاں اور لٹھیاں سانپ ہیں موسیٰ کی لٹھی کی مانند پھر وحی بھیجی اللہ نے کہا اے اپنی لٹھی اس پر محققوں کا قول ہے کہ ایسا ہونا جائز ہے اس لیے کہ ہر گاہ حضرت موسیٰ خدا کی طرف سے پیغمبر تھے تو وہ بچے تھے اور ان کو یقین تھا کہ فوعون والے ان پر غالب نہ ہونگے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ لوگ جو کچھ مقابلہ میں لادیں گے وہ جادو اور جھوٹ ہوگا اور اس یقین کے ساتھ ان کو خوف نہ ہو سکتا ہے اگر کہا جاوے کہ کیا خدا نے نہیں کہا کہ موسیٰ کے جی میں ڈھونڈا تو ہم کہیں گے کہ اس آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ڈرائے کو اس سبب سے ہوا تھا بلکہ شاید حضرت موسیٰ کو سامعوں کے سحر سے ان کی دلیل کے پیچھے پڑ جانے سے خوف ہوا ہو +

وروی عن ابن عباس رضي الله عنهما ان قيل  
الى موسى عليه السلام ان حالهم وعصيدهم  
حيات مثل عصاء موسى فاوحى الله عز وجل  
اليه ان القصاصك قال المحققون ان هذا  
غير جائز لانه عليه السلام لما كان نبيا  
من عند الله تعالى كان على ثقة ويقين من  
ان القوم لم يغالبوه وهو المان ما اتوا به  
على وجه المعارضة فهو من باب السحر  
والباطل ومع هذا الجزم فانه يستعمل  
الخوف فان قيل اليس الله تعالى قال فاجب  
لنفسه خيفة من الله قلنا ليس في الآية  
ان هذا الحقيقة انما حصلت لاجل هذا السبب  
بل لعله عليه السلام خاف من وقوع التخاذل  
في ظهور حجة من الله عليه السلام على سحرهم  
تفسير کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۴ - سورہ اعراف +

تفسیر کبیر میں دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے کہ ابن عباس سے

جو روایت کی گئی ہے کہ سحر فرعون نے لوگوں کی آنکھوں پر اور موسیٰ کی آنکھ پر جادو کر دیا

تھا اور خدا کے اس قول کو دلیل بکڑا ہے کہ

جب انھوں نے اپنی ریتیاں ولاطعیاں

ڈالیں تو جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور خدا

کے اس قول پر دلیل کی ہے کہ خیال کیا موسیٰ کا

اُس کی طرف اُن کے جادو سے کہ وہ چلتی ہی سو

یہ بات ناجائز ہے اس لیے کہ یہ وقت تھا وقت

معجزہ دکھلانے کا اور دلیل قایم کرنے کا اور شبہ

دور کرنے کا پھر اگر موسیٰ ایسے ہو گئے تھے کہ جو

خیر میں اور خیال فاسد میں تیز نہیں کر سکتے تھے

تو معجزہ دکھلانے پر بھی قادر نہ ہوتے اور ایسے

وقت میں مقصد غراب ہو جاتا پس اب یہاں مراد

یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ایسی چیز دیکھی کہ اگر

زجانتے ہوتے کہ اس چیز کی کچھ حقیقت نہیں ہے

تو اس کو خیال کرتے کہ وہ چلتی ہی پس یہ قول میں اگلے عالموں کے اور کو تفسیر کیسی ہی ہو مگر

اُن کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ سحر فرعون کے سحر کا اثر حضرت موسیٰ پر نہیں ہوا اور نہ

انھوں نے اُن کی رسیوں اور لاٹھیوں کو چلتا جانا اور نہ اس سبب اُن کو کچھ ڈر ہوا

ہاں ابھی ہی قول میں مذہب ہے مگر سمجھ میں اور بیان میں کسی قدر فرق ہے خود جملہ

سحر و اعیان الناس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اس سے مستثنیٰ تھے اس لیے کہ ان کا نظام

پر حضرت موسیٰ ایک شخص بہ مقابل سحر فرعون کے تھے اور اس لیے ہر بات میں جو اُن سے متعلق

ہو قابل ذکر خاص کے تھی مگر جب اُن کا ذکر نہیں کیا تو عام طرح پر کہنے میں وہ شامل نہیں ہو سکتے

مثلاً کلمہ و لولہ و سپلوان ٹر ہے ہوں اور کوئی دیکھنے والا کہنے کے کلمہ نے ایسا داؤں کیا کہ سب

بہنیں پڑے۔ اس کلام کے سیاق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قابل نے جو لفظ سب کلمہ سے

اُس میں کلمہ کو بھی داخل کرنا مقصود نہ تھا بلکہ سب دیکھنے والوں کا شامل کرنا مقصود تھا یہی طرح

خدا کے اس کلام میں کلموں کی آنکھوں پر جادو کر دیا حضرت موسیٰ داخل نہیں ہو سکتے

فاما ما روي عن وهب انه مسحوا عيني النبي

وعين موسى عليه السلام حتى تخيل ذلك

مستد لا بقوله تعالى فلما القوا سحره واعين

الناس وتبره تعالى تخيل اليه من سحرهم

انما متعني هذا غير جائز لان ذلك الوقت

وقت انظار المعجزة ولا دلة وازالة الشبهة

فلو صار بحيث لا يميز الموجود عن الخيال

الفاقد لم يمتكن من انظار المعجزة فحينئذ

يعدنا المقصود فاذا المراد شاهد ان من

لو علمه بانه لا حقيقة لذلك الشيء

لظن فيها انها تسحر تفسير كبري جلد ۴ ص ۴۵

دوسری جگہ جو خلائے فرمایا کہ یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعہ اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ کیا ہے کہ نمودار شد پیش موئے بسبب سحر ایشاں، یعنی خیل کے لفظ کا ترجمہ نمودار شد صحیح غلط ہے۔ مولوی فیض الدین صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ ”خیال بندھا تھا طرف اُس کے جادو اُن کے سے“ یہ چورانی اُردو دہی ہے جس کا مطلب بخوبی سمجھنا دراصل مشکل ہے۔ معلومی عبدالقادر صاحب نے ترجمہ کیا ہے کہ اُس کے خیال میں آئے ہیں اُن کے جادو سے، یہ کچھ شبہ نہیں کہ یہ ترجمہ بھی پہلے اُردو ترجمہ کا بھائی ہے اور ان تینوں ترجموں کا یہ خیال ہے کہ حضرت موئے پر سحر و فعون کے جادو کا اثر ہوا تھا۔

مگر قرآن مجید کا مطلب صاف ہے کہ اگرچہ حضرت موئے کو وہ رسیاں اور لائٹیاں ملتی ہوئی نہیں معلوم ہوئیں مگر انھوں نے خیال کیا کہ اُن کے سحر کے سبب سے لوگوں کو چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

اسی خیال پر وہ ٹھگے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں بھی تو یہی کروں گا کہ اپنی لائٹیاں کو اڑھا دھلاؤں گا۔ پس مجھ میں اُن میں فرق کیا ہو گا لوگ بول اٹھیں گے کہ دونوں برابر چھوٹے مگر اللہ نے اُن کا کیا کر تو بڑھ کر رہ گیا تیری لائٹیاں سب کو ننگے لٹکی ہیں اسی تقویت پر سوئی نے جوں ہی اپنا ٹھکڑا لادہ اڑھا سحر و فعون کے سانپوں سپولیوں کو ننگتا ہوا دکھلائی دیا اور سوئی کی جیت ہو گئی جادو گر قدوس پر گرے فعون بول اٹھا کہ یہ بڑا جادو گر ہے پس یہ تمام واقعہ ہے حضرت موسیٰ و سحر و فعون کا اور اس واقعہ کو اُن اقسام ثلاثہ سحر سے جن سے ہنر نکال کر کیا ہے اور جادو کو برحق نہیں مانا کچھ تعلق نہیں ہے۔

دوسرا قصہ قرآن مجید میں ماروت و ماروت کے سحر کا ہے۔ سورہ بقرہ میں خدا تعالیٰ یہودیوں کی بداعتقادیاں اور خرابیاں بیان کرتے کرتے

فرماتا ہے کہ جب اُن کے پاس خدا کی طرف سے کوئی پیغام آیا سچ بتاتا ہوا اُس چیز کو معنی تورات کو جو اُن کے پاس ہے تو جن کو وہ کتاب ملی ہے اُسی کے ایک گروہ نے خدا کی کتاب کو اپنی ٹٹھ کے پیچھے پھینک دیا کہ گویا جلالت ہی نہیں اس کی چیز کی پیروی کی جس کو شیطان بینی

ولما جاءهم رسول من عند الله مصدقا لما معهم نبذ فريق من الذين اوتوا الكتاب كتاب الله ولاء لظہورہم کانہم کایعلمون ولا تعبر ما تنزل الشیاطین علیک سلیما وما کفر سلیمان ولا کن الشیاطین کفروا یعلمون ان السحر وما انزل علی الملکین

بیا بل ہاروت وماروت وما یعلمون  
من احد حتی یقولوا انما نحن فتنۃ فلا تفر  
فتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء  
وزوجہ وما ہم بضارین بہ من احد الا  
باذن اللہ ویتعلمون ما ینصرہم وکان ینفعہم  
ولقد علموا ان اشتراء مالہ فی الآخرۃ  
خیلاق وللبئس ما شروا بہ انفسہم لو  
کانوا یعلمون - سورہ بقرہ آیت ۹۵ و ۹۶ +

کافر لوگ حضرت سلیمان کے عہد سلطنت میں  
پڑھتے تھے سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر شیطان  
یعنی کافروں نے کفر کیا کہ لوگوں کو سحر سکھلاتے  
اور اس گروہ نے اس چیز کی پیروی کی جس کو  
وہ اپنے زعم میں سمجھتے تھے کہ کہ دو فرشتوں پر  
جن کا نام ہاروت وماروت ہے اُتر گئی تھی ہے  
حالانکہ وہ دونوں نہیں سکھاتے کسی کو بیان تک  
کہ کہتے ہیں کہ ہم تو فتنہ ہیں پھر مسرت کافر بنو پھر  
سیکھتے اُن دونوں سے وہ چیز جس سے جدائی

ڈالیں جو روضہ صمد میں لانکہ وہ کسی کو اپنے جادو سے کچھ نقصان پہنچانے والے نہیں مگر خدا  
کے حکم سے اور وہ لوگ سیکھتے وہ چیز جو اُن کو ضرر پہنچاتی نہ اُن کو نفع دیتی اور بیشک یہ بات  
اُنھوں نے جان لی ہے کہ جو کوئی اُسکو خریدے اُس کو آخرت میں کچھ فائدہ نہیں اور بیشک  
برا ہے جو انھوں نے اپنی جانوں کے بدلے بھلا کر وہ جانتے ہوتے ۛ

ظاہر ان آیتوں میں کچھ مشکلات نہیں ہیں اور ہم نے ترجمہ میں بھی ان آیتوں کے مطلب کو  
کسی قدر صاف کر دیا ہے مگر مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں عجیب عجیب لغو اور بے سرو پا  
قصے بیان کیئے ہیں جو سب کے سب محض بے اصل ہیں - ہم اُن لغو اور محل قصوں کا تو ذکر  
نہیں کرتے مگر چند اقوال جو قابلِ ملاحظہ ہیں نقل کرتے ہیں ۛ

مفسرین کو اس مقام پر یہ شکلیں پیش آئی ہیں کہ ہاروت وماروت تو دو فرشتے تھے پھر اگر وہ  
سحر سکھلاتے تھے تو کافر تھے مگر فرشتے کافر نہیں ہو سکتے - دوسرے یہ کہ خدا نے کہا ہے کہ یہ دونوں  
نے توبہ کو پس پشت ڈال کر اُس چیز کی پیروی کی جو ہاروت وماروت پر اتاری گئی تھی اور یہ  
کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں پر سحر کی تعلیم جو کفر و باطل ہے نازل کرے ۛ

ان مشکلوں کے دور کرنے کو بعض عالموں نے کہا ہے کہ وہ فرشتے نہ تھے چنانچہ تفسیر کبیر  
میں لکھا ہے کہ جن ملکین لام کے زیر سے پڑھتے

قرآن الحسن ملکین بکسر اللام وہ مروی  
بیضا عن ابیہما ک وابن عباس ثم اختلفوا  
تھے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور ضحاک  
سے اور ابن عباس سے بھی لام کے زیر ہی سے

پڑھنا روایت کیا گیا ہے پھر اُن میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے حسن کا قول ہے کہ وہ دونوں بابل میں عجم کے کافروں میں سے تھے بغیر فتنہ کیئے ہوئے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں بادشاہوں میں سے صالح آدمی تھے :

فَقَالَ فَقَالَ الْحَسَنُ كَانَا عَجَمِيَّيْنِ اتْلَفَيْنِ بَابِلَ يَعْلَمَانِ النَّاسَ السَّحَرِ وَقِيلَ كَانَا رَجُلَيْنِ صَالِحَيْنِ مِنَ الْمُلُوكِ - تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ سورہ بقرہ :

دوسری شکل کے حل کرنے کو بعض عالموں نے اس آیت میں سطوت الہیہ کو اُدل بدل کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہما انزل کا عطف ہے

ملک سلیمان پر او اُس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ پڑھتے تھے شیطان تہمت کر کہ ملک سلیمان پر اور اُس پر جو آنا لگیا تھا دو فرشتوں پر اس بات کو ابوسلم نے اختیار کیا ہے اور اس بات سے کہ دو فرشتوں پر جادو نازل ہوا تھا انکار کیا ہے :

ان موضعہ جو عطفاً علی ملک سلیمان و تقدیراً ما تلتوا الشیاطین افتراء علی ملک سلیمان و علی ما انزل علی الملکین و ہوا اختیار ابی مسلم رحمۃ اللہ علیہ وانکر فی الملکین ان یکون السحر نازل علیہما - تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۵ - سورہ بقرہ :

پھر خلافت ابوسلم نے اس آیت کی تفسیر میں دوسری راہ اختیار کی ہے جو اکشر مفسرین کے قول کے برخلاف ہے اور یہ کہ ہے کہ جس طرح شیاطین نے سلیمان کی بادشاہت کی طرف جادو کو منسوب کیا تھا حالانکہ سلیمان کی بادشاہت جادو سے پاک تھی اسی طرح انہوں نے اُن دونوں فرشتوں پر جو نازل ہوا تھا اُسکو بھی جادو کی طرف نسبت کیا تھا حالانکہ جو کچھ اُن فرشتوں پر اُتر تھا جادو ہونے سے پاک تھا اس لیے کہ جو کچھ اُن پر اُتر تھا وہ شرع اور

ثمرانہ رحمۃ اللہ سلک فی تفسیر الایۃ نجحاً آخر بخلاف قول اکثر المفسرین فقال کما ان الشیاطین نسبوا السحر الی ملک سلیمان مع ان ملک سلیمان کان مبرا عنه فکذلک نسبوا ما انزل علی الملکین الی السحر مع ان المنزل علیہما کان مبرا عن السحر وذلك لان المنزل علیہما کان ہوا الشرع ولان الناس ذلک مع قولہما انما نحن فتنۃ فلا تکفر توکید لہتم علی القبل والتمسک وکانت طایفۃ تتمسک وکانت طایفۃ



تتمسك واخرى تخالف وتعدل عن ذلك  
ويتعلمون منها اى من الكفر والفتنة  
مقتل رمایہ قوت بہ بیان المرء و زوجہ  
ہذا انقریضہ ابی مسلمہ تفسیر کبیر  
جلد ۱ صفحہ ۳۵۴ سورہ بقرہ

دین اور نیک کاموں کی ہدایت کرتا تھا اور اُن کا  
یہ کہہ کر کہ ہم فتنے ہیں تم کافر مت بنو لوگوں کو  
سکھانا قبول کرنے اور ماننے پر معوث چوٹے  
کی دلیل ہے۔ ایک گروہ تھا کہ اُسکو ماننا تھا  
اور دوسرا گروہ جو مخالفت کرتا تھا اور اس بات  
سے ٹل جاتا تھا اور سمجھتا تھا اُن میں سے یعنی  
کفر و فتنہ میں سے اس قدر جس سے جُدائی ڈال دے خصم جو رو میں یہ بیان ہے مذہب  
ابی سلم کا۔

بعض عالموں نے اُور ہی حنفی کہے وہ بولے کہ لفظ ما دونوں جگہ نافیہ ہے اور وما

انزل علی الملکین کا عطف ماکفر و سلیمان پر  
ہے گویا خدا نے یہ کہا ہے کہ نہیں کافر ہوا سلیمان  
اور نہیں اُور فرشتوں پر جادو کیونکہ ساحر  
جادو کو حضرت سلیمان کی طرف لگاتے تھے و  
گمان کرتے تھے کہ جادو وہ چیرے جو بائبل میں  
دو فرشتوں روت و ماروت پڑتا ہے۔ پھر  
اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِن دونوں باتوں کو مردود  
کر دیا اور یہ جو آیت میں ہے کہ ما یعلمان من  
احد یماں بھی ما بمعنی نفی کے ہے یعنی وہ  
دونوں نہیں سمجھتے تھے کسی کو بلکہ اُس کے  
سیکھنے سے منع کرتے تھے نہایت مدہ کا شیع  
کرتا اور یہ جو خدا نے کہا کہ حتی یقولوا انما نحن  
فتنة اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم  
بلا اور امتحان ہیں پھر کافر مت بنو یا ایسی بات ہے  
جیسی کہ تم کہو کہ میں نے نہیں حکم دیا اُس شخص

ان یكون ما بمعنی البحد و یكون معطوفا  
علی قوله تعالیٰ وما کفر سلیمان کا نہ قال لہ  
یکفر سلیمان ولم یزل علی الملکین سحر  
لان السحرة کانت تضیف السحرا لی سلیمان  
وتزعم انه لما انزل علی الملکین یابیل هات  
وماروت فرد الله علیهم فی القرآن وقوله  
ما یعلمان من احد یماں محمد نفیاً اے لا  
یعلمان احداً بل یہ بیان عنہ اشد النہی  
واما قوله تعالیٰ حتی یقولوا انما نحن  
ابتلاء و امتحان فلا تکفر وهو کقولک ما  
امرک فلا تابلکذا حتی قلت لہ ان فعلت کذا  
فلک کذا اے ما امرتک بدبل حدرة عنہ۔  
تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۵۴ +

کو ایسا کرنے کا یہاں تک کہ میں نے اسکو کہا کہ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا یہ حال ہوگا پس اس کا یہی

مطلب ہے کہ میں نے اُس کو حکم نہیں دیا بلکہ منع کیا اور ڈر یا ؟  
یہ ہیں تقریریں پچھلے عالموں کی ان آیتوں کی تفسیر میں اور ان تقریروں میں جو کچھ یاکپان  
یا کپان ہے وہ سوچنے والے اور غور کرنے والے شخص پر ظاہر ہے ہمارا مقصد ان کے نقل کرنے  
سے صرف یہ ہے کہ اگلے عالموں میں بھی مارت و مارت کے فرشتے ہونے سے اور اس بات سے  
کہ خدا کی طرف اُن پر جادو کا علم نازل ہوا تھا انکار کیا ہے ؟

ہماری سمجھ میں اس آیت کے معنی ایسے صاف اور آسان اور روشن ہیں کہ چٹیل میدان اور  
خشک پہاڑ کی گھاٹیوں میں آؤٹ لیجانے والوں کو بھی جن کے سمجھنے کو قرآن اُترا تھا کچھ شبہ  
نہیں تھا مارت و مارت قرآن مجید میں غیر منصرف آئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں  
لفظ غمی ہی دو شخصوں کے ظم ہیں جو اُن مارت کے لوگوں کے نزدیک نہایت صالح تھے اور  
اُن کی نیکی یا اعمال کے سبب اُس زمانہ کے لوگ بطور مع ان کو فرشتہ کہتے تھے جس طرح کہ  
زینحلی سیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھا کہ تھا کہ ماہذا بشر ان هذا ملک گدیم  
اُس زمانہ کے لوگ اسی طرح اُن کے معتقد ہیں گے جیسے مسلمان حضرت شیخ غوث محمد گویری  
کے اعمال کے معتقد ہیں۔ بہر حال خدا نے یہودیوں کی نسبت فرمایا کہ اُنہوں نے توریت کو پٹھ کے  
جیسے پھینکا اور اُس چنری کی پیروی کی جس کو سلیمان کے وقت میں کافر پڑھا کرتے تھے اور  
وہ بھی اعمال سحر وغیرہ تھے اور انہوں نے اُس چنری کی پیروی کی جس کو وہ اپنے زعم باطل میں  
سمجھتے تھے کہ بابل میں مارت و مارت پر جو اُن کے زعم میں مثل فرشتوں کے تھے اُسی گئی  
ہے حالانکہ یہ کام اور یہ زعم ان کا غلط تھا پس اس جگہ پر قرآن مجید میں جو لفظ ملکین اور مارت  
انزل کا آیا ہے وہ حکایت اُن لوگوں کے خیال کے مطابق آیا ہے جو اُسکو ایسا سمجھا کر اسکی  
پیروی کرتے تھے نہ حقیقتاً اور اس لیے سمجھنا کہ حقیقت وہ فرشتے تھے اور حقیقت کوئی چیز  
خدا نے اُن پر نازل کی تھی میری غلطی ہے ؟

یہ کہ ہم اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اس آیت سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مارت  
مارت راجع کو عموماً سحر یا جو رخصم میں اُقت دلو اپنے کا عمل سحر لوگوں کو سکھاتے تھے اور یہ  
بات ہمارے مخالف نہیں جیسا کہ کہ کیا اگر کیا کے بہت سے نسخے بتاتے ہیں مگر یہ کہ وہ سحر جتن  
تھا یا مرقی حقیقت تھا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے اور اُسکی تین دلیلیں  
اسی آیتوں میں موجود ہیں ؟



بنایا ہے اُن کے خیال میں آیا کہ اس تمام پر لفظ جن سے وہ مخلوق مراد ہے جسکو عوام الناس جن خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوائی آگ کے شعلہ سے بنی ہوئی مخلوق ہے جو دکھلائی نہیں جاتی۔ مگر طبع بطرح شکلوں میں بن جانے اور انسانوں کے سروں پر آنے اور اُن کو تکلیف دینے یا اُن کا کام خدمت کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ یہ خیال صحیح ہو یا غلط مگر اس سورت میں لفظ جن سے وہ جن جو لوگوں کے خیال میں ہے مرکز مراد نہیں ہے۔ لفظ جن لفظ اجتماعت سے مشتق ہے جس کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں اور عربی زبان کے محاورہ میں جو چیز پوشیدہ ہو اُس پر جن کا اطلاق کر سکتے ہیں یہاں تک کہ پیٹ کے نیچے کو بھی جنیں اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیٹ کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے۔ مگر کسے کافروں کی عادت تھی کہ چھپ چھپ کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنا کرتے تھے۔ حج چند آدمیوں نے جن کا اس سورۃ میں ذکر ہے چھپ کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سُنا اور اُن کے دلوں پر اثر ہوا اور وہ ایمان لے آئے اور یہ سبیل اس کے کہ اُنھوں نے پوشیدہ ہو کر سُنا تھا اُن پر نفوس الجن کا اطلاق ہوا۔ ہمارے مفسرین نے اُن کو سچ مچ کا جن بنایا خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کا چھپ کر قرآن سُنا اور ایمان لانا اور جو کچھ اُنھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے جا کر کہا اُن حضرت صلعم کو وحی سے بتلادیا۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) کہدے اے محمد کہ مجھ کو وحی سے معلوم ہوا ہے کہ چند چھپے ہوئے شخصوں نے مجھ کو قرآن پڑھتے سُنا پھر اُنھوں نے کہا کہ مجھے ایک عجب قرآن سُنا۔

(۱) قُلْ اَوْحٰی اِلٰیَّ اِنَّہٗ اَسْمَعُ  
نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا  
قُرْاٰنًا عَجَبًا

(۲) جو اچھی بات بتلاتا ہے ہم تو پر اُس پر ایمان لائے اور ہرگز ہم اپنے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

(۲) یٰہٰدِیْنَ اِلٰی الرُّشْدِ  
فَاَمَّا نَا بِہٖمْ وَلٰكِن نُّشْرِکَ  
بِیِّنَا اَحَدًا

جن لوگوں نے چھپ کر قرآن سُنا۔ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور بُت پرست تھے۔ ہمارے ہاں کے قدیم عالم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بے شک وہ چاروں مذہب والے تھے مگر اس قدر بڑھا دیا ہے کہ وہ سب جن تھے کیونکہ اُن کے نزدیک جنوں میں یہودی مذہب کے اور عیسائی مذہب کے اور آتش پرست اور بُت پرست سب طرح کے

جن ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ

حسن نے ذکر کیا کہ اُن میں یعنی جنوں میں

یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور

بُت پرست جن تھے ہم اس قدر کہتے ہیں کہ

حضرت وہ جن نہ تھے آدمی تھے۔ اُن لوگوں

وَذَكَرَ الْحَسَنُ أَنَّ فِيهِمْ يَهُودًا وَنَصَارِي

وَمَجُوسًا وَشُرَكَائِينَ - تفسیر کبیر

صفحہ ۳۷ جلد ۶

میں جو لوگ عیسائی تھے اور حضرت عیسیٰ کو ابنِ آدم جانتے تھے انہوں نے کہا۔

(۳) اور ہمارا پروردگار بہت بڑا ہے نہ

اُس نے کوئی جو روکی ہے نہ اُس کا کوئی

بیٹا ہے \*

(۴) اور بے شک یہ بات سچی کہ ہمارے

بے وقوف (یعنی اُن کے پیشوا) خدا پر جھوٹ

بولتے تھے \*

(۵) اور بے شبہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان

اور جنات کبھی خدا پر جھوٹ بات نہ

اکہیں گے \*

(۳) وَإِنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا

اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا \*

(۴) وَإِنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا

عَلَى اللَّهِ شَطَطًا \*

(۵) وَأَنَا ظَنَنَّا أَنَّ لَكُمْ قَوْلًا لَّوْنًا

وَالْحَمْدُ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا \*

جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ یقین کرتے تھے کہ جنات بھی مثل انسان کے مخلوق ہے ایسے

انہوں نے اس مقام پر انسان اور جنات دونوں کا نام لیا پس یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ اس مقام پر

خدا تعالیٰ نے جن کی کچھ حقیقت بتائی ہے کیونکہ یہ اُن لوگوں کے قول کا بیان کہتے ہیں جنہوں نے

چھپ کر قرآن سُنا تھا اور اُن لوگوں میں جو لوگ کفار عرب تھے انہوں نے کہا۔

(۶) اور یہ بات ٹھیک ہے کہ ایسے لوگ تھے

جو پناہ مانگتے تھے مومنوں سے پھر اُن کی

(۶) وَإِنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنْ

الْإِنْسَانِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجَنِّ

فرادوہم رہقاً +

اُٹھناٹی زیادہ ہوگئی تھی +

عرب کے کافروں کے جو لوگ پیشوا تھے اُن کی عادت تھی کہ جب سفر میں یا شکار میں کسی میدان میں جا کر اترتے تو لوگوں کے دکھانے کو دیاں کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے اور اس سبب سے اُن کے پیروکاروں میں ان کی توقیر اور ان کا ادب اور اُٹھ بڑھ جاتا تھا اور خود اُن کے پیشواؤں کے دلوں میں تکبر و غرور زیادہ سما جاتا تھا اسی بات کا ذکر اس آیت میں ہے اور اُن لوگوں میں جو لوگ یہودی تھے اور یقین کرتے تھے کہ بعد حضرت موسیٰ کے کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا۔

(۷) وَإِنَّمَا ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اِنَّ

(۷) اور بے شک لوگوں نے سمجھا تھا

جیسا کہ تم سمجھے ہو کہ کسی پیغمبر کو خدا نہیں بھیجے گا +

لَنْ يُعِیْجَتِ اللّٰهُ اَحَدًا +

اور اُن لوگوں میں سے جنہوں نے چھپ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سنا تھا جو لوگ نجومی آتش پرست تھے اور ستاروں کی گردش سے سعادت و نحسوت اور غیب کی باتیں سمجھتے تھے اُن لوگوں نے کہا۔

(۸) وَاِنَّا لَمُسْتَاۤسِمُوْنَ اَللّٰہِ فَوْجِدْنٰہَا

(۸) اور بلاشبہ ہم نے ڈھونڈ ڈالا آسمانوں کو

پھر ہم نے اُس کو سخت چوکیداروں اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے بھرا ہوا پایا +

مَلٰٓئِۃٌ حَرٰۤیۡرٌ شَدِیۡدٌ اَوْ شٰہِبًا +

(۹) وَاِنَّا لَنَاقِعِدُ مِنْہَا مَقَاعِدُ

(۹) اور بے شک ہم آسمانوں کے بیٹھنے

کی جگہ میں اُستے کے لیے بیٹھتے تھے پھر اب

جو کوئی اُستہ ہے تو اپنے لیے ایک بھڑکتا ہوا

آگ کا شعلہ تاکیں لگا پاتا ہے +

لِلّٰسَمِیۡعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعُ اَلَاۤیۡنَ یَجِدُ لَہٗ

شہاباً بَصْدًا +

(۱۰) اِنَّا نَزَّلْنٰہُ بِیۡ اَشْرَۡۤیۡدٍ مِّمَّنْ

(۱۰) اور ہم نہیں جانتے کہ بُرائی کا ارادہ کیا

ہے اُن لوگوں کے لیے جو زمین پر ہیں یا

اُن کے پروردگار نے اُن کے لیے بھلائی

کا ارادہ کیا ہے +

فِیۡ الْاَرْضِ اِمَّا رَۡۤیۡدٍ مِّمَّنْ رَّۡۤیۡدٍ

رَّۡۤیۡدٍ +

(۱۱) وَاِنَّا مَنَا الصّٰلِحِیۡنَ وَمَنَا

(۱۱) اور بے شبہ ہم میں سے نیک بھی ہیں

اور ہم میں سے دوسری طرح کے بھی ہیں ہم  
مختلف راہوں پر ہیں +

(۱۲) اور بیشک ہم نے جان لیا کہ ہرگز ہم خدا کو  
نہیں ہر سکتے زمین میں اور نہ اُسکو ہر سکتے  
ہیں بھاگ کر +

(۱۳) اور بیشک جب ہم نے ہدایت کی  
بات سنی اُس پر ایمان لائے پھر جو کوئی  
اپنے خدا پر ایمان لاوے تو اُسکو کبھی تم کے  
نقصان و زیادتیاں کا ڈر نہیں +

(۱۴) اور بے شبہ ہم میں فرماں بردار بھی  
ہیں اور منافقین بھی ہیں پھر جو کوئی  
فرماں بردار ہوئے تو اُنہوں نے بھلائی  
کا قصد کیا +

(۱۵) اور جو منافقان ہوئے تو وہ دوزخ کے  
کندے ہوئے +

دُونَ ذَلِكَ لَنَا طَرِيقٌ قَدَدَا +

(۱۲) وَاَنَا ظَنَنَّا لِنُجِزَ اللَّهَ فِي  
الْأَرْضِ وَلِنُعْجِزَهُ هَرَبًا +

(۱۳) وَاِنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَى  
امْتَابَهُ فَمِنْ يَوْمٍ رَبِّهِ فَلَاحٍ  
يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا +

(۱۴) وَاِنَّا مَنَا الْمُسْلِمُونَ  
مَنَا الْقَاسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ  
فَاُولَئِكَ نَحْرُورُ ارْشَادًا +

(۱۵) وَاِنَّا لَمَنَا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا  
بِكَهْتِهِمْ حَطْبًا +

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا اُن لوگوں کے اقوال کا بیان تھا جنہوں نے چھپ کر قرآن  
سنا تھا اور اسی بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور  
بُت پرست تھے کیونکہ اُن کی باتوں میں پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نہ کوئی جور و کی ہے  
اور نہ اُس کے کوئی بیٹا ہے ہمارے پیشواؤں نے خدا پرست نگائی تھی حضرت عیسیٰ  
علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا سمجھنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے پس اگر ہم نے  
اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اقرار کیا بیشک وہ عیسائی تھے +

دوسری بات اُنہوں نے یہ کہی کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ  
چاہتے تھے یہ طریقہ عرب کے بت پرست کافروں کا تھا اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کو  
قرآن منکرِ غلط سمجھا بلاشبہ وہ لوگ عرب کے بت پرست کافر تھے +

تیسری بات اُنھوں نے یہ کہی کہ ہم سمجھتے تھے کہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجے گا۔ یہ عقیدہ بنویلا  
کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جو شریعت موسیٰ کو دی گئی ہے وہ ابدی ہے اب کوئی پیغمبر صاحب شریعت  
مبعوث نہیں ہونے کا جن لوگوں نے قرآن سن کر اس عقیدہ کو غلط جانا اور اس بات پر یقین  
کیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور ایک پیغمبر آخر الزمان صاحب شریعت  
مبعوث ہوا ہے وہ لوگ بلاشبہ یہودی تھے +

چوتھی بات اُن لوگوں نے یہ کہی کہ ہم جو بیٹھے بیٹھے کراٹھوں میں سے غیب کی باتیں سنتے تھے  
اب سننے والوں پر شہابِ اُفتاب مارے جاتے ہیں۔ اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بات  
کے کہنے والے مجوسی آتش پرست تھے اُس فرقہ کے پیشوا نجوم پر یقین رکھتے تھے اور ستاروں  
کے مقلات سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور ہر ایک کے بھلائی بُرائی بتلاتے تھے پس جن  
لوگوں نے قرآن مجید سن کر اس عقیدہ کو غلط سمجھا اور اس پر ایمان لائے کہ نجوم جھوٹے ہیں  
اور غیب کی بات کوئی نہیں جان سکتا اور خدا کو نہ کوئی ہر اسکتا ہے اور نہ اُس کو حیت سکتا  
ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے بلاشبہ وہ لوگ مجوسی تھے یعنی آتش پرست +

اب اس مقام پر ایک اور بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے۔ ہمارے قدیم عالموں نے  
ان پچھلی آیتوں کو بھی بطور ایک عجیب قصہ کے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلم  
کے مبعوث ہونے سے پہلے جن اور شیطان آسمان و دنیا تک جاتے تھے اور پچھلے سے کانگ کر  
ملا اور اعلیٰ میں جو باتیں فرشتے کرتے تھے چوری سے سن لیتے تھے اور اس چوری سے وہ جان  
جاتے تھے کہ دنیا میں کیا ہونی والا ہے اور کائناتوں اور جادوگروں اور نجومیوں وغیرہ کو جو ان کی  
پوجا کرتے تھے غیب کی خبر دیتے تھے۔ جب آں حضرت صلم مبعوث ہوئے تو شیطانوں اور  
جنوں کا اوپر جانا اور چوری سے ملا اور اعلیٰ کی باتیں سُنا بند ہو گیا اور آسمان میں نسبتاً باقی  
کے چوکی پرہیز زیادہ بڑھ گیا ہے۔ جگہ جگہ چوکیدار بیٹھے گئے اور آگ کے شعلے بھی بڑھادیئے  
یہاں تک کہ کوئی جگہ خالی نہیں رہی اب جو شیطان یا جن آسمان پر باتیں سُنے جانا چاہتا ہے  
اُس پر شہابِ اُفتاب کی مار پڑتی ہے اور لٹ کر جو ہم تارے ٹوٹتے دیکھتے ہیں یہ وہی شعلہ ٹٹے  
آتشیں ہیں جو شیطانوں اور جنوں کو مار رہے ہیں +

مگر یہ سب باتیں غلط اور لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ مذہبِ اسلام اور خدائے پاک کا کلام ان  
دور کا قصہ ہے اس تمام پر ان نجومیوں کا قول جو قرآن سن کر ایمان لائے تھے



نہایت خوبی اور فصاحت و بلاغت سے استعارے میں بیان کیا گیا ہے نجومی کہتے ہیں کہ ہمیں آسمان کو بہت ڈھونڈنا یعنی اُس کے ستاروں کی گردش اور اُن کی سعادت و غصہ پر غور و فکر کی مگر اُسکو جو کیداروں اور لگ کے شعلوں سے بھرا ہوا پایا بیٹھے کوئی ملے ایسی نہیں پائی جس سے حقیقت غیب کی بات دریافت کر سکیں اور جو کچھ بھلائی یا بُرائی انسان کے لئے ہونے والی ہے اُسکو اول بدل کر دیں ۔

لفظ لمس جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس کے معنی چھونے کے ہیں مگر اُس سے ڈھونڈنے کا مطلب لیا جاتا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا

اللمس لمس فاستعید للطلب ان المماس  
طالب متعرف يقال لمسه والتمسه

ہے کہ لمس کے معنی چھونے کے ہیں اُس سے مراد لی گئی ہے ڈھونڈنا تلاش کرنا کیونکہ چھونے والا بھی تلاش کرنا والا اور دریافت کرنا والا ہوتا ہے

عربی زبان میں چھریا یعنی ڈھونڈ لیا بولا جاتا ہے۔ جناب مولوی عبدالقادر صاحب نے اپنی ٹیٹوٹا نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے کہ چونکہ اردو زبان میں ٹٹوٹا چھو کر دریافت کرنے اور صرف کسی بات کے دریافت کرنے دونوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ لمس عربی محاورہ میں دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ہم نے بنظر مزید توضیح ڈھونڈنا ترجمہ اختیار کیا ہے پس جن لوگوں نے کہ لفظ لمس پر خیال کر کر یہ قصہ بنا لیا ہے کہ جن شیطان آسمان تک جاتے تھے اُنہوں نے محض غلطی کی ہے ۔

اب وہی نجومی کہتے ہیں کہ ہم بہت ٹیٹھ ٹیٹھ کر آسمانوں کی باتیں سنا کرتے تھے یعنی اُس کے ستاروں کی گردش سے غیب کی باتیں سمجھا کرتے تھے مگر اب اس قرآن کو سُنے اور ایمان لانے کے بعد ہکو یہ یقین ہوا ہے کہ جو کوئی نجوم سے غیب کی بات دریافت کرتا ہے تو اُس کے لیے بجز آگ کے بٹرکتے ہوئے شعلے کے اور کچھ نہیں ہے یعنی کوئی چیز غیب کی دریافت نہیں کر سکتا اور کوئی نہیں طعن کر سکتا کہ خدا کا کیا ارادہ ہے بھلائی کا یا بُرائی کا۔ اس بیان سے صرف اس قدر مطلب ہے کہ علم نجوم کے ذریعہ سے غیب کی بات دریافت کرنے کا درحقیقت رستہ بند ہے کیسے طبع خدا کی بات دریافت نہیں ہو سکتی۔ خدا سے نہ کوئی حجت سکتا ہے نہ اسکی مشیت سے بھاگ سکتا ہے پس ان باتوں کو جسے قرآن سے سنا کر اُس پر ایمان لے آئے قرآن مجید کا صاف صاف مطلب ہے جس کو لوگوں نے عوام الناس کے سامنے عجیب عجیب باتیں کہنے کے لیے ایک

ایسا قصہ بنایا ہے جس پر کوئی ذی عقل یقین نہیں کر سکتا مگر غور کرنے سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ یہ صرف ایک اختہ قصہ ہے قرآن مجید کا یہ مطلب نہیں ہے۔ مفسرین کی گھڑت ہے کہ ایک لفظ کی مناسبت سے اس کے تمام لوازمات کو اکٹھا کر کر ایک خیالی قصہ بنا بیٹھے ہیں +  
اب خدا تعالیٰ نے اس قصہ کو بیان فرما کر تمام لوگوں کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت صلعم کو لوگوں میں وعظ فرماتے کی طرف توجہ کیا اور آں حضرت کو فرمایا کہ -

(۱۶) سے محمد تو لوگوں سے کمدے کے عجیب پر تو وحی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم اُن کو بیٹ بھر کر پانی پلاتے +  
(۱۷) تاکہ اُس میں اُن کو آزماتے اور جو نیچے دیکھے اپنے پروردگار کی یاد سے ڈالے گا اُسکو ٹھٹھے والے عذاب میں +

(۱۸) اور سجدیں اللہ کے لیے ہیں پھر اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو +

(۱۹) اور جب خدا کا بندہ کھڑا ہوا کہ پکارتے اپنے اللہ کو تو اُس پر غول پر غول چڑھنے کو ہونٹے +

(۲۰) کمدے کے میں تو اپنے ہی پروردگار کو پکارتا ہوں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا +

(۲۱) کمدے کے میرے اختیار میں تمہارے لیے نہ بڑا کرتا ہے اور نہ بھلا کرتا +

(۲۲) کمدے کے بے شک خدا سے مجھے کوئی نہ بچاوے گا اور نہ میں اُسکے سوا کوئی

(۱۶) وان لو استقاموا على الطريقه لا سقينهم ماء غدقا +

(۱۷) لنقنهم فيه ومن يعرض عن ذكر ربه يسلكه عذابا صعدا +

(۱۸) وان المسجد لله فلا تدعوا مع الله احدا +

(۱۹) وانه لما قام عبد الله يدعوكا داوليكونون عليه لبيدا +

(۲۰) قل انما ادعوا ربى ولا اشرك به احدا +

(۲۱) قل انى لا املك لكم ضرا ولا رشدا +

(۲۲) قل انى لن يحبرني من الله احد ولن اجد من

دو نہ ملتحداً +

(۲۳) اَلَا بَلِغَا مِنْ لَدُنِّهِ رِسَالَةٌ  
مَنْ يَعْمَلْ لِنَفْسِهِ فُلَانٌ لَهٗ نَارُ  
جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا اَبَدًا +

(۲۴) حَتّٰی اِذَا رَاوَا مَیْکُوْنُوْنَ  
فَسِیَعْلَمُوْنَ مَنْ اِضْعَافُ  
نَاصِرًا وَاَقْلَ عَدَدًا +

(۲۵) قُلْ اِنْ اَدْرِیْ اَقْرِبًا تَوْعَدُوْنَ  
اَمْ یَجْعَلُ لَہٗ رَبِّیْ اَمَدًا +

(۲۶) عَلِمَ الْغِیْبُ فَلَا یُظْہِرُ  
عَلٰی غِیْبِہٖ اَحَدًا +

(۲۷) اَلَا مَنْ اَرْضٰی مِنْ رَسُوْلٍ  
فَاَنَّهُ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ  
مِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا +

(۲۸) لَیَعْلَمَنَّ قَدْ اَبْلَغُوْا  
رِسَالَاتِ رَبِّہُمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدِیْہِمْ  
وَاحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا +

جگر پناہ کی پاؤں گا +

(۲۳) سوائے ہونچانے خدا کے حکموں اور  
اُس کے پیغاموں کے اور جس نے خدا کی  
اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی تو اُن کے  
لئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اُس میں  
رہیں گے +

(۲۴) یہاں تک کہ جب دیکھیں گے کہ وہی ہوا  
جو اُن سے کہا گیا تھا تب جانیں گے کہ کس  
کے مددگار مکرور ہیں اور کسنتی میں بھی کچھ  
نہیں +

(۲۵) کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کہ جو وعدے  
تم سے کیے گئے ہیں کیا وہ قریب ہونے والے  
ہیں یا میرا پروردگار اُن کو کر دے گا  
دور دراز +

(۲۶) وہ غیب کی بات جانتا ہے پھر اپنی  
غیب کی بات کسی کو نہیں بتلاتا +

(۲۷) سوائے اُس کے جس کو پیغمبر کرنا پسند  
کرتا ہے پھر وہی رکھتا ہے اُس کے آگے  
اور اُس کے پیچھے نگہبانی +

(۲۸) تاکہ جان لے کہ بیشک انہوں نے اپنے  
پروردگار کے پیغام ہونچا دیئے اور گھیر لیا  
ہے اُس چیز کو جو اُن کے پاس ہے اور گن لیا  
ہے ہر چیز کو ایک ایک کر کے +

## سورة الفیل مکیتہ وہی خمس آیات

### سورہ فیل

مکہ میں اتریں اس میں پانچ آیتیں ہیں اس سورۃ میں لفظ فیل آیا ہے اور اس سبب سے اس کا نام سورہ فیل ہوا ہے یعنی وہ سورۃ جس میں فاتی کا نام ہے یا فاتی حالموں کا قصہ ہے +

اب رہتہ الا مشرق میں کا بادشاہ جو عیسائی مذہب کھتا تھا اُس نے کعبہ کے ڈھلنے کے ارادہ سے مگر پڑھائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اور اُس کے لشکر کو برباد کر دیا وہی قصہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے +

مفسرین کی عادت ہے کہ اصل بات کو بڑھا کر کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس اہلی وقوف کو بھی کہانی کی صورت پر بنا لیا ہے اور اپنی تفسیروں میں اس طرح لکھا ہے کہ جب ابرہہ کا لشکر فاتیوں سمیت کعبہ کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کے پرند جانوروں کو حکم دیا کہ سویرا چنے کے دانہ کے برابر ایک کنکری جو بیج میں اور ایک ایک دونوں پنجوں میں لیکر جاؤ اور ابرہہ کے لشکر پر چھوڑ دو۔ ان پرندوں نے ایسا ہی کیا اور کنکری جس کے سر پر پٹی پازنکل گئی سالہ لشکر برباد ہو گیا اور اس قصہ کے لئے کچھ بے اصل روایتیں بھی گھڑ لی ہیں اور لفظی ناسبت سے تمام اُس کے لوازمات از خود خیال کر لیے ہیں۔ قرآن مجید میں اس طرح پر یہ قصہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید سے صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ابرہہ کے لشکر پر ایک آفت پڑی اور وہ برباد ہو گیا۔ اُس آیت تک نہ کہ قرآن مجید میں نہیں ہے مگر قرآن مجید کی سیاق عبارت سے اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت دہائی چپک کی بیماری تھی جو ابرہہ کے لشکر میں فحشاء فساد کا حصہ تھا۔ پھیل اور بہت سے آدمی اور جانور چپک سے مر گئے اور سالہ لشکر تباہ ہو گیا۔ اسی واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ

(۱) اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ (۱) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے

سجیل ایصا کتب لهم انهم یعدون بما قال اللہ تعالیٰ ما ادرک ما سجدین کتاب  
مرقوم والسجیل بمعنی السجین قال لانہری ہذا الحسن مما مر فیہا عندی یعنی  
من سجیل کے معنی ہیں سجد کے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے خدا نے اُن کے لیے لکھا  
تھا کہ عذاب دے گا وہیں گے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جانتا ہے تو اسے محمد کہ کیا ہے  
سجین وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور سجیل کے بھی وہی معنی ہیں جو سجدین کے ہیں اور انہری کا  
قول ہے کہ یہی معنی میرے نزدیک سجیل کے لفظ کے اُن سب معنوں سے بہتر ہیں جو اوپر گزشتہ  
پس اب معنی بالکل صاف ہو گئے اور اسی لیے ہم نے سجیل کا ترجمہ جو اُن کے لیے لکھے ہوئے  
تھے "کیا ہے" کیا ہے۔

لفظ عصاف کے معنی ہیں خراب ہوئی یا روندی ہوئی یا کٹی ہوئی یا چری ہوئی یا ٹیسے  
کھائی ہوئی زراعت کے خواہ اُس کے پتوں کا یہ حال ہو گیا جو خواہ بالوں کا خواہ پتوں اور بالوں  
دونوں کا تفسیر کہیں لکھا ہے کہ ولا احتمال الثاني علی هذا الوجه ان یكون التشبيه  
ہے فیقول حیث کہیں لکھا ہے کہ ولا احتمال الثاني علی هذا الوجه ان یكون التشبيه  
ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی پرند جانور کے ہیں مگر شومی اور وبائل کہیں میں لکھا ہے  
بدشگون پر بھی اُن کا اطلاق ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عرب والے پرند جانوروں کے  
کرنے سے شگن و بدشگن بیا کرتے تھے اس لیے جب کسی پرانت آتی تھی تو کہتے تھے کہ چکا  
لان الطائر بکذا یعنی اس کی چڑیا اسی طرح پرانسی ہے پس اس سبب سے طائر کا لفظ  
کی وبال اور شامت پر اطلاق ہونے لگا۔

لغات قرآن میں اس آیت کی تفسیر کہ طائر کہ معکم یہ لکھی ہے کہ ای شو معکم من عند  
انفسکم یعنی تمہاری چڑیا تمہارے ساتھ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا وبال تمہاری ہی  
ساتھ ہے اور تفسیر ابن عباس میں بھی طائر کہ کے معنی مصہاشبکہ کے لکھے ہیں یعنی  
تمہاری مصیبتیں مراد ہیں۔

تمہاری چڑیا  
معنوں میں متعل ہوئے ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے کہ منہ قولہم  
خبر کہ اس سورتہ میں طائر کے لفظ سے وبال اور مصیبت مراد  
کامطین کہ بر اللہ پر ان کے معنی پرند جانور کے بھی ہیں اس لیے ان لوگوں نے  
ہے جو ابھ کے لشکر پر چڑیا جو کہ

چھوڑ دیں اور اس کلیسیا کا حج کیا کریں مگر مالوں نے نہ مانا تب ابرہہ نے مشعر میں مکہ پر اس ارادہ سے چڑھائی کی کہ کعبہ کو مسمار کر دے اور ابرہہ کے ساتھ کعبہ کے مسمار کرنے کے لئے مٹی بھی تھے اس سبب سے وہ لوگ صحابہ الغیل کہلانے لگے اور وہ ہیں جس میں یہ چڑھائی ہوئی عالم الغیل کے نام سے مشہور ہوا جبکہ انھوں نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا ان میں ایک سخت دبا چپک کی پھیلی اور ابرہہ اور اُس کا تمام لشکر اس پر بائیس ہلاک اور برباد ہو گیا اور محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور چونکہ ایسے وقت میں اس دبا کا واقع ہونا مکہ معظمہ کے محفوظ رہنے کا سبب ہوا اسی کا ذکر خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے +

### تحقیق القصہ

اب ہکویہ بات کہ جب مکہ معظمہ کا محاصرہ ابرہہ الاشترم نے کیا تو حقیقت اُس کے لشکر میں چپک کی دبا پھیلی تھی ثابت کرنا باقی ہے اور پریم، سلاک، و سربا ب یوں نہیں ہے اس پر سے نے بھی اسی اقمہ کا گئے مراد مصیبت ڈالنا ہے اردو محاورہ میں بولتے ہیں کہ پتھر پڑے ہیں یعنی آفت پڑی ہے۔ عرب میں بھی یہ محاورہ ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے رومی بجزاء الارض لے بد اہیۃ یعنی زمین کے پتھر ڈالے گئے یعنی مصیبت میں مبتلا ہوا +  
وفی حدیث الاحنف قال علی حین مذنب معکویہ عمرًا للکومتہ القدر مہیت  
بجحر الارض ای بد اہیۃ عظیمہ تثبت ثبوت الحج فی الارض نہایہ ابن اثیر و مجمع  
بحار الانوار۔

یعنی نہایہ ابن اثیر اور مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے عمر بن العاص کو عامل کرنے کے لئے بلایا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اُس پر زمین کے پتھر مارے گئے یعنی اٹل مصیبت پڑی جیسے پتھر زمین سے اٹل ہوتا ہے +

لفظ سجیل۔ جبکہ معرین نے لفظ حجارہ سے اُس کے لفظی معنی پتھر کے لئے تو لفظ سجیل کے بھی اُنھوں نے پتھر کے معنی لئے یعنی مٹی کے پتھر اور اس لئے شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ کھنکر کر دیا ہے یعنی وہ مینیس جو شہادہ میں گل جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملکر ڈھم بھر بہت سخت ہو جاتی ہیں +

مگر سجیل مینی جل بھی آیا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے۔ قوله تعالیٰ من یجیل لے من

سجیل ای صما کتب لم انهم یعدون بہا قال اللہ تعالیٰ ما ادرک ما سبحین کتاب  
من قوم والسجیل بمعنی السجین قال الانہری ہذا الحسن مما مر فیہا عندی معنی  
من سجیل کے معنی ہیں سجیل کے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے خدا نے اُن کے لیے لکھا  
تھا کہ عذاب دے گا وہیں گے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جانتا ہے تو اسے محمد کہ کیا ہے  
سبحین ہا لکھی ہوئی کتاب ہے اور سجیل کے بھی وہی معنی ہیں جو تجبن کے ہیں اور انہری کا  
قول ہے کہ یہی معنی میرے نزدیک سجیل کے لفظ کے اُن سب معنوں سے بہتر ہیں جو اوپر گزشتہ  
پس اب معنی بالکل صاف ہو گئے اور اسی لیے ہم نے سجیل کا ترجمہ جو اُن کے لیے لکھے ہوئے  
تھے "کیا ہے" کیا ہے ۹

لفظ عصف کے معنی ہیں خراب ہوئی یا روندنی ہوئی یا کٹی ہوئی یا چری ہوئی یا ٹیسے  
کھائی ہوئی زراعت کے خواہ اُس کے پتوں کا یہ حال ہو گیا ہو خواہ بالوں کا خواہ پتوں اور بالوں  
دونوں کا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ والاحتمال الثاني علی ہذا الوجه ان یكون التشبيه  
واقعا ورتق النہر اذا وقع فیہ الا کال وھوان یا کالہ الدود یعنی کبیر میں لکھا ہے  
کہ تشبیہ ہے کھیتی کے پتوں سے جس میں کٹا لگ گیا ہو اور اُس کو کٹیوں نے کھالیا ہو اور  
اسی سبب سے میں نے کعصف ماکول کا ترجمہ کیا ہے "جیسی کڑکھائی کھیتی" ۹  
قاموس اور صراح میں لکھا ہے کعصف ماکول اسے کز صر قدا اکل حبه وبقی  
تبہ ۹

یعنی قاموس و صراح میں لکھا ہے کہ عصف ماکول کے معنی ایسی کھیتی کے ہیں جس کے  
دانے کھائے ہوں اور ڈنٹھل باقی رہ گئے ہوں ۹

### بیان القصہ

عرب کی ملکی رعایتوں میں یہ قصہ تو اتر کر پہونچ گیا ہے اور جس زمانہ میں یہ واقعہ ہوا اُس زمانہ  
عرب میں ایک نئے سنہ کا شمار کیا جاتا ہے جس کو عام الفیل کہتے ہیں اور اس واقعہ کے بعد اسی سال  
میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں اور قصہ یہ ہے کہ اس وقت کاشغر  
ابی مسکوم عیسائی مذہب اور یرمن کا حاکم تھا اُس نے جب جنتیواستغف کی تحریک سے جبکہ  
اسکندریہ کے بغلاق نے بھیجا تھا صہارین میں ایک کلیسیا بنوایا اور چاہا کہ اہل عرب نہ کہ کراچ

چھوڑ دیں اور اس کلیسا کا حج کیا کریں مگر مالوں نے نہ مانا تب ابرہہ نے مشہرہ عرب میں کہہ  
پرایں ارادہ سے پڑھائی کی کہ کہہ کر سار کر دے اور ابرہہ کے ساتھ کعبہ کے سار کرنے کے لیے  
لٹی بھی تھے اس سبب سے وہ لوگ اصحاب الغیل کہلانے لگے اور وہ ہیں جس میں یہ چڑھائی  
ہوئی عام الغیل کے نام سے مشہور ہوا جبکہ انھوں نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا ان میں ایک سخت  
وبا چھپک کی پھیلی اور ابرہہ اور اس کا تمام لشکر اس وبا سے ہلاک اور برباد ہو گیا اور محاصرہ چھوڑ کر  
بھاگ گیا اور جبکہ ایسے وقت میں اس وبا کا واقع ہونا کہ معظمہ کے محفوظ رہنے کا سبب ہوا اسی کا  
ذکر خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا ہے +

### تحقیق القصہ

اب یہ کو یہ بات کہ جب مکہ معظمہ کا محاصرہ ابرہہ الاثرم نے کیا تو حقیقت اس کے لشکر میں  
چھپک کی وبا پھیلی تھی ثابت کرنا باقی رہا ہے اور یہ بھی بیان کرنا ہے کہ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ  
نے بھی اسی اتوار کا ذکر کیا ہے نہ اُس کسی قصہ کا۔ پس آیت ہم اول امر کو مفصلہ ذیل دلیلوں سے  
ثابت کرتے ہیں +

اول۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے واصیب ابرہہ فی حیدۃ وخر جوابہ معہ  
یستقط انملة انملة کلمما سقطت منه انملة اتبعها منه مدۃ تمت قیما و  
دما حتی فدمر اہ صناعاء وھو شل یعنی ابرہہ کے بدن میں بیماری ہو گئی اُسکی انگلیاں  
گرنے لگیں ان میں سے پیپ اور خون بہتا تھا یہاں تک کہ جب صنعا میں آیا تو لہجھا تھا اس  
کیفیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چھپک کی بیماری میں ابرہہ بھی مبتلا ہوا تھا +

دوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے۔ قال ابن اسحاق وحدثنی عبد اللہ بن ابی بکر  
عن عمرۃ بنت عبد الرحمن بن اسعد بن زمرہ عن عائشة قالت مرا ایت  
قائدا للقیل وسایہ بمکة اعمیین مقعدین یسطمان یعنی حضرت عائشہ سے روایت  
ہے کہ انہیں نے کہا دیکھا ابرہہ کے فیلبان اور چوڑے کو مکہ میں کہ وہ اندھے ہو گئے تھے پس  
روایت میں بھی جو کیفیت مندرج ہے اس سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ چھپک کی بیماری سے  
وہ اندھے ہو گئے تھے +

سوم۔ سیرت ہشامی میں لکھا ہے قال ابن اسحاق وحدثنی یعقوب بن عیینہ



حدث ان ادل ماروت الحصبته والجدي بارض العرب ذاك العام يعني سرت  
ہشامی میں لکھا ہے کہ ابن سحاق نے کہا کہ یعقوب ابن عیینہ نے یہ بات کہی کہ ملک عرب میں  
اسی برس پہلے پل چھپک کی بیماری نمودار ہوئی +

چھارم۔ واقعہ میں لکھا ہے فکان ذلک ادل ما کان الجدي والحصبه یعنی  
یہی وقت تھا کہ پہلے پل چھپک کی بیماری ہوئی +

پنجم۔ ثعلبی نے کتاب العرائس کے باب ثقبہ اصحاب البعل میں لکھا ہے + دولی ابرہہ  
ومن معه ہاربا فجعل ابرہہ یسقط عضواً عضواً حتی مات + + + + وهو ادل  
وقت رثی الجدمری والحصبہ یعنی بھاگ گیا ابرہہ اور جو لوگ کہ اُس کے ساتھ تھے اور  
ابرہہ نے اعضا گل گل کرتے تھے یہاں تک کہ مر گیا + + + + اور یہ پہلا وقت ہے جو چھپک  
کی بیماری نمودار ہوئی +

ششم۔ تفسیر صافی میں ہے فجعلت تریمہم بہا حتی جدرت اجسامہم  
فقتلہم بہا وما کان قبل ذلک راہی شی من الجدمری یعنی پتھر راتے تھے یہاں تک کہ  
اُن کے بدنوں میں چھپک نکل آئی اُسی نے اُن کو مار ڈالا اور اس سے پہلے چھپک کی بیماری نمودار  
نہیں ہوئی تھی +

ہفتم۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے فمالقی احد منهم تلا اخذتہ الحکمۃ وکان  
ساکیناً لہ انسان منہم جلدۃ لانا قاطحہ یعنی اُن میں سے جبکہ پتھر لگا اُس کے  
بدن میں کھلی پیدا ہوئی اسی اُن میں سے شخص کھلا تھا اُس کا گوشت پڑا تھا۔ یہ حالت خاص  
چھپک کی بیماری کی ہے +

ہشتم۔ کشف میں ہے عن عکرمہ من اصلابہ جدتہا وهو ادل جدمہا  
ظہر یعنی عکرمہ کا قول ہے کہ وہ پتھر جس کو لگا اُس کو چھپک نکل آئی اور وہی زمانہ تھا جس  
پہلے پل چھپک نکلی +

نہم۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے روی عکرمہ عن ابن عباس قال لما رسل اللہ  
الحجۃ علی اصحاب الفیل لم یقیم حجر علی احد منهم الا نفض حیلہ وانارہ الجدم  
وهو قول سعید ابن جبیر یعنی تفسیر کبیر میں لکھا کہ عکرمہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا کہ جب  
اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل پر پتھر ڈالے تو جس شخص پر پتھر پڑا اُسکی جلد بچھڑا اٹھی اور چھپک

نہ پہنچا اور یہ قول صحابین جبر کا ہے \*

ذہرہ گبن کی تاریخ رو میہ (باب ۵۰) کے حاشیہ پر ولیم اسمتھ نے اور ترجمہ انگریزی قرآن کے سورۃ انفیل کے حاشیہ پر مادل نے رلیک کی کتاب معالجات عرب اور ہم گیل لسان کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ عرب میں اول مرتبہ چچک کا مرض ابرص کی پڑھائی کے وقت نمودار ہوا تھا \*

یہ روایتیں بالکل یقین دلاتی ہیں کہ ابرص کے لشکر پر جو آفت پڑی وہ بلا شک چچک کی وبا تھی \*

آب ہم بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے بھی اسی واقع کے ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے \*

اول۔ بڑی عمدہ تشبیہ جو قرآن مجید میں ابرص کے لشکر کی عصف ماکول سے دی گئی ہے وہ بالکل مرض چچک کی پوری تشبیہ ہے کیونکہ چچک کی بیماری میں بھی انسان کا بدن کیڑے کھائی ہوئی چیز کے بالکل مشابہ ہو جاتا ہے \*

دوم۔ حجر کا لفظ بھی اس مرض کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ حجر و حصب کے ایک معنی ہیں اور حصبہ چچک کے مرض کو کہتے ہیں \*

سوم۔ سبیل سے بھی اگر وہی مراد لیجاوے جو مفسرین نے لی ہے یعنی دفن کی آگ میں پکی ہوئی کنگریاں تو وہ بھی چچک کے دانوں کے نہایت مناسب ہے \*

چہارم۔ ابابیل کا لفظ بھی اس مرض کی حالت سے نہایت مناسبت رکھتا ہے اس لئے کہ ابابیل ایسی کثرت کو کہتے ہیں جو گرہ گرہ میں پے در پے ہو۔ مرض چچک کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ ملک عمل کی اس مرض میں مبتلا ہوا دوسرا غول گلن اور غلے ہذا القیاس \*

پس قرآن مجید میں جس آفت کا ابرص پر نازل ہونا مذکور ہوا ہے اگرچہ اس کا نام نہیں لیا گیا مگر اس کے الفاظ اور اس کی تشبیہیں مرض چچک سے ایسی مناسب ہیں کہ اس سے صاف مرض چچک کی وبا کا ابرص کے لشکر میں واقع ہونا پایا جاتا ہے \*

### جواب اعتراض ملاحظہ

اب اس مقام پر کوئی تہمید یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اگر یہ واقعو وقوع میں آیا تو اس سے کبھی

کچھ بزرگی اور کرامات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک اتفاقی واقعہ تھا اور ایسے واقعے دنیا میں بہت ہوا کرتے ہیں چنانچہ ہیرود وٹس کی تاج سے جو چار سو برس پیشتر حضرت مسیح کے قتل ثابت ہوا ہے کو ڈنکی کے مندر جو پراناں میں تھا ایک دھوا پرانیوں نے پانچ سو برس قبل مسیح کے چڑھائی کی جیسا اُس کے قریب پونچھ تو آسمان پر سے بجلی گری اور مندر کے بعض مکانات گرے اور ایسا ہی اُس میں صبر کر گئے اور باقی خوف سے بھاگ گئے اور پھر تین سو برس پیشتر کال والوں نے اُس پر چڑھائی کی اور اسی طرح ایک عجیب واقعہ جسے جبکہ ذکر پاسانیاس نے لکھا ہے گال لے پس پاسو گئے پس اس واقعہ کے ہونے سے کعبہ کی کیا کرامات ثابت ہوتی ہے ؟

مگر ایسا اعتراض کرنا اعتراض کرنے والوں کی غلطی ہے کعبہ کی بزرگی کسی کرامت کے ظاہر ہونے سے نہیں ہے بلکہ اُس کی بزرگی صرف اس وجہ سے ہے کہ خاص خدا کا نام پکارنے کو ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے بنایا گیا تھا ۔

اس صورت میں بھی خدا تعالیٰ نے یہ واقعہ کچھ کعبہ کی کرامات ثابت کرنے کو نہیں بیان کیا بلکہ اپنی قدرت کاملہ کی ایک شان بیان کی ہے ۔ تمام قدس خدا تعالیٰ کے قوانین قدرت کے طور پر ظہور میں آتی ہیں انسان کا پیدا کرنا درختوں کا پیدا کرنا ۔ پھول پھل کا پیدا کرنا ۔ سب قوانین قدرت کے مطابق ہوتا ہے لیکن اُن سب میں انہما مقدرت اور شان خدا تعالیٰ کی ہوتی ہے اس طرح اس واقعہ میں بھی جو قوانین قدرت کے مطابق واقع ہوا خدا تعالیٰ کی شان اور قدرت پائی جاتی ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے انسان کی نصیحت کو اس سوتہ میں فرمایا ہے ہاں البتہ اس بیان سے کعبہ متفکر کی عزت ثابت ہوتی ہے کہ جس واقعہ سے کعبہ محفوظ رہا خدا نے بطور انہما رہی شان و قدرت کے اُس کا ذکر کیا مگر ڈنکی کے مندر کا کبھی نام بھی نہیں لیا ۔

کافر

اگلے زمانہ میں بھی گزرے ہیں

ان دنوں میں جناب مولوی محمد مسیح الدین خاں بہادر رئیس کا کوری علاقہ کھنڈ کے

کتب خانہ سے ایک تفسیر سی۔ ”کشف الاسلام“ ہمارے ہاتھ آئی ہے۔ اس کتاب کا اردو  
 اُس کے مصنف کا حال ہم پھر کہیں لکھیں گے اس وقت اُس نے جو تفسیر اُن آیتوں کی لکھی ہے جن کی  
 تفسیر میں ہمارے زمانہ کے احباب ہجو کا فرماتے ہیں بعینہ اس مقام پر لکھتے ہیں اور دکھاتے ہیں  
 کہ اگلے زمانہ کے مفسر بھی کا فرمیں گے۔

اس تفسیر کے مصنف کا ہم ابھی نام نہیں بتاتے جب خوب اُس کی تحفیز کے قوسے ہوئے  
 تب نام بتا دیں گے۔

### سورة النساء

اس مفسر نے حضرت عیسیٰ کی نسبت تین باتیں قریب قریب اُسی کے بیان کی ہیں جو ہم  
 کہتے ہیں۔

اَوَّلُیْہِ کہ: ”اے کسی دوسرے شخص کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کے مشابہ نہیں  
 بدلی تھی۔“ بد اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ رؤسا دیود نے ایک شخص غیر کو دیدہ و دانستہ کہ یہ حضرت  
 عیسیٰ نہیں ہے مار ڈالا اور صلیب پر لٹکادیا اور عوام سے یہ کہہ کر دکھا دیا کہ وہ عیسیٰ ہے جس کو ہم نے  
 مار ڈالا ہے۔

دو س مے یہ کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر نہیں چلے گئے اور جب ان دونوں باتوں کو دیا  
 جاوے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مثل اُنہرانیار کے اسی دنیا میں اپنی موت سے گئے۔  
 تیسرے یہ کہ اس مفسر کا مذہب یہ ہے کہ معراج بالجمہد نہیں ہوئی تھی بلکہ بالروح  
 خوب میں ہوئی تھی۔

فما قولکم یا ایہا الکفرین المسلمین فی حق مثل هذه المفسرین المومنین۔

### عبارت تفسیر مذکور یہ ہے:-

اور اُن کا یہ کہنا کہ مجھے عیسیٰ مریم کے بیٹے خدا کے رسول کو مارا یعنی اُن کا یہ کہنا اہل یسایا  
 اُن کا دعویٰ کرنا اُن میں مشہور تھا حالانکہ یہ سب

”وقولنا المسیم ابن مریم رسول  
 اللہ“ ای الشہور بہذہ الدعویٰ عندہم  
 نے حضرت عیسیٰ کو مارا نہ اُنہوں نے حضرت  
 عیسیٰ کو صلیب پر لٹکایا مگر لوگوں کے لئے

"وما قتلوا وما صلبوا ولكن شبه لهم" انہم هذه العبارة واعرف الفرق بينها وبين قوله لو قال ولكن شبه الله لهم او اشتبه عليهم فانه لو قال شبه الله تبارك على صرامتهم او تشبه لهم بعيسى واحدا ليرضيم بقتل واحد وان لم يكن عيسى ولقد كان تعالى قادر على الالام عيسى عليه السلام وان ينحبه منهم بغير ذلك ولو قال اشتبه دل على انهم اشتبه عليهم كالم مثلا ومتى اشتبه الشيء فيجوز ان يكون هو المشار اليه في نفس الامر وقد اشتبه كما يجوز ان يكون غيره وقد اشتبه ايضا وقد نسب الضمير الى عيسى اعني اشار اليه فلزم ان يقول شيئا من ذلك فقوله شبه الله تعالى وما بعد هاديل على ما نقله الجبائي انه لما رفع عيسى عليه السلام مخاف رساء اليهود من اتباع اليهود لعيسى وميلهم الي من مال معه منهم فعمدوا الى رجل فقتلوه وصلبوا على مكان عال بعد قتله ولم يمكنوا احدا من الدفنه فتغيرت وتسكرت صورته وقالوا قتلنا عيسى وموهوا على بقية قومهم فاختلوا وان الذين اختلوا فيه لفي شك منه وذلك انه من حين رفع ما لم به من

ان کی صورت بنا دی پس اس عبارت کو سمجھنا چاہیے اور جس طرح خدا نے کہا ہے اس میں اور اس طرح کے کہنے میں کہ اللہ نے ان کے لئے عیسیٰ کی سی صورت بنا دی یا مشابہ کر دیا اللہ نے ان کے لئے فرق کرنا چاہیے کیونکہ اگر یہ کہتے کہ اللہ نے ان کے لئے عیسیٰ کی سی صورت بنا دی تو اس سے تو یہودیوں کی بھگلی ثابت ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی خاطر سے ایک شخص کی حضرت عیسیٰ کی سی صورت بنا دی تاکہ یہودیوں کو اس ایک کے مار ڈالنے سے رخصت کر دے گو کہ وہ عیسیٰ نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی قائم رکھنے پر قادر تھا اور حضرت عیسیٰ کو اس طرح پر صورت بدل دینے کے سوا اور طرح پر بھی بجا سکتا تھا اور اگر یہ کہنا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مشابہ کر دیا تو ثابت ہوتا کہ کل یہودیوں کے لئے مشابہ کر دیا تھا اور جو چیز کہ اس طرح مشابہ ہو کر ہے تو یہ کہنا کہ وہ چیز نفس الامر میں ہی ہے جائز ہوگا کیونکہ مشابہ ہو گئی ہے جس طرح کہ جائز ہے کہ وہ آدمی جو اور مشابہ ہو گئی ہو اور اس کلام میں عیسیٰ ہی کی طرف نسبت ہے یعنی انہیں کی طرف اشارہ ہے تو لازم آیا کہ ان کی شکل طرح نہ کہتا کہ عیسیٰ کی سی صورت بنا دی تھی یا مشابہ کر دیا تھا اللہ نے ان کے لئے یہ نہ تھا کہ اس طرح کہنا کہ لوگوں کے لئے صورت بنا دی

اور جو اس کے بعد ہے ولایت کرتا ہے اسی پر  
 جو جہائی نے نقل کیا ہے کہ جب عیسیٰ اٹھائے  
 گئے تو سردارانِ یہود نے اس خوف سے کہ  
 یہود عیسیٰ کے پیرو نہ ہو جاویں اور ان کی طرف  
 نہ جھک جاویں جو عیسیٰ کی طرف مائل ہیں یہ  
 قصد کیا کہ ایک آدمی کو مار کر اس کے پوسلیپ  
 پر لٹکا دیا اور کسی کو اس کے پاس نہ آنے دیا  
 جب کہ بگڑ گیا اور صورت بدل گئی تو اپنی باقی  
 قوم سے کہا کہ ہم نے عیسیٰ کو مار ڈالا اور دھوکہ  
 دیا اپنی باقی قوم کو پس اُن میں آپس میں جھگڑا  
 ہوا اور جو اُس میں جھگڑا رہے ہیں کہے تو  
 البتہ شک میں ہیں اور اس لیے شک میں ہیں کہ  
 جن سے عیسیٰ اٹھائے گئے اُن کو کچھ علم  
 نہیں ہے مگر جن کی پیروی کرتے ہیں اور عیسیٰ  
 کو نہیں مارا ہے پھر کہا یقیناً یعنی اُن کو تو  
 یقین ہے یعنی جو قتل کا دعویٰ کرتے ہیں  
 وُسے بے شک جانتے ہیں کہ انہوں نے  
 نہیں مارا اور انہوں نے اپنے باقی آدمیوں  
 کو شبہ میں ڈال دیا ہے اور یہ باقی آدمی قتل  
 ہی میں جن کے لیے مشابہ کیا گیا ایک آدمی  
 جو حضرت عیسیٰ کے مشابہ تھا پس یہ عبارت  
 صورت و اقوال کی خبر دیتی ہے اور اگر قصہ تھا  
 ایک آدمی کو اُن کے لیے عیسیٰ کی سی صورت  
 بنا دینا اور وُسے اس کو مار ڈالتے تو ان کا یہ  
 قول کہ ہم نے مسیح کو مار ڈالا کچھ عجیب کی بات

علم الا اتباع الظن وما قتلوه ثم قال  
 "یقیناً" فہم عن یقین منہم اھنی من  
 ادعی قتله یتیقن انہم ما قتلوا وہم  
 الذین شہوا البقیۃ الناس منہم وبقیۃ  
 الناس ہم الذین شہوا ہم رجل بعیسی  
 منہم قد کان یشہہ فجماعۃ العبادة  
 منبثۃ بصوت الواقعة ولو شہہ اللہ ہم  
 انسانا بعیسی فقتلوا لم یکن قولہم انا  
 قتلنا المسیح بحجة ولا کذباً اذ لو اتی انسان  
 امرأۃ تشہہ زوجتہ بحیث لا یشک فیہا  
 لم یکن زانیاً وقولہ تعالیٰ ما قتلوا وما  
 صلبوا بل علی انہم قتلوا انساناً لا شر  
 صلبوا بعد القتل وهذا بقصد منہم و  
 لهذا لم یقل اشتہہ فانہ لم یشعہ  
 علیہم بل الرؤساء شہوا وغیرہم تشہہ  
 لم ولم یقل ایضاً شہہ اللہ کما تقدم و  
 اما الذین اختلفوا فیہ فہم غیر الرؤساء  
 لانہم کلہم کانوا یہودا غیر ان بعضهم  
 خالف بعضا فی الایمان بہ فاخبر اللہ  
 عن بقیۃ الیہود والنصارى بقولہ وان  
 الذین اختلفوا فیہ ای فی الایمان بہ لانی  
 قتلہ لانی فک منہ فہذا قولہ وما قتلوا  
 راجعاً الی الرؤساء والمتیقین بانہم لم  
 یقتلوا بل شہوا وقولہ ان الذین اختلفوا  
 فیہ راجع الی الیہود والنصارى معاً و

لهذا الميقل اختلافوا في قتله وقوله ما  
 لم به من علم عايد الى اليهود والنصارى  
 غير الرؤساء ومن همنا تدل على استغراق  
 الجنس وقوله لا اتباع الظن اى ان اتباعهم  
 لما فعله الرؤساء وادعوا اتباع ظن لما  
 ذكره الظن من المتبعين تبعه ذكر المؤمنين للقالين  
 للشبهة مع نفي القناع عيسى فقال وما قتلوه  
 اى وذلك الاخبار منا بقولنا ما قتلوه  
 هو عن يمين منهم ولا يفهم انهم قتلوه  
 شكابل رفعه الله عليه وكان الله  
 عزيزاً حكيماً \* \* \* \*

نہ ہوتی اور نہ جھوٹ ہوتا اس لیے کہ اگر ایک  
 آدمی ایک عورت سے جماع کرے جو اسکی  
 زوجہ کے مشابہ ہو اس طرح پر کہ اس میں  
 کچھ شک نہ ہو تو یہ زانی نہیں ہوگا اور یہ قول  
 اللہ تعالیٰ کا کہ نہ اُسکو مارا اور نہ صلیب پر لٹایا  
 اس پر دلائل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک  
 آدمی کو پہلے مارا پھر بعد قتل کے صلیب پر  
 لٹکایا اور یہ اپنے ارادہ سے کیا اسی لیے نہیں  
 فرمایا کہ اُن پر مشابہ ہو گیا تھا کہ اُن پر تو نہیں  
 مشابہ ہو اٹھا بلکہ رؤساء نے صورت بنا دی  
 تھی اور غیر رئیسوں کے لیے صورت بنا دی  
 تھی اور اس لیے نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

صورت بنا دی تھی جیسا کہ پہلے گزر چکا اور جن میں اختلاف ہوا نے رئیسوں کے سوا اور  
 یہود میں کہ جسے تو سب یہودی تھے ہاں مگر اُن میں کچھ آدمیوں نے دوسروں کی  
 مخالفت کی عیسیٰ پر ایمان لانے میں پس اللہ تعالیٰ نے باقی یہود اور نصاریٰ سے خبر دی اپنے  
 اس قول میں کہ جنہوں نے اُس میں اختلاف کیا (یعنی اُس پر ایمان لانے میں اختلاف کیا) یہ کہ  
 اُس کے قتل میں اختلاف کیا) و سببتہ شک میں ہیں یہ قول خدا تعالیٰ کا کہ نہیں مارا  
 راجع ہے رؤساء کی طرف جن کو یقین تھا کہ اُنہوں نے نہیں قتل کیا بلکہ صورت بنا دی اور یہ  
 قول اللہ تعالیٰ کا کہ جنہوں نے اُس میں اختلاف کیا راجع ہے طرف یہود اور نصاریٰ دونوں گئے  
 اور اسی لیے نہیں فرمایا کہ اختلاف کیا اُنہوں نے اُس کے قتل میں اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا  
 کہ اُن کو کچھ خبر نہیں ہے رئیسوں کے سوا باقی یہود اور نصاریٰ کی طرف راجع ہے اور من  
 کا لفظ یہاں سب کے شامل ہونے پر دلائل کرتا ہے اور یہ قول خدا تعالیٰ کا کہ وہ  
 ظن کی پیروی کرتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں کہ اُس کی پیروی کرتے ہیں جو اُن کے روسائے  
 کیا اور دعویٰ کیا اور یہ ظن کی پیروی ہے اور سب کہ پیروی کرنے والوں کی طرف سے ظن  
 برآتا تو اُس کے بعد یقین کا ذکر کیا اُن کی جانب سے جنہوں نے شبہ میں ڈالا با وصف قتل

ہونے عیسے کے پس فرمایا کہ نہیں مارا ہے اُسکو اور ہماری یہ خبر دینی کہ اُسکو نہیں مارا ہے یہ انکی یقین کی خبر ہے اور یہ نہیں سمجھا جاتا کہ انھوں نے شک سے مارا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اپنی طرف اٹھالیا ہے اور ہے اللہ عزت والا دانا

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ عیسیٰ کو اللہ نے اٹھایا اپنی طرف ایسا ہے جیسے یہ قول کہ ہم نے

اٹھایا اُسکو پڑے مرتبہ پیاور جیسے ابراہیم کا

یہ قول نقل کیا کہ میں جاتا ہوں اپنے پروردگار

کے پاس اور ایسا ہی ہے یہ قول کہ اٹھایا

اللہ تعالیٰ اُن کو جو ایمان لائے تم میں سے

اور جن کو عام ملا پڑے دجوں پر اور خود

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اللہ نے اُسکو اٹھایا

اپنی طرف یہ فائدہ دیتا ہے کہ یہ بدن کا

اٹھانا نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

کسی جگہ اور مقام میں نہیں ہے جیسا کہ

شہیدوں کے حق میں کہا گیا ہے کہ خدا کے

پاس میں رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں

اور اُن کے بدن تو مٹی ہیں مردہ پڑے ہیں

اور روایت کیا گیا ہے کہ ابراہیم اور موسیٰ

اور ابن کے سوا افضلیوں کو حضرت محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حوارج

کی رات میں دیکھا اور اس میں کچھ شک نہیں

اُن میں سے کوئی موعبدن کے نہیں اٹھایا

گیا اور ہکویہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنی مخلوق

پر ایسا بوجھ ڈالیں جس کو اٹھانا سکیں اس لیے

کہ یہ عقول پابند ہیں اسباب کی اور ان کی

ادراک کی ایک حد ہے اور حوارج میں اس سے

واما قوله تعالى بل رفعه الله اليه فهو

كقوله تعالى ورفعناه مكانا عليا وكقوله

عن ابراهيم ان ذهب الى رب ومثله

يرفع الله الذين امنوا منكم والذين

اتوا بالهدى ورجات ونفس قوله تعالى

بل رفعه الله اليه يعطى ان هذا الرفع

ليس بجسد لان الله تعالى ليس في مكان

وحيز بل كما قيل في الشهداء عند بهم

يرزقون فرحين واجسادهم في التراب

جيف وقد روي ان ابراهيم وموسى

وغیرہا واهم النبي صلى الله عليه وسلم

ليلة المعراج ولا شك انه ما منهم احد

رفع بالجسد ونحن فلا يجوز لنا ان نحمل

على عقولنا ما ليس في وسعها لانها مبعدة

متناهية واما الاسراء فلا شرف اذا

كان بجسد النبي صلى الله عليه وسلم

بعد ان قد راي مارا وصديق الله

تعالى بقوله ما كذب الفواد ما راي ولا

نفس اذا كان الاسراء بالروح دون الجسد

وكان نوما واخلاف في ان ابراهيم و



و آدم موسى لم يكنوا في السماء باجساد  
و كذا لك وام وهذا انما نقوله لانه  
الا قرب في الملاذهان مع اننا لا ننكر  
ان الله تعالى يفعل ما يشاء من قم جبل  
في الهوى ويخرج من الماء في السحاب وغيره  
فكيف لا يرفع جسد نبى له ولكن شرف  
التمويل ثابت بما لا يدفعه الخصم  
كذاك الاعتراف بقدرته البارى تعالى  
فلا نزاع اذا حصل المراد و كذا لك الكلا  
في عيسى عليه السلام والله اعلم بالنبيا  
ويجب ان تعلم ان الله تعالى انا اذن  
لرؤساء و مكنهم بما فعلوه من انهم  
قتلوا انسانا و شهوة لبني اسرائيل  
وادعوا انه عيسى جمع ذلك بحكمه  
الهية من الله سبحانه ذلك ان الهية  
بعينه رحمة في حق من امن بعيسى  
فتنته في حق من كفر به

کچھ زیادہ خوبی نہیں بڑھ جاتی اگر وہ مع جسد  
کے مافی جاوے کہ حضرت نے دیکھا جو کچھ  
دیکھا اور خدا تعالیٰ نے اُس کی اپنے اس  
قول سے تصدیق کی کہ جھوٹ نہ جانا دل نے  
جو کچھ دیکھا تھا اور کچھ نقصان نہیں ہے  
اس میں کہ معراج روح کو بغیر بدن کے سوتے  
ہوئے ہوئی ہو اور اس میں تو کچھ اختلاف نہیں  
ہے کہ ابراہیم اور آدم اور موسیٰ تو آسمان  
پر مع بدن کے نہ تھے اور ایسے ہی اُن کو دیکھا  
اور یہ ہم اس لیے کہتے ہیں کہ یہی ذہن کے  
قریب ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ  
اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے جو چاہے کہ ایک پہاڑ  
کو ہوا میں اٹھا دے اور ابراہیم ایک دریا  
بہا دے اور اس کے سوا اُن کو کچھ چاہے  
پس کس طرح نہیں اٹھا سکتا اپنے ایک نبی کا  
بدن لیکن نبی کی بزرگی ایسی ہوتی ہے جس کا  
دشمن انکار نہ کر سکے اور ایسے ہی خدا کی قدرت  
کا اقرار۔ پس جھگڑا نہ چاہیے جب مطلب

حاصل ہو جاوے اور ایسے ہی کلام ہے عیسیٰ کے اٹھ لینے میں اور خدا تعالیٰ اپنے نبیوں  
کے خال کو خوب جانتا ہے اور ضرور عقیدہ کو یہ جانتا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہودیوں کے  
سرور دل کو یہ کرنے دیا اور اُن کو اُس پر قدرت دی جو انہوں نے کیا کہ ایک آدمی کو مارا  
اور اُس کو اور سب بنی اسرائیل پر مشتبہ کیا اور دعویٰ کیا یہ عیسیٰ ہی ہے۔ یہ سب کام حکمت الہی  
سے خالی نہیں ہے اور یہ ہے کہ یہ سب کام عیسے کے پیروں کے لیے باعث رحمت کا ہوا  
اور اسی سے اُن یہودیوں میں جنہوں نے عیسیٰ کو نہ مانا تھا فتنہ پھیلا

# اخبار نور افشاں

مطبوعہ ۱۳۱۰ - اگست ۱۹۳۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فراتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شریع متین کہ جب کسی مشرک کو مذہبِ اسلام کی دعوت کی جاتی ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ مذہبِ اسلام کے قبول کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا تو اُس سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ توجرت میں داخل ہوگا اور اس وعدہ کو سن کر وہ مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے لیکن دوسرے مشرک سے اس طرح ہکاتے ہیں کہ مذہبِ اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ناجی ان میں سے ایک ہی ہے اور بہتر فی القادس اور فرقہ باہمی کا تحقیق معلوم ہونا نہایت دشوار ہے اور جس فرقہ میں تو جاسیگا بہتر فرقے اُس کے فی القادر ہونے کی گواہی دیں گے۔ یہ بات سن کے وہ شخص متحیر ہو کر مسلمان ہونے سے باز رہتا ہے اور اشاعت و ترقیِ اسلام میں نقصان ہوتا ہے اور ایسا اتفاق اکثر ہوا ہے کہ جب بعض بُت پرستوں کو اسلام کی دعوت کی گئی اور وہ مذہبِ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے تو مخالفوں نے ان کو مضامین مذکورہ سننا کے روک دیا یہاں تک کہ وہ مخالط میں آ کے دوسری طرف متوجہ ہو گئے بلکہ اکثر عوام کو خواہشیع ہوں اور خواہستی ہوں جب عیسائی یہ مخالط دیتے ہیں تو وہ بھی متحیر ہو کر اسلام سے خوف ہوتے اور مذہبِ عیسائی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے مذہبِ اسلام میں یوٹا فیوٹا منزل ہوتا ہے ترقی کا تو کیا ذکر ہے اُس کا قیام و شواہد معلوم ہوتا ہے پس اس وقت میں مشرکینِ عوام اسلام کو کتنے مسائل بتا کے یہ وعدہ کیا جائے مگر تم ان پر قائم رہو گے تو ہر فرقہ اسلامیہ کے نزدیک ضرور نجات پاؤ گے کیونکہ جب تک ایسا وعدہ نہ کیا جائے گا تب تک مشرکینِ اسلام کو قبول کریں گے اور نہ عوام اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور اسلام کی ترقی روکی سہیگی بلکہ یوٹا فیوٹا کمی ہوگی۔

بینوا فوجروا +

ملاحم

سید عبداللہ آبادی

## جواب از طرف ڈیئر تہذیب الاخلاق

یہ مسئلہ اسلام کا نہیں ہے کہ مذہب اسلام میں تشریف لے رہے ہیں اور ناجی ان میں سے ایک ہی ہے۔ یہ تو ایک موضوع روایت ہے جسکو اُس زمانہ کے لوگوں نے جبکہ مسلمانوں میں باہم مسائل فروعی میں اختلاف پڑا اپنی تائید کے لیے بنالی ہے اُس روایت کا موضوع ہونا روایتاً و درایتاً محققین کے نزدیک ثابت ہے سچا مسئلہ اسلام کا صرف یہ ہے:-

مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَدْ خَلَّ الْجَنَّةَ

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ اُس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے پس اسلام اس قدر ہے اور اسی کی تعلیم اور اسی پر یقین نجات کے لیے کافی ہے +  
عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم مفاتيح الجنة شهادة ان لا اله الا الله رولا احملا +

## مراسلات

میرے ہادی رہنمائے حقیقت مولانا مولوی سید احمد خاں صاحب - ایک عرصہ سے جناب کی ہمدردی محبت آمیز دیکھ کر دل سے ہزار ہزار بار یہی صدا اٹھتی ہے مرزا سید مرزا جب آپ کی بوڑھی عمر پر خیال آتا ہے اور آپ کی جوان کوششوں پر دھیان جاتا ہے۔ آپ کی سچی محبت پر دل جھٹکتا ہے۔ دل سے بے قصدیہ آواز آتی ہے۔ بجز آپ کے اس زمانہ میں کوئی اس لائق نہیں ہے جس کو ہادی حقیقت اور مخزن اسرار کا خطاب دیا جاوے۔ افسوس آپ کے نعرہ جاں سونکی اسوقت لوگوں کے کان میں آواز پہنچی جبکہ بہت نوجوان لوگ مذہب اسلام چھوڑ بیٹھے (یہ واقعہ صرف موجودہ اسلام کی تاریکی سے ہوا) جو مسلمان طالب علم اپنے مذہب سے برگشتہ تھے آپ کی پاک طبیعت نے اُن کے دل پر ایسا اثر اسلام کا کیا جو جھلک کر پھولے نہیں سماتے۔ یعنی دنیا میں اُن کے لیے وہ بندوبست کیا جس سے وہ مالا مال اور شاداب رہیں۔ اور آخرت کے وہ نکتہ بتائے جو بے سبب دل پر اپنا نقش کر کے اُن کے دل چل چل میں ایسا اثر کرتے ہیں جو بالکل نکل دی اور رحمدل ہو جاتے ہیں اور خدا انہیں پیرمیاں کی

عمرزار برس کر۔ اب کچھ فرصت دیکھ کر جناب سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جس پر مدت لگنے کا  
سباغہ ہو رہا ہے۔ یہ سب احداث آپ تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کی  
تحقیق پر آپ کے دم بہرنے والوں کا دل تسلی ہو جاوے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اکثر کلمہ ملاکتے ہیں  
کہ ترکوں کی ہم لوگوں کو وضع اختیار کرنی نہیں چاہیے کیونکہ وہ لوگ لاندہ بے ہیں اور مذہب  
ہولنے کی یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنی ڈاڑھیوں کو منڈالتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اسکو تہذیب ہیں  
بڑا دخل سمجھتے ہیں۔ اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں یہاں تک کہ سلطان اور غدیوہ مصر  
وغیرہ بھی اس کے مرتکب ہیں۔ اب میں جناب سے پوچھتا ہوں کہ آیا فیصلہ بنیادی باتوں سے  
تعلق رکھتا ہے یا دینی سے؟ اگر دینی سے ہے تو کیا کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے بعض  
اکابر کا جو یہ مذہب ہے کہ جائز ہے تو ان کی محبت قابل تسلیم ہے یا نہیں۔ اگر تحقیق تہذیب اللہ  
میں موج فراویں تو اندہ زرا لوگ اقف ہو جاویں گے۔ زیادہ والسلام

از مقام روپڑ

مؤرخہ ۲۹۔ اکتوبر ۱۲۶۶ھ

## جواب از طرف سید احمد

اس عنایت نامہ میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں اس میں کئی غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ ڈاڑھی  
رکھنے یا منڈانے کو تہذیب میں کچھ دخل نہیں ہے بال جو انسان کے سر پر اور موٹہ پر خدا نے  
پیدا کیے ہیں اگر انسان ان کو ایک پریشانی اور باتری کی حالت میں رہنے دے جیسے کہ بعض میلے  
کچیلے بے تمیز جنگلی جانوروں کے ہوتے ہیں تو بلاشبہ وہ پورا وحشیانہ پن ہے اور اگر ان کو درست  
اور خوبی سے رکھے تو وہ تہذیب شایستگی کی علامت ہے اسی لیے تمام مذہب تو میں بقدر  
اپنی تہذیب اور موافق اپنے خیالات کے بال بناتی ہیں اور موافق اپنے مذاق تہذیب خیالات  
کے ان کو آسانہ کرتی ہیں مگر یہ خیال کہ ڈاڑھی منڈانا تہذیب میں داخل ہے ایک معض غلط  
خیال ہے۔

دوسرے ترکوں کی پیروی کو اس وجہ سے منع کرنا کہ وہ ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور اس کو  
داخل تہذیب سمجھتے ہیں اور بہت کام خلاف شرع کرتے ہیں ایک دوسری غلطی ہے کیونکہ اس دلیل کا  
نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ اس امر میں ان کی پیروی نہ چاہیے جو خلاف شرع ہو نہ یہ کہ دلیل

تو ہر خاص اور عتیقہ نکالا جاوے عام۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعد تسلیم کرنے اس امر کے کہ وہ کام خلاف شرع ہے اور پھر اس کی پیروی کی جاوے بلکہ جہاں تک بحث ہے وہ اس میں ہے کہ درحقیقت وہ کام خلاف شرع ہے یا نہیں۔ ترک شراب بھی پیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے اگر یہ امر سچ ہو تو جیسے حکمران کے اس کام کی پیروی کرنا بڑا ہے ویسے ہی صرف اس کام کا جائز کے سبب ان کے اور عمدہ و عمدہ بانیہ بلج کاموں کی پیروی چھوڑنا بھی ویسا ہی بُرا ہے۔

تیسری غلطی خیالات کی اس عنایت نامہ سے یہ پائی جاتی ہے کہ کسی مذہب قوم کی پیروی کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے تمام کاموں کی اہمیت اس بات کے اور غور کے کہ وہ فی نفسہ اچھے ہیں یا بُرے۔ یہ وہی کرنا مقصود ہوتا ہے اگر یہ خیال ہو تو محض ایک غلط اور نہایت مضر خیال ہے۔ ہم ہمیشہ اس بات کو اختیار کیا جاوے اور اس کی اصلاحی اور بُرائی پر غور کرنی واجب ہے۔ چونکہ بات کسی قوم کی ہو اسکو لینا اور بُری کو چھوڑنا واجب ہے ورنہ ایک گڑھے میں سے نکلنا اور دوسرے میں گرنا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہر مسند افتاء کی لکھی پر مبنی مقصود نہیں ہے بلکہ صرف دو امر ہر مقصود میں اول یہ کہ مذہب اسلام پر جو چھوٹے الزام لگائے گئے ہیں اور اس کو مانع تہذیب شایستگی و مخالف انسانیت و تمدن و حسن معاشرت قرار دیا گیا ہے ان غلط الزاموں کی غلطی ٹھیک مذہب اسلام کی رُو سے ظاہر کریں۔ دوسرے جو امر خلاف تہذیب مسلمانوں میں رواج ہیں ان کو دُکھیں پس ڈال دھکی جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا بشرطیکہ وحشیانہ پن سے نہ رکھی جاوے تہذیب کے برخلاف نہیں ہے چنانچہ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں اشخاص جو نہایت مذہب قوم کے ہیں ڈال دھکی رکھتے ہیں اور ہمارے ملک کے بھی خوبصورت گورے رنگ کے چہروں پر بشرطیکہ گوارازنگ ہو کالی ڈال دھکی نہایت خوبصورت اور بھلی معلوم ہوتی ہے (ماں جب سفید ہو جائے تو منڈلنے کے قابل ہو جاتی ہے بشرطیکہ منہ کی جھریاں اور گالوں کے گڑھے اور منہ کا پو پو اپن صورت کو بد نہ کر دے) اس کے سوا منہ کی ردفق اور شجاعت و بہادری اور عیاس سے پایا جاتا ہے پس اس کا رکھنا یا منڈانا ہماری بحث سے خارج ہے اور ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہم قطعاً ان سائل سے جن کو مانع تہذیب نہیں سمجھتے بحث نہیں کرتے اگر ڈال دھکی اپنی ناجائز ہو تو اس سے ہمارا کچھ بچ نہیں اگر جائز ہو تو ہمارا کچھ بچ نہیں لیکن اگر ڈال دھکی کو ایک ٹھنی بنایا جاوے جس کی اوہل شکار کھیلا جاوے تو اس سے تو منڈانا ہی بہتر ہے۔

اگر ڈارھی منڈانی ناجائز ہے تو بچا سے ترکوں پر کیا الزام ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مقدس مولوی صاحب جبر و عمار بھی ڈارھی منڈائے ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ ترک تو ڈارھی منڈا کر فرشتہ کی سی صورت ہو جاتے ہیں اور یہ حضرات مقدسین بیچا بن جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈارھی کا اطلاق جیسا کل ڈارھی پر ہے ویسا ہی جزو ڈارھی پر ہے اگر ڈارھی کا منڈانا ناجائز ہے تو اس کے جزو کا بھی ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص ایک طرف کی ڈارھی منڈا دے اور ایک طرف کی رہنے دے یا چھپیں سے منڈا دے اور دونوں طرف کل چھپے رہنے دے بھی ایسی ہی ناجائز ہوگی جیسے کل ڈارھی کا منڈانا۔ آپ حضرات مقدسین کو دیکھتے ہوں گے کہ ہر جمعہ کی صبح کو اشراق کی نماز کے بعد نائی حاضر ہوتا ہے اور اصلاح مبارک بناتا ہے۔ اصلاح میں کیا ہوتا ہے کہ گالوں پر سے ڈارھی مونڈی جاتی ہے اور ایک قوسی خط میں قریب مدور کے کیجاتی ہے جوٹ اور ٹھوڑی کے سچیں ایک بچکانی بنائی جاتی ہے اور دونوں طرف سے مونڈی جاتی ہے۔ پھر حلقہ مبارک سے لیکر ٹھوڑی اور جڑے کے قریب تک مونڈی جاتی ہے بعض قدسوں کو اپنے پھولے پھالے محراب گالوں کے کھولنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ریش مبارک صرف بطور ایک جھالو کے رہ جاتی ہے پس کیا یہ ڈارھی منڈانا نہیں ہے جو بچا سے ترکوں فرشتہ صورتوں پر طعن کیا جاتا ہے +

## قصہ احادیث تفاسیر

ہم اکثر اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ تفاسیر کے قصے اور تفسیروں کی حدیثیں لائق اعتماد کے نہیں ہیں اور اسی سبب سے ہم ان کو لغو و مہمل سمجھتے ہیں اور ان پر جب تک کہ درایت انکی صحت نہ معلوم ہوا اعتماد نہیں کرتے +

ان دنوں میں ہمارے زمانہ کے مقدسین و متبحرین میں جھگڑا ہوا تھا ایک گرو کا باشندہ ابراہن عباس یہ اعتقاد تھا کہ زمینیں اذیت سے سات ہیں اور ہر ایک پر ایسا ہی آسمان۔ چاند۔ سورج۔ ستارے ہیں اور ہر ایک زمین میں ایک ایک باق آدم اور ایک ایک نبی آخر الزمان ہے۔ پس صرف محمد رسول اللہ صلعم ہی خاتم الانبیاء نہیں ہیں بلکہ قبچہ نور بھی ہیں۔ دوسرے گروہ مقدسین نے ان کو کافر بتایا اور قوی گفزدیئے گئے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی گئی آخر یہاں تک

نوبت پہنچی کہ مکہ معظمہ کے علماء سے اُس میں فتویٰ پوچھا گیا اور وہ فتوے بطور ایک رسالہ کے مصر میں چھاپا گیا ہے جس وقت ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے بلکہ اُس بحث اور فتوے سے تو غرض نہیں مگر اُس میں دو مقدمے ہیں جن میں دُہی مضامین نسبت قصص تفسیروں کے اور اُن کی حدیثوں کے لکھے ہیں جو ہم اُن کی نسبت لکھتے ہیں پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن دونوں مقدموں کو مترجمہ کے اس مقام پر لکھیں تاکہ لوگ جانیں کہ ہمارے اسوا اور بہت سے اکابر کے متعلق بھی اُن قصص حدیثوں کو لغوی و متعجب سمجھتے ہیں :

## وهذه هي المقدمات

### مقدمہ آٹھواں

مغازی اور ملاحم اور تفسیر میں بہت روایات پائی جاتی ہیں اور اکثر مفسرین نے بہت زیادہ قصہ اور روایتیں یہودیوں سے نقل کی ہیں شوکانی نے نواید المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ کی کتاب فضائل کے باب اول کے آخر میں کہا ہے کہ کہا ہے امام احمد بن حنبل نے تین کتابیں برکن جن کی کچھ اصل نہیں ہے مغازی اور ملاحم اور تفسیر خلیب نے یہ کہا ہے کہ اس سے چند خاص کتابیں مراد ہیں اس فن کی جن پر اعتماد نہیں ہیں کہ اُن کے راوی حیل نہیں ہیں اور اُن میں قصے بڑے عجیب ہیں اور تفسیر کی کتابوں سے بہت مشہور دو کتابیں کلبی کی اور عقیل بن سلیمان کی ہیں کہا ہے احمد نے کہ تفسیر کلبی کے حق میں یہ کہا ہے کہ

### المقدم الثامنة

فی المغازی والملاحم والتفسیر توجہ لایات الکثیفة ونقل بعض المفسرین اکثر القصص والمرایات عن الاسرائیلیات قال الشوکانی فی الفوائد المجمعۃ فی الاحیاد الموضوعۃ فی اخر الباب الاول من کتاب الفضائل قال احمد بن حنبل ثلث کتاب لیسر لیا اصل المغازی والملاحم والتفسیر قال الخطیب هذا معمول علی کتب مخصوصۃ فی هذه المعانی الثلاثة غیر معتمد علیہا لعدم عدالت ناقلیہا و زیادۃ القصص فیہا اما کتب التفسیر فن اشہر ہا کتاباں للکلبی ومقاتل بن سلیمان قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہا لی آخرہ کذب علیہم الشرفیہ وقد حمل هذا علی اکثر راویہ ثم قال قول لا شک ان کتابا من کتب التفسیر

اول سے آخر تک جھوٹ ہے اُسکو دیکھنا  
 بھی حلال نہیں ہے اور اُس کے یہ معنی  
 کیئے گئے ہیں کہ اُن میں سے اکثر جھوٹ ہیں  
 اور پھر کہا ہے کہ کتابوں میں کہ کچھ شک  
 نہیں ہے کہ صوفیہ نے جو تاویلات کلام اللہ  
 میں کی ہیں وہ بھی بمنزاع تحریف کے ہیں نہ  
 تفسیر کے بلکہ اکثر وہ تفسیر ایسی ہیں جیسے فرقہ  
 باطنیہ کی تفسیر اور تحریفات ہیں اور تفسیروں  
 میں سے ایک تفسیر عبداللہ بن عباس کی ہے  
 کہ وہ منقول ہے جھوٹے راویوں کے ذریعہ  
 سے جیسے کلبی اور سدی اور مقاتل سیوطی  
 نے اس کے یہ معنی کہے ہیں اور اُس سے  
 پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہے تھے کہ مفسرین  
 سے جو ایسا ہے کہ احادیث موصوفہ کو ذکر کرتا  
 ہے جیسے ثعلبی اور احمدی اور زحشری  
 (جس کی تفسیر کشف بہت مشہور ہے) وہ  
 جو تفسیر سلف سے روایت کرے اس پر بھی  
 اعتماد نہ کرنا چاہیئے کہ جب وہ موصول ہی کی طرف  
 جھوٹی روایت کو نہیں سمجھتا تو اُوروں کی طرف  
 کس طرح جھوٹ کر سکے گا۔ محدث دہلوی لای  
 شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فوز کبیر میں  
 جو اصول تفسیر میں کہا ہے کہ یہ جاننا چاہیئے  
 کہ بچھلے نبیوں کے قصے حدیث میں بہت کم  
 مذکور ہوئے ہیں یہ بڑے لمبے چوڑے قصے کہ

علی کتاب العزیز ہو بالتحریف اشبه  
 مند بالتفسیر بل غالب ذلک من جنس  
 تفاسیر الباطنة و تحریفاتہم ومن جملة  
 التفاسیر تفسیر ابن عباس فانہ مروی عن  
 طریق الکذا بین کانکلبی والسدی لمقالہ  
 ذکر معنی ذلک السیوطی وقد سبق لى معنا  
 ابن تیمیہ ومن کان من المفسرین تنفق  
 علیہ لاحادیث المرفوعة کالتعلیل  
 والواحدی والنزحشری ذلایمیل الوثوق  
 بما یرویه عن السلف من التفسیر فانہ اذا  
 لم یرفعہم اللہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 لم یرفعہم اللہ علی غیرہ قال المحدث الہلوی  
 ولی اللہ رحمۃ اللہ فی الغور الکلبی فی اصول  
 التفسیر و درینجا باید دانست کہ قصص انبیاء  
 سابقین در حدیث کم مذکور شدہ اند این قصص  
 طویلہ عرضید کہ مفسرین تصدیق روایت آن کشند  
 بہر منقول از علما اہل کتاب است الا اشار اللہ  
 و صحیح بخاری آمدہ مرفوعاً لا تصدق اہل  
 الکتاب ولا تکن بوجہم انتہی کلام بلفظ  
 ثم قال انچہ محمد بن اسحاق وواقسی و  
 کلبی دریں باب از اہل کردہ اند و در زیر ہر تیرے  
 قصہ آورده اند نزدیک محدثین اکثر آن غیر صحیح  
 است و در اسناد آن نظر است +

مفسرین اُن کے کہنے کی تکلیف اٹھاتے ہیں یہ سب اہل کتاب سے منقول ہیں اور صحیح بخاری میں



یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب پس ان قصوں کی بھی تصدیق کرو اور نہ تکذیب ۛ

اور پھر کہا ہے کہ محمد ابن حاکم اور واقدی نے اس باب میں بہت زیادتی کی ہے اور ہر آیت کی ذیل میں قصہ بیان کیا ہے۔ محدثوں کے نزدیک اکثر وہ صحیح نہیں ہے اور اس کی اسناد میں قائل ہے ۛ

## المقدمة العاشرة

## وسوال مقدمہ

علامہ تفتازانی نے شرح عقاید نسفی میں مصنف کے اس قول کی ذیل میں کہ بہتر یہ ہو کہ نبیوں پر ایمان لانے میں کسی عدد خاص پر اکتفا نہ کرے کہ اس معاملہ میں جو حدیث آئی ہے وہ خبر احاد ہے اور وہ حدیث جبراک راوی حضرت سے ایک ہی ہو اگر اس میں ہر ساری شرائط بھی پائی جاویں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں تو اس سے صرف عن حاصل ہوتا ہے اور در باب عقائد کے ظن کا کچھ اعتبار نہیں اور خاص کر حکایہ اس میں اختلاف روایات کا ہو اور اس کے مطلب سے مخالفت ظاہر قرآن کی لازم آتی ہو اور وہ یہ ہے کہ بعض نبیوں کا ذکر حضرت سے نہیں کیا گیا اور نیز اس روایت میں احتمال مخالفت واقع کا بھی ہے کہ کوئی نبی صبیہ نبیوں میں نہ داخل ہو جاوے یا غیر نبی نبیوں میں شمار ہو جاوے ۛ

قال التفتازاني في شرح العقائد النسفية ذيل شرح قول المصنف والاولى ان لا تقتصر على عدد في الايمان بالانبياء (الخ) ان خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في اصول الفقه لا يفيد الا الظن ولا عبور بالظن في باب الاعتقادات خصوصاً اذا اشتتل على اختلاف الروايات وكان بوجبه مما يفرض الى مخالفة ظاهر الكتاب وهو ان بعض الانبياء لم يذكروا للنبي عليه السلام ويحتمل مخالفة الواقع وهو عدم النسب من غير الانبياء او غير النبي من الانبياء (انتهى كلامه بلفظه) وقال الحياي في حاشية قوله على تقدير اشتماله على جميع الشرائط مثل العقل والضبط والعدالة والاسلام وعدم الطعن انتهى كلامه بلفظه ۛ

اور خیالی نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ وہ شرائط جو حدیث میں معتبر ہیں یہ ہیں عقل اور

حافظہ کا درست ہونا اور عادل ہونا اور اسلام اور اُس میں کسی نے طعن کیا ہو۔

## خاتمہ پر ان لوگوں کی مہریں ہیں

- عبدالرحمن بن عبداللہ سرانج الحنفی مفتی بمکۃ الحرامۃ
- ترجمت اللہ یہذا وستان کے معروف و مشہور مولوی رحمت اللہ صاحب ہیں
- احمد بن زینی دحلان مفتی الشافعیہ بمکۃ الحمیمہ
- محمد بن عبداللہ بن حمید مفتی الحناہلہ بمکۃ المشرفہ
- حسین بن ابراہیم مفتی المالکیہ ببلید اللہ المصمیمہ
- ابراہیم بن محمد سعید
- السید محمد الکتبی الحنفی الخطیب والامام والمدرس بالمسجد الحرام
- محمد الحسینی الطندان مفتی الحنفی بکلازہر
- عبد القادر الدنیشانی الحنفی بکلازہر
- محمد سالم العباسی العابدی الشافعی بکلازہر
- محمد مطاع الشیمی الشافعی الحسینی بکلازہر
- السید محمد الطیب الشافعی بکلازہر
- علی بن قاسم بن العباس الیمنی احد مجاورین بکلازہر
- محمد صادق مدراسی الحنفی القادسی

## خطبہ میں بادشاہ کا نام

چند روز ہوئے کہ مجھے پابونیر میں نسبت خطبہ جمعہ کے ایک تحریر دیکھی تھی جس میں بعض خلل  
کا ترجمہ بھی تھا جو کا خطبہ ہو یا عیدین کا مسلمانوں کے مذہب کے بموجب اُس میں صرف  
خدا کی تعریف اور مسلمانوں کو نیکی اختیار کرنے کی نصیحت ہونی چاہیے۔ خطبہ کی کوئی عبارت  
نہیں آئیں نہیں بلکہ خطیب خود اپنے علم واستعداد و لیاقت کے موافق خطبہ پڑھتا ہے  
یا اور لوگوں نے جو خطبے کہیں اور جو چاہے ہوئے یا قلمی لوگوں کے پاس ہوتے ہیں ان پر

کوئی خطبہ پڑھ دیتا ہے۔ خطبہ کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے عیسائیوں میں سرمن مگر یا پونیر میں اس بات کی کافی بحث نہیں کی گئی تھی کہ آیا خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا بھی کوئی مذہبی مسئلہ ہے اور مذہب کی دوسے جائز ہے یا نہیں اور اسی بحث کو ہم اپنے اس آرٹیکل میں لکھنا چاہتے ہیں :

پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں اہل خلافتے راشدین کے وقت میں کسی کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا مگر جو محاربات کر صحابہ میں واقع ہوئے تھے اور اُس کے سبب سے باہمی نزاع قائم ہو گئی تھی اور خلافتے راشدین کی نسبت سب شتم کارواج ہو چلا تھا۔ اُس کے مٹانے کو خطبہ میں خلافتے راشدین اور عین کریمین کا نام لینے جلنے کا رواج ہوتا تاکہ معلوم ہو کہ کب سب واجب التحظیم اور قابل ادب ہیں اور فقہانے اسکو مندوب یعنی اچھا قرار دیا اُس کے بعد نبوی تحقیق نہیں ہو تا مگر کتب خلیفہ سے جو حقیقت میں بادشاہ تھے اُن کا نام خطبہ میں لینا شروع ہوا تاریخ الخلفاء سیوطی سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸ھ ہجری مطابق ۷۱۷ء کے محمد امین کی خلافت میں اُس کا نام مع اُس کے لقب کے جس میں فخریۃ الخانات تھے خطبہ میں لیا گیا اور امیر المومنین کا لقب تحریرات میں لکھا گیا چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ علی بن محمد نوفلی نے اور اُس کے سوا اور لوگوں نے کہا ہے کہ سفاح

وقال علی بن محمد النوفلی وغیرہ لم یدع  
للسفاح ولا للمنصور ولا للمہدی ولا  
للمادی ولا للرشید علی المناہر یا وصافم  
ولا کتب فی کتبہم حتی ولی الامین فدعی  
لہ بالامیر علی المناہر وکتب عنہ من عند  
محمد الامین امیر المومنین وکذا  
قال لیسکری فی الاذیل اول من دعی لہ  
بلقب علی المناہر الامین :

اور منصور اور محمدی اور مادی اور رشید کے لئے ممبروں پر اور اُس کی تعریف کر کے دُعا نہیں کی گئی اور زنان کے فرمانوں میں کچھ فخریۃ لفظ لکھے گئے مگر حکم امین خلیفہ ہوا تو اُس کے لئے ممبر پر امیر کہہ کر دعا کی گئی اور اُس کی طرف سے فرمانوں میں لکھا گیا عبداللہ محمد الامین امیر المومنین اور لیسکری نے بھی اوایل میں لکھا ہے کہ سبقت اول امین کے لئے ممبروں پر اُس کا لقب

لکیر دعا کی گئی :

مگر اُن ہکرو دیکھنا چاہیے کہ فقہ کی جن کی رائے واجتہاد پر مذہب اسلام کا مدار رہ گیا ہے

کیا رائے ہے۔ درمختار میں جو نہایت معتبر فقہ حنفی کی کتابوں میں سے ہے لکھا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کے لیے دُعا کرنا کوئی مذہبی ثواب کا کام نہیں ہے صرف ہمتانی نے لکھا ہے کہ بادشاہ کا نام لینا کچھ مضائقہ نہیں۔ اور بحر الرایق میں ہے کہ بادشاہ کا نام لینا ثواب نہیں ہے اس لیے کہ یہ امر محدث یعنی بدعت ہے۔ خطبہ میں صرف نصیحت ہونی چاہیے :

چنانچہ درمختار اور اُس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ثواب ہے ذکر کرنا خلفائے اربع راشدین

اور اُن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں

چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباسؓ کا اور ثواب

نہیں ہے بادشاہ وقت کے لیے دُعا کرنا اور فریخ

ہو کر اسی دُعا کے ساتھ بادشاہ کا نام بھی لیا جاتا

ہے (مگر ہمتانی نے اُسکو جائز لکھا ہے چھٹوں

تور تہجد میں ہے اور درمختار کے حاشیہ میں

جس کا نام رد المحتار ہے یہ لکھا ہے کہ ہمتانی

کی یہ عبارت ہے کہ خلفائے اربع اور عین مبین

کے نام کے بعد بادشاہ وقت کے لیے دُعا

کیجاوے کہ وہ عدل اور بھلائی کرے مگر اُسکی

ایسی تعریف کرنے سے پرہیز کیا جاوے جسکو

عالموں نے کفر و کفر ہی کہا ہے چنانچہ یہ طلب

ترغیب میں اور اُن کتابوں میں لکھا ہے درمختار

کے مصنف نے جو لفظ جائز ہمتانی کی طرف منسوب

ومشذب ذکر الخلفاء الراشدين والعلمین

والادعاء للسلطان وجوز العتسانی کذا فی

الدر المختار۔ قوله وجوز العتسانی الخ

شریعہ و اسطلاح الزمان بالعدل والاحسان

منجہ فی مدحہ عا قالوا انه کفر وخسران کما

فی الترغیب وغیرہ الخ و اشار الشارح بقوله و

جوز الخ حلی قوله ثم يدعى الخ علی الجواز الذی

لانہ حکم شرعی لا بدلہ من دلیل وقد قال

فی البحر انه لا یستحب لما روی عن عطاء

حين سئل عن ذلک فقال انه محدث

وانما كانت الخطبة تذکیرا کذا فی

رد المحتار حاشیہ الدر المختار

کیا ہے اور ثواب ہونے کو منسوب نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ ثواب فعال میں ایک حکم شرعی

ہے جس کے لیے کوئی سبیل شرعی کا ہونا ضرور ہے (اور بادشاہ کے نام لینے اور اُس کے لیے دُعا

کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں) اور بحر الرایق میں منکر ہے کہ بہتر نہیں ہے بادشاہ کا نام لینا اور

اُس کے لیے دُعا کرنا کیونکہ عطا الدین سیار تاجی سے روایت ہے کہ جب اُن سے اُس کی نسبت

پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بات نکالی ہوئی ہے خطبہ میں تو صرف نصیحت ہمارا کرتی تھی :

اسی نام حقیقت سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ میں بادشاہ کا نام لینا اور اُس کے لیے دُعا کرنا کوئی

نہی سلسلہ نہیں ہے بلکہ مذہب کی رو سے بدعت و محدث ہے و اللہ درہن قاتل کل محدث  
(ای فی الدین) بدعت و کل بدعت ضلالہ +

جس طرح کہ خلفائے بعد ادا اپنے غمخوشی کے لیے خطبوں میں اپنا نام لواتے تھے اُسی طرح  
ہندوستان کے بادشاہ بھی اپنا نام خطبوں میں لواتے تھے مگر مذہب کے بالکل برخلاف تھا  
جسے بھی کہہ شہزادہ بہادر شاہ کا نام باوجودیکہ کچھ بھی بادشاہت اُن کی باقی نہیں رہی تھی۔ دلی کی  
مسجدوں کے خطبوں میں اور ہر دو خجالت کی بھی بہت سی مسجدوں میں لیا جاتا تھا ہے مگر ہندوستان  
کی بہت سی مسجدیں ایسی بھی تھیں کہ شاہ عالم کے بعد اُن میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا ایسے  
کہ اگر شاہ و بہادر شاہ کو خطبہ میں بادشاہ کے نام سے ملقب کرتا وہ جھوٹ سمجھتے تھے اور خطبہ میں اسکا  
استعمال کرنا جھوٹ کا استعمال کرتا جانتے تھے +

شاہ عالم کے بعد جن مسجدوں میں اگر شاہ و بہادر شاہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا وہ دو قسم کی  
ہو گئی تھیں جو لوگ کہ اپنی نادانی سے سمجھتے تھے کہ کسی مسلمان بادشاہ کا نام لینا چاہیے گو وہ  
کہیں کا بادشاہ ہو انھوں نے تو سلطان روم کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور شاید بیٹی لکھتے اور  
ایسے ہی دور دراز کے شہروں میں اُس کا رواج ہوا مگر اکثر مسجدوں میں کسی بادشاہ کا نام نہیں لیا  
جاتا تھا بلکہ اُور باقی مسجدوں میں مسلمانوں کے حق میں صرف یہ دُعا ہوتی تھی کہ اللہ ہر ایدی  
المسلمین بالسلطان العادل (بعض جگہ سلطان کے لفظ کے بدلے اہم کا لفظ کہا  
جاتا ہے) والخییر والطاعۃ واتباع سنن سید الموجدات یعنی اے خدا مسلمانوں  
کی مدد کر بادشاہ عادل کی حکومت سے اور اُن کی مدد کر بھلائی کرنے سے اور خدا کی فرماں برداری  
اور رسول کی پیروی کرنے سے جو تمام موجودات کے سردار ہیں۔ یہی دُعا ہندوستان کی اکثر  
مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے پس جو بادشاہ ہمہ عدل انصاف سے حکومت کرے ہمارے  
مذہبی فراموش میں مست اندازنی نہ کرے۔ ہماری جان و مال کی حفاظت کرے۔ ہمارے حقوق  
ہم کو عطا کرے وہ بھی اُس حق عا میں داخل ہے۔ یہ دُعا درحقیقت کسی بادشاہ کے لیے نہیں ہے  
بلکہ عام مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہے پس یہ خیال کر کسی بادشاہ کا خطبہ میں نام لینا کسی  
مذہبی مسئلہ پر مبنی ہے اور مسلمانوں کو اُس بادشاہ کے مذہب کی تک سے کوئی مذہبی اطاعت  
واجب ہے صحیح نہیں ہے +

# شیخ الاسلام

شیخ الاسلام کا عمدہ سلطنت ترکی میں درحقیقت ایک بہت بڑا معزز عمدہ ہے شیخ الاسلام چشیت اپنے عمدہ کے اُس کو نسل خاص کا میر بھی ہے جس کا پریسڈنٹ وزیر اعظم ترکی ہوتا ہے اور جس کو مجلس باب الحالی کہتے ہیں +

یہ عمدہ ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو بہت بڑا عالم اور حنفی مذہب ہو اور سائیل فقہ حنفی سے بہ خوبی واقفیت رکھتا ہو اسکو کوئی ایسا حق یا اختیار نہیں ہے کہ کوئی جدید حکم مثل حکم شرع کے جاری کر سکے یا اُن ٹکسوں میں سے جو شرع میں ہیں کوئی حکم منسوخ یا ترمیم کر سکے بلکہ اس کا کام صرف یہ ہے کہ جو واقعات پیش آویں اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ حنفی کا حکم کیا ہے یا جن احکام کا اجرا منظور ہو اُن کی نسبت بتا دے کہ فقہ کے مطابق ہیں یا نہیں اگرچہ اُس کو پہلے تو بہت زیادہ اختیار تھا مگر اب بھی کسی قدر اختیار رکھتا ہے کہ جن احکام کو خلاف شرع سمجھے اُن کے عدم اجرا میں بحث و کوشش کرے +

اِن سبب سے شیخ الاسلام کو گویا تمام امور کی و جزوی سلطنت میں ایک گونہ مداخلت ملتی ہے مثلاً جب وزیروں نے سلطان عبدالعزیز یا سلطان مراد کا عزل کرنا مناسب سمجھا تو اُس میں شیخ الاسلام کا اتفاق ضرور تھا اور اُس سے ایک فتوے لیا گیا کہ سلطان عبدالعزیز یا سلطان مراد لائق بادشاہت نہیں اُس کا عزل کرنا احکام شریعت کے موافق درست ہے۔ جب دوسرا بادشاہ اُس کی جگہ قائم کیا گیا تو شیخ الاسلام سے اُس کا اتفاق بادشاہت تسلیم کرنا ہوا +

جو کہ مسلمانوں نے یہ ٹھہرا رکھا ہے کہ عقائد مذہبی اور معاملات دنیوی اور انتظامات ملکی سب کا تعلیم بموجب فقہ حنفی کے ہونا چاہیے (جو نا واجب تعلیم اہلی و عیث اُن تمام غراہیوں کا ہے جو سلطنت اسلامیہ میں پائی جاتی ہیں) اس سبب سے ہر ایک امر متعلق انتظام سلطنت میں شیخ الاسلام کو مداخلت ہے۔ زمین پر انگذاری مقرر کرنے۔ ٹیکس یا جزیہ لگانے۔ تجارتی احکام جاری کرنے۔ ملکی قانون جاری کرنے۔ عدالتوں کے مقرر کرنے۔ عدالتوں کی کارروائی کے ضوابط مقرر کرنے۔ انفصال حقوق کے اصول میں۔ جنگی معاملات میں۔ غیر سلطنتوں سے صلہ

کرنے میں۔ فوج کے راستہ کرنے میں۔ یہاں تک کہ فوج کی وردی و قیام اور قواعد کے طریقہ میں بھی اسکو مداخلت ہوتی تھی +

مسلمانوں کا گوہر کسی ملک کے ہوں یہ خیال نہیں ہے کشف الاسلام کی روح میں کوئی ایسی بات ہے جس کا حکم ماننا ضرور ہے جیسے کہ روکن تھلاک عیسائیوں کا پوپ کی نسبت خیال ہے بلکہ وہ اس کے حکم کو اس خیال سے واجب التعمیل سمجھتے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا ہے اور جو وہ حکم دیتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ بے شک وہ فقہ و شریعت کے مطابق ہے جس کی پیروی مسلمان مذہباً ضرور سمجھتے ہیں +

اگلے زمانہ میں جبکہ ترکوں میں جہالت اور تاہنہ ذی زیادہ تھی اس وقت تک کشف الاسلام کو تمام باتوں میں پوپ کی مانند بہت بڑا کامل اختیار تھا مگر رفتہ رفتہ بہت سی باتوں میں کم ہوتا گیا اور سلطان محمود کے وقت سے اس کے اختیارات میں بہت کمی ہو گئی اب کشف الاسلام صرف شیعہ کی کھال رہ گئے ہیں جو باتیں بطور فتویٰ شریعت لوگوں میں شہرہ کرنی ہوتی ہیں جیسے طاعن میں اشتہار جہاد یا اعلام نامہ عدم زیادتی نسبت عیسائیان مشترک کیا گیا ہے وہ کشف الاسلام کی معرفت ہوتا ہے عدالتوں میں ابھی اسکو مداخلت ہے گو پہلے کی نسبت کسی قدر کم ہو +

ایک زمانہ وہ تھا کہ کشف الاسلام کا تبدیل کرنا ترکوں کے لیے کچھ آسان کام نہ تھا وہ جھٹ سلطان کے کافر یا عیسائی ہو جانے کا فتویٰ دیدیتا تھا اور لوگوں میں بغاوت پھیلانی شروع کرتا تھا گو کہ یہ کثرت زائد بدل گیا ہے کہ ہم دشمن کی تادیبی سے پائے کہ کشف الاسلام مثل ایک کر کے موقوف کر دیا گیا اور وہ کشف الاسلام سکی جبکہ مقرر ہو گیا۔ ہمارے یورپین بھروسہ مسلمان مذہب کے اصول سے بخوبی واقفیت نہیں رکھتے اس لیے وہ کشف الاسلام کی نسبت معلوم نہیں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ پادشہان و بزرگوار ہیں کہ یہ فقہ لازم ہے کہ ہمیں اشتہار جہاد کی نسبت مباح نہ کیا تھا یہ اشتہار اس کشف الاسلام نے مشترک کیا تھا جو اب اس معزز عہد سے موقوف ہو گیا ہے اور ہم نے بھروسہ کر کے اس امر کا یقین کر لیا تھا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کے دلوں پر اس فتویٰ جہاد سے کچھ اثر نہ ہوگا لیکن لوگوں کی ہمدردی ترکوں کے واسطے کیسی ہی کیوں نہ ہو غلطہ ذہن القیاس کشف الاسلام کی بڑی لکھی ہوئی بات ہے جس کا اثر قسطنطنیہ پر ہو مگر فقیر ہند کی مسلمان رعایا پر شہرہ بھر بھی اس کا کچھ اثر نہ ہوگا +

ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کشف الاسلام مسلمان مذہب کے مطابق کوئی چیز نہیں ہے کہ کوئی

شخص خواہ مخواہ اُس کا حکم ماننے پر مجبور نہیں ہے جو شخص کہ اُس کا حکم نہ مانے اُسکے ایمان میں  
 اُس کے مذہب میں کچھ کمی کا نقصان نہیں آسکتا نہ کوئی گناہ اُس پر ہوتا ہے۔ یہ عہدہ کوئی  
 مذہبی عہدہ نہیں ہے جیسے کہ پوپ کا عہدہ خیال کیا جاتا ہے۔ شخص کو آزادی ہے کہ شیخ الاسلام  
 کے احکام پر غور کرے اگر اُس کے نزدیک وہ حکم غلط ہو اُس کو رد کر دے۔ ہندوستان کے مسلمانوں  
 کو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نہ کوئی اُس کا حکم اُن پر واجب التعمیل ہے۔  
 ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت ترکی کے مسلمانوں کی حالت سے اور وہاں کے احکام مذہب اسلام  
 کے بالکل مختلف ہے ہندوستان کے مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں اور اُس کے اس میں رہتے  
 ہیں۔ برخلاف اسکے ترکی کے مسلمان ایسے نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کے لیے احکام مذہبی  
 مختلف ہیں شیخ الاسلام کا کوئی حکم ہندوستان کے مسلمانوں سے مذہباً متعلق نہیں ہو سکتا۔  
 ہندوستان کے مسلمانوں کا مذہباً یہ فرض ہے کہ اپنے بادشاہ کی جس کی وہ رعیت ہیں اور جس کی  
 امن میں مذہبی آزادی سے وہ بسر کرتے ہیں ہمیشہ اُس کے تابع ہیں گو وہ ترکوں کے ساتھ کیسی  
 ہی ہمدردی رکھتے ہوں اور گو ترکی میں اور قسطنطنیہ میں کچھ ہی ہوا کرے۔ فرض کر دو کہ اگر خود  
 انگلش گورنمنٹ بجائے روس کے ہوتی اور ترکوں کا ملک بظلم چین لینا چاہتی اور گو اس بات  
 سے کیا ہی رنج و غم اور فحشہ اور آندہ کی ہندوستان کے مسلمانوں کو ہوتی اُس پر بھی مذہب کی  
 نو سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان میں جہاں اُن کو امن و مذہبی آزادی ہے بجز  
 انگریزی گورنمنٹ کی اطاعت کے اور کچھ چارہ نہیں ہیں ہم اپنے یوروپین دوستوں کو بتانا چاہتے  
 ہیں کہ ترکی میں کچھ ہی انقلاب ہوا کریں اور کچھ ہی احکام جاری ہو کریں اُن کا اثر ہندوستان میں  
 مذہب کی رو سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو امر خلاف ملامت کی ہوتے ہیں  
 اُن سے ہندوستان کے مسلمانوں کو از حد رنج و غم و فحشہ ہوتا ہے۔ مخالفان ترکی سے از حد ملین  
 ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات کہ مسلمان سلطان کا ایک مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اور اُس لیے اُسکی  
 ہمدردی کرتے ہیں ایک لغو و مصلحت ہے بلکہ یہ ہمدردی ایک تدریجی طبیعت ہے اور تعلیم سے  
 اور اخبارات سے اور سفر کی آسانی سے جو اس زمانہ میں حاصل ہے اور جس کے سبب سے سلطنت  
 ترکی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی ہے اُس ہمدردی کو بہت کچھ  
 ترقی ہو گئی ہے۔



## ملکِ یمن

ان دنوں میں تمام دنیا کے مسلمانوں میں روم و روس کی لڑائی کا چرچا ہے لڑائیاں آپس میں بادشاہوں کے ہوا ہی کرتی ہیں اور چرچا بھی لڑائیوں کا ہوا ہی کرتا ہے مگر جو شیخ و مخم مسلمانوں کا ہے وہ روسیوں اور بلغیریہ والوں کے اُن ظلموں کا ہے جو انہوں نے مسلمانوں پر کیئے ہیں۔ سیکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو پکڑ کر مار ڈالا اور نہایت بے رحمی سے مارا۔ بدھوں اور بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جن عورتوں کی گود میں شیر خوار بچے تھے اُن کو بھی قتل کیا اور اُن شیر خوار بچوں کو زندہ انہی اشنوں میں ڈال دیا کہ رو رو کر چلا چلا کر اور جانوروں کے پنجوں کے زخمی ہلکے سسک سسک کر گئے۔ یہ واقعات اگرچہ جید غم دلانے والے ہیں مگر حسد ادا نہ کرنے میں دلانے والے نہیں ہیں کیونکہ ان سب کا آخری نتیجہ موت تھی پس مرنے سے کیا ڈرنا وہ کسی نہ کسی طرح گئی تکلیف اٹھا کر جان گئی یا آسانی سے جان نکل گئی مگر سب نے یاد رکھنا اور غصہ اور نفرت اور کاشط طبع جو مسلمانوں کو ہے وہ روسیوں کی اور بلغیریہ والوں کی اُن ناپائیدار حرکت سے ہے جو انہوں نے کنواری لڑکیوں۔ بیابانی عورتوں۔ بائیس بیواؤں سے بطور ملکِ یمن کے کیا مقام پر لے کر آئے ہیں اُس میں لکھا ہے کہ ہر ایک سمت سے لوگ بھاگ بھاگ کر اُن مقاموں کو آتے ہیں جہاں پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے اور مرد اور عورت بیکر چھوٹے چھوٹے بچوں کے قتل کی ایسی خبریں اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کو سن کر گلیاں پھٹ جاتا ہے ایسی سپاہی مسلمانوں کی جو رومن اور کنواری لڑکیوں کو پکڑ لیتے ہیں اور اُن کو غراب کرتے ہیں اس طرح پر سیکڑوں عورتیں غراب کی گئیں پس یہ واقعہ سب سے زیادہ مسلمانوں کو رنج دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس پھیلی حرکت کو نہایت وحشیانہ و ناپائیدار حرکت خیال کرتے ہیں اُس وحشی انسان پر غور کرنا چاہیے جس نے ایسی عورت کو پکڑ لیا جو جس کا بیامیدان میں مقتول پڑا ہے اور جس کا خصم غمی ٹرپ رہا ہے اور وہ رہی ہے اور چلا رہی ہے اور یہ اُسکو پکڑ کر اُس کے ساتھ دفن کر کے نیچے یا اپنے تئیں کے تلے وہ وحشیانہ حرکت کرتا ہے جسکو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کافر سے کافر کیوں نہ ہو مگر یقین ہے کہ وہ روسیوں اور بلغیریہ والوں کی اس حرکت پر ان کو نفرت و نفین کرتا ہو گا۔ کیسے سے کیسا ہی مقدس مسلمان ہو وہ بھی ان باتوں کو اپنے بارے میں وحشیانہ حرکت سمجھتا ہو گا۔ ہم نے مشاہدہ کیا کہ کانڈس سے بھی اس امر کو ناپسند کیا

اور چند عیسائی سلطنتوں نے ان ظلموں کی بابت روسیوں سے کیفیت طلب کی ہے مگر ہر کو بڑا خوف ہے کہ کہیں نورالافاق کے پھیلے پڑے جس میں ہمارے شفیق مولوی محمد علی صاحب نے ہمارے سالقہودۃ الاسلام عن شیعین الملامۃ والخطام کا جواب لکھا ہے اور کہیں ہمارے مخدوم و مکرم مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالے جن میں انھوں نے ایسی حرکات کو مذہب اسلام میں جائز قرار دیا ہے روسیوں کے ہاتھ نہ لگ گئے ہوں اور وہ ان کو اپنی برأت کی دلیل میں پیش نہ کریں اور جواب دیں کہ یہ باتیں کچھ وشیانہ پن کی نہیں ہیں جن لوگوں کے ساتھ ہٹے کیا ہے وہ اپنے مذہب کی رو سے اور اپنے خدا کے حکم کے بموجب دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسی حرکتیں کنی جائز سمجھتے ہیں اور غور و تأمل اپنے بزرگوں کی نسبت ان افعال کو منہیب کرتے ہیں۔ پھر ہم ان افعال میں کیوں مجرم ہیں ہاں عورتوں اور بچوں کے قتل کا گناہ ہم پر ہے مگر تصرف علی ملک الیمین کی نسبت جواب پوچھنا بیجا ہے۔ ہر نہایت بیخ و افسوس ہے مسلمانوں کی ایسی جا جانہ باتوں پر جو اسلام کو ایسی بد باتوں سے داغدار کرتے ہیں اور جو باتیں اسلام میں نہیں ہیں صرف اپنی ہوائے نفسانی سے اُس میں داخل کرتے ہیں جس ہندوستان کے مسلمان کو ہمارا مسئلہ حرکت اساری میں شبہ ہو اس کو جناب مولوی محمد علی صاحب اور جناب مولوی علی بخش خاں صاحب کے رسالوں کو پڑھنا ضرور نہیں ہے وہ سید عالمگیر باد میں چلا جاوے اور جو نیا دنیاں عورتوں اور کنواری لڑکیوں پر ہوتی ہیں ان کو دیکھئے اور فیصلہ کر لے کہ ایسی حرکتوں کا کسی مذہب میں بھی ہونا جائز ہو سکتا ہے افسوس ہے کہ ان مسلمانوں پر جو ایسی باتیں مذہب اسلام میں جائز بتاتے ہیں اور مذہب اسلام کو بدنام کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوس ہے مسلمانوں کی اس حالت پر کہ روسوں کو تو مقدس مسلمان تصور کرتے ہیں اور جو کوئی مذہب اسلام کو ان نفس باتوں سے پاک بتا دے اسے اور ہمت کرے کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے اور نہ مذہب اسلام میں جائز ہے بلکہ مذہب اسلام اس عیب سے پاک ہے اُس کو کافر و ملحد و کفرستان و غیرتہ بتاتے ہیں و وسیعاً و عریضاً ہو اشد ظلاماً و کفرآ +

## مہدی آخر الزمان

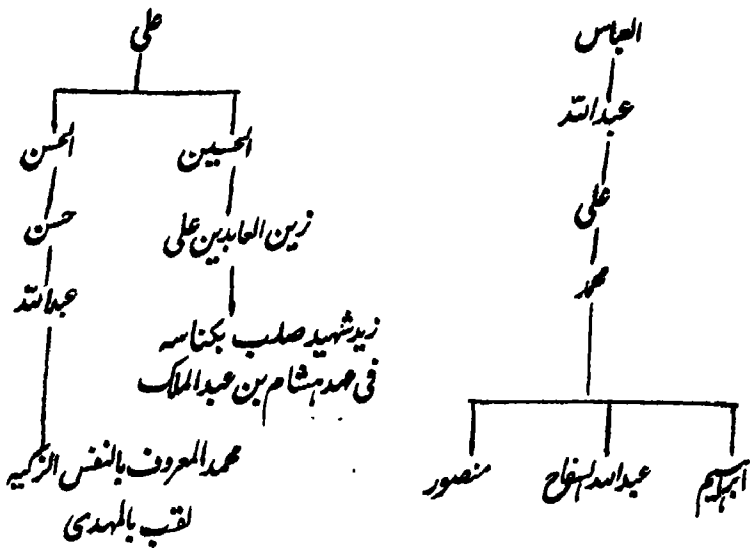
اُن غلط تصویلوں میں سے جو مسلمانوں کے ہاں مشہور ہیں ملک قصا نام مہدی آخر الزمان کے

پیدا ہونے کا ہے۔ اس قصہ کی بہت سی حدیثیں کتبِ احادیث میں بھی مذکور ہیں مگر کچھ شبہ نہیں کہ سب جھوٹی اور مصنوعی ہیں جب کہ ایک محقق کیا باعتبارِ واقعات تاریخی کے اور کیا باعتبارِ اُن کے راویوں کے اُن پر غور کرتا ہے تو اُن کا غلط اور نامعتبر اور وضعی ہونا آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ ان حدیثوں کے بنانے کی کیا ضرورت پیش آتی تھی۔ چنانچہ ہم اُن حدیثوں کو اولاً تاریخی واقعات کے بیان کرتے ہیں اور اُن کا وضعی ہونا دکھاتے ہیں اور پھر محدثین کے طریقہ پر اُن کے راویوں کی نسبت بحث کریں گے اور راویوں کا نامعتبر ہونا دکھلا دیں گے جس سے ثابت ہو جاوے گا کہ ہمدی آخر الزمان کی بشارت کوئی اصلی بشارت نہ تھی بلکہ اُس زمانہ کے لوگوں کی صرف ایک حکمتِ علی اور خلافتِ متحدہ آجائیکی تدبیرِ اہل میں سے ایک تدبیر تھی اور اُن سے کسی ایسے ہمدی کی جو مسلمانوں نے تصور کر رکھا ہے اور جس کا قیامت کے قریب ہونا خیال کیا ہے بشارتِ مقصودہ نہیں تھی۔

جب کہ خلفائے اربعہ کی خلافت ختم ہو گئی اور حضرت امام حسن نے بھی خلعِ خلافت کیا اور مستقل خلافت خاندانِ بنی امیہ میں چلی گئی تو بنی ہاشم اور بنی فاطمہ کے دل سے کچھ خلافتِ حاصل کرنے کا جوش کبھی کم نہیں ہوا۔ اُسی حالت میں واقع کر بلا واقع ہوا جس سے بہت لوگوں کا دل بنی امیہ کی طرف سے منتقل اور بنی فاطمہ کی طرف مائل ہوا۔

مگر حبیبہ کی بنی فاطمہ خلافت کا اپنے میں متحقی سمجھتے تھے بنی عباس بھی کچھ کم خواستگارِ خلافت کے نہ تھے کیونکہ وہ بھی بنی ہاشم تھے اور تمام بنی ہاشم اپنے میں آلِ محمد یعنی اُن حضرتِ مسلم کا کُنبہ سمجھتے تھے۔ بنی عباس کو یہ بھی یقین تھا کہ بنی فاطمہ سے خلافت کا کام نہیں چلے گا مگر ہم چلائیے چنانچہ جب بنی عباس خراسان میں اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اُس وقت بنی فاطمہ کے دل میں بھی اُس کا جوش ہوا تھا کہ تم سے یہ کام نہیں ہونے کا ترجمہ تاریخِ طبری میں مندرج ہے کہ انگاہ یعنی (زمانہ تحریکِ خراسان پر خلافتِ بنی عباس) طبع افتاد بنی ہاشم رائدِ خلافت و فضل ابن عبد الرحمن بن عباس بن ابی بکر بن عثمان بن عبد المطلب بیٹے چند گفت و بعد از عبد الرحمن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما دوا و اور اتحریر کرد بر طلبِ لایمت و ابو الحسن گفت کہ با عبد اللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب و علی بن عبد اللہ بن عباس ہی رستیم داؤد و علی فرما نزدیک عبد اللہ بن حسن شد و گفت اگر تو فرمودی پسرانِ خویش را محمد و ابیہم تا اندام فرمود و عدادِ حرب گردانے نیک بود سے کہ دولتِ بنی امیہ اندر شود بدین معنی کہ خیر مانے خراسان پر

ہی آید و تباہ شدہ است و عبداللہ بن الحسن گفت ہنوز اس پہنگام نیست کہ مارا باید آمدن علیہ  
بن علی گفت یا ابا محمد شمارا بر بنی اسیہ طغر نباشد طغر مارا بود و ہمکہ ایشان را کہشم و کارا ایشان  
بہتانم و ما ذلک علی اللہ یعنی پس عبداللہ بن الحسن خاموش شد و چیزے نگفت  
(رواق ۴۹۸ - صفحہ ۲)



غرض کہ اخیر زمانہ خلفائے بنی امیہ میں جبکہ اُن کی خلافت میں کسی قدر ضعف بھی ہو گیا تھا  
اور اُن کے ظلم و تعدی سے اہل حجاز ناراض بھی تھے بنی عباس اور بنی فاطمہ بہت سی تدبیریں  
اور ترغیبیں خلافت حاصل کرنے کو کر رہے تھے۔ اس خلفتاریں لوگوں کے چار گروہ ہو گئے  
ایک گروہ تو خلفائے بنی امیہ کا طرفدار تھا جو مسند خلافت پر جلوہ آ رہے تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو  
عبداللہ بن زبیر کی خلافت پر بائیل تھا جنہوں نے تکر معطریں دعویٰ خلافت کا کیا تھا۔ تیسرا  
گروہ وہ تھا جو بنی عباس میں سے خلیفہ ہونے کی تدبیریں تھا اور چوتھا وہ تھا جو بنی فاطمہ میں سے  
خلیفہ ہونے کا طرفدار تھا۔

بنی امیہ والے گروہ کو تو جبرائے کہ وہ اُن کی خلافت قائم رکھنے میں کوشش کریں اور مخالفوں  
سے لڑیں اور اُن کو قتل و ہربا د کریں اور کوئی کام نہ تھا مگر تین فریق جو باقی رہے اُن کی تدبیریں  
البتہ خود کے قابل ہیں۔ عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں کو کچھ زیادہ کامدوائی کا موقع نہیں ملا مگر  
بنی عباس بنی فاطمہ کے طرفداروں نے نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کی تھیں۔ سب سے بڑی ہیر

یہ تھی کہ اُن کی طرف سے لوگ دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو بنی امیہ سے برخلاف اہل اُن کی خلافت پر مایل کرنے تھے اور سب سے بڑا فائدہ لوگوں کے براہِ گھٹ کر کے اُن کو بنی حدیثوں کا پھیلانا اور لوگوں کو سنانا تھا جن سے اُن لوگوں کے استحقاق خلافت کو جن کے طرفدار اُن حدیثوں کو بتاتے تھے بطریقِ پیشین گوئی کے تقویت ملتی تھی۔ وہ ان پیشین گوئیوں میں یہ لکھ نہیں سکتے تھے کہ کوئی دوسرا پیغمبر ہونے والا ہے جس کی اطاعت سب کو چاہئے۔ اُنھوں نے لفظِ حدیث کا اختیار کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک شخص جو خدا کی طرف سے ہدایت کیا گیا ہے عدل و انصاف کرنا والا ہے اور اس کا جس کی اطاعت سب کو چاہئے اور اُن حدیثوں میں اُس حدیث کی اسی نشانیاں بتاتے تھے جو اُن لوگوں پر صادق آتی تھیں جو وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے چنانچہ یہ امر اُن افہامات کو حدیثوں سے مطابق کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر کا زمانہ بہت نہیں چلا جبکہ ستمِ ہجری میں مطابق ستمِ ۸۰ء کے نزدیک پر بیٹھا اور واقعہ کہ ابھی ہو چکا تو اہلِ حجاز اُس کی بدکاریوں سے نہایت ملامت تھے۔ عبداللہ بن زبیر نے ستمِ زبیر سے بیعت نہیں کی تھی اور حجاز کے لوگ اُن کی طرف مایل تھے پس عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنے آپ کو خلیفہ کیا اور عراق و حجاز و یمن بھر کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی۔ زبیر نے اُن سب ملکوں کو باغی قرار دیا اور مدینہ منورہ کے قتل و غارت کے بعد عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مدعو فرمایا۔ وہ مکہ میں محصور ہو گئے اور لڑائی ہوئی مگر زبیر کے مرنے کے سبب سے وہ فوج واپس آئی۔

زبیر کے بعد معاویہ بن زبیر خلیفہ ہوا۔ مگر اُس نے خلافت چھوڑ دی اور ستمِ ہجری مطابق ستمِ ۸۴ء عیسوی کے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا اُس نے اپنے وزیر حجاج کو مدعو فرمایا کہ شیعہ عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مدعو کر دیا گیا عبداللہ کو لڑنے لگے اور ستمِ ہجری مطابق ستمِ ۸۵ء عری کے اُن کو سولی دیکر مار ڈالا۔

یہ فوج کشی جو دوسری فوج ہوئی نہایت سخت تھی اور اس غرض سے کہ لوگ عبداللہ بن زبیر کی مدد کریں اُن لوگوں نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کے طرفدار تھے اُن کے لئے حدیثیں بنالیں۔ انہی حدیثوں میں سے وہ حدیث بھی ہے جو

۱۔ (تھا) عن ام سلمة عن النبی صلیم ابوداؤد نے ام سلمہ سے روایت کی ہے عیسیٰ

قال لیکن اختلاف عند موت خلیفۃ  
فیخرج رجل من اهل المدینۃ ہاربا  
الی مکۃ فاتیہ ناس من اهل مکۃ فیخرجونہ  
وہو کاذب فابیاعونہ باین الکرن والقام وبعث  
الیہم بعث من الشام فیخسف بہم بالسیداء  
بین مکۃ والمدینۃ فاذا رای الناس ظک  
انما ابدال الشام وعصائب اهل العراق  
فیبايعونہ ثم یرثہ رجل من قریش احوالہ  
کلب فیبعث الیہم بعثا فیظہرون علیہم  
ذلک بعث کلب والحقیۃ لمن لم یشہد  
غلیمۃ کلب فیقسم المال ویعل فی الناس  
لسنۃ نبتہم صلعم ویلقی الاسلام یجرونہ  
الی الارض فیلبت سبع سنین (تسم سنین)  
ثم یتوفی ویصل علیہ المسلمون ۵

ابو داؤد صفحہ ۲۳۳

وہ اُن پر فتح پاویں گے اور یہ لشکر قوم کلب کا ہو گا۔ افسوس ہے اُس شخص پر جو کلب کی  
لوٹ میں موجود نہ ہو پھر وہ شخص مال کو تقسیم کرے گا اور لوگوں میں اُن کے پیغمبر کے طریقہ پر عمل کریگا  
اور اسلام کو زمین پر پھیلا دے گا پھر سات برس یا نو برس جتنا رہے گا پھر جاوے گا اور مسلمان  
اُس کی نذر پڑھیں گے ۵

یہ شروع شروع زمانہ اس قسم کی حدیثوں کے بننے کا ہے اور ابھی تک مدنی کا لفظ وضع  
نہیں کیا گیا ہے مگر جی میں نے مدنی ہی سے اس حدیث کا یہی تعلق سمجھا ہے اور اسی لئے لفظ  
نے باب الممدی میں اس حدیث کو لکھا ہے۔ مگر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث جلد  
بن زبیر کے لئے بنائی گئی تھی مدینہ سے مکہ میں آتا اور بن الکرن القام سمیت کا ہونا اور پہلی دفعہ  
شام کا لشکر بغیر فتح کے واپس چلا گیا اُس کے دھنس جانے سے کہنا یہ کرنا اور علق سے لشکر کا

آنا جس نے عبدالقدیر بن زبیر کی اطاعت قبول کی تھی یہ سب ایسے اشارے اس پیشین گوئی میں  
ہیں کہ ہر پھر کرسب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو پیشین گوئی اس میں ہے وہ عبدالقدیر بن  
زبیر ہی اسکی مصداق ہیں +

بنی فاطمہ نے جو تدبیر خلافت منصوبہ کے دوبارہ حاصل کرنے کی تھی وہ مدت تک جاری  
رہی مگر انفس سے کہ کامیاب نہ ہوئے +

سب سے پہلے کوشش وہ تھی جو زبیر کے وقت میں ہوئی اور اہل کوفہ کی خواہش پر حضرت  
امام حسینؑ نے مسلم ابن عقیل کو دیا بھیجا اور پھر خود بھی روانہ ہوئے اور صحرائے ماریہ میں فرات  
کے کنارہ سترہ جہزی مطابق شہ ۶۰ کے مع بئر رفعا کے شہید ہو گئے +

مگر بنی فاطمہ کے دل سے یہ دعویٰ زائل نہیں ہوا جبکہ شہ ۶۰ جہزی مطابق شہ ۶۱ کے  
ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو زبیر بن علی بن جہین علیہ السلام نے جو مدت سے اپنی خلافت کی  
تدبیر کر رہے تھے اور جا بجا ان کے نقیب پھیلے ہوئے تھے کوفہ میں دعویٰ خلافت کیا مگر جب  
ہشام کی فوج آئی تو صرف پانسو آدمیوں نے ساتھ دیا شکست ہوئی اور حضرت زبیر شہید ہوئے  
یعنی کتنا میں محولی دیدی گئی +

جو لوگ کہ بنی فاطمہ سے گرویدہ تھے اور زبیر شہید کی خلافت چاہتے تھے انہوں نے اس لیے  
کہ لوگ بنی فاطمہ کے پیروار کے رجوع کریں اور زبیر شہید کی خلافت کے حامی ہوں وضعی حدیثیں بنا کر  
لوگوں میں پھیلائی شروع کیں ایسی مضمون ان حدیثوں میں بیان ہوئے لگا جس سے پایا  
جاوے کہ بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کی پیشین گوئی ہوئی ہے اس مضمون کی بہت سی  
حدیثیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ابو داؤد میں حضرت علیؑ سے روایت ہے جس میں کا  
ایک راوی فطر بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے آں حضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ اگر  
دنیا سب چلی جاوے اور صرف ایک دن ہی

باقی رہ جاوے تو بھی ضرور خدا تعالیٰ  
میری اہل بیت میں سے ایک شخص  
کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل سے  
بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم سے  
بھری ہوئی +

۲ (فطر) عن علی عن التبعی صلعم  
لو لم یبق من الدنیا الا یوم المبعث اللہ  
رجلا من اہل بیتی یملأہا عدلا  
کما ملئت جورا +

(ابو داؤد منہو ۲۳۲)

اسی طرح شکوۃ میں ایک حدیث غالباً حاکم کی مستدرک سے نقل کی گئی ہے ابو سعید نے کہا کہ آں حضرت صلعم نے ذکر کیا کہ ۱

۳۔ عن ابی سعید قال ذکر رسول اللہ  
صلعم بلاء یصیب ہذہ الامۃ حتی لا  
یجد الرجل ملجاء الیہ من الظلم فیبعث  
رجلاً من عترتی و اہل بیتی فیملأہ  
الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وفساداً  
جو ہاں یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن  
الارض لا یتدم السماء من قطر ہاشہ  
صبتہ مددرا و لا یتدم الارض  
شئاً الا اخرجہ حتی یتمنی  
الاموات یعیش فی ذلک سن  
او ثمان سنین او تسع سنین  
حاکم مشکوٰۃ ۴۶۱

پر ایک بلا پڑے گی یہاں تک کہ  
ظلم سے بچنے کے لئے چلائے گا  
ایک شخص اور میری اہل بیت سے  
۵ اور اس کے سبب سے زمین کو  
ارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وفساداً  
جو ہاں یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن  
الارض لا یتدم السماء من قطر ہاشہ  
صبتہ مددرا و لا یتدم الارض  
شئاً الا اخرجہ حتی یتمنی  
الاموات یعیش فی ذلک سن  
او ثمان سنین او تسع سنین  
حاکم مشکوٰۃ ۴۶۱

یا نو برس زندہ رہیگا

کچھ عجیب ہے کہ اسی زمانہ میں اس شخص کے لئے جس کی نسبت گم گم میں شپین گئی  
ہوئی تھی ہمدی لقب وضع ہوا کیونکہ ہمدی کا لقب انھی حدیثوں کے ساتھ شامل ہے  
یعنی فاطمہ اور اہل بیت میں سے خلیفہ ہونے کی بشارت ہے اور وہ حدیثیں بھی جن میں  
ہمدی کا لقب بیان ہوا ہے متعدد کتابوں میں  
ہیں پنا نجد ابو داؤد میں ام سلمہ سے جس کے راویوں  
میں علی بن نفیل بھی ایک راوی ہے یہ حدیث  
نذر کر ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا  
صلعم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری  
آل میں سے ام فاطمہ نہ کی اولاد میں سے  
ہمدی ہوگا

۱۔ (علی بن نفیل) عن ام سلمۃ قال  
سمعت رسول اللہ صلعم یقول الہمدی  
من عترتی من ولد فاطمۃ  
(ابوداؤد۔ منہ ۲۳۲)



حجاز میں غزوہ کیا تھا اور اسی بیٹے اس حدیث میں عرب کا نام بھی داخل کیا گیا۔  
ترمذی میں بھی اسی قسم کی سند رجبہ ذیل حدیث میں اور اُن سب میں عاصم بھی ایک لڑکی  
ہے اور وہ حدیثیں یہ ہیں عبد اللہ نے کہا

۸۔ (عاصم) عن عبد الله قال قال رسول الله  
صلعم لا يذهب الدنيا حتى يملك العرب  
رجل من اهل بيتي يواطى اسمه اسمي  
(ترمذی صفحہ ۳۷۱)

۹۔ (عاصم) عن عبد الله عن النبي صلعم  
قال لي رجل من اهل بيتي يواطى اسمه اسمي  
(ترمذی صفحہ ۳۷۱)

۱۰۔ (عاصم) عن أبي هريرة قال قال لوليتي  
من الدنيا الا يومنا الطويل الله ذلك اليوم  
حتى يلي الخ (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

کہ رسول خدا صلم نے فرمایا کہ دنیا نہیں جائے  
کی جب تک کہ میری اہلبیت میں سے ایک  
شخص عرب کا مالک ہو جس کا نام میرے نام  
کے مطابق ہوگا۔

پھر انہی عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی صلم نے  
فرمایا کہ والی ہوگا ایک شخص میری اہلبیت میں سے  
جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلم  
نے فرمایا کہ اگر دنیا بھر ایک دن گئے باقی  
نہ رہے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس دن کو بڑھا دینا  
تا کہ والی ہوگا ایک شخص میری اہلبیت میں سے  
جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔

ابن ماجہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں جس کے راویوں میں  
یاسین العملی بھی راوی ہے یہ آیا ہے کہ حضرت  
علیؑ نے کہا کہ رسول خدا صلم اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا ہے کہ المہدیؑ ہم میں سے ہماری  
اہل بیت میں سے ہے ایک رات میں اللہ تعالیٰ  
اُس کے سب کام درست کر دینا۔

۱۱۔ (یاسین عملي) عن علي قال قال رسول الله  
صلعم المهدي منا اهل البيت يصلح الله  
في ليلة (ابن ماجه صفحہ ۷۲۹)

۱۲۔ (علي بن فضال) عن سعيد بن مسيب  
قال كنا عند ام سلمة فتذاكرنا المهدي  
فقال سمعت رسول الله صلعم يقول المهدي  
من اول فاطمة (ابن ماجه صفحہ ۷۲۹)

ایک آدھ حدیث میں جس میں علی بن فضال بھی راوی ہے  
سید بن مسیب بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے  
ہوئے تھے اور مہدیؑ کا ذکر کر رہے تھے اہم نے کہا کہ  
رسول خدا صلم نے سنا ہے کہ وہ تھے کہ مہدیؑ اولاد فاطمہؑ ہوگا۔

۱۳۔ (عکرمۃ بن عمار علی بن زیاد) عباسی ابن مالک قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یحییٰ بن عبد المطلب سادۃ اهل الجنة انا وحمزة وحلی وجعفر والحسن والحسین والمہدی (ابن ماجہ صفحہ ۷۴۹)

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے سعید بن سہیب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم اولاد عبد المطلب سرور اہل جنت

ہیں اور وہ کون ہیں میں ہوں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور مہدیؑ

غور کرو کہ اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباس کا نام اولاد عبد المطلب سے چھوڑ دیا ہے تاکہ بنی عباس کے دعویٰ خلافت کو نفی نہ پہنچے۔ حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ و طرفداران بنی عباس دونوں ان کے تھے مگر جو جس کا طرفدار تھا اُس کے مفید کام کرتا تھا۔

بنی عباس نے اپنی تدبیروں میں نہایت کامیابی حاصل کی اور آخر کار وہ خلیفہ ہو گئے۔

بنی عباس میں سے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اپنے تئیں ملقب امام ملقب کیا مگر وہ مرغان کی قید میں پڑے اور قتل ہوئے۔ اس واقعہ سے بنی عباس کی تدبیروں میں کچھ نقصان نہیں آیا اس لیے کہ ابوسلم خراسانی نے جو نہایت دانشمند اور مدبر شخص تھا محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس سے خفیہ محبت کر لی تھی اور وہ خراسان میں اس لیے گیا ہوا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کے خلیفہ ہونے پر مائل کرے ابوسلم پاس وہاں خوب محبت جمع ہو گئی اور بنی عباس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہو گئے۔ ابوسلم نے "نقیب آل محمد" اپنا لقب اختیار کیا کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے اور اپنی طرف سے ستر نقیب اطراف میں لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کرنے کے لیے روانہ کیے اور کل دستداران آل عباس کے لیے سیاہ لباس تجویز کیا اور ان کے لشکروں کے جھنڈے بھی سیاہ قرار پائے۔

اُس زمانہ میں سب سے بڑا نسخہ لوگوں کو گرویدہ کرنے کا حدیثوں کا پیش کرنا تھا اس لیے بنی عباس کے طرفداروں نے ایسی وضعی حدیثیں بنائیں جن سے خلیفہ مہدیؑ ہونے کی پیشین گوئی بنی عباس کے حق میں نکلتی تھی اور مسلمانوں کو ان کی مدد کرنا ان حدیثوں کی رو سے ضرور ثابت ہوتا تھا چنانچہ اسی قسم کی وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں مندرج ہے اور وہ



حرف علی مقدّمترجل یقال له منصور  
یوہن اویسکن کالی محمد کما مکتت قوش  
لرسول اللہ صلعم وجب علی کل مومن نصرہ  
(ابوداؤد صفحہ ۲۳۳)

ہے کہ یہ سب حدیثیں وقت کی مناسبت سے اور اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے  
بنائی گئی تھیں :

اسی قسم کی کئی حدیثیں ابن ماجہ میں ہیں انہی میں سے وہ حدیث ہے جس میں زید بن

ابی زیاد بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے کہ

”عبداللہ نے کہا کہ ایک دفعہ ہم رسول خدا صلعم  
کے پاس تھے کہ دفعۃً بنی ہاشم کے چند گبرو  
آگئے جب اُن کو رسول خدا صلعم نے دیکھا تو  
آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ کا  
رنگ متغیر ہو گیا۔ عبداللہ نے عرض کیا کہ کیا  
بات ہے جو آپ کے چہرہ مبارک سے ایسی  
بات پائی جاتی ہے جو ہم کو ناخوش کرتی ہے  
آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم اہل بیت  
کے لیے دنیا پر آخرت کو پسند کیا ہے اور قریب  
ہے کہ میری اہل بیت میرے بعد بلا میں اور  
تشدید میں اور دُواواں دُول ہو جائے میں  
پڑیگی یہاں تک کہ مشرق کی جانب سے ایک  
توم آوے گی جس کے ساتھ سیاہ جھنڈے  
ہونگے پھر وہ ایک نیک بات کا سؤل کریگی  
پھر اُن کو وہ نہیں ملیگا پھر وہ لڑینگے اور فتح  
پاویں گے اور جو مانجھتے تھے وہ مجھ کو پھر وہ

۱۶ زید ابن ابی زیاد عن عبداللہ قال  
بینما نحن عند رسول اللہ صلعم اذا قبل  
فتیۃ من بنی ہاشم فلما راہم التبی  
صلعم اعز ورت عیناہ وتغیر لونہ قال  
فقلت ما نزل نری فی وجہک شیئا  
نکرہ فقال انا اہل بیت اختار اللہ لنا  
الآخرۃ علی الدنیا وان اہل بیتی سلیقون  
بعدي بلاء وتشدید او تطرید یا حتی یاتی  
قوم من قبل المشرق معہم رایات سود  
فیسلون الخبر فلا یعطونہ فیقاتلون  
فیبصرون فیعطون ما سألوا فلا یقبلونہ  
حتی یدفعوہا الی رجل من اہل بیتی فیملک  
قسطا کما ملک ہاجورا من ادراک ذلک  
منکم فالیا تم ولوجہوا علی الثلیم -

(ابن ماجہ صفحہ ۴۸۷)

اُسکو قبول نہ کریگے یہاں تک کہ اُسکو میری اہل بیت میں سے ایک آدمی کو دیدیں گے اُسوقت کہ ایک شخص میری اہل بیت میں سے کو دیدیا جائیگا پھر وہ بھر دیا دنیا کو انصاف سے جس طرح کہ وہ بھر گئی ہوگی ظلم سے جو شخص تم میں سے اُسکو پاوے تو اُن کا ساتھ دے گو کہ برف پر گھسٹ گھسٹ کے ہو۔

ابو مسلم نے جو لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر نائل کیا تھا مدت تک اُس نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کس شخص کو وہ خلیفہ ہونا چاہتا ہے جب بہت لوگ جمع ہو گئے اور لشکر جمع ہو بیٹھ گیا اور غرض کہ میں بخوبی ضبط ہو گیا اُس وقت اُس نے عبداللہ ابوالعباس کا نام ظاہر کر دیا اور اُسکو خلیفہ مشہور کر دیا۔ پس یہ حدیث صرف اس تدبیر کے پورا کرنے کو بطور پیشین گوئی بنائی گئی تاکہ عبداللہ کی خلافت کا اثر اور حکام لوگوں کے دلوں پر جم جاوے۔

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث بھی ہے جس میں عبدالرزاق ابی قلاب بھی راوی ہے اور

یہ ہے کہ ”توبان نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے خزانہ پر تین شخص مائے جاوینگے وہ سب خلیفہ کے بیٹے ہوں گے پھر ان میں کسیکو نہ ملے گا پھر مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور تمکو ایسا قتل کریں گے کہ کسی قوم نے نہ کیا ہوگا اُس کے بعد اور کچھ فرمایا جو راوی کو یاد نہیں رہا پھر یہ فرمایا کہ جب تم اُن کو دیکھو تو اُن سے بیعت کرو گو کہ برف پر گھسٹ کر جانے سے ہو کیونکہ وہ ہوگا خلیفہ اللہ المہدی“

۱۰ (عبدالرزاق ابی قلاب) عن توبان عن  
قال قال رسول الله صلعم تقتل عن كنزكم  
ثلاثة كلام ابن خليفه ثم لا يصبر الي  
واحد منهم ثم تطلع الرايات السود من قبل  
المشرق فيقتلونكم قتلا لم يقتله قوم  
ثم ذكر شيئا لا احفظه فقال اذا رايتهم  
فبايعوهم ولو حبوا علي الشالم فانهم خليفه  
الله المهدى - (ابن ماجه صفحہ ۷۹)

جب کہ بنی اُمیہ کے خاندان کی خلافت ختم ہونے کو ہوئی اور بنی عباس کا ستارہ اقبال عروج پر ہوا تو ان جھگڑوں میں اس قدر غول زیاں ہوئی تھیں کہ حقیقت کسی قوم میں نہ ہوئی تھیں بنی اُمیہ اور اُن کے طرفدار سب قتل ہوئے محمد بن علی کے سامنے ایک عام میں ستر گروہ بنی اُمیہ کے قتل ہوئے تھے اور پھر اُن کی لاشوں پر بھجونا بھجوا کر کھانا کھایا گیا تھا عبداللہ ابوالعباس کا نام سفاح بہسبب پہلے انھما غزنوی کے پڑ گیا تھا اس غزنوی پڑناک

ٹالنے اور بنی عباس کی خلافت مستحکم کرنے کے لیے یہ حدیث بنائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ اس نحل بیزی کی پیشین گوئی ہو چکی تھی اور ضرور ہونیوالی تھی :

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث ہے کہ عبداللہ بن الحارث زید بنی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق کی جانب سے لوگ خروج

کریں گے اور مہدی کے لیے سلطنت و حکومت قائم کریں گے +

بنی عباس کی کوششوں کا آخر کار نتیجہ

یہ ہوا کہ عبداللہ بن الحارث بن سفيان سپر پوتے حضرت عباس کے مستقل خلیفہ ہو گئے اُن کے

۱۸۔ (ابن لمیعۃ) عن عبد اللہ ابن الحارث بن زید یقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمخرج تاس من المشرق فیوطون المہدی یعنی سلطانہ (ابن ماجہ صفحہ ۷۵)

مرنے کے بعد ابو جعفر منصور ووافقی اُن کا بھائی ۳۶ ہجری مطابق ۷۵۷ء کے خلیفہ ہوا اسی کے وقت میں محمد بن عبداللہ حضرت امام حسن کے پوتے نے دعویٰ خلافت کیا تھا جو انجام کار قتل ہوئے۔ اس کے مرنے کے بعد ابو عبداللہ محمد بن منصور ۷۵ ہجری مطابق ۷۵۷ء عیسوی کے خلیفہ ہوئے اور انھوں نے المہدی اپنا لقب قرار دیا تاکہ لوگ بن لیں کہ المہدی جس کی پیشین گوئیاں تھیں وہ اُن کا آب کوئی نہیں آنے والا۔ مقصود اس سے تھا نژاد نیندہ کا فنا اور دعویٰ مہدیت بند ہو +

ان تمام حالات کو پڑھ کر مزبور ہمارے اس رُٹکل کے پڑھنے والوں کے دل میں یہ خیال جاوے گا کہ یہ کیوں قرار دیا گیا ہے کہ جب یہ واقعات پیش آئے تو اُس وقت اُن کے مطابق یہ حدیثیں اپنے اپنے اغراض کے لیے بنائی گئیں برعکس اس کے یہ کیوں نہیں قرار دیا جاتا کہ یہ سب حدیثیں تھیں اور جو پیشین گوئیاں اُن میں تھیں اُنہی کے مطابق یہ سب واقعات پیش آئے +

مگر اس کا سبب خدا سے غور کرنے میں بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہ حدیثیں دو گروہ سے متعلق ہیں۔ ایک بنی فاطمہ سے اور ایک بنی عباس سے۔ ایک قسم کی حدیثوں میں المہدی کا ہونا بنی فاطمہ میں بیان ہوا اور اُس کی اطاعت و نصرت پر حکم ہے۔ اور ایک قسم کی حدیثوں میں بنی عباس میں المہدی کا ہونا اور اُسکی مدد و اعانت کرنے کا حکم ہے۔ اگر حقیقت کوئی المہدی ہوتا تو وہ بنی فاطمہ میں سے ہوتا یا بنی عباس میں سے نہ کہ دو مختلف شاخوں میں سے نہ پس

صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی پیشین گوئی المہدی کی نہ تھی بلکہ ہر ایک فریق نے اپنی اپنی تائید کے لیے حدیثیں بنالی تھیں \*

جن حدیث کی کتابوں میں یہ حدیثیں مندرج ہیں اگر وہ کتابیں قبل ان واقعات کے تصنیف ہو چکی ہوتیں اور ان میں یہ حدیثیں مندرج ہوتیں تو البتہ ایک بات قابل اعتماد کے ہوتی مگر وہ کتابیں حدیث کی جن میں یہ حدیثیں ہیں ان واقعات کے بہت دنوں بعد تالیف ہوئی ہیں۔ ان حالات سے جو ہم نے بیان کیے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب واقعات ۱۲۵۰ ہجری سے پہلے ختم ہو چکے تھے اور ان حدیث کی کتابوں کے مصنف سب اس زمانہ کے بعد تھے اور وہ کتابیں سب اس زمانہ کے بعد تالیف ہوئی ہیں جس کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔

نام	سنہ پیدائش	سنہ وفات
محمد تمیم بخاری	۱۹۴	۲۵۶
مسلم	۲۰۴	۲۶۱
ابویسع محمد ترمذی	۲۰۹	۲۶۹
ابوداؤد	۲۰۲	۲۷۵
ابوعبدالرحمن احمد نسائی	۲۱۵	۳۰۳
ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ	۲۰۹	۲۹۳

اس رائے کی زیادہ تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام مالک ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ ہجری میں فوت ہوئے اور یہ تمام واقعات ان کے سامنے گزرے مگر ان کی کتاب موطا میں کوئی حدیث المہدی کی پیشین گوئی کی نہیں ہے اور نہ بخاری و مسلم میں ہے \* ایک بڑا دھوکا لوگوں کو یہ پڑتا ہے کہ جب سنتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں مندرج ہے تو مانع اور اس کو مان لینا چاہتے ہیں حالانکہ مصنفین صحاح ستہ نے جہاں تک ان سے ہو سکا ہے انہوں نے روایت کی تفتیح میں بڑی کوشش کی ہے یعنی حتی المقدور جن راویوں کو متبرجھا اور انہوں نے جو حدیث نقل کی اس کو کتاب میں مندرج کیا مگر ان حدیث کی تفتیح لمحاظ ان کے واقعات مندرجہ اور ان کے مضامین کے جو درایت سے تعلق رکھتے ہیں پڑھنے والوں کی تحقیق پر چھوڑا ہے مگر ان سے کہ اس زمانہ کے پڑھنے والے اس کی تفتیح کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتے \*

۲۰ حدیثیں جو پہنے بیان کیں اگرچہ انہی کتب میں مندرج ہیں جو صحاح میں کسلائی ہیں لیکن ان کے راوی بھی معتبر نہیں ہیں اور اس لیے یہ حدیثیں روایت کی تنقیح کے مطابق بھی جو محدثین کے اصول مسلمہ میں سے ہے قابل رد کرنے کے ہیں پس اب ہم جو جلیل اصول محدثین کے ان حدیثوں کا مردود ہونا بیان کرتے ہیں۔ ابن خلدون نے ان حدیثوں کے راویوں کی نسبت جو بحث ہے نہایت غہلی سے ایک جگہ جمع کر دی ہے اور ہم اُسی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں :

ہمارے آرٹیکل کے پڑھنے والے دیکھیں گے کہ پہنے ہر حدیث کے پہلے بعض راویوں کا نام دو ہلائی خط کے چھپر لکھ دیا ہے اُس سے مطلب یہ ہے کہ اُس حدیث کے راویوں میں سے وہ شخص بھی ایک راوی ہے اور وہی شخص نامستبر ہے اور اُسی کے راوی جو نے کی وجہ سے وہ حدیث قابل اعتبار اور لائق قبول کے نہیں ہیں اب ہم ہر ایک کی نسبت جو مرجع ہے وہ لکھ دیتے ہیں :

ابوداؤد کی روایت میں قتادہ ایک راوی ہے اور وہ مدلس ہے یعنی بیچ کے راویوں کے نام چھپر لگاتا ہے اور جس نے اُس حدیث کو عن ابن عمر کے زمرہ میں لیا ہے اور مدلس کی جان کی ہوئی حدیث بغیر اُس کے کہ وہ اُس کا سنا صاف نہ بیان کرے قبول نہیں ہو سکتی :

۱۔ (قتادہ) وقنادہ مدلس وقد عنعن فیہ والمدلس لا یقبل من حدیثہ الا ما صرح فیہ بالسماع۔  
(ابن خلدون صفحہ ۲۶۳)

عجلی نے فطر کے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیثیں اچھی ہیں اور اُس میں کچھ شیعہ ہیں ہے اور ابن حین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے شیعہ ہے اور احمد بن عبد اللہ بن یونس نے کہا ہے کہ ہم فطر کے سامنے کو چلے جاتے تھے اور اُسکو چھوڑ دیتے تھے اُس سے کچھ نہیں لکھتے تھے یعنی ہم اُسکو لائق اخذ روایت کے نہیں مانتے تھے اور مرہ نے کہا ہے کہ میں اُسکو مشعل

۲۔ (فطر) قال العجلی حسن الحدیث و فیہ تشیع قلیل وقال ابن معین ثقہ شیعہ وقال احمد بن عبد اللہ بن یونس کنا نمر علی فطر و هو مطروح لا نکتب منه وقال مرہ کنت امریہ وادعہ مثل الکلب وقال الدار قطنی لا یحتج بہ وقال ابوبکر بن عیاش ما ترک الہ وایتعہ



الاسراء مذہبہ وقال الجرجانی نا ائبع  
غیر ثقہ (صفحہ ۲۶۲)

کتے کے چھوڑ کر چلا جاتا ہوں اُس سے روایت  
نہیں کرتا ہوں اور دارقطنی نے یہ کہا ہے کہ  
اسکی روایت سے استدلال نہ کرنا چاہیے اور

ابوبکر بن عیاش نے کہا ہے کہ میں نے فطرکی روایت تو اُس کی خرابی مذہب کے سبب  
چھوڑ دی ہے اور جو جانی نے کہا ہے کہ وہ کج رائے ہے قابل اعتبار کے نہیں ہے +

حاکم کے حق میں بلقینی نے کہا ہے کہ ذہبی نے

بقدر ستو حدیث موضوع کے جمع کی ہیں جو

حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہیں اور اُس پر

بہت تشنیع کی ہے اور بُرا کہا ہے اکثر جگہ اور

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حاکم سے مستدرک

میں تساہل اس لیے ہوا کہ اُس نے

لکھی تھی کہ پھر اُسی میں سے

صحیحہ کا انتخاب کرے گا مجھ سے

پہلے مر گیا +

۳- (حاکم) قال البلقینی قد جمع الحافظ  
الذہبی زهاء مائۃ حدیث موضوع من  
احادیث المستدرک و شنع علیہ غایۃ  
التشنیع فی بعض المواضع وقال الحافظ ابن  
حجر انما وقع للماکم التساهل لانه سواد الکتاب  
لیفتحه فاعجلۃ المنیۃ و بعد ذلک فتروی  
الحرم (صفحہ ۱۱)

(۱۴) بیہقی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مستدرک اور کتب بیہقی کو طبقہ سوم کہ

جس میں احادیث صحیح اور حسن اور ضعیف اور متهم بالوضع بھی شمار کیا ہے۔ قولہ۔ طبقہ ثالثہ

احادیث کے جماعہ از علماء متقدمین بزمان بخاری و مسلم یا معاصرین آہنایا لاحقین بآہنادر فقہاء

خود روایت کردہ اندوالتزام صحت نہ نمودہ و کتب آہنادر شہرت و قبول در مرتبہ طبقہ اولے و

ثانیہ نہ رسیدہ ہر چند مصنفین اُن کتب موصوف ہوندر تہجور در علوم حدیث و وثوق و عدالت

و ضبط و احادیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ متهم بالوضع نیز در اُن کتب یافتہ می شود و رجال اُن کتب

بعضے موصوف بجدالت بعضے مستور و بعضے لہجول و اکثر اُن احادیث معمول بنزد فقہاء

نشده اند بلکہ اجماع بر خلاف آہنادر متقدّر گشتہ و دریں کتب ہم تفاسیل و تفاوت بہت بعضہا

اقوی من البعض۔ اسامی اُن کتب این است مسند شافعی سنن ابن ماجہ مسند دارمی

مسند ابی یعلیٰ مصلیٰ مصنف عبدالرزاق مصنف ابی بکر شیبہ مسند عبد بن حمید مسند ابی داؤد کا

سنن دارقطنی صحیح بن جہان مستدرک حاکم کتب بیہقی کتب طحاوی تصانیف طبرانی +

علی بن نفیل کو عقیل نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے اس میں اُس کا اور کوئی تابع نہیں ہے اور وہ اسی روایت سے معلوم ہوا ہے اور کوئی روایت اُسکی کہیں نہیں موی ہوئی۔

(۱۲ و ۱۳) علی بن نفیل قد ضعف ابو جعفر العقیلی وقال لا یتابع علی بن نفیل علیہ ولا یرف الا لہ (صفحہ ۲۶۲)

۱۴ نمبر عمران القطان اختلف فی الاحتمال بہ انما اخرجہ البخاری استثما دالا صلا وکان یحیی القطان کا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقری وقال مرۃ لیس یثبۃ وقال احمد بن حنبل ارجو ان یکون صالح الحدیث وقال یزید بن الزبیر کان حروریا وکان یری السیف علی ہل القبۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)

یہ اندازہ عمران القطان اختلف فی الاحتمال بہ انما اخرجہ البخاری استثما دالا صلا وکان یحیی القطان کا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقری وقال مرۃ لیس یثبۃ وقال احمد بن حنبل ارجو ان یکون صالح الحدیث وقال یزید بن الزبیر کان حروریا وکان یری السیف علی ہل القبۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)

یہ اندازہ عمران القطان اختلف فی الاحتمال بہ انما اخرجہ البخاری استثما دالا صلا وکان یحیی القطان کا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقری وقال مرۃ لیس یثبۃ وقال احمد بن حنبل ارجو ان یکون صالح الحدیث وقال یزید بن الزبیر کان حروریا وکان یری السیف علی ہل القبۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)

یہ اندازہ عمران القطان اختلف فی الاحتمال بہ انما اخرجہ البخاری استثما دالا صلا وکان یحیی القطان کا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین لیس بالقری وقال مرۃ لیس یثبۃ وقال احمد بن حنبل ارجو ان یکون صالح الحدیث وقال یزید بن الزبیر کان حروریا وکان یری السیف علی ہل القبۃ وقال النسائی ضعیف (صفحہ ۲۶۳)

ہارون اور عمرو بن ابی قیس اور ابو جہاق شیعہ کا یہ حال ہے کہ ہارون کے حال سے ایک جگہ کہ تو ابو داؤد نے سکوت کیا اور دوسری جگہ کہا ہے کہ وہ شیعوں میں سے ہے اور سلیمان نے کہا کہ اُس میں نظر ہے۔

(۶) ہارون عمرو بن ابی قیس ابو جہاق شیعہ ہارون سکت ابو داؤد علیہ وقال فی موضع فی ہارون ہون ولد الشیعة وقال الہیامانی فیہ نظر (صفحہ ۲۶۲)

عمرو بن ابی قیس کے حق میں داؤد نے یہ کہا ہے کہ اُس کا ڈر نہیں ہے اُس کی حدیث میں غلطی ہوتی ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ وہ سچا ہے مگر اُس کو کچھ اوہام اور شبہات

عمرو بن ابی قیس قال ابو داؤد فی عمرو بن قیس لا ہاں ہنی حدیثہ خطأ وقال الازہبی صدق لہ اوہام (صفحہ ۲۶۲)

ہو گئے ہیں +

ابو اسحاق شیبی کی روایت اگرچہ بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ آخر میں بھک گئے تھے اور حضرت علی رضی عنہ سے اُن کی روایت متصل نہیں ہے +

عجلی نے کہا ہے کہ عاصم نے جو روایتیں زر اور ابی وائل سے کی ہیں اُن میں اختلاف ہے اس سے اشارہ ہے کہ ان دونوں سے اس کی روایتیں ضعیف ہیں اور محمد بن سعد نے کہا ہے کہ وہ اچھا ہے مگر اُس کی حدیث میں اکثر خطا ہوتی ہے +

اور یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے اور عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابو زرہ یہ کہتا ہے کہ عاصم ثقہ ہے کما اُس کا یہ درجہ نہیں ہے اور ابن علیہ نے اُس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے جہول کا نام عاصم ہے اُن کا حافظہ اچھا نہیں ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اُس کا درجہ یہ ہے کہ وہ سچا ہے اور لایق حدیث کے ہے مگر کچھ بہت یاد رکھنے والے نہیں ہیں اور نسائی کے قول اُس کے حق میں مختلف ہیں اور ابن حراش نے کہا ہے اُسکی حدیث میں امر قابل انکار بھی ہوتا ہے اور

ابو اسحاق الشیبی وان خرج عنہ الشیخان فی الصحیحین فقد ثبت انہ احتلط آخر عمرہ وروایتہ عن علی مقطوعة (صفحہ ۲۶۲)

(۸۰ و ۹۰ و ۱۰) عاصم قال العجلی کان یختلف علیہ فی زروابی وائل یشیر بذلک الی ضعف روايتہما عنہ وقال محمد بن سعہ کان ثقۃ لانہ کثیر الخطاء +

فی حدیثہ وقال یعقوب بن سفیان فی حدیثہ اضطراب وقال عبد الرحمن بن ابی حاتم قلت لابی ان ابانۃ یقول عاصم ثقۃ قال لیس محلہ ہذا وقد تکرر فیہ ابن علیہ فقال کل من اسمہ عاصم سئ الحفظ وقال ابو حاتم محلہ عندي محل الصدق صالح الحدیث ولہو یکن بذلک الحافظ واختلف فیہ قول النسائی وقال ابن حراش فی حدیثہ نکرۃ وقال ابو جعفر العقلی لہو یکن فیہ الاسود الحفظ وقال الدارقطنی فی حفظہ شی وقال یحیی القطان ما وجدہ تدرجہ اسمہ عاصم وجدہ تہ ردی الحفظ وقال ایضا سمعت شعبۃ یقول حدثنا عاصم بن ابی النجود

فی الناس ما فيها وقال للذهبي ثبت في القراءة وهو في الحديث دون الثبت صدوق فهم وهو حسن الحديث وإن احتج احداً بالشيخين خرجاه فقول اخر جاعلاً مقروناً بغيره لا أصلاً (صفحہ ۲۶۱)

ابو جعفر عقیلی نے کہا ہے اُس میں سو ایسے نقص کا فظہ کے اور کچھ عیب نہ تھا اور دائی نے کہا ہے کہ اُسکی یاد میں کچھ نقص تھے اور یحییٰ قنّان نے کہا ہے کہ میں نے کسی عاصم کی یاد اچھی نہیں پائی اور کہا ہے کہ میں نے سنا ہے شعبہ سے کہ کہتے تھے مجھ سے

حدیث کسی عاصم بن ابی الجود نے اور آدمیوں میں مشہور ہے جو اُس کا حال ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ قرات میں تو وہ بہت اچھا ہے اور حدیث میں اس سے کم ہے سچا ہے اور یحییٰ حدیث والا ہے اور اگر کوئی یا عمارض کہے کہ بخاری اور مسلم نے تو اُس سے روایت کی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اُس سے دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی انھوں نے روایت کی ہے اور اصل اُسی کی روایت نہیں کی \*

یاسین عجلی کے حق میں بخاری نے کہا ہے کہ اُس میں نظر ہے اور بخاری کی اصطلاح میں یہ لفظ بہت زیادہ ضعیف کہنا ہے اور ابن عدی نے کامل میں اور ذہبی نے میزان میں یہی حدیث اُس پر انکار کے لئے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ وہ تو مشہور ہے اس حدیث کے معاملہ میں \*

عکرمہ بن عمار اور علی بن زیاد عکرمہ بن عمار کو تو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اچھا کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے یعنی راوی بھڑوڑ ہے اُسکی وہ حدیث ماننی چاہیے جس کو تبعیج کیسے کہ میں نے سنا ہے \*

علی بن زیاد کے حق میں ذہبی نے کہا ہے کہ

(۱۱) یاسین عجلی قال البخاری فیہ نظر و ہذہ اللفظة من اصطلاح قویۃ بالتضعیف جلدو اور دله ابن عدی فی کامل و ذہبی فی المیزان ہذا الحدیث علی وجہ الاستکمالہ وقال هو معروف بہ (صفحہ ۲۶۶)

(۱۳) عکرمہ بن عمار علی بن زیاد - عکرمہ بن عمار قد ضعف بعض وثقة آخرون وقال ابو الرازی هو مدلس فلا یقبل منه الا ان یصرح بالسلام (صفحہ ۲۶۷)

علی بن زیاد - قال للذهبی فی المیزان

کاندری من هو وقد تكلم فيه الثوري \* ہم نہیں جانتے وہ کون ہے اور توراے نے

بھی اس میں کلام کیا ہے \*

کہا ہے کہ ثوری نے اُسکو دیکھا کہ بہت

مسکوں میں حکم دیتا تھا اور اُن میں خطا کرتا

تھا اور ابن جان نے کہا ہے کہ وہ بہت

..... کرتا تھا اور دیتا تھا تو اُس کی

حدیث سے جو نہیں لے سکتے \*

ہلال بن عمرو مجہول ہے اُس کا کچھ حال معلوم

نہیں ہوا کہ کیا ہے \*

غضب نے زیر بنائی زیادہ کی تھی کہ ہے

کہ وہ تو یونہی نہیں اُن حدیث کی کثرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیتا تھا جس کا

رفع ثابت نہیں ہوا اور محمد بن الفضل نے کہا

ہے وہ تو شیعوں کا بڑا پیشوا تھا اور احمد بن

حنبل نے بھی کہا ہے کہ وہ یاد رکھنے والا تھا

اور مرد نے کہا ہے کہ اُس کی حدیث ایسے

درجہ کی نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے اُسکو

ضعیف کہا ہے اور ابو زرہ ع نے یہ کہا ہے کہ

وہ اس لائق ہے کہ اُس کی حدیث لکھی جاوے

اور اُس کی حدیث سے حجت نہ لانی چاہیے

اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے

اور جر جانی نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے

غلام کو کہ اُس کی حدیث کی تصدیق کرتے

تھے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ تو کچھ

شیعوں میں سے ہے اور باوجود ضعف

قالوا لا يفتي في مسائل ويخطئ فيها و

قال ابن جان كان ممن فحش عطاء فلا

تحتج به - (ص ۲۶۷)

(۱۵) ہلال بن عمرو مجہول (ص ۲۶۲)

۱۶۱) یزید بن ابی زیاد - قال فيه شعبة

كان رفعا يرفع الاحاديث التي لا تعرف

مرفوعة وقال محمد بن الفضل كان من كبار

ائمة الشيعة وقال احمد بن حنبل لم يكن

بالحفاظ وقال مرة حديثه ليس بذلك

قال يحيى بن معين ضعيف قال ابو زرعه

لان يكتب حديثه ولا يحتج به وقال ابو حاتم

ليس بالقوي وقال الجر جاني سمعتم يصفون

حديثه وقال ابن عدی هو من شعبة

اهل الكوفة ومع ضعفه يكتب حديثه

رواه مسلم لكن مقرونا بغیرہ وبالجملة

فلا اكثر من على صفه وقد صرح الاشمه

بضعف هذا الحديث قال ابو حاتم سمعت

ابا سلمة يقول في حديث يزيدي عن ابيهم

لوحلف عندي خمسين يمينا قامة ما

صدقته (ص ۲۶۵)

اُس کی حدیث کچھ لمبا وے مسلم نے اُس سے روایت کی ہے لیکن دوسرے سے ملی ہوئی اُکثر اُس کو ضعیف کہتے ہیں اور سب ائمہ نے تصریح اس حدیث کو ضعیف کہا ہے ابو قتادہ نے کہا ہے کہ میں نے ابو سلمہ سے سنا ہے کہ وہ یزید کی حدیث کو جو اُس نے ابراہیم سے روایت کی ہے یہ کہتے تھے کہ اگر وہ میرے سامنے چاس مرتبہ اپنے علم پر قسم کھا کر بھی کہے تو میں اُس کو سچا نہ مانوں +

عبدالرزاق بن ہمام توشیحہ ہونے میں مشہور تھا اور آخر عمر میں اندھا بھی ہو گیا تھا اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اُس نے فضائل میں ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو کسی نے نہیں کی اور اُس کو سب نے تشیع کی طرف نسبت کیا ہے +

ابو قلابہ کے حق میں ذہبی اور آدول نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ مدلس ہے اور اس حدیث کے راویوں میں سفیان سے بھی جو تدلیس میں مشہور ہے اور ان دونوں نے یہ حدیث عن ابن کر کے روایت کی ہے اور صاف اپنا سماع نہیں بیان کیا تو نہیں قبول کی جاسکتی +

ابن ابیہ کی حدیث کو طبرانی نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف اُسی سے مروی ہے اور ہم پہلے حضرت علی کی حدیث میں جو طبرانی نے بحم واسط میں روایت کی ہے کہہ چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہے +

عبد اللہ ابن ابیہ کے ضعیف ہونے کمال تو مشہور ہے اور اس حدیث میں عمرو بن جابر بھی اس کے ساتھ شریک ہے اور وہ

(۱۷) عبدالرزاق و ابی قلابہ - عبدالرزاق بن ہمام کان مشہور بالتشیع و عی فی آخر وقتہ و قال ابن عدی حدیث باحدیث فی الفضائل لم یوافقہ علیہا احد و نسبوہ الی التشیع (صفحہ ۲۶۷)

ابو قلابہ تذکرۃ الذہبی وغیرہ انہ مدلس و فیہ السفیان و هو مشہور بالتدلیس و حدثنا و لم یصرح بالسماع فلا تقبل (صفحہ ۲۶۷)

(۱۸) ابن ابیہ - قال الطبرانی تفر دہ ابن ابیہ و قد تقدم لنا فی حدیث علی الذی خرجه الطبرانی فی معجمہ الاوسط ان ابن ابیہ ضعیف (صفحہ ۲۶۸) +

وعبد اللہ بن ابیہ ضعیف معروف الحال و فیہ عمرو بن جابر الحضرمی و هو اضعف منه و قال احمد بن حنبل روی عن جابر مبالغہ

دبلغی اذہ کان یکذب وقل النسا ئی لیس  
 بثقة قال کان ابن لہیعۃ شیعنا احمق  
 ضعیفا لعقل وکان یقول علی فی السحاب  
 وکان یجلس معنا فی بصری صحا بۃ فیقول ہذا  
 علی قد مر فی السحاب (صفحہ ۲۶۶) -

اُس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور احمد بن  
 حنبل نے کہا ہے وہ تو بہت منکر حدیثیں عابر  
 سے نقل کرتا ہے اور مجھ کو یہ دریافت ہوا  
 ہے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اور کہا ہے نسا ئی  
 نے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نسا ئی نے کہا ہے  
 کہ ابن لہیعہ ایک بوڑھا احمق آدمی تھا اور یہ

کہا کرتا تھا کہ علی مرتضیٰ ابراہیم ہیں اور ہمارے پاس بیٹھا تھا جب ابراہ کو دیکھتا تو یہ کہتا کہ یہ  
 علی تھے جو ابراہیم گئے ؟  
 جس وقت حدیث کے راویوں کی نسبت بحث ہوتی ہے اُس وقت یہ مشکل پیش  
 آتی ہے کہ کسی راوی کو ایک شخص نام مقبرہ قرار دیتا ہے اور دوسرا اُسکو مقبرہ سمجھتا ہے مگر اصول  
 حدیث میں سے یہ قاعدہ مسلم ٹھہرا ہے کہ جرح تعدیل پر مرجح ہوتی ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ  
 جس شخص نے کسی کو مقبرہ سمجھا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے اُس میں کچھ نقص نہیں پایا  
 پس گویا اس کی شہادت ایک نفی کی شہادت ہے اور جس نے اُسکو نام مقبرہ قرار دیا ہے اُس نے  
 اُس میں نقص پایا ہے اور اس لئے اُس کی شہادت ایک مثبت ہے جو منفی پر مقدم ہے پس  
 جو لوگ اُن راویوں کو مقبرہ قرار دیتے ہیں اُس سے جو جرح کہ اُن پر کی گئی ہے وہ زایل نہیں  
 ہو سکتی اور اس لئے اُن کی میان کی ہوئی روایت مقبرہ نہیں ہو سکتی ۔

ان راویوں میں سے بعض کی نسبت شیعہ ہونے کی وجہ سے جرح کی گئی ہوگا ہمارے نزدیک  
 صرف شیعہ ہونا وجہ کافی جرح کی نہ ہو لیکن ایسے موقع میں جس میں یہ حدیثیں مذکور ہوئی ہوں گی حدیث  
 جو کسی فریق کے طرفدار نے اُس فریق کے حق میں شہرت دی ہو قابل اعتماد نہیں ہو سکتی  
 اور اسی وجہ سے ہمارے اُنست میں وہ حدیثیں جو شیعوں نے بنی فاطمہ و بنی عباس کی نسبت  
 مشہور کی تھیں اعتماد کے لائق نہیں ہیں ۔

معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ میں بھی جب کہ سب واقعات ہو رہے تھے اور یہ حدیثیں  
 پھیل رہی تھیں ایسے ہی لوگ تھے جو ہمدی کے منکر تھے کیونکہ اُس وقت ایک حدیث  
 بنائی گئی کہ جو شخص ہمدی کا انکار کرے وہ کافر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اُس وقت میں  
 منکرین ہمدی موجود نہ ہوتے تو اُس حدیث کے بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور وہ حدیث

عن جابر قال قال رسول الله صلعم من كذب بالمهدي فقد كفر ومن كذب بالرجال فقد كذب +  
(فرايد الاخبار کلابي بکر العسکاف)

یہ ہے۔ فرايد الاخبار صنف ابی بکر العسکاف میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی جھٹلاوے مہدی کے ہونے کو وہ کافر ہو گیا اور جو جھٹلاوے بحال کے ہونے کو وہ جھوٹا ہو گیا +

مگر یہ حدیث بھی محض جھوٹی اور وضعی ہے ابن خلدون نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ یہی بات کافی ہے کہ یہ نہایت غلو ہے اور خدا وحسك هذا علوا والله اعلم بصحة طريقة الى مالك ابن انس علي ان ابی بکر العسکاف عندهم متم وضاع (صفحہ ۲۶۱)

اسی حدیث کی صحت کے طریقہ کو مالک ابن انس تک جانتا ہوگا۔ علاوہ اس کے یہ بات ہے کہ ابو بکر العسکاف اہل حدیث کے نزدیک متم ہے اور بہت بڑا جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے +

یہ تمام جھگڑے تو بنی فاطمہ اور بنی عباس کے تھے جو اپنے تئیں متحی خلافت سمجھتے تھے مگر اُس میں بعض اُستاد اور گود پڑے اور انہوں نے ایک لفظ حدیث میں بدل کر اُمتی کا لفظ داخل کر دیا تاکہ مہدی کا پیدا ہونا صرف

۱۹۔ (زید العمی) عن ابی سعید الخدري قال سئلنا عن النبي صلعم فقال ان في اُمتي المهدي يخرج بعيش خمس او سبعا وتسعا فيبعث اليه الرجل فيقول يا مهدي اعطني اعطني قال فيحسي له في ثوبه ما استطاع ان يحمله +  
(ترمذی صفحہ ۳۷۱)

بنی فاطمہ یا بنی عباس پر موقوف نہ رہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ابو سعید خدری نے کہا کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت نے فرمایا کہ میری اُمت میں مہدی ہوگا وہ خروج کرے گا اور پانچ برس یا سات برس یا نو برس جیتا رہے گا پھر اُس کے پاس ایک شخص آویگا اور کہے گا اے مہدی مجھے دو مجھے دو حضرت نے فرمایا کہ پھر مہدی اُسکو دونوں لپیں بھر کر اس کے کپڑے میں ڈالے گا جس قدر وہ اٹھاسکے +

(ومثل هذا في ابن ماجه صفحہ ۷۳۹)



یہ حدیث تو ترمذی کی ہے اور اسی طرح کی ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے اور اسی میں بھی اُمتی کا لفظ ہے مگر ان دونوں حدیثوں میں زید اُمتی ایک راوی ہے جو نامعتبر ہے اور اسی سبب سے یہ حدیث مردود ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابو حاتم نے اس کے حق میں کہا ہے کہ اُس کی حدیث ضعیف ہی لکھ لیجاوے اور سند نہ پکڑی جاوے اور یحییٰ بن سعید نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ وہ

زید العمی - قال فیہ ابوحاتمہ ضعیف یکذب جیلاً  
وہ یحتمل بہ وقال یحییٰ بن سعید فی روایۃ  
اخری لاشی وقال مرۃ یکذب حدیثہ وہو  
ضعیف وقال ابو ہریرۃ لیس یقہی و اہی  
الحدیث وقال ابوحاتمہ لیس بذلک قلد حدیث  
عہ شعبۃ وقال النساکی ضعیف (منہ ۲۱۲ و ۲۱۳)

نے کہا کہ وہ ضعیف ہے +

اس حدیث کی بدولت دنیا میں بڑے بڑے کام ہوئے بہت سے لوگوں نے بلا احتیاط اس بات کے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں یا بنی عباس صرف اُمتی ہونے کی دلیل سے مہدیت کا دعویٰ کیا اور کبھی زیادہ اور کبھی کم لوگ اُن کے متعقہ ہو گئے یہاں تک کہ ایک فرقہ مہدیہ قائم ہو گیا جن کا اعتقاد یہ ہے کہ مہدی موعود آیا اور گزر گیا شیخ مبارک ابو الفضل کا باپ بھی مہدویت فرقہ میں سے تھا +

مگر جبکہ عام لوگوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے مہدیت کا دعویٰ کیا اُن کے آنے سے دنیا میں وہ تبدیلیاں طاق نہیں ہوئیں جن کے ہونے کی وہ توقع کرتے تھے انہوں نے مہدی موعود کا آنا دنیا کے خاتمہ ہونے کے قریب قرار دیا اور دجال کے پیدا ہونے اور حضرت مسیح کے آسمان پر سے اُترنے کے زمانہ سے مہدی موعود کے ہونے کا زمانہ ملا دیا اور اسی پر اُن عالم مسلمانوں کا اعتقاد ہے مگر ہمارے اس آرٹیکل سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مہدی کے آنے کی کوئی پیشین گوئی مذہب اسلام میں ہے ہی نہیں بلکہ وہ سب ایسی ہی جھوٹی روایتیں ہیں جسکیہ دجال اور مسیح کے آنے کی +

شیعوں نے اس سے بڑھ کر کام کیا وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ مہدی پیدا ہوئے جبکہ وہ

دو ڈھائی برس کے ہوئے تو فرشتے اُن کو اٹھالے گئے اور ایک غار میں چھپا رکھا ہے گو  
سیدیکڑوں برس گزر گئے مگر وہ اس غار میں زندہ موجود ہیں اور چھپے ہوئے بیٹھے ہیں جب  
دنیا اخیر ہونے کو ہوگی تو وہ نکلیں گے اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے اور اخیر زمانہ  
کے امام اور مہدی ہونگے +

امام کے معنی پیشوا کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اول اول یہ لقب امیرِ مومنین محمد بن علی بن  
عبداللہ بن عباس نے اختیار کیا تھا کیونکہ اُس وقت اُن کو ملک پر کچھ حکومت نہ تھی اور سلطے  
خلیفہ یا امیر کا لقب اختیار نہیں کر سکتے تھے پس بامید آئندہ امام کا لقب  
اختیار کیا تھا جب ہی سے پیشوا یا مومنین کو یہ لقب ملنے لگا۔

چنانچہ دوازده امام کا (جن میں سے بارہویں ہیں)

کے مذہب کے مطابق امام مہدی ہیں جو

غائب ہو گئے ہیں) اسی

وجہ سے امام

لقب ہوا

ہے

+



# حصہ سوم

## مضامین متفرق

### ذکر ترکی یعنی روم کی مجلسوں کا

مشہور ولیم ہو مرڈرسل صاحب کے روزنامہ میں سے کچھ قصور اس حال پر نہیں آف ویلز یعنی ولیمبر سلطنت انگلستان اور پرنس آف ویلز یعنی ولیمبر سلطنت انگلستان کے روم میں جانے اور سلطان روم سے ملاقاتیں ہونے کا لکھتے ہیں۔ یہ دونوں شاہی خاندان انگلستان کے ملکہ تاج شاہینہ اور سلطان قسطنطنیہ میں گئے تھے اور کئی روز تک سلطان عبدالعزیز قاہ سلطان روم کے ہاں حمان رہے انہی مہینوں کے جلسوں میں سے دو جلسوں کا حال لکھتے ہیں۔

ایک رات سلطان نے پرنس اور پرنس آف ویلز اور ان کے ساتھ کے امرا کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت کی ڈالہ بخشی محل جو بڑا عمدہ اور نہایت نامی محل ہے جلدی دعوت کے لئے

تہیز ہوا قریب سات بجے کے پرنس اور پرنس آف ویلز اس محل میں تشریف لائے علی پاشا وزیر اعظم سلطان روم نے استقبال کیا اور ملاقات کے بڑے کمرے میں بیگیا جہاں آؤر وزائے سلطنت روم بھی حاضر تھے چند لمحہ گزرے تھے کہ سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم بھی وہاں تشریف لائے اور پرنس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر کھانا کھانے کے کمرے میں لے گئے اور ان کے پیچھے آؤر تمام دھان درجہ بدرجہ اس کمرے میں آئے مینرجس پرکھانا تناول فرمایا استیصال تھی اور ایک سر اس کا گول تھا اس گول سرے کی طرف بھییں سلطان اور ایک طرف پرنس آف ویلز اور ایک طرف پرنس آف ویلز رونق افروز ہوئے +

پرنس آف ویلز کے بعد علی پاشا وزیر اعظم سلطنت روم اور ان کے بعد مسس الیٹ اور ان کے بعد جنرل اگناٹیف اور سٹراٹھٹ اور ان کے بعد دیگر وزائے سلطنت روم گروسیوں پر مینر کپٹن میٹھے اور پرنس آف ویلز کے بعد مسدیم اگناٹیف اور ان کے بعد جم پوری اور ان کے بعد مسس گرے اور ان کے بعد آؤر وزار اور ان کے بعد سلطنت روم مینر کے پاس گروسیوں پر میٹھے + سلطان کے سامنے سوائے وزیر اعظم کے آؤر کوئی وزیر بٹھیتا نہیں تھا یہ پہلا جلسہ ہے جس میں سلطان نے اپنے آؤر وزیروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھلایا +

مینر پر سلطان اور عیسائی سب جو بیس آدمی تھے اور نیز عمدہ برتنوں اور نفیس گلدستوں سے خوب سجی ہوئی تھی اور ڈالدا بجھی محل کا کھانا کھانے کا کمرہ اپنی عمدگی اور راستگی میں اور نہایت عمدہ بلور کا جھاڑو فانوس میں شہور ہے +

سلطانی کھانے کا طرز نہایت عیب تھا اور فریج اور ترکش یعنی رومی دونوں قسم کے کھانے تھے کھانا کھانے میں سلطان نے پہلے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور علی پاشا (جو انگریزی خوب جانتا ہے) ان دونوں میں مترجم ہوا +

اس کے بعد سلطان نے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور عرفی بھی جو سلطان کی گری کے پیچھے کھڑا تھا ان میں مترجم ہوا وہ اسی واسطے سلطان کی گری کے پاس کھڑا تھا کہ جب سلطان اور پرنس آف ویلز آپس میں باتیں کریں تو وہ ترجمان ہوں +

سلطان کا ایک خاص باجا نہایت نفیس اس کے کمرے میں سج راتھا سب نے نہایت خوشی و غریب سے کھانا کھایا اور جب مینر پر سے اٹھے تو سلطان پرنس آف ویلز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر زمانہ غامض بیگیا اور آؤر لیڈیاں بھی اندگئیں والدہی سلطانہ مینی سلطانہ بیگم نے

اٹھکر استقبال کیا اور پرنس آف ویلز سے باتیں کرنے لگیں اور میدم مہرلین میں ترجمان پرنس اور پرنس آف ویلز اور امرا اور رؤسا رچرٹ پیٹے کے کمرے میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سلطان بھی زمانہ خانہ سے باہر آئے اور ملاقاتی چھوٹے کمرے میں پرنس آف ویلز کے ساتھ ٹھیکہ باتیں کرنے لگے۔ جب پرنس آف ویلز اور امرا اور لیڈیاں بیگمات سے ملاقات اور بات چیت کر کر فارغ ہوئیں اور باہر تشریف لائیں اس وقت سب مہمان سلطان سے رخصت ہوئے اور جلسہ ختم ہوا۔

دوسرے جلسہ برٹش امپائر کے اعلیٰ سفیر سلطنت انگلستان کے ہاں ہوا جو روم میں رہتا ہے سفیر سلطنت انگلستان نے پرنس اور پرنس آف ویلز کے لیے برٹش امپائر میں یعنی اس مملکت میں جہاں سفیر انگلستان رہتے ہیں بہت عالی شان شانہ بال مینا چاہا اور بنظر اظہار اپنے نہایت خوشی اور خاطر اور تواضع ایسے عالی شان عزیز مہمانوں کے سلطان نے برٹش امپائر کے اعلیٰ افسران میں پرنس آف ویلز کو تمام بادشاہتوں کے امپائر اور وزراء اعلیٰ میں حاضر تھے اور چھ سو چھپیاں بلاوے کی امرا اور رؤسا اور افسران فوجی اور ملکی کو تقسیم ہوئی تھیں تمام لوگ وقت پر حاضر ہوئے۔ ہر ایک شخص نہایت عمدہ اور نفیس پوشاک پہنے ہوئے تھا تو بجے کے بعد پرنس اور پرنس آف ویلز وہاں رونق افروز ہوئے۔ برٹش امپائر اور پرنس آف ویلز نے استقبال کیا۔ امپائر کے پچھانگ میں سمندری فوجی لوگ کھڑے تھے انہوں نے سرخ اونیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے خوشی اور تعظیم و دنوں کا اظہار کیا وہ بڑا کمرہ جس میں بال تھا نہایت عمدہ آرائش تھا اور کارڈ آف انر کا پہلا موجود تھا اور اندر وہاں ہر کمرے کے انواع انواع اقسام کے پھول و گل دستے سجے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد سلطان عبدالعزیز خان بھی تشریف لائے اور بہت سے وزراء و اراکین سلطنت ان کے ساتھ تھے پرنس آف ویلز اور برٹش امپائر نے استقبال کیا اور سمندری فوج نے سرخ اونیلے رنگ کی مہتابیاں روشن کرنے سے تعظیم اور خوشی کا اظہار کیا پرنس آف ویلز اور پرنس آف ویلز پہلی ٹیبل پر استقبال کو کھڑے تھیں سب مہمان اور میزبان بخوشی و خرمی اس ٹیبل پر جہاں بال تھا داخل ہوئے اور سلطان نے اپنی کسی برتشریف رکھی اور اس کی نقل میں اور دوسرے پرنس اور پرنس آف ویلز اپنی گریڈوں پر تشریف فرما ہوئے معمولی بال شروع ہوا آدمی است کے بعد سلطان ہاں سے رخصت ہوئے گردن وہاں وہ مجلس صبح تک رہا۔

سلطان کانٹن جی آنا اور ملکہ مغربہ سے ملنا اور ولیعہد سلطنت انگلستان کا اور ولیعہد ہنگری کا وہاں ایک نہایت عمدہ تاریخی واقعات سے ہے اور تمام دنیا کی آنکھوں میں اُس محبت اور دوستی کا جو روم اور انگلستان یا یوں کہو کہ ایک مسلمان اور عیسائی سلطنت میں ہے بڑا ثبوت ہے +

جب سلطان لندن میں تشریف لائے تھے اور انڈیا آفس میں ان کی دعوت ہوئی تھی تو اُس ٹہرے ہال میں بطور یادگاری محبت اور دوستی عیسائی اور مسلمان سلطنت کے نقش کر سنت اور کراس کا ملا کر کھودا گیا ہے +

کر سنت کہتے ہیں پہلی تاریخ کے چاند کو اور یہ ہال کی صورت چاند کا نشان مسلمان سلطنت کا ہے اور کراس کہتے ہیں صلیب کو جو عیسائی مذہب میں مقدس نشان ہے انڈیا آفس کے ہال میں ہال اور اُس کے سچے صلیب کا نقش کھودا ہے جو عیسائی اور مسلمان سلطنت کی دوستی اور محبت پر دلالت کرتا ہے +

ہم کو اُمید ہے کہ ہندوستان کے لوگ بھی ان حالات اور واقعات سے عمدہ نصیحت پکڑیں گے اور اپنے حالات پر غور کر کر تہذیب خلاق اور حسن معاشرت کی ترقی میں کوشش کریں گے +

## مصر اور اُس کی تہذیب

مشہور ہے کہ مسلمانی ریاستوں میں سے مصر نے تہذیب و شایستگی میں بہت ترقی کی ہے اُسے ہم اُس کا کچھ حال جو ہماری آنکھ کا دیکھا ہے لکھتے ہیں +

مصر کی تہذیب شایستگی کا حال بیان کرنے کے لیے وہاں کے باشندوں کو چار زروں تقسیم کرنا چاہیے +

اول - یورپین یعنی فرنگ اور تالین اور گریک اور کچھ انگریز جو بطور رعایا یا تجارت وہاں بسے ہوئے ہیں +

دوم - مسلمان اہل اور ورسا و عمدہ دار جو اُس ملک میں رہتے ہیں یعنی اعلیٰ صوبے کے مسلمان باشندے مصر کے +

سوم - عیسائی مصری یعنی مصر کے رہنے والے جنہوں نے قدیم یا حال کے نانیہ میں عیسائی

اختیار کیا ہے اور جو اکثر قبلی نسل کے ہیں +

چہارم - متوسط درجہ اور ادنیٰ درجہ کے مسلمان باشندے مصر کے +

یورپ کی قومیں جو مصر میں ہیں اگرچہ وہ نسبت اُن یورپین قوموں کے جو خاص یورپ میں رہتی ہیں تہذیب و شائستگی میں گھٹی ہوئی ہیں لیکن پھر بھی نہایت منذب اور شائستہ اور تربیت یافتہ ہیں اُن کے مکان نہایت صاف اور بخوبی بقدر اپنے اپنے مقدر کے آراستہ چھوٹوں اور چھوٹا درختوں اور بیلوں کو جا بجا مکان پر چڑھانے سے سیراستہ ہیں ہر ایک یورپین کا مکان اسی طرح پر بقدر اپنے مقدر کے آراستہ ہے آلا بہت مخلص یورپین جو قدیم شہر کے اندر عالم لوگوں سے ملے ہوئے رہتے ہیں اور جن میں سے ایک شخص گر یک کے گھر میں خود گیا تھا مثل عالم مصریوں کے گھروں کے خراب ہیں +

یورپین کی عورتیں بھی نہایت خوبی اور صفائی سے رہتی ہیں نفیس نفیس لباس پہنے ہوئے پھرتی ہیں بات چیت نہایت تہذیب اور شائستگی سے کرتی ہیں اور یورپین مرد عموماً صاف اور درست معمولی لباس کوٹ پتلون پہنے ہوئے رہتے ہیں آلا یورپ کی ٹوپی سٹو میں دوچار پہنتے ہونگے ورنہ سب کے سب ترکی لال ٹوپی بھندے دار پہنتے ہیں اُن کا لباس اور بن اور کھانا اور کھانے کے برتن پاک صاف اچلے اور درست رہتے ہیں۔ یورپین زن مرد اپنی یورپ کی زبان بھی بولتے ہیں اور عربی بھی خوب بولتے ہیں جو بالفعل تمام مصریوں کی زبان ہے۔ بات چیت ان لوگوں کی نہایت شائستہ اور مہذب اور اچھا گفتگو مثل مہذب آدمیوں کے لکھ کے ہے +

مسلمان اُمراء و رؤساء و عمدہ داران نے بالکل اپنا قدیم طریقہ اور قدیم لباس اور پورا ناظر زندگی چھوڑ دیا ہے سب کے سب کوٹ پتلون پہنتے ہیں اور لال بھندے دار ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں شل یورپین کے اپنے مکانات کو صاف اور چھوٹوں اور چھوٹا درختوں سے آراستہ رکھتے ہیں میز و کرسی پر میٹھے ہیں چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں اکثر فریج اور عربی اور ترکی تینوں بھی جانتے ہیں اُن کی نسبت مجھ کو کمنا چاہیے اگر بالکل یورپین کی مانند مہذب نہیں ہو گئے ہیں تو انکی پوری پوری نقل تو ضرور کی ہے +

عیسائی بھری بھی تہذیب و شائستگی میں کم نہیں۔ انھوں نے اپنے ہم مذہب یورپین بھائیوں کا سا برتاؤ اور طریقہ اختیار کیا ہے میں دو ایک عیسائی مصریوں سے ملا اور اُن کو تہذیب و شائستگی میں

اُتراتے پلایا وہ سب قبلی نسل کے تھے امدان میں سے ایک شخص باوجودیکہ جزیر عربی زبان کے آؤ کوئی زبان نہیں جانتا تھا مگر ہرات اور عادات اور بات چیت میں مثل یورپین جٹیلین کے مذہب تھا۔ مصری عیسائی لڑکیوں کے پڑھانے کے لیے مشنریوں نے اسکول بھی بنائے ہیں اور اُن لڑکیوں کو عربی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اہل اہل اور آؤرو عاؤں کی کتابیں عربی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں۔

متوسط درجہ اور اونے درجہ کے مسلمان مصری جو بہت کثرت سے ہیں نہایت خراب اور ابتر حالت میں ہیں جتنکے اور نہایت سیلے اور لباس تہمت خراب اکثر نیک کرتا جس کا گریبان کھلا ہوا ہے پہنے ہوئے ہیں اور ناگوں ہیں کوئی چیز نہیں بالکل نکلی اور کپڑا ایسا نیلا کہ شاید پہننے کے بعد کبھی دھونے کی زبوت نہیں آتی ہوگی۔ پاس بٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ بدن دکھڑوں میں سے بُری بو آتی ہے۔

متوسط درجہ کی عورتوں کی حالت نسبت مردوں کے اچھی معلوم ہوتی ہے مگر اون کی درجہ کی عورت مرد کی نہایت خراب حالت معلوم ہوتی ہے اور جو کہ یہی لوگ سب سے زیادہ کثرت سے ہیں اس لیے مصر باعتبار خلعت کے آنکھ میں نہایت بُرا اور خراب معلوم ہوتا ہے اگر مصر کے زراعت میں جاؤ اور عام طور پر وہاں کی خلعت پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ہندوستان میں فحش کے دنوں میں بھٹنیر کی طرف کے لوگ عورت و مرد نیلے کرتے پہنے ہوئے اور تباہ حالت میں چلے آتے ہیں تمام یورپین کیا مرد اور کیا عورت اُن لوگوں میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اندھیر کی رات میں تارے یا کوڑے میں ہوتی۔

اس درجہ کے لوگوں کا لہجہ گفتگو ایسا ناشایستہ اور خراب ہے کہ اُن کی کتابت مذہب آواز کی دل پر مچوٹ لگتی ہے بہت بلند اور چلتی ہیں نکلنے والی اور نہایت درشت آواز سے جن میں گون کی گونیں سنائی دیتی ہیں باتیں کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جانور آپس میں لڑتے ہیں اور باوجودیکہ وہاں مسلمان گورنمنٹ ہے تب بھی اس فرقہ کے لوگ یورپین کے سامنے بہت بے ہوشانہ یا ناشایستہ اور نامدب ہونے کے نہایت ذلیل ہیں اور جانوروں سے بدتر ان کا حال ہے سلطنت اسلام ہے الا اسلام صرف ان مسلمانوں کے ناشایستہ اور ناتربیت یافتہ ہونے سے غیر قوموں کی آنکھ میں ذلیل ہے۔

پہلے پہل جب بتیں نے مصریوں کو آپس میں بات چیت کرتے دیکھا تو میں نے خیال کیا کہ سبب



عربی زبان ہونے کے جس میں حروف حلقی زیادہ ہیں اُن کا لہجہ ایسا غراب ہے مگر میں نے جب قطبی عیسائیوں کو دیکھا تو تربیت یافتہ تھے اُن کا لہجہ نہایت سبک اور آواز مذم اور آہستہ بات کرنا سچے عمدہ تھا اُن کے منہ سے لفظ پیارے معلوم ہوتے تھے اور عورتوں کے منہ سے تو وہ عربی لفظ نہیں نکلتے تھے بلکہ پھول جھڑتے تھے +

مجھ پر میری عمر میں ایک زمانہ ایسا گذر کہ تھوڑی دیر کے لیے مینے خیال کیا کہ شاید جین مہب حق ہے جبکہ میں نے تمام چیزوں کو آفت میں اور جینیوں کے مندر کو اس میں دیکھا اور مصر کی سیہ میں مجھ پر ایک زمانہ ایسا گذر کہ تھوڑی دیر کے لیے میں نے خیال کیا کہ شاید عیسائی مذہب حق ہے کیونکہ ہر خدام پر جو خوبی اور عزت اور برکت خدا نے عیسائیوں کو دی ہے وہ اور کسی کو نہیں دی اس کی شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے نام مذہب اور ناشائستہ ہونے سے اسلام کو رواج لگا کر اور اسکو مسیت اسلامی کے برخلاف نہ سمجھیں +

معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی عورتوں میں باہر نکلنے کا عام رواج ہے غریب عورتیں پیادہ پھرتی ہیں اور ذی قدر و خاندان کی عورتیں بروم اور فٹن اور چرٹ پر سوار ہو کر پھرتی ہیں مگر باہر پھرنے کا ایک خاص قسم کا لباس ہے کٹاس میں جبرائیل کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا آنکھوں کے نیچے ناک پر سیاہ ناک کا لٹہا نانی کی سونڈ کی طرح ایک کپڑا لٹکا ہوا ہے جس سے نہایت ہیبت ناک صورت ہو جاتی ہے اُن کی ہیبت مجموعی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا مٹی قبر میں سے نکل کر پھرتی ہے +

امیر عورتوں کے باہر نکلنے کا لباس اُن سے کسی قدر بہتر ہے خدیو مصر کی بیگمات جو حرم کھلتی ہیں ایک فخر سواری میں مجھ کو ملیں نہایت عمدہ بروم میں کھلے میدان سوار تھیں چار گھوڑے بٹھتے ہوئے تھے اور گورے کوچوان انگریزی درسی پہنے ہوئے پشت پر گھوڑوں کو ہانکتے تھے ایک یو پین فوجی افسر گھوڑے پر سوار آگے آگے تھا اور چار سوار مصری فوجی پیچھے تھے اور ایک جوشی خواجہ سر گھوڑے پر سوار ساتھ ساتھ تھا +

یہ بات خیال کرنی کہ مصری گورنر نے اپنے ملک کو مذہب اور شائستہ کرنے میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے ایک نہایت مشکل کام ہے کیونکہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے اُسکات کے حالات سے نہایت واقفیت ہونی چاہیے تاہم ہادیو دیکھو کہ لوگ ایسی خراب اور ذلیل و ناشائستہ حالت میں ہیں کہ یہ بھی تہذیب و شائستگی کی بہت ترقی معلوم ہوتی ہے۔ رشہ ہر جگہ

نہایت میلاد اور خراب اور بد وضع مردوں کے رکھنے کی بدبودار خانوں کی مانند تھا نہایت  
 عمدہ ہوتا جاتا ہے۔ شہر کے غریب جانب بلاق تک ایسا عمدہ شہر آراستہ ہوا ہے کہ دیکھنے سے  
 تعلق ہے نہایت نفیس سڑکیں اور جا بجا حوض و قنارہ اور چوکوں میں خوبصورت خوبصورت  
 پتھروں کے بانچہ طیارہ جو گئے ہیں تمام دوکانیں اور بالکل مکانات اور ہوٹلیں انگریزی طور پر  
 تیار ہیں مصر کا شہر غریب جانب کا بلاق تک سرگز اوتیہ کا شہر نہیں معلوم ہوتا بلکہ یورپ کا عمدہ نفیس  
 شہر معلوم ہوتا ہے صرف دو نقص عظیم پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ غریب جانب جس قدر بہتر گورنمنٹ  
 کی طرف سے ہوئی۔ رعایا اسی مذہب نہیں ہے کہ وہ خود یہ سب کام کرے۔ دوسرے یہ کہ شہر  
 کی اس نفیس طرف جس قدر آبادی ہے وہ اکثر یورپین کی ہے اور وہی رہتے ہیں اور عیش و آرام  
 کرتے ہیں اور فرحت اور خوش حالی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور مسلمان اب تک اکثر اسی ہنسی خانہ  
 میں بندھے ہیں اور لذت اور محبت سے نہیں نکلے :

مصر میں اس کی گورنمنٹ کی کوشش سے تہذیب شائستگی پھیلنے کا ایک اور نشان یہ ہے  
 کہ تعلیم کے قواعد کسی قدر رائج ہوتے جاتے ہیں مگر کے مدرسہ کو جو خدیو کا مدرسہ کہلاتا ہے میں نے  
 دیکھا نہایت عمدہ ہے اور وہاں صرف تعلیم ہی نہیں ہوتی بلکہ لڑکوں کو تہذیب و شائستگی بھی سکھائی  
 جاتی ہے تمام لڑکے نو عمر نہایت عمدہ اور خوبصورت مردی پہنے ہوئے تھے۔ انگریزی بوٹ اور  
 کوٹ پتلون اور فریج شٹکی ٹوپی چھدنے دار پہنے ہوئے اور سیر و کرسی پر اپنی اپنی جاعتوں میں بیٹھے  
 ہوئے نہایت خوبصورت دکھائی دیتے تھے ہر ایک علم پڑھنے والوں کی مردی کی رنگت میں یکساں  
 خاص وضع کے تمغے کا فرق تھا تمام علوم و فنون عربی زبان میں جو ان کے ملک کی زبان ہے پڑھائے  
 جاتے ہیں علاوہ اس کے انگریزی اور فریج اور جرمن زبان سکھائی جاتی ہے اور انجام کار لائق لڑکوں کو  
 تکمیل علم کے لئے جرمنی فرانس اور لندن میں بھیجا جاتا ہے :

ہر قسم کا ہنر مصریوں میں ترقی پر ہے تمام کام ریل کے چلانے کا مصری خود آپ کرتے ہیں جو میں  
 کی کل سے کام لیتے ہیں دھوئیں کا پمپ اور دھوئیں کا لنگھوار دھاتوں کو چلاتے ہیں نے دیکھا  
 کاغذ بنانے کی کل جو دھوئیں سے چلتی ہے مصری چلاتے ہیں اور کاغذ بناتے ہیں۔ دھوئیں  
 کی کل سے مصری چھاپے خانے کا کام کرتے ہیں یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کے سبب مصریوں کو  
 ہندوستان کے مسلمانوں سے باوجود یہ ہندوستان کے مسلمان ان سے بہت زیادہ خوشحال ہیں  
 فوجیت دیتے ہیں :

میریم مصر کا یعنی عجیب خانہ ایسا عمدہ ہے کہ مصر کی پورانی چیزوں کے لیے نہایت نفیس نہیں رکھتا پورانی لاشیں جو بھی کھلاتی ہیں اور پورانی صنایع مصر کی نہایت خوبصورتی اور محکمگی سے آراستہ ہیں اور بہت فائدہ بخش عبرت انگیز اور حیرت خیز ہیں ۵

ولیم ہورڈ رسل صاحب نے جو ایک مشہور نامی گرامی قابل شخص ہیں اپنے روزنامہ میں مصر کی گورنمنٹ کی نسبت ایک رائے لکھی ہے جو کہ نہایت دلچسپ ہے ہم اُس کو اس مقام پر لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

”اس بات کی نسبت رائے دینی کہ مصر ترقی کی حالت میں ہے یا متزلزل کی اُس وقت ہو سکتی ہے جبکہ اُس ملک کے حالات کا ایک خاص علم ہو۔ نامی لوگ جو مصر میں جاتے ہیں اُن کے ساتھ عداوت کرنے میں شعلیل پاشا کو یورپ کی شایستہ اور مذہب قوموں سے کچھ سیکھنا نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ بات لوگوں کی حیثیت کے لیے کسوٹی نہ ہو اور نہ میں اُس کے کسوٹی ہونے پر تہلیل کرتا ہوں مگر اس سے یہ تصور ہے کہ انگلستان کے لوگ بے تیزی سے اُسکی نکتہ چینی نہ کریں بلکہ اُس قوم کی جبکی عزت اُس کے بادشاہ کی فہم میں ہے شکر گزاری کریں ۵

میں تمام ہندوستان میں پھر اہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی اجنبی شخص کو کہ وہ نسیم ہو لیکن ہندوستان کے حالات سے ناواقف ہو صرف رعایا اور دہقانی اور قصباتی بازاروں سے ظاہری صورت دیکھ کر انتظام انگیزی کی نسبت اتہام لگائے اور اپنی رائے قائم کرے تو کیسی شکل کی بات ہے کلکتہ میں گورنر جنرل یا کسی صوبہ میں چیف کمشنر یا کوئی کلکٹر یا جج بلکہ اور دینی ائمہ دار کو مو اُس کے ملازمین اور چارپایان اردلی اور جلوس سواری کے رعایا کی حیثیت سے متعامل ہو اور عورت کو محل کے رہنے والوں کی کیا کیفیت کھائی دیتی ہے۔ خیال کرو کہ ہم نے ہندوستان کے لوگوں سے ڈونگلیشر میں سلطان کے بال کا ایک گورنمنٹ فریج دیا ہے عورت کو کہ اس علمداری میں جو دنیا میں نہایت عمدہ ہے (یعنی انگریزی علمداری میں) کیا کیا ہوتا ہے تب مسلمان حکمران (یعنی خدیو مصر) پر پتھر پھینکو جوئی اچھتت اپنی رعایا کو اُسی حال میں رکھنا چاہتا ہے جس حال میں اُن کے باپ دادا رہتے تھے اور باوصف اُس کے اُس نے اپنے ملک کو فرضی باتوں میں ملبیاتی بخش ہے اور ترقی دی ہے اُس نے سڑکیں اور پانی کے جھرنے بنوائے دارالسلطنت یعنی شہر قاہرہ کو آراستہ کیا پھر اور محنت کو بڑھایا اور جمل ملک اُس سے ہو سکا اُس نے اُس زنجیر کو توڑ ڈالا۔ جو مسلمانوں کو عیسائیوں سے جدا کرتی ہے ۵

فرض کرو کہ اگر اسماعیل پاشا ہر آدمی کو جو اس کے ملک میں رہتے ہیں ان کے گھر سے اور اچھے  
پیشہ سے چھوڑ کر چند سال کے لیے سرکاری خدمت پر مجبور کرے تو اس حالت میں اس کے حوالہ کی  
نسبت کیا کچھ نہ کہا جاوے گا +

فرض کرو کہ اگر اسماعیل پاشا کروڑوں اپنی رعایا سے کہے کہ تمکو محصول دینا پڑے گا اور جو میں حکم  
دوں گا وہی کرنا ہوگا لیکن تمکو کوئی جلیل عمدہ سلطنت میں نصیب نہ ہوگا اور فوجی اور جہازی  
اور سونل کے کاموں میں بجز اپنی کاموں کے اور کوئی کام تمکو نہ ملیگا تو ہلوگ کس قدر اسکو لعنت  
ملاست کریں گے ؟

مسٹر ریل کی یہ رائے درحقیقت نہایت عمدہ اور مضمانہ ہے اور جس عالی رتبہ اور فیاض طبیعت  
کے وہ ہیں اسی مرتبہ کی یہ رائے ہے مگر نامہ مذہب گورنمنٹ اور نامہ مذہب قوم کو اسکو پڑھ کر پھولنا اور  
خوش ہونا نہیں چاہیئے مذہب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں اگر کوئی نقص ہوتا ہے تو ہزاروں  
بھلائیاں بھی ہوتی ہیں جیسے کہ ان گورنمنٹوں میں جن کی طرف مسٹر ریل صاحب نے اشارہ کیا ہے  
مگر نامہ مذہب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں یہ ہوتا ہے کہ اس میں برائی جتنی دکھائی دیتی ہے اور  
بھلائی اتنی قلیل ہوتی ہے جو خیال میں نہیں آتی اگر یہ بات سچ ہو جیسا کہ مسٹر ریل نے خیال کیا ہے کہ  
مسلمان حاکم یعنی خدیو مصر اپنی رعایا کو اس حالت میں رکھنا چاہتا ہے جس حالت میں ان کے  
باپ دادا سے درحقیقت میں وہ حاکم کا فرد ظالم فرعون سے کچھ اور زیادہ درجہ نہیں رکھتا ہے اور  
جو بھلائی کو اس نے کی ہو اس بھلائی سے زیادہ نہیں ہے جو فرعون مصر رعایا کو ظلم سے بگاڑ میں  
پکڑ کر کام لیتے تھے اور پیاز اور سوکھی روٹی کھانے کو دیکھائیں کے ساتھ بڑی بچی کرتے تھے۔ جو  
گورنمنٹ کہ اپنی رعایا کی ترسیلی کی نل سے خواہاں نہیں وہ تحقیقت میں گورنمنٹ نہیں ہے بلکہ رعایا کی  
قومیں سے +

مذہب قوم اور نامہ مذہب قوم میں بھی یہی فرق ہوتا ہے یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مذہب قوم میں کوئی نقص  
یا عیب یا برائی نہ ہو مگر البتہ یہ ہوتا ہے کہ ان برائیوں کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بھلائیاں بھی ہوتی  
ہیں مگر نامہ مذہب قوم میں بجز برائیوں کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ نامہ مذہب قومیں گناہ کو ایسے  
بڑے طور سے استعمال کرتی ہیں جس سے اس گناہ کی بدیاں بہت زیادہ عام اور تمام قوم کو غلبہ  
کرنوالی پہنچاتی ہیں مذہب قومیں اگرچہ وہی یا اسی قسم کا گناہ کرتی ہیں مگر وہ اس طرح پر وقوع میں آتا ہے  
کہ اسکی بھی عام ہونے نہیں پاتی قوم کی قوم کو عارت و تباہ نہیں کرتی۔ سچ ہے۔

شرط سلیقہ ہے ہر ایک گام میں ۔ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے  
 نامتدب قوم نیکی بھی اسی بُری طرح کرتی ہے کہ یا تو وہ نیکی نیکی نہیں رہتی یا بغیر مغید اور  
 بے عمل ہو جاتی ہے متدب قوم جو نیکی کرتی ہے وہ ایسے سلیقہ اور خوبی سے کرتی ہے کہ وہ نیکی زیادہ  
 عمدہ اور بہت مغید اور بڑا عمل ہوتی ہے ۔

نامتدب قوموں میں اعتدال نہیں ہوتا نیکی کی طرف اگر متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا کھینچتی ملیا  
 کر ٹوٹ جاتی ہیں ۔ بدی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا بڑھاتی ہیں کہ شیطان کے بھی کان  
 کاٹتی ہیں ۔

اس زمانہ میں ہمارے بھائی ہندوستان صاحبوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی متدب قوم کا ذکر  
 اُن کے سامنے کرے تو اُس قوم کی بُرائیوں اور عیبوں کا ذکر کرتے ہیں اے صاحب یہ کون کتنا ہے  
 کہ متدب قوموں میں کوئی عیب نہیں ہوتا مگر یہ تو دیکھو کہ اُن میں اُن عیبوں کے ساتھ بہت سی  
 بھلائیاں اور خوبیاں بھی ہیں ہم اُن کے عیبوں کو کیا نکلیں جبکہ ہمیں عیب بھی عیب بھرنے ہیں مثل  
 شہر ہے کہ چھانچ بولے تو بولے پھلنی کیا بولے جس میں نوسو بہتر جمید ۔

## نظامیہ سلسلہ تعلیم

ہم مختصر طور پر اُس سلسلہ تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل ہندوستان کے مسلمانوں میں رائج ہے  
 اور جو سلسلہ نظامیہ کہلاتا ہے مقصود ہمارا اس کے بیان سے صرف اتنا ہے کہ لوگ اس بات  
 پر غور کریں کہ لمباز حالات اور علوم مروجہ زمانہ حال کے آیا یہ سلسلہ اور طریقہ حقیقت کافی اور مفید ہے  
 یا واقعی اس میں کچھ تغیر و تبدیل کی ضرورت ہے ۔

ہم اس آرٹیکل میں اس کچھ بحث کرنی نہیں چاہتے اور صرف اُن علوم اور اُمم کی کتابوں  
 کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل اب اس میں داخل ہیں تاکہ جو لوگ اُس پر بحث کرنے پر آمادہ ہوں ان کو کسی قدر  
 ادا ملے ۔

علم صرف ۔ اس میں مفصل ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔ میزان ۔ منشعب ۔ پنج گنج ۔ زبدہ ۔  
 صریح ۔ فصول الکبریٰ ۔ شافیہ فقہ و الصرف ۔ دستور المبتدی ۔  
 علم نحو ۔ اس میں مفصل ذیل کتابیں درج ہیں ۔ مائدہ عامل ۔ شرح مائدہ عامل ۔ نحو میر ۔

ہدایت انور - کافیہ - فتوہ شرح ملا \*

علم معانی و بیان و بدایع - اس میں یہ کتابیں پڑھتے ہیں مختصر معانی تمام - مطول  
تأیید ماہات - ملا زادہ مختصر \*

علم ادب - اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں - مقامات حریری چند مقالہ - دیوان چنبی  
چند سفر - سببہ ملکہ - حاشیہ العرب - نفحۃ الیمین - المحب العجائب \*

علم منطق - اس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں - ایسا غوجی - قال اقول - میر  
ایسا غوجی - شرح تہذیب ملا زیدی - بلع المیزان - قطبی - میر قطبی - تصورات - شرح سلم  
لاحسن - تصدیقات شرح سلم لاحدائند - تصورات - شرح سلم قاضی مبارک - نیز آباد رسالہ غلام محی -  
حاشیہ بحر العلوم بر میرزاہد رسالہ ملا جلال - میرزاہد ملا جلال \*

علم طبعی و الہی - اس میں تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں - میبذئی تمام - صدر افلاکیہ  
شمس بانغہ تمام \*

علم حساب - اس میں ایک کتاب پڑھتے ہیں - خلاصۃ الحساب \*

علم ہندسہ - اس میں تحریر افلیکیہ کا صرف پہلا مقالہ داخل درس ہے اور بعض طلبہ  
چاہتے ہیں اور بعض چار سے بھی زیادہ پڑھتے ہیں \*

علم ہیئت - اس میں یہ کتابیں داخل ہیں - تشریح الافلاک با منہیات (اور بعضے تصریح  
شرح تشریح الافلاک بجائے تشریح الافلاک با منہیات کے پڑھتے ہیں) تو شمیر - سببہ ملکہ -  
شرح چنبی \*

علم کلام - اس میں یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں - شرح عقاید نسفی - خیالی - شرح مراقف -  
میرزاہد امور عامہ - شرح عقاید جلالی - عقیدہ حافظ - حاشیہ فاضل قزلباغی بر شرح عقاید جلالی \*

علم فقہ - اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں - عبادات شرح وقایہ - معاملات ہدایہ -  
کنز الدقائق تمام - مختصر وقایہ و قدوری \*

علم اصول - اس میں یہ کتابیں داخل درس ہیں - شاشی - نولانوار - توضیح تلویج -  
مسلم الثبوت - دایرہ الاصول - حاشی \*

علم تفسیر - اس میں یہ کتابیں پڑھاتے ہیں - جلالین - بیضاوی - چند جزو -  
کشاف - مدارک \*

علم فرائض - اس میں ایک کتاب پڑھتے ہیں - فرائض شریف +  
 علم مناظر - اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں - رشیدیہ +  
 علم وضع آلات - اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں - رسالہ اسطرلاب مسی  
 بست بالی محقق طوسی +

اصول علم حدیث - اس میں ایک کتاب منتخبہ الفکر پڑھتے ہیں اور بعض اُس کی  
 شرح بھی پڑھتے ہیں +  
 علم حدیث - اس میں منصفہ ذیل کتابیں ہیں - مشکوٰۃ المصابیح - موطن - صحاح ستہ  
 مکران - معرفتینا و تبرکاتھوڑا - فقہر مندے لیتے ہیں اور بعض سب کتابیں کامل پڑھتے ہیں  
 صحاح ستہ ہیں - صحیح بخاری - صحیح مسلم - جامع ترمذی - صحیح نسائی - سنن ابی داؤد -  
 سنن ابن ماجہ +

علم فہم میں - قاموس +  
 علم طب میں - قانونچہ - موجز کلیات نفیسی - معالجات سدیدہ - شرح اسباب -  
 معیات شہنچ +

سنی اور شیعہ کی تعلیم میں کچھ فرق نہیں فقط اتنا تفاوت ہے کہ مذہبی کتابیں جو ہر دست  
 مذکورہ بالا میں مندرج ہیں سنیوں کی ہیں - شیعہ مذہبی کتابیں ہندوہ بالکی جگہ اور کتابیں پڑھتے ہیں  
 اور مذکورہ بالا کتابوں میں سے بھی بعض کتابیں پڑھتے ہیں مثل مسلم الثبوت و شرح عقاید نسفی و  
 میرزا محمد امیر عامہ اور بعض مشکوٰۃ شریف یا صحیح بخاری اور بیضاوی و کشف میں سے بھی کچھ کچھ  
 پڑھتے ہیں اور عام کتابیں اپنے مذہب کے لحاظ سے تفصیل ذیل ان کے درس میں ہیں +  
 علم فقہ میں - حلیۃ المتعین - جامع عباسی - مختصر نافع شرح صغیر شرح لمودہ شتی شرعی  
 جامع الکلام فی شرح شرایع الاسلام +

علم اصول فقہ میں - معالم الاصول - اساس الاصول - زبدۃ الاصول - قوانین +  
 علم کلام میں - تجرید - شرح تجوید علامہ علی - کشف الحق - شرح کشف الحق - قاضی نور الدین  
 شرح باب حادی عشر +

علم حدیث میں - اصل کافی - من لایحضرہ الفقہ - تہذیب استنبصار +  
 تفسیر میں - مجمع البیان +

یہ سلسلہ جو مجھے بیان کیا سلسلہ تعلیم ہے۔ اس سے فرار کے بعد جو کتابیں بڑے بڑے علماء کے استعمال میں رہتی ہیں اور جن کے پڑھنے پڑھانے پر وہ نہایت ناز اور فخر کرتے ہیں یہ ہیں۔  
 کتب فارابی۔ فصول الحکم۔ مجمع بین المراتب۔ رسالہ تحقیق عقل۔ کتب شیخ الرئيس شافعی۔ اشکات۔  
 عیون الحکمت۔ کتب شیخ مقبول۔ حکمۃ الاشراق۔ تلویحات۔ ہیاکل المنور۔ شرح ابن مکزی بر ہیاکل الادب۔  
 شرح علامہ شیرازی بر ہیاکل۔ کتب میر باقر۔ افق البصیر۔ ایضات۔ قبات تقدیسات وغیرہ۔  
 کتب باقی طوسی۔ تحریر مجملی۔ تذکرہ وغیرہ اور علانی ذوالقیاس لسی قسم کی کتابیں ہیں جو بلحاظ شوق اور  
 وقت پڑھنے میں آتی ہیں۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ ذی عقل اور دانشمند لوگ غور کر لیں بات کی  
 منفعہ فراہم کر آیا یہ سلسلہ کافی ہے یا تبدیل کی اہل میں ضرورت ہے +

## امیر الامراء جناب سید خیر الدین صاحب وزیر مملکت ٹونس

چند روز سے ہماری خواہش اپنے معنوں سے یہ ہے کہ وہ تہذیب شائستگی میں ترقی کریں اور  
 تعصب کو جس کا منشا جہل مرکب ہے چھوڑیں اور اچھے باتوں کو گو گو سی قوم کی ہوں اور جو شریعت  
 اسلامیہ میں بھی مباح ہے اختیار کریں تاکہ مہذب قوموں کی نگاہ میں دلیل و خوار نہوں۔ ہجو اسبات  
 کے بیان کرنے سے نہایت خوشی ہے کہ صرف ہماری ہی یہ رائے یا یہ خواہش نہیں ہے بلکہ جو  
 بڑے بڑے عالم اور مدبر بلاد اسلامیہ کے ہیں ان کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ ہم اس دعوے کی  
 سند پر جناب امیر الامراء سید خیر الدین صاحب بہادر وزیر مملکت ٹونس کی رائے کا خلاصہ اس مقام پر  
 مندرج کرتے ہیں +

ٹونس گناہ افریقہ پر ایک چھوٹی سی خود مختار اسلامی سلطنت ہے وہاں کا بادشاہ بی آف  
 ٹونس کہلاتا ہے۔ اس کے وزیر خیر الدین صاحب نے نہایت عمدہ افیض عربی زبان میں ایک  
 کتاب یورپ کی سلطنتوں کے حال میں لکھی ہے اور اس کا نام اقوام المساکینی احوال المملکات  
 لکھا ہے وہ کتاب ٹونس میں بھی ہے اور اس کی ایک جلد ہمارے پاس موجود ہے اس کتاب  
 کے مصنف نے اس کے دیباچہ اور مقدمہ میں سبب اس کتاب کی تالیف کا بیان کیا ہے جو



اے لکھا جاتا ہے اور جس سے اس پر ہے مقرر اور عالم کی لئے واضح ہوتی ہے +  
وہو ہذا۔

## خطبہ کتاب اقوام المسالک

اما بعد فيقول جامع هذه الورقات ارشده الله تعالى الى اقوام الطرقات الى  
بعد ان تأملت تاملًا طويلاً في اسباب تقدم الامم و تاخرها جيلةً جيلةً مستنداً  
في ذلك لما أمكن تصفحه من التواريخ الاسلاميّة والاخرنجية مع ما حصره المؤلفون  
من الفرقين فيما كانت عليه وألت اليه الامّة الاسلاميّة وما سيؤول اليها  
في المستقبل بمقتضى شواهد التي قضت التجربة بان تقبل التجات الى الحزم بما لا  
اخطئ عاقله من رجال الاسلام يناقضة او ينهض له دليل يارضيه من انا اذا  
اعتبرت سابق الامم في ميادين التمدن وتحرب عزائهم على فعل ما هو اعود  
نفعاً وادعون لا يتهماً لنا ان نميز ما يليق بنا على قاعدة محكمة البناء لا بمعرفه احوال  
من ليس من حرمنا لاسيما من حتى بنا و حل بقربنا ثم اذا اعتدنا ما حدث في  
هذه الازمان من الوسائط التي قربت قراصل الابدان والاذهان ثم نتوقف ان  
نتصور الدنيا بصورة بلدة متحدة تسكنها امم متعدده حاجه بعضهم لبعض متكدة  
وكل منهم وان كان في مساعيه الخاصه صيته غريم نفسه فهو بالنظر الى ما ينجر بها  
من الفوائد العمومية مطلوب لسا ئر بني جنسه فمن لاحظ هذين الاعتبارين  
الذين لا يتقي المشاهد في صحة ما دني رين وكان بمقتضى ديانت من الدارين  
ان الشريعة الاسلاميّة كافله بمصالح الدارين ضرورة ان التنظيم الديني  
اساس متين لاستقامة نظام الدين يسوره ان يرى بعض علماء الاسلام  
الكل لا مانع مراعاة احوال الوقت في تنزيل الاحكام معرضين عن استكشاف  
الحوادث الداخليه واذهانهم عن معرفة الحاجه ظييره لا يخفى ان ذلك من اعظم العوائق  
عن معرفه ما يجب اعتباره على الوجه اللائق فيحسن من اساسة الامّة الجهم ل  
بامراضها او صرف المته الى افتناء جواهر العلوم مجردة عن اعراضها كما انه يسو  
ما الجهم بذلك من بعض رجال السياسة والتجاهل من بعضهم رغبة في اطلاق الرئاسة

فلذلك همس ببالي ما استذكيت لاجله ذيا لي من اني لوجعت بعض ما استنتجته  
 منذ سنين باعمال الفكر والروية مع ما شاهدته اثناء اسفاري للبلدان الا  
 وريادية التي ارسلني الي بعض ودلها الغمام الطود الرفيع الاسمي والكهف المنيع الاحم  
 جناب ولي النعم وزكي الاخلاق والشيم من لم تنزل عزائمه كاسه صادقة  
 والمسننة الانام بالشناء عليه ناطقة لم يحل سعيي من فايذة خصوصها اذا صادف  
 افشدة على حايته بيضوية الاسلام متعاضدة واهم تلك الفوايد عندي التي في  
 هذا التاليف منا طقصدي تذكير العلماء الاعلام بما يعينهم على معرفة ما يجب  
 اعتبارا من حوادث الايام والبقاظ الفالين من رجال السياسة وسائر الخواص  
 والعوام ببيان ما ينبغي ان تكون عليه التصرفات الداخلية والخارجية وذكر  
 ما نال من مرقته من احوال الامم الفرجية خصوصا من لم ينفذ اخلاط وشديد علة وارتباط مع  
 ما اولوا به من في الهمم الى استيعاب احوال سائر الامم واستشهاد تلك البيضا الذكرة الذي لحي شامها بال  
 فجمعت ما تيسر جون الله مستحذ ثاتم المتعلقة بسياستي الاقتصاد والتنظيم  
 مع الاشارة الى ما كان عليه في العهد القديم وبيان الوسائل التي ترقوا بها في  
 سياسة العباد الى غاية القهوي من عمران البلاد كما اشرت الى ما كانت عليه  
 اُمم الاسلام المشهود لها حتى من مورخي ادبنا الايمان بسابقة التقدم في  
 مضماري العرفان والعمران وقت نفوذ الشريعة في احوالها ونسج سائر التصرفات  
 بمنوالها والغرض من ذكر الوسائل التي اوصلت الممالك الاورادية الى ما هي عليه  
 من المنعة والسلطنة الدينية ان تخير منها ما يكون بحالنا الايقا ولنصوص  
 شريعتنا مساعدا وموافقا عسى ان نسترجع منها ما اخذ من ايدينا ونخرج باستعماله  
 من ورطات التفريط الموجود فينا الى غير ذلك مما تشوق اليه نفس الناظر في  
 هذا الموضوع المحتوي من الملاحظات العقلية والعقلية على ما نشره بطي فصوله  
 يضيوع وسميته اقوم المسالك في معرفة احوال الممالك مرتبale على مقدمة و  
 كتابين يشتمل كل منهما على ابواب وبهلاية الله نستوفهم منا هم الرشيد الصواب  
 والجري في هذا المجال وان كان فوق طاقتي لكن اغضاء الفضلاء عما مول في جنب  
 فاقتي وصدق الفية كافل انشاء الله تعالى ببلوغ الامنية +

## المقدمة

لما كان السبيل الحامل على الشيء متقدما عليه طبعاً مناسباً ان تقدمه وضاع ولم  
تكتف بالامناء في الخطبة الى مادعانا لجمع هذا التاليف بل رأينا من المهم ان  
نعود الى ايضا حه ههنا ونبنى عليه ما اردنا ايراد في المقدمة فنقول ان الياث  
الاصلي على ذلك امر ان ايلان الى مقصد واحد احدهما اغراض ذوي الغيرة والمحر  
من رجال السياسة والعلم بالتماس ما يمكنهم من الوسائل الموصلة الى حسن حال  
الامة الاسلامية وتنمية اسباب تمدنها بمثل توسيع دوائر العلوم والعرفان و  
تمهيد طرق الثروة من الزراعة والتجارة وترويح سائر الصناعات وفي اسباب البطا  
واساس جميع ذلك حسن الامارة المتولد منه الامن المتولد منه الامن المتولد منه  
اتقان العمل المشاهد في الممالك الاوربية بالعيان وليس بعد البيان ثانياً ما تحذير  
ذوي الغفلات من عوام المسلمين عن تماديهم في الاعراض عما يحذر من سيرة الغير  
الموافقة لشرعنا بمجرد ما انتقش في عقولهم من ان جميع ما عليه غير المسلمين ليس  
والترتيب ينبغي ان يجرى والتليف في ذلك يجب ان تنبذ ولا تذكر حتى انهم يشددون  
الانكار على من يستحسن شيئاً منها وهذا على اطلاقه خطأ محض فان الامر اذا كان صادراً  
من غيرنا وكان صواباً موافقاً للاذلة لا سيما ان ذلكنا عليه واخذ من ايدينا فلا وجه لانكاره  
واهم له بل الواجب ان يحصر على استرجاعه واستعماله وكل متمسك بديانته وان كان  
يرى غير ذلك في ديانته فذلك لا يمنع من الاقتداء به فيما يستحسن في نفسه من  
اعماله المتعلقة بالمصالح الدنيوية كما تنفعه الامة او فرنجية فانهم ما زالوا يفتنون  
بغيرهم في كل ما يرونه حسناً من اعماله حتى بلغوا في استقامته نظام  
دنياهم الى ما هو مشاهد وشان الناقد البصير تميز الحق  
بمسبار النظر في الشيء المعروض عليه قولاً كان او فعلاً فان  
وجد صواباً قبله واتبعه سواء كان صاحباً من اهل الحق او من  
غيرهم فليس بالرجال يعرف الحق بل بالحق تعرف الرجال والحكمة  
ضالة المؤمن ياخذها حيث وجدها

ولما اشار سلمان الفارسي رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم  
بان عادة الفرس ان يطوقوا مدتهم بخندق حين يحاصروهم العدو واتقاوا من هجومه  
عليهم اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم برأيه وحفر خندقا للمدينة في غزوة  
الاحزاب عمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين وقال سيدنا علي كرم الله وجهه لا تنظر الى  
من قاتل وانظر الى ما قال واذا ساء للسلف الصالح اخذ مثل المنطق من غير اهل  
ملتهم وترجمته من لغة اليونان لما رواه من اللغات النافعة حتى قال الغزالي رحمه الله  
من لا يعرفه بالمنطق لا يوثق بعلمه فاي مانع لنا اليوم من اخذ بعض المعارف التي  
نرعى انفسنا محتاجين اليها غاية الاحتياج في دفع المكائد وجلب القوائد وفي سنن  
المستدين للعلماء من الشيوخ المراق المالكي مانصه ان ما نهينا عنه من اعمال غيرنا  
هو ما كان على خلاف مقتضى شرعنا اما ما فعلوا على وفق الذنب او الايجاب او كما  
فكان لا نذكره لأجل قاطعهم اياه لان الشرع لم ينهاه عن التشبه بمن يفعل ما  
اذن الله فيه وفي حاشية الدر المختار للعلماء من الشيوخ محمد بن عابد بن الحنفى  
مانصه ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا تنصير على انا انما ملنا في حالة  
هو كما المنكرين لما يستحسن من اعمال الافرنج نجد هم يمتنعون من مجاراتهم فيما  
ينفع من التنظيمات ونتائجها ولا يمتنعون فيما يضرهم وذلك اننا نراهم يتنافسون  
في الملابس واثاث المساكن ونحوها من الضروريات وكذا الاسلامية وسائر اللوازم  
الحربية والحال ان جميع ذلك من اعمال الافرنج ولا يخفى ما يلحق بلامته بذلك المشركين  
والخلف في العراق وفي السياسة اما الشين فبالاحتياج للغير في غالب الضروريات  
الدال على تاخر لامة في المعارف واما حط العراق فبعدم انتفاع صناعات البلا باصطناع  
نتائجها الذي هو صلهم من اصول الكاسب ومصادق ذلك ما شاهدناه من  
ان حيا لغير منا ومستولدا الحري وزراع القطن مثله يقصم تعب ذلك سنة  
كاملة ويبيع ما ينتجه عمله للافرنجي بشمن يسير ثم يشتريه منه بعد اصطناعه  
في مدة يسيرة باضعاف ما باعه به وبالجمل فليس لنا الا ان من نتائجه ارضنا  
الاقيمة مرادها المجردة دون انتظورات العلمية التي هي منشأ قوف الرغبات منا و  
من غيرنا ثم اذا نظرنا الى مجموع ما يخرج من المملكة وقايسناه بما يدخلها فان

و جلد ناہما متقادین خف الضرر و اما اذا زادت قیمۃ الداخل علی قیمۃ الخارج  
فیمکن ان یتوقع الخراب لاحوالہ •

## ترجمہ خطبہ کا

حد و نفث کے بعد کہتا ہے مولف اس کتاب کا انداز اس کو سیدھی راہ بتا دے کہ جب میں نے  
دنیا کی مختلف قوموں کی ترقی اور منزل کے اسباب کو نہایت فکر و تامل کے ساتھ دیکھا اور مسلمانوں  
اور انگریزوں کی تاریخ سے جہاں تک ممکن تھا ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کو نکالا اور جو کیفیت مسلمان  
لوگوں کے ان حالات کی جو ان پر ابتدائے زمانہ میں طاری تھیں اور جوئی زمانہ طاری ہی اور جو آئندہ  
تجربہ کی روش سے ان پر طاری ہو چکا ہے انگریز اور مسلمان دونوں نے لکھی ہے اس کو بھی بیٹھ  
دیکھا تو خواہ مخواہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا (اور میرے اس یقین کا شاید کوئی مرد مسلمان مخالف نہ ہو گا  
اور اس کی مخالفت کے واسطے وجہ نہ ملے گی) کہ جب ہم ایک قوم کی ترقی اور انتظام مملکت کی غولی  
کا خیال کریں اور اس کی بہت کو بھلائی اور نفع کی باتوں پر بعد سے زیادہ مائل پادیں تو اس صورت میں  
ہم کو اپنی بھلائی کی باتوں کے اچھی طرح سمجھنے اور جانچنے کے لیے سب سے اس کے اؤر کوئی طریقہ  
نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی قوم کے حالات کو نظر تامل سے دیکھیں جو ہمارے گروہ کی نہیں ہے  
اور اس کی ترقی کے اسباب کو دریافت کریں خصوصاً اس قوم کے حالات کو جو ہمارے قرب و جوار  
میں ہی رہتی ہو اور پھر ہم ان جدید ہنر مندوں اور کمالات کو خیال کریں جوئی زمانہ علم و عمل کے  
معاون ہونے سے پیدا کی گئی ہیں اور ان باتوں کا لحاظ کر کے ہم تمام دنیا کو یہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا  
بمذکر ایک شہر کے ہے جس میں مختلف قومیں اس شہر کی رہتی ہیں جن کی ضرورتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور  
ایک دوسری پر موقوف ہے اور یہ خیال کریں کہ گو ہر ایک فرقہ اپنی خاص ضرورتوں میں اپنے ہی شہر  
کا محتاج ہے مگر کچھ نا امان فائدہ کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں ایک دوسرے کی محتاج  
ہیں پس جو شخص ان سب باتوں پر غور کرے گا جو ہمارے تجربہ کی روش سے بلاشبہ صیح ہیں اور یہ بھی  
ایسی ہی گمانت کی روش سے جانتا ہو گا کہ شریعت اسلامیہ میں دو دنیا دونوں کی مصالحتوں پر مشتمل ہے کیونکہ  
دنیاوی معاملات کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام کی بنیاد ہے اس شخص کو یہ بات نہایت بری معلوم ہوگی  
کہ وہ ایسے علماء اسلام کو جو بسبب اپنی امانت اور دینت کے اس بات کے دمر وادہ ہیں کہ احکام  
شرعیہ کے جاری کرنے میں مصالحت وقت کا بھی ضرور لحاظ رکھیں خواہ مصالحت وفاقین شرعیہ کے

کھولنے اور صالحہ دینیہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلو تہی کرتا دیکھیے اور دانستہ انخاص کرتا  
 پاوے یا ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصاصحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور اُن کے نہیں  
 اُن سے خالی ہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایسے خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام الناس کی  
 بہتری اور ترقی کی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے محروم رکھتا ہے جو اُن کے لئے ضرور  
 ہیں۔ بھلا انصاف کرو کیا یہ بات کچھ اچھی ہے کہ طبیب ہی مریضوں کے حال سے غافل ہو یا یہ بت  
 کسی کو زیبا ہے کہ وہ صرف ایک چیز کی مہلت تو دریافت کر لے اور اُس کے لوازم اور اعراض  
 سے جاہل ہے اور جیسی یہ بات بُری معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی بُری معلوم ہوتی ہے کہ  
 جو لوگ صاحب سیاست ہیں وہ سیاست کے طریقوں سے جاہل ہوں یا اپنی ریاست کی باگ  
 چھوڑ دینے کے واسطے دانستہ تجاہل کریں پس جب مجھ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ترقی کے سانچے  
 بغیر دریافت کرنے کی کسی ترقی یافتہ قوم کے حالات کے ہرگز ہم کو میسر نہیں آسکتے تو میرے دل میں  
 یہ خیال آیا کہ اگر میں اُن سب باتوں کو بطور کتاب کے جمع کر کے لکھوں جو میں نے برسوں کی فکر  
 اور تجربہ سے حاصل کی ہیں اور جن کو میں نے اپنی آنکھ سے یورپ کے اُس سفر میں دیکھا ہے جس پر  
 مجھ کو میرے ایسے آقا کے نامدار نے ماسور کیا تھا جو نہایت مغرم اور عظیم اور بلند رتبہ پاکیزہ اخلاق  
 پسندیدہ خصلت ہے اور جس کے لئے ہمیشہ اُس کے نام کی مثل صادق ہوتے رہتے ہیں اور  
 جس کی تعریفیں تمام دنیا ربط اللسان ہے تو شاید میری یہ محنت رائیگاں نہ جاوے گی خصوصاً  
 اُس حالت میں جبکہ بہت سے لوگ کیدل ہو کر شریعت غراسے اسلام کی حمایت کرنے پر مستعد تھے  
 اور سب سے بڑا کام اس کتاب کے تالیف کرنے سے مینے اپنے دل میں یہ ٹھہرایا تھا کہ میں  
 اُس کے ذریعہ سے بڑے بڑے نامی علماء کو اُن باتوں سے آگاہ کروں جن کی اطلاع سے اُن  
 لوگوں کو پہلی باتوں کے دریافت کرنے میں مدد ملیگی جن کی حسب مقتضائے زمانہ اور مصلحت وقت  
 ہر کو نہایت بُری ضرورت ہے اور اُن باتوں کا ذکر کروں جن پر فی زمانہ انسان کے جملہ معاملات  
 ظاہری و باطنی کا مادہ ہونا چاہیئے تاکہ جو اہل سیاست بلکہ علمے العموم جو لوگ خواب غفلت میں ہیں  
 وہ سب بیدار ہو جاویں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ کچھ حالات انگریزی قوم کے خصوصاً اُن لوگوں کے  
 جن کے ساتھ ہکونیا نہ خصوصیت اور ربط و ضبط اور سخت تعلق ہے بیان کروں اور اُن کے  
 حالات کے ساتھ انگریزی قوم کی اُن عالی مہتوں کا بھی ذکر کروں جن کی بدولت اُنھوں نے تمام  
 دنیا کی قوموں کے حالات مفصل دریافت کر لئے ہیں اور اس کام کو اُنھوں نے اپنی سیر حیات

اور تمام عالم کے سفر سے اپنے اوپر آسان کیا ہے پس میں نے اپنے ارادہ کے موافق اس کتاب میں ان سب باتوں کو جمع کیا جو انگریزی قوم نے تدابیر ملکیہ سے متعلق نظم و نسق کی غرض سے ایجاد کی ہیں۔ جہاں تک کہ خدائے مجھ پر آسان کیا اور ان جدید باتوں کے ضمن میں جس نے ان باتوں پر بھی ایسا کر دیا جو زمانہ سابق یعنی عہد قدیم میں انگریزوں کے ہاں رائج تھیں اور ان طریقوں کو بھی بیان کیا جن کی بدولت انگریزی قوم نے سیاست مدین میں ایسی ترقی حاصل کی ہے جس کے سبب سے وہ ترقی تک کی حد پر پہنچ گئی ہیں اور اسی طرح میں نے اس کتاب میں اُمت اسلامیہ کے اُن قدیمی حالات کو بیان کیا ہے جن سے اس قوم کے کمالات اور فضائل کی وہ کیفیت معلوم ہوتی ہے جو اُس زمانہ میں تھی جب کہ احکام شریعہ اپنے اپنے موقع پر جاری تھے اور مجاہدات اپنے اپنے طریقہ سے برتے جاتے تھے اور انگریزی قوم کے تمام معاملات نظم و نسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو میں نے اس غرض سے بیان کیا ہے کہ مسلمان لوگ بھی اُن میں سے جن باتوں کو اپنے حسبِ حال اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں اُن کو اختیار کر لیں اور جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ مساعد ہیں اُن کو اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ وہ شاید اس تدبیر سے پھر اپنے اُن کمالات کو حاصل کر لیں جو کسی زمانہ میں ہمارے ماتحتوں سے نکل گئے ہیں اور شاید ہم اس فدیہ سے اپنے ہاں کی اس تفریط کے گرداب سے نجات پاویں جو آج کل ملوگوں میں پھیل رہی ہے اور علما ان باتوں کے اور بہت سی عقلی اور اعلیٰ باتیں اس کتاب میں لکھی ہیں جن کو دیکھنے والا نہایت شوق سے دیکھے گا اور اس کتاب کا نام اقوام المسالک فی معرفۃ احوال الممالک رکھا ہے (یعنی نہایت سیدھی راہ ملکوں کا حال دریافت کرنے کے باب میں) اور اس کتاب کو پہلے ایک مقدمہ اور دو حصوں پر منقسم کیا ہے اور اُس کے ہر بابِ حصہ میں متحدہ باب ہیں اور ابتدا کی ہدایت سے مجھ کو توقع ہے کہ وہ سیدھے راستے مجھ پر کھول دے گا اور چونکہ ایسے شکل کام کا سر انجام میری بساط سے بڑھ کر تھا اس لیے مجھ کو علما اور فضلا سے اس بات کی اُمید ہے کہ وہ میری خطا سے چشم پوشی فرماویں گے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کام صدق نیت اور خلوص قلب سے کیا جاتا ہے اُس میں کامیابی عطا کرنے کا خود اللہ ہی کفیل ہو جاتا ہے ۛ

### ترجمہ مقدمہ کتاب کا

جب ہر چیز کا اصلی سبب اُس کے وجود پر مقدم ہوتا ہے تو اُس سبب کو کتاب میں بھی بیان کرنا

زیر ماحلوم ہوتا ہے اور مجھ کو یہ بات منظور نہیں ہے کہ میں اس کتاب کے سبب تالیف کا اظہار  
 صرف اس قدر کافی سمجھوں جس قدر کہ میں نے خطبہ میں ایسا تو بیان کر دیا بلکہ میں اس کی تصحیح اس  
 موقع پر بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ جو بات مجھ کو اس مقدمہ میں بیان کرنی منظور ہے اُسکی بنا پر  
 یہی سبب تالیف ہے چنانچہ کتابوں میں کہ اس کتاب کے تالیف کرنے اور اس میں مطالب  
 مذکورہ بالا کے بیان کرنے کی ضرورت مجھ کو دو وجہ سے معلوم ہوئی اگرچہ اُن دونوں وجہوں کا  
 قائل احد ہی ہے ایک تو ان میں سے غیرت دلا کر رانجھنے کرنا غیرت دار عقلمند عالم صاحبِ غیرت  
 اہل سیاست مسلمانوں کا اس بات پر کہ وہ دہلیہوشیار ہو کر اُن سیلوں کو دریافت کریں جن کے  
 سبب سے مسلمانوں کی حالت آئندہ اصلاح پذیر ہو اور جن کے سبب سے اُن کے علم و فضل اور  
 طریق تمدن و غیر میں ترقی ہو اور جن کی بدولت اُن کی ثروت اور عزت کے سامان ہتیا ہوں  
 مثلاً تجارت یا زراعت یا صناعی اور دستکاری کے کام رونق پکڑیں اور ان سبکاموں کے  
 اسباب اُن کے لئے پیدا ہو جائیں اور جن باتوں سے اُن پر ذلت اور افلاس چھا رہا ہے وہ  
 سب رفع ہو جائیں اور ایسی ہی بودی کی باتوں کی جو حقیقت میں انتظام ملکی اور طرق سیاست کی  
 اصلاح ہے کہ اُس اصلاح سے امن پیدا ہوتی ہے اور امن سے دلوں کی آرزوئیں بڑھتی ہیں اور  
 آرزو پیدا ہونے سے کام مضبوط ہوتا ہے جیسا کہ ہم سب لوگ مالک یورپ میں آنکھوں سے  
 مشاہدہ کرتے ہیں اور جس کا بیان ہم نہیں کر سکتے اور دوسری بات جو اس تالیف کا باعث ہے  
 اُن غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک ایسی بات کو بھی صرف اس خیال سے  
 نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاہر اُن کی شریعت میں نہیں ہے اور اس غلط خیال کا منشاء یہ ہے کہ  
 وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو ایسی قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو ترک کیا جاوے خواہ  
 باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدبیر ملکیت سے متعلق ہوں اور وہ غافل لوگ غیر مذہب  
 والے کی تالیفات کو پڑھنا بھی بڑا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اُن کے سامنے غیر مذہب  
 کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھی بڑا بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں  
 حالانکہ یہ بات بالکل حاکت کی ہے اور سرسخر خطا ہے اس لئے کہ جو کام فی نفسہ بھلا ہے اور ہمارے عقل  
 بھی اُس کو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جو کبھی ہلوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُس کو ہم سے ہی  
 ادا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے اور یا اُس کو چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ  
 کام کئی ہمارے ہی قوم کے حقدار آدمیوں تھا تو ہنگو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں



جنایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیے اور گویا بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے  
 سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کر رہا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ  
 غیر مذہب ہلکے کی دیوی باتیں بھی بری ہو جاویں یا جو کام مصلحت ملکی کے لحاظ سے اس نے  
 کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہکو ان کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتہام ممنوع ہو  
 دیکھو انگریزوں کا ہمیشہ سے یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فوراً اس کے  
 کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کی  
 اس تہذیب پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک بڑے پرکھتے  
 دشمن کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اس کے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو  
 اس کو نظر امتیاز سے ملاحظہ کر جانچے اور اگر اس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کر لے اور اُس سے اس کو بہتر  
 سمجھے گو اس کا موجودین کے لحاظ سے سچا ہو یا جھوٹا اس لیے کہ حق بات کچھ لوگوں سے نہیں  
 پہچانی جاتی بلکہ لوگ حق بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکم مسلمان کے لیے بمنزلہ ایک  
 گمشدہ چیز کے ہے کہ جہاں کہیں اس کو پاوے فوراً لے لے ۴

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
 کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے  
 گرد و خندقیں کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مہینہ گئے خود خندق کھودی  
 تاکہ اگر مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی  
 خوبی کی طرف دیکھو قاتل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے  
 لوگوں سے علوم و صنعت کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا اور اس کے رواج کو مستحسن جانا  
 یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو شخص خندق نہ جانتا ہو گویا اس کا علم کچا ہے تو  
 ہکو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم بھی اس میں مانیں غیر ملت قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع  
 اور کار آمد دیکھیں ان کو نہ کریں اور جن باتوں کی طرف ہکو مکائد اعداء سے محفوظ رہنے اور محفوظ  
 کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو ان کو اختیار نہ کریں کتاب سنن الہم استدین میں  
 شیخ المراق الدمالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے  
 وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ورنہ جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ

موافق طریقہ مندوبہ یا مصلح یا واجب کے کرتے ہوں اُن کو ہم صرف اس خیال سے نہیں  
چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر حملہ آمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے  
ہم کو غیر قوم کے ساتھ اُن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ  
قدت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابد بن الحسنی نے تو  
یہاں تک تبصیر لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُن کے کرنے میں  
ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ بھی مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی  
بات یہ ہے کہ جو لوگ انگریزی قوم کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی  
کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں کچھ اُن کو انکار نہیں  
ہے کیونکہ وہ لوگ انگریزی بننا ہو اکر اپنی کر خوش ہوتے ہیں اور انگریزی اسباب گھروں میں  
رکھتے ہیں اور انگریزی تہیاد اور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو  
انگریزی تدبیر سے کام میں لانے میں برابر ہنہ کرتے ہیں حالانکہ ان باتوں سے اُن کے ملکی  
انتظام اور ملکی ترقی میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر  
ہے اور گویا اس سبب سے ان میں ایک عیب ہوتا ہے اس لیے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے  
سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی  
ملکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار وغیرہ کے ثمر سے نفع نہیں اٹھا  
سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اسکی ہمارے بس  
مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صنایع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل  
نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روئی بوتے ہیں یا کپڑوں کی اُون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر  
اُسے جان بارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی روئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت  
پر انگریزی قوم کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے انگریز لوگ تھوڑے عرصہ  
میں اپنی صنایع کی بولت طرح طرح کے کپڑے بن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم کے لوگ جنہوں  
نے اُن کو روئی دی تھی انگریزوں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں عرض کہ ہمارے ملک کی  
حرف اہلی پیداوار کی قیمت مل جاتی ہے اور کتنی کم کی ہنر مندی یا صنایع سے ہم اُس سے فائدہ  
نہیں اٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز جاتی  
ہے اور اس بات کا اندازہ کریں کہ انہی والی چیز کا نرخ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو

میں تنگ و ناخیریت ہے تھوڑا ہی سا مزرعہ ہے اور جب بھوکا جانے والی چیز کی قیمت کم ملے اور آنے والی چیز کی قیمت چار چند دینی پڑی تو یقین کر لو کہ ایسا ملک آج نہ تباہ ہوا اگل تباہ ہوگا

## حکایت

### ایک نادان خدا پرست اور دانا دنیا دار کی

کیا عجیب بات ہے اُن ہوئی اور اُن سنی۔ ڈھونڈ بھلی رات کو جنگل میں چلے جاتے تھے صبح ہونے ہی کو تھی کہ اُن کے سامنے روشنی کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے شعلہ میں آواز آئی کہ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تب تو یہ دونوں گھبرائے اور نکلے پائوں ہلکرائے بڑھے۔ قدموں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ اے پیارے خدا۔ ہم تو تجھ کو ملکوں میں ڈھونڈ پھرے مگر تو تو ہمارے پاس ہی نکلا۔ اب ہمیر مہربانی کر۔ شعلہ جس آواز آئی کہ تمھاری دعا قبول ہوئی۔ نکل صبح کو نور کے تڑکے تم دونوں میں سے ایک اس پہاڑ پر اور دوسرا اس دوسرے پہاڑ پر جو دکھائی دیتے ہیں آ حاضر ہو جو تمھاری تمنا ہوگی وہی جادو سے کی۔

سالانہ اور ساری رات دونوں کو بیکھاری میں گزرا اور ہر ایک اپنے دل میں منصوبے کرتا رہا کہ کیا مانگوں کیا مانگوں۔ اتنے میں وقت آپہنچا اور یہ دونوں اپنے اپنے پہاڑوں پر جا حاضر ہوئے اتنے میں جھارٹی چکنے لگی اور خالی آواز آئی۔ دونوں بے نیلک بے نیلک کہہ کر چلا آٹھے۔ جھارٹی میں سے آواز آئی جو مانگنا ہو مانگو۔ خدا پرست نے کہا کہ مجھ کو اپنی محبت اور چند روزہ دنیا کی مزخرفات سے نفرت دے۔ دنیا دار نے کہا کہ مجھ کو نیک کاموں کے لئے دنیا دے۔ خدا کے ہاں کس بات کی کمی اور کا ہے کی دیر تھی۔ جو اُنھوں نے کہا وہی ہو گیا۔ وہ دونوں پہاڑ پر سے اپنے اپنے گھر آئے ایک خدا کی محبت سے نہال اور دوسرا دنیا کی جاہ و ثمت سے مالا مال۔

خدا پرست خدا کی محبت میں چور تھا اور اپنے دوست دنیا دار کے حال پر افسوس کرتا تھا کہ کس طرح دنیا کے کاموں میں مصروف ہے اور اُسکو خدا کی عبادت اور نذر و تقویٰ سے سوار اور کچھ کام نہ تھا مگر دنیا کی طرف سے نہایت عاجز اور ذلیل۔ کبھی کبھی زکوٰۃ دینے کا جو ثواب ہے اُس کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی مگر عقدہ نہ تھا کہ اُس دولت کو حاصل کرے۔ چج کرنے کا

شوقِ اَلِہِ اُٹھتا تھا آلاہے استطاعتی کے سبب سے مجبور تھا اپنی قوم کو خدا پرست ہونے کی راہ بتاتا تھا مگر بے استطاعت اور بے مقدور قوم کیا کرے۔ پرانگندہ روزی پرانگندہ دل۔ کسی سے کچھ بن نہیں آتا تھا۔

ان چہارہ کا یہ حال کہ نانِ شہیدہ کو محتاج۔ کپڑا بدن پر نہیں کہ جس سے ستر ڈھانکیں۔ روٹی کھانے کو نہیں کہ بدن میں عبادت کی طاقت آوے۔ چارنا چار شہر چھوڑنا پڑا۔ لوگوں کو گناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوا۔ جنگل میں جا بسیر کیا۔ وحوش و طیور سے جا صحبت کو گرم کیا۔ دنیا اور دُنیا کے کاموں سے نفرت کی اور خدا اور خدا کی محبت سے اُفت کی۔

فاقے پر فاقے ہوتے تھے مگر یہ شیر خدا کی محبت سے سیر تھے مگر جب تین تین ان کے فاقے گزرنے لگے تو در کھلنے یا ایک ٹکڑا روٹی کا مانگنے پر مستعد ہوئے۔ لکڑی ٹیکتے ٹیکتے پاؤں لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے کسی گاؤں گزریں میں جاتے میتِ مبارک دیکھ کر گاؤں کے کتے چھپے پڑتے یہ بچا بے خدا پرست کتوں سے بچتے بچاتے ہشت ہشت کرتے کسی کے دروازہ تک پہنچتے کسی دیا تو لے لیا ورنہ دوسرا دروازہ جا دیکھا جب قوتِ لامیوت چھولی میں آیا پھر اُس سے زیادہ سوال کرنا حرام تھا کسی گنہگار کے کنارہ پر بیٹھے سوکھے بھیک کے ٹکڑے چائے کسی ملتے گنہگار پر جا کھڑے ہوئے پانی کے دو چلو پی لیے خدا کے نور کے شعلے سینہ میں بھرتے تھے مگر نکل نہ سکتے تھے جس سے دنیا روشن ہو۔

رفتہ رفتہ اُن کی بزرگی کا شہرہ پھیلا۔ دُور و نزدیک کے لوگوں نے زیارت کا قصد کیا۔ لوگ گھج ہرنیلے مینتیں ماننے لگے۔ ہر ایک نے اپنے مطلب کی اُمانگوئی چاہی کسی نے بیٹے کی خواہش کی۔ کسی نے دولت چاہی کسی نے روزگار کی تمنا کی کسی نے تجارت کی ترقی کی آرزو کی۔ ان کو تو دنیا کی باتوں سے نفرت تھی۔ لاشعری لے سامنے ہوئے۔ لوگوں کو سمجھانے لگے دنیا چند روز ہے اُسکے پلے کیوں دلوں کرتے ہو۔ دلوں کے لاینِ تو دین کی باتیں ہیں۔ دُنیا کو چھوڑ دو اور دین کی باتیں کر دو۔

عقل مند اور نیک بخت آدمی اُن کو بہت بزرگ سمجھتے تھے۔ مگر اُن کی نصیحتوں سے متوجہ ہوتے تھے کہ اگر سچ مع دینداری ہی ہے تو دنیا کا کیا حال ہوگا اور دنیا کا کیوں نہ کام چلیگا پیغمبر کا بیٹا نہ گزرا صحابیوں کا بھی نہ گزرا کسی نے دنیا کو نہیں چھوڑا مگر دنیا کو دین کے لیے بڑا۔ وہ احکامِ شرعی کو بجا لاتے تھے۔ کینہ و بغض و حسد سے دل کو صاف رکھتے تھے۔ دغا و فریب اور جھوٹ سے بچتے تھے اور اچھے خاصے دُنیا دار تھے۔ مہلوی روم نے بھی یہی کہا ہے۔

چہیت دنیا از خدا غافل بودن  
نئے تماش و نقرہ و فرزند و زن

ٹوٹے کی طرح اللہ اللہ چہا اور یا ہو کہو ترکی مانند غوٹ غوٹ غوٹ غوٹ کرنا اللہ کی یاد نہیں ہے  
بلکہ اُس نے مجھ پر ہجو و حسرت کی ہیں اُن کو اُسی کے کام میں صرف کرنا خدا کی یاد ہے عقل ہو  
خدا نے اس لیے دی ہے کہ اُس کی صنایع و بدایع پر غور کریں۔ اس کی عجایب قدرت کو دیکھیں اور  
اُس کے وجود انہی وابدی بے عند و بند پر یقین کریں آنکھ ناک حس و حرکت اس لیے بخشی ہے  
کہ ہمارے عقل کے مصاحب اور مددگار ہوں نطق ہو اس لیے دیا ہے کہ ہم آوروں کو اپنے خیالات  
کا فائدہ پہنچا دیں اَللّٰہ تعالیٰ اس لیے ہمارے لیے ہتیا لیا ہے کہ ہم خود بھی اُس کا فائدہ اٹھاویں  
اور آوروں کو بھی فائدہ پہنچا دیں یہ کیسا وحشیانہ طریقہ ہے جس میں اپنی ذاتی غرض کے سوا  
اور کچھ مد نظر ہی نہیں ہے۔

گراں گلیم خویش بروں می برد ز موج  
من سی می کنم کہ جوارم غریق سا

بعضے دس پانچ سو پچاس آدمی جو انہی سے بیوقوف تھے خدا پرست صاحب کے گرد ہوئے  
دنیا کو اپنے خیال کے موافق چھوڑ چھاڑ دھونی سا مسلمان جگہ جی کے ساتھ ہو لیے اور دنیا کے  
عیش و آرام اور اُس کے کاروبار کو ترک کر کر خدا کی خیالی محبت میں سرشار ہو گئے۔

آپ خیال کرو ان بزرگواروں سے اسلام نے کیا عزت پائی اور اُن کے حال سے اسلام کی  
صورت کیسی دیکھائی دی۔ اسلام ایسا دکھائی دیا جیسے ایک ضعیف پیر و بزرگ پر کڑا کھایا ہوا مینلا  
بدن ٹوٹے دانت ڈھبی پر چڑا چڑا ہوا گنڈیاں مٹی ہوئیں پیٹ پیٹھ سے ملا ہوا کمر بھر ٹیٹھیں  
ٹھٹھری۔ اٹھ پانچوں کا پتہ ہونے لگا کھڑا کھڑا لاٹھی ٹیک ٹیک ایک قدم آگے دھرا اور کپکپا کر  
دو قدم پیچھے ہٹ گیا پچھی گڈھی ٹپھی ہوئی اور سر سے رن کھلی اُدھر سے چوڑا کھلا جدھر گئے  
اُدھر ہزاروں کھیاں چٹ گئیں۔ اُدھر گتے بھوں بھوں کر کر کچھے پڑ گئے جس قوم کے سامنے  
سے نکلے اُس نے نفرت کی ہر طرف سے دُور دُور پرے پرے کی آواز زشتی اور ذلت کے لیے مسلمان  
دنیا میں ضرب اشل ٹھہرے۔ سبحان اللہ ان نادان خدا پرست نے خوب اسلام کی صورت دیکھائی  
اور نہایت اُس کی عزت بنائی۔

آپ دنیا دار صاحب کا حال دیکھیے۔ جب وہ گھڑے۔ دوست۔ آشنا۔ بھائی بند جمع ہوئے

لعنت ملاست کرنے لگے کہ دنیا کا لالچی۔ دنیا کا کتار۔ ایمان اسلام سے بے بہرہ۔ دنیا کے عیش و آرام میں غرق اور اسی کا طالب دین کے بدلے دنیا لیکر آیا ہے +

یہ بیچارہ چُپ اُن جاہلوں سے کیا کہے۔ اپنے دل میں کہتا ہے کہ تینے تو نیک کاموں کے لیے دنیا لی ہے۔ مگر دنیا کو نیک کاموں کے لیے بڑا جاوے تو وہ تو ہزاروں زہد و تقویٰ اور جنگل میں بیٹھنے اور مالا چھپنے سے بہتر ہے +

خدا نے جو کچھ مہرِ فرض کیا ہے وہ بہت تنویر ہے اگر ہم ”واللہ لا اذیل ولا انقاص“ کے مضمون پر یقین کریں تو صرف فرائض کے ادا کرنے سے قطعی بستی ہیں۔ باقی رہی اوپر کی نیکی وہ نادان خدا پرست بننے سے حامل نہیں ہوتی۔ ہکو دینداری کے لیے دنیا کے کاموں میں مصروف ہونا چاہیے۔ محلات شریعہ سے بچنا اور مباحات شریعہ کے مزے اڑانا اور دنیا کو نیک کاموں میں برتنا بھی سب سے بڑی نیکی اور اہلی خدا کی عبادت ہے +

پھر وہ اس سوچ میں گیا کہ کسی قوم پر خدا کی خفگی اور خدا کی لعنت ہونے کی کیا نشانی ہے۔ چنبڑا سوچتا تھا کچھ مجھ میں نہ آتا تھا۔ لوگوں سے پوچھتا تھا پر شفی نہ پاتا تھا۔ آخر ایک دن قرآن مجید پڑھتے پڑھتے یہودیوں کے حال میں یہ آیت اُس نے پڑھی ”وَضَرَبَ عَلَيْهِمَا الذَّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاؤَا الْغُضَبَ مِنَ اللَّهِ“ یہ پڑھتے ہی وہ چلا اٹھا کہ پالیا پالیا بے شک دنیا میں قومی ذلت خدا کے غضب کی نشانی ہے دنیا میں غریب یکس۔ محتاج ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر جب قومی ذلت اور قومی مسکنت دنیا میں ہو جاتی ہے تو وہ ٹھیک نشانی خدا کے غضب اور خدا کے لعنت کی ہوتی ہے +

اب تو اس کا دل شہرِ مود اور دھاس ہندھی اور کہا کہ بیشک میں نے اُس نادان خدا پرست اچھا کام کیا ہے میں نے تو نیک کاموں کے لیے دنیا کو اختیار کیا ہے۔ اتنی میں دنیا ہی سے دین کو لے لوں گا اور ایسے لنگڑے۔ ٹوٹے۔ بوڑھے ٹھیکڑے نادان خدا پرستوں کو کوڑی کوڑی کوڑی پر خرید کر پھینک دوں گا۔ پر اُنے خدا جیسا کہ تو نے میری دُعا قبول کی ہے میرے ساتھ رہ اور نیک کاموں میں نیا کو برتنے دے +

اب وہ اس سوچ میں گیا کہ اس نیا کو کیونکر نیک کاموں میں برتوں۔ سب سے پہلے نیا ل کیا کہ جو کویں کو روٹی اور تنگوں کو کپڑا دو۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ بات تو اچھی ہے کرنی تو چاہیے پر اس سے قومی ذلت تو نہیں ملتی جو خدا کے غضب کی نشانی ہے +

پھر سوچا کہ حافظ نوکر رکھ کر قرآن بہت سے پڑھواؤ۔ لوگوں سے چلے کھنچو اور ختم خواجگان  
 کرواؤ۔ بخاری شریف کی منزلیں پڑھواؤ۔ پھر منسا کہ اس سے کیا فائدہ۔ ایک کا کھایا دوسرے سے  
 کے پیٹ میں کب آتا ہے ؟

پھر سوچا کہ سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ مسجدیں بنواؤ اور ٹوٹی مسجدوں کی جو خدا کے گھر  
 ہیں تہمت کے لیے روپیہ اکٹھا کرو اور جھاڑ فانوس روشن کرو پھر ہنسا اور کہا کہ زندہ خدا کے  
 زندہ مگر معنی قوم کے دل ٹوٹے پڑے ہیں دل کی آنکھوں کے پھوٹ جانے سے بے نور  
 ہو رہے ہیں مسجد کس کے لیے بناؤں اور چراغ کس کے لیے جلاؤں ؟

پھر سوچا کہ مگر شریف روپیہ بھیج دو۔ وہاں کے غریبوں پر بانٹو۔ ایک ایک کے لاکھ لاکھ پیٹنے  
 روپیہ بھیج کر مہاجرین کے لیے رابطیں بنواؤ اور خیر جاری کا ثواب کماتو۔ پھر ہنسنے لگا کہ کیا  
 بیوقوفی کی بات ہے جہاں شدید ضرورت ہے وہیں پوریر خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ہے دیکھنا  
 چاہیے کہ جو ضرورت کمیں پہلے تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں ہمارے ملک اور ہماری قوم میں جو  
 ضرورت ہے وہ اس سے زیادہ ہے۔ رابطیں بنوانے اور متولیوں کی آمدنی کر دینی میری یہ سہی  
 مگر جب ہماری قوم کے گھروں پر چھپر نہیں ہیں تو ملک میں رابطیں بنوانے سے کیا منفعت ہے ؟  
 ایک صاحب اٹھے کہ اجماعی سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ غریبوں کو جواز کر ایہ کر دو اور مگر حج کو  
 بھیج دو۔ اس نے کہا کہ مال اپنی تو بڑی نیکنامی ہے مگر خدا کے نزدیک تو پشیمانی ہے۔ خدا نے  
 جس پر جو بات فرض نہیں کی انہیں اس پر فرض کرنا الایہوں ؟

بڑے خیر خواہ اور عقلمند جو تھے وہ اٹھے کہ کیا عربی کا مدرسہ قائم کرو۔ قال اللہ وقال الرسول  
 کا ذکر سنو۔ حدیث۔ تفسیر رفیع پڑھاؤ۔ ہمارے ماں کی مقول منطق حکمت۔ فلسفہ ڈوبی جاتی ہے  
 اُسکو چلے گا مگر یہ شخص سوچا کہ علوم دینیہ قوم کے زیور ہیں مگر جب قوم ہی نہیں تو وہ زیور کون  
 پہنے گا۔ چنانچہ حکمت اور فلسفہ کو اب کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا اس سے قومی ترقی اور  
 قومی عزت کی کیا توقع ہے ؟

غرض کہ سب کی باتیں اس نے سنیں اور کہا کہ یہ سب مل کر کی باتیں یا شیطان کا نیکی کی تمہیں  
 جلوہ افروز ہو کر دھوکے میں ڈالنا ہے ان سب کو چھوڑو اور نیک نیت سے خدا پر بھروسہ رکھو  
 قومی عزت اور قومی ترقی کی فکر کرو اور اصلی نیک کام میں دنیا کو بر تو۔

اس نے سمجھا کہ بھلا سب سے بڑا سبب قومی ذلت کا آپس میں ہمدردی کا نہ ہونا ہے میری قوم

خود عرضی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اپنے فائدے کے لیے ہزاروں محنتیں کرتے ہیں اور چھپا کپڑا پہننے اور چھین سے سونے اور دھنسنے کی مٹی بھی باتیں بنا دینے کو تمام اخلاق اور لیاقت کا منہ تھامتے ہیں۔ قوم کی بھلائی اور رفاه عام کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے اس نے اس بیماری کو کھنچا اور غرض چنگانہ ادا کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت اور اوراد مندوبہ اور اعمال مشائخ کے بدلے اپنی قوت لسانی اور مراقبہ قلبی کو اس طرف متوجہ کیا خلوت میں اس بات کی فکر کی کہ یہ بیماری کیونکر جادوے جلوت میں پسند و نصائح تقریر بیان سے اسی بات کا چرچا کرے بہت سی نا اسیدیاں اُسکو پیش آئی گئیں لہذا اپنے ارادہ میں مستحکم اور ثابت قدم رہا اور یہ سمجھا کہ اس کام میں جتنا میرا وقت صرف ہوتا ہے وہ اُس مندوب عبادت سے جس کو لوگ عبادت سمجھتے ہیں کچھ کمتر عبادت میں صرف نہیں ہوتا۔

اُس نے بعد اپنی طاقت کے مسائل شرعیہ اور خفایق و معارف قرآن حدیث پر غور کیا اور دیکھا کہ علمائے سابق نے اپنے زمانہ کے علم کے موافق بہت سی باتیں ایسی کہی ہیں جو زمانہ حال میں یقینی غلط اور مجھوٹی ثابت ہوئی ہیں اور تمام مسلمانوں نے اُن علماء کے غلط اقوال کو مثل احکام شرع سمجھ رکھا ہے اور اس سبب سے اسلام کو یہ ضرر پہنچا ہے کہ جو لوگ زمانہ حال کے علوم سے تقاضا ہوتے ہیں وہ مذہب اسلام کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ مذہب اسلام میں غلطی نہیں ہے بلکہ اُن علماء کے اقوال میں غلطی ہے چند روز تک تو اُس نے اُن علماء کا اثر ادب کیا پھر وہ سمجھا کہ علماء کے اقوال کا غلط ہونا مذہب اسلام میں کچھ نقص نہیں لانا اگر بالفرض ابو بکر و عمر نے کسی بات میں غلطی کی ہو تو بھی مذہب اسلام پر کچھ دافع نہیں لگتا پھر اور پچار سے مولوی ملا کس شمار قطار میں ہیں۔ تب اُس نے علماء وقت کی خدمت میں رجوع کی اور ہر ایک کے آگے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی کہ خدا کے واسطے آپ ان غلطیوں کے رفع کرنے پر مستعد ہو جائیے۔ یہ پچارہ خود جاہل حرف دوچار لفظ سے آشنا تھا خود کیا کر سکتا تھا۔ مگر جب کوئی توجہ نہیں ہوتا تب اُس نے کہا کہ جو عقل خدا نے مجھ کو دی ہے اُسکو کام میں لانا اور اپنے خیالات کو دوسروں تک پھیلانا خاص میری عبادت ہے۔ اُس نے ملامت کرنیوالوں کی ملامت کا ڈرن کیا اور اسلام کی محبت کو ابو حنیفہ و شافعی۔ مالک و صنبل کی محبت سے نیا دہ سمجھا اور نیکی مٹی اور صرف اسلام کی محبت سے جو کیا سو کیا اور اُس کے عوض اپنے ہم مذہبوں سے جو سنا اُسکو بخندہ پیشانی گوارا کیا۔

اُس نے بہادرانہ طور سے مذہب کو قتل کے سامنے ڈال دیا کہ جس طرح چاہو جانجو۔ چاہا۔ چاہی ہے



اُس نے مذہب کو حقایق موجودات سے موازنہ کیا اور دنیا کو یہ دکھانا چاہا کہ خدا کا قول معنی مذہب اور خدا کا فعل معنی فطرت موجودات دونوں ایک ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کا مبداء ایک ہی ہے +

اُس نے اپنی قوم سے تعصبات اور پابندی رسومات اور اودام مذہبی کے جو حقیقت میں مذہب سے متعلق نہ تھے چھوٹانے پر کوشش کی تاکہ فوخیالات سے لوگوں کے دل پاک ہوں اُس نے لوگوں کو اس بات پر رغبت دلائی کہ اچھی باتیں جس میں ہوں اُن کو لو اور بُری باتیں جس میں ہوں اُن سے پرہیز کرو جو علوم غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں نے پیدا کیے ہیں بلا تعصب سیکھو جس زبان کے ذریعہ سے وہ علم آسکتے ہوں خواہ وہ انگریزی ہو یا فرانسیسی۔ یونانی ہو یا لاطینی۔ سب کو سیکھو اور اپنی قوم میں پھیلاؤ تاکہ اُن کو عجائبات قدرت انہی زیادہ تر معلوم ہوں اور دنیا حاصل کرنے کی بھی لیاقت ہو +

صنائع و بدائع ہر قسم کے جو کسی قوم میں ہوں اُن کو اپنی قوم میں لانے کی کوشش کی تجارت کے اصول پر غیر قوموں نے عمدہ طور پر قائم کیے ہیں اُن کی اپنی قوم میں مقیم ہونے کی خواہش کی اور ان تمام باتوں سے یہ مقصود تھا کہ قوم کی سکنت اور اُس کے باعث سے جو ذلت ہے وہ نفع ہو اور قوم آسودہ حال ہو اور اپنی قوم کے لوگوں کو سنبھالے اور شعار اسلامی کو بجا لاسکے جس سے اسلام کو رونق ہو +

اُس نے خیال کیا کہ طریقہ تمدن معاشرت اگر خراب ہے تو وہ بھی ذلت قومی کا باعث ہے اُس نے اپنی قوم کے طریقہ معاشرت و تمدن کے ادنیٰ ذلیل درجہ سے اعلیٰ درجہ پر تبدیل ہونے کی کوشش کی تاکہ اسلام پر سے یہ مجھوٹا دھتکہ کراہی معاشرت و تمدن کا باعث اسلام ہے مٹ جاوے +

قوم کا معزز اور ذلیل نظر آنا اُن کے طریقہ لباس اور اکل و شرب اور چال و چلن اخلاق اور عادات پر بہت زیادہ منحصر ہے اُس نے اُن کی درستی پر کوشش کی اور طہارت اور صفائی اور اُجلا پن اور لباس اور اکل و شرب کے طریقہ کو بہت اعلیٰ اور عمدہ درجہ پر پہنچانا چاہا جس کے سبب آؤر قوموں کی نظر تحات جو اسلامی قوم کے ساتھ تھی وہ نہ رہی اُس نے خوب غور کیا تھا کہ اسلام ایک سچی کاپٹلائن کر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا وہ اُس کے پیروں کی خصلت اور افعال سے دکھائی دیتا ہے پس اُن کا طریقہ زندگی ایسا عمدہ و پاک صاف کیا جاوے جس سے اسلام کی جو اعلیٰ

صورت ہے دنیا کو نظر آوے +

فرض کر دو کہ یہ سب خواہشیں پوری ہو گئیں تو ان کی بدولت اسلام کی ایسی صورت دکھائی دی۔ ایسی دکھائی دی جیسے ایک نورانی فرشتہ جس نے رحمت کے پیر پھیلا کر تمام عالم کو اپنی رحمت سے ڈھانپا ہے۔ پس بڑی نادانی اور کم سمجھی کی بات ہے جو دنیا دار کے ان کاموں کو دنیا کے کام سمجھے اور عین خدا کی عبادت نہ جانے +

## عام تعلیم پر شایاں

پرشیا واقع جرمنی کی عام تعلیم کی بابت ۱۸۶۱ء میں ایک رپورٹ تھی جس کا خلاصہ ہم اس لئے لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان جانیں کہ تربیت یافتہ قوموں میں کس قدر تک تعلیم کی ترقی ہے +

۱۸۶۱ء میں پرشیا میں پچیس ہزار ایک سو چھپن سرکاری ابتدائی سکول تھے اور اٹھ سو تیرہ خانگی جن کی کل میزان پچیس ہزار نو سو اٹھ سو تیرہ تھی +

سرکاری اسکولوں میں ستائیس لاکھ تہتر ہزار چار سو تیرہ لڑکے و لڑکیاں پڑھتی تھیں اور خانگی اسکولوں میں اڑتالیس ہزار تین سو بالیس جس کی میزان اٹھائیس لاکھ ایک ہزار سات سو پچپن ہوتی +

پرشیا کے ملک کی آبادی ایک کروڑ چوبیس لاکھ اکیانوے ہزار دو سو بتیس آدمیوں کی ہے اس حساب سے فی سات سو بارہ آدمیوں میں ایک سکول ہوتا ہے اور اوسط لڑکوں کا کافی سکول ایک سو دس کے قریب پڑتا ہے +

ان اسکولوں کے سوا چار سو تینتالیس چھوٹے لڑکوں کے پڑھنے کے لئے مکتب تھے جن میں بتیس ہزار سات سو پینتالیس لڑکے پڑھتے تھے +

اعلیٰ تعلیم کے مدرسہ اس سے علاوہ ہیں مگر ۱۸۶۱ء میں کل طالب علم جو تمام مدرسوں اور اسکولوں اور مکتبوں میں پڑھتے تھے ان کی تعداد بتیس لاکھ چھیانوے ہزار پانسو چھیالیس تھی۔ اور کل مدرسہ جتیس ہزار تین سو چودہ تھے جن میں سے تینتیس ہزار تریسٹھ مرد اور تین ہزار دو سو اکیاون عورتیں تھیں اور متوسط اور اعلیٰ مدرسوں میں نو ہزار نو سو تیرہ مدرسہ تھے +

اُسی پورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۱ء میں اُن لوگوں میں جو فوج میں بھرتی تھے اُس کا تخمینہ کیا گیا کہ کس قدر آدمی بن پڑے ہیں تو معلوم ہوا کہ فی صدی دو آدمی بن پڑے تھے مگر یہ زمانہ اُنہی گیا۔ اس عرصہ میں اُنہی اور زیادہ ترقی تعلیم کی ہو گئی ہے۔ جب تین ولایت میں تھا تو ایک جرمنی عالم سے میری بہت ملاقات تھی اور اُن سے جرمنی کی تعلیم کا بہت ذکر رہتا تھا وہ مجھ سے فراتے تھے کہ اُن پرشیا میں فی ہزار ایک آدمی بھی بن پڑھا بہت شکل نکلیگا +

اُن ہندوستان کے مسلمانوں کے حال پر خیال کرو کہ اگر اُن میں پڑھے ہوئے آدمی تلاش کیے جاویں تو فی ہزار ایک آدمی بھی پڑھا ہوا بہت شکل نکلیگا پس غور کرنے کا مقام ہے کہ کچھ اپنی قومی ترقی اور تربیت و تدریس کیلئے کیا کچھ کرنا ہے +

جو حال کہ مجھے اُن پر بیان کیا اُس میں سرکاری اسکولوں اور سرکاری کالجوں کا نام آیا اُس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُن اسکولوں اور کالجوں کا خرچہ سرکاری خزانہ میں سے دیا جاتا ہے۔ نہیں تمام اسکولوں اور مکتبوں اور کالجوں کا خرچہ رعایا دیتی ہے مگر وہاں تعلیم کے باب میں ایک خاص قانون ہے اُس کے مطابق جو اسکول یا مدرسہ قائم ہیں وہ سرکاری کہلاتے ہیں اور باقی خانگی۔ ورنہ حقیقت میں وہ سب رعایا کی طرف سے ہیں +

جرمنی میں جو رعایا کی تعلیم کا قانون ہے نہایت ہی عمدہ ہے مگر وہ قانون ہندوستان سے جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا بلکہ انگلنڈ اور ویلز میں بھی اُس کے مطابق عمل درآمد ہونا نہایت دشوار ہے چہ جائیکہ ہندوستان اور اس کیلئے ہماری یہ رائے ہے کہ جب تک کہ ہندوستان کی ہر ایک قوم خود آپ اپنی قوم کی تربیت کی طرف متوجہ نہ ہوگی اور خود آپ اپنی قوم کی تسلیم کا بندوبست نہ کرے گی اُس وقت تک قومی تعلیم کا ہونا غیر ممکن ہے +

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے لغوی حالات اور بیہودہ تعصبات میں مبتلا ہیں اور اپنی قومی بھلائی اور اُن کی تعلیم و تربیت کی کچھ فکر نہیں کرتے ہمارا دل جلتا ہے اور کمال غم ہوتا ہے اُس وقت ہمارا قلم نہیں رکتا اور زبان حال سے میو کا یہ شعر پڑھتا ہے۔

ضبط کروں میں کب تک آہ

چل رہے خامہ بسم اللہ

اور پھر کہتا ہے جو کہتا ہے اور لکھتا ہے جو لکھتا ہے +

## غیر مفید تعلیم

جو تعلیم کہ حسب احتیاج وقت نہ ہو وہ غیر مفید ہے۔ ایک قلعہ ساز آدمی کا قول ہے کہ اگر حسب احتیاج وقت لوگوں کی تعلیم و تربیت نہ ہو تو اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ اول مجلس اور مجلس اور پھر نالایق اور کاہل اور پھر ذلیل و خوار اور پھر چور و بد معاش ہو جاتے ہیں ۔

پچھلی حالت تو اب تک مسلمانوں کی نہیں پہنچی مگر اسی طرح زمانہ چلا گیا تو بہت جلد یہ نوبت بھی آجائے گی مگر اور سب باتیں تو فضل الہی سے ٹھیک ٹھیک پوری ہو گئی ہیں اب یہ بات دیکھنی چاہیے کہ یہ حالت مسلمانوں کی درحقیقت اسی سبب سے ہوئی یا نہیں منطقی کا اصلی سبب چیل ہے اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اس لیے کہ اُن سے نہ لوگوں کو کچھ فائدہ ہوتا ہے اور نہ وہ خود کچھ اپنا بھلا کر سکتے ہیں ۔

بالفضل جو علوم کہ مسلمانوں میں مروج ہیں وہ بلاشبہ غیر مفید ہیں اور حسب احتیاج وقت نہیں اور یہی باعث اُن کی غلطی اور محتاجی کا ہے چنانچہ ہم اُن علوم کا مختصر ذکر اس مقام پر کرتے ہیں ۔

علم حدیث - اہل مذہب کے لیے علم دین کی وقت غیر مفید نہیں ہو سکتا اس لیے کہ طوائف کی ذات کو ہر وقت اُس کی احتیاج ہے اُن اُس کے مفید یا غیر مفید ہونے سے اسوقت بحث کی جا سکتی جبکہ اُس کے فائدہ کا مستعدی کرنا یا غیر مذہب والوں کے حملہ سے اُس کی حفاظت منظور ہو مگر جو طریقہ تعلیم دینیات کا مسلمانوں میں بالفعل رائج ہے وہ ان دونوں پچھلی باتوں میں سے ایک کے لیے بھی مفید نہیں دینیاتی فلسفہ کا تو زمانہ جس کے مقابلہ کے لیے علم کلام نکلا تھا مگر جو اعتراضات تاریخی اور علمی مذہب اسلام پر زمانہ حال میں دلدل کیے جاتے ہیں اُن کا جواب تو دیکھنا شاید اُن کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ حال میں دینیات کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہے ۔

علم لسانی - اس علم سے سات علم تعلق ہیں - لغت - صرف - نحو - معانی - بیان - بديع - انشاء - یہ سب علوم اکثر زبان عربی اور کبھی زبان فارسی مسلمانوں میں پڑھائے جاتے ہیں مگر یہ سب علوم فی نفسہ کچھ علوم نہیں ہیں بلکہ حصول علم اور اُس کی تدوین اور اُس کے بیان

کے لیے آ رہے ہیں اگر علم انسان ذریعہ حصول علوم مفیدہ نہیں ہے تو محض مفیدہ ہے عربی زبان اس زمانہ میں سب سے علم دین کی شق اول کے اور کئی قسم کے مفیدہ علوم حاصل کرنے کے لیے ذریعہ نہیں ہے اور اس لیے سوائے ایک حالت کے اور تمام حالتوں میں وہ علوم محض غیر مفیدہ ہیں \*

**علم منطوق** - یہ بلاشبہ مفید ہے مگر فی نفسہ کچھ مفید نہیں بلکہ جب اور علوم مفیدہ کے شامل استمال کیا جاتا ہے جب مفید ہوتا ہے مگر مسلمانوں میں دو وجہ سے علم بھی غیر مفید ہو گیا ہے اول اس لیے کہ کسی علم مفید کی تعلیم ہی نہیں ہے جس کے ساتھ استمال میں آنے سے اس علم کو مفید قرار دیا جاوے دوسرے اس لیے کہ اس علم کے اصول نہایت مختصر ہیں جو بکاؤند میں مسلمانوں نے اسکو استفادہ غیر مفید طول یا ہے کہ ایک غیر تصور و تصدیق ہی کی بحث میں گذر جاتی ہے اور نہ کسی تصور ہوتا ہے نہ کسی کی تصدیق اور اس لیے اسکو خود غیر مفید کر دیا ہے

**علم طبعی الہی** - ایک فقرہ ایک لفظ ایک حرف اس علم کا اس زمانہ میں مفید نہیں نہ دین کے کام کا نہ دنیا کے بقول شخصے - نہ پسینے کا نہ پوتے کا \*

**علم حساب** - علم ہندسہ - یہ دونوں علم بلاشبہ نہایت مفید ہیں مسلمانوں ان کی تعلیم جس قدر مروج ہے وہ کچھ بھی مفید نہیں - بڑے سے بڑے عالم و جلیہ صر اور فرید الدہر جناب بولوی صاحب وقبر کو لے لو - تحصیل مکتبوں کا ہوشیار دکان دونوں علموں کو ان سے بہتر و مفید تر جانتا ہوگا پس جس مقدار سے کہ یہ علوم مسلمانوں میں مروج ہیں اور محل تقسیم تک خلاصہ الحساب پڑھ لینے اور تحریر تقلید سے کمال اول ختم کر لینے پر فضیلت کی گڑھی بندھاٹی جاتی ہے محض غیر مفید ہیں \*

**علم ہیئت** - ایک اصول اور ایک مسئلہ اس علم کا جو عربی زبان میں ہے صحیح نہیں - من اولہ الی آخر غلط اور خلاف واقع ہے پس جو چیز کہ غلط اور خلاف واقع ہے وہ کبھی مفید نہیں ہو سکتی پس شرح چمنی اور محیطی پڑھنے سے کیا نتیجہ مفید حاصل ہو سکتا ہے ہاں البتہ جمل مرکب ترقی پاتی جاتی ہے \*

**علم آلات** - ہم کہیں اس کا تذکرہ کرتے ہیں اس لیے کہ مسلمانوں میں مروج ہی نہیں مگر دیکھنا چاہیے کہ یہ علم مسلمانوں میں ہے بھی یا نہیں جب بہت تلاش کرتے ہیں تو بڑے سے بڑے عالموں کے کتب خانے میں چند ورق کا رسالہ حرثقل اور دیوانین صنم کا رسالہ عمل گزرا اور

میں باب کا رسالہ اسطراب پاتے ہیں اور جب آؤر زیادہ تلاش کرتے ہیں اور ملکوں ملکوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو ایک بڑی نام آور کتاب ”آلات رصدہ جندی“ پاتے ہیں مگر پھر جوچھتا پڑتا ہے کہ اسکو کوئی جانتا ہے تو اُس گھسیارہ کے منشی کی طرح جو دیکھتا ہے وہ روتا ہے بہر حال اگر اُن کو کوئی جاننے والا دیکھے بھی تو زائد حال کے آلات کے مقابل میں محض لغو اور بیہودہ اور خیر خفیہ خیال کرے ۛ

علم طب۔ اس علم کا پردہ نورت و حیات نے ڈھانک رکھا ہے۔ یعنی جتنے معالج ہیں اُن کے علاج سے لوگ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں مگر حسبِ زمانہ حال کی طب اور اُس کے لکھال اور اُس کی تحقیقات کا مقابلہ کیا جاوے تو ثابت ہوگا کہ علم طب جو مسلمانوں میں پانچ ہے اگر اس میں ترقی نہ کی جاوے تو اُس کی کامل فائدہ مندی نہیں ہے ۛ

اب مسلمانوں کے علوم کی ترقی ہوگئی اور بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اُن میں کوئی علم مفید مروج نہیں ہے اور یہی باعث اُن کی ذلت و سکت کا ہے پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ تعصب کو چھوڑیں اور بعد تحقیقات اور مباحثہ کے سلسلہ تعلیم مسلمانوں کا ایسا قیام کریں جو اُن کے دین و دنیا دونوں کے لیے مفید ہو ۛ

## ترک

اسلام کا نتیجہ نیک چلن ہونا ہے اگر ہم دیکھیں کہ کسی ملک کے مسلمانوں میں نیک چلنی نہیں ہے تو ہر کو یقین کرنا چاہیے کہ اسلام صرف اُن کے موذی ہی موذی ہے حلق کے نیچے ذرا بھی نہیں اُترا گوا انھوں نے اپنے میں کیا ہی جبہ اور عامر سے مقدس بنایا ہو اور نازیں پڑھ پڑھ کر اور تبسعیں ملا کر قدوس بتایا ہو ۛ

اسلام جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیاں تعلیم کرتا ہے۔ نہیں نہیں جس طرح کہ اخلاقی اور روحانی نیکیوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے اُسی طرح تمدن اور حسن معاشرت کی جو نیکیاں ہیں اُن کو بھی اپنے پیروں کے بتاؤ میں ایسا ملا جلا دیتا ہے کہ کسی طرح اُس سے الگ نہیں ہو سکتیں اور بطور فطرتی حادثوں کے دکھائی دیتی ہیں اور طبیعت ثانی ہونے سے بھی بڑھ کر اصلی طبیعت ہو جاتی ہیں ۛ

اخلاقی اور روحانی نتیجہ اُس کا خدا ہی کو ماننا اور اُسی پر بھروسہ رکھنا اور ہر حال میں اُسکی مرضی پر شاگرد ہونا اور تمام مصیبتوں پر نیک لی ہے صبر کرنا ہوتا ہے اور تمدنی نتیجہ اُس کا اپنے ہم جنسوں سے

محبت کرنا اور ہر ایک کے ساتھ نیکی اور سچائی اور پوری پوری صداقت سے پیش آنا ہوتا ہے۔  
 رحلی اور صدق تعالیٰ ہر بات میں سچ بولنا اسلام کا تائیل یعنی لقب ہے۔ دغا و فریب سے  
 بچنا اُس کی ڈگری یعنی اُس کا منصب ہے۔ اب دیکھو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کتنے ہیں  
 جن کا ایسا برتاؤ ہے +

افسوس کہ ہنسنے اپنی بد چلنی سے اسلام کو کیسا داغ لگایا ہے۔ شہادت زور گویا مجلس مالوں کا  
 پیشہ ہو گیا ہے۔ ہندوستان کی عدالتوں میں جس وقت ہندو گواہ آتے ہیں تو منصف جج کو گواہ مسلمان  
 ہی کہیں نہ ہو اس بات پر غور کرنی پڑتی ہے کہ آیا اُس کی شہادت سچ ہے یا نہیں مگر جس وقت  
 مسلمان گواہ آیا اور اُس نے اپنا نام بتایا اور جج کو ظن غالب اُس کے جھوٹے ہونے کا ہو گیا جب تک  
 کسی اور قریب سے اُس کے سچے ہونے کا گمان نہ ہو۔ مسلمان سودا بیچنے والے ہنسبت اقد قومیوں  
 کے بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور فریب کرتے ہیں کسی چیز کی اصلی قیمت ہرگز نہ کہیں گے اور ہر شے  
 اس بات پر قصد ہو گیا کہ مشتری سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ قیمت لی جاوے +

جب کہ ہم کسی قوم کے سودا گروں اور خوردہ فروشوں میں یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام اشیاء کی  
 ایک قیمت خاص میں ہے مگر یہ کہتے ہیں اور دہی لیتے ہیں تو ہم کو مسلمانوں کی خراب عادت یعنی  
 جھوٹ قیمت کہنے اور پھر چکاتے چکاتے نصف سے بھی بعض اوقات کم پڑ جھینے سے کیوں سرخ ہو  
 ہم کو بنگرہ اس بات کا خیال کریں کہ اسلام نے کچھ بھی اُن کے دلوں پر اثر نہیں کیا ہے +  
 اگر تمام دُنیا کے مسلمان ایسے ہی ہوتے تو بڑی شکل پیش آتی اس لیے کہ خود اسلام کی نسبت بہت کچھ  
 شے پڑتا مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ نورنگ کے مسلمانوں کا حال دیکھ کر یقین آتا ہے کہ اسلام  
 بلاشبہ روحانی اور اخلاقی اور تمدنی نیکیاں بخشنے والا ہے +

مشہور ان ریل سول صاحب نے ٹرکی کے حالات میں ایک تاریخ لکھی ہے اُس میں اُنھوں نے  
 جو کچھ حال ترکوں کا لکھا ہے اُس کا انتخاب اس تمام پر لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان اُسکو  
 دیکھ کر جرت اور غیرت پکڑیں +

دیکھتے ہیں کہ جس کسی نے ترکوں کے چال چلن کا حال لکھا ہے اُس نے ماں اور لڑکوں  
 کی محبت کا خود ذکر کیا ہے ماں کی شفقت اور لڑکوں کا احب یہ دونوں باتیں طبعین کی طرف سے  
 نہایت شکر اور امانت دہی ہیں ایسی کے ذریعہ سے عورتوں کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو فرنگستان  
 میں نہیں ہے چھوٹ کو خانہ داری میں بالکل اختیار ہوتا ہے ہم لڑکوں میں (یعنی اہل فرنگ میں)

اگر عورت تمام عمر اُس کے حامل کرنے کی کوشش و محنت کرے تو بھی وہ اختیار اسکو حاصل نہیں ہو سکتا +

وہ کہتے ہیں کہ کثرت از دواج ترکوں میں اسقدر زیادہ اور ایسی عام بلانہیں ہے جیسا کہ لوگ عموماً تصور کرتے ہیں +

اُن کا قول ہے کہ اسلام عورتوں کی طرف نہایت رحمدل ہے۔ قرآن میں صاف لکھا ہے کہ جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور خدا پر یقین رکھتا ہے مرد ہو یا عورت بہشت میں جاوے گا + وہ لکھتے ہیں کہ مس پارٹہ جو ششہ اعراس میں ترکی میں تھیں اور وہ ترکوں کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں ترکوں کے گھر کی چال چلن سے نہایت خوش تھیں اور ترکوں کی عورتوں کی نیکی اور پارہمانی کی تصدیق کرتی ہیں +

مسٹری ہوائیٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں امیروں کی عورتیں اپنے وقت کو اُسی طرح پر صرف کرتی ہیں جیسیکہ آؤر دارالریاست کی عورتیں۔ فرق یہ ہے کہ اُن کے خاندان میں اتفاق زیادہ ہوتا ہے۔ بڑے اپنے والدین کا ادب زیادہ کرتے ہیں اور بی بی شوہر کی زیادہ مطیع ہوتی ہے۔ عورتوں کا دل اور اصول چلن کا نہایت کم خراب ہوتا ہے۔ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کا بڑا دستور جاری نہیں ہے اور نہ کوئی قاعدہ کی بات ہے بلکہ ایسی حالت مستثنیٰ ہے۔ رزیل اور اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی شاذ و نادر ایسے لوگ ملینگے جنہوں نے دو عورتوں سے شادی کی ہو۔ نہایت درجہ کے امیر لوگوں میں بھی یہ دستور مستثنیٰ ہے +

مسٹر جان کارنی صاحب کیمبرج دالے یہ فرماتے ہیں کہ ترکوں کی عجیب ایما ندری کا کچھ ذکر کرنا عین انصاف ہے۔ جب کہیں گلیٹیا میں وارد ہوا تو میرا اسباب ایک مزدور نے اٹھا لیا اور ہم آگے بڑھے۔ جب ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں لوگوں کی بہت کثرت تھی تو وہ مزدور میری نظر سے غائب ہو گیا اور ہلک ایک قہوہ خانہ میں گئے۔ میں نے یہ خیال کیا کہ وہ مزدور میرا اسباب لیکر بھاگ گیا مگر سیوڈن کا رہنے والا کپتان جہاز کا جہ پکے بھی اس بند میں آیا تھا کہنے لگا کہ ایسے کام کرنا یہاں کوئی جانتا بھی نہیں۔ تھوڑے عرصہ میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ غریب مزدور اُسی بلڈ سے پیرا ہوا آتا ہے اور گھبرا ہوا ہر چار طرف دیکھتا آتا ہے۔ بازو میں اکثر دوکاندار سی دکھائی دے اسباب کو گھلا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ اندیشہ نہیں ہوتا۔ دین این میں کی شاذ و نادر قریب دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ترکی اپنی روم کی سلطنت کے مختلف حصہ میں میں نے سفر کیا



اور شانے سفر میں غریبوں کے جھونپڑوں اور امیروں کے مکانوں میں رہا مگر کبھی ایک غمزدہ کا بھی میر انقصان نہیں ہوا۔

یونانیوں نے جبکہ تریپوٹ زامقام کی ٹکی عورتوں پر ظلم کیا۔ امیروں کی عورتوں کو زلیقم کی عورتوں میں ملا دیا۔ اُن کے مردشتہ وارذبح کر ڈالے تاہم جس صبر و قناعت کے ساتھ اُن عورتوں نے اُس تکلیف کو گوارا کیا نہایت قابل تعریف کے ہے۔ خدایا شکایات یا مفیدہ افسر کبھی اُن کی زبان سے نہیں نکلا۔ وہ یہی کہتی تھیں کہ خدایا ہی مرضی ہے اور سب کچھ فیوں کو نہایت صبر و شکر سے گوارا کرتی تھیں۔ ترک مرد بھی سچ و تکلیف کو نہایت صبر سے برداشت کرتے ہیں۔ مگر ترک عورتیں تو گویا سچ و محنت کی برداشت کی روحیں ہیں۔

اس مقام پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے شریف خاندانوں کی عورتوں کا بھی حال لکھنا مناسب ہے بلاشبہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مسلمان شریف خاندانوں کی عورتیں جیسی نیک اور ایماندار اور خدا شاکر اور سچ و مصیبت میں صابر ہیں شاید تمام دنیا کی عورتوں سے سبقت رکھتی ہیں۔ خدایا عبادت اور دل کی نیکی اور بے انتہار حمدی۔ والدین کا ادب۔ شوہر کی محبت اور اطاعت۔ تمام رشتہ مندوں کی اُلفت اور سچ و راحت میں اُن کے ساتھ شرکت۔ اولاد کی پرورش و خانداری کا انتظام جس دل نیکی اور خالص ایمانداری سے وہ کرتی ہیں بیان سے باہر ہے۔ نہایت خوشی میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں کہ او خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہم کو یہ خوشی دی اور نہایت مصیبت میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں۔ اُن کی زبان پر یہ ایک شل ہے کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی کو نہ نکالیں تو کیا کریں۔ دیکھو بچے کو ماں ہی مارتی ہے پر بچہ ماں ہی ماں پکارتا ہے۔ جو جو مصیبتیں گھبراہٹ یا دوسرے ہندوستان کی مسلمان عورتوں پر اتفاقات زمانہ سے پڑیں اور جس صبر و شکر و قناعت اور استقلال اور خدا پر بھروسہ رکھنے میں اُنھوں نے اُسکو سہا حقیقت میں دنیا کی عجائبات میں سے ہے۔ ہماری رائے میں اسلام کی عزت جس قدر کہ ہندوستان میں رکھی ہے صرف مسلمان عورتوں نے رکھی ہے اور جب اُس کے ساتھ کافر مسلمان مردوں کا چال چلن جو اُن کے ساتھ ہے خیال کیا جاوے تو عورتوں کی نیکی ایسے درجہ پر پہنچ جاتی ہے جو حد بیان سے خارج ہے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ صرف زبان سے مسلمان مگنے اور ٹخنوں سے اُٹھنا یا جامہ اور بیچ کے گریبان کا ٹکڑا اور گول علامہ پہننے اور صرف ناز پڑھ کر

دل خوش کر لینے اور صرف دن بھر کا فائدہ کر کر شام کو لذیذ چیزوں اور نفیس شہرتوں سے افکار کر کے  
 ہی کو اسلام نہ سمجھیں بلکہ اُس کے ساتھ اُن تمام نیکیوں پر بھی خیال کریں جو اسلام کے نتیجے میں  
 اور جب تک کہ انسان کے افعال اور خواہش اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور معاشرت  
 میں اُن کا غور نہیں ہوتا اُس وقت تک ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام نے اُن میں  
 کچھ اثر کیا ہے +

گر مسلمان ہیں است کہ واعظ دارد  
 داسے گر در پس امروز بود فردا سے

## خدیو مصر کی مجلسِ را

جبکہ ہم یہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو غیر قوم کے اُن خیالات سے مطلع کریں  
 جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں تو ہر گز نہایت مشکل پیش آتی ہے اس لیے کہ  
 تربیت یافتہ قومیں جس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اُن سے ہمارے بھائی ہندو اہل نہیں ہیں اور  
 یہ بھی بڑے شکر کا مقام ہے کہ غیر قوم کے لوگ بھی بخوبی اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ ہر قوم  
 کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اگر واقف ہوتے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ وہ اور بھی کس قدر زیادہ  
 عقائد اور ذات کی نظر سے بہک رہے ہیں +

ہم لوگ روپیہ خرچ کرنے میں مہذب قوموں سے بہت زیادہ انصاف خرچ ہیں ہم کچھ روپیہ  
 خرچ کرنے میں دماغ نہیں کرتے ہمارے اخراجات زندگی بسر کرنے کے اُن مہذب قوموں کے  
 اخراجات سے کچھ کم نہیں ہیں مگر ہم ہندوستان کے کسی نواب یا راجہ یا مسلمان امیر یا مہتمم اہل  
 کے اخراجات کا تعین نہ کریں تو بلاشبہ مہذب قوم کے اُسی درجہ کے امیروں سے زیادہ نکلیں گے مگر  
 انہوں پر اتنا ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے مہذب قوم کے لوگ فرشتوں کی مانند صفائی  
 اور لطافت اور خوبی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہم مانند ایک پتیلے کچیلے جانور کی بریت لوگوں  
 کی یہ رائے ہے کہ یورپ کی قوموں کی طبیعت میں ایک قدرتی صفائی اور لطافت ہے اور ایشیا  
 کی قوموں کی طبیعتوں میں قدرتی کثافت اور غلاظت ہے یہ بھی ایک بدلے ہے کہ ایشیا کی قوموں  
 کی رسومات مذہبی ایسی ہیں جو انسان کی طبیعتوں کو کثافت کا عادی کر دیتی ہیں +

مگر یہ رائیں کسی طرح تسلیم نہیں ہو سکتیں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ انسان کے مذہب ہونے کے لیے آب و ہوا اور موقع ملک کو بہت بڑا دخل ہے مگر ایشیا کا ملک یا ہندوستان ایسا نہیں ہے جو وہاں کے باشندوں علی الخصوص مسلمانوں کو تہذیب میں ترقی کرنے کا مانع ہو۔ مذہب اسلام جبکہ وہ تعصبات اور توہمات سے جس نے ہندوستان میں اُسکو بہت اُفہ ملکوں کے بھی زیادہ گہر لیا ہے پاک صاف ہو تو وہ انسان کے مذہب ہونے کا خود ذریعہ ہے۔ چہ جائیکہ وہ باہج یا زاحم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تربیت اور عادت کو بہت بڑا دخل ہے ہماری تربیت ایسے ناقص طریق پر ہوئی ہے جس کے سبب سے ہماری طبیعتوں میں صفائی اور نفاست نہیں رہتی۔

ابراہیم پاشا خدیو مصر کا بڑا بیٹا جبکہ چھوٹا تھا تو اُس کے باپ اسماعیل پاشا خدیو مصر نے یہ تدبیر سوچی کہ اُس کی پرورش یورپ میں عورتوں کے ذریعہ سے ہو تاکہ اُسکو یورپ ہی سے صفائی اور مذہب قوموں کی مانند زندگی بسر کرنے کی عادت پڑے۔ حقیقت میں یہ تدبیر نہایت عمدہ اور نہایت دانشمندی کی تھی چنانچہ اُس نے لندن سے ایک عورت کو جس کا نام ایلینٹ تھا اس کام کے لیے نوکر رکھ کر لایا اور وہ چند مہینہ ابراہیم پاشا پر نوکر رہی جبکہ وہ اپنے ملک میں لوٹ گئی تو اُس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "مرد مفید" رکھا ہے یعنی مجلسائے کی رہنے والی ہیکیات کی زندگی بسر کرنے کا حال۔ ہم اُس کتاب سے بالفضل نصیحتیں ذیل مضمون منتخب کر رکھتے ہیں اور آئندہ اُن پر بھی لکھینگے اور یاد کرتے ہیں کہ اِن بات سے ہمارے بھائیوں کو غیر قوم کے خیالات کا کچھ حال جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں معلوم ہوگا۔

وہ لکھتی ہے کہ جب میں مجلسائے میں داخل ہوئی تو مجھ کو ایک کمرہ رہنے کو ملا مگر اُس کمرہ کا سامان ایسا خراب تھا جیسے دیکھ کر مجھے کمال نفرت ہوئی وہ کمرہ خود بھی نہایت چھوٹا اور خراب تھا اور کچھ بھی سامان اُس میں نہ تھا۔ ہمارے ملک (یعنی لندن) کی اشرافیہ بیویوں کے گھر جو عورتیں مزدوری کرنے کو آتی ہیں وہ بھی ایسے کمرہ میں دو رات بھی بسر نہ کریں گی۔ اُس کمرہ میں بیٹھنے کے لیے کوئی کرسی تھی اور نہ لکھنے کے لیے کوئی میز تھی اور نہ کپڑا پہننے کے لیے کوئی چلیں و جگرتی۔

مذکورہ بالا تحسیر سے یہ بات معلوم ہو گی کہ مذہب قوم کے لوگ کم دھرم کے بھی اپنے رہنے کے کمرہ میں کن چیزوں کو اشد ضروری سمجھتے ہیں اور لکھنے اور پڑھنے کے سامان نہ ہونے سے

کیسا تعجب کرتے ہیں ؟

وہ کہتی ہے کہ "اُس کمرہ کے پٹنگ کا بچھوٹا ایسا خراب اونٹ مثل تخت کے تھا کہ ہمارا وطن (یعنی انگلنڈ) میں اگر نہایت غریب گنوار کی چھوٹی سی جھونپڑی میں بھی ایسا بستر ہوتا تو اُس جھونپڑی کی بے عزتی ہوتی۔" منجہ کو اپنے وطن کے گھر کا خیال آتا اور غریب مصر کے محل میں آنے کا نہایت ہی افسوس ہوتا۔ ہر دم یہی کہتی تھی کہ اگر نہ آتی تو بہتر ہوتا۔

اُس کمرہ میں نہ تو کوئی سنگا ریز تھی اور نہ اُن لوازمات ضروری ہیں سے کوئی چیز تھی جو عورتوں کی خواہش میں ہوئی چاہیے۔ پھول جانے کے لیے کوئی گلدان تک نہ تھا۔

مذکورہ بالا فقرہ سے تفاوت خیالات بخوبی واضح ہوتا ہے کہ مذہب قوم کے اونٹے لوگ بھی جن چیزوں کو ضروری سمجھتے ہیں ان کو اُن کا کبھی خیال ہی نہیں آتا۔

وہ کہتی ہے کہ "البتہ اُس کمرہ میں قالین بچھا ہوا تھا اور کھڑکی کے پاس شجر سے منڈ ہوئی ایک کوچ رکھی ہوئی تھی۔ نسب سے بڑی عجیب چیز جو اُس میں تھی وہ کپڑے رکھنے کی دھارا دار ماری فرانس کی بنی ہوئی تھی اور گویا یہ خاص خاطر داری کے لیے تھی کیونکہ موسم اور مہر کی عورتیں پہننے کے کپڑے بخاریوں میں رکھتی ہیں جو دیواروں میں مثل طاق کے بنتی ہیں"۔

وہ کہتی ہے کہ "سیکات کے بیٹھنے کے دو کمرے تھے اُن میں نہایت عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے مگر ہر باجائیداد پرچی کے مارے پڑے ہوئے تھے۔ سبب یہ تھا کہ بے تیزی سے لونڈیاں اُن قالینوں میں شعیں جلا کر لیٹے ہوئے ادھر ادھر پڑی پھرتی ہیں اور پرچی کی بوندیں قالین پر ٹپکتی جاتی ہیں اور وہی بچھا رہتا ہے۔ دیواروں کے پاس شجر کپڑے سے منڈھی ہوئی کوسٹیں بھی تھیں اور بیچ دیوار میں بہت بڑا آئینہ زمین سے چھت تک کا لگا ہوا تھا۔ چھت نقش و نگار سے آراستہ تھی۔ جیسے سنگ مرمر کی ایک ریز جبکہ پاؤں پر گھٹ کا کام تھا۔ کچی ہوئی تھی اور اُس کے چاروں پاؤں پر آٹھ آٹھ جتی کے چار بجار چاندی کے جن میں سرخ رنگ کی خانوسیں چڑھی ہوئی تھیں رکھے ہوئے تھے۔ تمام کان میں تصویر رکھی نہ تھی کچھ سامان بے ترتیب رکھا ہوا تھا اور بہت سی چیزیں ماں نہ تھیں جن کی حقیقت مکان کی آراستگی کے لیے ضرورت تھی۔ کافی رکھنے کی چھوٹی بقدر رکابی کے گول میزوں پر سینپ کی بچی کاری بہت خوبصورت تھی مگر جو کہ میری نظر میں اپنے وطن کے امیروں کے ڈائینگ روم کی جھاڑ

اور نجد کی سامان کی مائی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ سب چیزیں نہایت خیر معلوم ہوتی تھیں۔ عموماً  
مجلس رائے کا یہ حال تھا کہ کہیں کوئی چیز ہے اور کہیں نہیں ہے اور ایسا مکان معلوم ہوتا تھا  
کہ جیسا چاہیئے ویسا آراستہ نہیں ہوا۔

مجھے افسوس ہے کہ اعلیٰ لائٹ نے ہندوستان میں اگر کسی ہندوستان کے نواب یا راجہ  
کی نوکری نہیں کی اگر ہندوستان کی مجلس رائے کا حال دیکھتیں تو اور بھی زیادہ خوش ہوتیں۔  
یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس زمانہ سے جس کا حال اعلیٰ لائٹ نے لکھا ہے مصر اب بہت  
زیادہ ترقی پر ہے اور یورپ سے زیادہ اخلاط ہونے کے سبب تہذیب و شایستگی میں اُس  
بہت ترقی کی ہے۔

## مصلحان معاشرت مسلمانان

ہم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی طرز معاشرت و طرز تمدن  
میں ترقی کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے ہیں اُن کا  
کچھ مختصر حال لکھنا مسلمانوں کی واقفیت کے لئے بہتر ہو گا۔

## اول

### سلطان محمود خاں مرحوم سلطان بونہ

یہ بادشاہ سنہ ۱۸۰۷ء میں تخت پر بیٹھا اور سنہ ۱۸۳۷ء میں فوت ہوا۔  
ہماری رائے میں مسلمانوں میں سب سے اول یہ سلطان ہے جس نے مسلمانوں کے  
اخلاق اور طریق معاشرت میں تہذیب شروع کی۔ تنصیبات مذہبی کو جو حقیقت اخلاقِ محمدی  
کے برخلاف تھے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے تمام مختلف مذہب کی رعایا کو اجازت دی کہ طابق  
اپنے مذہب کے اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جہاں سکے ملک میں  
تھے مرمت کرا دی جبکہ اُس نے رفاہ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پانچ سو روپے ایک ٹرکی سکہ  
چاندی کا ہے) بانٹے تو کر یک اور ارمی چروں کو بھی برابر حصہ دیا۔  
اپنے ملک میں اسکول مفت کئے اور کل مذہب کے لوگوں یہودی عیسائی مسلمان سب کو

برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی ۔

سیتل کی بیاری موقوف ہونے کے لئے ٹیکا لگانے کا نہایت خوبی سے رواج یا شفا خانے  
مقرر کیے جس میں فریخ ڈاکٹر کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر ڈوس گاہر صاحب لکچر دیا کرتے تھے اور اطلالی  
حکیموں کو حکم تھا کہ وہ بھی اُن کا لکچر سننے کو حاضر ہوا کریں ۔

۱۸۳۱ء میں اس سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلاف شرع جاری تھا موقوف  
کر دیا اور تمام گاہکے جو بطور غلامی پڑے گئے تھے چھوڑ دیا اور غلام آزاد کر دیئے کیونکہ توکل علی  
کے احکام کے مطابق اور خصوصاً آیت انما المومنون اخوة فاصالحو ابین اخیکم  
اور آیت فاما مناجہد و اما فدا کے حکم کے مطابق کوئی شخص کسی کا غلام نہیں  
ہو سکتا ۔

اسی بادشاہ کے عہد میں کی زبان میں اخبار شروع ہوا اور پانچویں نومبر ۱۸۳۱ء کو پہلا  
اخبار چھپا جس کا نام تقویر وقایع رکھا گیا تھا ۔

ترک ایسے جاہل اور بجا تعصب مذہبی ہیں جتنا تھے کہ علم تشریح انسان سمجھنے کو بھی تصویر کا  
بنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ سلطان نے خود اپنی تصویر بنوائی اور سر جہی اسکول قائم کیا جو دوسری  
جنوری ۱۸۳۲ء کو کھولا گیا تھا اور حکم دیا کہ کتب تشریح موصوفہ تصنیف کی جاویں اور چھاپی  
جاویں اور پڑھائی جاویں ۔

اس سلطان نے ترکوں کا لباس اور طریق زندگی درست کرنے میں بڑی کوشش کی وہ  
خوب جانتا تھا کہ مذہب قوموں کے سامنے عزت حاصل کرنی اور حقارت سے نکلنا اور برابر  
کی کلمات اور دوستی رکھنی بغیر اس کے کہ لباس اور طریقہ زندگی درست کیا جاوے بالکل  
ناممکن ہے ۔

اس نے دفعتاً اپنی سپاہ کی وردی ٹل ای اور بالکل انگریزوں کی ہی کر دی صرف ٹوپی کا  
فرق تھا۔ ڈاکٹر وائس صاحب کہتے ہیں کہ ترکی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلی چیز جو میں نے دیکھی  
اور جس نے مجھ کو حیران کر دیا وہ تعلیم یافتہ اور خوبصورت وردی پہنی ہوئی شکل سپاہیوں  
کی تھی اور فسر فوج کے وائنگٹن کوٹ اور پتلون اور بوٹ پہنے ہوئے تھے ۔

اس سلطان نے خود بھی ترکی لباس اور دسترخوان پر یا پائیدار خان پر کھانا رکھوا دیا تھا  
کھانا ترک کر دیا اور لباس میں کوٹ پتلون اور سرخ ٹوپی جو فیس کمالاتی ہے پہننی شروع کی ۔

میز و کرسی پر چمچ اور چھری اور کانٹے سے کھانا شروع کیا اکثر دیش صاحب نے سلطان محمود کو دیکھا تھا کہ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان کی یورپین پوشاک اور یورپین طریقہ تناول طعام اور خوبی اوصاف اور شائستگی عادات میں آذربائیجان کی قدیم جمالت اور ناشائستگی میں آسان و زمین کا فرق ہے ۛ

اس بادشاہ نے جو نصیحت اور تدبیر مملکت اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑی تھی وہ یہ ہے کہ سب کو برابر پناہ اور حقوق ہوں مسلمان بھانے جاویں اور لوگوں سے مرفہ مسجدوں میں اور عیسائی صرف گرجاؤں میں اور یہودی صرف سنیکا میں ۛ

یہ تھے اصلی اصول اسلام کے جس پر سلطان محمود نے عمل کرنا شروع کیا تھا اور ہم ہندو کے حالموں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سلطان نے یہ سب کام علماء پر پایہ تخت کے فتوؤں سے کیئے تھے مگر وہ لوگ ہندوستان کے لوگوں کی طرح جاہل اور متعصب نہ تھے اس سلطان کی پورے قد کی تصویر میں نے وائسٹل کے بلیس میں دیکھی تھی جو سپرین دارالسلطنت فرانس میں ہے اسکو یورپین لباس اور سرخ ٹوپی نہایت ہی سوا آتی تھی۔ خدا اس پر رحمت کرے کہ اس نے مسلمانوں کو مذہب و شاہ رستہ بنانے کے لیے سب سے اول کوشش کی ۛ

## دوم

### سلطان عبد المجید خان مرحوم سلطان روم

یہ سلطان پہلی جولائی ۱۸۳۹ء کو تخت پر بیٹھا اور ۱۸۶۱ء میں فوت ہوا ۛ اس سلطان نے بالکل سلطان محمود کے طریقہ کی پیروی کی۔ بالکل یورپین کوٹ و پتلون اور تمام یورپین لباس پہنتا تھا صرف ٹوپی سرخ ترکی کی ہوتی تھی۔ مینہ پر چھری کانٹے چمچے سے کھانا کھاتا تھا اور تمام تعصبات کو جو مذہب اسلام کی رُو سے لوتے تھے چھوڑ دیا تھا اور روز بروز عیسائی قوموں سے محبت اور دوستی بڑھاتا جاتا تھا ۛ

سب سے اول در عہدہ کام جو اس بادشاہ سے بن آیا اور جس کے سبب مسلمان ہمیشہ اس کے احسان مند رہیں گے تمام یورپ کی اعلیٰ سلطنتوں سے اور خصوصاً انگریزوں سے نہیں محبت اور اخلاص پیدا کرنا تھا جس کے سبب سلطنت روم کی منجر یورپ کی سلطنتوں کے شاہی ہوئی

اور جو محمد نامہ شہداء میں یورپ کی سلطنتوں میں ہو اُس محمد نامہ میں یہ مسلمان سلطنت بھی شامل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کریمیا کی لڑائی میں جو اس بادشاہ سے اور روسیوں سے ہوئی تھی انگریز اور فرینچ نے سلطان کی مدد کی اور اس مسلمان سلطنت کو بچا لیا اور نواح دنیا میں مسلمان سلطنت کا نام بھی نہ ہوتا پس حقیقت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر انگریزوں اور فرینچوں کا مگر با تخصیص انگریزوں کا اس قدر احسان ہے کہ جب تک مسلمان سلطنت قائم ہے بلکہ جب تک مسلمان دنیا میں ہیں اُس کے شکر اور مراسم احسانندی کو ادا اور نہیں کیے گئے۔ سلطان کی خوش قسمتی سے سلطان کو ایک نہایت لایق اور جامع مجمع صفات و زینتہ آیا تھا جس کا نام مرشد پاشا تھا۔ اگر ہم سلطان عبدالحمید خاں کے ادب کا پاس نہ کرتے تو ان لوگوں کی فہرست میں جنہوں نے مسلمانوں کے حالات معاشرت میں اصلاح و ترقی کی سلطان محمود خاں کے بعد مرشد پاشا کا نام نامی اور لقب گرامی لکھتے۔ اُس نے ترکوں کے تمام لوگوں اور بیہودہ تعصبات کو جن کو انھوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا اور جو دراصل مذہب اسلام کے کچھ علاوہ نہیں رکھتے تھے اور جو حقیقت مسلمانوں کے تربیت یافتہ اور مہذب ہونے کے مانع تھے پر غلبی غور کیا اور قرآن مجید کے استدلال و سند سے اور نہ زبرد و عمر و کی تعلیم سے ان تمام تعصبات کی تردید کی اور یورپ کے طریقوں کے اختیار کرنے کا جواز لکھا اور سلطان عبدالحمید خاں نے اُسکو پسند کیا اور تمام علماء اور مسلمانوں میں اور تمام رعایا میں اُس کے مشہر کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام تحریر بطور فرمان لکھی گئی جو شکی زبان میں "ہت شریف" کے نام سے ملقب ہے۔

۳۔ نومبر ۱۸۵۷ء کو ایک بہت بڑے عالی شان مکان میں خود سلطان اور اُس کے تمام وزراء اور علماء اور سول و فوج کے افسر اور تمام سلطنتوں کے سفیر جو آئنا سٹر کھلاتے ہیں اور شیخ و مشائخ کبار اور ہر درجہ کے عالم اور گریک اور ایٹنی چرچ کے بپ جو پیشہ یارک کھلاتے ہیں اور علماء دیہود جو بی کھلاتے ہیں اور تمام اہل حل و عقد جمع ہوئے اور مرشد پاشا نے وہ بہت شریف پڑھا اور سب نے آمنا و صدقہ لکھا۔ یہ دن سلطان عبدالحمید خاں کی سلطنت میں ایسا مبارک دن تھا جس پر سے نہر عید قربان ہونی چاہئیں۔ یہ دن نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی قوم کی جان تھا اور حقیقت میں مرشد پاشا مسلمانوں کی قوم کی زندگی کا سبب تھا۔ خدا اُس پر رحمت کرے۔



سُلطان عبدالعزیز نے جو اس زور شور سے مسلمانوں کے حالات کی بہتری چاہی تھی ان کے لغو تعصبات کو جو غلط دینداری کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے دفعتاً توڑ دیا تو عام جاہل لوگوں اور ان کٹ ماؤں نے جن کی مثال یہی تھی کہ چار پائے بروکتا بے چند۔ انھوں نے بہت غل جپایا اور عوام میں ایک ناراضی پیدا ہوئی اور اسکو کر شان کہنے لگے۔ مگر جب رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ سلطان نے کیا کچھ بھلائی اور بہتری اسلام کی اور مسلمانوں کے ساتھ کی ہے تو سب لگ لگ کر سلطان کو چاہنے لگے۔

ایک موقع لکھتا ہے کہ ایک فور سلطان کوٹ پکن پھنسے ہوئے اور لال ٹرکی ٹولی اور جوئے گھوڑے پر سوار ناز کے لیے بائیند کی مسجد کو جانا تھا راستہ میں عورتوں کے غم نے بادشاہ کو گھیر لیا اور دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپس میں کہنے لگیں کہ کیا ہمارا بیٹا بچہ نہیں ہے۔ اب اس بات سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سلطان کو کس قدر لوگ عزیز سمجھنے لگے تھے۔

اس سلطان نے اپنی سلطنت میں نہایت عمدہ کام کیے۔ انگریزوں اور فرنگیوں سے نہایت استحکام اور سچائی سے دوستی قائم کی۔ عدالتوں کے لیے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قائم کیا۔ لشکر اے میں پبلک انٹرکشن کی کونسل بنائی۔ نئی نئی درشی قائم کی۔ تارل اسکول قائم کیے اور اُس کے وقت میں تہی ترقی ہوئی کہ قسطنطنیہ میں تیرا جہا فرنگی اور ٹرکی اور گریک زبان میں چھپنے لگے تھے۔

ماشر الی سینی صاحب ایک فرنگی مؤرخ نے اس سلطان کے زمانہ کے حال میں لکھا ہے کہ ترک نہایت بہادر اور ذہین آدمی ہیں اور نہایت ایماندار مسلمان جو نہایت عجیب طرز پر اپنے مذہب کے ذریعہ سے اپنے چال ملین درست کرنے پر متوجہ ہیں۔

## سوم

### سُلطان عبدالعزیز خان سلطان روم

یہ اس عہد کا بادشاہ ہے جس کی ذات مبارک سے روم کا تخت سلطنت مزین ہے خدا اسکو اور اُس کی سلطنت کو سلامت رکھے یہ سلطان بھلائی ہے سلطان عبدالعزیز خان کا

سلاطین میں اپنے بھائی کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا +

اس سلطان نے سب سے زیادہ مسلمانوں میں تربیت و شایستگی پھیلانے میں قدم بڑھایا ہے اور انگریزوں اور فرینچ اور اسٹریا سے اور بھی زیادہ دوستی و اخلاص پیدا کیا ہے + لباس میں اور طریقہ زندگی میں اپنے سابقین کی صرف پیروی ہی نہیں کی بلکہ روز بروز اُس میں ترقی کرتا گیا۔ سب سے اہم سبب دوستی اور محبت کا جو اُس نے فرینچ اور انگریزوں سے پیدا کیا ہے ششہ و عین بخوبی ثبوت ہو گیا جب کہ سلطان پیرس اور السلطنت فرانس میں بطور مہمان کے آیا اور امپریز نیپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہا اور وہاں کی سیروساحت کر کر لندن میں صرف دوستی اور اخلاص کے سبب ملکہ مغرور و کٹویا دام طلبہ سے ملاقات کرتا اور کھانوں اور دعوتوں اور جلسوں میں شریک رہا +

سب سے زیادہ عزت جو سلطان نے لندن میں کمائی بلکہ مسلمانوں کی قوم کو ملکر ان کے اخلاق مذہبی کو دسی وہ صرف یاد رکھنا اُس احسان کا تھا جو لارڈ پالمرسٹن نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کو مدد دینے سے کیا تھا وہ عالی ہمت فیاض لارڈ جو زمانہ جنگ کریمیا میں وزیر عظم سلطنت ملکہ مغرور و کٹویا کا تھا مگر کیا تھا مگر ان کی بی بی لیڈی پالمرسٹن زندہ تھی سلطان خود لیڈی پالمرسٹن کے پاس اُن کے شوہر عالی قار کا شکر ادا کرنے گیا اور جتنی بڑی عزت کا یہ کام سلطان سے چاہا شاید آئندہ تمام عمر اس کا یاد دوسرا کام کرنا نصیب نہیں ہونے کا +

اس مقام پر ہم ہندوستان کے مسلمانوں سے سرسٹافورڈ تارنہ کوٹ اُس زمانہ کے سکریٹ آف ہسٹریٹ فار انڈیا یعنی وزیر ہندوستان کے اُس احسان کا ضرور ذکر کر چکے کہ جب سلطان لندن میں تشریف رکھتے تھے تو انھوں نے ہندوستان کی طرف سے سلطان کو انڈیا آفس میں بلایا اور ہماری طرف سے دعوت کی۔ جب میں لندن میں گیا تھا تو میں نے انڈیا آفس کے اُس خوبصورت بڑے مال کو جس میں ہماری طرف سے سلطان کی دعوت ہوئی تھی دیکھا تھا + سرسٹافورڈ تارنہ کوٹ کا بہت بہت شکر کیا تھا +

پھر اُسی دوستی اور اخلاص کا استحکام ششہ و عین اور زیادہ روشن ہوا کہ پرنس آف ویلز اور پرنس آف ویلز یعنی ولیم ملکہ مغرور اور ولیم ملکہ قسطنطنیہ میں سلطان کے ہاں مہمان تشریف لے گئے اور باہم دوستی اور محبت سے جلسوں اور دعوتوں میں شریک رہے +

اُس کے بعد امپریٹ فرانس یعنی فرانس کے بادشاہ بیگم سلطان کے ہاں مہمان تشریف

لیکھیں اور اسی طرح کھانے اور پینے اور دعوتوں کے طے رہے ۔

پھر امپریز جوزف یعنی شہنشاہ اسٹریا سلطان کے ہاں مہمان تشریف لیکئے اور جو مسلمان کے ملک کی اور اسٹریا کی حد بالکل پیوستہ ہے اور جارحانہ ہے اس لئے سلطان نے حق ہمت کو جس کا ادب بموجب مذہب اسلام زیادہ تر ہے زیادہ عزیز سمجھا اور حاصل اسی محل میں جس میں خود رہتا تھا اپنے ساتھ شہنشاہ اسٹریا کو آتا رہا۔ دن رات باہم محبت رہی۔ کھانے پینے میں شریک رہے۔ سب ایک میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے صرف سلطان کا ناز پڑھنا اور شہنشاہ اسٹریا کا مہرچ میں جانا مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا اور اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا ۔

ترکیہ اور ارمینی چرچوں کے لئے بشب اور پیٹریارک اسی طرح سلطان مقرر کرتا ہے جس طرح کہ اگر خود ارمینی مذہبوں کا کوئی بادشاہ ہوتا اور وہ مقرر کرتا اُس کے ہاں تمام عہدہ دہاٹے سے اٹھتے ہی بلحاظ مذہب کے عہدوں پر مقرر ہیں اور آپس میں ایسا اطمینان اور اتحاد ہے کہ سفارت کے عہدوں تک جس میں خیردوں رانکی باتیں ہوتی ہیں عیسائی اور مسلمان سب مقرر ہیں۔ یہ کیسی عمدہ اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمان سلطان کی طرف سے دربار حضور ملک معظم میں جو سب سے بڑا دربار ہے اور سلطان کو سب سے زیادہ تعلق اور غرض اُس عالی شان دربار سے ہے موزر پاشا جو ترکیہ ہے انبا سترینی سفیر مقرر ہے ۔

ترکوں کی تربیت اور شایستگی اور تہذیب کا اب یہ حال ہے کہ ان کا تمام لباس کوٹ و پتلون اور قمیص و اسکٹ بالکل یورپ کی مانند ہے ایک قسم کا فوٹاکوٹ ہے جو وہ استعمال کرتے ہیں اور تمام اُمر اور شریف لوگوں کا یہی لباس ہے صرف ترکی ٹوپی جدا ہے سب نے نہیں پر کا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے نیز وکرسی پر بیٹھتے ہیں۔ نیز پر چھری کانٹوں سے کھانا کھاتے ہیں ان کے مکان کی آرائشگی اور طریقہ زندگی بالکل یورپین کا سا ہو گیا ہے ۔

علی پاشا وزیر سلطنت نہایت عمدہ انگریزی پڑھا ہوا ہے لندن میں اُس نے تعلیم پائی ترکوں کا لباس نہایت عمدہ اور خوبصورت ہو گیا ہے۔ خوش وضع پتلونیں اور پاتوں میں سیاہ نفیس انگریزی بوٹ اور سیاہ سیاہ نفیس بات کے کوٹ اور سر پر بال ٹوپی جو نفیس کہلاتی ہے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ صحتی اور نفاست اور آرائشگی مکانات بالکل یورپ کی مانند ہے۔ جب لوگ اپنی ہمسایہ قومیں فرنج اور انگریزوں میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ہجولی معلوم ہوتے ہیں اور امید ہے کہ مضربہ آند زیادہ مہذب ہوتے جاویں گے۔ پس ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی یہی چاہئے

ہر ایک اپنے تصنیفات اور خیالات عام کو چھوڑیں اور تربیت اور شائستگی میں قدم بڑھائیں +

## ترقی علوم

مسلمانوں میں ترقی علوم کی ایک عجیب سلسلہ ہوئی ہے۔ سب سے اول بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی کہ انھوں نے زید ابن ثابت کو تعین کیا کہ قرآن مجید کو اول سے آخر تک یکجا جمع کر کر بطور ایک کتاب لکھ دیں چنانچہ انھوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے +

دوسری فوج مسلمانوں کے علوم کو اُس وقت ترقی ہوئی جبکہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ اول اول لوگ سکھ بڑھانتے تھے (اور شاید اُن کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری فوجی سب نے اُس کی ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے +

اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے اول کس نے اس کام کو شروع کیا بعض کہتے ہیں کہ سب سے اول امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج بھری نے جنہوں نے شہرہ جبری میں ناث پائی کتاب تصنیف کی اور بعض کہتے ہیں کہ ابو نصر سعید ابن عروہ نے جنہوں نے شہرہ جبری میں اتعال کیا کتاب تصنیف کی اور بعض کہتے ہیں کہ ربیع ابن معج نے جو شہرہ جبری میں مرگئے سب سے اول کتاب لکھی اور اسی زمانہ کے قریب ہی سفیان بن عیینہ اور مالک ابن انس کی تصنیفات مدینہ میں اور عبداللہ ابن مہب کی تصنیفات مصر میں اور حماد اور عبدالرزاق کی تصنیفات یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد بن فضیل ابن غزوہ ان کی توفیق میں اور حماد ابن سلمہ اور روح ابن عبادہ کی بصرہ میں اور ہشیم واسطہ اور عبداللہ ابن مبارک کی خراسان میں شائع ہوئیں +

تیسری فوج مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی کہ بعض لوگوں نے عقاید مذہبی میں اختلاف کیا اور فرقہ وادہ اور کاشیہ ہو اور علم کلام میں کتابیں تصنیف ہونی شروع ہوئیں پھر اسی علم کلام کو آہ نہ ترقی ہو گئی جبکہ تدریس مسائل فلسفہ یونانیہ بھی جو عقاید اسلام کے برخلاف تھے اس میں شامل کیے گئے۔ سب سے اول اس علم میں حادث حماسی نے کتاب تصنیف کی جو حضرت امام احمد منبیل کا مہر تھا۔ اول اول علماء اور اقطار اس علم کو نہ نقد و

سمجھتے تھے پھر رفتہ رفتہ اکی ایسی ضرورت معلوم ہوئی کہ فرض کفایت تک نوبت پہنچ گئی ۔  
چوتھی دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی خلفاء عباسیہ کے عہد میں ہوئی کہ یونانیوں کے  
علوم یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے اور مسلمانوں میں پراچ ہوئے ۔ اول قول ان  
علوم کے پڑھنے والوں پر بھی کفر و اتداد کے فتوے ہوئے مگر چند روز بعد یہی علوم فضیلت  
و کمال قرار پائے ۔

پانچویں دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اُس وقت ہوئی جبکہ مسلمان عالموں نے معقول  
منقول کی تطبیق کو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اس کے انسان کا ایمان  
کامل نہیں ہو سکتا ۔

اس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کیا ۔ اُن کی کتاب  
احیاء العلوم کو یا حشر ابن بن کا ہے ۔ اگرچہ ابتداء میں امام غزالی کی نسبت بھی کفر کے  
فتوے ہوئے اور اُن کی کتاب کے جلا سینے کے اشتہار کیے گئے مگر آخر کو حجت الاسلام اُن کا  
لقب ہوا اور اُن کی کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا ۔

اُس کے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ  
صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ ہوئے اور کتاب حجتہ اللہ البالغہ لکھی جو بلحاظ اس زمانہ کے  
درحقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب تھی ۔

مگر اب یہ تمام وقت جن کی کہانی ہم نے بیان کی گذر گئی اور اب بڑی ضرورت ہے کہ مسلمانوں  
میں دو طرح پر علوم کی ترقی ہو ۔

اول جس طرح کہ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت ہم مسلمانوں نے حاصل کی تھی اب فلسفہ و  
حکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقی کریں کیونکہ علوم یونانیہ کی غلطی اب علانیہ ظاہر ہو گئی ہے  
اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور مستحکم بنیاد پر قائم ہوئے ہیں ۔

دوسرے یہ کہ جس طرح علماء سابق نے معقول یونانیہ اور منقول اسلامیہ کی مطابقت میں  
کوشش کی تھی اسی طرح حال کے معقول جدیدہ اور منقول اسلامیہ قدیمہ کی تطبیق میں کوشش  
کیا ہوئے تاکہ جو نتائج ہم کو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اب بھی حاصل ہوں ۔

اس کام کے کرنے میں بلاشبہ بہت سے نادان بُراکین گئے اور زبان طعنہ دار لڑکے گئے مگر ہر کو اپنے  
کچھ خیال کرنا نہیں چاہتے کیونکہ جن گئے لوگوں نے ایسا کیا تھا ان کا بھی یہی حال ہوا تھا مگر آخر کو

سب لوگ اُسی کی قدر کرینگے +

## علوم جدیدہ

ہماری تحریر میں اکثر لفظ "علوم جدیدہ" آتا ہے۔ غالباً اس کی مراد میں لوگوں کو شبہ رہتا ہوگا اس لیے اُس کی تفسیر کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے +

واضح ہو کہ علوم جدیدہ سے تین قسم کے علوم مراد ہیں ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زماں میں مطلق نہ تھے اور اب حال میں ایجاد ہوئے ہیں۔ مثلاً جیالوجی اور ایکٹرسٹی وغیرہ دوسرے وہ علوم جن کا نام تو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ میں تھا مگر جن اصول پر وہ علوم مبنی تھے وہ اصول غلط ثابت ہو کر متروک ہو گئے اور اب نئے اصول قائم ہوئے جنکو اصول قدیمہ سے کچھ مناسبت نہیں اور بجز اتنا نام کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ مثلاً علم ہیئت اور کسٹری وغیرہ۔ تیسرے وہ علوم جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں بھی تھے اور اُن کے اصولوں میں بھی کچھ اختلاف نہیں ہوا مگر اب اُن کو کمال وسعت ہو گئی ہے کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکینکس یعنی علم آلات جو ہمارے ماں بلفظ علم جو ثقیل متعلیٰ ہے اور علم حساب جو بمقابلہ علم ہندسہ وغیرہ۔ پس ہم اپنے ناظرین پرچہ ہذا سے امید رکھتے ہیں کہ وہ جہاں ہماری تحریر میں علوم جدیدہ کا لفظ دیکھیں اُس سے ہماری مراد ان تینوں قسموں سے کسی قسم کو یا کل کو مجبوراً و مفروضاً تصور فرمائیں +

## مقاصد تہذیب الاخلاق

ہمارے اس پرچہ کی غرض اس کی جوئی اور تربیث مضمونوں میں چھپے آئب ہو سوجنا چاہیے کہ ہکو اس سے قومی تہذیب و قومی ترقی حاصل ہونے کی کیا توقع ہے +

انسان ایک ایسی ہستی ہے کہ آئندہ کی خبر اسکو نہیں ہو سکتی مگر گزشتہ زمانہ کے تجربہ سے آئندہ کی امیدوں کو خیال کر سکتا ہے۔ پس ہکو اس پرچہ کی بابت آئندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنے کے لیے پچھلے حالات اور واقعات پر نظر کرنی چاہیے +

جب ہم کچھ اور پچھلے ڈیڑھ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ لندن میں بھی

وہ زمانہ ایسا ہی تھا جیسا کہ بھارت ہندوستان میں ہے اور وہاں بھی اُس زمانہ میں اسی قسم کے پرچے جاری ہوئے تھے جن کے سبب تمام چیزوں میں تہذیب و شایستگی پیدا ہوئی تھی۔ پس اقل ہم اُن پرچوں کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور پھر اس پرچہ تہذیب و اخلاق کو اُن سے متاثر کرینگے اور پھر آئندہ کی حالت ہندوستان کا اُس پر قیاس کر کر اپنی قومی ترقی کی نسبت پیشین گوئی کریں گے۔

جب کہ یورپ میں باہمی ملکی ٹرائیوں کا زمانہ تھا تو بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اخبار کا چھپنا اور پھیلنا شروع ہو گیا تھا اور خاص لندن میں بھی اخبار چھپنے لگا تھا مگر اپنی قوم کی روزمرہ کی زندگی اور اُن کے مزاج اور عادت اور خصلت پر محنت چینی کرنے اور اُس میں سے بُرائیوں کے نکلنے اور عمدہ اور نیک خصلتوں کو ترقی دینے کا کسی کو کسی ملک میں خیال نہ تھا ناں البتہ فرینچ لوگوں نے اس کچھ خیال کیا تھا اور سولہویں صدی میں مانٹین صاحب نے جو ایک مشہور فرینچ عالم تھے خصلت و عادت پر کچھ مضمون چھپوائے تھے۔ اُس کے بعد آبروے صاحب نے جو ایک فرینچ عالم تھے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں چودھویں سوئی بادشاہ فرانس کے دربار کی بناوٹوں کو نہایت سلیقہ کی طعنہ زنی سے بیان کیا تھا لیکر کسی شخص کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی ایسا پرچہ یا رسالہ نکلے جو جلد بیک مناسب میاں پر چھپا کرے اور قومی برائیوں کو جتایا کرے اور لوگوں کو قومی بھلائی کی ترقی پر رغبت دلاتا ہے مگر خدا نے یہ کام لندن کے پیغمبر اور میگزین کے دیوانوں سر رچرڈ اسٹیل اور سٹرائسین کی قسمت میں لکھا تھا۔

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے سنہ ۱۷۸۵ء میں ایک پرچہ نکالا جس کا نام ٹیلر تھا اس کے پہلی ایڈیشن اسٹیل صاحب تھے مگر ڈیڑھ سال بعد دوسرے ایڈیشن آئے۔ یہ پرچہ پختہ میں تین دفعہ چھپتا تھا۔ پہلا پرچہ اس کا بارہویں اپریل سنہ ۱۷۸۶ء کو نکلا تھا۔

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے خود کہا ہے کہ اُن کی عرض اس پرچہ کے نکلنے سے یہ تھی کہ انسان کی زندگی جو بھولتی بناوٹوں سے عیب دار ہوتی ہے اُسے بے عیب کریں اور مکاری اور بھولتی شیخی کو مٹائیں اور بناوٹی پوشاک کو آئیں اور اپنی قوم کی پوشاک اور گفتگو اور برتاؤ میں عام سادہ پن پیدا کریں۔

اس پرچہ کے صرف دو سو اکتھتر (۲۵۸) نمبر چھپے چنانچہ اخیر پرچہ اسکا دوسری جنوری ۱۷۸۷ء کو چھپا اور پھر بند ہو گیا۔

اس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل اور سٹرائسین صاحب نے مل کر ایک اور پرچہ نکالا اور اُس کا نام

”اسپیکٹٹر“ رکھا تھا۔ یہ پرچہ ہر روز چھپتا تھا اور دُوبی دونوں صاحب اخیر تک اُس میں مضمون لکھا کرتے تھے۔ پہلا پرچہ اس کا یکم پانچ سالہ عرصہ چھپا تھا اور صرف تین سو پینتیس نمبر اس کے چھپے تھے۔

یہ پرچہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور صرف ٹیٹلر ہی کو اس نے نہیں بھلا دیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں جس قدر کتابیں اس قسم کی تصنیف ہوئی تھیں اُن سب پر فضیلت رکھتا تھا۔ عمدہ عمدہ اخلاق و آداب اس میں لکھے جاتے تھے۔ خوش آواز بکے ساتھ سلوک کرنے کے عمدہ قاعدے اُس میں بیان ہوتے تھے اس بات کا کہ انسان اپنی اُس قوت کو جس کا نام شوق ہے کس طرح دیکھ بجالا اور صحیح بھار کر کس بات میں صرف کرے نہایت عمدگی سے ذکر ہوتا تھا اور ہر ایک مضمون نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب غریب مذاق سے بھرا ہوا تھا۔

یہ پرچہ اس لیے بھی بے انتہا تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے طرزِ تحریر لوگوں کو سکھا دی اور لوگوں کی گفتگو کو جو بڑے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسموں سے خراب ہو رہی تھی درست کر دیا۔

ہر روز صبح کو یہ پرچہ نکلا کرتا تھا اور حاضری کھانے کے وقت تک لوگوں کے پاس آجاتا تھا۔ اور حاضری ہی کی میز پر لوگ اُس کو پڑھا کرتے تھے سارا عرصہ اس کا چھپنا سو قوف ہو گیا۔

اُس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل نے مشر اڈین صاحب کی مدد سے ایک اور پرچہ نکالا جس کا نام گارڈین تھا۔ یہ پرچہ بھی ہر روز چھپتا تھا اور صرف ایک سو پچتر نمبر اس کے نکلے تھے کہ بند ہو گیا۔

اس کے بعد اٹھارہویں صدی میں بہت سے پرچے اسی مقصد سے نکلے مگر اُن میں سے واحد اور ادنیٰ پنچہز اور ایڈلر اور ویرالڈ اور مہر اور لوچر نے کچھ شہرت پائی اور ان کے سوا اور کسی کو کچھ فروغ نہ ہوا۔

اِن پرچوں کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق اور عادات اور دینداری کو نہایت فائدہ پہنچا اور ہر ایک کے دل پر اُن کا اثر ہوا جس زمانہ میں کہ پہلے پہل ٹیٹلر نکلا ہے انگلستان کے لوگوں کی جمالت اور بد اخلاقی اور ناشائستگی نفرت کے قابل تھی و وہ خدا روگ کیا مرد و کیا عورت تحصیل علم سے نفرت رکھتے تھے اور علم پڑھنے کو خود روشی و بد فروشی کہتے تھے اور کمینوں کا



کام سمجھتے تھے۔ علم و ادب عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے شاد و نادر کہیں کہیں پایا جاتا تھا علم کا دعویٰ تو درکنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی۔ عورت کا پڑھا لکھا ہونا اُس کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا۔ اشرافوں کے جلسوں میں امورات سلطنت کی باتیں ہوتی تھیں اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی کیا کرتی تھیں قیسوں پر قیسیں کھانا اور خلاف تہذیب کے باتیں کرنا گویا ایک بڑی وضع داری بنی جاتی تھی۔ قمار بازی اور شراب خواری اور خانہ جنگی کی کچھ حد نہ تھی۔ چارلس دوم کے عہد میں جو غرائبیاں تھیں وہ شریف شریف اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی گویا عادت ہو گئی تھی۔ ہیلوں و ریچھوں کو کتوں سے پھڑکانا۔ لوگوں کو انعام دیکر لڑوانا اور خود ایسے تماشوں کو دیکھ کر خوش ہونا گویا ہر ایک امیر کے شوق کی بات تھی۔

ان تمام غرابیوں کی درستی میں اسٹیل اور اڈیسن نہایت ہی سرگرم تھے اور جس سرگرمی سے اُس میں مصروف ہوئے ویسی ہی کامیابی بھی اُس میں اُن کو ہوئی۔

اسپیکٹٹر میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ”میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان لٹکاؤں گا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملاؤں گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو اُس کے پڑھنے والے دونوں باتوں میں نصیحت پادیں اور تا وقتیکہ لوگ ان تمام غرابیوں سے جن میں اس زمانہ کے لوگ پڑے ہیں منجملہ جاویں ہر روز اُن کو نصیحت کی باتیں یاد دلانا رہوں گا کیونکہ جو دل ایک دن بھی بیکار پڑا رہتا ہے اُس میں بے شمار عجیب و غریب کڑے جاتے ہیں جس کے ریشے بہت ہی مشکل سے دور ہوتے ہیں۔ سقراط کی نسبت ایسا لگایا ہے کہ اُس نے فلسفہ کو آسمان سے اتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا ہی کہلانا چاہتا ہوں کہ میں نے فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھڑیوں میں سے نکالا اور جلسوں اور چار و چوہ پینے کی مجلسوں تک میں پھیلا دیا اور ہر ایک دل میں بسایا۔“

اسٹیل اور اڈیسن کی ایسی عمدہ تصویریں ہوتی تھیں کہ اُن کا اثر صرف مجلسوں کی تہذیب و زبان و گفتگو کی فحاشی تک ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس زمانہ کے مصنفوں پر بھی اُس کا نہایت عمدہ اثر ہوا تھا۔

ڈاکٹر دیرلیک صاحب کا قول ہے کہ عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اُسی وقت سے چھوڑے کہ ٹیٹر چیمپنا شروع ہوا اور اسپیکٹیر اور گارڈین نے اس شوق کو آگہ زیادہ بھڑکادیا۔ اُن چوں کی تاثیر صرف لمحہ و لمحہ کے لئے نہ تھی بلکہ انگلستان میں ہر فرقہ کے لوگوں میں نہایت مضبوطی سے

پھیل گئی تھی۔ ان پرچوں سے علم کو جفاۓدہ ہوا وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان پرچوں نے اول اول نہایت خوش اسلوبی سے گزشتہ و حال کے زمانہ کے عمدہ اور لائق مصنفوں کو بتلایا اور ان کی خوبیوں کی قدر کرنے کا شوق دلایا۔ مشہور ہے کہ ملٹن صاحب کی پاریدیزات لاسٹ کا جو نہایت عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے انہی پرچوں کی بدولت فروغ ہوا۔ ان پرچوں کے مذاقِ تحریر اور خیالات کے رنگ و حنک نے بڑی تحریروں کے اسباب کو بتا دیا اور محبوں کی عبارتِ آرائی اور لغو انشا پر لاری کو جو کسبیوں کے بناؤ سنگاس کی مانند تھی اور رنڈیوں کے سے طعنے پینے یا لونڈوں کی سی کالم کلام کو تحریروں میں سے بالکل دور کر دیا۔ اچھی و بُری تحریروں میں تمیز کرنا اور سنجیدہ اور متین و کمسنجیدہ اور اُور تحقیقات کا شوق پیدا کیا۔ ذہانت اور متانت دونوں کو برقی و می اور تحریر میں مناسبت اور تہذیب کا خیال لوگوں کے دل میں بٹھا دیا۔ ان باتوں سے ان پرچوں کے پڑھنے والے لائق اور عالم مصنفوں کی تصنیفوں سے حقا اٹھانے لگے اور تمیز کے ساتھ ان کی قدر کرنے لگے۔

اڈیس صاحب کی تحریروں سے با تخصیص طرز عبارت بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ صاف و شستہ و سلیس نہایت دلچسپ ہو گئی اور در حقیقت اڈیس صاحب کی تحریر سے انگریزی زبان کے علم انشا میں ایک انقلابِ عظیم واقع ہو گیا۔ باوجودیکہ زمانہ حال میں تحریروں کے عیب و ہنر کو لوگ خوب جانچتے ہیں اس پر بھی اڈیس صاحب کی تحریر پر بجز تعریف کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

علاوہ ان باتوں کے اسپیکٹیر کے پرچوں میں انسان کے خیالات کے مخرج اور اُرائے خیالات سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں ان کی تفریق نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بتلائی گئی اور اس سے نتیجہ یہ ہمارے شعاعوں کے خیالات اور اُرائے کے اشعاروں کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہو گئی۔ غم اور بے سرومضمون اشار میں سے خارج ہو گئے اور ان کی جگہ پُر تاثیر مضمونوں نے جگہ پائی۔ ہر ایک کو لائق اور قابل مصنفوں کی تحریروں کے جانچنے اور ان کی قدر کرنے اور ان سے مزا اٹھانے کی لیاقت پیدا ہو گئی اور رفتہ رفتہ تمام قوم عالم ادب محقق کے لقب کی مستحق ٹھہر گئی۔ اسپیکٹیر کے پڑھنے والوں کو علم انشا کی وہ خوبی جو اڈیس کے عین میں بھی معلوم ہوئی سب لوگ اُس کی تحریر کے کُلف و صفائی کی تعریف کرنے لگے اور سب لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریروں کے جانچنے کی جو علم انشا میں ناموری کے خواہاں

ہوتے تھے لیاقت حاصل ہو گئی ؟

ان پرچوں سے صرف علم ادب اور علم انشاء ہی ترقی نہیں ہوئی بلکہ اخلاق اور عادت اور صفت کو بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ نیکی کے برتاؤ میں جو خود انسان کی اپنی ذات سے اور اپنے خویش اور اقربا۔ دوست آشنا۔ یگانہ و بیگانہ سے علاقہ رکھتی ہے نہایت اعلیٰ درجہ کی تہذیب حاصل ہوئی اور خود تہذیب و شایستگی کو ایسی عمدہ معیت مل گئی جس کی آج تک کوئی نظیر نہیں۔ ملکی امور کی بحث و مباحثہ میں جو تیزی و عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے وہ تھوڑے سے عرصہ میں نہایت کم ہو گئی اور لیاقت کہ صرف بحث و مباحثہ میں صرف ہوتی تھی وہ خوشگوار پانی کی مانند خوبصورت نہروں میں بہنے لگی جنہوں نے اخلاق اور علم ادب کو سیراب کر کر لوگوں کے دلوں کے بُرے اور خراب جوش کو پاک صاف کر دیا ۔

ہندوستان میں ہماری قوم کا حال اُس زمانہ سے بھی زیادہ بدتر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چند اش شکل نہ تھی شکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل و کرب میں مبتلا ہے علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا یا ہے اور جس کے کبر اور غرور سے ہر ایک پھولا ہوا ہے دین و دنیا دونوں میں بکا راند نہیں۔ غلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کیے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر اُن پر فرضی بحثیں بڑھاتے جانا اور دوسری بات کو گو وہ کیسی ہی سچ اور واقعی کیوں نہ ہو نہ ماننا لفظی بحثوں پر علم و فضیلت کا دار مدار ہونا اُن کا نتیجہ ہے ۔

علم ادب و انشاء کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور ہون و اور قریب التلفظ کلموں کے ٹک ملانے اور دُور انداز کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ آمیز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے یہاں تک کہ دوستانہ خط و کتابت اور چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے رقوں میں بھی یہ سب برائیاں بھری ہوئی ہیں۔ کوئی خط یا تقریر ایسا نہ ہوگا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو حقیقت میں دل میں نہیں ہے مندرج نہ ہو۔ خطوط رسم کے پڑھنے سے مرکز تیز نہیں ہو سکتی کہ حقیقت میں اس خط کا لکھنے والا ایسا ہی ہمارا دوست ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے یا یہ صرف معمولی مضمون ہے جس کے لکھنے کا عموماً علاج چڑ گیا ہے پس ایسی طرز تحریر نے تخمیر کا اثر ہمارے دلوں سے کھو دیا ہے اور یہاں جمہوری اور نفاذی تحریر کا عادی کر دیا ہے ۔

فن شاعری جیسا ہمارے زمانہ میں خراب اور ناقص ہے اُس سے زیادہ کوئی چیز بُری نہ ہوگی

مضمون تو بجز عاشقانہ کے اور کچھ نہیں ہے وہ بھی نیک جذبات انسانی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اُن بد جذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ضد حقیقی تہذیب و اخلاق کے ہیں ۔

خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اُس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اُس انسانی جذبہ میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا ۔ شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور اُن کی قدرتی تحریک اور اُن کی حلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ و اشارہ یا تشبیہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے ۔ ملٹن کی پارڈیزات لاسٹ کچھ چیز نہیں ہے ۔ بجز اس کے کہ انسان کی طبیعت کی حالت کی تصویر ہے جس کا ہر شعر دل میں گھر کر جاتا ہے ۔ شکسپیر میں کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُس نے انسان کا نیچر یعنی قدرتی بناوٹ طبیعت کو بیان کیا ہے جو نہایت موثر انسان کی طبیعت پر ہے ۔

علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونے کا حق ہے ۔ اُس معصوم سیدھے سادے چمے اور نیک طبیعت والے غیر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سداھاوٹ و صفائی و بے تکلفی سے جاہل اُن پڑھادیہ نشین عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اُس میں وہ نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیٹیں گئیں اور وہ سائیل فلسفہ اور دلائل منطقہ طائی گئیں کہ اُس میں اُس صفائی اور سداھاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں ۔ یا بجز بوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و متہمہ حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی ۔

علم مجلس و اخلاق اور بڑاؤ دوستی کا ایک ایسے طریقہ پڑ گیا ہے جو اتفاق سے بھی بدتر ہے اخلاق صرف موعظہ پر مبنی مبنی باتیں بنانے اور اوپر ہی تپاک جتانے کا نام ہے ۔ آپس میں دشمنی ایسی محبت اور دل ہونسی کی باتیں کرتے ہیں کہ دیکھنے سننے والے اُن دونوں کو یک مغز و دو پوست سمجھتے ہیں مگر جب اُن کے دل کو دیکھو تو یک پوست و دو مغز سے زیادہ بے میل ہیں صرف مکاری اور ظاہر داری کا نام اخلاق رہ گیا ہے اور جیسا یانی اور دغا باز کی نام بھولاری و گستاخو پر خیال کرو تو عجب ہی تکلف دکھائی دیتا ہے اگرچہ اکثر لفظ تو نہیں ہوتے مگر ہزاروں اکثر مضمون زبان سے نکلتے ہیں ۔ نہایت مہذب اور معقول و ثقہ نیک و دیندار آدمی بچاچی گستاخو میں تہذیب و شائستگی کا مطلق خیال نہیں کرتے ۔ دوست کی بات کو جھوٹ کہہ دینا ۔ دوست کی نسبت جھوٹ کی نسبت کر دینا یہ تو ادنیٰ ادنیٰ روزمرہ کی بات ہے ۔ ایک نہایت نیک آدمی اپنے

بڑے مقدس دوست کے بیٹے سے عین حالت تپاک اور خوش اخلاقی اور جوش محبت کی باتوں میں کہہ رہا تھا کہ تمہارے باپ تو مجھوٹوں کے بادشاہ ہیں وہ تو دن رات سینکڑوں غمیں مانگ دیتے ہیں۔ ان کی بات پر کیا اعتبار ہے۔ پس افسوس ہے کہ خود اپنے پر کرہا سے ایسے دوست ہیں۔

اگر اشراف جوان دوستوں کی محفل میں جاؤ تو سنو کہ وہ آپس میں کیسی گالم گلوچ اور فحش باتیں ایک دوسرے کی نسبت کرتے ہیں۔ ایک نہایت معزز شریف خاندانی آدمی نے جو صاحب تصانیف ہیں اور اردو کے علم ادب میں شہور ہیں تیس منٹ مجھ سے دوستانہ گفتگو کی اور میں نے خوب خیال کر کرنا کہ ان کے موصوفے چھتیس لفظ گالیوں کے نکلے جس میں سے کچھ اپنی نسبت قصید اور کچھ اُس کتاب اور اُسکے مصنف کی نسبت جس کا ذکر تھا اور کچھ ادھر ادھر بیٹھنے والوں اور سننے والوں کی نسبت۔

امیروں کا حال دیکھو تو ان کو دنیا کی باتیں بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کبوتر لڑانے اور آدھریں تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا اور کچھ کام وہ دھندا نہیں۔ نیکی پر متوجہ ہوتے ہیں تو اسکو اتنا گھونٹتے ہیں کہ بد مزہ ہو جاتی ہے اور جب بدی پڑتے ہیں پھر تو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں۔

غرض کہ جو کچھ اُس بزم میں تو گستاخان ہیں تھا وہی کچھ بلکاس سے بھی زیادہ اب ہندوستان میں موجود ہے اور بلاشبہ ایک ٹیٹل اور اسپیکٹریٹر کی یہاں ضرورت تھی سو خدا کا شکر ہے کہ یہ پرچہ انہی کے قایم مقام مسلمانوں کے لیے ہندوستان میں جاری ہوا۔ مگر افسوس کہ یہاں کی اسٹیل اور اڈیس نہیں ہے۔

اسٹیل اور اڈیس کو اپنے زمانہ میں ایک بات کی بہت آسانی تھی کہ ان کی تحریر اور ان کے خیالات جہاں تک کہتے تہذیب شایستگی و حسن معاشرت پر محدود تھے۔ مذہبی مسائل کی چیخڑ چھاڑ میں کچھ نہیں تھی۔ ہم بھی مذہبی خیالات سے بہت بچنا چاہتے ہیں مگر ہمارے اُن تمام رسمیں اور عاداتیں مذہب سے ایسی مل گئی ہیں کہ بغیر مذہبی بحث کیے ایک قدم بھی تہذیب و شایستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے جس بات کو کہو کہ چھوڑ دو فوراً جو اب ملیگا کہ مذہباً ثواب ہے۔ اور جس بات کو کہو کہ سیکھو اسی وقت کوئی بدلے گا کہ مذہباً منع ہے۔ پس ہم مجبور ہیں کہ تہذیب و شایستگی اور حسن معاشرت سکھانے میں جو مذہبی پیشکشی پڑتی ہے۔

مذہبی بحث کا ایک عجیب سلسلہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر بحث کرنے سے بڑے بڑے مسائل اور اصول مذہب بحث میں آ جاتے ہیں اور اس لیے لاپرواہی سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول فقہ سے اور کبھی حدیث سے بحث کرنی ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث سے اور کبھی تفسیر سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول تفسیر سے۔ پس ہندوستان میں صرف شریل اور اڈیسن ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مقدس دھرم کی بھی بہت بڑی حاجت ہے +

اسٹیل اور اڈیسن کی خوش قسمتی تھی کہ ان کے زمانہ کے لوگ ان کی تحریروں کو پڑھتے تھے اور قدر کرتے تھے اور ہماری یہ بد نصیبی ہے کہ ہماری تحریروں کو مذہب کے برعکاس کہا جاتا ہے اور ان کا پڑھنا باعث عذاب سمجھا جاتا ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن اپنے ہر پرچہ کے شتہ ہونے کے بعد واہ واہ کی آواز سننے سے اپنی محنت و مشقت، فکر و خیال کی کلفت کو دور کرتے ہوں گے اور ہم اپنی تحریروں کے شتہ ہونے کے بعد بجز لعنت و ملامت سننے کے اور کسی بات کی توقع نہیں رکھتے ہیں۔ اسٹیل اور اڈیسن جن لوگوں کی بھلائی کرتے تھے ان سے بھلائی نہ تھی۔ ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں ان سے بُرائی پاتے ہیں۔ جن کے حق میں بھلائی ہے ان سے بُرائی سننے ہیں۔ اسٹیل اور اڈیسن کو ہزاروں دل اپنی طرف کر لینے کچھ مشکل نہ تھے اور ہکوا ایک دل بھی اپنی طرف کرنا نہایت مشکل ہے۔ اسٹیل اور اڈیسن کو بنے بنائے دل اپنی طرف جھکانے تھے ہکویہ مشکل ہے کہ دل بھی ہم ہی کو بنانا ہے اور ہم ہی کو اس کا جھکانا ہے +

لوگ ہمارے ان خیالات کو جنوں اور بالوغیاب کہتے ہیں مگر دیوانہ بیکار خود ہوشیار۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اس قلیل زمانہ میں منہ کیا کچھ کیا ہے اس لیے ہم آئندہ کی بہتری کی خدا سے توقع رکھتے ہیں اور اچھے دن آنے والوں کی پیشین گوئی کرتے ہیں گو ان کے آنے کا زمانہ ہم نہیں جانتے مگر یقین کہتے ہیں کہ ضرور بیشک آئیوا لے ہیں +

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اس سکین پرچہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں دکھ کچھ کرینگے جو اسٹیل اور اڈیسن نے انگلستان میں کیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہے ہو سکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں واللہ درمن قال السعی منی والاقام من اللہ تعالیٰ +

## طریقہ تعلیم مسلمانان

کیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے جو ایک سلیکٹ کیٹی اس پئے مقرر کی تھی کہ وہ کیٹی بعد غور و فکر و مباحثہ باہمی کے ایک رپورٹ لکھے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے کونسا عمدہ طریقہ ہے اور کون کون سی زبان اور کون کون سے علوم اور کس طرح پران کو پڑھائے جاویں چنانچہ اس مطلب پر کیٹی مذکورہ نے رپورٹ لکھی ہے۔ اُس میں انیس ممبر تھے اور سب کی رائے اُس طریقہ تعلیم پر متفق ہوئی۔ اول سید احمد خاں سکریٹری نے ایک تمہیدی تقریر کی اور پھر طریقہ تعلیم بیان کیا اور پھر ممبروں نے اُس پر رائے دی چنانچہ اُس سب کو ہم اس مقام پر مندرج کرتے ہیں :

### گفتگو تمہیدی

سید احمد خاں نے ممبروں سے یہ بات کہی کہ اس امر سے جس کی نسبت ہم رپورٹ تحریر کرتے ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ ہلوگ صرف وہی بات لکھیں جو زمانہ حال کے مناسب ہو اور جو اس وقت انجام بھی ہو سکے بلکہ یہ مقصد ہے کہ حالات اور حیثیات موجودہ سے قطع نظر کر کے ہکو وہ تجویز کرنی چاہیے جو پوری پوری اور ٹھیک ٹھیک اعلیٰ درجہ پر مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تاکہ ہکو معلوم ہو جاوے کہ ہکو حقیقت کیا کرتا ہے اور بالفعل ہم کس قدر کر سکتے ہیں :

سید احمد خاں نے ممبروں سے کہا کہ تجویز اور عمل ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تجویز ہمیشہ ہکو پوری اور کامل کرنی چاہیے اور اُس تجویز پر عمل اُس قدر جتنا کہ ہم وقتاً فوقتاً کر سکتے ہوں ضرور کر دے کہ ہکو ایک بہت عالی شان مکان بنانا ہے جب ہم اُس کا نقشہ تجویز کریں گے تو اُس نام مکان کا پورا کامل نقشہ تجویز کریں گے اور جب اُس کی تعمیر شروع کریں گے تو اُسیتعداد کرنے کی تعمیر شروع کریں گے جس قدر کی تعمیر کا بالفعل ہکو مقدور ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ رفتہ رفتہ مکان عالی شان مطابق نقشہ مجوزہ کے طیار ہو جاویگا اور اگر ہم بلا پورا اور کامل نقشہ سوچے تعمیر شروع کر دیں گے تو ہمیں اُس مکان میں سے کچھ نہ بنایا ہو گا بلکہ اُس مکان کے بنانے کے لئے پھر کڑھتہ عمارت کا بھی ڈھانا پڑے گا جو بے نقشہ سوچے تعمیر کی تھی میرا مقصد اس تقریر اور پیش لے

یہ ہے کہ اس وقت طریقہ تعلیم مسلمانوں کا پورا اور کافی تجویز کیا جاوے اور اس بات کا خیال نہ ہو کہ  
کیا اس وقت ہم اُسکو کچھ بھی سکتے ہیں یا نہیں ؟

سیّد احمد خاں نے کہا کہ اس وقت دو ایک باتیں اُدھر عرض کرنی چاہتا ہوں کہ آپ صاحب  
اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیم ہمیشہ کسی ایک خاص مقصد کے لیے نہیں ہوتی اور نہ کسی  
ایک گروہ کثیر کا ہمیشہ ایک ہی مقصد ہوتا ہے بلکہ ایک گروہ کثیر میں سے مختلف جماعتوں کے  
مختلف مقاصد ہوتے ہیں۔ ہم جس طریقہ تعلیم کے قرار دینے کی فکر میں ہیں وہ ایک بہت بڑے  
گروہ سے علاقہ رکھتا ہے اور یقینی مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد تعلیم سے ہیں پس اس وقت  
ہو کہ ایسا طریقہ تعلیم تجویز کرنا چاہیے جو مختلف جماعتوں کے مختلف مقاصد کے پورا کرنے کو  
کافی ہو۔

سیّد احمد خاں نے اس مطلب کو دوبارہ زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا اور یہ بات کہی کہ  
مثلاً ہم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو گورنمنٹ کے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں کے حامل کئے  
اور انتظام گورنمنٹ میں شامل ہو کر دنیاوی عزت حاصل کرنے اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچانے  
کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ اُسکو گورنمنٹ کے عہدوں کے حاصل کرنے کا  
کچھ خیال نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قوت بازو سے بذریعہ تجارت یا اجرائے کار خانات کے اپنی مالش  
پدید کرنے کی خواہشمند ہے۔ ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ صرف اپنی جائداد اور اپنے علاقہ جات  
کی درستی اور اپنے روزمرہ کی زندگی کے امور کو بخوش اسلوبی انجام دینے کی آرزو رکھتی ہے۔ ایک  
جماعت ایسی ہے کہ علوم و فنون کو حاصل کرنا اور ان میں واقفیت کا مل حاصل کرنا پسند کرتی ہے۔  
ایک جماعت ایسی ہے کہ اُس کو ان تمام چیزوں سے چندان تعلق نہیں ہے بلکہ وہ بلحاظ اپنی مواد  
کے علوم دین میں مستگاہ کامل حاصل کرنا اور اُسی میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور ایک جماعت  
عوام الناس کی ہے جن کے لیے کسبِ مقصد عام تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ بایں ہمہ ہر ایک کو اپنی اولاد  
کی نسبت یہ خواہش ہے کہ اُس کے عقائد مذہبی بھی درست رہیں اور وہ ادائے فرائض مذہبی سے  
بھی غافل نہ ہو جاوے پس جبکہ ہم تمام مسلمانوں کی تعلیم کا طریقہ قرار دیتے ہیں تو ہو کہ ایسی تجویز کرنی  
چاہیے جس سے تمام مقاصد مذکورہ اور دیگر مقاصد جو تعلیم سے متعلق ہیں حاصل ہوں ؟

سیّد احمد خاں نے یہ بھی کہا کہ جب آپ سب صاحبان مقاصد پر غور فرماویں گے جن میں سے  
امور مذکورہ ہیں ابھی بیان کیا تو آپ یقین کریں گے کہ کسی قوم کو یہ سب مقاصد جب تک کہ



وہ خود ان مقاصد کے حامل کر سنے پر مستعد نہ ہو حال نہیں ہو سکتے پس حکماء اپنے تمام مقاصد کے انجام کو صحت گورنمنٹ ہی پر منحصر رکھنا نہ چاہئے بلکہ یقین کرنا چاہئے کہ ان تمام مقاصد کا گورنمنٹ سے حاصل ہونا غیر ممکن اور ناممکن بالذات کے ہے پس اس وقت جبکہ وہ قسم کی تجویزیں کرنی چاہئیں۔ ایک کامل اور پوری ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم تک کی جو ہمارے تمام مقاصد کو پورا کر سکے اور جن میں حکماء گورنمنٹ سے اسکی تعمیل لانے کی کچھ خواہش نہ ہو بلکہ یہ خود اپنی سعی اور کوشش سے آپٹیشن کا انجام کرنا مد نظر ہو +

دوسری تجویز جبکہ اس بات کی کرنی چاہئے کہ جب تک کہ ہم اس اول تجویز کو انجام دیں یا جسکے انجام دینے کے لائق ہوں اس وقت تک اس اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لئے مقرر کیے ہیں کیونکر فائدہ اٹھا دیں اور ہمارے متحدہ مقاصد سے جن جو اس مقصد تعلیم سمیت گورنمنٹ سے حاصل ہو سکتا ہے اسکو ہم کیونکر حاصل کریں +

سید احمد خاں نے کہا کہ ایک بات میں اور کسی چاہتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ میری یہ بات میرے شریک ممبروں کو بری معلوم ہوگی اگر چاہوں ہے کہ میں اپنے شریکوں کو رنجیدہ کرتا ہوں مگر جو کہ میری رائے میں وہ بات بالکل سچ ہے اس لئے میں اس کے کہنے پر مجبور ہوں اور وہ بات یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جب مسلمانوں میں کچھ تعلیم کی تحریک ہوتی ہے تو ان کی سعی و ہمت اسی بات پر مقصور ہوتی ہے کہ وہ بھی پورا نامور و فنی طریقہ تعلیم کا اور وہ بھی ناقص سلسلہ نظام میرے کتب کا اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اسی پورائے طریقہ پر مسلمانوں نے کئی مدت سے تعلیم کے لیے جنپور علی گڑھ۔ کانپور۔ سہانپور۔ دیوبند۔ دہلی۔ لاہور میں جاری کیئے ہیں مگر میں نہایت پختہ دل سے کہتا ہوں کہ وہ محض بیخایدہ اور محض ٹوہیں ان سے کچھ بھی فوئی فائدہ پہنچنے کی توقع نہیں ہے +

زمانہ اور نظام کی طبیعت اور علوم اور علوم کے تیاج سب تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں کی قدیم کتابیں اور ان کا طریقہ ان مسلمان کے الفاظ مستعمل ہو کر آزادی اور رستی اور صفائی اور وہ پختہ اور بے تکلفی اور بات کی اصلیت تک پہنچنا نہ بھی تعلیم نہیں کرتے بلکہ برخلاف اسکے دعوہ میں چڑنا اور پیچیدہ بات کہنا اور بہوات کو ان پرچ نگاہ دینا اور ہمہ کی نسبت خلط اور خلاف واقع الفاظ شامل کر دینا اور بھی قریب کرنا اور زندگی کو غلامی کی حالت میں رکھنا اور نگہ اور خود کو خود پسند کا منہ بنانا اور اپنے اپنے جس سے نفرت کرنا۔ ہر دسی کا نہ رکھنا۔ سبالات آئینہ با توں کا عادی کرنا۔

گزشتہ زمانہ کی تاریخ کو بالکل نا تحقیقی بنانا اور واقعات واقعی کو مثل قصہ و کہانیوں کے بنا دینا سکھاتے ہیں اور یہ تمام باتیں مال کے زمانہ اور حال کے زمانہ کی طبیعت کے مناسب نہیں ہیں اور اس لئے بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو ان سے کچھ فائدہ ہو حضرت حامل ہونے کی توقع ہے اول تو یہی کس قدر بڑی نصرت ہے کہ ان کی عمر بخایدہ چیز میں ضایع کی جاتی ہے۔ پس نہیں چاہتا ہوں کہ میرے معزز شریک ممبر میری اس گفتگو سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ بروقت تجویز طریقہ تعلیم کے ان باتوں پر بھی غماخ رکھیں خواہ اُسکو پسند کریں خواہ ناپسند کریں ۴

لارڈ میکالی صاحب نے جبکہ وہ ہندوستان کی عام تعلیم کی بورڈ کے میمبر تھے اور اُس زمانے میں گورنمنٹ کالجوں میں ایشیائی طریقہ تعلیم جاری تھا گورنمنٹ کالجوں کی نسبت ایک بورڈ لکھی تھی اُس کا منتخب میں اس مقام پر بیان کرتا ہوں۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ اگر گورنمنٹ کی رائے بندوبست موجودہ کو (یعنی ایشیائی تعلیم مرد و عورت کو) غیر تبدیل رکھنے پر ہو تو میری عرض یہ ہے کہ میرا میر مجلسی سے استغنا منظور ہو۔ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ میں اُس میں کچھ کام نہیں کر سکتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس شے کو مجھ کو اپنی تقویت دینی ہوتی ہے جس کی نسبت مجھ کو خوب یقین ہے کہ وہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ موجودہ بندوبست سچ کی جلدی ترقی کرنے کی طرف نہیں بلکہ معدوم ہونے والی غلطیوں کی طبعی موت کے توقف کرنے پر رجوع کرتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ کو تعلیم عام کے بورڈ کے معزز نام کا بافضل کچھ حق نہیں ہے۔ ہم ایک بورڈ یعنی مجلس ہیں واسطے اُس نے سرکاری روپیہ کے اور واسطے چھاپنے ایسی کتابوں کے جو اہمیت ہیں۔ اُس کا غرض ہے سپرہ چھاپی جاتی ہیں جب کہ وہ گورنمنٹ اور واسطے جھوٹی دلیری دینے سے معقول تو اس پر اور نامقول الہیات اور بیہودہ طبابت اور بیہودہ علم مذہبی کے اور واسطے تیار کرنے ایک فرد ایسے طالب علموں کے جو اپنی طالب علمی کو اپنے اوپر ایک بوجھ اور عیب پاتے ہیں ۴

لارڈ میکالی صاحب کے الفاظ جو نسبت مذہب کے ہیں ان کو چھوڑ دو باقی مطلب پر غور کرو کہ بالکل سچ ہے پس اُن کو اپنا سلسلہ تعلیم ایسا قائم کرنا چاہیے کہ جو تمام عیبوں سے پاک ہو اور جس سے حقیقت مسلمانوں کے دین دنیا کی بہتری اور ترقی تصور ہو ۴

ایک آداب بھی قابلِ اطلاع کے ہے کہ تیس اکثر مصنفین سالوں کی ہی رائے دیکھتا ہوں اور ممبروں کی بھی رغبت پاتا ہوں اور آؤ لوگ کی رائے کا بھی رجحان اس طرف دیکھتا ہوں کہ

انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان کی اور ان علوم کی بھی جو عربی میں ہیں تعلیم دی جاوے مگر یہ رائے اس سبب سے قائم ہوئی ہے کہ ان لوگوں نے خیال نہیں کیا کہ انگریزی اور عربی کی تحصیل میں کس قدر محنت اور کس قدر وقت درکار ہوتا ہے اگر اس بات کو جاری کیا جاوے گا اور کوئی حد و تمیز اس کے لئے مقرر نہ ہوگی تو دونوں میں سے کوئی حاصل نہیں ہونے کا۔ لڑکے نہ ادھر کے رہیں گے نہ اُدھر کے۔ پس بیش چاہتا ہوں کہ تمام جذبات انسانی کو جن میں سے پڑائی رسم کی پابندی سب سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور انسان کو ٹھیک بات تک پہنچنے نہیں دیتی ذرا دل کو ٹھنڈا کر کر تجویز کیا جائے کہ درحقیقت کون بات دین و دنیا کے لئے مفید ہے جو ہم کو کرنی چاہیے ؟

## بیان طریقہ تعلیم

ممبران شریک نے اس تقریر کو بآراہ سنا اور اس میں سے اس بات پر متفق الٹے ہوئے کہ بلاشبہ تعلیم مسلمانوں کا طریقہ دو قسم کا تجویز کرنا چاہیے۔ ایک وہ جو خود مسلمان اُس کو قائم کریں جس سے اُن کے تمام مقاصد دینی و دنیوی انجام پادیں۔ دوسرے وہ جن مسلمان اُن اصول و قواعد سے جو گورنمنٹ نے تعلیم کے لئے مقرر کیئے ہیں فائدہ اٹھادیں۔ پس امور مذکورہ حسب تفصیل ذیل پیش ہو۔

اول تو اہل تعلیم مسلمانان جن کا قیام کرنا اور جاری کرنا خود مسلمانوں کو لازم ہے ؟ سید احمد خاں نے کہا کہ میں نے ان امور کے سوچنے اور سمجھنے اور غور کرنے میں شاید بہ نسبت اور ممبروں کے زیادہ وقت صرف کیا ہے اور زیادہ فکر کی ہے۔ بیش چاہتا ہوں کہ جو طریقہ تعلیم میں نے خیال کیا ہے اس کو میں یہ ترتیب بیان کر دوں۔ پھر ممبروں کو اُس کے منظور کرنے یا تبدیل کرنے کا بخوبی موقع ہوگا ؟

## ذکر علوم

مسلمانوں کی تعلیم دو قسم میں تقسیم ہونی چاہیے۔ ایک تعلیم عام اور دوسری خاص ؟ تعلیم عام مسلمانوں کی علوم مفصلہ ذیل میں ہونی چاہیے ؟

## اول مینیات

فقہ۔ اصول فقہ۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ تفسیر۔ علم سیر۔ علم عقاید \*

## دوم علم ادب

زبان دانی اور انشا پر دہائی اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ ولین۔ علم تاریخ۔ علم جغرافیہ۔ علم اخلاق۔ میٹل سائنس یعنی علم قوائے انسانی۔ علم منطق۔ علم فلسفہ۔ علم سیاست مدنی یعنی اصول گورنمنٹ۔ علم انتظام مدنی یعنی پولیٹیکل اکنومی \*

## سوم علم ریاضی

علم حساب۔ علم جبر و متقابلہ۔ علم ہندسہ فروعات اعلیٰ علم ریاضی کی \*

## چہارم علم طبیعیات

علم سکون۔ علم حرکت۔ علم آب۔ علم ہوا۔ علم شاعر۔ علم برق۔ علم ہیئت۔ علم آواز۔ علم حرارت۔ پیرا فلکسفی \*

تعلیم خاص مسلمانوں کی ان علوم میں ہونی لائق ہے جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔  
 انجینیری۔ اینیل فزکی کوجی یعنی علم حیوانات۔ اینالومی یعنی علم تشریح۔ ذوالوجی حسب  
 اینیل فزکی کوجی۔ باشتی یعنی علم نباتات۔ جیالوجی یعنی علم طبقات الارض۔ منرالوجی یعنی علم جادات  
 کسٹری یعنی علم کیمیا \*

یہ علم ہیں جن میں مسلمانوں کی تعلیم مہنا چاہیے۔ ان کی تفریق اور ان کی مقدار کی تعیین  
 ہر ایک مرتبہ تعلیم کے لئے جدا جدا ہوگی اور جس کا اندازہ ہر ایک درجہ کی تعلیم کے لئے کیا جاوے گا

## طریقہ تعلیم و تربیت

اگر اور اہل مقدور لودھی دولت مسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے نہایت ضروری ہے  
 کہ ان کی عمر دس برس تک نہ پہنچنے پاوے کہ وہ اپنے گھر سے جدا رکھے جاویں اور ان کی خاطر یہ

اور خاص نگرانی میں تعلیم ہو اور اس لیے ضرور ہے کہ کسی شہر کے قریب جس کی آب و ہوا عمدہ ہو اور شہر بھی چھوٹا ہو ایک پُر فضا میدان تجویز کر کے مکانات تعمیر کیے جاویں اور پھل بانگ لگایا جاوے +

اُسی عمارت کے شامل ایک مسجد بنائی جاوے جس میں مؤذن و امام مقرر ہو اور ایک کتب خانہ بنایا جاوے اور ایک بڑا کمرہ کھانا کھانے کے لیے اور ایک بڑا کمرہ ایسے کھیلوں کے کھیلنے کے لیے جو مکان کے اندر کھیلے جاتے ہیں اور باقی مختصر و مناسب کمرہ اس طرح پر کہ ہر ایک لڑکے کو ایک مناسب کو بیٹھنے اور پڑھنے کو ملے +

کسی لڑکے کے ساتھ کوئی خاص خدمتگار نہ رہے بلکہ تمام خدمتگاراں خفیں مکانات کے متعلق نوکر ہوں اور ہر ایک خدمتگار کو کرے تقسیم کیے جاویں۔ پس اُن کمروں کے رہنے والے لڑکوں کی خدمت اور کمروں کا جھاڑنا اور راستہ کرنا اور پلنگوں اور بچھونوں کا درست کرنا سب دُہی لوگ کیا کریں گے +

اُن تمام لڑکوں کو ضرور ہو گا کہ مسجد میں ہر روز نماز جماعت سے پڑھیں اور صبح کی نماز کے بعد کسی قدر قرآن مجید جو جب اُس قافہ رخصت کیا کریں جو تجویز کیا جاوے اور ہر ایک کو ایک قسم کا یکساں لباس پہنایا جاوے اور سب ملکر ایک جگہ وقت معین پر کھانا کھاویں اُن کے اوقات پڑھنے اور کھیلنے کے اور جہانی و دوزش کے سب مقرر کیے جاویں اور ہر ایک لڑکے کو ہر ایک وقت پر جو کام مقرر ہے اُس کا کرنا واجب لازم ہو +

اس مکان پر ایک نہایت لائق اور عمدہ شخص بطور تالیق یا گورنر کے مقرر ہو تاکہ وہ تمام نگرانی اور سب طرح کا بندوبست کرتا رہے اور لڑکوں کی صحت و تندرستی کا نگراں رہے اور اس کی کی خبر دہی اور نگرانی کرے کہ تمام لڑکے اوقات معینہ میں دُہی کام کرتے ہیں جو اُس وقت کے لیے معین ہے یا نہیں +

لڑکوں کو اپنے گھر جانے اور اباں باپ اور عزیز اقارب سے ملنے یا اُن کو لڑکوں سے ملنے اور اُن کا آرام و آسائش کا حال دیکھنے کو اپنے کے لیے قواعد مقرر ہوں اور ہمیشہ اُن قواعد کی پابندی رہے +

اتفاقہ بیماری یا اتفاق ضرورت کے واسطے ایک طبیب ملازم رہے اور اُس تمام کے بول چال سے بھی بندوبست کر لیا جاوے تاکہ اتفاق اور فتنہ کی بیماری کی حالت میں طبیب یا ڈاکٹر کا

علماء جیسا کہ ان لوگوں کے مرتبوں نے اجازت دی ہو ہو سکے۔ یہ بندہ بہت صرف اتفاقیہ اور ناگمانی بیماری کے لئے ہے ورنہ بحالت بیماری زاید اس کے مربی اس کے گھر پر لجا دینگے اور خود جس طرح چاہینگے معالج کریں گے۔

یہ مکان عالی شان اُمر اور اہل دُول کے چندہ سے تعمیر ہونا چاہیئے اور اخراجات ماہوار کی اوسط لگا کر جو لڑکا اس میں داخل ہو اور سکونت اختیار کرے اس کے مرتبوں سے وہ خرچ لیا جاوے۔

خوب یاد رہے کہ جب تک ہمارے لڑکے گھروں سے علیحدہ ہو کر اس طرح پر تربیت نہ پائیگی ہمیشہ خراب اور نالائق اور جاہل اور کمینہ عادتوں کے حامی رہینگے۔

## مدرسۃ العلوم

اُسی شہر میں جہاں یہ مکان تعمیر ہوا ایک بہت بڑا عالی شان مدرسہ تعمیر کیا جاوے اور اس کا نام ”مدرسۃ العلوم“ رکھا جاوے۔ اس مدرسہ میں وہ لڑکے اُمر اور ذی مقدور لوگوں کے جو ان مکانات میں رہتے ہیں اور نیز اُردو مسلمانوں کے جو ان میں نہیں رہتے عموماً تعلیم پادیں گے۔

یہ مدرسہ حقیقت میں مدرسہ پیشہ ہوگا۔ اول انگریزی۔ دوم اردو۔ سوم عربی فارسی۔ چوتھ انگریزی کا ہوگا اس میں بالکل انگریزی پڑھائی جائیگی اور تمام علوم و فنون اور جو کچھ کہ اس میں تعلیم ہوگا وہ سب انگریزی میں ہوگا۔ الٰہی طالب علم کو سکندریہ تک بھی پڑھنی ہوگی۔ لیٹن و اردو یا لیٹن و فارسی۔ یا لیٹن و عربی۔ اور اسکو بشمول اپنی تعلیم کے کچھ مختصر کتب میں فقرو حدیث و عقائد کی اُردو زبان میں پڑھانی ہوگی۔

اس مدرسہ کے تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن زبانوں کا جانا ہے کہ جو لوگ گورنمنٹ سے اعلیٰ عہدوں کے پانے کی تمنا رکھتے ہیں اور دنیا میں نہایت اعلیٰ درجہ کی عزت جو رعایائے گورنمنٹ حاصل کر سکتی ہے حاصل کرنا چاہتے ہیں جب تک کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کمال انگریزی زبان میں حاصل کریں گے اُس وقت تک یہ بات مسلمانوں کو نصیب نہیں ہونے کی اور ایسا کمال انگریزی میں بغیر اس کے کہ اُسی کو خوب حاصل کریں حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ پس جو لوگ کہ اس قسم کے

عہدوں اور عزتوں کے خواہاں ہیں اُن کے لیے یہ تجویز کی گئی ہے +  
 علاوہ اس کے ضرور ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک جماعت اس قسم کی جو کہ وہ نہایت اعلیٰ  
 درجہ کا کمال انگریزی میں حاصل کرے کیونکہ اُس جماعت سے ملک کو اور ملک کے لوگوں کو اور  
 ترقی تعلیم کو بہت فائدہ ہوگا اور وہ ذریعہ اور منبع شیوع علوم کے بن جاویں گے۔ اُنکی بدولت  
 تمام علوم انگریزی زبان سے اُردو زبان میں آجاویں گے اور اُن کی ذات سے ملک کے منفعت  
 عظیم ہونے لگی +

اُس درود میں سہ - اس میں تمام علوم و فنون بزبان اُردو پڑھائے جاویں گے اور جو کچھ  
 تعلیم اس میں ہوگی وہ سب اُردو میں ہوگی۔ البتہ ہر طالب علم کو تین زبانوں میں سے کوئی زبان  
 بطور سکند لیٹنگوج کے اختیار کرنی ہوگی۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی ہیں اُمید کرتا ہوں کہ جو  
 لڑکا دس بارہ برس کی عمر میں اس مدرسہ میں داخل ہوگا وہ ضرور اٹھارہ برس کی عمر تک تمام  
 سینئر یعنی علوم کو اُردو زبان میں اس قدر تحصیل کر لے گا جس قدر کہ درجہ بی اے کے لیے مقرر ہیں  
 اور سکند لیٹنگوج میں اُس کو اس قدر لٹریچر آجادیگی جیسے کہ انٹرنس کلاس ٹیکس کے پڑھنے  
 والوں کو آتی ہے +

پس اس عمر کے اور اس قدر تحصیل کے بعد طالب علم اُس سکند لیٹنگوج میں سے اُس زبان  
 کی لٹریچر کو جو اُس نے اختیار کی ہے تکمیل کرنی شروع کرے اور تین برس اُس کو اُس کی تکمیل  
 کے لیے بہت کافی ہوں گے۔ پس اگر اُس نے ان تین برس میں انگریزی زبان کی تکمیل کی ہے  
 تو اُس کو تین برس کی اور مہلت اس لیے پہلی ملے گی کہ وہ عدالت کے قوانین سیکھے اور مختلف  
 عہدوں کے لیے جو امتحان مقرر ہیں اُن میں امتحان دے اور نوکری گورنمنٹ کی تلاش کرے  
 اور اُس کو حاصل کرے یا اگر کسی کاروبار میں جس میں وہ چاہے مشغول ہو +

اور اگر اُس نے ان تین برس میں فارسی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے یقینی گورنمنٹ  
 کی نوکری سے توقع نظر کر لی ہے کیونکہ وہ تو بغیر انگریزی پڑھے حاصل نہ ہوگی پس اُس کو مہلت ہے  
 کہ جہاں تک چاہے فارسی میں کمال ہم پہنچائے اور شاعر و منشی و ادیب ہو کر دنیا میں اپنا  
 نام باندھا دھوڑ جاوے +

اور اگر اُس نے ان تین برس میں عربی زبان کی تکمیل کی ہے تو اُس نے بوجہ مذکورہ بالا نوکری  
 نوکری سے توقع نظر کر لی ہے پس اُس کو بھی عربی زبان میں امتیاز اُن علوم میں جو عربی زبان

ہیں اور نیز علوم دین مثل فقہ و حدیث و تفسیر و کلام وغیرہ میں جہاں تک کہ وہ چاہے ترقی کرنے اور کمال بہم پہنچانے کا موقع حاصل ہے +

یہ مدد مہر جو اس قسم کا تجویز کیا گیا ہے جس میں اول تمام علوم اردو زبان میں پڑھائے جائیں گے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی مدرسوں میں کافی لیاقت لڑکوں کو نہیں ملتی ایک شکل اُن کو غیر زبان کا سیکھنا اور دوسری شکل غیر زبان میں علوم کا سیکھنا ہوتا ہے پس اس تدبیر سے پہلے اُن کی ایک شکل کو موقوف کر دیا ہے تاکہ وہ بسبب اپنی زبان کے علوم و فنون سے نہایت جلد بخوبی واقف ہو جائیں اور بعد اُس کے دوسری زبان کے لٹریچر میں محنت کر کے جہاں تک اُن سے ہو سکے ترقی کر لیں +

اس تدبیر سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بہت کم طالب علم علوم و فنون سے گو کہ وہ اردو ہی زبان میں کہیں نہ ہوں نا واقف رہیں گے اور نسبت حال کے لٹریچر پر محنت کرنے کی زیادہ مہلت ملے گی اور اُن کو اُس زبان کی لٹریچر نسبت حال کے بہت زیادہ آجائیگی +

اس بات پر اکثر بحث ہوتی ہے کہ سرکاری کالجوں کی تعلیم سے لیاقت کامل نہیں ہوتی اور کیونکہ تعلیم انگلستان کے کالجوں کی تعلیم کے برابر نہیں ہے پس میری رائے میں اس کا سبب یہی ہے کہ انگلستان میں تعلیم اُمیدواروں کی زبان میں ہوتی ہے اور تمام علوم و فنون انہیں کی زبان میں ہیں اور ہر وقت اور ہر محل پر اُن کو اپنے علم کی ترقی کا موقع ہوتا ہے برخلاف ہندوستان کے کرائے کی تعلیم اُن کی مادری زبان میں نہیں ہے اور اُن کو دوسری زبان پر قیام ہونے میں نہایت مشکل پیش آتی ہے اور اُس پر قیام ہونے تک تمام وقت تحصیل علوم و فنون کا گزر جاتا ہے پس اس تبدیل سے جو اس مدرسہ کے تقریریں کی گئی ہے اُمید ہے کہ وہ رکاوٹ نہ رہے گی +

جو طالب علم کہ بذریعہ عربی زبان کے علوم تحصیل کرنے پر متوجہ تھے اُن میں بھی نقصان نہ ہوتا تھا کہ وہ ان علوم و فنون سے جو نہایت ضروری ہیں ناواقف محض رہتے تھے اور اس تبدیل سے جو طریقہ تعلیم میں لگی گئی ہے اُمید یہ ہے کہ وہ بھی ناواقف نہ رہیں گے اور عربی زبان میں بھی کمال حاصل کرنے کا اُن کو موقع حاصل رہے گا +

عربی فارسی مدرسہ - اس میں ابتداء کسی علم کی تعلیم نہیں ہونے کی بلکہ جو انگریزی اور اردو پڑھنے والوں نے ان زبانوں میں سے جسکو بطور سکندریہ مانگوچ کے اختیار کیا ہوگا اور اردو میں علوم و فنون پڑھ لینے کے بعد عربی یا فارسی زبان کے لٹریچر و علوم میں کمال حاصل کرنے کا



ارادہ کیا ہوگا تو ان کی پڑھائی فارسی عربی میں اعلیٰ درجہ تک کی اس مدرسہ میں ہوگی +  
 تینوں مدرسہ ملکر حقیقت ایک مدرسہ ہوگا اور جو کہ ہر قسم کے یعنی انگریزی کے اور اردو و  
 فارسی و عربی کے اس میں موجود ہوں گے تو سلسلہ تعلیم ہر ایک مدرسہ کا جو قائم کیا گیا ہے وہ  
 استادوں کی تقسیم اوقات سے بخوبی تکمیل پاتا رہیگا +

## مدارس

یہ چھوٹے چھوٹے مدرسے ہونگے اور ہر شہر و قصبہ و ضلع میں جہاں ان کا قائم ہونا ممکن نہ ہوگا  
 ہو قائم ہونے چاہئیں گے۔ ان میں تعلیم صرف ان قواعد کے مطابق ہوگی جو اردو مدرسہ کے لئے  
 ہیں اور اسی طرح اس مدرسہ کے طالب علموں کو ایک سکندریہ لٹریچر مقرر انگریزی یا فارسی یا  
 عربی اختیار کرنی ہوگی +

اس مدرسہ میں اور پہلے مدرسہ اردو میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ اس مدرسہ میں ایک حد میں تک  
 علوم پڑھائے جائیں گے اور جب اس حد تک طالب علم پہنچ جائیں گے تو اس مدرسہ سے خارج  
 ہو جائیں گے اور ان کو اختیار ہوگا کہ اس سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم اگر چاہیں تو مدرسہ العلوم میں  
 داخل ہوں۔ یہ مدرسہ اس مواد سے ہوں گے کہ مدرسہ العلوم کے لئے لڑکے تیار کریں۔ انکی  
 مثال جینیہ سپی ہوگی جیسے گورنمنٹ ضلع اسکول کالجوں کی بھرتی کے لئے طالب علم طیار  
 کرتے ہیں +

## مکتب

ہر گائوں اور قصبہ میں جہاں جہاں ہو سکے مکتب قائم ہونے چاہئیں۔ ان میں قرآن شریف  
 بھی پڑھایا جاوے اور اردو زبان میں کچھ کتابیں اور حساب وغیرہ سکھایا جاوے اور اردو میں  
 لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاوے اور اس مکتب میں بھی کسی قدر فارسی اور کسی قدر انگریزی سکندریہ  
 لٹریچر ہو۔ فارسی تو صرف اس قدر ہو جس سے اردو کو مدد پہنچے اور انگریزی نہایت قلیل  
 صرف اتنی کہ حرف پہچان لے۔ چھاپے کے حرفوں میں لکھا ہوا نام پڑھ سکے اور انگریزی  
 ہندسہ جو مکمل اور اندازوں پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں ان کو پہچان سکے تاکہ اگر کسی کلاس سے  
 کام لینا ہو تو کام لے سکے +

اس کتب میں قرآن مجید نئے قاعدہ سے پڑھایا جاوے جس میں کل قرآن شریف چھ  
ہینے میں بہ خوبی ختم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے قرآن مجید کے کل حفظ بحفظ الفاظ مکرر جدا  
چھانٹ لیے ہیں اور ان کو بہ ترتیب دو حرفی دس حرفی ترتیب کر لیا ہے اور الف بے کے بعد حرف  
ان الفاظوں کے پڑھادینے سے کل قرآن مجید ناظران پڑھنا بخوبی آ جاتا ہے +  
اس کتب میں نماز پڑھنا بھی بتایا جاوے گا اور چھوٹی چھوٹی اُردو کتابیں سنوں کی بھی  
جیسے کہ راویات، حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں لڑکوں کو پڑھائی جاوے گی +

## حفاظی مکتب

جوڑکے مسلمانوں کے قرآن مجید حفظ کرنا چاہیں یا اشخاص نابینا جو قرآن مجید حفظ کرنے کی  
زیادہ رغبت رکھتے ہیں ان کے لیے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مناسب مقاموں پر  
مکتب مقرر ہوں جن میں وہ لوگ قرآن مجید حفظ کیا کریں مگر اس مکتب کو بالکل علیحدہ رکھنا چاہیئے  
اور کسی مدرسہ یا مکتب کے شامل کرنا نہیں چاہیئے +

## عمر تعلیم

اگرچہ ابتداء جب مدرسے عترت ہونے ان میں عمر کا پندرہ یا سولہ ہوگا بلکہ نشتخان کی رائے ہے  
اور لڑکوں کی حالت پر ان کا داخلہ مختصر ہوگا مگر جبکہ انتظام بہ خوبی ہو جاوے اس وقت ہر ایک  
قسم کے مدرسے کے لیے عمر کی تعین ضرور ہوگی۔ پس لڑکوں کی تعلیم میں ان کی عمر کا حسب تفصیل  
ذیل لحاظ رکھنا چاہیئے گا جس کے لیے پانچ درجہ قرار دیئے جاتے ہیں +

اول چھ برس سے دس برس تک۔ اس میں چاہیئے کہ لڑکا قرآن مجید پڑھ لے اور کچھ  
اُردو کتابیں بھی اور سائل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جیسی راہِ نجات و حقیقت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں  
پڑھ لے اور کچھ کچا پکا لکھنا بھی سیکھ لے اور اُس کو اس قدر استعداد ہو جاوے کہ اُردو عبارت  
آسانی پڑھ لکھ سکے اور انگریزی حروف اہم ہندسوں کو پہچاننا اور نام پڑھ لینا سیکھ لے۔ یہ  
وہ تعلیم ہے جس کا مکمل میں ہونا چاہیئے +

دوم۔ گیارہ برس سے تیرہ برس تک۔ اس عمر میں اس قدر پڑھ لینا چاہیئے جو روزِ مزہ کے  
کاموں اور سولت متعلقہ زندگی اور محاش کے کام میں مکمل ہو سیدھے سادے سائل کی بھی

جو عقائد مذہبی سے بھی واقفیت حاصل ہو۔ یہ وہ تعلیم ہے جو مدارس مجوزہ میں تجویز کی گئی ہے۔  
اہل پیشہ اور غریب آدمی بھی جو اپنے لڑکوں کو اپنے پیشہ میں مصروف کرتے ہیں اس قدر  
عمر تک لڑکوں کو تعلیم میں رکھنے سے کچھ اپنا ہرج نہیں سمجھتے اور اگر اہل پیشہ کے لڑکے متعدد  
درجہ تک کی تعلیم پا جاویں اور ہمارے ملک میں عموماً اس قدر درجہ تک علم پھیل جاوے تو ہندوستان  
ہندوستان نہیں رہنے کا بلکہ قلعہ جنت ہو جاوے اور ٹھیک ٹھیک ہندوستان جنت نشان  
کا لقب اُس پر صادق آدینگا۔

سوم۔ چودہ برس سے اٹھارہ برس تک۔ اس عمر میں جملہ علوم و فنون سے جو دین و دنیا میں  
بکار آمد ہیں واقفیت کلی حاصل ہونی چاہیئے۔

چہرہ نکام۔ انیس برس سے اکیس برس تک۔ اس عمر میں خاص علوم اور خاص زبان جس میں  
طالب علم کمال حاصل کرنا چاہے حاصل کرنے ہوں گے۔

پنجم۔ بائیس برس سے پچیس برس تک۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں طالب علم بعد فراغ تعلیم  
اُن چیزوں کو پڑھنے اور امتحان دینے میں مشغول رہے گا جن کے ذریعہ سے سرکاری نوکریاں مل سکیں  
آئی ہیں اور اسی قسم کے حصول معاش کے ذریعوں کو حاصل کرنے میں مشغول ہوگا۔  
یہ پچھلی تینوں قسم کی تعلیمیں وہ ہیں جو مدرستہ العلوم سے علاقہ رکھتی ہیں۔

## سلسلہ تعلیم

انگریزی مدرستہ کے لئے حکومتِ تعلیم کے معین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیمبرج اور  
آکسفورڈ کی دو یونیورسٹیاں ہماری ہدایت کے لئے موجود ہیں۔ پس ہمیشہ حکومتِ ان کی ہی تقلید اور  
پیروی سے سلسلہ کتب درسیہ معین کرنا اور اُسی طریق پر تعلیم دینا کافی ہوگا۔

اُردو مدرستہ کے لئے البتہ حکومتِ ان میں تلاش کرنی اور ان کا سلسلہ تعلیم قائم کرنا پڑے گا مگر یہ  
بات کچھ مشکل نہیں ہے۔ سلسلہ کتب درسیہ علوم و فنون معینہ دینی قائم رہے جو انگریزی میں ہو  
انھیں کتابوں کا جو انگریزی میں علوم و فنون کی پڑھائی جاوے اُردو میں ترجمہ ہو اور اُردو میں  
پڑھائی جاوے پس ان دونوں مدرسوں میں پڑھائی تو ایک ہی ہوگی صرف یہ فرق ہوگا کہ جو کتاب  
انگریزی مدرستہ میں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہے وہ اس مدرستہ میں اُردو میں پڑھائی  
جاوے گی۔

عربی و فارسی مدرسہ کے لیے بھی کتابوں کے متعین کرنے میں چنداں وقت نہ ہوگی فارسی زبان کے علم انشاء کی کتابیں نہایت آسانی سے بہت عمدہ اور سادہ منتخب ہو سکتی ہیں جو سلسلہ مناسب سے درس میں داخل ہوں۔ عربی زبان میں جو سلسلہ تعلیم جاری ہے بلاشبہ اُس میں تبدیلِ تعلیم کرنی پڑے گی۔ سلسلہ نظامیہ جو بالفعل جاری ہے محض اتنا ہے اور حال کے زمانہ کے مطابق نہیں بلاشبہ آسکو ترک کرنا اور سلسلہ جدید قائم کرنا پڑے گا۔

طالب علموں کو لغو مباحث میں ڈالنا اور لفاظی کی بحث پر اُن کی عمر کو ضائع کرنا محض مفایہ ہے بعض اُس کے یہ بات چاہیے کہ سید سے سادے اور صاف مسائل صرف و نحو اُن کو پڑھائے جاویں بغیر کسی بحث کے تاکہ وہ بخوبی مجرب ہو اعداد صرف و نحو عربی کی عبارت پڑھ سکیں۔ چند رسالہ منطق خاص کے جو بہت صاف اور سید سے ہوں اُن کو پڑھانے چاہئیں اور علم معانی بیان کے سید سے سیکھانے چاہئیں اور عربی بولنے اور عربی لکھنے کی شوق کرانی چاہیے پس اس قدر تعلیم متعلق علم ادب کو کافی سمجھنا چاہیے۔

اس تعلیم کے لیے بھی کتابوں کی چنداں شکل نہیں پڑنے کی۔ کتب موجودہ میں سے ایسی صاف کتابیں آسانی سے منتخب ہو سکتی ہیں اور بعض کتابوں پر ایک عالم نظر ثانی کر کر اور اُن میں غرضوں مباحث کو حذف کر کر کتابوں کو مناسب طرز سے بنا سکتا ہے۔

باقی رہی تعلیم کتب مذہبی کی بالفعل حال سے ہاں یہ رواج ہے کہ کتب مذہبی میں سے ابتداء سے آخر تک کسی کتاب کے پڑھنے کا رواج نہیں ہے بلکہ مقامات معینہ ہر ایک کتاب کے پڑھکر باقی کتاب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ میری دانست میں اس طریقہ کو تبدیل کرنا چاہیے ایک آدھ متن جو عمدہ اور مفید ہو وہ تمام پڑھایا جاوے اور باقی کتابوں میں سے اُن مقامات کا جو اُن میں بنیاد اور بکار آمد ہیں انتخاب کر کر ایک چھوٹی سی کتاب بنائی جاوے مثلاً اہلِ یہ اُس میں سے عمدہ اور مفید مقامات کا انتخاب کر کر تفہیم الہدایہ اُس کا نام رکھا جاوے جو چند جزو پر مشتمل ہو اور وہ تمام پڑھایا جاوے۔ اسی طرح کتب صحاح ستہ حدیث میں سے احادیث عمدہ و مستند و مفید و ضروری کا انتخاب کر کر تفہیم البخاری و تفہیم المسلم و علیہ ذوالقیاس چھوٹی چھوٹی کتابیں بنالیا جاویں اور وہ تمام پڑھائی جاویں تفہیم میں جلالین شاید نہایت عمدہ ہے اور انتخاب کی بھی ضرورت نہیں مگر وہ نہایت آسان ہے اور اُس سے زیادہ قابلیت کے لیے دوسری تفسیر ہونی چاہیے پس وہ تفسیر بخاری ہے اُس کی بھی تفہیم کیجاوے اس طرح ہر کتاب کی

کراس میں مباحث عربیت سے متعلق ہیں وہ انتخاب کر لیے جاویں اور باقی امور چھوڑ دیے جائیں  
غرض کہ اسی طرح کتابوں کے انتخاب اور تخصیص سے ایک سلسلہ کتب درسیہ عربیہ کا قیام کر لیا  
جاوے پس یہ وہ طریقہ ہیں جن سے سری دانست میں تعلیم مسلمانوں کی اس طریق پر جو دین  
دنیا کے لیے مفید ہو جاری ہو سکتی ہے اور محبت اور جمل جو مسلمانوں میں پھیلتا جاتا ہے  
اُس کا علاج ہو سکتا ہے مگر شخص یہ بات بخوبی اور آسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریقہ تعلیم کو وسیع  
گورنمنٹ اختیار کر سکتی ہے اور سرکاری کالجوں اور اسکولوں میں جاری ہو سکتا ہے خود مسلمان  
البتہ بخوبی جاری کر سکتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس کے اجرا کا مقدور بھی رکھتے ہیں صرف  
ہمت اور محنت اور توجہ درکار ہے ۛ

دوم وہ طریقہ جس سے گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم زیادہ مسلمانوں کے مناسب  
ہو جاوے اور اس سے مسلمان فائدہ اٹھائیں ۛ

مسلمانوں کو چاہیے کہ گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کو ایسا تصور کریں کہ صرف انگریزی زبان  
کی تعلیم کا اس قسم کا مدد ہے جیسا کہ ان کے لیے اور تجویز ہوا ہے اور تمام علوم و فنون اُس میں  
بیزبان انگریزی تعلیم دیئے جاتے ہیں اور اردو - فارسی - عربی صرف بطور سکند لینگو ج کے ہے اور  
صرف ان مدرسوں کو زیادہ تر مناسب اور مفید کرنے کے لیے مفصل ذیل باتوں پر توجہ کریں ۛ  
اول - گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ جس قدر انگریزی کی تعلیم ان دی جاتی ہے اُس میں  
ترقی کی جاوے اور ہر ایک درجہ کی تعلیم بالکل یونیورسٹی کی برج اور اسکورڈ کی برابر کر دی جائے ۛ  
دوم - ہر پب کے طالب علموں کو اس پھر میں قدرتی دستگاہ ہوتی ہے کہ وہ ان کی ادنیٰ  
زبان ہے اس لیے ان کو تھوڑی تحصیل میں آسکتی ہے مگر ہندوستان کے لیے کالجوں میں  
لٹرچر کی پڑھائی زیادہ ترکیباً دے تاکہ لیاقت تحریر و تقریر بخوبی آ جاوے ۛ

سوم - ہر کالج میں بحسب انتظام پرنسپل کے ایک کلب مقرر ہو جس کا پرنسپل پرنسپل  
ہو اور ہر مہنت اُس میں اعلیٰ کلاسوں کے طالب علم اپنی پس منضامین میں کیا کریں اور  
اگر چھوٹے کلاسوں میں اسکو دست دی جاوے اور ہر کلاس کے ماسٹر کے اہتمام میں اُس کے  
طالب علم ہر مہنت اسکی مشق کیا کریں تو ترقی لٹرچر کے لیے نہایت مفید ہوگا ۛ

چہرہ یکدم - مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کر کہ بشمول ڈائریکٹر پبلک انشٹرن اکیڈمی  
مقرر کریں جو ان کتابوں کو منتخب کرے گی خود خود لایف کرے یا لایف کر لے گی جو سکند لینگو ج

کی تعلیم کے لئے دیکھا نہیں اور اس میں کچھ خشک نہیں کہ اگر اُس دوفارسی دعویٰ کی تعلیم کی کتابوں میں جو بطور سکندریہ لکھ کر کے پڑھائی جاتی ہیں کچھ درستی کی جاوے اور کتابیں عمدہ و مفید بصلاح کیٹی اُس میں داخل کی جاویں تو مسلمان طالب علموں کو رغبت بھی ہوگی اور بہ نسبت حال کے اُن زبانوں کی تعلیم کی بھی ترقی ہو جاوے گی اور جب عربی فارسی کی تعلیم ایک عمدہ قاعدہ پر ہوگی تو مسلمان طالب علموں کو کسی وقت پر اُس کو اعلیٰ درجہ تک ترقی دینے کا رخ حاصل ہوگا۔

پانچم۔ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کے مسلمان پمٹورری گورنمنٹ ایک کمیٹی مقرر کریں جو اس بابت کی تحقیقات کیا کرے گی کہ کس قدر مسلمان اڑ کے شہر یا قصبہ میں ہیں اور وہ کہاں کہاں پڑھنے لکھنے میں مصروف ہیں اور کیا کرتے ہیں اس تحقیقات کی کتابیں اور فہرستیں مرتب ہوں اور ہمیشہ سہی پر اُن کی جانچ پرتال ہا کرے اور جو اڑ کے پڑھتے نہیں ہیں اُس کا سبب بھی دریافت کر کر اُس کتاب میں مندرج کیا کریں۔

اس کمیٹی میں ہر مسلمانوں کے اور کوئی شخص اور نہ کوئی یورپین عالم شریک ہو مگر اس کی اطلاع و کیفیت ڈائریکٹر سبک انٹرکشن پاس جلیا کرے اور خرچ اس کمیٹی کا یہ نوپل فنڈ سے دیا جاوے۔

ششم۔ ہر کالج اور اسکول کے لئے کمیٹی ہو جس میں مسلمان بھی شریک ہوں اور اُن کو کچھ وقت اور اختیار بھی دیا جاوے اور اُس کا بائی لاز خود انھیں سے بنوایا جاوے اور گورنمنٹ بعد اصلاح و ترمیم اُس کو منظور کرے تاکہ گورنمنٹ کالج و اسکول مسلمانوں کے لئے بطور ایک کمیٹی کے متصور ہوں نہ بطور ایک خوفناک چیز کے جیسے کہ اب تک رہے ہیں۔

تخصیلی و حلقہ بندی کتبوں کو بھی اپنے مفید کرنے کے لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ اُن کے اہتمام اور نگرانی میں زیادہ تر مداحلت کریں اور سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ اپنی طرف سے اور باہمی چندہ سے ایسے ایسے چھوٹے کتب خود قایم کریں اور گورنمنٹ سے اُس میں نصف روپیہ ملنے کی درخواست کریں۔

غرض کہ جیسا کہ اب تک گورنمنٹ کے سر رشتہ تعلیم سے مسلمان علیحدہ علیحدہ رہے ہیں چنانچہ اُس کے جہاں تک ممکن ہو اُس میں اعانت و مدد کریں اور سر رشتہ تعلیم کو ایک اپنی ضروریات سے سمجھیں تاکہ اُس سے فائدہ اٹھا سکیں اور جو نقصان اُس میں ہیں اُس کے رفع کرنے پر

قادروں

یہ تمام باتیں جو اوپر بیان ہوئیں مسلمانوں کو گورنمنٹ کالجوں و اسکولوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ آند کچھ گورنمنٹ سے درخواست کرنی یا توقع رکھنی محض یہود و مسیحیوں کی بات ہے بلکہ اس میں سے بھی بعض باتیں ایسی ہیں کہ گورنمنٹ بشکل اس کے قبول کریگی۔

## رائے ممبران

اس تجویز کی نسبت کل ممبران ہلیکٹ کمیٹی سے صلاح اور مشورہ کیا گیا جو ممبر کہ بنارس میں موجود تھے انھوں نے بالمشافہ اپنی رائیں ظاہر کیں اور جو لوگ کہ بنارس میں موجود نہ تھے ان کے پاس یہ تجویز بھیجی گئی اور انھوں نے بذریعہ تحریر کے اپنی رائیں ظاہر کیں جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔

سید احمد خاں۔ مولوی محمد عارف صاحب۔ مولوی سید عبدالقدیر صاحب۔ محمد یونس صاحب۔ مولوی سید زین العابدین صاحب۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب۔ مولوی اشرف حسین صاحب۔ مولوی محمد مسیح اللہ خاں صاحب۔ انڈیشی محمد اکرم حسین صاحب نے بالکسی اختلاف کے مذکورہ بالا تجویز کو پسند اور منظور کیا اور تمام رتبہ مذکورہ بالا سے اتفاق رائے ظاہر کیا۔

مولوی سید امداد علی صاحب اور مولوی قطب الدین جن صاحب اور مولوی حمید الدین صاحب انڈیشی محمد جان صاحب نے بھی بالکلیہ اس تجویز سے اتفاق کیا مگر ان چاروں ممبروں نے اس بات کی خوش ظاہر کی کہ تفصیل کتب بذریعہ علماء کامل اور متدین کے عمل میں آوے۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب نے بھی جملہ رتبہ مذکورہ بالا سے دلی اتفاق کیا اور یہ کہ اگر سلسلہ تعلیم میں جو کچھ پیش کی خواہش کی ہے نہایت عمدہ اور مناسب ہے لیکن چونکہ اس پر پورے میں ان کتابوں کے انتخاب کا پورا ذکر نہیں ہے جو اس طریق میں پڑھائی جاوے گی اس لئے میں اس بات میں بھی کچھ رائے نہیں دیتا جب تک کہ اس موقع آوے گی کہ تفصیل رائے دوں گا۔

مولوی عبدالرحمن صاحب اور مولوی حفیظ الدین احمد صاحب اور میر بادشاہ صاحب نے بھی تجویز مذکورہ بالا سے اتفاق کیا مگر کتب فقہ و اصول فقہ اور کتب حدیث کی تخریج کرنے سے اختلاف رائے کیا اور کہا کہ وہ بدستور سابق تعلیم میں رہیں۔

مولوی سید فہر الدین احمد صاحب نے اپنی رائے یکسو ہے کہ میں اپنے لائق خلیفہ مسیح محمد علی

روشن ضمیر عالی دماغ سید محمد خاں صاحب بارہ سہی۔ اسی۔ آئی محمد میر کی رائے سے بالکل اتفاق  
 نہیں کرتا۔ اس سخت مرض ملک اور مریض جہالت کا کہ جو اصل جسم اسلامی کو لاحق ہو گیا  
 ہے اور جس نے اُن کے سامنے دین دنیا کے امور کو نہایت فتور اور نقصان میں ڈال رکھا ہے  
 جو علاج تجویز کیا ہے وہ محض ایک تصویر خیالی ہے جو حالت موجودہ مسلمانوں سے اس بات کی  
 توقع دہی بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ اُس عمدہ علاج کے اجر لے نافع کو ہم پہنچا کر استعمال کریں یہی  
 اس بات کو نہایت سچائی سے قبول کرتا ہوں کہ وہ نسخہ موجود نہایت بے نظیر و لا جواب ہے اگر  
 اُس کے استعمال کا امکان ہوتا تو وہ بالکل اُس مرض مہلک کی بیخ و بنیا کو توڑ ڈالتا اور جسم  
 اسلامی کو اعلیٰ درجہ کی صحت و طاقت کو پہنچا دیتا اور یقین ہے کہ آئندہ نسلوں میں کوئی وقت  
 ضرور آیا آوے گا کہ اہل اسلام بخوشی اُس نسخہ کو استعمال کریں گے اور خدا کرے کہ جلد وقت آوے۔ میرے  
 خیال میں اُس حکیم حائق کو ضروری تھا کہ وہ دولت اور بہت اور توفیق موجودہ مسلمانوں پر لحاظ فرما کر  
 مطابق اُس کے کوئی نسخہ تجویز کرتے کہ جس سے زیادتی اُس مرض کی توڑک جاتی اور کسی قدر آثار صحت  
 کے نمایاں ہوتے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً بماء عا حالت موجودہ کے اُس نسخہ میں تبدیل عمل ہر لاتے کہ  
 یہی طریقہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے اگر حکیم مدوح بنظر مہربانی پھر دوبارہ توجہ فرما کر کوئی ایسی  
 تدبیر تجویز فرمادیں کہ جس کا خارج میں موجود ہونا کو بدقت ہو مگر ممکن ہو تو نہایت مناسب و بہتر ہے  
 اور جب میری رائے یہ قائم ہوئی کہ فی الحال وہ تدبیرات محض خیالی ہیں اور کسی طرح وہ وجود پذیر نہ ہو سکیں  
 تو ان تدبیر کی نسبت مفصل رائے لکھنا محض فضول و بیجا یہ ہے تاہم استدرک نہایت ضروری  
 جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے امور عباد کے لحاظ سے اُن کی اعلیٰ اور عمدہ تعلیم میں زبان عربی کو  
 دوم درجہ قرار دینا نامناسب ہے نہیں بلکہ مضر ہے جب ہم ایک ایسا خیالی منصوبہ فرمادیں کہ جو  
 عمدہ حالت ترقی تعلیم مسلمانوں کی ہو تو اُس میں حیف ہے کہ زبان عربی درجہ دوم میں قرار پاوے  
 اور چند ممبروں نے جو مذہب تبخیر کتب دینیہ اہل اسلام کے رائے دی ہے اور سید احمد خاں صاحب  
 سے اختلاف کیا ہے میں اُس میں سید احمد خاں سے بالکل متفق ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ  
 وقتاً فوقتاً علمائے اہل اسلام اس کے درپے رہے ہیں اور بنظر مصالح وقت اور حالت موجودہ  
 اہل علم بہ تبدیل صلیت یا اختصار و تخصیص مقامات کتب تالیف کرتے آئے ہیں اور مجھ کو اُمید  
 ہے کہ جلد سے یہاں کے لائق آدمی ہمیشہ ایسی عمدہ رائے پر چلتے رہیں گے۔ بخاری کی تخصیص کے  
 بعض ممبروں نے اُس کے بعض اجزاء کو ہم اپنی سمجھ کے موافق قایم رکھیں اور بعض کو نکال دیں



بلکہ انھیں کے معنی ہیں کہ اُس کے جو مقامات کہ مفید اور مناسب وقت ہیں اُس کو نکال کر کے درس میں داخل کریں اور اُس میں کوئی قباحت اور نقصان نہیں ہے اور تین اس میں بھی کوئی قباحت اور نقصان نہیں سمجھتا کہ جو غلطی یا خطا کسی کتاب میں واقع ہے اُسکی گرفت کیجائے اور بلا اندیشہ غلطی ظاہر کر دی جاوے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ تول طبقہ صحابہ سے لیکر آج تک ہمارے یہاں کے علماء یہی کام کرتے چلے آئے ہیں۔ صحابہ۔ تابعین۔ مجتہدین۔ فقہاء۔ محدثین۔ متشیخ کلام سب کی غلطی و خطاؤں کو بہت صراحت سے علماء نے لکھا ہے اور اس بات کو بھی بہت احتیاط سے ملحوظ رکھا کہ اگر کسی پر بیجا اعتراض یا ناجائز غلطیاں لگائی گئی ہیں تو اُسکو بدلائل مقول رد کیا اور یہی تمام پریش نکھنا نہایت مناسب جانتا ہوں کہ ہمارے سچے مذہب کا عمدہ اصول یہ ہے کہ کوئی عالم اور کوئی مجتہد اور کوئی صلحا سے بلکہ کوئی انسان جو کہ انبیاء علیہم السلام کے ایسے درج میں نہیں ہیں کہ جن کے کلام میں خطا و خلل واقع نہ ہوا ہو اگر آج ہم کسی بڑے سے بڑے عالم کے کلام کی غلطی ظاہر کریں لہذا اُس کو عمدہ دلائل سے سچی نیت سے بغرض ہوا خواہی اسلام ثابت کر دیں تو کچھ ہم پر اعتراض نہیں ہے۔

منشی محمد کرجسین صاحب نے یہ رائے لکھی کہ مجھ کو جناب سید احمد خان صاحب بھادسی آپس آئی کی اہلی اور عمدہ اور حکیمانہ تجویز سے بدل اتفاق ملی ہے۔ ہر چند مولوی فرید الدین صاحب کا خیال اُس کی تصویر خیالی ہونے کی نسبت مسلمانان ہند کی عادت و عقاید و حالات موجودہ پر نظر کرنے سے کسی نسبت تک صادق آتا ہے اور اس تدبیر بے نظیر کی تکمیل جواب کی تمام مراحل امید و بیم میں معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم اُس تشریح اور توضیح پر نظر کرتے ہیں جو جناب سید احمد خان صاحب مدوحنہ تجویز اور غسل ان دونوں چیزوں کے امتیاز کے باب میں فرمائی ہے تو ہم بے تامل متفق آلہ رائے ہو کر خدائے عز و جل سے اپنے عمدہ ارادوں کے پورا ہونے کی دعا مانگتے ہیں۔ السعی منی ولا اتمام من اللہ۔

جورائے ممبروں کی اوپر بیان ہوئی اُس سے ظاہر ہے کہ جو طریقہ تعلیم کا تجویز ہوا اُس سے تمام ممبروں نے اتفاق رائے کیا ہے پس اب میں نہایت خوشی سے اس رپورٹ کو ختم کرنا ہوں اور بموجب ہدایت ممبران ملیکٹ کیڈی کے تمام ممبران کی پیشی خواستگان ترقی تعلیم مسلمانان کے سامنے اس امید سے پیش کرتا ہوں کہ ممبران کی پیشی مدوحنہ دیبا تھیل اذرا جا اس طریقہ تعلیم کے بتدابیر مناسبی اور کوشش فرمائی شروع کریں۔

اختتام سال ۱۲۸۹ هجری

و  
شروع سال ۹۰۲ھ ہجری

شکر خدا کا کہ نواسی سہنہ تو سے ہو گیا۔ ہمارے اس پرچہ کو جاری ہونے سودا و برس  
ہونے بہ ہو خیال کرنا چاہیے کہ پچھلے سال میں مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تہذیب میں کیا کچھ ہوا  
اور ہمارے اس پرچے نے کیا کیا اور لوگوں نے اس کو کیا کہا اور ہم نے اپنی قوم سے کیا سہا

## حال خود و یاران خود

ہمارے اور ہماری قوم کے حال پر حافظ کا یہ شعر بالکل ٹھیک ہے۔

بدم گفتی و خورسندم عفاک استد نیکو گفتی

جواب تلخ می زید لب لعل شکر خارا

پرانے دل سے تو ہکو بڑا کہتے کہتے ٹھنڈے ہو گئے اور بعض مہربان اب آؤرنے دل خوش پر ہیں اور ہکو بڑا کہنے پر نہایت تیز زبان مگر ہمارا دل اپنے کام سے ٹھنڈا نہیں ہے ہکو وحی شربتِ محبت و ہمدردی اپنی قوم کے ساتھ ہے اُن کی دین دنیا کی بھلائی اور تہذیب و شایستگی کی دلائل فکر ہے اُن کے غصہ سے ہکو رنج نہیں۔ اُن کی سخت کلامی کا ہکو غم نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے۔ جو کچھ کہہ کرتے ہیں ہم جب ہی سے جانتے ہیں جب کہ وہ کرتے تھے۔

من عهد تو سخت سستامید استم

بشکستن آن درست میدانستیم

سپر دشمنی اسے صوست کہ باہن کردی

آخر کردی خست میدانستم

بہنو پچھلوں کے حالات سے اور خود اپنے دادا محمد رسول اللہ صلعم کے حالات بالکل تسلی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے عام بھلائی پر کمر باندھی اور عام مُربائی کا فائدہ کرنا

چاہا اور اپنی قوم کی بہتری اور بہبود میں کوشش کی تو ان کو دنیا کے ہاتھ سے اور پھر  
اپنی قوم کے ہاتھ سے کیا ملا۔ کوئی سولی دیا گیا۔ کوئی آرم سے چیرا گیا۔ کوئی جلا وطن کیا گیا۔  
پس ہکو جو اپنی قوم کے ہاتھ سے ہونا چاہیے تھا اس کا کردار ماں حصہ بھی ابھی نہیں ہوا۔  
ہکو دیکھنا چاہیے کہ ہماری قوم نے ہم سے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا۔ بہت کیا تو یہ کیا کہ  
دو چار خط گننام سب و دشنام کے لکھ بیٹھے۔ جیسے شکر کیا کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا اور ان کا بدل  
ٹھنڈا ہو گیا۔

اس سے زیادہ کسی کو غصہ آیا اور کوئی اخبار نویس بھی اتفاق سے ان کا دوست ہو رہا  
دو پتھر اور ایک کاٹکی لگا ان کے ہاتھ میں مٹی تو انھوں نے اپنے دل کے غصہ کو جھوٹ  
سچ باتیں چھاپ کر یا چھپو کر ٹھنڈا کیا۔ ہم تو اس پر بھی راضی ہیں مگر اس دن کا ہکو افسوس ہے  
جبکہ وہ لوگ خود اپنی باتوں پر افسوس کریں گے اور جھینگے جو بھینگے۔

ہکو محمد اور زینق اور لاندہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ ہماری قوم نے خدائے واحد  
ذوالجلال کے سوا باپ دادا کی رسم و رواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے اور ہمیں  
آخر الزماں محمد رسول اللہ کے سوا اور بہت سے پیغمبر پیدا کیئے ہیں کتاب اللہ کے سوا انسانوں  
کی بنائی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے اور ہم اس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور  
جلی قرآنوں کو ایسے ہی برباد کر دیا ہے ہیں جیسے ہمارے جد امجد ابراہیم اپنے باپ آذر  
کے بتوں کے توڑنے والے تھے ہم سچے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال اور سچے پیغمبر رسول اللہ کی نبوت اور سچے کتاب  
کی طاعت دنیا میں قائم کرنی چاہتے ہیں پھر وہ لوگ ہکو محمد و زینق و لاندہب نہ کہیں اور  
نہ سمجھیں تو کیا کہیں اور کیا بھجیں کیونکہ ہم ان کے خداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو  
نہیں مانتے۔

مگر طرفہ یہ ہے کہ ہکو کرستان بھی کہتے ہیں اور ہماری قوم کے لیک اخبار نویس نے چھاپا کہ ہم  
عیسائی ہو گئے اور لیک گرجا میں جا کر بپتسمہ یعنی اصل بنایا۔ ہکو اپنی قوم کے حال پر  
نہایت افسوس آیا کہ اب ہماری قوم کا یہ حال ہو گیا ہے کہ علانیہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ چھاپنے  
میں کچھ شرم و غیرت دیکھنا نہیں آتی۔ قومی بہرہ رومی جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہے خدا نے  
ہماری قوم کے دل سے کیسی شادی ہے کہ اس شخص کو یہ بھی غیرت نہیں ہوئی کہ میں ایک سلطان  
شخص کی نسبت کہ دل اغیرت سے ایسی جھوٹ بات چھاپ دوں۔ ان باتوں سے ہکو بھانپنا

اپنی ذات کے کچھ بھی بیخ نہیں ہوتا مگر جو بیخ اور غم اور افسوس ہوتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ افسوس  
ہماری قوم پر خدا کی کسی بھی غلطی ہے جو ایسی حالتوں میں گرفتار ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ  
كُنَّا لَعَافِينَ لَنَا وَ تَرَحُّمًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ •

کانپور سے بہکومتوں میں عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں جناب حاجی مولوی سید  
ہمداد العالی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہار نے جو رسالہ مطبوعہ ہمارے پاس بھیجا ہے اُس میں یہ مضمون  
بطور بصیرت لکھا ہوا ہے :

”بعض ایلیان ہند نے واسطے دھوکا دینے حکام وقت کے اپنا طریقہ مذہبی اور لباس ملکی  
اور وضع قومی چھوڑ کر بخلاف اپنے ہم مذہبوں اور ہوطنوں اور ہمتوہوں اور ہم پیشوں کے  
جاکٹ اور پتلون پہننا اور میز و کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا اور وہ ہیت جو نصرانیوں  
کی ہے بنانا اس مراد سے اختیار کیا ہے کہ بہکومتوں میں جن کے لباس و طعام کی یہ وضع ہے  
اپنا مخلص اور طبع اور پیر و جانیں اور اُن کے محکومین بہکومتوں کا ہمسرا مانند صاحب لوگوں کے  
سمجھیں سو نتیجہ اُن کی خست طینت کا کہ مکر و دغا ہے یوں ظاہر ہے کہ اکثر حکام بیوا فریبی دغا باز  
سمجھنے کے اُن کو کچھ اچھا نہیں جانتے ہیں اور اُن کی وضع اور چلن کو بالکل پسند نہیں کرتے  
ہیں اگرچہ بعض حکام ظاہر میں پادری نش اُن کی دل شکنی اس وجہ سے نہیں کرتے ہیں کہ خیال اُنکا  
یہ ہے کہ شاید اُن کے ذریعہ سے اہل اسلام کے عقاید میں کچھ فتور آسکتا ہے اور اُن کے دلوں میں  
ہمارے مذہب کی طرف کچھ رغبت پیدا ہو سکتی ہے حالانکہ اس خیال کا وقوع میں آنا ہرگز ممکن  
نہیں ہے اس لیے کہ ان صاحبوں کی بے اعتباری نے اہل اسلام کی طبیعتوں میں اس طرح  
صوف نہیں پایا ہے کہ کوئی بات ان کی نکالی ہوئی یا کہی ہوئی یا لکھی ہوئی وہ قبول کر سکتے ہوں  
بلکہ میر لگان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں  
سمجھ سکتا ہے۔ چل یہ ایلیان ہند کسی طرح اپنی مراد اس طریقے سے نہیں پاسکتے ہیں بلکہ اپنی  
بدنیتی سے خسار الدنیا و الاخرۃ ہو سکتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون •  
اگرچہ اس تحریر کی وجہ لوگ اور ہی کچھ خیال کرتے ہیں مگر ہم اُن کی اسی بات کا انہوں  
نے بہکومتوں میں ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں میں شام کی شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے  
ہیں کہ۔

عزت و راز باد کہ ایں ہم غنیمت است

مگر جب ہم فتواری دُور اُور اُس رسالہ کو پڑھتے جاتے ہیں تو پھر یہ فقرہ اپنی نسبت پاتے ہیں۔

”مفتی سعد اللہ صاحب کا فتوئے تکفیر میں جناب سید احمد خاں صاحب کے جو ترجمان پر مرتب ہوا ہے راقم کے پاس موجود ہے معلوم نہیں کہ سید احمد خاں صاحب کے حواری میں اُس فتوے پر بھی ایمان رکھتے ہیں یا نہیں؟“

پہلے تو ہم گھبرائے کہ مفتی سعد اللہ صاحب کون ہیں وہی ہیں جن کو پہنے دلی میں بچھا ہے۔ اور یہ وہی مفتی سعد اللہ صاحب ہیں جنہوں نے لکھنؤ میں ایک نیک جنت مسلمان آل رسول ابن علی اولاد نبی کے کفر اور قتل کا فتویٰ دیکر عشرہ مہم میں اُن کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنؤ میں لانا چاہا تھا تو ہمارا دل ٹھنڈا ہو گیا اور سمجھ کر آل رسول کے قتل و کفر پر فتویٰ دینا اُن کا قدیمی پیشہ ہے۔

مگر جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو تکرار معطرہ شریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت اُن کو حج اکبر نصیب ہوا اُن کے لئے ہوئے فتووں کے دیکھنے کے ہم مشتاق ہیں۔

بہیں کرامت بتخاؤ مرا اسے شیخ

کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد

سُبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو حاجی اور کسی کو کافراور کسی کو مسلمان بنانا ہے واللہ درمن قال۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

توانم آنکہ نیا زارم اندرون کسے

حسود را چکنم کو ز خود بیخ در دست

اُپ ہمارے محبوب مہدی علی اور ہمارے عزیز مشتاق حسین کا حال سنو۔ یہ ہمارے دونوں دوست ایسے ہیں جن کا حال کچھ چھپا نہیں ہے۔ مولوی مہدی علی کا علم اُس کی ذاتی خوبیاں۔ اُس کی پیاری پیاری باتیں۔ اُس کی سچی ایمانداری۔ اُس کی فصیح تقریر اُس قابل ہیں کہ اگر ہمارے قلم کے دل کی آنکھیں آندھی نہ تھیں تو اُس کے نام سے فخر کیا کرتے۔

منفق مشاق حسین کی ذاتی نیکی اور نہایت سخت دینداری بے یا عبادت پستی خدا پرستی۔  
غایت تشدد سے نادر روزہ اور احکام شریعت کی پابندی جو حقیقت بے مثل ہے اس لائق تعجب کارگر  
ہماری قوم پر خدا کی غلطی نہ تھی تو اس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے ؟

مگر خدا نے ایسا اپنا غضب ہماری قوم پر نازل کیا ہے کہ ایک رائے یا ایک مسئلہ یا ایک لکائی  
رسم و رواج کے اختلاف کے سبب ایک کو نہایت حقارت سے عاری جس سے اشارہ عیسائی  
کار کھا ہے اور دوسرے کو طوطا کا خطاب دیا ہے کبریت کلمتہ تنجیم من خواہم ان یقولون  
الاکن با۔ مگر ہمارے ان دونوں دوستوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اُن کو بعض سچائی اور  
دینداری کے یہ خطاب انہی کی قوم سے ملے ہیں جن کی وہ بہتری چاہتے ہیں ؟

نیک باشی و بدت گوید خلق

برکہ بد باشی و نیکت گویند

بائیں ہم ہم خود اپنے مخالفوں کے نہایت مزاح و ثنا خواں ہیں اور دل سے اُن کی تعریف  
کرتے ہیں کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر صرف حمیت اسلامی کے سبب اور بعض اپنی  
حببت اور اپنی خلقی سخت مزاجی اور کجوائی کے سبب ہماری مخالفت کرتے ہیں پس ہمارا اور ہمارے  
اکثر مخالفوں کا مطلب واحد ہے۔ ہم دونوں اسلام کے خیر خواہ اور اپنی قوم کی ترقی چاہنے والے ہیں  
صرف ہم میں اندھارے اُن مخالفوں میں اتنا فرق ہے کہ کچھ کہنے سمجھا اور سوچنا اور دیکھا ہے  
وہ انہوں نے سوچنا سمجھا دیکھا نہیں۔ جب اُن کے دل کو بھی خدا وہ باتیں سوچھا دیکھا جو ہم کو  
سوچائی ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہو جاویں گے۔ زید ابن ثابت۔ ابو بکر صدیق اور عمر ابن  
خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع قرآن پر مخالفت ہی کرتے رہے جب تک کہ خدا نے زید ابن  
ادبیت کے دل کو وہ باتیں نہیں سوچائیں جو ابو بکر و عمر کو سوچائیں تھیں لیکن جب سوچائیں  
تو انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ اللہ خیر پس ہم اپنے مخالفین کے لیے یہی دعا خدا سے مانگتے  
ہیں کہ اللہ ما شرع صلواتہم للذی شرح لہ صدری۔ آمین ؟

### ذکر پرچہ تہذیب الخلاق

گزشتہ سال میں سیب خاص ضرورتوں کے حالات مدرسۃ العلوم مسلمانان زیادہ تر اس پرچہ میں چھپا  
گئے اس پر بھی بہت سے وہ ضامین بھی جن کے لیے یہ پرچہ موصوفی ہے مندرج ہوئے ؟

ہم نے اپنی قوم کی موجودہ بُرائی اور اُن کی آئندہ کی بھلائی جہاں تک کہ ہوسکی اُن کو دکھائی۔ مذہبی تقاضوں سے بیرون نصاریٰ کی روایتوں سے اور ہندوؤں کے میل جول سے اختیار کیے ہیں۔ بد رسم و رواج جو اُن میں شامت اعمال سے پڑ گئے ہیں۔ اخلاق کی بُرائیاں جو اُن میں خرابی تربیت سے اُگتی ہیں اُن کی کتب مرتبہ تعلیم کی خرابیاں جس سے وہ گناہیں بے سود ہو گئی ہیں سب کچھ اُن کو بتلایا ہے۔

علم ادب اور علم انشاء سے بھی غفلت نہیں کی کیونکہ جہنے اپنے آرٹیکلوں کو اُس طرز جدید صاف و سادہ پر لکھا ہے جو دل میں سے نکلنے والی اور دل میں بیٹھنے والی ہے اُس طرز پر لکھنے سے اپنی قوم کو موجودہ علم انشاء کی بُرائی کا بتانا اور اُس میں تبدیل کی ضرورت کا ہونا سمجھایا ہے۔ اور اگر سہارا خیال غلط تو جہنے اپنی قوم میں اُس کا کچھ اثر بھی پایا ہے۔ جہنے نامی یورپ کے عالموں آڈین اور اسٹیل کے مضامین کو بھی اپنی طرز اور اپنی زبان میں لکھا ہے جہاں کہ جہنے اپنے نام کے ساتھ اسے۔ ڈیٹی اور آئیں۔ ٹی کا اشارہ کیا ہے اور اپنی قوم کو دکھایا ہے کہ مضمون لکھنے کا کیا طرز ہے اور ہماری اردو زبان میں اُن خیالات کے ادا کرنے کی کیا کچھ طاقت ہے اور اگر ہماری قوم اسپر تو تہ ہو تو کس قدر اور زیادہ فوجی اور صفائی اور سادگی اُس میں پیدا کر سکتی ہے۔

یہ تو جہنے سنا کہ بعض لوگوں نے ہمارے پرچہ کا نام تحریک الاخلاق اور تخریب الافاق رکھا ہے جس طرح کہ ایک پُرانی قوم نے قولوا حطّٰة تغفر لکم خطایا کم و سنزیدنا الحسنات کی جاہ حطّٰة پڑھا تھا مگر ہم نے کوئی تحریر بطور ربوبیہ کے اسپر نہیں لکھی جس میں بطور ایک عادل حاکم کے اُسکی بھلائی بُرائی پر فصل لکھے دی ہو۔

بعض دوستوں نے ہمارے پاس خط بھیجے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری تحریر کو اور سادگی عبارت کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے مضمونوں کو بھی سمجھتے ہیں۔ ہمارے ایک انگریز دوست نے ہمارے لکھا کہ تہذیب الاخلاق نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو زبان میں بھی ہر قسم کے مضامین اور خیالات اُچھی اور سادگی سے ادا ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ثابت کیا کہ مذہب اسلام ایسا تنگ و تاریک رستہ نہیں ہے جیسا کہ اب تک سمجھا جاتا تھا۔

ہم کو اس بات کے معلوم ہونے سے بھی بڑی خوشی ہے کہ ہمارے مخالف ہمارے دوستوں سے بھی زیادہ اِس پرچہ کے مشتاق رہتے ہیں اور اِس سے بھی زیادہ خوشی یہ ہے کہ لوگ

اس کے مضامین پر بحث کرتے ہیں اور رد و قبح پر متوجہ ہیں بعض اخبار نویسوں نے ہمارے مضامین کے نوکرنے کا پیشہ اختیار کیا ہے اور بعض حکم ہمارے مضامین پر بنظر تردید بحث کرنے کو مجلسین مقرر ہوئی ہیں بعض صاحب اس بات پر متوجہ ہیں کہ اپنی پڑائی ہی کملی کو ہر مجلس کے لائق ثابت کریں۔ کانپور و گورکھپور و مراد آباد سے اُن مضامین کی تردید میں رسالے نکلے ہیں اور نکلنے والے ہیں۔ یہ تمام واقعات ہمارے لئے نہایت مبارک آثار ہیں کیونکہ اگر یہ سب باتیں معرض بحث میں آتیں تو ہمارے اپنی تحریروں کے مؤثر ہونے کا کچھ بھی یقین نہ ہوتا جو عمارت بغیر گہرا کھودے بنتی ہے وہ جلد ڈھے جاتی ہے۔ وہی مسائل انجام کو ہر دلعزیز نہ ہوتے ہیں جو بعد مباحثہ قائم رہتے ہیں۔ سو ناگزیر آگ میں نہ تیا جاوے تو کبھی ٹکڑوں کے ٹکے کا مار نہ ہو۔ ہمارا قول ہے کہ ”سچ میں بھی کوئی ایسی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جاوے۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ یہی ہے کہ مباحثہ کا اُسے خوف نہیں“ +

ہم کو اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے پرچہ کا ایک مضمون ہمارے ملک کے نامی عربی اخبار النفع العظیم لاهل هذا القلیم مطبوعہ ۱۴ ذیقعدہ میں زبان عربی ترجمہ ہو کر چھپا ہے۔ اور سٹرڈین کا ایک مضمون اُمید پر جو ہم نے اپنی زبان اور اپنی طرز پر چھپا تھا وہ دوسری طرح پر بطور ترجمہ پشاور اخبار مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۳۸۵ء میں چھپا ہے اور اس سے ہم کو اُمید ہوتی ہے کہ جو راہ ہم اپنے بھائیوں کو دکھائی چاہتے ہیں وہ اُسکو پسند بھی کرتے ہیں۔

در دلش تسلیم و بر لب حرف از کار وصال  
گوش گوید بشنود چوں دل ز اندازش خوش است

اثر تہذیب الاخلاق کا دلوں پر

مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پرچہ نے لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کیا مگر اتنا تو ضرور کہتے ہیں کہ کچھ تو اثر کیا ہے۔ ہماری قوم کے دل جو ٹرہ ہو گئے تھے اُن میں ایک تحریک تو ضرور آگئی ہے۔ ہر کیشیل میں کسی نہ کسی بات کا جوش ہے۔ کوئی اُس کے مضامین ہی کی تردید کی فکر میں ہے۔ کوئی ہماری تکفیر کی دُشمن میں ہے۔ کوئی ہماری تحریروں کو سراہتا ہے۔ کوئی اُن



سراخنے والوں کو محنت و ملامت کرتا ہے۔ مگر ایک نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ بہت لوگوں کو یہ خیال آگیا ہے کہ بلاشبہ ہماری قوم غراب ہوتی جاتی ہے اُس کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ اگر حقیقت ہماری تحریروں نے ایسا اثر کیا ہو تو ہلکے یقین کرنا چاہیے کہ ہماری مراد محال ہو گئی۔

ہمارے ایک دوست نے مجھے نقل کی کہ ضلع سہارنپور میں ہمارے حال پر بحث ہو رہی تھی ایک شخص نے کہا کہ اُس کے مسلمانوں کے دوست ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر ان دوست ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہے تو وہ کرٹان مگر ہماری قوم کی بھلائی اور ترقی اگر ہوگی تو اُسی کرٹان سے ہوگی۔ یہ نقل سن کر میں نہایت خوش ہوا اور میں نے کہا کہ اگر حقیقت مجھ سے ایسا ہو تو اس کرٹانی کے خطاب پر ہرگز مسلمان بننا ہے۔

قسمت مگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت

مرگے کہ زندگان بدعا آرزو کنند

صائب نے خود ایک ناواقف شاعر سے پوچھا کہ صائب کیسا شعر کہتا ہے۔ اُس نے نہایت دلی جوش سے کہا کہ اُس قمر ساق بہر خوش میگوید۔ صائب کہتا ہے کہ جیسی عورت مجھ کو قمر ساق کے لفظ سے حاصل ہوئی اعلیٰ سے اعلیٰ خطاب سے بھی ممکن نہیں۔ یہی طرح خدا کے کہ یہ لفظ کرٹان کا میرے لیے عورت قومی کا باعث ہو۔

### اس کا اثر تعلیم و تربیت پر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری کوششوں نے مسلمانوں کی تعلیم پر اثر نمایاں کیا ہے اب جس مسلمان مدرسہ میں جاتے ہیں اور جن طلب علموں سے ملتے ہیں اتنی بات تو ضرور سنتے ہیں کہ جو طریقہ تعلیم بالفعل مقرر ہے وہ بلاشبہ تبدیل کے لائق ہے۔ بہت سی کتابیں ایسی درس میں داخل ہیں جن سے عمر ضائع ہوتی ہے بعض علوم ایسے پڑھائے جاتے جو دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے۔ جو شخص کفار و تحصیل ہو گیا ہو اگر اُس کے حال پر غور کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ دین کے کام کا ہونا تو معلوم دنیا کے بھی کسی کام کا نہیں ہوا۔

بہت سے لوگوں کی خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کسی طرح علوم و فنون جدیدہ چمکے سے اُن کے ماتھے آجادیں مگر شرماتے ہیں اور علانیاً ان کی خواہش کرنے میں اپنی مولویت اور قدوسیت کی کساد بنی سمجھتے ہیں۔

جا بسا مسلمانوں کے مدرسے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر جگہ ان کے قائم کرنے کا چرچا ہے۔ مولوی محمد سخاوت علی صاحب نے جن کی برکت سے قصبہ انجمیہ ضلع سہارن پور میں ایک مسلمانی مدرسہ قائم ہوا ہے ہمارے ایک دوست سے فرمایا کہ اگرچہ پہلے بھی ہمارے اپنی قوم کی بھلائی کی فکر تھی مگر کوئی تقاضا کرنے والا اور بار بار جگانے والا نہ تھا۔ اب پرچہ تہذیب الاخلاق نے یہاں تک چوکنا اور آگاہ کیا جس کے سبب اس قصبہ میں بھی ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ خدا اس پرچہ تہذیب الاخلاق کو ہمارے لیے ہمیشہ مبارک رکھے اور شیخ نظام الدین صاحب مہتمم مدرسہ کی نیت میں بھی ترقی ہو جو میرے ساتھ بدل متفق ہیں۔

یہ بھی انھوں نے فرمایا کہ ہمارے مدرسہ انجمیہ کو اور ہمارے ضلع کے کل مدارس - دیوبند - سہانپور - گنگوہ کو بڑی تلی ہے کہ یہ سب مدرسے اُس مدرسہ للعلوم مسلمانان سے جس کے قائم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے مستغنی ہوں گے گویا علی گڑھ ہمارے مدرسوں کے طلباء کا قہر سید ہے۔ مگر حقیقت ہم اپنی ترقی کریں گے تو وہ قہر ہمارے ہی لیے ہے پس کس قدر ہمارے انیس کے بانیوں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ سب سے اخیر مدرسہ جو ہماری تحریروں کے اثر سے قائم ہوا وہ مدرسہ یونیورسٹی ہے جس میں بشمول دیگر علوم معینہ کے مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور اس سے خیال ہوتا ہے کہ ہماری کوششوں نے شیعہ اور سنی دونوں کے دل کو جگانا ہے۔

اگرچہ ہم اپنی رائے میں ان مدرسوں سے ان نوید کے حامل ہونے کی توقع نہیں رکھتے جنکی ہم خواہش رکھتے ہیں۔ اس لیے ہمارے ان کے قائم ہونے سے چند ان خوشی نہیں ہے مگر تاہم اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ لوگوں کو اس طرف توجہ تو ہوتی ہے کچھ کرنے والے کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اس راہ پر بھی جا پڑیں جو فی الحقیقت سیدھی اور صحیح ہے اور جس راہ سے منزل مقصود پر پہنچنا ممکن ہے تاہم سے اس تو شروع ہوئی۔

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ان مدرسوں کے اخراجات میں بھی نہایت دل سے مدد کرتے ہیں اور ان کا قائم رہنا دل سے چاہتے ہیں گو ہم ان کے اس شوق اور اس فیاضی کو نقش بر آب اور ایک نہایت حقیر خصلت انسانی سمجھتے ہیں مگر ہم غرضی کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ سبب ان مقصد میں لوگوں کے جو ان مدرسوں میں صرف ہیں اور ان کی قدوسی کا خیال لوگوں کے دلوں میں جا ہوا ہے اور نیز اس خیال سے کہ مذہبی کتابوں اور قرآن و حدیث اور عربی پر مطالعے میں روپیہ

رہی تاج جھنڈی میں بڑا ثواب ہو گا اُن مہرسل میں روپیہ دیتے ہیں اور مدد کرتے ہیں  
یہ کرنا کچھ کرنے میں داخل نہیں ہے اور اس سے قومی عزت حاصل نہیں ہوتی ہے اور اسی سبب  
سے ہم اُس کی نہ کچھ زیادہ قدر سمجھتے ہیں اور نہ خوش ہوتے ہیں ہاں اُس میں خوشی ہو گئی ہے جبکہ  
ہماری قوم خدا کے واسطے اور نہ اپنے ثواب کے لیے بلکہ صرف اپنی قوم کے لیے کوشش  
کر گئی اور کیسی کو نہیں اپنے ماتھے - اپنے پاؤں - اپنی جان - اپنی محنت - اپنے روپیہ کے بڑے  
نہ خدا کو غریب مانا جاتا ہو نہ بہشت کو بلکہ اپنی قوم کو - جبکہ اس طرح بے خیال اپنے ذاتی نفع دینی و  
دنوی کے لوگ اپنی قوم کی بھلائی پر متوجہ نہیں گئے اُس وقت البتہ ہو سکے خوشی ہوگی - لیکن یہ بھی  
فحشیت ہے جو ہوتا ہے اور اُمید ہے کہ آئندہ آدب بھی اچھا ہو +

### اثر مذہبی خیالات پر

اِس پرچہ میں ہم عقاید و مسائل مذہبی سے بحث کرنا مقصود اصلی نہیں ہے مگر جو کہ مسلمانوں  
نے مثل ہندوؤں کے مذہب اور تمدن و معاشرت کو متحد سمجھ رکھا ہے اس لیے مجبوری اُن  
مسائل مذہبی سے بحث آجاتی ہے جو ہمارے مقصود سے علاوہ رکھتے ہیں +  
مگر ہماری قوم عجیب حالت مذہبی میں گرفتار ہے - ہم اہل سنت و جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے  
دو فرقے اقباب و وہابی و بدیعئی سے ملحق ہیں - پہلے حضرت بلاشبہ عقاید میں نہایت درست  
اور قریب حق کے ہیں تا ظاہری اغفال اور سختی اور سنگدلی اور قساوت قلبی اور تعصب پر استعداد گرم  
ہیں کہ اندرونی نیکی ایک بھی اُن میں نہیں رہی اور ٹھیک ٹھیک دُہی حال ہے جو علما یہود کا  
تھا جو دنیا کی ظاہری رسومات مذہبی میں مبتلا تھے اور دوسرے حضرت مگرچہ اندرونی نیکیوں  
کی جانب کبھی توجہ نہیں لائے مگر آج کے اس قہر پابند ہیں اور بدعات و محضہ کے استغلا پیرو  
ہیں کہ روٹن کھیتلک کے قدم بقدم ہو گئے ہیں بلکہ اُن کو بھی بات کر دیا ہے پس یہ دونوں باتیں  
ہمارے مقصود کی خارج ہیں اور ہم ان دونوں باتوں کو اپنے سچے دل سے مذہب اسلام کے بھی  
برخلاف سمجھتے ہیں اور ترقی تہذیب مسلمانوں کا بھی مانع قوی جانتے ہیں اور اِس لیے مسلمانوں میں  
جہاں تک کہ یہودیت اور روٹن کھیتلک آگئی ہے اُسکو مٹانا اور دُہر کرنا چاہتے ہیں اور یقین  
کرتے ہیں کہ بغیر سچا اسلام بے میل اختیار کیے کسی چیز کی بھلائی ممکن نہیں +  
رسومات کو اور خصوصاً مذہبی رسومات کو مٹانا کچھ آسان کام نہیں ہے اور نہ کچھ توقع ہے

کہ ہم اس میں کچھ کر سکتے ہیں مگر تاہم لوگوں کو اس سے متنبہ کرتے جلتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ  
کوئی دل نرم بھی ہوا ہو یا آئینہ ہو +

ہم کو ہمارے شفیق نچرل اسٹ یا دہریہ کہتے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں  
یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو مذہب نیچے کے برخلاف ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اُسی کے ساتھ اپنا یہ  
یقین بھی ظاہر کیا ہے کہ ٹھیک مذہب اسلام جبکہ وہ بدعات محدثہ سے پاک ہو بالکل نیچے کے مطابق  
ہے اسی لیے کہ وہ سچا ہے اور اس لیے وہ سچا ہے۔ اگر یہی وجہ ہمارے دہریہ ہونے کی ہو تو  
ہم کچھ دہریہ سہی بلاشبہ ہمارا یہ دلی عقیدہ ہے کہ نیچو خدا کا فعل ہے اور مذہب اُس کا قول اور  
سچے خدا کا قول اور فعل کسی مخالف نہیں ہو سکتا اس لیے ضرور ہے کہ مذہب اور نیچو متحد ہو اور  
بلاشبہ یہ بھی ہمارا اعتقاد ہے کہ انسان بسبب ذی عقل ہونے کے احکام مذہبی کا مکلف ہوا آ  
پس اگر وہ احکام عقل انسانی سے خارج ہوں تو معلول خود اپنی علت کا معلول نہ ہوگا ناں یہ بات  
مکن ہے کہ وہ احکام ہماری تمہاری عقل سے خارج ہوں اور عقل انسانی سے خارج نہیں ہو سکتے اور  
زمانہ جوں چوں انسان کی عقل معلوم کو ترقی دیتا جاوے گا دوں دوں اُن کی خوبی زیادہ مشکف  
ہوتی جائیگی مگر یہ سبقت ہوگا جبکہ تعلیم کی ہی آنکھوں سے کھلی ہوگی ورنہ کو کہو کے تیل کی طرح  
بجز دن رات پھرنے اور کچھ نہ جاننے کے اور کچھ نہ ہوگا +

کئی مذہب یا دنیا میں نہیں ہے جو دوسرے مذہب پر گوہہ کیسا ہی باطل کیوں نہواپی  
ترجیح بہرہ جو ثابت کر دے مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچے کے مطابق ہے اور  
میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جسکو میں ٹھیک اسلام کہتا ہوں اور جو بدعات  
محدثات سے اور غلط خیالات عام سے اور غلط اجتہادات سے اور دھکوسلہ قیاسات سے اور  
شکوک اصول فقہ متعصب سے مبرا و پاک ہے۔ پس میں تو اپنے تئیں بڑا حامی اسلام سمجھتا ہوں کہ  
سامانہ نہ مجھ کو دہریہ کیوں سمجھے +

نیکو دریں گل دباغ و بہار ازمین  
بہار ازیار و دباغ ازیار و گل ازیار و ارمین  
نمیدانم ز منہ گریہ مطلب چمیت ناصح را  
دل ازمین ویدہ ازمین استیں ازمین کنا مازمن

## ذکر درستہ العلوم مسلمانان

اس سے زیادہ عجیب بات کونسی ہوگی کہ جنہوں نے جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تربیت کے لیے درستہ العلوم کی بنیاد ڈالی ہے اس میں بھی ہمارے چند ہونٹوں نے ہم سے مخالفت کی ہے۔ ہمارے مخدوم مولوی حاجی سید امداد علی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کے مرسلہ رسالہ میں لکھا ہے کہ "میرالکمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی بھی رائے کو بھی ان کے (یعنی محمد گنہگار کے) ذریعہ سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا۔" اگر حقیقت مسلمانوں کا یہی حال ہو تو اسے بر مسلمانی و دوائے بر مسلماناں۔ نیکالینت آدمیوں کا یہ کام نہیں ہے وہ تو بدوں میں بھی جو نیک بات ہوتی ہے لگو پسند کرتے ہیں بلکہ رد و دیوار سے فصاحت پیتے ہیں۔ کیا قال مرد باید کہ گیر داند ز گوش ورنوشت است پسند بر دیوار

جاسے مکر معظم جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سب آرڈینیٹیشن جج گورکھ پور نے اپنے رسالہ شہاب ثاقب کے صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور علما کیے لکھ کر اس سے سیکھا (نوروز باندہ نہما) پس اسے میرے بھائیو میں تلخ و ستر تو۔ زینتیک۔ کافر۔ کرشان۔ شیطان ہی مگر جو اچھی بات بتاؤں اور تمہارے فائدہ کی بات کہوں۔ دل ہونسی سے تمہاری ہمدردی کروں میری وہ بات تم کیوں مانو حضرت ابوہریرہ نے نوروز باندہ نہما شیطان سے بھی نیک کام کہنے میں غار نہیں کی سبحان اللہ کیا شان اسلام رہ گئی ہے کہ جو شخص ان باتوں پر یقین کرے وہ تو پکا مسلمان اور جو یہ کہے کہ میاں وہ حدیث ثابت نہیں ہے یا وہ کوئی چور شیاطین بالنس میں سے ہو گا تو نیچرل سٹ کافر کرشان۔

گرمسانی میں است کہ دماغ دارد

و اسے گرد پس امر و نہود فردائے

کیا اس سے نیاہ قہرستی، او بد اقبالی۔ کم نصیبی مسلمانوں کی ہو سکتی ہے جو ایسے عوام میں درستہ العلوم کے قائم ہونے میں مخالفت کرتے ہیں۔ مگر ان کی مخالفت میری ذات کے سبب ہے ہے تو کیسی ناہولی ہے کہ ایک شخص کے سبب جو یقینی ایک دن نابود ہونے والا ہے ہمیشہ کے لیے اپنی تمام قوم کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ مگر انظامی امور اور فروعی باتوں میں مجھ سے اختلاف کیا

ہیں تو اپنی رائے کی غلبہ اور عہد کی ثابت کر کے منکر رائے میں برائی کر کے کو مدد کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اس کام کے انجام کے لائق ہیں تو مجھ کو اس سے علیحدہ کر خود آپ تمام کام اپنے اختیار میں لے سکتے ہیں اور میں خوشی و مسرت و احسانندی اس بوجہ سے سبکدوش ہو سکتا ہوں بشرطیکہ اذ کوئی اسکو انجام دے پھر مخالفت منی ہے۔ حقیقت میں یہ نشان بد اقبالی اور ہماری قوم سے خدائی ناراضی کا ہے کہ نہ خود آپ اپنی قوم کے لئے کچھ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں اور نہ اسکی سبھد رکھتے ہیں اور جو دوسرا کوئی کرتا ہے تو اس میں دوسرے ڈالتے ہیں +

اُن مخالفت کرنے والوں کو اگر ہم یہ دیکھتے کہ اپنے ذاتی امور اور روزمرہ کے برتاؤ میں نہایت پابند شریعت اور متبع سنت ہیں تو جو کچھ کہتے ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے ذاتی حالات میں تو سب کچھ روا ہے تو پھر ہم ایسے ہمارے بے مفرغ اندام ناو جو فروش باتوں کو پسند نہیں کرتے +

اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مخالف قومی ہمدردی اور قومی عزت کے جوش میں مگر ہم میں اہل حدیث و علم مسلمانان کے قائم ہونے میں عرق ریزی کر رہے ہیں مگر مدرسین لال تلکی ٹیولی اور انگریزی جو تہ پسنانے سے ناراض ہیں ہم خود شرمندہ ہوتے اور کہتے کہ گو وہ غلطی پر ہیں مگر اُن کی کوشش اور ہمدردی قومی اسکی متعفی ہے کہ اُن کی خاطر سے طالب علموں کو تہ بند باندھنے اور نعلین پہننے کا مدرسین حکم دیا جاوے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمدردی کا ان میں نشان نہیں۔ قومی عزت کا اُن کو خیال ہی نہیں پھر مخالفت مجسم کے (نکسی کینہ وعداوت سے بلکہ بمقتضائے طبیعت کی) اور کچھ نہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ بولیاں ہمارے مخالف نہیں بولتے بلکہ مسلمانوں کی باقبالی انسان کا دوبار چہار رائے ہے +

ہم ان تمام مخالفتوں سے کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور خدا سے اپنی استقامت چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اگر خدا نے ہمارا استقامت بخشی تو ہم ضرور انشاء اللہ العزیز اس کام کو پورا کر سکیں گے +

اے ناخدا تر مسلمانو۔ تم اتنی ہی بات پر غور کرو کہ اگر ہماری قومی سہی سے ہمارا قومی دایا معلوم قائم ہو جاوے تو جو دوس کے قایم ہونے کے بلا انتظار اس کے فوائد عظیمہ کے تمام دنیا میں اور تمام دنیا کی قوموں میں اور خصوصاً سولیز قوموں اور سولیز ملک میں ہماری قوم کی کس قدر عزت قائم ہوگی اور ہماری قوم کو اس کام کے انجام پر کیا کچھ فخر ہوگا ورنہ وہی انڈین انجیر توڑیں آریٹھ لکھنے والے کا قول صادق آویگا کہ سور کے بالوں سے کوئی ریشم نہیں

بناسکتا۔ اور خدا تو ہماری مدد کر۔ آمین +

اے بھائیو۔ ابھی مجھے پرچہ میں طریقہ انتظام و سلسلہ تعلیم مسلمانانِ شہر ہمارے تم اُس پر بخوبی غور کرو اور سمجھو کہ کیا بغیر اُس طریقہ کے ہماری قوم میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پھیل سکتی ہے اور کیا بغیر اُس طریقہ کی تعلیم کے قومی عزت حاصل ہو سکتی ہے اور کیا ان ٹیچر جموں عربی مدرسوں سے جو بجا بجا قائم ہوئے ہیں جن کے طالب علم مسجدوں میں پڑھتے ہوئے مالک کر ٹکڑے کھاتے ہیں ہماری قوم کو کچھ فائدہ اور ہماری قومی عزت بونہالی ہے۔ حاشا وکلا۔ میری عرض اس تقریر سے اُن مدرسوں کی ہجو کرنا نہیں جن کو نیک آدمیوں نے اپنی نیک دلی اور سچی نیت سے قائم کیا ہے اور نہ میری یہ خواہش ہے کہ اُن میں کچھ فتور آوے بلکہ اس تقریر سے میرا مطلب اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اور کرتے ہو اُس سے بہت کچھ زیادہ ٹھوکرنا ہے خاتمِ سب کو اُس کے انجام کی توفیق دے اور پھر خود اُسکو انجام دے۔ آمین +

یہ بات بھی کچھ کہ تعجب کی نہیں ہے کہ ہمارے ملک کے بعض اخباروں نے بھی (خصوصاً جن کے ایڈیٹر مسلمان تھے) اور جن کا فرض اپنی قومی ترقی میں کوشش کرنا تھا) اس مدتِ معلوم سے کافی مخالفت کی ہے گو اُس کا کچھ اثر ہوا ہوا یا نہ ہوا ہو مگر انھوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے ایک ترشیر ہونے میں بلاشبہ بلند نامی حاصل کی ہے۔ یا ایہ تہ ہمارے ملک کے بہت سے نامی اخباروں نے ہمارے ساتھ صرف اپنی قومی خیر خواہی اور پیٹریاٹزم کے جوش سے ہمدردی بھی کی ہے پس ہم اُن اخباروں کا اور اُن کے ایڈیٹروں کا جن میں سے ہم کو پنجابی اخبار لاہور اور کلکتہ اردو گائیڈ اور پنجاب اخبار اور علیگڑھ سین ٹینک سوسائٹی اخبار اور آدوم اخبار کا نام لینا چاہیے دلی شکر ادا کرتے ہیں +

حقیقت ہم ادا اخبار کے اُس اڈیکل کے جو اُس کے ایڈیٹر عالی قدر نے نہایت نیک اور صاف دلی محبت قومی سے اپنے اخبار بطور ۱۲ جنوری ۱۹۳۸ء میں چھاپا ہے بہت کچھ ممنون ہیں +

ہم اپنے ملک کے اسٹیٹ پیپر یا یونیورسٹی یا دیگر اخباروں کو کبھی قبول نہیں کرتے جس نے ہمیشہ وقتاً فوقتاً ہمارے مدرسہ العلوم کے حالات شہر کرنے سے ہماری بڑی مدد کی ہے +

ذکر ترقیات دیگر

جو کچھ کہ کچھ برسوں میں گٹھی مسلمانان نے کوشش کی اُس کا بڑا نتیجہ خاص مسلمانوں کے حق میں یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ عداس بنگال و بیسئی نے نسبت ترقی تعلیم مسلمانان خاص خاص احکام جاری کیئے ہیں جس کے لئے تمام مسلمانوں کو شکر ادا کرنا چاہیئے چنانچہ تینوں گورنمنٹوں نے اپنی مہربانی سے تمام کاغذ جو اُس سے متعلق ہیں حکومت فرمائے ہیں چنانچہ ہم آئندہ کسی پرچہ میں وہ سب اہل چھاپنیگے۔ علاوہ اسکے جو عام نتیجہ گٹھی مسلمانان کے مباحثہ سے ہندوستان کو ہوا وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا کہ جو تعلیم ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی تھی وہ کافی نہ تھی اہل ہند کو اور زیادہ تعلیم دینی چاہیئے چنانچہ اس کے لئے خاص گٹھی میٹھی ہے جو اُس کا تصفیہ کریگی پس ہمارے ہر وطن بھائی ہندو بھی ہماری گٹھی کے مننون احسان ہیں۔ علاوہ اس کے سب سے بڑا فائدہ ہماری کوششوں کا یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ نے تمام علوم و فنون کی کتابوں کا جن کی فہرست ہم نے مشترکہ تھی ویسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ہے اور امید ہے کہ ہمارا ملک آئندہ نسلوں تک ان کوششوں کے فائدوں کو یاد رکھینگا۔

## مہذب قوموں کی پیروی

جو بڑا پتا اپنے سے بڑے لڑکے کی باتوں کی پیروی کرتا ہے اور کم سمجھ والا اسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ سمجھدار سمجھتا ہے اور واقف اسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ واقف کار سمجھتا ہے اسی طرح نامہذب قوم کو تہذیب یافتہ قوم کی پیروی کرنی ضرور پڑتی ہے۔ مگر بعض دفعہ یہ پیروی ایسی اندھا دھندی سے ہوتی ہے جس سے بجائے اس کے کہ اُس پیروی سے فائدہ اٹھادیں اُن کا نقصان حاصل ہوتا ہے اور جس قدر ہم نامہذب ہوتے ہیں اُس سے اکثر زیادہ ناشائستہ ہو جاتے ہیں۔

نامہذب آدمی جب تربیت یافتہ قوم کی صحبت میں جاتا ہے تو اُن لوگوں کو بہت عمدہ پاتا ہے اور ہر بات میں اُن کو کامل سمجھتا ہے۔ ہر حکمان کی تعریف سنتا ہے مگر اُن میں جو خراب عادتیں ہیں اُن کو بھی دیکھتا ہے۔ مثلاً شراب پینا بھوکھینا وغیرہ پس شخص ان باتوں کو بھی اُن کے کمالوں میں تصور کر لیتا ہے۔ اُن میں جو خوبیاں اور کمالات و فضیلت ہیں اُن کو تو وہ حاصل نہیں کرتا اور نہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر جو بُری باتیں اُن میں ہیں اُن کی



بہت جلد سیکھ لیتا ہے ۔

ایسا کرنا حقیقت اس آدمی کی غلطی ہے کہ اُس نے اُن کے نقصوں کو اُن کا کمال سمجھا ہے۔ وہ لوگ سبب کسی دوسرے کمال لیاقت اور خوبی کے جو اُن میں ہے اور بسبب دوسری عمدہ خصلتوں کے جو اُنہوں نے حاصل کی ہیں مہذب شایستہ کہلاتے ہیں نہ بسبب اُن باتوں کے جن کو اُس نے سیکھا ہے۔ بلاشبہ مہذب آدمیوں کی بُرائیاں اُن کی بہت سی خوبیوں اور کمالات کے سبب چھپ جاتی ہیں اور لوگ اُن پر بہت کم خیال کرتے ہیں تاہم وہ بُرائیاں کچھ نہ نہیں ہو جاتیں بلکہ جو بُرائی ہے وہ بُرائی ہی رہتی ہے گوکہ ایک مہذب قوم ہی میں کیوں نہ ہو۔

ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی قوم وہ کیسی ہی عمدہ اور مہذب ہو مگر جو بُرائیاں اُس میں ہیں وہ اُس کے وصف نہیں ہیں بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہم کو کرنی نہیں چاہیے۔ اگر ایک خوبصورت آدمی کے موخہ پر ایک مسہ ہو تو ہم کو خوبصورت بننے کے لیے ویسا ہی مسہ اپنے موخہ پر نہ بنانا چاہیے کیونکہ وہ مسہ اسکی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ اُس کی خوبصورتی کا نقصان ہے۔ ایسی حالت میں ہم کو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسہ بھی اُسکے موخہ پر نہ ہوتا تو کتنا اُوڑ خوبصورت ہو جاتا ۔

ہم بلاشبہ اپنی قوم کو اپنے ہوطنوں کو سولیزڈ قوم کی پیروی کی ترغیب کرتے ہیں مگر اُن سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن میں جو خوبیاں ہیں اور جن کے سبب وہ معزز اور قابلِ ادب سمجھے جاتے ہیں اور سولیزڈ شمار ہوتی ہیں ان کی پیروی کریں نہ اُن کی اُن باتوں کی جو اُن کے کمال میں نقص کا باعث ہیں ۔

اسی سبب سے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم نے کسی سولیزڈ قوم کی عمدہ خصلتوں اور عادتوں میں پیروی کی تو ہم کو بہت خوشی ہوتی ہے اور جب دیکھتے ہیں کہ اُس نے اُن کی بُرائیوں کی پیروی کی اور شراب پینی شروع کی اور پکامتا والا ہو گیا اور بوجھا کھیلنا سیکھا اور بے قید ہو گیا تو ہم کو نہایت افسوس ہوتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری قوم عمدہ باتوں کو سیکھے گی اور بُری باتوں کو ہمیشہ بُرا سمجھے گی ۔

## مسائل متفقہ

باوجود اتفاق قلبی کے پیار سے ہمدی کو جسے متعدد مسائل میں اختلاف ہے جیسا کہ ہمارے پرچہ ہندیہ اخلاق کے ناظرین کو ان کی تحریروں سے ظاہر ہوا ہوگا مگر مفصل ذیل وہ مسائل ہیں جن میں ہمارے محمد مملوئی ہمدی علی صاحب کو بھی جیسے اتفاق ہے۔ شیطان کا موصوفہ کالا نشانہ اللہ تعالیٰ آئندہ افسانے میں بھی جو تحقیق و تدقیق وہ متفق ہونگے۔

- (۱) لا تخریف فی الکتاب المقدسة الامحویا +
- (۲) لیس الاسترقاق فی الاسلام +
- (۳) لا وجود للسموات جسمانیہ +
- (۴) ما کان الطوفان عاما +
- (۵) الاجماع لیس صحیحہ +
- (۶) التقليد لیس واجب +
- (۷) کل الناس مجتہدون لانفسهم فیما لم یخص فی الکتاب والسنة +
- (۸) کل ما نزل من القرآن فهو ما بین الدشتین +
- (۹) ما نسخت تلاوة الیتر من آیات القرآن +
- (۱۰) لیس النسخ فی القرآن +
- (۱۱) لیس خلافت النبوة بعد التبیی صلیع +

## اختتام سال ۱۲۹۰ھ ہجری

و

## شروع سال ۱۲۹۱ھ ہجری

از بندہ حضور و التہامی زبید

بخشایش بندہ از خدای زبید

گر من کم آنکہ آں مرا تازیبا است

تو کن ہم آنکہ آں تو خامی زبید

الحمد للہ کہ مسند فوتے پورا ہوا اور سنہ اکیانوے شروع ہو گیا۔ ہمارے اس پرچہ کو جاری ہوئے ساتین برس ہو گئے۔

پچھلا سال بھی خندہ گل و نالہ بلبیل سے خالی نہیں گیا۔ ہمارے آہ و نالہ نے بدستور غفلت رکھا اور ہمارے ناصحان شفیق کا بھی شور و ضعف کم ہوا۔

حسن شہرت عشق رسوائی تقاضا می کنند

جرم معشوق و گناہ عاشق بیچارہ نیست

ناصران شفیق نے ہر کبھی کبھار کہا اور کبھی کبھار۔ آخر کار ہر کج کار و فاجر و ملحد ٹھہرا ہی دیا۔ دوسرے فرد کے مولوی صاحبوں سے گھر کے فتنوں پر مہریں چھپوا ہی منگوائیں اور ہمارے گھر پر ہمارے ناصران شفیق جناب مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب نے ایک سالہ چھاپ ہی لیا اور اسلحا لافا اس کا نام رکھا۔ بھلا آؤ کچھ جواب دینا ہوا۔ بچارے غریب چھاپے والے کو تو فائدہ ہو گیا۔

اسی سال میں ہماری تحریرات کی تردید میں مولانا علی بخش خاں بہادر نے رجوع امید ہے کہ اب تک حاجی بھی ہو گئے ہوں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سے ان کو بھی حاجی لکھا کر بیٹھیں۔ دوسرے تحریر فرمائے ہیں جن میں سے ایک کا نام شہناز قب ہے اور دوسرے کا نام تاشیلا اسلام۔

آخراں میں فوجی لاف و نواس تو اپنا نور عالم میں برساتا ہی تھا مگر اس سے ایک اور پرچہ ان کے گھر کا اوجا لاسی بنو برا کافاق لدھم ظلمت اھل النفاق پیدا ہوا ہے جو نہایت ہی لمچسپ ہے اور ہمارے اس پرچہ تہذیب الاخلاق کے جواب میں نکلا ہے اس کے مضامین ظاہر تو جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب بنادر کے طبع و ادب معلوم ہوتے ہیں مگر بعض لوگ ان مضامین کو لے پا کر بتاتے ہیں۔ بھلا ہر کس سے کیا کہ وہ میاں ندویر کے ہیں یا سیال کشید کے کسی کے ہوں مگر لمچسپ ہیں خدا اس کی بھی عموماً ذکر ہے۔

ہم نے بھی اپنے مضامین لکھنے اور قومی بھلائی کی کوشش میں کی نہیں کی اگرچہ پچھلے سال میں کاروائی مدرسہ العلوم مسلمانان کی اکثر چھپتی ہی آٹا مضامین کی نشین سے بھی یہ پرچہ خالی نہیں رہا۔ ہمارے غمزدہ دل شکستہ دوست مولوی سید مد علی کا پھر مسلمانوں کی تہذیب پر جو ہراس

کے پڑوں میں چھپا دہشتیت ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو اُس کی قدر جانتے ہیں۔ ہمارے ہمسرا ڈیٹر اودھ اخبار نے اُس کی ویسی ہی قدر دلائی کی ہے جہاں دہشتیت ہے۔ ہکو نہایت فخر ہے کہ ایسا عالی مضمون ہمارے اس ناچیز پرچہ کے ذریعہ سے مشترک ہوا ہو جو ہماری قوم کی اگلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور کھلی حالت بتا کر شرمندہ کرتا ہے اور پھر آئندہ کی بہتری کی توقع سے دل جان کو تقویت دیتا ہے +

بڑی مبارک اس سال میں ہمارے پرچہ کو یہ ہوئی ہے کہ جناب مولوی چراغ علی صاحب نے بھی اس میں مضمون لکھنے شروع کیئے ہیں۔ ایک آدمے مضمون اُن کا کچھلے سال میں چھپا ہے اور آئندہ آور بہت سے عمدہ مضامین کے چھپنے کی توقع ہے +

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری تحریروں کے سمجھنے میں جو کبھی کبھی نسبت مسائل مذہبی لکھی جاتی ہیں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اصول کیا ہیں اور کن اصولوں پر ہماری تحریروں مبنی ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سال کے شروع میں ہم اپنے اُن اصول کو لکھ دیں تاکہ لوگ اُن اصول کی صحت و سقم پر غور کریں اگر وہ اصول صحیح ہیں تو اُسید ہے کہ جو تحریروں اُن پر مستغرق ہیں اُن میں بھی کچھ غلطی نہ ہوگی۔ بایں ہمہ یہ قول نہایت صحیح ہے۔  
کہ یہ چغرض بشر خالی از خطا نبود

اور وہ اصول یہ ہیں۔

اَوَّلُ - خدا نے واحدہ الجلال انلی وابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے +  
دَوَم - اُس کا کلام اور جس کو اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقع نہیں ہو سکتا +

ثَلَاثُ - قرآن مجید بلاشبہ کلام الہی ہے۔ کوئی حرف اُس کا ز خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقع +

چہارم - قرآن مجید کی اگر کوئی آیت ہو کہ بظاہر خلاف واقع یا خلاف حقیقت معلوم ہو تو وہ حال سے خالی نہیں یا تو اُس آیت کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے یا جسکو ہم نے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اُس میں غلطی کی ہے۔ اس کے برخلاف کسی مفسر یا محدث کا قول ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے +

پنجم - جس قدر کلام الہی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ سب بین الذمتین

موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا مانا جاوے تو کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید کی بطور یقین قابل عمل نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہے جو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو۔

زمنہ کسی ایسی آیت کا اُس کے عدم وجود کی دلیل نہ ہو سکیگا۔  
 ششم۔ کوئی انسان سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا نہیں ہے جس کا تو افعالی بلا سند صریح قول و فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو یا جس کی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو اس کے برخلاف اعتقاد رکھنا شرک فی الثبوت ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جس طرح اُمت و پیغمبر میں تفاوت درجہ ہے اسی طرح اُن کے قول و فعل میں بھی جو دینیات سے متعلق ہیں درجہ و ترتیب کا تفاوت ہے۔

ہفتم۔ دینیات میں سخت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طاعت میں ہم مجبور ہیں اور دنیاوی امور میں مجاز۔

اس مقام پر سخت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہے۔  
 ہشتم۔ احکام مخصوصہ احکام دین بالیقین ہیں الباقی مسائل اجتہادی اور قیاسی اور وہ جن کی بناء پر فتنی پہچان سبب بنتی ہیں۔

نہم۔ انسان خارج از نطاق انسانی تکلف نہیں ہو سکتا پس اگر وہ ایمان پر تکلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُس کے وہ احکام جن پر نجات منحصراً عقل انسانی سے خارج نہیں۔  
 شاہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے تکلف ہیں مگر اُس کی اہمیت ذات کے جاننے پر تکلف نہیں۔

دھم۔ افعال ماسوٰ فی نفس ہیں اور افعال منوعہ فی نفس قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اُن کی خواص جن یا قبیح کے بتانے والے ہیں جیسے کہ طب جو ادویہ کے ضرر اور نفع سے مطلع کر دے۔

اس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سبب شامل ہو۔

یا نہ دھم۔ تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ دھم تو اندھے کے حق میں دیکھنا اور سوجا کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکیگا۔

دوازدهم۔ وہ قوی جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کیے ہیں اُن میں وہ قوی بھی جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے ان تمام قوی کے استمال پر انسان مختار ہے۔ مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قوی کو اور کبر کس طور پر کام میں لاویگا۔ اُس کے علم کے برخلاف ہرگز نہ ہوگا مگر اُس سے انسان اُن قوی کے استمال یا ترک استمال پر حسب تک کہ وہ قوی قابل استمال کے اُس میں ہیں مجبور نہیں تصور ہو سکتا +

تسیذ دہم۔ دین اسلام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی میں امتد ہیں +  
چہما کردہم۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جماعتی احکام دین کے ہیں اور بالکل فطرت کے مطابق ہیں۔ دوسرے وہ جن سے اُن پہلی احکام کی مخالفت مقصود ہے مگر اطاعت اور عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے +

پانزدہم۔ تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے +

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت کے معنی سمجھے ہیں کہ دل میں کچھ اور کہنا یا کرتا کچھ یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو حقیقت سے بچا تھا مگر منہ وقت بنگر اُسکو کہہ دیا یا کر لیا +

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اصول پانزدہ گانہ ایسے ہیں کہ جس سے کوئی مسلمان انکار اور اختلاف نہیں کر سکتا اور جب وہ لوگ جو ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں ان اصولوں پر غور کرینگے اور یہ بھی سمجھینگے کہ ہماری تقریریں ایسے سچے اصولوں پر مبنی ہیں تو کیا عجب ہے کہ وہ بھی ہم سے شفق ہو جاویں +

## تہذیب قومی

اصلی مقصود تو ہمارے اس پرچہ کا تہذیب قومی ہے۔ مسائل مذہبی کی بحث پر مجبور ہی جاتی ہے۔ اس سائل میں بھی جہاں تک ہو سکا ایسے مضامین جو قومی تہذیب سے علاوہ رکھتے ہیں اس پر میں کچھ لکھے گئے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اُن مضامین نے کسی نے ل پر اثر بھی کیا ہو مگر ہمارے بنسبت اسکے کہ ہمارے مضامین نے کسی ل کو نرم کیا ہے اس بات سے زیادہ خوشی ہے کہ ہم

اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور یہی ہمارا مقصد تھا چاہیے کیونکہ بندہ کا کام صرف سچی کرنا ہے اور اسکو پورا کرنا اور اثر دینا خدا کا کام ہے اسلیٰ منی والا تمام من اللہ تعالیٰ ایک شہور مقولہ ہے پس شکر ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں +

مگر نہایت افسوس ہے کہ ہمارے قوم ایسے جبل مرکب میں گرفتار ہے کہ اسکو اپنا بھلا یا بُرا طلاق نہیں سوچتا۔ جو بات قوی بھلائی کی کہو اسکو اٹھا بھگتے ہیں۔ قوی بھلائی پر کوشش کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ تقدیر ٹھٹ گئی ہے ادا رہ چکا ہے بھلائی کی بات کیونکر خیال میں آسکتی ہے مگر قوت نہیں توڑتے۔ خدائی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے۔ لا تقظوا من رحمۃ اللہ پر بھروسہ کر کے کوشش کیئے جاتے ہیں +

اسی دو تین فہم میں پانچویں نمبر ایک نہایت عمدہ آرٹیکل میں ایک ضمنی قریب قریب اس مضامین کے لکھا تھا کہ قومی باتیں جب ہی ترقی پر ہو سکتی ہیں جبکہ قوم میں قومیت کی شرطیں بھی موجود ہوں یعنی

- ۱۔ عام لوگوں میں وہ قوت موجود ہو جس سے کسی عمدہ بات کی قدس کی جاتی ہے +
- ۲۔ آپس کے میل جول میں آزادی اور ہمہ گیری ہو +
- ۳۔ خیال سب کے آزاد ہوں +

۴۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ بہت سے ایسے دل موجود ہوں جن سے اُس ترقی اور ایجاد کرنے والی قوت کے جواب میں جو ننانکی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے مدد ملے +

ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہماری قوم میں نہیں ہے پس ترقی ہو تو کیونکر ہو مگر خدا سے امید ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آدینکا جو لوگ ان باتوں کو سمجھیں گے اور اپنی قوم کو قوم بنا دیں گے اور اُس کی بہتری و ترقی میں کوشش کریں گے +

## العلوم

ان سب باتوں کو قوم میں پیدا کرنے والا ہماری دانست میں مدرستہ العلوم ہو گا جس کے قائم کرنے پر نہایت دل سے کوشش ہو رہی ہے +

ہم کو اس بات کے کہنے سے نہایت غشی ہے کہ بہت سے دل رفتہ رفتہ مدرستہ العلوم کا نام کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک کے دل میں یہ خیال کہ ایسے مدرستہ العلوم کی باشبہ نہایت

ضرورت ہے پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جن بزرگوں کو ہمارے ذلتی افعال و اقوال کے سبب مدرسہ العلوم سے نفرت تھی وہ بھی برسر انصاف آتے جاتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہمارے ذاتی افعال و اقوال کو مدرسہ العلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے کیا عجب ہے کہ کسی دین ہاری قسمت ایسی بھی یاد ہو جاوے کہ جناب مولوی حاجی مسید امداد الہی صاحب بھی ہماری شامت حال سے قطع نظر فرما کر مدرسہ العلوم مسلمانان کے حامی اور سرپرست بن جاویں۔ آمین +

ہماری ان کوششوں نے ہمارے ہو وطن بھائی اہل ہندو کے دل میں بھی بہت بڑا اثر کیا ہے باوجودیکہ سرکاری مدارس ان کی تعلیم کے لئے نامناسب نہیں ہیں اس پر بھی ان کو اپنی پاک بان اور قدس کتابوں کے چرچے کا دل میں شوق اٹھتا ہے اور وہ بھی مثل ہمارے مدرسہ العلوم کے ایک قومی مدرسہ جاری کرنے پر آمادہ و مستعد ہوئے ہیں۔ جا بجا نہایت سرگرمی اور بڑی کامیابی سے چندہ جاری ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس قدر چندہ چنے ایک سال میں ہزاروں محنتوں سے جمع کیا ہے انہوں نے اس سے زیادہ ایک مہینے میں اکٹھا کر لیا ہے۔ ہماری نہایت خوشی ہے کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاویں۔ ہمارے ہو وطن ہندو صاحبوں کی کامیابی میں ہم کو شبہ نہیں ہے۔ وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ ہم سے دُور اندیش زیادہ ہیں۔ ہم سے دولت مند زیادہ ہیں۔ ہماری مانند پُرفساد نہیں ہیں۔ مثل ہمارے حمد و بھض و تعصب نہیں رکھتے۔ اتفاق قومی ان میں ہے۔ ہندوستان میں ان کی قوم کے بڑے سردار و دالیان ملک موجود ہیں۔ ہماری قوم کے اول تو سردار ہی کم ہیں اور جو ہیں وہ کچھ پرواؤں تک نہیں کرتے۔ گویا ہندوؤں کے مربی و سرپرست زندہ و سلامت ہیں۔ اور ہمارے مربی و سرپرست دنیا سے تشریف لیگئے ہیں۔ وہ باس ہیں اور ہم بے سر۔ پس ان کی کامیابی میں کچھ شبہ نہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہجو اپنی کامیابی میں کُشب ہے۔ ہاں اگر ہماری قوم کو بھی غیرت آوے اور خدا ان کے دل کو سیدھا کرے اور پُرفساد خیالات کو ان کے دماغ سے نکالے اور قومی ہمدردی ان کے دل میں ڈالے تو ہجو بھی اپنی کامیابی میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ +

اے براہمن دینی۔ سب سے بڑا وقت نہیں ہے کہ ہم آپس کی تکرار و فساد میں پڑیں تو تو تین تین لڑ لڑ کر کسی کا فائدہ کسی کو ٹھونڈ بناویں اور کم و بیش جو کوشش وسیع کام ہے ہو سکتی ہے اس کو بھی آپس کا ٹھانڈوں سے بیکار کر دیں پس اُمید ہے کہ ہماری قوم میری اس ہمدار کو توجہ سے سنیں گی اور مدرسہ العلوم کی ہمدار کی دل جان سے ساری کوشش کریں گی۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ +



## مسلمانان یارقند

مسٹر رابرٹ شا صاحب یارقند اور اُس کے گروہ کے لوگوں کا حال دریافت کرنیکا مشن شروع  
 میں اُس ملک میں گئے تھے اور انھوں نے اپنے سفر کا حال ایک کتاب میں لکھا ہے جو ان کے سفر میں لندن  
 میں چھپی ہے۔ ہم اُس کتاب سے اُس نواح کے مسلمانوں کا حال انتخاب کر کر دیتے ہیں لکھتے ہیں اور  
 اس انتخاب کے لکھنے سے ہمارا مقصد اپنی قوم کو دو باتوں سے متنب کرنا ہے۔ ایک یہ کہ ہماری قوم جو  
 ہندوستان میں رہتی ہے وہ سمجھے کہ اُس نے کس قدر عورتیں ہندوؤں کی سیکھ لی ہیں اور کھانے اور  
 پینے اور غیر قوموں سے ملنے میں ایک خیالی وہم اور جھوٹ جس کی اصل زرشع میں ہے اور نہ آؤ  
 ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں میں ہے اختیار کیا ہے۔ دوسرے اس بات پر انھیں دلا نا  
 ہے کہ ہماری قوم کے لوگ کیا ہندوستان کے رہنے والے اور کیا آؤ ملکوں کے رہنے والے کیسے  
 بے علم اور واقعات تاریخی سے جو دنیا میں گذرے ہیں کس قدر بخیر اور عافیتات نزل اور بیود  
 کسانوں پر یقین اور اعتبار کرنے والے ہیں جس سے اُن کا دانی۔ بے علمی بخوبی ثابت ہوتی  
 ہے۔

## انتخاب سفر نامہ رابرٹ شا صاحب

صاحب موصوف نے کانگڑہ سے اپنا سفر شروع کیا اور جب وہ شہر لہیہ میں پہنچے جولوہاخ  
 سے کے جانب شمال میں واقع ہے تو وہاں کے لوگوں کا حال انھوں نے اس طرح پر لکھا ہے۔  
 وہ لکھتے ہیں کہ جب میں لہیہ میں پہنچا تو میں نے تثبت کے باشندوں کے چال چلی اور رسوم  
 رواج کو تو تحقیق کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب کہ میں پہلے پہل شہر کی سیر کو نکلا تو وہاں کے لوگوں کے  
 حالات دریافت کرنے کا جو جوش تھا وہ سب جا مارا اور اُس کے عوض میں ایک دوسری بات  
 کا شوق لیں اُنھوں نے کہ جو لوگ اُس ملک میں تھے یعنی تبتی اُن سے بالکل مختلف قسم کے لوگ  
 ترکی اُن میں ملتے چھرتے یا ہمارے قتل عام میں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اُن کے سروں پر بڑے  
 بڑے سفید عامر تھے یعنی ڈھری اور چھ نہین تنگ لٹا بنا سٹے سے کھلا جاپیچہ صدفی پہنے تھے  
 اور پاؤں میں کالے چمڑے کے موٹے موٹے بوٹ تھے۔ ان سب باتوں سے اُن کا ایک رُعب  
 سلوک ہوتا تھا اور اُن کا برتاؤ نہایت مشتبہ تھا جس سے لوگوں کے دل میں اُن کا اب پید ہو

انہیں ہندوستانیوں کی ہی خوشامد تھی اور تہمتیں کی ہی نقالی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا  
 بندوں کے بچیں آدمی ہیں جب بنیں ان سے ملاؤ ان کا مزاج بالکل غفناک نہ پایا جیسا کہ ان کے  
 ہموطنوں کا سمجھا تھا۔ وہ لوگ ہمارے نہیں بلکہ تہمتیں اور ہندو مترجم کے دوستانہ بات چیت کرتے  
 تھے اور نہایت مزے سے ہماری چار پھونک پھونک کر جو جو جرح کر پتے تھے برخلاف ہمارے  
 ہندوستان کے ڈرپاک مسلمانوں کے جو اس قدر ہندو ہو گئے ہیں کہ ایسا کرنے سے ان کی ذات  
 جاتی ہوتی ہے۔ ہمارے ہمان دراصل بہت اچھے لوگ تھے جنسی مذاق سے خوش ہوتے اور جو ابھی  
 مذاق کے ساتھ دیتے تھے۔ ان کا دلی کے ساتھ گفتگو کرتے مگر کبھی مرد مناسب سے بجا دینیں  
 کرتے تھے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بھی عزت کرتے ہیں اور جس سے گفتگو کرتے  
 ہیں اس کی بھی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ جب فرصت ہوتی تو مودب طرز پر سلام کر کے رخصت  
 ہوتے۔ رنگ میں اہل یورپ سے کچھ کم نہیں ہیں۔ لال ہونٹ اور نگلاب کے رنگ کا سا چہرہ ہوتا ہے  
 جب ہم پہلے پہل ہاں پہنچے تھے تو ایک شخص مجھ پر شاک اور اونچی اڑی کا جو تپہ ہونے  
 ہمارے پاس آیا۔ اس کی ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بھورے تھے اور چہرہ بہت گورا اور صاف  
 تھا۔ اس نے مجھ کو اس طرح سے دیکھا جیسے انگریز دیکھتے ہیں۔ میں نے اس کو انگریز سمجھ کر اس سے  
 بات کرنا چاہا تھا کہ اتنے میں وہ مگر میرے مسلمان نوکروں کے پاس جا بیٹھا۔ معلوم ہوا کہ ایا رقص کا  
 رہنے والا ایک حاجی تھا۔ جب ہم روکشین میں پہنچے تو وہاں کے مسلمانوں سے قرآن و مذہب کی  
 نسبت بہت سی گفتگو ہوئی۔ عیسائیوں کو وہ نصاریٰ کہتے ہیں اور مسلمانوں کی نسبت کچھ ہی کم  
 سمجھتے ہیں کیونکہ عیسائی اہل کتاب ہیں اور ان کے لئے قریت موسیٰ اور زبور داؤد اور انجیل مسیحی  
 بھیجی گئی ہے اور ان کے خاص پیغمبر نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام درجوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے دوسرے ہیں ہندو اور اور بت پرستوں کو ایسا نہیں سمجھتے۔ اسی مقام پر محمد نذر جی یاوند  
 کا لچھ ہندوستان میں آیا تھا ملاقات ہوئی۔ اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے میرے ساتھ  
 چارولی اور رخصت ہوئے۔

جب مشرٹل صاحب چنگ چوہن میں پہنچے تو وہاں یہ بات دریافت ہوئی کہ گردنوالہ کے  
 ملک میں جس قدر چانول ایک کجے پر لٹکتے ہیں ان کی قیمت میں آٹھ تولہ سونا یعنی باہونڈ کے  
 برابر ملتا ہے جس کے ایک سو میں دو پیرہہ چروشاہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے  
 مقام شہیدانہ پہنچے جہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے اور شاہ صاحب کے آنے کی خبر سن کر

شاہ یار قند نے چند سپاہی اور افسر ایک مہینہ پہلے سے وہاں تعین کر رکھے تھے وہ لوگ مسٹر  
شاہ صاحب سے نہایت دوستانہ طور پر ملے۔ اُن کے ساتھ چارہ پی کھا نا کھایا۔ شاہ صاحب نے  
بھی ایک روز اُن کی دعوت کی۔ اُن لوگوں نے شاہ صاحب کے آنے کی خبر یا قند کو بھیجی اور  
جب تک یار قند سے روانگی کی اجازت نہ آئی وہیں ٹھہرے رہے مگر اُس قیام کے عرصہ میں  
اکثر آدمی یار قند سے شاہ صاحب کی مدارات کے لیے آتے جاتے رہے اور نہایت خاطر داری  
کے ساتھ اُن کو وہاں رکھا۔ آخر کار جب اجازت روانگی کی آئی تو سب لوگ روانہ ہوئے۔ راستہ  
میں بلکار شاہ صاحب کے استقبال کے واسطے آتے تھے۔ جبکہ یار قند کے قریب پہنچے تو ایک  
اہلکار جس کو مہانداری کہتے ہیں پیشوا لئی کو آیا تو عظیم قواضع کے ساتھ ملا۔ مہانداری نے اپنے  
سہرا میوں کو سواری پر سے اتار کر شاہ صاحب کے ملازموں کو جو سپاہیہ تھے سوار کرایا اور نہایت  
شاک سے شاہ صاحب کی خراج کی خیر و عافیت پوچھی اور عطا فرمایا اور اُن کے گھوڑے کے برادر  
اپنا گھوڑا کر کے ساتھ ساتھ آگے کو چلا۔ ایک سواریب سے آگے گھوڑا دوڑتا اور بندوق چھوٹتا  
جاتا تھا۔ یہ گویا شاہ صاحب کی عظیم کے لیے سلامی کی شلغ ہوتی جاتی تھی۔ کچھ گھوڑے سے آگے  
بڑھنے پر ایک اور جماعت ملی جو شاہ صاحب کے استقبال کے لیے ٹھہری ہوئی تھی اُن سے  
ملکر اور اُن کے ساتھ چارہ پانی پی کر آگے بڑھے تب یوزباشی ذریہ یار قند کا بھائی اگر ملا اور شاہ  
صاحب سے راستگی خیر و عافیت پوچھی۔ مقام شہیدانہ میں جہاں کو بہت دنوں تک ٹھہرنا پڑا تھا  
اُسکی محنت کی۔ آخر کار اُسی روز سپہر کو شاہ صاحب یوزباشی کے خیمہ میں اُس سے ملنے کو گئے تو  
بہت اعزاز کے ساتھ قالین پر بیٹھایا۔ چار رنگو لئی۔ دسترخوان بچھوایا۔ جب شاہ صاحب اُس سے  
فصحت پوچھا اپنے خیمہ میں آئے تو تھوڑی سی دیر بعد یوزباشی اُن سے ملنے کو آیا۔ اُنھوں نے  
زرد رنگ کی بیشمن کشمیری بگھٹی یوزباشی کی نندگی۔

اشارہ میں ایک روز ذریہ نے یوزباشی کے پاس ایک خط بھیجا اور اُس میں جہان بی بی شاہ  
صاحب کی خیر و عافیت دریافت کی اور لکھا کہ اُن کے لیے کسی بات کی دقت یا کوتاہی نہ اسی طرح  
ہر روز قاصد آتے جلتے رہے جو ہر مرتبہ جگہ دنیا خلعت پہن کر آتے تھے۔ شاہ صاحب اپنی اسی  
عزت اور توقیر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے حقیقت یہی کہ والی ملک اپنے جہان کے قریب پہنچنے  
کی خبر سن کر اس قدر خوش ہوا تھا کہ قاصدوں کو انعام اور خلعت دیتا تھا صاحب کسی قدر  
آدیا قند کے قریب پہنچے تو ایک جماعت سواروں کی ملی جن کا سردار سپاہ پر شاک پہنے

ایک منشی گھوڑے پر سوار تھا۔ یوزباشی نے شاہ صاحب سے کہا کہ یہ بیگ یعنی حاکم سبزوآپ کے استقبال کے واسطے آیا ہے۔ جب نزدیک پہنچے تو یوزباشی نے شاہ صاحب اور بیگ سے ملاقات کر لی۔ دونوں باہم گلے ملے اور نہایت تعظیم اور تواضع کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ بیگ کی سیاہ پوشی کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی بی بی نے وفات پائی تھی۔ اُن کے ماتم میں سیاہ پوش تھے۔

یار قند کے قریب شرکوں اور پرنے بکوں کی مرمت کرائی گئی تھی اور نہروں اور چھوٹی چھٹی ندیوں پر نئے پل بنائے گئے تھے۔ شاہ صاحب سمجھتے ہیں کہ مجھ کو اس قدر اپنے قدر و منزلت کی ہرگز امید نہ تھی۔ یار قند والوں نے میرے منشی دیوان بخش سے پوچھا تھا کہ جب کوئی معزز آتا ہے تو اُس کی آمد میں کیا اہتمام ہوا کرتا ہے منشی نے معمولی تیاریاں شرکوں کی مرمت وغیرہ جو یہاں ہوا کرتی ہیں بیان کی تھیں۔ اس پر انہوں نے ایسی تیاریاں کیں کہ بکوں کے پرانے شتیر بھی بدلوادیے تاکہ شاہ صاحب کے ساتھ جو سوار آویں تو اُن کے گھوڑوں کے ٹاپوں کے صدر سے وہ پورے شتیر ٹوٹ نہ جاویں۔ شاہ صاحب اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ سب طیاریاں جو اُن کے لیے ہوئیں اور بس قدر اُن کی قدر و منزلت جو ہوتی تھی اُس کا اُن پر بارگزدنا تھا۔ کہتے ہیں کہ ہرستی میں اُس ضلع کا حاکم میرے استقبال کے واسطے آتا تھا۔ جب مقام کا دخلی تہن میل کے فاصلہ پر آتا تو وہاں کا بیگ مجھ سے ملنے آیا اور نہایت خاطر داری سے ملا۔ چند درختوں کے سایہ میں فرش بچھو کر دسترخوان بچھایا گیا اور لُہے شوربا اور کپاؤ اور ٹی ٹبری روٹیاں اور میوے چُنے لگے۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بعد کھانا کھانے کے لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اُسی جگہ ایک بُخار کے حاجی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے ہندوستان عرب اور روم ملک کا سفر کیا تھا۔ اُس سے فارسی میں بہت گفتگو ہوئی۔ دو گھنٹہ تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ چار پیتا جاتا تھا اور سفر کا حال کہتا جاتا تھا۔

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ مقام نکلا کے ریگستان میں پہنچے تو یوزباشی نے وہاں کی ایک روایت اس طرح بیان کی کہ یہاں کا فرآد تھے۔ ایک بزرگ مسی شاہ جلال الدین صاحب نے اُن کے رہبر و اسلام کا وعظ کیا۔ انہوں نے اس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ اُن کے مکان سونے کے ہو جاویں۔ شاہ جلال الدین نے کچھ دُعا پڑھی۔ اُن کے سب مکان سونے کے ہو گئے مگر وہ سب کا فرانسے اتر سے پھر گئے اور کہا کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ ہمیں مل گیا۔ اب ہم کہیں

مسلمان ہوں وہ بزرگ یسٹن کر چلے گئے۔ زمین سے ریت اُٹا اور کافروں کے تمام مکان وغیرہ اُس میں غرق ہو گئے۔ یہاں کے غزنویوں کی بہت جتو کی گئی۔ مگر کوئی ایسا جا دو ہے کہ جو کوئی اس ریگستان میں پھر تباہ ہے وہ ہلک ہو جاتا ہے ۛ

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر میں اُلچی ہوتا تو اس سے کچھ زیادہ میری خاطر داری نہ ہوتی بلکہ میں اُن لوگوں کا دوست اور بہوٹن بھی ہوتا تب بھی اس سے زیادہ مجھ پر مہربانی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک یوز پوزباشی نے مجھ سے کہا کہ اے شاہ صاحب اگر آپ فرنگی ہوتے تو ہم اور آپ بھائی ہوتے اور پختا رہتے۔ یا رفتہ سے تیر میل دے دوسرا یوزباشی نہایت ندق ہنق پوشاک پہنے ہوئے تیس سواروں کے ساتھ مجھ سے ملنے کو آیا۔ میں اور وہ دونوں گھوڑوں پر سے اترے اور شرعی ملکوں کی قسم کے موافق گلے ملے۔ یوزباشی صاحب نے اس زور سے میرا گلہ دبا یا کہ میرا دم گھٹنے لگا اور خیر و عافیت مزاج کی پوچھی۔ پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوئے۔ دونوں یوزباشی میرے دونوں پہلوؤں میں چلتے تھے جب شہر کے اندر پہنچے تو ایک ایسے مکان میں جس کو قالین اور فرش بچھا کر خوب آراستہ کر رکھا تھا اور آگ روشن کر رکھی تھی مجھ کو اُتارا اور یوزباشی نے کہا کہ یہ مکان آپ کا ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ اُس کے بعد دسترخوان بچھا کھانے کے بعد شاہ خاں اُلچی وزیر کا بھائی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی خاطر داری کی نسبت ممنونی ظاہر کی۔ اُس نے جواب دیا کہ ارشاد کے ممان کی ہم کتنی ہی تعظیم اور توجہ کیوں نہ کریں لیکن کافی نہیں ہو سکتی۔ اُس کے واپس جانے پر تھوڑی دیر بعد میں شاہ خاں اُلچی وزیر سے ملنے کو گیا۔ جب جلس کے مکان پر پہنچا اور فیروز سے آنکھیں چا رہے تھے میں نے مجھ کو سلام کیا۔ فیروزاں سے اٹھ کر دو لادہ لٹا آیا اور مجھ سے ملا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور آتش خانہ کے قریب اپنے مقابلہ میں مسند پر بٹھایا۔ نہایت خاطر کی۔ اور بہت سی باتیں پوچھیں میرے آنے کی خوشی ظاہر کی۔ اور کہا کہ سلطان روم اور انگریزوں کے باہم محبت اور دوستی ہے اُسکو میں جانتا ہوں اور انگریزوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ آپ نے جو استدر و دروازہ فرماتیا رکھا اور ہمارے بڑے دربار سے ملنے کے واسطے ایسی تکلیف کوا لکی۔ ایک عمدہ ثبوت اُس دوستی کا ہے۔ دوستی سے ہر ملک چیز ترقی پاتی ہے اور دشمنی سے ملک ویٹن ہو جاتا ہے میں نے ان سب باتوں کا مناسب جواب دیا اور کہا کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا یہاں رہنا دونوں ملکوں کے باہم دوستانہ بناؤ اور آمد و رفت کا باعث ہو گا کیونکہ انگریزوں کا ترکوں کی نسبت نیک خیال ہے اور یکساں تمام خاطر داری اور ممان نوازی کا حامل جو میری نسبت

ترکستان میں ہوئی ہے ہمارے ملکہ سنیکی تو نہایت خوش ہوئی گی۔ اسی گفتگو میں دسترخوان  
بچھا اور چار میرے رو بہ پیش کی گئی۔ اُس کے بعد میں نے اٹھنا چاہا مگر شاخوال نے میرے شانہ  
پر ہاتھ رکھ کر پھر مجھے بٹھالیا اور اُن کے ایک ملازم نے ایک عمدہ ریشمین مچھ میرے شانوں پر لایا  
تسبیخ رخصت ہوا۔ شاخوال بھی میرے ساتھ اٹھا اور مجھ کو دروازہ تک پہنچا گیا۔

میرے یاقند میں پہنچنے سے پہلے میرے واسطے میز اور کرسی طیار کر لی گئی تھی۔ کئی دن کے  
بعد میں پھر شاخوال کی ملاقات کے لیے گیا اور وہ اُسی طرح عزت اور خاطر سے پیش آیا۔ ایک  
ریشمین مچھ عنایت کیا۔ اُس کے بعد پھر کئی مرتبہ چنے اور ٹوپیاں وغیرہ مجھ کو بھیجیں۔

یاقند میں کافروں کے لیے حکم ہے کہ گپڑی نہ باندھیں اور کہ میں ایک سیاہ ڈوہری باندھے رہا  
کریں مگر میرے ہندو نوکروں کو مسلمانوں کو شاک پہننے کی اجازت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے  
حال پر نہایت بڑی مہربانی ہونے کے سبب سے تھی۔

ایک روز میرا منشی شاخوال کا ایک قول لیکر آیا جس میں اس بات کی شکایت تھی کہ تمہارے  
نوکروں نے روپیہ کے لیے کچھ جس بازار میں فروخت کی ہم سے روپیہ کیوں نہ طلب کیا اسی کے  
ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ بدخواہ لوگ کہیں گے کہ ایک عمان انگریز کی معاونی کی نسبت مناسب  
توجہ نہیں ہوتی تب میں نے اپنے منشی کو اُن کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کچھ کپڑا میں نے نوکروں  
کے لیے خریدیا تھا۔ اس پر وزیر نے کہا اگر یہ بات بادشاہ کے کان تک پہنچ جاوے تو مجھ پر حد سے  
زیادہ عتاب ہو۔

ایک روز رمضان کے دنوں میں میں وزیر کی ملاقات کو گیا اُس روز وزیر صاحب نے اپنے ہاتھ  
سے میرے لیے چار طیار کی ایک دن یوز باشی لے مجھ سے کہا کہ آپ یہاں کوئی چیز ہرگز نہ خریدیں گے  
میں نے کہا کہ تھوڑی تھوڑی ہی چیزوں کے مانگنے میں مجھ کو شرم آتی ہے۔ یوز باشی نے کہا کہ جو  
چیز آپ کو دکا ہو خواہ وہ ہزار طلا کی ہو خواہ ایک پھول کی اُس کے مانگنے میں ہرگز شرم نہ کیجیے۔  
شاخوال کہ میں نے ایک ملاقات میں ایک بندوق رائفل اور ایک سیو الو مواد اور ایک ریشمین  
گپڑی اور کچھ کپڑا اور ایک تہ بوس پونڈ چار نذر دی جس کو انھوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔  
جب ہمارا بڑا دن قریب آیا تو میں نے اپنے نوکروں کو گوشت خریدنے کا حکم کیا مگر شاخوال کے  
اُس سے حکم آیا کہ آپ باندہ کچھ نہ خریدیں۔ سب چیزیں تیار ہو جاویں گی۔ بڑے دن کو شاخوال  
نے ایک بڑا بھاری دسترخوان اور عمدہ ریشمین مچھ اور ایک ٹوپی بھی بھیجی۔ وزیر نے میری توجہ کے لیے

کھانے بجانے واسطے بھی منتیں کیے تھے +

ایک روز مینے اپنے دوستوں کی دعوت کی جس میں میرا منشی دیوان بخش اویوزباشی اور  
مہاند اور چار پنجاباشی شریک ہوئے۔ اُن لوگوں نے پہلی روٹی کا ٹکڑہ نمک کے ساتھ کھا کر روزہ  
گھڑا سچ کھانا کھایا۔ کھانے میں کچھ انگریزی اور کچھ اُن کا کھانا تھا۔ یوزباشی کو اس بات کی بڑی  
تشویش تھی کہ اُن ہی چیز کھائیں اور کون ہی نہ کھائیں کیونکہ کھوت کشمیری اور ہندوستانوں نے  
جوشہ یا رقتد گلازہ تھے ترکوں سے ہماری شکایت کی تھی اور یہ کہ یہاں تھا کہ سوائے سور کے  
گوشت کے یہ آد کچھ نہیں کھاتے ہیں کسی مسلمان کو اُن کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہیے اس لیے  
یوزباشی نے میرے آدہ ہانوں سے کہہ رکھا تھا کہ منشی پر نظر رکھو جس چیز کو وہ تلے اُس کو ہاتھ  
نہ لگائیو۔ مجھ کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی بعد خبر ہوئی۔ پھر میرے منشی نے اُن کو سمجھا دیا کہ ریزل انگریز  
کبھی کبھی سور کا گوشت کھاتے ہیں شاہ صاحب کو میں نے کبھی کھاتے نہیں دیکھا اس بات سے  
سب خوش ہو گئے +

شاہ یار قند کا شعر میں تھے وہاں میرے آنے کی خبر بھی گئی اور جب تک مجھے وہاں آنے کی  
اجازت ملی تو میں یار قند میں رہا۔ جس وقت اجازت آئی وزیر صاحب نے مجھ سے دریافت کر دیا کہ  
بادشاہ کی نذر کے واسطے اگر کچھ چیزیں مہکار ہوں تو ہم پہونچا دی جاویں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ  
سب آپ کی نوازش ہے میں بادشاہ کے حضور میں بھی چیزیں نہ رگڑا نہ پاتا چاہتا ہوں خواص  
میری اور میرے نمک کی کہیں اس پر بھی وزیر نے یوزباشی کی معرفت کچھ روپیہ اور چند خلعت  
میرے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ کے اہلکاروں کو دینے کے لیے لے جاتے جانیے۔ اتفاق  
سے میری گھڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا تو میں نے ایک شیشہ منگوا لیا تھا کہ وزیر صاحب نے بجائے  
شیشہ کے اپنی گھڑی میرے پاس بھیج دی تھی۔ اب جو میں کا شعر کو جانے لگا تو وہ گھڑی میں نے  
اُن کے پاس واپس بھیجی۔ وزیر صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ گھڑی مجھے پھر دیکھاؤ گے تو میں سخت  
نامراض ہوں مگر جو چیز میرے پاس سے جاتی ہے وہ پھر کہیں آیا کرتی اگر شاہ صاحب اس کو اپنے  
لاہی نہ بھیجیں تو آؤ کسی کو دیدیں۔ آخر کل یار قند سے کا شعر کی طرف روانہ ہونے کا سامان درست  
ہو گیا اور صبح کے وقت نہایت عمدہ خاصہ ہوت گھڑا داد خواہ یعنی وزیر کے مطہل سے میری سہولی  
کے نیچے آیا اور میرے سبب کر دیں اور اسباب کی واسطے بھی گھڑے لے آئے وہاں سے روانہ ہوئے۔  
محمد آقا جان بارہ راد خواہ شہر کے دھاندنگ مجھے رخصت کرنے کو میرے ساتھ لایا کا شعر میں

پہنچنے کے بعد میں نے اُن سب چیزوں کی دستی کی جو بادشاہ کی زندگی کے لیے بیش قیمتی تھیں اور اُن کو کشتیوں پر رکھا۔ قریب آج صبح کے بہت سے اہلکار مجھے بلانے آئے اور میں اُن کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت کے لیے چلا۔ میرے ہمراہ دو یونانی اشرافیہ اور عجمی باشندے اور تیس یونانی آدمی نذر کی چیزیں لیے ہوئے تھے۔ میں جس کان میں فوج کش تھیں اُس کے دروازہ سے بادشاہی محل کے دروازہ تک ایک چوتھائی میل کا فاصلہ ٹرک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم تھا جو اپنے مختلف رنگوں کی پوشاک کے باعث سے زندہ تصویروں کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ دروازہ کے اندر پہنچ کر کئی بڑی بڑی دیوڑھیوں میں سے گندہا ہر ایک دیوڑھی پر عمدہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے پہرے کے سپاہی موشن بیٹھے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اُس حالت کے جزو ہیں۔ کچھ سوداؤر لوگ قطار کی قطار ریشم لباس پہنے بیٹھے تھے۔ اُن میں جو لوگ کچھ اعلیٰ درجہ کے تھے اُن کی پوشاک اور دل سے زیادہ عمدہ تھی۔ پہلے پہل میں نے کالک قوم کے سپاہی دیکھے جنکے پاس تیرہ لکھان درکش تھا۔ اندر کے حصے میں چند چیدہ صاحب نظر آئے۔ یہاں سوائے ایک یونانی اشرافیہ کے جو کل میرے پاس گیا تھا اور کوئی میرے ہمراہ نہ رہا میں ایک لاکھان میں سے گزر کر ایک دروازہ میں گیا پھر ایک کوٹھڑی میں سے ہو کر دربار کے کمرے میں پہنچا۔ اس کمرے میں دیوڑھی کے قریب ایک شخص کو تنہا بیٹھا پایا۔ میں نے قیاس سے جانا کہ یہی بادشاہ ہے۔ تب میں اکیلا آگے بڑھا اور جب قریب پہنچا تو بادشاہ اپنی مسند سے گھٹنوں تک اٹھے اور دونوں ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھائے۔ میں نے ترکوں کے دستور کے موافق مصافحہ کیا اور اُن کی اجازت سے اُن کے روبرو بیٹھ گیا۔ پھر حسبِ قاعدہ مزاج پُرسی کے لیے اٹھا مگر بادشاہ نے اٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور زیادہ تر اپنے قریب کر لیا۔ پھر میری مزاج پُرسی کی اور فرمایا کہ اُمید ہے کہ سفرِ آرام ہو اور گا اسکے جو اس میں میں نے عذر کیا کہ میں فارسی زبان بولتی نہیں جانتا۔ بادشاہ نے ہنسر فرمایا کہ بہ خوبی سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے بعد ایک لمبا خاموشی رہی۔ میں منتظر تھا کہ بادشاہ کچھ فرمادیں اور بادشاہ منتظر تھے کہ کچھ کہے۔ آخر کا بادشاہ نے انگیزوں کی طرح سوچ کی گھنٹا شروع کی۔ میں نے اُس کا مناسب جواب دیا اور یہ کہا کہ میرے جموطنوں کو اس بات کے سننے سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے دوست سلطان روم اہل حق کی رعایا کے بھائیوں نے اہل حق کو نکال کر جن کے ساتھ ہماری تین لاکھ لاکھ لاکھ ہیں ہم کو تان میں ایک نئی سلطنت قائم کی ہے اور اپنی نسبت میں نے یہ کہا کہ کچھ لاکھ صاحب نے نہیں جہاں ہے اور نہ کوئی خط دید ہے۔ میں صرف آپ کے نام کی شہرت



سُکرا اپنی خوشی سے آیا ہوں۔ بادشاہ میری باتیں سن کر سر ہلاتے جاتے تھے۔ پھر فرمانے لگے کہ جب میں نے یہ خبر سنی کہ شاہ صاحب دوستی کی نظر سے میری سلطنت میں آتے ہیں مجھ کو بُری خوشی ہوئی۔ لاٹ صاحب تو بہت بُرے شخص ہیں میں اُن کے مقابل میں حق اور انصاف نہیں دیتا۔ جواب دیا کہ لاٹ صاحب تو بُرے ہیں مگر ہماری ملکہ جو ان کی آقا ہیں اُن سے بھی بہت بُری ہیں۔ اس پر بادشاہ میری طرف دیکھنے لگے تب میں نے کہا کہ مجھ کو اُمید ہے کہ ان دونوں قوموں کے باہم دوستی اور محبت مستحکم ہو جاوے گی اور دوستوں کے درمیان بڑی جھڑپ کی کچھ بحث نہیں ہوتی پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ انگلستان کی چند بندوقین بطور نمونہ حضور کی نذر کیواں لایا ہوں اُمید ہے کہ وہ قبول فرمائی جاویں۔ بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ ہم تم کو دوست ہیں ہمارے تمہارے ہمیں نذر نذرانہ کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا نیریت سے پہونچا ہی بُری خوشی کی بات ہے اسی کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دونوں ہاتھ کی انگشت شہادت کو جو ڈاکٹر ٹیڑھی کر کے انعام دوستی کیا اور میرے خست ہونے کے وقت بادشاہ نے فرمایا کہ چند روز آرام کر کے مستحکموں کو دیکھو اس جگہ کو اور کچھ اس میں ہے سب کو اپنا سمجھو۔ اُن تیسرے روز پھر ہم سے اور آپ سے ملاقات بات چیت ہوئی۔ پھر فرزند شکار کو اشارہ کیا اُس نے ایک ساٹن کا چُڑھ میرے شانہ پر ڈالا اس کے بعد نہایت مہربانی سے بادشاہ نے مجھ کو رخصت کیا۔

چھبیسویں ہزاری کی شام کو مجھ سے یوزباشی سے ملاقات ہوئی۔ یہیں کاشغریں محرم بھی ہوا۔ یہاں کے لوگوں نے حضرت سکندر مینی سکندر اعظم کی نسبت عجیب واقعات بیان کیے یعنی اُن کی دارالسلطنت سمرقند میں تھی اور انہوں نے ملک چین پر اس غرض سے کہ وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی طرف پھیریں فوج کشی کی۔ راہ میں ایک مقام پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر شخص اس جگہ ایک ایک پتھر رکھ دے۔ وہاں ایک بڑا ڈھیر پتھروں کا ہو گیا۔ جب چین میں پہونچے تو شاہ چین نے اُنکی اطاعت قبول کی اور بغیر مقابلہ راج گزار ہو گیا۔ سکندر کے سپاہیوں نے اُس ملک کی عورتوں سے شادی کی اور حضرت سکندر نے اس ہم کے مطلب کو پورا کر کے امداد کر کہا اور وہاں سے کوچ کیا۔ جب پتھروں کے اُس انبار کے پاس آئے جو سپاہیوں سے جاتے وقت جمع کر لیا تھا تب حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک پتھر اُٹھا لے۔ سب نے ایک ایک پتھر اُٹھا لیا لیکن ہزار پتھروں پر باقی رہ گئے اُن پتھروں کے شمار کرنے سے تعداد اُن سپاہیوں کی معلوم ہوئی جو چین میں اپنی چینی بیبیوں کے ساتھ رہ گئے۔ اُن لوگوں سے دو قومیں پیدا ہوئیں ایک ٹینگائی جو مسلمان ہیں دوسری ٹینگائی

ہے اس کے معنی ہیں رہ جانا) دوسری کالک جو آپ بھی ہیں کے واسطے کے قریب ملکوں میں  
بستی ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ حقیقت میں یہ داستان تاتار کے فحیابوں میں سے کسی کی ہے  
لیکن عام غلطی سے سکندر کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ شمالی تاتار میں ایک میدان ہے جو سنشال  
کے نام سے مشہور ہے اور اُس میں اب بھی ایک بہت بڑا انبار پتھروں کا موجود ہے اور اسکی نسبت  
یہی نام اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ ٹینگانیوں کی روایت سے بھی بیان مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے  
وہ لوگ کہتے ہیں کہ تیمور لنگ کے کچھ سپاہی اُس ملک میں رہ گئے اور ہم اُنھیں کی اولاد ہیں لیکن  
تیمور لنگ کبھی اُس ملک میں نہیں گیا (جب مشرقی ترکستان کا تذکرہ چلا تو لوگوں نے بیان کیا کہ  
چاندزراستی برس اُن سے پیشتر اس ملک کے باشندے کا فریبی بُت پرست تھے حضرت سلطان  
نامی ایک بادشاہ پیدا ہوا اور اُس نے سب کو مسلمان کیا میرے منشی نے اُن لوگوں سے پوچھا  
کہ اُسکو کس نے مسلمان کیا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ خود مسلمان ہوا منشی نے کہا نہیں نہیں  
کوئی استاد اُس کا ہوگا میں نے منشی سے کہا چپ رہو۔ یہ لوگ جس طرح پرکتے ہیں کہنے وہ جب  
تم نے ان لوگوں سے یسنا کہ تین ہزار برس تمھارے پیغمبر صاحب سے پیشتر مسلمان بادشاہ حکومت  
کرتے تھے تو ان سے تاریخ کی واقعات کی صحت کی کیا اُمید ہے۔ اس پر یوزباشی اور اُس کے محرم  
نے اپنی یادداشت کا مقابلہ کیا اور دیکھا تو منشی کی بات صحیح تھی۔ اور پھر بیان کیا کہ حضرت سلطان  
کا فرادشاہ تھا اُسکو عبدالنصر سامانی بغداد کے ایک مولوی صاحب نے مسلمان کیا ہے۔ جب  
سلطان تجھ تھا اُس وقت میں اُس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہوگا۔ اس پر اُس کا  
ارادہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ہوا لیکن جیسا پنی بی بی سے مشورہ کیا تو اُس نے کہا کہ ابھی قتل  
مست کرو پہلے اس کا امتحان کر لو یعنی بُت کہہ میں اچھاؤ۔ اگر وہ ہمارے طریق پرستش کو قبول کرے  
تو زندہ رہنے دو ورنہ قتل کر ڈالو۔ آخر اُس کے یعنی سلطان کو بُت کے سامنے لے گئے وہ اُس کی  
پرستش میں شریک ہوا اس لئے اُسکو قتل نہیں کیا گیا۔ لیکن جب مسلمان استاد کی تعلیم اُس کو خفیہ  
ہوتی تو وہ اپنے دل میں بہت متردد ہوا اور جب اُس کے باپ نے ایک مندر بنانے کا اُسکو  
حکم دیا تو وہ اور بھی زیادہ متردد ہوا۔ اُس نے اپنے استاد سے مشورہ کیا۔ درویش نے کہا کہ اپنے  
باپ کی اطاعت کرو مگر دلی میں سمجھو کہ مسجد بنوار ہے ہیں۔ جبکہ تمہارا مقصد نیک ہوگا تو صرف  
تجارت کے نام سے کچھ نقصان نہ ہوگا جب وہ مندر بنوا چکا تو ایک آدمی بھی بڑی مشکل پیش آئی  
یعنی اُس کے باپ نے اسی مندر میں ایک بُت نصب کیا اور اُس کی پرستش کا اُس کو حکم دیا

اُس درویش نے شل شیر کے پھر اُس نوجوان مسلمان کو سجدادیا کہ کاغذ کے دوپروں پر استدکا نام لکھ کر اپنے ہاتھوں کی گھاٹیوں میں کھوجب بُت کے سامنے ہاتھوں پر سر رکھ کر سجدہ کرو گے تو وہ خدا کی عبادت ہوگی نہ اُس بُت کی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ہے اور ان تدبیروں سے اُسکا نیا عقیدہ بھی درست رہا اور اُس کے والدین کے دل میں بھی کسی طرح شک نہ کیا اسی عرصہ میں چالیس لڑکے امیروں اور سرداروں کے اُس نے اپنے ساتھی کر لیے اور ان کے ساتھ تیر اندازی اور فنون سپہ گری کی مشق کی جب یہ سب سیکھے سکھائے آدمی اُس کے قابو اور اختیار میں ہو گئے تو وہ دفعتاً اپنے باپ کے روبرو آیا اور اُس کو حکم دیا کہ مسلمان ہو۔ بادشاہ نے انکار کیا تب اُسکے ساتھیوں نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اُس کا منہ آسمان کی طرف کیئے ہوئے پکڑے رہے۔ اسپر بھی وہ انکار کرتا رہا۔ پھر اُس کو زمین پر کھڑا کیا۔ اُس کے پاؤں تلے زمین بھٹنے لگی اور وہ تیز رفتہ جھسنے لگا تب بھی اُسکے بیٹے نے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی مگر اُس نے انکار ہی کیا یہاں تک کہ وہ بالکل زمین میں غائب ہو گیا اور ان کا بیٹا یعنی سلطان بادشاہ ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مقام ارٹاش میں یہ جگہ اب بھی نمک کے غار کی مانند نظر آتی ہے۔ ارٹاش کا شہر سے بیس میل شمال کی طرف واقع ہے اس نمک کا وہی شہر دار الخلافہ تھا۔

پہلی فروری کو یوزباشی اور محرم باشی نے دہرہ کے وقت میرے ساتھ پلاؤ کھایا اُس کے بعد میرے ملازم سہمی کبیر نے ناز نہ پڑھی اس لیے لوگوں نے اُس کو ملاطمت کی اور محرم باشی نے کہا کہ جو کوئی شخص کیونکر سے تو چوری اور جھوٹ اور قتل سے اسکا کچھ بچ نہیں ہوتا کبیر نے ناز قضا کر کے پر عدم فرصتی کا عذر کیا لیکن محرم باشی کے اس مثلہ پر کہ ناز سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بحث کی۔ دونوں میرے مٹھی کے پاس گئے۔ منشی نے محرم باشی کے دعویٰ کے برخلاف تصدیق کیا اور وہ مسئلہ اسلام کا بیان کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے تمام گناہ مثل شراب خواری، تباہی و غیرہ اُس شخص کے معاف ہوں گے جو برابر بلا ناغہ ناز پڑھتا رہے گا اور نہ شریف کسی حج کو جا دے گا لیکن انسان کے مقابلہ کے گناہ مثلاً چوری۔ زبردستی۔ بی رحمی وغیرہ حج کرنے سے بھی معاف نہ ہونگے جب تک گناہ گار حتیٰ الوح اُس کا ماضیہ نہ مظلوم سے معافی نہ حاصل کرے پس صرف ناز سے ایسے گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ اُسی منشی نے متوجہ ہو کر مجھ سے کہا کہ ترک لوگ غیر مذہب والوں سے نہایت آزادی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں میں نے کہا ہاں یہ لوگ دنیا کے اور سب لوگوں کی مانند ہیں منشی ہنسنا اور مجھ سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے



خود آیا ہوں۔ مجھ سے آپ کو صرف اس قدر فائدہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کا حال بتا دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور بہت سے آؤ یہی تمہیں ملے گا اور فرمایا کہ میں نے اس سے پیشتر کبھی کسی انگریز کو نہیں دیکھا تھا گو ان کی طاقت اور چالانی کمال استار ما ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انگریزوں سے سائے بھلائی کے کوئی مضرات نہ ہوں نہ آؤ گی میں تم کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ جو کچھ تم صلاح دو۔ وہ میں کروں۔ میرا اللہ تمہارے ملک میں اچھی بھیجے گا ہے۔ تمہاری کیا صلاح ہے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کا ارادہ نہایت عمدہ ہے اور اچھی بھیجنا بہت مناسب ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ میں اچھی بھیجوں گا اور اس کے ساتھ ایک خط اس درخت سے بھیجوں گا کہ وہ اس کو ملے گی خدمت میں روانہ کریں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بہت بہتر تدبیر ہے بادشاہ نے پوچھا کہ کب بھیجنا چاہیے۔ میں نے کہا جب آپ کی مرضی ہو۔ میرے ساتھ خواہ مجھ سے پہلے یا میرے بعد روانہ فرمائیے مگر میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہو جلد کیجئے۔ تب بادشاہ نے فرمایا کہ میرا اچھی بے شک تمہارے ساتھ جاوے گا اب میں یہاں پر تھکوتین دن اور ٹھہراؤں گا پھر بارقند کو چلنا پڑے گا اور اچھی کو میں یا تو یا رقند میں یا یا نگ حصار میں تھما کر سپرد کر دوں گا۔ میں نے کہا بہت اچھا اگر ارشاد ہو تو جو کچھ باتیں اس سے پوچھی جاویں گی وہ سب میں اس کو بتا دوں گا اور پھر وہ اچھی ان سب امور کی نسبت حضور کی اجازت حاصل کر لیا اور نہ جب وہ ہمارے حاکموں کے دربار جاوے تو گفتگو کرنے میں شاید اس کو وقت پیش آوے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ناں سب باتیں اس کو بتا دیجو اور کل شام کو اور پھر یا نگ حصار میں ہم سے تم سے گفتگو ہوگی اور کہا کہ ملکہ انگلستان مثل آفتاب کے ہیں جس پر ان کی شعلہ پڑتی ہے اس کو گرمی پہنچتی ہے میں سردی میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان کی کچھ شاعیں مجھ پر بھی پڑیں میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں چند برسوں میں خداوند کریم نے اتنا بڑا ملک عطا کر دیا ہے تم آئے میری بڑی عزت ہوئی مجھ کو امید ہے کہ تم اپنے ملک میں میری اعانت کرو گے جو کچھ مجھ سے تمہاری خدمت ہونی ممکن ہو اس کے لئے ارشاد کرو اور اسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آنا اب کہ واپس جا کر میرا کیا حال بیان کرو گے نہیں نے کہا میں کہوں گا کہ جو کچھ آپ کی شہرت ہندوستان تک پہنچی ہے وہ اصل حقیقت سے نصف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ ہنسے اور صاف کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے آدمی ترکستان میں تجارت کے لئے بھیجا کرو ملکہ اپنا اچھی یہاں بھیجیں یا نہ بھیجیں مگر خاص تمہارے آدمی یا جا جا کریں۔ پھر پوچھا کہ سال ہر میں ایک آدمی بھیجے میں نے عرض کیا کہ اگر حضور کی

اجازت ہے تو ضرور عیوضوں کا۔ بادشاہ نے فرمایا سب قسم کی سوغاری کی چیزیں بھیجا اور ہمارے نام خط لکھنا اور جو کچھ تمہیں دیکار ہو تم سے طلب کرنا۔ تمہارے بخیریت پہنچنے کا خط ہمارے دستے ایک نعمت ہو گا میں نے جواب دیا کہ بے شک میں ذریعہ سے آپ کی خیر دعا فیت حاصل مجھے معلوم ہوتا رہیگا جس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوگی میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کی سلطنت صد بار برس قائم رہے۔ الحال اسی قسم کی گفتگو کے بعد میں نے چار پی اور مجھ کو خلعت مرحمت ہوا جس کے بعد مجھ کو تھوڑی سی دیر بیٹھ کر تین شخصت ہوا۔ ایک شہزادہ مجھ کو صدر دروازہ تک پہنچا گیا سب لوگوں نے مجھ کو مبارکباد دی ۛ

چھٹی اپریل کو بادشاہ کے ہاں سے روپیہ اشرفیاں اور کچھ سونے کے پرنے کاغذ میں لپیٹے ہوئے سرکار لایا اور کہا کہ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لیے ہیں۔ وہ سب مالیت تھیں ۛ چھ سونے پونڈ یعنی پچھترارونستو روپیہ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہی شخص پھر آیا اور سینتالیس پونڈ یعنی چار سو پچاس روپیہ پیش کے لیے لایا۔ اور پھر ایک زر دوزی سرخ سائن کا بچہ اور ایک اونچی محل کی ٹوپی میرے لیے اور کچھ کپڑے منشی اور میرے ملازموں کے لیے آئے۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک گھوڑا نہایت عمدہ اسباب سے سجا ہوا آیا اور اس کی باگ میرے ماتحت میں ہی لگئی اور دعائیں پڑھی گئیں شام کو میں پھر بادشاہ کی ملازمت کے لیے گیا۔ معمولی گفتگو کے بعد بادشاہ نے پھر یہی کہا کہ مقابلہ ملک کے جو ہفت اقلیم کی حکمران ہیں میری کچھ حقیقت نہیں۔ اس کے بعد انگلستان کے ساتھ دوستی کا تذکرہ کیا خصوصاً میری دوستی کا بادشاہ نے فرمایا کہ جب میں تھا رامونند دیکھتا ہوں میرے محل میں ایک نیک تنگوں کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی بے انتہا نوازش ہے میں اس کا مستحق نہیں ہوں اور مجھ پر کیا منحصر ہے آپ میری تمام قوم اور ملک پر بھی ایسی ہی سبائی فرماتے ہیں۔ میں کہ بادشاہ نے مجھ کو جو چیزیں صبح کے وقت مجھے عطا فرمائی تھیں ان کی نسبت گویا میں نے یہ کہا کہ وہ میری قوم اور ملک کو اسلئے ہیں چنانچہ فرماتے گئے کہ نہیں نہیں وہ سب چیزیں خاص تمہارے لیے ہیں تمہاری ملک کے لیے مناسب تحفہ میں تمہارا کروں گا میں تمہارے ملک کے دستوروں سے ناواقف ہوں مگر تمہارے دوست ہو بہو بتاؤ گے کہ ملک کے لیے کیا کیا چیزیں بھیجی مناسب ہوں گی۔ ملک کا مرتبہ بتا دیا ہے میں بے حقیقت ہوں میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا تم میرے ملک کے حال سے واقف ہو یہاں اونی کپڑا اور اسی قسم کی اور چیزوں کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا پس تنگو چاہیے کہ تم مجھ کو صلاح دو۔ میں نے جواب دیا کہ بادشاہوں کے لیے

دوستی اور اتحاد ایک بہت بیش بہا تحفہ ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں لیکن اگر میری صحت کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ امر میں تمہیں ہر چھوڑنا ہوں جب یا نگ حصار میں ملاقات ہوگی تب اس کا انتظام کرینگے۔ یہاں کام کی کثرت ہے روس اور توکان اور بخارا وغیرہ سب طرف سے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں لیکن یا نگ حصار میں سب کام چھوڑ کر تم سے مشورہ کروں گا۔ جو کچھ تم صلاح تہاؤ گے وہ کروں گا خواہ خط لکھیں گے یا لپی بھیجیں گے یا آؤ جو کچھ تم کہو گے سو کرینگے۔ میں نے کہا کہ ایچی بھیجے کی رائے بہت عمدہ ہے اس کی تعمیل میں جو کچھ تائید مجھ سے ممکن ہے اُس کے لئے میں حاضر ہوں۔ پھر بادشاہ نے انگلیوں پر شمار کر کے فرمایا کہ کل چار شنبہ ہے پرسوں خشنہ اور اتوار سوں جمعہ کو میں اپنے لڑکے کو یہاں چھوڑ کر یا نگ حصار کو روانہ ہوں گا دو دن تم یہاں ٹھہرو میرا ملک اور میری سب رعایا تمہاری ہے اور مجھ کے روز یا نگ حصار میں مجھ سے ملو۔ مجھ کو اُس جگہ سے نہایت اُسن ہے کیونکہ اس ملک میں میں نے پہلے پہل اسی شہر کو فتح کیا تھا میرا ارادہ ہے کہ مجھ کی ناز وہیں جا کر ادا کروں۔ اُس کے بعد سب بند و بست ہو گا اور میں دو یا تین حکمندانے ہی تمہارے ساتھ کروں گا وہ لوگ تمکو ناقول تھہ آرام سے میرے ملک میں سے لیجا دیں گے اور تمہارے ملک میں تمہارے ہمراہ جاویں گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ میں نہایت مجبور اور شرمندہ ہوں کہ اس سے پیشتر اس ملک میں ایک انگریز آیا تھا اسکو ولی خاں ڈاکو نے مار ڈالا میں نے جواب دیا کہ ہلوگ خوب جانتے ہیں کہ آپ کا اُس میں ارادہ تھا اور نہ ہم آپ پر اُس کا الزام لگاتے ہیں وہ مسافر انگریز نہ تھا جرمنی تھا مگر پھر بھی ہلوگوں کو اُس کے مارے جانے کا بڑا رنج ہے کیونکہ وہ ہندوستان میں ہمارا مہمان تھا اور وہیں سے ترکستان میں آیا تھا۔ پھر بادشاہ نے چھ انگلیاں اٹھا کر فرمایا کہ اتنے برس سے میرا اختیار اس ملک پر ہے اس سے پیشتر میں کچھ بھی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو بارشا باستان سارو ولی بادشاہت حاصل کرتے ہیں اُس میں اُن کی کچھ لیاقت نہیں سمجھی جاتی بلکہ جو لوگ مثل تیمور اور سکندر کے اپنی قوت بازو سے بڑی بڑی سلطنتیں حاصل کرتے ہیں وہی قابل تعریف ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا خدا تمہارا قول سچا کرے اور یہ بھی کہا کہ ایک آؤر انگریز یا رند میں آیا تھا تم اُسکو جانتے ہو میں نے کہا کہ ایک انگریز مجھ کو بت میں ملا تھا اور اُس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ مجھ کو اپنے ساتھ لیجاؤ مگر میں نے انکار کیا کیونکہ میں نے صرف اپنے ہی حضور سے دیکھا تھا کہ میں نے کیا کیا۔ بادشاہ نے کہا میرے جو کوئی انگریز یہاں آوے میں اُس سے خوش ہوں اس کے بعد میں





میں اپنے ملک کے لوگوں سے کہوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کسی نشتی کو یا کسی اور ملازم کو میرے پاس بھیجا کیونکہ وہ اپنی خیر و عافیت کا حال کہتے رہے جو میں ہی اپنا حال تم کو لکھوں گا اور اس ملک کی جو چیز مطلوب ہو وہ طلب کیجیو یہ سب تمہارا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اس گفتگو میں بہ نسبت پیشتر کے بادشاہ کی طرف سے مہربانی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا بات چیت ہنس نہنس کر نہایت آسان فارسی میں کرتے تھے اور ہر جملہ پر چھک کر یہ کہتے۔ شاہ صاحب سمجھے آخر کار چادر کے بعد مجھ کو خلعت مرحمت ہوا اور میں رخصت ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا خدا حافظ اور پھر ہاتھ اٹھا کر عربی میں میری خیر و عافیت کے لیے دعا فرمائی اور چہرہ پر سے ڈھڑھی تک ہاتھ پھیر کر کہا اللہ اکبر۔

یہ رفتہ رفتہ واپس آتے ہوئے پندرہویں اپریل کو ہم ایک گاؤں میں ناشتہ کے لیے اترے وہاں ایک عجیب و غریب توپیش آیا یعنی یوزباشی اور پنجا باشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور چاروں نام میرا ملازم میرے لیے کوئی چیز لایا۔ یوزباشی میرے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا تھا۔ اُس نے پنجا باشی سے ہنس کر کہا کہ دیکھو یہ ایک ہندو ہے ہندو کسی دوسری قوم کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے پنجا باشی کی طبیعت ذرا آزاد کم تھی۔ اُس نے حقارت کے ساتھ چاروں کی طرف دیکھ کر ترشی سے کہا کہ تو ہندو ہے۔ چاروں نے یا تو جلدی میں یا یوزباشی کی مہربانی کے خیال سے ہنس کر جواب دیا۔ نہیں میں مسلمان ہوں۔ اُس پر دونوں شخص اچھل پڑے اور بولے کہ دیکھو اُس نے اپنے منہ سے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ہم دونوں آدمی اس بات کے گواہ ہیں۔ میں چپ رہا۔ پھر ہنس کر جواب دیا کہ میں نے بھی سنا لیکن خیر اب اس بات کو جانے دیجیے آئیے کھانا کھائیے کھانا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہ لوگ تعجب ہو کر مٹھی گئے مگر وہی تذکرہ کرتے رہے تیس دن دو ایک باتیں ہنسی کی کہ اُس بات کو نہ لالہ لیکن نہ ترک نہیں بھی شوش باکیونکہ وسط ایشیا کے متعصب مسلمانوں کی سختی کے حال سے بین واقف تھا یہ مسلمان کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اتفاق سے بھی ایک مرتبہ یہ کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں یا صرف یا اللہ کے تو ہم اُسکو پھر مرتبہ پستی نہیں کرنے دیتے یا وہ اسلام اختیار کرے یا موت۔ یوزباشی نے پھر مجھ سے کہا کہ چاروں خوب بجا کلمہ اس موقع پر میرے اور پنجا باشی کے سوا اور کوئی نہ تھا ہم آپ کے سبب سے اس بات کو بدلے دیتے ہیں تاکہ قاضی کے کان تک نہ جائے۔

شام کے وقت مجھ سے اور پنجا باشی دادا خان سے ایک پولی عمارت کا تذکرہ ہوا یہ عمارت

کاشغر اور توقان کی راہ پر مقام اروان میں جو اُس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے واقع ہے اور اُس میں سے ایک پہاڑ میں کو نورانی سیڑھیاں ہیں جن پر سے ایک ایسے درہ کی راہ ہے جس کا دروازہ نہایت تنگ اور چھوٹا ہے اور درہ بہت وسیع ہے۔ یہ سیڑھیاں اور عمارت چلنتوں کھاتی ہے یہاں کے لوگ اس عمارت کی نسبت بجز اس بات کے کہ یہ عمارت قدیم ہے اور کوئی روایت نہیں رکھتے +

شہر یار قند کی کل آبادی میرے اندازہ سے پچتر ہزار آدمیوں سے کم نہیں ہے نیا شہر یعنی قلعہ بہت چھوٹا قریب ہزار گز مربع کے ہے۔ اُس کی آبادی پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی پس کل آبادی شہر اور قلعہ کی آستی ہزار آدمیوں کی ہوگی گو تعلیم ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے مگر نظام تعلیم بہت اچھا ہے۔ جہاں موجود ہے وہاں اُس کے ساتھ ایک ابتدائی مدرسہ بھی ہے۔ زیادہ عمر کے طالب علموں کے لئے یعنی پندرہ برس سے بیس برس کی عمر کے طالب علموں کے لئے پچاس یا ساٹھ مدرسہ ایسے ہیں جن میں بحساب اوسط سو طالب علم تعلیم پا سکتے ہیں اور ان مدرسوں کے لئے زمین عطا ہوئی ہے ہر ایک طالب علم بھی تھوڑی سی نفیس دیتا ہے مگر تعلیم وہاں صرف اس قدر ہوتی ہے کچھ لکھنا پڑھنا آجائے اور قرآن شریف پڑھ سکے بعض اوقات قرآن شریف با معنی بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اسٹی تعلیم کی بنا پر لوگ اپنے آپ کو ملا لکھتے ہیں۔ اہل چین کے زمانہ کی نسبت اب مدرسوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ لہذا اہل تالیق غازی نے بھی دو مدرسے جدید یار قند میں تعمیر اور قائم کئے ہیں جن کے ساتھ بڑے بڑے تالاب بھی سایہ دار بنائے ہیں۔ اند جان والوں اور اہل تالیق غازی کے حمد سے اسلام کافیہ سے پیغمبری اور تشدد کے ساتھ برتاؤ ہے جیسا کہ بخارا میں تھا محتسب مکی کوچوں میں پھر رہا ہے اور جس مرد کو بلا دستار اور جس عورت کو بغیر برقعہ کے دیکھتا ہے سزا دیتا ہے۔ جہاں کہیں گھر بنا ہے ہر شخص راستہ چھوڑ کر اس خوف سے کھڑا ہو جاتا ہے کہ کہیں میری کوئی خطا نہ نکل آوے میں سناس کہ اہل تالیق غازی مولائے ایشیہ شخص کے جو ملک میں فساد برپا کر کے لڑائی کے قیدیوں کو کہیں قتل نہیں کرتا۔ چوروں کی عام سزا چھانسی ہے اور بدکاروں کی گردن مار جاتی ہے +

گیا رحوی مٹی کو دلاخواہ نے میرے لئے یوزباشی کی معرفت ایک گھوڑا بھیجا اور کھلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کوئی گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ خرید لینے تو میری میزبانی میں تہہ لگ جاوے گا یہ وہی گھوڑا تھا جس کی میں نے ایک مرتبہ تعریف کی تھی۔ پھر یوزباشی نے مجھ سے پوچھا کہ دلاخواہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو اوی بھی گھوڑے کی ضرورت ہے میں نے کہا کہ میری تو زبان

بند ہے کیونکہ جب میں گھوڑا خریدنے کی اجازت چاہتا ہوں دادخواہ اپنے پاس سے عنایت کیلتے ہیں۔ بہت جی پینریشل خیر اور ریشم وغیرہ کے تین خریدنا چاہتا ہوں لیکن اگر بلا اجازت خریدوں تو دادخواہ ناراض ہو جاویں گے اور جو اجازت چاہتا ہوں تو وہ خود ہی عنایت کر دیں گے۔ پس شرم کے سبب سے میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا چپ ہوں +

بارہویں مئی کی صبح کو دادخواہ کا ایک رقعہ منشی لیکر آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ اپنے لیے چیزیں خرید کرتے ہیں اس سے دادخواہ بہت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد کو کیوں نہیں اطلاع دیتے جو میں سب چیزیں تمہارا کروں یہ بات دوستی کے برخلاف ہے۔ تب میں نے منشی سے اس رقعہ کے جواب میں لکھوایا کہ دادخواہ کی نوازش میرے حال پر اس قدر ہے کہ وہ مجھ کو صرف وہی چیزیں نہیں عنایت کرتے جن کی میں درخواست کرتا ہوں بلکہ وہ چیزیں بھی مرحمت فرماتے ہیں جن کی میں دل میں خواہش کرتا ہوں۔ پس میں نے اب اپنے دل میں بھی کسی چیز کی خواہش نہ کرتا کہ کر دیا ہے میں ان کے بارِ احسان سے رہا جاتا ہوں اور مجھ کو ٹی شرم آتی ہے +

بیسویں مئی کی صبح کو یوزباشی دادخواہ کے پاس سے یہ خبر لایا کہ اب وقت روانگی کا قریب آگیا سامان سفر گھوڑے وغیرہ تیار کرنا چاہیے اور جو چیزیں درکار ہوں وہ خرید لینی چاہئیں اور محمد سے پوچھا کہ دادخواہ آپ کے دوست ہیں آپ ان سے کیا تحفہ بھیجے گا میں نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں دوست سے تحفہ لینے کا رواج نہیں ہے۔ اس نے کہا آپ اپنے ملک میں نہیں ہیں جہاں میں ان کا دستور برتنا چاہیے اور اگر آپ کسی تحفہ کے لیے اپنی خواہش ظاہر کریں گے تو دادخواہ ناراض ہو جاویں گے +

بائیسویں مئی کی صبح کو میں یوزباشی کے ساتھ دادخواہ سے ملنے گیا وہاں ہم کی گرمی کا تذکرہ ہوا۔ دادخواہ نے کہا پانی نہیں ہوتا ٹھنڈی ہو۔ اندجان میں گرمی بہت ہوتی ہے لیکن وہاں کثرت پانی بہتا ہے اس لیے وہاں کی گرمی برداشت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا شاید اندجان کی آب و ہوا ہمارے ملک انگلستان کی آب و ہوا کے موافق ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اندجان میں جڑے کے موسم میں برف کثرت سے پڑتی ہے اور گرمی میں پانی افراط سے بہتا ہے یہی حال ہمارے ملک کا ہے۔ دادخواہ نے کہا نا ہی حال ہے شاید اندجان کے ٹھیک مغرب اور شمال میں انگلستان ہے جس کے سبب سے دونوں کی آب و ہوا یکساں ہے۔ تب میں نے سمجھایا کہ انگلستان اندجان سے شمال کی طرف قطع ہے اور قطب کے قریب ہے نسبت یہاں کے

انگلستان سے وہ ستارہ آسمان پر زیادہ بلند نظر آتا ہے۔ دادخواہ نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ ہفت اقلیم میں سے کس اقلیم میں آپ کا ملک ہے اور وہاں کتنے گھنٹہ کا ہوتا ہے کیا سو گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم دنیا کو ہفت اقلیم پر تقسیم نہیں کرتے۔ ہمارے دنوں کے پانچ حصے ہیں۔ پس میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا ملک کس اقلیم میں ہے لیکن سب سے بڑے دنوں میں دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں ہے؛ ٹھہرا یا آئیں گھنٹے کا دن ہوتا ہے۔ دادخواہ نے ماتھا ٹھاکر کہا کہ تم تو اقلیم پنجم کے کنارہ پر ہو میں نے کہا کہ اُس سے بھی اور شمال کی طرف جہاں ہمارے جہاں بڑی بڑی مچھلیاں پکڑنے جاتے ہیں وہاں گرمی کے موسم میں آفتاب شب و روز آفتاب سے نیچے نہیں اترتا۔ دادخواہ نے پوچھا کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں اور کہا کہ ہمارے قاعدہ کے موافق یہی آب و ہوا ہے جسم میں بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ میں نے وہاں کے باشندوں کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان کے قد ہمارے سینے سے اونچے نہیں ہوتے اسپر دادخواہ نے کہا کہ وہ سردی سے ٹھٹھک گئے ہونگے میں نے پھر کہا کہ ہمارے ملک سے اکثر جہاز اور ذی علم لوگ ملکوں کی تحقیقات کے لیے جا کرتے ہیں۔ دادخواہ نے کہا کہ عدل گورنمنٹ کا یہی طریقہ ہے کہ سب باتوں سے مطلع رہے۔

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ملک اور آب و ہوا کا تذکرہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے لکھا ہے کہ دادخواہ ذہین اور عالم شخص ہے کیونکہ ایشیا کے رہنے والوں کو جو یورپ کے علوم سے ناواقف ہیں اس بات کی واقفیت نہیں ہوتی کہ جس قدر شمال کی طرف جائیں اُسی قدر دن اور رات میں فرق ہوتا جاتا ہے گو میں نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ قطب کے قریب کے ملکوں میں گرمی کے موسم میں ہر وقت آفتاب موجود رہتا ہے اور اس بات کو میں کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ سردی میں آفتاب مطلق طلوع نہیں ہوتا تاہم دادخواہ نے فوراً سمجھ لیا کہ وہ ملک سرد ہو گا۔

اٹھائیسویں مئی کو یونہی نے آگریہ خیوی کو پرسوں کی تلخ آب کی رعایت کی قرار پائی۔ نلہر کی خانہ کے بعد میں دادخواہ سے ملنے کو گیا اور ان سے پوچھا کہ ہندوستان سے میں آپ کے لیے کیا چیز بھیجوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں سپاہی ہوں سو اُسے صندوق کے اوپر کس چیز کی مجھے خواہش ہے گو میں تمہاری غیردعائیت چاہتا ہوں اور پھر ہندو کے لیے درخواست کرتا ہوں جو عالمی میر سے ساتھ روانہ ہونے والا تھا میں نے اُس کا حال دریافت کرنا چاہا مگر دادخواہ نے بال لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ اب آپ نے درملانہ آمد و شد کا کھولنا ہے آپ کی دوستی اور آپ کا نام میر سے

دل پتقش کا بھر ہے جو جو سوت کے رٹ نہیں سکتا اس کے بعد میں سب سے فصاحت ہوا +

## علامات قراءت

اس مقام پر لفظ قراءت سے ہماری مراد قرأت مصطلکہ قرآن مجید نہیں ہے بلکہ اس کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی پڑھنے کے نشان ؛ انگریزی میں چند علامتیں مقرر ہیں جن کو پینچو پینش کہتے ہیں۔ انگریزی عبارت میں وہ نشان ہمیشہ لگائے جاتے ہیں ؛ ان سے فائدہ یہ ہے کہ عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ان نشانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جگہ کہاں ختم ہوا کہاں شروع ہوا ، کون سے لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ، کون سے علیحدہ ہیں ، عبارت پڑھنے میں کس جگہ ٹھہرنا چاہیے ، کس جگہ ملا کر پڑھنا چاہیے ، تاکہ مطلب ٹھہرنے والے اور سننے والے کی سمجھ میں بخوبی آتا جاوے۔ اس کے سوا ان نشانوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کون سا جملہ متصرف ہے ، اور کون سا استفہامیہ ، کونسا اقتباسیہ ، اور کونسا تعانیہ کس مقام پر صنف ہے کوئی بات تعجب انگیز لکھی ہے ، اور کس مطلب پر صنف نے پڑھنے والے کی زیادہ توجہ چاہی ہے ، علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ علامات قرأت نہایت عمدہ چیز ہیں اور علم ادب کی ترقی کے لیے نہایت مفید ہیں۔ تمام ملکوں میں جہاں علوم و فنون ، علم ادب و انشاء ، تہذیب و شایستگی کی ترقی ہے ان علامات کا استعمال ہوتا ہے۔ ہم مسلمانوں نے اپنی تحریروں میں کوئی علامتیں اس قسم کی عین نہیں کیں ؛ صرف قرآن مجید میں جس کو ہم نہایت عزیز و قابل ادب سمجھتے ہیں ، اور جس کی تلاوت میں ہر کوئی اہتمام ہے ، بعض ایسی علامتیں ، جو قرأت قرآن مجید سے مخصوص ہیں ، مقرر کی تھیں +

سندرت زبان کی تحریر میں بھی کچھ علامتیں اس قسم کی مقرر نہ تھیں ، لیکن اس زمانہ میں جن لوگوں نے اپنی بان کی ترقی اور درستی کی فکر کی ہے انھوں نے اپنی اپنی تحریروں میں ان علامتوں کا رواج شروع کیا ہے۔ بنگالی زبان کی تحریر میں تو یہ علامتیں نہایت خوبی سے مروج ہو گئی ہیں ، اور اُردو اور گجراتی اور انگریزی میں بھی مروج ہوتی جاتی ہیں ، مگر اُردو زبان کی تحریر میں اس کا بہت کم رواج ہے کبھی کبھی ہم اپنے تہذیب الاخلاق میں کوئی کوئی علامت اس قسم کی لگا دیتے ہیں ، یا اگر وہ اخبار کے ایک صاحب معاون اپنے آرٹیکلوں میں نہایت خوبی اور اسلوبی سے ان علامتوں کا استعمال کرتے ہیں +

کچھ کم دو برس کا عرصہ ہوا ہو گا کہ جناب نئی غلام محمد صاحب متوطن ممبئی نے اس پر بہت توجہ کی اور اردو زبان کی تحریر میں بھی ان علامتوں کا مروج ہونا ضرور سمجھا، اور اسباب میں ایک رسالہ موسوم بہ بخوم الحلا مات، تحریر فرمایا جو درحقیقت اپنی خوبی اور حسن بیان میں بے نظیر ہے۔ اس سال میں جناب مرصوف نے ہر قسم کی علامتیں مقرر کی ہیں جو علامات قرأت قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہیں۔ اور اکثر حروف مغرہ تہجی باضافہ ایک لکیر مثل زیر کے ان علامتوں کے لیے مقرر کیے ہیں، اور ہر ایک علامت کا بیان نہایت خوبی اور خوش بیانی اور وضاحت سے کیا ہے +

ہو جناب مدوح کی تمام تجویزوں سے دل سے اتفاق ہے، مگر جو علامتیں انہوں نے مقرر کی ہیں ان سے بوجہات منضبطہ ذیل پہا اختلاف ہے :-

آؤ لہ۔ ہم نہیں پسند کرتے کہ جو علامتیں مدت سے قرآن مجید کی تحریر میں مخصوص ہو گئی ہیں وہ آؤ تحریروں میں مروج کی جائیں، اور آیت اور مطلق جو خاص قرآن مجید کی اصطلاحات ہیں، اور تحریروں پر بولی جائیں، گو شرعاً و عقلاً اس میں کچھ قباحت نہ ہو، الا تعظیماً للقرآن المجید ایسا کرنا ہم پسند نہیں کرتے +

دویم۔ علامتیں جو حروف مغرہ تہجی سے مقرر کی گئی ہیں وہ اردو زبان کی تحریر میں حروف عبارت سے مشتبہ ہو جاتی ہیں، اور پڑھنے میں شبہ پڑتا ہے کہ وہ حرف بھی تہجی حروف عبارت ہے، اس لیے ضرور ہے کہ علامات مذکورہ صرف نقوش ہوں حروف نہوں +

ثالث۔ علامات مذکورہ ایسی ہونی چاہئیں کہ جو پتھر اور ٹیپ دونوں قسم کے چھاپ میں مستعمل ہو سکیں۔ پس اگر ہم ایسی علامتیں مقرر کریں جو ٹیپ میں بنی ہوئی مروج نہ ہوں تو بافضل ہو نہایت مشکل پڑے گی۔ اور کسی طرح ہو نہ ان علامتوں کا مادہ آنا مستحکم ہو گا نہ ان کو بنا سکیں گے؛ اس لیے نہایت مناسب ہے کہ جو علامتیں انگریزی میں مروج ہیں وہی ہم اردو تحریر میں بھی اختیار کریں۔ ان علامتوں کا ٹیپ ہر قسم کا بنا ہو اور دستیاب ہوتا ہے۔ پتھر کے چھاپے میں نہایت آسانی سے تحریر میں آسکتی ہیں، اور ان کی شکل ایسی ہے کہ کسی حرف کے ساتھ مشابہ نہیں ہے، صرف ایک علامت ہے جو حرف واؤ کے مشابہ ہے، لیکن اس کو الٹ دینے سے وہ التباس بالکل زایل ہو جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم تہذیب الاخلاق میں ان علامتوں کا رواج دیں۔ اگر آؤ لوگ بھی اس کو پسند کرینگے تو اُمید ہے کہ اردو زبان میں بھی اس کا رواج ہو گا دیگا۔ اب ہم مناسب

سمجھتے ہیں کہ جناب ہنشی غلام محمد صاحب کے رسالہ کی خوشہ چینی سے اُن علامتوں کا اس مقام پر کچھ بیان کریں \*

## مُفَصَّل ذیل علامتیں ہیں جو اُردو زبان کی تحریر میں

### مستعمل ہو سکتی ہیں

(۱) کا ما یعنی علامت سکتہ - انگریزی میں اس کی یہ شکل ہے (و) مگر یہ حرف واؤ کے مشابہ تھا اس لئے اُس کو اُلٹ دیا تاکہ حرف مفرد تعجب سے مشابہت نہ رہے \*

(۲) سمیکولن یعنی علامت سکون - انگریزی میں اسکی صورت یوں (و) ہے - اس کو بھی اُلٹ دیا ہے \*

(۳) کولن یعنی علامت وقفہ \*

جہاں علامت سکتہ ہو اُس خط پر پڑھنے میں ذرا ٹھہرنا چاہیئے ، اور جہاں علامت سکون ہو وہاں ذرا اُس سے زیادہ ، اور جہاں علامت وقفہ ہو وہاں ذرا اُس سے بھی زیادہ \*

(۴) فلسٹا پ یعنی علامت وقفہ کامل - یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں فقرہ پورا ہو گیا \*

(۵) نوٹ آف انڈر وکیشن یعنی علامت استفہام یا علامت سوال \*

(۶) نوٹ آف آسکسلا میڈیشن یعنی علامت تعجب و حیرت و فرحت - اگر یہی نشان برابر دو (!!) کر دیئے جاویں یا تین (!!!) کر دیئے جاویں تو زیادہ تعجب و حیرت یا مسرت پر دلالت کرتے ہیں \*

(۷) ہائٹی فن یعنی علامت ترکیب \*

(۸) ڈیش یعنی خط یا لکیر \*

(۹) پرنٹ ہسن یعنی علامت جملہ معترضہ \*

(۱۰) گو ٹیشن یعنی علامت اقتباس - انگریزی تحریر میں یہ علامت اس طرح پر لکھی جاتی

ہے ، ( ) مگر ہم نے دونوں کو اُٹار دینے دیا ہے \*

لفظوں کے اوپر لکیر کر دینا ، یہ قدیم علامت نقل یا اقتباس کی ہے ؛ جیسکے شرح میں میں نے کی

جارت پر لکیر کر دی جاتی ہے +

— اندر لہین یعنی علامت توجہ جن لفظوں کے نیچے لکیر کر دی جاتی ہے وہ اس بات کا نشان ہے کہ پڑھنے والا اس پر زیادہ توجہ کرے +

(\*) اسٹائن یعنی نجم۔ کسی جملہ یا عبارت منقولہ کے ہمیں دیا تین نجم لگا دینا اس بات کا نشان ہے کہ اس مقام پر سے کچھ لفظ یا عبارت جو مطلب سے متعلق نہ تھا یا اس کی نقل ضروری تھی چھوڑ دی گئی ہے، اور ایک نجم علامت حاشیہ کی ہے +  
(\*) + (||) ان میں سے ہر ایک حاشیہ کی علامت ہے +

## علامت سکتہ

اس علامت سے جملہ کے ایسے حصے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں جو مطلب میں تو طے ہوئے ہیں مگر پڑھنے میں اُن مقاموں پر ذرا سکتہ کر کر پڑھنا چاہیئے +

۱۔ جب کسی مفرد جملہ میں مبتدا اور خبر مرکب ہوں، تو اُن کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیئے +

مثال۔ جسی چسپہ کی طرف متقل اور پوری توجہ۔ اعلیٰ طبیعت کی نشانی ہے +  
۲۔ جملہ مرکبہ کے اجزاء مفردہ بذریعہ علامت سکتہ علیحدہ کرنے چاہئیں، تاکہ پڑھنے میں الگ الگ پڑھے جاویں +

مثال۔ جب اچھائی نہیں رہتی، تو لوگوں کی توجہ بھی نہیں رہتی +  
بہادروں نے جب دشمنوں کا حال سنا، تو اُن پر نہایت دلیری سے حملہ کیا +  
مگر جب مجاہد کے اجزاء ایسے ہوں کہ خود انہی سے اُن میں ترکیب پائی جاتی ہو، تو وہاں علامت سکتہ کا لگانا کچھ ضرور نہیں ہے +

مثال۔ خود ہمارا دل بھوتاتا ہے کہ اہل نیکی کیا ہے +  
سم۔ معطوف و معطوف علیہ میں جب حرف عطف موجود ہو، تو وہاں بھی علامت سکتہ لگانی ضرور نہیں +

مثال۔ زمین اور چاند دونوں سیارے ہیں +  
مغلند آدمی وقت کی قدر کرتا ہے اور اُس کو ضایع نہیں کرتا +



کامیابی اکثر ہوشیاری اور بہت سے کام کرنے پر منحصر ہوتی ہے +

مگر جب عطف و معطوف علیہ میں حرف عطف موجود نہ ہو،

تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے +

مثال - عقل، ہوش، علم، ہنر، سب وقت پر کام آتے ہیں +

وہ تو سیدھا، سادھا، ایمان دار، آدمی ہے +

مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان میں بھی علامت سکتہ کا لگانا ضرور ہے +

مثال - وہ شخص یا نڈار ہے، مگر شست +

بہت بڑا عالم ہے، مگر بے عمل +

پرہیزگار ہے، مگر ظاہری باتوں میں +

جب تعدد صفتیں کسی اسم کی بغیر حرف عطف کے بیان کی جاویں تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے +

مثال - نید نہایت دانا، ہوشیار، عالم، فاضل ہے +

مگر جب دو یا دو سے زیادہ ایسی بیان کی جاویں کہ ایک صفت دوسری صفت کی تشریح کرتی ہو، تو ان میں علامت سکتہ لگانی نہیں چاہیے +

مثال - مجبور یا سیاہی لیل کپڑا +

ہلکا زندگی لیل سبز رنگ +

اگر حرف عطف موجود ہو، مگر جملہ کے اجزائے لنبہ لنبہ ہوں، تو بھی ان میں علامت سکتہ لگانی چاہیے +

مثال - بے اعت الی ہمارے جسم کی قوت کو ضائع کرتی ہے، اور ہمارے دل کی جرأت کو +

۴ - جب تین یا تین سے زیادہ الفاظ ایک ہی جزو کلام میں ہوں، اور اُس میں حرف عطف ہو خواہ نہ ہو، ان لفظوں کے اخیر میں بھی، سوائے اُس لفظ کے جو سب سے اخیر ہو، علامت سکتہ لگانی چاہیے، لیکن اگر وہ اخیر کا لفظ اسم ہو تو اُس کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیے +

مثال - نظم، موسیقی، مصوری، عمدہ ہنر ہیں +

نوم ایک لیر، دانا، اور دندیش شہزادہ تھا +

جیکر جملہ میں دو دو لفظ ساتھ ساتھ ہوں، تو ہر دو کے بعد علامت سکتہ ہونی چاہیئے +  
مثال - بے بندوبستی اور بدانتظامی، مفلسی اور محتاجی، تکلیف اور مصیبت، ویرانی و  
بربادی، آپس کی نا اتفاقیوں کا نتیجہ ہے +

۵ - جملہ نداشتیہ کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیئے +

مثال - میرے پیارے، میری بات سن +

او جانے والے، ادھر جوتا جا +

جاگنے والو، جاگتے رہو +

۶ - جملہ بیانیہ فقرہ مفرد کے شروع میں ہو، خواہ ہمچیں، خواہ اخیر میں، اس کے ساتھ بھی

علامت سکتہ ہونی چاہیئے +

مثال - اُن کی نیکی، احسانندی سے، مجھے یاد ہے +

اُن کی نیکی مجھے یاد ہے، نہایت احسانندی سے +

احسانندی سے، اُن کی نیکی مجھے یاد ہے +

۷ - جیکر کسی جملہ میں دو اسم آویں، اور پچھلا اسم، مع اپنے متعلقات کے، اُسی

شخص یا چیز پر دلالت کرے جس پر پہلا اسم دلالت کرتا ہے، تو اُن کے درمیان میں بھی علامت

سکتہ لگانی چاہیئے +

مثال - احمد، خیر خواہ معاندان +

مگر جب کئی لفظ ملکر ایک مرکب اسم بنے، تو اُن لفظوں کے درمیان میں علامت سکتہ

نہ ہونی چاہیئے +

مثال - شاہجان آباد - اکبر آباد - الہ آباد - چتور گڑھ - مشکل کشا - بنی آخر ازمان -

شکاکش اعلیٰ +

۸ - اگر اسرار موصول کے بعد بھی جملہ بیانیہ ہو، تو اُس کے پہلے علامت سکتہ لگانی

چاہیئے +

مثال - وہ، جو غم جو کر کچھ سیدھی ہو جاوے، اصل تلوار ہے +

مگر جبکہ اسرار موصول اسم کے ساتھ لے ہوئے ہوں، تو اُس وقت اُن کے پہلے علامت سکتہ

کا لگانا ضرور نہیں +

مثال - جو تلواریں ہو کر سیدی ہو جاوے، اسل ہے +

۹ - جب کسی جملہ کی ترکیب اُلٹ دی جاوے تو اُس کے بچھیں علامت سکتہ لگانی

چاہیئے +

مثال - خدا کے نزدیک کوئی چیز شکل نہیں ہے +

اس مثال میں علامت سکتہ کی ضرورت نہیں ہے مگر جب اس کی ترکیب اُلٹ دو تو علامت

سکتہ کی ضرورت ہوگی +

مثلاً - کوئی چیز شکل نہیں ہے، خدا کے نزدیک +

۱۰ - جب کوئی فعل محذوف ہو، تو وہاں علامت سکتہ لگانی چاہیئے +

مثال - پڑھنے سے آدمی پورا انسان ہوتا ہے؛ اور اچھی گفتگو سے، لایتی؛ اور

لکھنے سے، قابل +

۱۱ - کاف بیانہ یا تردید کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیئے +

مثال - ذوالفقار خاں آویٹے، کہ نہیں +

نیک ہو، تاکہ خوش رہو +

## علامت سکون

یہ علامت فقرہ کے ایسے اجزاء علیحدہ کرنے کو لگائی جاتی ہے جو، بہ نسبت اُن اجزاء کے

جن میں علامت سکتہ لگاتے ہیں آپس میں کم مناسبت رکھتے ہیں +

۱ - جبکہ پہلا حصہ فقرہ کا پورا کلام ہو، مگر اُس کے بعد کا حصہ ایسا ہو کہ اُس سے کوئی نتیجہ پایا

جاوے، یا پہلے حصہ کا مطلب بتاوے، تو اُن میں علامت سکون لگانی چاہیئے +

مثال - ایسا کامی سے اپنا کام کرو، کیونکہ اس سے تمہاری عاقبت سُورجی +

۲ - جب کئی چھوٹے چھوٹے جملے ایک دوسرے کے بعد آویں، اور باہم اُن کے کچھ فردی

مناسبت نہ ہو، تو ان میں بھی علامت سکون لگانی چاہیئے +

مثال - ہر چیز پانی ہوتی ہے؛ وقت گزر جاتا ہے؛ ہر چیز فنا ہونے والی ہے +

۳ - جب کسی فقرہ میں کچھ تفصیل ہو، تو اُس کے اجزاء علامت سکون سے الگ

کرنے پابند ہیں \*

مثال - عکیم کا قول ہے کہ بچہ کے بے انتہا کام ہیں ؛ اُس کا خزانہ سمور ہے ؛ علم ہمیشہ ترقی پر ہے ؛ اور آئندہ نسل کے لوگ ایسی باتیں دریافت کریں گے ، جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں \*

## علامت وقفہ

اس علامت سے فقرہ کو دو یا زیادہ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ جو حصے علامت سکون سے علیحدہ کیے جاتے ہیں ، نسبت اُن کے ان حصوں میں جو علامت وقفہ سے علیحدہ ہوتے ہیں ، اور بھی کم مناسب ہوتی ہے ، مگر ایسی بھی نہیں ہوتی کہ اُن پر مطلب ختم ہو گیا ہو \*  
۱۔ جب کوئی جزو فقرہ کا اپنی ترکیب اور معنی بتانے میں پورا ہو ، مگر اُس کے بعد کا جملہ بیانیہ ہو ، تو ایسی جگہ علامت وقفہ لگانی چاہیئے \*

مثال - غور کرنے کی عادت ڈالو ؛ کہ اس سے زیادہ عمدہ کوئی تعلیم نہیں \*  
۲۔ جب کہ ایک فقرہ کے کئی جملے علامت سکون سے علیحدہ کیے جاویں ، اور اُن کا نتیجہ اخیر فقرہ یا فقروں پر منحصر ہو ، تو اخیر فقرہ سے پہلے علامت وقفہ لگانی چاہیئے \*  
مثال - نیکی سے خدا خوش ہوتا ہے ؛ بُرے کاموں سے خدا ناراض ہوتا ہے ؛ نیکی کو عاقبت میں جزا دیگا ؛ بدکاروں کو قیامت کے دن سزا دیگا ؛ یہ ایسے خیالات ہیں کہ دنیا کو خوف ورجا میں رکھتے ہیں ، نیکی پر رغبت دلاتے ہیں ، گناہوں سے باز رکھتے ہیں \*

## علامت وقفہ کامل

۱۔ جب کوئی مفرد جملہ چھوٹا ہو ، تو اُس کے اخیر میں علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے \*

مثال - زندگی کی کوئی حالت تکلیف سے خالی نہیں \*

۲۔ جب کوئی فقرہ ترتیب معانی میں پورا ہو جاوے ، تو وہاں بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیئے \*

مثال - ناامیدی سے ، اور آزمائش میں پڑنے سے ہمارے دلوں کا جوش کم ہو جاتا ہے \*

۴۔ جب کسی لفظ کو اختصار کر لکھیں، تو اُس کے بعد بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیے۔

مثال۔ الخ۔ جو اختصار ہے اِلے آخر کا، ہف۔ جو اختصار ہے ہا خلف کا۔  
تی۔ آئے جو اختصار ہے پیرل آن ارٹ کا۔ ایم۔ آئے جو اختصار ہے  
ماسٹر آن ارٹ کا۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جو اختصار ہے کمپینن آف دی  
آرڈر آف ڈی سٹار آف انڈیا کا۔

### علامت استفہام یا سؤل

یہ علامت ایسے فقرہ کے اخیر میں لگائی جاتی ہے جس میں کوئی بات پوچھی گئی ہو۔  
مثال۔ تم اپنے کام سے کیوں غفلت کرتے ہو؟  
آپ کا مزاج کس طرح ہے؟  
کیا مجھے تم سے نہیں کہا تھا؟

### علامت تعجب

جبکہ فقرہ میں کوئی ایسا کلمہ جس سے دفعتاً جوش، یا مسرت، یا خوف، یا تعجب وغیرہ  
پیدا ہوتا ہو تو، اُس کے اخیر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے۔  
مثال۔ اوانلی وادی خدا!

او خوش گزنیوالے اور خوف دلائے والے خیال!  
میں نے شیخ کا قہر سے پوچھا کہ تم کون ہو، اُس نے کہا کہ گیلڈر!!

### علامت ترکیب

جب دو لفظ مرکب کیے جاویں تو اُن کے درمیان میں یہ علامت لگادیتے ہیں، تاکہ کوئی  
اُن کو جدا جدا نہ سمجھے۔

مثال۔ کتب۔ خانہ۔ شراب۔ خانہ۔ فیل۔ خانہ۔ منشی۔ خانہ۔

خط یا لکیر

کبھی تو اس خطے سے مقصود ہوتا ہے کہ ایک لفظ سے دوسرے لفظ میں فرق ہو جاوے اور کچھ مطلب نہیں ہوتا؛ مگر مدلول اس کا استعمال ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دفعتاً فقرہ ٹوٹ جاتا ہے یا دفعتاً خیال ہر جاتا ہے +

مثال - خدا نے کہا - کیا؟ - اسے زمین نکل جا اپنا پانی؛ اور اسے آسمان فتح جا برسنے سے +

کبھی اس علامت کا بطور کنایہ کسی مختلف لفظ کے استعمال ہوتا ہے +  
مثال - وہ تو — سے بھی بڑتر ہے؛ یعنی وہ تر شیطان سے بھی بڑتر ہے +  
پیش جاتا تھا — مجھ سے ملا +

اس مقام پر کسی ایسے شخص سے کنایہ ہے، کہ جب کو پڑھنے والا جانتا ہے، یا لکھنے والے کو اُس کا نام ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے +

### علامت جملہ مقترضہ

جب کسی فقرہ میں کوئی جملہ مقترضہ آجاوے، تو اُس جملہ مقترضہ کے شروع و اخیر میں یہ علامت لگانی چاہیے، جس سے معلوم ہو کہ وہ ایک علیحدہ جملہ ہے جو مطلب کے بیچ میں آگیا ہے +

مثال - اس بات کو بخوبی جان لو (اور تھکواتنا ہی جاننا کافی ہے) کہ انسان کے لئے صرف نیکی ہی اہلی خوشی ہے +

### علامت اقتباس یا نقل

جبکہ تحریر میں کسی دوسرے کا قول آجاوے، یا کسی دوسرے مصنف کی جینہ عبارت اپنی تحریر میں ملا دی جاوے، تو اُس کے اول و آخر میں یہ علامت لگادینی چاہیے +  
مثال - باغ کی تعریف اس سے بہتر نہیں ہو سکتی "تو گوئی خوردہ دینا برباکش ریختہ و عقد ثریا برباکش آوینختہ"

جب تک آدمی خود اپنا کام آپ نہ کرے، بخوبی کام نہیں ہوتا؛ مشہور قول ہے کہ "آپ کام مہا کام" +

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عمل نیت پر منحصر نہیں" حدیث کے یہ لفظ ہیں  
"انما الاعمال بالنیات"

### علامت توجہ

جس لفظ یا عبارت کے نیچے لکیر کی جاتی ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اس پر زیادہ توجہ  
دینا چاہیے +  
مثال - ذوالفقار غالب کشتی پر جاتے تھے، کتاب ہاتھ میں تھی، نادانی سے گر پڑی، اور  
دوب گئی +

### علامت ختم

اس بات کی نشانی ہے کہ نقل کرنے میں ہمیں سے غیر ضروری عبارت چھوڑ دی  
گئی ہے +  
مثال - "شبے تامل ایام گزشتہ میگردم، دیر عرتلف کردہ تاسف میخوردم، دستگاہ خذل  
بالماں آب دیدہ می بینم" \* \* \* تاکہ از دوستان کہ در کجاوہ غم انیس من بود،  
و در حجرہ ہم جلس، بر رسم قدیم از در درآمد"

### علامت حاشیہ

شخصے نزدیک سے آمد و پرسید کہ آں کدام زن \* مجوسی + بود، کہ دخترش \* را  
مگرگان خورده بودند \*؟ نفیہ جواب داد، کہ بابا تو تماشہ غلط گفتی، من کدام کدام غلط ترا  
صحیح کنم از پیش من برو +

\* آں زن نہ بود بلکہ مرد بود +

+ مجوسی نہ بود بلکہ حضرت یعقوب نبی، بنی اسرائیل بودند +

+ دختر نہ بود بلکہ پسر بود +

|| مگرگان خورده بودند بلکہ برادراش غلط گفتہ بودند +

## مسلمانوں کا افلاس

”الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء  
واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلاً“

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کو محتاج اور فقیر کر دینے کا تو شیطان وعدہ کرتا ہے اور پھینکے کے کام کرنے کو حکم دیتا ہے، اور خدا اپنی بخشش کا اور نعمت دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس زمانہ میں یہ ٹھیک شکل لوگوں کی ہے جن کا پیشہ یقولون مالا یفعلون ہے۔ یعنی خود تو دنیا کے بعد ہیں اور کسی پرید و معتقد کی نذر تک نہیں چھوڑتے، مگر زبان سے دنیا کی بے ثباتی اور دنیا کا بچھڑنا کہتے ہیں؛ اپنی جیب میں نیا بھرتے ہیں اور لوگوں کو اُس کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ جو کام مسلمانوں کی بھلائی و بہتری اور ترقی کا سوچا جاتا ہے، یا کیا جاتا ہے، یا قتل کے دشمن، خدا کے دشمن، رسول کے دشمن، مسلمانوں کے دشمن، ایک نہایت مسکینی سے ٹھنڈے سانس بھر کر کہتے ہیں، ہاں نیا چند روز ہے، دولت مند ہوئے تو کیا غریب ہوئے تو کیا؛ محل میں بھی گزر جاتی ہے درخت کے سائے میں بھی گزر جاتی ہے؛ موٹے کپڑے سے بھی بدن ڈھک جاتا ہے مہین بھی پھٹ جاتا ہے؛ اچھا کھانے سے بھی پیٹ بھرتا ہے جو کی روٹی سے بھی بھرتا ہے؛ ایسی بات کرو جو وہاں کام آئے؛ دنیا تو گزر ہی جاتی ہے۔ اُن جتنی دنیا ہوئی اتنا ہی زیادہ حساب نیا پڑے گا؛ تقدیر پرش کر رہو؛ انسان کو خدا اٹھو کا اٹھاتا ہے پر بھوکا سلا تا نہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں اُس آیت کے مصداق ہیں، اور وہ ٹھیک ٹھیک وہی وعدہ کرتے ہیں جس کا اُس آیت میں ذکر ہے۔

مگر ہم تمام مسلمانوں کی دین و دنیا کی بھلائی چاہتے ہیں؛ یہ خواہش کرتے ہیں کہ احکامِ شریعت حق کے بحال رہیں، ممنوعات و محرمات سے بچیں؛ مباح کے مزے اُٹھالیں؛ نیک طریقہ اور اچھے پیشہ اور مباح وسیلوں سے دنیا کمائیں؛ اور چرچہ طریحِ خدائی مرضی ہے نیک کاموں میں اُس کو مصروف کریں؛ کہ یہی مرضی خدائی اور یہی حکمِ شریعتِ مصطفیٰ کا ہے۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کا حال روز بروز بدتر ہوتا جاتا ہے؛ مغسلی اُن کو گھیرتی جاتی



ہے، مجرم میں وہ مبتلا ہوتے ہیں یا جلیانے اُن سے بھرے جاتے ہیں؛ میدیں اُن کے چوڑوں پر لگتی ہیں؛ ڈگریوں میں وہ پکڑے جاتے ہیں؛ جاندادیں اُن کی فروخت ہوتی جاتی ہیں؛ مگر وہ بے رحم اُن کے حال پر رحم نہیں کرتے، اور اُن کو ہسکاٹے سے باز نہیں آتے۔ وہ اپنے اس قول پر "فَجَزَّ تَلَا لَا تُلْحِقُنَا بِالْجَمِ الْعَالِي" "جیسے ہوئے اور ثابت قدم ہیں۔" حال کے ایک انگریزی اخبار انڈین پبلک آپینین لاہور میں، مسلمانوں کا حال چھپا ہے، اُس کا حاصل اس مقام پر لکھتے ہیں، شاید مسلمان مقتبہ ہوں +

اخبار مذکور نے مسلمانوں کے حالات پر غور کر کر یہ اصول قایم کیا ہے "کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو ضرور غفلت ہونا چاہیئے۔ مسلمان کسانوں کا تہذیبیچ مغلس ہونا، جبکہ ہم اس ضلع میں زیادتی مقدمات کا ایک سبب قرار دے چکے ہیں، قابلِ محاطہ وغور کے ہے۔ جو رپورٹیں اور حالات کا اخبار میں چھپے ہیں، اُن سب سے پایا جاتا ہے کہ عام ہندوستان میں یہ افلاس ترقی پر ہے۔ اس ضلع میں ششہائے عیسائی تہذیب کی حاکمانہ و دوکاندارانہ نے کیں اُن میں ششہ نصف ناشرین مسلمان کسانوں پر ہوتی ہیں اور بمقابلہ کل مقدمات قسم مذکورہ کے بحساب اوسط فی صدی چونتیس مقدمے ہوتے ہیں۔ جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ ششہ شخصوں کے ایک شخص بحساب اوسط عدالت کی لڑائی میں مشغول رہتا ہے، تو تعداد اُن کسانوں کی خیال کرنی چاہئے کہ کتنے لوگ روپیہ پیسہ کے معاملات میں مبتلا ہو کر عدالت کی لڑائی میں حیران پریشان رہتے ہیں۔ رجسٹرار جنرل پنجاب کی اخیر رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرو لاکھ اسی ہزار پونڈ، یعنی ایک کروڑ اڑتیس لاکھ روپیہ کی جائیداد غیر منقولہ مسلمانوں کی ششہ عیسویں بیع و درہن ہوئی مسلمانوں کا مذہب صرف لڑائی اور لوٹ مار کے مناسب ہے؛ تقدیر پرانہ حد حدی سے اعتبار و نگاہ کرنا جیسا یہ مذہب سکھلاتا ہے، اور اُس کے عقیدوں کو خوش خوش ایسے موقع کی طرف ایجاتا ہے جہاں یقینی بربادی کا سامان ہوتا ہے، اور کوئی مذہب نہیں سکھلاتا مگر وہی خیال کہ تقدیر کمی نہیں ملتی تمام جرأت اور جہت کو کھو دیتا ہے، اور ترقی و بہبودی کو پر دم کر ڈالتا ہے +

تقدیر کے مسئلہ کی نسبت جو کچھ صاحب اخبار نے لکھا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ حالت مسلمانوں کی ایسی ہی ہے، اور خود غرض لالچی مولویوں نے درحقیقت ایسا ہی اُن کو سکھایا ہے، "الامذہب اسلام کا یہ مسئلہ نہیں ہے، خود قرآن میں خدا فرماتا ہے "لیس للانسان الا ما سعی" +

ایک دوسرے اخبار دماغ اُنیز نے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت نہایت عمدہ  
مضمون لکھا ہے، اُسکو بھی ہم لکھتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ مسلمان بڑوں کے بادشاہوں کے  
مشابہ ہیں، جو گذشتہ بات کو بھولتے ہیں اور نہ کسی بات کو جو آئندہ اُن کے لیے مفید ہو  
سیکھتے ہیں، یہ لوگ ہر بات میں ساکن رہتے ہیں، حرکت کرنے کی کسی اُن کو خواہش نہیں  
ہوتی۔ یہ لوگ دُشمنین بھیچے پیچھے، اور گو ممکن ہے کہ کبھی کوشش سے اُوروں کے برابر چلیں  
مگر وہ کوشش کرنے کی خواہش اُن کو معلوم نہیں ہوتی، اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ لحاظ قومیت اور  
مرتبہ و اختیار کے، مسلمان بالکل گم ہو جائیں گے۔ اب یہ لوگ گویا اپنے امتحان پر ہیں، اور اگرچہ  
تو ممکن نہیں کہ دوسرا موقع اُن کو مل سکے، تبسلیک کرنا چاہیے کہ ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ یہ  
لوگ سابق میں اُس ملک کے فتح کرنیوالے تھے، اور اب اُن کو مفتوحوں میں اپنا شمار ہونے کا بلج  
بچ رہتا ہے۔ مذہبی تعصب اور غرور، تعلیم کا جھوٹا خیال مسلمانوں کو اپنی ترقی کے اُس میدان  
میں پھیر رکھنے سے باز رکھتا ہے جس میدان کو اُنھیں ملے کر ضرور ہے۔ پیشہ اس کے کہ مقابلہ  
اپنے ہوشیار مہارہنہندوں کے نوکری یا اپنی روٹی پیدا کرنے کی امید کریں۔ جو قوم کہ قصوراً عرصہ  
گذرانے کے تابع تھی اُس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اُن کے فقر کو سخت ضرر پہنچتا ہو، مگر اُن کو  
چاہیے کہ اپنی حالت کو قبول کرنے کے لیے کافی ہمت اور اُس مقابلہ میں سخت کوشش کرنے کے  
لیے کافی جرات اور اپنی ذات کی عزت کا خیال رکھنے کے لیے پوری ہمت کریں اگر تجربہ کی نصیحتوں کو  
میں سمجھ نہیں سکتے، یا بد نظریے، تو ضرور تکلیف میں بیٹھیں۔ منجھلن بڑے بڑے اسباب کے  
جن سے مسلمانوں کی غرابی ہوئی ہے، روزینہ داری اور اخراج دلی ہی، جس کے وہ بہت  
گردیدہ ہیں، ایک بڑا سبب ہے۔ یہ طریقہ کاہلی پیدا کرتا ہے، اور کاہلی سے افلاس ہوتا ہے، اور  
افلاس موجب ہے ناخوشی کا۔

بلاشبہ ملی ہونا اور روزینہ دار ہونا انسان کے لیے بہت بڑی آفت ہے۔ اس زمانہ میں ملی  
سافیدارہ روزینہ دار سب سے زیادہ خراب و بُری حالت میں ہیں، مگر میری دانست میں کیا آفت  
فوقہی ایسا ہی ہے، یعنی وہ لوگ جو پیورین کر شہر شہر اپنے مریدوں سے ٹیکس وصول کرتے  
پہرتے ہیں، یا منبر پر بیٹھ کر جھوٹے سچے قصہ سنا کر اور دعا عطا کر کرگوں سے روپیہ لینے پھرتے  
ہیں، اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں کسی پیر فقیر کے خاندان کا بیان کر کر، کسی درگا  
کا خادم کہہ کر، یا کچھ مفسد کا مسدوف اور مدینہ منورہ کا زیارت کرنے والا بتا کر روپیہ مانگتے پھرتے ہیں

جو مسلمان کمان لکھ کے ساتھ سدا کرتے ہیں، حقیقت اپنی قوم کے مینی مسلمانوں کے  
 دشمن ہیں۔ ہاں تہذیب و تمدن نہایت بڑی چیز ہے، اس سے قوم میں غلیظی اور ناشائستگی  
 بے حیائی اور بے تحریری پھیلتی ہے۔

## سراب حیات

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے  
 غمروں ہی تمام ہوتی ہے

کیوں کس خیال میں ہر لمحہ آپ کی طبیعت کچھ متغیر معلوم ہوتی ہے؟  
 نہیں کوئی بات نہیں ہے یوں ہی سست ہے۔ آدمی کو کبھی کبھی خیال ہوتے ہیں کبھی کبھی  
 انہی خیالات سے کبھی آپ ہی آپ خوش ہوتا ہے کبھی آپ ہی آپ متفکر ہوتا ہے۔  
 بسلا کیجئے تو کسی کرکٹ خیالات نے آپ کو متفکر کیا ہے ہم بھی تو سنیں۔  
 چند روز ہونے کو تیس دنے ایک گھنٹہ اپنے کمرہ میں لگایا ہے اس کا لنگر کڑا گیا تھا وہ بند تھا  
 نہ چلتا تھا اور دیتا تھا۔ ایک دوست نے دروازے سے اس کو بنایا وہ پلٹے لگا اور آواز دینے لگا  
 میں نکلتا ہوں کہ وہ دروازے پر ملتا ہے۔ ایک سے اپنا دودھ شروع کرتا ہے اور بارگہ پر ختم کر دیتا  
 ہے۔ اس کی ایک اسٹ پیر میں نہایت ختم ہوتا ہے۔ جب ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا۔ تو  
 معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں۔ یہی دوسری دنیا سے مجھے لگی ہوئی تھی۔ اور یہی خیال میں غلطیاں  
 تھا کہ ایک ایک ہمارے دوست پادری جرجلی صاحب نے ایک کتاب بھیجی جس کے سر پر  
 لکھا تھا سراب حیات۔ میں بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ شاید اس سے کچھ فائدہ  
 مل چکا۔

یہ کتاب دراصل انگریزی میں ہے اور جانسن نے بڑی فصاحت و بلاغت سے لکھی ہے  
 اس کا ترجمہ پرنسٹن یونیورسٹی صاحب نے کچھ کئی پیشی کے ساتھ نہایت قابلیت سے اردو زبان  
 میں کیا ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے نہایت لائق اور مشہور اور فاضل اور دولتمند اور فصیح و ظریف  
 و شاعر و فیاض و خیال آدمیوں کا جو ہمارے زمانہ سے تھوڑے ہی دن پہلے اسی دنیا میں موجود  
 تھے ذکر کیا ہے اور پھر دیکھا گیا ہے کہ کس طرح صحت و فاضل سے اس دنیا سے نکلے تا حال و حال

چھوڑ گئے۔ وہ عقلمندی کا نام لے کر اور وہ متاع دنیا کا مال سے میں کتنے کتنے مر گئے۔

کس لیے آئے تھے کیا ہم کر چلے

تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے

اس کتاب نے ہوش سلجھانے کے میرے خیالات کو آؤر الجھا دیا اور یہ سوال اہل میں پیدا ہوا کہ کس لیے آئے تھے؟ اسی سوچ میں تھا کہ میں نے اپنے کرہ کار و روزہ کھولا لیکن خوش نامندی اور سرسبز رحمت اور شاداب کھیتی پر سیری نظر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ہندی کا پانی بہا چلا جاتا ہے۔ پھچکلا آتا ہے اور گلا چلا جاتا ہے۔ درختوں کو پتے نے دیکھا کہ پرنے جاتے ہیں اور نئے آتے ہیں۔ پکی کھیتی کاٹی جاتی ہے اور نئی بونی جاتی ہے۔ یہی آداگون ملک ہے۔ یہ کس لیے آئے تھے اور کس لیے گئے کیا یہ بھی کچھ حسرتیں لے گئے؟

کچھ سمجھ میں نہیں آیا اگر میں نے غور کیا کہ شاید یہ مسئلہ کہ کس لیے آئے تھے اور کیا کرنا متحرک جانداروں سے متعلق ہو گا میں نے سب کی حالت پر اپنا خیال ڈھرایا۔ میں نے شیر کا خیال کیا جو سب سے زیادہ خوبصورت۔ سب سے زیادہ شان دار۔ سب سے زیادہ جلال۔ سب سے زیادہ غیور ہے۔ مگر سب میں موزی اور زنبار آزاد مشہور ہے۔ جب اُس کی مرہ لاش کا میں نے دھیان کیا تو دیکھا ایک بے حرکت لاش پھول کر پٹ پھٹا ہوا انتہائی گیدڑوں کی کھائی ہوئی سنہری کھانا ک میں ملی ہوئی گوشت ٹکڑے زمین پر پڑے ہوئے ہڈیوں کا ڈھچکا ہوا بی ڈھانچا تھا اور غالباً وہ بھی چند روز کا۔

میں سمجھا۔ کہ یہ تو اسی قسم کا جانور تھا جس قسم کے آدمیوں کا سراب حیات میں جانتے نہ لے لیا ہے۔ کسی اس سے عمدہ جانور کو دیکھو؟

اتنے میں کہنے کا مجھے خیال آیا۔ میں سمجھا کہ سب جانوروں میں ہی خدا ربیدہ ہے۔ قناعت محبت۔ رفاقت۔ دوستی۔ وفاداری۔ اپنے مالک کی اطاعت اور سب سے زیادہ کسر نفسی اسی پر ختم ہے۔ سب دیکھ کر کہتے ہیں۔ شلہ مولوی تو نجس العین بتاتے ہیں مگر یہ غریب سب کے سامنے عاجزی اور کسر نفسی سے دم ہلاتا اور سر جھکا تا ہے۔ مگر جب وہ بھی مرا تو ایک لاش ہے۔ حرکت تھا نہ وہ دم کا ہلاتا تھا نہ سر کا جھکانا۔ نہ وہ رفاقت تھی نہ وہ اطاعت۔ چند روز میں اسی طرح ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ موٹہ گھلا۔ جیڑا شکا۔ دانت اور کھلیاں کھلی ہوئیں۔ اور ہزاروں چوٹیاں اُس میں گھسی ہوئی۔ میں نہایت متعجب ہوا اور کہہ لیا کہ کیا ان خجیم

دونوں کا ایک سا ہی ہوا \*

میں نے کہا نہیں کسی مقدس جانور کو لوہے میں نے کبوتر کا خیال کیا جو دنیا میں سب مقدس شمار ہوتا ہے۔ بھولی بھولی صورت۔ پیاری پیاری باتیں۔ جو روحِ صمیم میں نہایت محبت۔ دونوں کا سوشیل برتاؤ نہایت میٹھا تقدس میں بھی سب سے بڑھا ہوا۔ نوح کے لئے زیستوں کی مبارک ٹہنی لانیوالا۔ مسیح کے لئے روح القدس بن کر اترنیوالا۔ مکہ معظمہ میں کعبہ کا طواف کرنے والا۔ تمام خانقاہوں کا مجاور ہو کر رہنے والا۔ اپنے پروں کی ہوا سے بیاروں کو شفا بخشنے والا۔ تمام ہندوؤں اور بودھست لوگوں کو جی کے بچاؤ کی ہدایت کرنے والا۔ مگر جب اُس کا بھی انجام دیکھا تو اس سے زیادہ کچھ نہ پایا کہ پرچنے ہوئے کہیں ٹپے ہیں۔ چرچے کہیں اور چنے کہیں۔ چند روز تک سینہ کا ڈھانچا پڑا ہے۔ پھر وہ بھی نہیں \*

میں نے اپنے خیال کو انسان کی طرف پلٹا کر یکا یک میرے سامنے سلطان عبدالعزیز خان کا مجرا آجود ہوا جو نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا۔ لڑائیوں میں نہایت دلیری و دانائی سے لڑا تھا۔ پندرہ برس سے قسطنطنیہ کے تخت شاہی پر جلوس کرتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ نہایت فضل خرچ تھا۔ عورتوں پر بہت فریفتہ تھا۔ تیرہیں کشتیاں عورتوں کی بھری ہوئی اُسکی حرم سرا میں تھیں۔ ملک میں روپیہ کی کمی تھی۔ شاہی خزانہ خالی تھا۔ باغیوں کی سلطنت میں آفت برپا تھی۔ مگر اُس نے کئی کروڑ روپیہ اپنے خزانہ میں عیاشی کے لئے چھپا رکھا تھا۔ اپنی پیاری جو رو کی خوشی کے لئے ٹیکوں کی ولیمہ کی پُرانی رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ اُس جو رو سے جو بیٹا تھا اُسکو ولیمہ بنا تا تھا۔ اور ملک کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کر اس کام کے پورا ہونے کو ملک کے دشمن آدمیوں کو اپنا دوست بنا تا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے جرموں میں اُسی کی سلطنت کے لوگوں نے اُس پر پوریش کی۔ تخت سے اتار دیا اور محل سے نکال ایک چھوٹے سے مکان میں قید کر دیا۔ سلطنت جانے کی حسرت نے اُس کے دل کو بیتاب کر دیا اور اپنے تئیں آپ مار مار کر میرے خیال نے مجھٹ ماتہ دھڑایا۔ پہلے تو ملقمہ پر رکھا پھر تھنوں کے سامنے لے گیا کہ شاید کچھ سانس چلتی ہو۔ سینہ کو ٹٹولا۔ ماتہ کو دیکھا۔ پاؤں کو دیکھا۔ چاروں طرف غور کی۔ بجز ایک لاش کے کچھ نہ پایا۔ سینہ پر کان لگا کر شاید وہ ہڈیاں مچھل رہی ہوں مگر کچھ نہ پتا نہ لگا۔ میں سمجھا کہ اُس میں کچھ نہیں۔ چند روز میں یہ گوشت و پوست بھی نہ ہو گا صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہا ہو گا اور چند روز بعد وہ بھی نہ ہو گا۔ مجھے جانسن کی مراد حیات یا دوائی اور سمجھا

کہ دنیا کی حسرت میں مرا اس لیے اس کا یہ حال ہوا +  
 مجھ کو اشتیاق ہوا کہ کسی بڑے خدا سیدہ دنیا کی طرف سے شرمزدہ مرے ہوئے کا حال  
 دیکھوں۔ پنجاب کا ایک نہایت متبرک شخص میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اُس کے دیکھنے سے  
 بہت خوش ہوا۔ خدا کے سوا اور کچھ کلام نہ تھا۔ عبادت کے سوا اور کچھ کام نہ تھا۔ دنیا اور اس کا  
 عیش محض بے حقیقت تھا۔ جو لوہی وہ خدا سے واقعی سے لگی ہوئی تھی۔ اتفاقات سے اُن کا  
 بمبئی غری وقت آپہنچا۔ اپنی اول منزل کی اُنہوں نے وصیت کی اور اپنے دوستوں کو  
 نصیحت۔ نہایت شاداں و فرحاں سفر کی تیاری کی اور بغیر کسی اِطمان و حسرت کے جان دی۔  
 میرے خیال نے جھٹ ہاتھ بڑھایا۔ ماتھے پر رکھا۔ تھنوں کے سامنے کیا۔ دل ٹٹولا۔ سینہ  
 ٹٹولا۔ ہاتھ دیکھا۔ پائوں دیکھا۔ کچھ نہ تھا۔ سینہ پر ٹٹولی باندھی کُٹس کے اندر سے ضرور کچھ شونی  
 جھلکتی ہوگی پر کچھ نہ تھی۔ میں گھبرا یا اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اُجی حضرت کچھ بول تو سہی ٹٹول  
 کیا تھا۔ سانس بھی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ یہ تو سیاہی معاملہ ہو گیا جیسا کہ ان سے پہلوں کے  
 ساتھ ہوا تھا۔ دنیا کی حسرت بچانے اور عبادت کے شوق میں مرجانے میں تو اب تک کچھ فرق  
 نہیں دکھائی دیا +

اتنے میں لوگ اُن کی تہیز و تکفین کرنے لگے۔ قدیم خانقاہ میں اگلے سجادہ نشینوں کی قبروں  
 کے برابر قبر کو دفن کرنے لگے۔ میں نے گھبرا کر کہا کہ دو چار دن رہنے تو دو۔ مجھے سمجھ تو لینے کو کہ یہ کیا  
 ماجرا ہے۔ لوگوں نے کہا بولا ہوا ہے۔ کوئی مُردوں کو رکھتا بھی ہے تمام کھال کس جاوے گی  
 گوشت گل پڑیگا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ نکل آویگا۔ کوئے اور چلیں مٹلانے لگیں گی۔ ہڈیوں کے  
 ڈھانچہ سے لوگ ڈر کر بھاگنے لگیں گے۔ میں سن کر تو میں ششدر رہ گیا۔ تمام اگلے لاشے میری  
 آنکھوں میں پھر گئے۔ میں نے کہا کہ میاں آؤ سب کا بھی تو یہی حال ہوا تھا۔ کیا یہی بات  
 سچ ہے۔

چو آہنگ رفتن گت جان پاک  
 چہ بر تخت مُردن چہ بروئے خاک

میں نہایت مترو و متفکر۔ حیران و ششدر روں سے اُٹھا اور بل بھلانے کے لیے اپنے  
 باغ میں گیا جو ایک بہت بڑا باغ تھا اور جوالی اور ولولہ کے زمانے میں میں نے اُس کو از سر نو  
 نہایت خوبصورت و خوش نما راستہ کیا تھا اور وہاں اکثر دوستوں کا ادھر بڑے بڑے نامی اور

یا کمال لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ غالب کی دلکش و محبت آمیز نیرنگانہ باتوں سے۔ آزدہ کی محبت و دلربا فصاحت سے رشیفہ کی متین و غیر خندہ زن وضع سے۔ صہبائی جانواز کے میسا و محبت سے دل شاد و ہنستا تھا۔ ادھر ادھر پھر رہا تھا۔ ایک عین میں پہونچا جس کی نئی کھدائی ہوئی تھی مٹی میں ایک بڑی کھائی دی جس کو تیس برس کی سری سمجھا۔ تیس نے ٹھوکر مار کر پرے پھینک دیا جب وہ نکلی تو بکسے کی سری نہ تھی بلکہ آدمی کی کھوپری تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا کہ ایک ایسی طرح کوئی شخص میری کھوپری کو بھی ٹھوکر مارے گا۔ میں نے دوڑ کر اُسے اٹھالیا اور دیکھا کہ مرث ہڈیاں جوڑی رہ گئی ہیں۔ پیشانی کی ہڈی پر خط میں شاید وہی نوشتہ تقدیر ہو۔ پر پڑھی نہیں گئی۔ آنکھوں کی جگہ ایک گڑھا اور حلقہ تھا۔ انگلی ڈالو تو کچھ نہیں سنا کی خوبصورتی بالکل تھی ایک شکستہ تھوڑی سی اونچی نہایت بد بنا ہڈی کا نشان تھا اور اُس کا سوراخ نہایت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ دانت جن کو موتی اور اولوں کی بار کتے تھے ایسے ہیبت ناک دکھائی دیتے تھے کڑل کا پتا تھا۔

میں نے اپنی بے ادبی کی جو اذانتہ ہوئی۔ معافی پاچی اور پوچھا کہ ترکون ہو کیا مذہب تھا۔ عالم تھے۔ فقیر تھے۔ دنیا کی حسرت میں مرے یا خدا کی عبادت میں۔ ہر چند پوچھا۔ کچھ جواب نہیں ملا۔ پھر میں اُس کو اٹ پکٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید کچھ نشان بھلائی بُرائی کا ملے۔ کچھ نہ ملا۔ ایک بڑھا باغبان میری ان سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کہ میاں کیا دیکھتے ہو۔ اچھے بُروں کا۔ گیدڑ بھیڑیے کا۔ مرے ہر سب کا ایک ساحل ہر جاتا ہے۔ میں سخت متعجب ہوا۔ اور جانسن کی سراب حیات کو یاد کیا کہ پھر اُس نے کیا کہا؟

میرے دوست نے کہا کہ تمہارے خیال بھی نہایت خام ہیں اور تمہارے متفکر ہونے پر بھی نہایت افسوس ہے۔ تم اس مٹی کے ڈھیر اور مٹرنے والے گوشت اور گلنے والی ہڈیوں میں کیا ڈھونڈتے تھے۔ جو چیز دیکھنے کی تھی وہ تو اُس میں ہی نہیں۔

میں نے پوچھا کہ پھر وہ کہاں تھی۔ اُس نے کہا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ کسی تھی۔ بولا کہ معلوم نہیں۔ پھر پوچھا کہ دیکھا ہی دیتی تھی۔ کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کہاں تھی۔ کہا معلوم نہیں۔

اس جواب سوال سے میں آدھ بی تھیر ہوا کہ جس چیز کا کسی طرح پر علم نہیں اُس کی نسبت کہتا ہے کتنی۔ بولا کہ خدا نے کہا ہے۔ میں نے کہا سچ۔ "ولکن لیطمئن قلبی" "یہ سنا اور شکر غاروش" جو رہا میں نے کہا کہ یہ سب تمہارے خیالات ہیں کہ وہ شخص دنیا کی مسرت میں مرا اور وہ شخص

خدا کی عبادت میں مرے۔ پر سب برابر ہیں۔ جو بات سچ ہے وہ آپس کی ہمدردی۔ قومی احانت۔ قومی بھلائی ہے۔ جبکہ ہماری قوم کا دنیا میں حال ہے کزالت و غوری۔ نجات و جہالت میں مبتلا ہے تو اگر کوئی دنیا کی حسرت میں مگر جہنم میں گیا تو ہماری جوتی سے۔ اور عبادت کر کر بہشت میں گیا تو ہماری بلا سے۔ اُن کا کیا رونا ہے جیوتوں کو رو جو مردوں سے بھی بدتر ہیں +

## خود غرضی

اور

## قومی ہمدردی

پہلا لفظ تو بہت پرانا ہے منت سے ہم سنتے چلے آئے ہیں مگر یہ پچھلا لفظ شاید چند رو سے پیدا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن خالد بن سنان بنوی کے بعد اس کی پیدائش ہوئی ہے مگر فرما رہے کہ پچھلے زمانہ میں بھی اس کی جگہ کوئی اور لفظ ہوتا تھا ہوگا +

پچھلے زمانہ پر جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو قومی ہمدردی کی بہت سی نشانیاں پاتے ہیں۔ بعد ہر جاؤ اور صہنہروں کھنڈرات مسجدوں اور گنوں اور گنوں اور گنوں اور گنوں کے پاؤں کے ہنڈی لاکھوں روپیہ لگا کر لوگوں نے قوم کے آرام کے لئے سمان۔ اٹھیں بنوائی تھیں مسجدیں بنوائی تھیں۔ گنوں میں کھدوائے تھے۔ پل بنوائے تھے جن کے نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ سنہری مسجدیں بنوائیں جن کے بڑے بڑے برج سونے کے کام سے مفرق تھے۔ نئے سنگ مرمر کی مسجدیں بنوائیں جو موتی مسجدوں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ چینی کی کالدار سراؤں کے دروازے مسجدوں کے گنبد طیار کرانے جو آج تک اسی آب و تاب سے موجود ہیں۔ اس سے بھی زیادہ کیسی بڑی بڑی عالی شان خانقاہیں تعمیر کیں۔ اُن کے بنانے میں لاکھوں روپیہ خرچ کر گئے۔ دیہات، بھائی کے جاگیریں دیتے جن کی لاکھوں روپیہ کی آمدنی قومی ہمدردی میں صرف ہوتی تھی۔ اُن مدرسے وغیرہ بنانے کا اُس قد خیال تھا کہ ہر صہی مدرسے جاری کیئے تھے جب تاریخ کی کتابوں کی بہت تلاش کرو تو معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کے وقت میں کوئی مدرسہ تھا اور کچھ زیادہ نشان نہیں ملتا۔ دلی کے پہلے کھنڈرات میں تلاش کرو تو اب کے عہد میں ماہر اسکے کی بتائی ہوئی مسجد اور اُس کے گرد کوٹھریاں بنائی جاتی ہیں جس کو لوگ، ماہر آٹھ کالدار مشہور کرتے ہیں۔ غالباً اُس میں چند اندتے قرآن منظر



کرتے ہوں گے۔ نہایت مشہور اور پُر رونق شاہجہان کے عہد میں بھی چند لداؤ کی کوٹھڑیاں بنائیں  
 پچیس تیس ہوں جامع مسجد کے نیچے بنی ہوئی تھیں جو دارالبقا کے نام سے مشہور تھیں اور لوگ  
 کہتے ہیں کہ شاہجہانی مدرسہ تھا اور غالباً جس قدیم ارمیہ مثل ختم خواجگان و ختم بخاری اور ختم  
 دلائل الخیرات واسطے سلاست شاہجہان کے ہوتے تھے وہ سب اس میں ہی ہوتے تھے۔ اس سے  
 زیادہ مدرسوں کے بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بہت سے طالب علم متفرق مسجدوں میں رہتے  
 تھے۔ میل تپان کو طالو کے لئے ملتی تھی نذر نیاز مردوں کی فاقہ سویم چہلم کے بیاروں کے  
 صدقوں کی بہت روٹیاں مسجدوں کے طالب علموں کو مل جاتی تھیں۔ اس کا نمونہ ہمارے نامہ  
 تک بھی موجود تھا۔ فقہری اور پنجابی کٹھہ اور کشمیری کٹھہ کی مسجدوں اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے  
 مدرسہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ میں بہت سے طالب علم مردوں کی روٹیاں  
 کھاتے اور فاقہ دوپڑے کو ملتے تھے۔ ابھی قومی ہمدردی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ دیکھو اس  
 گئے گئے لکڑے زمانہ میں بھی مسلمانوں نے کیسی بہت کی ہے۔ کس قدر روپیہ خرچ کر کر جامع مسجد دہلی  
 کی مرمت کی ہے۔ دلی کی پرانی عید گاہ کا چوترا بڑھایا جاتا ہے اس کا فرش درست کیا جاتا ہے تاکہ  
 قوم کو ناز نہ ملے میں نہیں کی اچان نیچان تکلیف نہ دے۔ سہارنپور میں دیکھو کئی لاکھ روپیہ خرچ کر کر  
 جامع مسجد بنائی ہے اور پرانی جامع مسجد کو چھوڑ دیا ہے۔ دیوبند میں دیکھو کیسی عالی شان مسجد بنائی  
 جاتی ہے۔ اس زمانہ میں لگے زانوں سے بھی زیادہ مدرسے جاری ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو پنجاب  
 میں کتنے مدارس اسلامیہ جاری ہوئے۔ دہلی میں اسلامی مدرسہ جاری ہوا۔ لکھنؤ میں مدرسہ اسلامیہ  
 قائم ہوا۔ دیوبند کے مدرسہ کو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ افتخار العلماء و فخر الکلام اعظم عہد شیخ زمانہ  
 صاحب فقیران مدرسہ مہتمم ہیں۔ پھر سہارنپور میں انبیٹہ میں مدارس اسلامیہ موجود ہیں۔ غرض کہ  
 بہت سی جگہ مدارس جاری ہیں۔ پھر قومی ہمدردی کے لفظ کو نیا لفظ کہنا صحیح نہیں ہاں شاید یہ  
 ترکیب لفظی نئی ہو مگر سبب ضمون کا پہلے بھی ضرور کوئی لفظ ہوگا جو ہماری یاد سے جاگتا رہے۔ جبکہ  
 ہم یہ باتیں سنتے اذ خیال کرتے ہیں تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ بے شک ہلوگوں میں قومی ہمدردی  
 قدیم سے چلی آتی ہے اور اب بھی بہت پائی جاتی ہے۔ مگر جب زیادہ غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہ  
 سب دھوکا ہی دھوکا پایا جاتا ہے (قطع نظر اس بحث کے کہ یہ کام قوم کو غیب میں اور قوم کو  
 اس کی ضرورت ہے یا اس سے زیادہ اور چیزوں کی ضرورت ہے) جب ان لوگوں کے  
 چہروں نے یہ کام کیے اور کر رہے ہیں دل سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام کام اس میں

خیالی خوش میں کر رہے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کے کام میں مصروف ہیں اور ثواب کی گھڑیاں بند  
رہے ہیں۔ مرنے ہی یہ سب کام ہو بہشت میں لیجاویں گے اور بہشت میں بڑے بڑے درجے  
پاویں گے۔ تاج ہمارے سر پر ہوگا اور ایک موتی کا محل بہشت میں ملیگا۔ جو میں تصرف کو ہوئی جن کو  
ہمارے سوا کسی نے چھوا بھی نہ ہوگا۔ پھر ان کی تعداد چار پر بھی محدود نہ ہوگی۔ بے انتہا جنتی چاہا  
غلان بھی نہایت خوبصورت معلوم نہیں تصرف یا خدمت کو ملیئے۔ باغ ہوگا۔ میوہ ہوگا۔ نہریں  
ہوں گی۔ شراب ہوگی۔ پیشیں گے اور چٹن کرینگے اور کما کرینگے کہ حافظ نے کیسا غلط یہ شعر  
کہا تھا۔

بدھ ساتی مئے باقی کہ درجہت نغمہ اسی یافت

کنار آب رکن باد و گل عشت سٹھلے آ

ہم بھی نہایت ادب اور صدق دل سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ خدا ہو کہ جی نصیب کے  
مگر یہ تو فرمائیے کہ یہ سب کام خود غرضی کے ہیں یا قومی ہمدردی کے۔ کوئی کہے۔ میں تو خانوں کہ  
یہ کام قومی ہمدردی کے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسے ہی کام ہیں جیسے ایک رند مشرب دنیا میں انہی  
عیشوں کے حامل کرنے کو کرتا ہے۔ اُس میں اور ان میں اتنا فرق ہے کہ انھوں نے نقد کو نسیہ  
پر چھوڑا ہے اور دوسرے جہاں میں ان عیشوں کے حامل کرنے کی لالچ سے یہ کام کیئے ہیں غور  
کرنے کی بات ہے کہ باغمانوں سے اپنے چین کے لئے مزدوری دیکر باغ لگوانا۔ مزدوروں کو  
مزدوری دیکر اپنے آرام کے لئے محل چننا۔ کلال کو دلم دیکر اپنی عیاشی کے لئے شراب کھانا۔  
اور علاوہ اس کے روپیہ خرچ کر کر سامان عیش اور لذائذ نفسانی کا جمع کرنا کیا قومی ہمدردی جی  
جاہ سے گی۔ نمود باندہ ہرگز نہیں۔ یہ تو عین خود غرضی ہے۔ پھر وہ باتیں جو ثواب کے لالچ سے  
کی جاتی ہیں کیوں قومی ہمدردی جی جاویں گی۔ اور اگر جیسے پوچھو ثواب بھی نہیں۔ گدے کھایا کھیت  
جس کا پاپ نہ پٹن ۛ

اسلام کلچر مسئلہ یہی ہے کہ اُسی کام کے کرنے میں ثواب ہے جس کی ضرورت ہے۔ دیکھو  
کوئی اگر بہت سے زیادہ نہ محتاج جس کی اُس وقت بڑی ضرورت تھی نفع تک کہے بد کچھ بھی نہ تھا پیش  
اسامی تجویز کے لئے جو چارٹے کے اسباب ابوبکر صدیقؓ نے حاضر کیا جسکی ضرورت تھی مگر  
اب اُس کی برابری کوہ احد کے برابر سونا بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تھا اصول مذہب اسلام کا ہے مگر  
کئی بھی اس کی پروا نہیں کرتا ۛ

قوم کی حالت اور اسلام کی حرمت کیسی ہی خراب ہوتی جاوے اُس کے اسباب پر غور کرنے اور اُس کے رفع کرنے کا کسی کو خیال نہیں ہے۔ اپنے خیالات کے موافق جو اپنے ثواب اور دوسرے جہاں میں اپنے چین کرنے کے کام سمجھتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ پھر کس طرح خیال ہو سکتا ہے کہ وہ قومی بہرہ رومی کے کام ہیں بلکہ ٹھیکٹ خود غرضی ہے اور اُمید ہے کہ وہ بھی حاصل نہ ہوگی۔

## شروع سال

### شہ ۱۲۹۳ ہجری مطابق یکم شوال ۱۲۹۳

عرب میں بزمانہ جاہلیت بہت سے سنہ متوج تھے۔ اولاً سنہ بنائے کعبہ یلج تھا۔ پھر عمر بن ربیعہ کی یاست سے سنہ شروع ہوا۔ اصحاب الفیل کے واقعہ تک بھی سنہ جاری رہا۔ پھر عام الفیل سے نیا سنہ شمار ہونیکا۔ عرب کے قبیلوں میں بھی متعدد سنہ یلج تھے۔ جس قبیلہ میں کوئی بڑا واقعہ پیش آتا تھا اُسی واقعہ سے نیا سنہ شمار کرنے لگتے تھے۔ آن حضرت صلعم کے وقت میں کسی سنہ کے مقرر کرنے کا خیال نہیں ہوا کیونکہ یہ ایک اتر تھن سے متعلق تھا۔ کوئی مذہبی بات نہ تھی۔ حضرت عمر کے وقت میں اسکی ضرورت پیش آئی۔ ابو موسیٰ اشعری حاکم میں نے لکھا کہ فرمانِ مرتضیٰ شعبان جو آیا ہے اُس سے نہیں معلوم ہوتا کہ کون سی شعبان کا لکھا ہوا ہے۔ اسپر خیال ہوا کہ کوئی سنہ مقرر کرنا چاہیے جو تمام ہاجرین و انصار مدینہ منورہ کے باشندے ہو گئے تھے اور ہاجرین ہجرت سے بڑا کوئی واقعہ نہیں گذرا تھا اور مدینہ منورہ میں آں حضرت صلعم کے تشریف لانے اور سکونت اختیار کرنے سے بڑھ کر کوئی واقعہ نہ تھا اس لیے عرب کی عادت کے موافق ہجرت سے سنہ کا شمار ہونے لگا۔ درحقیقت یہ سنہ نہایت عام امت محمدیہ کے خاص ہاجرین اور انصار سے ادا کنین مدینہ منورہ سے زیادہ تعلق رکھتا تھا۔ مگر جوں جوں اسلام کو اور حکومت اسلامیہ کو دست پہنچائی اور دور دور ملکوں میں پھیلنا گیا اسی سنہ کا رواج ہوتا گیا تب تک کہ اب بھی سنہ مسلمانانہ تصور کیا جاتا ہے۔

ایک زمانہ کے بعد ملکی انتظام کے لیے یہ سنہ مناسب نہ معلوم ہوا اور عجب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں کی جسکی طرح ملکی انتظام ان میں سے نہ ہو سکا، اکبر کے عہد سے پہلے عہد مسلمان

گذرے انھوں نے سنہ تو یہی قائم رکھا مگر ملکی سنہ کو وہ ہجری سنوں سے ترکیب دیکر بنایا اور نصف  
 مہینہ ایک سنہ کے اور نصف مہینہ دوسرے سنہ کے لیکر ایک برس قائم کیا اور کافیات ملکی میں  
 اس طرح پتھر پر بنیگا۔ مثلاً غریف ۱۱۱۱ ہجری و برج ۱۱۱۱ ہجری +

یہ کار وہی بھی ملکی انتظام کے لئے کافی نہ تھی اس لئے کہ ہجری سنہ کے مہینہ قمری تھے اور  
 ملکی مہینہ اداثر شمسی مہینوں پر موقوف تھی۔ قمری سال میں ۱۲ مہینے اور شمسی سال میں ۱۲ مہینے تھے  
 اور اداثر جو ہجری سال کا پہلا مہینہ تھا کبھی بروج میں آجاتا اور کبھی غریف میں اس لئے اکبر کے  
 عہد میں یہ کارروائی ہولی کہ سنہ تو وہی ہجری قائم رکھا مگر اس کے مہینہ بجائے عربی کے جو  
 قمری تھے ہدی قمری کو دینے پر تیسرے سال کبیہ یعنی لوند کا مہینہ بڑھنے سے شمسی مہر جاتے  
 تھے اور اس کا فصلی سنہ نام رکھ دیا۔ آدھ ملکوں میں بھی اسی طرح کچھ کچھ تبدیل ہوئی مگر مذہبی امور  
 میں بجنسہ ہی سنہ اور وہی مہینے قائم رہے +

اگلے انداز سے شجرہ بیان سکتا ہے کہ سنوں کے حساب پر کوئی مذہبی امر متعلق نہیں ہے۔  
 صرف مہینوں کے حساب سے امور مذہبی متعلق ہیں۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے ہوں گے  
 اور یحییٰ میں حج کرنا ہوگا۔ اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ کون سے سنہ کا رمضان یا ذی الحجہ ہے +  
 پس ہجری سنوں سے ہجر اس کے کہ زمانہ کا شمار قائم کیا جاوے اور کچھ مطلب نہیں ہے۔  
 جبکہ ثابت ہو کہ ہجری مذہبی کارروائی صرف قمری عربی مہینوں پر منحصر ہے تو ہو کہ نہایت اچھا  
 معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کا شمار بھی ہم اپنی خاص مذہبی کارروائی سے کریں یعنی اس وقت سے جبکہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا۔ اور جبریل علیہ السلام نے خدا کی طرف سے کہا "اقرء  
 باسم ربك الذي خلق" خلق الانسان من علق اقرء وربك الاكبر الذي علم  
 بالقلم علم الانسان ما لم يعلم" +

اگر خیال پر ہر زمانہ کا شمار قائم کرنا چاہیں تو اول یہ کہ یہ تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ نیت غفلت کیجے  
 شروع ہوئی اور کس مہینہ سے اس کے سال مبارک کا آغاز ہوتا ہے تو ہو کہ قرآن مجید سے اس کا  
 صاف پتہ ملتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے "شہر رمضان الذي انزل فيه القرآن" یعنی رمضان  
 وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے "انا انزلناه في ليلة القدر"  
 ہم نے قرآن کو نازل کیا شب قدر میں + ان دونوں آیتوں سے دو باتیں صریح ہو گئیں۔ ایک  
 رمضان میں نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ جس بات قرآن نازل ہوا اور اسی کے سبب شب قدر

اُس کا نام پڑا وہ شبِ خزان میں تھی پس اگر تحقیق ہو جاوے کہ شبِ قدر کب تھی یعنی شبِ ثقلِ قرآن کب تھی تو شروع سالِ نبوی تحقیق ہو جاوے گا۔

شبِ قدر کی نسبت جو روایتیں کتبِ حدیث میں مندرج ہیں وہ نہایت مختلف ہیں۔ اول یہاں میں بحث ہے کہ شبِ قدر ایک نوع ہو چکی یا ہر رمضان میں پھر پھر کرتی ہے۔ اہلِ سنت و جماعت و شیعوں امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر سال پھر پھر کرتی ہے اور سنی و شیعوں امامیہ دونوں اُس کی تلاش میں راتوں کو جاگتے اور اوراد و وظائف پڑھتے پڑھتے ہیں۔ ہم بھی بہت راتوں جاگے ہیں مگر جاری بدعتی سے بہکے تو نہیں ملی۔

قسطانی شرح صحیح بخاری میں امام فاکہانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ شبِ قدر صرف

ایک ہی برس جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ ہم اتنا اور اس پر زیادہ کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید نازل ہوا تھا اور ہم بھی امام فاکہانی کی تحقیق کو صحیح و درست سمجھتے ہیں۔

وحی الفاکہانی انہا خاصة بسة  
واحدة وقعت في زمنه عليه السلام  
(قسطانی جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

خیر اس بحث کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس باب میں کہ وہ رمضان میں کب ہوئی تھی تو بخاری چاہیے تمام روایتوں کے ملانے سے نتیجہ تو بخوبی نکل آتا ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیر کی ہفت راتوں میں ہوئی تھی اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ شبِ خیر رمضان میں ہوئی تھی اور اگر وہ ہینہ اُنٹیس کا سمجھا جاوے تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر چہ اس اختلاف سے ہمارے قصد میں کچھ بچ نہیں پڑا کیونکہ جب مذہبی امور کا انجام قری ہینہ پر ہے جو چاند کھلائی دینے سے شروع ہوتا ہے تو بعد رمضان جو پہلا چاند کھلائی دینا کو ہی شروع سال ہو گا مگر ہم شبِ خیر رمضان کو شبِ سمجھتے ہیں جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور یکم شوال روز عید للومنین کو شروع سالِ نبوی۔

ہجرت واقع ہوئی تھی بروج الاول سنہ نبوی میں یعنی نہت سے بلذہ برس پانچ ہینے بعد مگر تاریخ ہجری دو ہینے قبل سے شروع ہوتی ہے پس یکم محرم سنہ ایک ہجری مطابق تحایم یکم محرم سنہ نبوی کے۔ اور یکم شوال سنہ نبوی مطابق تحایم شوال سنہ ایک ہجری کے اور یکم شوال سنہ نبوی مطابق تحایم شوال سنہ ایک ہجری کے جس روز ہم نے تہذیب الاخلاق جاری کیا۔

ابتدا ہی سے ہمارا ارادہ تھا کہ ہمارا تہذیب الاخلاق سالِ نبوی کے حساب سے جاری رہے۔

اور شوال ہی سے اُس کا شروع سال ہو مگر ہم اُس زمانہ میں نسبت اجراء سے پرچہ تہذیب الاخلاق کے اپنے ایک مقدس سرگئے ٹخنے ٹخنے مانتے پر گتہ پڑے دوست کے دست بچ ہو چکے تھے۔ انہیں نے نہ نا اور کہا جی حضرت یہی کوئی بات ہے جو سنہ صحابہ کے وقت سے متفق علیہ چلا آتا ہے اور جس پر اجماع امت ہو چکا ہے اُسی کو رکھنا چاہیے نئے سال کی کیا ضرورت ہے۔ لہذا ہمارا کچھ بن چلا اور انہوں نے تہذیب الاخلاق کی جلدوں کے ٹکڑے کر دیئے۔ پہلی جلد صرف تین جیسے کی رہ گئی۔ ہم بھی وقت بیک وقت رہے تھے۔ ابکہ تمام امور پرچہ تہذیب الاخلاق کے ہمارے ہاتھ میں اس لیے ہم اپنا قدیم ارادہ پورا کرتے ہیں اور یکم شوال روز عید سعید سے نئی جلد شروع کرتے ہیں۔

یکم شوال ۱۳۸۰ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۰ھ ہجری سے لغایت ۱۵ رمضان ۱۲۸۱ھ نبوی مطابق ۱۵ رمضان ۱۲۸۰ھ ہجری ایک جلد پوری ہوئی۔

یکم شوال ۱۳۸۱ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۱ھ ہجری سے لغایت ۱۵ رمضان ۱۲۸۲ھ نبوی مطابق ۱۵ رمضان ۱۲۸۱ھ ہجری دوسری جلد پوری ہوئی۔

یکم شوال ۱۳۸۲ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۲ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۲۸۳ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۸۲ھ ہجری تیسری جلد پوری ہوئی۔

یکم شوال ۱۳۸۳ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۳ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۸۴ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۸۳ھ ہجری چوتھی جلد پوری ہوئی۔

یکم شوال ۱۳۸۴ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۴ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۸۵ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۸۴ھ ہجری پانچویں جلد پوری ہوئی۔

یکم شوال ۱۳۸۵ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۵ھ ہجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۸۶ھ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۸۵ھ ہجری چھٹی جلد پوری ہوئی۔

یکم شوال ۱۳۸۶ھ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۶ھ ہجری سے یہ ساتویں جلد شروع ہے اور خلعت اُمید ہے کہ بغیر غریب یا غلام پاؤں کے اور اُس کے مذہب سے قیامت دیں محمدی واسرار

دین احمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے دلوں پر نقش رہی اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں ترقی ہو۔ آمین۔

# سُلطان

## جدید روم بھی ہندوستان کے مقدسوں

### کے نزدیک

### بحکم حدیث

## من تشبہ بقوم فہو منہم

### کافر نکلے

اب تو مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں رہا۔ نئے سلطان عبدالحمید خاں غلام احمد ملکہم بھی من تشبہ کی لپیٹ میں آ ہی گئے۔ پچارے مسلمانوں پر کسی شکی شکل ان بنی ہے۔ سچ عید کا دن ہے مگر مظفر آباد مدینہ منورہ کے مقدس منبروں پر کسی کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سلطان عبدالحمید خاں کا (جبکہ خدا بہت ہی عیدین نصیب کرے) وہ تو من تشبہ بقوم کی جمیٹ میں آ گیا۔ اور نفوذِ اہل کفر ہو گیا ؟

مدرسہ کا شمس الاخبار مطبوعہ ۲۹۔ شعبان ۱۳۹۳ھ ہجری لکھتا ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں کو ۱۸۹۶ء میں ان کے باپ (چچا) پیرس (دارالخلافہ فرانس) میں واسطے دکھلانے نمایاں گاہ کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس نمایش گاہ نے عبدالحمید خاں کی آنکھیں کھول دیں۔ ان کو کمال شوق فرانس کی زبان سے پیدا ہوا اور انھوں نے وہ زبان سیکھی اور ان کو یورپین قواعد اور لباس بھی نہایت پسند ہوا۔ لہذا اس زمانہ سے اور تک ان کا ویسا ہی بڑا فائدہ ہے یعنی یورپین پوشاک پہنتے ہیں اور یورپین قاعدوں کا بڑا کرتے ہیں \* \* \* اور اشیا رمنشی سے ان کو کچھ شوق نہیں (جو ہمارے نزدیک ایک معزز نمونہ مسلمانوں کا ہے) \* \* \* ان کی بی بی بھی ایک ہی ہے جس کے ساتھ یہ ایک ٹھمکی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں (جو ہمارے نزدیک ٹھیک ٹھیک پچاس سالہ بیٹی اسلام گاہ ہے)

کیا امام الاسلام شیخ الاسلام سہی کا فر ہو گئے ہیں جو کالا پوٹ اور بیٹن لگی پتلون اور انگیزی پانچوسی  
کوٹ اور لال پھندے دار ٹوپی پہننے والے میزکری پر بیٹھنے والے ٹھہری کاٹھے سے کمانیوالے  
کو امیر المومنین اور سلطان عربین شریفین بنایا ہے یا اب مکہ معظمہ میں بھی کوٹ پتلون اور  
پھندے دار لال ٹوپی پہنتے والوں کا خطبہ پڑھایا جاتا ہے۔ خدا چھینیں کند، چو کفر از کعبہ جزیر  
نکھاند مسلمانی خلافت بردار اولاد اللہ مبارک !!!

## مُبَارک بادِ عید

السلام علیکم وعلیکم السلام۔ حضرت مبارک کا باشد، دل تو لیجئے۔ معاف تو فرمائیے، آئیے آئیے  
تشریف رکھیے۔ دل لے ہوٹے ہیں۔ معاف کیا ہے، کیا آپ معاف عید کو جائز نہیں سمجھتے؟ جناب  
میں کوئی مولوی ٹٹاں، مفتی تو ہیں نہیں کہ جائز ناجائز سے بحث کروں۔ اس جھگڑے کو جانے  
دیجئے۔ بیٹھے مڑے مڑے کی دل خوش کن باتیں کیجئے، نہیں صاحب پہلے اسی بات کا تصنیف  
کر لیجئے کہ عید کا معاف ناجائز و متحب ہے یا نہیں، حضرت میری رائے جب آپ سنیں گے تو چونک گئے  
اتھجب ہونگے اور فرما دیں گے کہ تو سب سے انوکھی بات ہے، خیال کیجئے کہ جائز ناجائز و متحب  
و غیر متحب یہ سب میں افعال مذہبی کی ہیں۔ عید کا معاف کوئی مذہبی افعال میں سے نہیں ہے چہر  
جائز ناجائز کا اطلاق ہو سکے، یہ بات صرف باہم معاشرت کی ہے۔ اگر سپر بحث ہو سکتی ہے تو  
یہ ہو سکتی ہے کہ زیادہ طرز معاشرت قابل پسند اور مذہب ہے یا نہیں، اُس کا حال یہ ہے کہ جینک  
قوم کے خیالات نہیں بدلتے اور مقصد دور نہیں ہوتا اُس وقت تک جو زمین اُس قوم کی ہیں گو وہ  
کیسی ہی مذہب ہوں مذہب ہی معلوم ہوتے ہیں، اُس کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی چارہ نہیں  
ہے جس سے اُس قوم کا مذہب یا مذہب ہو نا پ لیا جاوے۔ اگر کوئی چاہے اس کے لیے ہو سکتا  
ہے تو صرف ترقی علوم و فنون سے ہو سکتا ہے، گویا مثل شہر ہے کہ لیے راجپشتم جنوں بابر دیکھ  
ہر ایک شخص اپنے معشوق کو سب سے زیادہ خوبصورت سمجھتا ہے مگر خوبصورتی بھی حقیقت کوئی شے  
ہے جو فی الواقع صحت ہے۔ اُس کے تصنیف کا پیمانہ گر ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے کہ بری لوگوں نے  
حکم صحتی میں کمال ہم پر نمایا ہے اور انسان کے اعضا اور چوکی مناسبتوں پر کمال غور کی ہے  
اُس کے لیے اصل اہم اعتباریں قائم کی ہیں اور اُس کی ساخت و خط و خال کے قواعد مقرر کیے ہیں



وہ جس نقش کو خوبصورت بتا دیں وہ خوبصورت ہے جبکہ بد صورت بتائیں وہ بد صورت ہے  
 گوکہ حبشی اپنے کالے چمکول رنگ اور ناند کے کناروں سے موٹے ہنٹ اور پست کی سی چھوٹی  
 نرہ آنکھوں کو خوبصورت سمجھا کریں، اسی طرح حسن معاشرت نتیجہ ہے علم دنیا کے علوم و فنون  
 کے نتائج کے مجموعہ کا، پس اگر حسن معاشرت کے اچھے یا بُرے ہونے کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے  
 تو اسی قوم کی معاشرت سے ہو سکتا ہے جن میں ہر قسم کے علوم و فنون اعلیٰ درجہ کی ترقی پر  
 ہوں +

یہ پانچ کچھ کچھ آج کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ ہمیشہ سے حسن معاشرت کا یہی پیمانہ رہا ہے۔ ایک زمانہ  
 میں یہ پانچ مصرعوں کے گھر میں تھا پھر یونانیوں اور ہندوؤں کے گھر میں آیا۔ چند روز  
 مسلمانوں کے گھر میں، ان لوگوں کے گھر میں ہے جو ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کیلئے  
 ہوئے ہیں۔ اگر آپ میرے اس اصول کو صحیح تصور فرماتے ہوں تو خود ہی اس طرز معاشرت  
 کے حسن و قبح کا فیصلہ فرما لیں۔ کسی طرز معاشرت پر عیب نکالنا (مثلاً سائنس کی نسبت  
 یہ کہنا کہ یہ تو دو سائنسوں کا ساکتنا یا دو کھڑے نیلوں کا آپس میں لڑنا سا ہے) نہیں پسند نہیں  
 کرتا کیونکہ ہر ایک طرز کی حسن معاشرت پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے مگر جب ہمارے پاس بجز اس پیمانہ  
 کے جو مذکور ہوا اور کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے تو ہم کو اسی طرز معاشرت کے اچھا کہنے میں مجبوری  
 ہے جو اس پیمانہ کے مطابق ہے +

یہ بات کہ ہر ایک ملک کے لئے حسن معاشرت جدا گانہ ہے میری سمجھ میں ایک محض غلط  
 خیال ہے۔ معاشرت بشرطیکہ اس کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرے تو ایک امر حتمی ہے اور نسبتی  
 نہیں ہے۔ پس ہر کسی ملک میں مختلف نہیں ہو سکتا گوکہ اس کے حصول کے ذریعے مختلف  
 ہوں اسی غلط فہمی کے سبب لوگوں کے خیال میں ہے کہ یہ رسم فلاں ملک کی ہے ہمارے ملک  
 کی نہیں۔ مگر یہ اصول تسلیم نہ کیا جاوے تو ایک ہی شے کا ایک ہی حیثیت سے ایک جگہ اچھا  
 اور ایک جگہ بُرا ہونا لازم آتا ہے۔ دیکھیے دیکھیے معاشرت کے معنی سمجھنے میں کچھ غلطی نہ کیجیے گا۔  
 پہلے اس کے معنی خوب سمجھ لیجئے پھر اگر کچھ کہنا ہو تو کہیے +

بہت اچھا آپ سائنس دیکھیے مصافحہ تو کیجیے یہ سنت ہے۔ دیکھیے پھر آپ نے دو عباسی  
 بات کہی۔ اگر اہل سنت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی  
 اپنے اصحاب اور احباب سے مصافحہ فرمایا ہے۔ اور اس لئے یہ سنت عادی یا رسم

ملک عرب کی ہے تو تو میں اس کو تسلیم کرتا ہوں اور مگر آپ نے اس کو کسی مذہبی خیال سے سُنتے فرمایا ہے تو میں مصافحہ کو داخل مذہب نہیں سمجھتا بلکہ اس کو حسن معاشرت میں داخل سمجھتا ہوں مگر آپ مذہبی خیال سے عید کا مصافحہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے میں ماتمہ نہیں بڑھاتا آپ عربیائی سے معاف فرماویں +

خیر صاحب اس کو جانے دیجئے۔ آپ تو جھاڑ ہو کر اوجھ گئے۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ نے عید کی نماز کہاں پڑھی؟ مسکرائے! اور کہا کہ حضرت تیس تو کہیں نہیں گیا۔ دلی میں جب تھا جب بھی کچھ التزام نہ تھا۔ کبھی عید گاہ اور کبھی جناب مولانا مولوی محمد مخصوصاں مہدم جوم کے سب سے قاضی دائرہ کی مسجد میں چلا جاتا تھا۔ غدر کے بعد سے بلکہ برس دو برس پہلے سے مجھے یاد نہیں آتا کہ عید کی نماز کو کہیں گیا ہوں +

آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ جناب تیس تو عید گاہ میں گیا تھا جب تک میں نہ جاتا نماز کیسے ہوتی۔ امام کو گیارہ روپیہ اور دو شالہ۔ متولی کو سات روپیہ اور گہڑی۔ سوؤن کو پانچ روپیہ اور دو پٹہ کون دیتا۔ تیس تو گیارہ ہی مجھے چلا گیا تھا۔ اگر تیس شام تک نہ جاتا تو نماز نہ ہوتی۔ آپ کو نہیں معلوم کہ اس قصبہ کا تیس ہی رئیس گنا جاتا ہوں جب تیس امام کو گہڑی باندھ لیتا ہوں تب آؤں ہمہ شمشیر پٹیاں باندھتے ہیں اور نذریں دیتے ہیں۔ امام کو متولی کو سوؤن کو خدا کے فضل سے بہت کچھ مل جاتا ہے +

افسوس اگر ہم بھی امام ہوتے تو آج خوب کاتے!

بھلا صاحب۔ وہاں آؤ کیا کیا ہوا۔ حضرت بڑا اثر دھام خلافت کا تھا۔ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ مجھ کو جانے میں زما دی ہو گئی تھی۔ دھوپ میں ذرا تیزی آگئی تھی۔ عید گاہ میں پورا فرش تو ہے نہیں۔ لوگوں کو اتنا مقدور نہیں کہ مصلے خریدیں۔ ہزاروں آدمی زمین پر دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ میں بھی ہلاکی تیزی تھی۔ گرد بھی اٹنی شروع ہو گئی تھی۔ اس وقت یسر پہنچنا لوگوں کو ضیعت ہو گیا۔ معلوم نہیں اتنے آدمی کہاں سے اُمنڈ آئے تھے +

حضرت اُن میں ہندو بھی تو بہت ہوں گے۔ واہ کیا آپ کا بھی ذہن سا ہے۔ ماشاء اللہ عید کی نماز میں اور کہتے ہیں کہ ہندو بھی ہیں گے۔ اے جناب سب مسلمان تھے اور مسلمانوں ہی کی کثیر شہرت تھی ناں دوچار نوجوان ہندو بھی نہایت عمدہ گھوڑوں پر سنہری روپلی ہار لگائے ہوئے کار چلی غاشیہ گھوڑوں پر ڈالے ہوئے نہایت عمدہ و نفیس کپڑے پہنے زرد دیواتوت

اور موتوں کی مالا میں اور کھٹے گئے میں ڈالے ہوئے نہایت نفیس سُرخ رنگ اور طلائی ہلکا  
 کا چرو باندھے ہوئے سیر کرتے پھرتے تھے۔ دو چار رنگ بنگالی بھی نظر پڑتے تھے۔ سیاہ نفیس  
 دواشرنی کا ولایت کا بنا ہوا بوٹ۔ سفید پتلون اور کالا کوٹ اور دھلی ٹوپی یا تھمیں خوبصورت  
 پتیلی سی پھونڈنا پڑی چھڑی لیے انگریزی میں غٹ پٹ کرتے لوگوں کو دیکھ کر مسکراتے پڑے  
 پھرتے تھے۔

جناب حقیقت میں بڑا بھاری میل تھا۔ آپ نے خوب سیر کی۔ ثواب کا ثواب کمایا اور تماشے  
 کا تماشہ دیکھا۔ آپ کا دل بہت خوش ہوا ہو گا۔ آہ۔ ایک ٹھنڈی لہری سانس بھری۔ اور کہا کہ  
 مال صاحب ثواب تو ہوا خدا تیسوں روز سے اور دونوں دو گانیں اور فطرہ کے گیہوں اور کٹنے  
 جانے کی ڈگیں سب قبول کرے مگر دل تو خوش نہیں ہوا۔

کیوں خیر باشد۔ کیا امام نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھا۔ خطبہ اچھا نہیں پڑھا۔ نہیں  
 صاحب یہ تو کچھ بات نہیں۔ امام سخت تو ہیشہ کا بد آواز ہے۔ جاہل الحکم بھی تو سمجھ نہیں پڑتا  
 نماز پڑھتے ہیں ادھر ادھر کرن انھوں سے دیکھتا جاتا ہے کہ کتنے آدمی پگڑیاں لائے ہیں  
 سر سے خدنگار کو لٹکا جاتا ہے کہ دوشا ابھی اگیا یا نہیں۔ خطبہ وہ نہیں پڑتا تو صاحب  
 پڑھتے ہیں وہ تو عالم آدمی ہیں اور نہایت خوش آواز ہیں۔ مودتک آواز جاتی ہے مگر سمجھ میں  
 نہیں آتا کہ کیا کہتے ہیں۔ کبھی اونچی کھینچی۔ کبھی ہوٹی اور کبھی پتلی آواز تو آتی تھی مگر کچھ سمجھ میں  
 نہیں آتا۔ تو بے تو بہ خدا صاف کرے کبھی راگ رن خان آلا پتے تھے جس میں صرف آواز ہی آواز  
 ہوتی تھی دیا ہی سا معلوم ہوتا تھا۔

ارے میاں تو بہ کرو تو بہ کرو۔ خطبہ میں تو خدا کے اوصاف نماز روزہ کے احکام۔ علم و اخلاق  
 کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں۔ یہ تم نے کیا کہا۔ جناب خدا کس کو کچھ سمجھ میں آتا ہو لوگ  
 کہتے تھے خطبہ پڑھا جاتا ہے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ عربی میں پڑھنا  
 ثواب بتاتے تھے۔ میں نے کہا کہ ثواب کیا خاک پتھر ہے سمجھ میں تو ایک حرف بھی نہیں آتا  
 لوگوں نے کہا چپ چپ گناہ ہوتا ہے۔ میں چپ ہو رہا اور عجیب ہوا کہ کہوں سچی بات اور  
 ہووے گناہ۔ ایسے گناہ سے بھی خدا کی پناہ۔ مگر جناب مسئلہ کی بات میں کون دم مارے جو  
 بولے دھسی کافر ہو۔

پھر آپ کا دل کیوں خوش نہیں ہوا؟ ارے میاں! ہاں ہزاروں مسلمان تھے مگر ایک ایک

بدرحال میں آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں عید کا دن بڑی خوشی کا ہے۔ ہر ایک مسلمان اپنے مقدر بھراچھے سے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ پسنداری بھی دودو کوٹری جمع کر کر عید کے لیے اپنے بچے کو نیا جوڑا بنادیتی ہے لیکن اگر تم جاتے اور مسلمانوں کے غول کو دیکھتے تو انہی تباہی کا حال جانتے۔ یہاں میں نے ہزاروں پر نظر ڈالی کسی کے گلے میں بھر گزی اور ادھوتر کے آؤ کچھ نہیں دیکھا۔ کپڑے تو سب کے دھوئے اور جملے تھے مگر ہزاروں آدمیوں کے اگر گلے میں ہونڈ لگے ہوئے تھے اگر کسی کے گلے میں گزی کا نیا انگا تھا تو یقین جانئے کہ پورا نا پیچا رہتا جس میں چھلنی کے سے چھید تھے۔ جوتے تو کسی کے پاؤں میں ثابت نہ تھے۔ ہتھولے رستی یا چھتھرے سے باندھے ہوئے تھے کیونکہ پاؤں سے نکل نکل جاتے تھے۔ بھلا بڑے بوڑھوں کا کچھ ذکر نہیں بچوں کو عید کے دن اچھے اچھے کپڑے پہننے کا کھلونوں کے لینے کا بڑا شوق ہوتا ہے کسی بچے کا یکساں لباس تھا۔ اگر سر پر جھوٹے گونڈے کی ٹوپی ہے تو پاؤں میں جوڑے نہیں پیچا رہتا ہے تو انگا پڑانا ہے۔ سنگٹ کا پیچا رہا اور ادھوتر کا انگریزوں کی انگا اور گزی کا پیچا رہا ہر ایک پر ایسے مبارک اور خوشی کے دن میں بھی نہایت اخلاس اور مصیبت برستی تھی۔ کسی کا دل اندر سے خوش نہ تھا۔ ہر ایک تلکین۔ روتی صورت۔ بسورتی شکل۔ تیسری چڑھی ہوئی۔ ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی۔ پیانہ پاچلنے سے پسینہ میں شور بھر۔ نہایت پریشان و متفکر نظر آتے تھے۔ چند قصائی جو چڑا چربی بیچتے ہیں اور چند ٹھانے جو عطر کنڈہ کہہ کر لوگوں کا مال لرتے ہیں اور دو ایک ڈپٹی کلکٹر اور صدر الصدور اور وکیل جو انگریزوں کے عقد سے ملے لکاتے ہیں آسودہ حال دکھائی دیتے تھے۔ ہاتھ میں چار مسلمان جو گھوڑوں کے آگے دوڑتے جاتے تھے وہ بھی آسودہ حال معلوم ہوتے تھے۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ کیوں ہیں تو معلوم ہوا کہ لاہ چھنا مل کے بیٹے میر کو آئے ہیں ان کے ساتھی ہیں۔ انھوں نے عید سے پہلے کہا تھا کہ ہمارا علاج ہمارا تو اس ہے اگر تھوڑا پیسہ مل جاوے تو بڑی پردیش ہوگی۔ ہمارا علاج بٹے روکڑیے کو کہا تھا کہ یہ مسلمان تو اس قدر بکا رہا ہے کہ وہ یہ بیاج کا کاٹ کر اس سسٹے کو پیٹی تھوڑا دیدو۔ سن بے اگر تو دوسرے غلامی تو اس کو کچھ مانگنے آیا تو ناک کاٹ لوں گا۔ میں نے سنا ہے کہ آلی کے ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خدمت عالی پر بڑی مہربانی کی ہے اور یہ ٹھہر لیا ہے کہ گھوڑوں پر تمام مسلمان ساتھی رکھے جائیں +

عید گاہ کے باہر جو میں نکلا تو ایک غول بھیک رٹوں کا نظر پڑا جو دودو کوٹری دھکتے تھے

اور بچپان میں چھوڑتے تھے۔ بیسیوں مسلمان شرک پر کڑا بھجائے بیٹھے تھے اور پکار رہے تھے کچھ غیرات دیتے جاؤ تیسوں روز سے قبول۔ ایک طرف سینکڑوں عورتوں کا غول تھا اور ان میں بیسیوں بھرتو اور سے ہوئے چلا رہی تھیں کہ اسے بیٹا ہم سیدانی ہیں فاطمہ بی بی کا دانہ کھانیا وہاں ہیں۔ اثرات گھراتے کی ہیں۔ ہم پر مصیبت پڑی ہے۔ اپنے بال بچوں کا صدقہ۔ خاتونِ جنت کا صدقہ کچھ دیتا جا۔ جب تمام قوم کا یہ حال تھا تو مجھ کو عید اور عید میں جانے کی کیا خوشی ہوئی ؟

بھائی اُس وقت تو میری آنکھوں میں آنسو بھرائے اور اُس کا فرزند سید احمد کی جو علیگڑھ میں آن کر بیٹھا ہے بات یاد آگئی۔ بھائی خدا مارے یا چھوٹے۔ وہ مسلمان ہو یا کر شتان۔ مگر کتنا سب سچ ہے۔ میرے دل میں تو اُس کی سب باتیں بیٹھتی جاتی ہیں۔ میرا تو کئی دفعہ دل چاہا کہ اُس کے پاس جاؤں اور اُس کے کاموں کی جو مسلمانوں کی قومی ترقی کے لیے کر رہا ہے مدد کروں۔ مگر جناب مولوی محمد یعقوب آٹھویں خاتم النبیین پاس حضرت جبرائیل خدا کے پاس سے وحی لائے ہیں کہ وہ تو دجال ہے۔ میرے دل سے پوچھو تو ایسے منہیوں سے تو دجال ہی بہتر ہے ؟

اجی یہ آٹھویں خاتم النبیین کیسے ؟ آپ نے نہیں سنا کہ مولوی یعقوب صاحب اور اُن کے ساتھی سات خاتم النبیین تو زمین کے اوپر اور اندر بتلاتے ہیں اور اب اُن پر وحی آتی شروع ہوئی ہے پھر آٹھویں ہوئے کہ نہیں ؟

حضرت آپ اتنے کیوں بربیدہ ہوئے۔ آپ نے اپنے مسلمان ہندگوں کی اور عاظم مولویوں کی نصیحتیں نہیں سنیں۔ کہتے ہیں کہ مسلمان اسی لیے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں بھگتیں۔ آپ نے سنا ہے کہ دنیا مسلمانوں کے لیے دوزخ ہے اور کافروں کے لیے بہشت۔ پس جس قدر مسلمان مجلس محتاج تباہ ہوتے جاویں اُسی ہی خوشی کی بات ہے کہ اب پورے مسلمان ہوئے ؟

پس کب بہت خدا ہوئے اور وحشی سے بولے کہ میاں یہ کون کہتا ہے ؟ حضرت مولوی۔ خدا ہو کر بولے کہ مجھ بٹے ہیں۔ تمام دھننے جولاہوں قصاہوں سے مذہب لے لیکر مال راتے ہیں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ چار چار روٹیں کرتے ہیں۔ اُن کے لیے گھنہ پر گناہنا تے ہیں مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ دن رات پلاؤ تو روزِ غیرات کی روٹیاں کھاتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ

مسلمانوں کے لیے دنیا دونوں ہے۔ جھوٹے مکار یقولون مکلائفعلون۔ مگر یہ تو بتلائیے کہ آپ نماز کو تو گئے نہیں مگر عید کے دن آپ نے اپنا مکان تو خوب سجایا ہے۔ جناب یہ تو خدا کی عنایت سے ہمیشہ یوں ہی رہتا ہے۔ یہاں تو دن عید و رات شب برات بہتی ہے + کیا آپ کے نزدیک عید کے دن کو کچھ فوقیت نہیں ہے اور مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن نہیں ہے؟ جناب کیوں نہیں مگر صبر طرح آپ سمجھتے ہیں اس طرح نہیں +

یہ آؤ رہوٹی ہے۔ ہم کس طرح سمجھتے ہیں؟ حضرت آپ تو عید کو ہی سمجھتے ہیں کہ ماہ مبارک رمضان تشریف لیگئے۔ خدا خدا کر کر تیسویں روز سے پورے ہوئے۔ دن کو نہ حقہ پی سکتے تھے نہ پان کھا سکتے تھے سستی سے جان تنگ تھی۔ کچھ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ جہانیوں پر جہاںیا آتی تھیں۔ ائمہ پانوں میں غوث و ابدال کا مرتبہ تھا۔ خدا خدا کر دہ دن کئے لو اب عید کرو +

جو حضرات مقدس و خدا پرست ہیں انھوں نے ماہ مبارک کو عنایت سمجھا تھا۔ دن کو روزہ رکھتے تھے رات کو تراویح پڑھتے تھے۔ شب قدر کی تلاش میں راتوں جاگتے تھے بلے یا نہ ملے دو گانہ پر دو گانہ پڑھ کر ایک ایک کے ستر ستر گنتے تھے۔ ثواب کی گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھتے جاتے تھے جیسے یک تجارت کے موسم میں سودا گر اپنا مال بچکر دو گنے چو گنے کما لیتا ہے۔ جب خوب مال یا ثواب جمع ہو لیا تو اب برس بھر کو پنچنت ہو لیئے اور عید منائی۔ سارے کن کہیں فخر و گیموں بٹ رہے ہیں کہیں اس کے عوض نقد بھیجا جاتا ہے کہیں بیویاں بٹ رہی ہیں۔ پیروں کو۔ مولویوں کو۔ واعظوں کو نذرین دی جاتی ہیں۔ یہ تو آپ کی عید ہے۔ ایام جاہلیت میں بھی رمضان آتا تھا۔ اسی مہینہ میں تیس روزے رکھے جاتے تھے۔ اسی طرح چاند دیکھ کر روزوں کے ختم ہونے کی خوشی ہوتی تھی۔ پس آپ کی عید میں اور زاد جاہلیت کی عیدیں مختصر محاف ہو کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا +

بھلا صاحب آپ کی عید کس طرح کی ہوتی ہے؟ طرح کیا میاں سورج نکلا یکم شوال کی عید ہوئی۔ بھلا اپنا خیال تو بتلائیے کہ عید کیا ہے؟ میاں یکم شوال کا نام عید ہے۔ اچھی حضرت آپ نے کہا تھا کہ عید خوشی کا دن ہے وہ کیسی خوشی ہے؟ ناں آپ یہ پوچھتے ہیں۔ جناب رمضان کے روزوں کا حکم ہے جس نے روزے رکھے اس نے خدا کے حکم کی اطاعت کی۔ رمضان کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہوا اس خیال سے تو عید کے دن کو خوشی کا دن قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ ناں اگر بھویر خیال ہو کہ برس میں کا یہ وہ پہلا دن ہے جس میں رسول خدا صلم نے فرمایا کہ

میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ تمام دنیا کے لیے خدا نے میرے پاس رحمت بھیجی ہے۔ مجھ پر وحی نازل کی ہے اور قرآن اتارا ہے۔ ایک خدا کو مانو اور اسی پر ایمان لاؤ۔ خدا کے سوا کسی کو مست نہ ہو تو بلاشبہ یہ اُس اصلی دن کی یادگاری کا جو سنہ ایک نبوی میں آیا تھا دن ہے۔ اُسکی یادگاری میں ہو کہ خدا کا شکر کرنا اور اپنا دنیا زبذریعہ دو گنا نمانے اُس کی جناب میں ادا کرنا لازم ہے۔ مگر ابھی تک خوشی کی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ یہاں تک جو خیال میں نے بتایا وہ تو صرف شکر کا تھا نہ خوشی کا۔ اب ہو کہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس پچھلے برس میں اُس گروہ کا جس نے اُس پیغمبر رحمتہ للعالمین کی بات کو مانا تھا کیا حال ہا۔ اُس کی امانت کو انھوں نے کس طرح برتا۔ اُس کے مقاصد کو کس طرح پورا کیا۔ رحمت اور شفقت اور محبت۔ سچائی۔ نیکی۔ خدا ترسی۔ ہمدردی۔ قومی ہمدردی۔ رحم۔ کرم۔ صبر۔ تحمل نے کس طرح اُن کے دلوں میں ترقی کی۔ تہذیب و شایستگی میں کس طرح انھوں نے قدم بڑھایا۔ علوم و فنون میں جو سب سے اعلیٰ ذریعہ قدرت کا مصلح حقیقی پر یقین کرنے کا ہے کیا ترقی کی۔ انھوں نے اپنی حالت۔ اپنی عادت اپنی عبادت سے کس طرح دنیا میں اسلام کی صورت کی تصویر بجا رکھائی۔ اگر اس طرح پر گذشتہ سال کا ریلو کر کے سے قوم کی حالت ابھی معلوم ہو تو عید کا دن خوشی کا دن ہے ورنہ محرم سے بدتر ہے۔

ظاہری حالت قوم کی جو جتنی وہ تو خود آپ نے ہی بتادی۔ اگر باطنی حالت قوم کی تو چوڑے توشیطان بھی پناہ مانگیگا۔ کینہ و نخوت اپنے تقدس و بزرگی و خدا پرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں ٹوٹ ٹوٹ کر بھرا پائیے گا۔ اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈتے پھر دو تو جسز مقدسین کے جذبہ و دستار مبارک کے آؤ کمیں پتہ نہیں ملیگا۔ اُن سے اتر کر جو لوگ ہیں اگرچہ اُن کے پاس شیطان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے مگر سب کو کذب و افترا۔ دغا و نفاق میں بھرا پائیے گا۔ ہم بچا رہے دنیا کے گتوں۔ کافر۔ مرتد۔ دجالوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ پس جب کہ یہ حالت ہے تو عید کے دن کو خوشی کیسی۔ ہر ایک کو جو خدا اور اُس کے رسول کو اور اُس کی اُمت کو دوست رکھتا ہے اپنے اپنے گھر میں بیٹھ کر رونا چاہیے۔ خوشی منانا کیسی۔

یہ سن کر میرے خیالی دوست آنسو بھرا لائے اور کہا کہ میاں تم کتنے تویج ہو پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ والسلام۔

# ایک تدبیر

## یتیم اور لاوارث بچوں کی پرورش کی

ہندوستان میں قحط کی بلا اکثر آتی ہے اور خصوصاً اس بلا میں اور نیز دیگر واقعات میں ہندو اور مسلمانوں کے صغیر السن بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کی پرورش کا کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتی نہ ایسا خرچ اختیار کر سکتی ہے جس کے ذریعہ سے اُن کی پرورش اور نیز اُن کی تعلیم ہو اور اس لیے گورنمنٹ ایسے یتیم لاوارث بچوں کو اُن لوگوں کے سپرد کر دیتی ہے جو اُن دونوں باتوں میں اُن کی پرورش اور اُن کی تعلیم ضروری کے ذمہ دار ہوں۔

پادری صاحبان جو ہمارے ملک میں ہر جگہ موجود ہیں اور عیسائی قومیں اپنے مذہب کی ترقی کے لیے لاکھ روپیہ چندہ کر کر اُن کو دیتی ہیں۔ اُن کو ایسے یتیم لاوارث بچوں کے عیسائی بنالینے کا خوب موقع ملتا ہے اور وہ اُن کی پرورش اور تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہیں اور فی الفور اُس مصدم بچے کو اصطبلان دیکر عیسائی بنالیتے ہیں اور اب بسبب حادثات پے درپے کے اس امر کا واجب اور نامناسب کی ایسی کثرت ہو گئی ہے کہ قحط کے یتیم اور لاوارث عیسائی کیے ہوئے بچوں سے گاؤں کے گاؤں آباد ہو گئے ہیں۔

اگر جان عاقل و بالغ آدمی کسی مذہب کا عیسائی ہو جاوے یا مسلمان ہو جاوے تو کوئی الزام یا افسوس کی بات نہیں ہے مگر صغیر السن یتیم لاوارث بچوں کو ایسی مصیبت و صدمہ کی حالت عیسائی کر لینا جس کے سبب سے وہ اپنی تمام قوم و برادری اور رشتہ مندوں سے شل ہو کر کے منقطع ہو جاتے ہیں اور تمام عمر کے لیے اُس خوشی سے جو اپنی قوم میں شامل رہنے سے ہوتی ہے محروم ہوتا ہے اپنی مرضی کے محدود ہوتا ہے نہایت افسوس اور نہایت نفرت کے لائق بات ہے اور رحم اور انسانیت اور نیکی اور نیک لی سے نہایت بعید ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ہرگز یتیم بچوں پر رحم نہیں کرتے بلکہ خود غرض تصور ہوتے ہیں اور وہ حقیقت اُن یتیم بچوں پر اُن کی بے بسی کی حالت میں ظلم کرتے ہیں جو بغیر اُن کی مرضی جائز کے اُن کو ہمیشہ کے لیے اُن کی قوم سے منقطع کر دیتا ہے۔



جو شخص محل ہوگا اور یتیم بچوں پر پھر کسی انسانی خواہش کے صرف اس وجہ سے دم کرتا ہوگا کہ بقضائے انسانیت اُن پر رحم واجب ہے وہ ایسے فعل کو جیسا کہ اُنہیں ہو رہا ہے اور جس پر پادری صاحبوں کا عمل درآمد ہے اور جس کا غور ایک نہایت سختی اور بے رحمی کے ساتھ مذکورہ کئے قحط میں پادری صاحبوں کی جانب سے ہوا ہے جو اخباروں میں مندرج ہے نہایت بے رحمی تصور کرتا ہوگا اور جو لوگ ہر ایک کام کو بد نظر ثواب عقوبی کیا کرتے ہیں وہ بھی اس بات کو نہایت ناپسند کرتے ہو گئے کیونکہ کوئی مسلمان یا ہندو اس بات سے خوش نہ ہوگا کہ یتیم لاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے ایسی بے رحمی سے عیسائی بنائے جاویں پس تیس نہایت عجیب و نامکمل اور دلی جو شرب وطنی سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے رام جی کے واسطے اپنی قوم کے یتیم اور لاوارث بچوں پر رحم کرو اور اُن کی پرورش کے لیے اُن تدبیروں میں یکے ساتھ شریک ہو جو مدت ہائے دراز سے میں نے سچی ہیں اور جین کے پورا کر کے کی میری کمال آرزو ہے اور وہ تدبیریں حسب مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ ضلع علیگڑھ میں جس کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے کسی مقام پر جو شہر سے قاصد پر ہوا گدی قصبہ یا گاؤں کے قریب ہوں زمین لیا جاوے اور وہاں مکانات مناسب یتیم بچوں کے رکھنے اور پرورش پانے کے لیے بنائے جاویں :

۲۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس کام میں شریک ہوں اور ہر قوم کے یتیم اور لاوارث بچوں کے پرورش پانے کے لیے وہ مکان متصور ہو :

۳۔ یتیم بچے جو اس میں پرورش پاویں وہ ایسی تدبیر سے پرورش پاویں کہ کسی بچے کی ذات میں اور کسی بچے کے مذہب میں جو اُس کے ماں باپ کا ہو نہ اتفاق نہ آئے پاوے مسلمان بچوں کی پرورش کے لیے مسلمان مرد عورتیں مقرر ہوں اور ہندو مذہب کے بچوں کی پرورش کے لیے ملخاؤن کی ذات و مذہب کے برہمن وغیرہ مقرر ہوں :

۴۔ اسی مقام پر جہاں وہ بچے پرورش پاویں ایک کتب خانہ جو جس میں اردو و ہندی کی ضروری تعلیم لکھنوں کو دی جاوے اور اسی مقام پر کچھ کام سکھانا نیکاشل درسی باقی۔ قالین بافی یا بخاری لوماری وغیرہ پیشوں کا کارخانہ ہو اور وہ لڑکے اُس کارخانہ میں کوئی پیشہ سیکھ لیں اور جب وہ جوان ایک حد میں تک پہنچ جاویں اور خود اپنے لیے آپ کمانے کے لائق ہو جاویں جب وہاں سے خارج کیے جاویں :

۵۔ اسی طرح اور اسی فائدہ پر تہم لڑکیوں کی بھی پردہ شش و تعلیم و تربیت ایک خدا کا حکم  
میں جو اسی جگہ ہو گیا ہو۔ لڑکیاں جب جوان ہو جاویں تو وہ دفعتاً خارج ذکر دی جاویں بلکہ  
اُن کے نکاح بیاہ شادی کی کوئی تدبیر کر دی جاوے تاکہ نیکی اور نیک بختی سے وہ اپنی زندگی  
بسر کریں۔

۶۔ اس کام کے لیے ایک کمیٹی مقرر ہو جس میں ہندو و مسلمان سب شریک ہوں اور اسی  
کمیٹی کے ذریعہ سے اُن سب چیزوں کا انتظام اور عملہ آندا کیا جاوے۔  
۷۔ تمام لوگ ہندو و مسلمان اس کام کے لیے چند دیں اور جو ذی مقدور ہیں وہ کچھ مہینہ مقرر  
کر دیں۔ جو زمیندار و قلعہ دار ہیں وہ قلعہ سے لکڑی سے۔ بزنس سے ہمیشہ اس یتیم خانہ کی مدد کیا  
کریں اور یتیم خانہ ایسا مستحکم اور مستقل ہو جاوے جس کے قیام پر بھری بھر دیا ہو اور ہم گورنمنٹ  
کو بتا سکیں اور کہہ سکیں کہ اس کے قیام کی تدبیریں ایسی مستحکم ہو گئی ہیں جن کے قائم رہنے اور بھری  
چلنے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

۸۔ اگر یہ تدبیر جیسا کہ میں نے کہا کامل ہو جاوے تو اُس وقت گورنمنٹ کے سامنے نہایت  
ادب اور عاجزی سے درخواست پیش کیا دینی کہ ہمارے کمیٹی یتیم دلاوارث بچوں کی پردہ شش کو  
موقوف اُن کی اُلت و مذہب کے موجود ہے آئندہ سے جو یتیم دلاوارث بچے ہندو یا مسلمان کے  
ہوں وہ اس کمیٹی کے سپرد کیے جاویں اور پادری صاحبوں کو اُن کی سپردگی جو صرف بغرض اُن کے  
عیسائی بنانے کے لیتے ہیں نہ حقیقتاً یتیموں پر رحم کرنے کو بند ہو جاوے۔

۹۔ میں نہایت اعتماد و نہایت بھروسہ اور اپنے یقین کامل سے جو مجھ کو گورنمنٹ کے عدل و  
انصاف پر ہے اور اس یقین کامل سے کہ گورنمنٹ کی مرضی کسی قسم کی مداخلت مذہبی کی نہیں ہے اور

اس امر کے یقین سے کہ مجبوراً یتیم بچے پادریوں کے سپرد ہوتے ہیں گورنمنٹ کا ہرگز یہ منشاء  
نہیں ہے کہ وہ یتیم بچے عیسائی بنائے جاویں میں یقین رکھتا ہوں کہ فی الفور گورنمنٹ اس  
دعواست کو منظور کرے گی اور پادریوں کو یتیم بچوں کا سپرد ہونا قطعاً بند کر دینی بشرطیکہ ہم  
مدستی سے اُن کی پردہ شش کا سامان تیار کریں۔

۱۰۔ میں دوبارہ اپنے ہوطنوں کو یقین لاتا ہوں کہ دعواست کے منظور ہونے میں کچھ  
شبہ نہیں ہے اور یہ بھی قرار کرتا ہوں کہ اس امر کی پیروی میں جہاں تک ذاتی پیروی کا رہے ہے  
میں کوں گامی نہیں یہاں تک اتارا کرتا ہوں کہ اس دعواست کو ملکہ معطرہ لنگستان فیہ سرمدتہ کے

پاینت پر رکھنے کی ضرورت ہو تو میں خود لندن جا کر حضور صبح کے پانچ بجے پر رکھوں گا مگر  
کبھی خیال کرنا نہیں چاہیے کہ ایسی ضرورت پڑے گی +

۱۱۔ پس میں اس کمیٹی کا قیام ہونا چاہتا ہوں اور ضلع علیگڑھ کے تمام ہندو مسلمان بیسوں  
سے درخواست کرتا ہوں کہ جو صاحب اس تجویز کو پسند کرتے ہوں وہ علیگڑھ میں بتاریخ  
بیسویں مئی ۱۸۷۸ء وقت سات بجے صبح کے سین ٹیفک سوسائٹی ہال میں تشریف  
لا دیں اور اس تجویز کو کامل جاری کرنے کے مقصد سے جو جو قواعد و تجویزیں اور ابتدائی تدبیریں  
کئی مناسب ہوں ان کو تجویز کریں اور کمیٹی قرار دیدیں اور اُس کے ممبر مقرر ہو جائیں تاکہ آئندہ  
کارروائی شروع ہو۔ اور جو صاحب شہر مانے دور دراز کے رہنے والے ہیں اپنی تحریریں  
اس باب میں تاریخ مذکورہ سے پہلے راقم آٹھ پاس بھیج دیں تاکہ وہ سب تحریریں اس مجلس میں  
پڑھی جائیں +

## نورالافاق

ہم کو نہایت رنج و افسوس ہے کہ ہمارا تاج مشفق جس سے ہمارے خیالات کو زیادہ عمدہ  
ہونے کا موقع ملتا تھا اور ہمارے نفس امارہ کی اُس سے سرکوبی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے دلی  
اخلاق اُس سے وسعت پاتے تھے دنیا سے جانا رہا یعنی نورالافاق جو جواب مضامین  
تہذیب الاخلاق کا سپر میں چھپتا تھا اُس کے مہتمم نے اپنے پرچہ مطبوعہ ۴۔ رجب ۱۲۸۵ھ اجری  
مطابق ۱۲۔ جولائی ۱۸۷۸ء کے شہر کر دیا کہ آئندہ سے نورالافاق کا چھپنا موقوف ہوا۔ وجہ  
موقوفی یہ لکھی ہے کہ نورالافاق کے جواب دینے پر کوئی مستوجب نہیں ہوا اور یہ کہ دربار دہلی میں  
تسی۔ آئیں۔ آئی سید احمد خاں صاحب بہادر نے سید امداد علی خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر مراد آباد سے  
بصدق ل یہ اقرار فرمایا کہ ہم کبھی کوئی مباشرت نہ ہی تہذیب الاخلاق میں نہ چھاپینگے جب بفضل اللہ  
سید صاحب موصوف کو یہ خیال آیا اور ان کا دل جانب حق نکلاں پایا پس اب ہم بھی اس اخبار  
نورالافاق کو موقوف کرتے ہیں کہ مقصود اصلی ہمارا یہی تھا کہ حق ظاہر ہو جاوے اور حق تعالیٰ  
اہل اسلام کو افغانی فرقہ پرستی سے بچاوے۔ "خیر سبب موقوفی کچھ ہی ہو مگر ہم کو اپنے تاج مشفق  
کے نہ رہنے کا افسوس ہے +

مولوی سید امداد علی خاں بہادر تسی۔ آئیں۔ آئی ہمارے قدیم دلی دوست ہیں گو ان کے

مزاج میں ذرا غصہ ہے مگر ہم نہایت صدق دل سے بیان کرتے ہیں کہ ایسے بزرگ دوست  
ظاہر و باطن۔ حاضر و غائب یکساں جیسے کہ ہمارے مولوی سید امداد العلی خاں بہادر تھی ایسے  
آئی ہیں ویسے بہت کم دنیا میں ہیں گو انھوں نے ہمارے عقاید کو یا ہمارے مسائل کو یا ہمارے  
اجہاد کو یا ہمارے خیالات کو ناپسند کیا ہو اور کیسا ہی غصہ اُن کو ہم پر آیا ہو مگر کبھی ہمارے  
خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ ہماری اور اُن کی دوستی میں کچھ بھی فرق ہوا ہو اور جو دوستانہ  
محبت اُن کو ہمارے ساتھ ہے اُس میں کچھ کمی ہوئی ہو۔ اور ہم نے کبھی کسی مجلس و موقع میں  
حاضر و غائب بجز اُن کے ادب و تعظیم کے آؤر کوئی کام نہیں کیا جنہں ہزاروں آدمیوں کے  
سامنے کما اور شاید لکھا بھی کہ اگر مولوی سید امداد العلی خاں بہادر تھی۔ ایسے۔ آئی ہم پر اس لئے  
غصہ ہیں کہ ہم اُن کی دانست میں کوئی بات خلاف مذہب سلام کرتے یا کہتے ہیں تو اُن کا غصہ  
ہونا نہایت قابل تعریف و توصیف ہے اور ہم کو اُس سے خوشی ہونی چاہیئے اور اُن کا احسان ماننا  
چاہیئے نہ رنجیدہ ہونا لیکن ایسی کے ساتھ ہم کو خدا کا شکر بھی کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی دانست میں نہیں  
کرتے جو ہمارے شفیق دوست نے تصور کیا ہے \*

ہم کو نہایت آرزو ہے کہ تمام مسلمان قومی بھلائی کے کاموں میں ہر قسم کے تفرقہ کو اٹھا دلیں  
اور قومی کام میں مدد کریں کیونکہ جب تک قوم نہ ہوگی اُس وقت تک کوئی بھلائی کی صورت  
نظر نہیں آنے کی سمجھئے اپنی دانست میں مدرسہ العلوم قومی بھلائی کے لئے قائم کیا ہے اور اگر ہماری  
قوم اُس پر متوجہ ہوگی اور اُس کی پوری کھلی کر دیگی تو ضرور خواہر عظیمہ ہماری قوم کو اُس سے حاصل ہونے  
پس ہماری آرزو یہ ہے کہ تمام قوم کے اعلیٰ و ادنیٰ درجہ کے لوگ اُس میں مدد کریں \*

مولوی سید امداد العلی خاں بہادر جو فضل الہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ فہر  
ور میں ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں مدرسہ العلوم میں اُن کے شریک نہونے  
سے ہم کو نہایت پیچھے ہے اور نیز قومی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب اُن سے ملتے ہیں  
مدرسہ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ دیارِ دہلی میں بھی سمجھئے اُن سے التجا کی  
انھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے۔ اول یہ کہ تہذیبِ اخلاق کا چھاپنا بند  
کر دیا اُس کو کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقاید و اقوال سے جو  
برخلاف علمائے تقدیمین ہیں تو بکرو پھیلی بات تو میرے اختیار سے باہر تھی کیونکہ جس بات پر  
میں یقین رکھتا ہوں جب تک وہ یقینِ نازل نہ ہو کیونکہ اُس کو دل سے کھوسکتا ہوں پس جب تک

دل پر یقین نہ ہونے کی توبہ کے لفظ بے سود ہیں ہاں پہلی بات میرے اختیار میں ہے مگر آپ  
مدرسۃ العلوم کی تائید میں دل سے شریک مولیٰ خج ہی تہذیب الاخلاق کو بند کردوں گا  
کیونکہ میری رائے میں جناب مولوی سید امداد اعلیٰ خاں بہادر تھی۔ آپس۔ آئی کا دل سے  
مدرسۃ العلوم کی تائید کرنا بہ نسبت جاری رہنے تہذیب الاخلاق کے قوم کے لئے بہت زیادہ مفید  
ہے پس ہم اسی اپنے افراد کو تحریراً مولا کرتے ہیں اور خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے چرچنے  
دوست مولوی سید امداد اعلیٰ خاں بہادر کا دل خدا مدرسۃ العلوم کی طرف مہربان کر دے وہ ہمارے  
ساتھ شریک ہوں اور مدرسۃ العلوم کی تکمیل کے لئے چندہ جمع کریں جس طرح کہ شرکی کے چندہ  
میں انھوں نے ثواب کمایا اسی طرح اس میں بھی کمادیں ہم آج تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند  
کر دیں گے وما ابرو نفسی ان النفس الامارة بالسوء الامارہ ربی ہجو کچھ نفع نہایت  
نہیں ہے۔ ہماری جگہ میں قوم کی بھلائی کے لئے جو بات آتی ہے وہ کرتے ہیں شاید اس میں  
غلطی ہو مگر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بات کے ترک ہونے سے دوسری بات زیادہ مفید قوم کو  
میسر ہوتی ہے تو ہمارے ترک میں کیا عذر ہے۔ تامل ہے تو یہی ہے کہ ایسا نہ کہ وہ مانتے  
نہاؤ سے اویس بھی جاتی رہے اور وہی جو بے کی نقل ہو جاوے کہ چھپی ہوئے گئے تھے دوبارے  
رہ گئے +

## اختتام سال ۱۲۹۱ھ ہجری

## و

## شروع سال ۱۲۹۲ھ ہجری

سوا چار برس بغیر بیت گذر گئے۔ اب پھر نیا سال شروع ہوا۔ گذشتہ برسوں میں جو کچھ ہنگامے  
ہونے تھے جو لیٹے۔ اب دم باقی رہ گئی ہے۔ چاند کی بڑھیا کی کہانی ہے کہ ہفتی نکل گیا پر دم باقی  
ہے۔ آج اگر ہم اپنی قسمت پر غور کریں تو بھی جابا ہے اور اگر اپنی قوم کے اقبال کی بفضل ہمار کی آماندگی  
خوشیاں مناہیں تو بھی زیادہ ہے۔ جو کچھ کہ اس سوا چار برس میں ہوا۔ کیا ایسے حلیل زمانہ میں اس کے  
ہونے کی ہجو توقع تھی۔ توبہ۔ توبہ۔ کیا ہجو ایسا جلد ان ناچیز پر چوں سے اپنی قوم کے جگانے اور  
اٹھانے کی جو مدت دماز سے غفلت کے تابریک گڑھے میں پڑی ہوئی ہے خبر سو رہی تھی تعق

تھی۔ استغفر اللہ

وہ عید کا مبارک دن۔ یعنی یکم شوال ۱۲۸۷ھ بمطابق ۱۸۷۵ء ہجری جبکہ ہمارا پہلا پرچہ نکلا۔ اُمید ہے کہ ہماری قوم کی تاریخ میں کبھی بھولا بخا دے گا۔ ہماری قوم کی جو کچھ بد اقبال تھی وہ یہی تھی کہ کچھ نہ تھے۔ اور جانتے تھے کہ ہم سب کچھ ہیں۔ اس غفلت کے داروئے ہیروشی نے اُن کے کانوں کو بہرا کر دیا تھا۔ ان کی آنکھوں کو پتھر ادا تھا۔ دل پتھر ہو گئے تھے۔ دماغ قابو میں نہیں رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں سُست ہو گئے تھے۔ زندہ تھے پر مُردوں سے بدتر تھے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے تھے۔ پر کچھ نہ کرتے تھے۔ اسی تھوڑے عرصہ میں وہ حالت بہت کچھ بدل گئی۔ کچھ لوگ بخوبی ہوشیار ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ ہماری کیا حالت ہے۔ اور ہم کیا مصیبت ہے۔ لبوں پر جان ہے۔ پھر اگر جان نہیں تو جہان نہیں۔ کچھ لوگ ہوشیار ہوئے۔ پر ابھی آنکھیں ملے ہیں۔ بہت سونے اور اندھیرے میں پڑے رہنے سے آنکھوں میں چیڑھا جا رہا ہے۔ کچھ کھلتی ہیں مگر روشنی سے چند صیحات ہیں۔ کچھ لوگ ابھی تک نیند کے خمار میں ہیں۔ کچھ حرکت تو ان میں آئی ہے مگر ابھی انگڑائی لیکر اور کدوٹ بدل کر پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ چپ پھر جھنجھوڑو تو ہاں۔ اچھا کہ کدو سری کدوٹ لیتے ہیں اور پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ابھی بدستور غافل پڑے سوتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ ہوشیار ہوئے ہیں مگر بزمِ راجی اور تند غمی سے ضد میں آکر کمر لٹانے پڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں ہم نہیں اُٹھنے کے۔ تمہارا کیا چارہ ہے ہم یوں ہی پڑے رہیں گے۔ بیٹھے اُن میں سے اپنے پاس والوں کو کہتے ہیں کہ تم بھی پڑے رہو مت اُٹھو۔ سید احمد کون ہے جو جگتا پھرتا ہے۔ ہم اسی بات کو سن کر غرض ہوتے ہیں۔ اور دوسری سے کھڑے کہتے ہیں کہ وہ اُٹھے۔ وہ گلہ لائے۔ خدا نے چا تو اب سمجھ دار بھی ہو چکے ہیں رُست و خیز ہماری قوم کے اقبال کی نشانی ہے۔ پتھر بجا تو سہی۔ اب کسی نہ کسی طرف یہ نکلیگا۔ لوہا پگلا تو سہی۔ اب کچھ نہ کچھ ڈھل رہیگا۔ بند پانی سے بجز ٹر جانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پانی کو بہنا چاہیے۔ پھر کوئی نہ کوئی اپنا رستہ بنا لے گا۔ اس وقت ہماری ساری قوم میں اس بات کا غفلہ ہے کہ ہماری حالت ابھی نہیں۔ قوم کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ کیا یہ صدا اُن لوگوں کے دلوں میں جو قوی بھلائی چاہنے والے ہیں جان نہیں ڈال دیتی ہے؟ سولائش جس کے نام سے لوگوں کو نفرت تھی کیا اب اُس کا چرچا ہو گئی کہ ہمیں نہیں ہے۔ کیا نیچر کا قانون کچھ کہتے ہوئے اب لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے (معاذ اللہ) اُن ضدی شیعوں کا ذکر نہیں ہے) کیا

قومی ہمدردی کی کسی نہ کسی قدر تحریک اب ہر ایک کے دل میں نہیں ہے۔ کیا چار دانگ  
ہندوستان کے اخباروں میں تہذیب - تہذیب - سولائزیشن سولائزیشن - قومی ہمدردی قومی ہمدردی  
پیٹر یا ٹرم پیٹر یا ٹرم کا غلط نہیں ہے۔ کوئی اخبار نہ تھا تو اس میں ان میں سے کسی نہ کسی پر  
کوئی نہ کوئی چھوٹا مسوٹا آرٹیکل دیکھ لو جس کی آواز میں جاؤ سید احمد کے تہذیب الاخلاق کا جھگڑا  
سن لو۔ تہذیب میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ مدینہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ بڑا کہو خواہ بھلا کہو۔ مگر ہم  
دعا گوؤں کو مت بھولو۔

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے  
کچھ نہیں ہے تو عدالت ہی

یہ دلولہ اور غلط اور ہر ایک بات کا چرچا دراصل ہماری قوم کی بھلائی کی نشانی ہے۔ اس پر ہر  
ذرا بھی خیال نہیں ہے کہ کسی کی کیا رائے ہے اور کسی کی کیا۔ کیونکہ جو بات ٹھیک نہیں ہے  
وہ آج نہیں گل - کل نہیں پوسل سب کو معلوم ہو چکا ہے۔ ادب اسی پر یقین کرئیے اور  
اسی پر متفق ہوں گے۔ مزد ایک آن آویگا جو قوم کے کسی نہ کسی کی تہذیب کوئی دیوانہ بھلا پر بات  
ٹھکانے کی کہتا تھا۔ اگر ہمارا خیال صحیح ہو اور وہ حقیقت ہماری قوم میں ایسی تحریک آگئی ہو۔ تو  
ہمارے اس ناچیز پرچے نے اپنا کام پورا کر لیا اور اس کی مراد پوری ہو گئی۔ وَاللّٰهُ عَلٰۤیۤہِ اَلْاَمْرُ  
مگر ہمارے بعض محب وطن جو دل سے اپنی قوم کی بھلائی اور قومی ترقی چاہتے ہیں کسی غلطی  
میں پڑ جاتے ہیں۔ جب کسی ان کو کسی سولیز ڈسین تہذیب و تربیت یا فتنہ شایستہ قوم میں سے کسی  
کی کوئی دشمنانہ حرکت معلوم ہوتی ہے تو اس کو بہت طعنا سے بیان کرتے اور کہتے ہیں۔ اور کہتے  
ہیں کہ جب اس قوم میں ایسی ہی شہادتیں ہوتی ہیں تو ہماری قوم کو کیوں بڑا کہا جاتا ہے۔ مگر ان کو  
سمجھنا چاہیے کہ اگر ہم کسی دوسرے کی آنکھ کی پھٹی کو ٹوکیں تو اس سے ہماری آنکھ کا ٹینٹ نہیں  
پھٹتا۔ بلکہ اپنی آنکھ کے ٹینٹ کا علاج کرنا چاہیے۔ دوسرے کی آنکھ میں پھٹی ہو یا نہ ہو یا ایندھ  
وہ لوگ اس باب میں ذرا انصاف نہ بھی نظر نہیں کرتے۔ قوم کی محبت انصاف کو چھپا دیتی ہے۔  
جب قوم کے کسی شخص کی دشمنانہ حرکت کی ہم گرفت کرتے ہیں اس وقت اس بات کو بھول جاتے  
ہیں کہ اس قوم میں جو بیاں کہتی ہیں۔ ہماری قوم میں وہ عیب تو ہیں اور وہ خوبیاں کسی میں  
نہیں۔ اصلی محبت اور سچی خیر خواہی قوم کی ہی ہے کہ اس کے نقصانوں کو دیکھے اور ان کے  
مٹانے کی فکر کرے۔ جو لوگ نہایت ہمدردی اور قومی محبت سے اپنی قوم کے عیبوں اور

نقصانوں سے مطلع کرتے ہیں اُن کا دل اپنی قوم کی حالت پر نسبت اُن کے جو قوم کی طرف لگا کرتے ہیں اور اُس کے عیبوں کو چھپاتے ہیں بہت زیادہ جلتا ہے اور حقیقت میں وہی لوگ محب وطن و محب قوم ہیں۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۛ

## ترقی علم انشاء

جہاں تک ہے ہو سکا ہم نے اُردو زبان کے علم ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کچھ معجز زبان نے یاری دی الفاظ کی دھڑکی۔ بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی عبارت سے جو تشبیہات اور تمعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پرہیز کیا۔ تنگ بندی سے جو اس زمانہ میں مقفی عبارت کھلاتی تھی ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطیف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی۔ اور ہمارے ہونٹوں نے اُس کو کس قدر پسند کیا۔ مگر اتنی بات ضرور دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیلی آگئی ہے اور اُس کی طرف لوگ توجہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اخباروں کی عبارتیں نہایت عمدہ اور صاف ہوتی جاتی ہیں۔ وہ پہلانا پسند طریقہ ادا کے مضمون کا باطل ٹھوٹتا جاتا ہے۔ ہماری ہماری لفظوں اور موٹے موٹے لفظوں سے اُردو زبان کا خون نہیں کیا جاتا۔ صفائی اور سادگی روز بروز عبارتوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات بھی بالکل بدلے ہوئے ہیں بہت کم اخبار ایسے ہوں گے جن میں ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی آرٹیکل عمدہ و سلیس عبارت میں نہ کسی مضمون پر نہ لکھا جاتا ہو۔ صرف پس بات کی کمی ہے کہ وہ سامان ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے ہمارے معلومات زیادہ ہوں اور ہمارے خیالات کو وسعت ہو۔ جو مضمون ہم لکھنا چاہیں اُن کے ماخذ اور اُن کے حالات اور جو بحثیں کر اُن پر ہو چکی ہیں اور جو اسامہ اُن کی نسبت متحقق ہو چکے ہیں اُن سے آگاہی ہو۔ اور یہی سبب ہے کہ بعضی افو ہماری قوم کے آرٹیکلوں میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اور جن اُمور کا تصنیف ہو چکا ہے انہی کو پھر کہتے جاتے ہیں۔ یہ نقص ایسی وقت بفع ہوگا جبکہ انواع و اقسام علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں موجود ہو جاویں گی۔ اور ہماری قوم کو عموماً اُن پر دسترس



ہوگی۔ سین ٹیک سوئیٹھی علی گڑھ نے اس کام کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قوم کو اس طرف توجہ نہیں ہے اور یہی سبب ہے اس کا کام اُدھوا پڑا ہے۔

نئی اُردو نے حقیقت ہماری انکی زبان میں جان ڈالی ہے۔ تیر و مرد و ظفر نے اُردو اشعار میں جو کچھ برائی کی ہوئی ہے۔ میر تقی میر نے کوئی کہانی شستہ بول چال میں کسدی ہو گئی ہے۔ جو اس سے زیادہ فصیح و بلیغ و باعجا و درہ نہ ہوگی جو ایک پوٹلی بڑھیا بچوں کے سلاتے وقت ان کو کہانی سناتی ہے۔ مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اُردو زبان میں نہ تھی۔ یہ اسی زمانہ میں پیدا ہوئی اور ابھی نہایت بچپن کی حالت میں ہے۔ اگر ہماری قوم اس پر توجہ دے گی اور لاشیائی خیالات کو نہ ملانے لگی۔ جو اب حد سے زیادہ اجنبی ہو گئے ہیں تو چند روز میں ہماری ملکی تحریریں بھی سیکالی واڈسین کی سی ہو جائیں گی۔

بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ جو لوگ اس زمانہ میں اُردو لکھتے ہیں وہ انگریزی لفظ اپنی تحریر میں ملاتے ہیں مگر ان کو غور کرنا چاہیے کہ زندہ زبان میں ہمیشہ نئے نئے لفظ ملتے اور بنتے ہیں۔ اور جب کوئی زبان محدود ہو جاتی ہے مژدہ کھاتی ہے۔ غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کر لینا اہل زبان کا کام ہے مگر ان کا مل لینا آسان کام نہیں۔ اہل زبان غیر زبان کے لفظ کو ایسی مٹکی سے ملا لیتے ہیں جیسے میچ گیس کے روضہ میں شنگ مرور پر عقیق دیا قوت و قدر کی کچی کاری ہے۔ بے شک دوسرا پتھر ہے۔ مگر ایسا اصل ہوا ہے کہ غور سے دیکھنے پر بھی اوپر سے بڑا ہوا انہیں معلوم ہوتا۔ اُسی میں سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات اہل زبان کے سوا دوسرے سے نہیں ہو سکتی اور نہ سب اہل زبان سے۔ بلکہ صرف اُس سے جسے خدا نے ایسا ملکہ دیا ہو۔

یہ بات بھی غور کرنی چاہیے کہ اہل زبان کو دوسری زبان کے لفظوں کے لئے لینے کی کیوں ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ ایک تو تاریخ کجی ملک کی تاریخ لکھتا ہے اُس کو ضرور ہوتا ہے کہ اُس ملک کے تاریخی الفاظ یعنی جو تاریخ سے تعلق ہیں اور ملکوں کی تقسیم اور مباحثہ اُسی ملک کی زبان میں قائم رکھے کیونکہ اگر ان کے لئے اپنی زبان کے الفاظ اودھم طالع بدل سے تو وہ تاریخ نہایت ٹکٹی اور غیر مفید ہو جاوے گی۔ ٹونس میں جو تاریخیں غیر ملکوں کی عربی زبان میں ترجمہ تھیں تصنیف ہوئی ہیں۔ ان کو دیکھو کہ کس قدر غیر زبان کے الفاظ عرب و غیر عرب ان میں شامل ہیں۔ عربی اخبار الجوائب کو دیکھو اُس کا کیا حال ہے۔ ان کے بعد کوٹھڑا ہوا ہیکم اُس میں کس قدر الفاظ دوسری زبانوں کے داخل ہیں۔ اگر عربی زبان کے علم ادب اور علوم و فنون میں الفاظ صمدیہ مثال

ہوتے بند ہو جاتے تو وہ زبان بھی مثل عربی و سنسکرت و ژند کے مرد زبان ہو جاتی ہے  
 علوم و فنون پر کتابیں لکھنے والا بعضی دفعہ مجبور ہوتا ہے کہ جن زبان سے اُس علم کو لیا ہے  
 اُسی زبان کے بعض الفاظ اور مصطلحات پر مستور قایم رکھے۔ دیکھو یونانی زبان سے جو علم طب  
 عربی میں ترجمہ ہوا کس قدر یونانی الفاظ اُس میں شامل ہیں۔ اگر کسی ویشر غس نہ ہو تو ضرور اسکو  
 تسلیم کریگا۔ عربی زبان سے کسٹری انگریزی میں گئی۔ آج تک بہت سے عربی لفظ انگریزی زبان  
 کی کسٹری میں شامل ہیں۔

پوچھو کہ اس مقام پر میں نے کیوں لفظ کسٹری بولا۔ اور کیا کالفاظ جسے خود انگریزوں  
 نے لفظ کسٹری بنایا ہے کیوں نہ بولا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہلوگوں میں کیا کے لفظ کے ساتھ  
 چاندی سونا بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے جو ایک محض غلط خیال ہے۔ اب وہ شخص جو اپنی قوم  
 کی ہمدردی رکھتا ہے اور اُن غلط خیالات کو مٹانا چاہتا ہے کسی جگہ کسٹری اور کسی جگہ کیا  
 کا لفظ بول جاتا ہے تاکہ کسٹری کا لفظ اُس غلط خیال کو نہ آنے دے اور کیا کا لفظ کسٹری اور  
 کیا کے ایک ہونے کا خیال پیدا کرے۔

لٹریچر یعنی علم ادب اہل زبان کے لئے نہایت وسیع جولان گاہ ہے۔ اُس میں وہ اپنی طبیعت  
 کا زور دکھاتا ہے۔ اُسی کے ذمہ سے وہ اپنے دل کی بات دوسرے کے دل میں ڈالتا ہے  
 اپنی شستہ تقریر اور مناسب مناسبات الفاظ سے لوگوں کے دلوں کو جس بات پر چاہتا ہے بھارتا  
 ہے۔ انہی لفظوں سے کبھی ہنسا دیتا ہے اور کبھی رولا دیتا ہے۔ پڑنے دینا نوی خیالوں کو مٹاتا  
 ہے اور نئے نئے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے۔ کبھی واحد کے بدلے جمع اور جمع کے بدلے واحد  
 کے صیغے بولتا ہے۔ کبھی حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کہتا ہے۔ کبھی ترکیب مجملہ کی دوسری  
 و بہن کی ترکیب پر گھر دیتا ہے۔ اور اس سب میں ایک لطف اور ایک قسم کا مزار رکھتا جاتا ہے۔ اگر  
 وہی چال وہ چلے جو اہل زبان نہیں ہے تو سینکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے  
 کہ اہل زبان جو کسے سوچے ہے۔ اور غیر اہل زبان وہ چال چلے تو غلط ہے۔ نہیں درحقیقت  
 اُس کا کتنا صحیح اور اس کا بولنا غلط ہو بلکہ اور اہل زبان ہی اس میں تیز کر سکتا ہے۔

دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی زبان میں بولنا کبھی عبارت کا لطف بڑھانے کے لئے ہوتا  
 ہے کبھی اپنی زبان کو وسعت دینا اور نئے لفظوں کو اُس میں داخل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کبھی زمین کر  
 مطلب کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ کبھی اُس مطلب کی عظمت جاننے کو بڑھانا

ہے جو غفلت اُس مرادف لفظ سے جو اُس زبان میں متل ہے دل میں نہیں ٹھہرتی۔ مثلاً بعض اہل زبان اپنی تحریر و تقریر میں مناسب موقع پر جس کی مناسبت کو اہل زبان ہی جان سکتے ہیں جنہاں میں لفظ بولتے ہیں۔ اگر وہ اُس کی جگہ شریف یا شریفوں کا لفظ بولیں تو اُس لفظ یا مطلب کی غفلت خاک میں مل جاتی ہے۔ اس لئے کہ ہماری زبان اور عام استعمال میں لفظ شریف کا ذلیل ہو گیا ہے۔ اُس سے بجز اس خیال کے کہ اُس کی حسبِ نسب میں کچھ نقصان نہیں ہے۔ شیخ۔ سید۔ مثل۔ پشمان ہے کُور کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا مگر اُس لفظ کے بولنے والا اُس خیال سے زیادہ تر وسیع اور اعلیٰ خیال دل میں بٹھانا چاہتا ہے۔ وہ اس لفظ سے ایسا شخص بتانا چاہتا ہے جو ذلیل آدمیوں کی نسبت خاندان میں۔ تعلیم میں۔ حیثیت میں۔ اطوار میں افضل ہو۔ اُس کی تعلیم و تربیت۔ اُس کا چال چلن اچھا ہو۔ نیک اور خوش اخلاق ہو۔ دھرمات میں جو اُس سے متعلق ہو حلیم ہو۔ چال چلن میں۔ حوصلہ و مزاج میں۔ خواہش اور ارادہ میں سلیم ہو۔ ایسا ہونا تعلیم سے شروع ہوتا ہے۔ اور پھر سے گوگنا اور نیک صحبت میں بیٹھا اسکو پورا کرتا ہے۔ اگرچہ شریف کے بھی یہی معنی ہونے چاہئیں مگر جو کلاس کا استعمال ایک خاص بات پر ہو گیا ہے تو یہ پورا پورا خیال اُس لفظ سے دل میں نہیں آتا۔ پس ایک محبت قوم اہل زبان اُن خیالوں کو دل میں ڈالنے کے لئے اپنی زبان کو وسعت دیتا ہے۔ اور دوسری زبان کا نیا لفظ اپنی زبان میں ملاتا ہے تاکہ نئے لفظ کے ساتھ نیا خیال دل میں پیدا ہو یہی حال اس قسم کے اور لفظوں کا ہے۔ اگر ہم اُن سب کی تفصیل لکھیں تو ہمارا یہ آرٹیکل انت یا اصطلاحات کی ایک کتاب ہو جاوے۔ اسی نمونہ سے ہمارے ہر وطن خیال کر سکیں گے کہ ہماری قوم کو اپنی زبان کی نسبت بھی کیا کیا کرنا ہے۔ اور ان خوب خیالات کو چھوڑینگے کہ وہ شخص تو انگریزیت پر مڑتا ہے۔ انگریزی ہی لفظ بولتا ہے۔ اپنی واقفکاری لکریزوں کی جتا ہے۔ کیونکہ کسی جنٹلمین کی ایسے ذلیل خیالات کسی جنٹلمین کی نسبت کرنے زیبائیں نہ

## اردو نظم

ہم نے جو چمکی بہت لئے پنکھا کی تو اب اُس کا قافیہ کچھ تو نہیں رہا۔ بلکہ شاعروں نے اُس کی طرف تو جکی۔ ہماری زبان کے علم ادب میں بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم تو پوری تھی۔ شاعروں نے اپنی تہمت عاشقانہ غزلوں اور دعا سوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ و کہانی کی مشنوں میں صرف کی تھی۔ ہم نہیں کہتے کہ اُن مضامین کو چھوڑنا نہیں چاہیے تھا۔ نہیں وہ بھی نہایت

عہدہ مضامین میں۔ اور نہ تو طبع اور تلاش مضمون کے لیے نہایت مفید ہیں۔ مگر نقصان یہ تھا کہ ہمارے بنیاد میں صرف یہی تھی۔ دوسرے دوسری قسم کے مضامین۔ جو حقیقت تو ہی اصلی مضامین ہیں اور پھر سے علاقہ رکھتے ہیں نہ تھے۔ نظم کے اوزان بھی تو ہی معمولی تھے۔ روایت و قافیہ کی پابندی کو یادداشت شعر میں داخل تھی۔ رہبرِ نادر بے قافیہ شعر گوئی کا رواج ہی نہیں تھا اور اب بھی شروع نہیں ہوا۔ ان باتوں کے نہونے سے حقیقت میں ہمارے نظم صرف ناقص ہی نہ تھی بلکہ غیر مفید بھی تھی۔ مگر نہایت خوشی کا مقام ہے کہ زمانہ نے اسکو بھی رفاہ فرمایا۔ اور اہل پنجاب اس نقص کے رفع کرنے پر متوجہ ہوئے۔ اردو زبان کے علم ادب کی تاریخ میں لکھنؤ کا و مدن جب لاہور میں نچرل پوٹیری کا مشاعرہ قائم ہوا ہمیشہ یاد رہے گا۔

پہلے کنوینٹ گورنر بہادر پنجاب اور سٹرکٹورل ڈائریکٹر سیکل انٹرکشن پنجاب نے اس مشاعرہ کے قائم ہونے پر بڑی توجہ کی ہے۔ جس کی شکرگزار ہی ہماری قوم پر واجب ہے۔ ہماری قوم کے لائق و فائق لوگوں نے بھی اس پر بخوبی توجہ کی ہے۔ مولوی محمد حسین آغا اور فیض عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے اس مشاعرہ کے بقا اور قیام میں سب سے زیادہ ہمت معروض کی ہے۔ انکی طبیعت کے زور اور پاکیزگی مضامین اور شوکت القادری اور طرزِ آداسے ہلوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی مثنوی خوب ہے جو آفتاب پنجاب میں ہمیں ہمارے دلوں کو خواب غفلت سے جگاتی ہے۔ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اسٹنٹ ٹرانسلیٹر عکرم ڈائریکٹر پنجاب کی مثنویوں نے تو ہمارے لوگوں کے حال کو بدل دیا ہے۔ ان کی مثنوی حب الوطن اور مثنوی متناظرہ رحم و انصاف جو پنجابی اخباریں چھپی ہیں حقیقت ہمارے زمانہ کے علم ادب میں ایک کارنامہ ہیں۔ ان کی سادگی الفاظ صفا بیان عمیق خیال ہمارے دلوں کو بے اختیار کھینچتی ہے۔ وہ مثنویاں اب نلال سے زیادہ خوشگوار ہیں۔ بیان میں۔ زبان میں۔ آدمیں۔ الفاظ کی ترکیب میں۔ سادگی و صفائی میں۔ یہی عمدہ ہیں کول میں بیٹھی جاتی ہیں۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ ہمارے ان باعث افتخار شاعروں کو ابھی چر کے میدان میں پہنچنے کے لیے آگے قدم اٹھانا ہے۔ اور اپنے اشعار کو نچرل پوٹیری کے ہسر کرنے میں بہت کچھ کرنا ہے۔ مگر ان مثنویوں کے دیکھنے سے آنا خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خیالات میں کچھ تبدیلی ہوتی ہے۔ اور اس کا بھی تصور ہو سکتا ہے کہ اگر ہماری قوم اس عہدہ مضمون نچرل کی طرف متوجہ رہے اور ملان اور شکسپیئر کے خیالات کی طرف توجہ فرمائے اور مضامین عشقیہ اور مضامین خیالیہ اور معنائیں بیان واقع اور مضامین نچرل جو تفرقہ ہے اسکو دل میں بٹھالے تو ان بزرگوں کے سبب ہماری قوم

کی لڑکچہ کسی ٹمڈ ہو جاوے گی اور ضرور وہ دن آوے گا کہ ہم بھی اپنی قوم کے کسی مذہبی پرستار ہی بن کر  
 کریں گے جیسے کہ نو رپ کے لوگ ملٹن اور شکسپیر پر ناز کرتے ہیں۔ مضامین بیان واقعہ اور مضامین  
 نیچر ایسے پاس پاس ہیں کہ ان میں دھوکا پڑ جاتا ہے۔ مگر حقیقت پہلا دوسرے سے بالکل علیحدہ  
 ہے۔ پہلا تو ایک بیرونی حالت ہے اور دوسرا اندرونی۔ اسی کھیلے میں وہ طاقت ہے جو دل میں  
 اثر کرتی ہے۔ ایسی تک ہماری قوم کا کلام بیرونی حالت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ مگر کہو اس  
 ہے کہ بہت جلد وہ اندرونی حالت تک بھی پہنچ جاوے گا۔

## ہماری حالت

ہمارا حال تو اس کچھیا کا سا ہو گیا ہے جس کو باند کے لونڈے سے چھیڑا کرتے تھے۔ اور جب وہ  
 چھیڑنے والے نہ ہوتے تھے تو بڑھیا کہتی تھی کہ کیا آج بازار کے لونڈے مر گئے۔ ہمارے کاموں کی  
 بر نسبت ہماری ذات اور ہمارے ذاتی خیالات سے لوگوں نے بہت بحث کی لیکن اب بھی وہ بہت  
 ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ بہت لوگ سوائے چند متعصبین کے سمجھ گئے ہیں کہ ہم اسلام کی اور مسلمانوں کی  
 کسی خیر خواہی کرتے ہیں۔ آفتاب اسلام کو جس کی شاعیں گرد و غبار کے صعب دھونڈلی ہو گئی ہیں  
 اور جس کی کرنیں ہم تک نہیں پہنچتیں کس طرح روشن اور چمکتا ہوا کرنا چاہتے ہیں۔ پہلی سرچشمہ  
 حیات جاودہ کی جو بہت سے نالے ندیوں کے ملجانے سے گدلا اور سیلا ہو گیا ہے کس طرح پاک  
 صاف کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اسلام جس کا مزاح صرف لوگوں کی زبان پر ہوا گیا ہے  
 اور حلق سے نیچے نہیں اترتا اس کا اثر دل تک پہنچایا جاوے۔ ہماری آندہ ہے کہ اسلام جسکو  
 ہم سب سے زیادہ عزیز اور سب سے عمدہ سمجھتے ہیں اس کا اثر مسلمانوں کے دلوں میں۔ اُن کے  
 اخلاق میں۔ اُن کے چال چلن میں۔ اُن کے معاملات میں۔ اُن کے برتاؤ میں سب میں پایا جاوے۔  
 اسلام کو صرف زبان ہی سے نیک نیک نہ کہا جاوے بلکہ مسلمانوں کو اس نیک کا نمونہ کر دکھایا  
 جاوے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی حاجی کہلانے کے لئے حاجی بنے۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ حج کا جو اثر  
 دل میں ہونا چاہیے اس کو حاصل کرے۔ اندھے والا حاجی بننے سے تو اسلام کو کچھ عزت نہیں  
 ہو سکتی۔ اُن کے لئے تو یہی کہنا سہ ہے۔ کہ رحمت براخلاقی تھاج باد۔

نماز سے اگر صرف ہاتھ پر لٹا لٹا لینا مقصود ہے تو وہ تو پوری رو سیاہی ہے۔ نماز سے نیاز  
 پیدا کرنا چاہیے۔ دل پر اس کا اثر بٹھانا چاہیے۔ اگر ہمارے صرف اُتھر پاتوں دھونے پر منحصر سمجھا

تو اسلام کی کچھ پیروی نہیں کی۔ ظاہری طہارت تو باطنی طہارت کا اشارہ کرتی ہے۔ پھر اگر باطنی طہارت حاصل نہیں ہوئی تو یہ ظاہری طہارت نہایت سے بدتر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کے جو روحانی نتیجے ہیں وہ مسلمانوں کو حاصل ہوں ورنہ بکرے کی سی ڈاڑھی اور بکرے کی طرح غلیظوں کی جنگلی اور بلی کی سی طہارت اور بکری کے سے قریب سے کچھ فائدہ نہیں۔ واللہ متعمد فرما ولولکم المذکرۃ

### مدرستہ العلوم اسلامی

مدرستہ العلوم کے کاروبار کی ترقی اور آپس کی موافقت میں جہاں تک ممکن تھا اس سال میں بھی کافی کوشش ہوئی اور خدا کا شکر ہے کہ دونوں میں کسی قدر کامیاب ہوئے۔ مدرستہ العلوم کا چاند اس سال قریب دو لاکھ روپیہ کے پہونچ گیا۔ کیٹیٹسٹس کی تعمیر کے شروع کرنے کی تدبیروں میں شغول ہے۔ اس کا پہلا درجہ جس کا نام صرف مدرسہ ہے جاری کر دینا بالکل تجویز ہو گیا ہے جو انشاء اللہ عزیز بہت جلد ظہور میں آتا ہے۔ اور یہ حالتیں ایسی ہیں جن کے ایسے جلد ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی۔ اور جو جدید امیدیں اس کالج کی تائید کی اس سال پیدا ہوئی ہیں اور جن کا ذکر بھی مناسب نہیں وہ بھی نہایت تسلی بخش ہیں۔ اور سب سے زیادہ ہمو کار سے خدائی رحمت تسلی دینے والی ہے جسکی رحمت سے ہمو دعویٰ ہے کہ وہ ضرور ہمارے کاموں کا مددگار ہوگا۔ آمین +

بھنے اپنے ہموطنوں اور اپنی قوم کے بزرگوں سے بھی انتہا کرنے میں کچھ دریغ نہیں کیا۔ غایت انتہا ہماری یہ تھی کہ ہم نے اُن سے عرض کیا کہ جن امور کی غرابی کا ہمارے ماتھے میں رشتہ سے اندیشہ ہے اُن کو آپ اپنے ماتھے میں لے لیجئے۔ اُس کے جواب میں ہمارے قدیم خدوم جناب حاجی مولوی سید امداد علی صاحب نے لکھا کہ تم اپنے افعال و اقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس امر کو اس بات سے جو پیشتر کی تھی کچھ تعلق تھا مگر بایں ہمہ میں اس کو قبول بھی کر لیا مگر مجھے خیال ہوا کہ اگر ہمارے محبت قلبی منشی چراغ علی صاحب مجھ سے کہیں کہ تم سے جوڑو تو ہم شریک ہوتے ہیں تو پھر میں کیا کروں گا۔ بقول شخصہ کہ ”گوری کا جو بن چٹلیوں میں ہی جائے“ میرا تو یہ ہیں نکابوٹے ہولیکا۔ میرے افعال و اقوال سے اور مدرستہ العلوم سے کیا تعلق ہے۔ مدرستہ میں تعلیم مذہبی بالمشاہدہ سنت و جماعت کو موافق مذہب حنفی کے۔ اور شیعہ امامیہ کو موافق اُن کے مذہب کے اصول مسئلہ کے ہونی چاہیئے۔ اس باب میں جہاں تک کوئی شخص طاعت چاہے اور

پختلی کرے سب بجا ہے۔ مگر کسی شخص کے ذاتی مذہب یا اُس کے خاص خیالات سے کیا بحث ہے ؟

جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے جو متعصبانہ جواب دیا اُس سے ہر شخص جس کو خدا نے عقل اور محبت قوی اور متبانی دے دی ہوگی نفرت کرتا ہوگا۔ شیعوہ مذہب کی تعلیم کا سلسلہ بالکل علاحدہ ہے جس سے اہل سنت و جماعت کو کچھ تعلق نہیں پس یہ کتنا کیسا بجا تعصب ہے کہ ہر گاہ اُس مدرسہ میں شیعہ بھی ہوں گے اس لئے ہم شریک نہیں ہوتے۔ خدا کرے کہ وہ یہ خیال فرما کر کہ ہندوستان میں بھی شیعہ رہتے ہیں کہ مغلطہ کو سدھاریں مگر افسوس ہے کہ میں سُنتا ہوں کہ حج و طواف میں بھی شیعہ موجود ہوتے ہیں ؟

افسوس ہے کہ شیعہ و سُنی ہیں اس زمانہ میں نسبت اُس زمانہ کے جبکہ امام محمد باقر علیہ السلام شیعہوں سے روایت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں فرماتے تھے نفاق اور شقاق بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ مگر حالت زمانہ کی ایسی ہے کہ اگر شیعہ اپنے تعصب سے سُنیوں کو چھوڑیں اور سُنی اپنے تعصب سے شیعہوں کو چھوڑیں تو دونوں غارت اور برباد ہو جاویں گے۔ ہندوستان میں مسلمان تعداد میں کم ہیں۔ دولت میں کم ہیں۔ محمّدوں میں کم ہیں۔ مگر پھر اُن میں بھی شیعہ و سُنی و فاجی و ناقصی اور دُعا بانی و بدعتی کا فرق پڑے تو مجز برباد اور غارت ہونے کے آئندہ کیا نتیجہ ہے۔ ارے کبھی متعصبو ! تم آپس میں لڑا کرنا اور ایک دوسرے کو کا فر کہا کرنا۔ مگر جوابات سب کے فائدے کی ہے اُس میں کیوں ایک لہر کر شریک نہیں ہوتے۔ عالمگیر نے ایک عامل کی بددیانتی کا ذکر نظیر کسی دوسرے عامل سے کیا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور ایک مائدہ میں پانچوں انگلیاں بڑا نہیں ہیں۔ عالمگیر نے کہا بلے مگر بوقت خوردن ہمہ برابر می شوند پس اسے بزرگو اُس بات میں کیوں تعصب کو کام فرماتے ہو جب میں سب کا فائدہ مشترک ہے ؟

جناب مولوی محمد علی صاحب مراد آبادی کی خدمت میں بھی التجا کی۔ مگر کچھ جواب نہ پایا۔ رفاقتِ حق فی جواز الاسترقاق لکھنے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ قومی بھلائی و قومی ہمدردی کے کاموں میں شریک نہ ہونا البتہ مضائقہ ہے ؟

جناب سید الحاج مولانا حاجی علی بخش خاں صاحب سے جو معاملہ پیش آیا وہ تو طشت از نام ہے اُن کی دہماری تو دُوبھی مثل ہو گئی ہے۔

من ترا حاجی مگویم تو مرا حاجی مگو

یعنی وہ ہجو در عہد کہتے ہیں ہم اُن کو بد عہد کہتے ہیں۔ ہر سال کسی نے بد عہد کی ہو۔ وہ بات جس سے کھنڈت پڑ گئی اس قدر ہے کہ تمام امور تعلیم مذہبی تنہا جناب مدوح کے کیوں نہ پڑو کیئے گئے۔ دیگر بزرگانِ دین کو کیوں شریک کیا۔ وما ہذا الا شقاق مبین +  
مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی جس طرح پر ہوا اگلے ہو گیا۔ یعنی ساتویں جنوری ۱۸۷۵ء کو علیگڑھ میں بہت اعزہ اسلام جمع ہوئے۔ اور اُن سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ تعلیم مذہبی کا اعلیٰ نظام اُن سات بزرگوں کے اختیار میں دیا جائے جن کے نام نامی حاشیہ پر ثبت ہیں۔ اور وہی اس بات کے مجاہد ہیں کہ آؤر جس کو

چاہیں اپنے ساتھ شریک کر کر کیٹیجی درجہ تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت مقرر کر لیں۔ اور جس طرح چاہیں تعلیم مذہبی کا انتظام کریں۔ ان ساتوں بزرگوں نے اس کام کو منظور کیا اور ظاہر اُن کسی کو کوئی مقام کلام باقی نہیں رہا گو کہ کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی۔ اس تجویز کو کمیٹی خرمینۃ البصائر نے بلا عذر تسلیم کیا اور جو خط کہ کمیٹی کی جانب سے بنام

محمد حیات اللہ خاں صاحب رئیس بہیم پور +  
محمد عبداللہ کور خاں صاحب رئیس بہیم پور +  
محمد مسعود علی خاں صاحب رئیس دانا پور +  
مولوی محمد سلیم صاحب رئیس علیگڑھ +  
سید فیصل حق صاحب رئیس علیگڑھ +  
محمد سلیم خاں صاحب رئیس دانا پور +  
مولوی محمد مسیح اللہ خاں صاحب رئیس دہلوی +

اُن ساتوں بزرگوں کے لکھا گیا ہمارے اس آرٹیکل کے اخیر میں بعینہ مندرج ہے جس سے ہر کوئی جان سکتا ہے کہ نسبت تعلیم مذہبی کے بانیان مدرستہ العلوم کی کیسی نیک نیتی ہے اور اُن کے مخالفوں نے جو یہ امر مشہور کیا تھا کہ مدرستہ العلوم میں تعلیم مذہبی میں خرابی ڈالی جاوے گی وہ محض جھوٹ اور افتراء تھا۔ اور ملکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جو لوگ فتوے لائے تھے اور ہندوستان میں جو سولائے استفتاء علماء کے سامنے پیش ہوئے تھے وہ کیسے اتہامات کے بھرے ہوئے تھے۔ اب ہماری دُعا خدا سے ہے کہ سب کے دل میں قومی ہمدردی کا وہ پیدا ہو اور سب متفق ہو کر اُس کام میں مدد کریں جس میں کل قوم کی بھلائی مشہور ہے۔ ومن اللہ التوفیق +

### شکریہ عانت اخبارات

شکریہ خدا کا کہ ہمارے اس قومی کام کی مدد ہمارے اعلیٰ اخبارات نے بھی کی ہے جن کا شکر ادا کرتا



ہم پر واجب ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ صرف تین اخبار ہمارے مخالف رہ گئے ہیں۔ نورالافاق۔  
 نورالانوار جو کانپور میں چھپتے ہیں۔ اور اگر وہ اخبار جو اگرہ میں چھپتا ہے۔ نورالافاق کو کہنے سے  
 نہیں دیکھا اور نورالانوار کو تو جہانگیر نے دیکھا ہی نہیں۔ اگر وہ اخبار البتہ ہمارے دیکھنے میں آتا  
 ہے۔ اس اخبار کو دل لگی کی عادت ہے۔ وہ ہمارے افعال و اقوال کا مخالف اور ہمارے شامت  
 اعمال کا ناصح شفیق ہے۔ ایسے اخبار کو ہم اپنے کام کا یعنی مدرسۃ العلوم کا مخالف نہیں سمجھتے بلکہ  
 بہک خیال ہوتا ہے کہ شاید مدرسۃ العلوم کو وہ بھی اچھا جانتا ہے اور اس کی ضرورت بھی تسلیم کرتا  
 ہے۔ جو اندیشہ کہ تعلیم مذہبی کی خرابی کا تھا غالباً اب وہ نہ رہا ہوگا۔ ہاں جو عظیم الشان تدبیر سچی  
 گئی ہے اور جس میں لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہے اس کے انجام میں اگر وہ اخبار کو شبہ ہے اور ایسے  
 وہ کبھی کسی ہنسی اڑا دیتا ہے۔ اور خیالی مدرسہ یا شیخ حلی کا سامنے منسوب کہتا ہے۔ مگر اگر اخبار کا ایسا  
 کتنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ جو بدافعالی مسلمانوں کی ہے اور خدا کی جو نامہ ربانی ان پر ہے اور بقدر  
 نفاق آپس میں ہمدردی جو ان میں مطلق نشان نہیں ہے۔ اگر ان سب پر نظر کیا جائے۔ تو  
 ہماری اس تدبیر کی اگر تہی اڑائی جاوے تو اڑ کر کیا کیا جاوے۔ ہم مسلمانوں کی بددستی کی یہی ایک نشانی  
 کیا کم ہے کہ اگر وہ اخبار جو ایک قومی اخبار ہے اور جس کے دو ایڈیٹر نہایت لائق مولوی و منشی بریل دہلوی  
 قوم کے کام کی اس وجہ سے کہ ایسے عظیم الشان کام کے انجام دینے کے لائق ہماری قوم نہیں ہے ہنسیاں  
 اڑا دے۔ اور شل ان دو بھائی طالب علموں کے جو ایک دوسرے کی ماں کو من حیث اذہتری ماں  
 ہے گالی دیتا تھا یہ خیال نہ کرے کہ یہ کسی کی اڑائی جاتی ہے۔ اگر یکدم حقیقت قومی بھلائی کا تھا اور  
 بے حرف کثیر رہ انجام نہیں پاسکتا تھا۔ تو اس پر ہنسی سے زیادہ بہتر تھا کہ اس کی امداد میں کوشش کی جاتی۔  
 اگر اس کے انتظام اور اس کی کارروائی میں کچھ اندیشہ تھا تو ہم اپنی قوم کے لیے نہایت مبارک فرما دیتے  
 کہ جناب مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب کا ایک عنایت نامہ کہیں میں آتا اور وہ کہیں میں اس لیے شریک  
 ہونا چاہتے کہ جو خرابیاں اس کے انتظام اور اس کی کارروائی میں ہوں ان کو دور کریں اور اصلاح فرمادیں  
 ورنہ بولی شمشیر کی کسو نہیں آتی جس کے سونے میں بان ہے کچھ نہ کچھ کہہ ہی لیتا ہے۔ مگر ہم خدا کا  
 شکر کرتے ہیں کہ اب ہم ان کو بھی مدرسۃ العلوم کی نسبت ہمدردانہ پاتے ہیں۔ اور باخصیص ان کے اس  
 آرٹیکل کا جو انھوں نے اخبار مطبوعہ ۲۰۔ جنوری ۱۸۸۷ء میں رقم فرمایا ہے دل جان سے مشکور  
 کرتے ہیں۔ اور ہم بھی ہی چاہتے ہیں کہ جو اخلاق ذمہ دار افعال قبیحہ ہمارے ہیں ان کو ہمارے سرور  
 کالائے بددیش خاندن۔ مگر حیات اچھی اور قومی بھلائی کی ہے اس میں شریک ہو۔ اور جو باتیں

خبر میں ہوں ان کی اصلاح کرو +

چنگا بی اخبار لاہور - کوہ نور - تین ٹیک سٹوٹی ملنگڈھ - آندو گاڈ بکلتہ کاتو ہمارا بال ایل احساند  
ہے کہ انھوں نے ابتدا سے ہمارے قومی کام کی جدتائید کی ہے اس کا شکریہ ہم سب ہی طرح ادا نہیں کر سکتے  
اُس اجر سے شہر کے اخباروں کا بھی صبر کا نام لیتے دل بھرتا ہے ہر دل سے شکر ادا کرتے ہیں جو موزیل کوڑا  
نے ہمدردی قومی کے سوائے خُتب وطنی بھی برتنی شروع کی ہے - جو آٹیکل کے انھوں نے مدرستہ العلوم  
کی نسبت اپنے بلکہ بڑے بڑے کچھ باریں لکھا ہے ہم اُس کے نہایت شکر گزار ہیں +

ناصر الاخبار دہلی کی عنایتوں کو اور بالخصوص اُس عنایت کو جو خاص محاکمہ کے ایک آٹیکل لکھنے میں  
کی ہے ہم بھول نہیں سکتے - ہمارے وطن کے اخبار ہم سے اس لئے ناراض ہیں کہ مدرستہ العلوم ملی ہیں  
کیونکہ مقرر ہوا - بھائی کہاں ہے وہ دلی اور کہاں ہیں وہ دلی والے - جو نقش کر سٹ گیا اُس کا اب کیا  
نام لینا ہے - مرثیہ پڑھ کر اور دلی اور دلی والوں کو رویا کرو +

آودھ اخبار اور اُس کے مالک اور شفیق ڈیٹر صاحب تو دل جان سے مدرستہ العلوم کے حامی ہیں  
اُن کے شکریہ میں یہی کہنا بس ہے کہ ہم اُن کا شکر ادا نہیں کر سکتے +

مرقہ تہذیب لکھنؤ نے جو کچھ اعانت ہمارے قومی کارباریں کی ہے وہ حقیقت ایک قوم عانت  
ہے اسی ہی نہیں ہے کہ صرف اخبار ہیں جن بکلتہ انھیں لکھنے پر بس کی ہو - بلکہ اُس جلد کے بعض زبردگوں  
نے قلم و قدم و دم سے بھی کوشش کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے - جو مضمون کر ۱۲ - جولائی ۱۹۰۷ء کو مضمیمہ  
اخبار مذکور میں چھپا اُس کے لئے کیٹی خزانہ البصاعت مدد سے زیادہ متون ہے +

ہم اپنے دکھنی دوستوں یعنی متیسور اخبار کے اُس آٹیکل کے لئے جو چھٹی - اگست ۱۹۰۷ء کے  
پہر میں چھپا - اور قاسم الاخبار کے اُس آٹیکل کی کاپی جو ستر تصویر اگست کے پہر میں چھپا دل سے شکر گزار  
ہیں مسلمانوں کی ایجابات ہے کہ جب تک دور و نزدیک کے سب مسلمان شریک ہو کر مدد کریں - ایک  
خزانہ آب حیات کا مجموعہ کریں جس کی ہرگز نہ تمام ملک کو سیراب کریں - اُس وقت تک قومی بھلائی اور  
قومی ترقی ناممکن ہے - اور اگر لوگ یہ خیال کریں کہ ہم اپنے اپنے لئے مجاہدہ اگڑا کھو دیں اور گو اُس میں  
پانی کا کچھ رسائی ہی ہونے لگے - مگر یقین طاری ہیں کہ وہ رساؤ بہت جلد خشک اور بند ہو جاوے گا - جب تک  
کہ ہم ایک سرحد چھوڑنا نہیں جس کی سونوں میں کسی کمی نہ ہو - اُس وقت تک قومی سرسبزی جو ہنر لایک  
نہایت وسیع باغ کے بغیر ممکن ہے +

شمس الاخبار مدلس کا شکریہ بغیر ہم نہیں دے سکتے کہ وہ بھی اس قومی بھلائی میں بکلتہ انھیں کے بغیر

نہیں ہوتا۔ اس ہماری غرض شکر گزاریوں سے استعدائیت ہو سکتا ہے کہ اب تمام ہندوستان کے اخبار ہمارے قومی بھلائی کے کام میں مدد و معاون ہیں اور بالاتفاق تمام ہندوستان کو اس بات کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اُن کی صلاح و فلاح میں کچھ کرنا چاہیے۔ اور اس بات کو بھی سمجھتے۔ دوست اور دشمن نے۔ یار و اختیار نے۔ مخالف و موافق نے تسلیم کیا ہے کہ اس کام کے لئے درستہ العلوم سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے۔ مگر جو کہ ہم مسلمانوں کی بدبختی سے چند باتوں کی ہم میں کمی ہے اس لئے اب تک یہ کام پورا نہیں ہوا۔ تو یہی کام میں ہماری قوم کو توجہ کم ہے۔ روپیہ وصول گاموں میں خرچ کرنے میں اندھے ہیں۔ الّا قومی بھلائی میں خرچ کرنے کی عادت نہیں۔ ایک کام کا ولولہ اٹھتا ہے وہ قائم نہیں ہوتا۔ اُس کے پورا کرنا بہت جلد خیال جاتا رہتا ہے۔ محنت کی اور جو کام شروع کیا ہے اُس پر کد و کاش کرنے کی عادت نہیں ہے۔ مگر حکومت خدا سے اُمید ہے کہ آئندہ کو بہ نسبت گزشتہ کے ہماری قوم اس قومی کام کے پورا کرنے میں زیادہ توجہ کریگی +

اس مقام پر جہاں اخباروں کا شکریہ مننے ادا کیا یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے ملک کے بے نظیر اخبار النفع العظیم کا اهل هذا الاقليم کو بھول گیا۔ وہ اخبار ہمارے ہندوستان کا فخر اور ہمارے اخباروں کا سر تاج ہے۔ اسکی بنان سے ہمارا دل جان زندہ ہوتا ہے۔ اُس کے شیریں الفاظ اور موزونی کلام سے ہمارے کچھلی باتیں سب یاد آتی ہیں۔ اُس نے جو کچھ ہمارے قومی بھلائی کے کام میں کی ہے اُس کو سب سے انیر اس لئے بیان کیا ہے کہ ہمارے انجام مقاصد کے لئے شگون نیک ہو۔ جو اُنکیل یکم دسمبر کے پرچم میں چھپا ایسا درد آمیز و محبت خیز ہے جس کے اثر کا نقش ہر صاحب کے دل پر ہوتا ہے۔ ہم ہزار ہزار زبان سے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اُس کا شکیل کو جینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارا یہ ناچیز پرچم بھی اُس محل درخشاں کی روشنی سے منور ہو +

وہو هذا

الکلام فی حالۃ المسلمین الہندیین والیقا ظم عن نعل الغفلة فی ہذا الحین

لما تری الاسلام ضعیفا و اہلہ فی حقیض المذلة و ضعیفا کان او شریفا یا خذنا الماسف  
الشدید و الہف المزید و کن ذلک یحاضنا الغیطة اذ نشوف الحضور ای عبدہ الامام ع  
علی المعارج العظیمہ من حیث الثروة و الرخاء و ما کان ذلک لہم الا بد ترقیم و سعیم فی

اخذ العلوم وتحصيل الفنون فلما لا نجد في المدارس من اطفال المسلمين الا عدد اليسير ابتلا  
 المتحرفان اطفالهم بالرغبة والكثرة يتعلمون العلوم الحكمية والفنون الرياضية بلغة  
 انكليزية فيكيدنا احوال جميع المسلمين لا سيما حالة الهنديين فانهم مصرون على اخذ  
 الرذائل وترك الفضائل لا يجاملون بانفسهم واوداهم كليف بالاغيار ولا يعبرون بشيء  
 من المحارث انما كنت في هذا الاصرار لا يعلمون اطفالهم الا البطالة ولا يرغبون الا  
 الا الى السفاهة والجهالة فتعدوا على ترك الاشغال والحرف الجيدة واستحال الملاهي  
 والملاهي وانهم في المعاصي والمعائب ونبد الرغائب وادخار العيوب ولا عن امر  
 والمثالب لا يرون الى عبادة الاصنام كيف يبالغون في الاحترام وتحصيل الحرف والصنائع  
 يتعلمهم لسلطان الحكام حتى انهم يصعدون على المشارف العالية العظيمة وما يصلون اليها  
 الخبيثة من الغر والحقين والثرثوث يرمافيوها - واهل الاسلام ما لهم وقم عند الحكم  
 ولا غيرة بين الانام وهذا العصور يصور وترقى العلوم ودهور اشاعة العلم على المعلوم  
 واهل الاسلام في هذه الايام ايضا اقدون في رقة الغفلة والبطالة او ما يشهد هو علم  
 الناصبون في فاس الجاهلية ان امه انكليزية كيف بالغوا في اختراع الآلات العجيبة والآلات  
 الغريبة المساعدة على التمدن والعمران في هذه الاوان فاشترقت ممالكهم باشراف شواق  
 العلم والكمال وبرعت اتمهم في ايجاد العجايب وابداء الغرائب بانها كم في ترك الاعمال فسبق  
 الامم السالفة في العلم والعمل وفازوا فوزا عاليا في العظامة والفضل وقد كانت امه انكليزية  
 في العصور العالية والذهو الماضية هائمة في فافا السفاهة والهمج والهو ان و  
 غاصبين في البحار الجاهلية والامتهان حتى اخذوا من العلوم ما اخذوا وعلموا على ما  
 عملوا الى ان بنوا واخترعوا اشياء كثيرة باذهان صافية وعقول وافية فيا هم من قبل  
 واذهان استوالهم على البلاد النسيمة اعني هندوستان وقد مضت مدت من  
 الازمان على ان امه انكليزية استولت على البلاد الهندية بالفت في اشاعة العلوم  
 والفنون في هذه البلاد فقلدهم عبادة الاصنام واخذوا في تحصيل العلوم حتى غلبوا  
 الى المناصب الجليلة ولكن مسلمي الهند لا يلتفتون الى تعلم العلوم يخرجوا من ظلمات  
 الدل والجهل الى نور العقل والعلم والفضل فلو رغبا الى تحصيل العلوم والفضائل  
 لغابوا الى المشارف العظيمة والمناصب الجليلة الضخيمة وحصل لهم العن

والاعتبار والتكريم ومن وقهم لين على الناس وقم الاسلام فالسلمون الهنديون  
قد استمنوا الاسلام بامتنانهم وصغر الاماني هو انهم وانا نتيقن على انهم ان مالوا الى  
تحصيل العلوم والفنون في هذا الحين فيظهر فضلهم في قلائل الايام على العالمين اذ  
اصفى وقلوبهم اذكي من اذهات الهند وقلوبهم فلا بد انهم ان يقبلوا امتنا نكليز في  
اخذ العلوم واستعمال الصنائع وامتنا نكليز انما تريد تعليم رعيتهما طيبة لا خبيثة  
فيه الهند ولكن نحن لا نريد الى ذلك سبيلا اذ المسلمون لا يعجبون على امر يكون فيه  
صلاحهم واصلاحهم ولا يرغبون الى شئ يوجب فيه فلا هم ونجاحهم ولا يتفكرون  
في انه قد حان زمان انتكاسهم وطلاحهم وقربت ايام ذلهم وهو اثم وكسر طاحم قد  
استحوذ عليه هو الحق والطيش فضاق عليهم العيش ومار العجز دليلهم وسد سبيلهم  
حتى انهم من يريد لهم خيرا يزعمونه معاندا وتلك الخيرة لا تفهم شرها وضيرا واعظم  
الشواهد على ذلك احوال الحجاب نجم الهند السيد احمد خان بهادر الذي بالتم في حامية  
الاسلام والمسلمين واراد ان يصلحهم الى المناصب الجليلة والرتب الجليلة بتعليمهم  
العلوم الدينية والفنون الدينية على طرق مستحسنة فاستجهم المسلمين على ان  
يحشدوا هائلا واخر من المصاريف المدهرة لامة لذلك فقتلنا خسوا في هذا  
نشا خشا كثيرا منهم من قام لتكفيره ومنهم من جى في قطع تدبيره مدبر الله من غير تدبير  
حتى وقم الشغب العظيم في المسلمين وبعض مخالفيه اشتهروا في البحر نالات مطاع الى  
اليه الى ان تاخر كثيرا من الناس من نصرته المدهرة الموصوفة بل الصرا في تعيق بانها  
وهدم مبانها ولم ينظروا الى عوايدها ولم يفهموا قوايدها واقامة تلك المدهرة في  
هذا الزمان من الواجبات اذ لا اله الا هو قد استضعف على المسلمين فذل وقايهم جميعا  
ليس البلية في ايامنا عجيبا + بل السلامة فيها عجيبة العجب  
ليس الجمال باثواب ينزنها + ان الجمال جمال العلم والادب  
ليس القيم الذي قدمته والذ + ان القيمة بقيم العقل والحسب  
ايها الفاخرة جملة بالنسب + انما الناس سلام واب  
هل تريم خلقوا من فضته + ام حديد ام نحاس ام ذهب  
هل تريم خلقوا من فضله + هل سوى عظمه ولحمه وعصبه

انما الفخر لعقل ثابت • وحیار وعفاف ادب

وانما لا نشك في ان اقامته المدرسته الاسلاميه الموصوفه انفع للمسلمين من شغبهم  
هذ الان لا طائل تحت شغبهم وكدحهم الى تكفير الباني وتفسيقه ابدا الا انهم يخرجون بلقوهم  
الباطلة الفاسدة وارايم الكاسدة عن النفع العظيم والبرج الجسيم الذي يحصل لاطفالهم  
بتعلم العلوم الجديده في المدرسته الموصوفه في ايها المسلمون اذ انكم ازمانكم هذا  
واجتهدوا والتعليم اطفاكم واحشدوا والمصاريف لاقامة المدرسته الاسئمه رافته  
على اولادكم لكي يبلغوا بعد تعلم العلوم والفنون الى المشارف العاليه والمناصب  
الجزييليه ولا تستندمون بعد قلائل الا زمان حيث لا ينفعكم الندم •

العلم زين فكن للعلم مكتسبا • وكن له طالبا ما كنت مقتسبا  
واركن اليه وثق بالله واغن به • وكن حليما راضيا العقل محترما  
لا تسام من قاما كنت منهمكا • فالعلم يوم اما كنت منغسا  
وكن فتي ناسكا محض التقى ورعا • للدين مقتسنا للعلم ومفتريا  
فمن تخلق بالا داب ظلى بها • رئيس قوم اذا ما فارق الروما  
واعلم هديت بان العلم خير مما • اضحى بطالبه من فضله سلسا  
واما اللذين يكفرون الباني فلا يد له ان لا يبا اليهم اذا اسفها ولا محالته اعداء للكلما  
وهذه عادت جاريه من قديم الزمان تراب على راس الزمان فان زمان عقوق  
لا زمان حقوق فكل رفيق فيه غير موافق وكل صديق فيه غير صديق •

## نقل خط

جو کٹی غزینۃ البضاۃ سے آنکات بزرگوں کے نام جاری ہوا جنہوں نے  
اہتمام تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا اپنے ذمہ لیا ہے۔

مخدوم وکرم معظم و محترم مطاع بندہ سلامت -

بعد سلام سنون اناس یہ ہے کہ رونداد اجلاس کٹی غزینۃ البضاۃ مورخہ ۱۱ جنوری ۱۳۵۵  
بنیو نیادار بنہ خدمت عالی میں بھیجا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ جو تجویزیں ۱۱ جنوری ۱۳۵۵ء کو  
بتعام علی گڑھ آپ نے بشمول دیگر مسلمانان کی تہنیں و سب حسب رابطہ رویداد میں مندرج ہو گئیں۔

اور جن لوگوں کو آپ نے کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا ممبر ہونا تجویز فرمایا تھا اُن کے نام نامی حسبِ رابطہ رویداد میں مندرج ہو گئے۔ منجملہ اُن صاحبوں کے سات بزرگوں نے اپنی منظوری ممبر ہونے کی ظاہر کر دی تھی۔ مگر نواب محمد محمود علی خاں صاحب رئیس جھتساری اور حاجی محمد فیض احمد خاں صاحب رئیس ناولی اور محمد ارشاد علی خاں صاحب اور مولوی محمد لطف اللہ صاحب اور مولوی عبدالقدیم صاحب اور مولوی محمد علی صاحب نے ہاں موجود نہیں تھے۔ اُن بزرگوں نے جنہوں نے ممبر ہونا منظور کر لیا تھا یہ بات فرمائی تھی کہ ہم بطور خود تحریر آغا و تقریر اُن لوگوں سے منظوری حاصل کر لیتے۔ پس اُمید ہے کہ آپ بزرگان مذکورہ بالا سے نسبت منظوری ممبری کے طے فرمائیں اور اُن سے جو صاحب ممبر ہونا منظور کریں اور جو نام منظور کریں اُن کے اسماء مبارک سے مطلع فرماویں۔ تاکہ بنظرِ اطلاع دیگر ممبران مندرجہ رویداد کیے جاویں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ممبر جب تجویز مذکورہ بالا کے یا ممبری طے ہو گیا ہے کہ اُن سات بزرگوں کو جنہوں نے ممبر ہونا منظور کر لیا ہے اس بات کا بالکل اختیار ہے کہ جس جس کو چاہیں کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا ممبر مقرر کریں پس آپ ساتوں صاحب باہم صلاح اور مشورہ کر کر جس جس کو کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت میں داخل کرنا چاہیں داخل فرماویں۔ کسی کو اس میں کچھ مداخلت نہیں ہے۔ اور اپنی کمیٹی کی کادروائی کے لئے بھی جو قواعد مناسب ہوں تجویز فرماویں۔ صرف اتنی بات چاہیے کہ جو قواعد آپ تجویز کریں سبکی ایک نقل اور اپنے اجلاس کی روئداد ہمیشہ دفتر کمیٹی غزنیۃ البضاعت میں ارسال فرماتے رہیں تاکہ بنظرِ اطلاع ممبران کمیٹی غزنیۃ البضاعت کے وہ کاغذات بھی چھپتے رہیں۔

دوسرا امر قابلِ عرض یہ ہے کہ علیگڑھ میں جو یہ گفتگو ہوئی تھی کہ ممبران کمیٹی مدبران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی کمیٹی کے کسی ممبر کو جس وقت چاہیں کثرتِ رائے سے موقوف کر سکیں اسکی نسبت یا التماس ہے کہ آپ اپنی کمیٹی جمع کر کے اس امر پر اور اُس کے نیک بد پر بروخی غور فرمائیں اور جو تجویز قطعی اور آخرین نسبت امر مذکورہ کے ٹھہرے اُس سے مطلع فرمائیے۔ تاکہ اُس کی تعمیل کے لئے حسبِ ضابطہ کار روانہ کیا جاسکے۔

تیسری عرض یہ ہے کہ تمام مدارس تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا اُن ساتوں بزرگوں نے جنہوں نے ممبر ہونا قبول کر لیا ہے اور اُن کے جن کو کہ آئندہ وقتاً فوقتاً آپ اپنا شریک کہیں گے سپرد ہے۔ اور انھیں کو اسکی نسبت اختیارِ کامل حاصل ہے۔ وہی لوگ مدرساتِ تعلیم مذہبی تجویز کریں گے اور وہی لوگ سلسلہ کتب مذہبی مقرر کریں گے پس اُمید ہے کہ آپ سب صاحب متوجہ ہوں اور جو امور کہ آپ نے

اپنے دست اختیار کیے ہیں اُن کا انتظام اور انصرام فرمادیں :

چوتھی عرض یہ ہے کہ سلسلہ کتب درسی مذہبی کا جو آپ مقرر فرمادیں اُس کے چار درجے حسب تفصیل ذیل ہونے چاہئیں۔ اول سلسلہ عام ضروری درسی کتابوں کا۔ یہ سلسلہ صیفہ درجہ سے متعلق ہوگا جس کا ذکر طریقہ تعلیم کی دفعہ ۸ میں مندرج ہے۔ اس درجہ میں جو بڑے کے تعلیم پادیس گئے اُن کی مدت تعلیم جملہ علوم کے لیے پانچ برس مقرر ہے۔ اس درجہ میں ہر طالب علم کو مذہبی کتابوں کا پڑھنا ضرور ہوگا۔ اس درجہ کے طالب علموں کی استعداد اس درجہ تک پہنچے گی کہ وہ عربی اور فارسی عبارت مع قواعد صرف و نحو عربی پڑھ سکتے ہوں گے اور عربی و فارسی عبارت کے معنی اور مطلب بخوبی سمجھ سکتے ہوں گے پس اس صیفہ کے لیے ایسے درجہ کی کتابیں عربی زبان کی تجویز کی جاویں جو رفتہ رفتہ اُس قدر استعداد کے طالب علموں کے مناسب ہوں۔ اور یہ بھی تجویز کیا جائے کہ صرف اور نحو کے کس درجہ تک پہنچ جانے کے بعد عربی سلسلہ مذہبی کتابوں کا پڑھنا شروع کرایا جائیگا :

علاوہ اس کے اسی درجہ کی لیاقت کے موافق ایک دوسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا فارسی زبان کا منتخب ہونا چاہیے تاکہ جو لوگ عربی زبان کی تعلیم اختیار نہ کریں گے اور فارسی زبان میں تعلیم ہونا چاہیں گے اُن کو وہ سلسلہ مذہبی تعلیم کا پڑھنا پڑیگا :

اس کے سوا اسی قسم کا ایک تیسرا سلسلہ مذہبی کتابوں کا اردو زبان میں مرتب ہونا چاہیے تاکہ جن لوگوں نے یورپ کی زبانیں اختیار کی ہوں اُن کو اُس اردو سلسلہ کے ذریعہ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنی ضرور ہوگی :

دوم سلسلہ اُس سلسلہ سے اعلیٰ درجہ کی مذہبی کتابوں کا مقرر ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ سلسلہ درجہ العلوم کے اعلیٰ درجہ سے علاوہ رکھیگا جس کا ذکر دفعہ ۱۲ طریقہ تعلیم میں ہے اور اس درجہ میں بشمول دیگر علوم کے چار برس تک تعلیم ہوگی :

اس درجہ میں دینیات کی ایسی کتابیں عربی کی منتخب ہونی چاہئیں جو ایک مستعد طالب علم کے پڑھنے کے لائق ہوں اور جو عموماً اعلیٰ درجہ کے طالب علموں کے درس تدریس میں داخل ہوں گے اس درجہ کے لیے فارسی زبان کی کتابوں کا بھی کوئی سلسلہ منتخب ہونا نہایت مناسب ہوگا بلکہ اس درجہ کے لائق اردو زبان میں بھی کوئی سلسلہ پڑا گیا جاوے تو مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید ہوگا۔ اور اگر آپ کی سیٹی تو مجھ فرمائے گی تو بذریعہ تصنیف اور ترجمہ کتب زبان اردو و فارسی سلسلہ ترتیب ہونا کچھ مشکل نہ ہوگا :



تیسرا سلسلہ اس سلسلہ سے بھی اعلیٰ درجہ کی مذہبی کتابیں کا مقرر ہونا چاہیے کیونکہ یہ سلسلہ مدرستہ العلوم کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے علاوہ رکھتا ہے جس کا ذکر دفعہ لا طریقہ تعلیم میں ہے۔ اس سلسلہ میں ایسی شکل اور دقیق کتابیں داخل ہونی چاہئیں جو ایک پورے اور کامل فاضل ہونے کے لیے درکار ہیں اور اگر اردو کے لیے بھی فادہ سی اور اُسود زبانوں کا سلسلہ بھی مرتب کیا جائے تو نہایت عمدہ بات ہوگی +

چہارم۔ یقیناً پہلے اس لحاظ سے مرتب ہوں گے کہ طالب علموں کو اور علوم کے پڑھنے کا بھی جس کے ساتھ یہ سلسلہ مذہبی پڑھایا جائے گا متوقع رہے۔ لیکن بعض طالب علم ایسے ہونگے جن کی خواہش یہ ہوگی کہ صرف دینیات ہی میں اعلیٰ اور کامل درجہ کی تعلیم پادیس پس اُن کے لیے ایک عمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیے جس میں کتابیں ہر ایک درجہ میں کسی قدر زیادہ اور نسبت کتب سلسلہ مانے مذکورہ بالا زیادہ شکل اور زیادہ دقیق ہوں کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پادیس پس اُن کے لیے ایک عمدہ سلسلہ خاص صرف عربی زبان کا مرتب کرنا چاہیے جس میں ہر ایک درجہ میں کسی قدر زیادہ اور بہ نسبت کتب سلسلہ مانے مذکورہ بالا زیادہ شکل اور زیادہ دقیق ہوں۔ کیونکہ جو لوگ صرف دینیات ہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم چاہئیں اُن کو پوری شکل اور دقیق تعلیم ہونی چاہیے +

یہ تمام سلسلے جن کا اوپر مذکور ہوا مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق حنفی مذہب کے منتخب ہونے چاہئیں کیونکہ تمام اہل ہندوستانی حنفی مذہب ہیں اور مدرستہ العلوم میں حنفی مذہب کی تعلیم ہوگی تعلیم دینیات میں علوم مفصلہ ذیل اہل ہیں۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ اصول فقہ۔ اصول حدیث۔ اصول تفسیر۔ علم عقائد۔ علم کلام پس انہیں علوم کی کتابیں سلسلہ تعلیم علوم مذہبی میں جس طرح کہ مناسب ہوں داخل کیا دیں۔ یہ سب تفصیل میں نے اس لیے اتنا س کی ہے کہ جو درجات تعلیم مدرستہ العلوم میں مقرب ہوئے ہیں اُن سے آپ کو بلا تکلف اطلاع رہے۔ اور اسی مناسبت سے سلسلہ کتب دوسرے مذہبی کا قرار دینے میں آسانی ہو +

اس امر کی اطلاع کرنی بھی مجھ کو ضرور ہے کہ آپ بہت جلد اور سب سے اول جن لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا منظور ہو اُن کو شامل کر کے اپنی پوری کٹی کر لیجئے اور سب سے اول اور نہایت جلد وہ کتابیں جن کا ذکر سب سے پہلے سلسلے میں ہوا ہے منتخب اور تحریر فرمائیے۔ اور اُن کی فہرست سے کیٹی خزانہ البصاۃ کو مطلع فرمائیے تاکہ یہ کیٹی اُن کے ہم پہنچانے میں

اسی دوشش کرنے۔ کیونکہ جب تک یہ سلسلہ مرتب نہ ہو جاوے گا اور سب کتابیں ہم  
نہ پہنچائی جاویں گی تعلیم شروع نہ ہو سکیگی۔ والسلام +

آخری پرچہ

## تہذیبِ لاق

ستوں کو جنھوڑتے ہیں تاکہ جاگ اٹھیں۔ اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہو گیا۔  
اور اگر نیند میں اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے اور کچھ جھنجھلائے۔ ادھر ہاتھ جھٹک دیا اور پھر  
پیشک دیا اور جھنجھلاہٹ میں اینڈے پڑے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد  
جاگ اٹھیں گے۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے اگر  
یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہیے اور تہذیبِ الافلاق کو بند کر کر دور  
سے نیند کے اُن خسار آلودوں کا جواب صرف جھنجھلاہٹ سے اینڈے پڑے  
ہیں اٹھنا اور ہوشیار ہونا دیکھنا چاہیے۔ بچے اٹھاتے وقت کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم کو  
اٹھانے جاؤ گے تو ہم اتر پڑے رہیں گے تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہو گئے۔  
بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کراں سے کہتا ہے کہ بی یہ مت کہے جاؤ کہ شامش بیٹا  
پی لے پی لے تم چپ ہو رہو میں آپ ہی پی لوں گا۔ لو بھائیو۔ اب ہم بھی نہیں کہتے  
کہ اٹھو اٹھو پی لپی لو۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو ناص شفق سمجھتا  
ہوں بلکہ جو ہٹ اور جو حالت ہماری قوم کی ہے اُس کو جملانا چاہتا ہوں +

ایک دن تھا کہ ہم بھی اسی رنگ میں سوتے تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ  
شعور کے بھی اٹھانے نہ اُٹھتے تھے۔ اب ہماری پیشل ہے۔

لہذا میرے مسجد جامع کے ہیں امام  
داغ شراب دھونے تھے کل جانا ناکا

کیا کیا خیالات ہماری قوم میں ہیں جو ہم میں نہ تھے۔ اور کیسی کیسی کالی گٹھے  
 ہماری قوم پر چھا رہی ہیں جو ہم پر نہ تھیں۔ جب رند تھے تو فرادے بڑھ کر تھے  
 جب زاہد خشک تھے تو نہایت ہی اکڑ تھے۔ جب صوفی تھے تو رومی سے پرورد  
 تھے۔ اب خاکسار ہیں اور اپنی قوم کے غمخوار۔ تمکو کس نے جگایا؟ دل اور زمانے  
 دل کی گھڑت ایسی تھی جس میں ہمیشہ غمخواری تھی۔ پر سوتا تھا۔ زمانے نے جھٹکا دیا اور جگایا  
 دفعہ دیکھا کہ دنیا اُلٹ گئی اور رنگ بزرگ کی پھلواری سب اُڑ گئی۔ قوم کی حالت  
 وہ دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے۔ اسلام کی وہ صورت پائی کہ خدا کرے کا فر بھی پائے۔  
 اس بربادی کے سبب کاغیر قوم کو تو اُردہ ہی خیال ہوا۔ پر غلط ہوا۔ اور مجھ کو جو ہوا وہ  
 خود اپنی قوم کی حالت کا اتر ہونا تھا۔ قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کے کاموں میں  
 ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ ادھر ادھر کی چسپندیں تو دکھنا رہے اس گڑھے کو  
 بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی۔ پھر میرا دل آغردل ہی تھا پھر نہ تھا جو نہ بگلتا  
 اور اپنی قوم کی حالت پر غم نہ کرتا۔ ایک مدت تک اسی غم میں پڑا سو چتا رہا کہ کیا کیجیے۔  
 جو خیالی تدبیریں کرتا تھا کوئی بن پڑتی نہ معلوم ہوتی تھیں۔ جتنی اُمیدیں کرتا تھا سب  
 ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے۔ کرو جو کچھ کر سکو ہر بات  
 اسی بات پر دل ٹھہرا بہت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا دیا اپنی قوم کی بھلائی میں  
 قدم گاڑا۔ اس میں خدا کی طرف کا بدلہ تو نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے۔ مگر قوم کی  
 طرف کا بدلہ اُسی وقت سے معلوم تھا جو اُس بظاہر ہے۔ کافر۔ مرتد۔ ملحد۔ زندیق۔  
 اسلام کا دشمن۔ مسلمانوں کا ناجی۔ قوم کا عیب جو۔ دین دنیا سے آزاد۔ کہنا اور نام پر  
 دو چار صلواتیں سُنا دینا۔ اور ہم پر اس مثل کا صادق آنا کہ دھوبی کا لُٹا گھر کا نہ گھاٹ  
 کا۔ مگر شک ہے کہ اُن کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا۔ اور ہمیشہ ہمارے دل میں  
 یہی آیا کہ اسے خدا اُن پر رحم کر کیونکہ وہ نہیں جانتے +

اُنہی قومی بھلائی کے دلولوں میں سے تہذیب الاخلاق کا نکالنا بھی ایک دلولہ تھا  
 جس کا اصلی مقصد قوم کو اُس کی دینی اور دنیاوی اترجالت کا جھٹلانا اور سوتوں کو جھٹلانا  
 بلکہ مردوں کو اُٹھانا اور بوند مٹے ہوئے پانی میں غریب کا پیدا کرنا تھا۔ یقین تھا کہ  
 مٹے ہوئے پانی کو ہلانے سے بدبو زیادہ پھیلے گی۔ مگر حرکت آجانے سے بدبو خوش

سمجھانے کی توقع ہوتی تھی۔ پس کیا مجھے جو کچھ کرنا تھا۔ اور پایا مجھے جو کچھ کہ پانا تھا۔ مگر خدا سے آرزو ہے کہ اگر مجھے وہ نہیں کیا جو ہم کو کرنا تھا تو وہ تو ہی کرے جو اُس کو کرنا ہے۔

از بندہ خضوع و التوا جی زبید  
بخشایش بندہ از خدا می زبید  
گر من کنم آنکه اُن مرانازیاست  
تو کن ہمہ آنکه اُن ترا می زبید

سات برس تک مجھے بذریعہ اپنے اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی خدمت ہی بجا  
جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اُس سے خبردار کیا۔ دنیاوی باتوں  
میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اُس میں اُن کو روشنی دکھلائی  
مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں اُن کو ہٹایا اور اُس کے اصلی  
نور کو جہاں تک ہم سے ہو سکا چمکایا۔ اُردو زبان کا علم ادب جو بد خیالات اور موٹے  
و بھدے الفاظ کا مجمع ہو رہا ہے اُس میں بھی جہاں تک ہم سے ہو سکا مجھے اصلاح  
چاہی۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مجھے اس میں کچھ کیا۔ مگر ماں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے  
اپنی دانست میں ان باتوں میں بقدر اپنی طاقت کے کوشش کی۔ قومی ہمدردی  
قومی عزت۔ سلف از رعینے اپنے آپ عزت کا خیال اگر مجھے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا  
تو ان لفظوں کو تو ضرور اُردو زبان کے علم ادب میں داخل کیا۔ مجھے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو  
مگر ہر طرف سے تہذیب و شایستگی کا غلغلہ تھا۔ قومی ہمدردی کی صداؤں کا ہمارے  
کانوں میں آنا۔ اُردو زبان کے علم ادب کا ترقی پانا۔ یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو مجھے  
بھر پایا۔ اب بہت لوگ ہیں جو ان باتوں کو نکارتے ہیں گو اس وقت ٹھٹھی مٹھی  
لہریں کھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت ہی آجانا کافی ہے پھر وہ خود اپنی پنسال میں آپ  
چورس ہو رہیگا۔ اس لئے مناسب ہے کہ اب ہم بس کریں اور پانی کو آپ ہی آپ  
فرچورس ہونے دیں۔

ہمارے دوست ہماری اس خاموشی کا کوئی سبب دُور انداز خیال کریں گے  
اور نہ اُس پر التفات کریں گے جو ہمارے ناصح نورالافاق نے اپنے اخیر پرچہ میں

لکھا تھا بلکہ یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی دوسری قومی بھلائی کے کام میں مصروف ہو گئے  
 جو اس سے بھی زیادہ قوم کو مفید ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "ما ننسف من آیتہ  
 او ننسفانائت بخیر منها او مثلھا" اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ایسے  
 دوست ہیں جو اس پرچہ کے بند ہونے سے نہایت ہی شکستہ خاطر ہوں گے۔ مگر  
 ہم اُن سے معذرت کرتے ہیں اور اب اس پرچہ کو اُن سے رخصت کرتے ہیں اور وہ  
 دن بھی اب آنے والا ہے کہ ہم خود ہی اُن سے رخصت ہوں گے \*  
 ہم نے اپنے اس ارادہ سے اپنے بعض دوستوں کو مطلع کیا تھا۔ اور جب اُن کو معلوم  
 ہو گیا کہ ہم نے یہ ارادہ مصمم کر لیا ہے تو اُنہوں نے ہمارے ان سات برس کے پرچوں کے  
 ریویو لکھے ہیں جن کو ہم نہایت احسانمندی و شکر گزاری سے اس اپنے اخیر پرچہ میں دیج  
 کرتے ہیں۔ والسلام \*



# تہذیب الاخلاق بہفت سالہ

## ۱۲۸۳ھ لغایت ۱۲۹۳ھ ہجری

تہذیب الاخلاق کی گزشتہ بہفت سالہ اشاعت نے ملکات اور قوم کے دلوں پر چھ اثر ڈالا ہے اس کے مفید اور نفع  
ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثابت ہو سکتا ہے کہ کانفرنس سلسلہ کے سالانہ جلسوں میں اس کے اہم کے بلٹانی اور ایکسچس سے  
ہونے والے اہم ترین مذاہم شدہ سے ایک خاص نمبر دیا گیا۔ ماسٹر جیلس اور سرسریہ خاں صاحب نے اس پر کچھ کا جو اثر ہے اس کا  
نتیجہ ہے کہ اس وقت تک تہذیب الاخلاق کے کئی پرچے سپیکر کی سرسریہ افزائی کا باعث ہو چکے ہیں۔

میں اس ہونے کے قوم اور ملک کا غیر خواہ (تہذیب الاخلاق) کا مہم چلے گا۔ مگر قوم کی ابتدائی حالت سے۔  
اسکی اشاعت اس وقت اس سہ پہلک محدود حق کی اشاعت کے سیدھے اپنے ہندوؤں کی پوری تعداد بلکہ نصف تک بھی  
شمار کرنا سہی نہیں ہوتے تھے۔ اب اس سہ پہلک ہندوؤں نے ہر جوں کی حفاظت میں زیادہ ہی احتیاط کو ہاتھ سے چھوڑا سال ۱۲۸۱  
میں ایک آدمہ سانس کی پیکر کے قلم کار صاحبان نے ان کا نام لے کر ان کے فکرت سے خیالات نے پلٹا دکھایا اور  
اس سہ پہلک ہمسایہ کی تلاش کا شوق دلوں میں بڑھ گیا۔ مجھے بڑی یاد ہے کہ سرسریہ خاں صاحب کو ہر مہینہ میں صاحب  
کیل ایک اور شہر آباد کے عطیہ میں سے کہیں ایک ہفت سالہ فائل مل گئی تھی جس کی قیمت حضرت نے مبلغ ۱۰  
قرار دیکر شہر آباد کے عطیہ میں سے کہیں ایک ہفت سالہ فائل مل گئی تھی جس کی قیمت حضرت نے مبلغ ۱۰  
کی شکل نے اپنی صورت انکشافی ستیہ صاحب کو اس کیلئے اتھارڈ شافٹین سے چھپوا چھوڑا مشکل ہو گیا۔ اور پھر  
درخواست دم مند کے سوا باقی سب کے سب دیکھتے رہ گئے۔

غرض تہذیب الاخلاق کی کامیابی اور شافٹین کی بے تابی اور قوم کی ضرورت نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ بہفت  
تہذیب الاخلاق کو ایک خوبصورت کتاب طبع سے آراستہ کیں اور اس اخلاقی اور تمدنی مثال کے جلوہ سے مشتاقان جمال و  
انکھوں کو روشنی دیں۔ غرضیکہ کل ایڈیشن بہفت سالہ چار جلدوں میں اس تفصیل سے شامل ہوا قرار پایا۔

جلد اول تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب حسن النک ولوی ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
ایڈیشن کی تیار و دیکھ و قیمت ۱۰

جلد دوم تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب حسن النک ولوی ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
جلد سوم تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب حسن النک ولوی ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
تہذیب الاخلاق انابتا سے شہر ہجری لغایت ۱۲۸۳ھ ہجری۔ قیمت ۱۰

جلد چارم تہذیب الاخلاق اس میں لانا اجماعی مولوی محمد کا اہلہ ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
جلد پنجم تہذیب الاخلاق اس میں لانا اجماعی مولوی محمد کا اہلہ ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
جلد ششم تہذیب الاخلاق اس میں لانا اجماعی مولوی محمد کا اہلہ ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
جلد ہفتم تہذیب الاخلاق اس میں لانا اجماعی مولوی محمد کا اہلہ ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
جلد ہشتم تہذیب الاخلاق اس میں لانا اجماعی مولوی محمد کا اہلہ ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹  
جلد نواں تہذیب الاخلاق اس میں لانا اجماعی مولوی محمد کا اہلہ ستیہ ستیہ جی خاں صاحب بھلاہ کے کل مضامین ۹

خادم قوم وفضل الیوم جرنل قومی و ملک اخبار اشاعت  
کشمیری بازار۔ کلاھوس

